ایڈیٹر۔ عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

آٹھ آنے

As.

اسباب زوال امت

عالم اسلامی کے مشہور ادیب و مفکر امیر شکیب ارسلان کی یہ کتاب اردو لباس میں پہلے بھی جلوہ گر ہو چکی ہے۔ اب مکتبہ انسانی برادری (سعادت گنج۔ لکھنؤ) نے بھی اسے چھاپا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مصنف نے اس کتاب میں زوال امت کے ہر ہر سبب و علت کو مشخص کر کے رکھ دیا ہے لیکن مجموعی اعتبار سے یہ تمام اسباب کا ایک مجمل تصور ضرور دیتی ہے۔ اور اس لائن پر غور و فکر کرنے کے لئے بڑی اچھی محرک ہے۔

صفحات ۸۴ قیمت غیر مجلد ایک روپیہ۔ مجلد ڈیڑھ روپیہ ہمارے خیال میں یہ قیمتیں ۲۵ فیصد زیادہ ہیں۔

٭٭٭

پیارے رسول کی پیاری دعائیں

مرتبہ:۔ مولانا محمد حنیف عطاء اللہ صاحب بھوجیانی۔ ناشر:۔ المکتبۃ السلفیہ۔ شیش محل روڈ لاہور۔ صفحات ۸۸ قیمت ۱۲؍ لکھائی چھپائی، کاغذ سب معیاری۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی دعاؤں کے مجموعے پہلے بھی شائع ہوتے رہے ہیں ویسا ہی ایک یہ بھی ہے لیکن موقع کی دعا شامل ترتیب کر لینے کی سعی اس میں نسبتہً کامیاب ہوتی ہے۔ حاشیے پر ماخذ کا حوالہ کتاب کی وقعت میں اضافہ کر رہا ہے۔ اہل ایمان کے لئے یہ مجموعہ خاصے کی چیز ہے۔

٭٭٭

الحسنات خاص نمبر ۱۹۶۱ء

رامپور کا پندرہ روزہ "الحسنات" ایک معروف اسلامی جریدہ ہے جو اسلام پسند گھرانوں میں کافی مقبول ہے۔ بچوں، لڑکیوں اور کم استعداد والوں کے لئے اس میں بڑے اچھے اصلاحی و تعمیری مضامین آتے رہتے ہیں، بعض چیزیں تو اہل علم کے لئے بھی باعث کشش ہوتی ہیں۔

یہ خاص نمبر دراصل انتخاب نمبر ہے جس میں الحسنات کے پچھلے تیرہ برسوں کے عمدہ مضامین کو یکجا کیا گیا ہے۔ ضخامت ۲۱۶ قیمت صرف ایک روپیہ جو بہت کم ہے بلکہ معنوی منفعت کے مقابلے میں تو مفت برابر ہے۔ ٹائیٹل نہایت دلکش سہ رنگا۔ ادارۂ الحسنات کو اتنا دیدہ زیب اور پرکشش نمبر اتنی کم قیمت میں پیش کرنے پر ہم دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور ہماری سفارش ہے کہ قدرداں حضرات اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

اسباق النحو

مصنف: مولانا حمید الدین فراہیؒ۔ صفحات ۵۵ قیمت ایک روپیہ (جو کچھ زیادہ ہی ہے) شائع کردہ:۔ دائرہ حمیدیہ۔ مدرسۃ الاصلاح۔ سرائے میر اعظم گڑھ

یہ حصہ اول ہے جو صرف "اسم" کے بیان میں ہے۔ مولانا فراہیؒ عربی زبان و ادب کے شہسواروں میں گنے جاتے ہیں، ان کی ترتیب دی ہوئی درسی کتاب عمدہ ہی ہونی چاہئے اور ہے۔ عربی سیکھنے والوں کے لئے اس سے استفادہ ازبسکہ ضروری ہے۔

٭٭٭

فاتحہ کا طریقہ

مؤلفہ: قاضی سید اسماعیل صاحب شائع کردہ: قاضی بک ڈپو۔ بنگنور ضلع چتور۔ صفحات ۶۴ قیمت صرف ۶؍

اس کتاب پر تجلی میں پہلے بھی تبصرہ ہو چکا ہے۔ یہ نیا ایڈیشن ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع کیا گیا ہے بعض جدید مضامین پہلے سے زیادہ ہیں۔ "فاتحہ" کی رسم چونکہ فی زمانہ بہت رائج ہے، اس لئے جس کتاب کا مطالعہ عوام کے لئے نافع ہوگا اس میں بدعی طریقوں کی نشاندہی اور تردید کی گئی ہے۔

ریاض المصلی

مرتبہ جناب عبد القدوس صاحب۔ ناشر:۔ انجمن مصنفین بھوپال۔ صفحات ۱۴۲ سائز چھوٹا خوبصورت۔ لکھائی چھپائی کاغذ معیاری قیمت دو روپے۔

اس کتاب میں فاضل مرتب نے نماز اور اس کے متعلقات کی مرویات جمع کی ہیں۔ ترجمہ بلا متن پر اکتفا کیا ہے لیکن حوالے ہر جگہ ہیں، ترتیب وہی فقہی انداز کی ہے۔ آغاز میں نماز کی اہمیت و فضیلت ظاہر کرنے والی روایات دی گئی ہیں، اور خاتمے پر چالیس مختصر روایات کا ترجمہ بھی منسلک ہے۔ کتاب ہر آئینہ

قرآن حکیم کی اردو زبان میں عام فہم مکمل ذخیرہ

تفسیر حقانی

آسان و عام فہم سلیس و رواں ترجمہ کے ساتھ قرآن حکیم کے معانی و مطالب کی یہ ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے معتمد اہل علم نے بےنظیر درجہ دیا ہے۔ بڑی خوبی اسکی یہ ہے کہ قرآن حکیم پر جتنے اعتراضات اب تک کئے گئے ہیں ان تمام اعتراضات کا محققانہ، مدلل اور تسلی بخش جواب دیا گیا ہے نیز مباحث کے ایسے دریا بہائے گئے ہیں کہ جنکی غواصی اہل علم و اہل نظر کیلئے بیحد ضروری ہے۔ علم تصوف اور معرفت و حقانیت کے اسرار پر قرآن ہی کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے جو سالکین راہ حقیقت و معرفت کیلئے نہایت فکر انگیز ہیں، مسائل شریعت کی وہ تفسیر و تفصیل ہے کہ ہر مسلمان کیلئے اسکا مطالعہ ضروری ہے۔ ربط آیات، آیات کا شان نزول، امم سابقہ کے قصص و واقعات کی مستند تفصیلات، صحیح احادیث سے آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح، طلباء و علماء کے مطالعہ و استفادہ کیلئے خاصے کی چیز ہے۔ غرض تفسیر حقانی علماء و صلحاء، مشائخ و صوفیاء اور عام مسلمانوں کیلئے یکساں مفید ہے اسی لئے یہ تفسیر تقریباً ایک صدی سے مسلمانوں میں مقبول خاص و عام ہے۔

مکمل تفسیر حقانی ۳۰×۲۰ (۸ ماہتا) سائز کے تین ہزار صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے اور اسکی قیمت بھی اسقدر زیادہ ہے (ساٹھ روپے) جسکو ہر شخص بآسانی ایک دم نہیں خرید سکتا۔ اس لئے ہم نے اہل ذوق حضرات کی آسانی کے پیش نظر اس ضخیم تفسیر کو بارہ جلدوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ قیمت بھی واجبی رکھی ہے تاکہ ہر شخص بآسانی خرید سکے آپکو یہ جانکر یقیناً مسرت ہوگی کہ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند تفسیر حقانی کو ایک ایک جلد کی قسط میں ماہ بماہ شائع کر رہا ہے، ایک جلد کی ضخامت تقریباً ۲۵۰ صفحات ہوگی اگر آپ اس بے مثل و بے نظیر تفسیر کے مطالعہ سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی ایک روپیہ منی آرڈر سے کتب خانہ نعیمیہ دیوبند (یوپی) کو ارسال کر کے اپنا نام مکمل تفسیر کے خریداروں میں درج کرا لیجئے جو حضرات ایک روپیہ منی آرڈر کتب خانہ نعیمیہ دیوبند (یوپی) کو ارسال کر کے اپنا پتہ مکمل تفسیر حقانی کے خریداروں میں درج کرالیں گے انکو ہر جلد پابندی وقت سے تفسیر حقانی کی تمام جلدیں ہر ماہ شائع ہونے پر وی پی سے ارسال ہوتی رہیں گی۔ اس طریقہ سے صرف ایک سال کے مختصر عرصہ میں یہ ضخیم و عظیم تفسیر بہت ہی قلیل رقم میں آپکے پاس پہنچ جائے گی، جو آپ کی جیب پر بار بھی ثابت نہ ہوگی اور آپ اس مبارک مقدس تفسیر سے پورے طور پر مستفیض ہو سکیں گے۔

ہدیہ عام فی جلد پانچ روپے لیکن جو حضرات ایک روپیہ منی آرڈر سے ارسال کر کے اپنا پتہ مکمل تفسیر کی بارہ جلدوں کیلئے درج کرالیں گے انکے لئے صرف ساڑھے چار روپے فی جلد مع رعایت خرچ ڈاک ہوگا۔ ایک شہر کے کئی حضرات اگر مکمل تفسیر کیلئے ایک ایک روپیہ ارسال کر کے کسی ایک پتہ پر اپنی اپنی جلدیں یکساتھ منگوالیا کریں تو انکو محصول ڈاک میں کافی بچت ہوگی۔ مثلاً ایک جلد پر محصول ڈاک ایک روپیہ خرچ ہوگا تو دو پر ڈیڑھ روپیہ، تین پر دو روپے، چار پر ڈھائی روپے، پانچ پر تین روپے صرف ہوگا اور ہر ماہ دس جلدیں کسی ایک پتہ پر ایک ساتھ منگوانے کی صورت میں محصول ڈاک صرف پانچ روپے خرچ ہوگا۔ (دس جلدیں اگر ریل سے منگا لیا کریں تو اس سے بھی کم خرچ ہوگا) مکمل تفسیر حقانی کی وسیع اشاعت کیلئے خود خریدار بنئے اور اپنے احباب کو بھی خریدار بنائیے۔

ناشر

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند (یوپی)

مفید ہے۔ بعض مقامات دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ مؤلف کی نگاہ رسا اور انتخاب جاندار ہے۔

ملنے کا پتہ: دارالاشاعت انجمن مصنفین۔ قریشی ہاؤس — شاہجہاں آباد۔ بھوپال۔

* * *

ترجمۃ القرآن

مرتبہ عزیز دانش ابن مولوی عبد العزیز۔ ناشر:- پاکیزہ دار الکتب۔ جیسل روڈ حیدر آباد (سندھ۔ پاک) بمبے ۶۴ صفحات۔ قیمت سوا روپیہ۔

قرآن کے ترجمہ وتفسیر کا کام نہ کبھی بند ہوا ہے نہ ہو گا۔ خدا کی اس کتاب کی جتنی بھی خدمت کی جائے حقِ خدمت باقی رہے گا۔

یہ کتاب تفہیم قرآن کی ایک نئے انداز کی کوشش پر مبنی ہے۔ فاضل مرتب نے آیات قرآنیہ ہی سے صرف ونحو کے قواعد سمجھائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو نافع بنائے۔ گو ہم مطمئن نہیں ہیں کہ اس نوع کی کوشش فہم قرآن کو آسان بنا سکتی ہے، لیکن صحیح فیصلہ کوئی ماہر تعلیم ہی دے سکتا ہے۔

* * *

ماہنامہ اردو ڈائجسٹ

"ڈائجسٹ" یعنی منتخبات کا گلدستہ ایشیا والوں کے لئے نئی چیز ہے اس کا رواج ابھی ابھی شروع ہوا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے دوسروں کی محنت سے مفت میں خوشہ چینی کرکے فائدہ اٹھانا مجرمانہ فعل ہے لیکن علم و ادب کے بارے میں ہم اس طرز فکر کو درست نہیں سمجھتے۔ آج لوگوں کو فرصت کم ہے، ایشیا والوں کے پاس نو پیسہ اور تعلیمی تناسب بھی کم ہے کچھ لوگ اگر اچھی قسم کی کتابیں اور رسالے پڑھ کر ان میں سے اچھی اچھی تحریریں یکجا کرکے ماہ بماہ عوام کو پہنچاتے رہیں تو اس میں جرم وگناہ کچھ بھی نہیں۔ افادیت ظاہر و باہر ہے۔

پیش نظر ڈائجسٹ لاہور سے نکلا ہے، اس کے دو شمارے ہمارے سامنے ہیں۔ سائز خوشنما۔ گیٹ اپ معیاری کتابت وطباعت کا معیار اعلیٰ اور ممتاز۔ صفحات ۱۶۰ اور قیمت پھر بھی ایک روپیہ پانچ آنے۔ پھر بھی سے مطلب یہ کہ بیع کے مقابلہ میں ثمن کم ہے۔ دو روپے بھی قیمت ہوتی تو زیادہ نہیں کہی جا سکتی تھی۔

مضامین کے انتخاب میں صالح وصحت مند رجحانات کارفرما نظر آتے ہیں۔ تقریباً تمام منتخبات سنجیدہ و وقیع ہیں۔ مجلس ادارت پانچ قابل آدمیوں پر مشتمل ہے اسی لئے ایک مؤقر ڈائجسٹ کا اجراء ممکن بھی ہوا ہے۔ توقع ہے کہ اگر اسی محنت شوق سے کام کیا جاتا رہا تو یہ ڈائجسٹ قبول عام حاصل کرے گا۔

ملنے کا پتہ:- ۱۶ ہیڈن روڈ۔ لاہور۔

* * *

مجربات فخر الاطباء

مرتبہ: حکیم محمد جلال الدین۔ شائع کردہ: دار الاشاعت علوم اسلامیہ حسین آگاہی۔ ملتان۔ صفحات ۱۱۲ قیمت دو روپے۔

فن طب سے ہمیں کوئی مس نہیں بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب میں فخر الاطباء جناب حکیم فقیر محمد چشتی نظامیؒ امرتسری کے مجربات اور صدری نسخے ترتیب کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں، ناشر نے لکھا ہے کہ نسخوں کی ترتیب وتبویب میں فخر الاطباء کے فرزند حکیم محمد جلال الدین" نے کی ہے اور فارسی نسخوں کا ترجمہ بھی۔ آغاز میں فخر الاطباء کے حالات وسوانح بھی دس گیارہ صفحات پر ہیں جن سے ان کے اوصاف عالیہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ نسخوں کے مقام و مرتبے کو ماہرین طب ہی سمجھ سکتے ہیں یا پھر تجربہ بتائے گا۔ خاتمہ کتاب پر تشخیص امراض اور علامات کے بارے میں کچھ اصولی نکتے دیئے گئے ہیں۔

* * *

اسلام کا نظام قانون

مرتبہ جناب غلام علی صاحب شائع کردہ: مکتبہ چراغ راہ۔ کراچی

صفحات ۲۹۱ قیمت مجلد پونے چار روپے۔

یہ عبد القادر عودہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بیش بہا کتاب الاسلام واوضاعنا القانونیۃ کا سلیس وبلیغ ترجمہ ہے جس کا بیشتر حصہ کچھ دن ہوئے ماہنامہ "ترجمان القرآن" لاہور میں قسط وار چھپ چکا ہے۔ "الاخوان المسلمون" کے نامور مرشد عام جناب عبد القادر عودہ شہید پر اللہ کی ہزار رحمتیں ہوں

اک نئے انداز میں پہلی بار شائع ہو رہی ہے

بخاری، مسلم، مؤطا، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی، مسند شافعی، مسند ابن حنبل۔ حدیث کی ان تمام مستند اور قیمتی کتابوں کا ایک وقت میں حاصل ہونا اور مطالعہ کرنا یقیناً دشوار ہے۔ لیکن ان کتابوں کا مکمل خلاصہ اور پوری روح مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ اسی بنا پر چھ سو برس سے اس کتاب کو دنیائے اسلام میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہے۔ اور اس کا اک اک نسخہ ہر گھر میں ہو رہا ہے۔

چنانچہ "اشاعت منزل" دیوبند نے مشکوٰۃ شریف کی اس افادیت کے پیش نظر خدمت حدیث کی اک نئی طرح ڈالی ہے، یعنی مشکوٰۃ کی مشہور مستند شرح مظاہر حق کی جدید ترتیب اکابر علماء کی نگرانی میں اک صاحب نظر اور ذی نسبت عالم سے کرائی ہے جس میں

● مشکوٰۃ شریف کا متن مع اعراب سب سے اوپر ہے ● اسی کے سامنے احادیث کا سلیس ترجمہ ہے ● ترجمہ کے بعد شرح ہے جس کی ڈیڑھ سو برس پرانی پیچیدہ اور مشکل زبان کو عام فہم اردو میں ڈھالا گیا ہے ● ضروری حواشی اور ذیلی سرخیوں کا مفید اضافہ ہے ● اصل شرح کے مطالب بدستور باقی رکھے گئے ہیں۔

اس طرح مشکوٰۃ شریف کی یہ نئی خدمت

مسلمان مرد عورت کے لئے انتہائی مفید ——— ہر خطیب اور واعظ کے لئے بیحد کارآمد ——— حدیث کے ہر طالب علم کے لئے فہم حدیث کی کنجی ——— ہر عالم کے لئے قیمتی سرمایہ ——— بن گئی ہے۔

چونکہ یہ اہم کام ہے، بڑی عرق ریزی اور ذمہ داری کیساتھ تکمیل پا رہا ہے۔ اس لئے ماہ بماہ اس کا ایک ایک حصہ شائع کرنے کا پروگرام ہے جو تقریباً تیس قسطوں میں مکمل ہوگا۔ ایک حصہ کی ضخامت تقریباً ایکسو صفحات۔ سائز ۲۰×۳۰ قیمت ؎ محصولڈاک عہ۔

اشاعتی طریق کار

اگر آپ اشاعت حدیث کے اس مفید اور بابرکت پروگرام سے دلچسپی رکھتے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ فارم اعانت بھر کر ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں اور معاونین میں شریک ہو جاویں۔ معاونین کی خدمت میں ایک حصہ مع محصولڈاک دو روپے میں ارسال ہوگا۔

پانچ اصحاب اگر ایک ساتھ اس پروگرام میں شریک ہوں اور اپنے پانچوں نسخے یکجا منگوائیں تو ان سے ایک نسخے کی قیمت مع محصولڈاک معاف کر لی جائے گی

فارم اعانت طلب کرنے اور دیگر تفصیلات کے لئے فوراً لکھئے۔

اشاعت منزل دیوبند (یوپی)

کلام اللہ کے بعد دنیا کی سب سے سچی اور قابل قدر کتاب
بخاری شریف کامل اردو
معہ
متن عربی حواشی دیگر اضافات
ادارہ فیض القرآن عرصہ دس سال سے تبلیغی خدمات انجام دے رہا ہے
اور اسی پروگرام کے تحت تفسیر ابن کثیر اردو کی اشاعت جاری ہے،
ہمارا دوسرا دوماہی پروگرام
بخاری شریف کامل اردو کو معہ متن عربی، حواشی و دیگر اضافات کے ساتھ ہر دو ماہ بعد کامل ایک پارہ کی شکل میں شائع کیا
جائیگا ضخامت تقریباً دو سو صفحات کاغذ نہایت عمدہ کلیر طباعت اور کتابت دلنشین ہدیہ ممبران کیلئے رعایتی دو روپیہ فی پارہ
ڈاک خرچ ایک پارے پر ایک روپیہ، ہر پارے کے پانچ نسخے یکجا منگانے پر ڈاک خرچہ صرف دو روپے آٹھ آنے آئے گا
فیس ممبری
کامل بخاری شریف کے لئے ایک روپیہ فیس ممبری ارسال فرما کر
اس پروگرام کے ممبر بن جائیے اور اپنے دوستوں کو اس طرف توجہ دلائیے
اشاعت کا انتظار کیجئے
تفصیلات کے لئے جلد لکھئے
ناشر
ادارہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

کمیونزم کے خدوخال

پتھر کے دیوتا دنیا کے چھ مشہور مصنف کمیونزم کو خیرباد کہنے کے متعلق اپنی کہانی بیان کرتے ہیں صفحات ۳۴۴ قیمت ڈیڑھ روپیہ مجلد سوا دو روپے

آزادی کی طرف ایک بڑے روسی افسر کی خود نوشت سوانح، جس نے امریکہ میں پناہ لی یہ بے حد دلچسپ لیکن عبرتناک کتاب روس کے حقیقی حالات سے متعارف کراتی ہے اسے پڑھنے کے بعد آپ کمیونزم کے حسین نعروں اور مصنوعی بتوں سے کبھی دھوکہ نہیں کھائیں گے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

سوئٹ روس کی حقیقت بہت ضروری قابل مطالعہ کتاب، دو حصوں میں مکمل۔ (قیمت دو روپے)

کمیونزم اور کسان کمیونزم کو ایشیائی نقطۂ نظر سے سمجھنے سمجھانے کی کامیاب کوشش جو بے شمار دستاویزی حوالوں مزین ہے قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے۔

سوئٹ نظام کی چھ کنجیاں جچے تلے عقلی و نفسی دلائل پر مشتمل ایک سنجیدہ اور معیاری کتاب جو دلچسپ بھی ہے اور حقیقت افروز بھی۔ صفحات ۳۲۴ قیمت ایک روپیہ

لینن کمیونزم کے مشہور راہنما لینن کے سوانح حیات، ایک روسی کے قلم سے جو مکمل غیر جانبداری سے ترتیب دئے گئے ہیں۔ صفحات ۲۷۲ قیمت ایک روپیہ۔

آزادی کا ادب بعض منتخب مقالوں، افسانوں اور منظومات کا مجموعہ۔ جنھیں نیک تعمیری مقاصد کے تحت چھاپا گیا ہے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

ادب میں ترقی پسندی ادب میں "ترقی پسندی" کے نام سے جو تحریک جاری کی گئی تھی۔ اس کی پوست کندہ حقیقت فی الاصل وہ کمیونزم ہی کی ایک سازش ہے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ۔

نئی دنیا کی جھلکیاں (۱) ہمارے دور کا انقلاب) (۲) موجودہ سماج میں طبقاتی نظام) (۳) اقتصادی نظام) (۴) اقتصادی سامراج) ان چاروں میں سے ہر ایک کی قیمت چار آنے ہے۔

اسلامی دنیا

جس میں ہر ماہ جلیل القدر علماء دیوبند کی زیر سرپرستی ایک مستند عالم کا کیا ہوا قرآن شریف کا اردو ترجمہ اور عام فہم تفہیم اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب (جن کے فیضان علم نے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ اور مولانا انور شاہ صاحبؒ جیسی برگزیدہ ہستیوں کو جنم دیا ہے) کی ایک نادر و نایاب تقریر پیش کی جارہی ہے ــــــ اس کے علاوہ مولانا جامیؒ کی ایک نایاب تالیف شواہد النبوت کا اردو ترجمہ (سنہ ۔۔۔ کے ایک قلمی نسخہ سے) مشہور محدث امام ابن جوزیؒ کی تالیف لطائف علمیہ کے اقتباسات، اکابر امت محمدیہ، ارشادات حکیم الامتؒ اور دوسرے مفید اور دلچسپ علمی، ادبی، تاریخی اور سیاسی مضامین برائے ہدیہ ناظرین کئے جارہے ہیں۔ بیرون دیوبند کے حضرات نمونہ مفت طلب فرمائیں۔ سالانہ قیمت: پانچ روپے فی پرچہ ۔ آٹھ آنے۔

سالانہ قیمت چھ روپے۔ فی پرچہ آٹھ آنے

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۰ شلنگ بذریعہ پوسٹل آرڈر

ماہنامہ

تجلی

دیوبند

یاد رکھئے

اگلا اپریل کا پرچہ شائع نہیں ہوگا۔ بلکہ اپریل و مئی کا مشترکہ پرچہ یکم مئی کو شائع ہوگا۔ انشاء اللہ۔

تحت قوائد رجسٹریشن آف نیوز پیپرس

نام رسالہ	تجلی
مقام اشاعت	دفتر تجلی دیوبند
اشاعت کی نوعیت	ماہانہ
پرنٹر پبلشر	عامر عثمانی
وطنیت	ہندوستان
پتہ	محلہ ابو المعالی دیوبند
ایڈیٹر کا نام	عامر عثمانی
وطنیت	ہندوستان
پتہ	محلہ ابو المعالی دیوبند
ملکیت	عامر عثمانی

میں عامر عثمانی

اس کا اعلان کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا تفصیلات میرے بہترین علم و اعتقاد کی رو سے صحیح ہیں

دستخط پبلشر

عامر عثمانی

فہرست مضامین مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۶۰ء

نشان

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپکی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ (وی پی چھ روپے باسٹھ نئے پیسے کا ہوگا) منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

پاکستانی حضرات:۔ ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر ہمیں بھیجدیں رسالہ جاری ہوجائے گا۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

دفتر تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

مدیر عامر عثمانی فاضل دیوبند

پاکستان کا پتہ:۔ جناب شیخ سلیم اللہ صاحب

۲/۵-بی۔ ناظم آباد کراچی (پاکستان)

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "کوہ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

آغازِ سخن

ہمیں رنج ہے کہ ماہِ گذشتہ میں "مولانا ابوالاعلیٰ مودودی" سے متعلق جس تنقیدی جائزے کا اعلان "آغازِ سخن" میں کیا گیا تھا وہ اس بار شاملِ اشاعت نہ ہوسکا۔ وجہ یہ ہے کہ ایک تو "حیات الانبیاء" کی آخری قسط کچھ طویل رہی۔ دوسرے محبِ محترم جناب ماہر القادری (مدیر فاران) کا مکتوبِ گرامی فوری اشاعت کا مقتضی ہوا۔ صرف مکتوب ہی نہیں، اس کے بعض مطالب پر ہمیں جوابی معروضات بھی ساتھ ہی پیش کرنی پڑیں۔ نتیجہ یہ کہ جگہ بھر گئی۔ اب ہمیں امید ہے کہ آنے والے شمارے سے مذکورہ جائزہ شروع کیا جاسکے گا۔

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

لیجئے بریلوی ذہنیت کے حضرات تو ہم پہ توہینِ رسولؐ اور اہانتِ اولیاء کا الزام لگاتے تھے، اب ہمارے ایک رام نگری بزرگ نے توہینِ علیؓ کا بھی الزام عائد کردیا ہے۔ گذشتہ دنوں انصار برادری کے سلسلہ میں چند مضامین تجلّی میں آئے تھے انھی کی تردید میں بدایوں سے ایک رسالے کا "خصوصی نمبر" شائع ہوا ہے اور اسی میں بزرگ موصوف نے ہماری خبر لی ہے۔ دیگر مطالب و مباحث سے تو ہمیں کچھ لینا نہیں، بس وہ چند سطور قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے نقل کردیتے ہیں جنھیں موصوف نے ہمارے معروف جرائم میں ایک جرم کا اضافہ فرما دیا ہے۔ وہ ہمارے اندر "نسلی عصبیت" کا اثبات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

> "مدیر محترم اموی ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اموی تھے۔ میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ موصوف نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باہمی مناقشہ پر قلم اٹھایا تو حضرت علیؓ کے مقام و مرتبہ کو بالکل پس پشت ڈال کر حضرت علیؓ کی تحقیر و توہین تک پہنچ گئے۔ اپنے مضمون پر موصوف کا نوٹ دیکھ کر مجھے ان کی "نسب پرستی" یاد آگئی اور مجھے مان لینا پڑا کہ جب وہ حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ نسبی معاملہ میں انصاف نہیں کرسکتے تو ہمیں ان سے انصاف کی توقع عبث ہے۔"

اب بتائیے آخرت میں سوائے جہنم کے ہمارے لئے کیا بچا ہے؟

توہینِ رسول کے مرتکب تو ہم اس لئے قرار دیئے گئے کہ توہم کیش اور عجائب پرست ذہنوں نے حضورؐ کے بارے میں جو طبعزاد عقائد گھڑ لیئے ہیں ان پر ایمان نہیں لاتے۔ حضورؐ کے سایہ نہ ہونے کی من گھڑت کہانی کو تسلیم نہیں کرتے، انھیں بشر کہتے ہیں اور انھیں عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہیں سمجھتے وغیرہ۔ دشمنِ اولیاء یوں سمجھے گئے کہ مُردہ پرستوں نے قبوری شریعت کا جامہ پہن کر مرحومین کے لئے جس علم دریاؤ کا ڈنکا بجا رکھا ہے اسے خرافات و اوہامات سے زیادہ درجہ نہیں دیتے اور شرک کے سائے تک سے دُور بھاگتے ہیں۔ اب "دشمنِ علیؓ" اس لئے قرار دیئے جارہے ہیں کہ خود سنّی حضرات میں شیعت کے جو تہ نشین اثرات و میلانات پائے جاتے ہیں ان کی لَے میں ہماری لَے نہیں ملتی۔

رام نگری بزرگ کے منقولہ بالا فرمودات کو سنجیدہ حضرات شاید بزلہ سنجی اور تفنن سے زیادہ درجہ نہ دیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کی بزلہ سنجیوں کے پیچھے آدمی کے تہ نشین خیالات و خواہشات کی کارفرمائیاں ہوا کرتی ہیں۔ حبِّ علیؓ کی آخری حد تو وہ ہے جب آدمی عقل و شرافت اور دین و دیانت کو بالائے طاق رکھ کر خلفائے ثلاثہ اور امہات المومنین کو فحش بدترین گالیاں دینے پر اُتر آتا ہے۔ لیکن اس حد سے پہلے کچھ اور بھی منزلیں ہیں اور انھی منزلوں میں سے

ایک منزل پر ہمارے اکثر سنّی حضرات قیام پذیر ہیں۔ ان میں اتنی جرأت تو نہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ پر کھلا تبرا کر سکیں، رکھ رکھاؤ کے طور پر انھیں حضرت اور رضی اللہ عنہ کے الفاظ بھی معاویہ کیسا تھ لگانے ہی پڑتے ہیں، لیکن ان کے دلوں کا حال یہ ہے کہ بس چلے تو بغاوت کے جرم میں معاویہ کو پھانسی پر لٹکا دیں۔ دلوں کا حال ہم نے علم غیب سے نہیں جانا۔ یہ حال تو ان کی گل افشانیاں خود اُگلتی ہیں۔ ذرا اندازہ کیجئے۔ تجلی کے صفحات آپ کے سامنے ہیں۔ کہاں اور کب "توہینِ علیؓ" کی نا پاکی آپ کو نظر آئی۔ بس اتنا ہی ہمارا قصور ہے کہ علیؓ کے ساتھ معاویہؓ کی بھی حرمت چاہتے ہیں۔ اس لئے چاہتے ہیں کہ ہمارے رسولؐ نے انکے ہادیؓ مہدی ہونے کی دعا فرمائی ہے اور اس لئے چاہتے ہیں کہ صحابیت کی عزت و حرمت دین کی اساسیات میں شامل ہے۔ یہ دورنگی ہم سے نہیں ہو سکتی کہ ایک طرف تو معاویہؓ کو رضی اللہ عنہ بھی کہیں اور دوسری طرف یہ کہہ کر انھیں جہنم رسید کرنے کی بھی سعی فرمائیں کہ انھوں نے صرف بیٹے کی محبت میں خلافتِ راشدہ کے مقدس نظام کو ایڑیوں میں گڑ دیا۔ انھوں نے علیؓ سے ناحق بغاوت کر کے اپنی عاقبت برباد کی۔ انھوں نے اس حال میں یزید کو ولیعہد بنایا کہ وہ دنیا بھر کے عیوب سے متصف تھا۔ وغیر ذلک۔

بات یہ ہے کہ جس طرح قبوری شریعت کے سوالوں نے رسول اللہؐ اور اولیاء اللہؒ کے بارے میں عجوبے تراش لئے ہیں اسی طرح حضرت علیؓ کے بارے میں بھی عام طور پر مبالغہ آمیز عقیدت مندیاں ذہنوں میں بار پا گئی ہیں۔ بار پانے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اوّل تو "اہل بیت" جذباتی جنبہ داری کے لئے بڑا زبردست محرک ہے۔ دوسرے حضرت علیؓ کی حیثیت ہمارے بہت سے صوفیاء و مشائخ میں "امام الاولیاء" کی مانی گئی ہے اور ان کی ذات سے تعلق رکھنے والی متعدد ایسی روایات کو احادیثِ صحیحہ کا درجہ دے لیا گیا ہے جو اپنے اسناد اور اپنے متون دونوں اعتبار سے ناقابلِ اعتماد ہیں۔ اس کا اثر عوامی ذہنوں پر پڑنا ہی تھا پڑ کے رہا اور آج عام حالت یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے لڑنے والے معاویہؓ کے لئے کوئی تقدس، کوئی عظمت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ انھیں صحابیت تو کیا معمولی ولایت تک کا اہل نہیں سمجھا جاتا۔ حالانکہ ہم خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ معاویہؓ چاہے علیؓ سے مرتبہ و مقام میں کتنے ہی کمتر ہوں مگر وہ اہانت و تبرا کے مستحق ہرگز نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ راقم الحروف کو سوءِ ظن کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ یہ مجبوری ہے کہ نسل و نسب کے جس تعصب کا ہمیں ہوش سنبھالنے سے آج تک وہم بھی نہیں گذرا اسے ہمارے ہی ایک مہربان بزرگ نے الزامِ مستقل بنا کر اچھال دیا ہے۔ فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

اگلا شمارہ شائع نہ ہوگا

اب یہ عنوان ایسا نہیں رہا جیسے آپ چونکیں۔ دراصل جس پرچے کا اجرا دار ایک ہی قلم پر ہو اسے کبھی کبھی اس طرح کے حادثے کا شکار ہونا ہی چاہئے۔ رمضان آگیا ہے اور رمضان میں ہم جیسے نفس کے بندے سوائے اونگھنے اور غروبِ آفتاب کا انتظار کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔ حاصل یہ کہ مئی کا تجلی نہیں چھپے گا اور اپریل و مئی کا یکجائی پرچہ انشاء اللہ یکم مئی کو اشاعت پذیر ہوگا۔ ہم کوشش کریں گے کہ جو کوفت ناظرین کو ناغے سے ہوگی مشترکہ شمارے کے دلچسپ اور مفید تر مواد سے اسکی تلافی کر دیں۔ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔

عامر عثمانی

قرآن نمبر مولانا آزاد، علامہ رشید رضا، علامہ جوہری طنطاوی، علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے شہرۂ آفاق حضرات کے مضامین پر مشتمل ۱۱۹ سورتوں کا منظوم ترجمہ بھی سیماب اکبرآبادی کے شامل اشاعت ہے۔ رعایتی قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

ربیع الاول نمبر رسول اللہؐ کی ولادت مبارکہ پر علامہ شبلی، مولانا آزاد، علامہ موسیٰ جار اللہ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جیسے فاضلین کے مقالات جامعہ۔ سوا دو روپے (مجلد تین روپے)

اولیاء اللہ نمبر خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حالات اور اقوال کے علاوہ تصوف اور مشائخ چشت کے طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رعایتی قیمت بارہ آنے۔

حکمت نمبر قرآن اور کمیونزم، قرآن اور سائنس، قرآن اور جہاد، قرآن میں جماعت کی اہمیت، قرآن میں حقوق العباد اور قرآن میں آداب مجلسی جیسے اہم مضامین۔ ایک روپیہ

پیغمبر اسلامؐ رسول اللہؐ کے بارے میں ۲۶ غیر مسلم مشاہیر و فاضلین کا اظہار عقیدت۔ قیمت ایک روپیہ

بشریت کا مقام بلند محمد اجمل خاں، مہر محمود خاں اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تین تحقیقی مقالے

مولانا آزاد کی چند کتابیں!

تذکرہ	مجلد	سات روپے
آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی	"	چھ روپے
صبح امید (خاص مضامین)	"	چھ روپے
نقش آزاد (خطوط کا مجموعہ)	"	چھ روپے
مسلمان عورت	"	چار روپے
مسئلہ خلافت	"	ساڑھے تین روپے
مقالات آزاد	"	دو روپے
مضامین آزاد	"	دو روپے
خطبات آزاد	"	تین روپے
شہید اعظم (واقعات کربلا)	"	ڈیڑھ روپیہ

ملفوظات آزاد	مجلد	ڈھائی روپے
انسانیت موت کے دروازے پر	"	ساڑھے تین روپے
مسلمانوں کا راستہ	غیر مجلد	چھ آنے
ولادت نبوی		چھ آنے
امر بالمعروف		ڈیڑھ روپیہ
عیدین	مجلد	ڈیڑھ روپیہ
دعوت حق	مجلد	ڈیڑھ روپیہ
اسلامی جمہوریہ	غیر مجلد	سوا روپیہ
حقیقت الحج		ایک روپیہ
حقیقت الزکوٰۃ		دس آنے
حقیقت الزکوٰۃ		بارہ آنے
فسانۂ ہجر و وصال		آٹھ آنے

(ان سب کتابوں کو ایکساتھ منگانے پر ۲ فی روپیہ رعایت)

بھائی بھائی شیعہ سنی اتحاد کی خاطر ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی ایک علمی کوشش۔ قیمت مجلد پانچ روپے

امام ابوحنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ کے قلم سے۔ آپ جامعہ عثمانیہ (دکن) میں استاذ قانون بھی رہ چکے ہیں۔ ۱۲/

مسند امام اعظمؒ (مع ترجمہ و فوائد) قیمت مجلد آٹھ روپے	**سفینۃ الاولیاء** دارا شکوہ کی تالیف قیمت مجلد چھ روپے بارہ آنے
عثمانؓ صرف تاریخ کی روشنی میں چھ روپے۔ مجلد سات روپے۔	**علیؓ** تاریخ اور سیاست کی روشنی میں قیمت مجلد ساڑھے سات روپے

لو ایمان افروز کتابیں نماز کے فضائل پندرہ آنے۔ سچے رسول کی سچی تعلیم ڈیڑھ روپیہ
معلم نماز مع خاصان خدا کی نمازیں ۱۲/ حضرت فاطمہ ۱۰/ ۴

[illegible] کی دعائیں ۔ حضرت [illegible] حضرت [illegible] حضرت بلالؓ ۔ ان کتابوں کی مجموعی قیمت سات روپے ایک آنہ ہوتی ہے لیکن ایک ساتھ [illegible]

تجلی کی ڈاک

سوال ۴: از محمد احمد۔ کراچی۔ **حیات الانبیاء**

آپ نے "حیات الانبیاء" پر جو نوٹ دسمبر ۵۹ء کے تجلی میں سپردِ قلم کیا تھا وہ اپنی جگہ عمدہ ہی تھا، لیکن "حیات الانبیاء" کے بارے میں اس سے آپ کا واضح موقف سامنے نہ آسکا۔ یہاں پاکستان میں یہ مسئلہ بڑی گرماگرمی کا باعث بنا ہوا ہے۔ آپ بھی اپنی رائے اپنے معمول کے مطابق مدلل و مفصل کر کے تحریر فرمائیں تو بہت ہی اچھا ہو۔ ویسے بھی مذکورہ نوٹ میں آپ نے بہت کچھ لکھنے اور مفتی مظاہر العلوم کے فتوے پر نقد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ پہلو بھی نظر انداز نہ فرمائیے گا کہ بعض لوگ کہتے ہیں انبیاء کو موت نہیں آئی۔ یہ بات بعض اکابر تک کے فرمودات میں ملتی ہے۔

جواب:

کیا بتلائیں۔ ہم خود اپنی اس افتادِ طبع سے عاجز ہیں کہ جب کسی مسئلے میں صریح غلو و تعصب اور افراتفری ہوتی دیکھتے ہیں تو بے اختیار طبیعت چاہتی ہے کہ ان مجاہدینِ کرام کی خدمت میں کچھ عرض کیا جائے۔ اسی فوری خواہش اور تقاضائے طبیعت کے تحت قلم کبھی جنبش کر ہی گذرتا ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ اُس وقت تو فرصت نہ ہوتی اور اگلے وقت میں ٹھنڈے دل سے سوچا تو قلم اُٹھانے میں سوائے ضیاعِ وقت کے کوئی فائدہ محسوس نہ ہوا۔

"حیات الانبیاء" کے سلسلہ میں بھی یہی ہوا ہے کہ جن دنوں مذکورہ نوٹ لکھا گیا انھی دنوں اس سلسلہ کی بحث ایک رسالے میں پڑھی تھی اور اس میں مفتی مظاہر العلوم کا فتویٰ بھی شامل تھا۔ اس فتوے اور پوری ہی بحث کو پڑھ کر اہلِ علم کی بے مصرفی اور اشتغال بمالایعنی سے طبیعت بے چین ہو کے رہ گئی تھی اور جس طرح کی خیالی پروازوں کو دلیل و برہان کا نام دیکر مدعیانِ علم و فہم نے اپنی دانست میں بڑا معرکہ سر کیا تھا ان پر نقد و تبصرہ کرنے کیلئے دل تقاضا کرنے لگا تھا۔ وقت تھا نہیں، زیرِ ترتیب شمارہ کم و بیش تکمیل پا چکا تھا قدرتاً نوٹ ہی میں یہ تقاضا وعدے کا لباس پہن کر اُبھرا۔

لیکن اب بعد میں جو سوچتے ہیں کہ ایفائے وعدہ کریں تو الکریمُ اذا وَعَدَ وفا کی مار سے بچنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ یوں نظر نہیں آتی کہ جب تک آدمی جذبے کی طغیانی میں بہتے ہوئے اس خوش فہمی کا شکار رہے کہ وہ جو کچھ لکھنے چلا ہے وہ برمحل بھی ہے مفید بھی اور ضروری بھی۔ تو اس وقت تک تو وہ قلم چلانے کے لئے مامور بھی ہے اور مجبور بھی۔ اگر اس کی یہ تحریر فی الحقیقت کوئی افادیت نہیں رکھتی اور اس نے سراسر جھک ماری ہے تب بھی وہ خدا اور ضمیر کا مجرم نہ کہلائے گا۔ لیکن جب جذبے کی طغیانی سرد پڑ چکی ہو اور ٹھنڈے دل و دماغ یہ فیصلہ کر رہے ہوں کہ جس باب میں قلم اُٹھانے کو برمحل اور مفید گمان کیا تھا اس میں کچھ لکھنا اور بحث و نقد کی محفل سجانا فضول سر کھپانے اور صفحات خراب کرنے کے مرادف ہے تب قلم چلانے کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنے ضمیر اور نیت کو دھوکا دیا جا رہا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ بعد میں غور و فکر کرنے کے بعد ہم اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ "حیات الانبیاء" کے موضوع پر برسرِ محراب و منبر مناظروں کی دکان لگانا اور لڑائی جھگڑے کرنا فتنے کے سوا کچھ نہیں جس سے بالفاظِ سعدیؒ "گریزندہ چوں تیر باش" ہونا لازم ہے۔ خدا نیک ہدایت دے ان لوگوں کو جنھوں نے اس ماورائی اور مابعد الطبیعی مسئلہ کو عوام کی انجمن میں کھلونا بنا کے ڈال دیا اور اب عجائب پرستی اور تصوف کیشی کے مارے مومنین اس کھلونے کو گیند بنا کر کھیل رہے ہیں۔ چلو کھیل میں بھی کچھ زیادہ مضائقہ نہ تھا۔ خمیری اور فطیری روٹی کی بحث نہ سہی حیات و ممات کی آنکھ مچولی سہی، کرکٹ کے میچوں کا زور ہے تو علمی و عقلی میچوں کا بازار سرد کیوں ہو؟ مگر مشکل یہ ہے کہ تم خدا لذکر میچوں کے کھلاڑیوں میں اسپورٹ اسپرٹ بالکل نہیں۔ وہ کھیلتے ہیں

تو اس طرح کہ پانی پت کا میدان یاد آجاتا ہے۔ پانی پت کی بات تو سمجھ میں بھی آتی تھی کہ بہرحال مسلم اور کافر کا مقابلہ تھا اور شہر و دیار تقسیم ہو رہے تھے، مگر یہ علماء و صوفیاء کی مبارزت اور کھینچ تان سمجھ میں ہی نہیں آتی کہ نہ دین میں تقابل ہے نہ ایک انچ زمین بٹ رہی ہے سمجھ میں نہ آنے والا کھیل چاہے کیسا ہی برتر و اعلیٰ ہو دیکھنے والوں کو خاک مزا نہیں آسکتا۔

اپنا خیال یہ ہے کہ جب آدمی عملی دنیا کی ٹھوس حقیقتوں سے ذہنی فرار اختیار کر کے گوشۂ فرصت میں آبیٹھتا ہے تو اس کے دل و دماغ میں قدرتاً ایسے ہی مسائل کی کاشت ہونی چاہئے جو بہار پہ آکر گیہوں کی بجائے سرسوں اور چنے کے عوض املی کے بیج عطا کریں۔ رسول اللہؐ کا سایہ نہیں تھا، آپؐ ہم جیسے بشر نہیں تھے، آپؐ کو ما کان وما یکون کا علم تھا، آپؐ جلسۂ میلاد میں بہ نفسِ نفیس تشریف لے آتے ہیں ـــ یہی چند عجوبے نہیں، بلکہ ایک پوری قبوری شریعت، ایک مکمل دینِ مُردہ پرستی اسی کارگہِ فرصت و فراغ سے ڈھل کر نکلا ہے اور شرک و بدعت، رمز پرستی، توہم کیشی اور عجوبہ تراشی کے فلک بوس اہرام اسی فراری ذہنیت نے کھڑے کئے ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں اس بحث کو بازیچۂ اطفال بنانے کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے کہ انبیاء کی حیات بعد الممات کس قسم کی ہے۔ بعد الممات تو ہم نے کہدیا ورنہ سرفراز قسم کے اہل سنت والجماعت تو سرے سے یہی ماننے کو تیار نہیں کہ انبیاء کو موت بھی چھو سکتی ہے! کونسا سوال اُٹھ رہا ہے اس قضیہ کو طے کرنے کا کہ عالم نہاں میں انبیاء کیا کر رہے ہیں، کس طرح کر رہے ہیں، کیوں کر رہے ہیں۔ کرنے دو انھیں جو کچھ کر رہے ہیں۔ تم بتاؤ تم کیا کر رہے ہو۔ تم نے کس حد تک اپنے فرائضِ منصبی کو انجام دیا ہے۔ تم نے عساکرِ باطل میں گھرے ہوئے غریب و مظلوم اسلام کو کتنی کمک پہنچائی ہے۔ تم نے کیوں اپنی انرجی اور فکری صلاحیتیں دُور از کار مباحث میں جھونک دی ہیں۔

مختصر بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک انبیاء کی حیات بعد الممات کی کیفیت و نوعیت معین کرنے کی کوشش ہوا میں گرہ باندھنے کے مرادف ہے۔ سلف نے کثرت کے ساتھ یہ فیصلہ دیا ہے کہ انبیاء عالمِ برزخ میں آب و گِل والے عنصری جسم ہی کے ساتھ زندہ ہیں، بس اتنا ہی معلوم کر لینا بالکل کافی ہے اور اس سے زیادہ ثابت کرنے کے درپے ہونا اور نادیدہ عالمِ برزخ کو زبان و قلم کی تصویر گری سے مشہود و محسوس بنانے کی کوشش کرنا عصرِ حاضر کے ذہن کو خواہ مخواہ سفسطے میں ڈالنا اور کشتی کے لئے للکارنا ہے۔

منکرینِ حیات کی مجبوری بھی تو دیکھئے۔ انسان ازل سے آجتک جس حقیقت کو "موت" سے تعبیر کرتا آیا ہے وہ آخر یہی تو ہے کہ ایک اچھا خاصا جنبش و حرکت کرتا جاندار وجود اچانک بے حس و حرکت ہو جاتا ہے، اس میں نہ حس باقی رہتی ہے نہ حواس۔ وہ نہ ہل سکتا ہے نہ بول سکتا ہے۔ اسے اگر اپنے اپنے مذہب کے مطابق دبا یا جلا نہ دیں تو تھوڑی ہی مدت میں سڑ جاتا ہے۔ اسے چیل کوّے اور کرگس نوچ لے جاتے ہیں۔ اسے سپردِ خاک کرنے، تابوت میں سنگوانے یا پھونک ڈالنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ بس یہ تھی آنکھوں سے نظر آنے والی ٹھوس حقیقت جسے دنیا نے "موت" کہا اور سمجھا۔ اب فلسفہ و کلام کے ائمہ اور میدانِ بحث و نظر کے شہسوار اُٹھتے ہیں اور اپنے اپنے فکر کے مطابق یہ باریکیاں سامنے لاتے ہیں کہ موت کی پنہاں اصلیت کیا ہے؟ روح اور جسم میں کیا تعلق ہے؟ یہ تعلق نیند اور موت کی نیم یکساں حالتوں میں کس حد تک مختلف اور کس حد تک متساوی ہے؟ کیا تمام ہی جانداروں کی روح اور جسم کے ظاہری فراق و انفصال کی ایک ہی شکل ہوتی ہے یا بعض مخلوقات کا معاملہ جداگانہ بھی ہے؟ وغیرذلک۔ ٹھیک ہے کہ یہ باریک بینیاں علم و فن کی حد تک لائقِ تعریف تھیں اور انھیں عقائدِ مذہبی کی بنیاد بنانے کا ارتکاب نہ کیا جاتا تو ان کی لٹریری قدر و قیمت میں کوئی شک نہ تھا، لیکن آفت یہ آئی کہ صرف کج فہم اور کوتاہ عقل لوگوں ہی نے نہیں بعض متبحر علماء اور اہلِ عقل و دانش تک نے ماورائیت اور اسرار پرستی کی طوفانی ندیں میں بہکر انھیں بعض غیر ضروری مباحث میں بطور برہان استعمال کر لیا اور اس طرح کچھ ایسے عقائد ظہور میں آئے جو نہ تو قرونِ اولیٰ میں عقائد سمجھے گئے تھے نہ آج ہی ان پر واضح نصوص اور مضبوط عقلی دلائل لائے جا سکتے ہیں۔ اب ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیجئے۔ انبیاءؑ بشمول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سب کی آنکھوں کے سامنے اسی مشاہد و محسوس حقیقت سے دوچار ہوئے ہیں جسے دنیا "موت" سے تعبیر کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ ٹھیک کسی اور انسان کی طرح ان کے جسدِ مطہر پر بھی وقتِ مقررہ پر وہی کیفیت طاری ہوئی جسے "موت" کہتے ہیں وہ بھی تنفس سے محروم، جنبش و حرکت سے بے نیاز اور نطق و گویائی سے مبرا

وہ گئے۔ انھیں بھی سپرد خاک کردیا گیا، ان کے لئے بھی چاہنے والوں کی آنکھیں بھیگیں، سینے تھرائے، کلیجے منھ کو آئے۔ پھر ان کے ایک بعید الرشید صحابی کو شدت غم میں وقتی طور پر یہ گمان بھی گذرا کہ حضور یا الہے نبی مرے نہیں تو فوراً ہی ان سے بلند مرتبہ صحابی نے بھری محفل میں اس گمان کی بے حقیقتی واضح کرتے ہوئے صریح و مؤکد الفاظ میں اعلان کیا اِنَّ محمداً قَدْ مات۔ یہ زبانِ صدیقی سے رآیِ مبین بولا۔ وہ قرآن جو فلسفہ، تصوف اور سائنس کی زبان میں نہیں عام فہم معلوم و معروف زبان میں نازل ہوا تھا۔ ابھی ان فلسفیانہ موشگافیوں اور کلامی نکتہ سنجیوں کی پیدائش میں بہت دن باقی تھے جنھوں نے بعد میں کتنی ہی صاف و سادہ حقیقتوں کو اسرار و معارف کا طلسم اور بحث و جدل کا اکھاڑہ بنا چھوڑا۔ ابھی پیغمبر کے شاگردوں اور پیروؤں کو سائنسی تصوف اور ماورائی تفلسف کا وہ عرفان نصیب نہیں ہوا تھا جس کی عینک سے وہ نبی اور غیر نبی کی موتوں کا مخفی فرق دیکھ کر "مرگ پیغمبر" ہی کا انکار کر گذرتے۔ ابھی وہ اللہ کے سادہ دل اور عمل کوش بندے اتنے ذکی الحس نہیں ہوئے تھے کہ پیغمبر کی طرف "موت" کی نسبت کرتے ہوئے نعوذ باللہ کا ورد کرسکیں اور ایک سادہ، کھلی ہوئی حقیقت کو استعارہ و تشبیہ کی بھول بھلیاں میں اس طرح گم کردیں کہ صاف و صریح لفظوں میں حقیقت کا بیان کرنا ہی جرم بن جائے۔ ابھی توحید کا شعلۂ نور کجلایا نہیں تھا کہ پیغمبر کے لئے "موت" قبول کرنے اور انھیں اپنا جیسا بشر سمجھنے میں غلامانِ رسول کا کلیجہ منھ کو آتا۔ ابھی انھیں گورستانی علوم عجیبہ کی ہوا بھی نہیں لگی تھی، ابھی ان کے قلوب کا آئینہ شرک و بدعت کے غبار سے پاک اور طریقت و تصوف کی دھند سے ناآشنا تھا۔ اسی لئے یہ صاف و سادہ اور مشہود و محسوس واقعہ بلا تکلف تسلیم کرلیا گیا کہ آخری پیغمبر اپنی مدتِ عمر ختم کرکے عالمِ ظاہر سے سدھار گئے۔ یہ جو بعض بڑے بڑے علماء مثلاً شیخ جلال الدین سیوطی، امام بیہقی، ابن حجر مکی اور تقی الدین سبکی رحمہم اللہ اجمعین جیسے بزرگوں نے حیات الانبیاء کی بحث میں ازواج مطہرات سے نکاح کے جائز نہ ہونے اور انبیاء کا ترکہ تقسیم نہ ہونے کو بطور دلیلِ حیات استعمال کیا ہے تو خطا معاف یہ بھی استدلال کی وہی قسم ہے جسکم سے کم اللہ کے رسولؐ اور اس کے صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اختیار نہیں کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا باپ کا ترکہ طلب کرتی ہیں تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما یہ جواب نہیں دیتے کہ تمھارے باپ تو مرے ہی نہیں ان کا ترکہ کیسا، بلکہ رسول اللہ ہی کا فرمودہ دہرا دیتے ہیں کہ لا نورث ما ترکنا صدقۃ (ہماری وراثت نہیں جاری ہوتی جو کچھ ہم نے چھوڑا ہے صدقہ ہے) حضرت فاطمہؓ نے استدلال کیا تھا کہ آخر جب تمھارے مرنے پر تمھارا ترکہ وارثوں میں بٹ تا ہے تو رسول اللہ کی وفات پر ان کا ترکہ وارثوں میں کیوں نہ بٹے۔

کیسا اچھا موقع تھا یہ کہنے کا کہ اے بنتِ رسول ! ہم سب تو واقعی مر جاتے ہیں مگر انبیاء کب مرتے ہیں جو تمھارا استدلال تسلیم کیا جائے، مگر کسی اللہ کے بندے نے انبیاء اور غیر انبیاء کی موت کے ماورائی اور مخفی فرق کی بنیاد پر یہ شگوفہ نہیں چھوڑا کہ "مرگِ رسولؐ" ہی سے منکر ہو جائے، بلکہ وہی حدیث پیش کردی جو دیگر احکام کی طرح ایک حکم صریح پر مشتمل تھی اور اس میں ادنیٰ سا اشارہ بھی اس بعید کے نکالے ہوئے نکتے پر نہیں تھا کہ ترکے کا تقسیم نہ ہونا حیاتِ عنصری برزخی کے آثار میں سے ہے!

ازواج مطہرات سے نکاح جائز نہ ہونا بھی صاف طور پر ایک کھلی ہوئی حقیقت ہی سے وابستہ ہے نہ کہ حیاتِ عنصری برزخی سے۔ اللہ نے انھیں امہات المومنین فرمایا۔ رسول کا جو درجہ ہے اسکا تقاضا یہی تھا کہ اس کی بیویاں امت کے ہر فرد کے لئے اس آخری عظمت و تقدیس کا مرجع و ماویٰ ہوں جس سے آگے کسی عظمت و تقدیس کا تصور مرد اور عورت کی دو مختلف جنسوں میں نہیں کیا جاسکتا۔ شاید نہیں بلکہ یقیناً ماں ہی وہ آخری عورت ہے جس کی بارگاہ میں مرد کی جبلت جنسی و صنفی رخ سے جمود و تعطل کا آخری درجہ اختیار کرلیتی ہے اور پاکیزگی و حرمت کے جذبات میں ہوا و ہوس کی کوئی رمق شامل نہیں ہو پاتی۔ اسی طبعی و نفسی حقیقت کے تحت اللہ نے ازواج مطہرات کو امہات المومنین کے لقب سے نوازا اور ان کی کرامت و تقدیس پر آخری مہر لگا دی۔ اس سے حیاتِ عنصری برزخی کا شوشہ نکالنا بس انتقالِ ذہنی سے زیادہ کچھ نہیں۔ آخر اللہ نے ماں اور بہن اور خالہ وغیرہ سے بھی تو نکاح حرام قرار دیا ہے۔ کیا یہ حرمت بھی کسی حیات بعد الممات پر مبنی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ازواج مطہرات سے نکاح کی حرمت کیوں حیات بعد الممات کے آثار و شواہد میں شمار کی جائے۔ ایک اور زاویے سے دیکھئے شہداء کے لئے تو قرآن نے صاف ہی

لفظوں میں حکم صادر کر دیا ہے کہ انھیں "اموات" مت کہو، بلکہ وہ تو زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔ اس بیانِ مبین کے باوجود شہداء کا ترکہ تقسیم کرنے اور ان کی پس ماندہ بیویوں سے نکاح کرنے کو حرام قرار نہیں دیا گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ "موت" کے بعد کسی کے ساتھ اللہ کا معاملہ کچھ بھی ہو اور چاہے اللہ تعالیٰ کسی کو کسی بھی طرح کی برتر زندگی عطا فرمائیں، لیکن یہ زندگی دنیائے ظاہر میں مؤثر نہ ہوگی، اس کے آثار و شواہد یہاں احکامِ شرعیہ میں ردّ و بدل نہیں کر سکیں گے۔ انبیاء کے ترکے کی عدمِ تقسیم اور ازواجِ انبیاء سے نکاح کی ممانعت اگر حیات بعد الممات ہی کے آثار و شواہد میں سے ہوتی جیسا کہ بہت سے سلف و خلف دعویٰ کرتے ہیں تو شہداء کے متروکات میں تو بدرجۂ اولیٰ یہ احکام جاری ہوتے کہ ان کی حیاتِ جاوداں تو منصوص ہو جبکہ انبیاء کے بارے میں قرآن نے حیاتِ جاوداں کی صراحت نہیں کی۔

حاصل اس گفتگو کا یہ ہوا کہ جس مشہود حقیقت کو انسان فلسفہ و کلام کی نکتہ سنجیوں سے بالاتر ہو کر "موت" کے نام سے جانتا آیا ہے وہ تو عیسیٰ علیہ السلام کے سوا ہر نبی اور پیغمبر کے لئے اسی طرح ثابت ہے جس طرح عین دوپہر میں سورج کا وجود۔ اب جو لوگ اپنی مریضانہ ذکاوتِ حس اور فسادِ فکر و نظر کے باعث لفظِ "موت" کو انبیاء سے منسوب کرتے ہوئے جھجکتے ہیں اور حیاتِ عنصری برزخی کے غیر مشہود اور مخفی عقیدے کے تحت "موت" ہی سے انکار کر گذرتے ہیں ان کے اس خلط مبحث اور تلبیس کا نتیجہ قدرتاً یہی ہونا چاہئے کہ سننے والے بدک جائیں اور حیاتِ مستقلہ کا انکار کر گذریں۔

حیاتِ برزخی کیا ہے۔ برزخ کہاں ہے۔ اس کا تعلق قبر سے کس نوع کا ہے۔ اس طرح کے تمام امور ظاہر ہے کہ مشاہدے کی گرفت میں نہیں آسکتے۔ انھیں حواس کے ذریعہ معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ پھر کیوں ان کی صورت گری اور خاکہ کشی اس انداز میں کی جاتی ہے کہ مابعد الطبیعیات کے معارف سے ناآشنا لوگ مغالطوں کا شکار ہو کر واویلا مچانے لگیں اور خواص کے نازک تر مسائل عوامی تکرار کا ہدف بن جائیں۔

لبِ لباب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک انبیاء کی موت [illegible]

سے شرمانا تو غلوئے عقیدت اور فسادِ ذہن کا کھلا شاخسانہ ہے "موت" ۔۔ وہی موت جو فلسفہ و کلام کے حواشی سے قطع نظر ایک صاف و سادہ مشہود و محسوس "واقعہ" ہے انبیاء کو بھی اسی طرح آئی جس طرح نوعِ بشر کو آتی ہے۔ ہاں عالمِ مخفی اور جہانِ باطنی میں ان کے ساتھ اللہ کا کیا معاملہ رہا اس کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی ہم میں اہلیت نہیں ہے۔ چونکہ ہمارے اکابرین یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کو برزخ میں حیاتِ عنصری مثل حیاتِ دنیاوی حاصل ہے اس لئے ہم بھی اسے مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ اللہ کے لئے کوئی بات مشکل نہیں، وہ مسیح ابن مریم کو بلا باپ کے پیدا کر سکتے ہیں، زندہ آسمان پر اٹھا سکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عدمِ محض سے اتنی بڑی کائنات تخلیق فرما سکتے ہیں تو اس میں کیا استحالہ ہے کہ برزخ نام کے کسی نادیدہ عالم میں انبیاء و شہداء کو زندہ رکھیں اور رزق دیں۔

جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ زندگی جسمانی نہیں روحانی ہے تو انھیں بھی ہم گستاخ، گمراہ، فتین اور جاہل و سفیہ نہیں کہہ سکتے جیسا کہ حیاتِ جسمانی کا دعویٰ کرنے والے بعض بزرگ برملا کہہ رہے ہیں اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ حیاتِ انبیاء کی یہ طرزِ بحث بجائے خود غیر ضروری ہے۔ اللہ رسول نے نہیں کہا کہ اس مسئلہ میں کوئی معین عقیدہ قائم کرو نہیں تو جہنم میں جھونکے جاؤ گے۔ جب نہیں کہا تو جس کا جو جی چاہے عقیدہ رکھے ہمیں کیا۔

ہاں۔ ابھی لاہور کے ایک ماہنامے میں چند عقائد کی فہرست "عقائد اہل السنۃ والجماعت" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے جس پر تیرہ علماء کی تصدیق ہے۔ اس کے سب مندرجات سے ہمیں بحث نہیں صرف ایک عقیدے کے بارے میں ادب سے سوال کرتے ہیں کہ اس کی دلیل کیا ہے:۔

> "وہ زمین پاک جہاں آنحضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں ساری کائناتِ ارضی و سماوی حتیٰ کہ عرش سے بھی زیادہ مبارک ہے۔"

کوئی بتاؤ اللہ اور رسول میں کون بڑا ہے۔ کون اکرم و افضل اقدس اور اطہر ہے۔ کس کی ذات خیر و برکت میں فائق و برتر ہے! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام [illegible]

تکلّف نہیں۔ ہماری راہ الگ اور تمہاری الگ۔ لیکن اگر اللہ کا نام لیتے ہو تو کس دل گردے سے یہ بات منہ سے نکالتے ہو کہ قبرِ رسولؐ اُس کعبے سے بھی جو علی الاتفاق اللہ کا گھر ہے اور اُس عرش سے بھی جس پر ذاتِ باری تعالیٰ مستوی ہے زیادہ مبارک ہے۔ ہم سچ کہتے ہیں اس عجیب و غریب عقیدے کی لِم اور کُنہ کو سمجھنے سے ہم بالکل قاصر رہے ہیں۔ سلف میں بھی بعض کا یہی قول ملتا ہے۔ ہم نے بہت ڈھونڈا کہ اس کے دلائل مل جائیں مگر نہیں ملے اور جو ملے وہ دلائل نہیں تھے شاعری تھی۔ ذہنی ترنگ تھی۔ ہو سکتا ہے یہ ہمارے علم کی کوتاہی اور تلاش کی خامی ہو۔ بڑی نوازش ہوگی اگر ان تصدیق کنندہ تیرہ علماء میں سے کوئی بزرگ دلیل و برہان شائع کرنے کی زحمت فرمائیں۔ یہ عقیدہ بڑا وحشت ناک ہے اس سے تو رسول اللہؐ کی عظمت کا مینار نصرانی زاویۂ نظر والی مسیحی عظمت سے بھی اونچا دکھائی دینے لگتا ہے۔ وہ تو خیر سے مسیح کو اللہ کا بیٹا ہی بتاتے ہیں۔ بیٹا بہرحال باپ سے کمتر ہی سمجھا گیا ہے مگر اس عقیدے کی رو سے تو رسول اللہؐ خیر و برکت میں اللہ سے بھی بڑھ گئے۔ ونعوذ باللہ من ذٰلک سبعین مرۃ۔

سوال ۲ :- از ابوریحان دیوروی۔ شاہ آباد۔ ایک مکتوب

"خلافت معاویہؓ و یزید" کا مطالعہ کیا۔ اس کے خلاف جو ہنگامہ برپا ہے وہ تو ہونا ہی چاہئے تھا، کیونکہ زمانہ دراز سے اُردو کی جو کتابیں ہم پڑھتے آئے ہیں اس میں حضرت معاویہؓ و یزید کے متعلق بے سروپا باتیں حضرت سیدنا حسینؓ کے اہلبیت ہونے کے باعث جوشِ عقیدت میں لکھی گئی ہیں۔ اب جبکہ ایک ایسی کتاب منظرِ عام پر آئی جو دوسری تمام کتابوں کی نفی کرتی ہو تو دل و دماغ کے کہنہ نقش و نگار کو مٹانا تکلیف دہ بن ہی جائے گا۔ جہاں تک مجھے علم ہے ایک بہت بڑا طبقہ اس کتاب کا حامی ہے۔

دسمبر ۱۹۵۹ء کے تجلی میں آپ نے مولانا محمد میاں صاحب کے ایک مضمون (الجمعیۃ یکم نومبر ۱۹۵۹ء) پر مختصر سا تبصرہ کیا ہے اس سلسلہ میں میں آپ کی اطلاع کے لئے پیش کرتا ہوں:-

(۱) مولانا فرماتے ہیں کہ "یہ محمود عباسی صاحب جیسے مضمون نگاروں کا کام نہیں ہے اس کے لئے گہرے علم، تفقہ اور تعمق نظر کی ضرورت ہے۔" لفظ "جیسے" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معمولی قسم کے مضمون نگار ہیں۔ لیکن آج سے بہت برسوں پہلے مولانا نے "علماء ہند کی شاندار ماضی" جلد اوّل کے صفحہ اول پر اعتراف کے عنوان سے تحریر کیا تھا کہ "ناسپاسی ہوگی اگر تاریخ اور انساب کے مبصر اور ماہر جناب محمود احمد صاحب عباسی امروہوی کا ذکرِ خیر اس موقع پر نہ کیا جائے"۔ معلوم نہیں مولانا کے یہاں "مبصر" اور "ماہر" کے کیا معنی ہیں؟

"علماء ہند کی شاندار ماضی" جلد دوم میں مولانا لکھتے ہیں کہ "حدیث شریف میں سیدنا حضرت حمزہؓ کو سید الشہداء کا خطاب دیا گیا ہے، مگر عام مسلمانوں میں کتنے ہیں جن کو آپ کی قربانیوں کا علم ہو؟ صحابۂ کرامؓ کی تمام خونین قربانیاں فراموش ہو گئیں، ہاں جنگِ کربلا کے مبالغہ آمیز واقعات ہر ایک کو یاد ہیں"۔ کاش مولانا موصوف "مبالغہ آمیز واقعات" یا "صحیح واقعات" اب بھی پیش کریں!

(۲) مولانا فرماتے ہیں کہ "ایسی ریسرچ اور تحقیق جو پوری امت کے مزعومات کو غلط قرار دے اگر بالفرض صحیح اصول پر بھی ہو تب بھی قابلِ تسلیم نہیں ہے۔" کیا مولانا موصوف قرآن و حدیث کی روشنی میں کوئی ثبوت پیش کریں گے؟

(۳) مولانا فرماتے ہیں کہ "سیدنا الامام حسنؓ نے اس عقدہ کو جس طرح حل کیا وہ تاریخ کا ایک کھلا ہوا واقعہ ہے جو صحابۂ کرامؓ اس دور میں باقی تھے ان سب نے ہی حضرت موصوفؓ کی تائید فرمائی۔" کیا مولانا موصوف صحیح تاریخ کی روشنی میں کیا یہ بتائیں گے کہ سیدنا حسینؓ نے بھی اس صلح کی تائید کی تھی؟

(۴) مولانا فرماتے ہیں کہ "آپ کے ایثار کو وہ مرتبہ دیا گیا ہے کہ پوری اُمت نے آپ کی موت کو مظلومانہ موت اور آپ کی شہادت کو شہادتِ عظمیٰ قرار دیا۔" جہاں "مبالغہ آمیز واقعات" ہوں وہاں اسے "شہادتِ عظمیٰ" قرار دینا کونسی مشکل بات ہے! حضرت حمزہؓ اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کو کیا کہیں گے؟

جواب ۲ :-

ویسے تو یہ مکتوب ہم سے نہیں مولوی محمد میاں صاحب سے جواب مانگ رہا ہے۔ مگر وہ قیامت تک جواب نہیں دیں گے، کیونکہ وہ اپنی دانست میں ایک بڑے آدمی ہیں ــــ اتنے بڑے کہ ہمارے آپ جیسے لوگوں سے منہ لگانا ان کی شان کو بٹا لگا دیگا۔ لیجئے ہمیں انکی طرف سے

فرض جواب ادا کئے دیتے ہیں۔

آپ کو یہی اعتراض ہے ناکہ انھوں نے پہلے تو اپنی کتاب میں "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مصنف محمود احمد عباسی کو تاریخ اور انساب کا مبصر اور ماہر لکھا تھا اور اب ایک ایسا شخص بتا رہے ہیں جسے گہرے علم، تفقہ اور تعمقِ نظر سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

تو جناب عالی ایسا ہی فضول اعتراض کسی اور صاحب نے بھی پچھلے دنوں وارد فرمایا تھا کہ موصوف پہلے تو اپنی تحریروں میں حکومتِ الٰہیہ کے تصور اور اقامتِ دین کی دعوت کے بانگِ دہل مؤید بلکہ داعی تھے اور اب ان چیزوں کو ایسے حقیر ناموں سے یاد کرتے ہیں جیسے ان کا تصور اور وہم تک فتنہ پردازی و گمراہی بلکہ دیوانگی کے مترادف ہے۔ جو جماعت ان کی دعوت دے رہی ہے اسے گردن زدنی قرار دیتے ہیں اور لادینی طرزِ حکومت ہی کو دنیا کا برتر و اعلیٰ نظام ثابت فرماتے ہیں۔

فدوی کی گذارش ہے کہ مذکورہ دونوں ہی اعتراض معترضین کی نافہمی اور سطح بینی کا ثمرہ ہیں۔ انھیں سمجھ لینا چاہئے کہ سوائے گنے چُنے لوگوں کے ہر عالم اور لیڈر اتنا پاگل نہیں ہوتا کہ بدلتے ہوئے حالات اور کروٹیں لیتے ہوئے اوقات کی مصالح کو نظر انداز کر کے بس اپنے ہی نصب العین اور اصول و قواعد سے چمٹا رہے۔ ہر چیز کا ایک وقت ہے۔ لیڈر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ وقت کی نبضوں پر انگلی رکھے رہے اور حالات کے دل کی دھڑکنوں کو نہایت صحت کے ساتھ تسبیح کے دانوں پر شمار کرتا رہے۔ پہلے جب انقلابی میلانات کی فصلِ بہار تھی، غیر منقسم ہندوستان کی امتِ مسلمہ کے مذہبی جذبات موم کی طرح پگھلے ہوئے تھے کہ جس کاریگر کا جی چاہے ان جذبات کو کسی بھی سانچے میں ڈھالکر حسب خواہش کھلونے بنالے۔ دین و مذہب اقدام و حرکت کے لئے سب سے بڑا مؤثر عامل بنا ہوا تھا اور جیل جانا حج کو جانے سے زیادہ اعزاز و افتخار کا موجب سمجھا جاتا تھا اس وقت اگر مولوی محمد میاں صاحب نے حکومتِ الٰہیہ اور اقامتِ دین کے میدانمیں زبان و قلم کے شہسواری کے جوہر دکھائے تھے تو یہ سیاست و حکمت کے عین مطابق تھا اور اس سے عزت، نام، دولت سبھی کچھ ملنے کی بجا توقعات کی جاسکتی تھیں۔ اب زمانہ بدل گیا۔ قدریں بدل گئیں۔ حالات بدل گئے اب حکومتِ الٰہیہ اور اقامتِ دین جیسی چیزوں کا نام لینا اپنی مٹی خراب کرنے کے سوا کسی اعزاز و منفعت کا وسیلہ نہیں رہا۔ اب اس راہ میں کانٹوں، خاروں اور دار و رسن کے سوا کچھ نہیں۔ اب اقتدارِ وقت نے ان مبغوض چیزوں سے دلچسپی لینے والوں کے لئے اے اور بی کلاس کا قصہ بھی ختم کر دیا۔ سیدھے سی کلاس میں بھیجدیا جاتا ہے اور کم از کم اخلاقی مجرموں جیسا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ تب بھلا ان دیوانوں کے سوا جنھیں دنیا برتنے کا سلیقہ نہیں، جنھیں شاہدِ گیتی کے حسن و شباب سے لذت اندوز ہونے کی حس نہیں، جنھیں "بازمانہ بساز" کے بیش بہا اصول کا دامن پکڑنے کی ہمت نہیں اور کون پاگل ہوگا جو حکومتِ الٰہیہ اور اقامتِ دین کے کھٹ راگ میں پڑے گا، اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹے گا، زہر پئے گا، اپنی مٹی پلید کرے گا۔

علیٰ ہذا محمود عباسی کی تعریف کا بھی ایسا ہی معاملہ ہے جس وقت انھیں تاریخ و انساب کا ماہر و مبصر کہا تھا اسوقت اس میں کوئی نقصان نہیں تھا۔ نہ "واقعات کربلا" کو مبالغہ آمیز کہنے میں کسی زخم کا اندیشہ تھا۔ اب "خلافت معاویہؓ و یزید" کی اشاعت سے جو مجموعی فضا پیدا ہوئی اس میں سیاستاً ضروری ہو گیا کہ اس پر تبرا کیا جائے اور اس کے مصنف کو ہزار جاہلوں کا جاہل قرار دیا جائے۔ اب یہ کہاں یاد رکھا تھا کہ پہلے اس شخص کو ماہر و مبصر لکھا گیا ہے۔ بھول چوک تو آدمی کا زیور ہے۔ موصوف ہی اپنا لکھا بھول گئے تو اس میں واویلا مچانے کی کیا بات۔ خوب سمجھ لیجئے۔ فی زمانہ کم سے کم اپنے ایشیا میں لیڈری اور قومی امامت کا سب سے پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ وقت کے تیور دیکھو اور اقدام کر گذرو۔ یہ مت سوچو کہ کل تم نے کیا کہا تھا اور آج کیا کہہ رہے ہو۔ کل کی بات کل کے ساتھ گئی اور آج کی بات بھی کل کے ساتھ چلی جائے گی۔ کیونکہ یہ آج بھی کل ہی بننے والا ہے۔

اتنا جواب ہم نے دیدیا۔ باقی آپ خود سوچ سمجھ لیجئے۔

واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔

سوال نمبر ۶ — روایات کا کھیل

از سید طارق متعلم بی کام۔ علیگڈھ

آپ نے گذشتہ شماروں میں یہ فرمایا تھا کہ مُردے سُننے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ لیکن کتاب "ہند اور پاکستان کے اولیاء" میں مفتی شوکت علی فہمی صاحب نے کچھ کرامات ایسی لکھی ہیں جو بعد وفات کے

...میں آئیں۔ مثلاً:-

"لاہور کی ایک عورت جو حضرت شہباز محمد بھاگلپوری ...
...غائبانہ سچی معتقد تھی، بیعت کے ارادے سے روانہ ہوئی اور
...حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک کپڑا لیکر چلی جس کا
...ایک تار باوضو ہوکر کاتا گیا تھا اور بُنا گیا تھا۔ جب بھاگلپور
...قریب آئی تو معلوم ہوا کہ حضرت وصال فرما چکے ہیں۔ عورت
...کو بے حد صدمہ ہوا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ آپ کے فرزند
...عبدالسلام آپ کے جانشین ہیں تو ان کے پاس چلی جا۔ وہ
...عبدالسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ملا عبدالسلام کو حضرت
...کی جانب سے عالم رویا میں حکم ہوا کہ میری قبر کھود کر صندوق کو
...نکال لو اور صندوق کھولنے کے بعد اس عورت کو اندر بھیج دو
...تخلیہ کردو اور اس کپڑے کا کفن جو عورت لائی ہے دے دو۔
...عبدالسلام نے صبح اٹھ کر حسب الحکم عمل کیا۔ عورت صندوق
...کے پاس آئی اور زیارت کی اور عرض کیا کہ "میں ہرگز اس قابل
...نہ تھی کہ میرے لئے ایسا عظیم الشان حکم ہوتا۔" آپ کا ہاتھ
...اٹھا اور پھر بدستور ساکت ہوگیا۔ جب عورت چلی آئی تو ملا
...عبدالسلام نے کفن کی تجدید کرکے صندوق کو بدستور قبر میں داخل
...کردیا۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو حضرت کے خلفاء نے ملا عبدالسلام
...پر شدید نکتہ چینی شروع کردی کہ انھوں نے یہ فعل بالکل شریعت
...اسلامیہ کے خلاف کیا ہے، لیکن حضرت نے سب کو بشارت فرمائی
...کہ میں نے اس عورت کے اعتقاد سے مجبور ہوکر یہ حکم دیا تھا، ملا
...عبدالسلام کا اس میں کوئی قصور نہیں۔"

(اسکے بعد سائل نے ساڑھے تین صفحات پر اور
...بھی کرامتیں نقل کی ہیں جنھیں فضول سمجھکر چھوڑا جارہا ہے)

...جواب:-

حیرت ہے آپ بی کام کے اسٹوڈینٹ ہوکر ایسی روایات
...کے چکر میں پڑ گئے جو صرف اُن لوگوں کے لئے نشر کی جاتی ہیں جو
...جاہل یا نیم جاہل ہیں یا پڑھے لکھے ہونے کے باوجود قبوری شریعت اور
...مُردہ پرستی کی وبا نے ان کے ذہن و مزاج کا توازن بگاڑ کے رکھ دیا
...ہے۔ علی گڑھ سے اس کی تو توقع ہو سکتی ہے کہ اس کے سپوت
...مادہ پرستی اور مغرب نوازی میں کہیں سے کہیں نکل جائیں، مگر یہ
امید بالکل نہیں کی جا سکتی کہ ہندومت کے رنگ میں رنگے ہوئے
تصوف اور قبوری شریعت کے جھانسے میں آجائیں گے۔

عزیز من! آپ نے اگر فنِ حدیث کا کچھ مطالعہ کیا ہوتا تو
آپ پہ یہ بات مخفی نہ رہتی کہ کسی روایت پر اعتبار کرنے کے لئے
کتنی شرطیں اور قیدیں ضروری ہوتی ہیں۔ یہ تو صرف ابتدائی
بات ہے کہ ابتداء اول تا آخر تمام راوی نام بہ نام موجود ہوں۔ اسکے
بعد ہر راوی کے لائق اعتماد ہونے کی بحث آتی ہے اور یہ بحث
نہایت کڑی شرطوں کے بعد ختم ہوتی ہے۔ اگر تمام راویوں میں سے
کوئی ایک بھی ناقابل اعتبار نکل آیا تو روایت کا قصہ پاک ہوجائیگا
اور یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ باقی تو سب راوی اس قدر ثقہ ہیں ایک
ہی بے اعتبار نکل گیا تو کیا حرج ہے؟

راویوں کی جانچ پڑتال کے بعد پھر ایک مرحلہ عقل و درایت
کا آتا ہے۔ روایت اگر دوسری مقبول و مسلم روایات کے خلاف ہو
یا کسی متفق علیہ مشاہدے کی نفی کر رہی ہو یا کسی واضح حکم قرآنی سے
متصادم ہو، وغیرہ تو اسے دیوار پر مار دیا جائے گا عام اس سے کہ اس کے
راوی اچھے ہوں یا بُرے۔

جو روایتیں آپ نے نقل فرمائیں ان کا حال یہ ہے کہ ان میں
سرے سے کسی راوی ہی کا نام موجود نہیں۔ ایسی صورت میں اسے
افسانے اور لطیفے سے زیادہ کیا حیثیت دیں گے۔ اگر فرض کیجئے ایک
دو بزرگوں کے نام بطور راوی دے بھی دیئے گئے ہوں اور آپ نے
نقل نہ فرمائیں ہوں تو یہ بھی بیکار ہی ہے۔ ہم نے بازاری قسم کی کتابوں
میں عموماً دیکھا ہے کہ روایات کو بعض بزرگوں سے منسوب کردیا جاتا
ہے۔ یہ ایک قسم کا فراڈ ہے جو کم علم عوام سے ان کی دینی محبت اور مذہبی
میلان کا ناجائز فائدہ اٹھا کر کیا جاتا ہے۔ بزرگوں کا نام دیکھ کر وہ
مطمئن ہوجاتے ہیں کہ روایت سچی ہے۔ حالانکہ علمی و فنی جائزہ لیجئے تو
روایت دو قدم بھی نہ چل سکے گی۔ تو محض دو ایک ناموں سے کچھ نہیں ہوتا
جو واقعہ جس وقت پیش آیا ہے اور جس وقت بیان ہو رہا ہے درمیان کے
تمام راویوں کی نام بہ نام جانچ پڑتال کے بغیر اس بیان کو کوئی اہمیت
نہیں دی جا سکتی۔

یہ تو فنِ روایت کے اعتبار سے مذکورہ روایات کا حال ہوا
درایت اور عقل کے میزان میں تولئے تب بھی یہ وزن دار محسوس ہونگی

٭ نام ٹھیک طور پر پڑھا نہیں گیا ۱۲ تجلی

یہ جو ایک روایت ہم نے بطور نمونہ چنے دی ہے اس پر نگاہ نقد ڈالیئے

کیا اسلام میں نصرانیوں کی طرح تابوت کا طریقہ رائج ہے کہ حضرت صاحب کو صندوق میں بند کرکے دفن کیا گیا تھا۔ اگر کیا گیا تھا تو یہ شریعت کی کھلی خلاف ورزی تھی۔ جن پیر صاحب کے مریدین پیر کو خلاف شرع طریقے سے دفن کریں اندازہ کر لیجئے کہ اس پیر کی تعلیمات کس نوع کی ہوں گی۔ ظاہر ہے مریدین وہی کریں گے جو انھیں سبق ملا ہے۔

پھر کیا خواب کے اشارے پر کسی کے لئے قبریں کھودنا جائز ہے؟

آگے چلئے بعض خلفاء نکتہ چینی کرتے ہیں کہ یہ عمل تو شریعت کے خلاف ہے۔ اس پر حضرت کی بشارت (؟) سنائی جاتی ہے کہ "میں نے اس عورت کے اعتقاد سے مجبور ہوکر یہ حکم دیا تھا"

گویا حضرت کو اس سے تو انکار نہیں کہ یہ عمل خلاف شرع تھا۔ بس عورت کی پاسداری کو عذر بناکر پیش کردیا۔ اس طرح روایت سازوں نے بجائے حضرت صاحب کو بعد مرگ بھی مبتلائے معصیت دکھلایا کہ شریعت کے خلاف عمل کرنا یا عمل کی تلقین کرنا بالیقین معصیت ہے۔ لیکن مطمئن رہیئے ان قبوری شریعت کے متوالوں کے یہاں "خلاف شرع" کوئی معصیت نہیں جبھی تو وہ حضرت کی اطلاع مذکورہ کو "بشارت" یعنی خوش خبری استعمال فرما رہے ہیں اور عورت کے لحاظ کو "مجبوری" کا نام دیتے ہیں۔

کھلی دیو مالا ـــ بقیہ روایات کا بھی کم وبیش یہی حال ہے۔ یہ بنیادی نکتہ خوب توجہ سے سمجھ لیجئے کہ قرونِ اولیٰ کی معتبر تاریخ میں قبر بازی کے جلوے آپ کو کہیں نہیں ملیں گے۔ ورق الٹتے الٹتے آنکھیں تھک جائیں گی مگر صحابہؓ وتابعین میں سے کسی کا بھی قبروں سے گٹھ جوڑ نہیں نظر آئیگا۔ کیوں؟ ـــ اس لئے کہ یہ سب تو بعد کی پیداوار ہے۔ کرامتیں اپنی جگہ برحق اور بزرگوں کی قوت روحانی ہر آئینہ مسلم۔ لیکن یار لوگوں کے ذوق تصنیف نے اور عوام کی ضعیف الاعتقادی نے اس میں ضرب در ضرب کا فارمولا صدیوں سے چلا رکھا ہے اس کے ہاتھوں حقائق کا خانہ خراب ہوگیا اور سچائی کذب و اختراع کے انبار میں ایسی گم ہوئی جیسے بھُس میں سوئی۔ الہم حفظنا۔

کبھی اس زاویہ سے بھی غور کیجئے کہ ہمارے یہاں اولیاءؒ اقطاب کے لئے ساری ہی قدرتیں اور قوتیں نہ صرف اعتقاداً ثابت کی جاتی ہیں، بلکہ بے شمار قصے بھی بطور دلیل وشہادت پیش ہوتے ہیں۔ کوئی بزرگ زندگی میں جتنا صاحب قدرت ہوتا ہے مرنے کے بعد اس سے پچاس گنا قدیر وعلیم اور معین و دستگیر ہو جاتا ہے۔ بچے سے لیکر مقدمے کی جیت تک جو چاہیے اس سے لے لیجئے۔ وہ جلال میں آتے تو پہاڑ کو ریزہ ریزہ کردے۔ نوازش پہ آتے تو حاجیوں کے ڈوبتے ہوئے جہاز کو کاندھا دے کر غرقابی سے بچالے۔

لیکن طاغوتی طاقتیں وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو پیستی رہتی ہیں ایوانِ اقتدار پر کفر وشیطنت کا جھنڈا لہراتا ہے، اسلام کو ایڑیوں میں رگڑا جاتا ہے، کوئی زیادتی، ظلم وطغیان باقی نہیں چھوڑا جاتا، مگر کسی قدیر وعلیم بزرگ نے کبھی اس سلسلہ میں کوئی کرامت نہیں دکھائی۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ظاہری اسباب وعلل کے علی الرغم اسلام کا بول بالا اور کفر کا منھ کالا ہوگیا ہو۔ یہیں اپنے بھارت میں اجمیر وکلیر کے خواجہ موجود ہیں جنھیں لاکھوں لاکھ مسلمان ذیلی خدا کا درجہ دیتے ہیں اور ان کی کرامتوں کا نہ ماننے والا وہابی بدعقیدہ کہلاتا ہے۔ مگر سب دیکھ رہے ہیں مسلمان کا کیا حال ہے۔ وہ ذلت کی کس پستی میں ہے۔ اس کے حقوق کس طرح دن دہاڑے پامال ہو رہے ہیں۔ کسی خواجہ سے تو یہ بھی نہ ہوا کہ اپنی الوہی قوتوں سے کام لے کر صدر جمہوریہ کو لاکھوں دستخطوں والے محضر پر نگاہ التفات ڈالنے پر آمادہ کردیتے۔ جواہر لال کو ترغیب فرمادیتے کہ مسلمانوں کے حق میں فقط زبانی دلداریوں پر اکتفا نہ کریں عملی قدم بھی اٹھائیں۔ سیکڑوں مسجدیں ہتھیالی گئی ہیں۔ بعض جگہ ان میں بت بھی براجمان ہیں۔ کیا یہ بھیانک حقائق بھی کسی صاحب اختیار خواجہ کی رگ حمیت کو پھڑکا دینے کے لئے کافی نہیں تھے؟ اور تو اور ـــ ان مرحوموں کی عین ناک کے نیچے درگاہوں کے ایریا میں جو ہنگامے فسق وفجور برپا ہوتے ہیں ان تک کا دفعیہ ان کی ذیلی خدائی نہیں کرپاتی۔ معلوم ہوا کہ ان کی قدرت وقوت کے قصے بس اسی لئے ہیں کہ آپ کہیں اور ہم سنیں۔

قصے کہانیوں کی اہل ہنود میں کمی ہے نہ یہود ونصاریٰ میں۔ دیومالا ہی کا شوق ہے تو دور جانے کی ضرورت نہیں سیکولر اسٹیٹ کے اسکولوں میں پڑھایا جانے والا نصاب اٹھا دیکھئے مزا آجائیگا۔

باقی بر صفحہ

نوائے خلوص

محب محترم جناب ماہر القادری مدیر ماہنامہ "فاران" (کراچی) کا مکتوب گرامی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ
ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

برادر گرامی قدر ——— السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

بہت دنوں سے آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا، مگر مختلف کاموں کے سبب اتنی مصروفیت رہی کہ یہ ارادہ عمل نہ بن سکا! انسان کے چاہے سے ہوتا بھی کیا ہے، ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے اور وقت سے پہلے کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا، چاہے اس کے لئے کوئی کتنا ہی مضطرب و بے چین کیوں نہ ہو جائے، پانی کی بوند بوند اور رزق کے دانہ دانہ کی طرح وقت کے ایک ایک لمحہ پر مقدرات کی مہر لگی ہوئی ہے اور کام اُس کے کرنے والے کا نام لکھا ہوا ہے۔

آپ نے اپنے قلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دین کی جو گرانقدر خدمت انجام دی ہے اس کا آپ کے دوستوں کو ہی نہیں مخالفین تک کو اعتراف ہے، آپ نے انتہائی مخالفانہ ماحول میں جان پر کھیل کر اور خطروں کو مول لیکر اظہار حق کیا ہے اور آپ کے تنہا قلم نے بیسیوں قلموں کے دار رد کئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ ہی کے دلائل کا پلہ بھاری رہا ہے! خدا گواہ ہے کہ آپ کے بعض مضامین سے خود مجھے شرح صدر ہوا ہے اور آپ کے لئے بارہا دل سے دعائیں نکلی ہیں، سب سے زیادہ قابل قدر بات یہ ہے کہ آپ نے گروہی عصبیت کے تحت اپنے اکابر واسلاف کے کسی غلط موقف کی تائید اور اُن کی بات کی پچ نہیں کی! اس حق گوئی کے سبب آپ اپنے وطن ہی میں اجنبی بن کر رہ گئے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کے قلم سے بھول چوک ہی نہیں ہوئی، امکان خطا تو انسان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے، تنزیہ کامل جہاں سہو و نسیان اور غفلت کا سرے سے امکان ہی نہ ہو۔ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، کہنا یہ ہے کہ مجموعی طور پر آپ کے قلم سے حق و صداقت ہی کی ترادش ہوئی ہے۔ اور آپ کی تحریروں سے عوام ہی نہیں، بعض خواص کو بھی دینی فائدہ پہونچا ہے، ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء!

اس اعتراف کے بعد عرض پرداز ہوں ——— کہ محمود عباسی صاحب کی کتاب "خلافتِ معاویہؓ و یزید" کا آپ نے جب پہلی بار گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا، تو میں چونک پڑا کہ ہیں! یہ کیا ہوا! کسی خلاف توقع بات کے ظہور پر ہر آدمی کو حیرت ہی ہوتی ہے! پھر اس کے بعد "تجلی" میں آپ کے مسلسل مضامین اور خاصے پرجوش مضامین اپنے موقف کی تائید میں آتے رہے!

میرے اور آپ کے جو روابط ہیں اُن کی بنیاد "دین" کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے، ہم دونوں کا یارانہ اور بھائی چارہ کسی رشتہ داری، وطنیت یا دُنیوی منفعت کی بنا پر نہیں ہے، صرف اللہ اور رسول کی خوشنودی اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے سبب ہم دونوں کے دل اور طبیعتیں مل گئی ہیں یہی سبب تھا کہ آپ کے ان مضامین کو پڑھ کر میں دوستانہ روابط کی بنا پر خاموش نہیں رہا، میں اپنے دل کی چبھن آپ پر ظاہر کرتا رہا اور میں نے کسی لاگ لپیٹ کے بغیر دو ٹوک لفظوں میں آپ کو لکھ دیا کہ اس مسئلہ میں آپ کی روش مجھے پسند نہیں ہے

اگر آپ کے مضامین اُسی انداز پر آتے رہتے تو اس سوءِ ظن کو تقویت ہو جاتی کہ آپ کو خدانخواستہ یزید کی شخصیت سے ایک طرح کا لگاؤ پیدا ہو گیا ہے اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی سے آپ کی عقیدت کمزور پڑ گئی ہے، مگر جنوری کے تجلی میں آپ کا مضمون پڑھ کر سوءِ ظن کا یہ غبار چھٹ گیا، بلکہ یوں سمجھئے کہ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا آپ نے کھلے دل سے جگر گوشۂ رسول شہید کربلا رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان کئے ہیں! اسی نقطے سے آپ کے اور محمود عباسی کے موقف الگ الگ ہو جاتے ہیں بلکہ عقیدت و محبت کی راہیں جُدا ہو جاتی ہیں، وہاں حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور اُن کے خانوادے کے ساتھ یہ سلوک کہ اُن کے مناقب و فضائل چھپا کر اس مقدس خانوادے کو خالص دُنیادار ثابت کیا جائے، اور آپ کی یہ سعادت مندی کہ آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خاک پا کو اولیاء وصلحاء سے بڑھ کر سمجھتے ہیں!

وہاں کُد، یہاں محبت و عقیدت! وہاں مناقب اہل بیت کی پردہ پوشی یہاں کھلے دل سے اعتراف!

جنوری کے تجلی میں آپ نے حضرت حسینؓ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے بعد حادثۂ کربلا کو امام موصوف کی "اجتہادی غلطی" سے جو تعبیر کیا ہے اس پر میں آگے چل کر گفتگو کروں گا سر دست اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ گنتی کے چند علماء کے علاوہ جمہور امت آپ کے اس موقف سے متفق نہیں ہے!

اس حقیقت سے میں بے خبر نہیں ہوں کہ اُمت کی تاریخ میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض مسائل اور مسلک و روش میں ایک یا چند افراد جمہور امت سے مختلف و منفرد رہے ہیں، مثلاً اسباب و سامان معیشت کے بارے میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا جو مسلک تھا جمہور صحابہ کا وہ مسلک نہ تھا صحیح بخاری شریف میں "کذبات ثلاثہ" کی جو حدیث آئی ہے، محدثین اُس کو صحیح سمجھتے ہیں، مگر امام رازیؒ اس کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت ابراہیم کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے اس لئے زیادہ آسان صورت یہ ہے کہ ہم حدیث کے کسی راوی کا جھوٹا ہونا مان لیں۔

دین ہو تاریخ ہو، علم و ادب ہو ان میں ہوتا یہ ہے کہ بعض اوقات ارباب فکر پر کسی مسئلہ کا ایک پہلو غالب ہو جاتا ہے، اس لئے اُن کے زبان و قلم اُسی غالب پہلو کی تائید کرتے ہیں بلکہ نفسیاتی طور پر اپنے کو اس تائید کے لئے مجبور و معذور پاتے ہیں، یزید کی ولی عہدی اور کربلا کے مسئلہ میں آپ کے فکر و ذہن پر یہ پہلو غالب آگیا ہے کہ یزید کی ولی عہدی سے عام طور پر صحابہ کرام نے اختلاف نہیں کیا، ورنہ حضرت حسینؓ کیساتھ صحابہ کی جماعت کوفہ کی طرف روانہ ہوئی اس لئے بیٹے کی جانشینی کے معاملہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مسلک کو غلط اور واقعہ کربلا میں حضرت حسینؓ کے موقف کو صحیح ماننے سے، صحابہ اور تابعین کی بہت بڑی اکثریت کی عزت اور روشن حق پسندی پر حرف آتا ہے

—— اس لئے ——

"خلافتِ معاویہؓ و یزید" پڑھ کر آپ بہت متاثر ہوگئے اور وہ تاثر آپ کے قلم سے ظاہر ہو کر رہا، اس کتاب سے آپ نے یہ اثر قبول کیا اور نیک نیتی کیساتھ کیا کہ یزید کی جانشینی اور واقعہ کربلا کے معاملات میں یہ کتاب صحابہ کرام اور تابعین کبار کے موقف کی مدافعت و تائید کرتی ہے! اسی جذبہ نے آپ کو اس کتاب کی اس قدر پرزور تائید کرنے پر مجبور کیا! صاحب کتاب نے جو تاریخی حوالے دیئے ہیں اور جن عبارتوں سے استناد کیا ہے اُن کو جانچنے کیلئے اصل کتابوں کو آپ نے اس لئے نہیں دیکھا کہ آپ کے ذہن میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی تھی کہ کوئی مصنف اصل عبارتوں میں اس درجہ تحریف اور دجل و تلبیس کر سکتا ہے، جو "خلافتِ معاویہؓ و یزید" کے مصنف نے کیا ہے۔

جنوری کے تجلی میں آپ کا مضمون نہ آتا اور آپ کے مضامین کا وہی آہنگ اور تسلسل قائم رہتا تو یقین جانیئے میں آپ کے اس موقف پر سخت تنقید کرتا! اس آپ کے مضمون کے بعد میں نے آپ کے افکار کا تجزیہ کیا تو آپ سے حسن ظن کی بنا پر یہی فیصلہ میں نے کیا کہ اس دور کے صحابہ کرام کی روش اور پوزیشن کی اصابت و صحت اور انھیں ضعف و اشتباہ کے الزام سے بچانے کا جذبہ اس کتاب کی تائید میں کارفرما رہا ہے! ورنہ آپ یزید کی ذات سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عقیدت و محبت پر آپ فخر و ناز کرتے ہیں۔

کسی کتاب کے مصنف کے اگر عقاید و رجحانات کا ٹھیک پتہ لگ جائے تو بڑی آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کتاب کی تصنیف کا اصل مقصد کیا ہے! کس جذبہ کے تحت کتاب لکھی گئی ہے کسی کی مدح ہے تو کس غرض سے ہے، کسی پر تنقید ہے تو کس لئے ہے! میں پوری ذمہ داری اور آخرت کی جواب دہی کے احساس کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ "خلافتِ معاویہؓ و یزید" کے مصنف محمود عباسی صاحب، حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور اُن کے مقدس خانوادے سے سوء ظن بلکہ کد رکھتے ہیں اپنی پرائیویٹ صحبتوں میں وہ ان نفوس قدسیہ کی شان میں ناروا کلمات تک کہہ جاتے ہیں —— ان جذبات و احساسات اور معتقدات کیساتھ اُن کی تاریخی تحقیق بے لاگ رہ ہی نہیں سکتی اور نہ انصاف کا حق ادا کر سکتی ہے کہ لکھنے والے کا تحقیق و نگارش کے دوران میں یہ جذبہ رہا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کی پوزیشن کو زیادہ سے زیادہ مجروح کیا جا سکے اور ان کے معاملے میں

سراہا جائے!

اس کتاب میں بلاشبہ کچھ معقول باتیں بھی ہیں، بعض تاریخی ثقافات غلط بھی لکا دینے والے ہیں، مگر عرض کرنا یہ ہے کہ کی ہر کتاب میں کچھ نہ کچھ معقول باتیں ضرور ہوتی ہیں، کفر و بت کی حمایت و تائید میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، اُن تک میں کچھ نہ معقول باتیں ضرور ملتی ہیں، اس دنیا میں کفر بھی تھوڑا بہت حق ہی سہارا لیکر اُبھرتا ہے! دیکھنا یہ چاہیئے کہ کتاب کیا تاثر ہے! کتاب میں معقول اور نامعقول باتوں کا تناسب کیا ہے کتاب کو پڑھنے کے بعد بعض تاریخی شخصیتوں کے بارے میں کیا ے قائم کی جائے گی! پڑھنے والے کے ذہن پر یہ کتاب کیا پڑتی ہے!

اب رہیں پچھلی کتابیں تو اُن میں ہر طرح کی روایتیں ملتی ہیں، کوئی ں شیطان کی مدح کرنا چاہے تو اُس تک کے لئے تھوڑا بہت ول سکتا ہے کہ شیطان کے "موحد" ہونے پر ایک دو عدنی میں لائے ہیں ——— کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کا حال کا بیان تے ہوئے، انبیاء کرام کے سہو و نسیان کا ذکر کر سکتا ہے اور جائے گا، مگر کسی کی نیت انبیاء کرام کو مطعون کرنے کی ہو تو سیر کی بعض روایتوں کے سہارے وہ انبیاء کرام کی مقدس توں کو اس انداز میں پیش کر سکتا ہے کہ "حضرت" اور علیہ السلام" کے احترام آمیز القاب و آداب کیساتھ یہ سیرتیں اذ اللہ) مکروہ نظر آئیں! کتابوں میں سب کچھ مل سکتا ہے! ابوں کی کن روایتوں کو لینا چاہیئے کن کو چھوڑ دینا چاہیئے اس پرکھ لکھنے والے میں ہونی ضروری ہے: اور اس کا بہت کچھ رومدار لکھنے والے کی نیت اور مقصد پر ہے

رفض و خارجیت یہ دونوں انتہائیں غلط اور مردود ہیں اور ان دونوں مسلکوں اور مذہبوں سے نفرت و بیزاری کا اظہار تے ہیں! رفض کی تردید میں اگر خارجیت پیدا ہو جائے تو جس راہی کا رد کیا گیا ہے یہ بھی اُسی طرح کی گمراہی ہے۔ میں تو اُس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جو اہل بیت اطہار کے فضایل ن کر گھبراوٹ محسوس کرے! ہم تو اللہ تعالے کے فضل سے اہل سنت اور ارباب محبت میں جس طرح خلفاء ثلاثہ کے فضایل سنکر قلب کو انشراح ہوتا ہے، اسی طرح حضرت علی حضرت فاطمہ اور حسنین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے مناقب و محامد سے دل میں کشادگی پیدا ہوتی ہے! ہمارے تو سب مخدوم ہیں، اور ان سب کی نیازمندی کا ہمیں شرف حاصل ہے، کوئی خلفائے ثلاثہ اور دوسرے صحابہ کرام کو بُرا کہکر اپنی عاقبت خراب کرتا ہے، تو ہم اُس کے جواب میں کیسے بُرا کہیں اس لئے کہ بُرا کہنے والا جن کو اچھا کہتا ہے، وہ ہمارے نزدیک بھی اچھے اور قابل احترام ہیں! حضرت ام المومنین سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں گستاخی سن کر اگر یہ ردعمل ہوتا ہے کہ کوئی اس کے جواب میں حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر زبان طعن دراز کرنے لگے، تو پھر یہ دونوں طعن کرنے والے گستاخی و بدتمیزی کی ایک ہی سطح پر آگئے! اہل محبت تو زوج رسول اور بنت رسول دونوں کی خاک پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ اور اپنی پیشانیوں کا شرف سمجھتے ہیں۔

کوئی حق شناس خلفائے ثلاثہ کے مبارک عہد کی دینی جنگوں پر اگر دنیاداری کی پھبتی چُست کرتا ہے، تو ہم اس کے جواب میں یا اُس کے توڑ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی انقلاب حکومت کی جد و جہد کو طلب دنیا کے منسوب کر کے، حقیقت کا منہ نہیں چڑا سکتے۔

رفض و سبائیت کا رد کرتے ہوئے خارجی بن جانا یہ خود گمراہی ہے صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار سب کے سب اہل ایمان اور ارباب محبت و اخلاص کے نزدیک قابل احترام ہیں، اور ان کی عقیدت و محبت سے ہمارے دل معمور اور ہمارے سینے منور ہیں!

اختلاف صحابہ کے بارے میں جس کسی نے "کف لسان" کیا وہ سلامتی میں رہا قیامت کے دن مسلمانوں سے اُن کے اعمال کے بارے میں سوال ہوگا' جمل و صفین کے متعلق اُن سے کسی قسم کی کوئی بازپرس نہ ہوگی، اختلاف صحابہ کے مابین محاکمہ اور نقد و نظر میں بڑے احتیاط اور حفظ مراتب کی ضرورت ہے یہ شیرشاہ سوری اور ہمایوں جانبداری سلطان اور اُس کے مخالفین کی جنگیں نہیں ہیں کہ ان شخصیتوں کے بارے میں ایک مورخ جو چاہے فیصلہ کرکے جیسی چاہے زبان استعمال کر سکتا ہے یہ صحابہ کرام کا معاملہ ہے جو سچ مچ بال سے باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ کون منافق حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے فضل و شرف میں شک کر سکتا ہے، علی ابن ابی طالب علم و فضل اور طہارت و تقویٰ

کے شبستان میں گو ہر شب چراغ نظر آتے ہیں مگر دوسری طرف حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دینی منزلت بھی مسلّم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی بھی محبوب تھے اور عائشہ بھی محبوب تھیں عمار بن یاسر ہوں یا زبیرؓ وطلحہؓ مخالف کیمپوں میں رہنے کے باوجود انکا دینی شرف بھی ثابت ہے، اور ان کا احترام بھی اُمت پر واجب ہے۔

کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ کی دینی خدمات کا جہاں تک تعلق ہے حضرت امیر معاویہؓ کی دینی خدمات اُن سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں، مگر امیر معاویہؓ کے شرف صحابیت اور کتابت وحی کی گرانقدر خدمت پر کون پردہ ڈال سکتا ہے ——— محتاط الفاظ میں اپنے تمام مخدوموں کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی جاسکتی ہے کہ ان معرکوں میں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا معاملہ صاف تھا اور ہم اگر اُس دور میں ہوتے تو یا تو کسی گمنام وادی میں نکل جاتے یا پھر ان معرکوں میں حصہ لینا ضروری سمجھتے تو فاتح خیبر کے کیمپ میں صاحب ذوالفقار کے ساتھ ہوتے کہ حق کا جھکاؤ علیؓ کی طرف نظر آتا ہے۔

یہ معرکے کفر واسلام کے معرکے نہ تھے، بھائی بھائی میں ایک استاد کے شاگردوں میں، اور ایک ہی کشتی کے سواروں میں غلط فہمیوں کے سبب اختلاف ہو جایا کرتے ہیں، یہی صورت جمل وصفین میں پیش آئی ان اندوہناک جنگوں میں کفر وارتداد کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا ان میں جس کسی سے انسانی کمزوری ظہور میں آئی ہے، توقع ہے انکی گرانقدر دینی خدمات اس لغزش وکمزوری کا کفارہ بن جائیں گی!

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی ذات سے جس قدر دین کو شوکت نصیب ہوئی اور اسلامی حکومت کو استحکام اور وسعت میسر آئی اور کسی صحابی اور خلیفہ کو اس کا موقعہ نہ مل سکا، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ذوالنورین ہیں، صاحب الحیاء والایمان ہیں مجہز جیش العسرہ ہیں، اُن کا دینی شرف آفتاب کی طرح روشن اور ثابت ہے مگر حضرت عثمان غنی کے دور خلافت میں شیخین کی خلافت کا رنگ پوری طرح قایم نہ رہ سکا، خلافت کی مشین کے کل پرزوں میں خلافت صدیق و فاروق کے مقابلہ میں ڈھیل پیدا ہو گئی۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا آغاز ہی اختلافات سے ہوا اور سب سے بڑا حادثہ شہادتِ عثمان کا پیش آگیا، کوئی شک نہیں حضرت علی کا شہادت عثمان سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے اس معاملہ میں خلیفۂ چہارم کا دامن بے داغ ہے، مگر قاتلانِ عثمانؓ کے قصاص کا دعویٰ بھی وزن رکھتا تھا، یہی غلط فہمیاں تھیں جو فضا کو تاریک سے تاریک تر بناتی چلی گئیں اور پھر وہ کچھ ظہور میں آیا جس کو نقل کرتے ہوئے قلم تھراتا ہے ان معرکوں میں جن صحابہ کرام نے حضرت علی کا، اور جنہوں نے امیر معاویہ کا ساتھ دیا نیک نیتی کیساتھ یہ جان کر ساتھ دیا کہ وہ حق کی حمایت کر رہے ہیں!

ان واقعات سے ایک حق شناس کو یہ سبق حاصل کرنا چاہیے کہ جب صحابہ کرام جیسے نفوس قدسیہ ان اندوہناک حادثات کو نہ روک سکے تو پھر ہم کس طرح اس بات کو مان لیں کہ وفات پائے ہوئے بزرگوں کی روحیں احوال عالم میں تصرف کر سکتی ہیں، ایک طرف یہ لغو عقیدہ کہ اولیاء اللہ پر پوری کائنات روشن ہوتی ہے دوسری طرف یہ واقعہ کہ حضرت علی قاتلانِ عثمان تک کا پتہ نہیں لگا سکتے!

اس مضمون کے پڑھنے والوں میں کسی صاحب کے دل میں یہ بات کھٹک سکتی ہے کہ یہ غیر متعلق جملہ درمیان میں کیوں آگیا! اس کے جواب میں عرض ہے کہ "توحید" دین کی جان ہے، اس کا ذکر دین کی جس بات کے درمیان میں بھی آسکے گا، وہ موضوع سے بے تعلق نہ ہو گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کے یہاں زہد وتقویٰ جس درجہ کا تھا اُس درجہ کی "تدبیر و سیاست" نہ تھی، حضرت امیر معاویہ کا معاملہ قریب قریب اس کے برعکس ہے! سیرتوں کا یہی فرق جنگ ونزاع، تحکیم وصلح[1] اور بیعت وجانشینی کے واقعات میں ملتا ہے یہاں اس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ بے شک امیر معاویہ حضرت علی کے حریف تھے مگر اسلام کے حریف نہ تھے کہ اسلام حضرت علی کا نام نہ تھا اُن کی ذات سے کوئی یہ حسن ظن قائم کر سکتا ہے کہ وہ سیاست وتدبیر کی صلاحیت کے سبب اسلامی حکومت کو زیادہ بہتر طور پر چلانے کا اپنے کو مستحق سمجھتے تھے اور حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں اپنی اس اہلیت کا وہ ثبوت بھی دے چکے تھے! اس حسنِ ظن کے برخلاف اس ظن کے لئے بھی واقعات مواد فراہم کرتے ہیں کہ امیر معاویہ کو حکومت سے شخصی دلچسپی بھی تھی جس کا سب سے بڑا ثبوت اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا ہے!

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کو اپنا جانشین

[1] بیعت معاویہؓ کے سلسلہ میں حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اُس کا یہی خلاصہ ہے جو ہم نے چند لفظوں میں پیش کیا ہے (عامر ع۔ ق)

ر فرمایا قطعاً ... یہ ... اور ... کا ... کوئی ... جیسا ... ہوا ... سے
مزدگی" کے نہیں پائی جاتی، وہاں ایک غیر قبیلہ کا آدمی یہاں بیٹا وہا
ی امت اس ناعزدگی کو نہ صرف یہ کہ قبول کرتی ہے بلکہ اُس کا استحسان
ے دیکھتی ہے، یہاں عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ
، زبیر اور حسین بن علی جیسے اکابر اختلاف کرتے ہیں اور اس روش کو
کسرائیت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کی جانشینی
سلسلہ میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا، یہاں یزید کی ولی عہدی کو منوانے
لئے لوگوں کو انعام و اکرام دئے جاتے ہیں اور اس کے لئے باقاعدہ
چلائی جاتی ہے! علم و تقویٰ اور سیاست و تدبیر بھی اوصاف
ب صاحب امیر میں ہونے چاہئیں مگر یزید میں یہ اوصاف نہیں
ئے جاتے تھے! حالات ایسے پیدا کر دئے گئے کہ یزید کی ولی عہدی کا
، عام اختلاف کیا جاتا تو جمل و صفین کے معرکے شاید پھر گرم ہو
تے اس بڑے فتنہ سے بچنے کے لئے اہون البلیتین" پر عمل کیا
اور ایسا کرنے سے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی عزیمت پر کوئی
ت نہیں آتا کہ انہوں نے حکمت کے تقاضے کو پورا کیا کہ دین میں
حکمت عملی" کا بھی ایک مقام ہے جہاں تک دلوں کے چھپے
ہوئے حالات کا تعلق ہے، اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور
ں کو نہیں ہو سکتا، ہم تو ظاہری واقعات کو دیکھ کر ہی رائے
م کر سکتے ہیں۔

بالکل سامنے کی بات یہ ہے کہ ان واقعات کے بارے میں
ت اسلامیہ کے ضمیر نے خود فیصلہ کر دیا ہے کہ خلافت راشدہ
ر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حکومت تک کو نمونہ بنانے کی تمنا
جاتی ہے اور اُس کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں مگر امیر معاویہؓ
حکومت کا اس تمنا اور دعامیں ذکر نہیں آتا۔

حادثہ کربلا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کی خلافت کا جب مسئلہ سامنے آیا اُس وقت
ی عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن زبیر اور حسین
ن علی (رضی اللہ عنہم) جیسے اکابر و اعاظم نے جو اُمت کی عظمت
ی اکثریت کے افکار و رجحانات کی نمائندگی کرتے تھے یزید
بیعت نہیں کی، اور ان میں حضرت عبداللہ ابن زبیر تو مسلسل یزید
ی مخالفت کرتے رہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جان

دی مگر یزید کی بیعت نہیں کی یہ بات اس کے ثبوت کے لئے
سورج کی روشنی کی طرح کافی و وافی بلکہ تاریکی حجت ہے کہ یزید
کی شخصیت کو شروع ہی سے عام طور پر ناپسندیدہ اور بجوع حق
ہی سمجھا گیا!

حضرت حسین یزید کو اُمتِ مسلمہ کی امارت کا اہل نہیں سمجھتے
تھے، حکومت یزید کے بالکل ہی آغاز ہی میں وہ مدینہ سے مکہ چلے
آئے اور یہاں اُن کے پاس اہل کوفہ کے مسلسل خط پہونچنے شروع
ہوئے، جن کا مشترک مضمون یہ تھا کہ ہم آپ کو خلافت کا ہر اعتبار
سے مستحق سمجھتے ہیں یزید سے ہم بیزار ہیں آپ یہاں تشریف لے آئیں
تو کوفہ و عراق کے ایک لاکھ سپاہی آپ کی بیعت کے لئے تیار ہیں
حضرت حسین نے تفتیش حال کے لئے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل
کو کوفہ روانہ کیا مسلم کوفہ پہونچے تو لوگ جوق در جوق بیعت ہونے
شروع ہوئے، حضرت مسلم نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت حسین کو
دی! ایسے موقعہ پر حضرت حسین نے ٹھیک وہی کام کیا جو ایک
نااہل، غلط کار اور مبغوض بادشاہ کو ناپسند کرنے والے صاحب
دعوت و عزیمت کو کرنا ضروری تھا انقلاب حکومت کے اس موقعہ
سے حسینؓ کو فائدہ اٹھانا ہی چاہئے تھا! اس لئے وہ اپنے اہل
بیعت اور اعوان و انصار کیساتھ کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے!
اہل کوفہ کے عقیدت مندانہ خط کے بعد حضرت مسلم بن عقیل کی طرف
سے اطلاع پہونچنے پر کہ تمام کوفہ آپ کی عقیدت و محبت میں سرشار
ہے حضرت حسینؓ یہ رائے قائم کرنے میں حق بجانب تھے کہ وہ کوفہ
پہونچتے ہی اپنی خلافت کا اعلان کر دیں گے، وہاں کے دار الامارت
میں آپ کے اہل بیعت قیام فرمائیں گے اور کوفہ کو مرکز بنا کر
یزیدی حکومت کا تختہ الٹنے کی جد و جہد کی جائے گی! لوگ حکومت
کے دباؤ اور خوف کی وجہ سے خاموش ہیں جب وہ دیکھیں گے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ نے یزید کے علی الرغم اپنی خلافت
کا اعلان فرما دیا، اور ہزاروں تلواریں اُن کے ساتھ ہیں تو اہل بیت
کے ساتھ جو مسلمانوں کو عقیدت ہے وہ حرکت میں آ جائے گی اور
حسین کے طرفداروں میں اضافہ ہوتا چلا جائیگا، حضرت حسین کے
یہ عزائم اور خوش اندیشیاں تھیں، مگر مشیت کو کچھ اور ہی منظور تھا
جس حادثہ کا ہونا مقدر ہو چکا تھا اسے بدلا نہیں جا سکتا تھا

حکومت کے دباؤ، خوف اور لالچ نے جو انکار شروع ہی میں اہل کوفہ کے وگ عرفان با دنما ثابت ہوئے ایک ایسا وقت بھی آیا کہ حضرت مسلم بن عقیل نے کوفہ کی جامع مسجد میں جب نماز مغرب کی امامت کرتے ہوئے نیت باندھی ہے تو ساری مسجد مقتدیوں سے بھری ہوئی تھی مگر جب سلام پھیرا ہے تو گنتی کے چند مسلمان رہ گئے تھے. انھوں نے بھی ایک ایک کر کے کھسکنا شروع کیا یہاں تک کہ حکومت کے سپاہیوں نے حضرت مسلم کو شہید کر دیا اس معرکہ میں خانوادہ اہل بیت کا یہ پہلا خون ہے جس نے عزیمت و صداقت کا ابتدائی نقش تاریخ کے اوراق پر ثبت کر دیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کوفہ کی طرف تیزی کیساتھ منزل بہ منزل سفر کر رہے تھے راستہ میں ایک شتر سوار کی زبانی معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل کو شہید کر دیا گیا اور کوفہ والوں کے دل تو آپ ہی کیساتھ ہیں مگر تلواریں یزیدی حکومت کیساتھ ہیں، اس دردناک واقعہ اور صورتِ حال کی تبدیلی نے سب کو مغموم اور فکرمند کر دیا، یہ رائے بھی ہوئی کہ مکہ یا مدینہ کو لوٹ چلیں مگر تقدیر نے حسینی قافلہ کو کرب و بلا کے میدان میں پہونچا کر چھوڑا!

حکومت کی طرف سے یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ امام حسین کو جس طرح ممکن ہو کوفہ پہونچنے سے باز رکھا جائے اندیشہ تھا کہ آپ کے بنفسِ نفیس کوفہ پہونچ جانے سے کہیں پانسہ ہی نہ پلٹ جائے، حسینی قافلہ کو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا اس لئے آپ کو کربلا کے میدان میں نہر فرات کے کنارے خیمہ زن ہونا پڑا۔

عمر بن سعد یزیدی لشکر کا سپہ سالار تھا اُس سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی گفتگو ہوئی حضرت حسین نے تین شرطیں پیش کیں کہ (۱) میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلا جاؤں (۲) یزید کی حکومت سے نکل کر کفار کی سرحد میں پہونچ جاؤں اور ان سے جہاد کروں یا (۳) مجھے دمشق یزید کے پاس جانے دو میں اُس سے خود گفتگو کر کے نمٹ لوں گا۔

عمر بن سعد ان تجویزوں کو سنکر خوش ہو گیا. اُس نے یہ تجویزیں عبداللہ ابن زیاد کے پاس لکھ کر بھیج دیں. ممکن تھا کہ ابن زیاد ان تجویزوں کو منظور کر لیتا مگر شمر ذی الجوشن نے جو ابن زیاد کے پاس بہ اتفاق موجود تھا. ابن زیاد کو ورغلایا اور کہا کہ اگر حسین ابن علی یزید کے پاس چلے گئے تو تیرے لئے کوئی عزت اور منزلت کا موقع باقی نہ رہیگا ظالم شمر کا یہ تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھا ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو جواب میں لکھا کہ یہ تینوں شرطیں منظور نہیں کیجا سکتیں، پہلے حسین اپنے کو ہمارے حوالے کر دیں. پھر میرے ہاتھ پر یزید کے لئے بیعت کریں، اس کے بعد میں ان کو اپنی طرف سے بند و بست کر کے انھیں دمشق بھجوا دوں گا!

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ شرط رکھی گئی، تو اب آپکے لئے دو ہی صورتیں تھیں یزید کی بیعت یا مٹھی بھر جاں نثاروں کیساتھ ایک بڑی فوج سے تصادم! انہوں نے پہلی تجویز کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر لڑ کر مر جانا قبول کیا، جانشین فاتح خیبر اور ابن اسد اللہ سے اسی عزیمت کی توقع تھی، اس معرکہ کی سب سے زیادہ نمایاں بات یہ ہے کہ حضرت حسین کے کسی عزیز اور ساتھی نے بے وفائی نہیں کی اور کمزوری نہیں دکھائی وہ پنج بہ پنج موت سے دست و گریباں ہو گئے۔ حسین نے اپنی آنکھوں سے بھائی بھانجوں، بھتیجوں اور بیٹوں کو خاک و خون میں تڑپتے دیکھا حسین کو آفریں اور اُن پر درود و سلام کہ ایسے دردناک صدموں کو برداشت فرمایا، ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو آنکھ کلیجہ پھٹ جاتا، یا فرطِ غم سے دیوانہ ہو جاتا، مگر حسینؓ کی عزیمت میں، وقار و تحمل میں اور جذبۂ صبر و شکر میں ذرا سا بھی فرق پیدا نہیں ہوا، صبر و عزیمت کا "کوہِ گراں" کہ دینے سے بھی حسینؓ کے صبر و تحمل کا وصف تشنۂ بیان ہی رہ جاتا ہے، یہاں تک کہ اس حلقوم پر جو بوسہ گاہ رسولؐ تھا خنجر چلتا اور راکبِ دوشِ رسولؐ کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھا گیا

~~ آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

جوع و عطش اور نقصِ اموال سے لیکر جانوں کی ہلاکت تک ہر سخت سے سخت مرحلہ حسین اور اُن کے رفقاء کو پیش آیا اور اللہ کے فضل سے کسی مرحلے میں بھی اُن کے پائے استقامت کو جنبش نہیں ہوئی۔

۱؎ حضرت حسین کی اپنی عظمت اور علم و فضل کے سبب انھیں "امام" کہا جاتا ہے شیعوں کی طرح ہم امامت کو منصوص نہیں سمجھتے. جب غزالی اور رازی کا کے ناموں کے ساتھ "امام" لکھا جاتا ہے تو حسینؓ بدرجہ اولیٰ اس لقب کے ہر طرح سے مستحق ہیں (م. ق)

وہ حسن کا امتحاں ہوا ور جو ہوُ کامیاب اُس میں
ہمارا آپ کا بیٹا نہیں بیٹا اُسی کا ہے

حادثۂ کربلا کیا ہے؟ —— گلشن زہرا کی پامالی علیؓ کے خانوادے کی تباہی —— فریاد! ان میں کوئی شبیہ رسول تھا، کوئی علیؓ تمثال تھا کوئی حُسن سیرت کسی کی چال ڈھال سیدہ فاطمہؓ زہرا سے ملتی جلتی تھی اور کسی کی مسکراہٹ پر جعفر طیار کے تبسم کا گماں ہوتا تھا، تاریخ اسلام کا بہت بڑا حزنیہ اور دردناک المیہ! کربلا کا ذکر آتے ہی مسلمان کا دل ہل جاتا ہے اور کسی کا دل اس دردناک حادثہ پر جوں کا توں رہتا ہے، اُس کی بے حسی سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس معرکہ میں حضرت حسینؓ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی، "اجتہادی غلطی" کا محل تو جمل و صفین کے معرکے ہیں کہ طرفین میں سے کس کا ساتھ دیں! وہاں انتخاب و اجتہاد کے دو رُخ تھے، حضرت حسینؓ کا معاملہ بالکل صاف ہے، انھوں نے یزید کی بیعت نہیں کی اس لئے کہ وہ اُس کو خلافت کا اہل نہ سمجھتے تھے، انہوں نے کوفہ والوں کی دعوت پر انقلابِ حکومت کی غرض سے سفر کیا اور جب اہل کوفہ نے بیوفائی کی تو انھوں نے یزیدی حکومت کے گورنر کی اس شرط کو کہ یزید کی بیعت کر کے جان کی اماں مل سکتی ہے، حقارت و نفرت سے ٹھکرا دیا اور مردانہ وار جان دے کر عزیمت کا حق ادا کر دیا اللہ تعالیٰ کی ان پر اور ان کے ساتھیوں پر بیشمار رحمتیں ہوں!

اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اس عزیمت اور عظیم کارنامہ کو "غلطی وخطا" سے تعبیر کیا جائے تو پھر نقضِ امن کے اندیشہ سے دُنیا میں ظلم و فسق کے خلاف کوئی صدائے احتجاج ہی بلند نہیں ہو سکتی اور حکومت و امارت کے معاملے میں اصلاح و انقلاب کی جد وجہد کا باب ہی بند ہو جانا چاہیئے!

یہ بات اپنی جگہ بے شک صحیح ہے کہ کربلا کے واقعات میں مورخوں، سیرت نگاروں اور شاعروں نے بہت کچھ مبالغے کام لیا ہے اور زیبِ داستان کے لئے بہت کچھ بڑھا دیا گیا ہے، یہاں تک کہ اس حادثہ کی مجموعی تفصیلات "شعر و افسانہ" کے قالب میں ڈھل کر رہ گئی ہیں۔ اردو زبان کے مرثیوں ہی کو لے لیجئے اُن کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ جنگ عراق میں نہیں بلکہ سوادِ لکھنؤ میں ہوئی تھی! افسانوی روایتوں کا ایک انبار ہے جو کسی تحقیق کے بغیر "رونے اور رُلانے کے لئے" کارِ ثواب سمجھ کر اکٹھا کر دیا گیا ہے لیکن کربلا کے تاریخی واقعات کی کمزوری کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ اسلامی تاریخ میں "مغازی و ملاحم" کا شعبہ کمزور رہا ہے امام احمد بن حنبل کا مشہور قول ہے۔

ثلاثة کتب لیس لها اصول　　تین قسم کی کتابیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں
المغازی والملاحم والتفسیر　　مغازی، ملاحم اور تفسیر (موضوعات ملا علی قاری)

تو جس طرح مغازی و ملاحم کو اُن کے ضعف اور افسانوی انداز کے باوجود یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور کمزور واقعات ہی سے قدر مشترک نکالی جاتی ہے اسی طرح کربلا کے واقعات بھی مجموعی طور پر ہمیں ایک قدر مشترک دیتے ہیں —— یہ کہ کربلا کا حادثہ انتہائی دردناک ہے حسینؓ کی شہادت مظلومیت کی شہادت ہے ان کے قاتل ظالم اور جفا کار ہیں۔ حسینؓ کیساتھ صداقت اور عزیمت تھی (رضی اللہ عنہ ورحمۃ اللہ علیٰ رفقائہ و انصارہ واعوانہ)

اس معاملہ میں "خلافتِ منعقدہ" کے خلاف "خروج و بغاوت" کی جو فقہی شق نکالی جاتی ہے، تو اس سلسلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عمل ملتا ہے کہ انھوں نے اپنے دور کی خلافت: امارت منعقدہ کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والے مجاہد —— حضرت نفس زکیہ کی مالی امداد کی تھی! امام اعظم کے اس واضح عمل کے بعد احناف کو تو کربلا کے بارے میں اس طرز پر سوچنا ہی نہیں چاہیئے!

مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ایک ثقہ مورخ تھے، شیعیت یا تفضیلیت سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہ تھا، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح فرما کر خلافت سے دست بردار ہو گئے تھے اس واقعہ کو شاہ صاحب مرحوم نے اس قدر والہانہ انداز میں سراہا ہے کہ کم لوگوں نے اس انداز پر سراہا ہوگا وہ اپنی مشہور کتاب (تاریخ اسلام حصہ دوم صفحہ ۴ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی) میں لکھتے ہیں ——

"بہر حال مغیرہ بن شعبہؓ اور امیر معاویہؓ کی کوشش سے یزید عالم اسلامی کا خلیفہ ہوا حضرت امیر معاویہ کا اپنی زندگی میں یزید کے لئے بیعت لینا ایک سخت غلطی تھی، اور یہ غلطی اُن سے غالباً محبت پدری کی وجہ سے سرزد ہوئی مگر مغیرہؓ بن شعبہ کی غلطی اُن سے بھی بڑی ہے کیونکہ امیر معاویہ کو یہ خیال مُغیرہؓ بن شعبہؓ کی تحریک ہی سے پیدا ہوا تھا، لیکن یزید اس منصب کو حاصل کرنیکے

نمبر؛ نے کیمرا چہنے آپ کو خلافت کا اہل ثابت نہیں کر سکا

—— اور ——

حضرت امام حسینؓ نے یزیدی حکومت کے نظام باطل
کی مخالفت کی اور ظلم واستبداد اور باطل حکومت کے خلاف
آپ نے اپنے عمل سے ایک ایسی شمع روشن کی کہ جسکی روشنی
میں قیامت تک حق پرستوں کے قافلے آگے بڑھتے رہیں گے (صفحہ ۹۵)

بعض لوگ اس انداز پر سوچتے ہیں کہ یزید کی جانشینی کے واقعہ کو جب ایک صحابی رسولؐ کی غلطی تسلیم کیا جاتا ہے تو معرکہ کربلا میں حضرت حسین کے موقف کو "غلط" کہنے سے کون سا گناہ لازم آتا ہے، اس سلسلہ میں میری گزارش یہ ہے کہ ان دونوں واقعات کے نتائج دیکھئے پھر "غلطی" کا فیصلہ ہو جائے گا! یزید کی جانشینی نے اسلام میں خلافت اور شوریٰ کی جگہ ملوکیت کی بنیاد ڈال دی اور پھر باپ کے بعد بیٹے اور اس کے بعد پوتے کی جانشینی کی رسم چل پڑی، جسے کوئی شخص استحسان کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور یزید کے دورِ حکومت میں شہادتِ حسینؓ کا دردناک واقعہ پیش آیا جو اس حکومت کے دامن پر ایک ایسا داغ ہے جسے سات سمندروں کا پانی بھی نہیں دھو سکتا،

واقعہ کربلا کے دوران میں یا اس کے بعد ایسا ہوتا کہ مسلمانوں کے اختلافات کو دیکھ کر غیر مسلم حکومتیں اسلامی حکومت پر چڑھ دوڑتیں مسلمانوں کے کچھ علاقے اُن کے قبضے سے نکل جاتے تو نتیجہ کے اعتبار سے اُسے "غلطی" کہا جا سکتا تھا! یہ معرکہ تو یہ مفید کام انجام دے رہا ہے کہ سرفروشی، حق گوئی عزیمت واستقامت اور ظلم وطغیان کے خلاف جد وجہد کے لئے کربلا کے ذکر سے مسلمانوں کو اُبھارا جاتا ہے!

اب رہا یزید کا معاملہ تو تاریخ کی تمام کتابوں کی عبارتوں کو جمع کیا جائے تو اُن سے یزید کی سیرت وکردار کی جو تصویر بنتی ہے وہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، لہو ولعب اور کتوں کے شکار کے شوق کے علاوہ اُس کی ذات سے مورخین نے نماز سے بے پروائی اور فسق بھی منسوب کیا ہے اُس کی تعریف میں چند جملے کہیں ملتے بھی ہیں تو وہ ایسے ہیں جیسے آرد پر سفیدی مگر اُس کے مثالب کتابوں میں سیاہ بادل نظر آتے ہیں! تواتر اجماع اُمت عوام وخواص کے میلان رجحان کا یہ محکم فیصلہ ہے کہ ——

"تاریخ اسلام میں حسینؓ پسندیدہ اور محبوب شخصیت ہے

—— اور ——

یزید ناپسندیدہ اور مبغوض شخصیت ہے"

جو کوئی اُمت کے اس فیصلہ اور میلان و رجحان کے خلاف منطق گا اُس کی منطق اور دلیلوں کو رد کر دیا جائے گا اور اس ذہنیت مزاج رکھنے والے کے بارے میں بُری رائے ہی قائم کیا جائے گی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ہمیں اس لئے محبت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے محبت تھی، حضور کا لعاب دہن اور فاطمہ زہرا کا دودھ اُن کی گھٹی میں پڑا تھا علیؓ مرتضیٰ کے دامن میں انہوں نشو ونما پائی تھی اور اُن کے بارے میں نیکی اور تقویٰ کے سوا کوئی بات تک نہیں سُنی گئی، حسینؓ راکب دوشِ رسولؐ ہیں جوانان جنت سردار ہیں، صاحب عفت وتقویٰ ہیں ان کی محبت مسلمان فطرت کا طبعی تقاضا ہے، جو کوئی حسینؓ کی محبت کو مجروح کرنے یا اُسے نا سے بدلنے کی کوشش کرتا ہے چاہے وہ تاریخ کا کتنا ہی بڑا اسیر، اسکالر اور محقق اعظم ہی کیوں نہ ہو، اُسے مُفسد ہی سمجھا جا

اس پروپیگنڈے کو میں بے شک غلط اور صریح زیادتی سمجھتا کہ فرعون، نمرود اور ابوجہل وابو لہب کو اتنا برا نہیں سمجھا جاتا جتنا یزید کو سمجھا جاتا ہے، حالانکہ ان لوگوں کا کفر بالکل کھلا ہوا ہے اور کافر نہیں تھا، مسلمان تھا جو نماز پڑھتا تھا روزے رکھتا تھا حج کر اور اُس کی حکومت میں شریعت ہی کا قانون چلتا تھا کفار قریش نے محمد رسول اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کیساتھ اسلام کی دشمنی جنگ کی تھی کہ نفوس قدسیہ اگر مارے گئے تو اسلام مٹ جائے گا! اس کے برخلاف یزید کے جو معاملات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کیساتھ پیش آئے اُن کا سبب حکومت کی محبت تھی اسلام کی دشمنی نہ تھی جہ ظلم اور شقاوت وسنگدلی کا تعلق ہے، حجاج بن یوسف ثقفی سے یزید کو کوئی نسبت نہ تھی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خاندانی شرف اپنی جگہ مسلّم تقویٰ کیسا تھا اس شرف میں بھی یزید کا اور ان کا کیا مقابلہ! مگر اس نفسیاتی حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حریف اپنے تھوڑے سے شر کو بھی بہت کچھ سمجھتا ہے —— تو یزید حکومت کے اقتدار کیساتھ یہ احساس بھی رکھتا تھا کہ میں بھی قریشی میرے دادا اور باپ دونوں صحابی تھے، میرے باپ کاتب و

تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میری پھوپھی تھیں، اور مجھے وہ حکومت ملی ہے جس کے لئے حسن ابن علی میرے باپ سے قطع فرما کر، دست بردار ہو چکے تھے

اب رہی اسلامی حکومت تو نہ وہ علیؓ کی جاگیر تھی اور نہ معاویہؓ کی وراثت اسلامی حکومت کسی فرد قبیلہ یا خاندان کا حق نہیں ہوا کرتی اس کا تعلق کسی جبر و اکراہ کے بغیر رضا و رغبت کے ساتھ امت کے انتخاب و شوریٰ سے ہے! اس انتخاب و شوریٰ کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے! اس مسئلہ میں حضرات شیخین (صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما) کا کردار کس قدر بلند و ممتاز نظر آتا ہے کہ اُن مخلص بے نفس اور اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کے ذہن میں یہ اندیشہ تک نہیں گزرا کہ حکومت اُن کے خاندان کے کسی فرد کو ملنی چاہیئے اور نہ اُن کی اولاد نے اپنے لئے کسی قسم کی جد وجہد کی ورنہ حضرت عبد اللہ ابن عمر اگر چاہتے تو اُن کی خلافت پر لوگ رضامند ہو سکتے تھے!

یزیدی دورِ حکومت کے تہذیب و تمدن اور معاشرے کی تصویر اس قدر بگاڑ کر کھینچی جاتی ہے، جیسے خانوادہ علی کے گنے چنے افراد اور اُن کے چند حامیوں کے علاوہ پوری امت گمراہی اور فسق و فجور میں مبتلا ہو گئی تھی ہر طرف زناکاری کے اڈے کھلے ہوئے تھے۔ برملا شراب پی جاتی تھی، لوگوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا، مسلمانوں کی اکثریت (معاذ اللہ) نفاق کا شکار تھی، مسلمانی بس نام کی رہ گئی تھی، مسجدیں ویران تھیں، و شراب خانے آباد تھے ——— یہ پروپیگنڈہ کتنا جھوٹ ہے، کسقدر خلافِ واقعہ ہے کتنے صحابہ، تابعین اور زہاد و اہل تقویٰ کے چہروں پر تہمتوں کا کولتار مل دینے کی ناپاک کوشش ہے! واقعات کو مسخ کر دینے کا یہ کارنامہ وہی ناپاک ذہنیت انجام دے سکتی ہے جس نے یہ جھوٹ گھڑ رکھے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد گنتی کے چند "مومنین" کو چھوڑ کر باقی تمام صحابہ (نعوذ باللہ) منافق اور مرتد ہو گئے تھے (خاک بدہن گستاخ)

امیر معاویہؓ کی معاشرت بے شک شاہانہ تھی اور عرب کی سادگی کی جگہ اس میں عجمی تکلفات آ گئے تھے، مگر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہؓ رضی اللہ عنہ سے جو صلح کی تھی، اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تو تھی۔

"عہد نبوی اہواز کا خراج حسن بن علی کو امیر معاویہ بھیجا کرتے رہیں گے کوفہ کے بیت المال میں جسقدر روپیہ اب موجود ہے وہ سب امام حسن کی ملکیت سمجھا جائے گا وہ اپنے اختیار سے اس پر جس طرح چاہیں گے تصرف کریں گے، امیر معاویہ بنی ہاشم کو انعام و عطیہ میں دوسروں پر مقدم رکھیں گے"

بے شک تاریخوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ امام حسن بہت فیاض و کریم واقع ہوئے تھے اور عام طور پر اہل بیت بڑی اولو العزم اور سیر چشم تھے اور اُنکے در سے بیواؤں ضعیفوں اور محتاجوں کی حاجت روائی ہوتی تھی، مگر جس گرانقدر رقم کا صلحنامہ میں ذکر ہے تمام داد و دہش اور جود و عطا کے بعد اس کا جتنا کم سے کم حصہ بھی خانوادہ علیؓ پر صرف ہوتا تھا اسکا لحاظ کرتے ہوئے یہ کون کہہ سکتا ہے کہ علیؓ و فاطمہؓ کی ہو بہو معاشرت اُن کے خانوادے میں موجود تھی! مال و دولت کی فراوانی اور اسباب کی فراوانی کیساتھ چاہے وہ بنو امیہ ہوں یا بنو ہاشم معاشرت کسی نہ کسی حد تک قریب قریب سبھی کی بدل گئی تھی۔

مبالغے اور غلط اندیشیاں

واقعہ کربلا کی جو درد ناکی اور اہمیت ہے اس کا ہم اپنے اظہار و اعتراف کر چکے ہیں ——— مگر کربلا کے واقعہ کو اس انداز میں پیش کرنا کہ اس کے سامنے بدر و احد اور خندق و خیبر کے غزوات دب کر رہ جائیں بلکہ غیر اہم قرار پائیں اور انبیاء کرام اور صحابہ عظام کی تمام جانی و مالی قربانیاں بے حقیقت نظر آئیں مبالغہ کی وہ حد ہے جس کے مذموم و ناروا ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں کیا جاسکتا اس قسم کی مبالغہ آرائی خود اسلام کیساتھ زیادتی ہے۔

قرآن پاک میں انبیاء کرام کی شہادت کا اجمالاً ذکر کیا ہے کہ ان نفوس قدسیہ کا خون ناحق بہایا گیا، احادیث نبوی، یہ ذکر ملتا ہے کہ اگلی امتوں کے بعض علماء کے جسموں کو ظالم لوگ لوہے کی کنگھیوں سے کھرچتے تھے، اور اُن پر اسی طرح کے لرزہ بر اندام مظالم کئے جاتے تھے مگر اُن کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی تھی!

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن جنگوں میں شریک رہے ہوا

برکت ثواب اخلاص اور نتائج کے اعتبار سے واقعہ کربلا سے اُن کا کیا مقابلہ! خاص طور سے غزوۂ بدر تو فتح اسلام کا دیباچہ تھا، یہ وہ معرکہ آرا جنگیں ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے، اور جن میں شریک ہونے والوں کی اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے، غزوات و سرایا میں "اسلام خالص" کا "کفرِ خالص" سے مقابلہ تھا، اُن جنگوں میں کفر اسلام سے لڑنے کیلئے آیا تھا، کربلا میں کفر نہیں دنیا کی محبت اور ہوائے نفس ایک حق پسند انسان سے نبرد آزما تھی!

واقعہ کربلا کے اس بے حد و نہایت پروپیگنڈے کا یہ اثر ہے کہ لوگ کربلا کے شہید حبیب ابنؓ مظاہر کو جانتے ہیں مگر غزوۂ موتہ کے شہید عبداللہ ابن رواحہ اور غزوہ احد کے شہید رافعؓ بن مالک کو نہیں جانتے اسعد بن خیثمہ (شہید بدر) سعد بن الربیع (شہید احد) عبداللہ بن عمرو (شہید احد) منذر بن عمر (شہید بیر معونہ) عبیدہ (شہید بدر) اور ابن نضر (شہید اُحد) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہ وہ شخصیتیں ہیں جن کی شہادتیں مشہور عوام ہونی چاہیئے تھیں مگر امت میں بہت کم لوگ ان شہدار کو جانتے ہیں۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کتنی دلخراش شہادت ہے مگر مسلم عوام میں عباس ابن علی کی شہادت کا جو غلغلہ بلند کیا گیا ہے اس کے مقابلہ میں مصعب ابن عمیر کی شہادت کتنی گمنام ہو کر رہ گئی ہے۔

غزوہ اُحد میں ——— "حضرت زیاد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کا لاشہ قریب لاؤ، لوگ اٹھا کر لائے کچھ کچھ جان باقی تھی، قدموں پر سر رکھدیا اور اسی حالت میں جان دیدی"

ہر چہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے
کہ بہ وقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی (سیرۃ النبی)

غزوہ خندق میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا اللہ کے دین کی خاطر جرات و سرفروشی کا وہ مظاہرہ اُن کا ہاتھ زخمی ہو جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے زخم کو داغتے ہیں اور اسی صدمہ سے سعدؓ کی شہادت واقع ہو جاتی ہے۔

غزوہ موتہ میں حضرت عبداللہ ابن رواحہ کی سرفروشانہ شہادت حضرت زیدؓ کا برچھیاں کھا کر شہید ہونا، حضرت جعفرؓ کی وہ سرفروشی اور بے جگری کہ جسم پر برچھیوں کے نوے زخم اور سب کے سب سامنے تھے، پھر حضرت خالدؓ ابن ولید کی شجاعت اور نبرد آزمائی کا وہ عالم! کہ تین ہزار فوج کو کافروں کی ایک لاکھ فوج سے ٹکرا دیا اس دن آٹھ تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر اُن کے ہاتھ سے گریں ——— پھر سب سے ممتاز اور دردناک شہادت حضرت سید الشہدا سیدنا حمزہ رضی اللہ کی ہے کہ فرطِ غم سے خود حضور کا دل ہل گیا۔

ان تمام غزوات کے مقابلہ میں جن سے اسلام کو نمایاں سربلندی اور کفر کو کھلی ہوئی ذلت و شکست نصیب ہوئی صرف واقعہ کربلا کو محور قرار دے کر اسی کے ارد گرد تمام تصورات و معتقدات، تذکروں، تقریروں اور شعر و ادب کو گھما دینا ——— اس انداز پر کہ غزوات کربلا کے سامنے دب کر رہ جائیں، اور دنیا کو یہ باور کرا دینا کہ اسلامی تاریخ میں یادگار بنائے جانے کا مستحق صرف واقعہ کربلا ہے تاریخ و صداقت کے ساتھ کتنا ظلم ہے!

غزوات و سرایا کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ کا یہ کارنامہ عظیم ترین ہے کہ آپ کی عزیمت نے فتنۂ ارتداد کا استیصال کر دیا، خلافت صدیقیؓ میں جیش اسامہؓ کی کامیابی، مدعیان نبوت کی سرکوبی جنگ ذات السلاسل، فتح حیرہ، جنگ ذات العیون فتح دومۃ الجندل، جنگ یرموک، پھر خلافت فاروقی میں دمشق کی فتح، جنگ فحل، جنگ قادسیہ، فتح مدائن، معرکہ جلولا، فتح بیت المقدس، فتح مصر، جنگ نہاوند اور خلافت عثمانی میں اسکندریہ افریقہ، قبرص اور طبرستان کی فتوح اسلامی تاریخ کے وہ عظیم الشان معرکے ہیں جن کے سبب اسلام کو کھلی ہوئی سربلندی نصیب ہوئی اور اللہ کا کلمہ غالب ہوا ان جنگوں میں اہل ایمان نے کس قدر اخلاص، سرفروشی، جانباز جرأت، حوصلہ مندی اور للہیت کا ثبوت دیا ہے، ہزاروں مجاہدین کو شہادت کی سعادت نصیب ہوئی۔

۵ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ کس قدر دردناک ہے کہ روضۂ رسولؐ کے عین محاذ میں مسجد نبوی سے متصل مکان میں آپ کو قرآن پڑھتے ہوئے شہید کر دیا جاتا ہے اس طرح کہ ایک طرف قرآن کریم کا ورق آپ کے مقدس خون سے رنگین ہو جاتا ہے اور دوسری طرف آپ کی زوجہ محترمہ کی انگلیاں

؍ تلوار سے کٹ کٹ کر گر پڑتی ہیں، پھر حضرت عثمانؓ کی بے نفسی، ایثار
ی اور ملت اسلامیہ کی ہمدردی دیکھئے کہ جان دینا اور شہید
قبول کر لیتے ہیں مگر اس اندیشہ سے کہ مسلمانوں میں تلوار نہ
ے اپنے ساتھیوں، حامیوں اور حکومت کے لشکریوں کو
آرائی کی اجازت نہیں دیتے۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر جو شدید و نازک آزمائشیں
ں، وہ اپنے طول مدت اور کمیت و کیفیت کے اعتبار سے اپنی
ثال ہیں جمل و صفین سے لیکر خوارج کی طوفانی مخالفتوں تک
یسے نازک وقت آپ پر آئے ہیں، اس وقت آپ کے دل پر کیا
ہوگی جب اس دور کے سب سے بڑے عالم قرآن علی مرتضیٰ کو
ع الحکم الا للہ کا مفہوم سمجھا کر حقیر ذرے سورج سے
ہے تھے، یہی مقدر ذات تھے کہ فاتح خیبر کو اپنے دور خلافت
فا خلافت کی طرح کافروں کے خلاف جہاد کرنے کی فرصت ہی
ملی، اور قریب قریب پوری مدت اندرونی خرخشوں ہی میں صرف

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حق و صداقت کے لئے
انباری کیساتھ جان دی ہے، وہ اسلام کی تاریخ کا کسقدر
ورق ہے، آپ بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے ہیں اور کوہ ابو
ی منجنیقیں پتھر برسا رہی ہیں جو آپ کے بالکل قریب آکر گرتے
تو جلال اللہ میں ذرہ برابر فرق واقع نہیں ہوتا، دشمنوں سے لڑتے
ستے ہیں اور موقع نکال کر مقام ابراہیم پر نماز بھی پڑھ لیتے ہیں،
نماز سے لیکر ظہر کے وقت تک اللہ تعالیٰ کے اس مجاہد بندے نے
پلائی ہے اور دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے ہیں۔ پھر ان کی ماں حضر
رتنا اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے بیٹے کو جس صبر و عزیمت
اتھ رخصت کیا ہے اور بیٹے کے جذبہ شہادت میں جو قوت
ی ہے، صنف نازک کی تاریخ میں اس کی بہت ہی کم مثالیں ملیں گی
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی اسلامی حکومت
عت نصیب ہوئی، خاص طور سے مسلمانوں کی بحری طاقت کی
ی رومیوں اور عیسائیوں کو تسلیم کرنی پڑی۔
تاریخ اسلام کے یہ قریب قریب تمام واقعات اس قابل ہیں کہ

ان کا ذکر کیا جائے، ان کو دہرایا جائے اور یاد رکھا جائے اس میں
عبرت ہے، بصیرت ہے ایمان کے لئے تازگی اور جذبات کے واسطے
جرات و سرفروشی کے محرکات ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اس انداز میں ذکر کرنا
کہ آپ "متمم نبوت" تھے، منصب نبوت اور شرف رسالت کی توہین
ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اور صفات میں کسی حیث
سے بھی معاذ اللہ ناقص نہیں "کامل" تھے حضرت حسین کی شہادت نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی کسی صفت کی کمی کو پورا نہیں
کیا۔ یہ منطق ہی نرالی جاہلانہ ہے! رسول اللہ سے جو حسین کو خاندانی نسبت
تھی وہ البتہ حسین اور علی کے لئے باعث شرف ہے! رسول کو کسی قرابت
شہادت، ذاتی وصف یا کسی کے دینی کارنامے کے سبب کوئی شرف
حاصل نہیں ہوا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تمام فضائل و محامد اپنی جگہ مسلّم!
اور ان کے اعتراف میں بخل کرنے والا بدتوفیق، مگر ان کی منقبت اس
انداز میں کرنا۔

"اسلام ٹھوکریں کھاتا ہوا پھرتا تھا حسین نے اُسے پناہ دی"
نہایت ہی ناپسندیدہ انداز منقبت ہے جس سے اسلام کی سبکی
ہوتی ہے! اس میں کوئی شک نہیں کہ کربلا میں صداقت کے اصول کی
فتح ہوئی اور حق و باطل کے ہر معرکہ میں یہ اصول حق شناسوں کیلئے
دلیل راہ ثابت ہوگا مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس حادثہ کے بعد عملاً کیا
انقلاب واقع ہوا حضرت حسین جس بادشاہت کو الٹ دینا چاہتے تھے
وہ تقریباً ستر سال تک خاصی شان و شوکت کیساتھ قائم رہی، پھر تاریخ
میں اس کی بھی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ یزید کے زمانے میں تو لوگ
فاسق و فاجر ہو گئے تھے، مگر شہادت حسینؓ کا یہ نتیجہ نکلا کہ فسق و فجور
زہد و ورع سے بدل گیا پہلے مسجدیں ویران تھیں اب آباد ہو گئیں پہلے
لوگ دنیادار تھے اب دیندار ہو گئے اس سے قبل لوگ قرآن کو عملاً
بھلا چکے تھے اور اب عامل بالقرآن ہو گئے۔ پہلے اسلام مردہ ہو چکا
تھا اور اب اس عنوان سے اسلام زندہ ہو گیا اور اس کی زندگی کے
یہ آثار لوگوں نے دیکھے اور محسوس کئے! امت مسلمہ کی عام معاشر
سیرت و کردار سیاست و حکومت میں واقعہ کربلا کے بعد عملاً کیا انقلاب

قریب قریب اس لئے لکھا گیا ہے کہ جمل و صفین کی تفصیلات میں جانے اور اُنھیں دہرانے میں بہت سے خطرات ہیں اور بحث و نزاع کے بہت سے گوشے نکل آتے ہیں (باقی)

واقع ہوا ــــ اس کے لئے ــ

ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین

اگر اسلام میں تاریخ کے اہم واقعات کے "یوم" (DAY) اور یادگاریں منانے کو دینی شعار سمجھا جاتا، تو سب سے پہلے ہجرت نبوی کے عظیم الشان واقعہ کی یادگار منائی جاتی، کہ اس دن جلوس نکالا کرتے اور ایک اونٹ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "ناقہ" فرض کرکے اُسے شہر میں داخل کیا جاتا، اور انصار مدینہ کے جوشِ استقبال کی نقل اتارتے ہوئے مسلمان اس ناقہ کا خیر مقدم کرتے اور چھوٹی چھوٹی بچیاں ـــ

"طلع البدر علینا"

کے ترانے گاتیں! یا پھر فتح مکہ اور غزوہ بدر کے واقعات یادگار منائے جانے کے قابل تھے لیکن اسلام میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ کوئی تیوہار نہیں ہے اور کھیل تماشوں کے انداز پر تاریخی واقعات کی یادگار منانا کسی طرح درست نہیں ہے یہ تو اہل ہنود کا شیوہ ہے کہ رام چندر جی اور رام لچھمن جی کے ڈولے نکالتے ہیں اور ایک شخص کو راون کی بہن کالی کے بھیس میں گشت کرایا جاتا ہے اور راون کا مجسمہ بنا کر اُسے جلایا جاتا ہے واقعہ کربلا کی جو یادگار اس انداز پر منائی جاتی ہے اس کا اسلام کے مزاج سادگی اور عظمت و وقار سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، یہ کہاں کی عقیدت ہے کہ حضرت حسینؓ کے روضہ کی شبیہ بنا کر اُسے گلیوں میں گشت کرایا جائے، اور اُسے پھر توڑ کر زمین میں دفن کر دیا جائے یا ایک گھوڑے کو حضرت حسینؓ کا مرکب فرض کرکے اُس کی تعظیم کیا جائے اس کا جلوس نکالا جائے اور وہ لوگ کیسے سنگ دل ہیں جو عباسؓ علی اصغرؓ یا کسی دوسرے شہید کا فرضی لاشہ بنا کر اس میں اپنے ہاتھوں سے تیر چبھوتے ہیں! یہ تمام باتیں خود واقعہ کربلا کیساتھ ایک طرح کا مذاق ہیں توبہ!

یہ چند اشارے اس لئے کئے گئے ہیں کہ یہ وہ غلطیاں اور کوتاہیاں ہیں جن پر مستقل طور پر پورے دلائل کے ساتھ احتساب کرنا چاہیے یہ کوشش یقیناً فائدہ مند ثابت ہوگی اور [illegible] [illegible] عقیدت مندی کی نکتہ چینی [illegible]

باطنیت اور قرامطیت کے فتنے اور سازشیں رہی چاہئیں!

نبی کی نعت اس مبالغہ کیساتھ کرنا کہ جیسے آپ خدا کے ہم نشیں اور ہمسر ہیں صحابہ کرام اور اہل بیت پاک کی منقبت کا یہ انداز کہ وہ نبی کے مساوی قرار پائیں۔ اولیاء اللہ کی ایسی مدح خوانی کہ اُن کا درجہ صحابہ سے بڑھ جائے، یہ تمام عقیدت مندیاں اللہ اور رسول کے نزدیک مردود و مطرود ہیں ــــ غزوات نبیؐ کا ذکر ان کے شایانِ شان کیجئے کہ کوئی دوسرا معرکہ کسی حیثیت سے بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا خلافت راشدہ کے دور میں صحابہ کرام نے جو کافروں سے جنگیں کی ہیں، اُن کی یادگار کا حق ان کی دینی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے ادا کیجئے، کہ یہ مقدس جنگیں ــــ

یدخلون فی دین اللہ افواجاً

کا صحیح مصداق تھیں، کربلا کے عظیم واقعہ کا اس کی اہمیت کے لحاظ کر بیان ہونا چاہئے کہ اُس نے عزیمت و صداقت کی روشن مثال قائم کی ہے۔

تم نے نثار کرکے گل کرکے اپنے گھر کے چراغ
حسینؓ! دی ہے زمانہ کو روشنی تو نے

اور اس کے بعد حق و باطل کے جتنے معرکے ہوتے ہیں، سینہ کے داغوں کو تازہ رکھنے کیلئے

۵ گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

یہاں تک کہ تیرھویں صدی ہجری کے بالاکوٹ کے شہیدوں کو بھی خراجِ عقیدت پیش کیجئے! مگر عقیدت و محبت کے جوش میں یہ بے احتیاطی نہ ہونے پائے کہ حادثۂ بالاکوٹ، معرکہ کربلا کا مد مقابل بن جائے اور معرکہ کربلا کے سامنے بدر و احد اور احزاب و خیبر معاذاللہ بے حقیقت نظر آئیں۔

"خلافت معاویہؓ و یزید" کے بارے میں اپنے خیالات اوپر ظاہر کر چکا ہوں آخر میں اتنا اور عرض کرنا ہے کہ جہاں تک کتابوں پر قانونی امتناع و احتساب کا تعلق ہے، تو "خلافت معاویہؓ و یزید" کی تنقید میں بہر حال متانت پائی جاتی ہے اس کتاب کے مقابلہ میں قانونی احتساب و امتناع کی مستحق وہ کتابیں ہیں جن میں صحابہ کرامؓ جیسے نفوس قدسیہ کو کھلی ہوئی گالیاں دی گئی ہیں اور ایمان و عمل کے ان مقدس پیکروں سے نفاق و ارتداد منسوب کیا گیا ہے (معاذ اللہ) فاک

بن گستاخ! اس کتاب کے خلاف جدوجہد کرنے والوں نے یہ بات
نکالی ہے کہ حضرت علی اور حضرت حسین پر شائستہ انداز میں بھی
ئی تنقید کرے تو اُسے ایسا کرنے کا حق نہیں ہے، لیکن صدیق
فاروق، عثمان جیسے اکابرین اور ہزاروں صحابہ کو کوئی کھُل کر
لیاں بھی دے تو وہ حکومت کی باز پرس اور قانونی احتساب
مستحق نہیں ہے —— یہ کیا انصاف ہے؟

برادرِ من! خط ایک مستقل مضمون بن گیا' اور درمیان میں
پ سے مخاطبت تک نہیں رہی بہرحال جسکو میں نے اپنے نزدیک
ن سمجھا' اُسے ظاہر کر دیا' اللہ تعالیٰ ہم سب کو عدل و راستی کے
ردو میں قلم و زبان کو استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

تجلّی ہم نے سوچا تھا اب حسینؓ و یزید کی بحث کو لپیٹ ہی کے رکھ دیا
جائے مگر ماہر القادری جیسے گرامی قدر دوست کا مکتوب
ی موضوع پر آجائے تو اُس کی اشاعت کیسے رد کی جاسکتی ہے۔
عصوف کو ناچیز سے جو تعلیمی تعلق ہے وہ تو اُن کی ابتدائی سطور ہی
سے ظاہر ہے اور ناچیز کو ان کے بیکنار خلوص اور نکھرے ہوئے تصورات
ین سے جو گہری وابستگی ہے وہ عقیدت اور اعتماد کی اس حد کو پہنچی
دئی ہے کہ اگر کوئی شخص اطلاع دے کہ انسان چاند پہ جا اترا ہے
مریخ و ثریا میں نقب لگا رہا ہے تو مان لینے میں کوئی دقت نہیں ہوگی
یکن اگر یہ خبر دے کہ ماہر القادری نے کسی فرد یا جماعت کی تردید
تائید از راہِ نفسانیت کی ہے تو ہرگز نہیں مانا جائے گا۔ جیسے
ہر القادری کہتے ہیں اس میں اور نفاق و نفسانیت میں تضاد ہے
ر و ظلمت کی نسبت ہے۔ آگ اور پانی کا رشتہ ہے۔ پھر یہ بھی قارئین
پڑھنے والوں سے مخفی نہیں کہ اس شخص کی تحریریں دین و دانش کا دلکش
میزہ ہوتی ہیں۔ بڑا سوز اور کشش ہوتی ہے انہیں۔ وہی بات کہ از دل
خیزد بر دل ریزد۔ جتنی توصیف از راہِ خوش نظری اس نے فدوی کے
لم کی کی ہے اس سے کہیں زیادہ خود اس کا قلم تحسین کا مستحق ہے۔
بارک اللہ لہ فی الدارین۔

اس قلم برداشتہ تبصرہ کے بعد یہ کہنا تو تحصیل حاصل ہی ہوگا کہ موصوف
کا پیش نظر مکتوب بلاشبہ خلوص و للّٰہیت ہی کا مرقع ہے اور اگر اس کی
بعض جزئیات سے ہمیں اتفاق نہیں تو اس سے اس کی منزلت میں کوئی
فرق نہیں پڑتا۔ البتہ ہماری دیانت داری ہمیں مجبور کر رہی ہے کہ
جن اجزاء سے ہمیں اختلاف ہے ان کا تفصیلی جائزہ نہ سہی نشاندہی
تو کر ہی دیں، اسے بحث و مناظرہ کی بجائے افہام و تفہیم کی حیثیت
سے دیکھا جائے تو توقع ہے کہ سب کے لئے مفید ہوگا اور خود
ہمارے دوست بھی مزید غور و فکر کر سکیں گے۔

"خلافتِ معاویہؓ و یزید" کی طرف سے دفاع اس وقت ہمارے
بالکل پیشِ نظر نہیں۔ اس دفاع کا موقع تو اس وقت ہوتا جب ہمارے
دوست انگلی رکھکر تعین اور صراحت کے ساتھ بتاتے کہ اس کتاب
میں یہ یہ تحریف اور دجل و تلبیس ہے۔ انھوں نے اجمال و اشاریت
پر اکتفا کیا تو ہم بھی کرید میں نہیں پڑتے۔[۵] پھر یہ جو انہوں نے بڑے وثوق
سے محمود احمد عباسی پر "خارجیت" کا الزام عائد کیا ہے اس سے بھی ہمیں
بحث نہیں۔ انہوں نے پرائیوٹ صحبتوں کا حوالہ دیا ہے جو ضرور ٹھیک
ہوگا وہ کذب و افتراء کے خوگر نہیں ہیں تاہم ہم یہ بانگ دہل کہہ سکتے
ہیں کہ جو کچھ چھپ کر رکھا ہوا ہے "خلافتِ معاویہؓ و یزید" میں پیش کیا گیا ہے
وہ خارجیت نہیں ہے۔ ادب و احترام کے جو الفاظ حضرت علی اور حضرت
حسین اور دیگر اکابرین رضوان اللہ علیہم کے لئے اس کتاب میں ملتے ہیں
ان کے بارے میں یہ کہنا تو واقعتاً مال کے لئے ممکن ہوسکتا ہے کہ محض
دکھاوے کے لئے ہیں اور مصنف درحقیقت ان تمام ہستیوں کا کچھ
احترام دل میں نہیں رکھتے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مصنف کی مخفی نیت سے
قطع نظر بھی ان میں خروج و اعتزال کا زہر پایا جاتا ہے۔ مان لیا کہ مصنف
نے پہلے ہی سے ایک خاص نقطۂ نظر رکھتے ہوئے یہ کتاب لکھی ہے اور
اپنے مطلب کے دلائل ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کئے ہیں لیکن یہ بات تو ایسی نہیں جو
جرم قرار دی جائے۔ نفسیات کے ماہرین میں آج تک یہ نکتہ موضوعِ بحث
بنا ہوا ہے کہ دلیل خواہش سے پیدا ہوتی ہے یا خواہش دلیل سے۔ غالب
اکثریت کا خیال یہ ہے کہ خواہش ہی اصل ہے اور دلیل فرع۔ عام تجربہ
و مشاہدہ بھی یہی ہے۔ آدمی کے اندر پہلے ایک خواہش، ایک رجحان، ایک
میلان سر اٹھاتا ہے اور اس کے بعد اس کی عقل، اس کا مطالعہ
اور اس کے شعور و ادراک کی مخفی و عیاں صلاحیتیں اس کے لئے دلائل
فراہم کرتی ہیں۔ یہ الگ مسئلہ ہے کہ کوئی خواہش اور رجحان و میلان
دلیل سے قبل ہی کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل یہاں طول کا باعث
ہوگی۔ صرف اشارۃً یہ مثال دیکھ لیجئے کہ ہم مسلمانوں کا ایک بچہ جب ہوش

[۵] دیکھئے بعض ناقدوں نے صراحت کیساتھ جن تحریفات کو شائع کیا ہے اگر محمود عباسی ان کی اطمینان بخش توجیہ نہیں کر پائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ فی الواقع مجرم ہیں۔ (ع)

سنبھالتا ہے تو ہمارا اگھر یلو ماحول اسے یہ اذعان و اطمینان عطا کرتا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور رسول اللہ اس کے سب سے بڑے آخری پیغمبر ہیں۔ ظاہر ہے اس بچے کے فہم و ادراک کی حد تک اس اذعان کی بنیاد دلیل و برہان پر نہیں ہوتی صرف شنید پر ہوتی ہے۔ اور اس اذعان کو ایک خواہش ایک میلان سے زیادہ حیثیت نہیں دے سکتے۔ لیکن یہ بڑا ہو کر اسی خواہش و میلان کی صحت و تائید پر عقلی و نقلی دلائل فراہم کرتا ہے تو کیا اس عمل کو نازیبا، غیر و قبیح اور مجرمانہ کہیں گے؟

محمود عباسی کے دل میں یہ خواہش اور میلان کیوں پیدا ہوا کہ بنو امیہ کے دامن کردار پر بدنما داغ نظر نہ آئیں اور خانوادۂ علیؓ کو وہ فائق ترین درجہ نہ دیا جائے جو عموماً دیا جا رہا ہے۔ یہ الگ بحث ہے۔ کہنا تو یہ ہے کہ اس خواہش و میلان کے پیدا ہو جانے کے بعد اگر انہوں نے اس کی تائید و اثبات میں اپنے مطلب کے دلائل فراہم کر ڈالے تو یہ نہ جرم ہے نہ عیب۔ بحث ان کے دلائل کی داخلی کمزوریوں کو بنایا جا سکتا ہے خود اس فعلِ استدلال کو نہیں[۵]۔

ہمارے دوست نے بجا فرمایا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے امیر معاویہ کو حکومت سے شخصی دلچسپی بھی تھی!

ہم اس غلط فہمی میں کبھی مبتلا نہیں ہوئے کہ حضرت معاویہ زہد و ورع میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مماثل تھے۔ نہیں ہزار بار نہیں ابو تراب کا تقویٰ اللہ اکبر۔ معاویہ بیچارے اس کی برابری کیا کریں گے۔ پھر ابو تراب کو جو دیگر نسبتیں اور عظمتیں حاصل تھیں ان سے بھی معاویہ ہرگز ہرگز مشرف نہیں تھے لیکن حکومت سے ان کی شخصی دلچسپی کے لئے یزید کی ولیعہدی کو بڑا ثبوت بتانا ہمارے نزدیک ایک سطحی مغالطہ ہے جو سفسطے کی حد تک پہنچا ہوا ہے اگر واقعہ یونہی ہو تو پھر "دلچسپی" کا محتاط اور معصوم سا لفظ محض مذاق بن جائے گا۔ پھر تو یوں کہنا چاہیئے کہ معاویہ پکے دنیا پرست اور حبِّ جاہ کے شیدائی تھے۔ پھر رو رعایت کی ذرا بھی گنجائش اس صحابی کے حق میں باقی نہیں رہتی۔

میرے محترم دوست! فرصت نکال کر کبھی ایک گہری نظر ان سیاسی، سماجی اور عمرانی احوال و کوائف پر ڈال لیجئے جو دورِ معاویہ میں پائے جاتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ کو کہنے والے جو چاہیں کہہ لیں عرب کے اس بہترین مدبر کا یہ مشورہ کہ یزید کو ولیعہد بنایا جائے ایسا بے حیثیت اور حقیر نہیں ہے کہ اسے جذباتی باد ہو میں گم کر دیا جائے۔ حقائق چاہے کتنے ہی تلخ اور خلافِ مرضی ہوں انھیں تسلیم کر لینے ہی میں عافیت ہوتی ہے اور کوئی آندھی اس لئے نہیں رک سکتی کہ شتر مرغ ریت میں منہ چھپا لے۔ آپ کے سامنے ہے کہ علیؓ جیسے رفیع المرتبہ، معروف اور زاہد و متقی صحابی تک کی خلافت چلنے کی طرح نہیں چل سکی۔ یہ بالکل الگ بات ہے کہ مخالفین حق پر تھے یا باطل پر۔ وہ باطل پر بھی ہوں تو یہ باطل ہی امرِ واقعہ کے طور پر تسلیم کرنا ہوگا۔ مختلف عوامل نے صورت ہی ایسی بنا دی تھی کہ کسی ہاشمی کی خلافت اس وقت کی پوری مملکت اسلامیہ میں متفق علیہ نہیں بن سکتی تھی۔ جب علیؓ جیسے بطلِ عظیم کی نہیں بنی تو بعد کے کسی ہاشمی کے لئے سوائے معصوموں کے کون تصور کر سکتا ہے کہ اس کی خلافت بکھرے ہوئے دانوں کو سمیٹ سکتی۔ مغیرہ بن شعبہ کی نظریں ایک حقیقت پسند اور بالغ نظر سیاستداں کی طرح مملکت اسلامیہ کے مستقبل پر تھیں اور جب انھوں نے معاویہ کو ولیعہدی کا مشورہ دیا تو معاویہ کی ذہانت و بصیرت نے بھی یہی دیکھا کہ آج اگر کل کا انتظام نہ کیا گیا اور آنے والے سیلاب کے لئے ابھی سے بند نہیں باندھے گئے تو اسلام کی یہ خون پسینہ ایک کر کے قائم کی ہوئی مملکت ہولناک خانہ جنگیوں سے پارہ پارہ ہو جائے گی اور وہ تمام دشمن طاقتیں جو نہ جانے کب کب کا بدلہ چکانے کے لئے ہر وقت پر تولے بیٹھی ہیں موقع پڑتے ہی اسلامی مقبوضات کو اس طرح دبوچ لیں گی جیسے باز چڑیا کو دبوچتا ہے۔ ستم ظریفی ہے کہ جو لوگ سیاست و جہانبانی کی ابجد بھی نہیں جانتے (ہمیشہ روئے سخن ماہر صاحب کی طرف نہیں ہے) جنھیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ چھوٹے سے گاؤں تک کا نظام چلانے کے لئے کس ہمہ جہتی فکر و تدبر کی ضرورت ہوتی ہے وہ بلا تکلف سینہ تان کر کہہ دیتے ہیں کہ معاویہ نے بیٹے کو ولیعہد بس نفسانیت اور حبِّ جاہ ہی کے تحت بنا دیا۔ انہوں نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کر دیا اور اس طرح وہ اتنے بڑے جرم کے مرتکب ہوئے کہ قیامت تک کی بادشاہتوں کے وبال میں انھیں بھی برابر حصہ ملتا رہے گا۔

میرے دوست! بے شک یزید کی ولیعہدی بظاہر بڑی غیر مستحسن چیز ہے اور معاویہ اس کے آئینے میں بڑے کریہہ المنظر دکھائی دیتے ہیں لیکن اس زمانے کے جملہ سیاسی و تمدنی حالات پر بار بار گہری نگاہیں ڈالنے کے بعد ہمیں تو صاف یہ نظر آیا ہے کہ اگر معاویہ ایسا نہ کر جاتے تو ان کی وفات کے بعد خانہ جنگیوں کا وہ خوفناک طوفان اٹھتا کہ جمل و صفین کے معرکے اس کے سامنے گرد ہو کے رہ جاتے اور جس قوم نے

[۵] ہاں۔ اگر انہوں نے کتابوں کی عبارتوں کو توڑا مروڑا ہے تو نفرت کی نگاہ میں ہم بھی انصاف پسند لوگوں کے شریک ہیں، لعنت کے لائق ہے وہ قلم جو حوالوں میں بددیانتی برتے۔ (ملخص)

صدیوں اقتدار و عظمت کا ڈنکا بجایا ہے وہ شاید بہت پہلے اپنی قبریں آپ ہی کھود کر دفن ہو جاتی۔ یہ خیال ایسا نہیں ہے کہ یہاں چند صفحات میں ہم اسے بدلائل ثابت کر سکیں۔ اس کے لئے تو کتاب کی ضرورت ہے اور ہر شخص اسے سمجھ بھی نہیں سکتا۔ آپ صاحب فہم و ذکا ہیں خالی الذہن ہو کر فکر اور مطالعہ کریں گے تو ہمارے اس خیال کی بنیادیں ضرور ڈھونڈ لیں گے۔ ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو لوگ محض بیٹے کی ولیعہدی کا دلخراش منظر دیکھ کر چیخ اٹھتے ہیں کہ معاویہ نے غضب ڈھا دیا ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو ایک نابالغ بچے کو درد و کرب میں تڑپتا دیکھ کر چیخ اٹھے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کر دیا بھلا یہ غیر مکلف بچہ کس جرم کا مرتکب تھا جس کی سزا میں اسے درد کی بیماری دی گئی ہے۔ ظاہر ہے یہ ظلم کا سوء ظن اسی لئے ہے کہ کائنات عالم کے وسیع نظم پر آدمی کی نظر نہیں اور نہیں سمجھ سکتا کہ اس ناکردہ گناہ بچے کا درد حکمت و مصلحت کے کن تقاضوں پر مبنی ہے۔ اسی طرح محض ولیعہدی پر نظر رکھ کر معاویہ کی خطا کا فیصلہ کر دینا جلد بازی اور بے خبری کا شاخسانہ ہے۔ یہ عوام سے ظہور میں آئے تو محل تعجب نہیں لیکن جو خواص اس کا مظاہرہ کرتے ہیں انھیں فکر و تعمق سے کام لینا چاہیئے۔ معاویہ کی حکومت سے شخصی دلچسپی الگ چیز ہے۔ ایسے اتنا بھیانک روپ دیدینا کہ ولیعہدی کی بنیاد ہی اسے قرار دیدیا جائے اُس شخص کی ذات پر بدترین بد اعتمادی ہے جسے عمرؓ جیسے بے مثال خلیفہ کا اعتماد حاصل رہا تھا۔

آپ کہتے ہیں

"بالکل۔ سامنے کی بات ہے کہ ان واقعات کے بارے میں ملتِ اسلامیہ کے ضمیر نے خود فیصلہ کر دیا ہے کہ خلافتِ راشدہ اور حضرت عمر ابن عبد العزیز کی حکومت تک کو نمونہ بنانے کی تمنا کی جاتی ہے اور اس کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہے مگر امیر معاویہ کی حکومت کا اس تمنا اور دعا میں ذکر نہیں آتا"

یہ سامنے کی بات معاویہ کی گمراہی کا ثبوت ہرگز نہیں۔ آپ سوچیں کیا حضرت عثمان اور حضرت علی کی حکومت کو نمونہ بنانے کی تمنا کسی نے کی؟ اگر نہیں کی ــــــ اور یقیناً نہیں کی تو کیا یہ دونوں حضرات بھی معاویہؓ ہی جیسی بد گمانیوں کے مستحق ہوئے؟ کیا آپ خلافتِ عثمانیہ کو غیر راشدہ" کہہ سکیں گے؟ بچارے معاویہ کی حکومت کو تو بنو عباس نے شروع ہی سے اتنا بدنام کر چھوڑا ہے کہ بعد کی ملت اسلامیہ اس جیسی حکومت کی آرزو نہیں کر سکتی۔ لیکن عثمانؓ و علیؓ تو سواد اعظم میں نیک نام ہیں ان کی حکومتوں کا نمونہ امت مسلمہ کا آئیڈیل نہیں۔ بنا اس نکتہ پر غور کرنے سے آپ انشاء اللہ اپنے استدلال کا ضعف محسوس کر لیں گے۔

آگے حاشیے میں آپ نے حضرت حسین کو " امام " کہنے کی جو توجیہ کی ہے وہ اگرچہ حبِ حسین کے پاکیزہ جذبہ کی مظہر ہے اور اس جذبے کو ہم نہایت قابل قدر سمجھتے ہیں بشرطیکہ حدود اعتدال میں رہے لیکن حق یہ ہے کہ اسمیں منطق معقولیت سے زیادہ جذباتی سادگی جھلک رہی ہے اس سلسلہ میں ہم نے جنوری سنہ کے تجلی میں صفحہ گیارہ میں مختصراً جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت واضح ہے ملاحظہ فرمائیں حضرت حسینؓ کو ان وجوہ سے " امام " نہیں کہا جاتا جن سے غزالی و رازی اور ابو حنیفہ و شافعی کو کہا جاتا ہے۔ حضرت حسینؓ کے بارے میں تو ان کے غالی معتقدین تک ثابت نہیں کر سکتے کہ علوم ظاہری کے کسی شعبے میں وہ اتنے ممتاز و متبحر رہے ہوں کہ اس کے تعلق سے انھیں " امام " کہا جا سکے۔ بلکہ انھیں تو " امام " ایک خاص فرقہ خاص ہی معنوں میں کہتا ہے اور امامت کا ایک خاص مفہوم بیتا ہے! یہ کہ " امامت " دین کے چار اصولوں میں سے ایک ہے اور ہر امام قطعی طور پر معصوم ہوتا ہے۔ پہلے امام حضرت علی تھے اور آخری محمد بن الحسن العسکری جن کے ساتھ امام مہدی قائم الزماں کا جوڑ لگا لیا گیا ہے۔ امامت فیصلہ کن طور پر خاندان علی ہی میں محدود ہے اور یہ فرقہ امام منتظر کے چکر میں پورے دین پوری شریعت سے عملاً اور اعتقاداً دونوں طرح رشتے کاٹے ہوئے ہے۔ اس امامت ہی کے خود ساختہ عقیدے کو غذا پہنچانے کے لئے یہ روایت گھڑی گئی کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ " (جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس نے اپنے دور کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا) خدا رحمت کرے ہمارے سلف پر بعض ان میں کے حدیث، رسول کی عظمت و حرمت اور ذات رسول سے گہری محبت رکھنے کے باعث اس روایت کو برملا موضوع تو نہ کہہ سکے بلکہ درست ہی مانتے ہوئے اس کی تاویلوں میں لگ گئے حالانکہ یہ اپنے مفہوم اپنے پیوند اور اپنے داخلی سقم کے باعث صریح طور پر ناقابل التفات تھی۔ غرض حضرت حسین کے ساتھ " امام " کا لفظ کسی بھی ایسی بنیاد پر نہیں لگایا جاتا جیسی بنیاد پر غزالی و رازی یا کسی

اور ماہر فن یا عالم و فقیہ یا مفسر و محدث کے ساتھ لگایا جاتا ہے بلکہ اس کے پس منظر میں فرقۂ امامیہ کی پوری آئیڈیالوجی اور باطل ذہنیت موجود ہوتی ہے۔ اور اس کی تردید میں جو کچھ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں لکھا ہے اور جس طرح اس کی معرکہ خیزی واضح کی ہے اس کے بعد کوئی گنجائش لحاظ و رعایت کی نہیں رہتی۔ تمام وہ روایات جن کے ذریعہ ائمہ اہل بیت کی امامت ثابت کرنے کی بے معنی کوشش کی جاتی ہے ان کے لئے ابن تیمیہ کا یہ فیصلہ حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے کہ ان تمام لعاد (اغلاط) دان کا کوئی سر پیر نہیں) حرف آخر اس لئے کہ ان کے دلائل پہاڑ کی طرح اٹل ہیں۔ رہیں حضرت حسین کی وہ عظمتیں جو عالی مرتبہ والدین اور صحابیت اور زہد و ورع کے تعلق سے تھیں تو ان کے بارے میں ہم جنوری میں عرض کر چکے ہیں کہ غزالی و رازی کیا ان سے بھی بڑے ائمہ اولیا اور شیوخ و مشائخ حضرت حسین کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے —— لیکن ان معنوی عظمتوں میں تو خلفائے اربعہ ظاہر ہے حسین سے کہیں آگے اور اونچے رہے ہیں کیا ان میں سے بھی کسی کو آپ نے " امام " کہا؟ کیا سلف کی کسی کتاب میں کہیں امام ابوبکر اور امام عمر وغیرہ لکھا دیکھا؟ اگر نہیں کہا اور نہیں دیکھا تو سوچئے کیوں؟

میرے دوست! ان حضرات کے لئے تو رضی اللہ عنہ ہی وہ پاکیزہ تر اور ممتاز ترین وصف ہے کہ اس کے آگے بعد کی ساری اماتیں پانی بھرتی ہیں۔ انھیں اسی حقیقی بلندی پر فائز رہنے دیجئے اور امامت معصومہ کے اس مینار پر نہ چڑھایئے جسے ایک بدخو غلط فرقے نے رنگ برنگے مزعومات کے مسالے سے اپنی دنیائے تخیل میں کھڑا کر دیا ہے اور حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں۔

آپ جانتے ہیں جب حضرت علی کو کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے تو لازماً یہ مفہوم مخالف بھی اس میں شامل ہوتا ہے کہ ہم ان بدبختوں میں سے نہیں جو سود اللہ وجہہ کہا کرتے تھے۔ فی الحقیقت یہ مفہوم مخالف ہی اس محل میں مقدم اور مطلوب ہوتا ہے، ورنہ رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ ترین وصف کا بدل کیوں لاتے۔ اسی طرح جب حضرت حسین کو امام کہا جاتا ہے تو لازماً اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ہم بھی " امامت حسین " کے اسی من گھڑت تصور میں یقین رکھتے ہیں جو فرقۂ امامیہ کا وضع کردہ ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ آپ یا کوئی اور بربنائے معصومیت اس مطلب کا تصور نہ کرے اور محض رواج عام کی رو میں " امام حسین " بول جائے تو یہ کوئی فسق و معصیت نہیں لیکن جب توجہ دلا دی جائے کہ اس لفظ " امام " کا یہاں اصطلاحی مفہوم کیا ہے تو اس کے بعد بھی غزالی، رازی اور مالک و احمد کی نظیر لانا بات کی پیچ کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ یا پھر آپ ثابت کیجئے کہ حضرت حسین علوم ظاہری میں سے کسی علم و فن کے واقعی ایسے ممتاز ماہر اور محیط تھے کہ اس کے تعلق سے انھیں غزالیؒ رازی کی طرح " امام " کہنا مناسب ہو سکتا ہے۔

ہمارے دوست نے اپنے دل کی بات بڑے اچھے لفظوں میں کہی کہ

" اگر ہم علیؓ معاویہ کی آویزشوں میں حصہ لینا ضروری سمجھتے تو فاتح خیبر کے کیمپ میں صاحب ذوالفقار کے ساتھ ہوتے کہ حق کا جھکاؤ علی کی طرف نظر آتا ہے"

واقعی جس شخص کو جو فریق برسر حق نظر آئے اسے اسی کے کیمپ میں جانا چاہیئے۔ یہی دیانت ہے اور یہی حکم شریعت۔ خوش قسمتی سے امت کی بہت بڑی اکثریت بھی ہمارے دوست ہی کی طرح حق کا جھکاؤ علی ہی طرف دیکھتی ہے۔ ہمیں اس سے کوئی کد نہیں۔ ہم علی کو معاویہ سے بمراتب افضل جانتے ہیں اور مفضول کے مقابلے میں افضل کی حقانیت کا اثبات ظاہر ہے ناخوشگوار نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ عرض کرنے پر بہر حال از روئے دیانت مجبور ہیں کہ ہماری اپنی کور نگاہی حق کے اس کے جھکاؤ کو نہیں دیکھ سکی۔ ہم نے جتنا بھی مطالعہ کیا یہی نظر آتا رہا کہ معاویہ کا موقف اپنی جگہ بے غبار تھا اور اس موقف کو پیدا کرنے کے ذمہ دار حضرت علی کے وہ طوفانی ناگہانی اقدامات تھے جو انھوں نے گو کہ نیک نیتی ہی سے کئے اور ان کے پیش نظر ملک و ملت کی فلاح ہی تھی لیکن وقت کے نازک تقاضوں کے چوکٹے میں وہ فٹ نہیں بیٹھ رہے تھے۔ ہم اس موضوع پر تفصیلی بحث چند ماہ قبل کے مختلف شماروں میں کر چکے ہیں جو چاہے ہمارے اشارے کی تصریح وہاں دیکھ لے۔ یہاں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی چند سطریں مزید ملاحظہ فرمالی جائیں۔

" حضرت عمار بن یاسر کی اس مشہور روایت تقتلک الفئۃ الباغیۃ (تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی) سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ امیر معاویہ کی جماعت باغی تھی کیونکہ اسی کے ہاتھوں عمار شہید ہوئے ہرگز درست نہیں حکم قرآنی کے مطابق دو مسلمان گروہ باہم سرگرم قتال ہوں

ؑ ہمارا عقیدہ صاف لفظوں میں یہ ہے کہ علی اور معاویہ اپنی اپنی جگہ یکساں حق پر ہیں۔ یعنی باہمی آویزش کی حد تک دونوں کو آخرت میں حسن نیت کی یکساں رعایت ملے گی یہ نہیں ہوگا کہ عالم [illegible] ... زیادہ ہو کہ وہ معاویہ سے ... تھا، ... اور معاویہ کا کچھ کم ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ عامر۔

تو ان کے مابین صلح کرانی چاہیئے پھر جب ان میں سے کوئی ایک گروہ صلح پر آمادہ نہ ہو اور دوسرے پر چڑھ دوڑے تو پھر جماعۃ المسلمین کو گروہ مظلوم کی طرفداری کرنی چاہیئے اور باغی گروہ سے مقابلہ کرنا چاہیئے (سورۃ حجرات ۲)

اس اصول کی رو شنی میں امیر معاویہ کی جماعت باغی نہیں کہی جا سکتی، کیونکہ عام مسلمانوں میں ان کے مابین صلح کرانے کی سعی نہیں کی۔ علاوہ ازیں لڑائی میں پہل معاویہ کی طرف سے نہیں ہوئی پہل کرنے والے علی تھے اس لئے فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ (اگر بغاوت کرے ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر) کا مصداق علی کی جماعت ٹھیرتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس باب میں علی کی طرف سے اجتہادی غلطی کا صدور ہوا تو مخالف بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ معاویہ کی غلطی بھی ایسی ہی اجتہادی غلطی تھی جس کے معاف ہونے کی اتنی ہی توقع ہے جتنی خطائے علی کے معاف ہونے کی۔"

زائد تفصیل شیخ الاسلام کی بے نظیر کتاب منہاج السنۃ کی جلد دوئم میں دو سو سے ڈھائی سو صفحات تک دیکھی جا سکتی ہے۔

رہا "فاتح خیبر" ہونا تو بوتراب کے اس شاندار امتیاز پر ہماری جبین نیاز ہزار بار خراج دے سکتی ہے اور ان کی مقدس ذوالفقار کی کاٹ کا انکار کوئی جاہل ہی کر سکتا ہے۔ مگر جن نازک و پیچیدہ حالات کی بھول بھلیاں میں خلافتِ علی پہلے ہی دن سے سرگشتہ ہو گئی تھی وہاں دست و بازو کا کس بل اور تیغ حیدری کی ضربت کام نہیں آسکتی تھی۔ حالات ہی ایسے تھے کہ خدا کی پناہ!

کاش وہ مسندِ خلافت پر قدم رکھتے ہی عمال کے عزل و نصب اور معاویہ جیسے قوی بازو اور قدیم گورنر کی معزولی کا طوفانی حکم صادر نہ فرماتے بالغ نظروں نے ان سے کہا تھا کہ ایسا مت کرو ——— یہ کہنے والے وہ دنیا پرست سیاستداں نہیں تھے جن میں دین و شریعت کی پرواہ نہ ہو بلکہ رسول اللہ کے معظم صحابی تھے۔ بس فرق یہ تھا کہ انھوں نے حقائق کو ——— چاہے وہ کتنے ہی خلافِ مرضی کیوں نہ ہوں ——— تسلیم کرنے کا اصول بنایا تھا اور حضرت علی کی حق پرستی، عزیمت اور نیک دلی نے اس اصول کو نہیں مانا۔ نہیں مانا تو وہی ہوا جو متحمل مزاج سیاستدانوں نے پہلے ہی سوچا تھا۔ حقائق جلاد سے زیادہ بے رحم ہوتے ہیں۔ صحابہ کیا چیز ہیں وہ انبیاء تک کا دباؤ نہیں مانتے۔ اس لئے نہیں مانتے کہ اللہ کی سنت اٹل ہے اور یہ سنت حقائق ہی کا جامہ پہنکر سامنے آتی ہے۔ جب اُحد کی جیتی ہوئی بازی تہہ و بالا نظر آئے تو بعض بلند مرتبہ مجاہدین کی عسکری لغزش اور قابلِ اعتراض جلد بازی کو اس لئے تسلیم کرنے سے انکار مت کرو کہ یہ اُس حزب اللہ کے سپاہی تھے جو سراپا حق ہی تھی اور مقابلہ پر کھلا کفر تھا ——— کچھ بھی ہو واقعہ واقعہ ہی ہے اور جو اجتہادی اقدامات حضرت علی نے کئے ان کے فکری و سیاسی ضعف کو موصوف کی ذاتی عظمت و تقدیس نسیاً منسیا نہیں کر سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

ویسے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ خلافتِ علی اور شہادت حسین کے باب میں ہمارا عقیدہ سوادِ امت کے عقائد سے منحرف ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہم اس واقعہ کو واقعہ ہی تسلیم کرتے ہوئے کہ حضرت علی کے لئے وہ بیعت عامہ منعقد نہ ہو سکی جو تینوں سابقہ خلفاء کے لئے منعقد ہوئی تھی۔ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بیعت عامہ سے منعقد شدہ خلافت علی بہرحال راشدہ ہی تھی۔ لہٰذا اجتہادِ حسین کو غلط ممکن سمجھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی شہادت خدانخواستہ مشکوک ہے۔ اجتہادی غلطی کا مطلب سیاسی پہلو سے تو یہ ہے کہ انھوں نے اُن کوفیوں پر اعتبار کر لیا جن کی غداری بیوفائی اور طوطا چشمی پر ان کے والد مکرم کی خلافتی زندگی روز روشن کی طرح شاہد تھی اور اپنے سے زیادہ تجربہ اور تدبر رکھنے والوں کی بروقت تنبیہ اور مشورے کو خاطر میں نہیں لائے۔ اور شرعی پہلو سے یہ ہے کہ جب یزید کے اقتدار نے مملکت کے سینے میں پنجے گاڑ ہی دیئے تھے اور چاہے کسی بھی طرح ہی مگر تسلط استیلاء اور غلبہ نصیب ہو ہی گیا تھا تو تشدد اور دانی الامر کو نظر انداز کر کے اقدام سفر نہیں کرنا چاہیئے تھا کیونکہ تغلب اور استیلاء کی شکل میں تو رسول اللہ ایک کریہ المنظر حبشی غلام تک کی اطاعت کو لازم فرماتے ہیں، یعنی اُس حکمراں کی اطاعت کو جس میں خلافت کی ابتدائی شرط "حریت" تک مفقود ہے!

لیکن بایں ہمہ حضرت حسین کے اس اقدام کو ہم وہ خروج ہرگز نہیں کہتے جس کے لئے حدیثوں میں سخت وعید آئی ہے۔ اس لئے نہیں کہتے اول تو اس وقت تک خلافتِ یزید پر اجماع نہیں ہو سکا تھا بلکہ یہ ایک عمومی اضطراب سے دوچار تھی تنہا حسین ہی نہیں تھے جنہوں نے بیعت یزید

کو منقود کیا جو بعض اور بھی جلیل القدر افراد تھے اور کوفہ تو تقریباً پورا کا پورا افرازش اہلبیت کی راہ پر تھا۔ دوسرے جس وقت حضرت حسین کی شہادت ہوئی اس وقت وہ طوعاً خیالِ خلافت سے دستبرداری سے چکے تھے۔ ان کی پیش کردہ تین شرطیں سب کو معلوم ہیں ان سے ظاہر ہے کہ ماقبل کے اقدامِ سفر کو کوئی چاہے کیسے ہی خراب معنی پہنائے لیکن بحالت شہادت ان کا موقف بے غبار تھا۔ وہ اس حدیث کا مصداق ہرگز نہیں تھے کہ ایک متمکن خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے مدعی خلافت کو تلوار کے گھاٹ اتار دو۔ ان کا قتل ایسی حالت میں ہوا کہ اس پر یقیناً شہادت کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان کی مظلومیت کا قصہ چاہے کیسی ہی افسانوی رنگ آمیزیوں سے مملو ہو چکا ہو مگر ان کی عزیمت کے پیچھا لو ہے لیسی کے زہرہ گداز تاثر میں کسی ریب و شک کی گنجائش نہیں وہ شہید ہوئے اور اس طرح کہ ان کا تصور ہی کلیجہ پانی کر دینے والا ہے اور بے اختیار یہ حسرت دل میں حشر اٹھاتی ہے کہ کاش بنو امیہ کا دامن کردار سبط رسول کے مقدس لہو سے رنگین نہ ہوا ہوتا۔

میرے دوست واقعات کربلا کی تفصیل میں یہ جو لکھتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے

"حکومت کے گورنر کی اس شرط کو کہ یزید کی بیعت کر کے جان کی امان مل سکتی ہے حقارت و نفرت سے ٹھکرا دیا اور مردانہ وار جان دیکر عزیمت کا حق ادا کر دیا"

تو یہی بات اور حضرات بھی لکھتے آئے ہیں لیکن اگر سچ مچ بات یونہی اور واقعہ کی یہ تصویر اصل کے مطابق ہے تو حضرت حسین کی اس تیسری شرط کا کیا مطلب اور کیا محل تھا جو ذیل کے الفاظ میں تاریخیں بیان کرتی چلی آ رہی ہیں۔

حتی اضع یدی فی ید یزید بن معاویۃ۔ یعنی اگر مجھے یہ بھی نہیں لوٹنے دیتے اور کسی سرحدی مقام پر بھی چلے جانے کی اجازت نہیں دیتے تو پھر دمشق ہی بھیج دیا جائے کہ اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دیدوں جواب دیجئے اگر بیعت یزید حضرت موصوف کے نزدیک ایسی ہی حرام الحرام تھی کہ اپنی اور ساتھیوں کی جانیں دینی ہی گوارا کیں مگر بیعت پر آمادہ نہ ہوئے تو یہ تیسری شرط کیا معنی رکھتی ہے۔ شیعہ حضرات تو اسے تقیہ کہکر بات بنا سکتے ہیں ہمارے آپ کے لئے اس کی بھی گنجائش نہیں۔ کسی میں ہمت ہو تو ثابت کر کے دکھلائے کہ حضرت حسینؓ کی طرف ان شرائط کی نسبت غلط ہے۔ اب تک تو اس بارے میں جن لوگوں نے بہت زور مارا ہے وہ زیادہ سے زیادہ بس یہ کہہ سکے ہیں کہ تیسری شرط کے الفاظ یہ نہ تھے بلکہ یہ تھے کہ مجھے یزید کے پاس بھیج دو اس سے خود معاملہ طے کر لوں گا۔

میں کہتا ہوں اول تو مذکورہ بالا الفاظ بھی وزن و قوت کے راویوں سے منقول ہیں لیکن اگر اس وزن و قوت کو قبولِ روایت میں ناکافی سمجھا جائے تو تاریخ کربلا اور اس کے ملحقات کی اونچی عمارت ہی منہ کے بل آ رہے گی یہ عمارت جن روایتوں کے مسالے سے بنائی گئی ہے انہیں اس سے کہیں کم وزن اور ضعیف روایات بھی کثیر تعداد میں شامل ہیں اور ایسی روایات تو معدودے چند ہی ہونگی جو علم الحدیث کے ذریں اصولِ روایات کی معیاری کسوٹی پر کھری اتر سکیں۔ دوسرے یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ الفاظ نہیں تھے بلکہ وہی تھے جنہیں ان کی جگہ دی جا رہی ہے تو جائے غور ہے کہ حضرت حسین آخر یزید کے پاس جا کر کیا معاملہ طے کرنے کی توقع رکھ سکتے تھے؟ میں کچھ نہیں کہتا آپ خود ہی غور فرمالیں۔ میرا تو ناچیز خیال شروع سے یہ ہے کہ تاریخ کی نگاہ سے سانحۂ کربلا کی ضرور کوئی ایسی کڑی اوجھل رہ گئی ہے جس نے تصویر کو مکمل نہیں ہونے دیا اور تصویر مکمل کرنے کے لئے اخلاف کو ذہنی توجیہات سے کام لینا پڑا۔ آخر سوائے پیغمبر آخر الزماں کی ذات اور ان سے متعلق واقعات و کوائف کے دنیا کے کونسے واقعات ہیں جن کے ہر ہر پہلو کو تاریخ کے کیمرے نے اس طرح منعکس کر لیا ہو کہ اس کی ہر چھوٹی بڑی تفصیل ہمارے لئے مشاہدے کی سی حیثیت اختیار کر جائے۔ شہادت کی جو صورت و کیفیت "خلافت معاویہ و یزید" کے مصنف باور کرانا چاہتے ہیں اسے دلائل سے رد کر دینے کا اختیار ہر شخص کو ہے ہم اسے حرفِ آخر نہیں کہتے لیکن یہ ضرور گمان کرتے ہیں کہ بیعت یزید اگر حضرت حسینؓ کی نظر میں کوفیوں کے مواعید کا پول کھل جانے کے بعد بھی اتنی ہی نجس العین اور غلیظ و کریہہ تھی جتنی بتائی جاتی ہے تو تاریخ کے صفحات میں ان کی پیش کردہ تیسری شرط کبھی نہ ملتی۔ کوئی ان دونوں باتوں میں معقول قسم کی تطبیق کا راستہ بتادے گا تو ہم یقیناً اس کے بے حد شکر گزار رہیں گے۔

مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کی جو عبارت میرے دوست نے

نقل کی ہے تو بے شک ہم موصوف کو نہایت قابلِ احترام مؤرخ تسلیم کرتے ہیں اور ان کی تاریخ اسلام سے ہم نے فائدہ بھی اٹھایا ہے لیکن ان کی معظم شخصیت ہمیں معاویہ جیسے صحابی کے بارے میں یہ بھیانک فیصلہ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی کہ اس نے صرف اور صرف بیٹے کی محبت پر دین و ایمان کو تج دیا ——— جی ہاں یہ دین و ایمان تج نا ہی ہوگا کہ ملک و قوم کی کوئی فلاح حال و مستقبل کی کوئی افادیت اور دین و دیانت کا کوئی تقاضا پیشِ نظر ہو بس بیٹے کی محبت ہی میں خلافتِ راشدہ کے پاکیزہ و مقدس نظام کے مزارِ تابناک پر کالک مل دی جائے۔ اگر تصور یونہی تھا تو معاویہ کے شرفِ صحابیت کو دور سے سلام اور رسول اللہ کی ان دعاؤں کو بھی غیر مقبول ہی سمجھنا چاہیے جو آپ نے معاویہ کے ہادی و مہدی ہونے کے بارے میں کی تھیں۔

مغیرہ بن شعبہ کی غلطی تو اس لئے انا ڈینٹ ہو کر نظر آ رہی ہے کہ خلافت یزید میں شہادت حسین کا نامبارک واقعہ پیش آ گیا۔ اگر معاویہ یونہی بلا ولیعہد بنائے مر جاتے اور خالی تخت کے لئے اقتدار کی جنگ مملکت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتی اس وقت آج کے مورخ سے پوچھا جا سکتا تھا کہ یہ کس کی غلطی تھی۔؟ جو کچھ ہوا وہ کافی خراب ہوا لیکن مغیرہ اور معاویہ کے غلطی نہ کرنے کی صورت میں جو کچھ ہو سکتا تھا اسے مؤرخ کہاں سے بتلائے کہ کتنا زیادہ خراب ہو سکتا تھا یہ تو صرف وہی لوگ بتا سکتے ہیں جو ایک طرف ملکی سیاسیات کو سمجھنے کا گہرا ملکہ رکھتے ہوں اور دوسری طرف ایک پرانے جج کی طرح جذباتی جانب داریوں سے بلند اور بے رحم حد تک حقیقت پسند ہوں۔ ہو سکے تو اس قاضی کی سی صلاحیت لاؤ جس نے یہودی کے مقابلہ میں حضرت علی کا دعویٰ اور ان کے بیٹے اور غلام کی شہادت رد کر دی تھی۔ تبھی ممکن ہے کہ علی و معاویہ اور یزید و حسین کی آویزشوں میں متوازن فیصلہ کر سکو۔

یہ بات بے شمار بار انداز بدل بدل کر دہرائی گئی ہے کہ حسینؓ ایک ایسی شمع روشن کر گئے ہیں جس کی روشنی میں قیامت تک حق پرستوں کے قافلے آگے بڑھتے رہیں گے ——— لیکن میرے دوست اس بات کے ظاہری حسن و جمال سے ہٹ کر کسی ایک تو قافلے کا نام لو جو اسوۂ حسینی کی روشنی میں چلا ہو ——— نفسِ عزیمت کو اسوۂ حسینی مت کہہ دینا کہ عزیمت کے پیکر تو اور بھی متعدد گذرے ہیں۔ اسوہ کسی ایک واقعہ کا نام نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ تو اصول طرزِ فکر اور طریق عمل کے مجموعے کا نام ہوتا ہے۔ ایک نام تو جیسے حضرت حسینؓ ہی کے انداز میں جان دے سکو دکھائی ہو۔ بعد میں بھی بڑی بڑی عزیمت والے گزرے ہیں۔ انہوں نے تلوار کی دھار پر کلمۂ حق کہا ہے، عزیمت کے نالے کوڑوں سے بدن ادھڑوائے ہیں، بیڑیاں پہنی ہیں سر کٹائے ہیں لیکن وہ سب اپنے اس دعوے میں متفق تھے کہ ہم قرآن و سنت کی راہ چل رہے ہیں اور حریف کو للکارتے تھے کہ

اعطونی شیئاً من کتاب اللہ ہم پر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول وسنة رسولہ . . . . . . کی سنت سے کوئی حجت لاؤ

حضرت حسینؓ کے باب میں تاریخیں معاملہ برعکس بتاتی ہیں۔ بعض بہترین صحابہ اور صاحبِ مرتبت بزرگ ان کے اقدام کے خلاف رسول اللہ کی حدیثیں پیش کرتے ہیں اور وہ ان حدیثوں کو استدلال سے رد کر کے اپنے موقف کی تائید میں قرآن و سنت کی حجت نہیں لاتے ان کا یہ جواب کسی تاریخ میں منقول نہیں ہے کہ تم لوگ غلط حدیث بیان کر رہے ہو یا حدیث کو غلط محل میں استعمال کے مرتکب ہو اور قرآن و حدیث کی رو سے میرا موقف اس اس طرح صحیح ہے۔ بس کوفیوں کے انبار در انبار خطوط کا اعتماد ان کی سب سے بڑی دلیل تھا اور یہی انھیں اس میدان میں لے گیا جہاں بنو امیہ کے حصے کی سب سے بڑی بدنامی شہادتِ سبطِ رسول کی شکل میں مقدر ہو چکی تھی۔ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حسین کے بڑے سے بڑے فدائی بھی قیامت تک اسوۂ حسینی پر چلنے کی ہمت نہ کر سکیں گے اور یہ اسوہ زبان و قلم ہی کی زینت بنا رہے گا۔

افسوس باوجود ارادۂ اختصار کے بات لمبی ہو گئی۔ امام ابن تیمیہ کے چند فقرے نقل کر کے بات ختم کرتا ہوں۔ امید ہے کہ میرے دوست ان معروضات کو دوستی ہی کی اسپرٹ میں لیں گے۔ ابن تیمیہ منہاج السنہ جلد دوم میں لکھتے ہیں۔

"یزید ایک نوجوان امیرزادہ تھا اس کے فسق و فجور کی جتنی حکایتیں پیش کی جاتی ہیں وہ سب جھوٹ ہیں اس کے جھنڈے کے نیچے صحابہ نے جہاد کیا ہے حضرت ابو ایوب انصاری قسطنطنیہ کی جنگ میں اس کے ساتھ شریک ہوئے اور شہادت پائی۔ یزید امام حسین

کے ساتھ نرمی ہی کا سلوک کرنا چاہتا تھا مگر مفسدین کی افساد پردازی نے حالات کا رخ بدل دیا بہت سے مخلص دوستوں اور بزرگوں کے مشورے کے برخلاف امام حسین نے کوفہ کا سفر اختیار کیا اور کوفہ والوں کی بے وفائی کی وجہ سے وہ میدان کربلا میں شہید ہوئے اس کی ذمہ داری عبید اللہ بن زیاد اور دوسرے حکام عراق پر عائد ہوتی ہے یزید ان الزامات سے بری ہے" (ابن تیمیہ صفحہ ۱۱۵)

امام ابن تیمیہؒ

افضل العلماء مولانا محمد یوسف کوکن عمری کی معرکۃ الآرا کتاب۔ امام العصر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے علم و فضل، عزیمت و حمیت اور مجددانہ کارناموں کا سیر حاصل تذکرہ جس پر اس شمارے میں تبصرہ بھی موجود ہے۔ قیمت مجلد دس روپے مجلد اعلیٰ گیارہ روپے۔

مکتبہ تجلی۔ دیوبند۔ یو۔ پی

از سید حفیظ الدین احمد

حیات الانبیاء

سلسلہ کیلئے دیکھئے تجلی جنوری سنہ ۶۰ء

دونوں روایتوں کا تضاد آپ ان دونوں روایتوں کی عبارتیں پھر سامنے رکھئے، اور خوب غور فرمائیے:۔

پہلی روایت کی مقدس عبارت (الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون) اور دوسری روایت کی مبارک عبارت (الانبیاء بعد ما قبض ارواحھم الیھم اردت ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء) یعنی حضرات انبیاء کرامؑ اپنی قبروں میں بھی زندہ اور خدائے حی لایموت کے پاس بھی زندہ ہیں، یہ خوب زندگی ہے۔ سبحان اللہ!

یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی عقل سلیم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرسکتی کہ ایک انسان مرنے کے بعد قبر میں زندہ ہو اور خدائے حی و قیوم کے پاس بھی زندہ ہو، یہ تو ممکن ہی نہیں، ہاں دنیاوی زندگی ختم ہونے کے بعد کوئی زندگی ہوسکتی ہے تو صرف اک برزخی اخروی ہی زندگی ہوسکتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرات انبیاء کرامؑ وفات پاکر اور قبر میں دفن ہونے کے بعد صرف چالیس روز تک قبر میں رہتے ہیں اور پھر زندہ کر دیئے جاتے ہیں، امام بیہقیؒ نے اپنے جریدۂ منیفہ کتاب الانبیاء صـ میں یہی بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

عن سعید بن مسیب ما مکث نبی فی قبرہ اکثر من اربعین لیلۃ حتی یرفع	کوئی نبی اپنی قبر میں چالیس دن سے زیادہ نہیں رہتا، پھر وہ زندہ کر دیا جاتا ہے۔

حضرت امام بیہقیؒ نے اپنے رسالہ میں جو یہ روایت بیان فرمائی ہے وہ حدیث نہیں ہے، بلکہ ابن مسیبؒ کا قول ہے، جس کا کوئی حوالہ اور سند تک نہیں، پھر ایسے قول کا کیا وزن۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے جلیل القدر تابعی اور ان نفوس قدسیہ میں سے تھے جو اپنے علم و فضل کے اعتبار سے تمام دنیائے اسلام کے امام اور مقتدیٰ مانے جاتے تھے وہ اپنے زمانہ میں بالاتفاق جملہ علمی و عملی اور اخلاقی فضائل و کمالات میں یگانۂ روزگار رہے۔

امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں، وہ اپنے زمانہ میں تمام اہل مدینہ کے سردار تھے[1]۔ اور حافظ ذہبیؒ ان کو امام شیخ الاسلام کے نام سے یاد اور اجلۂ تابعین میں شمار کرتے تھے[2]۔ اور امام ابن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تابعین میں سعید بن مسیبؒ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں تھا[3]۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب آپ کے سامنے ہیں، اب آپ خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ ایسے جلیل القدر تابعی کا ایسا بے سند قول ہو بھی سکتا ہے یا نہیں؟

پھر حیرت پر حیرت یہ کہ (حتی یرفع) سے زندہ ہونا سمجھ لیا گیا، اہل لغات نے رفع کے یہ معنی کہیں بھی بیان نہیں کئے۔ لفظ رفع خفض کی ضد ہے۔ ہاں اگر اس کی جگہ (حتی یبعث) ہوتا تو زندہ ہونے ہی کے معنی ہوتے۔

اور علامہ سیوطیؒ نے بھی اسی قبیل کی ایک اور روایت اللآلی المصنوعہ صـ۱۴۲ ج۱ میں امام ابن حبان کے حوالہ سے بیان فرمائی ہے۔ پوری سند کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں:۔

(ابن حبان) انبأنا الحسن

---

[1] تہذیب الاسماء ج۱ صـ۲۲ ۱۲ [2] تذکرۃ الحفاظ ج۱ صـ۴۶ ۱۲

[3] تہذیب التہذیب ج۴ صـ۸۵ ۱۲

بن سفیان حدثنا هشام بن خالد الأزرق حدثنا الحسن بن یحیٰی الخشنی عن سعید بن عبدالعزیز عن یزید بن أبی مالك عن انس مرفوعا ما من نبی یموت فیقیم فی قبره الا اربعین صباحا حتی ترد الیه روحه قال هذا باطل والخشنی منکر الحدیث جدا یروی عن الثقات ما لا اصل له ۔	حضرت انس سے مرفوع روایت ہے، ہر نبیؑ وفات کے بعد چالیس روز تک مردہ ہونے کی حالت میں اپنی قبر میں رہتا ہے، پھر وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ یہ روایت باطل ہے اور خشنی بہت بڑا منکر الحدیث ہے ثقہ لوگوں کے ناموں سے ایسی روایتیں بیان کرتا ہے جن کی کوئی اصل نہیں۔

یہ بھی یاد رکھئے کہ امام ابن حبان کی تنقید (هذا باطل) کے بعد لفظ "موضوع" بھی ہے جس کو علامہ سیوطیؒ بالکل ہضم کر گئے اور وضع کی نسبت سے بھی انکار، (ولم ینسب الی الوضع والکذب) اللآلی المصنوعہ ص۲۸۵ ج۱۔

لیجئے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ تہذیب التہذیب ص۳۲۶ ج۲ میں اس کا انکشاف فرماتے ہیں (قال هذا باطل موضوع) جب یہ روایت "موضوع" ہی ثابت ہو گئی تو پھر اس کا وزن ہی کیا رہا۔ (خشنی) کو امام نسائی بھی ثقہ نہیں مانتے۔ (قال النسائی لیس بثقة) اور امام دارقطنی بھی اُسے متروک کہتے ہیں (قال الدارقطنی هو متروك) اور امام ابن معین کے نزدیک بھی اس کی کوئی پوزیشن نہیں (قال عباس عن ابن معین لیس بشیٔ)۔

یہ کل حوالجات تہذیب التہذیب ص۳۲۶ ج۲ میں ملاحظہ فرمائیے اور خود علامہ سیوطیؒ نے بھی امام ابن عدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ خشنی کی کل روایات مشکوک نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں (قال ابن عدی یحتمل روایاته) (اللآلی المصنوعہ ص۲۸۵)۔

اب حضرات ناظرین خود ہی فیصلہ فرما لیں کہ اس صورت میں (خشنی) کی کیا حیثیت اور کیا پوزیشن رہی اور اس روایت کا کیا حشر ہوا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرات انبیاء کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ موجود ہیں لیکن ہمیں وہ نظر نہیں آتے، جس طرح فرشتے زندہ موجود ہیں، مگر ہمیں وہ نظر نہیں آتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتے تو نورانی اجسام لطیفہ ہیں۔ اُن میں توالد و تناسل بھی نہیں اور انھیں موت بھی نہیں، وہ قیامت تک زندہ رہیں گے، وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی نظر نہیں آتے اور اسی طرح جنّات کہ وہ ناری اجسام لطیفہ ہیں اُن میں توالد و تناسل بھی ہے اور وہ مرتے بھی ہیں، مگر وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی ہمیں نظر نہیں آتے۔ اس قول سے تو در پردہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرامؑ انسان اور بشر ہی نہ تھے، حالانکہ قرآن مجید نے اُن کی بشریت کا خود اعلان کیا ہے اور انھوں نے خود بھی اپنی بشریت کا اقرار فرمایا ہے اور اپنی ملکیت (فرشتے ہونے) کا انکار۔

اور اگر اُن کی بشریت کا عقیدہ ہے (اور یہی عقیدہ ہونا بھی چاہئے)، تو کوئی بشر دنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہا ہے، اس کا قرآن مبین شاہد ہے:۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ط اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ ط (سورۂ انبیاء)	(اے پیغمبر) تم سے پہلے (دنیا میں) ہم نے کسی بشر (انسان) کو ہمیشگی (کی زندگی) نہیں دی، جب تمہاری بھی وفات ہو گی تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے، (یہ مرنے کے نہیں)
+ + + +	
+ + + +	

اس آیت کریمہ میں جب ہر انسان کی ہمیشگی کی نفی کی گئی تو (افائن مت) سے نبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ہمیشگی کی نفی کی گئی۔ یعنی آپؐ کو بھی دنیا میں دنیاوی زندگی کے ساتھ ہمیشگی نہیں۔

جب اس قدر صاف اور روشن بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ آپؐ کو ہمیشگی نہیں تو پھر روضۂ طیبہ میں زندہ رہنے کے کیا معنی؟ اور پھر اس آیت مقدسہ کے فوراً بعد ہی (کل نفس ذائقة الموت) سے اس کی مزید تاکید بھی کر دی گئی ہو۔

اور سنئے ہمارے حضرات فقہاء حنفیہؒ کے استاذ اولین حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (وکفی بین کفیه) التشهد کما یعلمنی السورة من القرآن التحیات للہ والصلوات	حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد اسی طرح سکھایا جس طرح قرآن کریم کی سورتیں سکھلاتے تھے التحیات للہ الخ آپ کی

والطیبات السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین، اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله، وهو بین ظهرانینا، فلما قبض قلنا السلام علی یعنی علی النبی صلی الله علیه وسلم (صحیح بخاری ص۹۲۶ ج۲)

حیات طیبہ میں ہم تشہد میں السلام علیک ایہا النبی خطاب کے صیغے سے پڑھتے رہے جب آپ کی وفات شریف ہوئی تو پھر ہم السلام علیک کی جگہ غائب کے صیغے سے السلام علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم پڑھنے لگے۔

+ + + +
+ + +
+ +
+

(فلما قبض) کی شرح میں علامہ عینی حنفیؒ عمدۃ القاری میں ارشاد فرماتے ہیں:-

(فلما قبض) هكذا جاء في هذه الرواية دون الروايات المتقدمة فظاهرها انهم كانوا يقولون السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته بكاف الخطاب في حياة النبي صلى الله عليه وسلم فلما مات تركوا الخطاب وذكروه بلفظ الغيبة فصاروا يقولون السلام على النبي صلى الله عليه وسلم (حاشیہ صحیح بخاری ص۹۲۶ ج۲ باب المصافحۃ)

دوسری روایتوں کے علاوہ اس میں یہ بھی روایت ہے، اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرات صحابہؓ آپ کی حیاتِ طیبہ میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ کو خطاب سے پڑھتے تھے، جب آپؐ وفات پاگئے تو وہ خطاب چھوڑ کر غائبانہ طور پر السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے لگے تھے۔

+ + + +
+ +
+

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے اس بیان اور علامہ عینیؒ کی اس تشریح سے نمایاں طور پر یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آپؐ اپنی قبر شریف میں زندہ نہیں۔ اگر آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہوتے تو حضرات صحابہ کرامؓ خطاب کو ترک ہی کیوں کرتے اور (فلما قبض) اور (فلما مات) کہنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی۔

اور اصل روایت میں لفظ (قلنا) اور علامہ عینیؒ کی شرح کے الفاظ (فصاروا یقولون) یہ بتا رہے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور کل حضرات صحابہ کرامؓ کا یہی عمل اور یہی عقیدہ تھا کہ آپؐ اپنی قبر شریف میں زندہ نہیں۔

پھر بھی اس عقیدۂ (حیات النبیؐ) کو اہل سنت وجماعت کا عقیدہ قرار دینا کس قدر مضحکہ خیز جسارت ہے۔

جب یہ ثابت ہی ہو گیا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا یہی عقیدہ تھا کہ آپؐ اپنی قبر شریف میں زندہ نہیں تو ہمیں یہ حق کہاں سے حاصل ہوا کہ ہم (حیات النبی) کے عقیدہ کی بس یہی بنیاد رکھیں اور جو حضرات صحابہ کرامؓ کے صحیح عقیدے کو رکھیں وہ "منکرین حیات" کے لقب سے یاد کئے جائیں، افسوس۔

اور سنن ابو داؤد کی روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی روح طیبہ عالم برزخ میں ہے جس کے یہ مقدس الفاظ ہیں:-

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما من مسلم یسلم علی الا رد الله علی روحی حتی ارد علیه السلام (کتاب المناسک باب زیارة القبور)

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (جب) کوئی مسلمان مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

روح لوٹنے کا مطلب

اس مقدس حدیث کے متعلق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ لمعات شرح مشکوٰۃ میں ارشاد فرماتے ہیں:-

(قوله رد الله علی روحی) لیس المراد بعود الروح عودها بعد المفارقة عن البدن، وانما المراد انه صلی الله علیه وسلم فی البرزخ مشغول باحوال الملکوت مستغرق فی مشاهدة رب العزة عز وجل کما کان فی الدنیا فی حالة الوحی فی احوال الآخرة فعبر عن افاقته من تلک المشاهدة وذلک الاستغراق برد الروح (حاشیہ مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

روح کے لوٹنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ روح بدن سے نکل کر پھر بدن میں لوٹ آتی ہے، بلکہ یہ مراد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح طیبہ عالم برزخ میں مشاہدۂ ربانی میں مشغول و مستغرق ہے جیسا کہ دنیاوی زندگی میں نزول وحی الٰہی کی حالت میں مستغرق ہو جاتی تھی، اسی مشاہدہ و استغراق سے افاقہ کا نام رد روح ہے۔

+ + + +
+ + + +

اس عبارت سے یہ بخوبی ظاہر ہو رہا ہے کہ ذات گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ نہیں، بلکہ آپ کی روح طیبہ عالم برزخ اعلیٰ علیین میں ہے اور آپ کا جسد اطہر قبر شریف میں، کیونکہ حضرت شیخ نے رد روح سے مشاہدۂ ربانی سے افاقہ ہی مراد لیا ہے۔

اور اسی رد روح سے متعلق حضرت علامہ عبد الحلیم لکھنوی فرنگی محلی اپنے رسالہ نور الایمان صلا میں تصریح فرماتے ہیں:۔

(ومعناه) ان سادتی له اشتغال واستغراق شهودی بحضرت الرب الاعلیٰ واذا سلم احد علی یتوجه روحی الیه فرد الروح کنایة عن التوجه والاقبال

رد روح کے یہ معنی ہیں کہ میری روح مشاہدۂ الٰہی میں مشغول و مستغرق ہوتی ہے۔ اور جب کوئی مسلمان مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے تو میری روح اسکی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ بس رد روح سے روح کے متوجہ ہونیکی طرف اشارہ ہے۔

+ + + +

اور علامہ نانوتویؒ "آب حیات" صلا۲۳ میں ارشاد فرماتے ہیں

"اس صورت میں معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ و تجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت و محبت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے ہوش عطا فرما دیتا ہے۔"

اور علامہ سمہودیؒ "وفاء الوفاء" جلد ۲ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ان السبکیؒ قال یحتمل ان یکون ردا معنویا وان تکون روحه الشریفة مشتغلة بشهود الحضرة والملاء الاعلیٰ عن هذا العالم فاذا سلم علیه اقبلت روحه علی هذا العالم لتدرک سلام وترد علی المسلم یعنی ان روحه الشریفة التفات روحانی۔

علامہ سبکیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس رد روح سے رد معنوی مراد ہو، اس لئے کہ آپ کی روح طیبہ اس عالم (دنیا) سے گذر کر (مقام) ملاء اعلیٰ میں تجلیات الٰہی میں مستغرق ہوتی ہے، جب کوئی آپ پر درود و سلام پڑھتا ہے تو اس عالم (دنیا) کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور سلام کا جواب دیتی ہے، اس رد روح کے معنی التفات روحانی ہے۔

اور علامہ سیوطیؒ "انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء" میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

ثم ظهر لی جواب آخر بلاوحث عشوره وهو ان المراد بالروح الملک الذی وکل بقبره صلی اللہ علیہ وسلم یبلغه السلام والروح یطلق علی غیر جبریلؑ ایضا من الملائکة قال الراغب اشراف الملائکة تسمی الارواح ومعنی (رد اللہ علی روحی) ای بعث الی الملک الموکل یبلغنی السلام هذا غایة ما ظهر لی، واللہ اعلم۔

پھر تیرھواں جواب میرے ذہن میں آیا وہ یہ ہے کہ روح سے وہ فرشتہ مراد ہے جو آپ کے روضۂ مطہرہ پر درود و سلام کے پہنچانے پر مقرر ہے، اور روح کا لفظ جبریلؑ کے سوا اور فرشتوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ حضرت امام راغب نے مفردات میں یہی فرمایا ہے۔ اور (رد اللہ علی روحی) کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس فرشتہ کو میرے پاس بھیجتا ہے جو درود و سلام پہنچانے پر مقرر ہے، میری تحقیق کی یہ انتہا ہے۔

اور علامہ بیضاویؒ کی بھی یہی رائے ہے:۔

(والروح) ملک موکل علی الارواح او جنسها او جبریلؑ او خلق اعظم من الملائکة (سورہ نبا ص ۴۴۵)

روح سے وہ فرشتہ مراد ہو جو تمام فرشتوں کا افسر ہو یا تمام فرشتے، یا جبریلؑ امین، یا فرشتوں سے بڑھ کر کوئی اور مخلوق مراد ہو۔

علامہ سیوطیؒ نے (رد اللہ علی روحی) کے متعلق جو اپنا مقتدر خیال ظاہر فرمایا ہے وہ علمی اعتبار سے آخری فیصلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اب ارباب علم و یقین خود غور فرمائیں کہ ان حوالجات سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے کہ سید الانبیاء و رسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح طیبہ عالم قدس رفیق اعلیٰ میں مشاہدۂ الٰہی میں مستغرق ہے۔ اسی استغراق سے وقفہ کی حالت میں درود و سلام پڑھنے والے کی طرف روح طیبہ کا توجہ فرمانا (رد روح) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر آپ اپنی قبر شریف میں زندہ جلوہ فرما ہوتے تو پھر اس تعبیر کی کیا ضرورت تھی؟

روضۂ مطہرہ پر درود و سلام

اگر کہا جائے کہ خود رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے:۔

عن ابی هریرة قال قال

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح، باب الصلوٰۃ علی النبیؐ)۔	پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود وسلام پڑھے گا اُسے میں خود سنوں گا۔ اور جو دور دراز سے مجھ پر درود وسلام پڑھیگا وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔

یہ حدیث بھی حضرت امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں بیان کی ہے جس کی کچھ اصل وحقیقت نہیں، چنانچہ حضرت علامہ سیوطیؒ اللآلی المصنوعہ ج ۱ ص ۱۴۶ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

لا یصح محمد بن مروان هو السدی الصغیر کذاب قال العقیلیؒ لا اصل لهذا الحدیث۔	یہ صحیح نہیں، محمد بن مروان سدی صغیر کذاب ہے۔ علامہ عقیلیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کچھ اصل و حقیقت نہیں۔

محمد بن مروان کے متعلق علّامہ ابن حجر عسقلانیؒ تہذیب التہذیب ص ۴۳۶ جلد ۹ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

قال عبد السلام بن حازم عن جریر بن عبد الحمید کذاب قال الدوری عن ابن معین لیس بثقہ۔	علامہ عبد السلام بن حازمؒ، جریر بن عبد الحمیدؒ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ (محمد بن مروان) کذاب ہے۔ اور علامہ دوریؒ ابن معین کے حوالہ سے فرماتے ہیں (محمد بن مروان) ثقہ نہیں ہے۔
+ + + +	
+ + + +	

جب حضرت امام یحییٰ بن معینؒ نے یہ قطعی فیصلہ کردیا کہ اس حدیث کی کچھ اصل وحقیقت ہی نہیں تو پھر یہ کہنا کہ حقیقی سماع ہوتا ہے، غلط ہوا۔ ہاں روحانی سماع ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ اپنے مکتوبات گرامی میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر مزار شریف کے پاس صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے تو روحانی سماع ہوتا ہے اور باعث جواب دعا بنتا ہے اور اگر امکنۂ بعیدہ سے صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے تو ملائکہ سیاحین جو کہ اس خدمت کیلئے متعین ہیں پہنچاتے ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعاؤں اور جواب سے درود پڑھنے والے کو شرف حاصل ہوتا ہے۔" (مکتوبات ج ۱، مکتوب ۱۵۰ ص ۱۳۲)

حضرت علامہ مدنی قدس سرہٗ کے اس بیان نے وہ واضح اور روشن حل پیش کیا ہے کہ جس میں کسی کے شبہ کی گنجائش کا امکان ہی نہیں رہا۔ اور علامہ طیبیؒ تبلیغ صلوٰۃ وسلام کے متعلق شرح مشکوٰۃ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

(قولہ فان صلوٰتکم تبلغنی) وذلک ان النفوس القدسیۃ اذا تجردت عن العلائق البدنیۃ عرجت واتصلت بالملأ الاعلیٰ ولم یبق لها حجاب فیری الکل کالمشاهد بنفسها او باخبار الملک لها۔	یا نفوس قدسیہ (حضرات انبیاء کرامؑ کی ارواح طیبات) جب بدنی تعلقات سے جدا ہوتی ہیں تو ملاء اعلیٰ میں پہنچ جاتی ہیں اور پھر کوئی پردہ باقی نہیں رہتا، دنیاوی زندگی کی طرح ہر چیز کا مشاہدہ کرتی ہیں یا فرشتوں کے ذریعہ اطلاع پاتی ہیں۔

شارح مشکوٰۃ علامہ طیبیؒ کے اس بیان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کی روح طیبہ ملاء اعلیٰ میں ہے اور ملائکہ سیاحین اسی مقدس مقام پر درود وسلام پہنچاتے ہیں، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کی یہ مقدس زندگی اُخروی ہی زندگی ہے۔ اگر جسدِ اطہر میں برزخی حیات ہوتی تو ملائکہ سیاحین ملاء اعلیٰ پر درود وسلام کیوں پہنچاتے۔

برزخ کیا ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ "برزخ" سے مراد قبر ہے تو یہ صحیح نہیں، کیونکہ اہلِ لغات نے "برزخ" کے معنی قبر کے کہیں بھی نہیں کئے۔ برزخ کا لفظ قرآن کریم میں تین مقام پر آیا ہے۔ اور ان تینوں جگہ پر اس کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی دو چیزوں کا درمیانی پردہ، چنانچہ قرآن مبین میں ہے:۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (سورۂ رحمٰن)	اسی اللہ نے دو دریا جاری فرمائے اور ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل کردیا جو ان دونوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتا۔
+ + + +	

اسی عجیب وغریب بحری منظر کا قرآن مبین میں دوسرے مقام پر یوں ذکر کیا ہے، وہاں بھی یہی لفظ برزخ ہے۔

هو الذی مرج البحرین هذا عذب فرات وهذا ملح	اسی نے اللہ نے دو دریا جاری فرمائے (جن میں) یہ ایک میٹھا مزیدار

اجاج وجعل بینهما برزخا وحجرا محجورا (سورۂ فرقان)	اور یہ (دوسرا) کھاری اور بدمزہ، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل کردیا اور اک مضبوط روک لگادی ہے

+ + + +

اسی بناء پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل وحاجب ہے اس کا نام بھی "برزخ" ہے۔ چنانچہ سورۂ مومنون میں ہے:۔

ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون ط	ان کے آگے مرنے کے بعد اک عالم برزخ ہے، (جہاں ان کو) قیامت تک رہنا ہوگا۔

ان آیاتِ مذکورہ سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ "برزخ" سے مراد قبر ہے اور اہلِ لغات نے بھی برزخ کے معنی قبر کے کہیں بیان نہیں کئے، چنانچہ "نہایہ ابن اثیر" صفحہ ۵۸ میں ہے:۔

البرزخ ما بین کل شیئین من حاجز، البرزخ الحاجز والحد بین الشیئین وقیل البرزخ ما بین الموت الی القیامة۔	دو چیزوں کے درمیانی پردہ کا نام "برزخ" ہے اور مفردات صفحہ ۴۹ راغب میں ہے دو چیزوں کی درمیانی حد کو برزخ کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ موت اور قیامت کے درمیانی وقفہ کا نام برزخ ہے۔

اور "قاموس" صفحہ ۳۱۲ میں ہے:۔

البرزخ الحاجز بین الشیئین ومن وقت الموت الی القیامة ومن مات دخله۔	دو چیزوں کا درمیانی پردہ اور موت کے وقت سے قیامت کے دن تک کے وقفہ کو برزخ کہتے ہیں جو مرگیا وہ برزخ پہنچ گیا۔

اور ایسا ہی "صراح" صفحہ ۱۱۳ میں ہے:۔

(برزخ) بازداشت میان دو چیز ویقال ما بین بین الدنیا والآخرة من وقت الموت الی البعث فمن مات فقد دخل البرزخ۔	دو چیزوں کی درمیانی روک "برزخ" ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دنیا اور آخرت کا درمیانی زمانہ جو موت سے روزِ نشور تک کا ہے، جو شخص مرگیا وہ برزخ میں پہنچ گیا۔

اور "منتہی الارب" صفحہ ۸۰ میں ہے:۔

(برزخ) حائل مابین دنیا وآخرت وآں از زمان مرگ تا زمانِ قیامت باشد، ہر کس کہ میرد داخلِ برزخ گردد۔	دنیا اور آخرت کا درمیانی پردہ جو مرنے کے وقت سے قیامت کے دن تک کا زمانہ ہے، جو شخص بھی مرجاتا ہے وہ برزخ پہنچ جاتا ہے۔

ان تمام اہلِ لغات نے "برزخ" کے معنی قبر کے کہیں بھی بیان نہیں کئے۔ لہٰذا برزخ کے وہی معنی صحیح ہیں جو قرآنِ مبین اور اہلِ لغات نے بیان کئے ہیں، یعنی دو چیزوں کا درمیانی پردہ یا موت وقیامت کا درمیانی زمانہ۔

اور سنئے شیخ المشائخ سلطان العارفین حضرت شیخ نصیر الدین محمود (روشن چراغ) دہلوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:۔

(ومن فوائده) قال اللہ تعالیٰ لنبیه محمد علیه السلام (انك میت وانهم میتون) اراد بذلك موت صفات البشریة، یعنی الانسلاخ عن قشر البشریة۔ (صحائف السلوک صحیفہ ۵۶ صفحہ ۱۹)	اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے (اے پیارے نبی اس میں) کچھ شک نہیں کہ آپ کو بھی مرنا ہے اور (ان کافروں کو بھی مرنا ہے) اس ارشاد خداوندی میں موت سے جسم انسانی کی بشری صفات کا سلب ہوجانا مراد ہے۔

+ + + +

اس مقدس عبارت سے کس قدر روشن طریقہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ پر "موت" وارد ہوئی اور موت کی وجہ سے تمام صفاتِ بشری کا سلب ہوجانا، اس میں شک نہیں کہ آپ بشر تھے، آپ کے اندر کلی صفات بشری موجود تھیں۔

بشریت انبیاء

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا مسئلہ کوئی جدید مسئلہ نہیں، بلکہ یہ قدیمی مسئلہ ہے۔ قرآنِ عزیز نے ان کی بشریت کو مسلمات اور بدیہات کی طرح بیان کیا ہے، وہ بشر کی طرح پیدا ہوئے اور انسانی زندگی کے جملہ ادوار (طفلی، شباب، کہولت اور شیخوخت) کو عبور کرتے ہوئے آخر میں ہمیشہ کے لئے دنیا سے تشریف لے گئے اور اسی طرح زمین میں دفن ہوئے جس طرح جنسِ بشری ہمیشہ سے مدفون ہوتی چلی آرہی ہے۔

حضرات انبیاء ورُسُل خدائے قدوس کی مقدس ترین مخلوق اور خدائے برتر عزّ مجدہٗ کے مخصوص ومقرب بندے بشر اور آدمی ہی ہوتے ہیں، وہ خدا اور خدا کے اوتار، دیوتا اور فرشتے نہیں تھے۔ لیکن جب انسان کی عقل وفہم پر ہوا وہوس اور خواہشات نفسانیہ کے پردے پڑ جاتے ہیں تو وہ اپنی حقیقت اور اپنے مشاہدات ومحسوسات کا بھی انکار کر بیٹھتا ہے اور پھر وہ اتنا بھی نہیں سوچتا کہ تمام مخلوق میں

سب سے افضل و اشرف ہے، اگر یہ سوچنے کے بعد بھی اُن کی
...سے انکار کرتا ہے تو پھر ہم اس سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ
...ان نفوسِ قدسیہؓ کو کس مخلوق میں لے جانا چاہتا ہے۔ یہ تو
...ہی ہے کہ حضرت خالق عزّ مجدہٗ کی مقدس درگاہ میں کسی امر
...بال برابر شرکت کی گنجائش ہی نہیں، نہ اس کی منزہ ذات
...اس کی مقدس صفات میں، خالق سے ہٹکر صرف مخلوق
...دائرہ رہ جاتا ہے، پھر اس میں سب سے افضل و اشرف صرف
...یت اور یہی اک نوعِ انسانی ہی ہے، اسی کو قدرت نے اپنی
...تِ عظمیٰ کے لئے منتخب فرمایا۔

اگر حضرات انبیاءِ کرامؑ اس اشرف نوع سے علیحدہ کردیئے
...یں تو پھر یہ بتایا جائے کہ وہ کونسی نوع ہے جس میں ان مقدس
...س کا شمار کیا جائے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرات انبیاءِ کرامؑ
...بشریت سے انکار صرف کتاب و سنت ہی کا انکار نہیں، بلکہ اپنے
...ہدات کا بھی انکار ہے۔ تعجب ہے کہ انسان مسجودِ ملائک ہونے
بعد بھی اپنی شرافتِ بشریت کو نہ سمجھا اور تاجِ خلافت پہننے کے
...بھی اپنی قدر و منزلت کو نہ پہچانا۔

قرآنِ مبین نے جہاں کہیں بھی حضرات انبیاءِ کرامؑ کا ذکر کیا
وہاں اُن کی بشریت کو بھی نمایاں طور پر بیان کیا ہے۔

دنیا کے ہر دور میں کافروں نے حضرات انبیاءؑ و رسلؑ کی
...ریت کو تو تسلیم کیا، لیکن اُنھیں عام انسانوں کی صف میں لیجاکر
...ڑا کردیا اور یہ سمجھ لیا کہ ہم جیسے ہی وہ بھی انسان ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ جب اپنی قوم کے سامنے خدائے قدوس کی جانب
...ے اپنی نبوت و رسالت اور اپنی پیغمبری کا دعویٰ پیش فرماتے تو کافر
...ک اُن کی بشری خصوصیات کا تصور کرتے ہوئے یہی کہتے تھے، تم تو
...ہماری ہی طرح بشر اور انسان ہو، تم خدا کے رسول اور پیغمبر کیونکر بن
سکتے ہو؟

عام طور پر کافر لوگ بشریت کو نبوت و رسالت کے منافی
سمجھتے تھے اور یہ کہتے تھے، جیسا کہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔
اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (سورۂ بنی اسرائیل) کیا خدا نے بشر کو
رسول بنا کر بھیجا ہے، اور اُنھیں یہی اک شبہ پیدا ہوتا تھا کہ کیا ہم گمراہوں
کی رہنمائی اک انسان کرسکتا ہے۔ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا (سورۂ تغابن)
(کافر لوگ ہمیشہ یہی) کہتے رہے کہ کیا (ہم جیسے ہی) بشر ہماری رہنمائی
کریں گے۔ کافر لوگوں کا حقیقت میں یہ تصور جما ہوا تھا کہ ہر انسان
موروثی گنہگار رہے۔

یہ اک روشن حقیقت ہے کہ معصومیت اور بے گناہی کیلئے
انسانیت سے پاک ہونا ضروری نہیں۔ یہی اک حقیقت تھی جو
کافروں کی سمجھ میں نہیں بیٹھتی تھی۔ اسی لئے تو وہ اپنے پیغمبروں سے دو بدو
کہتے تھے۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (سورۂ ابراہیم) تم تو ہماری ہی
طرح اک بشر اور آدمی ہو، اور دوسرے لوگوں کو بھی یہی سمجھاتے تھے۔
ھَلْ ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (سورۂ انبیاء) مَا ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ
(سورۂ مومنون) یہ بھی تو تمہاری ہی طرح بشر اور آدمی ہیں اور حضرات
انبیاءِ کرامؑ نے بھی یہی جواب دیا، قَالَتْ لَھُمْ رُسُلُھُمْ اِنْ نَّحْنُ
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ (سورہ ابراہیم)
ہاں ہم تمہاری ہی طرح بشر اور آدمی ہیں، لیکن خدا نے بر تر اپنے بندوں
میں سے جسے چاہتا ہے اُسے نبوت و رسالت سے سرفراز فرماتا ہے۔

کفّار کی نظر حضرات انبیاءؑ و رسلؑ کے صرف ایک ہی انسانی
رُخ پر پڑتی تھی، اُنھوں نے اپنے جواب میں دوسرے رُخ کو بھی بتلا(
کردیا۔ ہر سمجھدار انسان یہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ بشریت کا ظاہری تعلق
جسمانیت اور جسمانی قُویٰ اور مخلوقیت ہی سے ہے، ورنہ روحانی،
اخلاقی، دماغی و قلبی اور علمی و عملی حیثیت سے ایک پیغمبر انسان ہوتے ہوئے
بھی غیر نبی انسانوں سے کہیں بلند و بالا اور ممتاز ہوتا ہے۔ نبی اور
غیر نبی انسان میں انسانیت کے یہ معنی نہیں کہ نبی وحیِ الٰہی کے شرف
سے سرفراز ہونے کے علاوہ تمام اوصاف و کمال یا عیوب و نقائص
میں عام انسانوں کے برابر ہوتا ہے۔ توبہ توبہ۔

حضرات انبیاءؑ سابقین کی طرح سیدنا سید الانبیاء،
صدر الرسل، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین نبی الامی
محمد العربی، رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) نے بھی
اپنی مقدس بشریت کا بار بار اقرار فرمایا، بلکہ وحی الٰہی نے خود آپؐ
کی زبانِ فیض ترجمان سے اس کا اعلان کرایا۔ قرآن حکیم میں تین
مقام پر آپؐ کی بشریت کا نمایاں طور پر ہمیں یہ اعلان ملتا ہے۔

پہلا مقام:- قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔
(سورہ بنی اسرائیل) اے پیغمبر آپؐ ان کافروں سے یہ ارشاد فرما دیں کہ

پیغمبر ہے جو کہ تمام عیبوں سے پاک اور منزّہ ہے، میں تو اک بندہ بشر ہوں اور اس کا اک سچا رسول ۔ یہ میرا مقام ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد (سورۂ کہف و سورۂ حٰم سجدہ) اے پیغمبر آپ ان کافروں اور مشرکوں سے یہ ارشاد فرمادیں، میں بھی تو تم جیسا اک بشر اور آدمی ہی ہوں ۔ مجھ میں اور تم میں صرف اس قدر ہی تو فرق ہے کہ) میرے پاس (خدا کی طرف سے) وحی آتی ہے (اور) تمہارا معبود تو صرف ایک ہی معبود ہے
ان مقدس آیتوں میں بشریت کی جو مثلیت بیان کی گئی ہے وہ صرف بشریت ہی میں مماثلت بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ تمام اوصاف طیبہ میں، یوں تو آپ کے محاسن و محامد اور مراتب جلیلہ، درجات علیا میں کوئی انسان تو انسان، مقرب سے مقرب فرشتہ بھی آپ کا مماثل نہیں ہو سکتا۔

اللھم صل علی محمد النبی الامی و آلہ و بارک و سلم

اب اُن مقدس احادیث پر بھی نظر ڈال لیجئے جن میں خود آپ نے اپنی مطہر زبان سے اپنی مقدس بشریت کا اقرار فرمایا ہے۔
صحیح مسلم ص۲۱۲ ج۱ میں ہے:۔

عن علقمہ قال قال عبداللّٰہ صلی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خمسا فلما انفتل توشوش القوم بینھم فقال ما شانکم قالوا یا رسول اللّٰہ ھل زید فی الصلوٰۃ قال لا قالوا قد صلیت خمسا فانفتل ثم سجد سجدتین ثم سلم قال انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون۔

حضرت علقمہؓ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھائیں، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ آپس میں کانا پھوسی کرنے لگے۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا بات ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا نماز میں ایک رکعت زیادہ کی گئی ہے۔ آپ نے اس وقت پانچ رکعتیں پڑھی ہیں یہ سنکر آپ نے ایک اور رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو ادا فرمایا۔ پھر آپ نے فرمایا میں آخر میں تم جیسا ہی ایک بشر ہوں، میں بھی بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔

اور سنن نسائی ص۱۸۲ ج۱ باب الصلوٰۃ میں ہے:۔

عن عبداللّٰہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی احدی صلاتی العشی خمسا فقیل لہ ازید فی الصلوٰۃ فقال ماذاک قالوا صلیت خمسا قال انما انا بشر انسی کما تنسون۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی کسی نماز میں پانچ رکعتیں پڑھائیں، آپ سے دریافت کیا گیا کیا نماز میں ایک رکعت زیادہ کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا معاملہ ہے۔ لوگوں نے عرض کی کہ آپ نے پانچ رکعتیں ادا فرمائی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آخر میں بھی تو اک بشر ہوں میں بھولتا ہوں جیسا کہ تم بھولتے ہو۔

اور سنن ابن ماجہ ص۸۶ ج۱ کتاب الصلوٰۃ میں ہے:۔

عن عبداللّٰہ قال صلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فزاد او نقص قال ابراھیم والوھم منی قیل یا رسول اللّٰہ ازید فی الصلوٰۃ شیء قال انما انا بشر انسی کما تنسون

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ایک رکعت زیادہ یا کم پڑھی (حضرت ابراہیمؒ کا بیان ہے کہ میرا یہ وہم ہے) آپ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا نماز میں کچھ زیادہ کر دیا گیا ہے آپ نے فرمایا کہ آخر میں بھی تو بشر ہوں میں بھی بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو

+ + + +

اور شمائل ترمذی باب التواضع ص۲۵ میں ہے:۔

عن عمرۃ قالت قیل لعائشۃ ماذا کان یعمل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی بیتہ قالت کان بشرا من البشر یفلی ثوبہ ویحلب شاتہ ویخدم نفسہ۔

حضرت عمرہؓ کا بیان ہے کہ کسی نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آپ گھر میں کیا کیا کرتے تھے، حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ آپ بشر تھے، گھر کے کام کاج سب کر لیا کرتے تھے پُرانے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے اور بکریوں کو دوہ لیتے اور اپنے کام خود اپنے دستِ اقدس سے کر لیا کرتے تھے۔

+ + + +

+ + + +

اور سنن ابن ماجہ ج۲ باب القدید ص۲۴۲ میں ہے:۔

عن ابی مسعودؓ قال اتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رجل فکلمہ فجعل ترعد فرائصہ فقال ھون علیک فانی لست

حضرت ابو مسعودؓ کا بیان ہے کہ آپ کی خدمت اقدس میں ایک شخص آیا اس پر نبوت کے جاہ و جلال کا اس قدر رعب پڑا کہ وہ لرزنے لگا

بملك انما انا ابن امرأة من قريش تأكل القديد

+ + + +

+ + + +

آپ نے اُس سے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکاکر کھاتی تھی۔

۱ عن عائشة قالت دخل على رسول الله صلی الله عليه وسلم رجلان فكلماه لشئ لا ادری ماهو فاغضباه فلعنهما فلما خرجا قلت يا رسول الله لمن اصاب من الخير ما اصابه هذان قال وماذاك قالت قلت لعنتهما وسببتهما قال اوما علمت ما شارطت عليه ربی قلت اللهم انما انا بشر فای المسلمين لعنته اوسببته فاجعله له زكوة واجراً۔

۱ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دو آدمیوں نے حاضر ہوکر کسی بارے میں آپؐ سے کچھ گفتگو کی، مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا بات تھی، اُس بات سے آپؐ غصہ ہوگئے۔ آپؐ نے اُنھیں بُرا بھلا فرمایا، جب وہ چلے گئے تو میں نے عرض کی کہ لوگ تو آپؐ سے بھلائی حاصل کرتے ہیں، اُنھوں نے کچھ بھلائی حاصل نہیں کی۔ آپؐ نے فرمایا تمھیں کیا، حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کی آپؐ نے انھیں بُرا بھلا فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا عائشہ تمھیں معلوم نہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے شرط کرلی ہے، الٰہی میں آخر بندہ بشر ہی ہوں، میں کسی مسلمان کو لعن طعن کروں تو اسے اسکے حق میں پاکیزگی اور اجر و ثواب کا ذریعہ بنا۔

۲ عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم اللهم انما انا بشر فايما رجل من المسلمين سببته اولعنته اوجلدته فاجعلها زكوة ورحمة۔

۲ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الٰہی آخر میں بندہ بشر ہوں، میں کسی بھی مسلمان شخص کو کچھ بُرا بھلا کہوں یا کسی کے دُرّے ماروں اُس کیلئے اُسے ترقی درجات اور رحمت کا سبب بنا۔

+ + + +

۳ عن ابی هريرة ان النبی صلی الله عليه وسلم قال اللهم انی اتخذ عندك عهدا لن تخلفنيه فانما انا بشر فای المؤمنين آذيته شتمته لعنته جلدته فاجعلها له صلوٰة زكوٰة وقربة تقربه بها اليك يوم القيامة۔

۳ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی! میں تجھ سے عہد بیان کرتا ہوں اور تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کریگا۔ آخر میں بندہ بشر ہوں میں جس مسلمان کو کچھ ایذا دوں یا بُرا بھلا کہوں یا کسی کے کوڑے ماروں وہ اس کیلئے پاکیزگی و رحمت کا ذریعہ بنا اور قیامت کیدن اُسے اپنا قرب عطا فرما۔

۴ عن سالم مولی النصريين قال سمعت اباهريرة يقول سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول اللهم انما محمد بشر يغضب كما يغضب البشر وانی قد اتخذت عندك عهدا لم تخلفنيه فايما مؤمن آذيته اوسببته اوجلدته فاجعلها له كفارة وقربة تقربه بها يوم القيامة۔

۴ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا۔ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں الٰہی! آخر محمد بشر اور آدمی ہی ہے، وہ غصہ ہوتا ہے، جس طرح اور آدمی غصے ہوتے ہیں اور میں نے تجھ سے عہد کرلیا ہے اور تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔ میں جس مسلمان کو بھی کچھ ایذا دوں یا بُرا بھلا کہوں یا کسی کے کوڑے ماروں تو اُسے اُس کے گناہوں کا کفارہ قرار دے۔ اور قیامت کے دن اُسے اپنا مقرب بنا۔

+ + + +

۵ قال ابن جريج اخبرنی ابو الزبير انه سمع جابر بن عبد الله رضؓ يقول سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول انما انا بشر وانی اشترطت علی ربی ای عبد من المسلمين سببته او شتمته ان يكون ذلك له زكوٰة واجراً۔

۵ حضرت جابر بن عبد اللہؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے میں نے سُنا ہے۔ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں۔ آخر میں بندہ بشر ہوں میں نے اپنے رب سے شرط کرلی ہے کہ میں جس مسلمان بندہ کو کچھ بُرا بھلا کہوں وہ اس کیلئے ترقی درجات اور اجر و ثواب کا ذریعہ بنا۔

۶ (طويل حديث) انس قال يا ام سليم اما تعلمين ان شرطی علی ربی انی اشترطت علی ربی قلت انما انا بشر

۶ حضرت انس کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری والدہ ام سلیمؓ سے ارشاد فرمایا۔ ام سلیم! کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ میں نے

ارضی کما یرضی البشر واغضب کما یغضب البشر۔
(صحیح مسلم ج ۲ باب من لعنہ النبی صلعم ص ۳۲۳)

اپنے رب سے شرط کرلی ہے، میں نے خدا سے درخواست کی ہے، آخر میں بندہ بشر ہی ہوں میں خوش اور ناخوش ہوتا ہوں جس طرح اور آدمی خوش اور ناخوش ہوتے ہیں۔

\+ + + +

\+ + + +

عـ۷ عن ام سلمہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما انا بشر وانکم تختصمون الیّ ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی علی نحو ما اسمع فمن قضیت بحق اخیہ شیئاً فلا یاخذہ فانما اقطع لہ قطعۃ من النار

عـ۷ حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آخر میں بندہ بشر ہی ہوں، تم لوگ میرے پاس جھگڑے لاتے ہو، ممکن ہے تم میں کوئی چرب زبان ہو، میں جیسا سنتا ہوں ویسا فیصلہ کردیتا ہوں۔ میں کسی کا حق دوسرے کو دیدوں، اُسے چاہیئے کہ اس حق کو نہ لے، چونکہ میں اسکے لئے جہنم کا ٹکڑا قطع کرچکا ہوں۔

\+ + + +

(صحیح بخاری جلد ۲ باب موعظۃ الامام للخصوم ص ۱۰۶۲،
وسنن نسائی ج ۲ کتاب آداب القضاء ص ۲۶۱۔
وسنن ابوداؤد ج ۲ کتاب القضاء ص ۵۰۲۔
وجامع ترمذی ج ۱ باب ما جاء فی التشدید علی من یقضی لہ ص ۱۶۹۔
وسنن ابن ماجہ ابواب الاحکام باب قضیۃ الحاکم ص ۱۶۸)

عـ۸ ان ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرتھا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سمع خصومۃ بباب حجرتہ فخرج الیھم فقال انما انا بشر وانہ یاتینی الخصم ولعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انہ صادق فاقضی لہ بذلک فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ من النار فلیاخذھا او لیترکھا
(صحیح بخاری ج ۲ باب من قضی لہ بحق اخیہ فلا یاخذہ ص ۱۰۶۵)

عـ۸ حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرۂ مبارک کے دروازہ پر کچھ جھگڑا ہوتے ہوئے سنا۔ آپ باہر تشریف فرما ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ آخر میں بھی تو بندہ بشر ہی ہوں، میرے پاس کوئی جھگڑا آتا ہے، ممکن ہے کہ تم میں کوئی چرب زبان ہو، میں اُسے سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ کردوں، وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے۔ اسے اختیار ہے کہ وہ اُسے رکھے یا چھوڑ دے

\+ + + +

\+ + + +

عـ۹ عن رافع بن خدیج قال انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوہ واذا امرتکم بشیء من رأیی فانما انا بشر (رواہ مسلم)
مشکوٰۃ باب الاعتصام ص ۱۲۸

عـ۹ حضرت رافع بن خدیجؓ کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آخر میں بندہ بشر ہی ہوں جب میں تمھیں کوئی دین کی بات بتاؤں اُس پر فوراً عمل کرو اور جب میں تمھیں کوئی اپنی رائے سے بات بتاؤں تو آخر میں بندہ بشر ہی ہوں۔

\+ + + +

اک سمجھ دار انسان ان نصوصِ قطعیہ کے ہوتے ہوئے حضرات انبیاء ورسُلؑ اور حضرت صدر الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت سے کس طرح انکار کرسکتا ہے۔ ہاں کسی کج مغز کا ذکر نہیں، خدائے قدوس سمجھنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

اگر یہ کہا جائے کہ نبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نہیں تو پھر آپؐ کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن تمام مسلمانوں پر کیوں حرام ہیں؟ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ بنفسِ نفیس حیات اور زندہ ہیں۔ اسی لئے آپؐ کی ازواج مطہرات تمام مسلمانوں پر حرام ہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ حضرات ازواج طیبات رضی اللہ تعالیٰ عنہن تمام مسلمانوں پر حرام ہیں۔ خود قرآنِ حکیم سے یہ ثابت ہے:۔

ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ (سورۂ احزاب)

اور (اے مسلمانو!) تمھیں (یہ کسی طرح بھی شایاں) نہیں کہ تم (اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے) بعد آنکی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو

اس آیت شریفہ میں خود (من بعدہ) کے الفاظ ہی آپؐ کی وفات شریف کو ثابت کر رہے ہیں اور جن سے صریح طور پر آپؐ کے زندہ ہونے کی تردید ہو رہی ہے۔

یہ اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو حضرات ازواج مطہراتؓ سے نکاح کرنیکی جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ اس بناء پر وارد نہیں ہوئی کہ آپؐ زندہ ہیں، بلکہ اس وجہ سے ممانعت کی گئی ہے کہ حضرات انبیاء ورسلؑ تمام مسلم

کے روحانی مقدس باپ تھے اور آن کی ازواج طیباتؓ تمام مسلمانوں کی روحانی مقدس مائیں۔

جس طرح حقیقی ماؤں سے نکاح حرام ہے اسی طرح حضرات انبیاءِ کرامؑ کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح حرام ہے۔

چونکہ ہمارے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہم تمام مسلمانوں کے روحانی مقدس باپ تھے اور آپ کی ازواج طیباتؓ ہماری روحانی مقدس مائیں، اس لئے وہ ہم پر حرام ہیں۔ قرآن عزیز اس کا شاہد ہے:-

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم و ازواجہ امھاتھم (سورۂ احزاب)

نبی (مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام مسلمانوں پر خود اُنکی (عزیز ترین) جانوں سے بھی زیادہ (عزت وحرمت کے) حقدار ہیں (اس لئے کہ وہ تمام مسلمانوں کے روحانی مقدس باپ ہیں) اور ان کی ازواج مطہرات تمام مسلمانوں کی روحانی مقدس مائیں ہیں۔

اس آیت میں یہ بتایا جارہا ہے کہ نبی الامی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تمام مسلمانوں سے ان کی ذات ہی سے نہیں' بلکہ ان کے تمام قبیلوں اور تمام خاندانوں سے بھی کہیں زیادہ حق ولایت' روحانی رشتہ' قرابت اور انتہائی ادب واحترام کے حقدار ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم آپؐ کو اپنی عزیز ترین جانوں' اپنے تمام قبیلوں' خاندانوں اور اپنے تمام رشتہ داروں سے بھی کہیں زیادہ عزیز اور محترم سمجھیں اور آپؐ کی عزت وناموس پر ہم بے دریغ اپنی عزیز ترین جانیں قربان کردیں اور اُسی طرح آپؐ کی ازواج مطہرات کی بھی عزت وحرمت اور اُنکی عظمت و بزرگی ہمارے دلوں میں ہونی چاہئے' جس طرح کہ خود ہماری حقیقی ماؤں کی ہوتی ہے۔

بیداری میں زیارت ہونا

اور یہ کہنا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض بزرگان دین نے بیداری کی حالت میں زیارت کی ہے' جیسا کہ علامہ ابن حجر مکیؒ اپنے فتاویٰ حدیثیہ صفحہ ۲۱۵ میں فرماتے ہیں:-

(وقال البارزی) قد سمع من جماعة من الاولیاء فی زمانہ او قبلہ انھم رأوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقظۃ حیا بعد وفاتہ۔

(علامہ بارزی کا قول ہے) کہ انھوں نے اپنے زمانہ کے بعض حضرات اولیاء کرامؒ کی جماعت سے سُنا ہے کہ انھوں نے نبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کے بعد بیداری میں دیکھا ہے۔

علامہ بارزیؒ نے جو فرمایا ہے اُس کی صحت کے لئے محدثین حضرات کے اصول روایت ودرایت کے مطابق کسی سند کی بھی ضرورت ہے' جو سرے سے ہے ہی نہیں' پھر اس بیان کا وزن ہی کیا رہا' سُنئے خود علامہ موصوف علامہ ابن حاج مالکیؒ کے حوالہ سے اسی صفحہ پر اس سے ذرا اوپر یہ بھی تو فرما چکے ہیں:-

(وفی المدخل لابن الحاج المالکیؒ) قال قد انکر بعض علماء الظاھر ذلک محتجا بان العین الفانیة لا تری العین الباقیة وھو صلی اللہ علیہ وسلم فی دار البقاء والرائی فی دار الفناء۔

علامہ ابن حاج مالکیؒ مدخل میں فرماتے ہیں کہ بعض علماء ظاہرین نے اس روایت سے انکار کیا ہے وہ اس انکار کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کوئی فانی آنکھ باقی آنکھ کو کبھی دیکھ ہی نہیں سکتی۔ حالاں کہ نبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم دار البقاء میں تشریف فرما ہیں اور دیکھنے والا ابھی دار الفناء (دنیا) میں زندہ موجود ہے۔

\+ + + +

علامہ ابن حاج کے بیان سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ دنیا میں جو ابھی زندہ موجود ہے' وہ ان فانی آنکھوں سے اُخروی حالات کیونکر دیکھ سکتا ہے' لہٰذا جب نبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم دار البقاء میں تشریف فرما ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ دنیاوی زندگی میں کوئی آپ کو دیکھ سکے اور جب دار البقاء کے الفاظ خود یہ ثابت کر رہے ہوں کہ آپؐ دنیا میں زندہ نہیں ہیں' بلکہ آپ رفیق الاعلیٰ' اعلیٰ علیین میں تشریف فرما ہیں۔

اللھم صل علیٰ محمد ان النبی الامی وآلہ وازواجہ وصحبہ وبارک وسلم

یہ چند سطور محض تحقیق حق کی غرض سے لکھی گئی ہیں ان سے کسی قسم کا مناظرہ اور مناقشہ مقصود نہیں۔

ساتھ ہی اپنے یہاں کی "کراماتی" کتابوں کو بھی سامنے رکھ لیجئے گا۔ فرق صرف زبان و بیان اور ناموں کا نظر آئے گا۔ رنگ، انداز اور تانا بانا ایک ہی ہوگا۔ وہی عجوبہ پرستی، وہی توہم کیشی، وہی مذاقِ داستان سرائی، وہی ماورائی نکتہ سنجی۔

حالانکہ اسلام ان تمام برباد کن راہوں سے بری الذمہ ہے۔ وہ ملتِ ابراہیمی کی طرف پکارتا ہے اور قرآن و سنت کو اپنا مدار ٹھیراتا ہے۔ فاعتصموا بحبل اللہ جمیعا۔

مسجد سے میخانے تک

از مُلّا ابن العرب مکی

تاریخ نوشت ۱۳ فروری ۱۹۶۶ء

خبر ہے کہ "فروری ۱۹۶۶ء میں۔ یعنی صرف ایک ماہ میں فقط ایک ریلوے لائن پر دس ہزار بلب، دو ہزار تین سو ڈائینمو اور چار ہزار گز بجلی کے تار چوری ہوئے"۔

کم ہیں۔ میں اپنے مقدس ترین کانگریسی دیش بھگتوں کی سوگند کھا کے کہتا ہوں بہت کم ہیں۔ ایمان سے کہئے یہ ساری چیزیں کسی ایک شخص نے تو چرائی نہ ہوگی کہ اس کی خوش قسمتی پر ہیں اور آپ رشک کرنے بیٹھ جائیں۔ نہ جانے کتنے اللہ کے بندوں نے تھوڑا تھوڑا حصہ پایا ہوگا اور کسی ایک کو بھی اتنی یافت نہ ہوئی ہوگی جتنی کسی شریف کانگریسی نیتا کو ایک پرمٹ یا ایک الاٹمینٹ سے ہو سکتی ہے۔ پھر بتائیے معیارِ زندگی بلند ہو تو کیسے ہو؟

اے کم ظرف اُٹھائی گیرو! چوری کا نام بدنام مت کرو کہا ہے ایک بڑے شاعر نے:۔

تو ہی ناداں چند تنکوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی تھا

میں نہایت شوق اور بے چینی سے منتظر ہوں اُس روزِ سعید کا جب تمہاری اولوالعزمیوں اور فن کاریوں کے طفیل اس طرح کی شایانِ شان خبریں سُننے میں آئیں گی کہ:۔

"فلاں ریلوے لائن سے تین انجن اور پینتالیس ڈبے چوری ہو گئے۔ فلاں اسٹیشن کا ویٹنگ روم اُڑا لیا گیا اور فلاں جنکشن کا تو پورا پلیٹ فارم ہی غائب ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"

اور یہ انا للہ ہندی میں لکھی ہوگی اور لالہ شمبھو مل کا گریجویٹ لڑکا پوچھیگا کہ پتا جی یہ کس چڑیا کا نام ہے تو پتا جی لہرا کے کہیں گے:۔

"نہیں بیٹا چڑیا نہیں، یہ تو ایک دیوتا تھے دیوتا۔ اُردو دیوی کے چرنوں میں ان کی مُکتی ہو گئی"۔

لڑکا کہے گا "مکتی ہو گئی تو ہم کیا کریں۔ لائیے دس روپے لائیے۔ پلازا میں نئی پکچر لگی ہے میں اور رجنی جا رہے ہیں"۔

پتا جی دس کا نوٹ دیتے ہوئے نعرہ لگائیں گے ——
—"رادھے شیام' رادھے شیام"۔

جنوبی ریلوے نے اعلان کیا ہے کہ اسے چوریوں کی بدولت ایک مہینے میں چالیس ہزار روپے کا نقصان ہوا۔

کوئی حرج نہیں۔ یہ نقصان تو کرائے میں ایک پیسہ فی میل بڑھا کر چٹکی بجاتے پورا ہو جائے گا۔ سچی بات یہ ہے کہ ایک دوسرے کا شکوہ شکایت سب فضول۔ اب تو ترقی کی دوڑ ہے۔ کسی نے قانون بنا کے لُوٹا، کسی نے قانون توڑ کے۔ کسی نے بالائی آمدنی کمائی کسی نے اندر اندر ہاتھ صاف کیا۔ راستے مختلف ہیں منزل سب کی ایک۔ ابھی یہ فلسفہ شاید ہر شخص کے ہضم نہیں ہوگا اور صبر کرو۔ وہ دن زیادہ دور نہیں ہے جب یہ فلسفہ کلچرل شو کے نام سے بیچ بازار میں لنگوٹی باندھ کے ناچے گا اور اس وقت بچہ بچہ پکار اُٹھے گا کہ "ہے پربھو تیری لیلا نیاری!

---

۱۴ فروری ۱۹۶۶ء:— کسی بریلوی یا شیعی پرچے میں نہیں ایک روشن فکر اور حقیقت پسند ادارے کے جریدے میں دعوتِ جہد و عمل کی تقریب میں ذیل کی رُباعی چھپی ہے:۔

کارے کہ حسینؓ اختیارے کردی
در گلشنِ مصطفےٰ بہارے کردی

از ہیچ پیمبر نہ آید ایں کار
واللہ کہ لئے حسینؓ کارے کردی

اب اگر یہ ناچیز ہاتھ جوڑ کے پوچھ بیٹھے کہ اے شمع حسینؓ کے پروانو! کیا حُبِّ حسینؓ کا حق ادا کرنے کے لئے یہ بھی کسی حکیم نے نسخے میں لکھ دیا ہے کہ پیغمبروں تک کو مُنھ چڑاؤ۔ تو آنکھیں نکال کے کہا جائے گا کہ یہ بدبخت وہابی ہے، خارجی ہے، دوزخ کا کندہ ہے۔

ٹھیک کہا کہ جو کام حسینؓ نے کیا وہ کسی پیمبر سے بھی نہ ہوسکا۔ سارے پیمبروں کا ذکر تو کوئی بڑا ہی عالم کرسکے گا۔ یہ ہیچ مداں ان سب سے بڑے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جانتا ہے کہ جن اہم اُمور میں آپ کو وحی کے ذریعہ کوئی ہدایت نہ ملی ہوتی ان کے بارے میں آپؐ اصحابؓ سے مشورہ کرتے اور اس مشورے کو اتنی اہمیت دیتے کہ بعض مرتبہ اپنی رائے اور صوابدید کو منسوخ فرما دیتے۔ متعدد واقعات اس پر شاہد عدل ہیں۔

حضرت حسینؓ نے کوفے کے اہم ترین سفر کا اقدام کرتے ہوئے اپنے وقت کے ارباب حل وعقد سے مشورہ نہیں لیا اور جن بہی خواہوں نے ازخود ہی اس اقدام کے غیرمناسب اور مضر ہونے کی وجوہ سمجھائے انھیں قطعاً نظر انداز کر دیا۔

بحث چھوڑو، مطلب صرف اتنا ہے کہ پیمبروں پر ترس کھاؤ۔ پیمبر بہت بڑی چیز ہے۔ حسینؓ کے قدِ بالا کی منظر کشی پیمبروں کو بونا اور ناٹا دکھائے بغیر بھی ہوسکتی ہے۔ یہ حرکت تو خود اسوۂ حسینی کے خلاف ہے۔ حسینؓ سُن لیں کہ تم ان کی طرف سے پیمبروں تک کو انگوٹھا دکھانے چلے ہو تو کان اکھیڑ کے گدّی میں لگا دیں۔

مانیں نہ مانیں آپ کو یہ اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

---

۱۵ فروری ۱۹۶۰ء :- ایک اخبار رقمطراز ہے :-

"سورگیہ سردار پٹیل کے سابق سکریٹری شری مینن نے اپنی ایک تازہ تقریر میں بتایا ہے کہ انھوں نے مرکز کے پانچ وزیروں کا بھرشٹاچار پکڑا، لیکن مجھے کہا گیا کہ چپ ہو رہو۔ اگر ان کانگریسی وزیروں کے خلاف کارروائی کی گئی تو کانگریس کا وقار ختم ہوجائے گا۔ شری مینن کا کہنا ہے کہ ان پانچوں وزیروں کا جُرم اتنا سنگین تھا کہ اگر ان کو عدالت میں لے جایا جاتا تو وہ برسوں جیل کی ہوا کھاتے۔"

"یہ اخبار انٹی میں لگا کے میں مولوی تحقیق الحق سے ــــ کہ پرانے کانگریسی ہیں اور بقول صوفی بُدبُد کھائے کمائے لوگوں میں ہیں ــــ ہوٹل میں ملا۔ یہ سابق پاکستانی وزیروں کو ایک سانس میں بہتّر گالیاں دیا کرتے تھے اور کئی بار مجھے اطمینان دلا چکے تھے کہ برخورداری! حبسِ دم کا ریاض کر رہا ہوں انشاء اللہ تم انشاء اللہ وہ دن دُور نہیں ہے جب ایک سانس میں اتنی گالیاں دیا کروں گا کہ تم شمار کرتے کرتے بوڑھے ہوجاؤ گے۔ میں نے گھبرا کے عرض کیا تھا کہ میں بوڑھا ہوگیا تو میری بیوی کا کیا بنے گا۔ لہرا کے بولے تھے ــــ بے فکر رہو عزیزم! جب تک بندہ زندہ ہے کسی کو بال بچوں کے فکر کی ضرورت نہیں۔ میں نے جلدی سے قطع کلام کر دیا تھا کہ حضرتا! بال بچے تو آج بھی اگر آپ نگرانی میں لے لیں تو کوئی مضائقہ نہیں مگر بیوی.....

تو خیر موصوف کے آگے میں نے اخبار کھول کے رکھ دیا اور عرض کیا :-

"آپ فرمایا کرتے ہیں کہ خرابی عوام میں ہے کانگریس میں نہیں عوام اتنے خراب ہیں کہ کانگریس انھیں جس حد تک بھی ہینڈل کر جائے غنیمت ہی ہے....."

"سینڈل" وہ غرغرائے "یہ سینڈل کے استعمال کا یہاں کونسا محل تھا"

"سینڈل نہیں ہینڈل۔ آپ تو کہتے تھے میں نے لارڈ کرزن کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ کیا ان سے مناظرہ اُردو میں ہوا تھا؟"

"م.....مناظرہ..... وہ ارے ہاں ہندی میں ہوا تھا"

"آپ بھول رہے ہیں سنسکرت میں ہوا ہوگا"۔

انھوں نے ماتھے پہ بل ڈال کے مجھے گھورا اور تڑخے۔

"خیر تم بات کہو کیا کہہ رہے تھے؟"

"بات تو کچھ بھی نہیں۔ یہ چند سطریں پڑھ لیجئے"

میں نے اخبار پہ انگلی رکھ دی۔ انھوں نے اخبار کو اٹھا کے

گھٹنے پہ رکھا پھر عینک اُتار کے اس پر منہ کے دو تین بھپکے مارے پھر بڑے اہتمام سے عربی رومال سے شیشے رگڑتے ہوئے ہوٹل والے کو آرڈر دیا

"چائے اور حلوہ بھیجو۔"

اب اخبار کو آنکھوں سے ملا کے اس طرح پڑھنے لگے جیسے کاغذ کی روح میں جھانک رہے ہوں۔ میں کلیجہ تھامے اُس نیک ساعت کا منتظر رہا جب وہ پڑھ پڑھا کے معارف کے موتی بکھیرینگے معاً جھنجلا کے کہنے لگے:۔

"بھئی یہ اخبار والے تو بہت ہی باریک لکھتے ہیں۔ کمبختوں کو عوام کی بینائی تک کا پاس نہیں۔ ذرا چائے آنے دو پھر غور سے پڑھینگے۔"

"مگر آپ تو عوام میں نہیں ہیں۔"

"نعوذ باللہ من ذلک۔ میں نے تو بچائیے عوام کے تصور سے کہا تھا۔ میں تو پڑھ ہی لوں گا۔"

دو چائے آگئیں۔ حلوے کی پلیٹوں سے اُٹھتی ہوئی گرم بھاپ نے موصوف کے چہرے کو بجائے کالا کرنے کے چمکا دیا۔ میرے چہرے کا حال اللہ جانے۔ یا پھر کوئی اور اس وقت ہوٹل میں نگاہ باز رہا ہو تو اس سے پوچھ لیجئے۔

حلوے کے دو چار بافراغت چمچے گلے میں اُترتے ہی انکی بصارت نئی تیز تو ہو گئی کہ ایک پوری سطر پڑھ ڈالی۔ پھر گرم چائے نے مزید سہارا دیا اور خدا خدا کر کے وہ بول ہی پڑے:۔

"لو صاحب پڑھ لیا۔ پھر؟"

"پھر۔۔۔" میں سٹپٹایا۔ میرا خیال تھا پڑھتے ہی ان کے چہرہ پر ہوائیاں اُڑ جائیں گی اور ہکلاتی زبان سے کچھ معذرتی الفاظ رحمت فرمائیں گے، مگر وہ تو نہایت اطمینان سے پوچھ رہے ہیں۔۔ ۔پھر؟۔۔

"اجی جناب پھر وہ کیا۔ یہ پانچ وزیروں کا بھرشٹا چار۔۔۔"

وہ اکدم ہنس پڑے۔

"برخوردار! معلوم ہوتا ہے اسی لفظ سے تم دھوکے میں آئے۔ ذرا بتاؤ تو کیا مطلب ہوتا ہے اس کا؟"

میں سناٹے میں آگیا۔ اگر شریفوں کی طرح مطلب بیان کرنے لگوں تو مجھ میں اور پرائمری کے لونڈے میں کیا فرق رہے گا۔ نہ کروں تو بات ختم۔ واہ رے تحقیق الحق تم تو میرے بھی چچا نکلے۔ "بھتیجا عرض کرتا ہے کہ اس لفظ کا مطلب میری سات پشتیں بھی نہ بتا سکیں گی۔۔ مگر آگے تو "جرم" اور "سنگین" کے الفاظ موجود ہیں۔ کیا ان کا بھی مطلب پوچھیں گے؟"

وہ پھر ہنسے:۔

"نہیں برخوردار جرم اور سنگین تو اپنی جگہ ٹھیک ہیں مگر بھرشٹا چار کا باریک مطلب سمجھو تب بات گدّی میں سمائے گی۔"

میرے خدا۔ یہ ظالم مولوی تو الٹی داؤ پیچ میں مجھ سے بھی دو فرلانگ آگے گیا۔ اب یہ کہوں کہ آپ مطلب بتلائیے تو ایسا ہی محسوس ہوگا جیسے میں تو بے دال کا بودم ہوں۔۔ اور حضرت موصوف پرلے سرے کے لیڈر۔ گویا جس پوزیشن میں فدوی عموماً دوسروں کو رکھنا پسند کرتا تھا اسی میں آج خود آپھنسا ہے۔ یا بو قلندر مدد۔

میرا نعرہ زور ہی سے نکلا۔ موصوف بھنا گئے۔

"شروع کر دی خرافات۔۔۔"

"پھر کیا کروں۔ پیر رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی مدد کے بغیر بھرشٹا چار کا مطلب کیسے بتا سکوں گا۔"

"میں جو بتا رہا ہوں" وہ بولے "بھرشٹا چار کہتے ہیں جنتا کی ترقی اور بہبود کے لئے کوئی پوشیدہ یوجنا بنانے کو۔۔"

"ماشاء اللہ۔۔۔ تو یہ سنگین جرم کیا چیز ہوئی؟"

"جرم تو اس لئے قرار دیا گیا ناکہ جب ایک شخص حکومت کا وزیر ہے تو وہ بلا حکومت کی اجازت کے در پردہ یوجنا کیوں بنائے مگر تم خود سوچو برخوردار! ہر وہ چیز جو قانون میں جرم ہو انسانیت اور مذہب کے لحاظ سے تو جرم نہیں ہوتی۔"

میرے مولا۔۔۔ یہ دن بھی دیکھنا میرے نصیب میں لکھا تھا کہ علامہ تحقیق الحق مجھے ایک گدھے کی طرح علم دریاؤ پڑھائیں اور میں ٹکر ٹکر ان کا منہ تکوں۔ کاش زمین پھٹ جاتی اور میں اسمیں سما جاتا مگر یقین کیجئے اگر سچ مچ بھی زمین پھٹتی اور میں اس میں سمانے لگتا تو یہ ظالم مولوی میری ٹانگیں پکڑ کے کھینچ لیتا اور جب تک بھرشٹا چار کا مطلب پوری طرح میرے حلق سے نہ اُتار دیتا زمین کو نگلنے کا موقع نہ دیتا۔

"اے قطب الاقطاب" میں نے ہاتھ جوڑ کے کہا "کیا حضور اس ناچیز کو مرید کر لیں گے؟"

"ضرور کرلیں گے" انھوں نے فراخ دلی سے فرمایا" یہ چائے اور حلوہ جو ابھی اُڑا ہے اس کے پیسے تم دیدو مُریدی پکّی۔"

اور لو۔ اپن کلی دیگر شگفت۔ مجھے تبسّم آگیا۔ وہ تبسّم جسکے بارے میں افلاطون نے کہا ہے:۔

کتنی پامال امنگوں کا ہے مدفن مت پوچھ
وہ تبسّم جو حقیقت میں فغاں ہوتا ہے

موصوف نے دفعتًا آنکھ ماری۔ پھر آگے کو جُھک کے دبی آواز میں کہنے لگے:۔

"برخورداری سلّمہٗ! سال بھر شاگردی کرو تب پتا چلیگا کہ پٹے کے داؤ کیسے کہتے ہیں — تمھاری ملائیت بس ہنسا سکتی ہے کما نہیں سکتی۔ میں ہنساتا کم ہوں کماتا زیادہ۔ ملاؤ ہاتھ سے ہاتھ!"

ارے نا۔ انھوں نے سچ مچ میرا پنجہ اپنے پنجے میں لے کر گرمجوشی سے بھینچا ادھر تارے نظر نہ آسکے ہوں تو چھٹی کا دودھ تو یاد آہی گیا۔ واقعی کھائے کمائے ہاتھ ایسے ہوتے ہیں۔ ظالم نے انگلیوں کو کڑکڑا کے رکھدیا۔ پھر کاندھے پہ ہاتھ رکھ کے لنگوٹیا انداز میں کہنے لگے:۔

"ابے بھُٹّو! جینا سیکھو جینا۔ جانتے ہو یہ کیڑا کیا بھاؤ ہے؟" انھوں نے اپنی شیروانی کا دامن چٹکی سے پکڑا "اٹھائیس روپے گز۔" پھر انھوں نے میرے لباس پر حقارت سے نظر ڈالتے ہوئے فرمایا "یہ چیتھڑے لٹکائے پھرتے ہو' عبرت پکڑو۔"

میری طبیعت اس اُونٹ کی طرح صاف ہو گئی جو پہلی بار پہاڑ کے نیچے سے گذر رہا ہو۔ ان کی باتوں میں بڑا تیکھا پن تھا اور حماقت کی وہ آندھی جو عمومًا ان کے چہرے پر چلا کرتی تھی نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔

"مان گئے استاد" میں بے اختیار بول پڑا۔ "سیر کو سوا سیر سُنتے آئے تھے مگر سیر کو من بھر آج ہی دیکھا۔"

"مگول رہو — یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ مولوی تحقیق الحق تم سے بے تکلف ہوا ہے۔ مل کے کام کروگے؟"

"باپ رے... یعنی کام؟"

"اُڑو مت... سیٹھ ایک پاؤ حلوہ اور بھجواؤ۔" انھوں نے تھلے پر بیٹھے ہوئے مالک ہوٹل کو بڑے تحکمانہ انداز میں آرڈر دیا۔

یہ ہوٹل ایسا ہی تھا کہ مالک' منیجر اور ویٹر کی ساری شخصیتیں بس ایک ہی شخص میں مُدغم ہو کے رہ گئی تھیں۔ ایک نوعمر لڑکا بیرے کی حیثیت سے موجود بھی تھا مگر وہ اس وقت شاید ڈھولو قصائی کی چائے اس کی دُکان ہی پہ پہنچانے گیا تھا۔

"تم مجھے ایک احمق آدمی جانتے ہو ملا" تحقیق الحق نے بدستور سرگوشی کے انداز میں کہا "جاننا ہی چاہئے۔ میں نے لارڈ کرزن سے ہندی میں مناظرہ کیا ہے۔ میں برشٹا چار کے معنی پرائیوٹ پوجنا بتاتا ہوں۔ مجھے ہر کانگریسی بزرگ کے صوفی صافی ہونے کا دعویٰ ہے' میں نے گنگرو ندے شاہ ملنگ سے بیعت بھی کر رکھی ہے — ان میں سے ہر بات مجھے باؤلا ثابت کرنے کے لئے بالکل کافی ہے مگر گھر آؤ میں تمھیں دکھاؤں گا اصلی سونے کا کیا رنگ ہوتا ہے' سو سو کے نوٹوں کی گڈی کتنی آکسیجن خارج کرتی ہے' مٹی کو اکسیر میں کیسے بدلا جاتا ہے۔ افسوس تم جیسا کوئی ساتھی مجھے نہ مل سکا ورنہ محل کھڑے کر دیتا مُلّا!"

ان کے چہرے پر موسلا دھار نور برس رہا تھا۔ مجھ پر کچھ ایسی بے خودی طاری تھی کہ پردادے کے بھی پردادا کا نام یاد آئے چلا جا رہا تھا۔ سچ کہتا ہوں کسی کوہِ قاف کی پری تک کے آگے میں کبھی اتنا نروس نہیں ہوا تھا جتنا اِس مادر زاد کانگریسی مولوی کے آگے ہو رہا تھا۔

"آنکھیں پھاڑے کیا دیکھ رہے ہو" وہ پھر بولے "ہمت ہو تو باندھو بستر بمبئی چل رہے ہیں۔"

"میں حواس درست کر لوں.... میرے دل و دماغ کا فیوز اُڑ گیا ہے۔"

"پرواہ مت کرو میرے دل و دماغ جب تک چاہے استعمال کر سکتے ہو۔ دو مہینے کا ٹور ہے۔ بمبئی سے کیرالہ چلیں گے...."

کیرالہ کا نام آتے ہی میری زبان سے نکلا "مسلم لیگ زندہ باد۔"

وہ میری پیٹھ تھپکتے ہوئے بولے "شاباش جاگ چلے ہو!"

— مجھے ایسا لگا جیسے مجھ سے بڑا احمق دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ حد ہو گئی یہ شخص مجھے بچوں کی طرح بہلا رہا ہے۔ سوال کیا:۔

"بمبئی اپنے خرچ پہ لے چلوگے؟"

"سو فیصدی — بولو ٹرین سے چلوگے یا بائی ایر—؟

مجھے پھر دھکا لگا۔

"یعنی ہوائی جہاز سے لے چلیں گے؟"

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے ہوائی جہاز شتر مرغ کے انڈے کو کہتے ہوں ـــــ پیارے دلی سے بمبئی چھ مرتبہ ہوائی جہاز میں جا چکا ہوں۔"

"باپ رے۔ کیا آپ میں سیٹھ چھیدا مل کی روح حلول کر گئی ہے۔"

"تناسخ کا میں قائل نہیں" وہ برجستہ بولے "مگر ضرورت ہو تو اس کے بھی حق میں ایک سو چھ دلیلیں تیار رکھتا ہوں۔"

"الحمد للہ ـــ میں ہارا میرے فرشتے ہارے۔ فرمائیے کیا بمبئی میں مجھ سے بھاڑ جھنکوائیں گے؟"

"بھاڑ صرف دلّی میں جھونکا جاتا ہے۔ تمھیں دنیا دکھاؤنگا زندگی دکھاؤں گا۔ وہ رنگ وطلعت اور حسن و شباب کی زرق برق کائنات دکھاؤں گا جس کا تصور بھی تمہاری دسترس سے باہر ہے۔"

"واللہ آپ تو ادیب بھی ہیں ـــ ذرا ایک آدھ جملہ ایسا ہی اور کہئے گا۔"

"فُل اسٹاپ۔ اب چار بجے ہیں۔ ساڑھے سات والی سے دہلی روانہ ہو جانا ہے۔ ساتھ چلنا ہو تو بوریا بستر باندھکر اسٹیشن پہ آملنا۔"

وہ اٹھے اور ہوٹل والے کو پیسے دینے لگے۔ میں نے دیکھا دفعتاً ان کے چہرے پر حماقت کی علامتیں پھر ہمیشہ کی طرح ابھر آئی تھیں۔

"ہاں بھئی کتنے دام ہوئے؟" انھوں نے ہوٹل والے سے پوچھا۔

"جی۔۔۔ پونے دو روپے۔" ہوٹل والے نے جواب دیا۔

"پونے دو یعنی دو روپے چار آنے؟"

"نہیں صاحب چار آنے کم دو۔"

"اچھا لو یہ ایک روپیہ ہے۔ باقی بہتّے پیسے ہیں ان کمبختوں کا حساب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"چھتّر پیسے دیدیجئے۔"

"چھتر" انھوں نے اُلّوؤں کی طرح آنکھیں پھڑپھڑائیں، "یعنی اکہتر سے بھی زیادہ؟"

ہوٹل والا شاید ہنس پڑتا مگر ایسے کھرے گاہک کا لحاظ اسے ضبط پر مجبور کر گیا۔

"خیر بھائی یہ دوسرا روپیہ لو جو حساب سے بنتا ہو رکھ لو باقی ہمیں دیدو۔"

جاتے ہوئے جہانتک بھی وہ مجھے نظر آئے برابر دیکھتا رہا عقل حیران تھی کہ اس شخص کا مرید ہوں یا گلا گھونٹ دوں۔ ایمان کی بات میں آج تک اپنے آپ کو تیس مار خاں سمجھا کرتا تھا مگر آج تو اس عجوبۂ روزگار شخص نے مجھے مار خاں بنا کے چھوڑ دیا تھا۔ کیا ایکٹنگ تھا۔ کیا چبھتی ہوئی باتیں تھیں۔ کیا لطیف اشارے تھے تو کیا مجھے اسٹیشن پہنچ جانا چاہئے؟ کیا یہ ہوائی جہاز کا سفر نعمتِ غیر مترقبہ نہیں ہے؟ کیا۔۔۔۔

مگر خیالات کی یہ آندھی ابھی دندنا ہی رہی تھی کہ فرقان گھبرایا ہوا ہوٹل میں داخل ہوا۔ یہ خیر سے اپنے یہاں نوکر تھا۔ عمر بارہ سال۔ چھوٹتے ہی کہنے لگا:۔

"بڑی منّی کوٹھے پہ سے گر گئی ہے آپ کو گھر بلایا ہے۔"

دوڑا دوڑا گھر پہنچا تو ایک رونا پیٹنا مچ رہا تھا۔ منّی بیہوش پڑی تھی اور پھٹے ہوئے سر سے خون کی نالیاں بہہ رہی تھیں۔ ظاہر ہے اس کے بعد جس بھاگ دوڑ سے مجھے واسطہ پڑا ہوگا اس کی خشک تفصیلات سے آپ کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ بس حاصل وصول یہ کہ شام کے سات بجے اسٹیشن پہنچنے نہ پہنچنے کے قضیے کو خود قدرت ہی نے اس طرح طے کر دیا تھا کہ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم۔ جس وقت دیوار گھڑی نے سات کے گھنٹے بجائے ہیں نہ پوچھئے دل پر کیسا گھن بجا مگر۔۔۔

(ملاؔ زندہ صحبت باقی)

روزہ

(از محمد سلیمان فرخ آبادی)

فرشتہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔ ھو جسم نورانی یتشکل باشکال مختلفۃ وہ ایک جسم (مخلوق) ہے نور سے پیدا کیا گیا ہے مختلف شکلیں اختیار کرسکتا ہے۔ "جن" کی تعریف یوں کیجاتی ہے۔ ھو جسم ناری یتشکل باشکال مختلفۃ وہ ایک جسم ہے جو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور مختلف شکلیں اختیار کرسکتا ہے۔ لہذا انسان کی تعریف یوں ہونا چاہئے تھی کہ ھو جسم ارضی لا یتشکل باشکال مختلفۃ مستقیم القامۃ وہ ایک مخلوق ہے جسے اجزاء ارضی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو سیدھے قد کا ہے اور اپنی شکل بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ لیکن انسان کی تعریف آج تک انسان سے ہو نہ سکی مختلف لوگوں نے مختلف الفاظ سے انسان کی تعبیر کی ہے۔ مثلاً کسی نے کہا

والذی حارت البریۃ فیہ
حیوان مستحدث من جماد

تمام مخلوق جس کے سلسلہ میں حیران اور سرگشتہ ہے وہ جماد (بے جان مادہ) سے پیدا شدہ ایک حیوان ہے اور بس۔ یا مثلاً کسی نے اسے حیوان ناطق شعور وفہم اور ادراک رکھنے والا ذی روح قرار دیا لیکن حقیقت میں انسان ایک ایسی مخلوق ہے۔ جسے مادیت اور روحانیت کا مرکب، حیوانیت اور ملکوتیت کا مجموعہ کہنا چاہئے چنانچہ دونوں قسم کے داعیے بھی وہ رکھتا ہے۔ غذا کی ضرورت اور جنسی خواہش اس کی مادیت اور حیوانیت کی آئینہ دار ہیں۔ اس کے اندر بلند اور اعلیٰ صفات کا وجود اس کی ملکوتیت کی غمازی کر رہا ہے۔ لیکن انسان کی انسانیت اور اس کی فلاح وبہبود کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ اپنی حیوانیت کو ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھنے دے۔ ورملکوتیت اور روحانیت کی بالیدگی کے ذریعہ بہترین انسانی صفات وزیادہ سے زیادہ پروان چڑھائے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا وہی کامیاب رہا ورجس نے اسے آلودہ کیا وہ خائب وخاسر رہا۔

روزہ

انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس عبادت کیلئے جو پوری زندگی پر حاوی ہے اور جس کے دائرے میں تمام کاروبار حیات آجاتا ہے، مسلمان اس فریضہ کو ایک وفادار غلام اور تابعدار سپاہی کی حیثیت سے بحسن وخوبی انجام دیتا ہے۔ اس وفاداری اور تابعداری کے فرائض انجام دینے کے لئے اسے جو قوت چاہیئے اسے وہ روزہ فراہم کرتا ہے۔

الگ الگ انفرادی طور پر زندگی گذارنا اور بکھرے ہوئے ذروں کی طرح پڑے رہنا حماقت ہے نادانی ہے انسانیت کی توہین ہے لہذا مسلمان محض انفرادی طور پر زندگی گذارنے کو خودکشی کے مرادف قرار دیتا ہے وہ جانتا ہے کہ ایک بنیان مرصوص بنے بغیر اس بھاری مہم کو سر نہیں کیا جاسکتا جو امت مسلمہ پر ڈالی گئی ہے۔ اعلاء کلمۃ اللہ اقامت دین۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی مہم سر کرنے کے لئے یا بہ الفاظ دیگر تخلیق انسانی کا مقصد وحید "عبادت الٰہی" کو اپنانے کے لئے جن انفرادی واجتماعی اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے ان کو پروان چڑھانے میں روزہ اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس دنیا میں ہر کام کے لئے اور خصوصاً اجتماعی کاموں کے لئے دو طرح کے ذرائع ووسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ذرائع وسائل یا اسلحہ جن سے "اقدام" میں مدد لیجاتی ہے دوسرے وہ ذرائع وسائل اور اسلحہ جن سے مدافعت کی جاتی ہے امت مسلمہ کا ہر فرد خدائی فوج دار ہوتا ہے اسے اقدام کے لئے بھی مادی اور اخلاقی وروحانی دونوں قسم کے اسلحہ کی ضرورت ہے اور مدافعت کے لئے بھی، اسلام نے اقدام کے لئے بھی توحید کی شکل میں ایک ایسی تلوار فراہم کی ہے کہ جس کی کاٹ کے آگے الحاد، زندقہ، کفر، شرک، مادہ پرستی اور مادہ پرستی پر مبنی جملہ تحریکات اور نظریئے ٹھہر نہیں سکتے۔ اسی طرح شیاطین الانس وجن کے مقابلہ میں مدافعت کے لئے بھی اسلام نے بہترین فکری اور اخلاقی وروحانی اسلحہ فراہم کیا ہے اس ذخیرہ میں روزہ کا ایک خاص مقام

ہے یایوں کہیئے روزہ اپنی آپ مثال ہے حضور صلعم نے فرمایا ہے، الصیام جُنّۃ روزے ڈھال ہیں (حجۃ اللہ)

جب روزہ کی یہ اہمیت ہے تو اس کے آداب کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

(۱) رمضان کے لئے پہلے ہی سے تیاری اور اہتمام کرنا چاہیئے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب ماہ رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھولدیئے جاتے ہیں۔ (یعنی رحمت باری تعالےٰ کا نزول ہونے لگتا ہے) اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھولدیئے جاتے ہیں (یعنی بندوں کو بھلائیوں اور نیکیوں کی توفیق ہوتی ہے جو حصول جنت کا ذریعہ ہیں) اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں (یعنی بندوں کو خواہشات نفسانی پر کنٹرول کی توفیق ہوتی ہے، اور وہ شہوات پر قابو پاکر معاصی (جو جہنم میں لیجانے کا باعث ہوا کرتے ہیں) کے ارتکاب سے محفوظ رہتے ہیں) اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں (یعنی اہل ایمان پر رحمت خداوندی کا خصوصی نزول اور مومنوں کو بھلائیوں کی توفیق اور پھر ان کا اپنی خواہشات پر کنٹرول کرلینا اور شہوات پر قابویافتہ ہوجانا یہ تینوں چیزیں ملکر شیاطین کا ناطقہ بند کردیتی ہیں اور وہ بالکل اس طرح بے بس ہوجاتے ہیں جس طرح کہ کسی کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہو (متفق علیہ)

یہ حدیث ہم سے مطالبہ کررہی ہے کہ ہم پہلے ہی سے رمضان کی تیاری اور اس کا اہتمام کریں تاکہ رحمت باری تعالےٰ کا جب نزول ہو تو ہم بھی اس کے مستحق ٹھہریں، اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ اگر ہم اہل ایمان ہیں اور ہمارا ایمان محض خانہ پُری کا ایمان نہیں ہے تب ہی ہم اس خصوصی رحمت خداوندی کے مستحق ہوں گے جو ماہ رمضان کے آنے پر نازل ہوتی ہے اگر ہم نے پہلے ہی سے عزم نہیں کیا ہے پہلے ہی سے ہمارا قصد نہیں ہے کہ ہم روزے رکھیں گے اور ماہ صیام سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے اور اگر پہلے ہی سے ہم نے اپنے کو بہتر تقویٰ کا خوگر نہیں بنالیا ہے تو مزید نیکیوں اور بھلائیوں کی توفیق بھی ہمیں نہ ہوگی اگر ہم پہلے ہی سے ارتکاب معاصی سے پرہیز کا اہتمام نہ کریں گے خواہشات پر کنٹرول کا خیال اور دھیان پہلے ہی سے نہ رکھیں گے تو رمضان کے آنے پر بھی گناہوں سے محفوظ رہنے کی توفیق ہمیں کم ہی ہوگی کہ ایکا ایکی بریک لگانا اور خواہشات پر قابو پالینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ جناب نبی کریم صلعم کا عمل بھی اس پر شاہد ہے آپؐ رمضان کے علاوہ سب سے زیادہ روزے شعبان ہی میں رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے شعبان میں کثرت سے روزے رکھنے کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب اہتمام رمضان بھی ہے، لیکن چونکہ اسلام ہر معاملہ میں اعتدال کو مدنظر رکھتا ہے لہٰذا حضور صلعم نے نصف شعبان کے بعد یا رمضان سے ایک دو روز پہلے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (حجۃ اللہ)

(۲) "جیسی نیت ویسے ہی فرشتے" یہ مثل ہمارے عرف میں یونہی مشہور نہیں ہوگئی ہے بلکہ اس کی ٹھوس بنیادیں اور ایک پائیدار حقیقت ہے جس کی عقل اور نقل دونوں سے تائید ہوتی ہے۔ حضور صلعم کی مشہور حدیث ہے انما الاعمال بالنیات۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ کسی عمل کی مقبولیت کے لئے اگرچہ صحت عقیدہ اور عمل کی ظاہری شکل وصورت کا مطابق شریعت ہونا بھی ضروری ہے مگر نیت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لہٰذا روزہ بھی بغیر نیت کے درست اور کارگر نہ ہوگا، آپ خود غور فرمائیں کہ روزہ اور فاقہ میں نیت اور ارادہ کے علاوہ اور کیا فرق ہے؟

(۳) یوں تو ایک مومن کی پوری زندگی اور زندگی کا ہر لمحہ ایمان کے تقاضوں سے پُر اور فکر احتساب سے لبریز ہوتا ہے۔ ایمان کا شعور اور اس کے تقاضوں کا احساس اسے عملی مومن بناتا ہے اور ایمان کے اس شعور اور تقاضہ ہائے ایمان کے اس احساس کو غذا جس چیز سے ملتی ہے وہ احتساب ہے مومن ہر حرکت وسکون سے پہلے سوچ لیتا ہے کہ یہ حرکت اور سکون اس کے ایمان کے منافی تو نہیں ہے وہ اقدام کرتا ہی اس وقت ہے جبکہ ایمان سے اجازت لے لیتا ہے لیکن عبادات میں اور خصوصاً نماز اور روزہ کی حالت میں تو وہ ایمان کے شعور اور تقاضہ ہائے ایمان کے احساس میں ڈوب جاتا ہے اور مجسم احتساب بنجاتا ہے۔

بدقسمتی کا مارا ہوا ہے وہ انسان جو صبح سے شام تک بھوکا پیاسا تو رہے لیکن ایمان اور احتساب کی فکر نہ کرے۔ روزہ ہی نہیں روزہ کے ہر جزمیں ایمان اور احتساب کی اسے فکر رکھنا چاہیئے روزہ کے دوران جو کچھ بھی وہ کرے اسمیں ایمان

اور احتساب کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس نے ایمان اور احتساب کے ساتھ روزہ رکھا اس کے تمام گزشتہ گناہ بخش دیئے گئے اور جس نے تراویح کی نماز (قیام رمضان) ایمان اور احتساب کے ساتھ ادا کی اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے گئے اور جس نے شب قدر ایمان اور احتساب کے ساتھ عبادت میں گزاری اس کے تمام گزشتہ گناہ بخش دیئے گئے۔ (متفق علیہ)

(۴) زندگی اور اس کے تمام اوقات میں لایعنی کاموں بیہودہ باتوں اور بے فائدہ مشغلوں سے پرہیز کرنا مومن کے اپنے ایمان کا تقاضہ ہے اور روزہ کی حالت میں تو اس کا اہتمام خصوصیت سے کرنا چاہیئے از خود ہی بچنے اور محفوظ رہنے کی فکر نہ کرے بلکہ اگر دوسرا اسے بیہودہ بکواس یا شرافت و انسانیت کو بٹہ لگانے والے مشاغل میں الجھانا پھنسانا بھی چاہے تب بھی اپنے دامن شرافت کو آلودگی سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنا دامن جھٹک کر الگ ہوجانا چاہیئے چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک روایت میں ہے جبکہ تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو نہ شہوت آمیز کلام منہ سے نکالے اور نہ بکواس کرے پس اگر اس سے کوئی گالی گلوج کرے یا جھگڑے اور مخاصمت کرے تو یہ کہہ کر "بھائی میرا تو روزہ ہے" الگ ہوجائے اور اس طرح اپنا دامن بچالے (متفق علیہ)

(۵) مسلمان اپنی پوری زندگی خیر اور بھلائی کی طلب میں گذارتا ہے اور یہ طلب محض خواہش ہی کی حد تک نہیں ہوتی بلکہ عملاً خیر کی جستجو میں وہ سرگرداں رہتا ہے۔ اور شر سے وہ اس طرح بچتا اور بھاگتا ہے جس طرح آگ کے شعلوں سے گریز کیا جاتا ہے مگر ماہ رمضان اور ایام صیام میں تو وہ مجسم خیر طلب بن جاتا ہے اس کا لمحہ لمحہ اجر و ثواب کی طلب میں گذرتا ہے گناہ اور معاصی کے تصور سے بھی وہ کپکپا اٹھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جناب نبی کریم صلعم نے اس بات کی خبر دی ہے کہ رمضان کی ہر رات میں ہاتف غیبی ندا دیتا ہے اے طالب خیر متوجہ ہو (چنانچہ مومن اپنے رب کی طرف بہمہ وجوہ متوجہ ہوجاتا ہے) اے طالب شر! بس کر، رک جا، باز رہ، (چنانچہ مومن گناہوں اور معاصی کی طرف سے اور زیادہ ہوشیار ہوجاتا ہے، ہر لمحہ احتساب کرتا ہے اور ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھاتا ہے۔ (ترمذی)

(۶) مومن ایسا زیرک، ہوشیار اور صاحب فراست ہو کہ اپنی زندگی کے لمحات کو ہرگز ضائع نہیں ہونے دیتا وہ ایک ایک منٹ اور ایک ایک سکنڈ کو محفوظ رکھتا اور نفع بخش چیزوں میں صرف کرتا ہے وہ کسی بھی غنیمت موقعے اور کسی بھی اچھے چانس کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ رمضان مبارک کے ایام سال میں صرف ایک بار آتے ہیں اور گنتی کے ان تیس دنوں میں بھی شب قدر صرف ایک ہوتی ہے وہ اس موقعہ کو غنیمت شمار کرتا ہے اور رمضان مبارک کے شب و روز، صبح و شام اور خصوصاً شب قدر، سب سے خوب استفادہ کرتا ہے۔ نماز، روزہ، قیام لیل، تلاوت کلام پاک اور صدقات و خیرات غرض مختلف طریقوں سے ہر ممکن فائدہ اٹھانے کی پیہم دل و جان سے خلوص و للہیت کے ساتھ کوشش کرتا ہے کیونکہ حضور صلعم کا یہ فرمان اس کے پیش نظر ہوتا ہے کہ اللہ کے لئے ایک رات ہے، جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس رات کی خیر سے جو محروم رہا پس یقیناً وہ محروم رہا (احمد)

(۷) مومن کی زندگی چونکہ بامقصد اور شعوری زندگی ہوتی ہے لہذا زندگی میں وہ جو کام بھی کرتا ہے اس کا مقصد پہلے سے معلوم اور متعین کرلیتا ہے۔ وہ بے سمجھے بوجھے یونہی کوئی کام نہیں کرنے لگتا، بلکہ کسی کام کا بھی آغاز کرنے سے پہلے اس کی غرض وغایت پر نظر رکھتا ہے اور ٹھوک بجا کر دیکھ لیتا ہے کہ یہ کام کرنے کا ہے یا نہیں؟ اپنے وقت، صلاحیتیں اور ذرائع وسائل کو وہ یونہی کھپانا شروع نہیں کردیتا، بلکہ پہلے اطمینان کرلیتا ہے کہ اس کام سے کن فوائد یا بہتر نتائج کی توقع ہے جب اس کو اچھا اور اطمینان بخش نتیجہ نکلتا ہوا نظر آتا ہے تب ہی وہ کسی کام میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ چنانچہ وہ روزہ بھی یونہی رکھنا شروع نہیں کردیتا ہے بلکہ شعور ایمان کے تقاضے کے پیش نظر اس کے مقاصد، اغراض فوائد اور زندگی پر مرتب ہونے والے اثرات پر پہلے سے نگاہ رکھتا ہے۔

(۸) ہر طاغوت اور ہر بندۂ طاغوت مومن کا دشمن اور حریف ہے اور مومن کی اس سے ازلی و ابدی کشمکش ہے جس میں صبر اور ضبط نفس کی سخت ضرورت ہے یہ صبر اور ضبط نفس کی صفات روزہ کے ذریعہ بدرجہ اتم پیدا ہوتی اور جلا پاتی ہیں۔ باطل کے حریف

سے اگر میدان حیات یعنی معاشرت، معیشت اور سیاست وجہانبانی کے میدانوں میں بھی طاغوت مومن کے حریف ہوں تو ان سے بھی میدان لینا ممکن ہو سکے گا۔

(۹) مومن اکیلا نہیں رہتا بلکہ وہ مومنوں کی ایک ٹیم دنیا سے نرالی ٹیم بنتا اور بناتا ہے اس ٹیم کے سارے ساتھیوں میں ایک دوسرے کی غم خواری اور ہمدردی جسقدر زیادہ ہوگی اسی قدر وہ اپنے نصب العین "اعلاء کلمۃ اللہ" کے حصول میں جلد کامیاب ہوں گے۔ یہ غم خواری اور ہمدردی کے جذبات وصفات روزہ کے ذریعہ بحسن وخوبی پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے جناب نبی کریم صلعم کے فرمان مبارک "ھو شہر الصبر ــــ شہر المواساۃ۔ (بیہقی) ماہ مبارک صبر اور مواساۃ کا مہینہ ہے" کے پیش نظر مومن روزوں کے ذریعہ مذکورہ صفات اجاگر کرنے کی پیہم کوشش کرتا ہے۔

(۱۰) مومن چونکہ رب العلمین کا سچا اور وفادار بندہ اور رحمت للعلمین صلعم کا سچا پیرو اور تابعدار ہوتا ہے۔ لہذا وہ صرف اپنا یا اپنوں ہی کا خیر خواہ اور غم خوار نہیں ہوتا ہے بلکہ جملہ انسانیت اور ساری کائنات کا خیر خواہ ہوتا ہے حتی کہ وہ اپنے دشمنوں تک پر رحم کرتا اور ترس کھاتا ہے وہ روزوں کے ذریعہ اسی قسم کے اعلی کیرکٹر کی آبیاری کرتا ہے اور اس قسم کے بلند اوصاف کی افزائش کے لئے سال بہ سال ٹریننگ حاصل کرتا رہتا ہے نبی صلعم کا اسوہ اس کے پیش نظر ہوتا ہے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلعم ہر قیدی (کافر اور دشمن قیدی) کو رہا فرما دیتے اور ہر سائل کو (کچھ نہ کچھ ضرور) عطا فرماتے (بیہقی)

(۱۱) جلوت کے جلوہ سے اگرچہ انکار نہیں لیکن خلوت کا لطف بھی کچھ کم نہیں ہوتا اس کی لذت سے جو آشنا ہو جاتا ہے اس کی بالیدگی نظارہ کے قابل ہوتی ہے۔ اس حسین وادی سے ہو کر جو گزرجاتا ہے اس کا عشق قابل دید ہوتا ہے۔ یہ تنہا ذکیلے ہے ایک طرح کی خلوت ہی تو ہے بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ یہ توحید کا حلقہ بھی خلوت ہی کا حلقہ ہے ایک نرالے قسم کی خلوت، ایسی خلوت جس پر ہزار جلوتیں نثار ہوجائیں، خلوت میں آدمی کو سکون اور اضطراب کے مد وجزر سے ہو کر گذرنا ہوتا ہے۔ خلوت میں آدمی اپنی روحانیت اور انسانیت کو جلوت کے لئے تیار کرتا ہے آدمی کا ذہن بہلنے میں جہاں اس کا ماحول اور سوسائٹی اس کی ممد یا مخل ہوتی ہے وہاں اس کے ذہن ودماغ اور کردار کی پختگی کے لئے ایک گونہ خلوت بھی درکار ہے اسلام نے جہاں ایک طرف جلوت پر انتہائی زور دیا ہے کہ عبادات تک کو اجتماعی قرار دیدیا، وہاں وہ اپنے اعتدال کے پیش نظر خلوت پر بھی زور دیتا ہے۔

مثلاً نفل عبادات میں اخفا ہی اولی اور بہتر ہے۔ اعتکاف بھی خلوت کی ایک شکل ہے حضور صلعم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے ہمکو بھی چاہیئے کہ اس طرف توجہ کریں اور اعتکاف کی سنت سے فائدہ اٹھائیں۔

(۱۲) اس آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک شب شب قدر ہوتی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی جس میں عبادت کا اجر وثواب ہزار مہینوں کی عبادت سے اولی اور افضل ہے خدا توفیق دے ان طاق راتوں میں بیدار رہ کر یاد الہی میں مشغول رہیں اور اگر شب قدر پالیں تو یہ دعا کرنی چاہیئے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ اے اللہ تو سراپا عفو ودرگذر ہے اور عفو ودرگذر کو پسند بھی فرماتا ہے لہذا مجھے معاف فرما دے اور مجھ سے درگذر فرما۔ ایک مومن کی سب سے بڑی تمنا اور ارمان یہی ہوتا ہے کہ اس سے اس کا مالک راضی ہو جائے کسی طرح وہ اپنے آقا اور مولا کی خوشنودی حاصل کرلے چنانچہ شب قدر کا مغتنم موقعہ ہاتھ آتے ہی وہ اپنے قلب کی گہرائیوں سے پکار اٹھتا ہے اے میرے مولی مجھے معاف فرما دے اور اپنی رحمت کے دامن میں چھپالے!

(۱۳) انسان ایک عجیب اور پر اسرار وجود ہے اس کے جذبات اس کی ذہنی کیفیات اس کے قلبی احساسات کو پڑھنا انتہائی مشکل اور دشوار ہے لیکن اسلام اسے ایک ایسی بنیاد عطا فرماتا ہے جو اس کے جذبات کیفیات اور احساسات ہی کو نہیں اس کی ہر قوت اور صلاحیت کو بلکہ اس کے پورے وجود کو ایک منتظم اور منضبط وحدت بنا دیتی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے کو اور اپنی کائنات کو خود بھی پڑھ سکتا ہے اور دوسرے بھی اسے پڑھ سکتے ہیں وہ بنیاد توحید ہے۔

اللہ نے انسان کو توحید کا درس دے کر اس پر سب سے بڑا احسان کیا ہے۔ اس احسان کے شکریہ کے طور پر آپ مسلم کو اس کے ہر کام کی ابتدا اور انتہا میں اللہ کی یاد اور اس کی حمد کرتے ہوئے پائیں گے چنانچہ جہاں وہ روزہ کا آغاز پاک نیت اور نیک ارادہ سے کرتا ہے۔ وہیں اس کے اختتام اور افطار پر بھی یوں رطب اللسان ہوتا ہے ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔ پیاس کی بے چینی کافور ہوئی حلق کی رگیں تر ہو گئیں یہ وقتی اور آنی تکلیف گذر گئی لیکن اجر تو بہر حال انشاء اللہ ثابت ہو ہی گیا ان الفاظ کے ذریعہ آدمی ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے جن کو وہ طبعاً اور عقلاً پسند کرتا ہے۔

اور افطار کے وقت وہ کہتا ہے اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا تھا اور تیرے ہی در سے حاصل کی ہوئی روزی سے افطار کر رہا ہوں ان الفاظ کے ذریعہ روزہ دار "اخلاص عمل" اور "رزق طیبہ" کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔

مستقل عنوان

نقد و تبصرہ

کھرے کھوٹے

تبصرے کیلئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں

امام ابن تیمیہ رح مؤلفہ :- افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری - ایم - اے - ریڈر شعبۂ عربی و فارسی و اردو - مدراس یونیورسٹی - ناشر بھی مؤلف ہی ہیں - صفحات ۷۲۶ کلاں - لکھائی چھپائی معیاری - کاغذ عمدہ سفید - قیمت مجلد دس روپے ملنے کے متعدد پتوں میں سے ایک یہ ہے :-

محمد یوسف کوکن عمری - ایم - اے - نمبر ۷ شیخ داؤد اسٹریٹ - مدراس ۱۴ -

مکتبہ تجلی (دیوبند) سے بھی مل سکتی ہے -

اس کتاب کے تعلق سے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا مختصر سا تذکرہ کرنے کی سعادت ہمیں گذشتہ تجلی میں نصیب ہو چکی ہے - آج لیجئے کتاب کا بھی تعارف لیجئے - "تعارف" کا لفظ میں قصداً استعمال کر رہا ہوں کہ تبصرہ تو اس رفیع الشان کتاب پر لمبا مضمون چاہتا ہے جس کی ان صفحات میں گنجائش نہیں - تعارف ہی ہو جائے تو از بسکہ غنیمت ہے -

ابتدا میں مؤلف ہی کے قلم سے چھ صفحات کا ایک مقدمہ ہے جو ان کی بلند علمی سطح اور تحقیق کی راہ میں جہد و کاوش کا آئینہ دار ہے - اس کے بعد وہ سلیس و دلنشیں زبان میں شیخ الاسلام کی سوانح شروع کرتے ہیں -

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ـــــ خدا انھیں اخروی نعمتوں سے مالا مال کرے ـــــ تمام منصف مزاج اور سلامت رو علمائے حق کے نزدیک بہت بڑے امام و شیخ ہیں - ان کا تقویٰ، حبِ دین، علم و تبحر، ذہن و ذکاء، حافظہ، مطالعہ، استحضار، فکری استقلال، انتقال ذہنی، سوز و گداز، عزیمت، جامعیت، اخلاص، زبان، قلم، دست و بازو کونسی چیز ہے جو بارگاہِ بصیرت سے خراجِ تحسین وصول نہیں کرتی - وہ جب قرآن و سنت سے ہٹے ہوئے مزعومات و دعاوی کا رد کرنے پر آتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دلیل و برہان کا ایک طوفان اُبلتا، امنڈتا، گرجتا چلا آ رہا ہے جس کی گھن گرج سے پہاڑوں کے جگر چاک اور وادیوں کے زہرے آب ہیں، فریق مخالف کے فلک بوس استدلالی قلعے خس و خاشاک کی طرح اس کی کف در دہاں موجوں میں بہتے چلے جا رہے ہیں - کسی کی مجال نہیں جو اس کی راہ روکے، اس سے آنکھیں ملائے، اس پر بند باندھے - یا پھر ایک ایسی برقی مشین کا تصور آتا ہے جس میں آیات و احادیث اور علوم عقلی و نقلی کے دلائل و براہین خانہ بخانہ رکھ دیئے گئے ہوں اور بٹن دبلتے ہی یہ بے خطا تدریج و ترتیب کے ساتھ باہر نکلتے چلے آ رہے ہوں ـــــ یہی تو وہ صانع حقیقی کا نمونۂ صناعی تھا جس نے دیو قامت فلاسفہ و مناطقہ اور ائمۂ باطل کے رعب و داب کے بخیے اُدھیڑ کے رکھ دیئے تھے، جس نے علوم یونانی کے داخل کردہ زہر کو فکر اسلامی کی رگ رگ سے نچوڑ کر میدانِ فلسفہ و کلام کے اُن سرافرازوں کے منہ پر دے مارا تھا جن کی مرعوبیت اور دہشت اچھے اچھے علمائے دین کے دل و دماغ پر کابوس بن کر سوار ہو گئی تھی - جس نے ایک ایک مثال دخیل گروہ کے حلق سے زبانیں کھینچ لی تھیں اور جس کے علم و فراست کا ہر ناوک رفاعیت، قدریت، تشیعت، مشائیت، غیر اسلامی صوفیت اور اسی طرح کے دوسرے من گھڑت ازموں کے عین قلب میں جا کے ترازو ہوا تھا - تم تاریخ اُٹھا کر دیکھو تو حیران رہ جاؤ کہ جس دور میں ابن تیمیہؒ نے جہادِ عظیم کا زریں کارنامہ انجام دیا اس وقت مسلمان کن ہولناک اور تباہ کن

ظاہری و باطنی آفتوں میں گرفتار تھے۔ ایک طرف سیاسی و تمدنی انحطاط و انتشار زوروں پر۔ دوسری طرف بدعات و خرافات، جمود و تعطّل اور زندقہ و تفلسف کی فصلِ بہار۔ غیر اسلامی کلام و تصوف اور فلسفہ و منطق کا دیو اسلامِ خالص کے جسدِ مظلوم میں گہرے پنجے گاڑے ہوئے تھا، امامتِ ذہنی کی باگ پیچ در پیچ علومِ عقلیہ کے ہاتھ میں تھی یا پھر گمراہ کن تصوف کے۔ اسلامی اصطلاحیں علومِ غالبہ کے بوجھ تلے دم توڑ رہی تھیں۔ امام غزالیؒ جتنی کچھ اصلاح کر چکے تھے اس کے آثار و علائم فنا ہوتے جا رہے تھے۔ علماء کی کمی نہیں تھی مگر ان میں وہ جرأت و عزیمت، وہ ہمہ جہتی تبحر، وہ علم و ذکا وہ قوتِ استدلال وہ استحضار، وہ مردانگی اور سب سے بڑھ کر وہ مجاہدانہ تب و تاب نہیں تھی جو زوال و گمراہی کے دبیز کہرے کو چھانٹ سکتی۔ دیو باطل کا منھ توڑ جواب دینا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر للکارنا ان کی دسترس سے باہر تھا۔ یکایک ابن تیمیہ کے قالب میں اللہ کا دستِ قدرت جنبش میں آیا اور شیاطین کے لشکر میں کھلبلی مچتی چلی گئی۔ اِس مردِ مجاہد نے جو بھی جنگ لڑی، دست بدست لڑی۔ ایسی لڑی کہ دیو باطل کے چھکے چھوٹ گئے۔ کیا فلسفہ کیا منطق کیا ریاضی کیا علم النفس کیا طبعیات کیا علم کلام کیا نصرانیت کیا شیعت کوئی بھی محاذ ایسا نہیں تھا جہاں اِس جانباز نے مردانگی کے جوہر نہ دکھلائے ہوں۔ ایسے ویسے جوہر نہیں، بازی جیتی، ہر محاذ پر جیتی۔ اکیلا شیر سارے حریف پہلوانوں کو بیچ میدان کے للکارتا تھا اور پھر شام کا سورج یا صبح کا ستارہ میدان کارزار میں باطل نظریات و دعاوی کے بے شمار لاشے خاک و خون میں غلطاں دیکھتا تھا اور عین وسط میں ابن تیمیہؒ کی عظمت و شہرت کا علم گڑا ہوا نظر آتا تھا۔

کوئی شک نہیں ان کے زمانے میں بھی اور آج بھی بہت لوگ ان سے عناد رکھتے ہیں انھیں بُرا کہتے ہیں اور ان کی رفعتِ شان سے صاف انکار کرتے ہیں۔ ان کا جائزہ لیجئے تو یہ تین طرح کے لوگ ہوں گے۔ ایک وہ جنھوں نے شیخ کے کارناموں اور فکری مجاہدوں اور گوناگوں خصوصیتوں کا علم ہی حاصل نہیں کیا۔ بس ان کا کوئی قول یا عقیدہ ایسا دیکھ یا سن لیا جو ان کے اپنے خیال سے متصادم تھا اور بگڑ گئے۔ دوسرے وہ جن کے علم پر نفسانیت غالب آگئی۔ تیسرے وہ جن کے ذہن و مزاج کو تقلیدِ جامد یا شریعتِ قبوری اور دینِ مُردہ پرستی نے فاسد کر دیا۔ ان تینوں قسموں کو چھوڑ کر ہر صاحبِ علم شیخ کو عظیم مانتا ہے اور چاہے ان کے بعض تفردات سے متفق نہ ہو لیکن اہلِ بدعت و ضلال کی طرح ان کے منہ پر سیاہی ملنے کی ناپاک کوشش نہیں کرتا۔ بے شک وہ عظیم تھے مگر نبی نہ تھے۔ ان سے فکر و نظر اور اقدام و عمل میں غلطی ہو سکتی تھی۔ ان کا ہر فرمودہ واجب القبول نہیں۔ انھیں غیر معصوم ہی سمجھتے ہوئے ہم ان کی منقبت کے گیت گاتے ہیں اور ان کی کسی رائے میں خامی ثابت ہو جائے تو اس سے ہماری عقیدتمندیاں شمہ برابر مضمحل نہیں ہو سکتیں۔

آپ کہیں گے عجب مہمل آدمی ہے کتاب کا تعارف کرانے کی بجائے ابن تیمیہ ہی کے گن گاتے جا رہا ہے۔ واقعی اعتراض درست ہے، اسے ہماری کمزوری ہی کہئے کہ اس عجوبۃ الدہر کا نام آیا اور ہماری ذہنی رو دور پہنچی۔ خیر اب نفسِ کتاب کی طرف آتے ہیں:۔

قدیم عربی کتب میں ابنِ تیمیہ کی زندگی کے متفرق حالات تو ملتے ہیں اور متعدد کتابیں ایسی بھی ہیں جو مستقلاً انھی کے تذکرے میں لکھی گئیں، مگر ایسی کوئی کتاب ہمارے علم میں نہیں جس میں مولانا شبلیؒ کی "سیرت النعمان" اور "الفاروق" کی طرح جامعیت کا حق ادا کر دیا گیا ہو۔ ابھی پچھلے دنوں مصر کے معروف عالم استاد ابوزہرہؒ کی کتاب "ابن تیمیہ" کا نام ضرور سننے میں آیا ہے اور اس کے بعض اقتباسات بھی رسائل میں چھپے ہیں، لیکن اسے دیکھنے کا شرف ہمیں حاصل نہ ہو سکا البتہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تاریخ دعوت و عزیمت کا حصہ دوم "ابن تیمیہ" کے تذکرۃ و تعارف میں نفیس و وقیع ہے۔ یہ اس وقت تو ہمارے سامنے نہیں، لیکن اسے اوّل سے آخر تک دیکھ چکے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ شیخ کے تعارف میں اس سے مفصّل کتاب پہلے معرضِ وجود میں نہیں آئی۔ گو اس میں غیر اسلامی تصوف کے رد کا باب تشنہ محسوس ہوا تھا جب کہ یہ موضوع شیخ کے ممتاز موضوعات میں رہا ہے۔

اب زیرِ تبصرہ کتاب زیادہ حجم اور جامعیت لیکر سامنے آئی ہے۔ تقابل کا نہ یہ محل ہے نہ وقت اور جگہ میں اتنی گنجائش۔ پھر بھی دونوں کا مجموعی فرق سمجھانے کے لئے ایک مثال دی جا سکتی ہے۔ ایک ہی سیٹ اور اسٹیج کی دو تصویریں ہیں جن کا مرکزی کردار ہیں ابن تیمیہ اور جنھیں دو باکمال مصوروں نے بنایا ہے۔ پہلی تصویر کے مصوّر نے

ہے کمالِ فن کی چابکدستیوں کا نصف سے زیادہ حصہ مرکزی کردار کے خدوخال نکھارنے میں صرف کر دیا ہے اور منظرنامے کی تہذیب و آرائش پر باقی نصف سے کم حصہ لگایا ہے۔ دوسرے مصور کا عمل اس کے برعکس ہے۔ اس کی صناعی منظرنامے کی نوک پلک سنوارنے میں زیادہ دلچسپی لے رہی ہے۔ تصویریں دونوں ہی شاہکار ہیں اور ابن تیمیہؒ کی عظمت و جامعیت دونوں ہی سے آشکار ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں مؤلف جس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہیں اس کا مفصّل منظرنامہ سامنے لاتے ہیں اور حسین مناظرے کا حال بیان کیا ہے اس کے مباحث کا اچھا خاصا شجرۂ نسب پیش کر دیا ہے جس سے قاری کے اندر تشنگی باقی نہیں رہتی۔ مثلاً وہ دو ایسے صوفیوں کا نام لیتے ہیں جنھوں نے کسی خاص موقع پر ابن تیمیہؒ کی مخالفت کی تھی تو محض نام لینے پر بس نہیں کرتے، بلکہ ان کا تعارف بھی کراتے ہیں۔ یا مثلاً تصوف کے بعض مسائل پر ابن تیمیہؒ کی ردّ و قدح کا حال لکھتے ہیں تو ان مسائل کا جغرافیہ بھی ساتھ ہی بتلاتے جاتے ہیں۔ یہ کام کافی مشکل تھا جسے مختلف علوم و فنون کی بہت سی مجلّدات کنگھال کر ہی انجام دیا گیا ہوگا۔ جزاہم اللہ کہ انھوں نے تحقیق و جستجو کا حق ادا کر دیا۔ ان کی زبان سلیس و شگفتہ، لب و لہجہ باوقار اور ترتیب سلیقے اور خوش مذاقی کی مظہر ہے۔ مرکزی ابواب اور عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) مقدمہ (۲) آباؤ اجداد اور خاندان (۳) تعلیم و تربیت (۴) ملازمت درس و تدریس اور تفسیر قرآن (۵) تاتاریوں اور شیعوں کے خلاف جہاد (۶) ردِّ شرک و بدعت (۷) فقرائے رفاعیہ کے ساتھ مناظرہ (۸) فتنۂ معتقدہ (۹) صوفیہ پر تنقید (۱۰) یہودیت اور نصرانیت کی تردید (۱۱) ردِّ شیعیت (۱۲) علوم عقلیہ پر نقد (۱۳) شخصیت پرستی سے انکار (۱۴) ذاتی اوصاف اور اخلاق و عادات (۱۵) آرائے معاصرین (۱۶) تصنیفات (۱۷) تلامذہ (۱۸) تجدید دین و ملت۔

آخری عنوان کو چھوڑ کر باقی ہر عنوان کے ذیل میں بیسیوں سُرخیاں ہیں جن سے قاری کو مطالب کی تلاش آسان ہو گئی ہے۔

ابن تیمیہؒ کے تمام ہی عبقری اوصاف میں فردوسی کو جس وصفِ خاص کا بانکپن اور جمال سب سے زیادہ بھایا ہے وہ ہے ان کی بےجگری، شجاعت اور جرأت و شہامت۔ ذرا دیکھئے قاہر تاتاریوں کی افواج سے گھمسان کا رن پڑ رہا ہے۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے ہیں۔ تیغ بدست ابن تیمیہؒ اپنی فوج کے ایک امیر سے کہتے ہیں:

"ذرا مجھے موت کی جگہ دکھاؤ۔ اس نے ان کو ایک ایسی جگہ پر لیجا کر کھڑا کر دیا جہاں تاتاریوں کے بے پناہ تیر برس رہے تھے۔ اس امیر نے ان سے کہا کہ موت کی بہترین جگہ یہی ہے اس سے زیادہ آپ کو کیا چاہئے۔"

اب اللہ کے اِس بانکے مجاہد نے آسمان کی طرف دیکھا، کچھ دعا کی پھر تلوار تولتا ہوا عقاب کی مانند حریف پہ جھپٹ پڑا اور سپاہ کے ہجوم میں گم ہو گیا۔ عصر کے قریب تاتاریوں کو شکست ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ ابن تیمیہؒ صحیح سلامت چلے آ رہے ہیں (ص ۱۲۵، ۲۶)

دغاباز صوفی طرح طرح کی شعبدہ بازیوں کے ساتھ ایک شعبدہ جلتی آگ میں کود پڑنے کا بھی دکھلایا کرتے تھے۔ ابن تیمیہ سمجھ گئے تھے کہ یہ مکار جسموں پر مینڈک کی چربی یا اسی نوع کی کوئی چیز مل لیتے ہیں۔ چنانچہ چیلنج دیا کرتے تھے کہ آؤ ہم پہلے اچھی طرح غسل کر لیں پھر ساتھ ساتھ آگ میں کود دیں۔

"امیر افرم نے تعجب کے طور پر پوچھا کہ اگر غسل کر لینے کے بعد بھی آپ سے آگ میں کود پڑنے کے لئے کہا جائے تو کیا آپ آگ میں کود پڑیں گے؟ امام ابن تیمیہؒ نے جواب دیا ہاں! میں نے خدا سے استخارہ کیا ہے اور میرے دل میں یہ بات ڈالدی گئی ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو میں بھی آگ میں کود پڑوں۔ اگر ایسا کروں گا تو بھی یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشینوں سے بارہا اس قسم کے خوارقِ عادات کا ظہور ہو چکا ہے اور ہمیشہ ہوتا ہی رہتا ہے۔ جب یہ لوگ اپنے رموز و اشارات اور خوارقِ عادات سے اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کو باطل کرنا چاہتے ہیں تو ہم پر فرض ہے کہ اسکی حمایت میں اپنے جان و مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں۔ خدا ہم کو ضرور ایسی نشانیاں عطا فرمائے گا جن سے ہم ان کے خوارقِ عادات کا بخوبی مقابلہ کر سکتے ہیں۔" (صفحہ ۱۵۱)

ابن تیمیہؒ نے بعض صوفیاء پر بڑی سخت تنقیدیں کی ہیں جن سے تصوف کا ذوق رکھنے والے ناراض ہیں۔ بے شک ابن تیمیہؒ کا لب و لہجہ سخت تھا، لیکن اس سختی کا محرک اللہ اور رسول کی محبت کا

شدید جذبہ تھا۔ پھر جس طرح کی گمراہیاں صوفیاء کے بعض مغالطہ انگیز اقوال واشغال پھیلاتے تھے وہ بجائے خود بہت اشتعال دلانے والے تھے۔ ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

ابن عربی ــــ جو صوفیاء میں رئیس الطائفہ کہلاتے ہیں ــــ شعر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"نبوت کا مقام بیچ میں ہے۔ اس کا مرتبہ رسول سے اُوپر
اور ولی سے نیچے ہے۔" (ص۳۰۹)

اب کوئی اس مفہوم کی چاہے کتنی ہی تاویلیں کرے لیکن ہے یہ بہت وحشتناک اور اس سے اس شخص کا بھڑک جانا لازمی ہے جو قرآن و سنت کی لگن رکھتا ہو۔

گوناگوں تفصیلات کتاب ہی میں ملاحظہ فرمائیے۔ جی چاہتا ہے کہ ان مسائل پر کچھ گفتگو کی جائے جن میں ابن تیمیہ معروف ائمہ و فقہاء سے جدا رائے رکھتے ہیں، لیکن فی الحال نہ وقت ہے نہ صفحات میں گنجائش۔ ممکن ہوا تو اگلی صحبت میں کچھ کہیں گے۔ فی الوقت تو چند معمولی فروگذاشتوں کی نشاندھی پر تعارف ختم کرتے ہیں۔

ص۱۱۲ پر ہے:۔

"امام ابن تیمیہ مصر میں آٹھ دن تک رہے اور مختلف
اعیان و اکابرِ دولت اور عمائدین و علماء و فضلاءِ شہر
سے ملاقات کرتے اور انھیں جہاد پر ورغلاتے رہے۔"

"ورغلانے" کا لفظ نہ جانے کس طرح مؤلف کے قلم سے نکل گیا ــــ "ورغلانا" تو غلط سلط باتیں بنا کر غلط راہ پر ڈالنے کو کہتے ہیں۔ یہاں "اُکساتے" ــــ یا "جہاد کی ترغیب دیتے" مناسب تھا۔

ص۱۳۶ "اس زمانہ کی مشرکانہ اور بدعات کی تردید۔۔۔"

یہاں یا تو "رسوم" کا لفظ چھوٹ گیا ہے یا "اور" زائد کتابت ہوا ہے۔

ص۱۹۳ "امام احمدؒ روزہ رکھے ہوئے تھے۔ سارا بدن چھلنی ہو گیا
تھا۔ روزوں کی حالت میں کوڑوں کی مار بہت ہی سخت
ہوتی ہے۔"

کوڑوں کی مار سے بدن کی جو کیفیت ہو سکتی ہے اس کے اظہار کے لئے بدن چھلنی ہونے کا محاورہ شاید پوری طرح منطبق نہیں ہے۔ اس کا انطباق تیروں یا چھروں سے چھدے ہوئے بدن پر کما حقہٗ ہو سکتا ہے۔ کہنا یوں چاہئے تھا کہ "سارا بدن اُدھڑ کے رہ گیا تھا۔"

پھر دوسرا فقرہ ایسا ہی ہے جیسے "ابر نہ ہو تو سورج کی روشنی دوپہر میں بہت ہی تیز ہوتی ہے۔" ظاہر ہے بدیہی حقیقت کا ایسا راست اظہار فصیح نہیں کہلا سکتا۔ فقرہ کچھ اس طرح مناسب ہوتا۔

"روزے کی حالت میں کوڑوں کی ایسی سخت مار اندازہ
کر لیجئے کیا کچھ قیامت نہ ہو گی۔"

ص۲۸۹ پر ابن عربی کی عبارت ہے:۔

فلیس فی العالم عندنا فی نظرنا شیئ موجود الا ولنا فیہ شھود عین حق۔ اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے:۔

"ہمارے نزدیک اس دنیا میں کوئی چیز ایسی موجود نہیں ہے
جس کا عینی ٹھیک مشاہدہ ہمیں حاصل نہ ہو۔"

چھوٹا منہ بڑی بات ہو گی اگر ہم کہیں یہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہے۔ تاہم ایک اور ترجمہ بھی اس کا ہو سکتا ہے جس پر غور کر لیا جائے تو انسب ہو۔ وہ یہ کہ ــــ "ہمارے نزدیک عالم کی ہر وہ موجود شے جس کا
مشاہدہ ہم کر سکتے ہیں عین حق ہے۔"

وہی وحدۃ الوجود کا نظریہ جس کے ابن عربی سرخیل ہیں۔ اسے چھوڑئیے کہ شاہد اور شہود میں باصطلاحِ صوفیہ کیا فرق ہے۔ کہنا یہ ہے کہ ابن عربی اپنے اس قول میں شاید جملہ موجوداتِ عالم کے شہود کا دعویٰ نہیں کر رہے ہیں جیسا کہ مؤلف کے ترجمے سے واضح ہے، بلکہ وہ اپنی ہر مشہود چیز میں مشاہدۂ عین حق کے مدعی ہیں۔ ظاہر ہے ان دونوں باتوں میں بدیہی فرق ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ص۲۹۳ پر ابن عربی کے فقرے کے جس ترجمے ہیں:۔

"میں ہرگز ہرگز تمھیں میرا طواف نہیں کرنے دوں گا۔"

"میرا طواف" کی جگہ "اپنا طواف" ہونا چاہئے۔

ص۳۱۱ پر "تمھارے آثار تمھاری حرکت پر گواہ ہیں۔"

یہاں "حرکات" کا محل تھا۔

اس طرح کے غیر اہم تسامحات سے انسان کا کونسا کارنامہ خالی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز کرے بڑے ہی کام کی کتاب تالیف فرما دی ہے۔ ہم نہ صرف اس کے مطالعہ پر زور سفارش کریں گے، بلکہ تمنا کریں گے کہ عربی مدارس کے

طلبا کے لئے اس کے مطالعہ کا انتظام کیا جائے۔

درس الاسلام

مولانا مفتی کفایت اللہ کی کتاب تعلیم الاسلام جس قدر مقبول ہے محتاج بیان نہیں۔ اسی کتاب کو نظم کے سانچے میں ڈھالنے کا سلسلہ ایک صاحب زادے حفیظ الرحمٰن واصف نے شروع کیا ہے۔ حصہ اول سامنے ہے جو مع فرہنگ ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ کوئی شک نہیں کہ واصف صاحب میں نظم نگاری کا ملکہ اچھا خاصا ہے اور ان کی یہ کوشش وقیع قرار دی جا سکتی ہے۔ بچوں کے لئے نظم یاد کر لینا نثر کی نسبت آسان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو مقبول بنائے۔

دیباچہ کے اشعار میں یہ مصرعہ کھٹکا:۔

مری بھرپور نیا پار کر دے

"بھرپور" بھرتی ہے۔ اس کی جگہ تو بچوں کی استطاعت کے پیش نظر یوں کہنا زیادہ اچھا تھا:۔

مری کمزور کشتی پار کر دے

آگے ایک شعر ہے:۔

متاعِ کم عیار و محتقر ہوں   گراں بار و ذلیل و بے ہنر ہوں

قابل ترمیم ہے۔ بھلا بچے "عیار و محتقر" کو کیا سمجھیں گے "محتقر" تو یوں بھی شعر کی زبان نہیں اور "گراں بار" کا لفظ برمحل نہیں ہے۔

قیمت چالیس نئے پیسے۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب پسندیدہ۔

ناشر:۔ ادارۂ حفیظیہ۔ مدرسہ امینیہ اسلامیہ کشمیری دروازہ دہلی

کتاب الطہارۃ

تالیف:۔ جناب راشد حسن صاحب عثمانی۔
شائع کردہ:۔ کتب خانہ راشد کمپنی دیوبند۔
صفحات ۹۶ خورد۔ قیمت درج نہیں۔ لکھائی چھپائی کاغذ غنیمت۔

اس کتاب میں حنفی نقطۂ نظر سے مرد و زن دونوں کی شرعی و اصطلاحی پاکی کے مسائل جمع کئے گئے ہیں۔ کیا شک ہے کہ اس طرح کی کتابیں عوام کے لئے خاصی مفید ہوتی ہیں۔ بوقت ضرورت انھیں حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے ضخیم کتابوں کی ورق گردانی نہیں کرنی پڑتی۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر دے۔ ہر مسئلہ کے آخر میں انھوں نے بریکٹ میں ماخذ کا بھی حوالہ دے دیا ہے لیکن یہ محض نام ہی ہے۔ مثلاً درمختار، منیہ، شامی، ابو یعلیٰ۔ جو عوام اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے وہ تو ان میں بعض ناموں کی ہجے تک ٹھیک نہیں کر سکتے۔ اچھا ہوتا اگر مؤلف بالتکلف وہی حوالے لکھ دیتے جہاں سے انھوں نے براہِ راست نقل کئے ہیں مثلاً بہشتی زیور، کتاب الفقہ وغیرہ۔ اس سے زیادہ نفع ہوتا کہ دیوبندی حلقے کے عوام مولانا اشرف علی اور مولانا عبدالشکور مجددی وغیرہم پر زیادہ اعتماد رکھتے ہیں۔

تاہم یہ ایک ضمنی بات تھی۔ کتاب بحیثیت مجموعی نافع اور لائقِ قدر ہے۔ شروع میں دو صفحے کا مقدمہ بھی جاندار ہے۔ اس کا ایک جملہ اگلے ایڈیشن میں ٹھیک کر لیا جائے۔

"اور اس کے ساتھ اچھی اچھی مثالیں مصلحت و حکمت پیش کر کے سمجھایا گیا۔"

یوں کہنا چاہئے تھا:۔

"اور اس کے ساتھ نہایت دل نشیں حکیمانہ مثالیں پیش کر کے احکامات ربانی کی مصلحتیں سمجھائی گئیں۔"

اسلامی بیت المال ویلور

یہ ویلور میں قائم کئے ہوئے ایک بیت المال کے قواعد و ضوابط اور دستور العمل کا "اعلانیہ" ہے۔ بیت المال کا مقصد غربا کی امداد اور خود شرکاء ادارہ کی باہمی جائز اعانت ہے۔ قواعد خاصے متوازن ہیں۔ کام بظاہر قابلِ قدر ہے۔ تاہم مقدمہ میں جو دلائل اس کے حق میں دیئے گئے ہیں ان میں پورا توازن نہیں۔ قرآن نے زکوٰۃ کا معاملہ جس "خاص نظام" سے وابستہ کیا ہے وہ نظام خلافت و حکومت ہے نہ کہ عوام کا بنایا ہوا کوئی محدود ادارہ۔ پھر زکوٰۃ کو بالکل آج کے ٹیکسوں کا مرادف کہہ کر یہ دعویٰ کرنا کہ "اس کی ادائگی کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنا ٹیکس خود ہی نکالے اور خود ہی خرچ بھی کرے" غلط در غلط ہے۔ اس کا قائل تو ائمہ و فقہا میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔ عبداللہ ابن عمرؓ نے یہ جاننے کے باوجود کہ حکام ظالم و خائن ہیں، انھیں کو سپردگیِ زکوٰۃ کا فیصلہ دیا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سرے سے حکومت ہی مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہ ہو تب بھی اشخاص و افراد کے قائم کردہ محدود اداروں کو زکوٰۃ دینا لازم ہو۔

ہم قابلِ اعتماد اداروں کو مالِ زکوٰۃ سونپ دینے کے بالکل مخالف نہیں ہیں، بلکہ بعض حالتوں میں اسے جائز و مستحسن سمجھتے ہیں، لیکن اس کے لئے ترغیب و التماس ہی درست صحیح راہ ہے۔ اس کے وجوب و لزوم پر دلائل لانا تجاوز عن الحد ہے۔

مفید ہے۔ بعض مقامات دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ مؤلف کی نگاہ رسا اور انتخاب جاندار ہے۔

ملنے کا پتہ: دارالاشاعت انجمن مصنفین۔ قریشی ہاؤس — شاہجہاں آباد۔ بھوپال۔

* * *

ترجمۃ القرآن

مرتبہ عزیز دانش ابن مولوی عبدالعزیز۔ ناشر:- پاکیزہ دارالکتب۔ جیسل روڈ حیدرآباد (سندھ۔ پاک) ملنے ۶۴ صفحات۔ قیمت سوا روپیہ۔

قرآن کے ترجمہ و تفسیر کا کام نہ کبھی بند ہوا ہے نہ ہوگا۔ خدا کی اس کتاب کی جتنی بھی خدمت کی جائے حق خدمت باقی رہے گا۔

یہ کتاب تفہیم قرآن کی ایک نئے انداز کی کوشش پر مبنی ہے۔ فاضل مرتب نے آیات قرآنیہ ہی سے صرف و نحو کے قواعد سمجھائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو نافع بنائے، گو ہم مطمئن نہیں ہیں کہ اس نوع کی کوشش فہم قرآن کو آسان بنا سکتی ہے، لیکن صحیح فیصلہ کوئی ماہر تعلیم ہی دے سکتا ہے۔

* * *

ماہنامہ اردو ڈائجسٹ

"ڈائجسٹ" یعنی منتخبات کا گلدستہ ایشیا والوں کے لئے نئی چیز ہے اس کا رواج ابھی ابھی شروع ہوا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے دوسروں کی محنت سے مفت میں خوشہ چینی کر کے فائدہ اٹھانا بُجانہ فعل ہے لیکن علم و ادب کے بارے میں ہم اس طرز فکر کو درست نہیں سمجھتے۔ آج لوگوں کو فرصت کم ہے، ایشیا والوں کے پاس تو پیسہ اور تعلیمی تناسب بھی کم ہے کچھ لوگ اگر اچھی قسم کی کتابیں اور رسالے پڑھ کر ان میں سے اچھی اچھی تحریریں یکجا کر کے ماہ بماہ عوام کو پہنچاتے رہیں تو اس میں جرم و گناہ کچھ بھی نہیں۔ افادیت ظاہر و باہر ہے۔

پیش نظر ڈائجسٹ لاہور سے نکلا ہے، اس کے دو شمارے ہمارے سامنے ہیں۔ سائز خوشنما۔ گیٹ اپ معیاری کتابت و طباعت کا معیار اعلیٰ اور ممتاز۔ صفحات ۱۶۰ اور قیمت پھر بھی ایک روپیہ پانچ آنے۔ پھر بھی سے مطلب یہ کہ بیچ کے مقابلہ میں ثمن کم ہے۔ دو روپے بھی قیمت ہوتی تو زیادہ نہیں کہی جا سکتی تھی۔

مضامین کے انتخاب میں صالح و صحت مند رجحانات کارفرما نظر آتے ہیں۔ تقریباً تمام منتخبات سنجیدہ و صحیح ہیں۔ مجلس ادارت پانچ قابل آدمیوں پر مشتمل ہے اسی لئے ایک مؤقر ڈائجسٹ کا اجرا ممکن بھی ہوا ہے۔ توقع ہے کہ اگر اسی محنت شوق سے کام کیا جاتا رہا تو یہ ڈائجسٹ قبول عام حاصل کرے گا

ملنے کا پتہ:- ۱۶ بیڈن روڈ۔ لاہور۔

* * *

مجربات فخر الاطباء

مرتبہ: حکیم محمد جلال الدین۔ شائع کردہ: دارالاشاعت علوم اسلامیہ حسین آگاہی۔ ملتان۔ صفحات ۱۱۶ قیمت دو روپے۔

فن طب سے ہمیں کوئی مس نہیں بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب میں فخر الاطباء جناب حکیم فقیر محمد چشتی نظامیؒ امرتسری کے مجربات اور صدری نسخے ترتیب کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں، ناشر نے لکھا ہے کہ نسخوں کی ترتیب و تبویب میں فخر الاطباء کے فرزند حکیم محمد جلال الدین" نے کی ہے اور فارسی نسخوں کا ترجمہ بھی۔ آغاز میں فخر الاطباء کے حالات و سوانح بھی دس گیارہ صفحات پر ہیں جن سے ان کے اوصاف عالیہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ نسخوں کے مقام و مرتبے کو ماہرین طب ہی سمجھ سکتے ہیں یا پھر تجربہ بتائے گا۔ خاتمہ کتاب پر تشخیص امراض اور علامات کے بارے میں کچھ اصولی نکتے دیئے گئے ہیں۔

* * * *

اسلام کا نظام قانون

مرتبہ جناب غلام علی صاحب شائع کردہ: مکتبہ چراغ راہ۔ کراچی صفحات ۲۹۱ قیمت مجلد پونے چار روپے۔

یہ عبدالقادر عودہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بیش بہا کتاب الاسلام واوضاعنا القانونية کا سلیس و بلیغ ترجمہ ہے جس کا بیشتر حصہ کچھ دن ہوئے ماہنامہ "ترجمان القرآن" لاہور میں قسط وار چھپ چکا ہے۔ "الاخوان المسلمون" کے نامور مرشد عام جناب عبدالقادر عودہ شہید پر اللہ کی ہزار رحمتیں ہوں

کتابیں طلب کرنیوالے چند باتوں کا لحاظ ضرور رکھیں

(۱) تحریر اتنی صاف ہو کہ آرڈر کی تفصیل اور آپ کا پتہ پڑھنے میں دشواری نہ ہو (۲) مجلد اور غیر مجلد کی بھی وضاحت کر دیجئے (۳) تقریباً بیس روپے سے زائد کتابیں منگانے کی صورت میں ریلوے پارسل میں کفایت رہتی ہے۔ اگر یہ کفایت مطلوب ہو تو اپنا اسٹیشن لکھئے۔ پارسل ریل سے اور بلٹی کی رسید ڈاکخانہ سے وی پی بھیجی جائے گی (۴) اگر آپ نئے نئے خریدار ہیں تو بیس روپے یا اس سے زائد کے آرڈر پر کچھ روپے پیشگی روانہ فرمائیے جنھیں وی پی میں کم کر دیا جائے گا (۵) ڈاکخانہ سے وی پی کی اطلاع ملتے ہی چھڑا لیجئے' دیر کرنے سے واپس ہو جاتی ہے (۶) اگر آپ کو گمان ہو کہ وی پی توقع سے کچھ زائد رقم کی ہے تو اسے واپس نہ کریں' بلکہ وصول کر لیں۔ آپ کے اطلاع دینے پر مکتبہ یقیناً ہر شکایت کا ازالہ کرے گا۔

قرآن ترجمہ تفسیر

قرآن مع دو ترجمہ (۱) شاہ رفیع الدینؒ (۲) مولانا اشرف علیؒ متوسط سائز میں مجلد کرمچ کا ہدیہ ساڑھے بارہ روپے۔ بہت بڑے سائز میں مجلد کا ہدیہ پچیس روپے (اس کی لکھائی بہت جلی ہے)

قرآن بیک ترجمہ مولانا اشرف علیؒ۔ مجلد کرمچ کا ہدیہ ساڑھے دس روپے۔

قرآن بلا ترجمہ جلی قلم روشن حروف عکسی مجلد کا ہدیہ آٹھ روپے

قرآن مترجم ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ۔ تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مطبوعہ بجنور۔ مجلد چرمی پشتہ پچیس روپے

قرآن تفسیر

تفسیر ابن کثیر احادیث کی روشنی میں آیات کا مفہوم ظاہر کرنیوالی وہ تفسیر جو دنیا بھر میں مشہور و مقبول ہے۔ ترجمہ سلیس' لکھائی چھپائی پسندیدہ۔

پانچ جلدوں میں مکمل۔ ہدیہ مجلد پچپن روپے۔ کوئی بھی جلد علیحدہ نہ مل سکیگی۔

تفسیر موضح القرآن شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ کی یہ تفسیر اردو تفاسیر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے کلاں سائز۔ ہدیہ مجلد اعلیٰ بیس روپے۔ غیر مجلد سولہ روپے۔

تفسیر بیان القرآن مولانا اشرف علیؒ کی یہ عظیم تفسیر اپنا جواب آپ ہے۔ دو قسموں میں مہیا کی جا سکتی ہے۔
● بہت بڑا سائز۔ بارہ حصوں میں مکمل۔ ہدیہ غیر مجلد ساٹھ روپے دو جلدوں میں مجلد ستر روپے ● [illegible] غیر مجلد ساٹھ روپے۔ پانچ جلدوں میں مجلد پینسٹھ روپے۔ دوسری قسم کا ہر پارہ الگ بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ فی پارہ دو روپے

تفسیر حقانی مولانا عبد الحق محدث دہلویؒ کی تفسیر نایاب ہو گئی تھی اب ہر ماہ ایک پارہ چھپ رہا ہے۔ اب تک اکیس پارے چھپ چکے ہیں۔ فی پارہ دو روپے (صرف پارۂ اول چھ روپے جو تین حصوں پر مشتمل ہے)۔

تفہیم القرآن اول و دوم مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی وہ عظیم الشان تفسیر جو غیر ضروری تفصیلات سے بچاتے ہوئے آپ کو براہ راست مغز قرآن تک پہنچاتی ہے۔ دل نشیں۔

ند اور ذہن میں اُتر جانے والی۔ ابھی پہلی اور دوسری جلدیں
کی جا سکی ہیں۔ جلد اوّل مجلّد ساڑھے بارہ روپے۔ جلد دوم مجلّد۔

لوم قرآنیہ

بیان فی علوم القرآن

"مشہور تفسیر حقانی" کے مصنف مولانا عبدالحق محدّث دہلوی
یم الشان کتاب وہی ہے جس کی توصیف میں علامہ انور شاہ صاحبؒ
ے علامہ نے یہ الفاظ لکھے کہ "اگرچہ اس کی نظیر ممکن ہے، لیکن واقع
یں" خدا کی ذات وصفات تناسخ ملائکہ جزاء وسزا، قبر جنت،
زخ، نبوت، ناسخ ومنسوخ، استعارہ وکنایہ اور اختلاف قرأت
ثیں، صفحات ۶۳۸ کاغذ لکھائی چھپائی معیاری۔ قیمت
۱۵ دہ روپے (مجلّد پختہ ۱۶ سولہ روپے)

صص القرآن

قرآن کے بیان فرمودہ قصص پر لاجواب کتاب
عظیم معلومات کا خزانہ مستند اور محققانہ
صیلات سے مالا مال۔ حصہ اوّل آٹھ روپے۔ حصہ دوم چار روپے
صہ سوم ساڑھے پانچ روپے۔ حصہ سوم ساڑھے پانچ روپے ——
صہ چہارم آٹھ روپے (مکمل سیٹ منگانے پر قیمت پچیس روپے آٹھ آنے
لد مطلوب ہوں تو ایک پختہ جلد پر ڈیڑھ روپیہ بڑھ جائے گا)۔

ات القرآن

قرآنی لغات کی تخریج آسان زبان میں جو
لوگ قرآن کو با ترجمہ سمجھنے کی خواہش اور
وق رکھتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔ مجلّد چار

علم الحدیث

مؤطا امام مالکؒ (مترجم عربی مع اُردو)

احادیث وآثار کا وہ مجموعہ جو بخاری سے پہلے
رتب ہوا۔ سلیس ترجمہ کے ساتھ عربی متن بھی ہے۔ ہدیہ بارہ روپے
لد کرمع ۱۳ تیرہ روپے (مجلّد اعلیٰ ۱۴ چودہ روپے)۔

بخاری شریف (خالص اردو)

قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب
بخاری کا سلیس اُردو ترجمہ تین
جلدوں میں مکمل ہدیہ ۲۴ چوبیس روپے۔ مجلّد پختہ ۲۷ ستائیس روپے۔
جلد اعلیٰ تیس روپے (مجلّد کا مطلب تین الگ الگ جلدیں ہیں)۔

مشکوٰۃ شریف (خالص اُردو)

مشکوٰۃ شریف کا مکمل نفیس اُردو ترجمہ دو جلدوں میں
حاضر ہے۔ ہدیہ ۱۶ سولہ روپے۔ مجلّد پختہ ۱۸ اٹھارہ روپے۔ مجلّد اعلیٰ ۲۰ بیس روپے

ترمذی شریف (خالص اُردو)

سفید عمدہ کاغذ۔ حصہ اوّل
مجلّد ۹ نو روپے۔ حصہ دوم
مجلّد ۹ نو روپے (دونوں حصے بیک وقت طلب کرنے پر ۱۶ سولہ روپے

مشارق الانوار (مترجم)

بخاری ومسلم کی صرف قولی احادیث
کا نفیس انتخاب۔ ترتیب فقہی
ابواب پر ہے جس سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ کونسا مسئلہ
کس حدیث سے نکلا ہے۔ ترجمہ کیساتھ تشریح بھی ہے اور عربی متن بھی
ہدیہ ۱۴ چودہ روپے۔ مجلّد ۱۵ پندرہ روپے (مجلّد اعلیٰ ۱۶ سولہ روپے

بلوغ المرام

مشہور امام فن حافظ ابن حجرؒ کی یہ کتاب بخاری، مسلم
ترمذی، ابوداؤد اور دیگر کتب معتبرہ سے منتخب کئے
ہوئے دینی احکام کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ ترجمہ مع عربی متن مجلّد آٹھ

ترجمان السنّۃ

احادیث کی بہترین تفہیم وتشریح پر مشتمل اُردو زبان
میں اپنی قسم کی واحد کتاب، اشتہار میں اس کی
خوبیوں کا اجمالی تعارف بھی مشکل ہے بس دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے
جلد اول دس روپے (مجلّد بارہ ۱۲ روپے) جلد دوم نو روپے (مجلّد گیارہ روپے)
جلد سوم دس روپے آٹھ آنے (مجلّد بارہ ۱۲ روپے آٹھ آنے)

صحیفہ ہمام ابن مُنَبِّہ

بخاری ومؤطا امام مالکؒ سے بھی قدیم وہ
کتاب حدیث جو مشہور صحابی ابوہریرۃؓ
نے اپنے شاگرد ابن منبہ کے لئے مرتب کی۔ ہدیہ ساڑھے تین روپے

بستانُ المحدّثین

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کی ایمان افروز
کتاب کا اُردو ترجمہ بلند پایہ محدثین کے حالات
اور خدمات وتالیفات کا پاکیزہ تذکرہ۔ مجلّد پانچ روپے۔

ابن ماجہ (اُردو)

صحاح ستہ کی کتاب ابن ماجہ کا مکمل اور
سلیس ترجمہ شائقین حدیث کیلئے نادر تحفہ۔
صفحات ۶۶۰ ہدیہ مجلّد بارہ روپے۔

عِلم الحدیث

فلسفۂ علم الحدیث کی عمدہ تحقیق۔
قیمت سوا روپیہ

گناہ بے لذت ۱۰/ نجات المسلمین ۶/ تحقیق اسم اعظم ۶/ آداب النبی ۸/

حضرت صدیق اکبرؓ | از مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم۔ اے
حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نہایت مفصل و مبسوط تذکرہ جسمیں آپ کے ذاتی حالات و سوانح عظیم الشان کارناموں، دینی و سیاسی خدمات جلیلہ، اخلاق و مکارم اور عہد صدیقؓ کے تمام چھوٹے بڑے واقعات کے علاوہ اس دور کے اہم دینی، سیاسی، فقہی اور تاریخی مباحث و مسائل پر بڑی جامعیت اور تحقیق سے سیر حاصل بحث کیگئی ہے۔ قیمت سات روپے۔ مجلد کرنچ آٹھ روپے

الفاروق | امیر المومنین خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح پر علامہ شبلیؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی | از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ساڑھے پانچ سو سے زائد صفحات کی یہ کتاب اپنے موضوع پر لاجواب ہے
قیمت مجلد بارہ روپے

حیات امام ابوحنیفہ یعنی سیرۃ النعمان | علامہ شبلیؒ کے قلم سے فقیہ اکبر امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کے مفصل حالات زندگی، دلچسپ و ایمان افروز
قیمت تین روپے (مجلد چار روپے)

تجلیات عثمانی | شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی علمی زندگی کے مفصل حالات آپ کے علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، مناظرہ، تقریر، اردو، فارسی، عربی ادب اور سیاسیات پر سیر حاصل تبصرہ بڑے ۱۲ صفحات جلد پر حسین سہ رنگا گرد پوش۔ قیمت مجلد ساڑھے دس روپے۔

سیرت اشرف | حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ کی مفصل سیرت صفحات ۵۰۰، مجلد بارہ روپے۔

حیات ولیؒ | شاہ ولی اللہؒ اور ان کے آباؤ اجداد اولاد اور اساتذہ کا تذکرہ۔ مجلد کی قیمت چھ روپے۔

حیات امام احمد بن حنبلؒ | مصر کے مایۂ ناز محقق ابو زہرہ کی معرکۃ الآراء کتاب "ابن حنبل"

کا نفیس اردو ترجمہ۔ امام احمدؒ پر یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے
قیمت دس روپے

محمد بن عبدالوہابؒ | از مولانا مسعود عالم ندوی۔ بارھویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی سیرت اور دعوت پر علمی و تحقیقی تصنیف جسمیں مشرق و مغرب کے تمام ماخذ پوری طرح کھنگال کر غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ قیمت ڈھائی روپے

الغزالیؒ | امام غزالیؒ پر مولانا شبلی نعمانیؒ کی محققانہ تالیف جو آجکل کمیاب ہے (کاغذ رف) غیر مجلد دو روپے۔

سیرت عمر ابن العزیزؒ | اس جلیل القدر ہستی کی سوانح اور حالات جس کی خلافت کو اکثر علماء نے پانچویں خلافت راشدہ سے تعبیر کیا ہے۔ مجلد کی قیمت تین روپے۔

رد شرک و بدعت

تقویۃ الایمان (اردو) | شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی وہ مشہور زمانہ کتاب جس نے اہل بدعت میں ہلچل ڈالدی۔ قیمت چار روپے (مجلد پانچ روپے)

الشہاب الثاقب (اردو) | بدعات کے رد میں ایک مفید کتاب
قیمت پونے دو روپے

کتاب التوحید | رد شرک و بدعت میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی نفیس کتاب قیمت مجلد تین روپے

بدعت کیا ہے؟ | مولانا عامر عثمانی اور تین دیگر حضرات کے مضامین کا مجموعہ جو شرک و بدعت اور توحید و سنت کے فرق و امتیاز پر لاجواب مواد پیش کرتا ہے۔ مجلد تین روپے۔

ردّ عقائد بدعیہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس پر مفصل و مدلل بحث۔ قیمت ایک روپے

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات | حضرت اسمٰعیل شہیدؒ پر اہل بدعت کے ہوائی الزامات کا کافی و شافی رد۔
قیمت ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

فیصلہ کن مناظرہ | مجلد ڈیڑھ روپے

[illegible]

اصلاح الرسوم مسلمانوں میں رائج شدہ رنگ برنگی رسموں کی شرعی پوزیشن کیا ہے؟ اسکا تحقیقی جواب۔ مجلد ایک روپیہ [illegible]

تعلیم الدین دین کی تعلیم سے متعلق عمدہ تنبیہات و معلومات پر مشتمل۔ مجلد ایک روپیہ بارہ آنے۔

دعوات عبدیت مولانا اشرف علیؒ کے چند مواعظ کا مجموعہ جو عرصے سے نایاب تھا اس کے نو حصے مکمل ہو چکے ہیں۔ ہر حصہ مجلد اور ہر حصے کی قیمت پونے دو روپے

[illegible]

بہشتی زیور مولانا اشرف علیؒ کی وہ مشہور آفاق کتاب جو روزمرہ کے تمام دینی مسائل کے علاوہ سیکڑوں مفید مضامین پر مشتمل ہے۔ قسم اول مکمل مدلل مجلد پندرہ روپے۔
قسم دوم غیر مدلل مجلد سات روپے (دونوں قسموں میں فرق یہ ہے کہ قسم اول میں تو حاشیہ پر عربی کتب کے حوالے دیئے گئے ہیں اور قسم دوم میں حاشیہ نہیں ہے۔ اصل مضمون دونوں کا ایک ہے)

دین کی باتیں اسلام، ایمان، عمل صالح، ارکان اسلام، اخلاق، حقوق، سیاست اور خدمت دین کے طریقوں پر نہایت دلنشین اور ایمان افروز گفتگو۔ بلاک کی عمدہ چھپائی۔
قیمت پونے دو روپے

تعلیم الاسلام قاسمی اسلام کے جملہ اصولی عقائد کو سہل زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ خطاب اگرچہ بچوں سے ہے لیکن بڑوں کے لئے بھی کتاب بیحد مفید ہے کیونکہ تمام اصولی عقائد سے بڑے بھی کم ہی باخبر ہیں۔ ڈھائی روپے (مجلد تین روپے)

[illegible]یات

تاریخ اسلام حصہ اول (جدید) از مولانا عامر عثمانی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال [illegible]ک اور اس کے بعد پہلی خلافت راشدہ کا قیام، خلیفہ اول کا [illegible]ب کیونکر عمل میں آیا۔ جنگی اصول، معرکہ آرائیاں، تاریخ کی روشن

[illegible]

دیوان غالب [illegible] ان کی تصویر اور بعض ایسے اشعار شامل ہیں جو دوسرے ایڈیشنوں میں نہیں پائے جاتے۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے

بیان غالب شرح دیوان غالب (از آغا محمد باقر ایم۔ اے)
اپنی شرح کے ساتھ حسب ضرورت دوسروں کی رائے بھی پیش کر دی ہے۔ جس کے باعث مجموعی حیثیت سے اچھی شرح ہو گئی ہے کتابت و طباعت اچھی کاغذ سفید۔ مجلد مع کور، ضخامت ۲۴۸
قیمت چھ روپے

کلیات اقبال ڈاکٹر اقبال کے اردو کلام کا انتخاب۔
قیمت مجلد پانچ روپے

آتش گل شہنشاہ غزل جگر مرادآبادی کا نیا مجموعہ کلام۔ جس پر حکومت ہند نے انعام دیا۔ مجلد مع کور
قیمت پانچ روپے

فردوس ماہر القادری کی وجد انگیز نظموں کا دلپذیر مجموعہ۔
قیمت ساڑھے تین روپے۔

اردو کے چاند تارے اردو کے تقریباً تمام باکمال شاعروں کا مصور تذکرہ اور نمونہ کلام۔
قیمت مجلد ساڑھے تین روپے

نبض دوراں ہندوپاک کے مشہور شاعر جناب آزر صابری کا مجموعہ کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے

[illegible]

اصح السیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تاریخی واقعات پر مشتمل بہترین نفیس، مفصل، مستند اور دلچسپ علمی و تحقیقی کتاب۔ سیرۃ النبی کی ضخیم مجلدات کے سوا اردو میں کوئی کتاب سیرۃ اس کے پلے کی نہیں۔ مجلد دس روپے

حصن حصین (مترجم) دعاؤں، مناجاتوں، وظیفوں اور جامع کلمات کا مشہور مجموعہ
قیمت مجلد آٹھ روپے۔

[illegible] [illegible]

قیمت پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ سترہ روپے

اساس عربی عربی سیکھنے کے لئے عربی صرف و نحو کے قواعد کی عمدہ کتاب۔ پانچ روپے (مجلد چھ روپے)

ملفوظات آزاد دینی، علمی، ادبی، سیاسی، تفریحی، تنقیدی اور تعزیتی مسائل کے سلسلہ میں۔ ڈھائی روپے

فتوح الغیب (اردو) ایمان، تقویٰ، صبر، فقر، خیر و شر، جبر و قدر، سنت و بدعت اور شریعت و طریقت وغیرہا کے عنوانات پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے مشہور و معروف مقالات کا مجموعہ جس میں مولانا عبدالماجد دریا بادی کا مبسوط تعارفی مقالہ بھی شامل ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

حکایاتِ صحابہؓ صحابی مردوں اور عورتوں وغیرہ کے سبق آموز واقعات جن کے مطالعہ سے روح تازہ اور سینہ کشادہ ہوتا ہے۔ قسم اوّل مجلد تین روپے۔ قسم دوم سوا دو روپے۔

تحریک اخوان المسلمین مصر کی مشہور اسلام پسند جماعت "اخوان المسلمین" جس کے کئی رہنماؤں کو پھانسیاں دیدی گئیں۔ کیا ہے؟ اس سوال کا معتبر اور مفصل جواب حاصل کرنے کیلئے مصر کے محمد شوقی کی یہ قابلِ اعتماد کتاب ملاحظہ فرمائیے جس کا سلیس اردو ترجمہ سید رضوان علی نے کیا ہے۔ قیمت مجلد تین روپے

عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ کتاب جو فرنچ اور دیگر زبانوں میں بھی بے شمار چھپی۔ عجیب کتاب ہے متعلقہ نقشے اور بدر، خندق، احد اور دیگر تاریخی مقامات کے چوتیس فوٹو بھی منسلک ہیں

قیمت ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

اُسوۂ حسنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر ایک نفیس کتاب جسے پڑھکر باطل شکنی اور حق دوستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بعض ایسی مفید باتیں ملیں گی جو عام طور پر کتب سیرت میں نہیں ملتیں۔ سوا دو روپے (مجلد سوا تین روپے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات شاہانِ عالم، عرب کے فرمانرواؤں، قبائلی سرداروں اور عاملوں کے نام

دربارِ رسالت کی خط و کتابت اور معاہدات، ضروری تشریحات اور اصل مخطوطے کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ قیمت سوا دو روپے۔

حدیث اور قرآن از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ حدیث کا تعلق قرآن سے کیا ہے۔ دین میں حدیث کو کیا حیثیت حاصل ہے۔ رسالت کسے کہتے ہیں اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ اس طرح کے سوالات کے دل نشین اور مدلل جوابات، یہ کتاب خالص تبلیغی نقطۂ نظر سے چھاپی گئی ہے۔ چنانچہ سفید کاغذ کے ڈیڑھ سو صفحات کی قیمت صرف بارہ آنے۔ ٹائٹل رنگین نفیس۔

مکاتیب سید سلیمان ندوی قیمت مجلد سوا تین روپے۔

کتاب الصلوٰۃ "نماز" پر امام احمد ابن حنبلؒ کی مشہور کتاب ترجمے کے ساتھ امام صاحب کے اثر انگیز حالات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ۔

اسبابِ زوالِ اُمّت علامہ امیر شکیب ارسلان کی معرکۃ الآرا تصنیف۔ قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ۔

صراطِ مستقیم از شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ نیا ایڈیشن عمدہ کتابت و طباعت۔ ڈھائی روپے۔ (مجلد تین روپے)

اشتراکیت روس کی تجربہ گاہ میں اشتراکیت کی عملی ناکامی پر ایک محققانہ کتاب۔ قیمت تین روپے۔

احسن الصلوٰۃ نماز، وضو، تیمم اور غسل کے فرائض و واجبات، سنن، مستحبات اور مفسدات و مکروہات کو نہایت وضاحت سے درج کیا گیا ہے۔ صفحات ۱۲۸ صرف پانچ آنے۔

رحمۃ اللعالمین غیر مسلموں کی مدلل شہادتوں سے رسول اللہؐ کی عظمت و سطوت کا ثبوت صفحات ۱۲۲۔ تین آنے

محکمات قرآن کی بعض آیات اور ان کی تفسیروں پر علامہ عبداللہ العمادی کا عالمانہ تبصرہ و محاکمہ۔ دو روپے بارہ آنے۔

اُردو کا مقدمہ اُردو کے بارے میں ادیبوں، شاعروں، سماجی کارکنوں، سیاسی لیڈروں اور اہلِ علم و فضل کی شہادتوں پر مشتمل دلچسپ ڈرامہ، جو پُر لطف ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو کے حق میں دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک روپیہ۔

حقیقت جماعت اسلامی پر کئے گئے بعض اعتراضات پر مولانا عامر عثمانی کی مفصل تنقید۔ قیمت دس آنے۔

حیات اقبال مجلد ڈیڑھ روپیہ ● صحابیات — از نیاز فتحپوری۔ مجلد چھ روپے۔

انسانیت موت کے دروازے پر

(از مولانا آزاد)

اس میں جن ۳۹ مشاہیرِ عالم کے آخری سبق آموز لمحات پیش کئے گئے ہیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں :-

چاروں خلفائے راشدینؓ۔ حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ۔ حضرت معاویہؓ۔ حضرت سلمان فارسیؓ۔ حضرت عمرو بن العاصؓ۔ امام شافعیؒ۔ مامون الرشید اور حجاج بن یوسف وغیرہ (تاریخ کربلا بھی شامل ہے۔ اسے منگانے والے "شہید اعظم" نہ منگائیں)
قیمت مجلد ساڑھے تین روپے

سنتِ رسول

مصنف :-
مترجم :- ملک غلام علی مقدمہ : مولانا مسعود عالم ندوی

"سنت" کے موضوع پر بے حد وقیع کتاب۔ مجلد سوا دو روپے

آئینہ حقیقت نما

اس قیمتی کتاب میں مشہور مورخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے ان تمام الزامات کی مدلل صفائی پیش کی ہے جو متعصب حضرات فاتحین اسلام پر لگاتے رہے ہیں۔ طرزِ تحریر بے حد دلچسپ۔ استدلال محکم۔ نقد مضبوط۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب معیاری۔ مجلد بارہ روپے

جمہوریت اور مغربی تحریکیں

یورپ میں جمہوریت پر کیا بیتی اور انسانیت کے بلند نصب العین تک پہنچنے میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آئیں ؟- اس پر اونچے علمی انداز کا تبصرہ- قیمت مجلد ساڑھے تین روپے-

رہنمائے مدینہ

مدینہ منورہ کی مختصر تاریخ اور مقامات ماثورہ کی تشریح- قیمت ایک روپیہ-

[illegible]انیف مولانا منظور نعمانی

اسلام کیا ہے ؟ (مجلد ڈھائی روپے)
دین و شریعت (مجلد تین روپے)
آپ حج کیسے کریں (مجلد دو روپے)
معارف الحدیث حصہ اول (مجلد سوا پانچ روپے) حصہ دوم (مجلد ساڑھے پانچ روپے)
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے۔ مجلد چار روپے-

جنت کی کنجی معہ [illegible]شکور سوا تین ر
دوزخ کا کھٹکا (سوا دو روپے) خدا کی باتیں (ڈھائی رو-
ایمان کی باتیں (پونے دو روپے)

مصباح اللغات

عربی اُردو لغت کی عظیم الشان کتاب پچاس ہزار سے زائد الفاظ کی تشریح المنجد، قاموس، تاج العروس، نھایہ، منتھی! اور اسی پلّے کی دیگر لغات کا نچوڑ- مجلد سولہ روپے-

کریم اللغات

عربی و فارسی کے جو محاورات اور الفاظ اردو میں رائج ہیں ان کی اُردو تشریح- یہ لغت اچھی اُردو لکھنے اور سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے- قیمت دو روپے (مجلد ڈھائی روپے)

القاموس الجدید

جدید اُردو عربی لغت- اب تک ایسی کوئی ڈکشنری نہیں تھی جو اُردو سے عربی بنانے میں کما حقہ مفید ہو سکے- جائے شکر ہے کہ ایک دیدہ ور محقق نے اس کمی کو بہترین طریقے پر پورا کر دیا ہے- چھوٹے ۷۶۴ صفحات کی اس ڈکشنری کی خصوصیات بہت ہیں صرف چند بطور نمونہ ملاحظہ ہوں (۱) بیس ہزار اُردو الفاظ و اصطلاحات کی حروف تہجی پر ترتیب اور ان کا پچاس ہزار سے زیادہ عربی الفاظ و محاورات میں لغوی اور اصطلاحی دونوں قسم کا ترجمہ (۲) تمام ہی شعبہ ہائے زندگی سے متعلق جدید اصطلاحات و تعبیرات کی تفہیم (۳) محل استعمال، طریق استعمال اور صِلات و صفات کی توضیح (۴) مراسلت اور ترجمے وغیرہ کا مکمل مواد- لکھائی چھپائی پسندیدہ- جلد کپڑے سنہری ڈائی والی- قیمت سات روپے-

اُردو ہندی لغت

سائنسی، سماجی، صنعتی، تجارتی، صحافتی، عدالتی اور دفتری- غرض جملہ قسم کے الفاظ کی توضیح- مفرد کے علاوہ مرکب الفاظ کی بھی تشریح ہے- ہندی سیکھنے والوں کیلئے مفید ترین چیز- مجلد ساڑھے تین روپے

اب بھی مل سکتا ہے

بیان ہوئے مسئلہ

تفصیلی محققانہ بحث، نذر و نیاز، فاتحہ و عرس اور سماع موتیٰ وغیرہ

اجائزہ وغیرہ لک۔

اسی میں مولانا شیخ احمد کا مشہور مقالہ "مولانا مودودی اور

موقف" بھی شامل ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

نوٹ:۔ تنہا یہی نمبر منگانا ہو تو منی آرڈر سے ایک روپیہ بارہ آنے

بھیجئے۔ وی پی طلب کریں گے تو دو روپے دو آنے خرچ ہو جائیں گے

مبتدیوں کی تجوید

قرآن پڑھنے اور پڑھانے والوں کیلئے بہترین ہے۔ تجوید کے طریقے آسان زبان میں پیش کئے گئے ہیں۔ قیمت صرف بارہ آنے۔

احکام القمار

جس میں جوے کی تعریف، اس کے اقسام اور احکام، حدیث و قرآن سے پیش کئے گئے ہیں۔ مستند عالم مفتی محمد شفیع صاحب کے قلم سے۔ قیمت صرف چار آنے

ملا امل الابصار اردو ترجمہ نور الانوار شرح المنار

یہ ترجمہ عرصے سے کمیاب ہے۔ اس کے چند نسخے مل گئے ہیں ضرورت مند حضرات فوری توجہ کریں۔ دو جلدوں میں مکمل ہے۔ غیر مجلد بارہ روپے مجلد سولہ روپے۔

خلفائے راشدین

(از مولانا عبد الشکور صاحب ایڈیٹر النجم لکھنؤ) خلفائے راشدین کی سیرت پر بے نظیر کتاب ہے۔

عربوں کی گذشتہ تجارت اور انگلستان کی صنعت و حرفت

اس کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں ملکوں نے تجارت کی بدولت کس طرح اور کتنی ترقی کی۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔

اشاعت اسلام

دنیا میں اتنی جلد اسلام کس طرح پھیلا؟ مخالفین اسلام اس سلسلے میں کیا کیا کہتے ہیں؟ اور اس کا اب کیا ہے؟ یہ سب کچھ ٹھوس دلائل کے ساتھ اس میں ملیگا۔ کاغذ طباعت، کتابت سب عمدہ۔ قیمت چھ روپے۔

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک

مشہور محقق عالم مولانا مسعود عالم ندوی کی مشہور آفاق کتاب حضرت سید شہیدؒ کی چلائی ہوئی تحریک اور ان کے ساتھیوں پر تبصرہ و تنقید اور غیروں کی غلطیوں کی نشاندہی اور تردید وغیرہ۔ قیمت ڈھائی روپے۔

تاریخ عالم

حضرت آدمؑ سے لیکر رسول اللہ تک کے تمام انبیاء کے حالات مع تاریخ پیدائش و وفات اور مکمل تاریخ اسلام و دیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ دنیا کے مشہور ممالک اور ریاستوں کی تاریخ۔ مجلد ساڑھے چار روپے۔

اسلام اور انسانی قانون

علامہ عبد القادر عودہ شہید کی ایک نفیس کتاب ترجمہ سلیس ہے

قیمت صرف پندرہ آنے

سدِّ باب ذریعہ

علامہ ابن قیم کا ایک عجیب مضمون جس میں ۹۹ مثالوں کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کو حرام کرتا ہے تو اس تک پہنچانے والے تمام وسائل و ذرائع کو بھی ممنوع کر دیتا ہے۔ قیمت دس آنے

تفسیر فیض الرحمٰن

بسم اللہ الحمد اور معوذتین کی تفسیر شاہ ولی اللہؒ اور دیگر اکابرین کی آراء کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ہدیہ دو روپے۔

تحفہ اثنا عشریہ (اردو)

از حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی

ترجمہ:۔ مولانا سعد حسن خاں یوسفی۔

پیدائش و تاریخ مذہب شیعہ۔ اُن کی مختلف شاخیں۔ اُن کے اسلاف علماء اور کتب کا بیان۔ الوہیت، نبوت، امامت اور معاد کے بارے میں اُن کے عقائد، اُن کے مخفی مسائل فقہیہ، صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور اہل بیت کے حق میں اُن کے اقوال و افعال اور مطاعن مکائدِ شیعہ کی تفصیل، ان کے اوہام، تعصبات اور ہفوات کا بیان۔

قیمت مجلد مع حسین ڈسٹ کور بارہ روپے۔

ختم نبوت کامل ہر سہ حصہ

مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جس میں ایک سو سے زائد آیات قرآنی اور دو سو دس احادیث رسول اور اجماعِ امت اور سیکڑوں اقوال صحابہ و تابعین و ائمہ دین سے مسئلہ ختم نبوت کے ہر پہلو کو

ائمہ اور علم حدیث ہے۔ ایک تحقیقی اور معلومات افزا کتاب۔ مجلد آٹھ روپے

منع کیا ہے اور شبہات کے شافی جوابات دیئے گئے ہیں۔
قیمت مع ڈسٹ کور چھ روپے

اصول تفسیر | شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ایک قیمتی رسالہ کا سلیس اُردو ترجمہ مع حواشی مفیدہ۔ ایک روپیہ

تلاش راہِ حق | ایک طالب حق کے جواب میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور میاں طفیل احمد کے خطوط۔ قیمت مجلد پونے دو روپے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات | آج کی شستہ اور دلکش زبان میں ان تعلیمات اسلامی کی تفصیل جن کی ہر مسلمان کو ہر وقت ضرورت ہے۔ قیمت سوا روپیہ۔

رسول اللہؐ کے ارشادات و خطبات | سیرت طیبہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ضروری ارشادات و تعلیمات کا خلاصہ۔ احادیث کی ایمان افروز تشریحات۔ ہدیہ مجلد ڈھائی روپے۔

تصویریں | (از اسعد گیلانی) دلچسپ افسانوی انداز میں پیش کردہ سبق آموز حقائق۔ مجلد سوا تین روپے۔

آدم کے تین بیٹے | (از اسعد گیلانی) ایک تمثیل جو دلچسپ اور فکر انگیز ہے۔ مجلد پونے دو روپے۔

تحریک مجاہدین کا انقلابی پہلو | (از اسعد گیلانی) موضوع نام سے ظاہر ہے بڑی دلکش اور ایمان افروز کتاب ہے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

مبتدی مردوں، عورتوں اور بچوں کیلئے

سیرت رسولؐ	۱۰ر	پیارے رسولؐ	۵ر
سراپائے رسولؐ	۱۴ر	حلیۃ النبیؐ	عہ ر
آداب النبیؐ	۸ر	رسول اللہؐ کے اخلاق مجلد	۲ عہ ر
رسول اللہؐ کے معجزے	عہ ر	رسول مقبولؐ کی دعائیں	۱۴ر
رسول اللہؐ کی نمازیں	۱۴ر	حضرت خدیجہؓ	۱۴ر
حضرت عائشہؓ	۱۰ر	حضرت فاطمہ زہرہؓ	۱۰ر
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۱۲ر	حضرت عمر فاروقؓ	۱۴ر

حضرت عثمان غنیؓ	[illegible]	حضرت [illegible]	[illegible]
حضرت حمزہؓ	[illegible]	حضرت بلالؓ	۱۴ر
حضرت معاویہؓ	۸ر	حضرت معاذ بن جبلؓ	۵ر
حضرت سلمان فارسیؓ	۵ر	حضرت ابوالدرداءؓ	۴ر
حضرت انسؓ	۴ر	ہمارے نبیؐ کے صحابہؓ	ایک روپیہ
خواتین اسلام	۸ر	سید اسمٰعیل شہیدؒ	۷ر
غوث الاعظم	۴ر	مفسر قرآن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	۸ر
آخرت کے فکرمندوں کی پچاس قصے	۶ر	جہانگیر	سوا روپیہ
شاہجہاں	۸ر	نادر شاہ (ڈرامہ)	۶ر
رستم	عہ ر		

پاک بیبیاں (تمام ازواج مطہراتؓ کی سوانح) ۱۲ عہ ر
رسول اللہؐ کے دو محبوب حضرت زیدؓ اور حضرت اسامہؓ ۸ر
عہد رسالت کے دو بچے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ۱عہ ر
درسگاہ رسولؐ کے دو طالب علم حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عہ ر
صحابہ کرامؓ کس طرح زندگی گذارتے تھے انکے معمولات کیا تھے؟ عہ ر

انجمن حمایت الاسلام لاہور کی کتب

اُردو کا قاعدہ	۲ر	اُردو کی پہلی	۳ر
اُردو کی دوسری	۷ر	〃 تیسری	۱۰ر
〃 چوتھی	۱۲ر		

مولوی اسمٰعیل والی کتب

قاعدہ اُردو	۲ر	اُردو کی پہلی	۳ر
اُردو کی دوسری	۶ر	〃 تیسری	۱۰ر
〃 چوتھی	۱۲ر	〃 پانچویں	عہ ر

تعلیم الاسلام عکسی مکمل چار حصہ۔ ایک روپیہ چھ آنے
تاریخ الاسلام در سہ حصہ مکمل بچوں کے لئے۔ دو روپے چھ آنے

ہماری دعوت	دو آنے	فیصلہ کن مناظرہ مجلد	ڈیڑھ روپیہ
نماز اخلاص	آٹھ آنے	نماز کی حقیقت از مولانا منظور نعمانی	۱۲ر
سلاطین ہند کی علم پروری	۱۴ر	کلمہ طیبہ کی حقیقت	چھ آنے
تقدیر کیا ہے؟ از مولانا اشرف علی	۱۴ر	فضائل درود و سلام	۱۴ر

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

مشہور و معروف سرمہ
جو تقریباً سولہ سال سے اپنی خدمات انجام دے رہا ہے
ایک تولہ پانچ روپے
آدھا تولہ تین روپے
ڈاک خرچ ڈیڑھ روپیہ
ایک قدیمی نسخے سے تیار کیا ہوا جس میں سچے موتی اور دیگر مفید اجزاء شامل ہیں
بغیر کسی مرض کے بھی ہمیشہ اسے استعمال کرتے رہیے کیونکہ یہ آخری عمر تک نگاہ کو قائم رکھتا اور مرض کے حملوں سے بچاتا ہے
DURR.E.NAJAF
دھند جالا، ناخونہ، پڑبال، سرخی، اور آنکھیں دکھنے میں مفید ہے۔
آنکھوں کے آگے تارے اڑتے ہوں، یا بینائی کمزور ہوتی جا رہی ہو، یا آنکھیں تھکاوٹ محسوس کرتی ہوں تو اسے استعمال فرمائیے۔
ضروری ہدایات ساتھ بھیجی جاتی ہیں۔
جن حضرات نے تجربہ کے بعد تعریفی تحریریں مرحمت فرمائیں اُن میں سے چند کے اسماء گرامی
حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند۔ مولانا اشتیاق احمد صاحب استاذ دار العلوم دیوبند۔ حضرت مولانا مطلوب الرحمن صاحب عثمانی مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب (ندوۃ المصنفین دہلی)۔ ڈاکٹر ظفر یار خاں صاحب سابق ملٹری سرجن۔ حکیم کنہیا لال صاحب وید سہارنپور۔ ڈاکٹر انعام الحق، صاحب ایل ایم ایس ہومیوپیتھک۔ ساہو جوالا سرن صاحب رئیس اعظم مراد آباد۔ جناب امتیاز نسیمی ایڈیٹر اسلامی دنیا دیوبند
ہندوستان کا پتہ دار الفیض رحمانی۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور۔ (یو۔پی) انڈیا
پاکستان کا پتہ عثمان غنی۔ کرانہ مرچنٹ ۲۲۸۰ مینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان

ایڈیٹر۔ عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

Price Rs. 1

صحیح بخاری شریف مع بہترین اردو ترجمہ
مکتبہ
فیض القرآن دیوبند کا دوسرا شاندار کارنامہ
فیض القرآن دیوبند اپنے پہلے پروگرام کے تحت قرآن مجید کی شہرۂ آفاق تفسیر "تفسیر ابن کثیر" اردو کا ایک ایک
پوری پابندی وقت کے ساتھ ہر ماہ شائع کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مکتبہ کا دوسرا پروگرام صحیح بخاری شریف
اردو کی اشاعت ہے۔ اس کے تیس پارے ماہ بماہ ایک ایک پارہ کی شکل میں شائع ہوتے رہیں گے۔
فخر دو عالم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کا وہ گرانقدر مجموعہ جو امام عالی مقام امیر المومنین فی الحدیث
ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری نے چھ لاکھ احادیث نبوی میں سے منتخب فرما کر سولہ سال میں مرتب فرمایا ہے۔
قرآن مجید کے بعد دنیا کی وہ مستند ترین اور لاثانی کتاب جس میں قطعی سچی احادیث کا وہ جلیل القدر عظیم الشان
علمی خزانہ پوشیدہ ہے جو اسلام کی روح رواں ہے۔
سابقہ تراجم کی خامیوں کے پیش نظر ترجمہ اردو بھی زیادہ دقت نظر صحت فکر کا محتاج تھا اور حواشی و تشریح کا ایک
مبین خلاصہ بھی ضروری تھا۔ مکتبہ نے مستند علما کی خدمات حاصل کر کے اکابر علماء امت کی نگرانی میں اس اہم خدمت
جلیل کا عزم کیا ہے۔ سفید کاغذ۔ تقریباً ڈیڑھ سو صفحات ۲۰×۳۰ سائز۔ کتابت و طباعت معیاری۔
ہدیہ دو روپے فی پارہ۔ محصولڈاک ایک روپیہ فی پارہ۔ یہ رعایت صرف ممبران کے لئے مخصوص ہے۔ عام ہدیہ تین روپے فی پارہ
ممبری
اس سلسلہ کی دائمی شرکت کیلئے صرف ایک روپیہ کا منی آرڈر ارسال فرما کر ممبر بن جائیے
ممبران کی خدمت میں ہر ماہ صحیح بخاری شریف اردو کا ایک پارہ ذریعہ وی، پی
تین روپے ارسال کیا جاتا رہے گا۔ لیکن اگر آپ پانچ دوست مل کر ہر پارے کے ہر ماہ پانچ نسخے یکجا
منگائیں گے تو رعایتی وی، پی مع ڈاک خرچ تیرہ روپے (۱۳) کی ارسال ہوگی۔ اس شکل سے یہ پایۂ ناز علمی خزانہ
نہایت معمولی رقم میں رفتہ رفتہ ہر شخص کے پاس پہنچ جائے گا۔
مزید تفصیلات کیلئے
مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور یوپی
آج ہی ممبر بنئے اور ممبر بنائیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ تجلی دیوبند

جلد ۱۲ نمبر ۱

شمارہ نمبر ۲ و ۳

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے۔

سالانہ قیمت چھ روپے فی پرچہ ۸ر

اس پرچے کی قیمت ایک روپیہ

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۵ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

فہرست مضامین بابت ماہ اپریل و مئی ۱۹۶۰ء

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ: دفتر تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

پاکستان کا پتہ:- مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ میٹھا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)

عامر عثمانی

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "کوہ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

آغازِ سخن

ع۔ ا

لیجئے ایک ماہ کی غیر حاضری کے بعد آپ کا تجلی پھر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ خدا کرے پسند آئے اور جو کوفت نہ ملنے سے ہوئی ہے دُور ہو جائے۔ یہ عجیب ہی بات ہے کہ بعض مسائل میں ہماری روش اور موقف سے اگرچہ بیشمار لوگ خفا اور کبیدہ خاطر ہیں، لیکن ساتھ ہی تجلی کی محبت اور پسندیدگی کا حلقہ بھی روز افزوں وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ کفرانِ نعمت ہوگا اگر اس حیرتناک صورتِ حال کا تذکرہ نہ کیا جائے کہ بعض اختلافی مسائل میں ہمیں اپنے جن خیالات و افکار کے بارے میں پورا یقین تھا کہ ان کا برملا اظہار تجلی کی غیر معمولی مقبولیت کو بُری طرح متاثر کرے گا اور دنیاوی لحاظ سے ہمیں خسارے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا انھی کو جب ہم نے ضمیر کے تقاضے، دیانت کے مطالبے اور اظہارِ حق کے داعیے کے تحت سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر سپردِ قلم کر دیا تو خدائے رحیم و کریم کی بندہ نوازی دیکھئے کہ، ہمارے یقین کے برخلاف تجلی کا قبولِ عام اور بڑھ گیا اور خسارے کے تمام اندیشے پادر ہوا ثابت ہوئے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔ ہزار ہزار حمد و ثنا کی مستحق ہے وہ ذات والا صفات جو اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو مایوس نہیں کرتی اور جس کی شان یہ ہے کہ ایک تنکے کو طوفانوں سے اُلجھنے کی ہمت اور ایک تہی تنک مایہ کو پہاڑوں سے ٹکرانے کا کس بل عطا کرتی ہے ——

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ کاش اس عبدِ حقیر و ذلیل کی طرح سارے ہی مسلمان تجربہ کر کے دیکھتے کہ تمام وسیلوں اور واسطوں سے یکسر بے نیاز ہو کر براہِ راست اللہ اور صرف اللہ سے مدد مانگنا بندۂ مومن پر کس حیرت انگیز اور

ناقابلِ قیاس طور پر سکینت و رحمت اور وسعت و برکت کی بارش کا نزول کرتا ہے اور اللہ جلّ شانہٗ کس طرح اُس بندۂ بیکس کی کارسازی و دستگیری فرماتے ہیں جو ہر سفارش سے دامن کش اور ہر درمیانی رشتہ سے بے تعلق ہو کر بس اپنے خالق و مالک ہی کے درِ جود و عطا پر اُمید اور اعتماد کے ساتھ پیشانی رگڑتا ہے —

اس عاجز کا ملجا و ماوا پہلے ہی دن سے اللہ جلّ شانہٗ کی ذاتِ پاک ہے۔ جس دن سے یہ حدیث پڑھی تھی کہ اے خدا پر ایمان رکھنے والے! اگر تیرے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگ! —— اسی دن سے تہیہ کر لیا تھا کہ زندگی کے آخری سانس تک اپنی ہر مصیبت اور ہر حاجت میں اللہ ہی کو پکارے گا۔ صرف اللہ کو۔ بلا واسطہ اور بدون سفارش —— یہ نہیں کہ انبیاء و اولیاء کا طفیلی بننا عاجز کے نزدیک گناہ ہے۔ نہیں، جن لوگوں کا قلب اس پر مطمئن نہ ہو کہ دعائیں درمیانی سفارشوں اور وسیلوں کے بغیر بھی مقبول ہو سکتی ہیں وہ شوق سے وسیلے پکڑتے رہیں، لیکن فدوی تو اپنی کیفیت بیان کر رہا ہے کہ اس نے تو براہِ راست اللہ ہی کو پکارنے میں عجیب مزا پایا، ناقابلِ بیان کیف و سرور نہایت لطف و ابتہاج۔ پھر اللہ کی بندہ نوازی اور فیاضی دیکھئے کہ، اس نے دھتکارا نہیں، یہ نہیں کہا کہ گستاخ بندے تو ہم سے بلا سفارش براہِ راست مانگتا ہے! یہ نہیں فرمایا کہ نالائق انسان تو ہم جیسے شہنشاہ سے روبرو گفتگو کرتا ہے۔ یہ نہیں ارشاد کیا کہ بے ادب سفارش لا ورنہ کچھ نہیں دیا جائے گا۔ اس کی بجائے اس کی چشمِ کرم نے اپنا دامنِ رحمت پھیلایا۔ اس کے کبر و علو نے محتاج کے فقر و عجز کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کے دستِ جود و سخا نے مال و منال اور دیبا و حریر ہی نہیں نمک کی ڈلی اور پیوند کا ٹکڑا بھی عطا کیا۔ آپ حیرت کریں گے —— اور ذرا الحق تیکے

موجودہ دَور میں تجربہ کر لیا گیا ہے کہ اس حاجت کا گھونٹے میں اگر پھانس بھی پھنس کر پک گئی ہے تو اس نے اللہ ہی سے کہا ہے کہ "اے ذرّے ذرّے کے خالق و مالک! تو ہی اسے اچھا کرے گا" دوا علاج کی سنت ادا کرتے ہوئے میں تیرے ہی فیصلے پر یقین رکھتا ہوں کہ تو چاہے تو ایک پھانس کی حقیقت کیا اور نہ چاہے تو یہی زہریلے تیر سے زیادہ مہلک ثابت ہو سکتی ہے! — ہاں میں نے دو پیسوں کے لئے بھی اور ہزار روپوں کے لئے بھی اللہ ہی سے دعا کی ہے اور قطعاً بے واسطہ کی ہے۔ میں نے ہولناک مصیبت میں بھی اور معمولی پریشانیوں میں بھی اسی کو پکارا ہے بے وسیلہ اور بلاواسطہ۔ پھر نہ پوچھئے اُس بے نیاز نے اپنے ذلیل بندے کے ناز اور بھروسے کو کس کس طرح نوازا۔

آپ کہیں گے یہ کیا رام کہانی سُنائی جا رہی ہے۔ واقعی میں معترف ہوں کہ اس طرح کی باتیں ادارئیے کے شایانِ شان نہیں، لیکن بعض حالیہ تجربوں کے ساتھ ماضی کے متعدد تجربات و حالات آج اچانک اس طرح فضائے تصور پر چھا گئے کہ ضبط کا یارا نہ رہا اور قلم تحدیثِ نعمت پر آمادہ ہو گیا۔ پھر اُمتِ مسلمہ کی عام حالت کے تصور نے دل کو اور بھی اُبال دیا۔ ہائے یہ دعوۃِ توحید کرنے والی امت جس نے خدا کو خدا سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ جس نے ذات باری تعالٰے کو دنیا کے اُن بڑے لوگوں کی طرح گمان کر لیا ہے جن کی بارگاہ تک درمیانی سفارشوں اور وسیلوں کے بغیر کوئی آواز نہیں پہنچائی جا سکتی پھر اس گمان کے نتیجے میں اس نے اصل شہنشاہ کو تو ثانوی حیثیت میں ڈال دیا اور وسیلوں ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھی۔ نہیں اے اندھیرے میں ٹھوکریں کھانے والو! ہمارا شہنشاہ ایسا نہیں ہے۔ وہ اُونچے محلوں میں چھپ کر نہیں بیٹھتا، وہ مخلوق کے ایک ایک فرد سے نہ بے خبر ہے نہ لاپرواہ اس نے کہا ہے کہ:۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۗ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ۔	اور اے پیغمبر! جب میرے بندے میرے متعلق تم سے پوچھیں تو انھیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کو سُنتا اور اس کا جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انھیں چاہئے کہ مجھی سے طلب اجابت کریں۔

اور اس نے فرمایا ہے:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔	بلا شبہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ان خطرات و وساوس کو خوب جانتے ہیں جو اس کے نفس میں گذرتے ہیں اور ہم رگِ گلو سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔

\+ + + +

ذرا سوچیا اور کون ایسا فریاد رس اتنا قریب، ایسا علیم و خبیر اور ایسا حاضر و ناظر ہو سکتا ہے۔ اس سے مانگ کر دیکھو، بھروسے امید اور لگن کے ساتھ۔ یہ بے نہایت رحم و کرم اور لا محدود علم و خبر والا ہے۔ تم جتنے زیادہ عاجز و بیکس اور محتاج و بے سہارا اس کے حضور جاؤ گے اتنا ہی زیادہ اس کے دریائے بخشش و عطا میں جوش آئے گا۔ چھوڑ دو غیر اللہ کے دامن۔ توڑ دو غیر اللہ سے امید کے سارے رشتے۔ دعا کے لئے وہی راہ اختیار کرو جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں ایک روشن لکیر کی طرح چمک رہی ہے اللہ کے بعد ہر مخلوق سے بڑھ کر عظمت و شان والا مگر اللہ کے آگے احتیاج و فقر کا مجسمہ!۔

خطا معاف۔ اگر ان سطروں میں کسی کے لئے کوئی سبق ہے تو وہ اس سے فائدہ اٹھائے، نہیں ہے تو دیوانے کی بڑ سمجھ کر آگے بڑھ جائے۔

ہمارا ایک نسیان فروری ۶۲ء کے "آغاز سخن" میں راقم الحروف کی ایک عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر ابن عبد العزیز" حضرت عمرؓ کے پوتے تھے۔ یہ غلط ہے۔ آپ پڑپوتے تھے۔ یعنی حضرت عمرؓ کی پوتی کے صاحب زادے۔ جن احباب نے اس نسیان پر تنبیہ کیا ہے ان کو اللہ جزائے خیر دے۔

عامر عثمانی

پاکستانی پتے میں تبدیلی پاکستانی حضرات اب تک تجلی اور مکتبہ تجلی کی رقمیں شیخ سلیم اللہ صاحب کو بھیجتے رہے ہیں۔ اب ذیل کے پتے پر بھیجیں:۔

مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ مینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی

ادارۂ تجلی جناب شیخ سلیم اللہ صاحب کا بیحد ممنون ہے کہ اپنی بیحد مصروفیت کے باوجود انھوں نے عرصہ دراز تک بارِ امانت اُٹھایا۔ اب ادارہ بصد شکریہ انھیں سبکدوش کرتا ہے۔ — منیجر

پیغمبروں کے بعد سب سے بڑا انسان

از جناب حسن ریاض

بیان کیا گیا ہے کہ جب محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا زمانہ قریب آیا تو مکہ کے بعض لوگوں کے دلوں میں جستجو پیدا ہو گئی کہ دین ابراہیمی کیا تھا۔ وہ اس کے متعلق گفتگو کرتے تھے اور ظن و تخمین سے کچھ عقائد و اعمال مقرر کر لیتے تھے۔ بت پرستی اور ان جاہلیوں کو جن میں تمام عرب مبتلا تھا برا سمجھتے تھے مگر چونکہ ان کے خیال کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہ تھا اس لئے بیقرار اور مضطرب رہتے تھے۔ عیسائی اور یہودی بھی موجود تھے جن کی کتابوں میں نبی آخر الزماں کی آمد کے متعلق پیش گوئیاں تھیں۔ اور قریش کو تجارتی تعلقات کی وجہ سے ان سے سابقہ رہتا تھا۔ اس لئے یہ باتیں ان کے کانوں میں پڑتی رہتی تھیں۔

عرب بالکل اس سے واقف نہ تھے کہ کیا ہونے والا ہے مگر قدرت عجیب طرح آنے والے انقلاب کے لئے ماحول پیدا کر رہی تھی۔ طبیعتوں کو تیار کر رہی تی اور اسی کفر و ضلالت کی گندگی میں ان شخصیتوں کو پیدا کر رہی تھی جن سے اسے انقلاب میں موافق کی حیثیت سے اور مخالف کی حیثیت سے کام لینا تھا۔

عام الفیل کے صرف ایک سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ قبیلہ قریش میں بنی ہاشم اور عبد المطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے عبد اللہ کے گھر میں عبد المطلب نے جن کو کعبے کی تولیت کا شرف حاصل تھا اپنے ان پوتے کا نام محمد رکھا تو قریش کو تعجب ہوا کہ خاندانی ناموں سے الگ یہ یا نام ! اور عبد المطلب سے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے کہا میرا یہ پوتا ایسا عظیم الشان ہوگا کہ سب اس کی تعریف کریں گے۔ عبد المطلب سیکون کہلا رہا تھا؛ عبد المطلب جب صحن کعبہ میں سرداری کی مسند پر بیٹھتے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے برابر بیٹھ سکے۔ ان کے بیٹے بھی نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ مگر آپ دادا کے پہلو میں آکر بیٹھ جاتے اور عبد المطلب فخر سے کہتے کہ میرا یہ بیٹا سردار قوم ہوگا۔ عبد المطلب کو یہ خبر کون دے رہا تھا؟ کفار کے مجمع میں اور ان چچاؤں ہی میں سے ایک ابولہب جیسا دشمن بھی تھا۔ اللہ نے ابوطالب کو پیدا کر دیا جنہوں نے مرتے دم تک اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پشت پناہی کی۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی پیدا ہو رہے تھے۔ آپ کے دشمن پیدا ہو رہے تھے۔ ان دشمنوں اور دوستوں کے رفیق و مددگار پیدا ہو رہے تھے۔ اللہ کے سچے اور کامل دین کے محافظوں کی اور مخالفوں کی صفیں مرتب ہو رہی تھیں مگر کوئی ایک دوسرے کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ ایسے مددگار بھی نہیں جانتے تھے کہ جن سے دوستی کی ہے۔ یہ پیغمبر ہونے والے ہیں۔ ان پر ساری دولت نثار کرنی پڑے گی ان کے لئے وطن چھوڑنا پڑے گا۔ بیٹوں اور رشتہ داروں سے جنگیں کرنی پڑیں گی۔

حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال چھوٹے تھے۔ یہ دو سال کا تفاوت اتنا کم تھا کہ گویا ہم عمر تھے۔ مزاج و سیرت میں حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر مشابہ تھے کہ ایک موقع پر ابن دغنہ نے ان میں وہی اوصاف و کمالات ان کے بیان کئے جو حضرت خدیجہ نے پہلی وحی کے نزول پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کئے تھے۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر بحیرا راہب کے واقعہ کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ سفرِ شام میں حضرت ابوبکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ رشتے کی گفتگو میں حضرت ابوبکر ہی ایک واسطہ تھے۔ ان باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے درمیان لڑکپن یا عنفوانِ شباب ہی سے دوستی تھی۔ اور دوستی بھی اس انداز کی کہ حضرت ابوبکر کے دل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور حسنِ اخلاق کا گہرا اثر تھا جس کی وجہ سے آپ کی طبیعت اسی وقت سے آپ کے اتباع کی طرف مائل تھی۔ یہ غالباً اس اتباع ہی کی برکت ہے کہ ابن جوزی کو حضرت ابوبکر میں ان محاسن کی روشن جھلکیاں نظر آتی ہیں جو حضرت خدیجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیان کی تھیں بلکہ آپ کی ذات میں مشاہدہ کی تھیں۔

حضرت ابوبکر قریش کی شاخ بنو تیم سے تھے اور آپ کا خاندان بڑا معزز تھا۔ اسلام لانے سے قبل حضرت ابوبکر عقل و فہم، اصابتِ رائے اور علم و بردباری میں مشہور تھے۔ اشناق کی خدمت آپ کے سپرد تھی یعنی اگر کوئی قتل ہو جاتا تو قاتل سے دیت یا خون بہا لینے کا معاملہ حضرت ابوبکر سے متعلق ہوتا تھا۔ علم الانساب کے آپ ماہر تھے اور شعر بھی کہتے تھے مگر اسلام قبول کرنے کے بعد شعر گوئی ترک کر دی تھی۔ بت پرستی اور شراب سے آپ متنفر تھے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد

آزاد مردوں میں حضرت ابوبکر پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ صرف ذاتی عقیدہ تبدیل کر لینے کا معاملہ نہیں تھا بلکہ اس ساری دنیا کے مقابلے میں جو صرف کفار سے آباد تھی اور اسلام کے مقابلے میں صف آرا ہونے والی تھی آپ نے اپنی ذات کو اپنی دولت کو اور اپنے وسائل کو اسلام کی حمایت اور اس کے پیغمبر برحق کی مدد کے لئے پیش کر دیا۔ حضرت ابوبکر بڑے تاجر تھے اور خاصے دولتمند۔ آپ کے اسلام لانے پر کفار کو بڑا غصہ آیا اور مسلمانوں پر مظالم کرنے میں انہوں نے شدت اختیار کی۔ جو غلام اور لونڈیاں مسلمان ہو گئیں تھیں ان کے مالک کفار تھے وہ ان کو بری طرح پیٹتے تھے اور انہیں طرح طرح سے ایذا دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال حبشی، عامر بن فہیرہ حضرت ابو فکیہہ حضرت سنبہ، حضرت زنیرہ، حضرت نہدیہ اور ام عمیس کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اس طرح اللہ کی راہ میں حضرت ابوبکر نے اپنی دولت لٹائی جس وقت حضرت ابوبکر ایمان لائے تھے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور جب مدینہ کو ہجرت کی تو صرف پانچ ہزار رہ گئے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ابوبکر کے مال نے جو نفع پہنچایا ہے کسی اور کے مال نے نہیں پہنچایا ———— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ سائے کی طرح رہتے تھے۔ کئی بار ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے نرغے میں گھر گئے اور وہ آپ پر زیادتیاں کرنا چاہتے تھے کہ حضرت ابوبکر آ گئے اور ان میں گھس گئے اور ان کو دفع کیا حضرت علی جیسے شجاع نے حضرت ابوبکر کی شجاعت کی تعریف کی اور انہیں صحابہ میں سب سے زیادہ بہادر تسلیم کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت کے مطابق جو حضرت شاہ ولی اللہ نے ریاض النضرہ سے نقل کی ہے جب مکہ میں مسلمانوں کی تعداد ۳۹ ہو گئی تو حضرت ابوبکر نے اصرار کیا مسلمان اپنے آپ کو ظاہر کر دیں۔ یعنی اعلان کے ساتھ اسلام کے احکام کی تعمیل کریں اور اس کی تبلیغ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظار فرمایا مگر حضرت ابوبکر کا اصرار جاری رہا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمادہ ہو گئے۔ جتنے مسلمان تھے وہ مسجد میں آ کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ کفار کو خبر ہو گئی۔ وہ مسجد میں آ گئے اور مسلمانوں پر انہوں نے حملہ کر دیا اور ———— بڑی بے دردی کے ساتھ زدوکوب کیا۔ عتبہ بن ربیعہ نے حضرت ابوبکر کو ایسی بری طرح پیٹا کہ آپ کی ناک پچک گئی۔ اور آپ بے ہوش ہو گئے۔ مرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہی۔ بنو تیم کو جب خبر ہوئی تو انہوں نے آ کر مشرکوں کو مسجد سے دفع کیا اور حضرت ابوبکر کو گھر لے گئے۔ ہوش آنے کے بعد پہلی زبان سے پہلی بات یہ نکلی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟

اور جب تک آپ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیا اس وقت تک کھانا اور پینا متروک رکھا۔ کفار مکہ نے اسلام لانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کرنے پر آپ کو ایسا پریشان کیا اور آپ کے نماز و قرآن پڑھنے میں ایسے مانع ہوئے کہ آپ نے ایک مرتبہ حبشہ کو ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا مگر ابن دغنہ نے آپ کے محاسن اخلاق کا ذکر کر کے کہا کہ آپ جیسے شخص کو ـــــ ہم ہرگز مکہ سے نہ جانے دیں گے اور اپنی پناہ میں مکہ واپس لایا اور قریش کو اس کے طرز عمل پر اس نے سرزنش کی۔ قریش اس شرط پر رضامند ہوئے کہ اگر آپ خفیہ طور پر عبادت کریں تو ہم تعرض نہ کریں گے۔ آپ اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت فرماتے۔ آپ کی آواز سے قریش کے نوجوان اور عورتیں متاثر ہونے لگے۔ کفار نے ابن دغنہ سے شکایت کی یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔ وہ خفیہ عبادت کریں۔ ابن دغنہ نے جب حضرت ابوبکر سے کفار کے مطالبے کا ذکر کیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں میں اب اللہ کی پناہ میں آ گیا ہوں۔ یہ بلند ہمتی، اخلاص اور اللہ پر بھروسہ کی بے نظیر مثال تھی۔

مدینہ کو ہجرت

مدینے کے لوگ مکہ آتے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بھی قرآن سناتے تھے اور اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کرتے رہتے تھے۔ مدینے میں عربوں کے ساتھ یہودی بھی رہتے تھے اور ان کی کتابوں میں پیغمبر آخر الزماں کی بعثت کی پیش گوئی تھی۔ وہ عربوں سے اس کا ذکر کرتے رہتے تھے اس لئے مدینے کے عرب قبائل اس سے واقف تھے کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے اور نبوت اور پیغمبری کے تصور سے واقف ہو گئے تھے اور یہ بھی ان کی تمنا تھی کہ جس وقت اس پیغمبر کی بعثت ہو تو یہود سے پہلے وہ اس پر ایمان لائیں تاکہ یہود کے مقابلے میں انہیں اس کی تائید حاصل ہو جائے چنانچہ مدینہ کے لوگوں نے اسلام کی دعوت کو رغبت سے سنا اور وہاں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ خود مکہ سے مسلمان مدینے جانے لگے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سن لیا تھا کہ ہجرت ہونے والی ہے اور اس قسم کی سرزمین میں ہجرت ہو گی بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ نے مدینے تشریف لے جانے کی اجازت دی۔ کفار نے آپ کو روکنا چاہا اور اس موقع پر انہوں نے منصوبہ قائم کیا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی لیا جائے اور یہ منتخب آدمی آپ پر قاتلانہ حملہ کریں تاکہ اس جرم میں سب شریک ہو جائیں اور بنو ہاشم کے لئے تمام قبائل سے انتقام لینا دشوار ہو جائے۔

ہجرت کی شب یہ لوگ مسلح آپ کے مکان کے گرد نگران تھے کہ ان پر غنودگی طاری ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے اور حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر ہجرت کے لئے روانہ ہوئے۔ مکے سے تین میل کے فاصلے پر جنوب کی طرف کوہ ثور ہے اس کے ایک غار میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ یہاں تین شب قیام رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر کی یہ رفاقت ایسا عظیم واقعہ ہے کہ خود اللہ نے قرآن میں اس کا ذکر فرمایا اور شاید دنیا کی ان سب ہی زبانوں میں جنہیں مسلمان بولتے ہیں صادق اور مخلص دوست کو یار غار کہنے لگے ہیں۔

غار کے قیام میں عبداللہ بن ابوبکر جو اس وقت نوجوان تھے گھر سے کھانا لاتے کفار مکہ کے منصوبوں سے اصحاب غار کو مطلع کرتے رات کو غار میں قیام کرتے اور علی الصبح واپس چلے جاتے۔ عامر بن فہیرہ حضرت ابوبکر کے آزاد کردہ غلام رات کو دیر میں بکریاں چرا کر آتے اور دودھ نکال کر پیش کرتے اور بہت سویرے بکریاں لے کر چلے جاتے۔ قریش اپنے منصوبے کی ناکامی پر پریشان اور غضب ناک ہوئے بڑے اہتمام سے تلاش میں لگ گئے یہاں تک کہ ایک مرتبہ غار کے دہانے تک پہنچ گئے حضرت ابوبکر پریشان ہوئے اور بولے یہ لوگ اگر نیچے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہم ان کو نظر آ جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ماظنک یا ابا بکر باثنین اللہ ثالثہما اے ابوبکر ان دو کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہو۔

تیسرے روز حسب قرارداد عبداللہ بن اریقط اونٹنیاں لے کر آ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر مدینے روانہ ہوئے عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط رہنمائی کر رہے تھے۔ راستے میں سراقہ بن جعشم کا واقعہ پیش آیا۔ ربیع الاول کے مہینے میں دو شنبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں پہنچے۔ قبا میں دو ہفتے قیام کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان پر اترے اور

حضرت ابوبکرؓ ... قریب ... زمین کے پاس قبا میں ... تجارتی کاروبار شروع کیا اور اپنی محنت سے ... کر لیا۔ ... کے بعد آپ
کی بیوی ام رومانؓ، عبداللہ بن ابوبکر اور دونوں بیٹیاں حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ بھی مدینہ پہنچ گئیں۔

حضرت ابوبکر مدینہ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں مسجد کی تعمیر کے لئے ایک قطعہ زمین کو پسند فرمایا۔ یہ دو یتیموں کی ملکیت تھا۔ انہوں نے بطیب خاطر آپ کی نذر کرنا چاہا مگر آپ نے بلا قیمت لینا منظور نہیں کیا۔ اس کی قیمت حضرت ابوبکرؓ نے ادا کی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد کی تعمیر میں شریک ہوئے اور سامان تعمیر اٹھا اٹھا کر دیتے رہے۔

مکہ کی مظلومیت اور بیچارگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور اسلام کی عظیم خدمت انجام دینے کے بعد کہ حضرت عثمانؓ اور ایسے ہی کئی با اثر اشخاص نے آپ کی ترغیب سے اسلام قبول کیا، مدینے کی مہمات میں جو مختلف النوع تھیں: اسلامی معاشرہ کی تنظیم، پہلی اسلامی ریاست کی تشکیل، قبائل سے گفت و شنید، دشمنوں سے جنگ۔ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفار قریش نے جو اپنی ناکامیوں سے جھلائے ہوئے اور اسلام کی ترقی سے جلے جا رہے تھے، اہل مدینہ پر زور ڈالا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء کو مدینے سے نکال دیں۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بھیجیں کہ ان لوگوں کو پریشان کریں جو اسلام پر راغب ہیں۔ مگر جب ان حرکتوں سے انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے مدینے پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کیں۔ ابوسفیان کو ایک بڑے مشترکہ تجارتی قافلے کیساتھ شام بھیجا تاکہ اس کے مشترکہ منافع کو جنگ پر خرچ کریں۔ اس دوران میں مکہ کے وہ لوگ جو فن حرب کے ماہر تھے، فوجی تنظیم میں مصروف رہے۔ ابوسفیان بڑی کامیابی کے ساتھ شام سے واپس چلا۔ ایک ہزار اونٹوں پر سامان اور پچاس ہزار دینار تھے اور قافلے میں ساٹھ آدمی۔ اس زمانے کے حالات کے اعتبار سے اسلام کی تباہی کے لئے یہ ایسا ہولناک انتظام تھا کہ خستہ حال مسلمان بظاہر اس کے مقابلے میں لاچار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال قائدانہ بصیرت سے یہ مناسب سمجھا کہ اس قافلے کو مکہ تک نہ پہنچنے دیں لہٰذا آپ اس قافلے کے ارادے سے نکلے۔ کفار قریش کو بھی اس کی اطلاع ہوگئی۔ وہ قریش کے منتخب بہادروں کا لشکر لے کر مدینے کی طرف چل پڑے۔ اب باقاعدہ جنگ کی نوبت آگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف تین سو تیرہ سرفروشان اسلام کو لے کر بدر کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ مسلمانوں کے پاس نہ کافی اسلحہ تھے نہ گھوڑے۔ ان کے مقابلے میں کفار مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی اور وہ اس وقت کے مروجہ اسلحہ سے اچھی طرح لیس تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بے سروسامان مسلمانوں کی فتح کے لئے تمام شب اضطراب و بیقراری کے ساتھ دعائیں کیں۔

آج بھی دستور ہے کہ میدان جنگ میں جنرل کے لئے ایک مورچہ بنا دیا جاتا ہے جس پر بیٹھ کر وہ جنگ کی حالت دیکھتا ہے اور احکام جاری کرتا ہے۔ مسلمانوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک سائبان بنا دیا تھا کہ وہاں بیٹھ کر قیادت فرمائیں۔ جب یہ سوال درپیش آیا کہ وہاں ان کی حفاظت کے لئے کون رہے تو اس اہم ذمہ داری کو قبول کرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی اور ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوگئے۔ جو کافر اس طرف رخ کرتا تھا آپ اس کے سر پر پہنچتے تھے۔ اس واقعہ کا اظہار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اور کہا۔

• "فہو اشجع الناس" یعنی ابوبکر انسانوں میں سب سے زیادہ بہادر ہیں۔

اسی جنگ میں ایک ایسی بات بھی ہوئی جسے صرف حضرت ابوبکرؓ ہی کر سکتے تھے۔ آپ کے بڑے بیٹے عبدالرحمٰن اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور قریش کے ممتاز بہادروں میں سے تھے چونکہ اس وقت مکہ میں تھے اس لئے کفار کے ساتھ آنے پر مجبور ہوئے یا واقعی انہیں بھی کفر کے ساتھ وہی شغف تھا جو دوسروں کو۔ انہوں نے میدان جنگ میں آکر اپنے مقابل پر کہا۔ حضرت ابوبکرؓ خود طیش دینی سے بیقرار ہو کر بیٹے کے مقابل میں بڑھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہ آیا کہ باپ اور بیٹے مقابل ہوں۔ آپ نے ان کو روکا اور یہ کہہ کر "فمتعنی بنفسک" یعنی تم میرے پاس رہ کر

پہنچے فائدہ پہنچا تو اس فرمان کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے لئے سوائے تعمیل و اطاعت کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے تمام غزوات میں شرکت کی اور ان میں ہمیشہ آپ کی امتیازی شان رہی۔ غزوۂ تبوک کی خصوصیت یہ تھی کہ اگرچہ یہ بھی غزوں کے مقابلہ میں تھا مگر یہ وہ عرب تھے جو عیسائی ہو گئے تھے اور قیصر روم کے زیر اثر تھے اس لئے انہیں ان کی امداد حاصل تھی دوسری طرف یہ سال امساک باراں کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے کافی پریشانی کا تھا مگر کفار کے خلاف اس وجہ سے بھیجنی بھی ضروری تھی کہ اس سے قبل غزوۂ موتہ میں مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد غلام حضرت زید بن حارثہؓ آپ کے چچا زاد بھائی اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی حضرت جعفر طیار اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ عظیم المرتبہ انصاری اس جنگ میں بڑی بہادری کے ساتھ لڑ کر شہید ہوئے تھے شہداء کے غم میں مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا اور اس سے دشمنوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے ایک عظیم لشکر بھیجنے کی تیاریاں اور روپیہ پاس نہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چندے کے لئے اپیل کیا۔ حضرت عثمانؓ نے بہت دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی اتنا لائے کہ انھیں توقع پیدا ہوئی کہ میں آج حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ جاؤں گا اپنی پوری دولت کا نصف۔ مگر حضرت ابوبکرؓ جو کچھ لے کر آئے وہ سب تھا جو اس وقت آپ کے پاس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا تو حضرت نے جواب دیا کہ ان کے لئے میں نے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "اب مجھ کو یقین ہو گیا کہ میں ابوبکر سے سبقت نہ لے جا سکوں گا۔"

امیر حج کی حیثیت سے

فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں جو پہلا حج سنت ابراہیمی کے مطابق ہوا اس میں جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا حضرت ابوبکرؓ ہی نے یوم ترویہ (۸ ذالحجہ) یوم عرفہ (۹ ذالحجہ) اور یوم نحر (۱۰ ذالحجہ) کو خطبات پڑھے اور حضرت علیؓ نے سورۂ براءۃ کی آیتوں کا اعلان کیا۔ اسی سال یہ اعلان عام ہوا کہ "اس سال کے بعد تو کوئی مشرک حج کریگا اور نہ کوئی برہنہ ہو کر طواف کرے گا" اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حیات طیبہ میں اور آپ ہی کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ کو بڑے بڑے امتیازات حاصل ہوئے۔

نیابت وخلافت

دنیا کے کام طویل مسلسل مگر انسانوں کی زندگیاں محدود۔ لہذا کاموں، پروگراموں اور مقاصد کی تکمیل کے لئے اس دنیا میں جانشینی کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک شخص جاتا ہے دوسرا اس کی جگہ لیتا ہے اور اس کے چھوڑے ہوئے کاموں کو جاری رکھتا ہے عام انسانوں میں بھی اگر اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے غیر معمولی ہوتا ہے تو اس کی جانشینی اور نیابت دشوار ہوتی ہے چہ جائے کہ پیغمبر کی جانشینی۔ یقیناً پیغمبر آدمی ہوتے ہیں ان میں الوہیت کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا لیکن اللہ انسانوں کی رہنمائی اور اپنے عظیم مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کی تخلیق میں ایسی خوبیاں بلندیاں اور عظمتیں رکھتا ہے کہ کوئی دوسرا انسان محاسن وکمالات میں اُن کی برابری نہیں کر سکتا اور مصائب، کمزوریوں اور خطاؤں سے تو اللہ ہی ان کو پاک کر دیتا ہے تاکہ وحی اور پیغام کی صحت پر کسی کو شبہ باقی نہ رہے۔

اور یہ اس شخص کا کام بڑا مشکل تھا جس کو پیغمبر کی خلافت ونیابت کی خدمت انجام دینی پڑے اور وہ بھی پیغمبر آخر الزماں محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کی۔ جن پر اللہ نے اس دین کی تکمیل کی جس کا حضرت آدم علیہ السلام پر پہلی وحی کے ساتھ آغاز ہوا۔ صاف اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ تا قیامت کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ اور دین میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے اور مسلمانوں کے سامنے مصائب ومشکلات کے پہاڑ کھڑے ہو گئے جوش

محبت و عقیدت [illegible] جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور [illegible]
نے ہوش و حواس کھو دئیے [illegible] کہ جو یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے میں اسے قتل
کر دوں گا۔ اگر یہ بات چل پڑتی تو اسلام کا رخ ہی تبدیل ہو جاتا۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ آگے بڑھے۔ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
نعش مبارک پر نثار ہو [illegible] سے ڈھکا۔ مگر مشیت الٰہی کے سامنے سر جھکائے مضطرب و پریشان صحابہ کے مجمع میں کوہ استقلال بن کر
کھڑے ہو گئے اور یہ پر شوکت اعلان کیا۔ الا من کان یعبد محمداً فان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم قد مات ومن کان یعبد اللہ
فان اللہ لا یموت۔

اس کے بعد آپ نے قرآن کی حسب ذیل آیتیں تلاوت فرمائیں۔

(۱) انک میت و انھم میتون۔ اے محمد آپ کو بھی موت آنے والی ہے اور بلاشبہ وہ بھی مرنے والے ہیں۔

(۲) وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین

اور محمد نہیں ہیں مگر اللہ کے ایک رسول جن سے پہلے بھی اور رسول گزر چکے ہیں پس اگر ان کو موت آجائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے لوٹ جاؤ گے اور جو شخص ایسا کریگا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب جزا دیگا۔

حقیقت روشن ہو گئی حضرت عمر فاروقؓ کو سکون ہوا۔ وہ بیٹھ گئے پھر آپ نے تقریر کی۔ صحابہ رونے لگے۔ یہ پہلی اعتقادی مہم تھی جو
حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سر کی۔ اور یہ دور جذبات پر صبر و رضا اور عقل و تحمل کے غلبہ کا شاندار مظاہرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہو گئے اور وہاں یہ گفتگو شروع ہو گئی کہ خلیفہ رسول
کون ہو۔ انصار کی یہ رائے تھی کہ حضرت سعد بن عبادہ کو ہونا چاہئیے بے شک وہ بھی بڑے صحابی تھے اور غزوات میں انصار
کے علمبردار رہ چکے تھے مگر یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ تھا کہ نائب رسول انصار میں سے ہو یا مہاجرین میں سے۔ جو قریش
تھے۔ اور عرب سوائے قریش کے کسی دوسرے کی سرداری اور امارت قبول کریں گے بھی یا نہیں۔ ہرگز نہ کرتے بڑا فتنہ بپا ہوتا۔
اس اجتماع کی خبر سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو لے کر سقیفہ بنو ساعدہ میں پہنچے۔
وہاں بحث و گفتگو جاری تھی۔ اور یہ بات زبان پر آ گئی تھی کہ ایک امیر انصار میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے۔

بڑی خطرناک بات

ان تینوں کو دیکھکر انصار کے خطیب نے کہا۔
"ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں اور اے مہاجرین تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہو لیکن اب تم ہم سے
برگشتہ ہو گئے ہو اور جو ہمارا مقام ہے اس لئے ہمکو الگ کرنا چاہتے ہو۔" اس کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نہایت
فصیح و بلیغ تقریر فرمائی۔ "اے انصار تم جو اپنے متعلق کہتے ہو بیشک تم اس کے اہل ہو اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی تم کو بڑا گہرا تعلق ہے لیکن عرب سوائے قبیلہ قریش کے اور کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے اس
پر حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ "ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لو" اس پر شور و شغب بڑھنے
لگا اور انصار کی طرف سے حباب بن منذر نے سخت کلامی کی تو حضرت عمرؓ نے پیش قدمی کر کے حضرت ابوبکرؓ سے کہا "نہیں
ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے کیونکہ آپ ہم سب سے بہتر ہیں۔ ہمارے سردار ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ

صحبت تھی۔ اور انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بیعت کی۔ اس کے بعد مہاجرین اور انصار سب نے [illegible] ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ دوسری اور عظیم ترمہم تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فوری اقدام اور حسن تدبیر سے اس میں ایسی کامیابی ہوئی کہ اس سے بہتر تصور بھی میں نہیں آ سکتی تھی۔ تدبیر اور اقدام سے زیادہ یہ کامیابی اس وجہ سے ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت ابوبکرؓ ابتدا سے آخر تک تمام مہمات میں شریک رہے تھے اور آپ کی سیرت کے تمام پہلو نمایاں اور روشن ہو کر مسلمانوں کے سامنے آ چکے تھے۔ اور وہ آپ کی اصابت رائے آپ کے استقلال آپ کے تحمل آپ کے عزم راسخ اور آپ کی بے نظیر شجاعت پر سب کو اعتماد تھا۔

خطرناک صورت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام کے لئے ایسی سخت مصائب پیدا ہوئیں کہ دنیا اب تک متحیر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان پر کیسے قابو حاصل کیا۔ جنگ موتہ اور غزوہ تبوک کی مقاصد کی تکمیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت کے زمانے میں ایک لشکر مرتب فرمایا۔ حضرت اسامہ کو اس کا سردار بنایا اور شام کی طرف اسکو روانہ فرما دیا۔ مگر وہ مقام جرف ہی میں پہنچا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے اس حادثہ عظیم کی اطلاع پر حضرت اسامہ وہیں ٹھہر گئے۔ اسی خبر کے اثر سے مدینے میں جو منافق تھے ان کے تیور بگڑے اور پھر اطراف مدینہ کے ان قبائل نے سرکشی اختیار کی جن کے دلوں میں اچھی طرح اسلام جاگزیں نہیں ہوا تھا۔ پھر یمن اور عراق کے ان علاقوں کے قبائل نے جو مدینے سے دور تھے اور ابھی اسلام قبول کرنے کے لئے شرائط ہی پیش کر رہے تھے اور اس غرض کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجتے رہے تھے۔ بغاوت پر کمر باندھی ان سب نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں.... بعض کج فکر اور بد رائے اشخاص کے سر میں یہ ہوا ابھر گئی تھی کہ ہم بھی نبوت کا دعوٰی کیوں نہ کر دیں۔ اور انھوں نے دعوٰی کیا۔ وفات کے بعد ان کے حوصلے اور بڑھے اور یہ اپنی دعوتیں لے کر کھڑے ہو گئے اور اسلام کے دشمن ساسانیوں اور رومیوں نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ اس طرح سارے عرب میں آگ لگ گئی اور اس کے شعلوں اور لپٹوں کی گرمی سے مدینے کے مسلمان پریشان ہونے لگے۔

اس فتنہ کو بالعموم فتنہ ارتداد کہا جاتا ہے اور مغرب کے مؤرخ اور اسلام پر نکتہ چینیاں کرنے والے اس کو قطعی ارتداد قرار دیکر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کے زور سے اسلام کی اشاعت کی اور جب وہ تلوار ہٹی تو انھوں نے اسلام ترک کر دیا۔ مگر جب حضرت ابوبکرؓ نے تلوار ہی کے زور سے انھیں دبایا تو یہ سیدھے ہو گئے۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے اپنی کتاب صدیق اکبر میں جو ہمارے اس مضمون کا ماخذ ہے بڑی خوبی سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت راسخ العقیدہ مسلمانوں کے علاوہ جو حجاز اور طائف میں آباد تھے۔ عام عرب قبائل دو قسم کے تھے ایک قسم تو ان قبیلوں کی تھی جو مدینہ طیبہ کے قرب و جوار میں آباد تھے مثلاً۔ عبس ذبیان۔ بنو کنانہ۔ غطفان اور فزارہ۔ یہ وہ لوگ تھے جن تک اگرچہ اسلام کا پیغام پہنچا لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیرون حجاز میں اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اس کے تمام فرائض و واجبات کی تعلیم کا باقاعدہ پروگرام وفات سے صرف ڈیڑھ دو برس پہلے ہی شروع کیا تھا اور اس مقصد کے لئے معلمین و مبلغین کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ اس بنا پر مدینہ کے قرب و جوار میں رہنے والے قبائل نے اس پیغام کو سنا اور اسے قبول بھی کیا لیکن چونکہ ان کو براہ راست آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و خدمت میں رہنے کا زیادہ موقع نہیں ملا اسلئے اسلام کی اصل روح سے وہ آشنا نہیں ہو سکے۔ قرآن میں ان

لوگوں کو اعراب کہا گیا ہے اور جگہ جگہ ان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کا ایمان پختہ نہیں ہے۔

قرآن کی یہ آیات نقل کرنے کے بعد مولانا نے لکھا ہے کہ یہ اعراب وہی لوگ ہیں جو آگے چل کر مانعین زکوٰۃ بنے۔ اس چیز کو ذہن میں رکھو اور دیکھو کہ قرآن کس بلاغت سے اعراب اور مؤمنین میں فرق بتاتے ہوئے خبردار کر رہا ہے کہ؟

(۱) ان اعراب نے اسلام کی ظاہری شوکت و سطوت اور اس کے سیاسی اقتدار و استیلا کو دیکھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہنا شروع کر دیا ہے لیکن درحقیقت ایمان اب تک ان کے دلوں میں اترا نہیں ہے اور چونکہ یہ ابھی تک مؤمن نہیں ہوئے ہیں اس بنا پر ان کے دلوں میں اب تک شکوک و شبہات ہیں اور یہ اللہ کے راستہ میں جان و مال خرچ کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔

۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کا باقاعدہ حکم فتح مکہ کے بعد ۸ھ کے آخر میں نازل ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ کے شروع میں اس حکم کی تبلیغ و اشاعت اور زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے اپنے عمال و سفراء اطراف و جوانب میں روانہ کئے۔ اس بنا پر ان خاص اعراب کا ذہن اس بارے میں صاف نہ تھا اس میں شک نہیں کہ ان میں شرارت پسند بھی تھے لیکن یہ بھی تسلیم کرنا چاہیئے کہ ان میں اکثر و بیشتر ایسے بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سمجھ بیٹھے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک کے لئے تھا یا اگر اب بھی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم اپنی زکوٰۃ مدینہ ہی بھیجیں۔ اپنے مالداروں سے زکوٰۃ جمع کر کے مدینہ بھیجنے کو وہ لوگ ایک طرح کی زبردستی سمجھتے تھے۔

ان اعراب کے علاوہ دوسرے قبائل وہ تھے جو مدینہ سے دور دراز اس کے جنوب میں یمن اور اس کے گرد و نواح میں اور شمال مشرق کی جانب عرب و شام کی سرحدوں پر آباد تھے مؤرخین ان کو مرتد کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ عام غلط فہمی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہوتے ہوتے سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا چنانچہ طبری نے ستی کے واسطے سے روایت کی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان برأت کے بعد کفار عام طور سے مسلمان ہو گئے تھے اس بنا پر اب بغاوت و سرکشی کا طوفان اُمڈا تو اس کو ارتداد کے سوا کیا کہیں؟ لیکن حق یہ ہے کہ یہ قبائل سرے سے اسلام کی لذت سے آشنا نہیں ہوئے تھے۔ جب قریش بھی سب کے سب مسلمان ہو گئے اور اسلام کی ایک زبردست اسٹیٹ مدینہ میں قائم ہو گئی تو عرب کے ان قبائل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کثرت سے وفود بھیجنے شروع کئے کہ ۹ھ کا نام ہی عام الوفود ہو گیا لیکن ان وفود نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح گفتگو کی اس سے صاف نظر آتا ہے کہ اگرچہ ہر قبیلہ کے دو چار سمجھدار آدمیوں نے اسلام کو صدق دل سے قبول کر لیا تھا لیکن قبائل کا عام انداز یہ تھا کہ گویا وہ ایک سیاسی طاقت کے سامنے سرخم کر رہے ہیں اور ایک فاتح سے اپنے معاملات طے کر کے اپنے لئے معاشی اور سیاسی مراعات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دین اور روحانیت کا ان کی گفتگو میں بہت کم شائبہ تھا۔ اس بنا پر اگرچہ ان قبائل نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کر لیا لیکن یہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ کب ان کو موقع ملے اور یہ اسلام کے یا بالفاظ صحیح تر مدینہ کی ریاست کے خلاف علم بغاوت بلند کریں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کو موقع ملا اور وہ جیش اسلام کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

جیش اُسامہ کو شام بھیجنے پر اصرار

یہ اس وقت کی صحیح صورت حال ہے جو مذکورہ بالا اقتباسات سے بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے اور وہ یہ حالات تھے جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس پر اصرار تھا کہ جیش اسامہ ضرور شام کی مہم پر بھیجا جائیگا۔ صحابہ کو اس میں پس و پیش تھا ان کی رائے یہ تھی کہ پہلے عربوں کی سرکشی کو دبا لیا جائے پھر شام کی طرف لشکر بھیجا جائے۔ لیکن سب کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر مدینہ اس طرح خالی ہو جائے کہ میں یہاں اکیلا رہ جاؤں اور درندے اور کتے مجھ کو بھنبھوڑ

کھاتیں تو میں اس وقت بھی اسامہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس مہم پر روانہ کروں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایسے نازک حالات میں اور ایسے عزم کے ساتھ اطاعت رسولؐ کا حق ادا کیا۔ پھر اس پر گفتگو ہوئی کہ اسامہ چھوٹے لشکر کے سردار ہیں کوئی اور ہو۔ انصار کا خیال تھا کہ کوئی معمر اور تجربہ کار صحابی کی سپرد یہ خدمت کی جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس معاملے میں انصار کی نیابت کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے غضبناک ہو کر فرمایا "اے خطاب کے بیٹے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور اب تم کہتے ہو کہ میں ان کو معزول کر دوں" حضرت عمرؓ لوگوں کو برا بھلا کہتے ہوئے واپس گئے کہ ان کی وجہ سے ان کو حضرت ابوبکرؓ سے سخت سست سننا پڑا۔ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی اطاعت کی اور پوری پوری۔ جیش اسامہ روانہ ہوا۔ اور وہ سب اس میں بھیجے گئے جنکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نامزد فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے پاپیادہ اس لشکر کی مشایعت کی اور جب حضرت اسامہ نے بھی از راہ ادب اترنا چاہا تو آپ نے انھیں منع کر دیا اور فرمایا "تم کو خدا کی قسم جو اترو اور میں بھی ہرگز سوار نہ ہوں گا۔ کیا ہوا جو اللہ کی راہ میں کچھ دیر کے لئے میرے پاؤں غبار آلود ہو گئے غازی کے ہر ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اس کے بعد حضرت اسامہ سے کہا کہ "اگر تم نامناسب نہ سمجھو تو عمرؓ کو میرے پاس چھوڑ دو مجھکو ان کے مشورے کی ضرورت ہے" حضرت اسامہ نے یہ بطیب خاطر منظور کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے لشکر کو روک کر ضروری ہدایت دیں اور رخصت کر دیا۔

بنو تمیم، بنو حنیفہ، مضر، دوس، اہل نجران، اہل حضرموت، بنو عامر، یہ وہ قبائل تھے جو مدینے سے دور تھے انھیں نے وفود بھیجے تھے اور یہی سیاسی اور اقتصادی مفاد حاصل کرنے کے لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرائط طے کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ قبائل تھے جو ایران اور شام کی سرحدوں سے قریب تھے۔ ایران اور روم کی حکومتیں ان کے تذبذب سے واقف تھیں لہذا وہ انھیں لالچ دیکر اور مدد کا وعدہ کرکے اسلام کے خلاف بغاوت کرنے کے لئے آمادہ کر رہی تھیں تاکہ خود انھیں مسلمانوں کے خطرے سے نجات ملے اسی بغاوت اور شورش کو آگے بڑھانے اور اس کی قیادت ہاتھ میں لینے کے لئے بعض سرداروں اور با اثر لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ وہ یہ تھے۔ الاسود العنسی، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ روز قبل قتل ہو گیا۔ طلیحہ الاسدی، سجاح بنت الحارث، مسیلمۃ الکذاب یہ آخر الذکر تین شخص باغیوں کے قائد اور سردار تھے۔

مدینے پر باغیوں کا حملہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ جیش اسامہ کے جہاد پر رخصت ہونے کے بعد مدینے میں بہت تھوڑے مسلمان رہ گئے تھے مگر جیش اسامہ کا بھیجنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ اس کے جو اثرات مرتب ہوئے بڑے عظیم الشان تھے۔ حکومت روم متحیر اور مرعوب ہوئی، حکومت ایران مرعوب ہوئی قبائل عرب نے بھی یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کو اپنی طاقت پر اتنا اعتماد ہے کہ بجائے مدافعت کی تیاری کے جارحانہ اقدام کے لئے باہر لشکر بھیج رہے ہیں۔ مگر پھر بھی یہ اتنی ہی سی بات پر مطیع اور فرمانبردار نہ ہوئے۔ قبائل عبس و ذبیان، بنو کنانہ، غطفان اور بنو فزارہ کی آبادیاں جو ار مدینہ میں تھیں۔ ان میں سے بعض وہ تھے جو حب مال کی بنا پر زکوٰۃ دینا ہی نہیں چاہتے مگر نماز پڑھنے کے لئے تیار تھے اور بعض وہ تھے جو یہ کہتے تھے کہ زکوٰۃ دیں گے مگر مدینے نہیں بھیجیں گے بلکہ اسے اپنے ہی قبیلے کے فقراء پر خرچ کریں گے۔ ان قبائل کے وفود مدینے آئے اور انھوں نے صحابہ سے گفتگو کی اور یہ اپنے دعویٰ کی تائید میں قرآن کی آیات سے استدلال کرتے تھے بعض صحابہ پر ان کے استدلال کا اثر ہوا۔ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے گفتگو کی اور اس پر آمادہ کرنا چاہا کہ ابھی ان مانعین زکوٰۃ پر کوئی سختی نہ کی جائے۔ ابھی اسلام کی تعلیمات سے یہ اچھی طرح واقف نہیں ہیں۔ جس وقت دل نشین ہو جائیں گی یہ خود ہی زکوٰۃ ادا کرنے لگیں گے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے یہ مشورہ قبول نہیں فرمایا اور بڑے عزم کے ساتھ کہا "خدا کی قسم اگر یہ لوگ بکری کے بچے یا اونٹ کی ایک رسّی سے بھی جو وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ادا کرتے تھے انکار کریں گے تو میں اس پر ان سے جنگ کروں گا۔

حضرت عمرؓ نے [illegible] اور حضرت کوئی سے جواب دیا آپ [illegible] سے کس بنیاد پر قتال کریں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ کہیں۔ لیکن جب وہ کلمہ پڑھ لیں گے تو ان کی جانیں اور ان کے مال محفوظ ہو جائیں گے مگر ہاں جب ان پر کسی کا حق ہو" لیکن حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے کہ نماز اور زکوٰۃ فرضیت کے اعتبار سے دونوں ہم مرتبہ اور ہم حیثیت ہیں اور اپنی رائے کی تائید میں یہ آیہ پیش کرتے تھے!

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ۔ :- پس اگر یہ لوگ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان سے کچھ نہ کہو

اور پھر آپ نے بنو ثقیف کے وفد کا ذکر فرمایا جس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ ہم اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ نماز سے ہمیں مستثنیٰ کر دیا جائے تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا "انہ لا خیر فی دین لا صلوٰۃ فیہ" یعنی اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں نماز نہ ہو۔ اسی قول کو بنیاد قرار دے کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ بغیر زکوٰۃ کے بھی دین قائم نہیں رہ سکتا حضرت عمرؓ اور صحابہؓ پر یہ بات واضح ہو گئی اور انھیں اطمینان ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی رائے صحیح ہے۔

قبائل کے وفود ناکام واپس گئے مگر یہ دیکھ کر گئے کہ مدینے میں مسلمانوں کی تعداد اتنی کم رہ گئی ہے کہ وہ مدافعت کے لئے کافی نہیں ہے انھوں نے مدینے پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں حضرت ابوبکرؓ کو بھی اندازہ تھا کہ وہ ایسا کریں گے چنانچہ آپ نے وفود کے جاتے ہی مدینے کی حفاظت کا انتظام شروع کر دیا۔ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت زبیر ابن عوام، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ کی قیادت میں مدینے کے تمام راستوں پر حفاظتی دستے متعین فرما دیئے، اہل مدینہ کے لئے مسجد میں حاضری لازمی کر دی تاکہ بصورت حالات سے انھیں مطلع کیا جا سکے۔ سب کو متنبہ کر دیا کہ وفود ناکام گئے ہیں اور یہ بھی دیکھ گئے ہیں کہ مدینے میں مسلمان کم ہیں لہٰذا یہ کسی وقت بھی حملہ کر سکتے ہیں۔

بالکل یہی ہوا وفود کی واپسی کے تین دن بعد ان قبائل نے جو طلیحۃ الاسدی کے ساتھ تھے مدینے پر شب میں حملہ کیا۔ حفاظتی دستوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی آپ نے حکم دیا کہ تم سب اپنی اپنی جگہ مستعد رہو اور خود مسلمانوں کی ایک جمعیۃ کو لے کر جو اونٹوں پر سوار تھے آپ باہر نکلے۔ باغیوں سے جنگ کی وہ مغلوب ہو کر بھاگے آپ نے ان کا تعاقب کیا۔ قبائل کی فوج کے آدھے آدمی اس خیال سے مقام ذوحسی میں رہ گئے کہ اگر ضرورت ہوئی تو کمک کے لئے پہنچیں گے۔ جب مسلمان تعاقب کرتے ہوئے اس جگہ پہنچے تو انھوں نے مشکوں میں ہوا بھری ان میں رسیاں باندھیں اور انھیں مسلمانوں کے اونٹوں کی طرف پھینکا۔ وہ ان سے بھڑک کر پلٹ پڑے اور سیدھے مدینے آ گئے۔ باغی قبائل میں یہ شہرت ہوئی کہ مسلمان شکست کھا کر بھاگے اور باغیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ انھوں نے اپنے حلیف قبائل کو دعوت دی کہ مدینے پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو کر آ جائیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مدینہ پہنچتے ہی ایک باقاعدہ فوج مرتب کی فوج کے دائیں بازو پر نعمان بن مقرن کو بائیں بازو پر عبداللہ بن مقرن کو اور پچھلے حصے پر انہی کے بھائی سوید کو افسر مقرر کیا اور ابھی ایک پہر رات باقی تھی کہ حملے کے لئے روانہ ہو گئے باغیوں کو شکست ہوئی وہ بھاگے۔ ذو القصہ تک خود حضرت ابوبکرؓ نے ان کا تعاقب کیا اس کے بعد حضرت نعمان بن مقرن کو ان کے دستے کے ساتھ ذوالقصہ میں چھوڑ کر مدینے واپس آ گئے اس فتح سے مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی اور ان کے حوصلے بڑھے اسی دوران میں حضرت اسامہ کا لشکر فتحمند مدینہ واپس آئے قبائل کے سردار جو مسلمان تھے اپنی اپنی زکوٰۃ لے کر بھی اسی زمانے میں آئے جس سے دولت اسلامیہ کو مالی مدد بھی ملی اور اس کی تصدیق بھی ہوئی کہ اگرچہ باغی قبائل بہت ہیں مگر بیرونی قبائل میں بعض سردار ایسے بھی ہیں جو مخلص مسلمان ہیں۔

ذوالقصہ سے حضرت ابوبکرؓ کی واپسی کے بعد قبائل عبس و ذبیان نے یہ شرارت کی کہ جو تھوڑے سے مسلمان

اس علاقے میں تھے انھیں قتل کر دیا۔ یہ خبر سنکر حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ جب تک وہ ان سے مسلمانوں کے خون کا بدلہ نہ لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔ آپ نے فوج مرتب کی۔ مدینہ میں حضرت اسامہ کو اپنا قائم مقام کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر تلوار نیام سے نکال لی۔ تمام صحابہ نے اصرار کیا کہ آپ خود تشریف نہ لے جائیں اپنی جگہ اور کسی کو بھیجدیں، حضرت علیؓ نے آپ کے گھوڑے کی باگ پکڑلی اور روکنا چاہا مگر حضرت ابوبکرؓ نے جو عزم کیا تھا اس کے مطابق روانہ ہو گئے مقام ابرق میں اہل ربذہ پر حملہ کیا اور انھیں شکست دی، پھر بنو ذبیان کو شکست دی اور ان کے علاقوں پر قبضہ کیا۔ اس طرح عبس اور ذبیان سے مسلمانوں کا انتقام لے کر مدینے میں کامیاب واپس آئے۔ مگر بنو ذبیان، عبس غطفان اور بنو بکر کو جو جوار مدینہ میں آباد تھے شکست تو ہو گئی لیکن انہوں نے اطاعت قبول نہیں کی اور توبہ کرکے اپنے اسلام کی تصدیق نہیں کی بلکہ ان قبائل سے جا ملے جو بالاعلان باغی اور کافر تھے

مرتدین اور باغیوں کے خلاف لشکروں کی روانگی

مجاہدین اسلام کو آرام کے لئے تھوڑی مہلت دینے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے تمام باغیوں اور مدعیان نبوت کا استیصال کرنیکا قصد کیا۔ آپ ذوالقصہ میں تشریف لائے اور اسلامی فوج کو طلب کرکے اسے گیارہ حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ہر حصہ فوج کا الگ الگ سردار مقرر کیا اور اس کو علم دیا۔ حضرت خالد بن الولید کو طلیحہ اور مالک بن نویرہ سے جنگ کرنے کے لئے بزاخہ اور بطاح کی طرف روانہ کیا، عکرمہ بن ابوجہل کو مسیلمہ کذاب اور بنو حنیفہ کے مقابلہ میں یمامہ کی طرف، مہاجر بن ابی امیہ کو پیروان اسود عنسی اور قیس بن العاص کے مقابلہ میں یمن اور حضرموت، عمرو بن العاص کو عرب و شام کی سرحد پر، قضاعۃ ودلیعۃ اور حارث سے جنگ کرنے کے لئے، خالد بن سعید بن العاص کو ان سرکش قبائل کو زیر کرنے کے لئے جو الحمقتان (حدود شام) میں شورش بپا کئے ہوئے تھے، علاء بن الحضرمی کو بحرین تاکہ الحطم بن ضبیعہ کی سرکوبی کریں۔

سوید بن المقرن کو یمن کے نشیبی علاقے کے لئے اور عرفجۃ بن ہرثمہ کو مہرہ کے لئے، حذیفہ بن محصن کو لقیط بن مالک الازدی کے خلاف عمان طریفہ بن حاجز السلمی کو بنو سلیم و ہوازن کے مقابلے میں عرب کے شمالی حصہ کی طرف، شرجیل بن حسنہ کو حضرت عکرمہ کی معیت میں مسیلمہ و بنو حنیفہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اور رفع حجت کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے ایک اعلان عام لکھوا کر ہر سردار کے حوالے کیا کہ جنگ کرنے سے پہلے باغیوں کو سنا دیا جائے جس کے درمندرجہ ذیل فقروں سے اس کے مفہوم کا اندازہ ہو سکتا ہے

"اب میں انصار و مہاجرین و تابعین باحسان کے لشکر کا فلاں فلاں (شخص) کو سردار بنا کر تمہارے پاس بھیجتا ہوں، میں نے ان کو حکم کیا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی سے قتال نہ کریں جب تک کہ اللہ کی طرف اس کو دعوت نہ دے دیں۔ اس دعوت کو جو شخص لبیک کہیگا اقرار کریگا، اپنی شرارت سے باز آجائیگا، اور نیک عمل کرے گا یہ میرا نمایندہ اس کو قبول کرے گا۔ اور اس کی مدد کرے گا۔ لیکن اس کے برخلاف جو شخص انکار کرے گا تو میں نے حکم دیا ہے کہ اس سے قتال کیا جائے۔"

یہ گیارہ لشکر اپنے اپنے علاقہ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ انھوں نے حسب ہدایت حضرت ابوبکرؓ کا اعلان سنایا۔ جس نے اطاعت کی اس کو انھوں نے امان دی اور جس نے سرکشی کی اس سے انھوں نے جنگ کی اور زیادہ ایسے ہی تھے جن سے جنگ کرنی پڑی، بڑی بڑی سخت جنگیں ہوئیں۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس زمانے میں جب فن حرب میں سائنس نہیں بنا تھا، نہ تار تھا، نہ ٹیلیفون ہوائی جہاز نہ تیزی کے ساتھ خبر رسانی کا کوئی دوسرا ذریعہ، عرب کے مختلف علاقوں میں ان گیارہ لشکروں کی مشترکہ کمان خود حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں تھی اور ہر مقام پر آپ کی ہدایات کے مطابق جنگ ہو رہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کا یہ عظیم عسکری کارنامہ مختلف لیڈروں کے ماتحت دشمنوں کی اتنی بڑی تعداد کے مقابلے میں اور خود ان ہی کی قوت مرکزوں میں بیک وقت جنگ کی انھیں مغلوب کیا انھیں اسلام کا مطیع و فرمانبردار بنایا۔ ان تمام مہمات کی تکمیل جن کا نام حروب الارتداد ہے تقریباً ایک سال میں ہو گئی۔

عہدِ خلافت میں جو شخص جس عہدے پر مامور تھا اس کو آپ نے اسی جگہ رکھا (۲) جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں جتنا زیادہ رہنے کا موقع ملا تھا وہ آپ کی نظر میں اتنا ہی زیادہ قابلِ ترجیح تھا آپ ان لوگوں کو خصوصی ترجیح دیتے تھے (۳) آپ اپنے اعزاء اور اقرباء کو عہدے نہیں دیتے تھے اور دوسروں کو بھی ہدایت تھی کہ تعلقات کی بناء پر نہیں صلاحیت کی بناء پر عمال واہلکار مقرر کریں جو لوگ ذاتی حیثیت سے آپ کے مخالف ہوتے اور کسی عہدے کے اہل تو آپ ذاتی رنجش کا خیال نہیں فرماتے اور کمال عالی ظرفی سے اسکو وہ عہدہ دیدیتے تھے اس کی مثالیں موجود ہیں۔ عمال حکومت کی دلجوئی فرماتے تھے ان کا احترام فرماتے تھے چھوٹے چھوٹے قصوروں کو نظرانداز کرتے ناقابلِ عفو قصوروں پر تنبیہ کے ساتھ سزا دیتے تھے تقرری کے وقت ہر عامل اور عہدہ دار کو اس کے فرائض اور ذمہ داریاں صاف بتا دیتے تھے۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں وزارت کی تنظیم اس طرح پر نہ تھی جیسی اس وقت ہے لیکن عملاً حضرت عمر فاروقؓ آپ کے مشیرِ خاص تھے۔ بیت المال کی نگرانی حضرت عبیدہؓ کے سپرد تھی۔ حضرت علیؓ، معاذ بن جبل، ابی کعب، زید بن ثابتؓ، اور عبداللہ بن مسعود ممتاز فقیہ سمجھے جاتے اور افتاء کی خدمت انہی حضرات کے سپرد تھی۔ امن وانتظام کا عہدہ کسی خاص شخص کے سپرد نہ تھا۔ جرائم اور بدامنی کی کوئی شکایت بھی نہ تھی لیکن جب ایسے نازک حالات درپیش آتے تھے جیسے جیش اسامہ کی روانگی کے وقت تو بعض صحابہ کے سپرد یہ خدمت کی جاتی تھی خلافت کی مختلف آمدنیوں کی نوعیت آپ نے مقرر فرمائی اور ان کا تعین کیا۔ فوجی تنظیم میں بھی ایمانی فراست وتدبر کا ثبوت دیا۔ مسلمانوں میں سپہ سالارِ اعظم کا عہدہ آپ ہی نے قائم کیا۔

مفتوحہ علاقوں میں کاشتکاروں کے ساتھ خاص مراعات کا حکم دیا اور مختلف مذاہب کے لوگوں کو الگ الگ جماعتیں یا دوسرے الفاظ میں اقلیتیں قرار دیکر انہی کے مذہبی پیشواؤں کو ان کے دینوی اور مذہبی امور کے فیصلہ کا مجاز قرار دیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے خود بہت سے فقہی مسائل کا ایسا فیصلہ کر دیا کہ آج تک وہ اسی طرح قائم ہیں۔

آپ نے استنباطِ احکام فقہیہ کے چار اصول مقرر فرمائے، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اجماع اور قیاس پر اسلامی تاریخ کی صدیاں گواہ ہیں۔ آج تک یہ اصول قائم ہے اور اس اصول کی کامیابی اور صحت پر اسلامی تاریخ کی صدیاں گواہ ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی تھا۔ نہایت خوش بیان مدلل اور اثردار مقرر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہا درجہ کی آپ کو محبت تھی اور اللہ سے بہت ڈرتے تھے آپ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے جو خطبہ دیا اس میں آپ کے محاسن وفضائل ایسی جامعیت کے ساتھ انھوں نے بیان کئے ہیں کہ اور کوئی بیان نہ کر سکے گا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے فضائل بیان کرنے کے لئے حضرت علیؓ ہی کی ضرورت تھی۔

اور صرف یہی نہیں کہ یہ جنگجو عرب حضرت ابوبکرؓ کے ان گیارہ لشکروں کے مقابلہ میں جو باعتبار اسلحہ و سامان ضعیف ان سے بہتر تھے اور تعداد میں کم نہ تھے مغلوب ہوئے بلکہ ان لشکروں کے سرداروں کی تبلیغی کوششوں کے مسلمان ہو گئے اور اسلام پر راسخ ہو گئے۔

ایرانیوں اور رومیوں سے جنگ کا آغاز

اسلامی لشکر فتوحات کی تکمیل کے بعد ابھی مرکز خلافت کو واپس بھی نہ ہوتے تھے کہ ایرانیوں اور رومیوں کی شرارتوں نے ایسی صورت اختیار کی کہ براہ راست ان سے جنگ کی نوبت آ گئی اور جنگ کا یہی سلسلہ جو حروب ارتداد سے شروع ہوا تھا ایران اور رومیوں کے مقابلے میں ان جنگوں سے مل گیا جن کی فاتحانہ تکمیل حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ پھر ان جنگوں میں وہی قبائل اسلام کے مجاہدوں کی حیثیت سے لڑے اور انھوں نے اپنے ایمان و اخلاص کا ثبوت دیا جنھوں نے اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات تک اسلامی فوجیں عراق عرب کا خاصا علاقہ فتح کر چکی تھیں اور انھوں نے رومیوں کے مقابلے میں بھی اہم فتوحات حاصل کر لی تھیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی جامع شخصیت

دو سال تین ماہ کی مدت ہی جو حضرت ابوبکرؓ کو مسلمانوں کے معاملات کے انصرام کے لئے ملی اور ان حالات میں کہ تمام عرب بغاوت پر کمربستہ ہو گئے خطرا ہو گیا تھا ایران اور روم دنیا کی دونوں عظیم طاقتیں پہلے عربوں ہی کو استعمال کر کے اسلام کا خاتمہ کرنے کے درپے تھیں اور جب اس میں انھیں ناکامی ہوئی تو خود بے نقاب ہو کر مقابلے پر آ گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی قیادت میں اسلام سب پر غالب رہا اور جس مقصد کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے جو تدبیر کی اس میں اسی طرح کامیابی ہوئی جس طرح کہ آپ کو مطلوب تھی۔ اس تھوڑی سی مدت میں ان تمام قابلیتوں اور صلاحیتوں کا سخت امتحان ہوا جو بہت بڑے آدمی میں ہونی چاہئیں اور ان سب میں حضرت ابوبکرؓ کامل ثابت ہوئے، شجاعت، استقلال، تحمل، تدبیر و رائے، معاملہ فہمی، دور بینی، رجال کار کا صحیح انتخاب، بیدار مغزی، باخبری، عدل، دنیا کا کوئی اور کسی زمانے کا بادشاہ، شہنشاہ، مدبر، ماہر سیاست، جنرل جامعیت میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اپنے ایک ایک خاص فن میں بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

انتظام حکومت و ریاست

انہی عظیم بغاوتوں اور جنگ کے ہنگاموں میں حضرت ابوبکرؓ نے سول انتظامات بھی کئے۔ مالی انتظامات بھی کئے اسلامی معاشرہ کی تنظیم میں بھی مصروف رہے۔ دستور حکومت کی بنیاد آپ نے اس انداز پر رکھی کہ جب آپ کے ساتھ کوئی معاملہ پیش ہوتا تو اس کے لئے قرآن کا حکم تلاش فرماتے اگر وہاں نہ ملتا تو حدیثوں میں دیکھتے اور جب اس کے متعلق کوئی حدیث بھی نہ ملتی تو مسلمانوں کو جمع کرتے اور ان سے پوچھتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو حدیث یاد ہو تو بیان کرے اگر کوئی حدیث بیان کر دیتا تو آپ کو بڑی خوشی ہوتی۔ لیکن اگر اس طرح بھی رہنمائی کے لئے کوئی حدیث نہ ملتی تو آپ پھر اہل الرائے سے مشورہ کرتے تھے حضرت ابوبکرؓ کے مشیر خاص حضرات تھے، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ رضی اللہ عنہم

حضرت ابوبکرؓ نے اسلامی قلمرو کو صوبوں اور اضلاع میں تقسیم فرما دیا تھا اور ان میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ حاکم مقرر فرمایا تھا۔ عہدہ داروں کے انتخاب کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے اصول یہ تھے (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

تجلّی کی ڈاک

سوال — از خورشید علی خاں - ہاپوڑ - **تقدیر**

انسان عمر کے بارے میں مختار ہے یا مجبور۔ یعنی کوشش کرنے سے عمر بڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

قرآن کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ ایک ساعت تقدیم ہو سکتی ہے نہ تاخیر۔ انسان کوشش کرے یا نہ کرے صحت مند ہو یا دائم المریض، موت اپنے وقت پر آئے گی، لیکن امریکہ میں اوسط عمر ہندوستان کی اوسط عمر سے زیادہ ہے۔ کہتے ہیں کہ وہاں غذا آب و ہوا بہترین حاصل ہوتی ہیں اس لئے اُن کی عمر اوسطاً زیادہ ہوتی ہے۔ گویا اگر ہندوستان والوں کو بھی غذا اور آب و ہوا اچھی ملنے لگے تو ان کی عمر بھی بڑھ سکتی ہے۔ اب ذہن اس طرف جاتا ہے کہ انسان اپنی عمر بڑھا سکتا ہے اور اگر خراب غذا اور آب و ہوا ملنے لگے تو عمر کم ہونے لگے گی۔ اب بتائیے کہ قرآن کی رو سے وقت مقررہ کی حیثیت کیا ہے۔ آپ یہ گتھی حل فرمائیے۔

جواب :—

گتھی کچھ بھی نہیں سیدھا سا مسئلہ ہے۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں کسی وادی میں ایک وبا پھیلی جہاں خلافت کی کچھ فوج حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی سرکردگی میں موجود تھی۔ اس وبا نے مجاہدین کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ کوئی مرا کوئی بیمار ہوا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ فوج وہاں سے پڑاؤ ہٹا لے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا۔

”عمرؓ! تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟“

جواب میں حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

”ہاں بھاگتے ہیں لیکن تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف!“

اور یہ جواب اہل فہم کے لئے مسئلہ تقدیر کو سمجھنے کی دائمی کنجی بن گیا۔

لاریب کہ تقدیر الٰہی نے موت کا جو وقت معین کر دیا ہے اس میں بال برابر فرق نہیں آ سکتا۔ لیکن یہ پابندی تو آپ اللہ میاں پر نہیں لگا سکتے کہ وہ امریکہ یا روس والوں کا اوسط عمر بھی وہی مقدر فرمائیں جو ہم ہندوستانیوں کا ہے۔ نہ اس پر باری تعالیٰ کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ بے روزگاری، افلاس، بیماری اور غم و فکر کی اتنی ہی مار امریکہ والوں کو بھی دے جتنی ہمیں دی ہے۔

میرے بھائی۔ اگر امریکہ یا کہیں اور سامانِ معیشت کی فراوانی ہے، دھن لٹ رہا ہے، اوسطِ عمر زیادہ ہے تو یہ سب اللہ کا مقدر فرمودہ ہی ہے۔ زید اگر خوب مال اُڑاتا ہے، عمدہ آب و ہوا میں رہتا ہے اور زیادہ دنوں جیتا ہے تو یہ سب امور تو اللہ نے پہلے ہی اس کے لئے مقدر فرما دیئے ہوں گے۔ یہ نہیں کہ تقدیر میں تو ٹھوکریں لکھی تھیں مگر آدمی نے ذاتی جد و جہد سے مسند عیش قبضا لی۔

اللہ کے مقدرات اس کے مقرر کردہ قوانین ہی کے تحت ظاہر ہوتے ہیں۔ امریکہ والوں نے محنت کی، پھل پایا۔ یہی ان کی تقدیر تھی۔ ہندوستان کو اچھی غذا ملنے لگے۔ اگرچہ اس کی امید نہیں — اور اس کا اوسط عمر بڑھ جائے تو یہ تقدیر میں پہلے ہی درج ہوگا۔ یہ نہیں کہ اللہ میاں نے لکھا تو تھا ہندوستانیوں کی قسمت میں بلی چوہوں کی طرح جینا مرنا مگر انھوں نے اپنی افلاطونی سے آدمیوں کی طرح جینا سیکھ لیا اور تقدیر کا مسئلہ گڑبڑ میں پڑ گیا

ویسے تقدیر کا خندۂ استہزاء دیکھنا ہو تو ایک نظر ان بے بھاؤ نسلوں پر ڈال لو جو مہذب ممالک میں دن رات ہوتے ہیں

امریکہ ہی کا اوسطِ قتل غالباً ہر پانچ منٹ میں ایک قتل ہے۔ قتل کے علاوہ ریلوں، ہوائی جہازوں، آتشزدگیوں، طوفانوں اور جنگوں کے حوادث الگ ہیں۔ اب دیکھ لو جن لوگوں نے عمدہ غذائیں کھا کر بظاہر اپنے جسم کو فولاد بنا لیا تھا وہ پلک جھپکتے ابدی نیند سو گئے۔ کیا یہ تقدیر کی نیرنگی کا ثبوت نہیں۔ اللہ نے قرآن میں بالفاظِ صریح فرمایا ہے:-

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ انسان کی جملہ کامرانیوں اور سعادتوں کا ضامن اس کا عمل ہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قوانینِ فطرت اور اسباب و علل کی منطق پر نظر رکھتے ہوئے آدمی کو برابر جد و جہد میں لگے رہنا چاہئے۔ یہ جد و جہد بھی تقدیر ہی میں شامل ہے۔ اگر کوشش کا ثمرہ مل گیا تو سجدۂ شکر بجا لائیے۔ نہ ملا تو تفحص کیجئے کہ سبب و مسبب کا فلسفہ سمجھنے میں آپ نے کہاں ٹھوکر کھائی۔ ٹھوکر کا پتہ چل جائے تو آئندہ اس سے بچتے ہوئے دوبارہ سعی فرمائیے۔ نہ پتہ چلے تو اسے اپنی فہم و بصیرت کی کوتاہی پر محمول کر کے صبر و شکر کیجئے اور مطمئن ہو جائیے کہ یونہی تقدیر تھی۔ تقدیر کا عقیدہ آدمی کے آڑے کبھی نہیں آتا ہاں مایوسی و اندوہ کے ہجوم میں اسے سہارا اور سکون ضرور دیتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فوج کو مقامِ وبا سے کوچ کا حکم دیا تو یہ حکم بھی اور یہ کوچ بھی تقدیرِ الٰہی کے ہی حکم میں داخل ہے۔ اسی طرح بیماری میں علاج کرنا، اچھی غذاؤں سے صحت بنانا، بہتر آب و ہوا کی تلاش کرنا، بدپرہیزیوں سے بچنا، ورزش کرنا سبھی اُمور تقدیر ہی کا جزو ہیں۔ جس وقت جو کچھ آپ کر گذرے وہی مقدر تھا۔

حاصل یہ کہ صحت اور عمر بڑھانے میں خوب کوشش کیجئے بس یہ ذہن نشین رکھئے کہ جس عمر کو آپ بڑھا ہوا خیال کریں گے وہ فی الحقیقت مقدور و معین شدہ عمر میں اضافہ نہ ہوگا، بلکہ یہی پوری عمر مع اسباب و علل کے درج تقدیر ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ

سوال :- از سعادت حسین۔ ضلع بلڈانہ (بمبئی) **رمضان کی رسمیں**

(۱) اِدھر رواج ہے کہ رمضان المبارک میں عشا کی اذان کے بعد اور نماز سے پہلے کچھ لوگ مسجد میں بلند جگہ کھڑے ہو کر چند نبیوں کے نام زور زور سے پکارتے ہیں اور ان پر سلام بھیجتے ہیں۔ اس فعل کو صلوٰۃ کہا جاتا ہے۔ اس کی حیثیت کیا ہے اور شریعت کی رُو سے یہ فعل کیسا ہے؟

(۲) نمازِ تراویح میں تسبیح کا چیخ کر پڑھنا کیسا ہے۔ تسبیح بآوازِ بلند پڑھی جائے یا خاموشی کے ساتھ؟

(۳) کیا نمازِ تراویح میں دو رکعت کے بعد بھی کچھ زائد الفاظ یا کوئی تسبیح بآواز بلند پڑھنا ثابت ہے؟

(۴) چار رکعت کے بعد تسبیح مسنونہ کے علاوہ خلفائے راشدین کے نام لے کر ان پر سلام بھیجنا کیسا ہے؟

جواب :-

جو چاروں اُمور آپ نے لکھے سب بدعات و محدثات میں داخل ہیں۔ قرآن، حدیثؐ، آثارِ صحابہؓ، اقوالِ ائمہؒ اور فرموداتِ فقہاءؒ سے ان کا بالکل ثبوت نہیں۔

دراصل شیطان کے حربوں کی گنتی سانپ کی قسموں سے بھی زیادہ ہے۔ وہ کہیں کوئی بہروپ بھرتا ہے کہیں کوئی۔ جہاں دیکھتا ہے کہ شرک و زندقہ کی راہ سے بار نہیں ملے گا وہاں دینی انداز کا جال بچھاتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ جس طرح معصیت آدمی کو برباد کرتی ہے اسی طرح بدعت بھی اسے جہنمی بنانے میں تیر بہدف ہے۔ بدعت میں مزا یہ ہے کہ آدمی اپنی قبر خود اپنے ہاتھ سے کھودتا ہے اور اس پر فخر بھی کرتا ہے!۔

خوب سمجھ لیجئے۔ جن اعمال و افعال کو اللہ اور رسولؐ نے عبادت نہیں ٹھیرایا اور جن پر صحابہؓ نے عمل نہیں فرمایا نہ ائمہ و محدثین نے ان کے استحسان کا قول کیا وہ عبادت نہیں ہو سکتے۔ اور انھیں عبادت سمجھ کر ادا کرنے والا بجائے ثواب کے گناہ کمائیگا ثواب اللہ رسولؐ کی فرمانبرداری میں ملتا ہے نہ کہ ان کے دین میں اضافہ کرنے اور نئی نئی باتیں نکالنے میں۔ کسی عمل کے ظاہری حسن پر نہ جائیے جب تک دین کے مستند ماٰخذ سے اس کی تحسین نہ مل جائے۔

سوال :- از ولی محمد ربانی۔ پاک پٹن۔ **قصاصِ حسینؓ**

آپ کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے اپنے اجتہاد سے رجوع کر لیا تھا تو سوال یہ ہے کہ یزید نے قاتلینِ حسینؓ سے قصاص کیوں نہ لیا؟

جواب :- حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے رجوع فرمایا تھا

ہم نہیں کہتے تاریخ جھوٹی ہے ــــ وہ متفقہ تاریخ جس پر جملہ مستند تاریخ نگار متفق ہیں۔ اس میں کسی معتبر مؤرخ کو اختلاف نہیں ہے کہ [illegible]صور ہو جانے پر حضرت موصوف نے رجعت کا اذن طلب فرمایا [illegible]ما۔ رہا یزید کا قصاص نہ لینا۔ تو ذرا یزید کی جگہ بیٹھ کر سوچئے۔ [illegible]پ ایک حکمراں ہیں اور کچھ فوج اس غرض سے بھیجتے ہیں کہ فلاں [illegible]خص کو جو ہماری حکومت تسلیم نہیں کرتا، بلکہ خود اپنی مسندِ [illegible]قتدار بچھانا چاہتا ہے مجبور کیا جائے کہ اپنے ارادے سے باز [illegible]ئے اور ہماری حکومت تسلیم کرے۔ یہ فوج جاتی ہے اور کچھ [illegible]رصہ بعد اس کا ایک سرکردہ افسر اس شخص کا سر آپ کے سامنے [illegible]اکر پیش کرتا ہے۔ آپ پوچھتے ہیں کہ یہ کیا؟ وہ جواب دیتا ہے۔

"یا امیر! ہم نے بہت کوشش کی کہ اسے راہ راست پر لائیں، لیکن اس نے پیہم سرتابی کی اور ہم سے آمادہ بجنگ ہوا۔ نتیجے میں ہم بھی مقابلہ پر مجبور ہوگئے۔ بہت سے آدمی ہمارے اور بہت سے اس کے مارے گئے۔ یہ شخص کسی طرح بھی خود کو ہمارے حوالے کرنے پر تیار نہ ہوا اور آخر کار میدان ہار گیا"۔

اب بتائیے۔ کیا اس صورت حال میں آپ اپنے فوجی افسروں اور سپاہیوں کو تہہ تیغ کریں گے؟

محترما! قصاص تو خونِ ناحق کا ہوا کرتا ہے۔ یزید کو آج کتنا ہی برا کہہ لیا جائے اور شہادتِ حسینؓ چاہے کتنا ہی بڑا المیہ ہو لیکن جب یزید کے نقطۂ نظر سے آپ اس غیر متوقع المیہ پر نظر ڈالیں گے تو قصاص کا سوال پیدا نہ ہوگا۔ یزید اور اس کے فوجی افسروں کی نگاہ میں حضرت حسینؓ کا خون خونِ ناحق نہیں تھا، بلکہ وہ خیال کرتے تھے کہ ایک حکومتِ قائمہ اور اقتدارِ غالبہ کی بیعت و اطاعت سے انکار کر کے اپنی متوازی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرنے والا شخص گرفت کے لائق ہے اور گرفت کے سلسلہ میں اگر حالات اچانک ایسا رُخ اختیار کر لیں کہ جنگ و جدل تک نوبت پہنچ جائے اور شخص مذکور اپنے اعیان و انصار کے ساتھ تیغ بدست مقابلہ پر اتر آئے تو بات قصاص کی حدود سے نکل کر دو لشکروں کی جنگ کے دائرے میں پہنچ جاتی ہے۔

سوال ؎۔ (ایضاً) قصاصِ عثمانؓ

جب امیر معاویہ کو پورا پورا اقتدار حاصل ہو گیا تو حضرت خلیفۂ ثالث ذی النورین عثمانؓ کا قصاص کیوں نہ لیا؟

جواب :ــــ

جب حضرت علیؓ ہی قاتلینِ عثمانؓ کو معین نہ کر سکے حالانکہ وہ اسی شہر میں موجود تھے جہاں یہ خونی ڈرامہ اسٹیج ہوا اور بات ماضی کی نہیں حال کی تھی۔ تو وہ معاویہؓ کیونکر معین طور پر قاتلینِ عثمانؓ کو جان سکتے تھے جو سیکڑوں میل دور شام میں اقامت گزیں تھے اور بات دسیوں سال پرانی پڑ چکی تھی۔

سوچئے۔ آپ وہاں پاک پٹن میں بیٹھے ہیں۔ یہاں دیوبند میں کوئی ایسا ہی واقعہ پیش آئے جیسا حضرت عثمانؓ کو پیش آیا اور دسیوں سال بعد آپ کو دیوبند پر اقتدار حاصل ہو ـــ اور یہ دسیوں سال ایسی گھما گھمی، ایسی الٹ پلٹ، ایسی افراتفری کے رہے ہوں کہ الامان والحفیظ ـــ دو متقابل فریق ایک دوسرے کو پچھاڑنے اور نیچا دکھانے کی خاطر ہاتھ اور زبان کی ساری قوتیں داؤ پر لگائے رہے ہوں اور متضاد پروپگنڈوں کی آندھیاں چلتی رہی ہوں ـــ تو کیا آپ کے لئے ممکن ہوگا کہ دسیوں سال پہلے واقع ہونے والے اس خوفناک ہنگامے کی صحیح تفصیلات سے آگاہی حاصل کر لیں اور اطمینان سے قاتلین کے گریبانوں میں ہاتھ ڈال دیں؟

بعد کے مؤرخین کی تلاش و تحقیق کے بعد ہم لوگوں کے لئے تو یہ ممکن ہو گیا ہے کہ عثمانی المیے کے بارے میں کسی فیصلے پر پہنچ سکیں یہ کہہ سکیں کہ فلاں شخص محرک تھا، فلاں حملہ آور اور فلاں قاتل وغیر ذالک لیکن حضرت معاویہؓ اور دیگر شامی اعیان و اکابر کے لئے تو یہ کسی طرح ممکن نہ تھا۔ ان کے آگے مؤرخین نے وہ کچا چٹھا پیش نہیں کیا تھا جو آج ہمیں کتابوں میں موجود نظر آتا ہے۔

اور یہ تاریخی حقیقت بھی نہ بھولئے کہ خلافتِ عثمانی سے بغاوت کرنے والے ممتاز افراد و اشخاص ـــــــ اس وقت سے بہت پہلے ہی لقمۂ اجل ہو چکے جب پورا اقتدار معاویہؓ کے ہاتھ میں آیا۔ اشتر جو سرکشی میں پیش پیش تھے اور جنہیں بعض مؤرخین سبائی تک کہنے سے گریز نہیں کرتے مصر کے راستے میں زہر سے ختم ہوئے۔ عمار بن یاسرؓ جنگِ صفین میں راہی ملکِ عدم ہوئے۔ حکیم ابن جبلہ جنگ جمل سے بھی پہلے بصرے میں کھیت آیا۔

عمرو بن العاص اور زبیر جنگ نہروان میں صاف ہو چکا۔ کنانہ بن بشر اور محمد بن ابی بکر کا خاتمہ مصر میں ہو چکا۔ محمد بن ابو حذیفہ شام میں دارِ بقا کو سدھار گئے۔ تو آخر بچا کون تھا جسے معاویہؓ قصاصِ عثمانؓ میں ذبح کرتے۔ ہو سکتا ہے بعد کی کسی تحقیق کی بناء پر کچھ لوگ چند اور ایسے اشخاص و افراد کا نام گنوا دیں جنھیں قصاصِ عثمانؓ میں تہِ تیغ کرنے کا منطقی جواز نکل سکتا ہو، لیکن آخر معاویہؓ کے پاس غیب دانی کا وہ کونسا ذریعہ تھا جس سے اِس بہت بعد کی تحقیق کا انھیں علم ہو جاتا اور اس کی روشنی میں قصاص کی چکّی چلاتے۔

حضرت معاویہؓ کے مطالبۂ قصاص کو محض فریب اور ابن الوقتی ثابت کرنے کے لئے یہ اعتراض ان پر پہلے بھی زور شور سے کیا جاتا رہا ہے کہ اگر وہ مطالبے میں سچے ہوتے تو اپنے دورِ اقتدار میں قصاص لیکے دکھاتے مگر یہ اعتراض کرنے والے یا تو خود ہی عمرانی مسائل اور تمدنی نشیب و فراز سے بے بہرہ ہیں اور محض زبان زوری سے کام نکالنا چاہتے ہیں یا پھر قصداً عوام کو ورغلاتے ہیں۔ ورنہ معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی بادنیٰ تأمل سمجھ سکتا ہے کہ جس قتل کی ذمہ داری خود حضرت علیؓ متعین اشخاص پر نہ ڈال سکے اور اسی لئے قصاص کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا اسکی ذمہ داری معاویہؓ سالہا سال کے بعد کیونکر کسی شخص یا اشخاصِ معین پر ڈال سکتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کا قصاص اگر عملاً ممکن ہوتا تو حضرت علیؓ جیسا حق کوش و حق بیں ہرگز ہرگز پہلو تہی نہ کرتا، لیکن خونی المیہ شکل ہی کچھ اس طرح آیا کہ حضرت علیؓ باوجود خواہش اور احساسِ ذمہ داری کے منصفانہ قصاص کی راہ نہ پا سکے جب وہ نہ پا سکے تو معاویہؓ کیلئے مدت بعد اسکی راہ پالینا کہاں متصور ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم۔

سوال ۲۵ :- علی حسن۔ آسنسول۔ غلو فی العقیدت

کیا یہ بات درست ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے لوٹے اور مقام غدیر خم میں پہنچے تو یہ آیت نازل ہوئی

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ	اے رسول! پہنچا دیجیے آپ لوگوں کو جو کچھ آپ پہ نازل ہوا ہے۔

حالانکہ وہ مقام اس قابل نہ تھا کہ وہاں اترا جاتا اور موسم بھی بہت سخت تھا مگر حضورؐ اترے اور خطبہ دیا اور اس خطبے کے خاتمے پر خم غدیر کے نام سے مشہور یہ حدیث پڑھی کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ ... [illegible] خطبہ ختم کر چکے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔	آج ہم نے تمہارے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

اگر آپ کہتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں ہے تو میں کہوں گا کہ اس کی دلیل کیا ہے۔ یہ میں نے کسی شیعہ کی تفسیر میں نہیں اثنا عشری مفسر کی تفسیر میں پڑھا ہے اور یہ بھی پڑھا ہے کہ پہلی والی آیت حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ نیز یہ کہ "اکمالِ دین" میں اشارہ حضرت علیؓ ہی کی مولائیت کا ہے اور اسی لئے حضورؐ نے اس خاص موقعہ کے خطبے میں من کنت مولاہ والی بات فرمائی۔

براہِ کرم حوالے اور دلیل سے بات واضح کریں۔ نیز ایک اور حدیث کے بارے میں بتائیں کہ وہ قابلِ اعتبار ہے یا نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

لحمك لحمي و دمك دمي	تمہارا گوشت میرا گوشت ہے اور تمہارا خون میرا خون۔

\+ + + +

اگر یہ قابلِ اعتبار ہے تو حضرت علیؓ سے بڑھ کر پھر کون صحابی ہو سکتا ہے؟

جواب :-

تفسیر شیعہ کی ہو یا سنی کی۔ جو بات آپ نے بیان کی وہ غلط ہے اور جو نتیجہ اس سے نکالا گیا وہ غلط در غلط ہے۔ آیت الیوم اکملت لکم دینکم کے خم غدیر میں نازل ہونے کا دعویٰ باطل ہے جو یا تو غلط فہمی کا نتیجہ ہے یا جانی بوجھی عیاری کا۔ اس آیت کا نزول حجۃ الوداع کے موقعہ پر روزِ عرفہ میں مقام عرفات پر ہوا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن جریر، ابن منذر، ابن حبان اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ یہودیوں نے حضرت عمرؓ سے کہا۔

انكم تقرؤن آية في كتابكم لو علينا معشر اليهود نزلت لاتخذنا ذلك اليوم عيداً۔ قال اى آية؟ قال اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ	تم لوگ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہو کہ اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو یقیناً ہم اس کے یوم نزول کو "عید" بنا لیتے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا وہ کونسی آیت ہے؟ ...

دِینَکُم [illegible] الیوم الذی نزلت [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ والساعۃ التی نزلت فیہا نزلت عشیۃ عرفۃ فی یوم الجمعۃ۔

[illegible] دِینَکُم حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے اس دن اور اس وقت سے پوری طرح آگاہ ہوں جب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت عرفہ کی شب میں جبکہ جمعہ تھا نازل ہوئی ہے

ایسا ہی ابوداؤد طیالسی اور ترمذی اور عبد بن حمید اور ابن جریر اور طبرانی اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ایسا ہی ابن منذر اور ابن جریر نے شعبی سے اور اسحٰق بن راہویہ اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اور جریر نے قتادہ سے اور طبرانی نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے اور بزار اور طبرانی اور ابن مردویہ نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عرفہ ہی کے دن نازل ہوئی۔

ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں پوری قوت سے اس جھوٹے دعوے کی تردید کی ہے کہ یہ آیت خم غدیر میں نازل ہوئی اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس میں ہرگز ہرگز حضرت علیؓ کی امامت و مولائیت کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے، بلکہ اس میں صریح طور پر خدا نے مسلمانوں کو یہ خوش خبری دی ہے کہ آج تمہارا دین مکمل کر دیا گیا اور نعمت کا اتمام ہو گیا۔

رہی یا ایھا الرسول والی آیت تو اس کی شان نزول یہ ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کفار مشرکین کی مسلسل ایذارسانیوں اور سرتابیوں سے بہ تقاضائے بشریت ملول و دلگرفتہ ہو گئے اور تبلیغ دین کے لئے شگفتہ خاطری میں کمی آگئی تو اللہ تعالیٰ نے حوصلہ افزائی کے طور پر اس آیت کے ذریعے حکم دیا کہ تنگدل مت ہو غم مت کرو اللہ تمہارا معین ہے جو کچھ وہ نازل کر رہا ہے اسے بے فکری اور شگفتہ خاطری کے ساتھ لوگوں کو پہنچاتے جاؤ۔ کوئی ادنیٰ سا بھی تعلق اس آیت کا سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی امامت و مولائیت سے نہیں ہے۔ ثعلبی جیسے لوگوں نے جو ایک روایت کے ذریعے اسے حضرت موصوف کی امامت و ولایت سے منسلک کرنے کی سعی نامشکور کی ہے تو بقول محدثین اس روایت کے من گھڑت ہونے پر متفق ہیں جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے تصریح کی ہے۔

[illegible] روایات میں کنت مولاہ فعلی مولاہ کی رہی تو بے شک ہم اسے صحیح مانتے ہیں[1] لیکن جیسا کہ علمائے محققین اور ائمہ لسان و ادب نے بدلائل توضیح کر دیا ہے یہاں مولا کے معنی مددگار اور متعلق اور محب وغیرہ کے ہیں نہ کہ اس سے حضرت علیؓ کی امامت و خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابیٔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے نزاع میں حضرت علیؓ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما ضرور اس روایت کو بطور دلیل پیش فرماتے۔ انھوں نے نہیں پیش فرمایا تو ظاہر ہوا کہ خود ان کے نزدیک بھی یہ امامت و خلافت سے تعلق نہیں رکھتی۔

لحمک لحمی ودمک دمی پر کیا موقوف ہے۔ اور متعدد روایتیں حضرت علیؓ کی عظمت و منقبت میں ایسی ہیں کہ آدمی اگر ذہنی توازن کھو بیٹھے اور ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے انھی روایات کو "حاصلِ دین" قرار دے لے تو حضرت علیؓ کو خیر البشر بعد رسول اللہ کہنا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن سمجھ دار اور انصاف پسند لوگ یک رخے نہیں ہوا کرتے۔ وہ حقائق کے تمام گوشوں کو نظر میں رکھتے ہیں اور اعتدال و توازن کے ساتھ فیصلے کرتے ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ محدثین و محققین نے خلفائے اربعہ کی توصیف و منقبت میں وارد شدہ تمام روایات کو اپنی کتابوں میں حسن ترتیب اور سلیقے کے ساتھ جمع فرما دیا ہے۔ کوئی شخص اگر تمام روایات کو نظر میں نہ رکھے بلکہ کسی ایک ہی خلیفہ کی عظمت و تقدیس ظاہر کرنے والی روایات کو سب کچھ سمجھ لے تو بلا تکلف اسی کو تمام دیگر صحابہؓ پر فوقیت دے سکتا ہے، لیکن اہلِ حق کا یہ شعار نہیں۔ وہ جس طرح حضرت علیؓ کے حق میں ارشاداتِ رسولؐ کو عین حق سمجھتے ہیں اسی طرح دیگر خلفائے راشدین کے حق میں فرمائے ہوئے کلمات مقدسہ کو عین حق سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بلند مرتبہ اسلاف خصوصاً ابن تیمیہ رضی اللہ عنہم پر اپنی نعمتوں کی بارش فرمائے انھوں نے پورے شرح و بسط کے ساتھ تمام خلفائے راشدین کے اوصافِ عالیہ کا موازنہ کر کے عقل و علم کے بہترین تنور کے ساتھ واضح کر دیا ہے کہ بحیثیتِ مجموعی کونسا خلیفہ افضل ہے اور کونسا مفضول۔ ابن تیمیہؒ کی منہاج السنہ اس سلسلہ میں حرف آخر ہے۔

تو کہنا یہ ہے کہ واقعتاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں بعض

[1] یعنی با مطلقاً [illegible] روایت "مطلقاً صحیح" ہو وہ اسی طرح قول رسول بھی ہو جس طرح ہر قرآنی آیت بلاشبہ ارشادِ باری ہے

ایسے فضائل رہے ہیں کہ کوئی اور صحابی ان میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتا جن بعض روایات کو حضرت علیؓ کی افضلیت منوانے کے لئے آئے دن پیش کیا جاتا رہتا ہے ان کے ہم اہل سنت بھی منکر نہیں ہیں نہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ تینوں خلفائے اوّل ہر ہر وصف محمود میں حضرت علیؓ سے بڑھے ہوئے تھے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حضرت علیؓ سے افضل ہیں تو کم عقل ہی لوگ اس کا یہ مطلب نکال سکتے ہیں کہ ہم جملہ اوصاف و فضائل میں جزءً جزءً بھی حضرت علیؓ کی مفضولیت کا گمان رکھتے ہیں۔ سنجیدہ او رذہین لوگ ایسا ہرگز تصور نہیں کر سکتے۔ افضلیت اصل میں من حیث المجموع ہوا کرتی ہے۔ یعنی دو شخصوں کے تمام ہی فضائل و محامد ترازو کے دو پلڑوں میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے کہ کونسا پلڑا جھک گیا۔ یہ نہیں کیا جاتا کہ ان میں سے ہر ایک کا ایک ایک وصف الگ الگ تولا جائے ــــ ابوبکرؓ و عمرؓ ہی میں دیکھ لیجئے۔ اہل سنت متفق طور پر اوّل الذکر کو افضل مانتے ہیں، لیکن یہ وہ ہرگز نہیں سمجھتے کہ ابوبکرؓ ہر ہر وصف میں حضرت عمرؓ سے اعلیٰ ہی تھے۔ تیغ زنی ہی کو لے لیجئے۔ ابوبکر اس میں حضرت عمرؓ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ نبوت کے مخصوص انداز بصیرت اور طرز جہد و تفکر میں بھی حضرت عمرؓ سب سے ممتاز تھے کہ آپ کے حق میں حضور نے فرمایا لو کان بعدی نبی لکان عمر (اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمرؓ ہوتا) جسمانی قوت اور ضربت حضرت علیؓ کی تینوں خلفاء سے بڑھ کر تھی۔ رسول اللہؐ کے داماد ہونے میں بھی وہ پہلے دونوں خلفاء سے ممتاز تھے اور بعض جزئیات ایسی ہیں جن میں حضرت علیؓ کو فائق کہا جا سکتا ہے، لیکن اس سے اس مجموعی فضل و تفوق میں کوئی فرق نہیں پڑتا جو اہلسنت نے علی الاتفاق ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے مانا ہے۔ یہ راقم الحروف کا کوئی طبعزاد فکر نہیں، بلکہ اہل سنت کی کتب عقائد میں اس کی تصریح ہے اور عقل و نقل دونوں اعتبار سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ افضل کا ہر ہر جز میں مفضول سے فائق و برتر ہونا ضروری نہیں

سوال ۲ :- از سید امین الرحمٰن ہاشمی

ضلالِ مبین

ہمارے یہاں کی مسجد کا انتظام ایک ایسی کمیٹی (نام نہاد) کے سپرد ہے جس کے ارکان پنجوقتہ نماز کو بھی نہیں آتے کبھی کبھار دکھائی دیتے ہیں اور انتظامی صلاحیتوں کا یہ حال ہے کہ سابق پیش امام صاحب کو معزول کر دیا گیا اور دوسرے صاحب کا انتخاب ایسے وقت کیا گیا جب کہ ایک مقامی صاحب بغیر تنخواہ کے نماز پیش کرنے کو تیار تھے) لیکن تنخواہ یاب صاحب بھی اس تک پہنچے ایک مرتبہ غائب رہے اور اب بھی پندرہ روز سے غائب ہیں لیکن کوئی دوسرا انتظام نہیں ہوتا اور کمیٹی کے اصحاب ایک ایسے صاحب کو نماز جمعہ پڑھانے کا موقع دیتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (باوجود قرآن کی آیات صریحہ کے) بشر نہیں مانتے اور ان کی تقاریر کا بھی یہی موضوع رہتا ہے اور اپنے آپ کو امام ابو حنیفہؒ کا پیرو بتلاتے ہیں، لیکن عمل و عقائد استعانت بہ اولیاء پر مرکوز ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے پیچھے نماز میں کراہت ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں کیا نماز باوجود کراہت ادا کی جا سکتی ہے؟ جواب مرحمت فرمایئے۔

جوابؔ :ــــ

جہاں تک کمیٹیوں کا سوال ہے ان کا معاملہ مفتی کے دائرہ عمل سے باہر ہے انتظامی اُمور کے بگاڑ کا علاج فتوے سے نہیں اقتدار و قوت سے ہو سکتا ہے۔

ہاں مفتی یہ آپ کو ضرور بتا سکتا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر نہ مانے وہ کفرِ جلی میں مبتلا ہے۔ اس کا ذہن اُن پرانے کافروں کی سطح پر ہے جن کے بارے میں قرآن نے کئی مقامات پر یہ حقیقت واضح فرمائی کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت سے اس لئے انکار کرتے تھے کہ انبیاء تو صریح طور پر بشر ہوتے تھے اور اُن بلید الذہنوں کا خیال تھا کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا اس احمقانہ خیال کی تردید اللہ تعالیٰ نے صریح طور پر کی اور انبیاء ہی کی زبان سے کہلوایا کہ ہاں ہم بشر ہیں، لیکن ہمیں اللہ نے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے خاص کر لیا ہے۔

مختصر یہ کہ امتِ مسلمہ میں جن کفریہ عقائد اور شرکیہ خیالات نے فروغ پا لیا ہے ان میں نمایاں قسم کا عقیدۂ کفر یہ ہے کہ رسول اللہؐ بشر نہیں تھے۔ قرآن اور احادیث صحیحہ کے تو ایک لفظ کو بھی جھٹلانا کفر ہے۔ پھر وہ لوگ کیونکر کافر نہ ہوں گے جو قرآن کی بہت سی آیات اور رسول اللہؐ کی متعدد توضیحات کو جھٹلا کر رسولؐ کی بشریت کا انکار کرنے لگیں۔

جو لوگ رواداری کی نذ میں ایسے ملحدین و منافقین تک کو مسلمان کہنے اور ماننے کا معصومانہ مشورہ دیتے ہیں انھیں صاف کہدینا چاہئے کہ اسلام بھی ہندومت کی طرح کا ایک دھرم ہے جو کسی بھی انحراف و سرکشی کے باوجود مسلمان سے چپٹا ہی رہتا ہے۔ اگر رسولؐ کی بشریت کا انکار بھی کفر نہیں تو۔

مجھے بتاؤ کہ پھر ادر کافری کیا ہے؟

استعانت بہ اولیاء بھی شرک ہے تاہم اس کے مختلف درجے ہیں اور اس میں تاویل کی گنجائش بھی نکلتی ہے، لیکن بشریتِ رسول کا انکار تو کسی تاویل کا متحمل نہیں اور اس کا ایک ہی درجہ ہے۔ کفرِ صریح!

ایسے شخص کے پیچھے نماز ہونا تو کجا اس کا مسجد میں داخلہ تک جائز نہیں۔ جن لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ شخص صریح طور پر بشریتِ رسول کا منکر ہے وہ اگر اس کے پیچھے نماز پڑھنا گوارا کرلیں گے تو خود ان کے ایمان میں خلل آجائے گا۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صریحہ کا کھلم کھلا منکر ہو اسے بھی وہ نہ صرف مسلمان سمجھتے ہیں بلکہ اس کی امامت تک درست خیال فرماتے ہیں۔ ونعوذ باللہ ذلک۔

سوال ۷:۔ (ایضاً) تراویح کی اُجرت

اللہ کے فضل سے ایک صاحب کے ذرائع آمدنی اطمینان بخش ہیں۔ باوجود اس کے یہ تراویح پڑھاکر معاوضہ لیں تو کیا یہ ٹھیک ہے یا دوسرے بے روزگار حفاظ کی حق تلفی ہے؟

جواب:—

بے روزگار حفاظ کی حق تلفی کی بھی ایک ہی رہی۔ گویا اب اسلامی فکر و نظر کی گراوٹ اس حد تک پہنچی کہ ایک معصیت کو "حق" تصور کیا جانے لگا۔

اللہ کے بندو! معاوضہ پر تراویح پڑھانا تو تمام علمائے حق کے نزدیک حرام ہے۔ یہانتک کہ اگر بغیر معاوضہ کے حافظ نہ مل سکتا ہو تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ کسی بھی اہل شخص کی امامت میں الم ترکیف سے تراویح پڑھ لی جاوے، ختمِ قرآن کی کوئی ضرورت نہیں کسی کے ذرائع آمدنی اطمینان بخش ہوں یا وہ بالکل قلاش ہو کسی بھی حال میں اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ معاوضہ طے کرکے تراویح پڑھائے اگر ایسا کیا تو وہ مجرم شریعت ہوگا ہی، وہ لوگ بھی وبال میں آئیں گے جو یہ جانتے ہوئے اس کے پیچھے تراویح پڑھیں کہ اس نے اُجرت طے کرکے قرآن سُنایا ہے۔ الہم حفیظنا۔

سوال ۸:۔ از محمد اسرائیل قاسمی۔ ضلع شاہ آباد (بہار) لو ہنیج

جنوری کے شمارے میں "کھرے کھوٹے" کے ضمن میں عبدالکریم صاحب ثمر کی کتاب سفر حجاز میں پہلے صفحہ پر اقبال کا شعر۔

به مصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

بطور عنوان ثبت کر دینے پر آپ نے جو تبصرہ کیا ہے نہ جانے اس میں کونسی ایسی قباحت ہے کہ اتنا تند لہجہ اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس شعر کو بطور عنوان قرار دینے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ حبِ الٰہی اور مقصدِ حج فوت ہوجائے۔ معلوم نہیں کس جذبے اور کس تاثر کے ماتحت آپ نے یہ لکھدیا۔

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہماری جانیں قربان ان کی محبت بلا ریب و شک جان ایمان اور مدارِ نجات ہے۔ لیکن یہ محبت اگر مقصدِ حج اور حبِ الٰہی کو غبار آلود کرجائے تو اسے ہلاکت کا پیش خیمہ کہیں گے"

ایک طرف تو آپؐ پر جان قربان اور آپ کی محبت بلا ریب و شک جان ایمان اور مدار نجات کا دعویٰ اور دوسری طرف اس حبِ رسول کو ہلاکت کا پیش خیمہ قرار دینا عجیب متضاد قسم کی باتیں ہیں۔ پہلا دعویٰ یقیناً صحیح اور حبِ رسول کا آئینہ دار ہے۔ لیکن یہ ہلاکت کا پیش خیمہ سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ مانا کہ سفرِ حج کیساتھ آپ نے اسے مشروط کردیا ہے، لیکن اس شعر میں حبِ رسول کی نعت صراحتاً یا اشارتاً کہاں سے ثابت ہے۔ اس کے لئے کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہونی چاہئے۔ زمانۂ حج میں آپ کی محبت سے مقصدِ حج اور حبِ الٰہی غبار آلود کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ ہلاکت کا پیش خیمہ بنجائے آپ کا یہ دعویٰ ناقابلِ فہم ہے۔ حاشا وکلا آپ کی تحریر پر کوئی جرح و قدح مقصود نہیں بلکہ ان سطور نے ایک خلش پیدا کردی ہے۔ ہرچند اس کی تاویل پر غور کیا مگر یہ خلش دور نہ ہوئی۔ نیز میری طرح اور کئی احباب اس خلش میں مبتلا ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اہلِ بدعت جو اہلِ دیوبند پر انعادهنه

صرف اعتراض کرنا جانتے ہیں انھیں اس سے کافی بدظنی اور غلط فہمی کا اندیشہ ہے۔ انھیں کیچڑ اُچھالنے کا ایک شوشہ ہاتھ آتا ہے۔

جواب :—

بدعت و غلو اور متصوفانہ رہبانیت کے مسلسل رواج و شیوع نے اسلامی توحید کے ارفع و اعلیٰ عقیدے کو امتِ مسلمہ کے درمیان اس قدر غبار آلود بنا دیا ہے کہ آج اگر کوئی اللہ کا بندہ توحیدِ کاملہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے شرک و بدعت کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہے تو اس کی بات خود اہلِ توحید ہی کے لئے ناقابلِ فہم اور حیرتناک بن جاتی ہے۔

واقعہ یہ ہے — اور اللہ اس کی صداقت پر گواہ ہے کہ جو کچھ ہم نے کہا تھا وہ دو اور دو چار کی طرح قطعی تھا۔ پھر بھی اگر آپ کی سمجھ میں نہیں آیا تو لیجئے ہم مزید توضیح کی کوشش کرتے ہیں۔

دیکھئے! کسی کتاب کا نام، کسی مضمون کا عنوان، کسی نامے کا سرنامہ ایک اشاریہ ہوتا ہے اس بات کا کہ اندر جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے اس میں مرکزیت کس چیز کو حاصل ہے۔ اس کے بارے میں پیش کرنے والے کا زاویۂ فکر و نظر کیا ہے اور بنیادی طور پر کس جذبۂ خیال کی کارفرمائی ہے۔ کتاب "تجلی سفرِ حج" کے بارے میں پہلے ہی صفحہ پر اقبال کا مذکورہ شعر اس اہمیت کے ساتھ درج کیا گیا کہ پورا صفحہ اسی کی نذر ہوا۔ یہ بظاہر کوئی گناہ کی بات نہیں، لیکن نفسیات کا ایک مبتدی بھی یہ فیصلہ کرنے میں تامل نہ کرے گا کہ اس شعر کو سفرِ حجاز کا سرنامہ بنانے والا ذہن "عبادتِ حج" میں ذاتِ باری تعالےٰ کو مرکزی اہمیت اور اوّلیت نہیں دیتا بلکہ رسول اللہؐ کو تقدم اور فوقیت دینا چاہتا ہے۔ یہ شعوری یا غیر شعوری موقف بالیقین عبادتِ حج کی حقیقی اہمیت و حکمت کے منافی اور توحیدِ خالص سے ہٹا ہوا ہے۔ ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناراضگی شرک سے ہے۔ وہ صاف طور پر کہتے ہیں کہ ہم اور ہر گناہ معاف کر سکتے ہیں لیکن شرک کو ہرگز ہرگز معاف نہیں کریں گے۔ شرک در اصل توحید کی نفی ہے اور توحید ہی وہ عقیدۂ مقدسہ ہے جس پر ہمیشہ سے دینِ حق کا مدار رہا ہے اور جو تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔ توحید ہی خالص نہ ہو تو قرآن و حدیث صاف طور پر بتاتے ہیں کہ آدمی کے تمام اعمال کھوٹے اور بے وزن قرار

پائیں گے۔ شرک کی ایک بھونڈی قسم تو وہ ہے جو بتوں اور دیوتاؤں کی پرستش کا جامہ پہنتی ہے اور دوسری قسم مہذب قسم وہ ہے جو عیسیٰ ابن مریمؑ کو اللہ کا بیٹا بنانے سے عبارت ہے کہ اسلام کی نظر میں جس طرح پہلی قسم مردود و مبغوض ہے اسی طرح دوسری قسم بھی محمود و مقبول نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ بت پرستوں کو تو مشرک کہا گیا ہو اور نصرانیوں کو مسلمان مان لیا گیا ہو۔ ثابت ہوا کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں یعنی پیغمبروں کے معاملہ میں بھی غلو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے اور خود رسول اللہؐ نے بارہا تنبیہ فرمائی ہے کہ مجھے میرے صحیح مقام سے آگے نہ لے جاؤ۔ بڑھاؤ چڑھاؤ مت جیسا کہ عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کو بڑھایا چڑھایا۔

— ان معروضات کی روشنی میں دیکھئے تو ہماری یہ بات سمجھنی آسان ہو جائے گی کہ رسول اللہؐ کی محبت میں غلو ہلاکت کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ آخر کون مسلمان نہیں جانتا کہ حج ایک ایسی ہی عبادت ہے جیسی دیگر عباداتِ اسلامیہ۔ آپ نماز کے موضوع پر ایک کتاب لکھیں اور اس کے سرنامے پر اقبال کا مذکورہ شعر دیدیں۔ یا کوئی نعت لکھ جائیں یا درود و سلام ثبت فرما دیں تو کیا یہ سلامتیِ فکر و نظر کی بات ہوگی؟ — اگر نہیں ہوگی اور یقیناً نہیں ہوگی تو یہ بات کیونکر سلامتیِ طبع پر دال ہو سکتی ہے کہ اللہ کی عبادتِ خالصہ — حج کے سفر کی داستان اللہ کی حمد و ثنا اور عظمت و جبروت کی بجائے نعتِ رسول سے شروع کی جائے۔ یہ ابن اللہ جیسا غلو تو نہیں، لیکن عبادت اور توحیدِ ربانی کے بارے میں فکر و نظر کے سقم و مرض کا اشاریہ ضرور ہے۔ یہی فکری سقم ہے جو آگے چل کر پھیلتا بڑھتا چلا جاتا ہے اور آدمی پوری معصومیت کے ساتھ حبِّ رسول کے ذریعہ توحیدِ باری کی تخفیف و تقلیل کرتا چلا جاتا ہے۔ یہی سقم ہے جس نے اہلِ بدعت میں خوب ہاتھ پیر نکالے اور انھیں ضلالت و زندقہ کی اس انتہا پر لا کر چھوڑا کہ وہ رسولِ خدا کو بشر ہی ماننے پر تیار نہیں اور حاضر و ناظر، عالم الغیب اور نہ جانے کیا کیا کہے چلے جاتے ہیں۔ اولیاء اللہ سے انھوں نے محبت کی تو ذہن کی یہی بنیادی کجی یہاں بھی رنگ لائی اور زبان سے دعوۂ ایمان و اسلام کرتے ہوئے بھی انھوں نے بُت پرستوں کی طرح سیکڑوں دیوتا بنا لئے۔ اسلام نے

مستقل عنوان

کیا ہم مسلمان ہیں؟

شمس نوید عثمانی

اُحد کی پہاڑیوں سے کتنی معصومانہ آواز آرہی ہے!

"اے سعد! کہاں جاتے ہو تم؟ — مجھے دامنِ اُحد سے باغِ ارم کی خوشبو آرہی ہے!" — یہ انسؓ کی وہ پُرشوق آواز تھی، جس میں ایمان و یقین سے سرشار روح اپنی منزلِ ازل کو چھو لینے کے لئے تڑپ رہی تھی! — روح کے اس والہانہ شوق کے عالم میں وہ بھول گئے تھے کہ اس وقت وہ کس ہولناک معرکہ کارزار میں محصور ہیں — ایک میدانِ حشر جہاں کفر و شرک کی بے رحم و سفاک بلائیں بھوکے بھیڑیوں کی طرح مجاہدینِ اُحد کی پشت پر سے ٹوٹ پڑی تھیں — جہاں چاروں طرف خوف و دہشت کا راج تھا — خون کی طغیانی موجزن تھی — مار دھاڑ کا فلک شگاف ہنگامہ برپا تھا۔ جہاں مجاہدینِ اُحد کے صرف ایک دستہ کی ذرا سی "بھول" سے اسلام کی فتح و کامرانی — کا سارا قلعہ ایک دھماکے کے ساتھ زمین بوس ہو چکا تھا جہاں خوف و ہراس کے سرکش سیلاب میں پہاڑ تنکوں کی طرح بہتے جا رہے تھے اور جہاد کی زلزلہ افگن دھمک آسمانِ ظفر سے لڑکھڑا کر خطرات کے سیاہ پاتال میں ڈوب چکی تھی — جہاں خدا کے آخری رسولؐ کی شہادت کی افواہ نے ایمان و یقین کے کوہ افگن قدموں کو متزلزل کر دیا تھا اور خوف و مایوسی کے گرجتے بادل زندگی کے ہر افق سے کڑکتے برستے اُبھرتے چلے آرہے تھے۔ — جہاں ناگہانی حملہ کے موج در موج اندھیاروں میں تلواریں اندھی ہو کر دوست دشمن کے سر قلم کر رہی تھیں — جہاں خدا کا محبوب ترین بندہ دشمن کے تیر و سناں کی دھواں بوچھار میں خون آلود چہرے کو اپنے ملکوتی جمال اور مافوق الفطرت سکونِ قلب سے منور کئے ہوئے اسلام کی تاریخ کا وہ دردناک موڑ دیکھ رہا تھا جہاں حق و باطل موت اور زندگی کی کشمکش میں مشغول تھے۔

موت اور تباہی کے اس ہاہاکار اور دہشت و ہراس کے اس فلک شگاف ہنگامہ پر اُبھرتی ہوئی یہ آواز تیز سے تیز تر ہوتی۔ بلند ہوتی گئی اور ریگستانی میدان کے خونیں ذرّوں سے اونچی اُٹھتی ہوئی اُحد کی کوہستانی چوٹیوں کو چھونے لگی۔ انسؓ اس پُرخطر گھاٹی میں موت اور ہلاکت کے گھٹاٹوپ اندھیاروں کا سینہ چیرتے ہوئے اُحد کے اسی پہاڑی مورچہ کی طرف تیز گام تھے۔ جہاں خدا کے رسولؐ نے محافظ دستہ کے مجاہدین کو ہر حال میں سینہ سپر اور اٹل رہنے کی تاکید پر تاکید فرمائی تھی — اور جہاں سے اس دستہ نے اسلامی فتح کا نظر فریب منظر دیکھ کر یہ سوچا تھا کہ اس حکم کی اطاعت کا وقت پورا ہو چکا ہے — اور وقت آگیا ہے کہ جہاد کے معرکے سر کرنے کے بعد ارضی انعامات اور غنیمت کے اموال سے بہرہ اندوز ہوا جائے — لیکن وہ بھول گئے تھے کہ اطاعت اور تسلیم و رضا کا سب سے نازک وقت وہی تھا جب متاعِ دنیا کی چمک دمک عاقبت کی سرفروش جاں نثاریوں کو للچا رہی ہو! جہاں آنکھیں دل کو دھوکا دے رہی ہوں — اور جہاں عین الیقین اور ایمان بالغیب کے جذبات میں تصادم ہو رہا ہو!

چند انسانوں کی بھول — ایک معصوم بھول پوری ملت کی تاریخ پر تباہی کا دھماکا بن کر پھٹ پڑی — چند قدموں کی لرزش سے زمین و آسمان تھرتھرا گئے — انسانیت کے مستقبل کی بنیادیں لرز اٹھیں — لیکن ابھی آزمائش کی سیاہ پوش گھٹاؤں میں کچھ بجلیاں کوندرہی تھیں — خون آشام اندھیاروں کے جھکڑوں سے کچھ جگنو ٹکرا رہے تھے۔ انسؓ ان میں سے ایک تھے۔ ایک انسان جو بھول اور غلطی کی آندھیوں کی زد میں حقیقت کا چراغ جلائے موت و ہلاکت کی اسی پُرخطر گھاٹی کی طرف

بیتابانہ بڑھ رہا تھا جہاں سے تباہی کے عفریتی لشکر اسلام پر حملہ آور ہو رہے تھے۔

امتحانِ عظیم کی نزاکتوں کو نقطۂ عروج پر لانے کے لئے مشیت نے اشارہ کیا!

غنیم کے آہن پوش لشکر حرکت میں آئے اور ایک انسان پر سیکڑوں تلواریں کوندنے لگیں — مگر وہ انسان بڑھا جا رہا تھا۔ غیظ و غضب اور ظلم و استبداد کی قہرمانی طاقتیں غراتیں اور چنگھاڑتی ہوئیں حملہ آور ہوئیں — مگر مجاہد کا رُخ نہ بدل سکیں۔ تیروں کی بوچھار ہوئی — پتھراؤ پر پتھراؤ ہوئے — لیکن بڑھنے والا خود اپنے زخموں کے خون میں نہاتا ہوا باغِ ارم کی خوشبو کی طرف بیتابانہ بڑھتا ہی رہا — آگ اور خون کے طوفان میں ایک سفینہ تھپیڑے کھا رہا تھا مگر موجوں کا سینہ چیرتا چلا جا رہا تھا — آخر — امتحان کی اس حشر انگیز کہانی کو ختم کرنے کیلئے موت کا فرشتہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور زخموں سے پارہ پارہ جسم کو اپنی نورانی آغوش میں لئے ہوئے باغِ ارم کی ابدی منزل کی طرف لے اُڑا — "انسان" مر گیا تھا مگر دم توڑتی ہوئی انسانیت ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئی تھی۔

اُحد کی گھاٹیوں سے آج پھر یہی آواز آ رہی ہے —

"اے سعد کہاں جاتے ہو؟ دامنِ اُحد سے مجھے تو باغِ ارم کی خوشبو آ رہی ہے —" آج پھر ملتِ اسلامیہ طاغوت کے جارحانہ حملوں کو شبخوں مارنے کی راہ دے رہی ہے — آج پھر مجاہدین کا دستہ اپنے اُسی مورچے سے ہٹ کر متاعِ دنیا کی نظر فریبیوں میں کود پڑا ہے جہاں خدا اور اس کے رسولؐ نے اس کو آخری دم تک سینہ سپر رہنے کا اٹل حکم دیا تھا — آج پھر وہ گھمسان کا معرکہ بپا ہے جہاں تلواریں اندھی ہو گئیں اور خود غرضیوں کی تاریکی میں دوست دشمن کا امتیاز گم ہو چکا ہے — آج بھی خدا کے آخری رسولؐ کی طرح خدا کا آخری پیغام باطل کے وحشیانہ حملوں کی زد میں سکون و استقامت کے منارۂ نور کی طرح ایستادہ ہے مگر اس کا چہرہ خون آلود ہے اور اس کے ماننے والے انتشار کے طوفانی جھکڑوں میں اُڑتے پھر رہے ہیں —

زمانہ انسؓ کو آواز دے رہا ہے — اور اُحد کی وادیوں میں گونجتی ہوئی انسؓ کی خاموش للکار زمانہ کو آواز دے رہی ہے!

—…◄ ۲ ►…—

نئے اور پرانے طائف

پھولوں سے زیادہ معصوم فطرت، مگر شیطنت کے گھناؤنے ماحول کے ڈھالے ہوئے شریر انسانی بچوں کی بھیڑ شور مچاتی — تالیاں بجاتی ہوئی — ایمان باختہ نوجوانوں کے خرمست غول انسانیت سوز قہقہے لگاتے ہوئے —

بوڑھے چہرے — لاتوں کی طرح بے روح اور گناہ کی طرح تاریک و بے ضمیر بوڑھوں کے چہرے ایک کریہہ تمسخر کی جھریوں میں سمٹتے پھیلتے ہوئے! —

اور —

اِس انسانی جنگل کے طول و عرض میں جنگلی شور کے طوفانی ریلوں کے ساتھ اینٹوں کی اندھا دھند بوچھار! — بیرحمانہ پتھراؤ! ہاؤ ہُو کا حیوانی خروش! — یہ طائف کی سرزمین پر کس ہستی کا مجنونانہ خیر مقدم کیا جا رہا تھا؟ — آہ کون جانے! — کیا آج طائف کے زرخیز نخلستانوں اور متموّل محلات کی آبادی میں کوئی تباہ کن ڈاکو گھس آیا تھا جس کو فاتحانہ انتقام کے نرغہ میں لے کر اہالیانِ شہر شہری اتحاد، سماجی شعور اور انسانی جرأت و فرزانگی کی داد دے رہے تھے؟ — یا اس وادی کے سیم و زر اور تخت و تاج پر حملہ آور کوئی سرکردہ غنیم گرفتار کیا جا رہا تھا؟ — یا اس دیار کے جنگجو سورماؤں نے کسی ایسے "مخدوش کردار" کو دھر لیا تھا جس کے وجود سے زعمائے شہر کے حرم سخت خطرے میں تھے؟

آہ نہیں! — ہرگز نہیں!

سنگ و خشت کے ظالمانہ نشانہ پر کوئی رہزن نہیں، بلکہ دیانت کیشی اور امانت داری کا ملکی ہیرو اور بین الاقوامی نشان تھا جس کے پُرنور چہرے سے ٹپکتا ہوا معصوم جلال اور جس کی پشت پر اس کی طویل زندگی کا تابناک و بے داغ افسانہ اس کے بدترین دشمنوں کے پتھریلے دلوں اور مُردہ ضمیروں تک سے عقیدت و اعتماد کا شاہانہ خراج لے رہا تھا اور جس کو اس کے جانی دشمن انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں بھی کوئی اخلاقی گالی دینے کا تصور تک

نہ کرسکتے تھے ـــ وہ دوستوں اور دشمنوں دونوں کا "امینِ صادق" تھا! ـــ ہاں اس بے رعنانہ' آخری حد تک بے رحمانہ پتھراؤ کی زد پر اس "انسانِ کامل" کے سوا کوئی نہ تھا جس کے پُرنور قدموں میں کجکلاہ وحشی سرداروں کا عظیم قریشی وقار سر جھکا کر یہ بھیک مانگ چکا تھا کہ وہ "ایک نئے خدا" کا نعرہ بند کردے تو وہ اس قابل ہے کہ عرب کا تاج و تخت اس کے حوالے کردیا جائے ـــ مگر وہ انسانِ کامل جو اپنے خدا کی راہ میں بھوک اور پیاس سے محبت کرتا تھا شہنشاہیت کی نذر بھی اس کو نہ خرید سکی اور اپنے متاعِ دنیا اور اس کے مایا جال پر نفرت و غضب سے نظر ڈالی اور منھ پھیر لیا ـــ ہاں یہ وہی عفت مآب ہستی تھی جس کے اخلاقی انقلاب کے مقدس پیغام کو خریدنے کیلئے ریگستانِ عرب کی حسین ترین دوشیزگی کی بولی لگائی گئی تو شیطنت نے یہ دیکھ کر اپنا منھ پیٹ لیا کہ اس عجیب انسان کی رگ و پے میں جذبات کی نشیلی سنسنی کی جگہ انسانیت اور اس کے وقار کا غیور خون ـــ مقدس خون کھول اٹھا ـــ انسانیت کی المناک گراوٹ کے منظر نے اس کو آبدیدہ کردیا اور غیرتِ انسانیت کے ایک حسین ترین جوش کے ساتھ اس کے ہونٹوں سے یہ الفاظ نکلنے لگے "جس چیز کو چاند اور سورج کی نذر بھی نہ خرید سکے یہ دنیا اس چیز کو متاعِ دنیا سے خریدنے کا خواب دیکھ رہی ہے ـــ آہ یہ لوگ مجھے نہیں پہچانتے!" ـــ

زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ گواہی دے رہا تھا کہ یہ خدا کے رسولؐ کی آواز ہے ـــ وہ آخری رسولؐ جس پر اس کے خدا کی زمین تنگ کرتے ہوئے طائف کی سرپھری انسانیت خود اپنی موت کا خوں چکاں جشن منا رہی تھی۔ انسان کی وہ آنکھ جس نے صدیوں سے گناہ کی تاریک و سیاہ رات کے سوا کچھ نہ دیکھا تھا۔ خیرگی سے اندھی ہو کر حقیقت کی "صبحِ درخشاں" پہ پتھراؤ کر رہی تھی۔ اینٹیں برسا رہی تھی!

"انسانو!" اس نے درد بھری آواز میں طائف کی آدم خور بستی کو پکارا "سن لو کہ خدا کے آخری پیغام کے سوا میرا کوئی پیغام نہیں ہے ـــ یہ تمہارے اس خدا کا پیغام ہے کہ زمین آسمان کی لامتناہی وسعتوں میں بھی کوئی اس کی گرفت سے بچ کر نہیں جاسکتا اس سے پہلے کہ موت انسان کی گناہ آلود لاش کو محفوظ عشر تکدوں سے گھسیٹ کر شہنشاہِ کائنات کے حضور میں لیجا پٹکے کیوں نہ انسان شکرِ نعمت کی والہانہ تڑپ کے ساتھ خود ہی اپنے خالق کیطرف دوڑ پڑے"

حقیقت کی کیسی دلنشیں آواز تھی یہ ـــ کیسی دلدوز پکار! مگر عشرت کدوں کی گناہ آلود سرمستیوں میں انگڑائیاں لینے والے انسانی درندوں نے پاگلوں کی طرح قہقہہ لگایا' لیکن وہ بھی اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے "تم! ـــ تم ہو خدا کے رسول؟! ـــ (ہاہاہا) کیا خدا کو اس کام کے لئے تمہارے سوا کوئی اور نہ ملا؟ ـــ (کچھ دیر رُک کر ـــ سنجیدگی کے ساتھ) "ہم تو صاف دیکھتے ہیں کہ تم محض ہم جیسے ایک انسان ہی ہو!' ایک انسان جو روٹی کھاتا اور پانی پیتا ہے! ـــ اور بازاروں میں خرید و فروخت کرتا ہوا دیکھا جاتا ہے!" ـــ

یہی تھے وہ انسان جن کی نظر میں خدا کے رسولؐ کا (خدانخواستہ) واحد "جرم" یہ تھا کہ وہ ہم جیسا ایک "انسان" کیوں ہے؟ ۔ آہ ـــ انسان اور انسانیت و بشریت سے اس قدر بیزار! ـــ مایوس اور اس درجہ مایوس! ۔ کیا طائف کے اس المیہ سے بڑا کوئی اور المیہ ممکن ہے؟ ـــ کاش ہم اس کا جواب نفی میں دے سکتے ـــ کاش ہم "مسلمان" ہوتے! ۔ آہ جغرافیہ پر بکھرے ہوئے یہ بیشمار جدید طائف! ـــ جہاں ایک بار پھر خدا کے رسولؐ کو رسول جاننے والے یہ کہتے سُنائی دیتے ہیں کہ رسالت تسلیم کرنے کیلئے محمدؐ کی بشریت کا انکار کرو! ـــ جہاں ایمان و عمل کی چلتی پھرتی لاشیں اپنے خوبی کردار سے ڈھلی ہوئی اینٹیں اور پتھر کے دل اُٹھائے ہوئے اس اسلام کی حقیقی بنیادوں کو سنگسار کر دینا چاہتی ہیں جس کی تہ میں طائف میں ٹپکا ہوا لہو" وہ مقدس لہو" جذب ہو کر اسلام کو سیراب کرچکا ہے۔

کفرزدہ طائف کے پتھراؤ میں مقدس خون سے رنگین قدموں کی قسم! دَورِ حاضر کے نئے طائف اور ان کے ہولناک مناظر خدا کے رسول کا "دل" خون کرنے کے لئے کافی ہے۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا.... "دادی اماں! اسلام خطرے میں ہے!"

بوڑھوں' بچوں' بیماروں اور عورتوں نے مدینہ میں خطرہ کی یہ گھنٹی گونجتی ہوئی سنی اور انسانیت کا وہ معذور و کمزور طبقہ جن کے کاندھوں کو خدا اور اس کے رسولؐ نے شمشیر و سناں کے خوں ریز معرکوں کے بارِ گراں سے

آزاد رکھا تھا پناہ گاہوں میں چھپنے کے بجائے پناہ گاہوں سے باہر نکل پڑا۔۔ پارہ کی طرح بیتاب — بجلی کی طرح تڑپتا ہوا — شہادت کے لئے ماہیِ بے آب — وہ کس خطرہ سے پناہ ڈھونڈ کر زندہ رہنے کی تمنا کریں جب ان کی زندگی کا حاصل اور ان کی آرزوؤں کا روحِ رواں "اسلام" "خطرے میں ہے!" — اسلام خطرے میں ہو تو پھر کوئی خطرہ خطرہ نہیں — جب دین پر آنچ آ رہی ہو تو متاعِ دنیا ان کے کس کام کی!—

خدا، رسولؐ اور اسلام کے قدموں پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لئے ضعیف انسانیت کا ہجوم بیرحم طاقتوں سے ٹکرانے کے لئے والہانہ شوق کے عالم میں رواں دواں تھا — زندگی خود ہی موت کے تعاقب میں نکل کھڑی ہوئی تھی — پناہیں خود ہی خطرات کو للکارنے کے لئے قربانی و ایثار کے نشہ میں وجد کرتی چلی جا رہی تھیں — اور لوگوں نے دیکھا کہ اس کارواں میں سب سے آگے ایک عورت تھی — یہ ام عمارہ تھیں جو اس موت و ہلاکت کے دہانے پر جست کرنے کے لئے بجلی کی طرح کوندتی جا رہی تھیں جہاں خدا کا آخری پیغمبر تیر و سناں کی بوچھار میں محصور تھا۔ جہاں سچ مچ اسلام خطرہ میں تھا!

آخر ایمان و یقین کا یہ نسوانی پیکر جس نے سارے وجود کو خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت نے شعلۂ جوالہ میں تبدیل کر دیا تھا، آہن و فولاد کی دیواریں ڈھاتا ہوا — بے ضمیر انسانیت کے آہنی جوشنِ کفر کے پرخچے اڑاتا ہوا — وار کرتا اور زخم پر زخم کھاتا ہوا اس معرکۂ کارزار تک جا پہنچا جہاں شیطنت حق کا آخری چراغ گل کرنے کیلئے آندھیوں کی طرح پھنکار رہی تھی اور درندوں کی طرح پوری وحشت و قوت سے دہاڑ رہی تھی — مرد اور بیرحم مرد جس کے سینہ میں کفر و شرک کی قساوت نے گوشت کے دل کو پتھر کے ٹکڑوں میں تبدیل کر دیا تھا فوج در فوج، موج در موج ہو کر اس تنہا عورت کے جذبہ جھپٹ پڑا جو دیکھتے ہی دیکھتے طاغوتی فوج کو موت کے گھاٹ اتار رہی تھی — جس کی للکار سے اُحد کا میدانِ جنگ گونج رہا تھا اور جس کے رجز سے زمین و آسمان اور کائنات کی فضائیں مرتعش ہو کر رہ گئیں تھیں — جو حق و باطل کے تباہ کن معرکہ میں چٹان کی طرح سینہ سپر ہو کر زخم پر زخم کھا رہی تھی مگر اپنے لہو میں نہا نہا کر جس کا عزمِ شہادت تازہ دم ہو رہا تھا — جس کو رسولِ خدا نے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا "شاباش اے ام عمارہ! اسلام تم پر فخر کرتا ہے!"

"نہیں اے خدا کے رسولؐ!" ام عمارہ نے خون میں نہایا ہوا چہرہ رسولِ خداؐ کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا "میں کچھ اور چاہتی ہوں" — اور یہ کہتے ہوئے ان کی زندگی کی کوئی حسین ترین آرزو ان کے رشحۂ دل کی گہرائیوں سے جسم کے ریشہ ریشہ سے بیتاب بن کر ابل پڑی — کیسی تڑپ تھی ان کی آواز میں — کتنا درد — کس قدر سوز! "اے خدا کے رسولؐ! دعا فرمائیے کہ میں موت کے بعد آپ کے قدموں میں اٹھائی جاؤں" — اور جب خدا کے رسولؐ نے دعا کو ہاتھ اٹھا دیئے تو وہ اس طرح پرسکون و مطمئن ہو گئیں جیسے دولتِ دو جہاں مل گئی ہو — جیسے ان کی تھکی ہوئی پرشوق آنکھیں زبانِ حال سے کہہ رہی ہوں "سب کچھ خدا سے مانگ لیا تم کو مانگ — اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دعا کے بعد!"

"اے خدا کے رسولؐ! اب مجھے کسی غم کا غم نہیں — کسی مصیبت کا خوف نہیں — مجھے سب کچھ مل گیا ہے!" — ام عمارہ بار بار کے عالم میں یہ الفاظ دہرا رہی تھیں اور خدا کا رسولؐ عظیمتہ شفقت اور مشفقانہ رقت کے عالم میں یہ منظر دیکھ رہا تھا! کون ہے جو ام عمارہ کی اس "دعا" کے لئے متاعِ دنیا کی قیمت پیش کرے؟ یہ متاعِ دنیا جس کے سونے چاندی کے سلاسل نے ہمارے پورے وجود کو جکڑ لیا ہے — جس کے چمکتے ہوئے سراب میں ہمارے ایمان و یقین پیاس سے دم توڑ رہے ہیں — آہ ہم مسلمان ہیں! — ہم "مسلمان" ہیں؟—

فلسفۂ شہادت اور قرآن

از ڈاکٹر عبد الحمید صاحب مدھوپور (ایس۔پی)

آج مسلمانانِ عالم کا یہ عام عقیدہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستے میں مارے جاتے ہیں یعنی جنھیں عرفِ عام میں شہداء کہتے ہیں، وہ مرتے نہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں۔ حتیٰ کہ انھیں عام زندوں کی طرح روزی ملتی ہے۔ چنانچہ اسی عقیدے کی بناء پر دنیا کے اکثر مشہور و معروف شہداء کی قبروں پر ہر سال ایک وقتِ معین پر چراغاں ہوتا اور ہزاروں اور لاکھوں مسلمانوں کے اجتماع کا خاص طور پر اہتمام کیا جاتا ہے۔ جہاں زائرین دور و نزدیک سے نذرِ عقیدت پیش کرنے کے لئے جوق در جوق حاضر ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ان مزارات پر نذریں چڑھاتے، رکوع و سجود کرتے منتیں ملنتے، اور ان قبر والوں کو اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارتے ہیں۔

واضح رہے کہ زیرِ نظر مضمون کا تعلق اس امر سے نہیں ہے کہ مسلمانوں کی ان حرکات کے (جو ان بزرگوں کی قبروں کے ساتھ روا رکھی جاتی ہیں) حسن و قبح یا جواز و عدم جواز کے سوال کو معرضِ بحث میں لایا جائے، بلکہ دیکھنا دراصل یہ ہے کہ آیا قرآنِ کریم کی وہ آیات جو متذکرہ صدر عقیدے کے جواز میں بطور سند کے پیش کی جاتی ہیں واقعی وہی مفہوم رکھتی ہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے یعنی یہ کہ مقتولین فی سبیل اللہ مرتے نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں اللہ کے پاس زندہ رہتے اور کھاتے پیتے ہیں یا بخلاف اس کے ان آیتوں سے منشائے قرآنی کچھ اور ہے جو عقیدۂ مذکور کے قطعی منافی ہے۔ بہرحال اس مقام پر یہ حقیقت ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ ان آیاتِ قرآنی کی تاویل صحیح معنوں میں وہی قابلِ قبول ہوگی جو قرآنِ کریم کی دوسری متعلقہ آیات سے ثابت ہو، نہ کہ اس کے برعکس، نیز یہ کہ اسی کا فیصلہ اس باب میں قطعی اور یقینی تسلیم کیا جائیگا جس میں کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہ ہوگی۔

جہاں تک انسانی حیات و ممات کا تعلق ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن نے اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر مختلف زاویوں سے اس انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ اس کا کوئی گوشہ قرآن میں غور و فکر کرنے والوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ انسان کو اس کی موت کا یقین دلانے کیلئے ایک نہیں متعدد مقامات پر نہایت صاف و صریح اور غیر مبہم الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ ہر شخص کو چار و ناچار موت سے ہمکنار ہونا ہے۔ اس سے کسی کو مفر نہیں۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ نیز روزمرہ کے واقعات و مشاہدات بھی اسی حقیقتِ عظمیٰ سے عین مطابقت رکھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہاں تک کہ موت کے بعد کیا ہوگا، اس کی تصریح بھی نہایت واضح طریقہ پر کر دی گئی ہے یعنی یہ کہ انسان کو اپنی دنیاوی زندگی کی میعاد پوری کر کے مرجانا اور مٹی میں مل جانا ہے اور پھر اُسے قیامت کے دن اُٹھنا ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (المؤمنون ع ۱)	پھر تم اس کے بعد مروگے پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے۔

واضح رہے کہ آیاتِ محولہ بالا اس باب میں قرآن کریم کی نصوص قطعیہ ہیں اور ان میں شہید و غیر شہید یا کسی دوسری شخصیت کی کوئی خاص قید نہیں ہے۔ یہ دو تین آیتیں محض بطور نمونہ کے پیش کی گئی ہیں ورنہ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے قرآن پاک سے بلا مبالغہ بیسیوں محکم آیتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ان آیتوں کی روشنی میں دو باتیں بالکل نکھر کر سامنے آجاتی ہیں جن کے متعلق ایک مومن کے دل میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اولاً یہ کہ

موت ہر شخص پر ضرور آنی ہے (خواہ وہ شہید، صالح، صدیق یا نبی کیوں نہ ہو) کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں اور ثانیاً یہ کہ مرنے کے بعد انسان کو اسی دن نئی زندگی ملے گی جس دن قیامت قائم ہوگی۔ نہ کہ اس سے پہلے۔ لہٰذا ان قرآنی حقائق اور عینی شواہد کی موجودگی میں شہداء کے متعلق عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ "وہ مرتے نہیں" یا بقول بعض محتاط لوگوں کے کہ "انھیں مرنے کے بعد قیام قیامت کا انتظار کئے بغیر فوراً ہی نئی زندگی مل جاتی ہے" یکسر بے اصل ثابت ہوکر رہ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں غور کرنے کا مقام ہے کہ انبیاء و رسل جن کا مرتبہ بلا اختلاف ان شہداء سے ہزاروں درجہ بلند ہے ان میں سے تو کوئی بھی ایسا نہیں جس کو موت لاحق نہ ہو، یا یہ کہ مرنے کے بعد اسے قیامت سے پہلے ہی دوسری زندگی مل جاتے حتیٰ کہ خود حضور نبی اکرمؐ کو خطاب کرکے سنادیا گیا کہ:۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (الزمر۔ رکوع ۳)	بلاشک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں۔ پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے آگے جھگڑوگے

+ + + +

لیکن حیرت ہے کہ شہداء کی نسبت یا تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ سرے سے مرتے ہی نہیں یا پھر یہ کہ اگر مرتے بھی ہیں تو اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ "اِدھر مرے اُدھر اُن کی ارواح طیور خضر میں داخل ہوگئیں" گویا اس طرح موت کیا ہوتی محض انسانی قالب سے حیوانی قالب میں روح کی تبدیلی ہوگئی اور بس۔ شاید اسی خیال کی ترجمانی کسی شاعر نے اس طرح کی ہے۔ ؎

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھیرے
کبھی اس گھر میں آنکلے کبھی اس گھر میں جا ٹھیرے

معاف رکھیں کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آخر ویدانت کا نظریۂ تناسخ کیا اس کے سوا کچھ دوسرا ہے؟

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

اب آیئے ہم آیۃ زیر بحث پر بھی ذرا غور کرتے چلیں جس کی بناء پر قرآن کے مبینہ نظریۂ حیات میں ایک طرفہ تر باب کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے:۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ رکوع ۱۹)	اور مت کہو ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے مُردے وہ زندہ ہیں، مگر تم شعور نہیں رکھتے۔

دیکھا آپ نے، کیا اس آیت جلیلہ میں ایسا بھی کوئی لفظ ہے جس کے معنیٰ ہوں کہ "مقتولین فی سبیل اللہ مرتے نہیں" یا "انھیں مرنے کے بعد ہی فوراً نئی زندگی مل جاتی ہے اور وہ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ کے بندھن توڑ کر قیامت سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جاتے ہیں؟" نہیں، بلکہ برعکس اس کے یہاں تو یقتل (یعنی مارے جاتے ہیں) کہہ کر ان کی موت کا کھلے لفظوں میں اعلان کیا گیا ہے۔ طبعی موت نہ سہی غیر طبعی سہی، بہرحال دونوں حالتوں میں واقع ہوتی ہے۔ اس سے تو کسی کو انکار کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ دیکھا نہیں آپ نے کہ آنحضرتؐ کے متعلق بھی تو یہی کہا گیا ہے کہ:۔

اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران رکوع ۱۵)	پس اگر وہ مرگیا یا قتل کر دیا گیا تو تم اُلٹے پیروں پھر جاؤگے

اور اس طرح بتلادیا گیا ہے کہ موت کی یہی دو صورتیں ہیں، طبعی اور غیر طبعی، تیسری نہیں۔ البتہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس آیۃ میں مسلمانوں کو تاکید ضرور کی گئی ہے کہ اللہ کے راستے میں مارے جانے والوں کو "مردہ" کے لفظ سے یاد نہ کیا جائے، کیونکہ "مردہ" کا لفظ ان کی شان کے قطعی منافی ہے۔ اس لفظ سے ان کی ناکامی و نامرادی کا اظہار ہوتا ہے جو یقیناً حقیقت کے خلاف ہے۔

دراصل یہ ساری اُلجھنیں محض اس وجہ سے پیدا ہوئیں کہ اس مقام پر "احیاء" کے واقعی مفہوم پر قرآن کی روشنی میں غور نہیں کیا گیا۔ بخلاف اس کے اس لفظ کی حکمت و بلاغت کو نظرانداز کرکے اس سے شہداء کا بالکل حقیقی معنوں میں زندہ سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ آیت کے سیدھے سادے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں "زندہ" کا لفظ اپنے لغوی معنی میں نہیں مجازی اور خالصۃً مجازی معنی میں بولا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسرے الفاظ قرآن میں انھیں مجازی معنوں میں مستعمل ہیں۔ مثلاً جس طرح یہاں شہداء کو "زندہ" کہا گیا ہے بعینہٖ اسی طرح دوسری جگہ کافروں کو "مردہ" قرار دیا گیا ہے۔ میں پو

اگر اس مقام پر محض اس وجہ سے کہ قرآن نے "احیاء" کا لفظ استعمال کیا ہے شہداء کو مشاہدہ کے خلاف حقیقی معنوں میں زندہ سمجھا جائیگا تو کیا کافروں کو بھی واقعی مردہ سمجھا جائے گا اس لئے کہ قرآن نے انھیں "موتیٰ" کہا ہے۔ حالانکہ وہ علیٰ رؤس الاشہاد زندہ ہیں کھاتے پیتے؟ انا للہ۔ ۔ ۔ ۔ یقین جانئے آیاتِ قرآنی کی اس طرح کی تصریحات سے ہم دنیا کو قرآن سے دُور سے دُور تو کر سکتے ہیں، نزدیک نہیں لا سکتے اور اِدھر خود مسلم معاشرے کے لئے نکتۂ توحید کو شرمندۂ معنی کرنے سے تو رہے البتہ اس شرک کے نئے نئے دروازے کھولے جا سکتے ہیں۔ رہا مقتولین فی سبیل اللہ کا مجازی معنوں میں زندہ ہونا تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے اور ناقابلِ تردید۔ آپ غور فرمائیں، ایک شخص بے لوث، خالصۃً لوجہ اللہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے ساری زندگی جد و جہد کرتا ہے حتیٰ کہ حق کی حمایت میں طاغوتی طاقتوں کے خلاف لڑتے لڑتے اپنی عزیز جان تک کھپا دیتا ہے، کیا ایسے شخص کو "مردہ" کہنا شرطِ انصاف ہے؟ بھلا وہ شخص جس نے اپنی جان دے کر انسانیت کی مردہ لاش کو از سرِ نو زندگی بخشی ہو کیا خود "مردہ" جیسے بیجان الفاظ سے پکارے جانے کا مستحق ہے؟ کیا جس کی قربانیوں کے صلے میں آسمان کے نیچے حق و انصاف اور عدل و مساوات زندہ و تابندہ ہوں۔ دنیا کی کسی مہذب زبان میں اس پر "مردہ" کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ ایسی مبارک و محسن ہستیوں کو مردہ کہنا نہ صرف یہ کہ ان کے حق میں انتہائی بے انصافی اور ان کے عظیم الشان کارناموں کی ناقدری کرنا ہے، بلکہ خود اپنے ضمیر کی آواز کا گلا گھونٹنا اور اپنی احسان فراموشی کا ثبوت دینا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ انھوں نے جان دے کر بھی زندگی کے اصل مقصد کو حاصل کر لیا اور دنیا میں زندہ جاوید کہلائے اور کتنے ہیں کہ زندہ رہ کر بھی زندگی کے مقصد کو نہ پا سکے اور مُردوں میں شمار ہیں۔ سچ پوچھئے تو ہماری جیسی ہزاروں زندگیاں ان کی ایک موت پہ تصدق۔

آگے چل کر ایک اور آیۃ اسی کی مثل سورہ آل عمران میں ہمیں ملتی ہے جو شہداء کی شان میں وارد ہوئی ہے اور اس کا مفہوم بھی تقریباً وہی ہے جو پچھلی آیت کا تھا۔ یعنی یہ کہ مقتولین فی سبیل اللہ کو مردہ خیال نہ کیا جائے، بلکہ انھیں زندہ سمجھا جائے۔ یہاں اس ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جہاد میں قتل ہونے والوں کی نسبت مردے کا تصور کرنا خود مجاہدینِ اسلام کے لئے ہمت شکن اور جذبۂ شجاعت کو سرد کر دینے کا موجب ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران رکوع ۱۷)	اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کے راہ میں مُردے، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے۔

اس آیۃ کے نزول کی غرض و غایت معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم کم از کم انھیں چند آیتوں پر ایک سرسری نظر ڈال لیں جو اس کے ساتھ مربوط و سلسلہ وار ہیں تاکہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے۔

قصہ یہ ہے کہ جنگِ اُحد کے موقع پر جب کہ مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد میدانِ کارزار میں کام آگئی جس کے زیرِ اثر مدینے میں جماعت مومنین میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی، عین اُسی وقت منافقین جو موت کے ڈر سے لڑائی سے جان چُرا کر بھاگ نکلے تھے ان کو اس المناک حادثہ سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا ایک اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ انھوں نے ایک طرف تو اپنی خفت کو مٹانے اور دوسری طرف مسلمانوں میں جہاد سے مایوسی و بددلی پیدا کرنے کے لئے طرح طرح کی افواہیں پھیلانا شروع کر دیں مثلاً شہدائے اُحد کے متعلقین کے ساتھ جھوٹی محبت و ہمدردی جتا جتا کر کہنے لگے کہ "کاش ہمارے بھائی ہمارا کہنا مان لیتے اور جنگ کے لئے نہ نکلتے تو بھلا کاہے کو مارے جاتے۔ دیکھو ہم لوگ جنگ سے علیحدہ رہ کر کیسے فائدے میں رہے، آرام سے گھر میں بیٹھے رہے اور جان بھی بچی۔"

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (آل عمران رکوع ۱۷)	وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے ہیں۔ اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے تو کہدے۔ اب ہٹا دینا اپنے اوپر سے موت کو اگر تم سچے ہو۔

اُدھر عام مسلمانوں کو اس وقتی نقصان پر حسرت و افسوس

دلانے اور اپنی دانشمندی اور معاملہ فہمی کی ڈینگیں مارنے کے لئے کہنے لگے کہ "یہی تو وجہ تھی ہم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے خلاف تھے۔ دیکھو اگر سب لوگ ہماری طرح گھر میں بیٹھے رہتے اور باہر نہ نکلتے تو آج اتنی جانیں ناحق کیوں ضائع ہوتیں۔ مسلمانوں کا مقابلہ کے لئے نکلنا ہی ناعاقبت اندیشی اور ہلاکت کو دعوت دینا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا (آل عمران رکوع ۱۷)

اے ایمان والو! تم نہ ہو ان کی طرح جو کافر ہوئے اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جب وہ سفر کو نکلیں ملک میں یا ہوں جہاد میں کہ اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔

غرض اسی طرح کی ہمت پست کرنے والی باتیں بنا بنا کر عامۃ المسلمین میں ذہنی انتشار و پریشانی پھیلانے لگے تاکہ ان کے ہاتھوں سے صبر و استقلال کا دامن چھوٹ جائے اور خود منافقوں کے منہ کی کالک مٹے۔ ظاہر ہے کہ ایسے نازک موقع پر اس طرح کی چکنی چپڑی مگر زہریلی باتیں جماعت کے لوگوں میں کس قدر خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہیں۔ بناء بریں سخت اندیشہ تھا کہ یہی روحِ جاں فروشی جو حق و باطل کی کشمکش میں حق کی فتح یابی کی واحد ضامن ہے منافقوں کی چالوں سے یکسر مردہ ہو کر رہ جاتی اور تخلیق کائنات کا اصل مقصد ہی ہمیشہ کے لئے فوت ہو جاتا۔ چنانچہ اس سنگین صورتِ حال کے پیشِ نظر اللہ ایک طرف منافقین کی مکاریوں اور چال بازیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ ان منافقین کی باتوں میں نہ آئیں، یہ سراسر دھوکہ و فریب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں یہ جو کچھ کہتے ہیں محض زبانی جمع خرچ ہے۔ دل کی گہرائیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور دوسری طرف جہاد میں کام آنے والوں کی نسبت مسلمانوں کو اپنے فضل و کرم اور انعام و اکرام کی کچھ ایسے مؤثر و دلپذیر انداز میں بشارتیں سنائیں کہ مجاہدینِ اسلام کا جذبۂ شجاعت بجائے سرد پڑنے کے اور تازہ ہو جائے اور اُدھر منافقوں کے لئے کفِ افسوس ملنے کا باعث ہو۔ غرض اسی سلسلے میں ارشاد ہوا کہ اللہ کے راستے میں قتل ہونے والوں کو مردہ نہ سمجھا جائے، کیونکہ ایسے نفوسِ قدسیہ اللہ کے نزدیک مُردوں میں نہیں، بلکہ کھاتے پیتے زندوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو مزید تسکین دلائی جاتی ہے کہ شہدائے اُحد کے لئے غم و افسوس کرنے کا مقام نہیں ہے۔ اللہ نے ان کے لئے اپنے فضل سے اتنا کچھ دے رکھا ہے کہ وہ تو ان کے لئے عین خوشی کا باعث ہے۔ فرحین بما آتاهم الله من فضله۔ یہی نہیں بلکہ ساتھ ہی ان لوگوں کے لئے بھی بشارتیں ہیں جو ابھی ان کے درجے کو نہیں پہنچے یہ کہ (کل قیامت میں) ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم۔

وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (آل عمران ع ۱۷)

اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی ان کے پاس نہیں پہنچے اس لئے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ انھیں غم ہے۔

(۲) يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (آل عمران رکوع ۱۷)

خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی۔

زباں ز نطق فرو ماندہ و راز من باقی ست
بضاعتِ سخن آخر شد و سخن باقی ست

تجلی ہم جانتے ہیں بہت سے لوگوں کو اس مضمون پر شدید اعتراض ہوگا۔ خود ہمیں بھی اس کے بعض مطالب سے اختلاف ہے اور اس کے اسلوب و پرداز کو بعض اعتبار سے لائقِ نظر سمجھتے ہیں لیکن جس حسنِ نیت اور مقصدِ نیک کے تحت یہ سپردِ قلم کیا گیا ہے اس نے ہمیں اس کی اشاعت پر آمادہ کیا اور یوں بھی اسکی اشاعت مناسب معلوم ہوئی کہ اس کی تقریب میں حیاتِ شہداء کے موضوع پر کچھ اہم باتیں کہنے کا موقع مل جائے گا۔ ہر اس مسئلہ میں جو بحث و نظر کی گنجائش رکھتا ہو اور جس کے کسی ایک پہلو پر اجماعِ امت نہ ہو چکا ہو ہر صاحبِ علم و فہم کو اپنی رائے پیش کرنے کا حق ہے۔ اور ہمیں اس رائے سے چاہے کتنا ہی اختلاف ہو لیکن اسے ٹھنڈے دل سے سننا چاہئے۔ اس پر غور کرنا چاہئے اور پھر جذبات سے بالاتر ہو کر سنجیدہ علمی انداز میں نقد کی کسوٹی پر کسنا چاہئے۔

آیات کے ذیل میں حیاتِ شہداء پر مفسرین سلف نے

...ن کچھ گفتگو کی ہے۔ یہ سطور لکھتے ہوئے جو چند تفسیریں ہمارے پیش ہیں (تفسیر کبیر، روح المعانی، ابن کثیر، روح البیان، خازن، ین، مدارک التنزیل، فتح البیان، المنار، حاشیہ علامہ شبیر احمد نی اور تفہیم القرآن) انہی میں اتنا کچھ کہا گیا ہے کہ اگر اسے نقل کر کے ت و نظر کی محفل سجائی جائے تو خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن ہ یہ ہے کہ حیاتِ شہداء جیسے غیبی معاملہ کو عقل و شعور کی گرفت لانے کی تمام منطقی و کلامی کوششیں ایسی محسوس ہوتی ہیں جیسے ہو کو گزوں سے ناپنے اور ہوا کو ترازو سے تولنے کی ستم ظریفی کی ہی ہو۔ ہمارا ناچیز خیال ہے کہ ذہن کو الجھاوؤں سے بچانے والا راستہ سب سے بہتر اور تسکین بخش ہے جسے صاحبِ المنار نے یار فرمایا ہے۔

اولاً وہ جلد دوم صفحہ ۳۹ پر لکھتے ہیں:۔

...معتمد عند الاستاذ الامام
هذه الحياة هو انها حياة
غيبية تمتاز بها ارواح
الشهداء على سائر ارواح
الناس. بها يرزقون وينعمون
لكننا لا نعرف حقيقتها
ولا حقيقة الرزق الذي
يكون بها ولا نبحث عن
ذلك لانه من علم الغيب
الذي نؤمن به ونفوض
الامر الى الله تعالى۔

حیاتِ شہداء کے بارے میں حضرت استاذ کے نزدیک قابلِ اعتماد بات یہ ہے کہ وہ حیات ایک ایسی غیبی حیات ہے جس میں شہداء کی ارواح دوسرے تمام ہی انسانوں کی ارواح سے ممتاز ہیں۔ اس حیات میں انہیں رزق اور نعمتیں میسر ہیں لیکن اس حیات اور اس رزق اور نعمتوں کی حقیقت ہم نہیں جانتے اور اس پر بحث بھی نہیں کرتے کیونکہ اس کا تعلق تو اس عالمِ غیب سے ہے جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور ہم اس معاملہ کو اللہ ہی کے سپرد کرتے ہیں۔

+ + + +
+ + + +
+ + + +

الاستاذ الامام سے مراد علامہ شیخ محمد عبدہ ہیں۔

ثانیاً وہ جلد چہارم صفحہ ۲۳۳ پر رقمطراز ہیں:۔

...ن المختار فيها انها حياة
غيبية لا نبحث عن حقيقتها
ولا نزيد فيها على ما جاء
به خبر الوحي شيئاً فلا نقول
كما قال بعض متكلمي المعتزلة
ان المراد بقوله "بل احياء"
انهم سيكونون احياء في
الآخرة۔

لائقِ اختیار بات اس معاملہ میں یہ ہے کہ وہ حیاتِ شہداء ایک غیبی حیات ہے جس کی حقیقت سے ہم بحث نہیں کرتے۔ نہ اُن معلومات پر کوئی اضافہ کرتے ہیں جن کی خبر وحی سے ملی ہے۔ نیز بعض معتزلی متکلمین کی طرح یہ نہیں کہتے کہ اللہ کے ارشاد "بل احیاءٌ" کا مطلب یہ ہے کہ اُن شہداء کو عنقریب آخرت میں زندہ کیا جائیگا

+ + + +
+ + + +

کم و بیش یہی نہج علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ نے بھی اختیار فرمایا ہے اور صاحب تفہیم القرآن تو اس سے بھی زیادہ اختصار پر قناعت کر گئے ہیں اور اپنے معروف مقصدی زاویۂ نظر کے مطابق انہوں نے آیات کے صرف مقصدِ نزول کی توضیح کر دی ہے اس سے کوئی بحث نہیں کی کہ حیاتِ شہداء کی حقیقت و کیفیت کے بارے میں کیا نقطۂ نظر رکھنا چاہئے۔ ہمارے نزدیک یہ اختصار مفید و محمود ہے اور حیاتِ شہداء کی کلامی بحثوں کو نظر انداز کر جانا قارئین کے ذہنوں کو لاحاصل الجھنوں سے بچا لینے کے ہم معنیٰ ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"موت کا لفظ اور اس کا تصور انسان کے ذہن پر ایک ہمت شکن اثر ڈالتا ہے اس لئے اس بات سے منع کیا گیا کہ شہداء فی سبیل اللہ کو مردہ کہا جائے، کیونکہ اس سے جماعت کے لوگوں میں جذبۂ جہاد و قتال اور روح جاں فروشی کے سرد پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس کے بجائے ہدایت کی گئی کہ اہل ایمان اپنے ذہن میں یہ تصور جمائے رکھیں کہ جو شخص خدا کی راہ میں جان دیتا ہے وہ حقیقت میں حیاتِ جاوداں پاتا ہے۔ یہ تصور مطابق واقعہ بھی ہے اور اس سے روحِ شجاعت بھی تازہ ہوتی اور تازہ رہتی ہے۔"

(تفہیم القرآن جلد اوّل حاشیہ ۱۵۵ سورۃ البقرہ)

اس میں کیا شک ہے کہ شہداء کی حیاتِ جاوداں کا مژدہ سنانے سے منشائے ربانی یہی ہو سکتا ہے کہ اہلِ ایمان کے سینے جہاد فی سبیل اللہ کے ذوق و شوق سے بھر جائیں۔ وہ موت کو موت نہ سمجھیں اور جو مجاہدین میدانِ جہاد میں کام آ گئے ہوں ان کے

نقشِ قدم پر چلنے کو حیاتِ جاوید کی راہ پر چلنا تصور کریں۔ موت، ضعف و عجز کا آخری ممکن ترین مظہر ہے اور حیات، قوت و سطوت کا مظہرِ اتم۔ چشم سر سے نظر آنے والی مرگِ مجاہدین کو عین زندگی اور حیاتِ مستقل قرار دینا گویا انسانی جبلّت کو ضعف و عجز کے احساسات سے ہٹا کر قوت و شوکت کے جذبات اور جہد و عمل کے ولولوں کی طرف لیجانے کا ایک نفسیاتی عمل ہے جسکی حیرت انگیز افادیت اور اثر خیزی کو تمام دنیا نے خوب خوب دیکھا ہے۔ مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب اہلِ ایمان کی قوتِ ایمان و یقین شباب پر تھی۔ پھر وہ قوت سرد پڑ گئی تو بشارتِ ربّانی کی افادیت و اثریت بھی بازیچۂ کلام و منطق کی چوگان بن کے رہ گئی اور آیات کے مقصدِ نزول کو بالائے طاق رکھ کر ساری دلچسپیاں اس پہلو کی طرف مبذول کر دی گئیں کہ حیاتِ شہداء کی نفس الامری کیفیت درحقیقت کیا ہے اور کس طرز و انداز میں وہ زندہ ہیں۔ اس کے بعد ذہنی جمناشک کا ایک اور قدم آگے بڑھا اور یہ دُور از کار نکتہ نکالا گیا کہ جب شہداء زندہ ہیں تو وہ انبیاء تو لازماً زندہ ہونگے جو شہداء سے بالیقین ارفع و اعلیٰ مراتب رکھنے والے ہیں۔ دُور از کار اس لئے کہ اول تو جس "حیات" کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا کہ لَا تَشْعُرُوْنَ (تم اسے نہیں سمجھتے) اس پر قیاس و استدلال کی عمارت اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے جہل پر جہل کی اور عدم پر عدم کی عمارت اٹھائی جائے۔ دوسرے یہ کلیہ ہی سرے سے غلط اور خلافِ واقعہ ہے کہ ہر وہ وصفِ محمود جو کسی کمتر شے میں پایا جا رہا ہو لازماً برتر شے میں بھی پایا ہی جائے گا۔ میں لوہے اور سونے کی مثال دیتا ہوں۔ طے ہے کہ لوہا کم قیمت اور سونا بیش قیمت ہے۔ لوہا کمتر ہے سونا برتر ہے۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ قوت و صلابت، تحمل اور پائداری کے جو اوصاف محمودہ لوہے میں پائے جاتے ہیں وہ سونے میں بھی اس سے زیادہ نہ سہی اس کے برابر ہی پائے جاتے ہوں۔ دوسری مثال بحری اور بری مخلوق کی لیجئے۔ مچھلی اور کچھوے پانی کے اندر جیتے ہیں وہیں سانس لیتے ہیں وہیں اپنی نسلیں چلاتے ہیں۔ ظاہر ہے وہ انسان کے مقابلہ میں کمتر اور ادنیٰ ہی ہیں، لیکن کیا انسان ان سے برتر اور اشرف المخلوقات ہونے کی دلیل سے پانی کے اندر زندگی گذارنے کی صلاحیتوں کا حامل قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ دلیل ہرگز ہرگز وزنی نہیں ہو سکتی کہ چونکہ شہداء کے لئے اللہ نے "زندگی" کی خبر دی ہے اس لئے انبیاء میں تو لازماً یہ "زندگی" ہونی ہی چاہئے۔ پھر ذہنوں کا بگاڑ اس حد تک پہنچا کہ بعد کے اولیاء اللہ کو بھی بعد از مرگ زندہ ہی مانا جانے لگا اور جاہلوں میں نہیں عالموں میں، فاسقوں میں نہیں صوفیاء میں، قبروں سے کسبِ فیض اور استمداد وغیرہ کا ایک مستقل مذہب اور نظام العمل وجود میں آگیا جس کی بنیاد اسی مفروضے پر تھی کہ ان مرنے والوں کا تعلق ہماری اینٹ اور پتھر کی دنیا سے منقطع نہیں ہوا اور ان کی موت فی الحقیقت موت نہیں ہے بلکہ ایک فریبِ نظر ہے، ایک پردہ ہے، ایک اعتباری شے ہے حالانکہ اولیاء تو درکنار خود شہداء کے لئے بھی اللہ نے جس زندگی کی خبر دی ہے وہ وہ زندگی نہیں ہے جس کا تعلق ہماری موجودہ دنیا سے ہو۔ اس کے لئے داخلی دلیل خود آیت ہی میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عند ربھم یرزقون فرمایا۔ عند ربھم کا کوئی مفہوم ہی نہیں ہو سکتا اگر "حیاتِ شہداء" کے کم و بیش وہی معنی لے لئے جائیں جو عام اصطلاح و لغت میں "حیات" کے لئے جاتے ہیں اور خارجی دلیل یہ ہے کہ شہداء کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے، ان کی بیواؤں سے شادی کی جاتی ہے، انھیں موقع ملنے پر دفن کر دیا جاتا ہے اور سوائے اس کے کہ دوسرے مرنے والوں کے برعکس انھیں "شہید" کہا جاتا ہے اور تمام احکام و معاملات میں ان کی موت امرِ مسلّم مانی جاتی ہے۔ تب اس طرح کا ہر استدلال جس میں لفظ "احیاء" کے حقیقی معنی لے لئے جائیں یقیناً دُور از کار ہی ہوگا اور اسی لئے ہم یہ دعویٰ تسلیم نہیں کر سکتے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی قبروں میں ویسی ہی زندگی حاصل ہے جیسی دنیا والوں کو حاصل ہوتی ہے اور وہ اسی طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے، نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم دنیا والے رکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ برزخ میں ہو سکتا ہے قبر میں نہیں۔

آپ کہیں گے یہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو یہ تو فاضل مضمون نگار کی تائید ہی کرتا ہے تو وہ اختلاف کیا ہوا جس کا تم ذکر کر رہے تھے۔ جواباً عرض ہے کہ اختلاف کے پہلو دوسرے ہیں۔ موصوف نے

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ جیسی آیات پیش کرکے جو یہ استدلال فرمایا کہ ان محکمات کے بعد شہید و غیر شہید کسی کے لئے استثناء کی گنجائش باقی نہیں رہتی یہ صحیح نہیں ہے۔ علم التفسیر کا بالکل ابتدائی اصول ہے کہ کسی بھی آیت کی تعمیم کو اگر کوئی دوسری صریح آیت مقید اور محدود کر رہی ہو تو تعمیم کی بجائے یہ تقیید و تحدید ہی واجب القبول ہوگی۔ مانا کہ متعدد آیاتِ قرآنیہ سے موت کی ہمہ گیری اور جامعیت ثابت ہو رہی ہے، لیکن خود اللہ ہی اگر صریح طور پر شہداء کو مستثناء فرما دیں تو مذکورہ آیات کی دلیل سے ہم اس استثناء کو نعوذ باللہ رد کر دینے کے مجاز نہیں ہیں۔

ویسے گہری نظر سے دیکھئے تو یہ استثناء بھی استثناء نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ کل نفس ذائقۃ الموت یا انک میتٌ یا کل من علیہا فان وغیرہ میں جس موت اور فنا کا ذکر فرمایا گیا وہ تو خود شہداء کے لئے بھی ثابت ہی ہے آخر ہماری آنکھوں کے سامنے ان کے زندہ جسم بے جان ہو کر زمین پر آ رہے ہیں، ان کا عضو عضو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے، بعض حالات میں ان کی لاشیں تک چیل اور گرگس کھا جاتے ہیں تو انسان جس بے رحم حقیقت کو موت اور فنا کے نام سے جانتا ہے کیا وہ اس کے سوا بھی کچھ اور ہے۔ وہ آخر کیسے باور کر سکتا ہے کہ شہدا کے لئے جس "حیات" کی خبر اللہ تعالیٰ دے رہا ہے وہ وہی "حیات" ہے جو نہ صرف بداہۃً بلکہ شریعۃً بھی ختم ہو چکی۔ شریعۃً اس لئے کہ خود اللہ اور رسول ہی نے شہداء کے املاک اور متروکہ ازواج میں بھی تمام تصرفات کا اذن دیا ہے جو دوسرے مرحومین کے اموالِ متروکہ میں ماذون و مشروع ہیں۔ گویا اللہ اور رسولؐ ہی یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جس موت کو تمام موجودات و مخلوقات کیلئے لازم اور اٹل قرار دیا گیا ہے اس موت سے تو شہداء بھی بچے نہیں ہیں اور جو حیات دوسرے جانداروں کے لئے محدود کی گئی ہے وہ شہداء کے لئے بھی محدود ہی ہے۔ تب استثناء کہاں رہا۔ استثناء تو جب ہوتا جب ٹھیک وہی موت اور فنا شہدا سے اٹھا لی گئی ہوتی جو دیگر مخلوقات کے لئے مقدر ہے اور وہی حیات شہداء کے لئے جاوداں بنا دی گئی ہوتی جو دیگر مخلوقات کے لئے عارضی اور محدود ہے۔ یہاں تو بداہۃً کوئی اور ہی "حیات" ہے جس سے شہداء کو خصوصیت سے نوازا گیا ہے اور جن معنوں میں دوسرے لوگ مرتے ہیں ان معنوں میں تو شہداء بھی مر ہی گئے ہیں ورنہ شریعت ان کے متروکہ اموال و املاک سے وہ معاملہ کیسے کرتی جو اور مرحوموں کے اموال و املاک سے کیا جاتا ہے۔

لیکن استثناء نہ مانتے ہوئے بھی یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کے لئے خصوصیت سے "حیات" کی بشارت دی ہے تو ضرور ان کی ارواحِ مبارکہ کے ساتھ عالمِ غیب میں کوئی ایسا ہی خاص الخاص سلوک مقدر فرمایا ہوگا جو ان کے ماسوا کسی کی روح کے ساتھ نہ ہوگا حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ بھی نہیں۔ صرف آیات کے مقصدِ نزول ہی کو سب کچھ قرار دے کر اس امتیازی وصف کا انکار کر دینا جس پر آیات کے الفاظ صریح و محکم دلالت کرتے ہیں مناسب نہیں ہے۔ اور یہ جو کہا گیا کہ:-

"مرنے کے بعد انسان کو اسی دن نئی زندگی ملیگی جس
دن قیامت قائم ہوگی نہ کہ اس سے پہلے۔"

تو یہ اس وقت تو ٹھیک ہے جب "زندگی" کے وہی معنی لئے جائیں جو "شعوری" اور معلوم و معروف ہیں، لیکن شہداء کی جس حیات سے بحث ہے وہ قرآن ہی کی تصریح کے مطابق شعور و فہم سے بالاتر ہے اس لئے ماننا چاہئے کہ قیامت کے دن نہیں بلکہ شہادت کے عین بعد ہی اللہ تعالیٰ شہداء کی روح سے کوئی امتیازی سلوک فرماتے ہوں گے اور انھیں ایک خاص قسم کی زندگی عطا کی جاتی ہوگی۔ تمام ہی مرحومین کی ارواح کے لئے ایک ہی نہج پر سوچنے کا یہ مفہوم رکھتا ہے کہ شہداء کے لئے خاص طور پر نازل شدہ آیاتِ بشارت معنوی اعتبار سے کچھ بھی اصلیت نہیں رکھتیں!

اسی سلسلے میں سلف کی اس تفسیر پر کہ شہداء کی ارواح مرنے کے بعد "طیورِ خضر" میں داخل ہو جاتی ہیں طنز و تعریض کرنا بھی نامناسب ہی ہے۔[1] اس تفسیر کی بنیاد درحقیقت حدیث پر ہے اور حدیث میں اگرچہ اضطراب ہے، لیکن یہ اس درجہ کا نہیں کہ حدیث ناقابلِ احتجاج ٹھیرے۔ ٹھیر بھی جائے تو بہرحال حدیث کے معاملہ میں ادب و احتیاط ضروری ہے۔ گمان ہوتا ہے شاید فاضل مضمون نگار کو معلوم نہ ہوگا کہ "طیورِ خضر" یا "حواصلِ طیورِ خضر"

[1] (۱) پرندوں کا تعلق ہماری (۲) دنیا سے کچھ نہیں وہ تو جنت کے پرندے ہیں۔ مرتب

حدیث کے الفاظ ہیں ورنہ اس انداز میں تعریض نہ کرتے۔ رہا یہ خیال کرنا کہ شہداء کے لئے قیامت سے قبل ہی کسی خاص زندگی کو تسلیم کر لینا تناسخ کے ہم معنی ہے تو یہ بھی درست نہیں۔ نظریۂ تناسخ روح اور زندگی کا الٹ پھیر اسی مادّی دنیا میں باور کراتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ مرنے والوں کی روح اسی محسوس موجود دنیا میں دوسرے محسوس و مرئی قالبوں میں حلول کر جاتی ہے۔ آج ایک برا آدمی مرا تو کل ہو سکتا ہے کہ اس کی روح کسی کتے یا لومڑی کی شکل میں ظہور پذیر ہو جائے۔ یہ حیات بعد الحیات کا چکر ظاہر ہے شہداء کی حیاتِ زیرِ بحث سے قطعاً جدا اور مختلف ہے۔ کسی مفسر نے نہیں کہا کہ شہداء کی ارواح کوئی اور قالب بدل کر دنیا میں موجود رہتی ہیں۔ صرف اس ڈر سے کہ موجودہ تعقل پسند دور میں حیاتِ شہداء کے عقیدے پر لوگ ہنسیں گے اور اسے تناسخ کے مثل قرار دیں گے، شہداء کے وصف خاص کا کلیۃً انکار کر دینا ایسا ہی طرز فکر ہے جیسا ماضی قریب کے ایک مخلص رہنما نے اپنی تفسیر القرآن میں اختیار فرمایا تھا اور مارے تعقل پسندی کے فرشتوں تک کا انکار کر گزرے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

خلاصۃ التفاسیر جلد اوّل | مولانا شاہ فتح محمد صاحب کی تفسیر بہت مشہور و معروف ہے اپنی قسم کی عجیب تفسیر ہے۔ جلد اوّل سورۂ انعام تک ہے

ہدیہ بارہ روپے۔ مجلد چودہ روپے۔

عظیم تاریخ اسلام | از۔ اکبر شاہ نجیب آبادی۔ تین ضخیم جلدوں میں مکمل۔ یہ مشہورِ زمانہ تاریخ تعارف کی محتاج نہیں۔ پاکستان میں عمدہ کاغذ اور روشن طباعت و کتابت کے ساتھ چھپی ہے۔

قیمت فی سیٹ مکمل و مجلد چھتیس ۳۶ روپے

حیات وحید الزماںؒ | احادیث کے نامور مترجم علامہ وحید الزماںؒ کے علمی و عملی کارناموں کا مفصل تذکرہ۔ جیسا کہ اہلِ علم کے تذکروں میں ہوتا ہے ضمناً بہت کچھ قیمتی معلومات بھی ہم رشتہ ہیں۔ قیمت چار روپے

نام کتاب	تعارف	قیمت غیر مجلد	قیمت م[illegible]
عربی کا معلم حصہ اوّل	عربی سیکھنے کے لئے	سوا روپیہ	×
اساس عربی	″	پانچ روپے	چھ روپ[illegible]
مکاتیب سید سلیمان ندوی	خطوط	×	سوا تین ر[illegible]
کتاب الصلوٰۃ	از امام احمد ابن حنبلؒ	×	ڈیڑھ رو[illegible]
اسباب زوال امت	از امیر شکیب ارسلان	×	ڈیڑھ رو[illegible]
احسن الصلوٰۃ	نماز کے مسائل و قواعد	پانچ آنے	×
رحمۃ للعالمینؐ	غیر مسلموں کی شہادتیں	تین آنے	×
رہنمائے مدینہ	مدینے کی تاریخ	ایک روپیہ	ڈیڑھ رو[illegible]
مبتدیوں کی تجوید	قرآن پڑھنے کے لئے	بارہ آنے	سوا روپیہ
احکام القمار	جوے کے شرعی احکام	چار آنے	×
عربوں کی گذشتہ تجارت اور انگلستان کی صنعت و حرفت		آٹھ آنے	
اسلام کی اخلاقی تعلیمات	محمد ایوب اصلاحی	×	ڈھائی ر[illegible]
بھائی بھائی	ڈاکٹر غلام جیلانی	×	پانچ رو[illegible]
امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی	ڈاکٹر حمید اللہ	بارہ آنے	سوا روپیہ
نماز کے فضائل	ابو محمد امام الدین	پندرہ آنے	ڈیڑھ رو[illegible]
سچے رسول کی سچی تعلیم	″	×	ڈیڑھ رو[illegible]
خاصانِ خدا کی نمازیں	″	بارہ آنے	سوا روپیہ
حضرت فاطمہؓ	″	دس آنے	×
حضرت خدیجہؓ	″	سوا روپیہ	پونے دو [illegible]
رسول مقبولؐ کی دعائیں	″	چار آنے	×
حضرت ابوبکر صدیقؓ	″	بارہ آنے	×
حضرت بلالؓ	″	آٹھ آنے	×
معلم نماز	″	آٹھ آنے	×

نئے کردار | نو اصلاحی افسانوں کا مجموعہ جو دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی

قیمت ایک روپیہ

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

(مستقل عنوان)

مسجد سے میخانے تک

از: ملا ابن العرب مکی

ایک بار ایسا ہوا تھا کہ صوفی نمکین کی بیوی ان سے خفا ہوگئیں۔ بڑا گرم و تلخ نامۂ محبت آیا تھا کہ یا تو جلدی گھر لوٹ آؤ ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔ یہ خط لئے وہ میرے پاس آئے تھے اور نہایت بیکسی کے عالم میں فرمایا تھا کہ ملا! تمھی اسکا جواب لکھ دو میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔

"میں لکھدوں؟" میں نے حیرت سے کہا تھا "بھلا میاں بیوی کی پرائیوٹ خط وکتابت میں کسی اور کا کیا دخل"

"اماں پرائیوٹ پہ لعنت بھیجو مجھے ڈھنگ سے لکھنا آتا تو تمھی سے کیوں کہتا۔ وہ بڑی حرّافہ ہے راضی نہ ہوئی تو زمین آسمان ایک کردے گی"

"آپ چلے ہی کیوں نہیں جاتے۔ آخر وہ کب تک آپ کی جدائی میں تڑپے گی"

"چلا کیسے جاؤں۔ شیخ گھر بیٹھے خلافت تھوڑی بھیجدینگے"

"خلافت . . . "

"یار تم ان باتوں کو نہیں سمجھوگے۔ تم سمجھا بجھا کے خط لکھدو کہ بس خلافت ملی اور میں آیا"

"اور کچھ؟"

"اور جو تمھارا جی چاہے لکھدو، مگر ایسا لکھو کہ وہ خوش ہوجائے"

اس پر میں نے خط لکھدیا تھا جو کم وبیش یہ تھا:۔

"اے خورشید جہاں آراء! سلام لو ہمارا!
تمھارا نامۂ گرامی ملا دل کا پھول کھلا۔ تم کیا بار بار بُلانے کو لکھتی ہو میں تو خود آنے کیلئے مرغِ بسمل ہوں — پَر ہوتے تو اُڑکر چلا آتا۔ مگر یہاں خلافت کا معاملہ بیچ میں اٹکا ہوا ہے دل میں بڑا کھٹکا ہے کہ شیخ کی خدمت نہ کی تو خلافت ہاتھ سے گئی۔ خلافت کے بغیر نہ میری پیری چلے گی نہ تمھارے جھومکے اور بازوبند بنیں گے۔ دیکھ لینا انشاء اللہ خلافت ملتے ہی کیا رنگ آتا ہے۔ سونے میں تو لوں گا۔ بس اے نورِ نظر جانِ جگر! کچھ دن اور جامِ فراق زہر ملا کرتی رہو پھر جیتے جی ہم عشق و محبت کی چاندنی میں وصال کی بانسری بجایا کرینگے"

تمھارا صوفی نمکین

اس خط پہ صوفی صاحب بے حد خوش ہوئے تھے مقفیٰ جملے تو کئی کئی بار پڑھ کے چٹخارے لیتے رہے تھے۔ البتہ نورِ نظر جانِ جگر پہ کچھ ناک بھوں چڑھاکے بولے تھے:۔

"یار یہ القاب تو ہم نے اپنے بیٹے تنوین سلّمہٗ کو لکھے تھے"

"کوئی حرج نہیں" میں نے انھیں تشفی دی تھی۔ "ان سے بڑھ کر محبت بھرے القاب آجتک پیدا ہی نہیں ہوئے۔ جب قیس کو اس کے والد صاحب نے عشق کرنے کے جُرم میں مار مار کے بچھادیا تھا اور تین دن تک وہ صحرائے نجد سے غائب رہا تھا تو لیلیٰ نے اسے بڑا دردبھرا خط لکھا تھا۔ اسے معتبر مؤرخین نے نقل کیا ہے، اس میں بھی یہی القاب ملتے ہیں"

"سچ؟" وہ خوش ہوکے بولے تھے، مگر فوراً ہی بجھ گئے تھے "یار لیلیٰ مجنوں کی اور بات ہے۔ کہیں بیوی تو نہیں بگڑیگی"

"ہرگز نہیں"

"اللہ مالک ہے" یہ کہہ کر انھوں نے چاروں قُل دَم کرکے لفافہ لیٹر بکس میں ڈالدیا تھا اور بفضلہٖ تعالیٰ اس کا نتیجہ توقع سے زیادہ بہتر نکلا تھا۔ ان کی بیگم نے لہراکے جواب لکھا تھا۔ جس کا کچھ حصّہ بطورِ تبرک نقل کرتا ہوں۔

"سرتاج من سلامت نورچشمی سلمہ،
میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت خداوند دو عالم سے نیک مطلوب۔ دیگر احوال یہ ہے کہ خط آپ کا آیا خوشی کا تحفہ لایا۔ آنکھوں سے لگایا دل میں بسایا اگرچہ کہ آپ کی جُدائی میں جینا مشکل ہے۔ طبیعت مرغ بسمل ہے، مگر بے حیا ہوں جی رہی ہوں خون کے گھونٹ پی رہی ہوں۔ آپ جلدی سے خلافت لیکے آجائیے۔ نئے زیور تو جب بنیں گے بنیں گے پرانوں ہی کا چل چلاؤ لگ رہا ہے۔ پہلے میرے جہیز کے بُندے کوئی موت کھایا چُرا کے لے گیا تھا اب کل سے گلے کا ہار ٹوٹا پڑا ہے اور دو کُنڈے نہیں مل رہے ہیں۔۔۔۔"

اسی انداز کا تقریباً چار صفحے کا خط صوفیائن نے لکھا تھا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ ضرور وہاں بھی کوئی میری نسل کا مُلّا موجود ہے، جس نے اس خط کا مسودہ بنا کے دیا ہے، ورنہ صوفیائن کے فرشتے بھی ایسا لاجواب نامہ نہیں لکھ سکتے تھے۔ حاصل یہ کہ جو عقیدت صوفی نمکین کو میری سوجھ بوجھ سے اور حسن تحریر سے تھی وہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر گئی اور اس کے نتیجہ میں مہینہ بھر بعد وہ واقعہ پیش آیا جس کا میں ذکر کرنے چلا ہوں۔

رات کے وقت میں بیٹھک میں بیٹھا ہوا ایٹمی توانائی کے بین الاقوامی کنٹرول پر عالمی نقطہ نظر سے غور کر رہا تھا اور بے پناہ فکری انہماک نیند میں تبدیل ہو چلا تھا کہ اچانک صوفی صاحب وارد ہوئے۔ علیک سلیک کے بعد انھوں نے جیب سے ایک پرچہ نکالا جس پر انھوں نے شارٹ ہینڈ کے انداز میں کچھ کلیدی الفاظ لکھ رکھے تھے۔ میں نے کراہتے ہوئے کہا:۔

"ہائے صوفی صاحب! اگر آپ اور دس منٹ نہ آتے تو آج میں ایٹمی توانائی سے پیدا ہونے والے عالمی مسائل کی گتھی سلجھا چکا ہوتا۔۔۔"

"اجی چھوڑیئے" وہ بیزاری سے بولے "یہاں اپنا مسئلہ ایسا اُلجھا ہے کہ سلجھائے نہیں سلجھتا۔"

"یعنی خلافت کا۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں یار۔۔۔ بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ حضرت جی کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے۔ آپ خود انصاف کیجئے وہ موٹی گردن والے مولوی بختیار الحق اور وہ چُندھی آنکھوں والے شیخ منقار الدین انھیں تک تو خلافت مل گئی اور ہم جو برسوں سے ریاض کر رہے ہیں ترس ترس کے مرے جارہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے ابھی تک آپ میں وہ احوال و مقامات پیدا نہ ہو سکے ہوں گے جو خلافت کے شایانِ شان ہوں۔"

"اماں، بات کرتے ہو، احوال و مقامات تو اس درجہ میں ہیں کہ اوروں کو تو ہوا بھی نہیں لگی۔ یہی دکھانے تو میں تمھیں آیا ہوں۔"

"باپ رے۔ تو آپ مجھے احوال و مقامات دکھائیں گے۔"

"اور کیا۔ دیکھئے اس پرچے پہ ہم نے اشارات لکھ لئے ہیں تاکہ بھولے نہیں۔۔۔ معلوم ایسا ہوتا ہے حضرت شیخ اپنی مصروفیتوں میں ہمارے حال سے آگاہ نہیں رہے ورنہ خلافت تو کبھی کی دے دی ہوتی۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے اُکھڑے ہوئے لہجے میں کہا:۔

"کیا ہو سکتا ہے۔ یار سُن تو لو۔ پھر ذرا لکھ دینا۔"

"یعنی کیا مطلب؟"

"ہم تمھیں اپنے کچھ حالات سنائے دیتے ہیں۔ انھیں ذرا سلیقے سے لکھ دینا تاکہ حضرت جی کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اس کے بعد امید ہے انشاء اللہ خلافت مل جائے گی۔"

میرا دل دھک سے ہو گیا۔ صاف مطلب تھا کہ پہلے تو وہ میرے حلق میں تصوف اُنڈیلیں گے پھر اسے ہضم کر کے مجھے بصورت تحریر خارج کرنا پڑے گا۔ غرغرا کے عرض کیا:۔

"حق یہ ہے صوفی صاحب کہ آج کل میں ذہنی طور پر بہت مصروف ہوں۔ اب دیکھئے نا ایک طرف روس کا اسپٹنگ آسمان کی خبر لا رہا ہے جس سے بے شمار بین الاقوامی اُلجھنیں ظہور میں آرہی ہیں۔ دوسری طرف شاہ ایران کی نئی زوجہ سے ولادت ہونے والی ہے اس کے جو گہرے اور ہمہ گیر اثرات عالمی سیاست پر پڑیں گے وہ ناقابل بیان ہیں۔ تیسری طرف مشرقی اور مغربی جرمنی۔۔۔۔"

"بس یار۔" وہ جھنجلائے "یہ کافرانہ مسئلے پھر سوچنا۔ پہلے

ذرا ہمارا کام کردو۔"

اب سوائے اس کے کیا چارہ تھا کہ صبر کی سِل سینے پر رکھے ان کے احوال و مقامات سنوں اور سر دھنوں۔ چنانچہ تکیئے پر کہنی ٹیک کر آہِ سرد کھینچی، دو تین بڑے سائز کی جماہیاں لیں اور حسرت و یاس کی خاموش زبان میں نعرہ مارا:۔

سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

انھوں نے پرچے پر نگاہ ڈالی اور کہنے لگے:۔

"بوقت تہجد سے احوال شروع کرتا ہوں۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد۔ حال اس فقیر کا یہ ہے کہ ٹھیک جس وقت شب کے دو بجتے ہیں ایک نورانی بزرگ نمودار ہو کر فرماتے ہیں کہ اُٹھ جا اے ربّ کے عبادت گذار بندے تجھ پر خدا کی ہزار ہزار رحمتیں۔ پھر وہ اپنے دستِ مبارک سے فقیر کو ہلاتے ہیں اور یہ بندۂ عاجز کلمہ پڑھتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ وضو کرتا ہے اور ٹب میں گرنے والے پانی کے ہر قطرے سے حق اللہ پاک ذات اللہ کی صدا بلند ہوتی ہے۔ عاجز کا رُواں رُواں سورۂ یٰسین ...... نہ وہ سورۂ رحمٰن پڑھنے لگتا ہے۔ زمین آسمان نور سے بھر جاتے ہیں۔ ستر ہزار فرشتے اطلس کے خوان پوشوں سے ڈھکی ہوئی سونے چاندی کی سینیاں اُٹھائے ساتویں آسمان سے اُترتے ہیں ......"

"سبحان اللہ" میں نے قطع کلام کیا "سمجھ گیا بالکل سمجھ گیا۔"

انھوں نے فخر کے ساتھ گردن سیدھی کی اور زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ بولے:۔

"اجی ابھی کیا آگے دیکھو ......"

"جی نہیں ...... آگے بھی میں سمجھ گیا ......"

"واہ۔ یہ تو صرف تہجد کا بیان چل رہا ہے۔"

"تو کیا ہر نماز کا ماجرا اسی تفصیل سے بیان کریں گے؟"، میں نے دہشت زدہ ہو کر پوچھا:۔

"نہیں تو کیا۔ ارے بھائی کچھ مذاق تھوڑی ہے احوال و مقامات ......"

"اچھا کہتے چلئے۔" میں نے کمر گاؤ تکیے سے لگا لی۔ وہ بولتے گئے۔

"فجر میں بھی اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اُٹھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جن حوروں کا ذکر اللہ جل شانہٗ نے حورٌ مقصوراتٌ فی الخیام میں کیا ہے انھی میں سے ایک ہوا کے ڈولے پہ سوار اٹھانے آتی ہے۔ پھر یہ فقیر الّا اللہ کر کے اُٹھ بیٹھتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دائیں سے بائیں سے اُوپر سے نیچے سے اللہ جل شانہٗ کلام فرما رہے ہیں۔ عجیب مستی طبیعت پہ چھا جاتی ہے ...... اماں سو گئے کیا؟"

"جی ......" میں نے دُھڑ دُھڑی لی "جی نہیں تو۔"

"یار ایسا سماں ہوتا ہے کہ بس کیا کہوں۔ نور کا دریا ہر طرف ٹھاٹیں مارتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ کی پُر جلال آواز آتی ہے کہ میاں تمکین! جاؤ تمھاری عبادتیں مقبول ہوئیں تمھیں اختیار ہے اب کچھ کرو یا نہ کرو تمھارے مولا نے تم سے تکالیفِ شرعیہ کا اسقاط کر دیا ......"

"جی ......؟"

"کیا جی جی۔ تم تو سو رہے ہو۔"

میں واقعی اُونگھ گیا تھا۔ آنکھیں پھڑپھڑا کے عرض کیا:۔

"بالکل نہیں۔ بغور سُن رہا ہوں۔"

"بتاؤ کیا سُنا۔"

"یہی کہ ...... کہ حضرت جی نے آپ کا اسقاط کر دیا۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ اے ہمارا نہیں تکالیف شرعیہ کا۔ حضرت جی کا ابھی کہاں ذکر ہے اللہ جل شانہٗ نے۔"

"ٹھیک ہے وہی مطلب تھا۔"

پھر وہ شاید نصف گھنٹے تک احوال و مقامات کے موتی بکھیرتے رہے۔ بیچ بیچ میں جھنجلا اُٹھتے۔

"اے سو رہے ہو!"

میں چونک کے بڑبڑاتا۔

"جی نہیں سُن رہا ہوں۔"

وہ مشتبہ نظروں سے گھورتے اور پوچھتے۔

"کیا سُنا؟"

میں مجبوراً چند الفاظ دہراتا۔ وہ غلطی نکالتے۔ یہ

عرض کرتا۔ "جی ہاں یہی مطلب تھا۔"

شاید نماز عصر کے بیان میں انھوں نے اپنی اور شیطان کی کشتی کا ماجرا سنایا تھا۔ حسب معمول ایک فقرے پر پوچھ بیٹھے

"بتاؤ کیا سنا؟"

میں نے جلدی سے آخری فقرہ دُہرایا۔

"پھر آپ نے شیطان کو کُمھار سے اُلّو بنا دیا۔"

"لاحول ولاقوۃ" انھوں نے حسب معمول تصحیح کی۔ "ارے کمھار سے اُلّو نہیں۔ مار مار کے اُلّو بنا دیا۔"

"جی ہاں یہی مطلب تھا۔"

"کیا یہی مطلب تھا، ہر دفعہ سو جاتے ہو۔"

ظاہر تھا کہ جب نصف گھنٹے میں وہ عصر تک پہنچے تھے تو عشاء کے خاتمے تک نہ جانے قصہ چہار درویش کی کونسی جلد تصنیف فرما دیتے۔ عافیت اسی میں دیکھی کہ نیند کی پریوں کو طلاق دے کر چائے کا دَور چلایا جائے۔

"میں سمجھتا ہوں چائے بنوا لی جائے۔"

"جزاک اللہ" وہ بے ساختہ بولے۔

میں اُٹھ کے اندر گیا۔ بیوی کا موڈ اچھا نہیں تھا۔ چائے کی فرمائش سُن کے بے مزہ سی ہو گئیں۔

"کیا آج سوئیں گے نہیں؟" ان کا لہجہ تہدیدی تھا۔

"باہر صوفی نمکین بیٹھے ہیں۔"

"بیٹھے ہوں گے۔ آپ کے پاس تو ٹھلووں کا لاراگا رہتا ہے۔"

"اررر... زبان سنبھالو بیگم۔ صوفیوں کی شان میں گستاخی نہیں کیا کرتے۔"

"بہت دیکھے ہیں صوفی۔ وہ پار سال بھی تو انھیں کے بھائی صوفی مسکین آئے تھے جو بستر بھی لے گئے تھے۔"

"ارے وہ تو بہروپیا تھا کوئی۔ چلو ہمیں تو اللہ میاں کے یہاں دس بستر ملیں گے۔"

"تو یہ سارا گھر دا صوفی نمکین کو دیدیجئے دس گھر دے مل جائیں گے۔"

"اب تم جھلاؤ نہیں۔ دو پیالیاں فس کلاس بنا دو اللہ قسم بڑے اونچے مقامات کا بیان ہو رہا ہے۔"

"جائیے آپ مقامات کی سیر کیجئے۔ چائے پہنچ جائیگی۔"

ہم باہر آئے تو صوفی جی نے فوراً ہی اسٹارٹ لیا، مگر ہم نے ٹوکا۔

"ذرا چائے آجانے دیجئے تب تک میں ایک گذارش کر دوں۔"

"کیا؟"

"ماشاء اللہ آپ کے جملہ احوال ومقامات تو بہت اونچے ہیں، لیکن ان میں اُس مقامِ عُلیا کا ذکر نہیں آیا جسے صوفیا حضرات مقامِ زہریرہ کہتے ہیں۔"

ان کے چہرے پر تشویش کے آثار ظاہر ہوئے۔ آنکھیں پھڑکیں۔ گھبرا کے بولے:۔

"یہ کیا ہوتا ہے؟"

"ارے۔ کیا شیخ نے آپ کو نہیں بتایا؟"

"نہیں...."

"تبھی یہ بیچ میں لٹک رہے ہیں۔" میں نے ذومعنی انداز میں کہا "اجی جناب یہی تو وہ اونچا مقام ہے جہاں سالک کا قدم مسندِ خلافت کی خبر لیتا ہے۔"

"تو بتاؤ نا اس کی تفصیل۔" وہ خاصے بیتاب تھے۔

"تفصیل اس کی یہ ہے کہ سالک کو عبادتوں سے کوفت ہونے لگتی ہے۔ دل گھبراتا ہے۔ کلیجہ مُنھ کو آتا ہے۔ نماز روزے میں مزا نہیں آتا۔ ساری کیفیتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ باطن سپاٹ ہو کے رہ جاتا ہے۔ حوروں، فرشتوں اور غیبی لطیفوں کی پرچھائیں تک نصیب نہیں ہوتی۔"

"واللہ؟" انھوں نے حیرت سے پوچھا۔

"ارے اور کیا۔ یہ تو آپ کسی بھی شیخِ طریقت سے پوچھ دیکھئے۔ اس مقامِ زہریرہ کے بغیر سالک خلافتِ شیخ کا مستحق نہیں ہوا کرتا۔"

"تو پھر یہ بھی لکھ دو۔" انھوں نے برملا فرمایا۔ ان کے لہجے میں التجا تھی۔

"ہائیں...." میں چونک پڑا "یعنی....؟"

وہ کھسیانی سی ہنسی ہنسے۔ اتنے میں چائے آگئی۔ انھوں نے

دوتین چسکیاں لے کر نہایت آسودگی سے فرمایا۔

" یار تمہارے پاس آنے کا مطلب تو یہی ہے کہ ذرا اچھی طرح احوال و مقامات قلمبند کر دو تاکہ حضرت جی کی خدمت میں پیش کر دیں، ویسے تو وہ خلافت دے نہیں رہے ہے۔"

" وہ تو کروں گا۔ مگر جو احوال آپ نے بیان کئے ان سے مقام زمہریر کا جوڑ کیسے لگیگا۔"

" کسی بھی طرح لگا دو۔ تم تو یار بہت تیز ہو۔" ——

انھوں نے نہ صرف تبسم کے ذریعہ خراج تحسین پیش کیا' بلکہ پیالی ایک طرف رکھ کر میرا ہاتھ پکڑ کے لجاجت سے بولے:۔

" تمھیں ہماری قسم۔ کچھ ایسا لکھ دو جیسا ہوی والے خط میں لکھا تھا۔ دس سال سے جھک مار رہے ہیں۔ کتنے ہی ایرے غیرے نتھو خیرے خلیفہ ہوگئے۔ ہم سے نہ جانے حضرت جی کو کیا بیر ہے۔ جب مانگی انکار کر دیا۔"

ان کے لہجے میں بڑی محبت، بڑی بیکسی، بڑا درد تھا۔ میرا دل بھر آیا اور قریب تھا کہ پھوٹ پھوٹ کے روؤں، مگر چائے دانی میں ابھی کافی چائے باقی تھی اور رونے کا مطلب یہ تھا کہ ساری چائے وہی اکیلے پی جائیں۔ لہذا رونے کو ملتوی کیا اور اپنی خالی پیالی بھرنی چاہی۔ انھوں نے جھٹ اپنی پیالی آگے کر کے کہا:۔

" یار اسے بھی بھرنا" پھر ایک سکنڈ بعد کہنے لگے "ارے تم خالی چائے پیتے ہو۔ حکما کہتے ہیں کہ خالی چائے سے کلیجہ جل جاتا ہے۔"

" جھوٹ کہتے ہیں" میں نے تأسف سے کہا " میں نے تو ایک ایک گھڑا خالی چائے اس توقع میں پی ہے کہ کلیجہ جل جائے مگر نہیں جلا۔"

" کیوں" وہ مبہوت ہوگئے " یعنی کیوں تم کلیجہ جلانا چاہتے تھے۔"

" ارے وہی سرمۂ محبت۔ آپ تو جانتے ہی ہیں۔"

" کیا" وہ اور بھی حیران ہوگئے۔

" ارے تو شیخ نے آپ کو یہ بھی نہیں بتایا؟" میں حیران ہوگیا۔

" نہیں باللہ العظیم بالکل نہیں۔"

" وا۔ اجی جناب یہ تو آپ نے بزرگوں سے سنا ہی ہوگا کہ "سرمۂ محبت" آنکھوں میں ڈالتے ہی ایک سے ایک محبوب قدموں میں آگرتا ہے۔"

" ہاں سنا تو ہے اور اشتہاروں میں دیکھا ہے۔"

" تو سرمۂ محبت اور کیا ہوتا ہے۔ یہی جلے ہوئے کلیجے کی راکھ۔"

" اسے رہنے دو۔۔۔۔ نہیں سچ بتاؤ۔"

" کمال ہے۔ آپ کل کو سوبچ میں بھی شک کرنے لگیں گے۔"

وہ چند ثانئے پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتے رہے۔ پھر جرح کی:۔

" اچھا کلیجے کی راکھ تو اندر ہی رہ جائے گی آنکھوں میں لگانے کے لئے کیسے ملے گی۔"

" اب سارے ہی راز میں آپ کو پیر رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کے بغیر کیسے بتادوں۔ چھوڑیئے آپ کے احوال و مقامات انشاء اللہ کل مرتب کر دوں گا۔ پرسوں لے جائیے گا۔"

" جزاک اللہ۔ ماشاء اللہ۔ یار تم ہو زور کے آدمی۔ واللہ اگر خلافت مل گئی تو منھ لڈوؤں سے بھر دوں گا۔"

" ایٹمی لڈو؟" میں نے پوچھا۔

" اماں ہٹاؤ۔ تمھیں تو یہی فرنگی سودا سوار رہتا ہے۔"

" آپ سمجھے نہیں۔ محاورہ دراصل منھ موتیوں سے بھرنا ہے۔ لڈوؤں سے تو بڑے سے بڑے سائز کا منھ دو آنے میں بھر جائے گا۔"

" اجی بھرتا ہو گا۔ تم کل تیار کر دینا پھر دیکھی بھالی جائیگی۔"

ٹھیک بارہ ۱۲ بج رہے تھے جب وہ رخصت ہوئے۔ سوتے سوتے ایک بج گیا۔ نتیجہ یہ کہ نماز صبح الگ قضا ہوئی اور ناشتہ کا انڈا الگ بچیاں کھا گئیں جو بیوی نے حسب معمول سویرے ہی بنا کے رکھ دیا تھا۔

احوال و مقامات کا چارٹ تو مجھے تیار کرنا ہی تھا۔ کر دیا نقل اس لئے نہیں کرتا کہ یہ پرایا راز ہے۔ بس اتنا اشارہ بطور تبرک کئے جاتا ہوں کہ اس میں صنعت تضاد کو خصوصیت سے جگہ دی تھی۔ مثلاً پہلے لکھا:۔

"ازبسکہ آجکل استغراق ہی استغراق ہے۔ ہمہ وقت قلب ناتواں حضوری کے مزے لوٹتا ہے۔ نس نس سے نور کا چشمہ پھوٹتا ہے اور باری تعالیٰ جل شانہٗ سے گفتگو رہتی ہے۔"

بعد میں لکھا:-

"حال ایں کہ آج کل بے کیفی اور اُکتاہٹ سے دل پریشان ہے۔ دماغ میں خفقان ہے۔ عبادت میں جی نہیں لگتا۔ قلب مکروہاتِ دنیاوی پر میلان کرتا ہے۔ اسرارِ غیبی نظر سے اوجھل ہیں۔ دل کی آنکھیں بوجھل ہیں۔"

یا مثلاً شروع میں بتایا:-

"اب تو کشفِ قبور کا عالم یہ ہے کہ مزارات شریف تک بھی جانے کی ضرورت نہیں۔ اِدھر کسی مزار شریف کا خیال باندھا اور اُدھر صاحبِ مزار رحمۃ اللہ علیہ سامنے آئے۔ باتیں ہوئیں، دل کی کلیاں کھلیں۔ بارہا ان کی معیت میں یہ عاجز ناسوت اور برزخ وغیرہ کی بھی سیر کر آتا ہے خاص کر جمعرات کو ارواحِ مومنین کی تسلی تشفی کے لئے کسی نہ کسی مرحوم بزرگ کے ساتھ لاہوت و ناسوت کا سفر کرنا ہوتا ہے۔ قیام سے حذر کرنا پڑتا ہے۔"

آخر میں بتایا:-

"جانے کیوں کافی دنوں سے اولیاء اللہ کے تصرفاتِ باطنی بالکل بند ہیں۔ ہر طرف سناٹا ہے۔ بیکسی اور خلوت کا احساس بادل بن کر قلب و روح پر طاری ہے۔ نہ کسی طرف سے کوئی آواز آتی ہے۔ نہ کلام و پیام کے لطف ہیں بس ہر طرف بیکراں سناٹا، اتھاہ اداسی اور موت ہی موت۔ دل گویا کہ مقامِ فنا اور مقامِ زہریہ کے درمیانی فاصلوں میں گم ہے۔ الم صمّم بکمم ہے۔"

تو جناب بے حد محنت کر کے احوال و مقامات کا جغرافیہ مرتب کر ہی دیا اور صوفی تمکین نے اسے خدمتِ شیخ میں بھی پیش کر دیا۔ لیکن شیخ معلوم ہوتا ہے سچ مچ کے شیخ تھے۔ چیں بجبیں ہو کر فرمانے لگے:-

"یہ آپ کیا خرافات اُٹھا کے لے آئے ہیں؟"

صوفی جی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ انھیں توقع نہیں تھی کہ چانک ایسا سوال کر لیا جائے گا۔ گھگیا کے بمشکل بولے:-

"حضرت جی! غلام گھر جانا چاہتا تھا۔۔۔"

"تو آپ کو روکا کس نے ہے؟"

"جی۔۔۔ جی وہ خلافت۔۔۔؟"

"استغفر اللہ۔ آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ اس سے باز آجائیے۔ جائیے میں کچھ اور سننا نہیں چاہتا۔"

ایسا کھرا جواب سنکر صوفی جی کے فرشتے کوچ کر گئے۔ دوڑے دوڑے میرے پاس آئے اور قریب تھا غش کر جائیں میں نے سینے سے لپٹا کے پیشانی چومی اور دلاسا دیا۔

"ہمت کیجئے صوفی صاحب۔ مرد باید کہ ہراساں نشود" انھوں نے کانپتے ہوئے لبوں سے جواب دیا۔

"ہائے اب ہم کس منہ سے گھر جائیں۔ تم نہیں جانتے ہم نے سب دوستوں عزیزوں کو اطلاع دیدی تھی کہ ہمیں خلافت مل رہی ہے۔ خدا جانے شیخ کو کیا ہو گیا۔"

"ضرور کسی دشمن نے بہکایا ہوگا۔"

"جی ہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

یہ کہتے کہتے وہ باقاعدہ رونے لگے۔ اخلاقاً مجھے بھی رونا پڑا اور کچھ دیر کو تو ہم دونوں کا گریۂ بیتاب حشر اٹھا گیا۔ میں اندر کی گنڈی کھٹکی۔ میں ہونٹ بھینچ کے اندر پہنچا تو معلوم ہوا بیگم صاحبہ کی دو چار سہیلیاں آئی ہوئی ہیں اور گریۂ و بکا کی آواز نے انھیں سراسیمہ کر دیا ہے۔ گنڈی بیگم نے کھٹکھٹائی تھی، وہی بولیں:-

"حد ہو گئی آپ سے بھی۔ یہ کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے"

"خدا سے ڈرو بیگم۔ بچارے صوفی صاحب پر بڑا صدمہ پڑا ہے۔"

"اور آپ پر؟" وہ جھلائیں۔ جھلاہٹ کے جلو میں تبسم بھی جھلک رہا تھا جسے وہ بمشکل دبائے ہوئے تھیں۔

"میں تو اضعافاً رو رہا تھا۔۔۔ دراصل خود میرے لئے بھی کا مقام ہے۔ وہ چارٹ میں نے ہی تیار کیا تھا جسے صوفی جی کے شیخ نے رد کر دیا ہے۔"

"کر دیا ہوگا۔۔۔ ذرا یہ تو دیکھ لیا کیجئے گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

"ان سے کہو وہ بھی روئیں۔ شریف مہمان میزبان

ذراحت میں شریک ہوا کرتے ہیں۔"
"خدا کے لئے سنجیدہ ہو جائیے۔ زہرہ کو صورتِ حال معلوم
تو ساری دنیا میں افسانہ بنا دے گی۔"
"ارے وا میں کوئی افسانے سے ڈرتا ہوں۔ وہی زہرہ جنا
ی مینار علی کی سالی ؟"
"جی ہاں وہی۔ پوچھ رہی تھی یہ دروازے میں کیا ہو رہا ہے؟"
"کہہ دینا وہی ہو رہا ہے جو عنقریب تمہارے دولھا بھائی کے
تھ ہونے والا ہے۔"
"بس خدا کے لئے رحم کیجئے۔ اپنے صوفی تمکین کو لیکے اس وقت
بس چلے جائیے۔"
"بہت گیا۔ ذرا چائے بنا دو۔ اگلا پروگرام چائے کے بعد ہے"
"ہائے اللہ۔ چائے ہوٹل میں پی لیجئے گا۔"
"کمال کرتی ہو۔ ہوٹلوں میں کون ہمیں گل کے پیڑ نے دیگا۔"
ان کے ضبط کا قلعہ دھڑام سے گر پڑا۔ قہقہہ اتنی بیساختگی
سے ابلا کہ لعابِ دہن کی چھینٹیں میرے منھ پر آئیں اور وہ ہنستی ہوئی
بھاگی چلی گئیں۔ یہ عورتیں واقعی عقل و شعور سے فارغ ہوتی ہیں۔
بھلا شوہر کے رنج و غم پر ہنسنا بے عقلی نہیں تو کیا ہے۔
قصہ کوتاہ صوفی تمکین بے پناہ رنج و حسرت لئے اگلے روز
اپنے وطن چلے گئے۔ فرطِ یاس میں انھوں نے ریل کا ٹکٹ نہیں
خریدا تھا۔
"ٹی ٹی نے گھیر لیا تو کیا ہوگا ؟" — میں نے پوچھا تھا۔
ٹھنڈی آہ بھر کے بولے تھے :۔
"ارے اب ٹی ٹی گھیرے یا تھانیدار پکڑے۔ زندگی میں
کیا لطف رہا ہے۔" پھر بے حد غمناک لہجے میں شکایت کی تھی۔
— "تم نے ملّا ہمیں سرمۂ محبت کی بھی ترکیب نہیں بتائی۔ خالی
ہاتھ گھر جا رہے ہیں۔"
"میں بے حد شرمندہ ہوں" میں نے ماتھے سے عرقِ
ندامت پوچھتے ہوئے کہا تھا "آپ یقین کیجئے پیر رحمۃ اللہ
علیہ کی اجازت کے بغیر اگر بتا دیتا تو نہ آپ کو فائدہ ہوتا نہ مجھے۔
انھوں نے فرمایا تھا کہ اجازت کے بغیر بتاؤ گے تو بھسم کر دیئے
جاؤ گے اور سرمہ لگانے والا اندھا ہوگا۔"

"تو پھر ہماری خاطر اجازت لے لو۔"
"ضرور لوں گا۔ آپ کو معلوم نہیں تین مرتبہ اجازت
ہی لینے مزار شریف پہ جا چکا ہوں، مگر ایک بار تو معلوم ہوا
کہ حضرت امریکہ تشریف لیگئے ہیں۔"
"امریکہ ؟" وہ چونکے۔
"جی ہاں۔ دراصل چاند مار راکٹوں کی دوڑ میں روس کا
آگے نکل جانا اہل اللہ کے یہاں سخت ناپسندیدہ نگاہوں
سے دیکھا جا رہا ہے۔ امریکہ جو مقابلے کے راکٹ اور اسپٹنک
بنا رہا ہے انھی کے بارے میں کچھ مفید ہدایات دینے حضرت
وہاں گئے ہوئے تھے۔"
"پھر تو یقین کر لینا چاہئے کہ امریکہ جلدی ہی آگے نکل
جائے گا۔"
"ضرور نکل جائے گا۔ وہ تو اب تک نکل بھی گیا ہوتا
مگر صوفی منقار الحق سے پتہ چلا ہے کہ امریکہ کی ولایت جن بزرگ
کے سپرد تھی انھیں کچھ دنوں سے گٹھیا کی شکایت ہو گئی ہے۔
مزار شریف سے اُٹھ کر جا ہی نہیں پا رہے ہیں۔ مجبوراً میرے
پیر رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی نیابت کرنی پڑی۔ خیر دوسری
بار یہ خبر ملی کہ حضرت مصر تشریف لے گئے ہیں۔"
"غالباً اسرائیل کی خبر لینے گئے ہوں گے۔"
"جی ہاں اصل مقصد تو یہی تھا، مگر اس کا حصول آسان
نہیں ہے۔ وہاں فرعون کا شاندار مجسمہ بنایا گیا ہے اس کی
نقاب کشائی حضرت ہی کو کرنی تھی۔"
"کیوں مذاق کرتے ہو — فرعون کا مجسمہ ؟" وہ چونک
ہو کے مجھے گھورنے لگے۔
"ارے تم نے اخباروں میں نہیں دیکھا۔ آخر فرعون
اہلِ مصر کا ملکی لیڈر تھا جبکہ موسیٰؑ غیر ملکی تھے۔ مجاہدِ اعظم
فاتحِ سوئز، حضرت کرنل ناصر صدرِ جمہوریہ مصر نے اسرائیل
کو شکست دینے کے لئے جس وطن پرستی کا صور پھونکا ہے اسکے
تحت فرعون کا مجسمہ بننا عین حکمت و سیاست کے مطابق
ہے۔ اس کی نقاب کشائی اگر حضرت پیر رحمۃ اللہ علیہ کے
متبرک ہاتھوں سے ہو گئی ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ بہت جلد

سارا مصر وطن پرستی کے جذبے سے سرشار ہو کر اسرائیل کو کچا چبا جائے گا۔"

اتنے میں گاڑی آگئی اور یہ بتلانے کی نوبت نہ آسکی کہ تیسری بار پیر رحمۃ اللہ علیہ سے کیوں ملاقات نہ ہوسکی تھی الوداع کا منظر بڑا دردناک تھا۔ انھوں نے باچشم نم کہا:۔

"پیارے دوست رخصت!"

میرا دل بھر آیا۔ یکلخت وہ منظر آنکھوں میں پھر گیا جب لیلیٰ کے والد صاحب لیلیٰ کو قیس کے پاس سے گھسیٹتے ہوئے لئے جا رہے تھے اور نامراد لیلیٰ نے باحسرت و یاس کہا تھا:۔

"پیارے قیس رخصت!"

والد صاحب دہاڑ رہے تھے ـــ "چل رخصت کی بچی"

بیہودگی دیکھئے میری زبان سے بھی بے اختیار یہی جملہ نکل گیا اور صوفی صاحب سٹپٹائے۔ مگر میں نے فوراً تشریح کر دی:۔

"اس منحوس ریل کو کہہ رہا ہوں ـــ یہ نہ ہوتی تو اس وقت جدائی کی قیامت کیوں پیش آتی۔"

"اللہ کے سپرد ـــ اجازت ضرور لے کے رکھئے گا۔"

گاڑی نے حرکت کی۔ اس وقت سچ مچ میرا جی چاہا کہ اپنے جگری دوست سے "مائی ڈیر فرینڈ" کہہ کر لپٹ جاؤں اور عرض کروں کہ ڈارلنگ تمکین! تم پھر آنا۔ ضرور آنا۔

آپ سمجھیں گے قصہ ختم ہوا۔ میں بھی یہی سمجھا تھا۔ مگر مشیت ایزدی میں کسے چارہ ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ۔ کچھ دنوں بعد صوفی صاحب کے شیخ رحلت فرما گئے۔ یہ رحلت ملک بھر کے لئے ہنگامہ خیز تھی۔ مرحوم نہ صرف دینی رہنما تھے، بلکہ مسلمہ سیاسی رہنما بھی تھے۔ مدتوں آزادی وطن کی جنگ میں بہادر سپاہی کی حیثیت سے شریک رہے تھے۔ دینی اور سیاسی دونوں حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی اور جنازے کی شرکت کے لئے صوفی تمکین بھی تشریف لائے۔ اپنی آمد کی اطلاع انھوں نے مجھے تار سے دی تھی۔ گاڑی سے اترتے ہی اس طرح لپٹے کہ آس پاس والوں کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ بڑی تفصیل سے رو رہے تھے۔ زبان پہ "ہائے شیخ" کا دردناک بین تھا۔

تانگے میں بیٹھ کر سیلاب اشک ذرا تھما تو فرمانے
"ہائے ملّا۔ کل ہی تو خواب میں دیکھا تھا کہ شیخ نے بلایا ہے اور خلعتِ خلافت عطا کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ تمکین تمھیں بہت پکا کے دی ہے۔ ہم تو ان کے خط کے منتظر تھے کہ اب بلائیں گے اور دستِ شفقت رکھیں گے۔"

"خواب میں بخشی ہوئی خلافت بھی تو معتبر ہی ہوتی" میں نے کہا "آخر رویائے صادقہ تو جزوِ نبوت ہیں۔"

"وہ تو ہیں" وہ دلریشی سے بولے "خود ہمیں یقین۔ یہ خواب نہیں حقیقت تھی۔ مگر ظاہر پرستوں کو کون سمجھا

"میں سمجھاؤں گا۔" میں نے زوردار لہجے میں اطمینا دلایا۔ وہ گردن ہلا کے بولے:۔

"نہیں دوست یوں کام نہ چلے گا۔ میں نے سوچ لے اور ان کی آنکھوں میں پُراسرار مسرت چمک اٹھی

تیسرے دن سننے میں آیا کہ صوفی صاحب نہایت زور اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں اور جلد ہی اس دوڑ دھوپ کا بھی سامنے آگیا۔ مرحوم شیخ کے خلفاء نے طے کیا تھا کہ شیخ کے صاحبزادے کو شیخ کی جگہ بٹھا کر شیخ ہی کی طرف سے نیابتاً خلاف عطا فرما دیں۔ یہ صاحب زادے واقعی سعید و سعد تھے بظاہر والد کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے۔ یہ الگ بات کہ والد نے انھیں خلافت عطا نہ کی ہو، مگر خلفاء نے جب فکر کے بعد ان کی خلافت کا اعلان کر دیا تو شیخ کے حلقۂ ارا نے اسے بشوق قبول کر لیا۔ اب تو صوفی تمکین بے حد خوش میرے پاس آئے اور گلے سے لپٹ کر پہلے تو جھنجوڑ ہی ڈالا لہک کے کہنے لگے:۔

"مار لیا کام۔ بخدا مٹھائی کھلائیں گے۔"

"دل تھام کے" میں نے ٹوکا "خلافت آپ کو تو نہیں

"ارے اب دیکھو یوں ملتی ہے" انھوں نے چٹکی بجا

"صاحب زادے تو اپنے دیرینہ مشفق ہیں۔" ۔

شام کو دیکھا کہ وہ کرتے کے دامن کی جھولی بنائے بتا اور گُڑ کے سیوں لئے چلے آرہے ہیں۔

"یہ لو خوب کھاؤ" انھوں نے پانچ بتاشے اور تقریباً

سیوں میری طرف بڑھائے۔

"اور یہ باقی؟" میں نے جھولی کی طرف اشارہ کیا۔

"اجی یار اوروں کو بھی تو کھلانے ہیں۔ مولوی بدیع الزماں کی بہت پُرانی مٹھائی واجب ہے۔ ان کی شرط تھی کہ کھلاؤ تو میرے سالے بچوں کو بھی کھلاؤ۔ نو بچے ہیں۔"

یہ تو ہوا ـــ مگر اس سے بھی بڑھ کر آگے ہونے والا تھا۔ مجھے اتفاق سے اگلے ہی روز دہلی جانا پڑا۔ وجہ جس کی یہ تھی کہ کچھ روز ہوئے عزیزی گلچیں میاں کا خط آیا تھا کہ اہلیہ پر آسیب آگیا ہے۔ یہ سسرالی رشتے سے میرے بھتیجے تھے۔ انھوں نے مزید لکھا کہ دسیوں علاج کئے مگر نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ وہ ہر عامل کو سینڈلوں سے مارتی ہے اور فلمی گانے گاتی ہے۔ فوراً آیئے، میں نے جواب دیا تھا۔

برخوردار سلمہٗ! فلمی گانے گاتی ہے تو کیا مضائقہ ہے۔ یہ تو کلچرل ہونے کی علامت ہے اور سینڈل مارنے میں بھی کچھ تعجب نہیں۔ آخر سینڈل پہناؤ گے تو اور کیا مارے گی۔ عاملوں کو سینڈل پسند نہیں تو چپل پہناؤ۔ دلّی کے جوتے پہناؤ۔ گرگابی پہناؤ۔ میرے آنے کی کیا ضرورت ہے۔"

انھوں نے ایکسپریس ڈیلیوری سے جواب لکھا تھا۔

"اجی چچا! آپ نہ آئے تو میں خودکشی کرلوں گا۔ اس کا آسیب میرے ایک سابق دوست کو بُلاتا ہے اور جب تک وہ رہتا ہے مسز گلچیں ٹھیک رہتی ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ۔۔۔۔ کہ۔۔۔ ۔۔۔بس یہیں آکر سُنئے گا۔"

میں نے جواب الجواب لکھا تھا۔

"سُنا کیا تھا۔ جو بویا ہے وہی کاٹو گے۔ غم مت کرو۔ جس کی بیوی دو ایک مرد دوست رکھتی ہو اسے مہذّب اور روشن خیال کہتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ مسز گلچیں کو اپنے سابق دوست کے ساتھ سینما وغیرہ جانے کی مکمل آزادی دیدو اور خود ان کے لئے کھانا وغیرہ تیار کرکے رکھا کرو تب انشاء اللہ آسیب چھومنتر ہوجائے گا۔"

اس پر الجواب علی الجواب بڑا دردناک آیا تھا جس پر مجھے جانا ہی پڑا تھا۔ دلّی میں کیا گذری، یہ فی الوقت میرے موضوع سے خارج ہے۔ دس بارہ دن رہنا پڑا اسینڈلوں کی آزمائش مسز گلچیں نے مجھ پر بھی کی تھی مگر مجھ ناچیز کے بزرگوں نے تو دو ٹونک بند کر دیئے تھے یہ ریشمی قسم کا آسیب بھلا کے قدم چلتا۔ ادھر اس نے سینڈل چلایا اور اُدھر بندے نے جھپاکا دیکر دونوں سینڈل قبضائے اور انھیں اپنے بکس میں مقفل کردیا۔ اب وہ ننگے پیروں فلمی گانے گاتی تھی اور یہ ناچیز اس سے دُگنی آواز میں قوالی پڑھتا تھا۔ گھر کیا اچھا خاصا کلامندر یعنی ثقافت گھر بن گیا۔ وہ قوالی کے جواب میں مُنھ چڑاتی، میں انگوٹھا دکھا کے بندر کی بولی بولتا۔

مگر جیسا کہ عرض کیا یہ فی الحال میرے موضوع سے خارج ہے۔ بارھویں دن لوٹا ہوں تو شام کو صوفی صاحب تشریف لائے۔

"اے کہاں چلے گئے تھے؟"

"جن اُتارنے۔ بوتل میں بند کرکے لایا ہوں۔"

"سچ۔۔۔۔ نہیں یار ہمیں بھی دکھاؤ۔"

"ٹکٹ لگے گا ـــ ارے ہاں جب آپ گئے تھے ٹی ٹی تو نہیں ملا تھا؟" مجھے پچھلی بات یاد آئی۔

"مل گیا تھا مردود۔" انھوں نے بُرا سا منھ بنا کے جواب دیا۔

"ایک روپیہ لے مرا۔"

"بس ایک روپیہ؟ ـــ"

"نہیں تو خزانہ دیدیتے؟"

"مگر کرایہ تو شاید دو روپے چوبیس پیسے ہے۔"

"جبھی تو آدھا دیا۔"

"یعنی ایک روپیہ بارہ نئے پیسے۔"

"اماں نہیں نئے پیسوں کے متعلق تو ہم نے صاف کہدیا تھا کہ یہ بدعت ہے اس کا حساب ہم نہیں جانتے۔ بس روپوں میں آدھا آدھا کر لو۔"

"اور اس نے کرلیا؟"

"ارے ہاں پکا لالچی تھا، نہیں تو اس سے قبل آٹھ آنے میں کام چل گیا تھا۔"

"خوب ـــ تو کیا ٹکٹ لینا ہمیشہ ہی بھولتے ہیں۔"

"کیا کریں دماغ پر تصورات کا انہماک رہتا ہے۔ چہرہ پہ

نئے پیسوں کا حساب ایسا واہیات ہے کہ کھڑکی پہ جاتے ہوئے ہمیں وحشت ہوتی ہے۔"

"کبھی پورا چارج نہیں دیا؟"

"کیوں دیں۔ جب وہ بغیر رسید کے پیسے لیتے ہیں تو ہم بھی کیوں پورے دیں۔ بس ایک دفعہ ایک فرنگی کلکٹر نے شیطنت پھیلائی تھی۔ دس روپے سے بھی زیادہ چھین لئے تھے۔"

"چھین لئے تھے؟" میں چونکا۔

"ارے ہاں چھیننا ہی سمجھو۔ کہنے لگا ٹکٹ دکھلئیے۔ ہم نے حسب عادت قرأت کی۔ نِصْفٌ لِّی وَنِصْفٌ لَّکَ هٰذَا تُوْمُ جَاهِلُوْنَ۔ وہ ابلیس کی طرح منھ بناکے بولا۔ ہم ٹکٹ پوچھتا آپ عربی بولتا۔ ہم نے کہا ٹکٹ لینا بھول گئے آدھا پیسہ لیلو پھر ہم نے تسبیح پہ جلدی جلدی جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو پڑھا مگر وہ تو پکا فرنگی تھا۔ کھٹ سے کاپی اور پنسل نکال کے کچھ لکھا اور کاغذ ہمیں پکڑاتے ہوئے بکنے لگا کہ دس روپے بارہ آنے لائیے۔ ہم نے کہا واہ اتنا تو کل ٹکٹ بھی نہیں ہوتا۔ وہ کہنے لگا ساری تفصیل رسید پہ لکھی ہے۔ فلاں اسٹیشن سے فلاں اسٹیشن تک کا چارج دلوائیے۔ ہم نے کہا صاحب یہ انگریزی قاعدے تو ہم نہیں جانتے آپ آدھے ٹکٹ کے پیسے لیلیں۔ وہ احمق سمجھا ہی نہیں ناراض ہوکے بولا آپ مذاق کرنا مانگتا۔ ہم آپ کو حوالۂ پولیس کرنا مانگتا۔۔ اب تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ ضرور گڑبڑ پھیلائے گا۔ پانچ کا نوٹ نکال کے اسے دیا اور کہا کہ لے جاؤ۔ وہ بولا پانچ روپے بارہ آنے اور لاؤ — ہم نے کہا یار چلے بھی جاؤ رسید ہمیں نہیں چاہیئے۔ اس پر اس نے نوٹ ہماری گود میں پھینک دیا اور پاس کے لوگوں سے کہنے لگا کہ — دیکھ رہے ہیں آپ مسلمان آدمی اتنا اچھا داڑھی لگاتا اتنا اچھا کپڑا پہنتا تسبیح پڑھتا عربی بولتا مگر بے ٹکٹ سفر کرتا اور ہمیں رشوت دیتا۔ ہمیں اس بکواس پہ بڑا غصہ آیا۔ وہ نصرانی ہوکر ہماری داڑھی وغیرہ کا مذاق اڑا رہا تھا مگر کر کیا سکتے تھے۔ اگلا اسٹیشن آیا اور گاڑی رکنے کو ہوئی تو اسنے ہم سے کہا کہ دلی ساب اب بھی چارج دیدیجئے نہیں تو آپکو پولس کے حوالے کرتے ہوئے ہم کو بڑا افسوس ہوگا۔ بعض مسافروں نے بھی ہم سے کہا کہ دیدو بھائی دیدو یہ ولائتی ٹی ٹی ہیں ویسے نہیں مانیں گے اور مجبوراً اس کا منھ جھلسنا پڑا۔ مگر کیا یاد کریں گے۔ ہم نے بھی اسی مہینے میں اتنے سفر کئے کہ دس کے بیس [illegible]

صوفی جی کا موڈ اس وقت بڑا شاندار تھا معلوم ہوتا ان کا قلبِ صافی پھوٹ پھوٹ کے ہنس رہا ہے۔ کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں ہوتیں پھر چلے گئے۔ مگر اگلے دن بعد ظہر آئے تو اور بھی زیادہ خوش تھے۔ خوش کیا جھوم رہے تھے۔ کچھ گنگنا بھی رہے تھے اور چشم بددور ٹھیک یہ گانا ان کی زبان پر تھا۔

اُڑتی پھروں گاتی پھروں مست پون میں
آج میں آزاد ہوں دنیا کے چمن میں

طرز وہی تھا جو ریکارڈ میں سنا جاتا ہے۔ فرطِ خوشی میں تذکیر و تانیث بھی بھول گئے تھے۔ سامنا ہوتے ہی لپٹ گئے اور پھولی ہوئی سانسوں سے بولے۔ بولے کیا یوں کہیئے نعرہ مارا۔

"لو بھئی اب تو ہوگیا۔۔۔۔"

"ہوگیا۔۔۔ کیا ہوگیا" میں چونکا۔

"ارے آپ کو نہیں معلوم؟"

انھوں نے ایسے تعجب خیز انداز میں کہا گویا جو کچھ ہوا اس کا اعلان دنیا بھر کے ریڈیو اسٹیشنوں سے ہوچکا ہے اور آج کے سارے اخباروں کی شاہ سُرخیاں اسی کے متعلق ہیں۔ وہ کہتے کہ "مل گئی" — تو میں سمجھ لیتا کہ "خلافت مل گئی" مگر "ہوگیا" کا نعرہ ناقابلِ فہم تھا۔ ان کی زوجہ اگر یہاں ہوتیں تو خیال کرتا بچہ وغیرہ ہوا ہے مگر بحالتِ موجودہ کس طرح سمجھ سکتا تھا کہ کیا ہوا۔

"منکشف تو کیجئے کیا ہوگیا؟"

"ارے بھئی اعلان اور کیا۔"

"اعلان۔ یعنی کیا روس کا اسپٹنگ چاند میں اُتر گیا"

"استغفراللہ۔۔۔۔"

"تو کیا امریکہ نے روس پر حملہ کردیا؟"

"معاذاللہ۔"

"ارے تو بتلائیے نا کاہے کا اعلان۔"

"ارے میاں وہی اپنی خلافت کا۔۔۔ صاحبزادے اپنی طرف سے بھی دی اور حضرت شیخ کی طرف سے بھی دی۔

سو رہے تھے؟"

میرے جان میں جان آئی۔

"مبارک ہو زندہ باد۔ اب تو کھلائیے مٹھائی۔ ڈبل ہاتھ مارا ہے۔"

"ضرور کھلائیں گے مگر دوست وہ شرمۂ محبت؟" انکا انداز شرمیلا اور کٹیلا دونوں تھا۔

"ہاں وہ میرے ذہن میں ہے ـــ مگر۔۔۔ وہ آپ کی زوجہ تو آپ سے ماشاء اللہ کافی محبت کرتی ہیں۔"

"کرنے دو۔ زوجوں کی محبت سے کیا ہوتا ہے۔"

"پھر کس کی محبت سے ہوتا ہے۔"

انھوں نے اٹھلا کے میری پیٹھ پر ہلکا سا چپت لگایا اور شرمگیں لہجے میں بولے :۔

"اب بھولے نہ بنو۔ ہٹو بس ہم زبان سے نہیں کہیں گے۔"

"خیر۔ خیر۔ آپ فکر نہ کیجئے۔ اب کی نوچندی جمعرات کو پیر رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لینے جائیں گے۔ آپ اپنا کلیجہ تیار رکھئے جلانے کے لئے۔"

انھوں نے تشویشناک نظروں سے مجھے دیکھا۔

"اپنا کلیجہ۔۔۔۔ اے کسی اور کا کلیجہ نہیں چلے گا؟"

"چل جائے گا۔ مگر محبوب آپ کے قدموں میں نہیں اس کے قدموں میں گرا کرے گا۔"

"بڑی مشکل ہے" وہ چکرا گئے "محبوب کہیں اور جا گرا تو ہمیں کیا ملے گا۔"

"یہ آپ سوچئے۔"

"چلو دیکھا جائے گا۔ مگر کلیجہ جلنے سے کچھ خطرہ تو نہیں ہوگا؟"

"ہو بھی سکتا ہے شاید آٹھ دن پلنگ پہ پڑنا پڑے۔"

"بس" انھوں نے خوش ہو کے کہا۔

"اور نہیں تو کیا پھانسی تھوڑی لگ جائے گی۔"

"پھر تو خدا کے لئے نوچندی جمعرات خالی نہ جانے دینا خدا کرے تمھارے پیر کہیں گئے ہوئے نہ ہوں۔"

"جائیں گے کیسے۔ گھٹنوں پہ فالج گرا ہے۔ کروٹ بھی فرشتے دلواتے ہیں۔"

"اچھا ہوا۔۔۔۔ ارر۔ صد افسوس۔ ہماری طرف سے عیادت بھی کر دینا۔ یار ہم تو سمجھتے تھے یہ بیماری شیماری بس جیتے جی کا جھگڑا ہے۔ تم مرنے کے بعد بھی بتلاتے ہو۔"

"کیا کیا جائے۔ یہ ایٹم بم کے تجربے فساد پھیلا رہے ہیں، ورنہ اس سے پہلے کبھی کوئی مرحوم بزرگ بیمار نہیں ہوتا تھا۔"

"چچ چچ۔۔ ان خبیث فرنگیوں کو ہیضہ بھی تو نہیں کھاتا۔ بڑے بدماش ہیں۔"

"فرنگی تو نمبر تین پہ ہیں صوفی صاحب۔ اوّل و دوم تو روس امریکہ ہیں۔"

"ارے سبھی نمبری ہیں مردود کہیں کے۔"

آخر کار یہ ایمان افروز گفتگو صوفی نعل بمن کی اچانک تشریف آوری پر ختم ہوئی۔ یہ صاحب بریلی شریف سے ہفت ہزاری صوفی تھے۔ پکے اہل سنت والجماعت۔ دیوبند میں ان کا ورود دنیا کے آٹھویں عجوبے سے کم نہ تھا، لیکن افتاد یہ پڑی تھی کہ ان کے پیر صاحب نے ان کی نئی زوجہ کو عمل کے زور سے ہوا بنا کے اڑا دیا تھا۔ انھوں نے پہلے تو ایک ہفتے انتظار کیا کہ پیر صاحب کا جلال اترے تو زوجہ پھر آدمی کے جون میں آئیں۔ مگر امید بر نہ آئی اور پیر صاحب نے صاف کہہ دیا کہ تمھاری زوجہ کو دادے پیر رحمۃ اللہ علیہ نے قبول فرما لیا ہے وہ بسبب خوش قسمتی اپنی کے خدامانِ خاص میں شامل کر لی گئی ہیں اور اب واپسی ازبسکہ مشکل ہے۔ صوفی صاحب صبر کر لیتے، مگر انھیں معلوم تھا کہ پیری مریدی کا سلسلہ تو ان کے پیر کے والد صاحب ہی سے شروع ہوا ہے یہ دادے پیر کہاں سے آ گئے؟ یہ سوال رفتہ رفتہ بدظنی کی شکل اختیار کر گیا اور وہ دیگر صوفیاء کی خدمت میں تعویذ وغیرہ کے لئے حاضر ہوتے۔ تعویذ کا بھاؤ ان دنوں تیز تھا۔ بڑا روپیہ خرچ ہوا مگر مراد پھر بھی بر نہ آئی۔ اپنے بعض پیر بھائیوں سے مشورہ کیا تو جواب ملا کہ تم وہابی ہو گئے ہو بدگمانی کا تخم دل سے نکالو اور حضرت جی کی خدمت کرو۔

"مگر میری خدمت کون کرے گا" وہ روہانسو ہو کر بولے "بڑھاپے میں جوان زوجہ اسی لئے تو ڈھونڈی تھی کہ خدمت کرے گی۔ سال بھر بھی استفادے کی نوبت نہیں آئی۔"

صوفی مرجان نے دبی زبان سے کہا۔

"بھائی ساب اپنے ساتھ بھی یہی پیش آیا تھا۔ ہماری زوجہ کو تو حضرت جی نے کوا بنا کے اُڑا دیا، آج تک کائیں کائیں کرتی پھرتی ہے۔ مگر کیا مجال جو ہمارے دل میں ذرہ برابر بھی مَیل آیا ہو۔"

صوفی لعل بین ٹھنڈی آہ بھر کے چُپ تو ہو رہے مگر دل کبوتر کی طرح پھڑکتا رہا۔ پلنگ پر لیٹتے تو سینے سے غٹر غوں کی آواز آتی۔ سونا چاہتے تو زوجہ کی تصویر سامنے آکھڑی ہوتی توجہ ہٹانے کے لئے حساب لگانے لگتے کہ تعویذ گنڈوں پر اب تک کتنا خرچ ہوا ہے۔ اخروٹ شاہ ملنگ کی درگاہ کے سجادے صاحب نے تو اکیاون روپے سوا تین آنے لیکر فلیتے دیئے تھے کہ انھیں روغنِ زیتون میں جلا کر ایک لاکھ ایک ہزار ایکسو ایک مرتبہ "یا پیر دستگیر اغثنی" کا ورد کرنا اور بائیں ٹانگ پہ کھڑے ہو کر سات مرتبہ مرغ کی بولی بولنا۔ ہوا کی گرہ کھُل جائے گی اور زوجہ پردۂ غیب سے نمودار ہوگی۔ یہ سب وہ کر چکے تھے مگر زوجہ کی پرچھائیں تک نہیں ملی تھی۔ اسی عالمِ یاس و نامرادی میں کسی نے انھیں بتایا کہ آپ کے درد کا علاج صرف ایک شخص کے پاس ہے صرف ایک شخص کے پاس مگر۔۔۔۔

"ہاں ہاں مگر کیا۔۔۔ کہو نا۔۔۔۔" وہ بیتابی سے بولے تھے۔

"مگر کفرستان جانا ہوگا۔"

"ہم ترکستان بھی جائیں گے آپ بتائیے تو۔"

"ملا ابن العرب مکی۔۔۔۔"

"یہ کیا چیز ہوتی ہے؟" انھوں نے پوچھا تھا۔

"امام الصوفیاء۔ زبدۃ المشائخ۔ بیسویں صدی کا سب سے بڑا وہابی۔۔۔۔"

"تو کہاں ملے گا۔۔۔۔؟"

"دیوبند میں۔۔۔۔"

"استغفر اللہ۔۔۔۔۔ سچ بتائیے۔"

"بالکل سچ بتا رہا ہوں۔ میں خود اس کفرستان میں ہو آیا ہوں۔"

"ارے۔۔۔۔ نہیں۔"

"ہاں ہاں۔ میری بھی زوجہ پیران کلیر کے میلے میں ایک شاہ صاحب نے چڑیا بنا کے اُڑا دی تھی۔ لاکھ جتن کئے نہیں ملی۔ ایک وہابی نے بتایا کہ دیوبند جاؤ ملّا مکی علاج کرے گا۔ میں بھیا بھاگا چلا گیا تھا اور سچی بات ہے ملّا وہابی ہو یا کچھ ہو میری زوجہ تو واپس بلا دی تھی۔"

"تو وہ کیا لیتا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ بلکہ گھر سے دیتا ہے۔ چائے پلاتا ہے۔ تصوف کی اونچی اونچی باتیں بتاتا ہے جو پہلے کبھی نہیں سُنیں۔"

"تو ہمیں ٹھیک ٹھیک اس کا پتہ بتاؤ مردود وہابی ہی سے کام نکالیں گے۔"

"بس دیوبند کے اسٹیشن پہ کسی بھی تانگے رکشا والے سے دفتر تجلی کا پتہ پوچھ لیجئے فوراً پہنچا دے گا۔ وہیں سے ملّا کا سراغ مل جائے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ کیا وہی تجلی وہبڑا جو ہمارے پیارے نبی کو بشر کہتا ہے اور ان کے علم غیب سے انکار کرتا ہے؟"

"جی ہاں وہی۔ مگر یار اس کا ایڈیٹر بہت بیوقوف معلوم ہوتا ہے۔ جب ہم نے کہا کہ ہم بمبئی سے تشریف لائے ہیں۔"

"بمبئی سے؟"

"ارے ہاں۔ اور کیا بریلی کہدیتے۔ تو جناب فوراً جھانسے میں آگیا اور گھر لیجا کے کھانا کھلایا چائے پلائی۔ قیلولے کے لئے بستر لگوایا۔۔۔۔"

"یہی تو ان وہابیوں بدبختوں کی چالبازیاں ہیں۔ ایسے بنیں گے جیسے آسمان سے فرشتہ بن کر اُترے ہیں۔ مگر اندر وہی خباثت کہ پیارے نبی بشر تھے۔۔۔۔"

"وہ تو ہے ہی۔۔۔۔ پھر ہم نے کہا کہ ہماری زوجہ کو ایک شاہ صاحب نے چڑیا بنا کے اُڑا دیا ہے۔ خبر ملی ہے کہ آپ کے یہاں کوئی عربی ملّا صاحب ہیں جو ہر طرح کا علاج کر دیتے ہیں۔"

"جی ہاں ہیں تو۔" وہ مسکرائے تھے "آپ اگر انھی کی تلاش میں آئے ہیں تو بلوائے دیتا ہوں۔"

"پھر ملا صاحب کو بلوایا گیا تھا ___ میاں عجیب چیز ہے بالکل بھوندو معلوم ہوتا ہے۔ خیر وہ آئے تو ہم نے ماجرا عرض کیا

وہ کہنے لگے کہ میں آپ کو چڑا بنا کے اُڑا ئے دیتا ہوں حساب برابر ہو جائے گا۔ ہم نے کہا کہ جی نہیں ہمارے تو دو بچے ہیں، انھیں پھر کون پالے گا۔ کہنے لگے کہ میں خود یتیم خانے کا منیجر ہوں دونوں کو میرے حوالے کر دیجئے۔ میرے یتیم خانے کا ہر بچہ مانگنے کھانے میں طاق ہے۔ اِس دوران میں ایڈیٹر تجلی اٹھ کر چلا گیا۔ خس کم جہاں پاک۔ ملا صاحب نے آنکھیں بند کیں اور دو منٹ بعد کھول کے کہنے لگے کہ آپ کی زوجہ اس وقت افریقہ کے سرسبز جنگلوں میں یہ نغمہ گاتی پھر رہی ہیں:۔

میں بن کی چڑیا بن کے بن بن بولوں رے
آپ کو میں چڑا بنائے دیتا ہوں یہ گاتے گا۔
میں بن کا پنچھی بن کے بن بن ڈولوں رے

یار ان کی آواز ایسی عمدہ تھی کہ بس کیا کہیں۔ جیسے وہ اپنے لڈن قوال کے گلے میں رس ہے۔۔۔"

"اماں ہو گا۔۔۔" صوفی لعل یمن جھنجلا گئے تھے "تم یہ بتاؤ زوجہ اُس وہبڑے نے واپس دلوائیں کہ نہیں؟"

"صاف دلوائیں تھیں۔ شاہ صاحب پر مقدمہ بھی چلوا دیا تھا"

"تب اسی خبیث کے پاس جانا پڑے گا"

اور اس طرح صوفی لعل یمن دیوبند آٹپکے تھے۔ انھوں نے ایڈیٹر تجلی سے کہا کہ ہم کلکتہ سے تشریف لائے ہیں۔ موصوف حسب دستور جھانسے میں آگئے اور کھلا پلا کے قیلولہ کرا یا۔ پھر میرے حوالے کر دیا۔ میرا دل ہل گیا۔ آج تک وہ چوٹیں کسک رہی تھیں جو چڑیا بنانے والے شاہ صاحب کے تین مریدوں نے لڑنے بھڑنے میں کمر اور گھٹنوں پر آئی تھیں۔ اب یہ نیا معرکہ سر کرنے کیلئے ولولہ کہاں سے لاتا۔ عرض کیا۔

"صوفی صاحب! آج کل میری ہی زوجہ کبوتری بنتی جا رہی ہے۔ آدھا دھڑ تبدیل ہو چکا ہے۔ آدھے کو بمشکل تھام رکھا ہے"

"چلئے آپ کی کبوتری آپ کے پاس تو ہے۔ ہماری زوجہ تو نظر ہی نہیں آتیں"

جملہ پورا کہنے کے ساتھ ان کا گلا رُندھ گیا اور پھر جو دہاڑیں ماری ہیں تو آسمان زمین کانپ اٹھے۔ ساتھ ساتھ کچھ جدید قسم کی گالیاں بھی تھیں جو وہ اپنے پیر کو نہیں، بلکہ اپنی تقدیر کو دیتے جا رہے تھے۔

"صوفی صاحب!" میں نے بےکسی سے کہا "زمین آسمان تو کانپ چکے ہیں اب میری یہ پرانی چھت بھی کانپ گئی تو ہم دونوں ہوا میں تبدیل ہو جائیں گے۔ ضبط کیجئے"

"کیسے کریں۔ آپ مدد نہیں کریں گے تو ہم پچھاڑ کھا کے مر جائیں گے"

"کروں گا با با کروں گا"

پھر ان سے کیسی بنی اور ان کی زوجہ کیونکر دادے پیر کی بارگاہ سے واپس لائی گئیں یہ قصہ طویل ہے سُنا دیتا۔ مگر اس سلسلہ میں بعض ایسی غیر قانونی حرکات بھی ناچیز سے سرزد ہوئی تھیں کہ اگر ان کا ذکر کر دوں تو پولیس ہر آئینہ فدوی کو مرغا بنائے بغیر نہیں چھوڑیگی۔

مدرسہ سراج العلوم (جھنڈانگر) واقع ریاست نیپال

(۱) مدارسِ اسلامیہ کی اہمیت وضرورت تو ہر زمانے ہی میں مسلّم رہی ہے لیکن آج کے دورِ پُر فتن میں جس قدر بڑھ گئی ہے محتاجِ بیان نہیں، شرک، زندقہ اور الحاد و بے دینی کے سیلاب کو روکا جا سکتا ہے تو صرف اسی طرح کہ ہماری دینی تعلیم کا نظام مضبوط سے مضبوط تر ہو اور ہماری نوخیز نسلوں کی نگاہوں سے دین کا افق زریں اوجھل نہ ہونے پائے۔ یہ تمہیدی سطور میں نے جھنڈانگر (ریاست نیپال) کے ایک مدرسہ کے ذکرِ خیر میں لکھی ہیں۔ اس کا نام ہے سراج العلوم۔ براہِ راست تو اس کے احوال وکوائف سے مجھے واقفیت نہیں لیکن بالواسطہ جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ ایسا ضرور ہے کہ اس کے پیشِ نظر اہلِ خیر اور اربابِ استطاعت سے اس مدرسہ کی امداد و اعانت کا التماس کیا جائے یہ نازک وقت ایسا نہیں ہے کہ ہم دینی اداروں کے سلسلہ میں محدود گروہی زاویۂ نظر پر جمے رہیں اور وسیع تر دینی وملّی اندازِ فکر اختیار کرنے کی بجائے اپنے ذہنی تعصبات کی پٹی آنکھوں پر باندھے رکھیں۔ جھنڈانگر جغرافی اور عمرانی پہلوؤں سے جو حیثیت رکھتا ہے اس کے لحاظ سے وہاں کسی دینی درسگاہ کا قیام اور فروغ و استحکام بے حد ضروری ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مدرسہ سراج العلوم کے کارکن نہایت مخلص دردمند اور متدین لوگ ہیں اسلئے میری تمام اربابِ خیر سے پُر زور اپیل ہے کہ وہ مستقلاً اس کی مالی امداد فرمائیں اور صدقہ جاریہ کے بیش بہا اجر وثواب میں شریک ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

(عامر عثمانی۔ مدیر تجلی۔ دیوبند)

(۲) ایسے علاقوں میں جہاں مسلمان بہت اقلیت میں ہوں اور وہ اسلامی تہذیب کے مراکز سے دور ہوں دینی تعلیم گاہوں کی اشد ضرورت ہے۔ جو حضرات ایسے سرحدی مقامات پر اور ایسے دور دراز علاقوں میں دینی تعلیم و تربیت اور اسلامی تعلیمات واخلاق کی اشاعت کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ میں ان کو مرابط فی سبیل اللہ اور ان کے کام کو رباط فی سبیل سے تعبیر کرتا ہوں۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ ان مدارس و مراکز کی اعانت و خدمت بہت بڑی دینی خدمت اور بڑا کارِ خیر ہے۔ جھنڈے نگر کے عربی مدرسہ کو بھی اس کے جائے وقوع کے لحاظ سے ایسا ہی مرکز تصور کرتا ہوں۔ اور اسکی خدمت کو بڑی سعادت اور توفیق کی بات سمجھتا ہوں اللہ اس مدرسہ کو استحکام وترقی اس کام کو وسعت اور اس کے کارکنوں کو خلوص و استقامت اور عام مسلمانوں کو خدمت واعانت کی توفیق عطا فرمائے

(مولانا) ابوالحسن علی (ندوی)

(۳) یہ مدرسہ میں نے دیکھا ہے۔ مولانا عبد الرؤف صاحب رحمانی جو اس مدرسہ کے روح رواں ہیں۔ بڑے خلوص اور شوق و محنت سے اس کو چلا رہے ہیں اور اس طرح ایک دور دراز علاقہ میں اسلام کی نمایاں خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس مدرسہ کی خدمت کرنا بے شبہ دین کی خدمت ہے اور اللہ کے یہاں اس کا یقیناً اجر ملے گا۔ (مولانا) سعید احمد اکبر آبادی (ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی)

(۴) مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر اپنے رنگ میں مفید دینی خدمت انجام دے رہا ہے مجھے فخر ومسرت ہے کہ میری وساطت سے امدادیں کئی بار پہونچ چکی ہیں۔ اہلِ صدق وصفا میں سے جو صاحب اس کا خیال کریں گے وہ اجرِ جزیل کے مستحق ہوں گے۔

(خادم اسلام) عبد الماجد دریابادی مدیر "صدق")

(۵) حضرت مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں کہ میں مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس مدرسہ کی تعلیمی اور تعمیری ضروریات کے کیلئے معقول سرمایہ کی ضرورت ہے اہلِ خیر حضرات سے میں درخواست کروں گا کہ وہ اس مدرسہ کی امداد پوری فراخدلی سے کریں۔

"شیخ الحدیث" (عبید اللہ مبارکپوری)

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

(بھلائیوں کی طرف سبقت کرو)

شَہِدَ شَاہِدٌ مِّنْ اَہْلِہَا

حکومت اگر ہندو مہاسبھا یا جن سنگھ کی ہوتی تو وہ صورتِ حال قابل شکایت نہیں تھی جو پیدا کردی گئی ہے، لیکن رونا یہ ہے کہ حکومت اُن دیش بھگتوں کی ہے جو سیکولرازم اور گاندھی بھگتی کا وظیفہ پڑھتے پڑھتے نہ پہلے تھکے تھے نہ اب تھکتے ہیں۔ منافقت دنیا میں بدترین چیز مانی گئی ہے، لیکن اس کا بد سے بدتر درجہ وہ ہے جب منافقین اس کی بھی پروا کرنی چھوڑ دیں کہ انکی منافقت کا بھانڈا عین چوراہے پر پھوٹ چکا ہے۔

"بغل میں چھری منھ میں رام رام" کی کہاوت کو گلے لگانے والے سیکولرازم کے زیر سایہ مسلمانوں کی کیا درگت بنتی جا رہی ہے، اس کی داستان کوئی کہاں تک کہے اور کیسے کہے۔ لیجئے ہائیکورٹ کے سابق جج جناب شیو پرشاد سنہا ایڈووکیٹ سپریم کورٹ کا ایک مختصر سا مقالہ ملاحظہ فرمائیے جسے معاصر "بیباک" نے "سیاست جدید" سے نقل کیا ہے اور ہم بشکریہ بیباک نقل کر رہے ہیں یہ مقالہ اگرچہ تصویر کی حقیقی قد و قامت کو خوردبینی سائز سے زیادہ نہیں دکھاتا، لیکن اپنی اساسی اشاریت کے اعتبار سے "دریا بہ حباب اندر" کا مصداق ہے۔ عامر عثمانی

آئے دن اقلیتوں پر سخت حملے کئے جاتے ہیں، آج عیسائیوں اور مسلمانوں کے خلاف ہریجنوں کو بھی بخشا نہیں جاتا، ان سے ظاہر میں تو ہمدردی کی جاتی ہے لیکن عملی کارروائی خلاف رہتی ہے۔ کبھی ان پر مار پڑتی ہے اور کبھی گاؤں سے نکالدیئے جاتے ہیں۔ یہ کیوں؟ کیا صرف اس لئے کہ وہ اعلیٰ طبقہ کے افراد کی خدمت اپنا فرضِ اولین یا عین سعادت نہیں سمجھتے، جو بدقسمتی سے خود کو دوسروں سے برتر اور قابلِ ترجیح سمجھتے ہیں اور اس کی جرأت کرتے ہیں کہ جس کنوئیں سے اور لوگ پانی بھرتے ہیں وہ بھی بھریں۔ جس میز کرسی مکان ظروف کو اور لوگ استعمال کرتے ہیں وہ بھی کریں۔ یعنی وہ اپنے کو برابر کے ہندوستانی سمجھتے ہیں۔

آئے دن عیسائیوں پر بھی بلائیں نازل ہوتی ہیں کہا جاتا ہے کہ ان میں غیر ملکی اور غداری کے جذبات پائے جاتے ہیں مشنری ان کو گمراہ کرتے ہیں۔

سکھوں پر بھی نزلہ گرتا ہے لیکن تقدیر سے ان کو ایسا رہنما مل گیا ہے کہ اس سے کوئی آنکھ نہیں ملا سکتا۔ لیکن خاص توجہ مسلمانوں پر مرکوز ہے۔ ایک اچھا خاصا نسخہ ہاتھ آگیا ہے جب کچھ نہیں ملتا تو آسان نسخہ یہ ہے کہ یہ پاکستانی ہے۔ پاکستان کے ساتھ سازباز کرتا ہے یہ ایک ایسا ہوّا ہے کہ اس کے سامنے مسلمان بے بس ہو جاتا ہے اور غریب ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

لوک سبھا میں ۲ر مارچ ۱۹۶۸ء کو جو حملے علیگڈھ یونیورسٹی پر کئے گئے ہیں وہ اسی سازش کی ایک کڑی ہے۔ اس حملے کا سہرا اینڈ پرکاش ویر شاستری کے سر ہے۔ یہ مسلمانوں کے ایک نئے دوست پیدا ہوئے ہیں اور حقِ دوستی میں ان کا نمبر کے ایم منشی، ڈاکٹر رگھویر، سیٹھ گووندداس، ماسٹر دی، پی منن وغیرہ سے بھی بڑھ گیا ہے۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ انھوں نے لوک سبھا میں ایک ایسا سوال کیا تھا کہ جس سے صاف ظاہر تھا کہ مسلمانوں

ان کی خاص عنایت ہے، اب یہ نئی مثال شفقت کی ہے۔

علی گڑھ میں بہت اور سخت نقائص ہیں ان کی اصلاح ہونی چاہئے۔ لیکن یہ کافی نہیں ہے، کیونکہ الہ آباد، لکھنؤ، بنارس گجرات یونیورسٹیوں میں یہی خامیاں ہیں، لیکن وہ بھی ہوا کہ دیا گیا یعنی رانی کھیت میں جو مکان خرید اگیا ہے اس میں انٹی نیشنل ایکٹیویٹیز ANTI NATIONAL-ACTIVITIES ہوتی ہیں۔

یہ انٹی نیشنل کیا ہے ؟ ہر مسلمان کا حق ہے کہ اس کو بتایا جائے کہ کس حد تک صحیح دائرے میں رہتا ہے اور کہاں سے دائرہ انٹی نیشنل ہو جاتا ہے۔ بیک قلم عثمانیہ یونیورسٹی اُردو سے ہندی میں کر دی گئی۔ حیدر آباد کا نام بھی مٹا دیا گیا گو باقی اور ریاستوں کے نام اب تک قائم ہیں۔ کانگریس کی کمیٹیوں میں مسلمانوں کو دُور سے سلام کیا جاتا ہے اور وہ اس وجہ سے کہ وہ مسلمانوں کی زبان ہے (گو یہ کلیتہً غلط ہے) مثل حرفِ غلط کے مٹائی جا رہی ہے۔ گو پنڈت نہرو نے ہزاروں موقعوں پر اس پالیسی کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ مقابلے کے امتحانات یونین پبلک سروس کمیشن کے نتائج کے اعتبار سے کوئی صیغہ فوج بری ہو یا بحری، یا فضائی ان میں عموماً مسلمانوں کی تعداد صفر رہتی ہے۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں اگر مسلمان ان باتوں کے خلاف نعرہ بلند کرتا ہے تو کیا وہ غدار ہے اگر وہ کہتا ہے کہ ہر جگہ جہاں فسادات ہوتے ہیں تو اسی پر ظلم کا پہاڑ ٹوٹتا ہے اور وہی ظالم گردانا جاتا ہے۔ بھوپال جیسی جگہ میں اس کے اُوپر بے پناہ مظالم ہوئے، لیکن ڈاکٹر کاٹجو کی منصف مزاجی نے یہی فیصلہ کیا کہ پولیس ہر طرح قابلِ تحسین ہے۔

"سمندِ ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا"

اگر مسلمان اپنی صدائے احتجاج اس کے خلاف بلند کرتا ہے تو کیا وہ غدار ہے ؟ پرکاشں ویر شاستری ہوں یا یدودینددت دھبے ممبر جن سنگھ یو پی ودھان سبھا جن کو ہر جگہ پاکستانی جاسوس نظر آتے ہیں۔

میری رائے میں وقت آگیا ہے کہ ہر مسلمان اپنے حقوق اپنے سامنے رکھے اور خوشامد سے کام نہ لے، نہرو صاحب مسلمانوں کے دوست اور سچے خیر خواہ ہیں لیکن ان کا بھی طرزِ عمل کیرالہ کے معاملے میں قابلِ تحسین نہیں رہا۔ انھوں نے کیرالہ مسلم لیگ کے الیکشن کا مینو فسٹو پہلے نہیں پڑھا کیونکہ وہ ملیالم زبان میں تھا۔ اگر کوئی کہے کہ وہ علاوہ اور زبانوں کے انگریزی میں بھی تھا تو کیا فرمائینگے بفرضِ محال اگر نہیں پڑھا تو یہ کس کا قصور ہے۔

مسلمانوں میں لاکھوں گھر ایسے ہیں جن کے کچھ افراد یہاں ہیں اور کچھ پاکستان میں باپ یہاں ہے تو بیٹا وہاں۔ بیٹی یہاں ہے تو ماں وہاں۔ ایک بھائی یہاں ہے تو دوسرا وہاں۔ کیا باپ کا بیٹے سے ماں کا بیٹی سے بھائی کا بھائی سے ہمدردی کرنا ان کے ساتھ اظہار محبت کرنا غداری ہے؟

ماسٹر تارا سنگھ نے صاف صاف کہا کہ اگر اس ملک میں کوئی دوسرا ایوب پیدا ہو جاتا تو اس ملک کی حالت سدھر جاتی۔ اگر کوئی مسلمان یہ کہتا تو ہزار پرکاش ویر شاستری پیدا ہو جاتے، اور غداری اور وطن فروشی کا الزام تراشنے لگتے۔ گوڈسے یا تسادی لال کپور کے خلاف لب کشائی نہیں ہوتی، لیکن مسلمانوں کے اُوپر شاستری جی عرصۂ حیات تنگ کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ مسلمانوں کو حکومت سے یہ معاملہ صاف کرا لینا چاہیے کہ آیا ان کے حقوق بھی ہیں یا محض ذمہ داریاں ہی ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان یہ تھا۔ "اقلیتوں کے فرائض" مجھ کو ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ جب تک اقلیتوں کے دلوں کو ہم اپنے ہاتھ میں نہ لیں گے اور جب تک ہر ممبران کی جماعت کا یہ محسوس نہ کرے گا کہ ہمارے وہی حقوق ہیں جو اکثریت کے ہیں تو اس وقت تک اس ملک کی ترقی غیر ممکن ہے۔ ایک ملک میں ایک قسم سیٹزن شپ Citizen Ship ہو سکتی ہے۔ اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ وہ انفیریر سیٹزن۔ Inferior Citizen ہے تو اکثریت ترقی کر سکتی ہے اور نہ اقلیت

میں نے یہ چند الفاظ تحریر کئے ہیں وہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں، بلکہ ہر اہلِ دانش کے غور کیلئے تحریر کئے ہیں۔ خاص کر کانگریس کیلئے عنانِ حکومت آزادی کے بعد سے ان ہی کے ہاتھ میں ہے اور شاید رہیگی۔ کیونکہ تمام خامیوں کے ہوتے ہوئے وہ اور پارٹیوں سے بہتر ہے۔ پنڈت نہرو کی ہی ایک ایسی ہستی ہے جسکو اقلیتوں کا خیال ہے اور جو کچھ ان کیلئے کر سکتی ہے۔ یوں تو اور لوگ بھی ہیں

تمہید:- از عامر عثمانی صاحبِ مضمون:- مولانا تاج محمود

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی مدظلہ

اب سے کچھ عرصہ پہلے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی ذات جس درجہ موضوعِ بحث رہی ہے محتاجِ بیان نہیں۔ لیکن آج جب کہ یہ ہنگامہ سرد پڑ چکا ہے تجلی کے صفحات میں نئے سرے سے اس بحث کا آغاز اکثر دوستوں کے لئے موجبِ حیرت ہوگا اور اندیشہ ہے کہ یہ حیرت انقباض کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ واقعی جب سے پاکستان میں انقلاب آیا ہے اور دوسری جماعتوں کی طرح جماعت اسلامی بھی مرگِ ناگہاں کا شکار ہوئی ہے لوگوں کی دلچسپیاں اس موضوع سے کم ہوتی جارہی ہیں۔ اس جماعت کے برسرِ اقتدار آجانے کا جو دھڑکا اس سے اختلاف بلکہ عناد و بغض رکھنے والوں کے قلوب کو لگا ہوا تھا اسے حالاتِ ظاہری نے ختم کر دیا ہے اور معاندانہ پروپیگنڈے کا وہ میگزین جسے بے محابا استعمال کیا جارہا تھا جنگاہ کی بے رونقی سے اُکتا کر ایک طرف رکھ دیا گیا ہے۔ اب گویا اس محاذ پر سناٹا ہی سناٹا ہے اور ایسی حالت میں ہمارا اس موضوع کو چھیڑنا بے وقت کی شہنائی کے مرادف کہا جاسکتا ہے۔

لیکن گہرائی میں اُتر کر سوچئے تو اندازہ ہوگا کہ فی الحقیقت یہی وہ مناسب وقت آیا ہے جب ما بہ النزاع مسائل اور الزامات و اتہامات پر ٹھنڈے دل و دماغ اور ٹھیرے ہوئے متحمل مزاج کے ساتھ افہام و تفہیم قرینِ قیاس ہوسکتی ہے۔ جدل و مبارزت کی گرماگرمی اور طبل و علم کی گھما گھمی میں سنجیدہ تقریریں اور علمی و منطقی بحثیں عموماً عناد و تعصب اور شور و شیون ہی کی نذر ہوجایا کرتی ہیں۔ حملہ آور وسیع القلبی اور رواداری کے تمام احساسات گھر رکھ کر آتا ہے اور اس کے کان حق و صداقت کی ہر اپیل کیلئے بہرے ہوتے ہیں — لیکن جب جنگ کی بساط لپٹ جائے، ہنگامہ سرد ہوجائے، نیزہ و شمشیر اسلحہ خانوں میں سنگوا دیئے جائیں اور پھولے ہوئے سانسوں میں کچھ توازن آجائے تو اس وقت یہ ممکن ہوجاتا ہے کہ فریقین ایک دوسرے سے کچھ کہیں، ایک دوسرے کی سنیں اور علم و داری اور عدل و دیانت کی معروف قدروں کا تھوڑا بہت لحاظ کر سکیں۔

ہم نہیں کہتے کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر جس نے جو بھی اعتراض کیا غلط کیا۔ جس نے جو بھی الزام لگایا جھوٹا لگایا اور جس نے جتنا بھی تنفر ظاہر کیا سب بے بنیاد تھا۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ مدافعت کرنے والوں نے جب کبھی حملوں کی مدافعت کی حلم و شرافت کی اونچی ہی سطح پر رہ کر کی اور زبان و بیان کے دائرے میں ان سے کوئی لغزش نہیں ہوئی۔ دُور کیوں جائیے، خود ہم اپنے بارے میں بلا تأمل اعتراف کرتے ہیں —— اور پہلے بھی کرچکے ہیں کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کو مظلوم سمجھتے ہوئے ہم نے حسنِ نیت اور صدق دلی کے ساتھ ان کی طرف سے جو مدافعت بار بار کی ہے اس میں کئی جگہ ہمارا لب و لہجہ اتنا متین اور پُر وقار نہیں رہا جتنا رہنا چاہئے تھا اور کئی بار ہماری تلخ گفتاری حدودِ مناسب سے تجاوز کر گئی۔ اس خامی کیلئے اگرچہ ہمارے پاس یہ عذر ہے کہ جارحین و معترضین کی حد سے بڑھی ہوئی بیباکی، بے انصافی اور بے لگامی ہی اس کو جنم دینے کی ذمہ دار ہے۔ آگ لگا کر دھونکنی چلادی جائے تو شعلے ضرور بھڑکیں گے اور چنگاریاں لازماً اُڑیں گی، لیکن آج جب کہ کسی کو متہم یا شرمسار کرنا مقصود نہیں، بلکہ امن و سکون کی فضا میں سنجیدہ گفتگو مدِ نظر ہے اور توقع ہورہی ہے کہ شاید اللہ جل شانہٗ اسی گفت و شنید کے ذریعہ بھائیوں کے پھٹے ہوئے دل جوڑ دیں اور افتراق و اختلاف کی خلیج کسی نہ کسی حد تک پاٹ دیں ہم اپنی ہر خامی اور ہر لغزش کی پوری ذمہ داری اپنے ہی سر لیتے ہوئے اس پر ندامت کا اظہار کرتے ہیں اور ہر اُس شخص سے تضرع کے ساتھ عفو طلب ہیں جسے ہماری طرف سے رنج پہنچا ہو۔ اللہ کے حضور تو بفضلہ تعالیٰ ہم پہلے بھی استغفار سے غافل نہیں لیکن اس خاص موقع پر پھر ایک بار اپنی لغزشوں کی معافی اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں۔ وھو الغفور الرحیم۔

امتِ مسلمہ کو غیر مسلم ممالک ہی نہیں مسلم مملکتوں میں بھی جن آزمائشوں اور مصیبتوں کا سامنا ہے ان کا تقاضا ہے کہ چھوٹے چھوٹے متبارز گروہوں میں بٹی ہوئی یہ امت اپنے باہمی تناؤ کو کم کرے، اپنی باہمی آویزشوں کی تخفیف میں ساعی ہو، اپنے مختلف فیہ مسائل کو بھائیوں کی طرح سلجھائے، اپنے جذبات کی زمام عقل و متانت کے ہاتھوں میں دے اور باہمی سر پھٹول کی بجائے اتحاد و اتفاق کے ساتھ اُن باطل قوتوں سے نبرد آزما ہو جو کہیں ظاہر فریب نظریات کی شکل میں اور کہیں بد گہرا اعمال و اطوار کی صورت میں اسلام کے شجر طیّب کو جڑ سے لیکر شاخوں تک ہلائے دے رہی ہیں جن کے ہاتھوں اسلامی اقدار کا چہرہ مسخ اور عدل و دیانت کی آنکھیں ویران ہیں۔

اس تمہید کے بعد یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ افہام و تفہیم کا یہ سلسلہ اس مناسب وقت میں شروع کرنے کی توفیقِ سعید راقم الحروف کو نصیب نہیں ہوئی، بلکہ اس کا شرف ایک بہت اونچے عالمِ دین، ایک انتہائی دردمند انسان مولانا تاج محمود زاد اللہ شرفًا و مجدًا کے حصّہ میں آیا ہے۔ آپ بھاولپور ڈویژن (مغربی پاکستان) کی ایک مضافاتی بستی میں علومِ دینیہ کی درس گاہ کے استاد کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ پہلے جب جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر الزام آرائیوں اور اتہام تراشیوں کا بازار گرم تھا آپ کے اُن خطوط سے جو گاہے گاہے از راہِ عنایت فدوی کو لکھا کرتے تھے، اس گہرے رنج و الم کا اظہار ہوا کرتا تھا جو ایسے المناک مواقع پر ہر دردمند مومن کے قلب کو قدرتًا لاحق ہونا چاہئے۔ اس زمانہ میں آپ نے شاید اسی لئے اپنے قلم کو جنبش نہیں دی کہ ہاؤ ہو کی سرمستی اور شور و شورش کی گھما گھمی میں کون سنجیدگی کے ساتھ نوائے درد اور صدائے پند نصح پر کان دھرتا ہے۔ اب آپ نے موقع مناسب دیکھا اور دردمندانہ افہام و تفہیم کا یہ سلسلہ شروع فرما دیا جو ناظرین کے سامنے ہے اور امید ہے متعدد مہینوں تک چلتا رہے گا۔ جن لوگوں کو خدا کا خوف ہے یا جو عدل و دیانت کے منکر نہیں، جو اتحاد و اخوت کے اہمیت سمجھتے ہیں اور جن کے قلوب پر مُہریں نہیں لگ چکی ہیں انھیں چاہیے کہ اس سلسلۂ سخن کو غور و توجہ سے ملاحظہ فرمائیں، اس کے آئینہ میں اپنے ان خیالات مزعومات کا جائزہ لیں جو افتراقِ امت کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اللہ توفیق دے تو انصاف کریں اور آخرت کی جوابدہی کا احساس امنگ ہو تو بے بنیاد سوءِ ظن کے خس و خاشاک کو تہس نہس کر دیں۔ جماعت اسلامی اگر پاکستان میں وقتی طور پر ٹوٹ گئی ہے تو اس سے یہ ہرگز نہ سمجھ چاہئے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ انشاء اللہ جلد وہ وقت آئے گا جب عبوری دَور کی بندشیں ڈھیلی ہوں گی اور ٹوٹی ہوئی جماعتوں شیرازہ پھر سے مجتمع ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ اس جماعت کے ظاہری نظم اور نام کا وقتی طور پر ختم کیا جانا یہ معنی ہرگز نہیں رکھتا کہ وہ دعوت، وہ تحریک، وہ فکر و نظریہ ختم ہو گئے جن کی زندگی کا مظہر یہ ظاہری نظم اور نام تھا۔ فکر و نظر کو جبر کی چھری سے ذبح نہیں کیا جا سکتا اور کوئی بھی دعوت و تحریک قانو پابندیوں کی چوٹ کھا کر اپنا ذہنی وجود فنا نہیں کر دیتی۔ اعلائے کلمۃ الحق اور اقامتِ دین اور خدمتِ انسانیت اور پیغامِ امن و سلامتی کے جن داعیوں اور خواہشوں اور تمناؤں کا نام جماعت اسلامی تھا وہ آج بھی بقیدِ حیات ہیں۔ ان کی تقدیس و عظمت آج بھی پہلے ہی کی طرح پائندہ ہے، اور اگر ظاہری حالات کے دباؤ نے انھیں وقتی طور پر کارگاہِ عمل سے نکال باہر کیا ہے تو اس افتاد کا یہ مطلب نہیں کہ امتِ مسلمہ اس سے دست بردار ہو جائے، اس امت کے فرائض میں یہ فرض اللہ مالک و خالق نے معین کیا ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ ہر ملک، ہر حالت اور ہر زمانہ میں یہ دنیا کے آگے قول و عمل سے شہادتِ حق دیتی رہے، اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو بلاتی رہے، انسانیت کے فروغ، توحید کے شیوع اور عدل حقانیت کے نشو و نما میں تن من دھن سے لگی رہے، باطل کے آگے ہتھیار نہ ڈالے، کفر و زندقہ سے مفاہمت نہ کرے، یاس و تعطّل کا شکار نہ ہو، جبن و دُہن کو پاس نہ پھٹکنے دے۔ آپس میں شقی و تنگدل نہ ہو، شرک و طغیان کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح ڈٹ جائے۔ یہ فریضہ ہر حال میں اس امت کو ادا کرنا ہے۔ اور ملکوں میں تو جماعت اسلامی پر کوئی قانونی پابندی نہیں، لیکن جہاں ہے —— یعنی پاکستان میں —— وہاں بھی بندگانِ اسلام کے لئے امن و سلامتی اور فلاحِ دارین کی واحد راہ یہی ہے کہ وہ باہمی اختلاف کو حتی الوسع کم کریں، سوءِ ظن کے ناپاک ذخیروں کو دریا میں ڈالیں، کدورتوں کے خرمن میں آگ لگائیں اور جن بندوں کو اللہ نے دینِ حق کی خدمت کا سلیقہ اور حوصلہ عطا فرمایا ہے ان کی راہ کھوٹی کرنے کے بجائے

انھیں مدد دیں۔ ان سے محبت کریں اور اس طرح اس دیوِ باطل کے حوصلے پست کر دیں جو کہیں ثقافت و کلچر کے پردے میں، کہیں روٹی کے نام پر اور کہیں اصلاح کی آڑ لے کر اسلامی اقدار و تصورات کو نگلے چلا جا رہا ہے۔ شیطان کے لبادے بے شمار ہیں۔ وہ ڈھکے اور کھلے ہزار طرح وار کرتا ہے تاریخ کھنگال کر دیکھ لیجئے۔ جب کوئی مصلح اصلاح کے لئے اٹھا ہے، جب کسی مجدد نے تجدید کرنی چاہی ہے شیطان اپنے لاؤ لشکر سمیت میدان میں آ کودا ہے۔ پھر اپنی گوناگوں وسوسہ اندوزیوں سے اپنی رنگا رنگ وسیسہ کاریوں سے اپنے نوع بہ نوع حربوں سے وہ وہ افتراق و اختلاف کی آندھی چلائی ہے، وہ وہ فتنے اٹھائے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ کھلے دشمن سے لڑنا آسان ہے، لیکن اس چھپے دشمن سے لڑنا بہت مشکل ہے جو خود ہمارے نفس میں سما جاتا ہے اور ہمارے شریانوں میں لہو بن کر دوڑتا ہے۔

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے یہاں بفضلہ تعالیٰ جماعت اسلامی پر کوئی قانونی پابندی نہیں۔ یہاں اندر ہی اندر اہل اقتدار کا طرزِ فکر چاہے کچھ ہو اور کیسی ہی بدگمانیاں پال لی گئی ہوں، لیکن ضابطے اور آئین کی حد تک معاملہ خرخشے سے بالاتر ہے۔ مسلمان خود ہی افتراق و تشتت کا شکار نہ ہوں تو یہاں بلاشبہ دعوتِ حق کا اہم ترین کام نہایت مستحکم طور پر ہو سکتا ہے۔ دعوتِ حق اور اقامتِ دین کی اصطلاحوں کا جو لوگ یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ اکثم حکومتِ الٰہیہ کی مسند پر جست لگائی جا رہی ہے اور پھر اسی مفروضے پر اسے دیوانگی اور حماقت قرار دے کر اس کے سائے تک سے دور بھاگتے ہیں، وہ فی الحقیقت غلط فہمی میں مبتلا ہیں یا پھر ان کا نفس ارادۃً انھیں آمادہ کر رہا ہے کہ الفاظ کے غلط معنی لیں اور اپنے فرائض سے کنّی کاٹنے کا بہانہ ڈھونڈیں۔ بے شک دعوتِ حق کی آخری منزل یہی ہے کہ قوت و اقتدار کے کلیدی مناصب پر اہلِ حق کا قبضہ ہو وہ اہلِ حق جو عدل و امانت اور ادائے فرض کی راہ میں تھکنا نہ جانتے ہوں، جو عوام سے اپنی نہیں قانون کی تابعداری طلب کرتے ہوں اور یہ قانون ہر طرح کے ناروا تعصبات اور سقم و نقص سے بالاتر رہ کر انسانوں کو انسانوں کی طرح زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھاتا ہو۔

لیکن اس منزلِ دشوار تک پہنچنے کے لئے جو بے شمار درمیانی مراحل ہیں ان میں سے ہر ایک بجائے خود ایک اہم تر مقصد و منزل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہندوستان کی امتِ مسلمہ جس ماحول میں زندگی گذار رہی ہے، جس طرح کے نازک مسائل کا اسے سامنا ہے، دشواریوں کے جو پہاڑ اس کی راہ میں حائل ہیں، جس طرح کے سیاسی و عمرانی حالات نے اس کے گرد گھیرا ڈالا ہے، جارحیت اور دست درازی کے جو ناوک قدم قدم پر اس کے دل و جگر میں ترازو ہوتے جا رہے ہیں، بلندیوں کی سمت جست لگانے کی بجائے تباہی کی گہرائیوں سے خود کو بچانے کے لئے اسے جتنی کچھ جدوجہد کرنی ہے اور سیاسی و سماجی ناانصافیوں کی بھڑکتی ہوئی آگ سے جس طرح اسے اپنے خرمنِ حیات کو بچانا دشوار تر ہو رہا ہے۔ اس کے پیشِ نظر کون تصور کر سکتا ہے کہ جب اس کے بعض افراد دعوتِ حق اور اقامتِ دین کے الفاظ بولیں گے تو ان کا منشا پہلی ہی جست میں حکومتِ الٰہیہ قائم کرنا ہوگا۔ نہیں نہیں نہیں۔ یہ الفاظ تو صرف سمتِ منزل کا تعین کرتے ہیں۔ ان کا منشا بحالاتِ موجودہ صرف یہ واضح کرنا ہوتا ہے کہ ہمارا اندازِ فکر، ہمارا معیارِ عمل، ہماری سیاست ہماری جدوجہد کا رخ دوسروں کے مقابلے میں کیا امتیاز رکھتا ہے۔ ہمارے لینے دینے کے پیمانے کیا ہیں، ہم کن اصول و اقدار پر ایمان لائے ہیں۔ ہمیں جنگاہِ زندگی میں کن ہتھیاروں سے لڑنا اور کس طرز و انداز سے حملوں کی مدافعت کرنا ہے۔ زیادہ صاف الفاظ میں یوں سمجھئے کہ یہ الفاظ ہمارے مرکزی فکر کا آئینہ ہیں جن کے ذریعہ ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جب معرکۂ حیات میں طرح طرح کے مسائل ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور گام گام پر نظریات و مفادات میں تصادم ہوگا تو ہم فیصلے کا حق نہ تو قومیت کو دیں گے نہ وطنیت کو نہ کمیونزم کو جج بنائیں گے نہ کسی اور ازم کو بلکہ ہماری گردن اس آئینِ حق کے سامنے جھکے گی جو تمام عالمِ انسانی کے لئے سب سے بہتر محکم اور سب سے بڑھ کر راہنما ہے۔ اس ذہنیت اور طرزِ فکر کو ظاہر کرنے کے لئے ہماری ملی تاریخ نے یہی الفاظ ہمیں دیئے ہیں۔ انھی کو ہمارے اسلاف استعمال کرتے رہے ہیں اور ان سے کسی کو وحشت یا غلط فہمی نہ ہونی چاہئے۔

وہ برادرانِ اسلام جنھوں نے دانستہ یا نادانستہ ان الفاظ کا مضحکہ اڑایا ہے، ان کے قائلین سے دشمنی باندھی ہے، انھیں طرح طرح کے غلط معانی پہناتے ہیں اگر آج بھی اپنی روش پر نظرِ ثانی کر لیں، آج بھی اپنے فکر و نظر کی زمام نفس کی بجائے قلب و ضمیر کے ہاتھ میں دیدیں اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو یاد کریں کہ اس امت کا آخر بھی اُسی سے سدھرے گا جس سے اس کا اوّل سدھرا تھا تو اخوت و تعاون کی ایک پاکیزہ

بنیاد ہاتھ آسکتی ہے اور ایک دوسرے کا منہ نوچنے والے ملی گروہ ایک دوسرے کے گلے مل سکتے ہیں۔ قوم پرستی، وطن پرستی اور ہر طرح کی دنیا پرستی کا کافی تجربہ ہو چکا۔ ان سب ظاہر فریب اور گمراہ کن پرستشوں نے ہمیں پامالی و انتشار کے سوا کچھ نہ دیا۔ ہم سے وہ سب کچھ بھی چھین لیا جسے بچانے کے لئے ہم نے ان کا قلادہ اپنی گردنوں میں ڈالا تھا۔ ہم حیرانی و ہلاکت کے ایک ایسے میدان میں کھڑے ہیں ـــ جہاں چاروں طرف کے تیر ہمارے ہی زخمی جسم میں پیوست ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمیں دنیا میں بھی کچھ نہ ملا اور آخرت کے لئے بھی کوئی سرمایہ جمع نہ کر سکے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر ہم اپنے ایمان و دین کا منہ چڑانے والے جدید نظریات و افکار کے پیچھے دوڑنے کے عوض پونے چودہ سو برس پیچھے لوٹ جاتے اور تنکے کی طرح بہنے کی بجائے دھارے کا رُخ موڑنے کی سعی و کوشش کرتے تو خسارے اور زبوں حالی کا انبار اتنا بلند نہ ہوتا جتنا آج ہے۔ ہمیں پونے چودہ سو برس پہلے جو سبق دیا گیا تھا اس کا تو طرۂ امتیاز ہی یہ ہے کہ صرف جیت ہی میں جیت نہیں ہوتی ہار میں بھی جیت ہوتی ہے اور غازی کے لئے جو بلند مقام عزت ہے اس سے کچھ بڑھ کر ہی مقام و منزلت شہید کے حصے میں آتی ہے۔

بھائیو، بزرگو اور دوستو! میری اس طول بیانی کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ جماعت اسلامی یا کسی اور خاص جماعت میں شریک ہو جانا ہی واحد راہِ نجات ہے۔ یہ منشاء بھی ہرگز نہیں کہ تم اپنے سارے ہی جزوی اختلافات ختم کر کے مکمل یکسانیت کی تلاش میں نکل کھڑے ہو۔ نہیں یہ کبھی نہیں ہوا۔ کبھی نہیں ہو گا۔ فروعی اختلاف زندگی کی رنگارنگی کا مظہر ہیں، ان کو مکمل یکسانیت کے سانچے میں ڈھال دینا قیامت سے پہلے ممکن نہیں ہے۔ نہ کسی ایک جماعت کو سراپا حق ٹھیرا کر اسی کی شرکت و تعاون میں فلاح و نجات کو منحصر کیا جا سکتا ہے۔

البتہ یہ ضرور ممکن ہے کہ تم پُر خلوص اختلاف اور عناد و منافست کے درمیان حدِّ فاصل قائم کرو۔ تم موجودہ افتراق و تشتت کو اتحاد و تعاون کی اسپرٹ سے بدلو۔ تم تنگ دلی کو وسیع القلبی سے، تنگ نظری کو رواداری سے، تعصب کو اخلاص سے اور نفس پرستی کو حق پرستی سے تبدیل کرنے کی کوشش کرو۔ تم اگر متحد ہو، تمہارے قلوب جڑے ہوئے ہوں، تمہاری اسلامی اخوت زندہ ہو، تم اعتدال و انصاف کے شیدائی ہو اور تمہارے پیش نظر اپنی سب سے قیمتی متاع ـــ دین و ایمان ـــ کی حفاظت ہو تو یقین کرو کہ باطل اپنی تمام تر شوکت و سطوت کے باوجود تم سے جیت نہیں پائے گا۔ تمہارے تمام اُلجھے ہوئے مسائل حل ہو جائیں گے، تمہیں صرف آخرت ہی نہیں دنیا بھی ملے گی۔ خدا کا وعدہ غلط نہیں ہو سکتا۔ انتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ مومنین کی شان اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ وہ آپس میں بے حد رحیم و کریم ہوتے ہیں اور طاغوت کے مقابلے میں شدید تر۔ تم اس کا بالکل عکس ہو۔ تم آپس میں سخت گیر و تنگ دل ہو اور طاغوت کے مقابلے میں سراپا نیاز و اطاعت۔ یہ شان مومنوں کی نہیں گمراہوں کی ہے اور گمراہی کا حاصل کم سے کم تمہارے حق میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ دنیا بھی جائے اور دین بھی۔ تم نے دامن تو اسلام کا پکڑا ہے لیکن کفش برداری کر رہے ہو ان نظریات و اعمال کی جو سرے سے اسلام کی نفی کرتے ہیں۔ اس نفاق کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ نہ خدا ہی ملے نہ وصالِ صنم نہ ادھر کے رہو نہ اُدھر کے رہو۔

راقم الحروف کو یہ احساس ہے کہ تمہید ضرورت سے زیادہ لمبی ہو گئی اور اصل مضمون سے پہلے انھیں کافی خشک باتیں خواہ مخواہ سننی پڑیں، لیکن یہ سمع خراشی صرف یہ بتانے کے لئے کی گئی ہے کہ پیش نظر مضمون کا منشاء بحث و مناظرہ کی محفل سجانا نہیں، بلکہ ہمدردانہ افہام و تفہیم کے ذریعہ اُس باہمی رفق و محبّت کو حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جسے بدقسمتی سے ہم نے اپنے ہی ہاتھوں کھو دیا ہے اور اب زندگی کے نقار خانے میں ہماری آواز طوطی کی صدا سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہم اُس ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانے ہیں جس کا دھاگہ زمانے کے کام آ گیا ہے۔ ہم اُس مضبوط رسّی کے بکھرے ہوئے ریشے ہیں جو بکھرنے سے پہلے ناقابلِ شکست تھی، لیکن آج بکھرنے کے بعد اس کا ہر ریشہ ایک طفلکِ شیر خوار بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیتا ہے۔ ہیہات ثم ہیہات۔

مضمون کے عنوان کی ذمہ داری صاحب مضمون پر نہیں راقم الحروف پر ہے۔ جماعت اسلامی کے کاز اور دعوت کو ناکام بنانے کی

ہم میں سابق امیر جماعت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو اتنا زیادہ ہدفِ ملامت اور نشانۂ سب وشتم بنایا گیا ہے کہ جیسے دعوتِ حق اور اقامتِ دین کا آوازہ اس شخص کی کوئی نرالی بدعت ہو اور اس ابتداع کے جرم میں اسے زیادہ سے زیادہ سزا دینے میں دریغ نہیں کرنا چاہئے - یہ مخالفت اکثر و بیشتر ذاتی عناد کی شکل اختیار کر گئی ہے اور بعض مراحل میں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے موصوف کی ہر ہر بات میں کیڑے نکالنا اور ہر ہر کام کو مبنی بر گمراہی قرار دینا ہی مخالفین کی تگ ودَو کا تمام تر حاصل وصول ہے - لہٰذا ہمیں مناسب معلوم ہوا کہ "جماعت اسلامی" کی بجائے اس قضیۂ نامرضیہ کا مرکزی کردار مولٰنا مودودی کو قرار دیں - کوئی شک نہیں کہ مولانا مودودی اپنی ذاتی وشخصی حیثیت میں اس سے زیادہ کسی دلچسپی کا مرکز و مرجع قرار نہیں دیئے جاسکتے کہ وہ ایک مسلمان ہیں اور ہر مسلمان دوسرے مسلمانوں کا بھائی ہے - لیکن جماعت اسلامی کے امیر و مؤسس کی حیثیت میں ان کی ذاتِ گرامی بالیقین بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور ان کے قلم نے دین کی جو خدمات انجام دی ہیں ان کے پیشِ نظر ناممکن ہے کہ جن لوگوں کو دین سے شغف اور اسلام سے شیفتگی ہو وہ ان کی ذات سے خصوصی دلچسپی نہ لیں - ہمیں تسلیم کہ اصول ونظریات بہت بڑی اہمیت — بلکہ تمام تر بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں اشخاص وافراد کی کوئی اساسی اہمیت نہیں لیکن عملی نقطۂ نظر اور تاریخی نہادیۂ نگاہ سے جانچ پڑتال کی جائے تو واضح ہوگا کہ بہتر سے بہتر اصول ونظریات اپنے اظہار اور اپنی کارفرمائی میں اشخاص وافراد ہی کے محتاج رہے ہیں اور شایانِ شان افراد میسر نہ آنے پر لعل وجواہر سے زیادہ قیمتی نظریات واصول بھی گرد وغبار کے انبار میں دبتے چلے گئے ہیں اور زندگی کے بازار میں ان کی کوئی قیمت نہیں اٹھی ہے - اس کی سادہ سی مثال اُس بجلی گھر میں ملتی ہے جسے ماہرِ فن انجینیروں نے دیو ہیکل مشینوں سے آراستہ کیا ہو - برقی قوت بلاشبہ تمام تر بنیادی اہمیت رکھتی ہے اور جو بے شمار منافع برقی قوت کے استعمال سے دنیا کو حاصل ہوتے ہیں وہی لوگوں کی ساری دلچسپیوں کا اصل مرکز ومرجع ہیں، لیکن کیا حقیقت یہ نہیں ہے کہ انجینیروں کے دل ودماغ اور دست وبازو اگر سلیقے اور مہارت کے ساتھ اس برقی قوت پر کنٹرول نہ کرتے اور اس کنٹرول کے عمل میں کام نہ آنے والی مشینوں کے ایک ایک کل پرزے کو اس کے ٹھیک مقام پر نہ لگاتے تو یہ برقی قوت کسی کو ذرا بھی نفع نہ پہنچا سکتی؟

اگر نہیں پہنچا تی اور یقیناً نہیں پہنچاتی تو ایسا ہی رشتہ نظریات واصول اور افراد واشخاص کے درمیان ہے - مفید نظریات واصول کی قرار واقعی افادیت کا انحصار ہمیشہ سے اشخاص وافراد ہی پہ رہا ہے اور جب کبھی موزوں تر افراد کا فقدان ہوا ہے نظریات واصول کی افادت اور کارفرمائی میں انحطاط آتا چلا گیا ہے —— اب آپ مضمون ملاحظہ فرمائیں :-

عامر عثمانی

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے خلاف ماضی قریب میں جیسی کچھ ہنگامہ آرائیاں صحافت، خطابت اور افتاء کے میدانوں میں ہو چکی ہیں ان کے تکلیف دہ تفصیلی تذکرے سے میں آپ کا وقت ضائع نہیں کروں گا - حالات کی تبدیلی نے یہ ہنگامہ اب سرد کر دیا ہے اور اگرچہ اس کی صدائے بازگشت کسی نہ کسی گوشے سے اب بھی کبھی کبھی سنائی دیتی رہتی ہے، لیکن من حیث المجموع وہ شور وغوغا نہیں رہا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دے - عین ممکن ہے کہ ٹھیراؤ اور امن کی موجودہ فضا میں اُن سابقہ اختلافات کی حقیقت و نوعیت پر ٹھنڈے دل سے سنجیدہ گفتگو کی جاسکے جن کا وجود ہم برادرانِ اسلام میں تناؤ، انتشار اور کشمکش کا باعث بنا رہا ہے اور جن کی وجہ سے اصلاحِ امّت اور اعلائے کلمۃ الحق کا مقدس فریضہ اس حد تک ادا نہ ہو سکا جس حد تک اسے ادا ہونا چاہئے تھا - میں جو کچھ سپردِ قلم کر رہا ہوں نیا نہیں - میرا ارادہ ہے کہ مولٰنا مودودی اور جماعت اسلامی کے خلاف جو طرح طرح کے ایرادات واشتباہات اور الزامات واتہامات پھیلائے جاتے رہے ہیں ان میں سے بعض کا تذکرہ کروں اور برادرانِ اسلام سے توقع کروں کہ وہ متانت کے ساتھ ان کے مالہٗ وماعلیہ پر غور فرمائیں گے اور اگر ان کا ضمیر سچ مچ یہ احساس دلائے گا کہ اختلافِ رائے کے محاذ پر ہم نے اعتدال، انصاف اور شریفانہ رواداری سے کام نہیں لیا ہے تو وہ ایک سچے مومن ومخلص کی طرح اپنے خیالات ومفروضات کی اصلاح فرمالیں گے -

جماعت اسلامی کو تباہ کرنے کے لئے اس کے مؤسس اور سابق امیر مولانا مودودی کو جس المناک اور تأسف انگیز مخالفانہ پروپیگنڈے کا ہدف بنایا گیا ہے وہ تاریخِ ملت کا ایک نہایت

رنجیدہ باب ہے۔ ان پر کئے گئے بے شمار گوناگوں اعتراضات میں معدودے چند ہی ایسے نظر آتے ہیں جنھیں علمی سنجیدگی کے ساتھ لائق توجہ سمجھا جائے اور جن کے متعلق یہ خوش گمانی ممکن ہو کہ معترضین کے ذہنوں میں یہ ازراہِ خلوص ہی ابھرے ہیں اور سچ مچ یہ ایسے ہیں کہ دین وملت کے دردمندوں کا انسے متوحش ہونا بے جا نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے علاوہ اعتراضات و الزامات کا جو اونچا انبار نظر آتا ہے وہ صریحاً ایسا ہے کہ جو بھی غیر جانبدار مبصر ان کا جائزہ لے گا۔ یہ فیصلہ کئے بغیر نہ رہے گا کہ یہ متاعِ کاسد لوگوں کے ذہنی تعصبات، نفسانیت، خوف آخرت سے لاپروائی اور تخریبی ذہنیت کی پیداوار ہے۔

میں اوّل الذکر اعتراضات کو انشاء اللہ تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے رکھوں گا اور جو جوابات مولانا مودودی یا ان کے کسی حامی و ناصر کی طرف سے دیئے گئے ہیں انھیں بھی نقل کروں گا اور ساتھ ہی اپنی ناقص رائے بھی ہدیۂ ناظرین کروں گا تاکہ بحث کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے، لیکن اس سے قبل میں وہ چند نمونے آپ کے آگے رکھنا چاہتا ہوں جن سے یہ واضح ہوگا کہ دشمنی میں لوگوں نے کس بلا کی حد کی ہے اور جوشِ مخالفت میں عدل ودیانت کے تقاضوں کو کس بے تکلفی سے پامال کر ڈالا ہے۔ ان نمونوں کو منصفانہ نگاہ سے دیکھنے اور ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ اندازہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ عدل و مخالفت کا یہ سارا کھیل فی الحقیقت نفسِ امّارہ کی شر انگیزیوں کا مظہر اور شیطان کی فتنہ پردازیوں کا آلۂ کار ہے اور اگر اس کھیل میں واقعتہً ایسے اعتراضات بھی مولانا مودودی کے خلاف ہاتھ آگئے ہیں جنھیں وزنی قرار دیا جاسکے تو ان کی جڑیں بہرحال نفسانیت اور عناد ہی کی سرزمین میں پھیلی ہوئی ہیں (نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا)۔

نمونۂ اوّل

مرکزِ علومِ دینیہ دارالعلوم دیوبند کی عظمت و شہرت کسی تذکرے کی محتاج نہیں۔ واقعتہً یہ ایک ایسی درسگاہ ہے جسے ملتِ اسلامی کے لئے خیر و برکت کا ملجا اور علم وفضل کا مرکز و ماویٰ کہنا غلط نہ ہوگا۔ اس کے آغوشِ تعلیم و تربیت سے بڑے بڑے ائمۂ علم و فن پیدا ہوئے ہیں۔ اس نے عزیمت وحقانیت کے کتنے ہی ماہ و نجوم کو اپنے افقِ زرنگار سے طلوع کیا ہے اور اس کے حق میں جتنے بھی کلماتِ خیر کہے جائیں بے محل نہ ہوں گے۔ ایسی بے مثال درسگاہ دینیہ سے جتنی ایمان افروز اور ہدایت آمیز رہنمائی کی توقع کی جائے کم ہے۔ خصوصاً اس کے دارالافتاء کو تو دنیا کا ذمہ دار ترین ادارہ ہونا چاہئے اور اس کے صدر مفتی کے طرّۂ علم و تبحر اور عدل و دیانت کو اتنا اونچا نظر آنا چاہئے کہ سارا عالم اس کے آگے عقیدت کی گردن جھکانے پر مجبور ہو۔

لیکن جب جماعت اسلامی کی مخالفت میں انکی روش دیکھتے ہیں تو دل خون ہوجاتا ہے اور آنکھیں فرطِ حیرت سے پھٹی رہ جاتی ہیں۔

ایک خاصا طویل فتویٰ "آئینۂ تحریک مودودیت" کے نام سے شائع کرکے ہندو پاک میں مفت تقسیم کیا گیا۔ اس پر صرف صدر مفتی صاحب کی تصدیق ثبت ہے، بلکہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بیس بائیس علماءِ کرام تصدیقی دستخط زینت افروز ہیں۔ اس میں بانی تحریک یعنی مولانا مودودی کو ضال و مضل ثابت کرنے کے لئے لکھا گیا:۔

> "بانی تحریک نے ایک اصول اور بھی ایجاد کیا ہے جو سب سے زیادہ خطرناک ہے جو ذیل میں درج ہے، ملاحظہ ہو:۔
>
> بہرحال ایک بااصول جماعت ہونیکی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر ہم ان اصولوں کی قربانی کرنا گوارہ کرلیں جنپر ہم ایمان لائے ہیں۔"

اس کے بعد نتیجہ اخذ فرماکر "نئے مجتہد اور مجدد" کے طنزیہ الفاظ کے ساتھ جو کچھ ارقام کیا ہے وہ یہ ہے:۔

> "اس قانون کی بناء پر ہر ایمانی اصول وقتی مصلحت پر قربان ہوسکتا ہے۔ اس اعتبار سے اصول دین کی جو صورت ہونی چاہئے وہ ظاہر ہے۔ نئے مجتہد و مجدد کا اجتہاد اور اس کی تجدید دین کا ثمرہ یہی ہے۔"
>
> (آئینۂ تحریک مودودیت ص۵۱، ۵۲)

دارالعلوم دیوبند کی عظمت و شہرت کے پس منظر میں جن
لوگوں نے ان عبارتوں کو پڑھا ہوگا ظاہر ہے کہ ان کے قلوب
میں مولانا مودودی کے لئے سوءِ ظن کی بھٹی جل اٹھی ہوگی۔
پھر اسی بھٹی کو مزید ہوا دینے کے لئے دیوبند ہی سے شائع شدہ
کتاب " فتنۂ مودودیت" میں بھی مولوی نذیرالدین صاحب
نے انھی باتوں کو دہرایا اور اس طرح ایک سو فیصدی جھوٹی
بات مولانا مودودی سے منسوب کردی گئی جیساکہ ابھی
آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

جس گمراہ کن اصول کو مولانا موصوف سے منسوب کرکے
ہولناک نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ ماہنامہ ترجمان القرآن جلد ۲۷
شمارہ ۳ و ۴ میں رسائل و مسائل کے ذیل میں بیان ہوا ہے اور رسائل و
مسائل کے نام سے شائع شدہ مجموعۂ جوابات کے حصہ اول میں صفحہ ۵۱۳
پر نقل بھی ہوچکا ہے۔ بس فرق ہے تو اتنا کہ مولانا مودودی نے تو
"ناممکن" لکھا تھا اور معترضین نے اسے "ممکن" بناکر پروپیگنڈے کی
سان پر چڑھادیا۔ کہنے کو حذف صرف ایک دو حرفی لفظ "نا" ہوا
ہے، لیکن مطلب جس طرح الٹ گیا وہ سب کے سامنے ہے۔

معترضین کہہ سکتے ہیں کہ ہماری نظر چوک گئی۔ یا ہم نے
براہِ راست نقل نہیں کیا اور جہاں سے نقل کیا وہاں کاتب نے
"ناممکن" نہیں ممکن ہی لکھا تھا۔ لیکن اس طرح کی معذرت اوّل تو
فتنۂ مودودیت" کے فاضل مصنف مولوی نذیرالدین صاحب کے
یہ ارشاد فرمانے کے بعد کہ:-

"مودودی صاحب کا لٹریچر بندے نے بغور دیکھا اور
حسب استطاعت خوب سمجھا۔"

بے حد مشکوک ہوجاتی ہے دوسرے اس سے دارالعلوم کے
صدر مفتی اور کتاب کی توثیق کرنے والے بیسیوں محترم علماء و فضلا
کے احساسِ ذمہ داری کی جو المناک تصویر بنتی ہے وہ عدل و دیانت
کا کلیجہ شق کرنے کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ ایک بڑی جماعت
اور بڑی شخصیت کے خلاف فتاویٰ تحریر فرمانے سے قبل ـــــ اتنی
زحمت تو بہرحال اٹھانی ہی تھی کہ اس کے لائقِ اعتراض فقروں کو
ان کے مناسب محل پر دیکھ لیا جائے۔ کسی ذمہ دار جج کے بارے
میں ہم نے نہیں سنا کہ اس نے اصل ماخذ کو دیکھے بغیر محض وکیلِ مخالف
کے پیش کردہ اقتباس پر کسی اہل قلم کی کلائیاں توڑ دینے کا فیصلہ
صادر کردیا ہو۔ ذمہ دارانہ اظہارِ خیال اور عدل و دیانت کا ابتدائی
تقاضا یہ تھا کہ مذکورہ عبارت کو اسی جگہ سے نقل کیا جاتا جہاں ملزم
نے اسے لکھا ہے۔

تیسرے چلئے یہ عذرِ بارد بھی مان لیا۔ لیکن اس عذر سے
کیا اس ظلمِ عظیم کی تلافی ہوسکتی ہے جو ایک معروف شخصیت کیخلاف
کذب و افتراء کے اس مکروہ اقدام کے ذریعہ ارتکاب میں آچکا
ہے۔ مفت تقسیم کی ہوئی کتاب کے ذریعے ہزاروں لوگوں میں مولانا
مودودی کی ہوا خیزی ہوگئی۔ ان کی دینی و علمی ثقاہت کو مجروح
کردیا گیا جس کے نتیجے میں نئے نئے مخالف حلقے پیدا ہوئے اور
سابق حلقوں کی مخالفت میں دہ درده اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کی
ذمہ داری سے بَری ہونے کا طریقہ کیا یہی ہے کہ گرفت میں آجانے
پر فتویٰ دینے اور اس کی تصدیق کرنے والے حضرات دو چار
آدمیوں کے سامنے یہ کہدیں کہ ہم سے سہو ہوگیا یا جہاں سے ہمنے
نقل کیا وہاں کاتب نے غلط نویسی کی تھی۔ بس بات آئی گئی ہوئی۔
یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک شخص سیکڑوں ٹن پٹرول کی ٹنکی میں جلتی ہوئی
تیلی ڈالدے جس سے نہ صرف ہزاروں روپے کا پٹرول بھسم ہوجائے
بلکہ دور دور تک آگ لگتی چلی جائے اور صدہا مکانات خاکستر
ہوجائیں۔ پھر اس کی گرفت کی جائے تو یہ نہایت معصومی سے یہ کہہ کر
الگ ہوجائے کہ میں نے تو اسے پانی کی ٹنکی سمجھا تھا!

مفتی اور مصدق حضرات کو سوچنا چاہئے کہ اگر ارادۃً انھوں
نے ناممکن کو ممکن نہیں بنایا ہے اور سچ مچ وہ نادانستگی میں مولانا
مودودی سے ایک بالکل برعکس عبارت منسوب کرگئے ہیں تو
کیا اس بے ارادی افتراء اور نادانستہ قصور کی تلافی میں
ان کا یہ فرض نہیں ہے کہ جن جن حلقوں میں ان کے ذریعہ یہ
کذب و افتراء پھیلا ہے وہاں خود انھی کے قلم اور انھی کی
جدوجہد سے اس کی تردید بھی ہوجائے اور ان کی پیدا کردہ
بدگمانی جن لوگوں نے گرہ میں باندھ لی ہے انھیں اطلاع مل
جائے کہ کم سے کم اس الزام و اعتراض کی حد تک مولانا مودودی
بے قصور ہیں۔

ضرور ان کا یہی فرض تھا اور وہ خود بھی اسے محسوس

فرماتے اگر حقوق العباد کی شرعی حدود و قیود اور عدل و دیانت کے نازک تقاضوں پر توجہ کرنے کا موقع انھیں ان کی بیش بہا مصروفیات دے سکتیں لیکن رنج اور عبرت کا مقام ہے کہ انھوں نے اپنی ذمّہ داری سے دانستہ یا نادانستہ پہلو تہی کی اور ایک سر تا پا غلط اتہام کے ذریعہ کدورت و استکراہ کی جو غلاظت ان کے سہو نے چاروں طرف پھیلا دی تھی اس کے احتساب و مسئولیت کا خطرہ آخرت میں ان کے لئے باقی رہا اور جتنا زیادہ فروغ اس غلاظت سے ذہنی بیماریوں کو ملا ہوگا اور آئندہ ملے گا اس کی بھی ذمّہ داری میں یہ عند اللہ برابر کے شریک ہوتے جائیں گے۔ اللھم حفظنا۔ (باقی آئندہ)

اساسِ دین کی تعمیر | مولانا صدر الدین اصلاحی کی مشہور کتاب جو دین کے بنیادی اُمور پر ایمان افروز تفصیلات پیش کرتی ہیں۔ مجلّد ساڑھے تین روپے۔

امام ابنِ تیمیہؒ | افضل العلماء مولانا محمد یوسف کوکن عمری کی معرکۃ الآراء کتاب۔ امام العارفین شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے علم و فضل، عزیمت و حمیت اور مجددانہ کارموں کا سیر حاصل تذکرہ، جس پر مارچ کے تجلّی میں تبصرہ ہوا ہے۔ قیمت مجلّد دس روپے۔ مجلّد اعلیٰ گیارہ روپے۔

ابنِ ماجہ اور علمِ حدیث | "ابن ماجہ" صحاح ستہ کی وہ قیمتی کتاب ہے اس کے جامع ابن ماجہؒ بڑے پائے کے محدث گذرے ہیں ان کی تفصیلی سوانح کیساتھ اس کتاب میں تدوین حدیث کی مفصل تاریخ اور ان جاں فشانیوں کی روداد پیش کی گئی ہے جو محدثین نے جمع حدیث کے سلسلہ میں کیں کثیر معلومات کا خزانہ۔ مجلّد آٹھ روپے۔

غنیۃ الطالبین (عربی اُردو) مع فتوح الغیب | یہ شاہ عبد القادر جیلانیؒ کی مشہور زمانہ کتاب اب اُردو داں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ایک کالم میں عربی متن دوسرے کالم میں ترجمہ۔ دو ضخیم جلدوں میں مکمل تین روپے۔

تاج کمپنی پاکستان کے چند تحفے

قرآن الف/۸۰ مترجم | ترجمہ شاہ عبد القادرؒ۔ کاغذ عمدہ سفید۔ چھپائی دو رنگی عکسی جلد عمدہ آرٹ کلاتھ۔ نہایت دل کش اور حسین۔ ہدیہ سولہ روپے۔

قرآن ۶۱ | دو ترجمہ والا۔ پہلا ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ۔ دوسرا ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ بڑی تقطیع۔ ضخامت ۶۹۲ صفحے کاغذ بڑھیا سفید، چھپائی دو رنگی عکسی، زمین سبز بہت حسین۔ مجلّد عمدہ۔ ہدیہ تیئس روپے۔

حمائل الف/۳۵ مترجم | مشہور ترجمے "فتح الحمید" پر اختصار شدہ تفسیر موضح القرآن کا حاشیہ چھپائی دو رنگی۔ ہدیہ مجلّد تیرہ روپے۔

حمائل ۱/۱۲ مترجم | ترجمہ شاہ عبد القادرؒ۔ تقریباً جیبی سائز ھدایہ نو روپے

حمائل ۲/۲۶ بلا ترجمہ | جلد خوشنما پلاسٹک کور جیبی سے کچھ بڑی (ناول سائز) بہت ہی نفیس اور روشن لکھائی۔ ھدایہ پانچ روپے۔

قرآن ۱/۴ بسم اللہ غیر مترجم | دس انگل لانبا۔ سات انگل چوڑا نہایت خوبصورت سائز نفیس چھپائی شگفتہ حروف واضح اعراب۔ ہدیہ پانچ روپے۔

حمائل ۲۴ غیر مترجم | جیبی سائز۔ ننھی سی ہونے کے باوجود لکھائی صاف موتیوں جیسی۔ ہدیہ تین روپے

حمائل ۳۹ غیر مترجم | ننھا منّا سا عجیب تحفہ۔ چار انگل چوڑی پانچ انگل لانبی۔ ہر سطر کے درمیان لائن۔ اتنی چھوٹی حمائل میں اس قدر روشن اور صاف حروف آپ بغیر دیکھے شاید تصور بھی نہ کر سکیں۔ ہدیہ ساڑھے چار روپے

نوٹ: آپ جانتے ہی ہیں پاکستانی کتب کا بڑا ذخیرہ جمع کرنا مشکل ہے۔ بس جو کچھ آ گیا غنیمت سمجھئے۔ دیر میں آرڈر دینے پر ہو سکتا ہے تعمیل ممکن نہ رہے۔

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

(از محمد سلیمان فرخ آبادی)

آداب شب و روز

تصورِ حیات اگر یہ ہے کہ

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

وہ دن کی ہر یہ زندگی اسے جان ہی بول لے،

اور اب تو آرام سے گذرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے، تو ہمارے شب و روز بھی اس کے عکاس ہوں گے، ہمارا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا ہماری رفتار گفتار، ہماری دوڑ دھوپ ہماری تگ و دو ہماری سعی و جہد اور ہماری پبلک زندگی کے تمام گوشے ہماری پرائیویٹ زندگی کے تمام زاویئے، ہماری معاشرت، معشیت، اور سیاست، غرض کہ ہمارا سراپا اور ہمارا سب کچھ لہو و لعب اور عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا ہوگا۔ لطف اندوزی ہمارا وطیرہ اور لذتیت ہمارا شیوہ ہوگا۔

ہماری مثال اس جانور کی ہوگی جو چراگاہ میں ہر طرف منہ مارنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہو۔ ہماری مثال اس بدمست شرابی کی ہوگی جو نشے میں چور ہو کر ہوس رانی کے لئے ہر قاعدے اور قانون سے آزاد ہو چکا ہو۔

اور اگر :-

تصورِ حیات گر یہ ہو کہ دنیا جنجال ہے، پاپ کی کٹیا ہے۔ گناہوں کی پوٹ اور فساد و شر کا بازار ہے، انسانیت کی نشو و نما اور روحانیت کی ترقی کے لئے اس سے پرہیز اور گریز ضروری ہے۔ تو آپ دیکھیں گے کہ دنیا کی چہل پہل مفقود ہو چکی ہے اور رونق بزم و انجمن کو گھن لگ گیا ہے، دنیا کا چمن اجڑا اجڑا نظر آئے گا۔ یہاں مفسدوں کا غلبہ اور شیطنت کا راج ہوگا۔ اور نسبتاً خیر پسند اور صالح لوگ آبادیوں کے بجائے ویرانوں، شہروں کے بجائے جنگلوں اور سرسبز و شاداب علاقوں کے بجائے پہاڑوں کی گپھاؤں میں جا بسیں گے۔

انسانی معاشرہ حیوانوں اور درندوں کا معاشرہ بنتا رہیگا زندگی ہر پہلو میں برائیاں جڑ پکڑتی رہیں گی، پلتی بڑھتی اور جوان ہوتی رہیں گی۔ پھولتی پھلتی اور پروان چڑھتی رہیں گی۔ اور نیک لوگ ویرانوں میں شکستہ مکانوں کے گوشوں میں جنگل کے گھنے کنجوں میں غاروں اور خندقوں میں خدا کی تلاش میں منہمک ہوں گے۔

اور اگر :-

تصورِ حیات یہ ہے کہ یہ دنیا عشرت کدہ نہیں، پاپ کا گھر بھی نہیں جس سے گریز ضروری ہو، بلکہ یہ دار العمل اور دار الامتحان ہے آخرت کی کھیتی ہے۔ انسان دنیا کو برتنے مٹانے اور سنوارنے آیا ہے۔ دنیا انسان کے لئے ہے اور انسان دنیا بنانے والے کے لئے ہے۔ کائنات کے مالک اور آقا کی مرضی پوری کرنا اور اسکے نائب اور خلیفہ کی حیثیت سے ایک امین کی پوزیشن میں رہتے ہوئے کاروبارِ دنیا کو سنبھالنا۔ اور علائق کو نبھانا انسان کا فریضہ ہے۔ تو انسان اپنے کو ایک ذمہ دار ہستی شمار کرے گا۔ مالک کائنات کے سامنے اپنے کو جوابدہ سمجھے گا زندگی میں ہر ہر قدم پھونک پھونک کر رکھے گا بلکہ ہر حرکت و جنبش سے پہلے وہ سوچ لے گا کہ میری بندگی کی حیثیت اور نیابت کی پوزیشن کے خلاف تو میری یہ حرکت و جنبش نہیں ہے؟ غرض کہ زندگی کے رُخ پر اس کے فکر و عمل "مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ" کے مظہر ہوں گے۔

ہر تصورِ زندگی کے مطابق اس کے حاملین کچھ رسوم و رواج کچھ طور طریق اور کچھ ایسے ذرائع و وسائل اختیار کرتے ہیں۔ جو ان کے ذہنوں پر اس تصورِ حیات کو تازہ اور زندہ رکھتے ہیں۔ مثلاً جو لوگ اس دنیا کو عشرت کدہ۔ تفریح گاہ اور بزم تعیش شمار کرتے ہیں وہ رات دن رنگ رلیوں کے ان تمام مشاغل میں مصروف رہتے ہیں، جو لطف اندوزی اور عیش کوشی کے لئے موجودہ تہذیب و تمدن اختراع کئے ہیں ـــــ اسی طرح جو لوگ دنیا کو ہا پاپ خیال کرتے ہیں اور اس سے گریز کو ضروری سمجھتے ہیں وہ دشت و جبل کے ویران حصوں میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں،

چنانچہ اسلام نے بھی ہمیں شب و روز کے لئے کچھ ایسے آداب دیئے ہیں جو اسلام کے تصور حیات کو اسلام کے پیروؤں کے ذہن میں ہر وقت تازہ اور زندہ رکھتے ہیں، دل و دماغ پر غالب رکھنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور رگ و پے میں سرایت کرنے کا تدریجی عمل انجام دیتے ہیں۔

یوں تو کائنات اور انسان کے آغاز و انجام اور "حیات دنیا" کے متعلق اسلامی تصور کو تازہ اور زندہ رکھنے کے لئے اسلامی عقائد پر غور و فکر کرتے رہنا، شعوری اور مقصدی نماز، فہم و تدبر کے ساتھ تلاوت قرآن، انبیاء علیہم السلام، حضور صلعم، صحابۂ کرامؓ اور بزرگان دینؒ کی سوانح اور سیر و توں کا مطالعہ، نیز زیارت قبور[۱] وغیرہ بہترین اور اولین ذرائع ہیں مگر شب و روز کے مختلف اوقات اور مواقع کے لئے جو اذکار نبی صلعم نے ہمیں سکھائے ہیں جنہیں میں آداب شب و روز سے تعبیر کر رہا ہوں، تصور حیات کے زندہ اور تابندہ رکھنے کے لئے بہت ہی عمدہ معاون، فرائض و واجبات کی خوشدلانہ ادائگی کے معین و محرک ہیں۔

(۱) دنیا کے دھندوں میں دن بھر مشغول و منہمک رہنے کے بعد آدمی جب رات کے اندھیرے میں قدم رکھتا ہے اور رات اُس کو سکون راحت کا پیغام دیتی ہے تو وہ استراحت کی خاطر بستر پر دراز ہوتا ہے اس وقت دن بھر کا اپنا محاسبہ اور صبح صادق سے لیکر (جب کہ ہم نے مجازی موت کے بعد مجازی زندگی حاصل کی تھی) اب تک کی حرکات و سکنات

[۱] فاضل مضمون نگار کو اور ہر مسلمان بھائی کو یہ غلط فہمی پہلی فرصت میں دور کر لینی چاہیئے کہ "زیارت قبور" بھی دینی تصورات کے نشو و نما اور زہد و عبادت کی ترغیب دہیاں کا کوئی معتبر ذریعہ رہگیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "زیارت قبور" سے روکدیا تھا اور پھر اُس وقت اس کی اجازت دی تھی جب معاشرہ اس حد تک شرک و توہم کی آلائشوں سے پاک ہوگیا تھا کہ اہل قبور کے بارے میں اہل ایمان واہی اور غالی عقیدتمندیوں کا وہم بھی نہ کر سکتے تھے۔ اب مدت سے وہی فضا وہی ماحول بلکہ اس سے بھی بدتر اور تاریک ماحول و فضا پیدا ہو چکے ہیں جن میں "زیارت قبور" سے روکا گیا تھا۔ اب قبروں پر موت کی یاد تازہ کرنے کوئی نہیں جاتا اور گورستان سے دنیا کی بے ثباتی اور اس کے نتیجے میں خواہشات نفسانی سے دستبرداری کا عزم لیکر کوئی نہیں لوٹتا بلکہ ابتو صاف طور پر قطعاً دوسرے ہی ناپاک ـــــ سر تا پا ناپاک مقاصد اور خواہشات لیکر قبروں کے طواف کئے جاتے ہیں۔ اب یہ قبریں اسلام کے بلند تصور توحید کے لئے مستقل چیلنج کا درجہ اختیار کر چکی ہیں۔ اب ان کی مٹی ذرے ذرے سے شرک و بدعت کے گھناؤنے جراثیم تقسیم ہوتے ہیں، اب یہ پتھروں کے بتوں کی طرح انسانی عظمت و شرافت اور خدائے بے ہمتا کی قدرت و یکتائی کا منھ چڑاتی ہیں، اب ان سے کھلی وابستگی اور دلچسپی تو کجا ان کے پاس بھی پھٹکنے کی جسارت کسی صاحب ایمان کو نہیں کرنی چاہیئے ان پر چلے کھینچکر ان کے طواف کرکے ان کے قدموں میں سرور گو کے ہمارے کئی خوش خیال بزرگوں نے مُردہ پرستانہ آئیڈیالوجی اور توہم زاد شاعری کو بہت سر چڑھا دیا ہے۔ یہ بزرگ اپنی تمام تر زہد کیشیوں اور روحانی بلندیوں کے باوجود آدمی ہی تھے۔ آدمی غلطی کرتا ہے۔ نیک لوگوں کے لئے شیطان کے حربے دوسری ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ ان بزرگوں کو شیطان نے انہی کے مزاج و مذاق کے شیشے میں اتار اور جھانسا دے گیا۔ اب ان کی تقلید اور استناد کے ذریعہ اس شیطان مکر دو غا کو حیات دوام حاصل نہیں ہونی چاہیئے۔ تم قبوری روایات سے دھوکہ مت کھاؤ۔ اول تو نوے فیصد روایات من گھڑت یا مبالغوں کا پلندہ ہیں دوسرے وہ کسی درجے میں درست بھی ہوں اور سچ مچ کسی بزرگ کو قبروں سے فیض و نور کے مینارے بھی بلند ہوتے نظر آئے ہوں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ ابلیس کی کارستانی نہیں ہوگی۔ ابلیس تو وہ بلا ہے کہ اس نے شاہ عبدالقادر جیلانی جیسے مرد مومن اور بطل توحید کو زمین سے آسمان تک نور کا بحر بیکراں دکھلا کر ہانک لگائی تھی۔

"عبدالقادر! تمہاری عبادتیں مقبول ہوئیں۔ تم بارگاہ ربانی میں برگزیدہ قرار پاگئے۔ تمہارے لئے اب شرعی پابندیاں کچھ ضروری نہیں۔"

خدا رحمت کرے اس بندۂ حق آگاہ پر۔ اسنے سوچا تھا۔

"اپنے سب سے بڑے پیغمبر کو تو اللہ نے شرعی قیود سے آزاد نہیں کیا پھر میری کیا ہستی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔"

اور یہ لاحول شیطان کے دل و جگر میں ایسا تیر بن کے ٹوٹی تھی کہ نور کا بحر بیکراں ہوا میں تحلیل ہو کے رہ گیا تھا۔

تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ فیض قبور اور کارسازی اہل قبور کے اثبات میں مشاہدہ و واقعات کے کوئی ہمالیہ جیسے انبار بھی لگا دے تو ان پر بھیجیے دو۔ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ـــــ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ ـــــ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور کارکردگی کا جائزہ لینا کہ کون کون سے کام میں نے ایسے کئے جو کرنے چاہئیں تھے اور جو اسلامی تصور حیات کے مطابق تھے تاکہ ان پر شکر ادا کرسکے اور مزید توفیق کے لئے بارگاہ رب العزت میں ہاتھ پھیلا سکے اور کون کونسی حرکات و سکنات ایسی سرزد ہوگئی ہیں جو اسلامی تصور حیات سے ٹکراتی ہیں اور جو آخرت میں مضر ہوں گی۔ تاکہ آئندہ ان سے پرہیز کرسکے۔

اپنی ایک ایک حرکت و سکون اور ہر ہر لمحہ کا پوری دیدہ ریزی سے روزانہ اگر جائزہ لیا جاتا اور محاسبہ کیا جاتا رہے تو یہی ایک چیز تیر بہدف نسخہ ثابت ہوسکتی ہے۔ اور ہمارا تصور حیات ہمارے ذہن و دماغ پر اس طرح چھا سکتا ہے کہ ہم اپنے شب و روز کے تمام اعمال میں اس کی گرفت اچھی طرح محسوس کرسکتے ہیں۔

(۲) سوتے وقت کے لئے نبی صلعم سے مختلف دعائیں منقول ہیں خلاصہ سب کا یہی ہے کہ مسلمان اپنا تصور حیات اور کائنات اپنی پوزیشن کو ان دعاؤں کے ذریعہ اپنے ذہن و دماغ پر تازہ کرتا رہے اور اپنے رب سے اپنے تعلق کو مضبوط تر کرتا چلا جائے۔ بندۂ مومن کے لئے لازم ہے کہ نبی صلعم سے جو دعائیں منقول ہیں ان میں سے کوئی نہ کوئی دعا، فہم و شعور کے ساتھ ضرور ورد زبان بنالے۔ حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم جب اپنے بستر مبارک پر تشریف لاتے تو یہ فرماتے باسمک اللّٰھم اَحْیَا وَ اَمُوْتُ (اے اللہ میں تیرے ہی نام سے اپنی بیداری اور نیند کی ابتدا کرتا ہوں) بیداری اور نیند کو زندگی اور موت سے تعبیر کرکے معنویت کا خزانہ اس دعا میں بھر دیا گیا ہے۔ یا مثلاً یہ مشہور دعا جو حضور صلعم سے منقول ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ تمام تعریفیں اور سارے شکریئے اس اللہ کے لئے ہیں جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے۔

(۳) اس طرح اپنے دن بھر کے کاموں کے جائزہ اور محاسبہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے تصور اور تذکر کے ذریعہ اسلامی تصور حیات اپنے ذہن میں تازہ کرکے جب ہم سوئیں گے تو امید ہے کہ ہر قسم کی بلاؤں اور آفات سے محفوظ رہیں گے اضغاث و احلام قسم کے واہیات و خرافات خوابوں سے بھی انشاء اللہ محفوظ رہیں گے اور پرسکون نیند سے مستفید ہوکر جب بیدار ہوں گے تو گویا ایک نئی زندگی کے مالک ہوں گے۔ اس وقت بھی ہمکو چاہیئے کہ فوراً آنکھ کھلتے ہی اپنے رب کو یاد کریں اور اپنا تصور زندگی تازہ کریں تاکہ دن کی مشغولیتوں اور مصروفیتوں میں منہمک ہوکر کہیں اپنے نظریہ حیات اور تصور زندگی کے خلاف کوئی حرکت سرزد نہ ہوجائے۔ حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم جب بیدار ہوتے تو فرماتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَیْہِ النُّشُوْرُ سب تعریفیں اور تمام شکریئے اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم کو (صرف مجھکو نہیں) مار ڈالنے کے بعد زندگی بخشی اور (حقیقی موت کے بعد) حساب کتاب کے لئے اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

(۴) یہ بات بھی آداب میں شامل ہے کہ ایک مسلمان جب بیدار ہو تو چونکہ مجازی موت کے باعث اس کے اور متعلقین کے درمیان ایک پردہ حائل ہوگیا تھا جسکی وجہ سے ان کو اسکی اور اس کو انکی خبر نہ رہی تھی، اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دوبارہ مجازی زندگی سے نوازا ہے تو اس کے لئے جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ وہاں اپنے متعلقین اور جو لوگ بھی وہاں موجود ہوں انکو سلامتی کا پیغام سنانا اور سلامتی کی دعائیں دینا بھی ضروری ہے اور یہ بھی ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ہی ہے، کہ اس نے حیات سلامتی بخشی ہے اور بطور احسان کرم فرمایا ہے تو اسے بھی دوسروں کا خیرخواہ ہونا چاہیئے اور یہی مطلب ہے تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کا کہ اللہ تعالیٰ کی عادتیں اپنے اندر پیدا کرو! غرض کہ بیدار ہونے پر ایک دوسرے کو بطریق مسنون سلام کرنا چاہیئے!

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔

وجہ بھی وہ ہے جسے اللہ کے کلام اور رسول اللہ کے قول و عمل نے مزین و مرتب فرمایا۔ اللہ کے رسول نے بے شک زیارت قبور کی اجازت دی تھی لیکن مقصد زیارت بھی صراحۃً فرمادیا تھا ـــ موت کی یاد اور اس کے نتیجے میں عمل نیک پر استقامت ـــ یہ مقصد صدیاں گذری شرک و بدعت کی لحد میں دفن ہوچکا اب اس اجازت کے حوالے سے "قبر بازی" کا جواز نکالنا ایسا ہی ہے جیسے دور رسالت میں عورتوں کی بے پردگی سے آج عورتوں کو بے پردہ پھرانے کا جواز نکالنا۔ بلکہ پردے کے معاملہ میں تو کچھ نازک بحثیں بھی ہیں مگر قبروں کے معاملہ میں بحث کی گنجائش ہی ختم ہوگئی۔ قبروں کی شرک نوازیوں میں کلام کرنا تو ایسا ہی ہے جیسے چلچلاتی دوپہر میں آپ سورج کی روشنی پر کلام کریں۔ اللھم احفظنا من وسواس الشیطان۔ (عامر عثمانی)

(۵) آدمی جب بیدار ہوگا تو پھر بستر سے نیچے اترے گا اور اپنے جوتے پیروں میں ڈالے گا اس وقت کے لئے اگرچہ کوئی کلمہ منقول نہیں ہے لیکن یہ مسنون ہے کہ پہلے دائیں پیر میں اور پھر بائیں پیر میں جوتا پہنا جائے۔ "جوتا پہننے" جیسے معمولی کام میں اس بات کا دھیان اور خیال رکھنا کہ پہلے دایاں پہنیں یا بایاں، انسان کی توجہ اس کے تصور زندگی کی طرف منعطف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں آزاد نہیں ہوں بے قید نہیں ہوں بلکہ میری زندگی پابند ہے میں بندہ ہوں اللہ کا میں پیرو ہوں اللہ کے رسول کا، میں نہ تو خود مختار ہوں اور نہ اللہ کے رسول کے علاوہ کسی اور کا متبع

(۶) اس کے بعد آدمی اپنا بستر تہہ کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک عام ادب اسلام نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہر بھلا کام بسم اللہ کرکے شروع کرنا چاہیئے اس سے بھی یہی مقصود ہے کہ ہمارا بندہ ہونا ہمیں ہر وقت واضح رہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ ہوتا رہے اس کی یاد ہمارے ذہن و خیال میں رچ بس جائے تاکہ ہم اپنی زندگی کے کسی کام میں من مانی نہ کرسکیں۔ لہذا ہمکو اپنا بستر بھی بسم اللہ کہکر تہہ کرنا چاہیئے!

(۷) بعد ازاں عام طور پر آدمی حاجت کے لئے جاتا ہے لوٹا وغیرہ اٹھاتا ہے پائپ یا نل یا گھڑے وغیرہ سے پانی لیتا ہے۔ لوٹا اٹھاتے اور پانی لیتے وقت اگر بسم اللہ کہلی جائے تو اچھا ہے۔ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پیر رکھے اور یہ دعاء فہم و شعور کے ساتھ پڑھے اللّٰھم انی اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِث اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں (چاہتی ہوں) گندگی سے اور اُن سے جو غلاظت پسند اور خبیث ہیں۔

گندگی خواہ وہ ذہن و خیال اور عقیدہ و مزاج کی ہو، یا بول و براز کی، دونوں انسان کے لئے مضر اور مہلک ہیں ایک اگر انسان کی انسانیت کے لئے سم قاتل ہے تو دوسری صحت کے لئے زہر ہلاہل کا اثر رکھتی ہے۔ کیونکہ گندگی، بدبو اور غلاظت سے انسان کا دماغ ماؤف ہو جاتا ہے اور اس مصیبت کے بعد انسان کی زندگی بیکار ہو جاتی ہے، بول و براز کی گندگی اگر انسان کے پیٹ میں رک جائے اور خارج نہ ہو یا خارج ہوکر ناک کے ذریعہ دماغ پر مسلط ہو جائے یا وہ بلائیں جو گندگی سے دلچسپی رکھتی ہیں انسان کو گزند پہونچائیں۔ یا انسان اپنی شرمگاہوں کا بندہ بن جائے تو ظاہر ہے کہ یہ انسان کی انسانیت کے لئے ایک بال اور مصیبت عظمیٰ سے کم نہیں ہے لہٰ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اللہ سے پناہ چاہنا اور یہ تصور کہ اللہ ہی ہر مصیبت سے نجات دے سکتا ہے تازہ کرلینا ضروری اور مفید ہے۔

(۸) بیت الخلاء سے پہلے دایاں پیر نکالے اور یہ دعاء فہم و شعور کے ساتھ پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ سار تعریفیں اور تمام شکریئے اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف و گندگی کو دور کردیا مجھے عافیت بخشی اس دعاء سے جہاں ایک طرف خدا کے لئے شکر کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے، وہیں یہ بات بھی ذہن پر تازہ ہوتی ہے کہ تکلیفیں دور کرنا اور مصیبتوں سے عافیت بخشنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے لہٰذا ہمیں ہر مصیبت میں اور ہر عافیت طلبی کے موقع پر اسی کو پکارنا چاہیئے!

(۹) حاجت سے فارغ ہونے کے بعد مسلمان وضوء کرتا ہے وضو میں ہر عضو پر دعائیں حضور صلعم سے نہیں بزرگوں سے منقول ہیں ان کا اہتمام اگر کیا جائے تو اس کا خیال رکھے کہ فرض یا سنت کا درجہ نہیں دیا جا رہا ہے؟ البتہ اگر ہر عضو کے دھونے پر بسم اللہ سے آغاز کرتا ہے تو اچھا ہے۔

وضوء سے فارغ ہونے پر یہ دعا مسنون ہے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اور اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ میں شہادت دیتا ہوں، (دیتی ہوں) کہ اللہ کے سوا کوئی [illegible] نہیں۔ اکیلا اور یکتا ہے وہ اور اس کا کوئی شریک بھی نہیں ہے۔ اور شہادت دیتا ہوں (دیتی ہوں) کہ محمد صلعم اس کے بندے رسول ہیں اے اللہ مجھے خوب توبہ کرنے والوں میں شامل فرما دے اور اے اللہ مجھے خوب پاک رہنے والوں کے زمرہ میں داخل کردے بظاہر دعاء کے صرف آخری حصے واجعلنی من المتطہرین کا تعلق سے معلوم ہوتا ہے کہ عملاً بندۂ مومن وضوء کرلے اور طہارت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آقا اور مولیٰ سے التجا بھی کرتا کہ مجھے پاک رہنے والوں کے زمرہ میں شامل فرما۔ لیکن یہ شہادت اور واجعلنی من التوابین کا ٹکڑا! بظاہر ان کا وضوء سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا مگر ذرا النظر کو عمیق کیجئے۔ بات فوراً سمجھ میں آتی ہے

وضو سے ظاہری طہارت حاصل ہو رہی ہے لیکن ایک بندۂ مومن صرف ظاہری طہارت پر تو اکتفا نہیں کرسکتا وہ الحاد، کفر اور شرک فسق و فجور وغیرہ، ذہن و خیال اور عقیدہ و عمل کی سب ہی گندگیوں سے بچنا اور محفوظ رہنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ کلمۂ شہادت کے ذریعہ اپنے ایمان اور اپنے تصورِ زندگی کو اپنے ذہن میں تازہ کرتا ہے اور اللہ تعالے سے التجا بھی بار بار کرتا ہے کہ مجھے توبہ کرنے والوں کے زمرہ میں اور سچی توبہ کرنے والوں کے گروہ میں شامل فرما!

(۱۰) وضو سے فارغ ہو کر مسلمان اگر نوافل کا وقت ہے تو نوافل پڑھتا ہے یا تلاوت کلام مجید کرتا ہے ورنہ وہ فرائضِ حیات کی بجا آوری کے لئے اپنے مکان سے باہر قدم رکھتا ہے اس موقع کے لئے بھی جناب نبی کریم صلعم سے دعائیں منقول ہیں۔ مثلاً بسم اللّٰہِ توکلتُ علی اللّٰہِ ولا حولَ ولا قوۃَ الا باللّٰہ۔ اللہ کے نام سے، میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اور نہیں کوئی قوت و طاقت (کسی مضرت سے بچانے کے لئے) اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر۔

آدمی کا گھر ایک طرح کا مامن ہوتا ہے۔ انسان کو اپنے گھر میں عافیت اور سکون حاصل ہوتا ہے لیکن یہ عافیت اور امن و سکون گھر سے باہر میسر آنا مشکل ہی ہے۔ لہٰذا گھر سے قدم نکالتے وقت اس ذات کا نام لینا جس سے ہر طرح کا امن وابستہ ہے اس ذات پر توکل کرنا جو ہر طرح کے نفع و نقصان کی مالک ہے اور جس کی یاوری کے بغیر آدمی نہ کوئی نفع حاصل کرسکتا ہے اور نہ کسی ضرر سے بچ سکتا ہے۔ بہت ہی مناسب اور ضروری ہے، اور مومن کے تصورِ حیات کو تازہ رکھنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ کیونکہ اگر تصورِ حیات ذہن پر تازہ نہ ہو تو قوی اندیشہ ہے کہ آدمی کو اپنے گھر سے باہر نکل کر جو ہزار قسم کے لوگوں اور ہزار قسم کے کاموں سے واسطہ پڑے گا ان میں وہ غلط رویہ اختیار کر بیٹھے اور صراطِ مستقیم سے ہٹ جائے

(۱۱) اس کے بعد مومن مسجد کا رُخ کرتا ہے اپنے مالک کے دربار میں داخل ہوتے وقت بھی اپنے تصورِ حیات کو تازہ کرتا ہے اور اپنے مالک سے التجا کرتا ہے اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھولدے۔ مومن کا عقیدہ ہے کہ ہر طرح کی نعمتیں اور رحمتیں اللہ سے اور صرف اللہ سے مل سکتی ہیں چنانچہ دربارِ خداوندی میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پیر رکھتا ہے اور موقع کی مناسبت سے اپنے مالک کی بے پایاں رحمتوں کا طلبگار ہوتا ہے۔

(۱۲) مسجد میں پہونچکر آدمی نماز، اذکار، توبہ، استغفار اور تلاوت وغیرہ کے ذریعہ اپنے عقائد کو جلا دیتا ہے اپنے مالک سے اس کی رحمتیں مانگتا ہے آداب بندگی بجا لاتا ہے۔ زندگی کے تمام مراحل میں اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا عہد کرتا ہے۔ غلامی و بندگی کی زندگی گذارنے کا اقرار کرتا ہے اپنے گناہوں اور تصوروں کی معافی چاہتا ہے، خدا کے قانون سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ اور پھر واپسی پر پہلے بایاں قدم باہر رکھتے ہوئے ایک بار پھر اپنے تصورِ حیات کے نقوش ذہن میں ابھار لیتا ہے کہ اگر کچھ مل سکتا ہے تو اسی ذات سے ہی مل سکتا ہے وہ کہتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے کہتا ہے۔ اللّٰھم انی اسئلک من فضلک اے اللہ میں تیرے فضل کی بھیک مانگتا ہوں، تو اپنے فضل سے نواز دے تو زہے قسمت۔

(۱۳) مسجد سے آدمی پھر اپنے مکان واپس آتا ہے خدا کی حفاظت نگرانی اور اس کی یاوری کی ضرورت صرف گھر کے باہر ہی نہیں ہے بلکہ ہر حال، ہر جگہ اور ہر وقت انسان کو خدا کی محتاجی ہے چنانچہ وہ جب بھی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے تو اپنے تصورِ زندگی کو تازہ کرلیتا ہے کہ گھر کے باہر ہی ان لوگوں اور کاموں سے واسطہ نہیں پڑتا جو انسان کو اس کے صحیح تصورِ حیات سے غافل کرنے والے اور غلط رویۂ زندگی کی طرف لیجانے والے ہوتے ہیں بلکہ گھر میں بھی اس کی بیوی اور بچے اور عیش کے سامان اس کو غافل کرنے کے اسباب موجود رہتے ہیں چنانچہ مومن اپنے مکان میں داخل ہوتے وقت کہتا ہے، اللّٰھم انی اسئلک خیر المولج وخیر المخرج بسم اللّٰہ ولجنا بسم اللّٰہ خرجنا وعلی اللّٰہ ربنا توکلنا اے اللہ میں تجھ سے گھر میں داخل ہونے اور گھر سے خارج ہونے کی بہتری مانگتا ہوں، ہم اللہ کے نام پر داخل ہوئے اور اللہ ہی کے نام سے نکلے اور اپنے رب پر توکل کیا۔

(۱۴) اس کے بعد آدمی ناشتہ یا کھانا تناول کرتا ہے اس موقع پر بھی وہ اللہ کا نام لیکر اور بسم اللہ کہکر اپنے تصورِ زندگی کو تازہ کرلیتا ہے اور فارغ ہونے پر اللہ کا شکر ادا کرکے الحمد للّٰہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین، سارے شکریئے اور تم

تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جس نے ہمیں کھلایا، پلایا۔ اور مسلمان بنایا کہکر اسی تصورِ حیات کو تازہ کرلیتا ہے تاکہ غذا جو خون بن کر شریانوں میں دوڑنے والی ہے اس کے استعمال کی ابتداء اور انتہا صحیح خیالات اور اچھے جذبات سے ہوتاکہ وہ زندگی جو اس غذا سے پیدا شدہ خون سے حاصل ہوگی صحیح رویہ پر قائم رہ سکے

(۱۵) بعد ازاں آدمی روزی کی تلاش اور معاش کی فکر میں باہر نکلتا ہے اور بازار، منڈی یا کسی مل اور فیکٹری وغیرہ کا رُخ کرتا ہے کاروبارِ حیات کے ہر میدان میں، ہر موقعہ اور ہر جگہ پر صحیح رویہ پر عمل پیرا رہنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ذہن پر اس کے تصورِ زندگی کا کنٹرول ہو اس کے عقائد کی گرفت مضبوط ہو وہ خدا کو ہر جگہ اپنا محاسب اور نگراں محسوس کرے چنانچہ اسلام اس موقعہ کے لئے بھی اسے یہ ادب سکھاتا ہے کہ وہ دل وجان اور شعور وفہم کے ساتھ کہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے وہ جلاتا اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ـــــ اس طرح کے خیالات اور جذبات اگر نہ ہوں تو انسان حلال وحرام جائز ناجائز اور مناسب وغیر مناسب میں فرق وامتیاز کی فکر نہیں کر سکے گا اور غلط راہوں میں بھٹک جائے گا

(۱۶) معاش کے حصول میں مصروف روزی کی فکر میں منہمک اور کاروبارِ زندگی میں مشغول رہتے ہوئے بھی وہ حسب موقع بار بار اپنے تصورِ حیات کو تازہ کرتا رہتا ہے اگر اسے چھینک یا ڈکار آتی ہے یا وہ خوشخبری سنتا ہے تو الحمد للہ کہتا ہے اگر اسے جمائی آتی ہے تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۔ اللہ بزرگ، وبرتر کی نصرت ویاوری کے بغیر نہ کوئی دبدبہ ہے اور نہ کوئی طاقت ہے۔ کہتا ہے۔ اسے اگر کوئی رنجیدہ خبر سننا پڑتی ہے یا کوئی دُکھ پہونچتا ہے تو اس کی زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان اسکو سلام کرتا ہے تو وہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور تم پر بھی سلامتی اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہو۔ کہکر جواب دیتا اگر اُس کا کوئی ذرا سا بھی کام کردے اور اس پر تھوڑا سا بھی بارِ احسان ڈالدے تو وہ فوراً کہتا ہے۔ جزاک اللہ تمکو اس کا بدلہ عطا فرمائے۔ اگر وہ کسی کو رخصت کرتا ہے تو کہتا ہے فی حفظ اللہ اللہ کی حفاظت میں یا فی اَمَانِ اللّٰہِ، اللہ کی اماں میں جاؤ! اسی دوران اگر اسے سواری پر بیٹھنے کی نوبت آتی ہے تو کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۔ اللہ کی حمد ہے جس نے ہمارے لئے اسے مسخر کیا حالانکہ یہ ہمارے بس کی نہ تھی اور ہم اپنے رب کی جانب لَوٹ جانے والے ہیں۔ اسی اثناء میں اگر شام ہوجاتی ہے تو وہ کہتا ہے اَمْسَیْنَا وَاَمْسَی الْمُلْکُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہم نے اور ملک نے اللہ کے لئے شام کی اور اگر غروب آفتاب کے بعد مطلع پر نگاہ ڈالنے سے اس کو نیا چاند نظر آیا تو فوراً کہتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ ھِلَالُ رُشْدٍ وَّخَیْرٍ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ اے اللہ یہ چاند ہمارے لئے امن وایمان اور سلامتی والسلام کا چاند ہو۔ ہدایت اور بھلائی کا چاند ہو، (اے چاند) میرا اور تیرا رب اللہ ہے غرض کے وہ ہر حال اور ہر وقت اِن آداب کے ذریعہ اپنے تصورِ حیات کو زندہ وتابندہ رکھتا ہے تاکہ زندگی کے ہر لمحہ میں وہ صحیح رویہ پر ثابت قدم رہ سکے۔

(۱۷) کارگاہ زیست سے اپنے مکان کی طرف واپسی پر بھی وہ ایک بار پھر اپنا جائزہ لیتا ہے لغزشوں اور تصوروں کی معافی مانگتا اور توبہ کرتا ہے۔ اپنی عبدیت کا اظہار اقرار کرتا ہے اور اپنی کامیابیوں اور کامرانیوں پر اپنے رب کی تعریف کے گیت گاتا ہے اور کہتا ہے آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ۔ پلٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے ہیں اپنے رب کی تعریف کے گن گانے والے ہیں۔

(۱۸) آخر میں پھر وہ اپنے گھر پہنچتا ہے اور اہل وعیال سے وابستگی حاصل کرتا ہے۔ کھانے پینے سے فارغ ہوتا ہے اور پھر ہر

موقع پر اپنے تصور حیات کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اب گھڑی کی سوئی ۲۴ گھنٹے کے بعد پھر وہیں پہنچ جاتی ہے جہاں ۲۴ گھنٹے پیشتر تھی۔ چنانچہ مومن بھی پھر حسب معمول اپنا محاسبہ کرتا اور سکھ کی نیند سوجاتا ہے۔ اور پھر یہ شب و روز اسی طرح گذرتے رہتے ہیں۔ وللہ الحمد۔

حضرت علی مرتضیٰ

مُلّا واحدی

سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان چچا کے فرزند تھے جنھوں نے باپ کی طرح حضورؐ کو پرورش کیا تھا اور حضرت علیؓ کی والدہ کے متعلق حضورؐ کے یہ الفاظ منقول چلے آتے ہیں کہ "ابوطالبؓ کے بعد میں ان نیک سیرت خاتون کا ممنون ہوں"..... وہ ایمان لے آئی تھیں، انھیں حضورؐ نے اپنی قمیص پہنا کر دفن کیا تھا اور ان کی قبر میں لیٹ کر قبر کو متبرک کر دیا تھا۔

حضور سرور کائنات حضرت علی سے ایسی محبت کرتے تھے جیسی بیٹوں سے کی جاتی ہے۔ حضور نے اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت علی کا عقد کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں (کہ جھگڑنے والے عیسائی اپنی عورتوں اور بچوں کو لے آئیں اور آپؐ اپنی عورتوں اور بچوں کو لے آئیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت طلب کریں[1]) جب حضور مباہلے کے لئے نکلے تو حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ ہی کو لے کر نہیں نکلے بلکہ حضرت علیؓ بھی اس مقدس جماعت میں شامل تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت ابوطالب نہایت کثیر العیال تھے۔ خشک سالی اور قحط نے انھیں معاش کی طرف سے اور بھی پریشان کر دیا، تو ان کے ایک بیٹے حضرت جعفرؓ کی کفالت حضرت عباسؓ کرنے لگے اور دوسرے بیٹے حضرت علیؓ کی کفالت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمہ لے لی۔ حضرت علیؓ حضورؐ کے ساتھ رہتے تھے اور مثل بیٹے کے تھے۔ ہجرت کے بعد حضورؐ نے مسلمانوں کا بھائی چارہ کرایا تو اس میں اپنا بھائی حضرت علی کو بنایا۔

سفر میں حضرت علیؓ کو حضورؐ کی ہم رکابی کا شرف بکثرت ملتا تھا، چنانچہ سفر کے سلسلہ کے شرعی احکام کے حضرت علیؓ ماہر مانے جاتے تھے ...
.... ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کوئی اس قسم کا مسئلہ پوچھتا تو وہ عموماً فرما دیا کرتی تھیں کہ علیؓ کے پاس جاؤ۔ حضرت علیؓ حضورؐ کے رفیق سفر رہے ہیں۔ ویسے بھی حضرت عائشہ جیسی فقیہہ و مجتہد حضرت علیؓ کے تفقہ اور اجتہاد کی قائل تھیں۔ اور حضرت امیر معاویہ حریف ہونے کے باوجود حضرت علیؓ کی مجتہدانہ فوقیت کے معترف تھے۔

اہم ترین امتیاز حضرت علی کا یہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں قرآن مجید سبقاً سبقاً خود پڑھایا تھا۔ اور اعلان کر دیا کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کا دروازہ ہیں۔ حضرت علیؓ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کے شان نزول اور رموز سے باخبر تھے۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کہ قرآن کے علاوہ کچھ اور بھی آپ جانتے ہیں۔ جواب دیا۔ قرآن کے سمجھنے کی قوت اللہ تعالیٰ نے مجھے وافر عطا فرمائی ہے اور عمل رسولؐ میرے پیش نظر رہتا ہے۔ قرآن مجید اسلامی علوم کا سرچشمہ ہے، جو اس سرچشمہ سے سیراب ہو گیا اسے اور کیا چاہئے۔

---

[1] فَمَنْ حَاۤجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۤءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاۤءَنَا وَاَبْنَاۤءَكُمْ وَنِسَاۤءَنَا وَنِسَاۤءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ
تم سے جو اللہ کے اس بیان کے بعد بحث (اس سے) کہو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلالیں اور تم اپنے بیٹوں کو (بلالو) اور ہم اپنی عورتوں کو (لے آئیں) اور تم اپنی عورتوں کو لے آؤ۔ اور خود ہم ہوں اور تم ہو پھر سب دعا مانگیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔

حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا دوسرے تمام صحابہ سے زیادہ زمانہ میسّر آیا یعنی برس کی عمر سے حضور سرورِ کائنات ؐ کی وفات تک مسلسل تیس سال کا زمانہ، پھر اکابر صحابہ میں حضرت علیؓ نے عمر خاصی طویل پائی ....
حضرت علیؓ وفاتِ نبوی کے بعد تیس سال مسندِ ارشاد پر متمکن رہے۔ خلفائے ثلاثہ کی خلافت میں بھی اور اپنی خلافت میں بھی۔ خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں ارشاد و افادات کی مسند حضرت علیؓ کے سپرد تھی۔

شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ امام احمد حنبل ؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ : "حضرت علیؓ بہ اعتبار علم و فضل اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت سے سرعتِ فہم، دقیقہ سنجی اور انتقالِ ذہنی کے اوصاف حضرت علیؓ میں بدرجۂ اتم موجود تھے"

ایک دفعہ سوال پیدا ہوا کہ موسمِ حج میں شکار کا گوشت کھانا جائز ہے یا ناجائز ؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جائز بتلاتے تھے بشرطیکہ شکار ایسے شخص نے کیا ہو جو احرام باندھے ہوئے نہ ہو۔ حضرت عثمان رضؓ کا گمان تھا کہ بس احرام باندھے ہوئے شخص کو شکار کرنا منع ہے۔ احرام نہ باندھے ہوا شخص شکار کر کے اسے کھلائے تو وہ کھا سکتا ہے۔ حضرت علی رضؓ نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو واقعات سنا دیئے۔ جن کی رو سے احرام نہ باندھے ہوئے شخص کے شکار کردہ جانور کا گوشت بھی ناجائز تھا۔ صحابہؓ کو واقعات یاد آگئے اور حضرت عثمان نے تسلیم کر لیا کہ حضرت علیؓ کی رائے ٹھیک ہے اور سفرِ حج میں شکار کا گوشت کھاتے کھاتے ہاتھ کھینچ لیا۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں کسی زانیہ کا مقدمہ ہو رہا تھا۔ زانیہ پگلی تھی حضرت عمر رضؓ تیار تھے کہ اسے سزا دے دیں۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ پگلے حدودِ شرعی سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فوراً اتفاق کر لیا۔ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے اَقْضَانَا عَلِیٌّ وَاَقْرَأُنَا اُبَیٌّ .....
ہم میں بہترین جج علیؓ ہیں اور بہترین قاری ابیؓ +

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حضرت علی رضؓ کے اس وصف کو سراہا ہے۔ حضورؐ کے الفاظ ہیں: اَقْضَاھُمْ عَلِی حضورؐ نے حضرت علی رضؓ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تھا ——— حضرت علیؓ کے فیصلے مدوّن کر لئے گئے تھے اور نظائر کا کام دیتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ کی عدالت میں چوری کا مقدمہ آیا۔ گواہوں کا بیان سماعت فرما کر حضرت علیؓ نے گواہوں سے کہا تمھاری گواہی اگر جھوٹی ثابت ہوئی تو تمھیں سزا ملے گی اتنا کہا اور دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ کام ختم کر کے دیکھا تو گواہ غائب تھے۔ حضرت علیؓ نے ملزم کو بری کر دیا۔

حضرت علیؓ کی نظر احکام اسلام کے عملی پہلوؤں پر بہت رہا کرتی تھیں۔ صحیح بخاری کی تعلیقات میں ہے کہ حضرت علیؓ ہدایت کرتے رہتے تھے کہ :-
"لوگوں سے ایسی بات کہو جسے وہ سمجھ سکیں ایسی بات مت کہو جو ان کی سمجھ سے بالا ہو اور وہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو جھٹلانے بیٹھ جائیں" مطلب یہ ہے کہ ہر انسان مصالحِ الٰہی کے سمجھنے کی یکساں عقل نہیں رکھتا۔ ہاں اپنی عقل کو معیار بنا کر اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی باتیں ہی پر جانچنی ضرور شروع کر دیتا ہے، لہٰذا لوگوں سے اتنی ہی بات کہنی مناسب ہے جتنی وہ سمجھ سکیں۔

سورۃ براءت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ مکہ میں بحیثیت امیرِ حج تشریف فرما تھے صحابہؓ نے کہا یہ اچھا موقع ہے سورہ براءت کو ابوبکرؓ کے پاس بھیج دیجئے۔ تاکہ وہ اسے حج میں سنا دیں۔ حضورؐ نے فرمایا میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے پھر حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ تم مکہ جاؤ اور سورۃ سناؤ اور اعلان کر دو کہ آئندہ کوئی مشرک حج کرنے نہ آئے اور کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف نہ کرے۔

ہجرت کے وقت حضرت علیؓ کا حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ سو جانا اور اپنے تئیں انتہائی خطرے میں ڈالنا ایمان اور ہمت کا عجیب و غریب نمونہ ہے۔ حضور سرورِ کائنات ؐ نے مسلمانوں کو ایک ایک کر کے مدینے بھیج دیا تھا۔ مکہ میں حضور رہ گئے تھے یا گنے چنے چند فدائی۔ مشرکوں نے سوچا حضورؐ مدینے جا پہنچے تو مسلمان طاقت پکڑ لیں گے لہٰذا حضورؐ کو مدینہ نہ پہنچنے دیا جائے۔ مشرکوں نے حضورؐ کے مکان کو گھیر لیا۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی جگہ لٹا دیا۔ تاکہ مشرک سمجھیں کہ حضورؐ لیٹے ہیں اور حضورؐ رات کی تاریکی میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو ہمراہ لیکر چل کھڑے

ہوئے۔ اور صبح ہوتے ہوتے کہیں کے کہیں پہنچ گئے مشرکین نے صبح کا وقت ہلہ بولنے کا مقرر کر رکھا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ دونوں کا ایثار ایک سے ایک بڑھکر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا بڑھاپے میں یہ دل گردہ تھا اور حضرت علیؓ نے بائیس تیئیس سال کی عمر میں جان کی بازی لگادی تھی حضورؐ نے حضرت علی کے سپرد ایک کام اور کیا تھا کہ آپؐ کے پاس لوگوں کی جتنی امانتیں تھیں وہ انھیں پہنچا دیں۔

حضرت علیؓ ابتدا سے حضورؐ کے جاں نثار تھے۔ بعثت کے چوتھے سال حکم آیا کہ اب پوشیدہ طریقہ اور خاص خاص لوگوں کو ترغیب دینے کا دور ختم کیجئے اور اعلانیہ دعوت دیجئے۔ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ اور (سب سے پہلے) اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب الٰہی سے) ڈرایئے۔ چنانچہ حضورؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر خطاب فرمایا اور پھر چالیس آدمیوں کو کھانے پر بلایا۔ اور ان سے کہا کہ میں تمھارے سامنے دنیا و آخرت کی نعمت پیش کرتا ہوں تم میں سے کون میرا معاون و مددگار بنتا ہے اس کے جواب میں صرف ایک آواز بلند ہوئی، اور وہ حضرت علیؓ کی آواز تھی۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا گو میں عمر میں چھوٹا اور کمزور ہوں تاہم میں آپ کا معاون و مددگار رہوں گا۔ حضورؐ نے حاضرین کو دوبارہ اور سہ بارہ مخاطب کیا لیکن ہر بار حضرت علیؓ ہی بولے۔

حضرت علیؓ کی شجاعت مشہور ہے غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق، غزوہ خیبر اور غزوہ حنین کون سا موقع تھا جہاں حضرت علیؓ نے ..... داد شجاعت نہیں لی۔ شمشیر زنی میں حضرت علیؓ یکتائے روزگار تھے۔

غزوہ بدر میں حضرت علیؓ نے اپنے مدمقابل ولید کا صرف ایک ہی وار میں خاتمہ کر دیا اور پھر جھپٹ کر حضرت ابوعبیدہؓ کی مدد کی، جنھیں شیبہ نے دبا لیا تھا۔ حضرت علیؓ کے ہاتھوں شیبہ بھی مارا گیا۔ یہ دیکھکر تمام مشرک ایک دم میدان میں دوڑ پڑے مسلمان بھی سب نکل آئے، اور گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔ حضرت علیؓ نے گھمسان کی جنگ میں بھی صفیں کی صفیں کاٹ کر ڈال دیں۔

غزوہ احد میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار دندان مبارک شہید ہو گئے تھے اور حضورؐ غش کھا کر ایک گڑھے میں گر گئے تے مشرکین نے اس گڑھے کا رخ کیا تو پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ نے انھیں روکا اور جب وہ روکتے روکتے شہید ہو گئے تو حضرت علیؓ آکھڑے ہوئے اور ایسا لڑے کہ مشرکین کے چھکے چھڑا دیئے۔ مشرکین کا زور کچھ ٹوٹا تو حضرت علیؓ چند صحابہ کی مدد سے حضورؐ کو پہاڑ پر لے گئے۔ جہاں حضرت فاطمہؓ نے حضورؐ کے زخم دھوئے۔ حضرت علیؓ پانی ڈالتے جاتے تھے اور حضرت فاطمہؓ زخموں کو صاف کر رہی تھیں۔ زخم صاف کرکے چٹائی جلائی۔ اور اس کی راکھ سے زخموں کے منھ بند کر دیئے۔

غزوہ خندق میں مشرکین کے سردار عمرو بن عبدود نے (جس کا دعویٰ تھا کہ میں اکیلا ہزار پر بھاری ہوں) حقارت سے کہا علی! تم ہٹو،..... میں تمھیں قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ تم نہ کرو، میں تو تمھیں قتل کروں گا عمرو بن عبدود گھوڑے پر سوار تھا۔ گھوڑے پر سے اتر پڑا اور بولا کہ میں پیدل سے پیدل ہو کر لڑوں گا۔ ذوالفقار حیدری بجلی کی مانند چمکی اور اس کے خرمن ہستی پر گر پڑی۔

غزوہ خیبر میں کامیابی نہیں ہو رہی تھی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کل علم ایسے شخص کو دیا جائے گا جو اللہ اور اسکے رسولؐ کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور اسکے رسولؐ بھی اسے محبوب رکھتے ہیں فتح خیبر اسی کے نصیب میں لکھی ہے۔

ہر صحابی کی تمنا تھی کہ یہ عزت مجھے ملے۔ حضرت علی سخت آشوب چشم میں مبتلا تھے اس لئے ان کی طرف صحابہ کا دھیان نہیں جا رہا تھا۔ مگر صبح حضورؐ نے حضرت علیؓ کو طلب کیا اور ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن مل دیا۔ آنکھیں اچھی ہو گئیں اور حضرت علیؓ نے خیبر فتح کر لیا۔

غزوہ حنین میں جو صحابی ثابت قدم رہے تھے ان سب میں حضرت علیؓ نمایاں تھے۔ حضرت علیؓ نے اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا اور غنیم کے کمانڈر پر حملہ کرکے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور مسلمانوں کے منتشر اور پراگندہ ہو جانے کے باوجود دشمنوں نے شکست کھائی۔ مکہ سے بے بسی کے ساتھ نکلے ہوئے مسلمان آٹھ سال بعد جب کامران ہو کر مکہ میں داخل ہوئے ہیں تب بھی علم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا

خانہ کعبہ کے ایک بلند قامت بت کو توڑنے کے لیے حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے کندھوں پر چڑھا لیا تھا۔

اسلام کی اشاعت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بڑا حصہ ہے۔ زہد و تقویٰ، امانت و دیانت، عبادت و ریاضت، تواضع، سخاوت، حسن سلوک غرض ہمہ نعمت اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمائی تھی۔

خطابت کی شان ملاحظہ کیجیے ایک خطبہ کا تھوڑا سا ترجمہ درج ذیل کرتا ہوں، حضرت علیؓ فرماتے ہیں :-

"جہاد بہشت کے بہت سے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جہاد سے اغماض برتنے والوں کو اللہ ذلت کا مزہ چکھاتا ہے اور ذلت کا لباس پہناتا ہے، انھیں دشمن کی دست درازی سے سابقہ ڈلواتا ہے ——— میں نے تمھیں دن رات ان لوگوں سے لڑنے کی دعوت دی اور کہا کہ ان کے حملہ کرنے سے پہلے تم ان پر حملہ کر دو۔ دشمن ہمارے گھروں تک پہنچ گیا تو رسوائی ہوگی، دشمن کا حوصلہ مت بڑھاؤ مگر تم نے ایک نہ سنی ——— موسم سرما میں جاڑے پالے کا عذر رہا۔ موسم گرما میں گرمی کی شدت مانع رہی یہ سب موت سے بھاگنے کے حیلے ہیں تم سردی اور گرمی سے نہیں ڈرتے، موت سے ڈرتے ہو دشمن کا امر باطل میں اتحاد اور تمھاری امر حق سے برگشتگی کتنی حیرت ناک ہے۔ یہ کیفیت دل کو مردہ کیے دیتی ہے۔ اب تم نشانہ بن گئے ہو، اب تم اپنے اوپر تیر برسواؤ گے، دشمن پر تیر نہیں برسا سکو گے، اے مردو! مرد نہیں، مرد کی تصویرو !! اور اے بچوں اور عورتوں کی سی سمجھ رکھنے والو!!! اللہ کی قسم میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے تمھارے درمیان سے ہٹا لے اور موت دیکر اپنی رحمت سے سرفراز کرے، کاش تم سے میرا واسطہ نہ پڑتا"

حضرت علیؓ صف اوّل کے مفسرین میں شمار کیے جاتے تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ عہد صحابہ کے دو عظیم مفسر تھے۔ قرآن مجید سے مسائل مستنبط کرنے میں حضرت علیؓ اپنا جواب آپ تھے عقل و قیقہ سنجی میں دیر نہیں لگاتی تھی معاً ذہن منتقل ہوتا تھا۔

خوارج کا مذہب ہے کہ حکم فقط اللہ ہے انسان کو حکم نہیں بنایا جاسکتا۔ حضرت علی نے فرمایا قرآن مجید میں ہے کہ میاں بیوی اپنے اختلافات آپ طے نہ کرسکیں تو دونوں کی جانب سے کسی کو حکم بنا دو[1] تاکہ وہ طے کردے۔ تو قوم کیا اللہ کے نزدیک ایک مرد اور ایک عورت سے بھی گئی گزری ہے جو قوم کا حکم انسان کو بنانے کی اللہ اجازت نہ دے گا۔

حالات کے لحاظ سے بھی بعض احکام اسلام میں کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں حضرت علیؓ ان تبدیلیوں کے خاص عالم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ منسوخ حکم کونسا ہے اور ناسخ حکم کون سا ہے اور حضرت علیؓ کی ہدایت تھی کہ ناسخ و منسوخ کو جانے بغیر وعظ و تلقین نہ کرو۔

علم نحو کے موجد و موسس اوّل حضرت علیؓ ہیں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ایک اعجاز تھا کہ آپؐ سے جو جتنا قریب رہا وہ اتنا ہی آپ کے اوصاف سے متاثر و متصف ہو گیا۔ پارس لوہے کو سونا بناتا ہے پارس نہیں بناتا۔ مگر حضورؐ نے وادی غیر ذی زرع کے علم اور تہذیب سے عاری لوگوں کو ہم نشیں بنا کر پارس بنا دیا صحابہ پیغمبر نہیں تھے، لیکن اگر پیغمبری ختم نہ کر دی جاتی تو پیغمبر انھی صحابہ ہی میں سے ہوتے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی بابت حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر

---

[1] وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ——— اگر تمھیں (کبھی کہیں) ان دونوں (یعنی کسی میاں بیوی) کے درمیان نااتفاقی کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد والوں میں سے اور ایک حکم عورت والوں میں سے مقرر کرلو ۔

. میرے بعد پیغمبری مل سکتی تو عمر رض کو ملتی۔ حضرت علی رض کی بابت حضورؐ نے فرمایا کہ علی کو مجھ سے ویسی نسبت ہے جیسی موسیٰ علیہ السلام سے ہارون کو تھی۔

اللہ اور اللہ کی شان سے بے خبر ماہرین علم الحیات اور ماہرین علم النفس کی سمجھ میں اب تک نہیں آیا ہے کہ انسان جینیس (GENIUS) کیسے ہوجاتا ہے وہ ہمارے آقا و پیشوا صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت کردہ حضرات کی زندگیوں کا مطالعہ کریں جو جینیس (GENIUS) پیدا نہیں ہوئے تھے مگر ادنیٰ ترین سطح سے اٹھ کر انسانیت کی اس بلندی پر پہنچ گئے تھے جہاں کوئی غیر پیغمبر کبھی نہیں پہنچ سکا۔

حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی پیغمبر کے صحابیوں میں ایسا ذہنی اور عملی انقلاب نہیں پاتے گا۔

اپالوجی فار محمد (APOLOGY FOR MOHAMMAD) کا مصنف گاڈفرے ہگنس صحابۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں لکھتا ہے

"محمد (صلعم) کے پیروؤں کی سی کیفیت عیسٰی (علیہ السلام) کے حواریوں میں،
تلاش کرنی فضول ہے جب ان حواریوں کا پیشوا موت کے پنجے میں گرفتار تھا اور صلیب
اس کی منتظر تھی تو حواری اپنی اپنی جانیں بچانے کی سوچ رہے تھے۔ اس کے برعکس محمد
(صلعم) کے رفقاء نے محمد (صلعم) پر جانیں نثار کر کے محمد (صلعم) کو دشمنوں پر
غالب کیا......"

اس کے بعد گاڈفرے ہگنس جنگ احد کا واقعہ پیش کرتا ہے کہ حضرت علی رض نے کس طرح جان کی بازی لگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی۔ ناظرین اس واقعہ کو اوپر پڑھ چکے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابیوں سے بڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے جنھوں نے کہہ دیا تھا۔ فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ اے موسیٰ! آپ اور آپ کے اللہ میاں تشریف لے جائیں اور (دشمنوں سے) لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابی کبھی کہتے کہ ہمارے واسطے اللہ کا بت بنا دیجئے کبھی کہتے ہمیں اللہ کو دکھا دیجئے۔ کبھی مصنوعی بچھڑے کو پوجا کرنے لگتے۔ مگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں میں ایسے حضرات ہیں کہ قبل اسلام "پڑوسیوں کے مویشی چراتے تھے۔ اور ان کا دودھ دوہتے تھے" (تاریخ الاسلام شاہ معین الدین احمد صفحہ ۱۴۴) لیکن بعد اسلام حضورؐ کی ہم نشینی نے ان کی زندگی کو "ملکی انتظام، مالی انتظام، فوجی نظام، ذمیوں (غیر مسلموں) کے حقوق کی نگہداشت، تحفظ دین، علمی کمالات اور فتوحات وغیرہ" کے عنوانوں سے جگمگا دیا۔ تاریخ اسلام

حضرت علی رض نے چند مہینے اور بعض کے بیان کے مطابق چند دن حضرت ابوبکر رض سے بیعت نہیں کی تھی۔ ہم عام صحابہ کے متعلق ابھی ابھی اپنے تاثرات ظاہر کر چکے ہیں، بیعت کی اس تاخیر کی وجہ سے حضرت ابوبکر رض اور حضرت علی رض جیسے اکابر اور مقرب صحابیوں سے کیونکر بدگمان ہوجائیں۔ ہمارے سامنے تو حضرت خالد بن ولید کی مثال ہے کہ حضرت عمر فاروق رض نے انھیں عین جنگ میں کمانڈری سے معزول کر دیا۔ اور کہا کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رض کے ماتحت کام کرو۔ اور حضرت خالد رض کی تیوری پر بل نہیں آیا۔ ان کا جذبہ خدمت اسلام کم نہیں ہوا۔ ان کے کام کی رفتار نہیں گھٹی، پھر کیسے تسلیم کر لیں کہ حضرت خالد بن ولید رض تو بے نفس تھے۔ مگر حضرت ابوبکر رض نے اقتدار کی خاطر حضرت علی رض کا حق غصب کر لیا۔ اور حضرت علی رض اقتدار کی محرومی برداشت نہ کر سکے اور روٹھ کر گوشہ نشین ہوگئے۔ کیا وہ دونوں ہم جیسے انسان تھے! ہمیں تو حضرت علی رض اپنی خلافت کے دوران یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ "ابوبکر و عمر کے ہم مشیر تھے اور ہمارے مشیر تم ہو"

خلافت و امامت یقیناً بڑے رتبہ اور درجہ کی چیز ہے اور بڑی سعادت کی بات ہے۔ نبوت نمبر ایک اور خلافت و امامت نمبر دو۔ لیکن اگر نفسانیت کی آمیزش ہوجائے تو وہ خلافت و امامت نہیں رہتی بادشاہت بن جاتی ہے۔ ہم ابوبکر رض، عمر رض، عثمان اور علی رض کو بادشاہت کے شائق نہیں مان سکتے۔ حضرت ابوبکر رض کا حلوے کی لاگت کے برابر اپنے ماہانہ وظیفہ میں سے پیسے گھٹا دینا۔ اور وفات کے وقت فرمانا کہ مجھے نیا کفن نہ

دیا جائے۔ زندہ مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حقدار ہیں، حضرت عمرؓ کا گیہوں نہ کھانا کیوں کہ ساری قوم گیہوں نہیں کھا سکتی تھی اور حضرت عثمانؓ کا بیت المال سے ایک پیسہ نہ لینا، اور حضرت علیؓ کا پختہ مکان میں ٹھہرنے سے انکار کیا بادشاہوں کا کردار ہے؟ بادشاہت کے شوقین کیا فقیرانہ زندگی بسر کیا کرتے ہیں؟

یاد کیجئے اس واقعہ کو، حضرت علیؓ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیمار داری کر رہے ہیں۔ ایک دن باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا: حضورؐ کا کیا حال ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ حضرت عباسؓ بولے۔ تمہارا اندازہ صحیح نہیں۔ میں خاندان عبدالمطلب کے مرتے وقت کے چہرے پہچانتا ہوں آؤ چلو حضورؐ سے عرض کریں کہ خلافت کی وصیت کر دیجئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اس وقت یہ قصہ چھیڑنا نامناسب ہے۔

یہ کہنا بھی نہایت نامناسب اور حضرت علیؓ کی توہین ہے کہ حضرت علیؓ نے تقیہ کر رکھا تھا۔ دل سے خلفائے ثلاثہ کے ساتھ نہیں تھے۔ ڈر کے مارے ساتھ تھے وہ علی جن کے کانوں میں ارشادِ رسول افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جائر کے سامنے کلمۃ الحق کہنا..... افضل الجہاد ہے، گونجتا ہوگا، حضرت ابوبکرؓ جیسے نرم دل انسان سے کلمہ حق کہتے ڈرتے تھے۔ اور ایک معمولی صحابی یزید جیسے سخت دل شخص سے کہہ سکتے تھے کہ تو حسینؓ[1] کے کٹے ہوئے سر کے ساتھ برا برتاؤ کر رہا ہے حسین کے دانتوں کو چھڑی چھوا رہا ہے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دانتوں پر اپنے ہونٹ رکھا کرتے تھے اور انھیں چوما کرتے تھے۔

خلیفہ کا فرض حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں کو قائم رکھنا یعنی اقامت دین ہے۔ حضورؐ جن کاموں کے لئے مامور ہوئے تھے خلفائے راشدین نے اپنی زندگیاں انھیں کاموں کے واسطے وقف کردی تھیں۔ اللہ تعالیٰ صرف خلفائے راشدین نہیں بلکہ کل مہاجرین اولین کی شان میں فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (پ ۱۷) "وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین پر قابض کر دیں (اور حکومت دے دیں) تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے"۔

خلیفہ رسول اور امام مسلمین کا رتبہ اور درجہ عام مسلمانوں سے اونچا ہے۔ حضرت علیؓ ذاتی اقتدار کے بھوکے ہوتے تو صحابہ کی اکثریت انھیں چوتھا خلیفہ بھی منظور نہ کرتی۔ خلیفہ منظور کر لینا ان کی برگزیدگی اور صدیقیت کی دلیل ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان دس صحابیوں میں ہیں جنھیں جنتی ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔

حضرت علیؓ اگر پہلے، دوسرے یا تیسرے خلیفہ ہو جاتے تو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان تینوں خلافت سے محروم رہ جاتے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ سے عمر میں بہت بڑے تھے اور ان تینوں کی رحلت حضرت علیؓ سے قبل مقدر تھی۔ ان تینوں کے شروع میں خلیفہ ہو جانے نے حضرت علیؓ کو خلافت سے محروم نہیں کیا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ چاروں ہی سعادت خلافت کے مستحق تھے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ تم ابوبکر کو امیر بناؤ گے تو انھیں آخرت کا شائق اور دنیا سے حقارت کرنے والا پاؤ گے اور عمر کو امیر بناؤ گے تو وہ قوی اور امین اور اللہ کے معاملہ میں ملامت سے نہ ڈرنے والے ثابت ہوں گے اور علی کو امیر بناؤ گے تو انھیں ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والا پاؤ گے۔

حضرت علیؓ کی تاخیرِ بیعت کو اہمیت دینے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ اہمیت دینے کے لائق وہ فتنہ تھا جو منافقوں نے برپا کیا تھا کہ انصار کو ابھار دیا کہ ایک خلیفہ تم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے۔ اور انصار ورغلانے میں آگئے۔ قریب تھا کہ مہاجرین اور انصار تلواریں سونت لیں، کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وہاں پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سنائی۔ اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَيْشِ امام (یا خلیفہ) قریش (یعنی مکہ والوں) میں سے مقرر کرنا چاہیئے۔ اس حدیث کا سننا تھا کہ سب کی گردنیں جھک گئیں۔ حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر حضرت ابوبکرؓ سے کہا۔ ہاتھ لائیے میں آپ سے بیعت کرتا ہوں! اور پھر تمام مہاجرین و انصار بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔

---

[1] یہ روایت بھی ان جھوٹی روایتوں میں سے ایک ہے جو یزید کے خلاف گھڑی گئی ہیں، یزید سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کی توہین کیا کرتا جبکہ سر لانے والے پر اس کا غم و غصہ مضبوط روایات سے ثابت ہے (مدیر)

ابن سعد نے محمد بن سیرین کی روایت نقل کی ہے کہ جب ابوبکر رضؓ خلیفہ ہوئے اور علیؓ نے بیعت میں تاخیر کی اور خانہ نشین رہے تو ابوبکر رضؓ نے پایا کہ تاخیر کا سبب کیا ہے کیا آپ میری امارت پسند نہیں کرتے ؟ علی رضؓ نے جواب میں کہا میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے ٹھان رکھی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلوں گا نماز کے سوا (اور کسی کام کے واسطے) اپنی چادر نہیں اوڑھوں گا ۔ لما بویع ابوبکر ابطاء علی فی بیعته وجلس فی بیته ـ فبعث الیه ابوبکر ما ابطاءک عنی ـ اکرهت امارتی ـ قال علی ما کرهت امارتک ولکن الیت ان لا ارتدی ردائی الا الی صلوٰۃ حتی اجمع القرآن (طبقات ابن سعد) ۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایک طوفان مدعیان نبوت کا اٹھا تھا ۔ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی تحریکیں تو حضورؐ کی موجودگی ہی میں چکر لینے لگی تھیں لیکن حضورؐ موجود نہ رہے تو متعدد مسیلمہ اور اسود پیدا ہو گئے مرد تو مرد عورتوں کے سروں میں بھی کیڑے کلبلائے سجاح بنت حارثہ تمیمیہ نے زور شور سے نبوت کا دعویٰ کیا اس نے دعویٰ کر کے مسیلمہ سے شادی کر لی تاکہ دونوں مدعیان نبوت کی قوت یکجا ہو جائے یہ فتنہ وبا کی طرح پھیل رہا تھا ، اس کے انسداد کی طرف حضرت ابوبکر رضؓ نے توجہ کی تو سب سے پہلے حضرت علیؓ کو انسدادی مہم کا سردار تجویز کیا گیا مگر حضرت علیؓ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے قرآن جمع کرنے کے کام میں مصروف تھے ۔ لہٰذا حضرت خالد بن ولیدؓ ان کی بجائے بھیجے گئے ۔ بہرحال حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت علیؓ کے دلوں کی صفائی اتنی سی بات سے ظاہر ہے ۔ دلوں میں فرق ہوتا تو حضرت علی رضؓ کا نام کیوں پیش کیا جاتا ۔

اس نوع کے واقعات ابتدائے مضمون میں آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ کی عدالت میں کسی زانیہ کا مقدمہ ہو رہا تھا ، زانیہ پگلی تھی ، حضرت عمرؓ تیار تھے کہ اسے سزا دے دیں مگر حضرت علی رضؓ نے کہا کہ پگلے حدود شرعی سے مستثنیٰ ہیں اور حضرت عمرؓ نے حضرت علی رضؓ سے فوراً اتفاق کر لیا حضرت عثمانؓ موسم حج میں شکار کا گوشت کھانا جائز کہہ رہے تھے ۔ بشرطیکہ شکار ایسے شخص نے کیا ہو جو احرام باندھے ہوئے نہ ہو ۔ حضرت علیؓ نے سمجھایا حضرت عثمانؓ مان گئے ۔ اب دوسری نوع کے واقعات ملاحظہ فرمایئے ۔

حضرت ابوبکر کو شام پر فوج کشی کا جس وقت خیال آیا ہے تو صحابہ ان کے خیال سے متفق نہیں تھے ، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید کی اور فوج کشی ہوئی ۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ جب کبھی کوئی امر پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اہل الرائے اور فقہائے صحابہ سے مشورہ لیتے تھے ۔ اور مہاجرین و انصار میں سے عمر ، عثمان ، علی ، عبدالرحمٰن بن عوف ، معاذ بن جبل ، ابی بن کعب اور زید بن ثابت جیسے ممتاز اشخاص کو بلاتے تھے ، یہ سب بزرگ حضرات ابوبکر رضؓ کے عہد خلافت میں فتوے بھی دیتے تھے ۔ ان ابابکر الصدیق کان اذا نزل به امر یرید فیه مشاورۃ اهل الرای واهل الفقه دعا رجالا من المهاجرین والانصار دعا عمر وعثمان وعلیا وعبدالرحمٰن بن عوف ومعاذ بن جبل وابی بن کعب وزید بن ثابت ـ کل هؤلاء یفتی فی خلافة ابی بکر ــــــ حضرت ابوبکر نے افتاء کا محکمہ قائم کیا تھا جس کے مندرجہ بالا حضرات رکن تھے ۔

حضرت ابوبکر رضؓ کے عہد خلافت میں ایک شخص کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ علت اُبنہ میں مبتلا ہے ۔ اہل عرب کے لئے یہ بالکل انوکھا جرم تھا ، اس کی سزا نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ ایسے شخص کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہ کرامؓ نے حضرت علی رضؓ کی رائے منظور کر لی ۔

حضرت عمرؓ سے بیعت کرنے میں حضرت علی رضؓ نے تھوڑی بہت بھی دیر نہیں کی تھی ۔ اور حضرت عثمان رضؓ کا انتخاب ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی اسی آن تسلیم کر لیا تھا ۔ ادھر حَکَم یعنی عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بیعت کی ادھر حضرت علیؓ نے اپنا ہاتھ بڑھایا ۔ حضرت عثمانؓ سے بیعت لینے والوں میں حضرت علی رضؓ کا دوسرا نمبر تھا ۔

ترقی پذیر اور ترقی یافتہ اور زندہ قوموں میں الیکشن کی ہارجیت آجکل ایسی تصور کی جاتی ہے جیسی کرکٹ یا فٹ بال کے میچوں کی ہارجیت ، ......

اسپورٹس مین کے مثل (SPORTSMAN LIKE) ہونا انسانی محاسن میں شمار ہوتا ہے تو صحابہ تو نعش ترقی پذیر اور ترقی یافتہ نہیں تھے۔ خداشناس بھی تھے حضرت عمرؓ جب بیت المقدس گئے ہیں تو کاروبار خلافت حضرت علیؓ نے سنبھالا تھا۔ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے دست راست رہے اور حضرت عثمان کی مدد میں بھی انھوں نے کبھی بخل نہیں برتا۔ حضرت عثمان کے بعض عمال سے حضرت علی رضؓ کو بے شک شکایتیں تھیں لیکن حضرت عثمان رضؓ کے خلاف حضرت علی رضؓ کا ایک لفظ نہیں دکھایا جا سکتا۔

ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ میرے زمانہ خلافت میں شورش کیوں ہو رہی ہے اور ہنگامے کیوں برپا ہیں؟ اور شورش و ہنگامہ کس طرح دور کیا جائے؟ حضرت علی رضؓ نے نہایت اخلاص سے جواب دیا کہ یہ سب آپ کے عمال کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا عمال کے تقرر میں معیار وہی رکھا گیا ہے جو عمر فاروق رضؓ کا تھا۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ یہ بالکل درست ہے مگر عمر فاروق رضؓ کی سی گرفت بھی تو ہونی چاہئے عمال کی نکیل ان کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ برخلاف اس کے آپ بیحد نرم دل ہیں، آپ کے عمال آپ کی نرم دلی سے فائدہ اٹھاتے ہیں عمال کی حرکتوں کی آپ کو خبر نہیں ہونے پاتی اور لوگ گمان کرتے ہیں کہ آپ کے احکام کی تعمیل ہو رہی ہے آپ خواہ مخواہ ہدف بنے جاتے ہیں۔

حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ ایک دوسرے سے کتنا حسن ظن رکھتے تھے وہ اس واقعہ سے خوب ظاہر ہوتا ہے انتخاب کے وقت حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے الگ الگ سوال کیا گیا کہ بالفرض خلافت کے لئے حضرت عمر فاروق رضؓ کے مجوزہ ناموں میں سے آپ کا نام حذف کر دیا جائے تو آپ کسے مستحق خلافت سمجھتے ہیں؟ حضرت علیؓ نے حضرت عثمان رضؓ کا نام لیا اور حضرت عثمان رضؓ نے حضرت علی رضؓ کا۔

حضرت عثمان رضؓ کا جب محاصرہ ہوا ہے اور دانا پانی بند کیا گیا ہے تو انھوں نے حضرت علیؓ کو بلایا تھا۔ اور حضرت علیؓ گئے تھے لیکن باغیوں نے جس طرح ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو روکا تھا جو کھانے پینے کی چیزیں لیکر حضرت عثمان رضؓ تک پہنچا چاہتی تھیں۔ اسی طرح حضرت علیؓ کو اندر جانے نہیں دیا۔ حضرت علی رضؓ نے اپنا سیاہ عمامہ اتارا اور حضرت عثمان رضؓ کے قاصد سے کہا یہ لے جاؤ اور حالت بتاؤ حضرت علیؓ نے حضرت حسن رضؓ اور حضرت حسینؓ کو دروازہ پر چھوڑ دیا کہ کھڑے رہو اور عثمان کے مکان کا پہرہ دو۔ حملہ کے وقت حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے زخم بھی آئے تھے۔

باغی کسی کا کہا نہیں سنتے تھے۔ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن سالمؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سمجھانے والوں میں کون نہیں تھا۔

ایک مرتبہ باغی حضرت علی رضؓ ہی کے سمجھانے بجھانے اور اصلاحات کا یقین دلانے سے واپس چلے گئے تھے لیکن راستے میں مروان کا قاصد ملا، جو مصر کے گورنر کے نام وہ خط لے جا رہا تھا جس کے (قبلوا) پر ب کا نقطہ نہیں لگایا گیا تھا اور جو (اقتلوا) بھی پڑھا جا سکتا تھا۔ بس اس بات نے ہی باغیوں کے تن بدن میں آگ لگا دی اور باغی بے قابو ہو گئے۔

جب باغیوں نے حضرت عثمان رضؓ کو شہید کر دیا تو حضرت علی رضؓ نے امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو مارا اور محمد بن طلحہ رضؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو برا بھلا کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں باغی کیسے گھر میں گھس سکے۔ حالانکہ امام حسنؓ اور حسین رضؓ باغیوں کو روکنے کی وجہ سے زخمی تھے۔

حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد مسند خلافت تین دن تک خالی پڑی رہی اور حضرت علی رضؓ خلیفہ بننے سے انکار کرتے رہے۔ آخر تیسرے دن صحابہؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر یہ بار گراں اٹھا لیا۔[۱]

مسند نشین خلافت ہو کر حضرت علیؓ نے قاتلان عثمانؓ کا پتہ چلانے کی کوشش کی۔ حضرت عثمان رضؓ کی اہلیہ بی بی نائلہ رضؓ نے بتایا کہ محمد بن ابی بکر آئے تھے لیکن حضرت عثمان رضؓ نے کہا کہ تمھاری گستاخی کو تمھارے باپ زندہ ہوتے تو ہرگز پسند نہ کرتے تو محمد بن ابی بکر نے پھر کچھ نہیں کیا۔ دو آدمی اور تھے جنھوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا، جنھیں نہ حضرت عثمان کی اہلیہ پہچانتی تھیں اور نہ محمد بن ابی بکر ہی پہچانتے تھے۔ گرفتار کرتے تو کسے؟ اور سزا دیتے تو کسے دیتے؟ لیکن اتنی صفائی سے کیا ہوتا تھا۔

---

[۱] ہم سمجھتے ہیں یہ واقعے کی مکمل تصویر نہیں۔ پچھلے تینوں خلفائے بھی صحابہ ہی کے اصرار والتماس پر خلافت قبول کی تھی لیکن حضرت علی کے قبول خلافت (بقیہ صفحہ آئندہ)

حضرت عثمان کی خلافت چھ برس تک بالکل اس نقشے کے مطابق چلی جو حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کی خلافت کے زمانے میں تھا۔ چھ برس بڑی کامیابی کے ساتھ گزرے۔ لیکن ساتویں برس سے نقشہ بگڑ گیا۔ عمّال خودسر ہوگئے اور خاندانی عصبیت پھر ابھر آئی، اور حضرت عثمان رض کی خلافت کے آخر میں اس نے ایسا زور پکڑا کہ حضرت علی رض کا سارا دورِ خلافت اسی زور کے دبانے میں صرف ہوگیا۔ حضرت عثمان رض کا خون آلود کرتہ، اور بی بی نائلہ رض کی انگلیاں جو مدافعت کرتے ہوئے کٹ گئی تھیں امیر معاویہؓ کے پاس شام پہنچ گئی تھیں۔ انھوں نے ان چیزوں سے کام لیا۔ ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مصر تھیں کہ میرے بھائی محمد بن ابی بکر سے قصاص لو۔ حضرت علی رض بی بی نائلہ رض کی گواہی کے بعد اس کے واسطے تیار نہ ہوئے تو حضرت عائشہ رض اور ان کے ساتھی میدان میں آگئے۔ یہ جنگ، جنگ جمل کہلاتی ہے حضرت عائشہ رض اس کی سالار تھیں۔

جنگ جمل ہوچکی تو حضرت علی رض مدینہ منورہ سے کوفہ چلے گئے اور کوفہ کو دارالحکومت بنالیا تاکہ پھر کبھی کوئی ہنگامہ مچے تو حرم نبوی اور مدینہ کی پاک زمین اس سے ملوث نہ ہو۔

کوفہ میں قیام کرکے حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ تم اگر عثمان رض کے قاتلوں سے انتقام لینا چاہتے ہو تو پہلے میری بیعت کرلو اور پھر مقدمہ پیش کرو میں قرآن وسنت کے بموجب فیصلہ کروں گا۔" امیر معاویہ نے جواب دیا کہ" قاتلانِ عثمان رض پہلے ملنے چاہئیں بیعت بعد میں ہوگی۔" اس پر ہزارہا آدمیوں نے غل مچا دیا کہ ہم سب عثمان رض کے قاتل ہیں۔ حضرت علیؓ نے قاصد (ابومسلم) سے فرمایا کہ اتنے آدمیوں کو کس طرح تمھارے حوالہ کرسکتا ہوں، اور امیر معاویہؓ کو دوبارہ لکھا کہ مذمت کرو۔ لیکن وہ نہ مانے اور جنگ صفین ہوکر رہی۔ فرقہ خوارج اسی جنگ کا ثمرہ ہے۔ خوارج کی سرکوبی کے لئے معرکہ نہروان ہوا۔ غرض کہ اندرونی شورشوں اور ہنگاموں نے حضرت علی رض کو اس کی مہلت نہیں دی کہ فتوحات کرسکتے چنانچہ پنج سالہ دورِ خلافت میں ایک دن بھی سکون واطمینان کا نہ ملا۔ تاہم ملکی نظم ونسق اور عمّال کی نگرانی سے حضرت علی رض غافل نہیں رہے۔ بازپرس سے قریبی اعزا بھی نہ بچتے تھے، صیغہ محاصل کی اصلاح کی۔ ناداروں اور معذوروں کو بڑی مدد دی۔ ذمیوں (غیر مسلم رعایا) کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا۔ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کی غرض سے مستحکم قلعے بنوائے۔ فوجی چوکیاں قائم کیں۔ اخلاقی نگرانی کا خاص خیال رکھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا معاملہ اس سے بہت مختلف ہے۔ جس وقت باغی یعنی قاتلین عثمان ہی فیصلہ کن قوت بنے ہوئے ہوں، دارالسلطنت پر ان کا تسلط ہو، مسجد نبوی میں مفسدین مصر کا سربراہ امامت کررہا ہو اور اہالیان مدینہ کے سروں پہ تلوار لٹکی ہو، صحابہ کے اصرار اور شورے سے کسی کے خلیفہ بن نے نہ بن نے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہنا یوں چاہئے کہ جب قاتلین عثمان نے حضرت علی سے خلیفہ بن نے کی استدعا کی ایسی استدعا جس کے بین السطور میں طاقت، دھمکی اور تخویف تھی۔ تو بعض صحابہ نے بھی یہی بہتر سمجھا کہ اس استدعا کو قبول کرکے مزید فتنہ وشورش کا دروازہ بند کیا جائے۔ ایسا نہ کیا جاتا تو سوائے اس کے کیا ہوتا کہ باغیوں میں ہی سے کوئی تختِ خلافت پہ دندناتا یا حضرت علیؓ کے علاوہ کسی اور صحابی کو شاہِ شطرنج کی نوعیت کا خلیفہ بنا دیا جاتا۔ اس سے تو بہرآئینہ یہی اچھا معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ ہی خلافت قبول کرلیں۔

یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اس وقت کتنے ہی صحابہ تو مختلف صوبوں اور سرحدوں کے انتظامات میں مدینے سے غیر حاضر تھے کتنے ہی حج کی خاطر مکہ معظمہ قیام پذیر تھے۔ کتنے ہی فتنہ وشورش کا بازار گرم دیکھ کر ادھر ادھر نکل گئے تھے۔ پھر جب بیعت علیؓ کا مرحلہ آیا تو حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ کو بھی تأمل ہی رہا، طلحہؓ وزبیرؓ نے بیعت کی بھی تو تلوار کی نوک پر جو قلیل ہی مدت بعد توڑ دی گئی۔ حتیٰ کہ انھوں نے حضرت علیؓ کے بالمقابل باقاعدہ لشکر کشی کی (تجلی)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ

محمد ایوب قادری بی اے

نام نامی حسن رضی اللہ عنہ۔ کنیت ابو محمدؒ۔ خطاب ریحانۃ النبی۔ لقب شبیہ رسولؐ تھا۔ والد ماجد علی رضؓ بن ابو طالب بن عبد المطلب بن ہاشم تھے والدۂ ماجدہ سیدۃ النساء۔ فاطمۃ زہرا رضؓ۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔ رمضان ۳ ہجری (۶۲۵ء) میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت کی خبر ہوئی تو آپ حضرت فاطمہ رضؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میرے بچے کو دکھاؤ کیا نام رکھا ہے عرض کیا گیا حرب۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرب نام بدل کر حسن رکھدیا[1]۔ ساتویں روز عقیقہ ہوا اور بالوں کے برابر چاندی تولکر کے صدقہ کی گئی[1]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔ شکل و شباہت میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں

لم یکن احد اشبہ النبی صلعم من الحسن بن علیؓ[3] — حسن بن علی رضؓ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شخص مشابہ نہ تھا۔

دوسری جگہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ان اخوین السعیدین حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرماتے ہیں۔

کان اشبھہم برسول اللہ صلعم[4] — یہ ان اہل بیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے

ایک موقعہ پر خلیفہ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھا کر فرمایا۔

بابی شبیہ بالنبی، لیس شبیہ بعلی[5] — میرا باپ قربان نبیؐ کے مشابہ ہو علی رضؓ کے مشابہ نہیں ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس وقت موجود تھے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کا یہ فقرہ سن کر ہنس پڑے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادیں آپ کی حیات مبارک ہی میں انتقال فرما گئی تھیں اس لئے آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد خصوصاً حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے:۔

عانق النبی صلعم الحسن[6] — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رضی اللہ عنہ کو گلے سے لگایا۔

حضرت براء سے روایت ہے:۔

رایت النبی صلعم والحسن بن علی رضؓ علی عاتقہ یقول اللھم انی احبہ فاحبہ[6] — میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا حسن بن علی رضؓ کاندھے پر تھے آپ فرماتے تھے خداوندا میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ۔

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ حسن رضؓ اور حسین رضؓ دونوں نام اہل جنت کے ہیں زمانۂ جاہلیت میں یہ نام کسی شخص نے نہیں رکھے [2] تاریخ الخلفاء للسیوطی

[3] [4] بخاری کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسین۔

[5] [6] بخاری کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسین۔

آٹھ برس تک حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن محبت میں پرورش پائی حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، بھی حضرت حسن رضؓ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضؓ کا وظیفہ صحابہ کرام کے برابر پانچ ہزار ماہانہ مقرر فرمایا حالانکہ وہ اس زمرہ میں نہ آتے تھے خلیفہ سوم حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی حضرت حسن رضؓ سے بہت شفقت فرماتے تھے خلیفہ سوم رضؓ کے زمانہ میں ان کا عہد شباب تھا اور عہد عثمانی ہی میں انکی عملی زندگی کا آغاز ہوا طبرستان کی فوج کشی میں جو سعید بن العاص کی ماتحتی میں ہوئی تھی اس میں حضرت حسن رضؓ شریک ہوئے اور اس کے علاوہ جب حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف سبائیوں نے فتنہ برپا کیا اور باغیوں نے خلیفہ سوم رضؓ کے مکان کو گھیر لیا تو قصر خلافت کی حفاظت کے لئے دوسرے حضرات کے ساتھ حضرت حسن رضؓ بھی مقرر ہوئے [1]۔ اور وہاں حضرت حسن رضؓ نے نہایت شجاعت و بہادری سے حملہ آوروں کی مدافعت کی اور باغیوں کو اندر گھسنے سے حتی الوسع روکا مگر باغی چھت پر چڑھ کر اندر داخل ہو گئے اور خلیفہ سوم حضرت سیدنا عثمان کو شہید کر دیا۔ حضرت علی رضؓ کو جب اس حادثہ کی خبر ہوئی تو وہ حضرت حسن رضؓ پر سخت ناراض ہوئے اور ان کے ایک طمانچہ مارا کہ تم نے کیسی حفاظت کی کہ باغی اندر داخل ہو گئے اور حضرت عثمان غنی رضؓ کو شہید کر دیا [2]۔

جنگ جمل میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مشورہ دیا کہ آپ مدینہ لوٹ چلئے اور کچھ دنوں کے لئے خانہ نشین ہو جائیے مگر حضرت علی رضؓ کی رائے یہ تھی کہ یہ بات مزید افتراق و انشقاق کا باعث ہوگی۔ چنانچہ چار و ناچار حضرت حسن رضؓ جنگ جمل میں شریک ہوئے کوفہ میں حضرت حسن رضؓ نے ایک تقریر کی اور لوگوں کو حضرت علی رضؓ کی حمایت کے لئے تیار کیا جنگ جمل کے بعد ملت اسلامیہ کو جنگ صفین کے قیامت خیز معرکہ سے واسطہ پڑا۔ اس جنگ میں بھی حضرت حسن رضؓ حضرت علی رضؓ کے ساتھ تھے اور التوائے جنگ پر جو عہد نامہ مرتب ہوا اس میں شاہد تھے۔

خلافت کے پانچویں سال ابن ملجم نے حضرت علی رضؓ پر قاتلانہ حملہ کیا چونکہ زخم کاری لگا تھا اور بچنے کی کوئی امید نہ تھی [3]۔ جندب بن عبداللہ نے پوچھا کہ آپ کے بعد ہم حسن رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ میں تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں تم لوگ اس کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو [4]۔ حضرت علی رضؓ جانتے تھے کہ خلافت جمہور مسلمانوں کا حق ہے جس کو وہ چاہیں انتخاب کریں اسی لئے خلیفہ کے انتخاب کے مسئلہ کو عام مسلمانوں کی رائے پر چھوڑ دیا۔ حضرت علی رضؓ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس میں وراثت کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے لیکن اہل عراق نے حضرت رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضؓ کو خلافت کا جائز وارث تسلیم کر لیا [5]۔ سب سے اول قیس بن سعد انصاری نے بیعت کی اس کے بعد تمام اہل عراق نے بیعت کی اور رمضان ۴۰ ھ (۶۶۱ ء) میں خلیفہ چہارم حضرت علی رضؓ کے فرزند اکبر حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے باپ کی بجائے مسند خلافت پر متمکن ہوتے بیعت کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ، لوگوں سے اقرار لیتے

---

[1] اس شورش اور ہنگامہ کے زمانہ میں حضرت حسن رضؓ نے اپنے والد حضرت علی رضؓ کو مشورہ دیا کہ آپ کچھ دنوں کے لئے مدینہ سے باہر چلے جائیں کیونکہ اگر آپ کی موجودگی میں حضرت عثمان غنی رضؓ شہید ہو گئے تو لوگ آپ کو مطعون کریں گے۔ (ابن اثیر جلد سوم)

[2] تاریخ الخلفاء (از سیوطی) [3] زخمی ہونے کے تین دن بعد ۲۰ رمضان یکشنبہ ۴۰ ھ (۶۶۱ ء) کو حضرت علی رضؓ کا انتقال ہوا حضرت حسین و حسن رضی اللہ عنہما نے غسل دیا اور حضرت حسن رضؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔
(انا للہ وانا الیہ راجعون)

[4] طبری جلد ششم

[5] ہسٹری آف عربس از پروفیسر فلپ ۔ ہٹی۔

جانتے تھے کہ :-

"میرے کہنے پر عمل کرنا جس سے میں جنگ کروں تم بھی جنگ کرنا اور جس سے
میں صلح کروں تم بھی اس سے صلح کرنا"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو، جب حضرت علی رضؓ کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو ان کو تمام دنیائے اسلام کے خلیفہ ہونے کا خواب پورا ہوتا نظر آیا اگرچہ وہ اہل شام سے فیصلہ تحکیمین کے بعد بیعت لے چکے تھے لیکن اب دوبارہ پھر تجدید بیعت کرائی جب حضرت... امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تجدید بیعت سے فارغ ہو گئے تو انھوں نے اپنا لشکر دمشق سے کوفہ کی جانب زیر سرکردگی عبداللہ بن عامر روانہ کر دیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام صلح بھیجا کہ صلح جنگ سے بہتر ہے اور مناسب یہی ہے کہ آپ مجھ کو خلیفہ وقت تسلیم کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کر لیں تاکہ ملت ایک مرکز پر جمع رہے۔

حضرت حسن رضؓ کو جب شامی فوج کی پیش قدمی کی خبر ملی تو انھوں نے قیس بن سعد انصاری کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے آگے بھیج دیا اور خود ان کے عقب میں روانہ ہو گئے عراقی فوج کے مدائن پہنچنے کے بعد کسی نے مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد قتل کر دیئے گئے اس خبر کے اڑتے ہی عراقی فوج کی ہمت ٹوٹ گئی اور اس میں بھگدڑ مچ گئی لوگوں نے حضرت حسن رضؓ کے خیمہ پر حملہ کر دیا اور کچھ سامان بھی لوٹ کر لے گئے۔ حضرت حسن رضؓ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو پورے حالات کا جائزہ لیا اور فوج کی جنگ سے پہلو تہی کا اندازہ کر کے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی !-

لوگو! میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے اپنی ذات کو دیکھتا ہوں میں تم لوگوں کے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں امید ہے کہ اسے مسترد نہ کرو گے جس اتحاد و یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس اختلاف اور تفرقہ سے افضل و بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور کمزوری دکھا رہے ہیں اس لئے میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا ہوں

اس تقریر کو سن کر خوارج اور منافقین نے فوراً تمام لشکر میں یہ بات مشہور کر دی کہ حسن رضؓ امیر معاویہ رضؓ سے صلح کرنی چاہتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ حسن رضؓ اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے [1] اور انہی میں سے کچھ لوگوں نے ان کا مصلیٰ اور کپڑے چھین لئے حضرت حسن رضؓ یہ حوصلہ شکن صورت حال دیکھ کر مدائن کو چل دیئے راستہ میں ایک شخص نے ان پر حملہ کر دیا جس سے ران میں زخم پہنچا وہ مدائن پہنچ گئے۔ اور اس وقت تک وہیں مقیم رہے جب تک زخم اچھا نہ ہو گیا۔ حضرت حسن رضؓ شفا حاصل ہونے کے بعد پھر عبداللہ بن عامر کے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے عبداللہ بن عامر نے نہایت ہوشیاری سے کام لیا اور حسن رضؓ کی فوج کو مخاطب کر کے کہا :-

عراقیو! میں خود جنگ کرنی نہیں چاہتا میری حیثیت صرف امیر معاویہ رضؓ کے مقدمۃ الجیش کی ہے اور وہ شامی فوجیں لے کر خود انبار تک پہنچ چکے ہیں اس لئے حسن رضؓ کو میرا سلام کہو اور میری جانب سے یہ پیام پہنچا دو کہ ان کو اپنی ذات اور اپنی جماعت کی قسم جنگ ملتوی کر دیں۔"

---

[1] تاریخ اسلام جلد اول شاہ معین الدین ندوی بحوالہ طبری جلد ہفتم۔ [2] معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگانے کی رسم منافقوں اور سبائیوں کی ایجاد کردہ ہے انہی لوگوں نے حضرت علی مرتضیٰ پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا تھا کس قدر حسرت کا مقام ہے کہ آج بھی نام نہاد مولوی اور مفتی منافقوں اور سبائیوں کے اتباع میں اپنی تکفیر بازی اور فتنہ گری سے ملت اسلامیہ میں افتراق و انشقاق پھیلا رہے ہیں۔

عبداللہ بن عامر کی یہ تدبیر کارگر ہو گئی اور تیر نشانہ پر بیٹھا حضرت حسن رضؓ کے ہمراہیوں نے جب پیغام صلح سنا تو جنگ کرنی مناسب نہ سمجھی دبیچھے ہٹتے گئے حضرت حسن رضؓ یہ حالت دیکھ کر مدائن لوٹ آئے عبداللہ بن عامر نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور مدائن کو گھیر لیا حضرت حسن رضؓ پہلے ہی سے حضرت امیر معاویہ رضؓ سے صلح پر آمادہ تھے اپنے ساتھیوں کی کم ہمتی اور کمزوری دیکھ کر جنگ کا ارادہ بالکل ملتوی کر دیا اور چند شرائط پر حضرت امیر معاویہ رضؓ کے حق میں خلافت سے دست برداری کا فیصلہ کر لیا اور ان شرائط کو عبداللہ بن عامر کے ذریعہ سے حضرت امیر معاویہ رضؓ کے پاس بھجوا دیا جو درج ذیل ہیں :۔

۱:۔ کوئی عراقی بغض و کینہ کی وجہ سے نہ پکڑا جائے ۔

۲:۔ بلا استثناء سب کو امان دی جائے ۔

۳:۔ عراقیوں کی بدزبانیوں کو انگیز کیا جائے ۔

۴:۔ اہواز کا کل خراج حسن رضؓ کے لئے مخصوص کر دیا جائے ۔

۵:۔ حسن رضؓ کو دو لاکھ سالانہ علیحدہ دیا جائے ۔

۶:۔ وظائف میں بنی ہاشم کو بنی امیہ پر ترجیح دی جائے ۔[1]

مصالحت کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد عمرو بن العاص نے یہ تجویز پیش کی کہ حضرت حسن رضؓ مجمع عام میں دست برداری کا اعلان کر دیں مگر حضرت امیر معاویہ رضؓ نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے عمرو بن العاص نے اصرار کیا تو انھوں نے حضرت حسن رضؓ سے اس امر کی درخواست کی۔ حضرت حسن رضؓ نے مجمع عام میں درج ذیل تقریر فرمائی ۔

"اے لوگو! خدا نے ہمارے اگلوں سے تمہاری ہدایت اور پچھلوں سے تمہاری خونریزی کرائی داناؤں میں بہترین دانائی اور کمزوریوں میں سب سے بڑی کمزوری بداعمالیاں ہیں یہ امر (خلافت) جو ہمارے اور معاویہ رضؓ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے یا وہ اس کے حقدار ہیں یا میں دونوں صورتوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے میں اس (خلافت) سے دستبردار ہوتا ہوں ۔"

حضرت حسن رضؓ اس کے بعد کوفہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے اور بقیہ عمر جوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کر دی آپ کی خلافت چھ ماہ رہی[2] اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے ان کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضؓ نے بڑی تکریم و تعظیم کا برتاؤ کیا اور برابر ان کی خدمت میں حسب قرارداد صلح نامہ وظائف و ہدایا بھیجتے رہے ۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ ایسا کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں مل سکتی حضرت رضؓ کے اس اقدام صلح سے ملت اسلامیہ کو

---

[1] بعض نے اس شرط کا بھی اضافہ کیا ہے کہ "امیر معاویہ رضؓ کے بعد حسن رضؓ خلیفہ ہونگے" لیکن یہ محض گڑھی ہوئی بات ہے طبری، یعقوبی، دینوری، مسعودی، ابن کثیر وغیرہ کتب میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ آئندہ واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے یہ روایت محض حضرت حسن رضؓ کے زہر خورانی کے واقعہ کو حضرت امیر معاویہ رضؓ کے سر تھوپنے کے لئے تراشی گئی ہے اگر ایسی کوئی شرط ہوتی تو آئندہ کسی موقعہ پر کسی کی زبان سے ضرور نکل جاتی۔ یزید کی ولی عہدی کی مخالفت میں عبداللہ بن زبیر رضؓ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضؓ نے دوسری باتیں تو کہیں مگر کسی نے نہیں کہا کہ شرائط کی رو سے تمہارے (امیر معاویہ رضؓ) بعد حسن رضؓ خلیفہ تھے لہٰذا اب انہی کی اولاد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ ہی حضرت حسین رضؓ نے کسی موقعہ پر ایسا کہا بہرحال اس شرط کی تاریخی اور عقلی حیثیت سے کوئی اصل نہیں ہے (تاریخ اسلام جلد اول از شاہ معین الدین ندوی) [2] دست برداری خلافت کی تاریخ میں اختلاف ہے ۔

ایسی مصیبت عظیم سے نجات مل گئی اور مسلمانوں کی خونریزی کا جو سلسلہ کئی سال سے چلا آرہا تھا وہ بند ہوگیا حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے منافقوں اور سبائیوں کی شرارتوں اور ریشہ دوانیوں کا یکایک درہم برہم کردیا اور انھوں نے ان خوں آشام تلواروں اور آہنگداز نیزوں کا رخ دشمنانِ اسلام کی طرف پھیر دیا جو اس سے پہلے مسلمانوں کی گردنیں اڑانے اور سینے زخمی کرنے میں مصروف تھے اس اقدام صلح سے ملک میں امن و سکون پیدا ہوگیا اور جو قوت آپس کی لڑائیوں میں ختم ہو رہی تھی وہ پھر دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہونے لگی۔ بیرونی فتوحات اور اندرونی اصلاح و ترقی کا سلسلہ شروع ہوگیا اسی لئے اس سن کو "سنہ عام الجماعۃ" یعنی اتحاد و اتفاق کا سال کہتے ہیں۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا:۔

سمعت النبی صلعم علی المنبر والحسن الی جنبہ ینظر الی الناس مرۃ والیہ مرۃ ویقول النبی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر سنا حسن رضؓ آپ کے پہلو میں تھے آپ ایک بار مجمع پر نظر ڈالتے تھے اور ایک بار ان (حسنؓ) پر اور فرماتے تھے میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے۔

دست برداری کے نو سال بعد حضرت حسن رضؓ کی موت زہر خورانی کے سبب ۵۰ھ (۶۷۰ء) میں مدینہ میں واقع ہوئی [1]۔ زہر نہایت ہلک تھا جب حضرت حسین رضؓ نے زہر دینے والے کا نام پوچھا، تو فرمایا کہ اگر میرا گمان صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے [1]۔

حضرت حسن رضؓ کو اپنے نانا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی خواہش تھی اس بارے میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ سے اجازت طلب کی گئی تو انھوں نے خوشی کے ساتھ اجازت دے دی مگر مروان نے مزاحمت کی مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضؓ کی وصیت یاد دلائی کہ مزاحمت اور خونریزی کے امکان کی صورت میں مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کیا جائے۔ سعید بن العاص گورنر مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور نعش مبارک ان کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ زہرا رضؓ کے پہلو میں جنۃ البقیع میں سپرد خاک کر دی گئی۔

حضرت حسن رضؓ نے کثرت سے شادیاں کیں اور اسی طرح طلاقیں دیں حضرت حسن رضؓ اپنی بیویوں کے ساتھ نہایت محبت اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے ان کی دس اولادیں ہوئیں جن میں سے آٹھ صاحبزادے اور دو لڑکیاں تھیں [2]

حضرت حسن رضؓ نے تمام عمر نہایت فراغت بلکہ عیش کے ساتھ زندگی بسر کی [3] حضرت حسن رضؓ فضل و کمال کا مجسمہ تھے۔ ان کی مرویات کی

---

[1] مشہور مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی لکھتے ہیں: عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کی بیوی جعدہ بنت الاشعث نے زہر دیا تھا مگر جب کہ خود حضرت حسن رضؓ اور حضرت حسین رضؓ کو تحقیق نہ ہو سکا کہ زہر کس نے دیا اور کیوں دیا تو دوسروں کا حق نہیں ہے کہ وہ سینکڑوں اور ہزاروں برسوں کے بعد یقینی طور پر اسے مجرم قرار دیں۔ (تاریخ اسلام جلد اول ص ۵۵۹ طبع اول)

[2] حضرت حسن رضؓ کی اولاد کی تعداد میں اختلاف ہے۔

[3] خلیفہ دوم حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے زمرہ میں پانچ ہزار ماہانہ مقرر فرمایا اور یہ وظیفہ خلیفہ سوم حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں برابر ملتا رہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خود خلیفہ مقرر ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری کے بعد اہواز کا پورا خراج اور دو لاکھ سالانہ وظیفہ .... ملتا رہا۔

تعداد کل تیرہ ہے جن میں سے زیادہ تر حضرت علی رضہ سے مروی ہیں فن خطابت میں اُن کو کمال حاصل تھا ان کے خطبات فصاحت وبلاغت کے ساتھ اخلاق وحکمت اور پند وموعظت کا دفتر ہیں۔ حسن رضہ مکارم اخلاق کا پیکر مجسم تھے خصوصًا ایثار و قربانی اور استغنا و بے نیازی میں ان کی مثال کم مل سکے گی تمام وقت عبادت الٰہی اور ریاضت میں صرف فرماتے تھے ہر طرح کی سواریاں ہونے کے باوجود پیادہ پا حج کرتے تھے صدقہ وخیرات اور فیاضی وسیر چشمی میں خود اپنی مثال تھے دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آتے تھے نہایت خوش خلق اور صاحب مروت تھے اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کی حاجت پوری فرماتے تھے ضبط وتحمل اور حلم وبردباری کے مجسمے تھے ان کی زبان کبھی تلخ اور فحش کلمہ سے آلودہ نہیں ہوئی حضرت حسن رضہ کو اصلاح عقائد کا بڑا خیال رہتا تھا اور وہ اس سلسلہ میں کسی رعایت یا مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے[1]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل بے شمار ہیں حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما دونوں بھائیوں کے متعلق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں میرے دنیا کے پھول ہیں۔ ایک دوسری روایت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ حسن وحسین رضہ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضہ کو کندھے پر لے کر نکلے ایک شخص نے دیکھ کر کہا: "میاں صاحبزادے کیا اچھی سواری ہے"۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سوار بھی کتنا اچھا ہے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا یہ عالم تھا کہ عبادت کے موقعہ پر بھی حسن وحسین رضہ کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دے رہے تھے کہ اتنے میں حسن وحسین رضی اللہ عنہما سرخ قمیص پہنے ہوئے خراماں خراماں آتے ہوئے دکھائی دیئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بھائیوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا اور فرمایا خدا نے سچ کہا ہے کہ "تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں"۔ ان دونوں بچوں کو آتے ہوئے دیکھ کر میں ضبط نہ کر سکا اور خطبہ کے درمیان ان کو اٹھالیا۔ حضرت حسن وحسین رضہ نماز پڑھنے کی حالت میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طفلانہ شوخیاں کرتے تھے لیکن نہ آپ انہیں روکتے تھے اور نہ ان کی شوخیوں پر خفا ہوتے تھے بلکہ انکی طفلانہ اداؤں کو پورا کرنے میں امداد دیتے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے وقت رکوع میں جاتے تو حسن وحسین رضہ دونوں ٹانگوں کے اندر گھس جاتے آپ دونوں کے نکلنے کے لئے پاؤں کے درمیان راستہ بنا دیتے آپ سجدہ میں ہوتے تو دونوں پشت مبارک پر بیٹھ جاتے آپ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اٹھاتے جب تک دونوں خود نہ اتر جاتے۔

[1] شیعان علی میں ایک جماعت کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی رضہ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی اور وہ قیامت سے پہلے ہی زندہ ہو جائیں گے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا یہ لوگ جھوٹے ہیں خدا کی قسم ایسے لوگ کبھی شیعہ نہیں ہو سکتے اگر ہم کو یقین ہوتا کہ آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) عنقریب ظاہر ہونگے تو نہ ان کی بیویوں کا نکاح کرتے اور نہ ترکہ تقسیم کرتے۔ (نوٹ): ۔ اس مضمون کی تیاری میں تاریخ الخلفاء (سیوطی) اسد الغابہ جلد سوم (لکھنؤ اڈیشن) تاریخ طبری جلد پنجم وہفتم (حیدرآباد دکن اڈیشن) خلفائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (عمر ابو النصر) شمس التواریخ (جلد چہارم) ہسٹری آف عربس (فلپ ہٹی) خلفائے راشدین (حاجی معین الدین ندوی) سیر الصحابہ جلد ششم (حاجی معین الدین ندوی) سیر الصحابہ جلد دوم (سعید احمد انصاری) تاریخ اسلام جلد اول (شاہ معین الدین ندوی) تاریخ اسلام (اکبر شاہ خاں نجیب آبادی۔ طبع اول) مشاہیر اسلام (مترجمہ مولوی محمد زکریا مائل، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی) پیش نظر رہیں۔

باب الصحت

ماہ اپریل کے واسطے

معدہ کا فعل درست کرنے میں فاقہ کی اہمیت

از بیگم حکیم محمد عظیم زبیری - امروہہ ضلع مراد آباد

جب تمام نظام ہضم تھک جاتا ہے تو مقوی غذاؤں اور اعلیٰ درجہ کی دواؤں سے جسم کو بہت ہی کم فائدہ پہنچتا ہے، تھکے ہوئے نظام ہضم کی حالت میں غذا بخوبی ہضم ہو کر جز و بدن نہیں بنتی خواہ کتنی ہی زود ہضم ہو اور کتنی ہی کم مقدار میں استعمال کیجائے بدن میں خون کی پیدائش ہرگز نہیں بڑھ سکتی جسم توانا اور مضبوط کبھی نہیں ہو سکتا جب تک کھائی ہوئی غذا صحیح طور پر ہضم کر جز و بدن نہ بن جائے۔ عام مشاہدہ کی بات ہے ہزاروں آدمیوں کو خود اس کا تجربہ ہوگا کہ وہ مقوی معدہ اور مولد خون دوائیں استعمال کرنے اور مقوی جسم، پرہیزی غذائیں کھانے کے باوجود کمزور ہی رہتے ہیں سینکڑوں روپیہ حکیم ڈاکٹروں کی جیب میں چلا جاتا ہے نہ معدہ کا فعل درست ہوتا ہے اور نہ قبض کی شکایت دور ہوتی ہے۔ نہ صحت بنتی ہے اس کا سبب وہی نظام ہضم کی تھکن ہے جسے ہم غلط طریق پر زندگی بسر کر کے خود پیدا کرتے ہیں اوائل عمر کی غلط کاریوں۔ عہد شباب کی بداعتدالیوں۔ ادھیڑ عمر کی بد پرہیزیوں اور حفظان صحت کے اصولوں سے لاپرواہی یہ سب خرابیاں آلات ہضم اور دفع کو اس درجہ تھکا دیتی ہیں کہ وہ اچھی دوا اور اچھی غذا کا بھی اثر قبول نہیں کرتے۔ مقوی معدہ معجونیں اور ہاضم چورن بھی حالات میں تبدیلی پیدا کرنے سے عاجز رہتے ہیں۔ وہ مریض جو معدہ و جگر کی اس درجہ بڑھی ہوئی کمزوری اور آلات ہضم کی تھکن کو محض دواؤں اور پرہیزی غذاؤں کے ذریعہ دور کرنا چاہتے ہیں وہ نادان ہیں اس صورت حال کو تیزی کے ساتھ بدلنے کے لئے متوازن غذا اور مناسب دوا کے ساتھ فاقہ کرنا ضروری ہے بلکہ دوا اور غذا سے بڑھکر فاقہ ہے۔ معدہ بھی ایک عضلاتی عضو ہے دیگر عضلات کیطرح اُسے بھی تو آرام کی ضرورت ہے اُس کا آرام یہی ہے کہ فاقہ کیا جائے فاقے سے صرف آلات ہضم کی تھکن ہی دور نہیں ہوتی بلکہ وہ تمام مضر رطوبات اور فضلات بھی ختم ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے جسم کسی نہ کسی بیماری میں آئے دن مبتلا رہتا ہے فاقہ سے تمام اعضاء میں اپنے طبعی افعال انجام دینے کی صلاحیت لوٹ آتی ہے اور انسان پھر چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔ "محافظ شباب" میں آپ کو اس کے متعلق بہت کچھ ملے گا مئی میں یہ کتاب شائع ہو رہی ہے مفت منگا کر پڑھئے کافی تعداد میں آرڈر جمع ہو گئے ہیں منگانے میں عجلت کیجئے ورنہ ایسی مفید اور کارآمد کتاب آپ کو پھر دیر تک نہ مل سکے گی۔

مردانہ۔ زنانہ اور بچوں کے امراض کے متعلق مفت مشورہ لیجئے لیکن جواب کے لئے ٹکٹ یا پتہ لکھا لفافہ رکھنا نہ بھولئے۔ میرا پتہ یہ کافی ہے۔ بیگم حکیم محمد عظیم زبیری۔ امروہہ ضلع مراد آباد۔

چند خاص کتابیں

سنن دارمی شریف حدیث کی مشہور کتاب کا اُردو ترجمہ جو ۳۴۵۶ حدیثوں پر مشتمل ہے۔
ہدیہ مجلّد آٹھ روپے۔

مسند امام اعظمؒ (مع ترجمہ و فوائد) امام ابوحنیفہؒ کا مرتب فرمودہ احادیث کا مجموعہ جس میں مولانا عبدالرشید نعمانی کا بہترین معلومات افزا مقدمہ بھی ہے۔ مجلّد آٹھ روپے

صحابیات ان برگزیدہ خواتین کے حالات جنھوں نے اللہ کے آخری رسول کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ نیاز فتحپوری کے قلم سے۔ قیمت مجلّد چھ روپے۔

غنیۃ الطالبین عربی اُردو مع فتوح الغیب یہ شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کی مشہور زمانہ کتاب اب اُردو داں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ایک کالم میں عربی متن، دوسرے کالم میں ترجمہ۔ دو ضخیم جلدوں میں مکمل تیس روپے۔

التکشف مولانا اشرف علیؒ کی اس کتاب کا پورا نام :- التکشف عن مہمات التصوف ہے۔ تصوف اور اس کی جزئیات پر بڑی مبسوط کتاب ہے، مشکل مسائل اور دقیق نکات کی توضیح و تسہیل۔ علوم و معارف کا گنجینہ۔ تازہ بہتر ایڈیشن۔ قیمت مجلّد دس روپے بارہ آنے۔

آئینۂ حقیقت نما مؤرخ اسلام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کی معرکۃ الآرا تالیف ہندو اور مغربی مؤرخین، مسلم فاتحین پر جو متعصبانہ الزامات لگاتے رہے ہیں ان کے محققانہ مدلّل اور دنداں شکن جوابات۔ عجیب کتاب ہے۔ قیمت مجلّد بارہ روپے۔

سفینۃ الاولیاء دارا شکوہ کی تالیف۔ جس میں رسول اللہؐ صحابہؓ، ائمہ، اولیاء، ازواج النبیؐ اور اسلام کی مشہور نیک خواتین کے حالات ہیں۔ قیمت مجلّد چھ روپے بارہ

تازیانے انمول اقوال و روایات پر مشتمل عربی کی مشہور کتاب المنبہات کا سلیس اُردو ترجمہ۔ مجلّد تین روپے۔

فاروق اعظمؓ کے سرکاری خطوط کیا اس نام کے بعد بھی یہ کہنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ بیش بہا کتاب آپ کے مطالعہ کی بہترین چیز ہے۔ بڑی تقطیع کے ۶۷۲ صفحات نفیس طباعت۔ خطوط کی تعداد ۴۲۵ قیمت مجلّد بارہ روپے۔ مجلّد اعلیٰ چودہ روپے۔

مسلمان عورت مصر کے مشہور مصنف فرید وجدی کی عربی تصنیف المرءۃ المسلمۃ کا اُردو ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد کے قلم سے۔ مقدمہ بھی مولانا آزاد ہی کا ہے۔ قیمت مجلّد چار روپے۔

خطبات مدراس سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر مولانا سید سلیمان ندویؒ کے خطبات کا یہ مجموعہ جس قدر مقبول ہے محتاج بیان نہیں۔ قیمت تین روپے۔ مجلّد چار روپے۔

وجد و سماع شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے عربی رسالے السماع والرقص کا اُردو ترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے قلم سے۔ قیمت صرف بارہ آنے۔

عثمانؓ صرف تاریخ کی روشنی میں مصر کے مشہور نقاد اور نامور محقق ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی مشہور کتاب کا اُردو ترجمہ مولانا عبدالحمید نعمانی کے قلم سے۔ چھ روپے (مجلّد سات روپے)۔

علیؓ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں یہ بھی طٰہٰ حسین ہی کی تالیف ہے اور مترجم بھی مولانا عبدالحمید ہی ہیں۔ قیمت مجلّد ساڑھے سات روپے۔

تصوّف کی حقیقت اور اس کا فلسفۂ تاریخ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی معروف کتاب ہمعات کا سلیس و شگفتہ ترجمہ۔ قیمت دو روپے بارہ آنے۔

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

نقد و نگاہ

یہ صفحات فی الحقیقت تو "کھرے کھوٹے" ہی کا ایک حصہ ہیں لیکن اس مرتبہ چونکہ تبصروں کی خدمت شمس نوید عثمانی نے انجام دی ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ بعد میں جو تھوڑا سا وقت راقم الحروف کو تبصرے کے لئے میسّر آسکا — اس کا حاصل جداگانہ ہی عنوان سے ہدیۂ ناظرین کیا جائے۔ گویا ایک ہی مضمون اصحابِ مضمون کے تعلق سے دو حصوں میں بٹ گیا۔ عامر عثمانی۔

علیؓ تاریخ وسیاست کی روشنی میں

مصر کے سابق وزیر تعلیم اور معروف محقق وناقد ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے کچھ زمانہ ہوا "الفتنۃ الکبریٰ" کے نام سے ایک تصنیف پیش کی تھی جس کے دو حصے تھے۔ ایک حضرت عثمانؓ کے بارے میں، دوسرا حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے متعلق۔ جناب مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی نے ان دونوں حصّوں کا ترجمہ کر کے الگ الگ شائع کر دیا ہے اور فی الوقت اس کا حصّۂ ثانی ہمارے پیش نظر ہے

ناول سائز کے ۴۷۹ صفحات۔ کتابت چھپائی معیاری۔ کاغذ سفید۔ مجلّد کی قیمت ساڑھے سات روپے۔ شائع کردہ:—

قومی لائبریری مالی گاؤں۔ ضلع ناسک۔

جہاں تک ترجمے کا تعلق ہے فاضل مترجم کے لئے بیساختہ داد نکلتی ہے۔ رواں، شگفتہ، رچا ہوا ترجمہ جو دل میں اترتا چلا جائے بعض مقامات کو چھوڑ کر یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ ترجمہ ہے یا طبعزاد تالیف کہنا چاہیے کہ جناب مترجم زمانۂ حال کے عربی ادب اور اسلوبِ تحریر پر کافی عبور رکھتے ہیں اور اگر وہ کچھ اور تعمق، باریک بینی اور حزم واحتیاط اختیار فرمائیں تو ہندوستان کی حد تک انھیں عربی کے مترجمین میں مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی سے متصل بعد کی صف میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ جملۂ شرطیہ ہم نے اس لئے بولا کہ بحالات موجودہ ان کے ترجمے میں متعدد وہ خامیاں پائی جاتی ہیں جو علم واستعداد کی کمی کا نہیں تیز رفتاری اور قلتِ احتیاط کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً ص۱۳۱ پر حضرت علیؓ کے مقام صفّین تک پہنچنے کے سلسلہ میں

"راہ میں بہت کچھ دشواریاں پیش آئیں جن کا تذکرہ کر کے ہم بات کو بڑھانا نہیں چاہتے"۔

یہاں "بڑھانے" کا نہیں بلکہ "گفتگو کو طول دینے" کا محل تھا "بات کو بڑھانا" اردو اصطلاح میں جھگڑے اور تناؤ میں اضافہ کرنے کا مفہوم دیتا ہے جبکہ یہاں اس کا کوئی محل نہیں۔

یا مثلاً ص۱۳۲ پر ——— "جب حضرت علیؓ مایوس ہوگئے تو اپنے آدمیوں کے ہاتھوں میں جھنڈے دیدیئے

اور ایک ایک دستے نکلنے لگے"۔

زبان کے لحاظ سے آخری فقرہ صراحۃً غلط ہے۔ ترجمہ کچھ اس طرح ہونا چاہیئے تھا کہ "اور مجاہدین چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں آگے بڑھے"؟

یا مثلاً ص۱۷۲ پر ——— "صفین کے معرکے میں سبائیوں کے تذکرے سے مؤرخین کی پہلوتہی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ سبائیوں اور ان کے سردار ابن سودا کا افسانہ تصنّع اور من گھڑت ہے"۔

"تصنّع" کا لفظ یہاں اکھڑا ہوا ہے "جھوٹا" یا "طبعزاد" یا "جعلی" یا "بے اصل" کہنا مناسب ہوتا۔ "تصنّع" اور "مصنوعی" کا محل استعمال اور ہی ہے۔

یا مثلاً ص۲۱۱ پر حضرت علیؓ کے خطبے میں:—

"اور یہ کہ میں تمہیں تعلیم دوں اور ادب سکھاؤں تاکہ نادانی نہ کر

اور سکھائے نہ جاؤ"۔

ہمارے سامنے اصل کتاب نہیں اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ "اور سکھائے نہ جاؤ" کس عربی فقرے کا ترجمہ ہے، لیکن ہے بہرحال یہاں اہمال کی حد تک سبحزہ۔ کچھ اس انداز کا جملہ ہوتا تو بات بنتی کہ "اور بے ادب نہ بنو" ۔۔۔ یا ۔۔۔ "اور دھلائے نہ جاؤ"

یا مثلاً ص۲۱۱ اور ص۲۲۶ پر "لوٹ و غارت" سپرد قلم ہوا ہے ایسا عطف ادبی اعتبار سے لائق اجتناب ہے۔ وجدان اس سے کبیدہ ہوتا ہے۔

یا مثلاً ص۳۱۱ پر ۔۔۔ "اور فتوحات کی کمزوری یہ کہ دولت نے لیے مفاد اور اغراض کو جگا یا جو سو رہے تھے

لیے ایسے مقاصد اور تقاضوں کو ہوشیار کیا جو محو غفلت تھے"

متعدد جگہوں کے درمیان یہ لفظ "مفاد" بے میل ہی ہے جھول مٹ جاتا اگر "مفادات" لکھدیا جاتا۔

یا مثلاً ص۳۲۶ پر ۔۔۔ "علوی جماعت کی تنظیم اور ایک ممتاز شیعہ جماعت اس وقت وجود میں آئی جب حکومت کی لگام امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں آگئی"۔

"لگام" کا لفظ یہاں غلط تو نہیں ہے لیکن اپنے سیاق و سباق میں ایسا لگتا ہے جیسے ہم جنسوں کے درمیان کوئی ناجنس آبیٹھا ہو۔ زبان و ادب میں الفاظ کی ہم آہنگی اور یکرنگی کافی قدر و قیمت رکھتی ہے۔ اگر "زمام" یا "عنان" یا "باگ ڈور" لکھدیا جاتا تو ذوق لطیف کو بے آہنگی کا گلہ نہ ہوتا۔

یا مثلاً ص۳۵۳ پر ۔۔۔ "لوگوں نے عافیت میں خیر دیکھی اور لڑائی بند ہو گئی"۔

عافیت اور خیر اردو میں تقریباً مترادف ہیں۔ فقرہ مضحکہ خیز سا بن گیا ہے۔ کہنا یوں تھا کہ ۔۔۔ "لوگوں نے جنگ نہ کرنے میں خیر دیکھی"۔

یا مثلاً ص۴۶۵ پر ۔۔۔ "اور معاویہؓ کی توجہ مبذول کرانی پڑی کہ لڑکے کی چال چلن پر نظر رکھیں"۔

اول تو "چال چلن" کے درمیان عطف روزمرہ کے خلاف ہے دوسرے اسے مذکر لکھنا چاہئے تھا، مؤنث نہیں (لڑکے کے چال چلن پر نظر رکھیں)

یا مثلاً ص۴۷۲ پر ۔۔۔ "یزید نے قسم کھالیا تھا"۔

قسم تو اردو میں بالاتفاق مؤنث ہے۔

یا مثلاً "عمتہ" کا ترجمہ ایک سے زیادہ جگہ "چچی" کیا گیا ہے حالانکہ "پھوپی" کرنا چاہئے تھا۔ حیرت ہے اس سہو کا احساس فاضل مترجم کو اس وقت بھی نہ ہوا جب حضرت صفیہؓ کو رسول اللہ اور حضرت علیؓ کی چچی لکھ رہے تھے۔ وہ تو پھوپی تھیں چچی کہاں۔

زبان و قلم کی لغزش کے یہ نمونے واضح کرتے ہیں کہ مترجم نے توجہ کے ساتھ نظرثانی نہیں فرمائی ورنہ ان کی اصلاح ہو جاتی۔ کتابت تصحیح کے بھی نقائص ملتے ہیں مگر زیادہ نہیں۔ اگلے ایڈیشن میں ذیل کے صفحات تصحیح کے نقطہ نظر سے دیکھ لئے جائیں۔

ص۱۲۸، ص۱۳۵، ص۱۷۸، ص۱۸۱، ص۲۹۹، ص۴۷۳ ۔

مترجم اور ناشر کے دائرہ سے گذر کر جب نگاہ فاضل مؤلف کے جسد بالا تک پہونچتی ہے تو بے اختیار اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کا انداز نقد بہت ہی حسین اور دل آویز ہے، ایک سلجھے نظر جج کی طرح معاملات کے لطیف و مخفی گوشوں کو اپنی نگاہ رسا کی گرفت میں لیکر وہ جس خوشنما اور ذہانت آمیز اسلوب میں تحلیل تجزیہ کا عمل کرتے چلے جاتے ہیں اور ان کی زبان فصاحت سے معانی و مطالب کے موتی جس دلآویز انداز میں جھڑتے ہیں ان کے اخذ نتائج کی صلاحیت، مقدمات کی ترتیب کے سلیقے اور گہرے تعقل و تفحص کی استعداد کے شاندار مظاہر ہیں، حسن کاری و اعجاز کی حد ہے کہ ہم ان کے متعدد دلائل اور تخریجات و مزعومات سے اختلاف رکھنے کے باوجود تمام بحثوں کو نہایت نشاط خاطر سے پڑھتے چلے گئے ہیں اور خاتمہ پر یہی فیصلہ کرنا پڑا ہے کہ واقعات و شواہد جس سیل کو بنیاد بنا کر انھوں نے تاریخی افراد و حوادث کے بارے میں فیصلے دئیے ہیں انھیں ناقابل اعتماد اور تنقیح طلب سمجھتے ہوئے بھی ہمیں ماننا چاہئے کہ نقد و نظر میں ان کا مقام بہت اونچا اور شاندار ہے۔ فجزاہم اللہ خیرالجزاء۔

ان کی یہ کتاب حالات و افراد کے جائزے میں بھرپور تجزیہ اور خالص تحلیل کی ایک حیرتناک کوشش ہے جس کے لئے اس تحمل اور خلوص و دیانت کو بجا طور پر داد دینی چاہئے۔ علیؓ و معاویہؓ جیسی شخصیتوں کے احوال و کوائف پر نقد کرتے ہوئے جذبات

بالا تر ہو جانا بہت ہی مشکل ہے اور اس مشکل پر قابو حاصل کرنا بال سے باریک اور تلوار سے تیز پل صراط پر چلنے کے مرادف ہے لیکن کہنا چاہیئے کہ فاضل مؤلف سر کی آنکھوں سے محروم ہونے کے باوجود ذہن و بصیرت کی بینائی کے سہارے اس پل صراط پر چلے ہیں اور خوب چلے ہیں۔ انھوں نے عقائد کی مسند سے ہٹکر صرف تاریخ کی جولانگاہ میں اپنے رہوار تنقید کو دوڑایا ہے اور نازک و پیچیدہ تر مراحل سے بھی وہ اس سلیقے سے گذر گئے ہیں کہ شیعیت یا ناصبیت کا کوئی الزام ان پر نہیں لگایا جا سکتا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ ہم یا کوئی اور ان کے اخذ کردہ بعض نتائج سے متفق نہ ہو سکے یا جن مقدمات و روایات کو انھوں نے اخذ نتائج کے لئے ترتیب دیا ہے انھیں محتاج نظر اور نامحکم قرار دے۔ راقم الحروف اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کا ایماندارانہ اعتراف کرنے کے بعد کہہ سکتا ہے کہ جتنی فراست و بالغ نظری کا ثبوت انھوں نے استدلال و استنباط کی کڑی راہوں میں دیا ہے اس کے شایان شان حزم و احتیاط خود مقدمات و روایات کی جانچ پرکھ میں نہیں برتی ایک اچھا جج اگر مسل کے مندرجات کا دانشورانہ جائزہ لیکر نہایت اعلیٰ قانونی مہارت اور قوت نقد و تحکیم کا ثبوت پیش کرتا ہے تو یقیناً وہ مستحق تعریف ہے۔ لیکن یہ تعریف اسی وقت مکمل کہی جا سکتی ہے جب اس نے یہ کوشش بھی کما حقہ کر دیکھی ہو کہ جو واقعات اور گواہیاں مسل میں پیش کی گئی ہیں وہ بجائے خود کس حد تک معتبر اور فساد و تحریف سے مبرا ہیں۔ فیصلوں کی ٹھوس بنیاد بہر حال یہ مسل ہی ہے، اگر یہی بنیاد کذب و تحریف کا آمیزہ ہو اور اسے نقد و احتساب کی چھلنی میں چھانے بغیر درست و بجا سمجھ لیا گیا ہو تو ظاہر ہے کہ کیسی بھی شاندار اور خوشنما عمارت اس پر بنائی جائے گی ضعیف البنیان ہی ہوگی اور تعجب نہیں کہ بنیاد کی یہ کمزوری کبھی اچانک اسے خاک کا ڈھیر کر دے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس دور پر فاضل نقاد نے نگاہ نقد ڈالی ہے اس کی بعض اہم اور مرکزی شخصیتوں کے کردار اور نیت اور باطنی میلانات کے بارے میں انھوں نے پہلے سے ایک رائے قائم کر رکھی ہے اور جب وہ متخالف و متضارب روایات کے انبار سے لائق اعتبار روایات کا انتخاب کرتے ہیں تو یہ پہلے سے قائم کردہ رائے غیر شعوری طور پر ان کے میزان بصیرت میں کہیں پاسنگ اور کہیں خاصے وزنی باٹ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں انھوں نے متعدد ایسی روایات کو حقائق مسلّمہ کے طور پر انتخاب کر لیا جن کی صحت و صداقت روایت و درایت دونوں ہی پہلوؤں سے نہ صرف مجروح ہے بلکہ بعض محققین نے انھیں "لاشے" قرار دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ معاویہؓ کے جن افعال و اقدامات کی خوشگوار تاویل بآسانی ممکن تھی ——— بلکہ جن کے بارے میں عقل و نقل حسن توجیہہ کی پرزور سفارش کر رہے تھے اور غیر جانبدار نقاد سے انھیں اچھے ہی محمل پر اتارنے کی پوری توقع کی جا سکتی تھی انھیں بھی فاضل مؤلف نے دنیا پرستی اور معصیت کوشی کا مکروہ لبادہ پہنا ڈالا ہے۔ اس باب میں وہ صرف انتخاب روایت ہی کے تساہل پر بس نہیں کر گئے ہیں بلکہ بعض مقامات پر تو یہ منظر بھی نظر آتا ہے کہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت کی عدم موجودگی کے باوصف وہ یہ کہہ کر تاریخ میں اضافہ کر گئے کہ "میرے خیال میں یوں بھی ہوا ہوگا" ——— ایسے اضافے کا حق اگر ترقی یافتہ فن تنقید کی رو سے انھیں واقعۃً حاصل ہو تب بھی ہم اس بنیاد پر ان سے اختلاف کر سکتے ہیں کہ جن روایات کے منطقی تقاضے کی حیثیت میں انھوں نے بعض واقعات کو کارگہ تخیل میں ڈھالا ہے وہ روایات ہی سرے سے ناقابل اعتماد ہیں اور جتنی محنت موصوف نے اخذ نتائج میں کی ہے اتنی ہی محنت اگر روایات کی تنقیح و تنقید میں کرتے تو ان کے رشحات و افکار کا باطن بھی اتنا ہی چمکدار ہوتا جتنا ظاہر ہے۔ ہمارا ناچیز خیال یہ ہے کہ اپنی خداداد صلاحیتوں کا جتنا بھرپور استعمال انھوں نے واقعات کے تجزیئے اور استخراج مطالب میں کیا ہے اتنا خام مواد کی جانچ پرکھ میں نہیں کیا۔ پھر بھی ہمارا مجموعی تاثر یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر کسی بھی مرحلے میں تعصب و جانبداری اختیار نہیں کرتے۔ کتاب کے جو مقامات ہمیں شدید طور پر ناپسند ہیں ان کے لئے بھی حسن ظن کے سوا ہمارا کوئی جذبہ نہیں۔ فاضل نقاد ابوسفیانؓ کو کسی بھی قیمت پر مومن ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ وہ شخص چالباز تھا اور

* آخر میں جب اسلام کے بغیر چارہ نہ تھا۔ ایک طرف موت تھی

اور دوسری طرف اسلام، محبِ مسلمان ہوا (ص۱۰)

اس کا مطلب صاف ہے کہ ابوسفیان کے اسلام میں حسن نیت کا دخل نہیں وہ بظاہر مسلمان ہوئے لیکن ان کا قلب مومن نہ تھا پھر ان کے باطن کی مزعومہ گندگی سے موصوف ان کے بیٹے معاویہ کو بھی غیر ملوث رکھنے کے لئے تیار نہیں :

"حضرت معاویہؓ کو وراثت میں باپ کی طرف سے توانائی ملی، ساتھ ہی سنگدلی، چالاکی، چالبازی اور لچک بھی ملی۔ پھر ان کی ماں بھی اسلام اور مسلمانوں سے بغض وعداوت رکھنے میں ان کے باپ سے کسی طرح کم نہ تھیں"۔

نقطۂ نظر کی بات ہے ورنہ "سنگدلی" کی جگہ "تحمل" ۔ "چالاکی" کے عوض "فراست" اور "چالبازی" کے بدلے "سیاسی مہارت" بھی کہنا ممکن تھا۔

حضرت معاویہؓ کے ساتھی حضرت عمرو بن عاصؓ سے مؤلف پوری طرح بدظن ہیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں انھوں نے ہر اُس روایت کو حقیقتاً ثابتہ مان لیا ہے جس سے ان کی سیرت کے تاریک تر پہلو نمایاں ہوتے ہوں۔ مثال کے طور پر ص۱۱۵ پر

"ہوا یہ کہ عمرو بن عاصؓ نے معاویہؓ سے اس بیبرخی پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ حق پر تم نہیں ہو۔ حق پر تمہارا حریف ہے اور تمہاری کامیابی اور تمہارا ساتھ دینا دنیا کا راستہ ہے دین کا نہیں۔ میں تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہوں، اپنے دماغ اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں یہ میری بڑی قربانی ہے"۔

اس روایت نے ایک تیر سے دو شکار کئے، ایک طرف یہ بتایا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بدترین قسم کے دنیا پرست تھے جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ علیؓ حق پر ہیں اور معاویہؓ باطل پر صرف مال ومنال اور مناصب کی خاطر معاویہ کا ساتھ دے رہے تھے۔ دوسری طرف یہ آشکارا کیا کہ خود معاویہ بھی اپنے برسرِ باطل ہونے سے بیخبر نہ تھے اور حق مسلمہ طور پر ان کے نزدیک بھی علی ہی کے ساتھ تھا۔ اسی لئے عمرو بن عاصؓ کے مذکورہ قول کے جواب میں انھوں نے نہ غصہ کیا نہ انکار۔ نہ تردید کی، نہ بیزاری ج بلکہ سوال کیا

"ساتھ دینے کی کیا قیمت لوگے؟"۔

ہم نہیں جانتے ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی ژرف نگاہی اس رو پر بھروسہ کرتے ہوئے کیوں نہ ٹھٹکی اور انھوں نے کیوں نہ کہ اگر اس تاریخی مکالمے کا کوئی حقیقی وزن ہوتا تو امت کے بڑے بڑے اساطین اور علماء واتقیاء فیصلہ کن طور پر حضرت علی کو برسر قرار دینے اور معاویہ کے برسرِ باطل ہونے کا اعتراف نہ کرنے بخل اختیار نہ فرماتے وہ یہ نہ کہتے کہ علی ومعاویہ کے تنازع میں حق کا فیصلہ بس اللہ ہی کر سکتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ان کا یہ نہ ہوتا کہ معاویہ اگر غلطی پر بھی ہوں تو از راہ اجتہاد ایک ثواب کے مستحق ہیں۔ مؤلف نے اپنی منتخب کردہ روایات کے معین حوالے دیئے۔ ورنہ آسانی سے بتایا جا سکتا کہ درایت کے علاوہ فنِ ر کے اعتبار سے بھی یہ روایات، کس حد تک جرح وقد متحمل ہو سکتی ہیں۔

مؤلف کی قطعی رائے یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد خلاف سب سے زیادہ حقدار اہل بیت ہی تھے، نہ کہ ابوبکر، عمر اور ع رضی اللہ عنہم۔ اس رائے کو انھوں نے ص۱۲۸ و ص۱۲۹ پر کچھ انداز سے بیان کیا ہے گویا یہی رائے حضرت علی کی بھی تھی۔ اپنے طور پر اس کی توثیق وتثبیت کی ہے۔ مزید ثبوت ص۲۷ پر

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؓ اور ان کے چچا حضرت عباسؓ دونوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ منصب خلافت صرف بنی ہاشم کا حق ہے نہ کسی اور خاندان میں منتقل ہونا چاہئے اور نہ کسی غیر ہاشمی کو خلیفہ بنانا چاہئے"۔

پھر ص۶۶ پر

"حضرت علیؓ کو اس میں کبھی شک نہیں رہا کہ خلافت کے وہ سب سے زیادہ حقدار ہیں"۔

اس طرح کے فرمودات اگرچہ حضرت علیؓ کی منقبت او ہی کے سیاق وسباق میں آتے ہیں لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ تذکرہ حضرت علی کی عظمت کو چار چاند لگانے کی بجائے غبار آلود

موجب ہو سکتا ہے۔ آج کا ذہن کیا اس شخص کے طرز فکر پر صاد کر سکے گا جو خلافت و حکومت کو نسل و نسب کے دائرے میں مقید رکھنے کا معتقد ہو! استحقاق خلافت کے مسئلہ میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے خیال اور مذہب شیعہ کے عقیدے میں بنیادی کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ پھر جب حضرت علیؓ بھی اسی عقیدے کے حامل تسلیم کر لئے جائیں تو نہ صرف یہ کہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کا قصر بلند منھ کے بل زمین پر آ رہتا ہے بلکہ خلافت راشدہ کی ساری تاریخ ہی غصب و استیلاء کے محور پر گھوم جاتی ہے۔

ہو سکتا ہے حضرت علیؓ اور ان کے چچا حضرت عباس رضؓ کا خیال واقعی وہی ہو جو ظاہر کیا گیا۔ اس کو تقویت بخاری کی بھی ایک روایت سے پہونچتی ہے۔ لیکن کیا امت کو بھی اسکی تائید و توثیق کرنی چاہئے؟ ——— کیا سچ مچ پہلی تینوں خلافتیں بس نام نہاد طور پر راشدہ تھیں اور ان کی بنیاد اہل بیت کے استحقاقِ خلافت کی لاش پر رکھی ہوئی تھی؟ ——— اگر ایسا ہو تو پھر خلافت راشدہ کو خاکم بدہن خلافت غاصبہ کہنے میں کیا تکلف ہو سکتا ہے! ——— اعوذ باللہ من ذلک۔

صفحہ ۱۲۷ پر ——— "امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں نے عام شامیوں کے دل و دماغ میں یہ بات اتار دی تھی کہ حضرت علیؓ دراصل اللہ کے ایک برست قانون قصاص کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں"۔

بات ٹھیک ہے لیکن بین السطور خاصا بھیانک ہے۔ مؤلف یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ معاویہ اور ان کے ساتھی جان بوجھکر محض چالبازی اور سیاسی مکاری کی راہ سے حضرت علیؓ کی پوزیشن خراب کر رہے تھے۔ ہمیں اس سے اختلاف ہے حضرت علیؓ بے شک نہ تو قتل عثمانؓ کی سازش سے کوئی تعلق رکھتے تھے نہ ارادۃً قصاص کی راہ میں رکاوٹ بن رہے تھے۔ لیکن ان نازک حالات کو کیا کہئے گا جو پیدا ہو کر رہے اور کسی کے بس میں نہ تھا کہ ان کو ٹھیک کر دے۔ قاتلین عثمانؓ کے تسلط اور غلبے کی حالت میں جو خلیفہ برسر خلافت آیا ہے اس کے بارے میں بدگمانی رکھنے والوں اور سوء ظن پھیلانے والوں کو قطعی طور پر بدنیت اور مکار قرار دینا انسانی فطرت اور نفسیات عامہ کے ساتھ انصاف نہیں ہے خود طٰہٰ حسین اگر اس دور میں شام کے کسی شہر میں اقامت گزیں ہوتے اور قتل عثمانؓ کی بھیانک خبر حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں اور خون میں تھڑی ہوئی جامۂ عثمانؓ کے ساتھ ان تک پہنچتی تو بعید نہ تھا کہ وہ عقیدت علیؓ کو اس مضبوطی کے ساتھ قائم نہ رکھ سکتے جیسے اب رکھے ہوئے ہیں۔ معاویہ اور ان کے اعیان و انصار آخر انسان ہی تھے انھیں اپنی بدگمانیوں میں چالباز اور بدنیت قرار دینا بڑے دل گردے کی بات ہے۔

بعض لوگ ہم سے بہت ناراض ہیں کہ ہم خلافت علی کی بیعت کو بیعت خاصہ کہہ کر اس کی توہین کرتے ہیں اور سیدھے منھ بیعت عامہ ماننے کو تیار نہیں۔ ذرا دیکھئے حضرت علیؓ کے بہت بڑے مداح ڈاکٹر طٰہٰ حسین کیا فرماتے ہیں

"اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ اسلامی مقبوضات کے تمام حدود تک اپنی خلافت پھیلانے میں کامیاب نہیں ہوئے اور نہ صرف خود ناکام رہے بلکہ آپکے ساتھ پورا نظام خلافت ناکام رہا"۔

یہی تو وہ حقیقت ہے جسے ہم بیعت خاصہ اور عامہ کے فرق سے ظاہر کیا کرتے ہیں۔ حقائق کسی کی خواہشات کے تابع نہیں ہو سکتے

کتاب کا ایک مقام خصوصی توجہ کے لائق ہے۔ سنئے

"حضرت حسنؓ کے دل سے حضرت عثمانؓ کا غم نکل نہ سکا۔ کہنا چاہئے کہ وہ پوری طرح عثمانی تھے۔ البتہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے تلوار نہیں اٹھائی اس لئے کہ وہ خود کو اس کا مستحق خیال نہیں کرتے تھے اور شاید وہ کبھی کبھی اپنی عثمانیت میں حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دن انھوں نے اپنے والد بزرگوار کو ناگوار جواب دیا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ گذر رہے تھے اور حسنؓ وضو میں مصروف تھے۔ حضرت علیؓ نے دیکھ کر کہا۔ وضو اچھی طرح کرو۔ حسنؓ نے کہا ——— کل ہی آپ نے ایک شخص کو مار ڈالا جو وضو بہت اچھی طرح کرتا تھا۔ حضرت علیؓ یہ سنکر اس سے زیادہ کچھ کہہ سکے، خدا عثمانؓ سے غمخواری کا جذبہ اور بڑھائے" ؎

حیرت ہوتی ہے کہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی نگاہ بصیرت اس تاریخی مکالمے کے مضمرات و ثمرات سے کیسے چوک گئی۔ اگر نہ چوکتی تو ان کا یہ موقف کبھی نہ ہوتا کہ معاویہ اور اہل شام شہادت عثمان کے سلسلہ میں حضرت علیؓ سے مختلف انواع کی بدگمانیاں رکھنے میں بدنیت یا ومکار نہیں بلکہ مخلص اور معذور تھے!

للہ! انصاف کرو۔ اگر خود حضرت علیؓ کا عالی مقام بیٹا باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر منہ در منہ اور برملا قتل عثمان کا الزام ان پر داغ سکتا ہے تو دنیا میں کون شخص ہوگا جس کی بدگمانیوں کو لازماً بدنیتی اور مکر و سیاست پر محمول کرنا ضروری قرار دیا جا سکے حضرت حسینؓ تو کہیں دور بھی نہ تھے مدینے ہی میں تھے۔ نہ صرف مدینے میں بلکہ محافظین عثمان کی حیثیت سے دولت کدہ عثمان ہی میں تھے۔ ان سے زیادہ کسے معلوم ہونا چاہئے تھا کہ ان کے معظم والد قتل عثمان سے اسی طرح بری الذمہ ہیں جیسے خود وہ۔ ان کے والد نے تو محاصرے کے دوران میٹھا پانی بھجوایا تھا اور اپنے بیٹوں کو حفاظت کے لئے متعین کیا تھا۔ لیکن کمال ہے کہ وہ ہولناک صاف گوئی کے ساتھ باپ کو قاتل کہہ گذرتے ہیں اور ایسے موقع پر کہہ گذرتے ہیں جب اس کا کوئی موقع نہ تھا جب باپ ایک نصیحت کر رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بھرے بیٹھے تھے۔ ان کے قلب میں جذبات کی پوری شدت کے ساتھ بدگمانی ——— باپ کے خلاف بدگمانی کا لاوا کھول رہا تھا جو مناسب موقع کا انتظار کئے بغیر ابل پڑا!

یہ روایت ہمارے معروف موقف کے لئے فولادی شہادت ہے، لیکن اس کے باوجود ہمیں اس کی صحت میں شک ہے۔ ہم تصور نہیں کرسکتے کہ حسینؓ جیسا صالح بیٹا علیؓ جیسے عالی مقام باپ کے آگے اس درجہ جذباتی مغلوبیت کا شکار ہو جائے گا۔ ایسی بے اساس بات کہدے گا جو ہولناک بھی ہو اور خونچکاں بھی، جس کے لئے اس کا مشاہدہ کوئی برہان پیش نہ کر رہا ہو۔ جس سے بدن میں لرزہ اور روح میں ہیجان پیدا ہو جاتے۔ پھر باپ ——— علیؓ جیسا قوی دست دبے جگر باپ نہایت بے مزدی سے زہر کا یہ تلخ گھونٹ پی جائے۔ نہ ڈانٹے نہ ڈپٹے نہ جسرح کرے نہ خفا ہو۔ بلکہ ایسا جواب دے جس پر لوگوں کے لئے اچھی بری ہر طرح کی

رائے زنی ممکن ہو ——— جس کے غلط معنی بھی نکالے جاسکیں

اب ناظرین فیصلہ کرلیں ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے انتخاب روایات کے معاملہ میں محتاط تنگی اختیار کی ہے یا بے نہایت فراخ؟ مذکورہ روایت اگر صحیح ہے تو ان کا پورا موقف تباہ ہو جاتا ہے اس لئے انھوں نے تنقید کے تانے بانے میں سموئے ہیں اگر صحیح نہیں تو نفس مواد کی ثقاہت مجروح ہو جاتی ہے۔ جراحت کی ایک بدنما مثال ص۲۶۷ پر بھی ملتی ہے جہاں موصوف حضرت حسینؓ کے دانتوں پر یزید کے بید رگڑنے کی تام روایت بلا تکلف بیان فرمائی ہے۔ خدا کی رحمتیں ہوں ابن تیمیہؒ پر انھوں نے اس روایت کو قطعی ناقابل اعتماد قرار دیا ہے اور اہل سنت میں کتنے ہی محققین ہیں جو اس کے من گھڑت ہونے پر وثوق رکھتے ہیں۔ یہ جن راویوں سے روایت ہے ان میں متعدد ایسے ہیں جنھیں صرف جھوٹا اور مفتری کہہ کر ان کی صلاحیت دروغ بافی کا پورا حق ادا نہیں ہوتا!

فاضل مؤلف کے اس دوٹوک اور صریح فیصلے پر ہم کو ختم کرتے ہیں جو انھوں نے ص۳۰۲ پر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"چنانچہ جس کو حق بات اور ہدایت اچھی معلوم ہوئی آپ (حضرت علیؓ کے) ساتھ رہا اور جس کو باطل اور گمراہی بھلی معلوم ہوئی امیر معاویہ سے جا ملا"۔

گویا مسلک اہل سنت کے برخلاف موصوف کے نزدیک حضرت معاویہ اور ان کے ساتھی حسن ظن کی ادنیٰ سی رعایت کے بھی مستحق نہیں ہیں۔ وہ اپنے موقف کو قطعی طور پر باطل جانتے ہی اس پر ڈٹے رہے تھے اور ان کے ایمان اس حد تک بلکہ نیم مردہ ہو چکے تھے کہ انھیں "باطل اور گمراہی" اچھی لگنے لگی تھی۔ اللھم احفظنا۔ اگر یہی معاویہ اور ان کے ساتھی ایسے ہی تھے تو دور سے سلام۔ لیکن ہمارا علم، ہماری فہم، ہمارا ضمیر اس سے اتفاق نہیں کرتا اور اسی لئے ممکن نہیں کہ ہم ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی ہاں میں ہاں ملائیں۔ ان کا استدراک، ان کا نقد، ان کے مزعومات انھیں کو مبارک، ہم علی و معاویہ کی آویزش میں فریق کو ایسا مجتہد خیال کرتے ہیں جو اگر غلطی نہ کرے تو دو اجر پائے۔ غلطی کر جائے تو اکہرے ثواب سے پھر بھی محروم

ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم ؎

چراغ راہ کا خاص نمبر

چراغ راہ ایک پرانا ماہنامہ ہے، جو اپنے "نمبروں"

کے خاص شہرت رکھتا ہے۔ یہی تو ہے جس نے ابھی کچھ روز ہوئے
اسلامی قانون نمبر" کی دو ضخیم جلدیں پیش کر کے دھوم مچا دی
اسلامی حلقہ فکر میں اسے خاص منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

● سالانہ چندہ چھ روپے ● خاص نمبر کی قیمت ڈیڑھ روپیہ

پتہ :— ماہنامہ چراغ راہ کراچی ع۱ ؎

یہ نمبر ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے اور وزن دار مواد کا حامل ہے
مضامین "فکر و نظر" کے ذیل میں چند بلیغ مضامین ہیں۔ پھر
غبار خاطر" کے تحت بعض مشاہیر مثلاً ڈاکٹر اقبال ؒ، مولانا محمد علی
جوہر، مولانا ابوالکلام، مولانا سید سلیمان ندویؒ وغیرہم کے غیر
مطبوعہ خطوط ہیں جو خاصے کی چیز ہیں۔ اس کے بعد "سوز و ساز" کے
زیر عنوان حصۂ نظم ہے۔ حضرت جگر کے تبرکات قدرے پرانے
اپنے انفرادی بانکپن اور پاکیزہ تغزل کے امین۔ ماہر القادری
کی غزل کافی قدیم مگر اسی نسبت سے نشیلی اور وجد انگیز۔ ہمارا خیال
ہے یہ ان کی صف اوّل کی چند غزلوں میں سے ایک ہے جس کے
متعدد شعر تو "سحر حلال" کے تیور رکھتے ہیں۔ نعیم صدیقی کی
غزل حسب معمول دلچسپ اور تیکھی۔ مگر عجیب بات ہے کہ انکی تقریباً
ہر غزل اور نظم میں جہاں تخیل کی بلندی، اسلوب کا تیکھا پن، لہجے
کا زور اور خلوص کا رچاؤ خوب خوب جلوہ دکھاتا ہے وہیں زبان و
بیان کے چند گھاؤ بھی پہلو بہ پہلو نظر آجاتے ہیں۔ بعض الفاظ تو وہ ایسے
غیر متوقع استعمال کر گزرتے ہیں کہ وجدان کو اکدم دھکا سا لگتا ہے
مثلاً اسی غزل میں جب چند نرم و نازک شعروں کے بعد یہ مصرعہ
سامنے آتا ہے

احساس کے دامن میں برسوں، آلام کے پتھر ڈھونئے ہیں

تو ذوق تغزل کے منھ پر جیسے ایک تماچہ سا رسید ہو جاتا ہے۔ "پتھر ڈھونا" غزل
کی زبان نہیں ہے۔ اسی طرح

تم کبر زہد کا اک دھبہ اے شیخ! ابھی چھڑوا نہ سکے

میں "چھڑوا نہ سکے" کا ٹکڑا غزل کے شایاں نہیں۔ اسکے دوسرے
مصرعہ میں "صد داغ معاصی" بھی دو دال کے اتصال سے روانی

کی راہ کا پتھر بن گیا ہے "سوداغ معاصی" اس سے بہتر رہتا۔ ہمارا
خیال ہے نعیم کی شاعری میں اس طرح کے دھبّان کی گوناگوں
مصروفیتوں کا ثمرہ ہیں۔ ویسے طبعاً اگر وہ لاپروا نہ ہوتے تو ہزار
مصروفیتوں کے باوجود ان دھبّوں کی گنتی کم ہو سکتی تھی۔ واحد علاج
یہ ہے کہ وہ کم کہیں مگر زیادہ توجہ سے کہیں ؎

کوثر نیازی کی "نوائے تازہ" کے کیا کہنے۔ اسلام پسند شعراء
میں چند ہی بیچ بیچ کے شاعر ہیں اور انھی میں کے ایک ممتاز فرد
جناب کوثر نیازی ہیں۔ اللہ کرے حسن بیاں اور زیادہ۔

عامر عثمانی کی غزل شاید شکست جام کی صدائے بازگشت ہے
یہ گستاخ اپنی وہابیت سے غزل میں بھی باز نہ آیا۔

جو سجدہ خاص امانت تھا پائے جاناں کا
ہوس اسے بھی در غیر پر گذار آئی

حالانکہ یقین کیجئے یہ شعر کہتے وقت اس کے تصور میں وہ سیاسی دیوتا
تھے جن کا دین چڑھتے ہوئے سورج کی پوجا کے سوا کچھ نہیں لیکن
بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس بے ادب نے مزاراتِ اولیا پر
نذر و نیاز کرنے والے اہل اللہ کی توہین کی ہے! فیصلہ کون
کرے کون سچا ہے؟

بہرحال اس غزل پر تبصرہ کسی اور کا حق ہے۔

کوثر اعظمی کی غزل مطالب کے لحاظ سے بہت اچھی ہے
قالب کے لحاظ سے متوسط ہے۔ ایک مصرعہ کھٹکا

جو ان کو گراں گزری ہے وہی پھر بات زباں پر آئی ہے

تنقید حرام تو نہیں ہے مگر داخل محاسن بھی نہیں ہے" پھر وہی بات"
کی بجائے "وہی پھر بات" قدرت بیان کی اچھی علامت نہیں۔ مقطع
بھی بس بھرتی ہی کا ہے۔

معراج یہی غم کی ہے نہ رہے ہر لمحہ غم انساں کوثر
مانا کہ زمانے کے انساں کہتے ہیں تجھے، صحرائی ہے

"ہے، رہے" کا اتصال گھٹن پیدا کرتا ہے۔ پھر یہ بحر ایسی ہے کہ
اگر اس کا ہر مصرعہ دو برابر کے ٹکڑوں میں تقسیم نہ ہو تو مزا کرکرا ہو جاتا
ہے "صحرائی" یہاں بحر کی سرحد چھوتا محسوس ہوتا ہے۔ شاید
یہ ہماری کور ذوقی ہو! ؎

شمیم جاوید، کوثر جائسی، فروغ احمد اور ساقی فاروقی

کھرے کھوٹے

شمس نوید عثمانی

سہ روزہ دعوت دہلی (خصوصی نمبر — روزہ)

صفحات ۱۴۴ رسالہ سائز ۲۰×۳۰/۸ کتابت وطباعت جلی۔ قیمت ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ

سہ روزہ "دعوت" کشن گنج دہلی۔

ادارہ دعوت نے ماہِ صیام کے تعلق سے "روزہ" پر یہ ایک خصوصی پیش کش عید کے تحفہ کے طور پر پیش کی ہے اور روزے کے موضوع پر ہر زاویہ سے دلچسپ و دلنشیں روشنی ڈالنے والے ۸۷ مضامین نثر و نظم کا گراں قدر ذخیرہ اکٹھا کر دیا ہے۔ روزہ کیا ہے، کیوں ہے؟ اس کے آداب اور اس کے انعامات کیا ہیں؟ وہ حیاتِ انسانی کے اخلاقی گوشوں پر کیا اثر ڈالتا ہے اور مادّی زندگی کے گوشت پوست پر اس کے کیسے صالح نتائج مرتب ہوتے ہیں؟ — ان مسائل کو حضرت شاہ ولی اللہؒ، مولانا اشرف علیؒ، مولانا آزاد مرحوم، مولانا مودودی، مولانا صدر الدین اصلاحی، حکیم مولانا عبد الواحد، مولانا شبیر احمد ازہر جیسے بیدار مغز اربابِ علم و قلم کے خیالات و ملفوظات کے ذریعہ اُجاگر کیا گیا ہے۔

درحقیقت یہ رسالوں کی دنیا کا کوئی رسمی "نمبر" نہیں، بلکہ ایک ایمان افروز اور تنور انگیز مشعلِ راہ ہے۔ جس کے مطالعہ سے محروم رہنا کھلی ہوئی بدقسمتی ہوگی۔ رمضان کے بعد اس کا مطالعہ بے از وقت نہیں، بلکہ اس نقطۂ نظر سے ضروری ہے کہ روزہ دار اس کسوٹی پر اپنے روزوں کو پرکھ کر دیکھ سکے۔

نظم کا حصہ نثر کے مقابلہ میں کم تنگی کا شکار رہا ہے! معلوم نہیں نثر کے وقیع اور ٹھوس مواد سے تھکے ہوئے ذہن اس کو کمی کہیں گے یا زیادتی! بہر حال یہ ایک ادبی شکایت ہوگی علمی نہیں۔

عام معلومات

کتابی ناول سائز۔ صفحات ۱۲۶ کاغذ اوسط کتابت وطباعت روشن قیمت ایک روپیہ

مرتبہ:۔ سید منظور الحسن ہاشمی بی۔ اے۔ ڈپ ایڈ۔

شائع کردہ:۔ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند۔ رامپور۔ یو۔ پی

یہ کتاب ہوا، پانی، مقناطیس، برق، غذا، پھول اور پھل، صحت اور صفائی کے زیرِ عنوانات سات ابواب پر مشتمل۔ ہر جزو کا جائزہ الگ الگ جدید سائنٹفک انکشافات کی روشنی میں لیا گیا ہے۔ اس کا مطالعہ ہمارے چاروں طرف پائی جانے والی ان معمولی چیزوں میں قدرت کے حیرت انگیز راز بے نقاب کر دیتا ہے اور حیات و کائنات کے پردے پر ان عجیب و غریب چیزوں کا نظام دیکھ کر خالقِ کائنات کی قدرت کا ایمان افروز عرفان حاصل ہوتا ہے۔ کتاب کی خصوصی انفرادیت یہ ہے کہ وہ ان مادّی عجوبات کے مشینی عمل کے پس منظر میں خالقِ کائنات کی ہستی پر روشنی ڈالتی چلتی ہے اور اس مطالعہ میں علمی اور سائنٹفک شرح صدر کے ساتھ ایمانی سرور حاصل ہوتا ہے۔ کتاب کی زبان اور اسلوب تحریر اس قدر شگفتہ اور دلچسپ ہے اور اس قدر عام فہم ہے کہ ہر عمر کے طالب علم استفادہ اٹھا سکتے ہیں۔

INTRODUCING THE JAMAAT-E-ISLAMI HIND — جماعت اسلامی ہند کا تعارف

ضخامت ۲۸ ص۔ ناول سائز۔ کاغذ و طباعت صاف ستھری سنجیدہ ٹائٹل۔ قیمت درج نہیں۔

شائع کردہ:۔ شعبۂ اشاعت جماعت اسلامی ہند۔ رام پور یو۔ پی

جماعت اسلامی کے تعارف کے لئے یہ انگریزی کتابچہ بتاتا ہے کہ جماعت کی تاریخ تاسیس کیا تھی، اس کے نظریات واغراض کیا ہیں؟ اس کا طریقۂ تنظیم کیا ہے؟ اس کا پروگرام کن اجزاء پر مشتمل ہے اور اس نے ملک کے سامنے کیا لٹریچر پیش کیا ہے؟

کافی شگفتہ وسہل انگریزی میں اس طرح جماعت کے متعلق تمام بنیادی باتیں سمیٹ دی گئیں ہیں۔ انگریزی داں طبقہ کے لئے اس کا مطالعہ یہ سمجھنے میں کافی مدد دے گا کہ جماعت اسلامی کی وہ انفرادیت اور اس کا مخصوص پیغام کیا ہے جو اس کو ملک کی عام جماعت بندیوں سے ممتاز کرتا ہے۔ مسئلہ کی اہمیت ونزاکت کے پیش نظر کتابچہ کی تنگ دامانی کی شکایت ضرور پیدا ہوتی ہے۔ اس پر اس اختصار آمیزی میں بیانیہ اسلوب کی خشک سادگی کتاب میں جذبات انگیز قوت کی عدم موجودگی کو شدت سے محسوس کراتی ہے۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم | از:- طیب عثمانی ندوی۔ ناول سائز۔ ۴۰ صفحات
قیمت ۵۰ نئے پیسے۔ ناشر:- دارالکتاب۔ سملہ۔ ڈاکخانہ قاسمہ ضلع گیا (بہار)

پیش لفظ کے علاوہ ۴ مختصر مضامین پر مشتمل یہ کتابچہ رسول کریمؐ کے اسوۂ حسنہ اور عظیم انسانی کردار کی روشنی میں رسالتِ محمدیؐ کی سچائی اور عظمت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ رسول کریمؐ پر ایمان کے مدعیوں کے لئے اس میں جا بجا تازیانۂ عمل بھی ہے۔ یقیناً کتابچہ کا موضوع اپنی وسعت واہمیت کے لحاظ سے اس کتابچہ میں نہیں سما سکتا پھر بھی مصنف کے خلوص اور سوزِ تحریر کی برکت سے اس کا اختصارِ سخن بھی کافی دل نشین محسوس ہوتا ہے۔ افسوس کتابت وطباعت پر خاطر خواہ توجہ نہیں کی گئی۔ نیز بعض الفاظ کا استعمال بھی نادرست ہے مثلاً ص۶ پر "جسد مردہ میں روح بخشا" کی جگہ "روح ڈالی" ہونا چاہئے۔ یا ص۹ پر "اپنی تاریک راہوں کو اس سے اجالا کرتی رہے گی" یہاں اجالا بمعنی روشن ٹھیک نہیں۔ یا ص۱۱ و ۱۴ پر توحید اور مساوات کو مذکر کے طور پر استعمال کیا گیا ہے!— اس کے علاوہ ص۲۵ پر یہ عبارت کہ آپؐ نے اس عالم کی ہدایت ورہنمائی کے لئے قرآن جیسی عظیم الہامی کتاب اور ان قرآنی اصولوں پر زندگی کی تعمیر کے لئے اپنی عملی سیرت پیش فرمائی"— اس میں قرآن کو پیش کرنے کی نسبت حضورؐ کی ذاتِ گرامی کی طرف کرنا خطرناک حد تک "ادبیانہ اپچ" ہے— مصنف کو نہ بھولنا چاہئے کہ اسی مقام پر غیر مسلم دنیا کا فرسودہ اعتراض واقع ہوتا رہا ہے کہ قرآن رسول کریمؐ کی تصنیف ہے (معاذ اللہ)— نیز قرآن کو "الہامی کتاب" کہنا بھی یہ وحی اور الہام کے بلند فرق پر ستم سے کم نہیں— الفاظ کی یہ لغزشیں یقیناً بادی النظر میں بالکل معمولی ہیں مگر معنوی طور پر بہت دور تک جاتی ہیں۔ مصنف کو اس باب میں خصوصی احتیاط کی ضرورت ہے۔

موجِ کوثر | از:- اقبال سہیل۔ ناول سائز۔ صفحات ۳۲
پاکیزہ کتابت وطباعت۔ ستھرا ڈسٹکور۔ قیمت ۸؍
ملنے کا پتہ:- جہانگیر آباد پیلس۔ لکھنؤ۔

یہ اقبال سہیل مرحوم کی تین طویل نعتیہ نظموں کا انتخاب ہے۔ اقبال سہیل کا نام شاعری خصوصاً اسلامی شعر وادب کے حلقہ میں محتاج تعارف نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعر وہ خود نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ کہلوایا جا رہا ہے۔ سوزِ دل کی لطیف آنچ جذبات کی گہری روانی اور روح کی چوٹ ان کے ہر شعر سے صاف ٹپکتی ہے۔ اس لئے ان کا کلام پڑھ کر دل سے ایک ہوک سی اٹھتی ہے اور ہم جیسے گنہگار بھی ایمانی تازگی محسوس کرتے ہیں۔

لیکن جیسا کہ شاعر نے خود کہا ہے کہ اس نازک میدان شعر میں شاعر کا یہ حال ہوتا ہے کہ:—

"خرد عاجز، نظر خیرہ، زباں کج مج، بیاں قاصر"

اور عقیدت کے سیلِ رواں میں جذباتی انتہا پسندی سے بچ کر اسلام کے تصورِ رسالت کا مکمل لحاظ کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور حقیقت پسندانہ زاویۂ نظر بدنام مذہبی عجوبہ پسندی سے متأثر ہونے لگتا ہے۔ ہمیں واقعی دکھ ہوا کہ اقبال سہیل مرحوم جیسا بالغ نظر شاعر بھی ان حسین لغزشوں سے نہ بچ سکا۔ اس کی چند مثالیں یہ ملیں:—

(۱) نظم "معراج" میں ص۶ پر شاعر کہتا ہے کہ کوہِ طور پر حضرت موسیٰؑ نے جو تجلی دیکھی تھی وہاں درحقیقت:—

"یہ سب کچھ تھی جمالِ مصطفےٰ کی پرتو افشانی"

وادیٔ ایمن کے جن انوار کو قرآن پاک اللہ میاں کے انوار کا پرتو کہتا ہے اس کو جلوۂ مصطفےٰ سے منسوب کرنا رسالت والوہیت کی سرحدیں ملا دیتا ہے۔ جس پر ذہنِ اسلامی داد کی جگہ فریاد پر مجبور ہے۔

اسی طرح صفحہ ۲۲ پر "لمعۂ قدس تنِ بے سایہ" کا فقرہ اس قدیم توہم پرستی کا شکار ہوا ہے جس کی زد میں عوام تو عوام علماء تک کے حلقوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کی تردید میں یہاں کچھ کہنے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ تجلی کے سابقہ صفحات میں اس کے

خلاف جو تحقیقی مواد شائع ہو چکا ہے اسکی ابتک تردید نہیں کیجا سکی۔ آخری نظم کا آخری حصّہ بھی قابل غور ہے۔ یہاں نعتیہ نظم صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین کی منقبت میں داخل ہو گئی ہے مگر نظم کا ردیف "صلی اللہ علیہ وسلم" جاری ہے ـــ اور قانونی زبان میں غیر مربوط طور پر جاری ہے۔

کلام کے مجموعی حسن و لطافت کے باوجود بعض جگہ الفاظ اور اظہارات صحت اور وجدان کے لحاظ سے کھٹکتے ہیں مثلاً صفحہ ۳ پر "جلوۂ جاناں کی عریانی" میں "عریانی" کا لفظ لغت کے مذاقِ لطیف کے لئے صبر آزما ہے۔ صفحہ ۵ پر "کل یوم ہو فی شان" کا وزن عروضی قابل غور ہے۔ نیز صفحہ ۱۵ پر "ملکوت" کا لفظ غیر مفتوحہ لام کے بغیر ٹھیک نہیں۔ صفحہ ۲۶ پر "جسکا حکم قضائے مبرم"[ل] کہنا خدا کے رسول کو رسالت و بشریت سے اونچا اٹھا کر اس دائرہ میں لیجاتا ہے جہاں "الحکم للہ و الملک للہ" کے سوا کسی کا راج ممکن نہیں۔

مجموعی طور پر شاعر کا کلام اس کے خالص اسلامی جذبات کی نکھری ہوئی شکل ہے جس میں صالح اسلامیت اور لطیف شعریت ہم آمیز ہیں۔ لطف کلام کے طور پر چند شعر ہدیۂ ناظرین ہیں جو مکمل کتاب کے مطالعہ سے کیف اندوز ہونے کی خود ہی پر زور سفارش کرتے ہیں

وہ جامع جس نے یکجا کر دیئے بکھرے ہوئے دانے
منادی آکے جس نے باہمی تفریق انسانی
وہ درس آموز فطرت جس نے سب سے پہلے دنیا میں
بتائے اہل عالم کو حقوقِ جنسِ نسوانی
تراشے جس کے ناخن کا ہلال آسماں منزل
غسالہ جس کے تلووں کا زلال آب حیوانی
براقِ برق پیکر لے چلا یوں ذات انور کو
فضا میں تیر جاتے جس طرح بجلی کی تابانی
حضورؐ اس طرح گذرے گنبدِ مینائے گردوں سے
نظر جس طرح شیشہ سے گذر جائے بہ آسانی
باغ جہاں کا حارسِ نامی جس نے مثالی رسم علی و
پھر سے سنوارا گلشن آدم صلی اللہ علیہ وسلم
راہ میں کانٹے جس نے بچھائے گالی دی پتھر برسائے
اس پر چھڑکی پیار کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم
فقر و غنا دونوں کا سلطاں روح و جسد دونوں کا درماں
دین کا اور دنیا کا سنگم صلی اللہ علیہ وسلم
دلق میں جس نے سلطانی کی جنگ میں جس نے جہانبانی کی
زہد و سیاست کر دیئے توام صلی اللہ علیہ وسلم
صدر راعم سلطان مدینہ وہ جس کے کف پا کا پسینہ
گل کدۂ فردوس کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

اقبال اور عشق رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم

از:- سید محمد عبد الرشید فاضل ایم اے۔ ناول، ۱۸۴ صفحات ـــ کتابت وطباعت اوسط۔ قیمت درج نہیں۔

ملنے کا پتہ:- ادارۂ تحریرات علم و ادب۔ ۵۰۵ پیر الٰہی بخش کالونی کراچی (پاکستان)

مصنف نے اس کتاب میں اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی کہ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کی شاعری "حب رسول" کا کیا معیار پیش کرتی ہے؟ نیز شاعر کے سینے میں اس مقدس محبت کی چنگاریاں کن اسباب و عوامل کے نتیجہ میں پیدا ہوئیں؟ اس مقصد کے لئے ڈاکٹر اقبال کی زندگی کو پانچ ادوار پر تقسیم کیا گیا ہے جو بچپن کی تربیت اور ماں باپ کے اثر، ابتدائی تعلیم اور ماحول۔ استاد کی صحبت، غالب اور حالی کا اثر۔ وسیع مطالعۂ کتب اور ذاتی مشاہدات کے عنوانات پر مشتمل ہے۔ حب رسولؐ کے شعوری ارتقا کو ان کے مختلف ادوار شاعری کے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اس مقام پہ کافی تلاش و جستجو کے زحمت انتخاب کی گئی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اشعار کا ذخیرہ یکجا کر دیا گیا ہے۔ کتاب کے آخری حصہ میں اقبال اور دوسرے نعت گو شعراء کے زیر عنوان اردو فارسی کے دوسرے مشہور شاعروں کا وہ کلام نمونے کے طور پر دیدیا گیا ہے جسمیں حب رسولؐ کے جذبات موجزن ہیں۔

جیساکہ مصنف نے خود ایک جگہ اعتراف کیا ہے "عشق رسولؐ عام دنیاوی عشق نہیں۔ اس کی ایک عظیم انفرادیت ہے۔ اسکا ایک مخصوص ترین معیار ہے۔ درحقیقت حقیقی اور معیاری عشق رسولؐ وہ عشق جو عشق الٰہی کی قیمت پر نہ کیا جا رہا ہو بلکہ اس کا آخری مقصد اور پیمانہ عشق الٰہی ہو۔ پیغمبروں سے عقیدت و محبت کا داعیہ یقیناً ایمان

[ل] ایسا غلو کرنیوالے کاش قرآن پر نظر رکھتے۔ اللہ کہتا ہے۔ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ (اے محمدؐ! حکم میں تمہارا کچھ بھی حصہ نہیں)، علاوہ ازیں لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ـــ نیز بَلْ لِّلّٰہِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ـــ نیز اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ ـــ اور اس طرح کی متعدد آیات! عامر عثمانی

اور حسن یقین کی اولین شرط ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ٹھوس تاریخ ہے کہ پیغمبروں کی ذات سے معتدل اور متوازن عقیدت و محبت جہاں افراط تفریط کی شکار ہوئی وہاں یا تو انسانیت کا ضمیر کفر کے بحر ظلمات میں جاگرا یا شرک کے پاتال میں کھو گیا اور اس طرح اس دردناک گناہ کی زد میں آکر تباہ ہو گیا جس کے لئے ابدی سزا کا خدائی حکم اسی دنیا میں نازل کر دیا گیا ہے اسلام کے دائرۂ شریعت میں حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے تعلق وہ واحد مشعل راہ ہے جس کے بغیر منزل مقصود کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جا سکتا اس طرح وہ خود کوئی مقصد نہیں بلکہ ایک ناگزیر حسین ترین ذریعہ ہے ایک ناگزیر واعلےٰ ترین مقصد کے حصول کا یہی وہ حقیقت اساسی ہے، جسکو عظیم شاعر اسلام ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمہ نے کئی جگہ پیش فرمایا ہے۔

بمنزل کوش مانند مہ نو × دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو
مقام خویش اگر خواہی دریں دیر × بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو
نویس اللہ بر لوح دل من × کہ ہم خود را ہم او را فاش بینم
آمد از پیراہن او بوئے او × داد ما را نعرۂ اللہ ہو

اگرچہ اقبال کی شاعری اور اس کے قلب و روح جس حب رسولؐ کے قابل رشک جذبہ سے سرشار ہیں وہ "بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو" کے خالص اسلامی سنگ بنیاد پر ٹھہری ہوئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسکا والہانہ اظہار جس شاعرانہ طرز و اسلوب سے ہوا ہے وہ شعر و ادب کی مخصوص آزادیوں اور انفرادی رخصتوں کا ترجمان ہے۔ وہ اپنے کلام میں جگہ جگہ رسول خدا کو جب اس طرح خطاب کرتا اور پکارتا ہے جیسے عالم حضور میں کیا جانا چاہیئے تو اسوقت شاعری کی مخصوص تصوریت اور قوت تخیل کر سرشار ہوتا ہے جہاں "محبوب" دور ہوتے ہوئے بھی قریب محسوس ہوتا ہے اور جہاں فراق کے فاصلے سمٹ کر وصال میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ جب گناہوں اور مصائب کی یورش میں نجات اور پناہ دینے کے لئے رسول خدا سے بھیک مانگتا ہے تو درحقیقت اس کی طلب کا موحدانہ رخ ذات رسول کی طرف نہیں ہوتا بلکہ روئے سخن اس علیم و خبیر حاکم مطلق خدا ہی کی طرف ہوتا ہے جس نے رسول کی بعثت کے ذریعہ آب و گل کی دنیا کو اپنا محسوس و مشہود سراغ عطا فرمایا اور جس کی اطاعت کی برکت انعامات الٰہی تک پہنچانے کا یقینی زینہ ہے۔ اسوقت شاید شاعر کا وہی عالم ہوتا ہے جو عشق مجازی کے معاملہ میں دوست کے بجائے شدت جذبات میں کوچۂ دوست کو خطاب کرتے ہوئے کسی شاعر کا ہوتا ہے لیکن شعر و ادب کے تصوراتی اور والہانہ جذبات کے ان کنایوں اور رمزیتوں سے ہٹ کر شریعت اور اعتقاد کی زبان میں یہی بات کہی جانے لگے تو اس کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ توحید کا قانون اس کے خلاف حرکت میں نہ آئے اور خدا اور اس کے رسولؐ کے درمیان فرق مراتب کی شرعی تمیز اس کے خلاف بیدار نہ ہو۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس باریک خطرہ کو زیر نظر کتاب کے مصنف نے ملحوظ نہیں رکھا اور انھوں نے اشعار کا منثور ترجمہ کرتے ہوئے نثر اور نظم کے درمیانی خط کو محو کر دیا ہے۔ مثلاً صفحہ ۱۰۴ پر "فقیرم از تو خواہم آنچہ خواہم" کا ترجمہ کہ "فقیر ہوں مگر جو کچھ مانگتا ہوں آپ سے مانگتا ہوں"، اور اسی قبیل کے دوسرے اشعار کا ترجمہ بھی اسی احتیاط سے کیا جا سکتا تھا جس کا ثبوت صفحہ ۱۰۵ پر حسب ذیل مثال میں ملتا ہے

"بچشم من نگہ آوردہ تست" — میری آنکھوں میں آپ ہی کی عطا کردہ روشنی ہے (یہ ایمانی بصیرت آپ ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہے)۔

مندرجہ بالا ترجمہ کی مثال میں شاعرانہ طرز کلام کے سادہ ترجمہ سے ایک عام ذہن میں جو شرک آمیز تصور پیدا ہو سکتا تھا اور رزاقیت و خالقیت کی جو نسبت خدا کے بجائے رسولؐ کی طرف ہو سکتی تھی بریکٹ کے تشریحی اضافہ سے اس کی اصلاح ہو گئی۔ لیکن افسوس کہ دوسرے اہم تر مقامات پر جہاں شاعر مخصوص شاعرانہ تخاطب کے انداز میں رسولؐ کریم کو خطاب کرتا اور دست طلب دراز کرتا ہے وہاں یہ احتیاط فراموش ہو گئی اور سادہ ترجمہ ایک عام ذہن کے لئے اور خصوصاً اس دور پرفتن کے شرک پسند مزاج کے لئے خطرناک اور مخدوش ہو کر رہ گیا!۔

صفحہ ۲ پر مصنف کے قلم سے یہ عبارت نکلی ہے کہ :-

"عشق رسول سے بڑھکر اور کونسی چیز ہو سکتی ہے! خدا کی معرفت بلکہ خوشنودیٔ خدا بھی اسی پر موقوف ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وجہ آفرینش اور مقصود حیات انسانی عشق رسولؐ کے سوا کچھ نہیں" —

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس عبارت اور قرآن کے اس اعلان کے درمیان کہ "انس و جن کو عبادت کے لئے تخلیق کیا گیا ہے" کیا جوڑ باقی رہ جاتا ہے؟۔ یہ ابہام و رمزیت خواہ کتنے ہی عمیق خلوص نیت سے اختیار کیجائے اس کو معصومانہ طور پر سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ اس سے اصلاح کے بجائے ایسے خاموش فتنوں کی بنیاد پڑتی ہے

جن کے انجام کا تصور بھی آسان نہیں۔

کتاب کا اسلوب تحریر اور طرز ترتیب اگرچہ ٹھوس اور منضبط قسم کی چیز نہیں اور موضوع جگہ جگہ انتشار کا شکار ہوتا نظر آتا ہو پھر بھی اس کا مطالعہ ایک خاص زاویہ سے انتہائی ایمان افروز ہے، اس مطالعہ کرنے والا ایک ایسے انسان کے ایمانی شعور کے ارتقاء کا مشاہدہ کرتا ہے جو حب رسولؐ کی برکت سے ایمان شکن ماحول کے عین منجدھار میں اپنے سفینہ کو لئے ہوئے موجوں کا سینہ چیرتا ہوا نفس مطمئنہ کے پُرسکون ساحل پر لنگر انداز ہو جاتا ہے — اگرچہ مصنف نے اقبال کی شاعری کے مختلف ادوار سے نمونے منتخب کرتے ہوئے بچپن کے معصوم دور سے پختگی شعور تک شاعر کے فکر و نظر میں حب رسولؐ کے مخصوص ارتقاء کا کوئی تجزیہ نہیں کیا تاہم انتخاب کلام اسقدر اچھا اور کافی سے زائد ہے کہ مطالعہ کرنے والا خود بخود اس ارتقاء سے اثر پذیر ہوتا جاتا ہے اور حب رسولؐ کے اس معیار کا تصور حاصل کر لیتا ہے جہاں جذبات اور عقل و خرد کیفیات اور برہان دونوں کی سرحدیں مل جاتی ہیں۔ اور حب رسولؐ اپنی برکت و لطافت میں ایک "عقلی جذبہ" اور "جذباتی تعقل" محسوس ہوتا ہے۔

روزے کی باتیں

از:- عبدالمجید اصلاحی۔ ناول سائز ۴۸ صفحات کاغذ سفید، کتابت و طباعت معمولی قیمت ۴۰ نئے پیسے۔

ملنے کا پتہ:- مکتبہ مدرسۃ الاسرار گوہندہ گھنی۔ سورہن۔ اعظم گڑھ

کتاب کا مرکزی مواد عربی کے مشہور مصنف الاستاذ مصطفےٰ سباعی کی سات نشری تقریروں کے ترجمہ پر مشتمل ہے جو زیادہ تر روزے سے متعلق ہیں اور شاید اسی لئے کتاب کا نام "روزے کی باتیں" رکھا گیا ہے — ورنہ ہونے کو اس میں روزے کے علاوہ شب برات، عید الفطر زکوٰۃ کے نظام اور دینی مدرسوں کی باتیں بھی خود مؤلف اور مولانا ابوبکر اصلاحی کے قلم سے ہیں۔

یہ کتاب اگرچہ چھوٹا سا کتابچہ ہے مگر الاستاذ کی یہ چند تقریریں اپنی دلسوزی اور رفعت انگیزی میں کئی کتابوں کے مطالعہ پر بھاری ہیں — ترجمہ بھی اگرچہ معصومانہ سادگی سے کیا گیا ہے۔ مگر بہت زیادہ برجستہ و رواں نہیں اور بعض مقام ایسے نظر آئے جہاں اصلاح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً:-

۱- روزے کا مہینہ نفس کو روکتا ہے، مزید ار چیزوں روکتا ہے تاکہ نفس اونچا ہو . . . (صفحہ ۱۳) یہاں نفس اونچ کا فقرہ ٹھیک نہیں۔

۲- بعض صحابہ کا بیان ہے کہ آپ رمضان کے مہینہ میں سے بھی زیادہ بڑھ کر سخی اور فیاض ہو جاتے تھے، (صفحہ ۱۱) یہاں "زیادہ بڑھ کر" غلط ہے۔

۳- روزہ رکھنے والو ذرا دھیان میں لاؤ اس باب کو . . . یہاں "دھیان میں لاؤ" کی جگہ "تصور کرو" بھی کہہ سکتے تھے

۴۔ ذرا ان عبادتوں کو دیکھیں جو اسلام کے کھمبے ہیں ا کھمبے کی جگہ ستون کا لفظ زیادہ سنجیدہ ہوتا۔

۵- آئیے ہم تینوں باتوں طاقت، محبت اور خاکساری کو عبادتوں میں جھانک کر دیکھیں . . . (صفحہ ۲۳) یہی بات یوں تھے کہ "آئیے یہ دیکھیں کہ تینوں باتوں طاقت، محبت اور خاکساری کی جھلک ان عبادتوں میں ملتی ہے کہ نہیں؟"

اس کے علاوہ الاستاذ کی تقریروں میں جو احادیث ہیں ان کے ساتھ حوالہ نہیں ہے۔ حدیث کو روایت کرنے کا طریقہ حوالہ دینے کا تقاضہ کرتا ہے۔ کتاب مجموعی طور سے پاکیزہ ہے۔

قادیانیت

از:- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ کاغذ و طباعت اعلیٰ۔ مجلد مع سادہ کور قیمت: للعہ شائع کردہ۔ مکتبہ دینیات ۱۳۴ شاہ عالم

"القادیان والقادیانیہ" مصنف کی گرانمایہ عربی تصنیف کا یہ اردو ترجمہ ہے۔ لیکن چونکہ خود مصنف نے اس کا ترجمہ کیا۔ عربی تصنیف کے مقابلہ میں اس میں مزید اضافے اور ترمیم بھی کی گئی ہیں اس لئے بقول مصنف یہ ایک مستقل تصنیف کا درجہ رکھتی ہے کتاب ۴ ابواب پر منقسم ہے۔

(۱) تحریک کا زمانہ اور ماحول اور اس کی بنیادی شخصیتیں

(۲) مرزا غلام احمد صاحب کے عقیدے اور دعوت کا ارتقاء اور دعاوی کی ترتیب۔

(۳) مرزا صاحب کی سیرت و زندگی پر ایک نظر۔

(۴) تحریک قادیانیت کا تنقیدی جائزہ۔
ان ۴ بنیادی ابواب کو مختلف ذیلی عنوانات پر پھیلا یا گیا ہے۔ اور آخر میں قادیانی لٹریچر کی ان تمام کتابوں کے حوالے دئے گئے ہیں۔ جو زیر نظر کتاب کی تسوید میں ماخذ و مصدر کی حیثیت سے کام میں لائی گئیں۔

قادیانیت کے سلسلہ میں اہل تحقیق نے لکھنے کو بہت کچھ لکھا ہو اور علماء نے کافی فتوے دئے ہیں خصوصاً جناب الیاس برنی نے عرق ریز کاوش کے بعد قادیانی لٹریچر کے ایسے اقتباسات کا بکھرا ہوا شیرازہ یکجا کر دیا ہے جو خود ہی اپنی شکست کی آواز ہیں اور قادیانی مذہب کے بطلان پر خود قادیانی زبان و قلم کا منھ بولتا ثبوت ہیں۔ لیکن ان تمام علمی کاوشوں میں ابھی ایک ایسی کتاب کی کمی محسوس ہوئی تھی جو قادیانیت کو نہ تو فتوے کی زبان میں رد کرنے پر اکتفا کرے اور نہ صرف اُن کی کتابوں کے اقتباسات تک محدود ہو بلکہ وہ اس سے آگے ایک مختلف قدم ہو۔ جہاں وہ قادیانیت کی اپنی معتبر کتابوں اور اس کے اپنے ثقہ مواد کی بنیاد پر عقل و استدلال اور تجزیہ و تحلیل کی راہ سے احقاق حق کا کارِ نمایاں انجام دے سکتے زیر نظر کتاب اسی خواب کی عملی تعبیر ہے اور اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے اس موضوع پر ایک فکر انگیز اضافہ ہے۔ یہ خود کتاب کے ٹائٹل کے الفاظ میں قادیانیت کا "مطالعہ" بھی ہے اور "جائزہ" بھی!۔ ٹھوس تاریخی استدلال کو مولانا ابوالحسن علی ندوی کی شگفتہ مزاجی اور حسن تحریر نے دل و دماغ دونوں کے لئے تر و تازہ بنا دیا ہے۔ کتاب کی زبان اور مصنف کا طرز استدلال حقیقت پسندانہ اور منصفانہ ہے۔ کاش قادیانی اور غیر قادیانی دونوں اس سے دیانت دارانہ استفادہ کر سکیں۔

(۱) تعمیر نوہالی اسکول کا پہلا سال (۲) بچوں کی ریاست

شائع کردہ شعبۂ نشر و اشاعت تعمیر نو ہائی اسکول سکھر مغربی پاکستان۔

یہ سکھر کے ایک اسکول "تعمیر نو ہائی اسکول" کے سال اول کی تعارفی رپورٹ ہے۔ کسی قطعی نتیجے پر پہنچنا تو ہم دور افتادوں کے لئے اس مختصر کتابچے سے ممکن نہیں۔ ایسی چیزیں مشاہدہ و معائنہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ تاہم اسکول نے اپنی تعلیم و تربیت کی فضا کی جو جھلک اس کتابچہ میں دکھائی ہے اسمیں "دنیاداری" ہی پر بات ختم نہیں ہوتی بلکہ دینی لگن بھی ملتی ہے۔ نیز ادارہ واقعی تعمیری جذبے سے سرشار معلوم ہوتا ہے۔ خاص طور پر ادارہ کی دوسری کتاب "بچوں کی ریاست" سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں نظری تعلیم کے ساتھ موجودہ دور کی عملی زندگی کے لئے بچوں کے دل و دماغ کو ہر شعبۂ زندگی کے قابل بنایا جا رہا ہے۔ تعلیمی حلقوں کے لئے یہ کتاب قابل مطالعہ ہے۔

گلدستہ مضامین اردو

(حصہ اول، دوم، سوم) برائے مکاتب اسلامیہ۔ مولف و ناشر:۔ محمد حنیف صاحب مدرس مدرسہ خادم الاسلام حصہ اول ۱۶ صفحات دوم، و سوم ۳۲، ۳۲ صفحات ناول سائز۔ قیمت حصہ اول ۵ ر دوم و سوم آٹھ آٹھ آنہ۔

تینوں کتابوں میں مکتوب نویسی اور عرضی نویسی کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ کام کی چیز ہے۔ لیکن اپنے مطالب کے لحاظ سے نام موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ یہ زیادہ سے زیادہ گلدستۂ مکاتیب تو ہے گلدستۂ مضامین نہیں کہا جا سکتا۔ بہرحال نام سے قطع نظر کام کی چیز معلوم ہوتی ہے لیکن یہ نقص ضرور ہے کہ خطوط کا انداز نگارش پرانے طرز کا ہے۔

(۱) نصاب تعلیم کا مقدمہ اور آریہ سماج کی منصوبے (۲) آزادی کی بہاریں۔

اول الذکر کے صفحات ۱۴۰ ہیں، ثانی الذکر کے ۷۶۔ قیمت کسی پر درج نہیں۔ مؤلف:۔ جناب فدا حسین فاضل ادب۔ ملنے کا پتہ:۔ فدا حسین صاحب۔ کٹرہ شہاب خاں۔ اٹاوہ (یوپی)

یہ کتابیں سیکولر نظام تعلیم کی موجودہ فضا میں مسلمانوں کے مسئلہ تعلیم پر مکمل روشنی ڈالتی ہیں۔ مسئلہ کی نوعیت واضح کرتی ہیں اور اس کے جرأت مندانہ صحیح حل کے لئے قانونی لائحہ عمل تجویز کرتی ہیں۔ پہلی کتاب میں اردو اور مذہبی تعلیم کے سلسلہ میں دستور ہند کی قانونی دفعات اور ہندو مسلم رہنماؤں کے بیانات کے ذریعہ سیکولر نظام تعلیم میں اس مسئلہ کے حل کی قانونی گنجائش واضح کی گئی ہے، عملی طور پر قانونی تقاضوں کے پامال ہونے کی مثالیں۔ اور ان سے پیدا شدہ مشکلات کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب میں درجہ اول سے بارھویں درجہ تک کی سرکاری مجوزہ نصابی کتابوں کے وہ حوالے دئے گئے ہیں جنہیں ہندو مذہب اور آریہ سماجی خیالات اور ہندوؤں کی اساطیر الاولین

کا پرچار کیا جا رہا ہے۔ اور جنکو ہر ہندوستانی بچہ خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اسی انداز سے پڑھ رہا ہے جیسے یہ اس کے اپنے مذہب کی تعلیم ہے!۔ اس زاویۂ نظر سے ان کتابوں نے مسلمانوں کی مذہبی بقا کو خطرے میں ڈالنے والے گمراہ کن اقدامات کے رخ سے نقاب اٹھایا ہے۔ اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ان کے مطالعہ سے مستفید ہو کر ان خطرات کی نوعیت کو سمجھے اور عملی طور پر ان کے دفیعے کی فکر کرے۔ خاص طور پر جمعیۃ علماء ہند کو اپنا اختیارات کی جانچ پڑتال کر کے اپنے دینی تعلیم کے نعرہ کو خلوص اور عمل کی میزان میں تول کر دیکھنا چاہیئے کہ وہ کہاں تک اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہو رہی ہے۔ اور اس مسئلہ کے حل کے لئے وہ اپنی مزعومہ ذمہ داریوں کو کہاں تک پورا کر سکتی ہے۔

پیام جاوید

از:۔ عبدالرحیم جاوید الہ آبادی۔۔ ۸۰ صفحات قیمت عمہ۔ ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ تبلیغ الاسلام رجسٹرڈ اندرون شیرانوالہ گیٹ۔ لاہور۔

جاوید الہ آبادی کا نام ادبی دنیا میں نیا ہے۔ ان کے اس مجموعہ میں ۵۷ نظمیں اور غزلیں وغیرہ شامل ہیں۔ آغاز کتاب میں ایک تعارفی مضمون ہے۔ تعارفی مضمون میں شاعر کے بارے میں حد سے زیادہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ شاعر کا کلام اسلامی سوز و درد سے لبریز ہے مگر فنِ شعر کے نقطۂ نظر سے کلام میں پختگی اور گہرائی موجود نہیں — علمی حیثیت سے بھی شاعر کا کلام لسانی غلطیوں سے خالی نہیں۔ اور وزن وعروض کے لحاظ سے بھی بعض مقامات نظر ثانی کے محتاج ہیں!۔ ایک اچھا شاعرانہ ذوق رکھنے والے کو ممکن ہے اس کے مطالعہ سے زیادہ لطف حاصل نہ ہو سکے لیکن مذہبی جذبات کی قدر کرنے والوں کے لئے جاوید الہ آبادی کا یہ پیام ایمان افروز اور قابل قدر ہے — خصوصاً اس لئے کہ یہ ایک نوجوان صالح کی دلی آواز ہے۔

(۱) ہمارے دور کا انقلاب
(۲) موجودہ سماج میں طبقاتی نظام
(۳) اقتصادی تعاون

(۱) مصنفہ ہیوگ سیٹن واٹسن۔ ناول سائز صفحات ۴۴، قیمت ۲۵
(۲) ٹی بی بوٹو مور۔ ناول سائز صفحات ۴۴، قیمت ۲۵ نئے پیسے
(۳) پی جے۔ پی وڈز۔ ناول سائز صفحات ۴۴، قیمت ۲۵ نئے پیسے۔

(۴) اقتصادی سامراج

(۴) الفرڈز ابرمان۔ ناول صفحات ۴۴، قیمت ۲۵ نئے پ

شائع کردہ: نیشنل اکاڈمی۔ ۹ انصاری مارکٹ د دہلی۔ (مکتبہ تجلی۔ دیوبند۔ یوپی سے بھی مل سکتی ہیں)

نیشنل اکاڈمی دہلی نے "نئی دنیا کی جھلکیاں" کے زیر عنوان معلومات افزا کتابوں کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ چاروں کتابیں متل صاحب نے اردو میں ترجمہ کی ہیں۔ کاغذ کتابت وطباعت عمدہ ذوق کی آئینہ دار ہیں اور ترجمہ بھی کافی شستہ وپاکیزہ ہے۔

جیسا کہ کتابوں کے نام سے ظاہر ہے یہ سلسلہ نئے دور سیاسی، عمرانی اور معاشی عوامل کا تجزیہ وتحلیل کر کے دقت کی گہرائیوں کا تعارف کراتا ہے۔ آج جبکہ انسانی زندگی میں ومعیشت کے پیچیدہ مسائل جزو لاینفک کی حیثیت حاصل ہیں ان مسائل کی نوعیت کا فہم حاصل کرنا ایک دلچسپ فرض سے کم نہیں۔ ان عہد آفریں عناصر کی حقیقی صورت حال سے بے کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آدمی اپنے ذہن کو مزدور سامراج کے ان مخدوش نعروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دے انسان کے استدلال کو شل کر کے اس کے جذبات سے کھیل ہیں۔ یہ چاروں کتابیں اس خطرہ سے ہوشیار کرتی ہیں۔ کہ اشتراکیت اور سرمایہ داری کے کھوکھلے الفاظ کے اندر کیا ہے؟ اور درحقیقت کونسے عوامل وعناصر کے سانچہ میں ڈھل رہا ہے۔ زمانہ کا انقلاب کونسے حقیقی حالات کی بازگشت ہے؟ — کونسا نیا سماج تشکیل پا رہا ہے۔ اور اسمیں کسطرح انسانیت طبقوں میں تقسیم ہو رہی ہے؟ — یہ طبقاتی اور سیاسی نظام طریقے سے اقتصادی تعاون کا پروگرام چلا رہا ہے اس میں کو اور کونسی خوبیاں پائی جاتی ہیں؟ ۔ نیز معاشی استحصال کن نئ چالوں سے اپنا بھرم قائم کئے ہوئے ہے؟ ۔ اشتراکیت کھولنے کے لئے ان کتابوں کے معتبر اعداد وشمار اور خالص علمی مواد کی اشاعت ایک اخلاقی فرض کی ادائیگی سے کم نہیں کتابوں کے علمی ٹھوس پن کو گوپال متل کے مخصوص طرز تحریر کافی حد تک شگفتہ ترجمہ میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم کسی ترجمہ کا نہیں بلکہ طبعزاد کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ (شمس نوید عثمانی)

لائقِ مطالعہ کتابیں

کتابیں طلب کرنے والے چند باتوں کا لحاظ ضرور رکھیں

(۱) تحریر اتنی صاف ہو کہ آرڈر کی تفصیل اور آپ کا پتہ پڑھنے میں دشواری نہ ہو (۲) مجلّد اور غیر مجلّد کی بھی وضاحت کر دیجئے (۳) تقریباً بیس روپے سے زائد کتابیں منگانے کی صورت میں ریلوے پارسل میں کفایت رہتی ہے۔ اگر یہ کفایت مطلوب ہو تو اپنا اسٹیشن لکھئے۔ پارسل ریل سے اور بلٹی کی رسید ڈاکخانہ سے وی پی بھیجی جائے گی (۴) اگر آپ نئے نئے خریدار ہیں تو بیس روپے یا اس سے زائد کے آرڈر پر کچھ روپے پیشگی روانہ فرمائیے جنھیں وی پی میں کم کر دیا جائے گا (۵) ڈاکخانہ سے وی پی کی اطلاع ملتے ہی چھڑا لیجئے، دیر کرنے سے واپس ہو جاتی ہے۔

قرآن مترجم

قرآن بدو ترجمہ (۱) شاہ رفیع الدینؒ (۲) مولانا اشرف علیؒ۔ متوسط سائز میں مجلّد کریچ کا ھدیہ ساڑھے بارہ روپے۔ بہت بڑے سائز میں مجلّد کا ہدیہ پچیس روپے (اس کی لکھائی بہت جلی ہے)

قرآن بیک ترجمہ مولانا اشرف علیؒ۔ مجلّد کریچ کا ھدیہ ساڑھے دس روپے

قرآن کی تفسیریں

تفسیر ابن کثیر احادیث کی روشنی میں آیات کا مفہوم ظاہر کرنے والی وہ تفسیر جو دنیا بھر میں مشہور و مقبول ہے۔ ترجمہ سلیس، لکھائی چھپائی پسندیدہ۔ پانچ جلدوں میں مکمل ہدیہ مجلّد پچپن روپے۔ کوئی بھی جلد علیحدہ نہ مل سکے گی۔

تفسیر موضح القرآن شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کی یہ تفسیر اُردو تفاسیر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے کلاں سائز۔ ہدیہ مجلّد اعلیٰ بیس روپے۔ غیر مجلّد سولہ روپے۔

تفسیر بیان القرآن مولانا اشرف علیؒ کی یہ عظیم تفسیر اپنا جواب آپ ہے۔ دو قسموں میں مہیا کی جا سکتی ہے

● بہت بڑا سائز۔ بارہ حصّوں میں مکمل ہدیہ غیر مجلّد ساٹھ روپے۔ دو جلدوں میں مجلّد ستر روپے۔

● تجلّی جیسا سائز تیس پاروں میں مکمل غیر مجلّد ساٹھ روپے۔ پانچ جلدوں میں مجلّد پینسٹھ روپے۔ دوسری قسم کا ہر پارہ الگ بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ فی پارہ دو روپے۔

تفسیر حقانی مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کی تفسیر نایاب ہو گئی تھی۔ اب ہر ماہ ایک پارہ چھپ رہا ہے اب تک ۲۸ پارے چھپ چکے ہیں۔ فی پارہ دو روپے (صرف پارہ اوّل چھ روپے جو تین حصّوں پر مشتمل ہے)۔

تفہیم القرآن اوّل و دوم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ عظیم الشان تفسیر جو غیر ضروری تفصیلات سے بچاتے ہوئے آپ کو براہِ راست مغزِ قرآن تک پہنچاتی ہے۔ دلنشیں، مستند اور ذہن میں اُتر جانیوالی۔ ابھی پہلی اور دوسری جلدیں فراہم کی جا سکی ہیں۔ جلد اوّل مجلّد ساڑھے بارہ روپے۔ جلد دوم مجلّد پندرہ روپے

علوم قرآنیہ

البیان فی علوم القرآن مشہور تفسیر حقانی کے مصنف مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کی عظیم الشان کتاب یہی ہے جس کی توصیف میں علامہ انور شاہ صاحبؒ جیسے علامہ نے یہ الفاظ لکھے کہ "اگرچہ اس کی نظیر ممکن ہے لیکن واقع نہیں" خدا کی ذات و صفات تناسخ ملائکہ جزاء و سزا، قبر، جنت، دوز

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

نبوت، ناسخ و منسوخ، استعارہ و کنایہ اور اختلاف قرأت کی بحثیں۔
صفحات ۶۳۸ کاغذ لکھائی چھپائی معیاری۔ قیمت چودہ۱۴ روپے۔
مجلد پختہ سولہ۱۶ روپے

قصص القرآن قرآن کے بیان فرمودہ قصص پر لاجواب کتاب، عظیم معلومات کا خزانہ مستند اور محققانہ تفصیل سے مالا مال۔ حصہ اول آٹھ روپے۔ حصہ دوم چار روپے۔ حصہ سوم ساڑھے پانچ روپے۔ حصہ چہارم آٹھ روپے۔ مکمل سیٹ منگانے پر قیمت پچیس۲۵ روپے ــــــ مجلد مطلوب ہوں تو ایک پختہ جلد پر ڈیڑھ روپیہ

لغات القرآن قرآنی لغات کی تشریح آسان زبان میں۔ جو لوگ قرآن کو بلا ترجمہ سمجھنے کی خواہش اور شوق رکھتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔ مجلد چار روپے۔

عظیم لغات القرآن چھ ضخیم جلدوں میں۔
حصہ اول　حصہ دوم
حصہ سوم　حصہ چہارم　حصہ پنجم
حصہ ششم

علم الحدیث

مسند امام اعظمؒ (اردو مع عربی) امام الفقہ حضرت ابو حنیفہؒ کا مرتب کردہ ۵۲۳ احادیث کا مجموعہ (مولانا عبد الرشید نعمانی کے بیش بہا، پُر مغز اور مبسوط مقدمے کیساتھ)
ہدیہ مجلد آٹھ۸ روپے

مؤطا امام مالکؒ (مترجم عربی مع اردو) احادیث و آثار کا وہ مجموعہ جو بخاری سے پہلے مرتب ہوا۔ ہدیہ بارہ۱۲ روپے۔ مجلد کرمچ تیرہ۱۳ روپے (مجلد اعلیٰ چودہ۱۴ روپے

مؤطا امام محمدؒ (اردو مع عربی) مقدمہ مولانا عبد الرشید نعمانی۔ مجلد آٹھ روپے

کتاب الآثار (اردو مع عربی) امام محمدؒ کے مرتب کردہ نو۹ سو آثار کا مجموعہ جسے امام ابو حنیفہؒ نے چالیس ہزار احادیث نبوی سے منتخب فرمایا (مقدمہ مولانا عبد الرشید نعمانی) ھدیہ مجلد آٹھ روپے۔

بخاری شریف (اردو مع عربی) تین ضخیم جلدوں میں مکمل۔ مجلد پینتالیس۴۵ روپے

بخاری شریف (صرف اردو ترجمہ) تین جلدوں میں مکمل۔ مجلد ہدیہ چوبیس۲۴ روپے
مجلد پختہ ستائیس۲۷ روپے

مشکوٰۃ شریف (اردو مع عربی) مکمل تین جلدوں میں، مجلد ہدیہ چوبیس۲۴ روپے۔

مشکوٰۃ شریف (صرف اردو) دو جلدوں میں مکمل۔ مجلد سولہ۱۶ روپے (مجلد پختہ اٹھارہ۱۸ روپے

ترمذی شریف (خالص اردو) دو۲ جلدوں میں مکمل مجلد کا ہدیہ سولہ۱۶ روپے
(مجلد پختہ اٹھارہ۱۸ روپے)

ابن ماجہ (اردو) صحاح ستہ کی کتاب ابن ماجہ کا مکمل اور سلیس ترجمہ۔ شائقین حدیث کے لئے نادر تحفہ۔
صفحات ۶۶۰ ہدیہ مجلد بارہ روپے۔

سنن دارمی (صرف اردو) حدیث کی مشہور کتاب۔ ہدیہ مجلد آٹھ روپے

مشارق الانوار (مترجم) بخاری و مسلم کی صرف قولی احادیث کا نفیس انتخاب۔ ترتیب فقہی ابواب پر ہے جس سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہوجاتا ہے کہ کون سا مسئلہ کس حدیث سے نکلا ہے۔ ترجمہ کیساتھ تشریح بھی اور عربی متن بھی۔ ہدیہ چودہ۱۴ روپے۔ مجلد پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ سولہ۱۶ روپے)۔

بلوغ المرام مشہور امام فن حافظ ابن حجرؒ کی یہ کتاب بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور دیگر کتب معتبرہ سے منتخب کئے ہوئے دینی احکام کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ ترجمہ مع عربی متن
ہدیہ مجلد آٹھ روپے۔

صحیفۂ ہمام بن منبہؒ بخاری و مؤطا امام مالک سے بھی قدیم وہ کتاب حدیث جو مشہور صحابی ابوہریرہؓ نے اپنے شاگرد ابن منبہ کے لئے مرتب کی۔ ہدیہ ساڑھے تین روپے
(مجلد ساڑھے چار روپے)

ترجمان السنۃ احادیث کی بہترین تفہیم و تشریح پر مشتمل اردو زبان میں اپنی قسم کی واحد کتاب۔ اشتہار میں اس کی خوبیوں کا اجمالی تعارف بھی مشکل ہے یہ بس

...نے سے تعلق رکھتی ہے - جلد اوّل دس روپے (مجلّد بارہ روپے)
...دوم نو روپے (مجلّد گیارہ روپے) جلد سوم ساڑھے دس روپے (مجلّد ...)

...ستان المحدثین | شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کی ایمان افروز کتاب کا اُردو ترجمہ - بلند پایہ محدثین کے ...ات اور خدمات و تالیفات کا پاکیزہ تذکرہ - مجلّد پانچ روپے

...عارف الحدیث | از مولانا منظور نعمانی در دو جلد دس روپے بارہ آنے

...ریدِ بخاری | بخاری کی ۲۱۸۰ منتخب احادیث کا مجموعہ - مجلّد آٹھ روپے -

...تخابِ صحاح ستّہ | بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی کا پسندیدہ انتخاب -
ہدیہ مجلّد پانچ روپے -

...اریخ تدوین حدیث | تدوین حدیث کب، کیونکر، کس انداز میں ہوئی؟ اس کا مدلل و مفصل ...واب، معلومات کثیرہ کا خزینہ - ہدیہ ڈیڑھ روپیہ -

...علم الحدیث | فلسفۂ علم الحدیث کی عمدہ تحقیق - سوا روپیہ

[illegible] اور تذکرے

اصح السیر | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تاریخی واقعات پر مشتمل، بیجا نفیس، مفصل مستند اور دلچسپ علمی و تحقیقی کتاب "سیرۃ النبی" کی ضخیم مجلدات کے سوا اُردو میں کوئی کتابِ سیرۃ اس کے پلے کی نہیں - مجلّد دس روپے -

حیاتِ طیبہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر لاجواب سیرت - صوری و معنوی خوبیوں سے مزین -
قیمت سوا روپے -

حضرت صدیق اکبر رض | رسول اللہ صلعم کے بعد سب سے بڑے انسان حضرت ابوبکر صدیق رض کی مبسوط جامع اور ضخیم سوانح - از مولانا سعید احمد اکبرآبادی
قیمت سات روپے - مجلّد آٹھ روپے (مجلّد اعلیٰ ساڑھے نو روپے)

الفاروق | امیر المومنین خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح پر علامہ شبلی رح کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے - قیمت مجلّد چھ روپے -

ابوذر غفاری رض | رسول اللہ صلعم کے بلند مرتبہ صحابی حضرت ابوذر غفاری رض کی مفصّل سوانح مولانا مناظر احسن گیلانی کے قلم سے - قیمت مجلد دو روپے -

سیرت عمر ابن عبدالعزیز رح | اُس جلیل القدر ہستی کی سوانح اور حالات جس کی خلافت کو اکثر علماء نے پانچویں خلافت راشدہ سے تعبیر کیا ہے - مجلّد تین روپے -

حیات امام ابوحنیفہ یعنی سیرۃ النعمان | علامہ شبلی رح کے قلم سے فقیہ اکبر امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رح کے مفصّل حالاتِ زندگی، دلچسپ اور ایمان افروز -
قیمت تین روپے (مجلّد چار روپے)

حیاتِ امام احمد بن حنبل رح | مصر کے مایۂ ناز محقق ابوزہرہ کی معرکۃ الآراء کتاب "ابن حنبل" کا نفیس اُردو ترجمہ - امام احمد رح پر یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے - دس روپے

الغزالی رح | امام غزالی رح پر مولانا شبلی نعمانی رح کی محققانہ تالیف جو آجکل کمیاب ہے (کاغذ رف) غیر مجلّد دو روپے -

تذکرہ مجدد الف ثانی رح | اُس عظیم مرد مومن کے حالات زندگی جس نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا جسے امتِ مسلمہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کرتی ہے - مجلّد چار روپے

محمد بن عبدالوہاب رح | از مولانا مسعود عالم ندوی رح - بارھویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رح کی سیرت اور دعوت پر علمی و تحقیقی تصنیف - جس میں مشرق و مغرب کے تمام مآخذ پوری طرح کنگھال کر غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے - قیمت ڈھائی روپے

حیاتِ ولی رح | شاہ ولی اللہ رح اور ان کے آباؤ اجداد و اولاد اور اساتذہ کا تذکرہ - قیمت مجلّد چھ روپے -

سیرتِ اشرف | حکیم الامت مولانا اشرف علی رح کی مفصّل سیرت صفحات ۱۵۰۰ - مجلّد بارہ روپے -

تجلیاتِ عثمانی | شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح کی علمی زندگی کے مفصّل حالات آپ کے علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، مناظرہ، تقریر، اُردو، فارسی، عربی ادب اور

سیاسیات پر سیر حاصل تبصرہ، بڑے ۲۱۲ صفحات، جلد پر حسین رنگا رنگ گردپوش۔ قیمت مجلد ساڑھے دس روپے۔

تذکرہ — مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب جو ان کے اپنے اور آباؤ اجداد کے تذکروں پر مشتمل ہے معلومات سے لبریز۔ قیمت مجلد سات روپے۔

آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی — مولانا ابوالکلام آزاد کی داستانِ حیات، جسے ان کے قریبی معتمد مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے املا کیا۔ قیمت چھ روپے

صحابیات — صحابی عورتوں کے ایمان افروز حالات۔ مجلد چھ روپے

ردِ شرک و بدعت

الوسیلہ — امام ابن تیمیہؒ کی معرکۃ الآراء کتاب، جس میں واضح کیا گیا ہے کہ "وسیلہ" کا کیا مطلب ہے اور اس کی شرعی حدود کیا ہیں؟ عجیب ایمان افروز۔ قیمت مجلد نو روپے۔

تقویۃ الایمان (اردو) — شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی وہ مشہور زمانہ کتاب جس نے اہل بدعت میں ہلچل ڈال دی۔ قیمت چار روپے۔ (مجلد پانچ روپے)۔

الشہاب الثاقب (اردو) — بدعات کے رد میں ایک مفید کتاب قیمت ایک روپیہ بارہ آنے

کتاب التوحید — رد شرک و بدعت میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی نفیس کتاب۔ قیمت مجلد تین روپے

بدعت کیا ہے؟ — مولانا عامر عثمانی اور تین دیگر حضرات کے مضامین کا مجموعہ جو شرک و بدعت اور توحید و سنت کے فرق و امتیاز پر لاجواب مواد پیش کرتا ہے۔ مجلد تین روپے

ردِ عقائد بدعیہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس پر مفصل و مدلل بحث قیمت ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات — حضرت اسمٰعیل شہیدؒ پر اہل بدعت کے ہوائی الزامات کا کافی و شافی رد ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

فیصلہ کن مناظرہ — مجلد ڈیڑھ روپیہ۔

تصانیف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ

الوسیلہ — قرآن میں مومنین کو جس وسیلہ کا حکم دیا گیا ہے وہ کیا ہے؟ بے شمار معلومات علمی و دینی کا خزینہ۔ قیمت مجلد نو روپے

تفسیر آیت کریمہ — بسم اللہ کے عجیب و غریب لطائف۔ برکات معارف و مفادات۔ دیکھنے کے قابل۔ ھدایہ تین روپے (مجلد چار روپے)

اصول تفسیر — شیخ الاسلام کے ایک قیمتی رسالہ کا اردو ترجمہ۔ قیمت ایک روپیہ۔

مناسک حج — حج اور مقام حج کے بارے میں محققانہ مواد قیمت مجلد تین روپے

تصانیف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ اللہ البالغہ کامل — گوناگوں علوم دینیہ میں شاہ صاحبؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اردو ترجمہ مع عربی۔ قیمت ہر دو حصہ مجلد مکمل بیس روپے۔

ازالۃ الخفاء کامل — یہ وہی شہرہ آفاق کتاب ہے جس کا پورا نام "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" ہے۔ دو جلدوں میں کامل۔ اردو ترجمہ سلیس۔ خلفائے راشدین کے بارے میں بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت مجلد مکمل بیس روپے۔

تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفۂ تاریخ — حضرت شاہ صاحبؒ کی معروف کتاب ھمعات کا اردو ترجمہ۔ پونے تین روپے

سیرت رسول ﷺ — سلیس اردو ترجمہ۔ قیمت صرف دس آنے۔

(شاہ ولی اللہؒ کی مفصل سوانح بھی "حیات ولی" کے نام سے طلب فرما سکتے ہیں۔ مجلد چھ روپے)

تصانیف مولانا اشرف علی

بہشتی زیور — روزمرہ کے تمام دینی مسائل کا معتبر خزانہ

تاریخ دیوبند۔ مجلد دو روپے / مولانا تھانوی کی مختصر سوانح۔ مجلد دو روپے / رفیق سفر۔ چار آنے / آداب النبی ﷺ

انے بھر میں مشہور ضخیم اور مبسوط۔ قسم اوّل مکمل و مدلل۔ مجلّد پندرہ روپے
م دوم مجلّد آٹھ روپے بارہ آنے (دونوں قسموں میں فرق یہ ہے
قسم اول میں تو حاشیہ پر عربی کتب کے حوالے دیئے گئے ہیں اور
م دوم میں حوالے نہیں ہیں۔ اصل مضمون دونوں کا ایک ہے)

صلاح الرسوم — مسلمانوں میں رائج شدہ رنگ برنگی رسموں کی شرعی پوزیشن کیا ہے؟ اس کا تحقیقی جواب۔ مجلّد پونے دو روپے

علیم الدین — دین کی تعلیم سے متعلق عمدہ تنبیہات و معلومات پر مشتمل۔ مجلّد ایک روپیہ بارہ آنے۔

یات المسلمین — مسلمانوں کی زندگی کے لئے لائحہ عمل۔ قیمت مجلّد ایک روپیہ بارہ آنے

دعوات عبدیت — مولانا اشرف علیؒ کے مواعظ و خطبات کا مجموعہ جو عرصے سے نایاب تھا۔
فی حصّہ پونے دو روپے (ابتک گیارہ حصّے چھپ چکے ہیں)

التکشّف — تصوف کے لطائف و اسرار پر ایک ضخیم کتاب جس سے تصوف کے مالہ و ما علیہ کا پتہ چلتا ہے۔
قیمت مجلّد دس روپے بارہ آنے۔

تقدیر کیا ہے؟ — جیسا کہ نام سے ظاہر ہے تقدیر کے مسئلے پر گفتگو کی گئی ہے۔ مجلّد سوا دو روپے۔

مناجاتِ مقبول — بحاشیہ مولانا عبد الماجد دریابادی۔ اس مقبول عام مناجات کا مقام و مرتبہ کون نہیں جانتا۔ مجلّد دو روپے۔

مولانا آزاد کی چند کتابیں

تذکرہ	مجلد	سات روپے
آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی	〃	چھ روپے
صبح امید (خاص مضامین)	〃	چھ روپے
نقش آزاد (خطوط کا مجموعہ)	〃	چھ روپے
مسلمان عورت	〃	چار روپے
مسئلہ خلافت	〃	ساڑھے تین روپے
مقالات آزاد	〃	دو روپے
مضامین آزاد	〃	دو روپے

خطبات آزاد	مجلد	تین روپے
شہید اعظم (واقعات کربلا)	〃	ڈیڑھ روپیہ
ملفوظات آزاد	〃	ڈھائی روپے
انسانیت موت کے دروازے پر	〃	ساڑھے تین روپے
مسلمانوں کا راستہ		چھ آنے
ولادت نبوی		چھ آنے
امر بالمعروف		ڈیڑھ روپیہ
عیدین	مجلد	ڈیڑھ روپیہ
دعوتِ حق	〃	ڈیڑھ روپیہ
اسلامی جمہوریہ		سوا روپیہ
حقیقت الحج		ایک روپیہ
حقیقت الزکوٰۃ		دس آنے
حقیقت الصلوٰۃ		بارہ آنے
فسانۂ ہجر و وصال		آٹھ آنے

(ان سب کتابوں کو ایکساتھ منگانے پر ۲ر فی روپیہ رعایت)

تصانیف مولانا منظور نعمانی

معارف الحدیث مکمل	مجلد دو جلد	دس روپے بارہ آنے
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟	〃	چار روپے
اسلام کیا ہے؟	〃	ڈھائی روپے
دین و شریعت	〃	تین روپے
آپ حج کیسے کریں	〃	دو روپے
نماز کی حقیقت		بارہ آنے
کلمہ کی حقیقت		چھ آنے
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ		چھ آنے
برکات رمضان		بارہ آنے

علم اللغات

المنجد — لیجئے عربی کی سب سے بڑی اور مشہور ڈکشنری المنجد بھی اردو میں آگئی۔ ساٹھ ہزار عربی
الفاظ کی تشریح۔ تین ہزار عربی محاورات کا حل۔ اہم اور

ترجمان القرآن۔ مولانا آزادؒ کی شہرہ آفاق تفسیر دو جلدوں میں۔ قیمت ہر دو جلد پینتیس ۳۵ روپے۔

نادر اشیاء کی سیکڑوں تصاویر۔ صفحات ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ۔ تجلی سائز۔ کتابت، طباعت، کاغذ سب معیاری جلد پختہ۔ قیمت ستائیس روپے۔

مصباح اللغات مختلف کتب لغت کا نچوڑ۔ مجلد سولہ روپے

القاموس الجدید اپنی قسم کی پہلی اُردو عربی لغت۔ اُردو سے عربی بنانے، عربی سیکھنے اور لکھنے والوں کے لئے تحفۂ نادرہ۔ چھوٹے ۶۷۴ صفحات قیمت مجلد سات روپے

کریم اللغات عربی و فارسی کے جو محاورات اور الفاظ اُردو میں رائج ہیں ان کی تشریح۔ یہ لغت اچھی اُردو لکھنے اور سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ دو روپے مجلد

... راہ کے چند خاص نمبر

قرآن نمبر مولانا آزاد، علامہ رشید رضا، علامہ جوہر طنطاوی علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے شہرہ آفاق حضرات کے مضامین پر مشتمل 119 سورتوں کا منظوم ترجمہ بھی سیماب اکبرآبادی کے قلم سے شامل اشاعت ہے۔ رعایتی قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

اولیاء اللہ نمبر خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حالات اور اقوال۔ کے علاوہ تصوف اور مشائخ چشت کے طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رعایتی قیمت بارہ آنے۔

حکمت نمبر قرآن اور کمیونزم، قرآن اور سائنس، قرآن اور جہاد، قرآن میں جماعت کی اہمیت، قرآن میں حقوق العباد اور قرآن میں آداب مجلسی جیسے اہم مضامین۔ ایک روپیہ

پیغمبر اسلامؐ رسول اللہؐ کے بارے میں ۶۶ غیر مسلم مشاہیر و فاضلین کا اظہار عقیدت۔ ایک روپیہ

بشریت کا مقام بلند محمد اجمل خاں، مہر محمد خاں اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تین تحقیقی مضامین۔ قیمت سوا روپیہ۔

گلدستۂ نعت بڑے بڑے شاعروں کا منتخب نعتیہ کلام چند مقالات بھی بطور ضمیمہ شامل ہیں۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

ادبیات

شاہنامۂ اسلام جدید حصہ اوّل از:۔ مولانا عامر عثمانی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصالِ مبارک اور اسکے بعد پہلی خلافتِ راشدہ کا قیام، خلیفۂ اوّل کا انتخاب کیونکر عمل میں آیا، جنگی اصول، معرکہ آرائیاں۔ تاریخ کی روشن صداقتیں زبانِ شعر میں ملاحظہ فرمایئے۔ قیمت مجلد تین روپے

دیوانِ غالب نفیس ایڈیشن جس میں غالب کی تحریر کا عکس ان کی تصویر اور بعض ایسے اشعار شامل ہیں جو دوسرے ایڈیشنوں میں نہیں پائے جاتے۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے۔

کلیاتِ اقبال ڈاکٹر اقبال کے اُردو کلام کا انتخاب قیمت مجلد پانچ روپے

شعلۂ طور جگر مرادآبادی کا مجموعۂ کلام۔ مجلد پانچ روپے۔

آتشِ گل شہنشاہ تغزل جگر مرادآبادی کا نیا مجموعہ کلام جس پر حکومت ہند نے انعام دیا۔ مجلد مع کور قیمت پانچ روپے

فردوس ماہر القادری کی وجد انگیز نظموں کا دلپذیر مجموعہ قیمت ساڑھے تین روپے

اُردو کے چاند تارے اُردو کے تقریباً تمام باکمال شاعروں کا مصور تذکرہ اور نمونۂ کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے

نبضِ دوراں ہند و پاک کے مشہور شاعر جناب نور صابری کا مجموعۂ کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

کمیونزم کے خدوخال

پتھر کے دیوتا دنیا کے چھ مشہور مصنف کمیونزم کو خیرباد کہنے کے متعلق اپنی کہانی بیان کرتے ہیں۔ صفحات ۲۷۲ ڈیڑھ روپیہ

ورکُٹا ایک بے حد دلچسپ اور حیرت انگیز آپ بیتی۔ جس سے روس کے جبری محنت کے ظالمانہ نظام کا بھیانک منظر سامنے آتا ہے۔ ڈیڑھ روپیہ۔

رسول اللہؐ کے خطبات وارشادات۔ مجلد ڈھائی روپے / تحقیق اسم اعظم۔ چھ آنے / علامات قیامت۔ دس آنے۔

سُرخ چین سے فرار یہ بھی ایک آپ بیتی ہے۔ سبق آموز، عبرتناک اور سنسنی خیز۔ ڈیڑھ روپیہ۔

آزادی کی طرف ایک بھگوڑے روسی افسر کی خود نوشت سوانح جس نے امریکہ میں پناہ لی۔ یہ بے حد دلچسپ لیکن عبرتناک کتاب روس کے حقیقی حالات سے متعارف کراتی ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد آپ کمیونزم کے حسین نعروں اور مصنوعی دعووں سے کبھی دھوکا نہیں کھائینگے۔ مجلد تین روپے

سوئٹ روس کی حقیقت بہت ضروری قابلِ مطالعہ کتاب۔ دو حصوں میں مکمل روپیہ

کمیونزم اور کسان کمیونزم کو ایشیائی نقطۂ نظر سے سمجھنے سمجھانے کی کامیاب کوشش جو بیشمار دستاویزی حوالوں سے مزین ہے۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے۔

سوئٹ نظام کی چھ کنجیاں سچے تلے عقلی و نفسی دلائل پر مشتمل ایک سنجیدہ اور معیاری کتاب جو دلچسپ بھی ہے اور حقیقت افروز بھی صفحات ۳۲۴۔ ایک روپیہ

لینن کمیونزم کے مشہور راہنما لینن کی سوانح حیات، ایک روسی کے قلم سے جو مکمل غیر جانبداری سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ صفحات ۲۷۲۔ قیمت ایک روپیہ۔

آزادی کا ادب بعض منتخب مقالوں، افسانوں اور منظومات کا مجموعہ۔ جنھیں نیک تعمیری مقاصد کے تحت چھاپا گیا ہے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

ادب میں ترقی پسندی ادب میں "ترقی پسندی" کے نام سے جو تحریک جاری کی گئی تھی اس کی پوست کندہ حقیقت فی الاصل وہ کمیونزم ہی کی ایک سازش ہے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ۔

اشتراکیت روس کی تجربہ گاہ میں اشتراکیت کی عملی ناکامی پر ایک محققانہ نظر۔ قیمت مجلد تین روپے۔

نئی دنیا کی جھلکیاں ۱۔ (پہلے دور کا انقلاب) ۲۔ (موجودہ سماج میں طبقاتی نظام) ۳۔ (اقتصادی نظام) ۴۔ (اقتصادی سامراج) ان چاروں میں سے ہر ایک کی قیمت چار آنے ہے

نشانِ علوم و فنون

حصنِ حصین (مترجم) دعاؤں، مناجاتوں، وظیفوں اور جامع کلمات کا مشہور مجموعہ۔ مجلد آٹھ روپے

مقدمہ ابن خلدون یہ شہرہ آفاق کتاب اردو ترجمہ ہو کر آگئی ہے۔ مجلد پشتہ۔ پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ سترہ روپے)

فتوح الغیب (اردو) ایمان، تقویٰ، صبر، فقر، خیر و شر، جبر و قدر، سنت و بدعت اور شریعت و طریقت وغیرہا کے عنوانات پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے مشہور و معروف مقالات کا مجموعہ۔ جس میں مولانا عبدالماجد دریابادی کا مبسوط تعارفی مقالہ بھی شامل ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

حکایاتِ صحابہ رض صحابی مردوں اور عورتوں وغیرہ کے سبق آموز واقعات جن کے مطالعہ سے روح تازہ اور سینہ کشادہ ہوتا ہے۔ قسم اول مجلد تین روپے۔ (قسم دوم سوا دو روپے)

تحریک اخوان المسلمین مصر کی مشہور اسلام پسند جماعت "اخوان المسلمین" جسکے کئی رہنماؤں کو پھانسیاں دیدی گئیں۔ کیا ہے؟ اس سوال کا معتبر اور مفصل جواب حاصل کرنے کے لئے مصر کے محمد شوقی کی یہ قابلِ اعتماد کتاب ملاحظہ فرمائیے۔ جس کا سلیس اردو ترجمہ سید رضوان علی نے کیا ہے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ کتاب جو فرنچ اور دیگر زبانوں میں بھی بے شمار چھپی۔ عجیب کتاب ہے متعلقہ نقشے اور بدر، خندق، اُحد اور دیگر تاریخی مقامات کے چونتیس ۳۴ فوٹو بھی منسلک ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو ۲ روپے)

اُسوۂ حسنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر ایک نفیس کتاب جسے پڑھکر باطل شکنی اور حق دوستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسمیں بعض ایسی مفید باتیں ملینگی جو عام طور پر کتبِ سیرت میں نہیں ملتیں۔ سوا دو روپے (مجلد سوا تین روپے)

نئے عہد کے دروازہ پر - ۱۲ / مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی - ایک روپیہ آٹھ آنے / سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ ۱۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات

شاہانِ عالم، عرب حکمرانوں قبائلی سرداروں اور عاملوں کے نام دربارِ رسالت کی خط و کتابت اور معاہدات، ضروری تشریحات اور اصل خطوط کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ قیمت سوا دو روپے۔

محکمات

قرآن کی بعض آیات اور انکی تفسیروں پر علامہ عبد اللہ العمادی کا عالمانہ تبصرہ و محاکمہ۔ دو روپے بارہ آنے

اُردو کا مقدمہ

اُردو کے بارے میں ادیبوں، شاعروں، سماجی کارکنوں، سیاسی لیڈروں اور اہلِ علم و فضل کی شہادتوں پر مشتمل دلچسپ ڈرامہ، جو پُر لطف ہونیکے ساتھ ساتھ اُردو کے حق میں دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

حقیقت

جماعت اسلامی پر کئے گئے بعض اعتراضات پر مولنا عامر عثمانی کی مفصّل تنقید۔ دس آنے

سنتِ رسولؐ

مترجمہ:۔ ملک غلام علی۔ مقدمہ:۔ مولنا مسعود عالم ندویؒ۔ "سنت" کے موضوع پر بے حد وقیع کتاب۔ مجلّد سوا دو روپے۔

آئینہ حقیقت نما

اس قیمتی کتاب میں مشہور مؤرخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اُن تمام الزامات کی مدلّل صفائی پیش کی ہے جو متعصب حضرات تحریکِ اسلام پر لگاتے رہے ہیں طرزِ تحریر بیحد دلچسپ۔ استدلال محکم۔ نقد مضبوط۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب معیاری۔ مجلّد بارہ روپے

جمہوریت اور مغربی تحریکیں

یورپ میں جمہوریت پر کیا بنی اور انسانیت کے بلند نصب العین تک پہنچنے میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آئیں؟ اس پر اُونچے علمی انداز کا تبصرہ۔ قیمت مجلّد ساڑھے تین روپے۔

تجلّی کا خاص نمبر ۱۹۵۷ء

اب بھی مل سکتا ہے۔ ایمان و عمل کے مسئلہ پر تفصیلی محققانہ بحث "نذر و نیاز" فاتحہ و عُرس اور سماعِ موتٰی وغیرہ کا جائزہ۔ در اصل مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ایک کتاب پر تفصیلی تنقید اس نمبر کا خاص حصہ ہے جو انکی زندگی ہی میں لکھی گئی تھی (نوٹ) تنہا یہی نمبر منگانا ہو تو منی آرڈر سے ایک روپیہ بارہ آنے بھیجدیجئے۔ وی پی طلب کرینگے تو دو روپے دو آنے

خلفائے راشدین

(از مولانا عبد الشکور صاحب ایڈیٹر النجم لکھنؤ) خلفائے راشدین کی سیرت پر بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

اشاعت اسلام

دنیا میں اتنی جلد اسلام کس طرح پھیلا؟ مخالفینِ اسلام اس سلسلہ میں کیا کیا کہتے ہیں؟ اور اس کا جواب کیا ہے؟ یہ سب کچھ ٹھوس دلائل کے ساتھ اس میں ملیگا۔ کاغذ، طباعت، کتابت سب عمدہ۔ چھ روپے

تاریخ عالم

حضرت آدمؑ سے لیکر رسول اللہؐ تک کے تمام انبیاء کے حالات مع تاریخ پیدائش و وفات اور مکمل تاریخ اسلام و دیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ دنیا کے مشہور ممالک اور ریاستوں کی تاریخ۔ مجلّد ساڑھے چار روپے۔

تفسیر فیض الرحمٰن

بسم اللہ الحمد اور معوذتین کی تفسیر شاہ ولی اللہؒ اور دیگر اکابرین کی آراء کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ہدیہ دو روپے۔ از مولانا یعقوب الرحمٰنؒ۔

تحفۂ اثنا عشریہ (اُردو)

از حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ترجمہ:۔ مولانا سعد حسن خاں یوسفی۔ پیدائش و تاریخ مذہب شیعہ۔ اُن کی مختلف شاخیں۔ اُن کے اسلاف علماء اور کتب کا بیان۔ اُلوہیت، نبوت، امامت اور معاد کے بارے میں اُن کے عقائد، اُن کے مخفی مسائل فقہیہ، صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور اہلِ بیت کے حق میں اُن کے اقوال و افعال اور مطاعن مکائدِ شیعہ کی تفصیل، اُن کے اوہام، تعصبات اور ہفوات کا بیان۔ مجلّد مع حسین ڈسٹ کور بارہ روپے

ختم نبوّت کامل ہر حصہ

مصنفہ:۔ حضرت مولنا مفتی محمد شفیع صاحب۔ جسمیں ایکسو سے زائد آیات قرآنی اور دو سو ۲۱۰ دس احادیث رسولؐ اور اجماعِ اُمت اور سیکڑوں اقوالِ صحابہ و تابعین و ائمۂ دین سے مسئلہ ختم نبوت کے ہر پہلو کو واضح کیا گیا ہے اور شبہات کے شافی جوابات دیئے گئے ہیں۔ قیمت مع ڈسٹ کور چھ روپے۔

تلاشِ راہِ حق

ایک طالبِ حق کے جوابمیں مولانا سید سلیمان ندوی، مولنا اشرف علی تھانوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور میاں طفیل احمد کے خطوط۔ مجلّد پندرہ روپے

مکتبہ تجلّی دیوبند (یو۔پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ تجلی دیوبند

شمارہ نمبر ۴

جلد نمبر ۱۲

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت چھ روپے

فی پرچہ ۵۰ نئے پیسے

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۵ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

فہرست مضامین بابت ماہ جون سنہ ۱۹۶۰ء

ضروری ○ اگر اس دائرے میں سُرخ نشان ہے تو سمجھ لیجیے کہ اس پرچہ پر آپکی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائیگا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ (وی پی چھ روپے باسٹھ ۶۲ نئے پیسے کا ہوگا) منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

پاکستانی حضرات:۔ ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر ہمیں بھیجدیں رسالہ جاری ہوجائے گا۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

دفتر تجلّی دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

مدیر عامر عثمانی فاضل دیوبند

پاکستان کا پتہ:۔ **مکتبہ عثمانیہ ۲۲۰۸۰ مینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی** (پاکستان)

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "کوہ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

آغازِ سخن

حالات کی منطق بھی عجیب ہے۔ ارادہ کر رکھا تھا کہ جون کے تجلی کو ڈاک نمبر بنائیں گے کیونکہ لائق اشاعت سوالوں کا انبار بہت اونچا ہو گیا ہے اور بے شمار سائلین شکایتیں کر رہے ہیں کہ ہمارے سوالوں کے جواب کیوں شائع نہیں کئے جاتے۔ لیکن یہ ارادہ ہوائی ثابت ہوا اور ڈاک نمبر تو کجا یہ شمارہ اس عنوان ہی سے محروم رہا۔ اس سے جو گرانی بہت سے حضرات کو ہوگی اسکے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ کیا کریں بعض ہنگامی مسائل اچانک ایسے آ لپٹتے ہیں کہ انھیں گلے لگائے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ آپ میں سے کتنے ہی اس عذر کو نہیں مانیں گے، کیونکہ کسی بھی مسئلہ کی اہمیت پر سب کا متفق ہونا کم ہی ہوتا ہے۔ آپ کہیں گے کہ رسول اللہؐ کا سایہ ہوتا نہ ہونا یا مہتمم صاحب کی کتاب پر نقد کرنا ایسا کونسا ضروری ترین مسئلہ تھا کہ اس پر رسالہ کا رسالہ بھر دیا۔ بیشک اپنے زاویۂ نظر کے اعتبار سے آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن خود ہمارا زاویۂ نظر اس سے مختلف ہے۔ سایہ ہونا نہ ہونا بظاہر ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، لیکن عملی زندگی جن داخلی افکار و عقائد کے سہارے آگے بڑھتی ہے ان سے اس مسئلہ کا گہرا ربط ہے۔ بدعات و خرافات نے توحید و رسالت کے تصور کو جس قدر غبار آلود بنا دیا ہے وہ ایک تاریخی ٹریجڈی ہے جس کی کسک ہر دردمند مومن بُری طرح محسوس کرتا ہے۔ دیومالائی انداز کے تصورات عامۃ المسلمین کے ذہنوں پر چھاگئے ہیں۔ واہی عقائد نے دل و دماغ کی بنیادیں کھوکھلی کر کے رکھدی ہیں اور گمراہی و بیدانشی کا ایسا نشہ فضائے ایمان پر چھا گیا ہے کہ عملی زندگی اور حقائق سے آنکھیں چار کرنے کا یارا ہی باقی نہیں رہ گیا۔ ایسے عالم میں کسی ایک بھی گمراہ کن عقیدے کو اُکھاڑ پھینکنا اور توحید و رسالت کے عارض سے جتنی بھی گرد ہو سکے جھاڑ دینا ہمارے نزدیک بہت مفید اور نتیجہ خیز ہے۔ پھر یہ بھی ملحوظ رکھئے کہ سایہ نہ ہونے کے بے بنیاد عقیدے کی تصدیق آج کے دارالعلوم نے کی ہے اور دارالعلوم اپنی مرکزیت کے باعث بڑے دُور رس اثرات رکھتا ہے۔ جو گمراہی یہاں سے چلے گی وہ آندھی اور طوفان کی طرح پھیلے گی۔ اسی لئے ہم نے مفتی دارالعلوم کے فتوے پر پہلے بھی سخت گرفت کی تھی اور اب بھی ہماری طول نگاری زیادہ تر اسی لئے ہے کہ آج کے دارالعلوم کی حیثیت عوام الناس پر واضح ہو جائے۔ آج یہاں وہ اربابِ خلوص نہیں ہیں جو دین اور دنیا دونوں کی ذمہ داریوں کو سمجھتے اور نبھاتے تھے۔ آج یہاں زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جنھیں نہ خدا کا خوف ہے نہ بندوں کی شرم۔ وہ دین و شریعت اور علم و دانش کی خدمت نہیں کرتے ان سے اپنی خدمت کراتے ہیں۔ وہ اپنے مقام و منصب کو قلب و روح کی طہارت اور تزکئے میں نہیں نان و شکم کے رکھ رکھاؤ میں استعمال کرتے ہیں۔ ان کے اعمال و اشغال داخلی تحریک و ترغیب کے ثمرات نہیں، بلکہ خارجی مصالح اور مجبوریوں نے انھیں ظہور دیا ہے۔ کہاں تک کہیں۔ آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں اور کان جو کچھ سنتے ہیں وہ اتنا بھیانک ہے کہ خود ہمارا ایمان اگر محکم ہوتا تو دل ٹکڑے ٹکڑے ہو کے آنکھوں سے بہہ جاتا مگر ہائے یہ زہر آلود ماحول اور وائے یہ ہماری سیاہ کاریاں کوئی بھی تو دھاکہ سینے میں نہیں ہوتا۔ کوئی بھی آنسو ایسا آنکھوں میں نہیں آتا جو جگرِ سوختہ کی خبر لائے۔ کبھی کبھی ایک ہُوک سی اُٹھتی ہے، ایک شعلہ سا بھڑکتا ہے اور بس! یہ ایمان کے وجود کی علامت ضرور ہے، مگر دلِ زندہ کی تب و تاب اس میں کہاں۔ دل دھڑکتا ہے مگر مشین کی طرح۔ عزم کی گھن گرج اور ولولوں کی تڑپ اس میں کہیں

نہیں۔ ہوتی تو یہ ہولناک نظارہ دل و جگر کی دھجیاں اُڑا دینے کے لئے کچھ کم نہیں تھا کہ دین و دانش اور کردار و طاعت کی یہ عظیم درسگاہ رفتہ رفتہ پروجیکٹ کی شکل میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے — ایسا پروجیکٹ جہاں روح و ضمیر کے مدفن پر اینٹ اور پتھر کے محل تعمیر ہوئے ہیں۔ جہاں دنیا ہی سب کچھ ہے اور دین کچھ بھی نہیں۔ جہاں دین و آخرت کی متاع روٹی اور تنخواہ کے میزان میں تل رہی ہے۔ جہاں وہ کچھ ہے کہ عوام جان لیں تو مارے حیرت کے شل ہو کے رہ جائیں۔

بہر حال سائے کی بحث سے ہمیں ایک ضرر رساں عقیدے کی تردید کے ساتھ ساتھ یہ بھی دکھانا مقصود ہے کہ آج کے مفتیٔ دارالعلوم علم و دیانت کے تقاضوں سے کس درجہ بے نیاز ہیں۔ مخلص دن میں چار بار بدل سکتا ہے۔ اس پر جب بھی واضح ہو جاتے کہ اس کا فیصلہ غلط تھا وہ بلا تأمل اپنی رائے بدل دے گا، لیکن اخلاص سے بے بہرہ لوگ بدلا نہیں کرتے۔ وہ متکبر اور ضدی ہوتے ہیں۔ انکی بلا سے دلائل و شواہد کچھ بھی پکارتے رہیں وہ اپنی جگہ جامد رہیں گے بشرطیکہ ان کے کام و دہن پر زد نہ پڑے۔ ہم نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی اعلانیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کا سایہ نہ ہونا ایک بے بنیاد طبعزاد عقیدہ ہے جس کے لئے علم و دانش کے ہزار دفتر بھی کوئی دلیلِ فیصل نہیں لا سکتے۔ بریلویوں کو چھوڑیئے رونا اُس مفتیٔ اعلیٰ کا ہے جس نے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر فتویٰ تو داغ دیا، لیکن برہان و شہادت کا کوئی سرمایہ اس کی جھولی میں نہیں۔ لاکھ فہمائش کیجئے مگر کبر و خود پرستی کے کانوں پر جوں نہیں رینگے گی۔ ضمیر نہیں چیخے گا۔ دل میں درد نہیں اُٹھے گا کہ جو غلطی ہو گئی ہے اس کی تلافی کی جائے۔ سمجھتے یوں ہیں کہ ہم تو ملاءِ اعلیٰ کے لوگ ہیں جو کہا پتھر کی لکیر ہوا۔ بھونکنے جا مدیر تجلی۔ اس کی سُنتا کون ہے۔ یہی خوش فہمیاں ہیں جو آخر کار انھیں لے ڈوبیں گی۔ ابھی پانی سر سے اونچا نہیں گیا۔ طلباء کی حالیہ اسٹرائک ایک غیبی تنبیہ ہے اس بات کی کہ پانی سینے تک آپہنچا ہے۔ کردار و عمل کی گرتی ہوئی دیواروں کو سنبھالو نہیں تو علم و اتقاء کا یہ کھوکلا محل ایک دن بتاشے کی طرح بیٹھ جائے گا اور بانیانِ دارالعلوم کی روحیں تم سے پوچھیں گی کہ ہماری امانت کیا کی؟ تم ملازموں کی فوج اور سالانہ بجٹ کے اعداد و شمار پیش کیے کہو گے' یہ دیکھو ہم نے تمھاری امانت کو کیسا فروغ دیا ہے'، کتنا پالا پوسا ہے۔ روحیں رو پڑیں گی اور ان کے آنسو دہکتے ہوئے لاوے کی طرح تم پر برسیں گے اور اس وقت تمھیں یقین آئیگا کہ "مایہ جحیم" کوئی کہانی نہیں تھی ایک سچائی تھی تلخ و بے رحم!

اور مہتمم صاحب کی کتاب پر نقد بھی زیادہ تر دارالعلوم ہی کے تعلق سے اہم محسوس ہوا۔ ورنہ بجائے خود اس کتاب میں کچھ نہیں دھرا۔ اس کے آغاز میں لکھا گیا ہے کہ:-

"یہ کتاب جماعت دارالعلوم دیوبند کے متفقہ مسلکِ حق کی ترجمان ہے۔"

پھر غضب یہ ہے کہ مصنف کے صاحب زادے محمد سالم صاحب نے "علمی، فکری، تحقیقی اور مسلکی لحاظ سے" اسے "حرفِ آخر" ظاہر فرمایا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انھوں نے جھوٹ نہیں بولا — تصنع نہیں برتا۔ ان کے پاس علم و فہم کا جتنا سرمایہ ہے اس کے لحاظ سے یہ کتاب انھیں "قرآن بزبانِ اردو" بھی محسوس ہو تو جائے شکایت نہیں۔ پھر وہ نہ صرف صاحبزادے ہیں بلکہ کتاب کے ناشر بھی ہیں۔ خونی عقیدت کاروباری مصلحت اور نیم تلی قابلیت کے اجتماعِ مبارک سے ایسا ہی بے نظیر مثلث بننا چاہیئے تھا۔ ہم کبھی انکا دل میلا نہ کرتے اگر اُس دارالعلوم کی عظمت کا پاس نہ ہوتا جسکے مہتمم ان کے والد ہیں۔ لیکن دارالعلوم سے انتساب مصنف کی کتاب کو اس لائق بناتا ہے کہ اس کا جائزہ لیا جائے اور لوگوں کو بتایا جائے کہ اب یہاں کوئی قاسم، کوئی انور، کوئی محمود الحسن نہیں بس "حکیم الاسلام" رہ گئے ہیں جن کے نسخہ ہائے کیمیا ہضم ہوں تو کر لو نہ ہضم ہوں تو کوئی اور گھر دیکھو۔

عبرت کی جا ہے ابھی یکم نومبر ۵۹ء کے الجمعیۃ میں مولوی محمد میاں صاحب محمود عباسی صاحب کی کتاب پر غصہ اُتارتے ہوئے فرما چکے ہیں:-

"احیاءِ خلافت راشدہ کا ایک مقدس اور پاکیزہ نقطۂ نظر نور دیدۂ چشمِ رسالت (حضرت حسینؓ) کا نصب العین بنا رہا جس کے لئے حضرت موصوف نے اپنا سب کچھ قربانی کے لئے پیش کر دیا۔"

لیکن مولانا محمد طیب صاحب اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ،

حضرت حسینؓ کو خلافت کی طلب تو کجا اس سے دلچسپی تک نہیں تھی۔ خلافتِ راشدہ کی عمر تو حدیث کی تصریح کے مطابق ختم ہو چکی تھی اس لئے ان کے کربلائی اقدام کو طلب خلافت پر محمول کرنا خلافت کی حقیقت اور اسکی تاریخ سے ناواقفی یا بے ذوقی کی دلیل ہے۔

ہنسئے یا روئیے۔ ہمالیہ جیسے حقائق کو ذوقی محسوسات اور کلامی منطق کے ذریعہ بالِ ہما بنا دینا کیا ہوا میں گرہ باندھنے سے کچھ کم کمال ہے۔

خیر اس وقت اِس کمال کے ما علیہ سے بحث نہیں۔ عرض تو یہ کرنا ہے کہ مولوی محمد میاں صاحب بھی جماعتِ دارالعلوم ہی کے ایک فرد ہیں اور جمعیۃ العلماء کے ناظم۔ وہ مشرق کی سناتے ہیں تو مہتمم صاحب مغرب کی۔ وہ احیائے خلافتِ راشدہ کو حیاتِ حسینؓ کا داحد نصب العین قرار دیتے ہیں تو مہتمم صاحب اس سے دلچسپی تک کو مرتبۂ حسینؓ کے خلاف بتاتے ہیں!

ہمیست یارانِ طریقت بعد ازاں تدبیر ما

اس کا تو رونا نہیں کہ مہتمم صاحب نے نادانستگی میں مولوی محمد میاں صاحب کو بدذوق اور تاریخ کی حقیقت سے ناواقف ٹھیرا دیا۔ یہ ان کے داخلی معاملات میں جن میں گفتگو کے ہم مجاز نہیں، لیکن یہ دارالعلوم کے متفقہ مسلک کا کیا بنا؟ اس غریب کی جان تو ان پر کیا بیتی؟ دعوے اور ایسے پھسپھسے۔ نعرے اور ایسے کھوکلے۔

حاصل یہ کہ صحابیِ رسولؐ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حرمت و آبرو کے لئے ہم ہر اُس حملہ آور سے دو دو ہاتھ کرنے کی سعی کرتے رہیں گے جسے ذاتی یا عارضی طور پر کوئی اہمیت حاصل ہو۔ ہاں زرام نگری یا علی بہادر جیسے حضرات کی کتب سے ہماری کوئی لڑائی نہیں کہ ان بیچاریوں کی نمود حباب ہی نما ہے۔ جھونکا آیا اور طلسم ٹوٹا۔ انھیں اپنی موت آپ مرنا چاہیئے۔ آدھا دم ان نکل چکا ہے۔ آدھا تارِ عنکبوت سے بندھا ہے کہ اب ٹوٹا اور جب ٹوٹا۔ ہم زندہ رہ گئے تو دکھلا دیں گے کہ یزید کی آڑ میں حضرت معاویہؓ کی آبرو کے لاگو یہ عاشقانِ علی اور دارفتگانِ حسینؓ کس طرح مُنہ کی کھاتے ہیں اور انکی تصنیفات کے مزار کس طرح زمین کے برابر کر دیئے جاتے ہیں۔ ہمارے مہتمم صاحب بظاہر دشمنِ معاویہ نہیں، لیکن صورت بہیں حالت میرس۔ دو اور دو چار ہی ہوں گے چاہے کوئی کہے یا نہ کہے۔ جو لوگ یزید کو شیطان مجسم مانتے ہوئے بھی معصومیت سے کہتے ہیں کہ ہمیں معاویہ سے عقیدت ہے وہ مکار ہیں یا پھر مبتلائے فریب۔ عقیدت لفظی غبّاروں کا نام نہیں۔ اس کی جڑیں ذہن و شعور میں ہوتی ہیں۔ وہ ذہن و شعور کبھی عقیدتِ معاویہؓ کی قرار واقعی آما جگاہ نہیں بن سکتے جو یوں سمجھتے ہوں کہ انھوں نے ایک شیطانِ مجسم بیٹے کو مسندِ اقتدار دیکر خلافتِ اسلامی اور معاشرۂ ملّی کو تارپیڈو کر دیا۔

اے اللہ! ہماری موت اس حال میں آئے کہ ہمیں تیرے سچّے رسولؐ کے ہر صحابیؓ سے قرار واقعی عقیدت ہو، چاہے ان کی بعض لغزشوں کو اچھے محمل پر اُتارنے میں ہمنے دھوکا ہی کھایا ہو۔ یہ اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ ان کی مذمّت میں دھوکا کھائیں۔ تیرے رسول کے ہر صحابی کا ناموس پوری امت کے ناموس سے بڑھ کر ہے۔ دس یزید جنّت میں چلے جائیں تو ہمیں غم نہیں، لیکن ایک معاویہؓ یا ایک حسینؓ اگر خاکم بدہن دوزخ میں بھیجدیئے جائیں تو کلیجہ پھٹ جائے گا۔

حیاتِ فاروقیؓ بہ یک نظر

ولادت: شہر مکہ مکرمہ۔ سنہ ۱۲ محمدی ۵۸۲ء

اسلام: سنہ ۴۵ محمدی ۶۱۵ء بعمر ۳۳ سال

بوقت وصال نبوی: بعمر ۵۰ سال ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء

خلافت: بعمر ۵۱ سال (۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳ھ مطابق ۶۳۴ء)

شہادت: بعمر ۶۳ سال (۲۸ ذی الحجہ ۲۳ھ مطابق ۵ نومبر ۶۴۴ء
بقول اکمال فی اسماء الرجال)

مدت خلافت: ۱۰ سال

مدفن: شہر مدینہ منورہ۔ حجرہ سیدہ عائشہؓ۔ پہلوئے ابوبکرؓ و رسولؐ

ازواج: کل ۸ ملیکہ بنت جرول خزاعیہ۔ قریبہ مخزومیہ۔
جمیلہ انصاریہ۔ لہیہ یمنیہ۔ مگر بعد نزول آیت ذیل کی ۴ آخر
تک ہیں۔ زینب جمحیہ۔ ام حکیم مخزومیہ۔ عاتکہ بنت زید ——
ام کلثوم بنت علی

اولاد: کل ۹ (ذکور ۶) عبداللہ۔ عبیداللہ۔ عاصم ان کی اولاد چلی
عبدالرحمان اکبر۔ عبدالرحمان اصغر۔ زید نواسہ علیؓ۔
(اناث ۳) ام المومنین حفصہؓ۔ فاطمہ۔ رقیہ نواسی حضرت علیؓ

فتوحات: برقہ۔ طرابلس۔ اسکندریہ۔ مصر مع توابع۔ دمشق۔ حمص۔ قنسرین۔ حلب۔ انطاکیہ۔ اجنادین
بیت المقدس۔ جزیرہ۔ عراق مع توابع۔ قادسیہ۔ مدائن۔ اہواز۔

حیاتِ عثمانیؓ بہ یک نظر

ولادت: شہر مکہ مکرمہ۔ ۵۷۶ء

اسلام: پنجشنبہ ۱۵ ربیع الاول سنہ ۴۲ محمدی ۶۱۰ء بعمر ۳۵ سال

عمر بوقت وصال نبوی: ۵۸ سال (۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مطابق
۷ جون ۶۳۲ء)

خلافت: ۲۹ ذی الحجہ ۲۳ھ (۷ نومبر ۶۴۴ء) بعمر ۷۰ سال

شہادت: بعمر ۸۲ سال۔ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ (۲۰ مئی ۶۵۶ء)
قاتلین: اسود تجیبی۔ عمرو بن حمق۔ غافقی

مدت خلافت: ۱۲ سال

مدفن: شہر مدینہ منورہ۔ جنت البقیع شرقی حصہ موسومہ بہ حش کوکب

ازواج: کل ۸ مگر وقت نزول آیت سے آخر عمر تک ۴ ازواج حیات میں
مذکور ہیں۔ سیدہ رقیہ۔ سیدہ ام کلثوم۔ ام عمرو۔ فاطمہ فاختہ
ملیکہ۔ نائلہ۔ ام البنین

اولاد: کل ۱۵ (ذکور ۹۔ اناث ۶)
(ذکور) سید عبداللہ اکبر نواسہ رسولؐ۔ عبداللہ اصغر۔ عمرو۔ خالد۔ ابان۔ عمر
ولید (اناث) مریم کبریٰ۔ ام سعید۔ عائشہ۔ ام ابان۔ ام عمرو۔ مریم صغریٰ

فتوحات: آذربائیجان۔ آرمینیا۔ باب۔ تفلس۔ قوقاز۔ عموریہ۔ قبرص۔ فارس۔ مراکش۔ جرجان۔ طبرستان۔ نیشاپور۔ طوس
ہرات۔ طخارستان۔ سیستان۔

ایک استفتاء — اور — اسکا جواب

مستفتی جناب محمد شعیب اعظمی نے اپنے ایک استفتاء کا جو جواب دو معلوم و معروف عالمانِ دین سے تحریری شکل میں پایا اسے انھوں نے بغرضِ اشاعت ہمیں ارسال فرمایا ہے اور ہم دونوں جواب مع استفتاء کے شائع کر رہے ہیں۔

ہر دو مفتی حضرات سے ہم اس اضافے کے لئے معافی چاہیں گے کہ جو عربی عبارات انھوں نے تحریر فرمائی تھی ان کا اردو ترجمہ ہم نے بالمقابل درج کر دیا ہے۔ ترجمہ کے بغیر عام ناظرین تجلی پوری بات نہ سمجھ سکتے۔

پھر ناظرین تجلی سے بھی ہم اس تطویل کی معافی طلب کریں گے کہ اس موقعہ پر ہم اپنا ہی ایک اداریہ نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جو اکتوبر ۵۸ء کے تجلی میں لکھا گیا تھا۔ پرانے قارئین اگرچہ اسے ایک بار پڑھ ہی چکے ہوں گے لیکن جس زور و شور سے آج حسینؓ و یزید کا معاملہ زیرِ بحث ہے اس کے پیشِ نظر بہتر ہو گا کہ اگر یہ پھر تازہ کر لیا جائے۔ خصوصاً یوں بھی کہ بخاری کی جس حدیث صحیحہ مبارکہ کے ٹکڑے پیش کر کے ہم نے اس اداریہ میں گفتگو کی تھی اسی حدیث پر ہر دو مجیبانِ کرام نے عالمانہ توضیحات پیش فرما کر بات کو اور زیادہ منقح کر دیا ہے و جزاہا

آغازِ سخن اکتوبر ۵۸ء

ہم نے مئی ۵۸ء کے تجلی میں "تجلی کی ڈاک" کے تحت "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ" کا عنوان دے کر کچھ ایسی معروضات پیش کی تھیں جو عوام میں مقبول و شائع خیالات و معتقدات سے میل نہیں کھاتیں۔ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئیے تھا۔ بہت سے لوگوں نے ہماری معروضات کی روشنی میں اپنے تخیلات کی اصلاح کی اور کچھ لوگوں نے ہمیں بھلا کہا، ناراض ہوئے، صلواتیں سنائیں۔ موصول شدہ خطوط میں اگر کوئی سنجیدہ بات لائقِ توجہ ہوتی تو ہم علمی تنقیح اور جوابدہی میں ذرا تامل نہ کرتے، لیکن سوائے غم و غصے اور تلخ کلامی کے ان میں کچھ بھی نہیں۔ ہمارے لئے صلواتیں اور ملامتیں کچھ نئی چیز نہیں رہ گئیں۔ جماعت اسلامی کے موقف کی حمایت اور بدعات کی تردید کے سلسلہ میں ہم نے سبھی کچھ سہہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہنے والوں کو معاف فرمائے اور ہمیں ہماری نیت کے مطابق اجر دے۔

سچ یہ ہے کہ یزید و معاویہؓ کے سلسلہ میں عوام کے خیالات غصہ سے زیادہ نرمی اور تاؤ سے زیادہ حلم کے متقاضی ہیں۔ وہ بیچارے نہ معتدبہ علم رکھتے ہیں نہ گہری بصیرت جس ماحول میں انھوں نے آنکھیں کھولیں، پلے، بڑھے، وہاں یزید کی شخصیت ایک ابلیس مجسم کی حیثیت میں متعارف تھی۔ شیعہ پروپیگنڈے سے متاثر حضرات کا یہ عالم تھا کہ آنکھیں بند کر کے یزید کے فسق و فجور پر ایمان رکھتے تھے۔ یہ نفسیات کا مسلّمہ ہے کہ آدمی اگر پہلے سے کوئی عقیدہ دل میں لئے بیٹھا ہو یا کوئی خاص میلان و رجحان رکھتا ہو تو اس کے دل و دماغ کو وہی دلائل و شواہد زیادہ اپیل کرتے ہیں جو اس کے عقیدہ و میلان کی تائید میں ہوں۔ اور ان دلائل و شواہد کو وہ نظر انداز کر دیتا ہے یا ان کی تاویل کر لیتا ہے جو اس کے عقیدہ و میلان کی تردید کر رہے ہوں یہی تمام مسائل میں ہوتا ہے اور یہی یزید و معاویہؓ کے مسئلہ میں بھی ہوتا رہا۔ آج نہیں صدیوں پہلے سے حضرت معاویہؓ کے غالی مخالفین کا پروپیگنڈا اور کذب و افترا نہ صرف کم علم عوام کو بلکہ پڑھے لکھے خواص کو بھی متاثر کرتا چلا آ رہا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ابتدا میں جن لوگوں نے دورِ خلافت اور اس کے بعد کی تاریخیں لکھیں وہ حبِ علیؓ کے پردے میں بغضِ معاویہؓ کے شکار تھے اور حضرت معاویہؓ کو مطعون و مبغوض ٹھیرانے کا سب سے بہتر راستہ انھیں یہ نظر آیا کہ حضرت معا

نے اپنے جس بیٹے کو خلافت کے لئے نامزد کر دیا تھا اسے جی بھر کے ملعون و مردود اور فاسق و فاجر دکھلا دیں۔ اس کا قدرتی اور لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حضرت معاویہؓ کی دیانت، دین داری اور حق پرستی خود بخود مجروح بلکہ مذبوح ہوکر رہ جائے گی۔ چنانچہ وہ اپنی اس لغلی چال میں خوب کامیاب ہوئے اور ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے اہل سنت امیر معاویہؓ کے بارے میں سخت ناگفتہ بہ خیالات کے اسیر ہیں اور امام حسینؓ کی مظلومیت کا پس منظر انھیں اس قدر ورغلا گیا ہے کہ ایک عظیم صحابیؓ کی صحابیت بھی ان کی نظر میں کوئی وزنی شے باقی نہیں رہ گئی حالانکہ اگر وہ امام حسینؓ کی مظلومیت کو جذبات کی بجائے بصیرت و تدبر کی عینک سے دیکھتے اور رطب و یابس سے بھری ہوئی تاریخوں کے عوض محفوظ و مضبوط روایات پر تکیہ کرتے تو بالیقین ان پر واضح ہوتا کہ امیر معاویہؓ ایک جلیل القدر صحابی ہونے کے علاوہ دورِ اول کے اُن ممتاز ترین مدبرین میں سے ہیں جن پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے معاملہ فہم مردم شناس اور بے لاگ مدبر نے آخر عمر تک بھروسا کیا اور جن پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی نے مکمل اعتماد کا قولاً و عملاً اظہار فرمایا۔ وہی تنہا گورنر ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ و شر کی آگ تمام بلادِ اسلامیہ میں سلگائی جا رہی تھی ان کے زیرِ نگیں شام میں کوئی فاسد تحریک نہیں اُٹھی، اور جب مصر، کوفے اور بصرے سے باغی مدینے پہنچے تو شام کا ایک فرد بھی ان میں شامل نہیں تھا۔ ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اگر حضرت عثمانؓ حضرت معاویہؓ کے انتہائی مدبرانہ مشوروں کو قبول فرما لیتے تو واقعات یوں نہ پیش آتے جس طرح پیش آئے۔

یزید سے ہمیں براہِ راست کوئی دلچسپی نہیں۔ ہمارا احساس تو حضرت معاویہؓ کی حرمت و آبرو کے تعلق سے تڑپ اُٹھتا ہے اور حضرت معاویہ کی حرمت و آبرو بھی ہمیں اس لئے مطلوب و محبوب نہیں ہے کہ وہ اموی تھے، بلکہ اس لئے مطلوب و محبوب ہے کہ وہ صحابی تھے، کاتبِ وحی تھے، رسول اللہؐ نے ان کے تفقہ کو سراہا ہے، ان کے والد ابوسفیانؓ کی فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہؐ نے اتنی بڑی پاس داری کی ہے کہ تاریخ اس کی نظیر نہیں لا سکتی ان کی عزت ہمارے اس عقیدے کی عزت ہے جو جملہ صحابہؓ کے بارے میں ہم رکھتے ہیں، بلکہ یوں کہئے جملہ اہل سنت رکھتے ہیں۔

البتہ یزید کی جو منقبت اور عظیم تعریف بخاری کی حدیث میں آتی ہے اس کے باعث ہم نہ تو خود اس پر طعن کر سکتے ہیں نہ اُن لوگوں کو اس کا مشورہ دے سکتے ہیں جو بخاری کی عظمت اور مقام سے واقف ہیں۔ بخاری وہ کتاب ہے کہ اسناد کی عمدگی اور مضبوطی کے پہلو سے تمام امت اسے قرآن کے بعد سب سے صحیح اور مستند کتاب مانتی ہے۔ اس میں جو روایت آجائے اس کے خلاف روایات کے ہزار دفتر بھی نامعقول ہیں جب تک کہ یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ بخاری کی سند کمزور اور مخالف روایات کی اسناد مضبوط ہیں۔ یزید و معاویہؓ کے بارے میں جو کتبِ تاریخ ماخذ اور اساس کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کی روایات کا بخاری کے مقابلہ میں مضبوط ہونا تو کجا وہ تو اہل علم کے نزدیک اس قابل بھی نہیں ہیں کہ روایات محدثین کی کسی بھی صف میں انھیں جگہ دی جائے۔ پھر یہ کون صاحبِ ایمان و دیانت آسانی سے مان لے گا کہ بخاری میں تو اللہ کے سچے اور برگزیدہ رسولؐ فداہ امی و ابی حضرت امیر معاویہؓ اور یزید کے جنتی ہونے کی خبر دیں اور غلامانِ رسول کے لئے یہ جائز ہو کہ ضعیف و موضوع روایات کے سہارے اور کذب و افترا پر مشتمل پروپیگنڈے سے مغلوب و متاثر ہو کر یزید کی شیطنت کا ڈھنڈورا پیٹیں، اسے جہنمی قرار دیں اور کبھی ڈھکے چھپے، کبھی کھلم کھلا حضرت معاویہؓ پر چھینٹے اڑائیں، ان کی دینداری کو مجروح کریں، انھیں دشمنِ رسول باور کرائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا	میری امت کے اس پہلے گروہ نے اپنے لئے جنت واجب کر لی جس نے بحری جنگ لڑی

تاریخ ناقابلِ تردید طور پر شاہد ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی بحری جنگ حضرت معاویہؓ نے لڑی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحری جنگ لڑنے کی اجازت نہیں دیتے تھے حتیٰ کہ اس کی اجازت طلبی پر انھوں نے حضرت معاویہؓ کو سخت جواب بھی دیا جس کے بعد انہیں اصرار کی جرأت نہ ہو سکی۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا دور آیا تو انھوں نے اجازت دے دی اور حضرت معاویہؓ نے بحرِ روم کے مشہور جزیرے قبرص پر حملہ کر کے فتح حاصل کی۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودے پر ہماری جانیں قربان۔ وہ مسلمان ہی کب ہو سکتا ہے جو قولِ رسولؐ

پر کامل بھروسہ نہ کرے۔ ذرا دیکھئے اسی حدیث میں ایک ایسی پیشین گوئی بھی ہے جو پوری ہو چکی۔ اس حدیث کی راویہ حضرت اُمّ حرام رضی اللہ عنہا ہیں۔ وہ فرماتی ہیں:۔

قلت یارسول اللہ انا فیھم قال انت فیھم	میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم بھی اس میں (پہلے بحری لشکر میں) ہونگے حضورؐ نے فرمایا ہاں تم بھی اس میں ہوگی۔

اور تاریخ گواہ ہے کہ قبرص پر حملہ کرنے والے لشکر میں اُمّ حرام بنت ملحان اور ان کے شوہر عبادہ بن صامتؓ شامل تھے۔ پھر ساحلِ قبرص پر اترنے کے بعد ان کا گھوڑا ابد کا، جس سے وہ گر پڑیں اور مر گئیں۔ ان کے اسی طرح مرنے کی پیشین گوئی بھی کتب احادیث میں موجود ہے۔

اب آگے چلئے۔ یہی اُمّ حرامؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا:۔

اول جیش من اُمّتی یغزون مدینۃ قیصر مغفورٌ لھُمْ فقلتُ انا فیھم یارسول اللہ قال لا	میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو شہر قیصر (مملکت روم پر) حملہ کرے گا اس کی مغفرت مقدر ہو چکی ہے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم بھی اس میں ہونگے۔ حضورؐ نے جواب دیا نہیں۔

اور تاریخ شاہد ہے کہ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے والی پہلی مسلمان فوج وہی ہے جو یزید کی سرکردگی میں مصروف جہاد ہوئی تھی۔ اس میں ابن عمرؓ، ابن عباس، ابن زبیرؓ، ابو ایوب انصاری اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ شریک تھے۔

جب استاذ المکرم حضرت مولانا حسین احمد مدنی طاب اللہ ثراہ کے درس بخاری میں یہ حدیث ہمارے سامنے آئی تو حقیقت میں ہم بھی انہی لوگوں میں تھے جو یزید کو ایک مجسّم شیطان کی حیثیت سے جانتے تھے، لیکن اس وقت ہم کانپ اٹھے، لرز گئے۔ نعوذ باللہ من ذالک جس شخص کے جنتی ہونے کی سردار دو جہاں صادق و مصدوق محبوب سبحانی خاتم النبیین الف الف مرۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام خبر دیں اسے ہم ملعون و مردود سمجھیں، حالانکہ ہماری آنکھوں نے اس کا کوئی فسق و فجور نہ دیکھا ہو۔ ہم نے توبہ کی اور اسی دن سے کتب تاریخ پر براہ راست نظر ڈالنے کا تہیہ کیا، چنانچہ قدماء کی جتنی بھی

کتابیں ہمیں میسر آسکیں ان میں یزید و معاویہؓ کے حالات پ
جو عبارت سمجھ میں نہ آئی استادوں سے سمجھی، جن روایتو
توجیہہ نہیں ہو سکتی تھی ان کے راویوں کی تحقیق کیلئے اسماء
کتابیں چھانیں۔ حال یہ کھلا کہ حضرت معاویہؓ پر حرف لا
روایات کے راویوں کا تو ایک بھی سلسلۂ سند ایسا نہ
جس میں کوئی شیعی، یا متروک یا مجہول راوی شامل نہ ہ
کو ملعون باور کرانے والی روایات میں ایک بھی سلسلہ سند ایسا
جو فن روایت کے معیار پر کھرا اتر سکے۔ زیادہ تر تو ایسے
ان اسناد میں ملتے ہیں جنھیں اسماء رجال کی کتابوں میں
مفتری، وضّاع، مدلّس وغیرہ بتایا گیا ہے۔ اس کے مق
جن روایات سے حضرت معاویہ کی ایمانداری اور یزید
سے بالاتر عملی حالت کا پتا چلتا ہے ان میں سے بعض تو
پہلو سے بخاری و مسلم کی ٹکر کی ہیں بعض ان سے ہلکی ہیں،
و متروک نہیں اور کم سے کم متقابل روایات کی اسناد سے
اعلیٰ ہیں۔ ایسی صورت حال میں ہماری یہ خلش بھی دور ہو گ
کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی کیوں بتایا۔ اس ز
ہم مضمون نہیں لکھتے تھے نہ تجلی نکالتے تھے پھر بھی فل ا
کے تقریباً چالیس صفحوں کا ایک مضمون لکھا اور صا
ہوا مسودہ یاد نہیں کس رسالے میں بھیجا، وہ شائع نہ
اصل مسودہ اب بھی شاید پرانی چیزوں میں کہیں پڑا ہ

مسلمان بیچاروں کی غلط فہمیاں جہل و نادانی
گھاٹیوں تک ٹھوکریں کھاتے جا رہی ہیں اس کا اندا
عبارت سے کیجئے جو ایک دوست نے خط میں نقل ک
ہے اور جو حیدرآباد کے ایک پرچے کی تازہ اشاعت

یزید ایک چھچھورا اور نہایت ہی بدشکل نوجوان تھا
جس کو حکومت کے کاموں کے بجائے کتوں، بندر
عورتوں، شراب اور گانے سے بے حد دلچسپی تھی
یزید نے چونکہ امیر معاویہؓ کے دور امارت میں آنکھ
کھولی تھی، شہزادگی کی زندگی بسر کی تھی اس ا
جوان ہوتے ہی وہ عشرت پسندی کا شکار ہو گیا

وہ ہر وقت شراب کے نشے میں بدمست رہتا تھا۔ اس کی کوئی مجلس شراب وکباب کے ذکر خیر سے خالی نہ ہوتی تھی۔ انتہا یہ کہ حرمین شریفین میں بھی شراب ساتھ رہتی تھی۔ نشہ میں آیات قرآنی کے استخفاف سے بھی باز نہ رہتا تھا۔ زمانۂ حج میں شراب پینے سے باز نہ رہتا تھا۔ سوتیلی ماؤں اور بہوؤں اور بھتیجیوں تک سے نکاح کو جائز سمجھتا تھا۔ یزید کی انتہائی معصیت شعاری کا یہ عالم تھا کہ اس نے (نعوذ باللہ) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک کو نکاح کا پیغام بھجوایا۔ نماز، روزے سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ لہو ولعب میں ہر وقت مصروف رہتا تھا۔"

یہ ایک ایسے رسالے کے مضمون کی عبارت ہے جو اہل سنت ہونے کا مدعی ہے اور حدیث پر ایمان رکھتا ہے ہمیں یقین ہے کہ اس عبارت میں جو کچھ کہا گیا وہ اس حسن نیت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ یزید کو جتنا مردود ثابت کریں گے امام حسین کی مظلومیت وعظمت اتنی ہی فزوں ہوگی اور لکھنے والے کو یقین ہوگا کہ وہ سچ ہی لکھ رہا ہے۔ لیکن اس کو کیا کہیئے کہ جس حسن نیت اور یقین کی بنیاد جہالت، کند ذہنی اور بے خبری پر ہو اس سے سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہیں نکل سکتا۔ عالمگیر رحمہ اللہ پر ظلم وشقاوت کے جو الزامات بعض متعصب مؤرخوں نے لگائے ہیں وہ شاید کذب وافترا کا ایسا گھناؤنا پلندہ نہ ہوں جتنا یزید پر لگائے ہوئے الزامات کا یہ پلندہ ہے۔ اسے چھوڑیئے کہ یہ صد فیصد من گھڑت باتیں کہاں سے آئیں اور اچھے خاصے سمجھداروں کی عقل پر پتھر کیسے پڑے اسے دیکھیئے کہ یزید کو ایسا ہی بدکار اور لعین مان لینے کے بعد اُن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دینداری، حق پسندی، شرافت اور عظمتِ صحابیت کا کیا حشر ہوتا ہے، جنھوں نے یزید کو خلیفہ نامزد کیا تھا اور ان بے شمار صحابہ کی حق کوشی کس درجہ میں لائق اعتبار رہ جاتی ہے جنھوں نے اس نامزدگی کو خلاف شریع نہیں سمجھا تھا بلکہ جب یزید خلیفہ ہوگیا تو اس کی بیعت کی اور اُن عالی مقام صحابہ کے ہوش وحواس کہاں تک سالم نظر آتے ہیں جنھوں نے یزید کی سرکردگی میں جہاد

کیا، یزید کی امارت میں نمازیں پڑھیں، یزید کے ہدیے اور وظیفے قبول کئے۔

سوچیئے ایک امام حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومیت وحق پسندی میں چار چاند لگانے کے لئے بھولے لوگ کس مقدس گروہ کی حرمت وناموس کے بخیئے ادھیڑ رہے ہیں۔ آپ سنجیدگی سے غور کریں گے تو محض ایک ہی جواب ملے گا کہ یہ مکروہ عمل صرف ان لوگوں کا ہو سکتا ہے جو تنہا علی کرم اللہ وجہہ اور خاندان ہاشمی ہی کو عظمت وتقدس کے تمام اختیارات عطا کر کے باقی صحابہ سے ان کی عظمتیں چھین لینا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے طرح طرح کے ظاہر فریب حربے استعمال کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے مشن میں کامیابی اس لئے ہوئی کہ عوام جاہل تھے اور خواص کے اکثر افراد واقعات کربلا کے پیدا کردہ جذبات کی طغیانی میں قوت نقد ونظر کھو بیٹھے تھے۔ کون نہیں جانتا کہ جب جذبات کے بادل گھر آتے ہیں تو عقل وعلم اور فکر ونظر کے نجوم چھپ جاتے ہیں — حالانکہ جذبات اگر غلبہ نہ پالیتے تو یہ سمجھنے میں کسی بڑی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ مظلومیت حسین رضی اللہ عنہ یزید کی ملعونیت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تخفیف پر منحصر نہیں ہے۔ وہ تو ایسے مظلوم تھے کہ یزید کو متہم کئے بغیر بھی انھیں مظلوم کہا جا سکتا تھا۔

بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والا جواب پڑھ کر کئی لوگ آپ سے بدظن ہو گئے ہیں اور "تجلی" سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ ہم اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں دے سکتے کہ جس بات کو ہم حق سمجھتے ہیں اس کے بیان کرنے میں ہمیں کسی کی بدظنی اور نفرت کی شمہ برابر پرواہ نہیں ہے۔ ہاں متین علمی دلائل سے اگر ہم پر ہماری معروضات کی غلطی واضح کیجائے تو یقیناً ہم پوری توجہ دیں گے۔ یا تو معترض کا رد کریں گے یا اپنا قصور مان لیں گے۔ یہ کیا کہ فاسد ذرائع اور ناقص روایات اور بے بنیاد افواہوں اور سنی سنائی باتوں کے سہارے جن لوگوں نے غلط فہمیوں کو سینے سے لگا رکھا ہے انھیں اس پر بھی غصہ آئے کہ ایک شخص علمی وعقلی دلائل سے ان غلط فہمیوں کا پردہ چاک کر رہا ہے ہم نے تو صرف اجمال اور اشارات پر اکتفا کیا ہے۔ ذرا

محمود احمد عباسی صاحب کا الحسین پر تبصرہ کا پڑھ کر دیکھئے سب حال کھلے گا کہ سچائی اور حقیقت کذب و دروغ اور خرافات و ہفوات کے کس فلک بوس انبار میں دبی پڑی ہے۔ خدا جانے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یزید کو گالیاں دے کر خوا مخواہ اپنے سر ایسی ذمہ داری لیتے ہیں جس کا کوئی حقیقی فائدہ متصور نہیں اور خدا جانے ان اہل علم پر کیا افتاد پڑی ہے جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ خلافت یزید اور بیعت یزید کے معاملہ میں کتنے ہی ممتاز صحابہؓ کا بھی ایک نقطۂ نظر ہے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں گویا امام حسینؓ کے مقابلہ میں کسی بڑے سے بڑے صحابی حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ تک کی رفعت و مرتبت کسی ادنےٰ رعایت و لحاظ کی مستحق نہیں ہے۔ خدا حضرت حسینؓ اور حضرت معاویہؓ اور جملہ صحابۂ کرام پر رحمت فرمائے وہ سب اتنے اونچے اتنے مقدس اور اتنے معظم تھے کہ ان میں سے کسی بھی ایک کو خائن و بدکار کہنے یا ثابت کرنے والا عذاب نار سے نہیں بچ سکتا۔ یزید کیسا تھا کیسا نہیں اس سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہوتا اگر ہم یہ نہ دیکھتے کہ حب حسینؓ اور بغض یزید کی آڑ لے کر قولِ رسول کی تکذیب کی جارہی ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے دامن حرمت کو داغدار دکھانا مقصود بن گیا ہے۔ سب کے سب بالفاظ حدیث "نجوم" کی مانند ہیں۔ ان کے ناموس کی جائز حمایت میں بہ توفیق ایزدی ہم صلواتوں اور بدگمانیوں تک سے بھی کچھ زیادہ سہہ جانے کو اپنے لئے فلاح و نجات کا موجب سمجھتے ہیں۔ ہمارا اٹل عقیدہ ہے کہ صحابہ کی دینی عظمت کو نظر انداز کر کے دین و ایمان میں کچھ نہیں رہ جاتا۔ کاش سادہ دل عوام اور سنجیدہ بات زدہ خواص اسے سمجھیں۔

یہاں ہمارے اس نقطۂ نظر کو نہ بھولنا چاہئے جسے ہم پہلے کئی بار مختلف پیرایوں میں بیان کرتے آئے ہیں تاکہ "صحابیت" کے لفظ سے غلط فہمی نہ ہو۔ ہمارے نزدیک اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ضرورت پڑنے پر ایک شخص حضرت معاویہؓ یا حضرت علی یا حضرت عثمان یا حضرت حسین رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے بھی سیاسی مسلک یا انتظامی صوابدید یا حاکمانہ اقدامات پر ان کی رفعتِ شان کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پہلو سے گفتگو کرے کہ آیا وہ تدبیر و زاویۂ نظر سے مناسب و مفید تھے یا غیر مناسب اور مرجوح ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی موقعہ پر کوئی اقدام کر گذرا ہو جو فکر و تدبر کی کسوٹی پر پوری طرح کھرا نہ ہو اور اس کے نتائج نفع سے زیادہ نقصان کے حامل رہے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے دامن پر کبھی دانستہ یا نادانستہ معصیت کے چھینٹے پڑ گئے ہوں کیونکہ وہ انبیاء کی طرح معصوم نہ تھے۔ ان کے گرد آسمانی نگہداشت کا وہ حصار نہ تھا جو انبیا کے گرد ہوا کرتا ہے۔ ان سے فکر و تدبر، استنباط اور فیصلہ و اقدام میں غلطیاں بھی ہو سکتی تھیں، وہ فوری جذبے کی رو میں ایک دوسرے پر زیادتی بھی کر سکتے تھے لیکن اگر کوئی شخص ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے گا جن سے یہ ظاہر ہو کہ وہ نفسانی خواہشات یا حب مال و جاہ کے تحت دین کے واضح اصول و احکام کو کر گذرتے تھے یا کھلم کھلا کبائر کے مرتکب ہو جاتے تھے دین کو دنیاوی مفادات کا آلۂ کار بنایا تھا یا وہ دیدہ و دانستہ فتنہ برپا کرنے والے تھے تو ہم اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ انھوں نے جب بھی جو قدم اٹھایا یہی سمجھتے ہوئے اٹھایا کہ احکام شرعی کے خلاف نہیں ہے ان کی سیاست ملک کی بہی خواہی اور امت مسلمہ کی فلاح پر ہی مبنی رہی۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض حالتوں میں قوت فکر یہ سے چوک ہو گئی یا اچانک پیش آ جانے والے حالات نے ان کی تدابیر کی افادیت ختم کر دی ہو۔

یزید کو اگر ہم فاسق و فاجر مانتے ہیں تو لامحالہ یہ بھی ماننا ہوگا کہ حضرت معاویہؓ نے اسے خلافت کے لئے نامزد کر کے دیدہ و دانستہ ایک عظیم و کبیر گناہ کیا اور یہ گناہ وہ ہنگامی نہیں تھا، بلکہ وہ مرتے دم تک عزم کے ساتھ اس پر جمے رہے۔ یہ ایسی مکروہ دنیا داری ہے کہ صحابیت کی شان سے بالکل جوڑ نہیں کھاتی اور ایک معاویہؓ کیا ان تمام صحابہؓ کو بھی جو ان کے ہم نوا تھے، بخدا بے حمیت، بزدل، بے حس، اور حمایت

سے کے جذبے سے عاری ماننا پڑے گا جنھوں نے ایک فاسق و فاجر کی نامزدگی پر کوئی واویلا نہیں کیا بلکہ اسے ایک ایسی شے جانا جس میں کوئی حرج نہیں تھا اور وقت آنے پر اس طرح بیعت کر گذرے جس طرح ایک مستحق خلیفہ کی کیجاتی ہے۔

اے لوگو! ہوش کے ناخن لو۔ حضرت امام حسین رضؓ کی شخصیت تمہاری حمایت اور ظالموں کی بچکانہ نفرت کے چکر میں یہ نہیں سمجھ رہے ہو کہ ماتم حسینؓ کی نمائش اور فسق یزید کا پروپیگنڈہ دراصل ایک نقب ہے عظمت صحابہ کی دیوار میں جس کی راہ سے صحابہؓ کا ناموس و آبرو لوٹنے اور لٹوانے کی مساعی صدیوں سے جاری ہیں۔ یزید اگر فرض کرو عاصی و گمراہ تھا تو اسے اپنی آگ میں جلنے دو۔ تم لعنتوں اور صلواتوں سے اس کی تواضع نہیں کروگے تو دوزخ کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو جائے گی۔ اور حضرت معاویہؓ نے اگر اسے خلیفہ بنا کر واقعی کوئی معصیت کی تھی تو ان سے بھی اللہ نمٹ لے گا۔ ظاہر ہے کہ اللہ کو انصاف کرنے کے لئے تمہاری رہنمائی کی احتیاج نہیں ہے۔ تم یزید و معاویہؓ کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے کے لئے عدالتیں مت سجاؤ، بلکہ اپنی گردنوں پر مسلط موجودہ حاکموں کو دیکھو کہ وہ کس بے تکلفی سے تمہاری ناکوں میں نکیلیں ڈالے گناہ و طغیان اور ہوا و ہوس کی دلدلوں میں ہنکائے لئے چلے جا رہے ہیں۔ تمہاری غیرت دینی اور حمیت حق اگر ایسی ہی ذکی الحس ہے کہ تیرہ سو برس پہلے کے ظالموں کو گالیاں دیئے اور مظلوموں کے غم میں سینہ پیٹے بغیر تم کو چین نہیں آتا تو ان شیاطین کے بارے میں برف کیوں ہو گئے جو فسق و فجور کی سیاہی سے تمہارا منھ کالا کر رہے ہیں، جو گمراہی و ضلالت کی گھاٹیوں میں تمہیں غلاموں کی طرح ہنکارتے لئے چلے جا رہے ہیں۔ مُردوں کے لئے تو شمشیر بکف اور زندوں کے لئے کچھ نہیں۔ ماضی پر تو خوردبینی نظر اور حال کے لئے اتنے کور چشم کہ سامنے کا پتھر بھی دکھائی نہیں دیتا۔ حسینؓ کے غم میں آنسو تو بہا لوگے ان کی پیروی میں سر نہیں کٹاؤ گے اور سر کٹانا تو کجا اتنا بھی احساس نہیں کروگے کہ جس مقصد کے لئے حسینؓ نے جان دی تھی وہ مقصد آج بھی تمہیں پکار رہا ہے۔ بہرے بے حس، نادان، بہروپیئے کاش تم سوچتے کہ یزید بیچارہ آج کے ان ابوجہلوں ابولہبوں اور ابن ابیوں کی کیا برابری کرے گا جو علم و فن کے ہتھیاروں سے لیس تمہاری غیرت کو للکار رہے ہیں تمہارے سینوں پر مونگ دل رہے ہیں۔ ہمت ہے تو ان کی للکار کا جواب دو، ان سے آنکھیں ملاؤ۔ مگر مچھ کے آنسوؤں سے ظلم و طغیان کے پہاڑ نہیں بہیں گے اور یزید و معاویہؓ پر دانت کلکلانے سے شہدائے کربلا کا بدلہ نہیں چک جائے گا۔ اللہ تمہیں نیک توفیق دے اور عقل سلیم عطا فرمائے۔

(یہ تھا ہمارا پونے دو سال کا اداریہ۔ اب آپ استفتاء اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں)

استفتاء

حضرات علماء کرام السلام علیکم و رحمۃ اللہ

سائل کو چند اردو کتب و رسائل کے مطالعہ سے ایک حدیث شریف کے معنی و مفہوم کے سمجھنے میں دشواری محسوس ہو رہی ہے لہٰذا گذارش ہے کہ اس پر روشنی ڈال کر میری تشفی فرما دیں۔

حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حرام رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میری امت کے لوگ سمندری جہاد کریں گے اور ان کیلئے جنت کی بشارت ہے الخ۔

سوال یہ ہے کہ سمندری جہاد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت معاویہؓ کے علاوہ یزید بن معاویہؓ نے بھی کیا ہے تو اس بشارت کا مصداق کون ہے؟ حضرت معاویہؓ یا یزید بن معاویہؓ؟ کتب حدیث کے حوالے سے یا اپنے علم و یقین سے جواب تحریر فرمائیں تاکہ میرے اطمینان کے لئے کافی ہو۔

الجواب

از جناب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب صاحب جامعہ مفتاح العلوم

قال عمیر فحدثتنا ام حرام انها سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا، قالت ام حرام قلت یا رسول اللہ

انا فیھم قال انت فیھم قالت ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم فقلت انا فیھم یا رسول اللہ قال لا (انتہی بخاری جلد اول کتاب الجہاد ص۴۱۰)

اس حدیث کی شرح میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کان اول من غزا مدینۃ قیصر یزید بن معاویۃ ومعہ جماعۃ من سادات الصحابۃ کابن عمر وابن عباس وابن الزبیر وابی ایوب الانصاری وتوفی بھا ابی ایوب سنۃ اثنین وخمسین من الھجرۃ قال المھلب فی ھذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ لانہ اول من غزا البحر ومنقبۃ لولدہ یزید لانہ اول من غزا مدینۃ قیصر انتہی۔

روایت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ اول جیش یغزون البحر والی جماعت کے لئے جنت کی بشارت ہے اور اول جیش یغزون مدینۃ والی جماعت کے لئے بشارت مغفرت ہے اور شارحین حدیث کے بیان سے معلوم ہوا کہ اول غزوہ بحری حضرت معاویہ کی سرپرستی میں ہوا اور اول غزوہ مدینہ قیصر یزید کی سیادت میں ہوا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تصدیق

از جناب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (شارح مشکوٰۃ)

"جواب صحیح ہے" علامہ عینی حنفی "اول جیش من امتی یغزون البحر" کی شرح میں لکھتے ہیں "اراد بہ جیش معاویۃ وقال المھلب معاویۃ اول من غزا البحر وقال ابن جریر قال بعضھم کان ذلک فی سنۃ سبع وعشرین وھی غزوۃ قبرس فی زمن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ"۔ اور جملہ "قد اوجبوا" کی شرح میں لکھتے ہیں "معناہ وادجبوا استحقاق الجنۃ" اس بیان سے معلوم ہوا کہ اسلامی تاریخ میں پہلا اسلامی جنگی بیڑا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تیار ہوا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی اور قیادت میں ۲۷ھ یا ۲۸ھ ہجری میں قبرص پر حملہ آور ہوا۔ اس سمندری جہاد میں تمام شریک ہونے والوں کے حق میں آنحضرت نے جنت کی بشارت دی ہے جس سے حضرت معاویہ اور ان کے شریک مجاہدین کی منقبت و فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور روایت مذکورہ کے دوسرے جملے "اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر" کی شرح میں عینی اور دوسرے تمام شارحین حدیث لکھتے ہیں "اراد بھا القسطنطنیۃ"۔ اس کے ساتھ ہی اس پر تمام مورخین و شراح حدیث کا اتفاق ہے۔ قسطنطنیہ پر پہلے حملہ کرنے والی اسلامی فوج میں کبار صحابہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابو ایوب انصاری وغیرہم کے ساتھ یزید بن معاویہ بحیثیت ایک عام سپاہی یا بحیثیت امیر الجیش[۲] کے ضرور شریک ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا استثناء ان سب کے حق میں مغفور لھم فرما کر مغفرت کی بشارت دی ہے اور چونکہ اس جنگ کے بعد یزید بن معاویہ سے کوئی ایسا کام سرزد نہیں ہوا جو ان سے مغفرت کی اہلیت واستحقاق کو سلب کرے کیونکہ ان کے حق میں موجب کفر اور ایمان و اسلام سے خارج کرنے والی کوئی بات ثابت نہیں لہذا بحکم آیت "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (النساء)

یزید بن معاویہ بلاشبہ روایت نبوی "اول جیش یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم" کا مصداق اور مستحق مغفرت ہیں۔

جو لوگ یزید کی طرف بلا تامل شراب نوشی اور ترک صلوٰۃ و احکام قرآنیہ کی نسبت کرتے ہیں ان کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی محمد بن علی بن ابی طالب المعروف بابن الحنفیہ کی ان کے خلاف مندرجہ ذیل شہادت کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ حافظ ا

---

[۲] بیشک بعض لوگ امارت یزید میں شک ڈالتے ہیں لیکن ہم نے اس مسئلہ سے متعلق واقعوں کو فن روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھ کے دیکھا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ یزید ہی اس لشکر کا کمانڈر تھا اور اس خدا داد اعزاز و شرف کو مجروح کرنے کے لئے دشمنوں نے محض ازراہ عناد ایسی روایتیں گھڑی ہیں جن سے تاریخ کا چہرہ ... شاید یہی وجہ ہے کہ بخاری کے سب سے بڑے شارح حافظ ابن حجر نے من کان ...

مشہور مؤرخ اور مفسر و محدث لکھتے ہیں :-

وان عبد اللہ بن مطیع مشی من المدینۃ ہو واصحابہ الی محمد بن علی بن ابی طالب فارادوہ علی خلع یزید فابی علیہم فقال ابن مطیع ان یزید یشرب الخمر ویترک الصلوٰۃ ویتعدی حکم الکتاب فقال لہم ما رأیت منہ ما تذکرون وقد حضرتہ واقمت عندہ فرأیتہ مواظبا علی الصلوٰۃ متحریا للخیر یسأل عن الفقہ ملازما للسنۃ قالوا فان ذلک کان منہ تصنعا لک فقال وما الذی خاف منی او رجا حتی یظہر الی الخشوع افاطلعکم علی ما تذکرون من شرب الخمر فان کان اطلعکم علی ذلک فانکم لشرکاؤہ وان لم یکن اطلعکم فما یحل لکم ان تشہدوا بما لم تعلموا۔ قالوا ان عندنا لحق وان لم نکن رأیناہ۔ فقال لہم ابی اللہ ذلک علی اہل الشہادۃ فقال إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ولست من امرکم فی شئی قالوا فلعلک تکرہ ان یتولی الامر غیرک فنحن نولیک امرنا۔ قال ما استحل القتال علی ما تریدوننی علیہ تابعا ولا متبوعا۔ قالوا فقد قاتلت مع ابیک قال جیئونی بمثل ابی اقاتل علی مثل ما قاتل علیہ فقالوا فمر ابنیک ابا القاسم والقاسم بالقتال معنا قال لو امرتہما قاتلت قالوا فقم معنا مقاما تحض الناس فیہ علی القتال قال سبحان اللہ آمر الناس بما لا افعلہ ولا ارضاہ اذن ما نصحت للہ فی عبادہ قالوا اذن نکرہک قال اذن آمر الناس بتقوی اللہ ولا یرضوا المخلوق بسخط الخالق (وخرج الی مکۃ) (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۳ ج ۸)۔

ترجمہ :- عبد اللہ بن مطیع اپنے کچھ ساتھیوں سمیت مدینے میں محمد بن علی ابن ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چاہا کہ انھیں یزید کی بیعت توڑنے پر آمادہ کریں۔ موصوف نے انکار کیا تو ابن مطیع نے کہا۔

"یزید شراب پیتا ہے، نماز نہیں پڑھتا اور احکام قرآنی سے تجاوز کرتا ہے۔"

موصوف نے فرمایا۔

"میں نے تو اس میں یہ باتیں نہیں پائیں حالانکہ میں اس کے پاس بہت اٹھتا بیٹھتا رہا ہوں۔ میں نے تو یہی دیکھا کہ وہ نماز کا خوب پابند رہے، اچھے کاموں کے لئے بے چین رہتا ہے اور لوگ اس سے فقہ اور حدیث کی باتیں دریافت کرتے ہیں۔"

ابن مطیع کے ساتھیوں نے کہا

"یہ سب کچھ وہ آپ کے دکھاوے کے لئے کرتا ہوگا۔"

موصوف بولے

"بھلا اسے مجھ سے کیا خوف یا کونسی امید وابستہ تھی کہ میرے سامنے نیک بننے کی نمائش کرتا۔ آپ یہ بتائیے کیا آپ لوگ اس کی شراب نوشی سے واقعی پوری طرح آگاہ ہیں؟ اگر آگاہ ہیں تو سمجھنا چاہیئے آپ بھی مے خواری میں اس کے شریک رہے ہوں گے۔ اور اگر آگاہ نہیں ہیں تو آپ کے لئے ایسی بات کی گواہی دینا جائز نہیں ہے جسے جانتے نہ ہوں۔"

انھوں نے جواب دیا

"یزید کی مے خواری ہمارے نزدیک امر واقعہ ہے اگرچہ آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے۔"

ابن علی گویا ہوئے

"گواہوں کے لئے اللہ نے اس نامحکم طریق شہادت کو

۱؎ اس سے واضح ہوتا ہے کہ محمد بن علی کا اجتہاد یزید کے خلاف اٹھنے اور باغیوں کا ساتھ دینے کو معصیت کبیرہ قرار دیتا تھا۔ "باغیوں" کے الفاظ سے بعض لوگ بہت خفا ہوتے ہیں اور طرح طرح کی تاویلیں نکالتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ جو ہم عصر حضرات حکومت یزید کے خلاف تحریک چلانے کو غلط خیال کرتے تھے ان کی نظر میں اس تحریک کے شرکاء کی حیثیت بلاشبہ باغیوں ہی کی تھی لوگ اپنی عقیدتوں کے طوفان سے اٹل واقعات کے کوہ گراں کو بہا لیجانا چاہیں تو یہ سعی نفسوں کے سوا کچھ نہیں۔ جو کچھ جس طرح ہوا اسے تسلیم کرنا چاہیئے۔ حضرت علی کے عالی قدر صاحبزادے محمد بن حنفیہ کا مکالمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اس کے بعد غور فرمایئے کہ اگر یزید ایسا ہی بدکردار تھا جیسا باور کرایا جاتا ہے تو اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والا ابن علی کیوں (باقی اگلے صفحہ پر)

ممنوع قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے کہ "لیکن وہ لوگ جو گواہی دیں سچی اور جس چیز کی گواہی دے رہے ہیں اسے واقعۃً جانتے بھی ہوں"

لیکن آپ لوگوں کی حالت میں تو میں اس ارشاد خداوندی کا لحاظ نہیں پاتا"

ابن مطیع کے ساتھی کہنے لگے

"او ہو شاید آپ کو یہ بات ناگوار گذر رہی ہے کہ یزید کے خلاف بغاوت کی تحریک کا ہم کسی اور کو لیڈر بنائیں گے چلئے ہم آپ ہی کو لیڈر بناتے ہیں"

ابن علی (بیزاری سے) بولے

آپ لوگ جس راہ پر مجھے لے جانا چاہتے ہیں اس میں تو میں قتال کو جائز ہی نہیں سمجھتا نہ لیڈر بن کر نہ کسی اور لیڈر کے پیچھے چل کر"

وہ لوگ کہنے لگے

"آپ نے تو آخر اپنے والد (علیؓ) کے ساتھ رہ کر قتال کیا ہے"

جواب ملا "کیا ہے مگر میرے باپ جیسا آدمی لاؤ تاکہ میں اس طرح کے لوگوں سے مقاتلہ کروں جیسوں سے انہوں نے کیا تھا"

اب ابن مطیع کے ساتھی (ابتداءً ابن مطیع کے ساتھی) بولے

"اچھا صاحب آپ نہیں مانتے نہ مانیں مگر اپنے دونوں بیٹوں ابوالقاسم اور قاسم کو تو حکم دے دیں کہ وہ ہمارے شریک قتال ہوں"

ابن علی نے فرمایا

"اگر میں انھیں حکم دیتا تو خود ہی شریک قتال نہ ہوتا"

وہ کہنے لگے

"چلئے یہ بھی نہ سہی مگر آپ کم سے کم اٹھیں تو ہمارے ایسے مقام پر چلئے جہاں آپ لوگوں کو قتال پر ابھار سکیں"

"سبحان اللہ" ابن علی بولے "میں گویا لوگوں کو ایسے کا حکم دوں جسے نہ خود کر رہا ہوں نہ پسند کرتا ہوں۔ تب تو میں نے اللہ کے بندوں کی کچھ بھی خیر خواہی نہیں کی"

وہ بولے

"تب ہم آپ کو مجبور کریں گے"

ابن علی کا جواب تھا۔

"تب میں لوگوں کو بس یہی حکم دوں گا کہ اللہ سے ڈریں مخلوق کی خوشنودی کے لئے خالق کی نافرمانی نہ کریں"

(پھر ابن علی اس ناپسندیدہ صورت حال سے دور رہنے کے لئے چلے گئے)　　(ترجمہ ختم ہوا — ع)

اور جو لوگ یزید پر لعنت بھیجتے ہیں ان کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی مندرجہ ذیل تنبیہ کو سامنے رکھ کر اپنے اس پر نظر ثانی کرنی چاہئے"

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) اس کا پارٹ نہ سکتے تھے۔ پھر شہادت حسینؓ کے بعد کا ایک واقعہ دیکھئے۔ یزید کے بلانے پر ہی ابن علی دمشق جاتے ہیں تو وہ ان کی تکریم کرتا ہے، تین یا پانچ لاکھ درہم نذرانہ دیتا ہے اور آخر میں کہتا ہے — "ابوالقاسم! سچ بتاؤ تمہیں میری کوئی بات اگر ناپسند ہو تو میں اسے چھوڑ کر تمہارے کہنے پر عمل کروں"

ابن علی جواب دیتے ہیں "یا اللہ العظیم! میں اگر تم میں کوئی برائی پاتا تو بھلا ٹوکنے سے کہاں باز آتا۔ تمہیں اس پر توجہ دلاتا اللہ تعالیٰ نے اہل علم کو اس بات کا ذمہ دار بنایا ہے کہ لوگوں کو ان کی برائیوں پر متنبہ کریں اور چشم پوشی سے کام نہ لیں۔ میں نے تو تم میں سب اچھی ہی باتیں" یہ واقعہ متعدد تاریخوں میں نقل ہوا ہے اور ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ یزید کے فسق و فجور کی ہر روایت سے زیادہ مضبوطی اور طاقت اس کی روایت میں ہے۔ آپ انصاف کیجئے اس سے بڑھ کر داخلی شہادت یزید کے بری الذمہ ہونے کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت حسینؓ کے نیک نہاد بھائی اپنے بھائی کی شہادت کے باوجود اور یزید کے مطالبے کے باوصف کوئی قابل گرفت برائی یزید میں نہیں پاتے اور خیر ہی خیر دیکھتے ہیں۔ حالانکہ یزید کی بدکرداریوں کا جو اونچا مینار یاروں نے سمائے تخیل میں بلند کیا ہے وہ اگر سچ مچ اس اینٹ اور پتھر کی دنیا میں بھی ہوتا تو اسے تو اندھا بھی دیکھ سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ مصنوعی عاشقانِ حسین کو آفت تو یہ آگئی ہے کہ یزید دشمنی مذہبی فیشن بن گیا ہے فیشن کو آپ جانتے ہی ہیں کہ اس کا بھسکا آدمی کو نقال اور تابع مہمل بنا کے چھوڑتا ہے — عامر

والذی یلعن یزید ونحوہ یحتاج الی ثبوت انہ فاسق ظالم وان لعنۃ الظالم المعین جائزۃ۔ والی ان یزید مات ولم یتب مما اجزم، ثم العذاب قد یرتفع موجبہ لمعارض راجح کحسنات ماحیۃ ومصائب مکفرۃ وقد قال تعالیٰ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء وقد صح ان اول جیش یغزون القسطنطنیہ مغفور لہم واول جیش غزاھا کان امیرھم یزید ونحن نعلم ان اکثر المسلمین لابد لھم من ظلم فان فتح ھذا الباب ساغ ان یلحق اکثر موتی المسلمین واللہ تعالیٰ امر بالصلوٰۃ علی موتی المسلمین لم یامر بلعنتھم ثم الکلام فی لعنۃ الاموات اعظم من لعنۃ الحی وقد صح عنہ علیہ السلام لا تسبوا الاموات فانھم قد افضوا الی ما قدموا (المنتقیٰ من منہاج الاعتدال ص۲۹۰ و ص۲۹۱)۔

ترجمہ:- اور جو لوگ یزید اور اس جیسے آدمیوں پر لعنت بھیجتے ہیں مروی ہے کہ وہ یزید کے فاسق و ظالم ہونے کا ثبوت لائیں۔ پھر یہ ثبوت مہیا ہو جائے تو دوسرے نمبر پر یہ ثابت کرنا ان پر فرض ہوگا کہ کسی متعین و مشخص ظالم پر لعنت بھیجنا جائز ہے۔ یہ بھی ثابت کیا جا سکے تو تیسرے نمبر پر انھیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اس نے مرتے دم تک ان افعال و اعمال سے توبہ نہیں کی تھی جن کا اسے مرتکب یقین کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ ثابت ہو جائے تب بھی اس واضح ترین اصول حق کو پیش نظر رکھنا پڑے گا کہ موجب عذاب اعمال نسیاً منسیاً ہو جاتے ہیں اگر کوئی راجح معارض ظہور میں آ جائے۔ مثلاً اثر گناہ کو مٹا دینے والی نیکیاں اور داغ عصیاں کو دھو ڈالنے والے مصائب تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"اللہ اس بات کو تو کبھی معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے لیکن اس کے علاوہ ہر گناہ کو معاف کر سکتا ہے جس کے حق میں وہ چاہے"۔

اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت صحیحہ ثابت ہو چکا ہے کہ جس پہلے لشکر نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا اس کی مغفرت مقدر ہو چکی۔ یہ پہلا لشکر وہی تو تھا جس کا سپہ سالار یزید تھا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ بہت سے مسلمانوں سے کچھ نہ کچھ ظلم تو لازماً ہوتا ہی رہا ہے پھر تو لعنت ملامت کا دروازہ کھولنا بہت سے مرحوم مسلمانوں پر لعن طعن کا باعث بنے گا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو مرحوم مسلمانوں کے لئے دعائے خیر اور خوش کلامی کا حکم دیا ہے نہ کہ لعنت بھیجنے کا۔ پھر واضح رہنا چاہئے کہ مرحوموں پر لعنت بھیجنے کی جسارت تو زندوں پر لعنت بھیجنے سے زیادہ سخت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مرحوموں کے حق میں بدگوئی مت کرو۔ وہ تو اپنی اس منزل کو پہنچ لئے جس کی طرف گامزن ہوئے تھے۔ (یعنی جیسا کچھ کیا تھا اس کی جزا کو پہنچے اب تم کیوں انھیں برائی سے یاد کرتے ہو) (ترجمہ ختم ہوا — ع)

یزید کے متعلق یہ دعویٰ کہ انھوں نے حضرت حسین کے قتل کا حکم دیا تھا یا ان کے قتل کر دئیے جانے سے خوش تھا اور بقیہ اہل بیت کی بے حرمتی کی تھی بے اصل اور بے بنیاد ہے۔

واللہ اعلم۔ مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی مبارکپوری شارح مشکوٰۃ شریف۔

متاعِ دین و دانش لُٹ گئی اللہ والوں کی — یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی

یزید! جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہیں بخشا

مہینوں سے متعدد حضرات ہمیں لکھے جا رہے ہیں کہ محمود عباسی صاحب کی کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کے رد میں جو کتابیں شائع ہوئی ہیں تم ان پر نقد کیوں نہیں کرتے جبکہ تم نے تائیدی تبصرہ کیا تھا۔ ہم جواب عرض کریں گے کہ تبصرہ بے شک کیا تھا اور ہمیں اس پر نہ شرمندگی ہے نہ بے اطمینانی۔ لیکن اول تو کتاب کے مصنف ماشاء اللہ حیات ہیں۔ معترضین کی جوابدہی انھی کے ذمے ہے ہم سارے موضوعات کو چھوڑ کر اسی کے کیسے ہو رہیں۔ دوسری بڑی اور اصلی معذوری یہ ہے کہ عباسی صاحب کی کتاب کی ضبطی کے حکم پر ہائیکورٹ میں اپیل دائر ہے۔ گویا قانونی زبان میں مقدمہ زیر سماعت ہے۔ وکلاء کا کہنا ہے کہ اس دوران میں کتاب کے موافق و مخالف کچھ بھی لکھنا توہین عدالت کے مرادف ہوگا۔ ہم نے اعتراض کیا کہ اور لوگ تو دھڑتے سے خلاف لکھے جا رہے ہیں۔ جواب ملا کہ وہ بھی ارتکاب جرم کر رہے ہیں یہ الگ بات ہے کہ بعض اپنی خسان بہادری کی وجہ سے اور بعض نظر انداز کئے جانے کے سبب ابتک بچے ہوئے ہیں کون جانے کب قانون ان سے باز پرس کرے۔ یہ جواب وزنی تھا لہٰذا ہم نے قلم روک دیا اور اب بھی روکے رہیں گے جب تک عدالت فیصلہ صادر نہ کر دے۔

تاہم آج اس کتاب سے ہٹ کر ایک تماشائے عبرت یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عباسی صاحب کا رد لکھنے کے جوش میں ہمارے ایک محترم بزرگ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند علوم و معارف کی کن بے انداز بلندیوں پر پہنچ گئے ہیں آپ کی ایک کتاب عباسی صاحب کی کتاب کے رد میں ابھی شائع ہوئی ہے جس پر تفصیلی گفتگو تو ہم انشاء اللہ اگلی کسی صحبت میں کریں گے کیونکہ تجلی کا دامن ابھی بعض اور مباحث سے گرانبار ہو رہا ہے۔ فی الوقت اس کے ایک خاص جز پر لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس لئے کیا ہے کہ دوران مطالعہ ہم اپنی بیتابی نہ دبا سکے اور بے اختیار جی چاہا کہ جو عبرت خاص ہمیں نصیب ہو رہی ہے اس میں قارئین تجلی کو بھی شریک کرلیں۔

ویسے اس دوران میں دو کتابیں اور بھی سامنے آئی ہیں جن میں سے ایک نور رام نگر کے ایک بزرگ کی ہے جو کافی سن رسیدہ ہونے کے باوجود جذبات کی دوڑ میں جوانوں کو بھی مات کرتے ہیں۔ انھوں نے عباسی صاحب کے ساتھ ہمیں بھی نایا ہے۔ مزا یہ ہے کہ ان کا گز دیسی ہے عربی نہیں۔ اب ہم ان سے کیا کہیں کہ آپ کے جگر لخت لخت کے سارے ڈھیر کو ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ کے صرف چند صفحے گرد کی طرح اڑا دے سکتے ہیں۔ کاش انھیں موقع ملے کہ کسی عربی داں سے منہاج السنۃ کے متعلقہ مباحث سبقاً سبقاً پڑھیں اور دل و دماغ کو خون کے غیر ضروری دباؤ سے بچا کر اعتدال و توازن کے ساتھ غور کریں۔

دوسری کتاب ایک علی بہادر خاں صاحب کی ہے۔ اسے پڑھکر ہمیں گمان ہوا کہ کسی شیعہ بزرگ نے تقیہ کی مسند پر بیٹھکر صادر کر دی ہے۔ کوئی عیب نہیں جس سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو متصف نہ کیا گیا ہو اور کوئی خوبی نہیں جو اس صحابی رسول کو چھو کر گئی ہو۔ امت کے سواد اعظم کا مسلک تو امیر معاویہ کے بارے میں یہ ہے نہیں لہٰذا سوائے شیعہ حضرات کے کس سے توقع ہو سکتی تھی۔ کہ یہ آن بان دکھائے یہ ضرور ہے کہ جگہ جگہ شیعی مسلک کا بھی خلاف نظر آتا ہے لیکن جب شیعہ بزرگوں کی دانست میں حضرت علی تک تقیہ کر سکتے تھے تو دوسرا کون ہے جسے سید الشی حق تقیہ نہ ہو اور تقیہ کی چھوٹ سے سر کا...

منافقت کا جواز بلکہ استحسان نہ نکال لائے۔

تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ تم نے غلط سمجھا تھا۔ مصنف شیعہ نہیں خیر سے سنی ہیں[1]۔ تعجب پھر بھی نہیں ہوا۔ ہم جانتے ہیں کہ تشیع کسی نسلی پیدائشی وصف کا نام نہیں یہ تو ذہن کے ایک خاص رجحان اور کیفیت کا نام ہے پہلے بھی کتنے ہی بزرگ ایسے ہو گذرے ہیں جو باوجود سنی ہونے کے ذہنی طور پر شیعہ یا نصف شیعہ ہی تھے آج بھی بے شمار سنی ہیں جو پوری معصومیت کے ساتھ فکری اعتبار سے تشیع کے زندانی ہیں۔ بہادر صاحب نے اپنی دانست میں حسن نیت سے کوئی کارنامہ انجام دیا ہو لیکن جو اہل علم ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ کو بدنام بنانے کے یہ سارے حربے پرانے ہیں اور ابن تیمیہ کی ایک ہی کتاب منہاج السنۃ نے انھیں قیامت تک کے لئے کند کر کے رکھ دیا ہے جنھیں منہاج السنۃ تک دسترس نہ ہو وہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" دیکھ لیں یا مولانا عبدالشکور کے رسائل جات ملاحظہ فرمالیں۔ آج جو شخص ان چبائے ہوئے لقموں کو نانِ گرم بنا کے پیش کرتا ہے وہ ادارۂ دعوت (دہلی) اور رام نگری بزرگ اور کم علم عوام کو تو دھوکہ دے سکتا ہے۔ ہم بڈھے کھوسٹ کو مرعوب نہیں کرسکتا فی الوقت ہماری بحث چونکہ شیعوں سے نہیں اس لئے اس کتاب سے تعارض نہیں کرتا البتہ بہادر صاحب کی تحریر بر فرمودہ تمہید سے ایک دو نمونے اس کے پیش کئے دیتے ہیں کہ پوری کتاب میں روایتوں کے انبار لگانے والے یہ بزرگ فن حدیث سے کس حد تک مس رکھتے ہیں اور سواد اعظم کے مسلک سے ان کے زاویۂ نظر کا فاصلہ کتنا ہے۔

ایک روایت کا ذکر کر کے کہتے ہیں کہ

"مگر ہمارے نزدیک یہ روایت کسی حد تک مشتبہ ہے کیونکہ اس میں تواتر نہیں پایا جاتا" (ص ۹)

فن حدیث کا کوئی بھی جاننے والا ان الفاظ کو پڑھ کر ہنس دے گا۔ جو شخص فن حدیث کی اصطلاح "تواتر" کا مطلب سمجھتا ہو وہ کبھی ایسی بچکانی بات نہیں کہہ سکتا۔ جن احادیث کو ناقدین فن نے صحیح مانکر واجب القبول بتایا ہے ان میں سے بہت تھوڑی سی ہیں جنھیں "تواتر" کا فنی درجہ حاصل ہو۔ یہ تو روایت کا آخری درجہ ہے اس سے نیچے کئی مدارج ہیں۔ ان سب مدارج میں حدیث صحیحہ کو غیر مشتبہ خیال کیا جاتا ہے اگر تواتر ہی ازالۂ شبہ کے لئے لازم ہو تو پھر تو بخاری و مسلم تک کی اکثر و بیشتر حدیثیں مشتبہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ حالانکہ فن حدیث میں "مشتبہ" کا لفظ "ظنی" کے معنی میں نہیں بولا جاتا بلکہ اس کا درجہ بہت گرا ہوا ہے اور نہ پائے جانے کے سبب روایت کو مشتبہ کہے وہ اس شخص کی طرح یوں کہہ رہا ہو کہ فلاں چیز سونا نہیں لہذا بے قیمت ہے!۔ تانبا اور پیتل بھی ایک قیمت رکھتے ہیں[2]۔

جن حدیثوں میں آیا ہے کہ میرے صحابیوں کو برا مت کہو حق میں زبان کو کوتاہ رکھو ان کے بارے میں بہادر صاحب کا ارشاد کہ ان کا اطلاق صرف بحیثیت مجموعی تمام جماعت صحابہ پر ہوتا ہے۔ پر جہاں تک انفرادی حیثیت کا تعلق ہے بعض صحابہ سے کبیرہ گناہ ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل بھی کیا ہے اور غیر اسلامی حرکات ان سے سرزد ہوئی ہیں"۔

جزاک اللہ۔ آپ نے صرف حضرت معاویہ ہی کو نہیں صلواتیں سنانے کا راستہ صاف کر دیا۔ رسول اللہ اگر میری نصیحت کو میرے بعض امتی کیا معنی پہنا رہے ہیں تو خدا کس قدر ملول ہوں۔ میرے محترم! صحابہ کو صلواتیں سنانے کا یہ منشا نہیں تھا کہ ان سے خطا ہی نہیں ہوگی۔ آپ اس سخت الفاظ میں جتنے یہاں استعمال کئے ہیں ان کی خطا ور تب بھی رسول اللہ کی نصیحت معطل نہیں ہو جاتی۔ صحابہ سے کچھ بھی سر تعالیٰ اس کا حساب کرے گا ہم اگر ان کے بارے میں گفتگو کریں تو احتیاط و ادب کی کچھ تو لاج رکھنی چاہیئے ان کے افعال سے پر یلغار کرنا بہادری نہیں سنگدلی ہے اور سعادت نہیں شقاوت۔

بہادر صاحب نے اصحابی کالنجوم والی حدیث کو من گھڑت بناد یجئے۔ جس نے علم حدیث پڑھا ہو وہ حیران رہ جائے گا آئی کیوں آئی۔ کاش بہادر صاحب کو معلوم ہوتا کہ حدیث صحیح اور موضوع میں کتنا طویل فاصلہ ہے اور جب تک فنی دلائل ساتھ نہ ہوں کسی مقبول روایت کو من گھڑت کہہ دینا کیسی سخت جرأت ہے۔ پوچھیں گے مگر ان کی کتاب پڑھنے والوں کو ضرور پوچھنا چاہیئے کہ ائمہ حدیث میں سے کون ہے جس نے اس روایت کو من گھڑت کہا ہو۔ ہو، اور نہ ہو تو خود ان دلائل کو واشگاف کر دو جو اسے من گھڑت ثابت کرتے ہوں۔

یہ ہے نمونہ جناب بہادر صاحب کے تبحر علمی کا۔ اہل علم صاحب علم ان کی کتاب کو منہ لگائے گا۔ رہی یہ بات کہ

[1] اُن کی تازہ ترین ایک تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ نہ شیعہ ہیں نہ سنی بلکہ سادہ مسلمان ہیں۔ [2] ہمارا مشورہ ہے کہ بہادر خاں صاحب پہلی فرصت میں اصول حدیث

(دہلی) نے یا بعض اور لوگوں نے اس کی توصیف کر دی ہے تو جس کا جی چاہے تحقیق کر لے یہ بھولے توصیف نگار وہی لوگ نکلیں گے جن کے متعلق شاعر نے کہا ہے

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم !

زیر بحث مسائل کے تمام مصادر و مآخذ عربی زبان میں ہیں۔ پھر روایات کی جانچ پرکھ کا فن بھی عربی جانے بغیر نہیں آسکتا۔ ان توصیف نگار حضرات نے در اصل جو تصورات و عقائد اس باب میں پائے ہیں وہی ان کا کل سرمایہ ہیں۔ بعد میں منتشر مطالعہ کے ذریعہ جو معلومات انہوں نے حاصل کی ہوں گی ان کا تاثر اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ تشیع کا جو زہر واہی روایات اور نثر و نظم کے شاعروں نے ملت کے حلق میں اتار دیا ہے اسی کو وہ بھی امرت سمجھیں اور ماحول کے شہرے سر ہلاتے رہیں۔ اس طرح کے لوگ اگر کسی عباسی یا عثمانی کی تردید میں ہزار صفحات کی کتاب بھی پیش کر رہے ہیں تو اس کی حیثیت اس ایک صفحے کے برابر بھی نہیں جو ابن تیمیہ جیسے بے مثال مفکرین و محققین نے اصل مآخذ و مصادر کو چھان پھٹک کے پیش کیا ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ کس شخص کی دلیل خواہش کی پیدا کردہ ہے اور کس کی خواہش دلیل کی زائیدہ۔ جن لوگوں کے حلق میں ہوش سنبھالتے ہی واقعات کربلا اور معاویہ و یزید کے بارے میں مشہور و مقبول تصورات کا زہر اتر چکا ہو اور بلا تحقیق وہ رائے قائم کر چکے ہوں انھیں اگر کبھی اس رائے کے خلاف آواز سننے کا موقع ملا اور ان کے جذبات کو ٹھیس لگی تو اس کے سوا کیا ہوگا کہ وہ جلدی جلدی کتابوں کو الٹیں اور اس طرح کے کٹنگ جمع کرتے چلے جائیں جو ان کی رائے اور جذبات سے ہم آہنگ ہوں۔ اسی کا نام ہے خواہش کی کوکھ سے دلیل کا جنم لینا۔ لیکن کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو "بازیافت منیر" کی اسپرٹ سے مسائل کے سرچشموں اور مرکزوں تک پہنچتے ہیں اور اپنے فیصلہ و خواہش کو دلیل کے تابع بناتے ہیں پھر جو کچھ دلیل کہتی ہے اسی کو لومۃ لائم کا خوف کئے بغیر برملا کہہ دیتے ہیں یہی ہیں جن کی دلیل، دلیل اور بات بات ہے۔ یہی ہیں جن کی شاگردی میں امن اور پیروی میں فلاح ہے۔ یہ بہت کم ہوتے ہیں مگر ہوتے ہیں اور اہل اخلاص کے لئے مشعل کا کام دیتے ہیں۔

خیر ذکر مہتم صاحب کی کتاب کے ایک جز کا تھا معاملہ یہ ہے کہ قرآن کے بعد سب سے سچی کتاب بخاری میں ایک صریح و محکم روایت آئی ہے جس میں مخبر صادق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجاہدین کے لئے مغفرت کی بشارت دی ہے جنھوں نے پہلی بار قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور تاریخ قطعی طور پر بتاتی ہے کہ یزید نہ صرف ان مجاہدین میں شامل تھا بلکہ ان کا سپہ سالار تھا چنانچہ جملہ معتبر شارحین بخاری اسے تسلیم کرتے ہیں اس حدیث سے متعلق لکھا ہوا ہمارا اکتوبر ۱۹۵۹ء کا اداریہ اور اسی سے متعلق کچھ اور مواد اسی شمارے میں کسی جگہ ملاحظہ فرمالیں۔

عباسی صاحب نے بھی اپنی کتاب میں اس حدیث کا ذکر کیا تھا تو حضرت مہتم صاحب نے جس طرح اس کا جواب دیا ہے وہ فلسفے کی چیز ہے۔ غور کر پڑھیئے اور سوچئے کہ قادیانی علم کلام اور حضرت موصوف کی منطق میں کیا فرق ہے۔ یہ بھی سوچئے کہ کیا ہم حامیانِ حدیث کی ایسی ہی سخن سنجیاں تو نہیں جو فتنۂ انکارِ حدیث کا ایک قوی محرک بن گئی ہوں۔

دراصل آدمی جب تضادات پالتا ہے تو بڑی مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ تضاد اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ ایک طرف تو مہتم صاحب اُس بخاری کو معتبر مانتے ہیں جس میں اللہ کے رسول نے مغفرتِ یزید کی خبر دی ہے اور دوسری طرف اُن روایات کو بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں جو خبرِ رسول کی تکذیب و تردید کرنے والی ہیں۔ اس اجتماعِ ضدین کا معنوی خلل عام حالات میں تو منکشف نہ ہوتا لیکن اس وقت منکشف ہو کر ہی رہا جب انھیں یزید کو واصلِ جہنم کرنے کے لئے بشارتِ رسول سے دامن چھڑانے کی ضرورت پڑی۔ ظاہر ہے وہ بڑی مشکل میں تھے۔ بخاری کو جھٹلائیں تو امامت بیچارہ چھوڑے اور جھٹلائیں نہیں تو منقبتِ یزید کا فولادی مینار جوں کا توں قائم رہے عجیب مشکل آئی۔ مگر نہیں سب جانتے ہیں کہ وہ ڈنکے کی چوٹ حکیم الاسلام ہیں اور ناممکن ہے کہ حکیم دانا کی حکمت بلیغہ کسی مرحلے میں مات کھا جائے انھوں نے شارحین حدیث کا جائزہ لیا کہ دیکھیں وہ کس طرح اس مرحلۂ سخت سے گذر رہے ہیں۔ ان سے کمک حاصل کیے جواب کا خمیر اُٹھایا اور پھر اپنے قلم گوہر رقم سے اس کا ایک ایسا لفظی پتلا بنا کر پیش کر دیا جسے ان کی صلاحیت تخلیق کا ایک اچھوتا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

ہم قدرے لمبے اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ کسی فقرے کو اس کی جگہ سے اکھیڑ کر پیش کر دیا ہے۔ اس کے بعد انہی سے مخاطب ہو کر کچھ عرض کریں گے۔ فرماتے ہیں

"عباسی صاحب نے بہت بلند بانگ ہو کر غزوۂ قسطنطنیہ میں یزید کی شرکت بلکہ قیادت اور اس غزوہ کے شرکاء کے لئے نص حدیث کے مطابق بشاراتِ مغفرت میں

اسے شامل کر کے اس کی فضیلت اور مقبولیت عند اللہ پر کافی زور لگایا ہے، اور اس حدیث کے تحت مہلب کے استدلال کو نقل کیا ہے جو یزید کی فضیلت بلکہ خلافت کے اثبات کے لئے کیا گیا ہے ہمیں نہ اس حدیث سے انکار ہے اور نہ اس سے کہ یزید اس کے عموم میں داخل ہے اگر وہ اس غزوہ میں شامل تھا، لیکن ساتھ ہی اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جیسے اس حدیث کا عموم اسے مقبولین میں داخل کر رہا ہے ویسے ہی بخاری وغیرہ کی دوسری احادیث کا عموم اسے اس مقبولیت سے خارج بھی کر رہا ہے جو ہم نے ابھی پیش کی ہیں جن میں خبر دی گئی ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں پر ہوگی۔ امارت صبیان قائم ہوگی جو امت کے برگزیدہ لوگوں کے جان و مال اور آبرو کو تلف کرے گی۔ اور یہ کہ ۶۰ھ کا دور بد ہوگا۔ جس میں یزید کی امارت قائم ہوئی اور اس کے افعال سے علماء نے متعین کر دیا کہ حدیث کی اس عمومی خبر کا مصداق یزید ہے۔ پس عباسی کی پیش کردہ روایت کے عموم نے اگر یزید کو وعدۂ مغفرت میں شامل کیا تھا تو ہماری پیش کردہ روایات کے عموم نے اسے اس وعدہ سے خارج کر کے وعید میں شامل کر دیا اور حدیث کے عموم نے حدیث کے عموم کی تخصیص کر دی۔ وہاں اگر مہلب نے یزید کو متعین کر کے اسے حدیث بشارت کا مصداق ٹھیرایا اور اس کی فضیلت پر استدلال کیا تو یہاں احادیث بخاری وغیرہ سے ابن حجر اور علامہ بدر الدین عینی شارح بخاری نے یزید کو متعین کر کے فسق پر استدلال کیا ہے وہاں صرف حدیث کا عموم اور اس سے استدلال ہے۔ یہاں حدیثوں کے عموم کیساتھ صحابہ کے اقوال اور تاریخی واقعات بھی ہیں جو یزید کی تعیین اور تشخیص کے مؤیدات ہیں۔" (ص۱۵۵ و ص۱۵۶)

اقتباس کو غور سے ٹھیر ٹھیر کر پڑھئے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ غزوۂ قسطنطنیہ میں یزید کی جو شرکت اس حد تک ناقابلِ تردید ہے کہ خود مہتمم صاحب بھی اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہیں لیکر وہ حرف شرط کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں کہ

"اگر وہ اس غزوے میں شامل تھا۔"

کیا اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ ایک طرف رسول کی پیشین گوئی سے خفا ہیں جو بخاری میں محفوظ ہو گئی ہے اور دوسری طرف اللہ کی اس تقدیر سے دلبرداشتہ ہیں کہ کیوں یزید کو اس غزوہ کا موقع ملا۔ آفت یہ ہے کہ اس غزوے میں یزید کی شرکت تاریخی حقیقت ہے جس کی تکذیب خاص قسم کے دیدہ دلیر کوئی نہیں کر سکتا۔ مہتمم صاحب بھی تکذیب نہیں فرما رہے ہیں مگر لکھکر یہ تاثر عوام کو دینا چاہتے ہیں کہ یزید کی شرکت تاریخی حقیقت ایسی مسلّم نہیں کہ اگر مگر کی گنجائش ہی نہ ہو۔ ایسا خلاف واقعہ تاثر ممکن ہے کسی قسم کے نیچ بددیانتی اور فریب دہی قرار دیں نیازمندوں کو کہاں جرأت ہو سکتی ہے کہ حکمت بلیغہ و لطیفہ کچھ بھی کہہ سکیں۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ کیا وہ نجومیوں اور قیافہ شناسوں کی پیشین گوئیوں کے مماثل ہیں کہ زیادہ تر درست ثابت ہوں تو کبھی غلط بھی ہو جائیں یا مرزا غلام احمد قادیانی کی پیشین گوئیوں جیسا سمجھا جائے کہ جب تو تاویلات بعیدہ سے تصحیح کیا جائے اور تاویل کی بھی گنجائش نہ رہے تو کہہ دیا جائے کہ فلاں پیشین گوئی دراصل فلاں شرط پر منحصر تھی وہ معدوم رہی تو پیشین گوئی بھی معلق رہ گئی حالانکہ خود مرزا صاحب نے پیشین گوئی کرتے وقت ایسی کوئی شرط نہ لگائی ہو۔

ہم ہزار بار پناہ مانگتے ہیں ان لوگوں سے جو ایسا کہیں یا تصور نہ کریں مگر ایسی باتیں کہیں جنکا لازمی ثمرہ یہی نکلتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کے رسول نے کوئی پیشین گوئی اٹکل پچو نہیں کی، فیصلہ کن خبر بلا وحی آسمانی نہیں دی۔ آئندہ کے لئے جو بھی خبر آپ کی زبان صداقت نظام سے نکلی وہ اللہ کے دیئے ہوئے علم الیقینی کی روشنی میں نکلی اور پہاڑ ٹل سکتا ہے مگر حضور کی دی ہوئی محکم خبر نہیں ٹل سکتی۔

حضرت محترم! یہی ایمان آپ کا بھی ہوگا اور ان اکابر کا بھی ہوگا جنھوں نے بخاری والی پیشین گوئی کو دھلانے کی کس کس

روایات سے محدود مقید کرنا چاہا ہے۔ لیکن اس تحدید و تقیید کا منطقی نتیجہ اس کے سوا کیا ہے کہ پیشین گوئی نعوذ باللہ برباد ہو کے رہ جائے اور جو بات آپ یزید کے بارے میں کہہ رہے ہیں وہی بات شیعہ حضرات بھی کہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خلفائے ثلثہ مبشر بالجنۃ ہیں تو یہ بشارت یقیناً اس پر منحصر ہوگی کہ ان سے بعد میں لائقِ وعید حرکات سرزد نہ ہوں۔ بعد میں انہوں نے اہلِ بیت کا حق چھینا دنیا میں پھنسے اور نہایت مجرمانہ حرکات کیں اس لئے بشارت کالعدم ہوگئی!

ہم نے اسی دارالعلوم کی چٹائی پہ بیٹھ کر جس کے مہتمم آج آپ ہیں یہ پڑھا تھا کہ جن صحابہ کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے ان کی مغفرت تو یقینی ہے کیونکہ اللہ کے رسول مغفرت کی بشارت یونہی نہیں دیا کرتے بلکہ اللہ کے عطا فرمودہ علمِ صحیح و قطعی کی روشنی میں دیتے ہیں جو غلط ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کسی مبشر بالجنۃ سے کچھ افعال ایسے بھی سرزد ہو جائیں جو بظاہر معصیت معلوم دیں تو دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہوگی۔ یا تو یہ ظاہری حالت محض مغالطہ ہوگی اور حقیقتاً یہ افعال معصیت نہ ہوں گے۔ یا پھر معصیت ہونے کے باوجود ان برائیوں میں شامل ہوں گے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (بے شک بھلائیاں برائیوں کو میٹ دیتی ہیں) اس طرح بشارت مغفرت اٹل رہے گی اور اللہ کے سچے نبی کا فرمودہ غلط نہ ہو سکے گا۔

عقلی و منطقی اعتبار سے بھی صاف سی بات ہے کہ اللہ کے علم میں تو سبھی کچھ ہے کہ فلاں شخص یا گروہ زندگی بھر کیا کیا کرے گا۔ اگر وہی اپنے نبی کو کسی بھی طرز کی وحی کے ذریعہ خبر دیتا ہے کہ فلاں شخص یا گروہ مغفور ہے تو ناممکن ہے کہ وہ مغفور نہ ہو۔ اگر اس سے بھی بعض بدنما افعال کا صدور ہوتا ہے تو وہی دو توجیہیں کی جائیں گی جو ابھی عرض کیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس سے کسی ایسے فعل کا ارتکاب ہو جائے جو اللہ کے حضور ناقابلِ معافی ہو اور مغفرت کی بشارت استثنار کی بھٹی میں خاک ہو کر رہ جائے۔ اللہ بے خبر نہیں تھا کہ فلاں شخص یا گروہ زندگی بھر کیا کیا کرے گا۔ اگر وہ ایسی ہی حرکات کرنے والا ہوتا کہ جہنم جائے بغیر باز نہ آتا تو اللہ تعالیٰ بشارتِ مغفرت ہی نہ دیتے۔ دی تو ثابت ہوا کہ اس کی حرکات لائقِ عفو ہیں۔

اس معارضے کا جواب بھی آپ نے اگلی سطروں میں دینے کی سعی کی ہے مگر اسے ہم ایک فاحش قسم کا مغالطہ تصور کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

"دوسرے یہ کہ یہ حدیث عام ہے اور بلاشبہ اس کا وعدہ مغفرت بھی جہادِ قسطنطنیہ کے ہر شریک کے لئے عام ہے جن میں یزید بھی داخل ہے مگر انہی قدرتی شرائط کے ساتھ جو طبعاً ایسے مواقع پر قواعدِ شرعیہ کے تحت ملحوظ ہوتی ہیں مثلاً حدیث نبوی میں ارشاد ہے۔ اُمّتی اُمّۃٌ مَرْحُوْمَۃٌ (میری امت امت مرحومہ ہے جس کے تمام افراد کے لئے جو قیامت تک آنے والے ہیں رحمت اور مغفرت موعود ہے) مگر اسی شرط کے ساتھ کہ وہ امت اجابت میں شامل رہیں۔ اگر معاذ اللہ کوئی مرتد ہو کر امت دعوت میں چلا جائے تو دوسری نصوص سے اس حدیث کی تخصیص ہو جائیگی اور وہ فرد اس وعدہ سے خارج ہو جائے گا۔ اس لئے اس حدیث کا یہ وعدہ قدرتی طور پر بشرط بقاءِ اجابت ہوگا مطلقاً نہ ہوگا۔ اسی طرح یہاں بھی جہادِ قسطنطنیہ کے سب شرکاء کے لئے وعدۂ مغفرت عام ہے مگر اسی طبعی شرط کے ساتھ کہ یہ لوگ انہی قلبی کیفیات و احوال اور باطنی نیات و جذبات پر باقی رہیں جن کے ساتھ انھوں نے اس وقت جہاد کیا تھا لیکن بعد میں اگر کسی کے قلبی احوال بگڑ جائیں اور تقویٰ کے وہ مقامات باقی نہ رہیں جو بوقت جہاد تھے تو طبعاً وہ حکم مغفرت بھی اس خاص فرد کے حق میں باقی نہ رہے گا۔ مثال کے طور پر مسلم و بخاری ہی کی ایک روایت کو لے لیجئے کہ آدمی اہل جنت کا عمل کرتے کرتے جنت سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس میں اور جنت میں بالشت بھر کا فصل رہ جاتا ہے مگر نوشتۂ تقدیر سامنے آجاتا ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے اور ایسے ہی برعکس ظاہر ہے کہ یہ جنت و نار کی انجام کار تبدیلی احوال کی تبدیلی ہی پر دائر ہے اندریں صورت اس شخص کی نیکی کرتے رہنے کے دور میں ہر شخص اسے یہی کہے گا کہ فلاں آدمی تو جنتی ہے لیکن غور کیا جائے تو جنتی درحقیقت اس آدمی کو نہیں کہا جاتا

بلکہ اس کے احوال و اعمان کو کہا جاتا ہے وہ جب بھی بدل کر جہنمی ہو جائیں گے جب ہی پہلا حکم بدل جائے گا۔ اور یہ شخص بھی جہنمی کہلانے لگے گا۔

ٹھیک اسی طرح جہاد قسطنطنیہ والی حدیث بشارۃ مغفرت کے عموم میں یزید بھی شامل تھا جس کے معنی یہ تھے کہ اس کے اسوقت کے احوال و اعمال مقبول یا مغفور تھے الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ جب وہ بدلے تو طبعاً وہ بشارت بھی اس کے حق میں باقی نہ رہی اب اگر بدلے ہوئے حالات میں بھی کوئی پہلے ہی حکم کی رٹ لگائے جائے تو یہ شریعت کے اصول و قوانین کا معارضہ ہے۔ پس جب یزید کا اچھا حال تھا بشارت قائم تھی جب بدل گیا تو بشارت بھی اٹھ گئی۔" (ع۵۶: و ع۱۵۷)

یہ آپ کے فرمودات ایسے بے اساس مطالب پر مشتمل ہیں کہ حیرت ہوتی ہے آنجناب خوب جانتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی بشارتیں دو طرز کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض اعمال و افعال کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول خبر دیتے ہیں کہ جس نے فلاں عمل کیا وہ جنت میں گیا اور فلاں عمل کیا تو جہنم میں گیا۔ قرآن و حدیث میں اس کی مثالیں اتنی کثرت سے ہیں کہ یہاں نقل کی ضرورت نہیں، یہ بشارتیں کسی ایسے فعل و عمل کے لئے نہیں ہوتیں جو کسی خاص وقت اور زمانے میں محدود ہو بلکہ انکی حیثیت دائمی ہوتی ہے اور حشر تک ان کا دائرہ وسیع ہے۔ مثلاً اپنے مسلمان بھائی کو اچانک غیر متوقع مسرت بہم پہنچانا یا ہمسائے کی مدد کرنا یا مقروض کی گردن چھڑانا وغیرہ ایسے اعمال ہیں جن پر قرآن و حدیث میں جنت کی بشارتیں دی گئی ہیں؛ اور ظالم کا ساتھ دینا یتیموں کا مال کھا جانا، ہمسائے کو ستانا وغیرہ ایسی حرکات ہیں جن پر جہنم کی وعیدیں آئی ہیں۔ ظاہر ہے یہ اعمال و حرکات کسی خاص زمانے تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہیں۔ ان سے متعلق بشارتوں اور وعیدوں میں کسی خاص فرد یا گروہ کا بھی ذکر نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان ہر زمانے میں ان کا مصداق و مورد ہے۔ ان کے بارے میں بیشک علمائے معتبر کا یہ انداز نظر ہے اور رہنا چاہیے کہ ان کا منشا صرف ترغیب و تنذیر ہے۔ صرف نمایاں کرنا ہے کہ فلاں عمل لائق التزام ہے اور فلاں حرکت قابل اجتناب۔ ان کی مثال اُن مفید و مضر جڑی بوٹیوں کی سی ہے جن کے اثرات و خواص محققین نے قرابادین میں لکھ دیئے ہوں۔ ان جڑی بوٹیوں میں سے چند کا انتخاب کر کے حکیم مریض کے لئے نسخہ لکھتا ہے تو واقعۃً یہ تحقیق شدہ اثر کی حامل ہوتی ہیں لیکن مریض کے نظام بدن میں کوئی اور ایسا فساد پایا جا رہا ہو جس سے یہ اثر کالعدم ہو جائے یا وہ بعد میں ایسی مضر اشیاء استعمال کرے جو اس اثر کو ملیا میٹ کرنے والی ہوں تو یقیناً وہ نسخے سے فیضیاب نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح جن اعمال و افعال کے نتیجے میں جنت یا جہنم کی بشارت فرد یا گروہ کی تعیین کے بغیر حشر تک کے لئے دی گئی ان کا نتیجہ اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ آدمی خود ہی اس نتیجے کو مخالف اعمال سے برباد نہ کر دے۔ ایک شخص ہمسائے کی مدد کرتا ہے تو یقیناً یہ فعل حسب بشارت جنت میں لیجانے کا ذریعہ ہے لیکن یہی شخص سود کھاتا ہے، جوا کھیلتا ہے تو یہ بشارت اس کے کام نہ آئے گی اور جس طرح بدپرہیزی کے سبب نسخے کا فائدہ نہ ہونا خود نسخے کی اثرانگیزی اور افادیت کا انکار نہیں کرتا اسی طرح اس شخص کا جہنم رسید ہو جانا مذکورہ بشارت کی اثرانگیزی اور افادیت کو غلط قرار نہیں دے سکتا۔

لیکن قرآن و حدیث نے ایک اور انداز کی بشارتیں بھی دی ہیں جو بعض افراد یا گروہوں کے لئے مخصوص ہیں اور ان کا پھیلاؤ تمام زمانوں پر نہیں بلکہ خاص زمانے پر ہے۔ مثلاً اللہ نے ابولہب کا نام لیکر جہنم کی خبر دی یا رسول اللہ نے متعین کر کے کسی شخص کو جہنمی کہا جیسے کہ ایک مجاہد کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ یہ جہنمی ہے حالانکہ وہ نہایت پامردی کے ساتھ اہلِ کفر سے لڑ رہا تھا لیکن اللہ نے رسول کو خبر دیدی تھی کہ یہ دین کی حمایت میں نہیں بلکہ قومی عصبیت میں لڑ رہا ہے اور خودکشی کر کے مرے گا ایسا ہی ہوا۔

اس طرح کی بشارتوں اور وعیدوں کا وہ معاملہ نہیں جو پہلی طرز کی بشارتوں کا ہے۔ انمیں نہ چون و چرا کی گنجائش ہے نہ استثناء کی۔ یزید کے بارے میں جس بشارت پر گفتگو ہے وہ دوسری ہی قسم میں داخل ہے۔ قسطنطنیہ پر پہلا غزوہ ظاہر ہے کہ ایک خاص وقت کا قصہ ہے اور بشارت نے ان تمام افراد کو نامزد کر دیا ہے جو اس غزوے میں شریک ہوئے تھے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک

بادشاہ اعلان کرے کہ فلاں میدان میں جو لوگ پہلی بار پہنچیں گے۔ انھیں دس دس ہزار اشرفیاں انعام دی جائیں گی۔ کھلی بات ہے کہ جو گروہ پہلی بار اس میدان میں پہنچ گیا۔ اس کا ہر ہر فرد انعام کا مستحق ہو گیا۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ نہیں۔ اگر ایک قاتل ڈاکو یا بدکردار باغی وہاں پہنچا ہے تو اسے انعام نہیں دیا جائے گا۔ ہم کہیں گے کہ اول تو شاہی آن اور آئینی تقاضے کے تحت یہ بھی لازماً مستحق انعام ہو گا۔ دوسرے یہ اتفاق ایک عام انسانی اعلان میں تو پیش آسکتا ہے لیکن کیا اُس بادشاہ کے اعلان میں بھی پیش آئے گا جسے پہلے ہی معلوم ہے کہ کون کون شخص میدان میں پہنچے گا؟۔

ہمیں تو لگ رہا ہے کہ تردید کے جوش میں آپ نے قصداً یا سہواً یہ باور کر لیا ہے کہ رسول اللہ کی پیشین گوئیاں بھی عام انسانوں جیسی تھیں یا پھر نجومیوں کی سی اٹکل پچو۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ حالانکہ رسول اللہ کی ذاتِ گرامی اس پستی سے بلند تھی کہ آپ یونہی بلا اشارۂ غیبی بشارتیں دیتے پھریں۔ اللہ نے آپ کو اطلاع دی کہ قسطنطنیہ (مدینۃ قیصر) پر پہلا غزوہ کرنے والے گروہ کی مغفرت کی جائے گی جبھی آپ نے زبان سے خوش خبری نکالی۔ کیا اللہ تعالیٰ کو وہ بات معلوم نہیں تھی جو آج آپکو معلوم ہے کہ یزید بعد میں اس حد تک بدکردار ہو جائے گا کہ بشارت ہی لنگڑی ہو کر رہ جائے گی۔ اگر واقعی یزید اس بشارت سے مستثنیٰ ہو سکتا تو اللہ سے زیادہ کسے خبر ہو سکتی تھی کہ جس گروہ کو زبانِ رسول سے مغفور کہلا رہے ہیں انہیں یزید بھی مع اپنے قلبِ پلید کے موجود ہو گا اور اسے جنت بھیجنا ہمارے لئے ممکن نہ ہو گا۔ اس خبر کے ہوتے ہوئے لازماً وہ کوئی جملہ، لفظ، حرف بشارت کے ساتھ ساتھ ہی ایسا ضرور کہلوا دیتے کہ استثناء کی گنجائش نکل آتی۔ نہیں کہلوایا۔ تو یہ کہاں کی حق پسندی ہے کہ استثناء کا یہ طبعزاد کارنامہ آپ یا ہم انجام دیں!۔

آپ اگر کوئی مثال دے سکتے ہیں تو دیں کہ کسی مؤقت اور محدود پیشین گوئی میں بھی وہ استثنائی منطق ظہور میں آتی ہو جسکا زیرِ بحث پیشین گوئی میں شوشہ نکالا گیا ہے۔ یہ کیا کہ آپ عوام کو مغالطہ میں ڈالنے والی باتیں کر رہے ہیں۔ ذرا اپنی اس مثال کو دیکھئے۔

امتی امۃ مرحومۃ۔ ظاہر ہے یہ کسی قسم کی محدود و مؤقت بشارت نہیں بلکہ ایک دائمی اور ہمہ گیر اعلان ہے اس لئے اسے غزوۂ قسطنطنیہ کی نظیر میں نہیں لایا جاسکتا۔ پھر اس کی تشریح کرنے میں آپ نے جو انداز اختیار فرمایا ہے اس سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ جوشِ تحریر میں آپ فکر و بصیرت سے بالکل کام نہیں لے سکے ہیں۔ ذرا انصاف کیجئے اگر کوئی مرتد ہو جائے تو دوسری نصوص کو ڈھونڈنے کی کیا ضرورت پیش آئے گی جبکہ خود یہی حدیث کافی و شافی ہے۔ یہ شخص تو خود ہی ارتداد کے راستے امت محمدیہ کے دائرے سے نکل گیا پھر "مرحومۃ" کے زمرے میں شامل رہنے کا کیا سوال جو خواہ مخواہ اور روایات تلاش کی جائیں۔ بشارت امتِ محمدی کے لئے ہے نہ کہ خارجین امت کے لئے۔

رہا یہ کہنا کہ "اس حدیث کا وعدہ قدرتی طور پر بشرطِ بقائے اجابت ہو گا مطلقاً نہ ہو گا" تو یہ بھی طول لاطائل سے کم نہیں۔ بے ضرورت نکتہ سنجیاں کبھی کبھی بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہیں۔ اس حدیث کا صاف سا مطلب یہ ہے کہ امتِ محمدیہ کا کوئی بھی فرد اس بشارت سے مستثنیٰ نہیں اور "بقائے اجابت" وغیرہ کی شرطیں لگانا لقمہ دینے کے مرادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی آدمی چاہے کتنا ہی گناہگار رہا ہو لیکن اگر بظاہر مسلمان مرا ہے تو اسے "مرحوم" کہا جاتا ہے۔ رحم یا رحمت کیا آپ اسی کو سمجھتے ہیں کہ مجرم یکسر معاف کر دیا جائے؟ اگر ایسا ہے تو اس غلط خیال کی اصلاح فرما لیجئے۔ رحم یا رحمت یہ بھی ہے کہ مجرم جتنی سزا کا مستحق تھا اسمیں کچھ تخفیف کر دی جائے۔ پھانسی کا مستوجب قرار دیا ہوا مجرم جب اقتدارِ اعلیٰ کو رحم کی درخواست پیش کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ وہ جیل سے بھی رہا کئے جانے کی درخواست دے رہا ہے۔ پھر جب یہ اقتدارِ اعلیٰ اس کی پھانسی معاف کر کے عمر قید باقی رہنے دیتا ہے تو یہی کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ درخواستِ رحم منظور ہو گئی۔ حالانکہ عمر قید ابھی باقی ہوتی ہے یہی معاملہ امت محمدیہ کا ہے کہ کوئی بھی مسلمان جو گناہ کرے گا اس کی سزا دینے میں اللہ تعالیٰ نرمی، درگذر اور رعایت سے کام لیں گے کتنے ہی تو یونہی بخش دیئے جائیں گے۔ کتنے ہی آنحضورؐ کی شفاعت سے فیضیاب ہوں گے اور ما بقی کو عذاب تو دیا جائیگا مگر اس سے کچھ یا کافی کم جتنے کے وہ اپنے اعمالِ قبیحہ کے باعث سزاوار تھے۔ یہی ہے وہ رحم و رحمت جس کی نوید اس حدیث میں دی گئی ہے اور کوئی معقولیت نہیں ہے کہ آپ زیرِ بحث بشارت سے یزید کو خارج کرنے کے لئے اسے پیش کریں پھر تماشا ہے کہ آپ

کوگول کرنے کے لئے آپ نے اچانک تصوف کی زبان بولنی شروع کردی۔ "قلبی احوال کا بننا بگڑنا" یہاں چہ معنی دارد اور "مقامات" کا تذکرہ کس لئے؟ کیا آپ کہنا چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو اللہ اور رسول نے مغفور کہا ہو انھیں طریقت و تصوف کی زبان میں عالیٔ مقامات اور صاحب دل بھی ہونا چاہیئے؟ نہیں ہوں گے تو ہم محض مسلمان ہونے کو کافی نہ سمجھتے ہوئے اللہ اور رسول کی دی ہوئی مغفرت تسلیم نہیں کریں گے۔ یوں تو آپ غزوۂ قسطنطنیہ کے جس شریک کو چاہیے بڑے اطمینان سے خارج از بشارت کرسکتے ہیں چند معمولی لغزشیں بیان فرما دیجئے اور کہدیجئے کہ "قلبی احوال و باطنی نیات و جذبات" بگڑ گئے اور "تقویٰ کے مقامات" سے یہ شخص گر گیا لہٰذا مغفرت غبط۔ اے حضرت! یہ کیا سلوک ہے جو آپ بشارت رسول سے کر رہے ہیں حالانکہ جن عبارتوں کو آپ نے قسطلانی اور عینی وغیرہ سے نقل کیا ہے انہیں بھی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جو شخص مغفرت کا اہل ہی نہ رہے یعنی مرتد ہو جائے وہ بشارت سے خارج ہو جائے گا۔

تو کیا آپ یزید کو کافر و مرتد کہتے ہیں؟ — اگر کہتے ہیں تو اقرار کیجئے — نہیں کہتے تو یہ قلبی احوال اور مقاماتِ تقویٰ کی کیا تک ؟ افسوس آپ جوشِ تردید میں یہ بھی بھول گئے کہ آنجناب مشہور واعظ ہیں۔ آپ ہی کی زبان سے ہزاروں سامعین نے بارہا اس طرح کے قصے سنے ہیں کہ فلاں شخص اتنا بدکار ایسا بدنہاد اور شرابی کبابی تھا مگر اللہ کے یہاں اس کی فلاں نیکی مقبول ہوگئی اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ اس طرح فلاں شخص نہایت زاہد و متقی تھا مگر اس کی ایک ہی لغزش اسے اللہ کے یہاں مبغوض بنا گئی اور جہنم میں پھینک دیا گیا۔ لیکن یزید کے معاملہ میں آپ کے زاویۂ نظر کا یہ حال ہے کہ پوری قطعیت کے ساتھ فرماتے ہیں۔

> "مغفورٌ لہم کو ایسا حکم سمجھنا کہ یزید کے مرتے دم تک کے تمام فسق و فجور کی مغفرت ہوگئی یا وہ ہمیشہ کیلئے سیّئات سے محفوظ اور معصوم بنا دیا گیا محض ذہنی اختراع ہے حدیث کا مدلول نہیں۔"

کمال ہے ایک ہی عمل نیک پر بعض بدترین گناہگاروں کی مغفرت بس مسند وعظ ہی تک تھی۔ یزید کا معاملہ آیا تو اللہ کی شانِ غفاری

او جھل ہوگئی۔ کس نے کہا ہے کہ یزید ہر طرح کے گناہ سے محفوظ تھا۔ یہ دعویٰ تو سوائے انبیاء کے کسی کے لئے نہیں کیا جا سکتا۔ مانے لیتے ہیں کہ یزید اتنا ہی بڑا معصیت کیش [illegible] آپ اور سبائیوں کا ضبعی پروپیگنڈہ باور کرانا چاہتا ہے لیکن [illegible] کے گناہوں کا نقشہ بھی تو آپ اسی ہولناک انداز میں کھینچتے [illegible] اللہ کی نکتہ نوازی نے ایک ہی عمل کے بدلے بخشدیا۔ پھر یہ کسی اور اللہ کا بندہ تھا جسے اس کی نکتہ نوازی سے کوئی [illegible] مل سکتا۔

حدیث رسول پر اگر قلبی ایمان ہو اور جذباتی لگاؤ [illegible] نہ آئیں تو یہ یقین کر لینے میں کوئی دقت نہیں کہ جن لوگوں کی مغ[فرت] کا مژدہ اللہ کی طرف سے بزبان رسول سنا دیا گیا انھیں [اگر] ہمالیہ جیسی برائیاں ہوں تو بھی ان سے مغفرت ربّانی کا وعدہ [پورا] نہ ہوسکے گا۔ آپ کے اور ہمارے بنیادی عقائد بھی اس کی ترد[ید] ہی کرتے ہیں۔ دیکھ لیجئے امام اعظم ابوحنیفہؒ اپنی الفقہ الا[کبر میں] صاف فرماتے ہیں۔

وماکان من السیئات	اور شرک و کفر کے علاوہ چاہے
دون الشرك والكفر ولم	آدمی سے سرزد ہوئے اور
یتب عنها صاحبها حتی مات	توبہ بھی نہیں کی۔ ہاں مرتے
مومناً فانه فی مشیئة اللّٰه	ہی رہا کافر و مرتد نہ ہو
تعالیٰ ان شاء عذبه و	معاملہ اللہ کی مرضی پر
ان شاء عفا عنه ولم یعذبه	وہ عذاب دیں چاہے م[عاف کر دیں]
بالنار اصلاً۔ (فقہ اکبر متن)	اور آگ سے دور رکھیں

یہی بات اللہ نے قرآن میں کہی ہے کہ شرک و کفر [کے علاوہ] ہم ہر گناہ معاف کرسکتے ہیں۔ ملا علی قاری حنفی کی شرح فقہ [اکبر میں] انہوں نے مزید صراحت کر دی ہے کہ وماکان السیئات [کا مطلب] یہ ہے کہ کفر و شرک کے علاوہ چاہے کوئی بھی کیسا ہی گناہ ہو [اور ولم] یتب عنها سے مراد یہ ہے کہ چاہے وہ شخص کسی بھی صغیرہ و [کبیرہ] سے توبہ کئے بغیر مر گیا ہو۔

تو حضرتِ محترم! اس بنیادی عقیدے کے باوجود [آپ] اس کے درپے ہیں کہ رسول اللہ کی صریح و محکم بشارت کو جہنم ہی میں پہنچا کر دم لیں اور ایک ایسے یقین کو جو اللہ کے

کی بشارت پر سرِ تسلیم خم کر دینے کا ثمرہ ہے" ذہنی اختراع" کے طنزیہ الفاظ سے تعبیر کریں جبکہ یزید کا کافر و مشرک ہونا آپ خود بھی نہیں مانتے کون دعوے سے کہہ سکتا ہے کہ یزید اگر ایسا ہی برا تھا جیسا مشہور ہے تب بھی اس نے مرتے وقت تک توبہ نہیں کی ہو سکتا ہے اس اللہ کے بندے کو بھی کسی وقت اپنے رب کے حضور توبہ و استغفار کی توفیق ہو گئی ہو تب تو اور بھی امکانِ مغفرت بڑھ جاتا ہے۔ لیکن یہ سیدھی سی بات سمجھ میں نہیں آتی تو چلئے چھوڑ دیجئے۔ امام اعظم تو صاف ہی فرما رہے ہیں کہ کفر و شرک کے علاوہ چاہے دنیا بھر کے گناہ کئے ہوں اور کبھی توبہ کی بھی توفیق نہ ہوئی ہو لیکن کافر و مشرک ہوئے بغیر مرا ہے تو مغفرت کا اہل ہے اور اللہ چاہے تو بلا عذاب جنت میں بھیج سکتا ہے۔

رسول اللہ کی پیشین گوئیاں اگر اللہ ہی کے عطا فرمودہ علم پر مبنی تھیں تو یزید کے بارے میں اللہ کی مشیئت بخاری والی روایت سے بلا ابہام معلوم ہو گئی۔ پھر آخر کیوں یزید کی مغفرت آپ کو ہضم نہیں ہوتی۔ کیا ایسا تو نہیں کہ قرآن کی آیات اور امام اعظم کے بیان فرمودہ بنیادی عقیدے پر سے آپ کا بھروسہ اٹھ گیا؟

جن روایات و اجتہادات سے آپنے یزید کو خارج از بشارت کیا ہے ان کی داخلی قوت و ضعف اور حیثیت کا تو ہم اس وقت جائزہ لیں گے جب پوری کتاب پر تفصیلی گفتگو کا موقع آئے گا۔ فی الوقت اتنا ہی عرض کرنا کافی ہوگا کہ اپنی لائی ہوئی روایات کی جو تشریح آپنے پیش فرمائی ہے اسے اگر جوں کا توں بھی مان لیا جائے تب بھی ان سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید بہت گناہگار تھا۔ یہ تو ثابت نہیں ہوتا اور نہیں ہو سکتا کہ وہ کافر و مشرک تھا یا مرتد ہو کے مرا۔ پھر اسے آپ کس بنیاد پر بشارت سے خارج کئے دے رہے ہیں جبکہ قرآن کا متفق علیہ عقیدہ جو ابھی ہم نے امام اعظم کی زبان سے بیان کیا ہے آپ کا بھی عقیدہ ہے۔ کیا ضرورت لاحق ہو رہی تھی یزید کے فسق و فجور کی روایات ڈھونڈ کر لانے اور ان کے ذریعہ بخاری کی مستحکم حدیث کو تختۂ مشق بنانے کی جبکہ بنیادی عقیدے کی رو سے فسق و فجور مغفرت کے منافی نہیں ہے اور یزید کا فاسق و بدکار ہونا بخاری والی بشارت میں استثناء کا آرا چلانے پر مجبور نہیں کرتا۔ ایسی کوششیں تو جب ہوتی ہیں جب روایات باہم متعارض ہوں۔ تعارض نہیں تو یہ اکھاڑ پچھاڑ کیسی؟

ہم کہتے ہیں کہ اصولاً اگرچہ یہ بات درست ہے کہ مرتد کی مغفرت نہیں ہو سکتی لیکن ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعہ کسی فرد یا مخصوص افراد کی مغفرت کا اعلان فرما دیں تو آپ سے آپ طے ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ مومن ہی مریں گے مرتد نہ ہوں گے۔ آخر اللہ کے علم میں تو ہے ہی کون کیا کرے گا کس انجام کو پہنچے گا۔ وہ اگر کسی کے مقدر میں ارتداد تقدیر فرما دیں تو ناممکن ہے کہ اس کی مغفرت کی بشارت بھی دیں، مغفرت کی بشارت اسی تقدیر پر دی جا سکتی ہے کہ مبشر افراد کا خاتمہ ایمان ہی پر ہونا ہے۔ جب یہ بات ہے تو انصاف کیجئے کہ جن اسلاف نے بخاری والی بشارت مریحہ کے ذیل میں مرتد کی مغفرت نہ ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے انھوں نے کہاں تک برمحل بات کہی ہے۔ آخر کیا جوڑ ہے اس بشارت سے ارتداد کی نکتہ آفرینی کا جب کہ یہ حضرات خود بھی یزید کو مرتد نہیں کہتے۔ سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ شیعی پروپیگنڈے کے تحت یزید کو فاسق و فاجر اور قاتل حسین رضی اللہ عنہ یقین کر لینے کے بعد ان لوگوں کا جی کسی طرح نہیں چاہتا کہ یزید کی مغفرت کا فیصلۂ خداوندی ٹھنڈے دل سے تسلیم کر لیں بس کوئی نہ کوئی شق نکالتے ہیں چاہے بات بنے یا نہ بنے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ پہلے غزوۂ قسطنطنیہ کے مجاہدین میں سے ایک بھی مرتد نہیں ہوا۔ ہوتا کیسے۔ جن کے لئے خود عالم الغیب والشہادہ نے ہی مغفرت طے کر دی ہو وہ کیونکر مشرک و کافر ہو کر دنیا سے جا سکتے ہیں۔ اللہ کو پورا علم تھا کہ اس گروہ مومنین میں کوئی مرتد ہونے والا نہیں۔ اگر ہونے والا ہوتا تو ضرور وہ رسول کی زبانی دی ہوئی بشارتِ مریحہ میں کوئی ایسا لفظ لکھوا دیتے جو استثناء کی گنجائش دیتا۔ پھر آخر لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہر مومن کے لئے ——— چاہے وہ کتنا ہی بڑا گناہگار رہا ہو امکانِ مغفرت کا عقیدہ رکھنے کے باوجود وہ رسول اللہ کی بشارت سے یزید کو نکالنے کی زبردستی کر رہے ہیں اور انمل بے جوڑ طریقے پر ارتداد کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔ جرأت ہے تو کہہ دیں یزید مرتد تھا تب بے شک بشارتِ رسول کے ذیل میں ارتداد کی بحث کھڑی کرنا۔ یہ کیا بو الفضولی ہے کہ یزید کو

مرتد بھی نہیں کہتے اور ارتداد کی بحث بھی بیچ میں لاتے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یزید کی حد تک تم نے خوارج و معتزلہ کا عقیدہ اختیار کرلیا ہو کہ معصیت کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے!

اور آپ نے بخاری و مسلم کی روایت کو جو بطور مثال پیش کیا ہے تو اسکا حاصل کاغذ سیاہ کرنے کے سوا کیا ہے۔ (ناظرین ورق الٹ کر ۱۵۲ کے اقتباس کو پھر پڑھ لیں) بھلا جس شخص کی تقدیر ہی اللہ نے یہ بنائی ہو کہ عمر کا بڑا حصہ نیکیوں میں گذارتے ہوئے جنت کے قریب ہی قریب ہوتا چلا جائے اور پھر اچانک کوئی انتہائی مبغوض عمل کر کے جہنم میں جا پڑے تو اس میں اور حدیث بشارت میں کیا جوڑ؟ اس حدیث میں تو بعض غیر معیّن افراد کی حالت کا بیان ہے۔ کیا قسطنطنیہ کے غزوۂ اولیٰ کے محدود و متعین شرکاء میں سے بھی کسی کے بارے میں اللہ یا رسول نے یہ بتایا ہے کہ وہ جنت سے قریب تو ہو گیا تھا مگر جہنم میں ڈالدیا گیا۔ یزید کو آپ جہنمی کہتے رہیں مگر جس حدیث میں اللہ کے سچے رسول نے بشارت دی ہے اس میں تو یہ نہیں کہا گیا کہ یزید جہنم میں گیا اور دوسری جو ادھر ادھر کی روایات آپ یزید کو پرلے سرے کا گناہگار ثابت کرنیکے لئے لائے ہیں تو ان سے بھی خود آپ ہی کے عقیدے کے مطابق یزید کا ناقابل مغفرت ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ زندگی بھر گناہ کرتے رہنے کے باوجود کوئی شخص مرتد نہیں ہو جاتا اور مرتد نہ ہو تو علی الاتفاق مغفرت کا اہل رہتا ہے۔ پھر بھی آپ یزید کو جہنم رسید کرنے کے درپے رہیں تو یہ بشارت رسول کے ساتھ گستاخی آمیز سلوک نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا اور سلطان الانبیاء کی پیشین گوئیوں کو من جانب اللہ ماننے والے اور اللہ کے علم کو خطا سے پاک سمجھنے والے کلیجہ مسوس کر نہ رہ جائیں گے تو کیا کریں گے۔

ایک اور مغالطہ ہے جو یہاں یا تو خود آپ ہی کو ہوا ہے یا پھر آپ نے عوام کو دینا چاہا ہے۔ بخاری مسلم کی پیش فرمودہ روایت میں مغفرت کا ذکر نہیں ہے بلکہ جنت کے قریب پہنچنے کا ذکر ہے مغفرت قرب جنت کو نہیں دخول جنت کو کہتے ہیں۔ مغفور وہی ہے جو جنت میں داخل کر دیا جائے نہ کہ بھی باہر ہی ہو۔ اللہ اور رسول نے تعلیم دی ہے کہ آخر دم تک اللہ سے ڈرتے رہو۔ مغفرت طلب کرتے رہو۔ زندگی بھر کے اعمال حسنہ پر پھولو نہیں۔ زعم مت کرو۔ اسی تعلیم کی بنیاد پر امت مسلمہ میں یہ دعا عام ہے کہ اسے پر خاتمہ کرنا۔ لہٰذا اگر بخاری و مسلم کی روایت میں بعض لوگوں کے اچانک انقلاب حال کا ذکر آیا ہے تو اسمیں تعجب کیا ہے۔ اسے آپ اس گروہ کی مزاج پرسی میں کیوں پیش کر رہے ہیں جسے مغفور کہدیا گیا۔ یعنی داخل جنت۔ کیا یزید کو جنت میں سے دوزخ میں ڈالیں گے؟

آپ فرماتے ہیں

"اندریں صورت اس شخص کی نیکی کرتے رہنے کے دوران ہر شخص اسے یہی کہے گا کہ فلاں آدمی تو جنتی ہے لیکن کیا جائے تو جنتی درحقیقت اس آدمی کو نہیں کہا جاتا اس کے احوال و اعمال کو کہا جاتا ہے۔ وہ جب بھی جہنمی ہو جائیں گے جب ہی پہلا حکم بدل جائے گا اور شخص بھی جہنمی کہلائے گا۔"

دیکھ لیجئے ہم نہ کہتے تھے آپ رسول اللہ کی بشارت کو بشارت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ محترم! عام آدمی کا یہی حال ہے کہ وہ ظاہر اور موجودہ احوال کو دیکھ سکتا ہے نہیں معلوم کل کیا ہونا ہے یا کسی کے دل کا کیا حال ہے جو شخص آج نیک ہے وہ کل بد ہو جائے یا وہ آج بھی بدی پر رہا ہو لیکن اللہ اور رسول کی شان میں تو یہ جرأت نہ کیجئے انھوں نے یزید کے اسوقت تک کے ظاہرہ اعمال کا حکم کہدیا یعنی دخول جنت کی بشارت دیدی اور بعد میں اس سے بدکاریوں کا اظہار ہوا تو وہ چونکے کہ ارے اس مردود کو مغفور بنانے کا اعلان کر دیا تھا یہ تو بد معاش ہے جہنم میں۔

آپ خدا کے لئے غور کیجئے یہ مطلب نہیں نکلتا نکلتا ہے۔ اول تو آپ کی تقریر یوں مضحکہ خیز ہے کہ یہ پیشین گوئی ایسے افراد کے بارے میں نہیں ہے جو موجود ہوں اور ان کے موجودہ احوال کو دیکھکر رسول اللہ نے ان کے جنتی ہونے کا گمان کرلیا ہو کچھ بھی تھا اس وقت آپ کے سامنے نہیں تھا کہ اس واعمال کے نشیب و فراز پر پیشین گوئی کا مدار ہو

افسوسناک ہے کہ رسول اللہ کو بھی آپ علم و خبر کے معاملے میں باقی انسانوں پر قیاس کر رہے ہیں کہ ظاہر میں نکوکار دیکھا تو جنتی کہدیا اور بدکار دیکھا تو جہنمی ٹھہرا دیا۔ حالانکہ اللہ کا آخری پیغمبر نہ مرزا غلام احمد جیسا تکین کار تھا نہ عام آدمیوں کی طرح ظاہر بیں۔ اس نے غیبی معاملات میں جو بھی صریح فیصلہ دیا ہے وہ اُس علم یقینی کے تحت دیا ہے جو اللہ کا بخشا ہوا تھا اور ناممکن ہے کہ وہ غلط ہو جائے۔ یزید کی دشمنی میں کم سے کم حرمتِ رسول سے تو نہ کھیلئے۔ یہ کیا کفر آمیز کلام ہے کہ اللہ کے رسول تو مجاہدین قسطنطنیہ کو پیشگی بشارتِ مغفرۃ دیں اور آپ اس بشارت کا حلیہ اس انداز میں بگاڑیں کہ گویا اللہ کے رسول کی پیشین گوئی اٹکل کا تیر تھی جو کہیں نشانے پر بیٹھا کہیں چوک گیا۔ بڑا قہر ہے کہ یزید دشمنی اور تردید عباسی کے جوش میں آپ مغفرت کے معروف و مسلّم مفہوم کو بھی ملیا میٹ کر گئے ہیں۔ آپ نے مغفرت کو کوئی ایسا ہی حاضر انعام ظاہر کرنا چاہا ہے جیسے دنیا کے نقد انعام ہوتے ہیں۔ چنانچہ عواقب پر غور کئے بغیر آگے اسی باطل خیال کو آپ نے یا ہیں الفاظ پیش فرمایا ہے۔

> "اس سے بھی زیادہ اقرب اسی حدیث کی تشریح یہ ہو
> کہ جہادِ قسطنطنیہ سے یزید کی سابقہ سیئات کی مغفرت
> کر دی گئی تو وہ مغفورلہم میں حقیقتًا داخل ہو گیا لیکن بعد
> کی سیئات کی مغفرت کا اس میں کوئی وعدہ نہیں تھا
> اس لئے آئندہ کے فسق کا حکم دوسرا ہو گا۔"

آپ خیال کرتے ہوں گے کہ یہ نکتہ میں نے نہایت بلیغ پیدا کیا۔ بے شک بلیغ تو ہے مگر اس کی بلاغت کا زہری نشتر اُس متفق علیہ عقیدے کا سینہ چاک کر گیا ہے جو امت مسلمہ عشرہ مبشرہ کے بارے میں رکھتی ہے۔ ہم نے آپ ہی کے مدرسے میں یہ پڑھا تھا کہ عشرہ مبشرہ اُن دس صحابیوں کو کہتے ہیں جن کی مغفرت کا اللہ نے فیصلہ فرما دیا۔ اب یہ سوچنا بھی جرم ہے کہ بعد کی کسی لغزش سے یہ جہنم میں جا سکتے ہیں اگر وہی بات سچ ہو جو آپ فرما رہے ہیں تو کسی بھی مبشر بالجنتہ کے بارے میں اطمینان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سچ مچ جنت میں گیا کیونکہ اللہ کے سوا کون یقینی فیصلہ دے سکتا ہے کہ وعدۂ مغفرت کے بعد کی زندگی میں اُس نے کوئی عمل ایسا نہیں کیا جو داخلِ گناہ ہو۔ پھر تو اللہ کے وعدۂ مغفرت کی کوئی قیمت ہی نہ رہی۔

اگر مغفرت کوئی ایسا نقد انعام ہوتا جو فورًا مل جایا کرتا تب تو یہ کہنا کچھ معنی رکھتا تھا کہ جس وقت تک یزید کے اعمال مقبول یا مغفور تھے وہ بشارت مغفرت میں شامل تھا لیکن جبکہ مغفرت حاضر انعام نہیں بلکہ مرنے کے بعد ملنے والا صلہ ہے تو آخر کیا فائدہ ہو سکتا ہے اس بات کا کہ آج اللہ بشارتِ مغفرت دے اور کل جہنم میں ڈالدے۔ حدیث رسول کی رو سے پہلا غزوۂ قسطنطنیہ ایک عظیم تر اور محمود ترین کارنامہ ثابت ہوتا ہے جس کا انکار خود آپ بھی نہیں کر سکتے اس کارنامے کا انعام اگر آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے یہی دیا ہے کہ پہلے وعدۂ مغفرت فرمایا پھر اسے منسوخ کر دیا تو پھر یوں کہئے کہ نعوذ باللہ اللہ میاں بھی مذاق ہی کرتے ہیں! بھلا یہ عارضی وعدۂ مغفرت کے کوڑی قیمت رکھتا ہے۔ سوائے تمسخر کے کیا حاصل ہو سکتا ہے اس کا؟ خالی الفاظ جو سابن کے جھاگوں سے بھی زیادہ بے حقیقت ہیں۔ ہم تو کسی طرح بھی خزائن ارض و سما کے جواد و کریم مالک سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ وہ ایک عظیم لائق انعام کارنامے کے بدلے خالی الفاظ پکڑا دیگا جن کا رتی برابر فائدہ نہ ہو۔

شاید آپ کہیں گے کہ اس بشارت کا فائدہ یہ تو ہوا کہ سابقہ خطائیں معاف ہو گئیں ہم عرض کریں گے کہ تب آپ اُس تعریف کو بدل دیجئے جو آج تک عشرہ مبشرہ صحابیوں کے سلسلہ میں بشارتِ مغفرت کی ہوتی آئی ہے۔ یعنی وہاں بھی یوں کہئے ان اصحاب کا مغفور ہونا طے نہیں بلکہ صرف یہ طے ہے کہ جس وقت بشارت دی گئی اس وقت تک کے قصور معاف ہو گئے بعد کے اعمال میں یہ بشارت مفید نہ ہو گی جس وقت یہ تبدیلی آپ فرمالیں گے اُس وقت ہم ضرور جھانک کے دیکھیں گے کہ یزید جہنم کے کس طبقے میں ہے اور ساتھ ہی آپ کے سامنے اللہ کے رسول کے وہ ارشادات اور علمائے امت کے وہ فرمودات پیش کریں گے جن سے بلا ریب و شک واضح ہوتا ہے کہ مبشر بالجنتہ کا مطلب صرف سابق گناہ معاف ہونا نہیں بلکہ طے شدہ مغفرت ہے اور مبشرہ کسی بھی گناہ کے باعث دوزخ میں نہیں ڈالی جائیں گی چاہے گناہ وقتِ بشارت سے قبل ہوا ہو یا بعد میں۔

ہم جانتے ہیں شعوری طور پر آپ بھی اسی کے قائل ہیں

دیکھ لیجئے آپنے تحریر فرمایا۔

"پس جب یزید کا اچھا حال تھا بشارت قائم تھی
جب بدل گیا تو بشارت بھی اٹھ گئی"

اگر بشارت کا مطلب آپ یہی سمجھتے کہ سابقہ گناہ معاف ہوگئے تو بشارت قائم رہنے اور اٹھنے کا کیا سوال باقی رہ جاتا تھا۔ آپ قدرتی طور پر یہ لکھتے کہ بشارت درست ہے پچھلے گناہ معاف ہوئے۔ اب اگلے گناہوں کے سبب یزید دوزخ میں ڈالا جائیگا نیز یہ زحمت نہ اٹھانی پڑتی کہ دور دراز روایات سے حدیث بخاری میں استثناء نکالیں بلکہ اس کھڑاگ کے بغیر ہی آپ کہدیتے کہ ہاں بخاری والی بشارت ٹھیک ہے۔ یزید کے غزوۂ قسطنطنیہ تک کے گناہ بخشے گئے۔ اب آگے کو جو گناہ اسنے کئے ہیں ان کے سبب ہم اسے دوزخ میں ڈھکیلیں گے بشارت قائم رہنے اور اٹھنے کا ذکر کرنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ خود آپکے نزدیک بھی بشارتِ مغفرت کا عمل صرف سابقہ گناہوں کی مغفرت پر ختم نہیں ہوجاتا۔ اور حدیث بخاری میں استثناء نکالنے کیلئے صفحے کے صفحے سیاہ کرنا ہی اس حقیقت کی شہادت ہے کہ خود آپ بھی بشارت مغفرت کا منشا یہی سمجھتے ہیں کہ وہ ایک حقیقی انعام ہے جو مل کر رہتا ہے یہ نہیں کہ لفظی وعدہ ہوا در حقیقتاً کچھ بھی نہ ملتا ہو۔ تب آخر یزید ہی سے اتنا عناد و بغض کیوں ہے کہ اپنے عقیدہ وخیال کے برعکس بشارت مغفرت کے ایک طبغرا دمعنی سمجھانے کی سعی فرما رہے ہیں۔ آپ لوٹ پھر کر زیادہ سے زیادہ وہی کہہ سکتے ہیں جو پہلے اقتباس میں کہا ہے یعنی کہ ہم نے تو دیگر روایات و اقوال ہی سے یزید کو خارج از بشارت کرکے شامل وعید کیا ہے۔ تو ہم وہی معارضہ پیش کریں گے کہ آپ کی جمع فرمودہ تمام منطق کا زیادہ سے زیادہ حاصل یہی نکلتا ہے کہ یزید بہت بڑا گناہگار تھا۔ اسے لوگوں نے فاسق و فاجر کہا ہے۔ لیکن فاسق و فاجر کی مغفرت کا امکان تو آپ بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں پھر کیوں نہیں سرکار دوعالم کی دی ہوئی بشارت پر سر جھکاتے۔ کیوں اس بات کو ناممکن تصور فرماتے ہیں کہ پہلا غزوۂ قسطنطنیہ اللہ اور رسول کے نزدیک اجر و جزا کے اعتبار سے ایسا ہی عظیم تر عمل خیر ہو جس کے آگے سارے گناہ ہیچ ہوں۔ آخر کیا آپ کو نہیں معلوم

کہ سابقون الاولون کا انفاق کیا ہوا ایک رتی سونا انفاق کئے ہوئے اُحد پہاڑ کے برابر ...... ملنے مانا گیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ بظاہر معمولی ہوتے ہوئے بھی اللہ کے نزدیک بہت ہوتے ہیں۔ تو کیوں آپ یہ باور نہیں کرتے کہ غزوۂ قسطنطنیہ ایسا ہی محبوب ترین عمل ہوگا۔ رسول اللہ کا خصوصیت کے بارے میں بشارت دینا آخر کھیل تو نہیں تھا کسی کی قیاسی اٹکل تو نہیں تھی۔ کوئی غیبی اہمیت ہی تھی جو زبان پر یہ بشارت آئی۔ اگر مجاہدین قسطنطنیہ کی مغفرت اعمالِ خیر ہی پر ہوتا جیسا کہ آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو اس کا آخر حاصل کیا تھا۔ اعمالِ خیر کے حاملین تو عام قانون شرع کے تحت مغفرت پالیں گے یہ خصوصی بشارت چہ معنی دارد۔

بڑا رنج ہے کہ آپ جیسا حلیم و ضابطِ انسان یزید دشمنی میں اسقدر آگے بڑھ گیا ہے کہ ذہنی توازن ہی کا سراغ نہیں ملتا۔ ذرا اسی روایت کو دیکھئے جو آپنے بخاری و مسلم سے اب نقل فرمائی ہے۔ اول تو آپنے اس کی ترجمانی درست نہیں کی۔ یہ تو الٹی یزید کے حق میں جارہی ہے۔

"آدمی اہل جنت کا عمل کرتے کرتے جنت سے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ اس میں اور جنت میں بالشت بھر کا فصل رہ جاتا ہے مگر نوشتۂ تقدیر سامنے آجاتا ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے اور ایسے ہی برعکس" (ص ۱۵۶)

ترجمانی تو یوں غلط ہے کہ اردو میں جب نوشتۂ تقدیر رکھدیتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم نے تو کوشش میں کمی نہیں کی تھی لیکن تقدیر ہی ساتھ نہ دے سکی۔ دن رات کہ ہم نے تو سب کچھ کرلیا مگر تقدیر ہی میں ناکامی تھی تو کیا۔ لیکن جنت دوزخ میں جانے کا معاملہ ایسا نہیں کہ تقدیر کو الزام دیا جائے۔ اللہ تعالےٰ کا واضح قانون ہے کہ ہر شخص اپنا بدلہ پائے گا نہ یہ کہ کسی کو باوجود نکوکار ہونے کے اس لئے جہنم میں جھونک دیا جائے گا کہ اس کی تقدیر میں جہنم لکھدیا گیا تھا۔ اللہ کی تقدیر ایسی بے قاعدہ نہیں۔ وہ جس کے لئے جہنم یا

لازماً پھر اعمال بھی ایسے کیے گا جنکا ارتکاب کر کے وہ جہنم یا جنت کا حقدار بنے۔ ایک شخص زندگی بھر نیکیاں کرتا رہے تو ناممکن ہے کہ وہ جہنم رسید ہو جائے جہنم ہی اس کی تقدیر ہے تو لازماً کوئی ایسا فعل بھی اس کے لئے مقدر ہوگا جس کی معنوی قباحت اس کے سارے اعمال نیک پر فوقیت لے جائے گی اور اس کی سزا میں وہ جہنم رسید ہوگا۔ اسی طرح برعکس۔ تو آنجناب نے جس انداز سے حدیث کی ترجمانی کی ہے وہ سہو پر مبنی ہے اس سے تو اللہ کو انصاف کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔

رہا اس حدیث کا یزید کے حق میں جانا تو یہ بھی سامنے کی بات ہے۔ آخر اس حدیث سے یہی تو ظاہر ہوا نا کہ اچھے بُرے کسی ایک طرح کے بے شمار اعمال کا بہت بڑا انبار بھی یہ قطعی فیصلہ کرنے کے لئے کافی نہیں کہ یہ شخص لازماً اسی جزا کا مستحق ہوگا جسے یہ انبار متعین کر رہا ہے۔ ساری عمر نیک عمل کئے مگر آخر میں کوئی ایسا عمل کر گذرا جو معنوی گراوٹ میں بدسے بدتر تھا تو اس توقع کے بالکل برخلاف جو ساری عمر کے نیک اعمال سے کی جاسکتی تھی وہ دوزخ میں جھونک دیا جائے گا اور اسی طرح برعکس۔

یہی تو ہے مفہوم اور منشأ اس حدیث کا۔ پھر یہ سمجھنے میں کیا دشواری رہی کہ یزید کی بداعمالیوں کا جو فلک بوس انبار نظر آرہا ہے وہ جہنمی ہونے کے فیصلۂ قطعی کا ضامن نہیں بلکہ حدیث ہی کے مطابق کوئی ایک وزندار عمل یا چند اعمال صالحہ اسے داخل جنت بھی کر سکتے ہیں۔ بشارتِ رسول کو تاویل کا تختۂ مشق بنانے کی بجائے آپ غیر جانبدار ہو کر سمجھنے کی سعی کیوں نہیں کرتے اچھی طرح سوچئے کیا یہ آپ کی بیان فرمودہ روایت حدیث بشارت کو مجروح کرنے کی بجائے اس کی تائید مزید نہیں کرتی؟ یہ کیا کہا کہ

"جنتی درحقیقت اس آدمی کو نہیں کہا جاتا بلکہ اس کے احوال و اعمال کو کہا جاتا ہے"

مجلس وعظ میں تو اس طرح کے نکتے واسطے سکتے ہیں لیکن علمی مباحث میں ان کا کوئی وزن نہیں۔ احوال و اعمال تو انسانی خواص و اوصاف ہیں جن کا انسان سے ہٹ کر کوئی ٹھوس وجود نہیں۔ جنت اور دوزخ میں آدمی کا جسم جاتا ہے نہ کہ افعال و اعمال۔ پھر اس منطق سے فائدہ؟ یہ تو ایسی ہی منطق ہے جیسے ہم ابوجہل کو برا کہنے لگیں تو آپ ٹوکیں کہ نہیں بھئی اسے برا مت کہو اس کے اعمال و افعال کو کہو۔ اس کے بعد ایک قدم بڑھکر آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نہیں بھئی اعمال و افعال کو بھی برا مت کہو کہ اللہ کی مرضی بغیر ذرہ ادھر سے اُدھر نہیں ہوسکتا اور جو کچھ بوجہل نے کیا وہ تو تقدیر الٰہی تھا تقدیر الٰہی کو برا کہنا سخت گستاخی ہے! منطق کو غلط استعمال کیا جائے تو وہ کھنکھجورا بن جاتی ہے۔

بے شک اعمال و افعال ہی کی وجہ سے کسی شخص کو اچھا یا بُرا کہتے ہیں لیکن اعمال و افعال انسان سے ہٹ کر کوئی مستقل بالذات وجود نہیں رکھتے کہ ان کی رسی بٹکر یزید کے لئے پھانسی لٹکا دی جائے۔

پھر چلئے مان لیا اعمال و افعال ہی کو اچھا برا کہنا بنیادی حقیقت ہے لیکن کیا رسول اللہ کی صریح بشارت کے بعد بھی یہ سمجھنے میں کوئی دقت باقی رہ جاتی ہے کہ یزید کا ایک ہی فعل جہاد اس کے تمام اعمال بد سے بڑھ گیا اور اللہ نے اسے جنت دینے کا فیصلہ فرما دیا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جنت کی بشارت اگر اعمال ظاہرہ ہی سے متعلق ہوتی تو محض دس ہی صحابیوں کو اس کا شرف نصیب نہ ہوتا بلکہ بے شمار صحابی تھے جن کے اعمال ظاہری اس بشارت کے مستحق تھے۔ اللہ کا خصوصیت سے دس کو نامزد کرنا واضح کرتا ہے کہ ان دس کی خاص اہمیت و پذیرائی منظور ہے۔ ان کے بعض اعمال ایسی خصوصیت سے مقبول بارگاہ ہوئے ہیں کہ اب ان کا کوئی عمل اس مقبولیت کو بدل نہیں سکتا۔ تب آخر غزوۂ قسطنطنیہ والی بشارت ہی اعمال ظاہرہ سے کیوں متعلق کی جا رہی ہے کیوں نہیں سوچا جاتا کہ یہ غزوہ اپنے شرکا کے لئے ناقابل تنسیخ مقبولیت کا باعث بنا ہے۔ اور یہی تنہا تمام معاصی کا کفارہ ہو جیسا کہ ابھی چند روایات پیش کرتے ہیں۔

کوئی جاہل ہو تو صبر کر لیا جائے کہ کسی ایک عمل کی اتنی بڑی قدر و قیمت اس کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ اس سے سارے گناہ دھل جائیں لیکن آپ جیسے عالم بھی ایسی ہی بے خبری کا مظاہرہ کرنے

لگیں تو دل خون ہونا قدرتی ہے۔ خصوصاً جبکہ خود ہی ایک ایسی حدیث بھی بیان فرما رہے ہیں جو ایک ہی عمل سے متقابل اعمال کے پورے ڈھیر کو بے اثر بنا دینے کا ثبوت لا رہی ہے۔ قرآن و حدیث سے ایسی ایک نہیں ہزار نصوص پیش کی جا سکتی ہیں جن سے بعض اعمال کی بے انداز عظمت و رفعت کا پتا چلتا ہے۔ ہم صرف کتاب الجہاد ہی کی چند حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ بخاری والی بشارت جہاد ہی سے متعلق ہے۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رِبَاطُ یَوْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا ؏	رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک دن چوکیداری کرنا تمام دنیا اور اس کی ہر شے سے بہتر ہے۔

اللہ اکبر۔ مقابلہ نہیں صرف چوکیداری کی یہ شان ہے کہ محض ایک دن کی چوکیداری تمام دنیا و مافیہا سے بڑھکر ہو گئی۔ اور بخاری و مسلم ہی میں ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَغَدْوَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ رَوْحَۃٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا	حضورؐ نے فرمایا کہ جہاد کے راستے ایک صبح یا ایک شام جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

اور بخاری میں ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَمَسَّہُ النَّارُ	حضورؐ نے فرمایا جس بندے کے قدم جہاد کی راہ میں گرد آلود ہوئے انھیں جہنم کی آگ چھو ہی نہیں سکتی۔

اور مسلم میں ہے

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْقَتْلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُکَفِّرُ کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا الدَّیْنَ ؏	حضورؐ نے فرمایا اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا سوائے قرض کے جملہ معاصی و مثالب کو معدوم کر دیتا ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں اس بات کی کہ بعض اعمال جو کیفیت و کمیت کے لحاظ سے بظاہر معمولی ہیں اللہ کے نزدیک کس قدر محبوب ہیں کہ ان کے مقابل میں قدموں میں گناہوں کے ہمالیہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کی مثالوں کے لئے تلاش کی ضرورت نہیں حدیث کے جس باب کو کھول لیجئے بلا دقت کئی مثالیں مل جائیں گی یہ بات

ہی کو دیکھ لیجئے کہ تنہا ایک شرف ہے مگر کیا غیر صحابی کی
بھی اس کی برابری کر سکتی ہیں؟ پھر آخر ان لوگوں کے ا
ہو گیا ہے جو یزید کے معاملہ میں لوہے کے باٹ تراز
ہیں اور اس کے اعمال و افعال کو سیروں کے حساب
فیصلہ دیتے ہیں کہ برے اعمال کا وزن کئی سیر زیادہ ہے
جہنم میں ڈالو۔ وہ لوگ حق شناسی کی کس منزل میں ہیں
رسول کی دی ہوئی بشارتِ مغفرت کو یزید کیلئے اس
کو تیار نہیں کہ ان کی نگاہ میں وہ بہت بڑا گناہگار تھا
بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ کفر و شرک کے علاوہ ہر معصیت
ہے اور ہر مومن بہرحال مغفرت کا اہل ہے۔ گناہ و
اپنے ترازو سے مت تولو۔ اللہ رسول کے ترازو پر
سچ کہتے ہیں بشارتِ رسول سے یزید کو خارج
کوشش جس انداز سے آپ نے کی ہے اس سے کچھ ا
آتا ہے کہ جیسے اللہ کا معصوم رسول نیازمندوں کے
بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے کہ سن لو اے لوگو! قسطنطنیہ پر
جہاد کریں گے ان کے لئے اللہ نے مغفرت لکھ دی۔
اس پر کچھ لوگ اٹھتے ہیں اور ناک بھوں چڑھا
کر نہیں یا رسول اللہ! ان لوگوں میں تو یزید بھی شامل ہے
میں داخل ہوتا ہم کیسے دیکھ سکیں گے۔ یہ دیکھئے آپ نے
یہ فرمایا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید پر لے در
تھا۔ پھر آپ کو یا اللہ میاں کو کیا حق ہے کہ اسے مغفرت
ہم تو اسے خارج کریں گے۔
کیسا ہولناک منظر ہے یہ گستاخی اور گمراہی۔
جتنی بھی روایتوں میں رسول اللہ کی زبان سے صراحۃً
فجور دکھلایا دیا گیا ہے وہ سب بلا استثناء جھوٹی ا
ان کے بعض راوی ائمہ فن کی تصریحات کے مطابق ا
ان کے نفس کی گراوٹ شاید یزید کی شہرت یا فتنہ گر
بھی بڑھ کر ہو۔ اس شخص کی پستی کیا ٹھکانا ہوگا جو رسول
باندھے اور اپنے دل کی گھڑی ہوئی بات ان کی طرف
کرے۔ رہیں وہ روایتیں جن سے صراحۃً نہیں بلکہ
اشارۃً یزید کا فسق و فجور ظاہر ہوتا ہے تو وہ بھی ا

اسلوب کے اعتبار سے اس کی گنجائش رکھتی ہیں کہ یزید ان کی زد میں نہ آئے۔ تاہم چلئے ساری روایتیں تسلیم اور یزید کا فسق وفجور بجا لیکن جب فسق وفجور آدمی کو کافر نہیں بناتے اور اللہ ہر گناہ سوائے شرک وکفر کے معاف کرسکتا ہے تو ان ذکا وت حس کے مریضوں کا کیا حشر ہوگا جو اللہ کے رسول سے بے بنیاد معارضہ کریں اور بے محابا کہیں کہ یزید کو ہم نہیں بخشنے دیں گے۔ پھر حضورؐ ہی کی طرف منسوب کی ہوئی بعض روایاتِ مجملہ کے ذریعہ حضورؐ ہی کے ارشاد صریح کو مجروح کرنے کی کوشش فرمائیں۔ ہزار بار پناہ اس بہادری سے اور لاکھ بار توبہ اس بے دانشی سے کہ پرائے شگون میں آدمی اپنی ہی ناک کاٹ لے!

خود را فضیحت

آپ عباسی صاحب پر منھ بھر کے الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے کتابوں سے اپنے مطلب کی روایتیں لے لیں اور باقی چھوڑ دیں۔ یہ الزام کس حد تک درست ہے اسے ہم اگلی صحبت میں دیکھیں گے۔ فی الوقت صرف ایک نمونہ اس حقیقت کا دکھلانا چاہتے ہیں کہ

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

ان کتابوں اور مضمونوں کو چھوڑیئے جن میں جماعت اسلامی اور مولٰنا مودودی کا رد کرتے ہوئے آپ اور آپکے ہم نواؤں نے ان کے لٹریچر سے ایسا چھورا کھیل کھیلا ہے کہ جس آنکھ والے نے آپکے نقل فرمودہ اقتباسات کو اصل سے ملا کر دیکھ لیا سر پیٹ لیا۔ خود اسی بحث کے سلسلہ میں دیکھئے کہ "میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو" کا فن خود آپ نے بھی برتا ہے۔ تفصیل پوری کتاب کے جائزے میں عرض کریں گے اس وقت صرف اسی بحث کا ایک نمونہ حاضر خدمت ہے۔

جس غزوۂ قسطنطنیہ کے شرکاء کی خبر مغفرت اللہ کے سچے رسول نے دی ہے تقدیر دیکھئے کہ صرف شرکت ہی نہیں اس کی سربراہی اور سالاری کی سعادت بھی یزید ہی کے حصے میں آئی۔ تمام تاریخیں اور بخاری کی شرحیں اسپر متفق ہیں لیکن شیعوں کی فنکاری قابل داد ہے کہ انہوں نے سنیوں تک میں حبِ حسینؓ اور بغض یزید کو اتنا اہم الاہم بنا دیا کہ سنی عوام ہی نہیں خواص —— اور آپ جیسے خواص رسول اللہ کی پیشین گوئی اور اللہ کی تقدیر تک سے کبیدہ خاطر ہیں۔ وہ دشمنی ہی کیا جو حریف کی ہر خوبی پر سیاہی نہ پھیر دے آپ کو یہ اچھا نہیں لگتا کہ مذکورہ غزوے میں یزید کی امارت وسالاری صبر سے برداشت کرلیں چنانچہ کوشش فرماتے ہیں کہ اس طے شدہ حقیقت کو بھی مشکوک بنا دیں۔ حالانکہ یہ کوشش فی نفسہ لایعنی ہے کیونکہ حدیث کی بشارت جملہ شرکاء کے لئے ہے یزید امیر نہ ہوتا تب بھی محض شرکت کافی تھی۔ لیکن رونا تو یہ ہے کہ یہ لایعنی کوشش بھی آپنے دیانت وفراست کے ساتھ نہیں کی۔

آپ اس کوشش کی بنیاد علامہ عینی کی تحریر پر رکھتے ہیں

"بہر حال علامہ عینی کے کلام سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس زیر بحث غزوۂ قسطنطنیہ میں یزید کی امارت وقیادت کا دعویٰ یقینی طور پر ثابت شدہ نہیں بلکہ عینی کے نزدیک اقوال میں اصح قول یہی ہے کہ یزید کی شرکت اس غزوے میں ہوئی مگر قیادت نہیں ہوئی کہ بیاکابر صحابہ اس کی ماتحتی میں دیدیئے گئے ہوں" ص۱۶۸

اگر تنہا علامہ عینی کسی ایسی بات کو اصح کہنے لگیں جو تمام مستند مورخین وشارحین کے نزدیک اصح نہ ہو تو تنہا ان کا کہنا حجت نہیں ہو سکتا لیکن یہاں تو لطف یہ ہے کہ علامہ عینی پر بھی آپنے صریح بہتان تراش دیا ہے ورنہ وہ آپکے علی الرغم یزید ہی کو غیر مشتبہ طور پر سالار امیر مانتے ہیں۔ لیجئے جوانکی عبارت بطور شہادت آپ نے نقل کی اسی کو دیکھئے اور سوچئے کہ فرطِ جوش میں آپ کیا کر گذرے ہیں آپ نے عینی کی عبارت کا جو ترجمہ دیا ہے وہ یہ ہے۔

"اور ذکر کیا گیا ہے کہ یزید بن معاویہ نے بلادروم میں جہاد کیا یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ تک پہنچا اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی جس میں سے ابن عمر ابن عباس ابن الزبیر اور ابو ایوب انصاری بھی تھے جنکی وفات قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب ہوئی اور وہیں ان کی قبر بنائی گئی جس سے قحط کے وقت لوگ توسل کرکے دعائیں مانگتے ہیں اور صاحب مرآۃ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید

بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا غزوہ ۵۲ھ میں کیا
اور کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی
کے لئے ایک لشکر بھیجا جس کے امیر سفیان بن عوف
تھے جنھوں نے بشدۃ تمام روم کے علاقوں پر حملہ
کیا اس لشکر میں ابن عباس ابن عمر ابن الزبیر اور ابو
ایوب انصاری تھے اور ابو ایوب اسی زمانہ میں قسطنطنیہ
میں وہیں وفات پاگئے۔
میں کہتا ہوں (صاحب المرآۃ) کھلی ہوئی بات یہ ہے
کہ یہ اکابر صحابہ اس سفیان بن عوف کی ساتھ تھے
یزید کی ساتھ نہ تھے کیونکہ یزید اس کا اہل نہ تھا کہ یہ
بڑے بڑے اکابر اس کی خدمت میں (ماتحت کی حیثیت
سے) رہیں۔ مہلب نے کہا کہ اس حدیث سے حضرت
معاویہ کی منقبت ثابت ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے
ہی سب سے پہلے دریائی جنگ لڑی۔ اور ان کے
بیٹے یزید کی منقبت بھی نکلتی ہے کیونکہ اسی نے سب سے
پہلے قیصر کے اس شہر (قسطنطنیہ) پر دھاوا کیا۔ میں
کہتا ہوں (صاحب مرآۃ) یزید کی وہ کونسی منقبت
تھی (جو قابل ذکر ہوتی) جبکہ اس کا حال (فسق وفجور)
مشہور ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے اس لشکر کے حق میں مغفور لہم فرمایا ہے تو میں یہ
کہونگا کہ اس عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ
یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی دوسری دلیل سے اس
سے خارج بھی نہ ہوسکے۔ کیونکہ اس میں تو علماء کا
کوئی اختلاف ہی نہیں کہ حضورؐ کے مغفور لہم میں وہی
داخل ہیں جو مغفرت کے اہل ہیں حتیٰ کہ اگر ان غزوہ
کنندوں میں سے بعد میں کوئی شخص مرتد ہو جاتا تو
یقیناً اس بشارۃ کے عموم میں داخل نہ رہتا تو اس
سے صاف واضح ہے کہ مراد حضور کی یہ ہے کہ مجاہدین
روم کی مغفرت کی گئی اس شرط کے ساتھ کہ ان
میں مغفرت کی شرط پائی جائے۔"
آپ بھی دیکھیں اور تمام آنکھ والے بھی کہ اس اقتباس سے علامہ
عینی کی کس رائے کا پتہ چلا۔ تجزیہ یہ کرنا ہے کہ اس میں
عینی کا اپنا قول کیا ہے اور صاحب المرآۃ کا قول کیا۔ صا
ہے کہ عینی اپنے طور پر تو یہ فرماتے ہیں کہ
"یزید بن معاویہ نے بلاد روم میں جہاد کیا یہاں تک
کہ وہ قسطنطنیہ تک پہنچا اور اس کے ساتھ سادات
صحابہ کی ایک جماعت تھی۔۔۔۔ (تا دعا مانگتے ہیں)
اس کے بعد
"اور صاحب مرآۃ کہتے ہیں"
سے وہ اپنا نہیں صاحب المرآۃ کا قول نقل کر رہے ہیں
تک چلا گیا ہے۔ تو زبان و ادب کا کوئی مبتدی بھی کیا
اپنے قول کا مفہوم اس کے سوا کچھ سمجھ سکتا ہے کہ یزید
وامیر تھا۔ اگر کوئی اور سالار ہوتا تو عینی اسی کا نام لیکر
کا ذکر کرتے۔ جہاد کرنے اور قسطنطنیہ تک پہنچنے کی نسبت
کی طرف کرنا ہی صاف طور پر بتاتا ہے کہ یزید عینی کی نگاہ میں
ہی تھا۔ تاریخیں اٹھا کر دیکھئے کتابیں اخبار پڑھئے۔ بے شمار
کی عبارتیں آپ کو ملیں گی۔
"خالد بن ولید نے فلاں شہر فتح کرکے فلاں شہر پر حملہ
اور ان کے ساتھ فلاں فلاں اشخاص تھے۔"
"نپولین فلاں جگہ سے فلاں جگہ پہنچا اور اس کے
ملکوں کے سپاہی تھے۔"
کیا اس انداز بیان کا مطلب اس کے سوا بھی کچھ ہوتا
خالد یا نپولین کا نام بطور کمانڈر آیا ہے۔ اس کے با
کہے کہ یزید کا کمانڈر نہ ہونا عینی کے نزدیک "اصح قول
سوا کیا سمجھا جائے کہ یزید دشمنی نے اس کے ہوش وحو
کر لئے ہیں۔
ہاں سالار نہ ہونے کا قول صاحب المرآۃ نے کیا
عینی نے اور آخر تک انھی کے قول کا بیان ہے نہ کہ عینی
خیال کا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عینی پر آپ نے بہتان با
پھر ذرا صاحب المرآۃ کی دلیل پر بھی تو نظر ڈالئے
امیر نہ ہونے پر انھوں نے کوئی تاریخی شہادت پیش
تاریخی واقعات میں منطق کہاں اور روایتی شہادتیں

رہتی ہیں۔ پھر ان کی دلیل جتنی سطحی ہے وہ بھی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ ہم تجلی میں بہ تفصیل لکھ چکے ہیں اور ہر باعلم آدمی خوب جانتا ہے کہ فوجوں کی سالاری کے لئے زہد و تقویٰ مدارِ انتخاب نہیں ہوا کرتے بلکہ وہ صلاحیتیں معیارِ انتخاب ہوتی ہیں جن کے ذریعہ فوجوں کو خوش اسلوبی سے لڑایا جاتا ہے۔ کیا یاد نہیں کہ حضرت ابوذر جیسے عابد و زاہد صحابی سے اللہ کے رسول نے فرمایا تھا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے بات سے کہ تمہیں چند آدمیوں پر بھی افسر بنایا جائے۔ یہ یاد نہیں تو امارت و سالاری پر قرآن و حدیث کی دیگر تصریحات اور ائمۂ سلف کے فرمودات دیکھ لیجئے یہی ملیگا کہ جیسا کام ہو ویسی ہی صلاحیتوں کا آدمی منتخب کیا جائے۔ یزید بہادر تھا، جنگ کے نشیب و فراز سمجھتا تھا، صاحب حرب و ضرب تھا، ان صفات کو خود آپ نے بھی اپنی اسی کتاب میں گو بادلِ ناخواستہ مانا ہے مگر مانا ہے اور ماننے کی مجبوری یہ تھی کہ اس کے جہنمی ہونے کا فیصلہ دینے والے بھی ان صفات کا اعتراف کر گئے ہیں۔ تب صاحب المرآۃ کی اس منطق میں کیا جان رہی کہ یزید سالاری کا اہل نہ تھا۔

مستزاد یہ کہ آپ حضرات ایک سانس میں تو یہ کہتے ہیں کہ معاویہ نے یزید کو ولیعہد بنایا تو انھیں اس کی بدکرداریوں کا علم نہیں تھا۔ یا اس وقت تک وہ ایسا بدکردار نہیں ہوا تھا اور دوسرے سانس میں اس کے برعکس باتیں منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ذرا بتائیے اگر یہی بات تھی کہ ولیعہدی کے وقت تک یزید بدکردار نہیں تھا یا تھا تو ڈھکا چھپا تو غزوۂ قسطنطنیہ کے وقت تو اسکے عیوب اور بھی مخفی رہے ہوں گے کیونکہ یہ ولیعہدی سے کافی پہلے پیش آیا ہے۔ تب نگاہِ صحابہ میں اس کی نااہلی ثابت کرنے کی طبعزاد منطق کیا وزن رکھتی ہے۔ اگر گناہوں کا ارتکاب فوجی کمانداری کے منافی ہو بھی تب بھی یہ اسی وقت زیر بحث آسکتا ہے جبکہ گناہوں کا علم ہو جائے۔ یہ کیا طریقہ ہے کہ جو نام نہاد علم صاحب المرآۃ کو بعد کے ذاکروں نے پروپیگنڈے نے دیا ہے اسے صحابیوں کے دماغ میں بھی ٹھونسنے کی سعی کر رہے ہیں۔ واقعات کی ترتیب، درایت اور سوجھ بوجھ اس سے ابا کرتی ہے۔

رہی صاحب المرآۃ کی یہ چرب زبانی کہ "میں کہتا ہوں یزید کی وہ کونسی منقبت تھی جبکہ اس کا حال مشہور ہے" الیٰ آخرہ۔ تو یہ سوال انھیں اللہ کے رسول سے کرنا چاہئے جنھوں نے مجاہدین قسطنطنیہ کے پورے گروہ کو مغفور کہہ کر صاحب المرآۃ جیسا زاویۂ نظر رکھنے والوں کو خفا کر دیا، اور اس اللہ سے کرنا چاہئے جس نے بشارت کی وحی کرتے ہوئے یہ نہ دیکھا کہ اس مبشر بالجنۃ گروہ میں تو یزید بھی موجود ہے جس کو میرے بندے دوزخ میں جھونکے بغیر دم نہیں لیں گے!

لوگ یک رخے جذبوں کی رو میں تو نہ جانے کیا کچھ لکھ دیتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ ان کا تیر کس کس کا کلیجہ چھید گیا! اچھا تو بات اُس الزام کی ہو رہی تھی جو عباسی صاحب پر لگایا جا رہا ہے۔ یعنی کڑوا کڑوا تھو میٹھا میٹھا ہپ۔ ذرا دیکھئے خود آپ بھی تو میٹھا ہی میٹھا ہپ رہے ہیں۔ بخاری کے سب سے بڑے اور مانے ہوئے شارح علامہ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری سے آپ نے اپنے مطلب کی تو خوب عبارتیں نقل کر دیں لیکن وہ الفاظ چھوڑ گئے جو کڑوے تھے۔ کتاب اٹھائیے۔ اسی حدیث (یغزون مدینۃ قیصر) کے تحت کیا ابن حجر نے ابن التین کا رد کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ یزید غزوے میں شریک ہی نہیں تھا تو یہ "قول مردود" ہے اور پھر صریح الفاظ میں فرماتے ہیں

فانہ کان امیر ذلک الجیش بالاتفاق۔ — پس وہ یزید اس لشکر کا سپہ سالار تھا بالاتفاق۔

ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کسی صاحب المرآۃ کا سب سے بے دلیل فرمودہ تو آپ کو اتنا اہم نظر آیا کہ پورے دو صفحے پر نقل کر کے تائید اخذ کر لئے اور امارتِ یزید کے مسلّم واقعے کو مجروح کرنا شروع کر دیا لیکن ابن حجر کا یہ فرمودہ چھپانے ہی کے قابل محسوس ہوا کہ

"یزید کی امارت تو بالاتفاق مسلّم ہے"

ابن حجر جیسا وسیع المطالعہ عالم "بالاتفاق" کے الفاظ نہ کہہ سکتا تھا اگر تاریخی شواہد یزید کی سالاری کو غیر یقینی بتاتے۔ عینی، قسطلانی تینوں مشہور شارحینِ بخاری یزید کو سالار بتاتے ہیں مگر آپ ہیں کہ ہوائی دلیلوں سے اس سعادت کو بھی مشکوک بنانے میں ساعی ہیں۔ یہ حق پرستی نہیں تعصب ہے۔ حکمت نہیں دھاندلی ہے۔ ابن حجر کی حسب منشاء عبارتیں نقل کر دینا اور مذکورہ فقرہ دبا جانا ویسی ہی خیانت ہے جیسی عباسی صاحب کے سر مڑھی

عینی کی نقل شدہ تحریر سے الٹا مطلب نکالنا اور کسی صاحب الرأی کے نقطۂ نظر کو عینی کے سر چپکنا دیانت نہیں کہلا سکتا۔

تلبیس تلبیس کا لفظ ہم نے ہلکا بولا۔ جن روایتوں کو محققین و ناقدین نے بکثرت من گھڑت اور مردود قرار دیدیا ہے انھیں رسول اللہ کی طرف منسوب کرکے نقل کرنا اس سے سخت لفظ کا مستحق ہے۔ آپ کہتے ہیں

"ابوعبیدہ نے رسول اللہ سے روایت کی کہ آپنے فرمایا کہ میری امت کا امر و حکم عدل کے ساتھ قائم رہے گا یہانتک کہ پہلا وہ شخص اسے تباہ کرے گا بنی امیہ میں سے ہوگا جسے یزید کہا جائے گا۔" ص ۱۵۱

پھر معصومیت سے فرماتے ہیں

"لیکن ہم نے اس قسم کی روایتوں کو اس لئے پیش نہیں کیا کہ ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے۔"

واحسرتا! اتنا مشہور حکیم الاسلام اور ایسے حربے! جنھیں اور کوئی استعمال کرے تو اچھے کہلائیں۔

غیر پھرتا ہے ترے خط کو لئے یوں کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

بیان بھی فرمائے جاتے ہیں اور پیش نہ کرنے کا بھی دعویٰ ہے۔

دل خون ہوجاتا ہے یہ دیکھکر کہ جن روایتوں کا موضوع و جعلی ہونا فن اور درایت ہر لحاظ سے کھلا ہوا ہے انھیں بھی آپ جیسے ممتاز مسلمان بلا تکلف اسی طرح بیان کردیں کہ

"ابوعبیدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی!"

اور آپ کا دل نہ کانپے کہ کس کذب و افترا کو خیر البشر سرور کونین فداہ امی وابی سے منسوب کر رہے ہیں۔

مزید یہ بے انصافی کہ سیر کو تولہ بنا کر پیش کریں۔ یعنی

"ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے۔"

ارے کلام تو بخاری تک کی بعض سندوں میں کیا گیا ہے۔ کیا آپ کی علمی دیانت یہی کہتی ہے کہ جو روایات مردود و موضوع ہوں ان کے لئے ایسے ہلکے اور پھسپھسے الفاظ استعمال کریں تاکہ عوام اصل کیفیت سے بے خبر رہیں اور یہی سمجھیں کہ چلو کلام تو بھی کتب حدیث کی بعض روایات پر کیا گیا ہے یہ ایسا اہم نہیں کہ روایت کو بالکل ہی نظر انداز کیا جائے۔

زید نے طلحہ کے سینے میں خنجر بھونک دیا۔ اس کی جائدا اس کے عیال کو جھوٹے مقدموں میں پھنسا دیا۔ اب ذرا کے حسن بیان کو داد دیجئے جو ان ہولناک مظالم کا بیان ان میں کرتا ہے۔

"زید سے طلحہ کے حق میں لغزش ہوئی"

کیا کہنے ہیں۔ اس سے بھی ہلکا کوئی لفظ لائے ہوتے! بد دیانتی صرف روپیہ ہضم کرنا نہیں یہ بھی بد دیانتی ہی ہے بھر کی چیز کا بیان اس انداز میں کیا جائے کہ سننے والے محسوس ہو۔ گھڑی ہوئی واہی روایتوں پر صرف یہ ریمارک کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے فن حدیث سے مذاق دیانت سے فریب مبین ہے۔

رہیں وہ روایتیں جن سے آپنے بخاری کی زیر تذکرہ کو ڈائنامیٹ کیا ہے تو ان سے بحث ہم ضرور کریں گے جب پوری کتاب پر گفتگو ہوگی۔ اب تو صرف اتنا کہہ سکتے متشابہات ایک محکم نص کو مسترد نہیں کرسکتے۔ آپ نے روایات پیش کی ہیں سب اپنے مصداق و مفہوم کے مجمل بھی ہیں اور ایسی بھی کہ ان کے محمل و تعبیر میں اختلاف وہ حدیث بشارۃ کی طرح صریح و محکم اور صاف شفا زندگی رہی تو اسے بھی ہم دلائل سے ثابت کریں گے۔

دوسرا نمونہ عباسی صاحب نے کہیں یہ لکھدیا تھا کہ عدم بلوغ کے سبب حسین و حسن رضی کی صحابیت نہیں مانی بلکہ انھیں تابعین میں شامل کیا۔ یہ لکھنا غضب ہوگیا۔ اسے آپ نے عباسی صاحب جرم قرار دیکر پچاس کے قریب صفحات سیاہ کرڈالے ہیں کی معنوی قدر و قیمت کیا ہے اسکا تو ہم پوری کتاب جائزہ لیں گے فی الحال آپ کا سب کہا درست مانکر ہیں کہ بجا فرمایا حضرت حسین رض صحابی تھے۔ صحیح مسلک بلوغ کو شرط نہ مانا جائے اور حسین رض کی صحابیت تسلیم کی جا

سوال یہ ہے کہ کیا خود عباسی صاحب بھی ان کی صحابیت کے منکر ہیں۔ ہم اس سوال کا واضح جواب دیتے ہیں کہ وہ ہرگز منکر نہیں جس کا جی چاہے ان کا اپنا چھاپا ہوا ایڈیشن دیکھ لے وہ برملا اور بالاستقلال حسینؓ کو صحابی ہی مانتے ہیں۔ بس ان کا قصور یہ ہے کہ انھوں نے بعض ائمہ کا خیال نقل کر دیا۔ تو کیا یہ جھوٹ نقل کیا؟ کیا آپ یہ کہیں گے کہ کسی بھی عالم و امام نے ایسا نہیں کہا تھا عباسی صاحب نے جھوٹ موٹ لکھ دیا؟۔ اگر ایسا کہہ سکتے ہیں تو کہہ کے دیکھئے ہم اس وقت بتائیں گے کہ کتنے ارباب علم نے واقعۃً یہ کہا ہے اور بلوغ کو شرطِ صحابیت ٹھیرایا ہے۔

مگر آپ نہیں کہہ سکتے لہٰذا عباسی صاحب کا جرم صرف یہ رہا کہ انھوں نے بعض ائمہ کا ایسا قول نقل کر دیا جسے امت کی اکثریت نے پسند نہیں کیا ہے اور وہ اس کے برخلاف حسین کی صحابیت تسلیم کرتی ہے۔

اچھا ذرا دیکھئے بالکل اسی نوعیت کا ایک جرم خود آپ بھی تو ہاتھوں ہاتھ کر گذرے ہیں جو نوعیت کی حد تک ایسا ہی ہے مگر معنوی قباحت اور اثراتِ بد کے لحاظ سے اس سے کہیں زیادہ ہولناک ہے۔

جس طرح حضرت حسینؓ کی صحابیت بعض علماء نے تسلیم نہیں کی حالانکہ زیادہ علماء اسے تسلیم کرتے ہیں اسی طرح بعض لوگوں نے یزید کو کافر تک کہہ دیا حالانکہ سوادِ اعظم اور علمائے حق کی غالب ترین اکثریت اسے کافر نہیں کہتی۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اسے کافر کہنا خوفِ خدا سے بے پروا ہونے کی بدترین علامت ہے۔

تو لازم تھا کہ آپ بھی یزید کی تکفیر کا تذکرہ نہ کرتے لیکن آپ تو دھڑلے سے کہہ رہے ہیں کہ

"بعض ائمہ کے یہاں تو یزید کی تکفیر تک کا مسئلہ بھی زیر بحث آ گیا یعنی جن کو اس کے قلبی دعاوی اور اندرونی جذبات کھلنے پر ان کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس پر کفر تک کا حکم لگا دیا" ص ۱۲۶

پھر آپ نے ابن ہمامؒ کے بھی کچھ فقرے نقل کئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے یزید کو کافر کہہ دیا۔ آخر عباسی صاحب کے اور آپ کے فعل میں کیا فرق رہا؟ انھوں نے اگر بعض ائمہ کا قول نقل کر کے آپ کے بقول حضرت حسینؓ کی تخفیف کرنی چاہی حالانکہ اکثر علماء حسینؓ کو صحابی ہی مانتے ہیں تو آنجناب نے بھی تکفیرِ یزید کا قول نقل کر کے یزید کو ذلیل کرنا چاہا حالانکہ اکثر علماءِ امت مسلمان ہی مانتے ہیں۔ خود آپ بھی کافر نہیں کہتے۔

یہ تو رہی آپ کے اور عباسی صاحب کے جرم میں مساوات ویک جہتی۔ اب دیکھئے کہ معنوی قباحت میں آپ کتنے آگے گئے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر ایک شخص حسینؓ کی صحابیت مشکوک کر رہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ انھیں نعوذ باللہ جہنمی قرار دے رہا ہے۔ "صحابیت" ایک اصطلاح ہے جس کے مفہوم میں بعض لوگوں نے بلوغ کو بھی بطور شرط شامل کیا ہے۔ حضرت حسین چونکہ رسول اللہ کی حیات میں بالغ نہیں ہوئے تھے اسلئے ان لوگوں کا خیال ہے کہ صحابی کی اصطلاح ان پر صادق نہیں آتی۔ یہ خیال غلط سہی لیکن کیا یہ بھی اس کا لازمی مفہوم نکلتا ہے کہ حسینؓ کو ان لوگوں نے محاسن و مناقب سے عاری اور عذابِ الٰہی کا مستحق قرار دیدیا؟ ظاہر ہے کہ نہیں اور بالکل نہیں۔ تابعین بھی بڑی مرتبت والے رہے ہیں اور ہر زمانے میں اللہ کے ایسے نیک بندے ہو گذرے ہیں جو صحابی نہ ہوتے ہوئے بھی جنتی تھے۔ تو ثابت ہوا کہ عباسی صاحب اگر صحابیتِ حسین کو مشکوک بھی بنا رہے ہیں تو اس سے کوئی بڑا نقصان لازم نہیں آتا اور ذاتِ حسینؓ سے صرف ایک ایسے وصف کا انکار ہوتا ہے جو اگرچہ بجائے خود بہت بڑا ہے لیکن جنتی ہونے کی شرط لازم نہیں ہے۔

لیکن جو شخص کسی مومن کا ایمان مشکوک کر کے اس کے کفر و ارتداد کا رجحان پیدا کر رہا ہے وہ تو بڑا ہی بھیانک مجرم ہے کہ ایک مومن کی مغفرت کا امکان ہی ختم کئے دے رہا ہے اسے ڈرنا چاہیئے کہ ایسا نہ ہو یہ کفر اسی کی طرف لوٹ جائے۔ کیا قہر ہے کہ عباسی صاحب آپ کے ممدوح کا صرف ایسا وصف مشکوک کرنا چاہیں جو محض فضائل کے درجہ کا ہو مغفرت و نجات کا مدار نہ ہو تو وہ مجرم، گستاخ اور بدنیت۔ لیکن آپ ان کے ممدوح کے تمام ہی اوصاف یکسر ملیامیٹ کر دینا چاہیں اور بلا غل و غش اسے دوزخ میں دھکیلنے کا ارادہ کریں تو آپ دیانت دار

اور حکیم الاسلام۔

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے

خدا اور بندوں کی شرم چاہیئے اس شخص کو جو دوسروں کی معمولی تلخ گفتاری کو بھی گردن زدنی قرار دے لیکن خود برملا دوسروں کو ماں بہن کی گالیاں دے جائے۔ ہم کہتے ہیں ماں بہن کی گالی کیا چیز ہے۔ قتل کر دینا بھی اس سے کم ہی جرم ہے کہ آدمی کسی مومن کو کافر بنائے یا بنانے کی جرأت نہ پائے تو کم سے کم شک ہی پھیلائے مومن کے لئے کفر سے بڑی گالی دنیا میں کوئی نہیں۔ صحابیت حسین کا پچاس بار بھی انکار کرنا یزید کو ایک بار کافر کہنے سے ہزار درجہ کم قبیح ہے۔

جرم: دوسرا جرم آپ کا یہ ہے کہ یزید پر لعنت بھیجنے کو صحیح مسلک نہ سمجھتے ہوئے اور اس سے کلیتہً پرہیز کرتے ہوئے بھی آپ نے صفحے کے صفحے یہ دکھانے میں صرف کر دیئے ہیں کہ وہ مستحق لعنت تھا اور اس کے ملعون ہونے کے فلاں فلاں دلائل ہیں۔ عبرت ہوتی ہے یہ دیکھکر کہ جواز لعنت کے سلسلہ میں تو آپ کو کئی عالموں کے نام یاد آئے اور ان کی کتابیں چھانیں لیکن عدم جواز کے لئے جبل علم و فراست علامہ ابن تیمیہؒ یاد نہ آئے اور ان کی "منہاج السنۃ" کو نہ چھوا کہ دلائل سے آنکھیں چار کرتے اور جامد تقلید کے بجائے شعور و ادراک کی روشنی میں کسی فیصلے پر پہنچتے۔ آپ کو اگر فرصت نہ ہو تو ہم شاگردوں سے کہئے ابن تیمیہ کے دلائل پیش کر دیں۔ ہمیں یقین ہے آپ نے منہاج السنۃ نہیں پڑھی ہے ورنہ کبھی یہ بے دلیل دعویٰ نہ کرتے کہ یزید نے حضرت حسین کے دانتوں پر چھڑی ماری تھی

لعنت بھیجو۔ گالیاں دو۔ جو چاہے کرو۔ اللہ کا رسول تو کہہ چکا ہے کہ اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم۔ وہ اللہ کا رسول اٹکل پچو نہیں کہتا اللہ کی طرف سے کہتا ہے۔ سارا عالم مل کر زور لگا لو اللہ کی مشیت اٹل ہے

وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ۔ اور اگر اللہ ارادہ کرے تیرے لئے خیر کا تو کوئی اس کے فضل کو ٹالنا نہیں سکتا

نصیبہ ور تھے وہ لوگ جنھیں قسطنطنیہ کے غزوہ اولیٰ کی شرکت نصیب ہوئی اور اللہ نے انھیں بخشدیا۔ کمال ہے کہ جو بدعتی حضرات رسول اللہ کا درجہ دینے کے لئے انھیں عالم الغیب اور حاضر و ناظر اور نہ جانے کیا کیا کہا کرتے ہیں وہ بھی یزید دشمنی میں اتنے ڈھیٹ ہو گئے ہیں کہ رسول اللہ کا فرمودہ تاویل کی خراد پر چڑھ جائے تو چڑھ جائے مگر یزید جنت میں نہ جانے پائے۔ مبارک ہو شیعوں کو کہ انہوں نے خود تو حضرت حسین کو کوفے بلایا اور بدترین بزدلی اور عہد شکنی کے مرتکب ہو کر ان کی مظلومانہ موت کو دعوت دی لیکن تمام سارا وبال یا یزید کے سر اور حب حسین کا ڈھونگ رچا کر بغض یزید کی وہ ڈفلی بجائی کہ اہل سنت بھی رقص کر گئے۔ کتنا کامیاب فریب ہے کہ اصلی قاتل تو سرخرو ہوئے اور سیاہی ملی گئی اُس یزید کے منہ پر جو اپنی حکومت کی حفاظت کرنے میں اسی طرح حق بجانب تھا جس طرح دنیا کا کوئی بھی حکمراں ہوتا ہے۔ ہم انسانی تاریخ میں کسی ایسے حکمراں کو نہیں جانتے جس نے بوقت ضرورت اپنے تحفظ کے لئے محکم تدابیر سے کام نہ لیا ہو۔ یزید ہی نے حضرت حسین کو باز رکھنے کیلئے انسدادی اقدام و انصرام کا حکم دیا تو یہ کوئی انوکھا فعل نہ تھا۔ ہاں اُسنے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ انہیں مار ڈالنا۔ جو کچھ پیش آیا بہت برا ہی مگر یزید نہ قاتل تھا نہ قتل کا آرڈر دینے والا۔ پھر بھی قتل کی ذمہ داری اس پر ڈالتے ہو تو اس میں سے کچھ حصہ — بہت بڑا حصہ اُن بدنہاد کوفیوں کو بھی تو دو جنھوں نے خطوں کے پلندے بھیج بھیج کر حضرت حسین کو بلایا اور وقت آیا تو رسول اللہ کے نواسے کو ہجوم آفات میں چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ یہ سب شیعہ تھے پرلے سرے کے بوالفضول اور عہد شکن۔ انھوں نے حضرت علیؓ کو بھی ناک چنے چبوائے، میدان وغا میں بیچ بن گئے اسد اللہ کی خیبر شکن تلوار کو کند کر کے رکھدیا اور پھر انھی کے عالی مقام بیٹے حسینؓ کو سبز باغ دکھا کر مروا دیا۔ آج یہ ناٹک کھیلتے ہیں کہ ہم حسین کے فدائی ہیں اور اسی ناٹک میں کتنے ہی سنی حضرات بھی بطور ایکسٹرا شامل ہو گئے ہیں۔ واہ رے کمال فن! ہو سکے تو یزید دشمنی میں حد سے آگے جانے والے اہل سنت غور کریں کہ وہ کس معصومیت سے دھوکا کھا گئے ہیں۔ کیسا جادو کا ڈنڈا ان کے سر پر پھیر اگیا ہے اور صحابہ کے دشمنوں نے کس طرح یزید کی آڑ میں نہ صرف حضرت معاویہ بلکہ یزید کی

(باقی بر صفحہ ۶۶)

مستقل عنوان

مسجد سے میخانے تک

از ملا ابن العرب مکی

آپ یقین نہیں کریں گے۔ نہیں کریں گے تو میرا کیا بگاڑ لیں گے پچھلے مہینے جن صاحبزادے کا حال آپ پڑھ چکے ہیں کہ انھوں نے "صوفی تمکین صاحب کو دوہری خلافت دی تھی مژدہ ہو کہ سال رواں میں انھوں نے ۲۷ خلیفہ اور بنا ڈالے ہیں۔ جی ہاں ۲۷ کہ نصف جن کا ساڑھے تیرہ اور دگنا جن کا ۵۴ ہوتا ہے۔ مولوی بیدار علی منہ بنا کے بولے:۔

"لاحول ولاقوۃ خلافت نہ ہوئی تماشا ہو گئی"

"ہائیں خدا سے ڈریئے" میں کانپ گیا "خلافت جیسی شے کو ایسے بُرے لفظوں میں ۔۔۔۔"

"اجی چھوڑو" وہ لہرائے "ایسی خلافت میری جیب میں پڑی ہے"

دراصل مولوی بیدار علی کو صاحبزادے مذکور سے خواہ مخواہ کا بیر تھا وہ انھیں "پیر نابالغ" کہا کرتے تھے۔ میں نے کئی بار سمجھایا کہ حضرتا! ان کی تو شادی بھی ہو گئی۔ بچی بھی ہوئی ہے۔ کیا آپ نعوذ باللہ من ذلک الزام ۔۔۔۔"

"اجی بات سمجھا کرو" وہ جھنجلائے "نابالغ کا مطلب نابالغ کھوپڑی ہی ہے"

میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں، حالانکہ حیرت پاس پڑوس بھی نہیں تھی۔

"آنکھیں کیا پھاڑتے ہو" وہ جھلا کے بولے "ان کے مرحوم والد نے انھیں مجاز نہیں کیا تھا۔ ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی مریدین نے مسکوٹ کر کے خلیفہ بنا دیا۔ ذرا عمر تو دیکھو تیس کے بھی پورے نہیں، حالانکہ نبوت تک چالیس کے بعد ملتی ہے ۔۔۔"

"پہلے ملتی تھی" میں نے ٹوکا "آدمی پہلے بیل گاڑی میں سفر کرتا تھا۔ پھر ریلیں موٹریں آئیں۔ پھر ہوائی جہاز آئے۔ کیا اسی طرح کی ترقی نظام روحانی میں ممکن نہیں"

"تمھارے سر میں ممکن ہے جھکی کہیں کے" انھیں تاؤ آ گیا۔ "ارے دسیوں مشائخ کے حالات ہم نے پڑھے ہیں۔ کئی شیوخ کو آنکھوں سے دیکھا ہے انھوں نے بیسیوں سال میں بھی اتنے خلیفہ نہیں بنائے"

"نہ بنائے ہوں گے" میں نے اعتراف کیا "لیکن فورڈ نے جو نکتہ بیان کیا اس پر بھی تو غور فرمائیے۔ دس بیس سال پہلے مشینیں ایک دن میں جتنا مال تیار کرتی تھیں اب چٹکی بجاتے کرتی ہیں"

"ارے ہٹاؤ کیا پیر خلافت ڈھالنے کی مشین ہوتا ہے"

"کیا حرج ہے ۔۔۔ میرا مطلب ہے ترقی ۔۔۔ ارتقا ۔۔۔ پیش قدمی ۔۔۔"

"بکے جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے رشوت کھا گئے ہو"

"کھائی تو تھی مگر ہضم نہیں ہو رہی ہے۔ معدے میں کچھ ایسی اینٹھن ہے جیسے پیٹ پھاڑ کے کوئی چیز جنم لے گی"

"اس کا نام خلیفہ رکھ دینا" وہ ہنسے "کسوت میں لا دوں گا"

یہ چٹکی مزا دے گئی۔ قریب تھا کہ ان کے ہونٹ چوم لوں مگر یکلخت ایک نہایت سنجیدہ آئیڈیے نے قلب پر نزول کیا "اچھا مولانا! کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم آپس میں خلافت لے دے لیں؟"

"چپت مار دوں گا" انھوں نے اُردو میں کہا۔ ویسے ہونٹوں پر تبسم ہی تھا۔

"نہیں یقین کیجئے میں مذاق نہیں کر رہا۔ آپ مولوی میں ملا ہوں۔ دونوں ایک دوسرے کو خلیفہ بنا دیں تو قانون آنکھ

نہیں ملا سکتا۔"

"گدھے ہو۔"

"وہ تو ہوں مگر اکثر گدھے کاروبار بہت عمدہ کرتے ہیں۔"

"اچھا بس۔ دماغ چاٹ جاتے ہو۔ سلام علیکم۔"

وہ سچ مچ منہ بنائے چلے گئے۔ چلے گئے تو بلا سے جاؤ۔ کہنا یہ ہے کہ جن لوگوں کی سمجھ میں یہ سیدھی سی بات نہیں آرہی ہے کہ ایک سال میں ۲۷ خلیفہ کیسے بنائے جاسکتے ہیں۔ انھیں اپنے دماغ کی مرمت کرانی چاہئے۔ دماغ درست ہوجائے تو آنکھوں کے ڈاکٹر سے چشمِ عبرت بنوانی چاہئے۔ ترقی کی جو دلیل ابھی میں نے دی وہ تو دیکھ ہی لیجئے کیسی ایمان افروز ہے۔ اس کے علاوہ بھی سمجھنے کی بات یہ ہے کہ مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے مختلف صلاحیتیں رکھی ہیں۔ ایک عورت دس سال میں ایک درجن بچوں کی ماں ہوجاتی ہے مگر دوسری عورت دس سال میں چڑیا کا بچہ بھی نہیں دے پاتی۔ تو کیا اس صنعت گردگار پر آپ اعتراض کریں گے۔ اگر نہیں تو پھر کسی شیخ کی صلاحیتِ خلیفہ سازی پر اعتراض کیوں؟ میں کہتا ہوں اور ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ ایک تازہ دم شیخ کے آغوشِ ارشاد و بیعت سے سال میں سات سو خلیفہ بھی جنم لیں جیسا کہ حق ہے جنم لینے کا اور فیضِ تصوف اتنا عام ہوجائے جتنا کہ حق ہے عام ہونے کا تو حیرت کرنا کفر اور پیٹ میں درد ہونا پرلے سرے کی گستاخی!

نہیں اے صوفی نمکین کے شیخ! آپ جہلاء متعصبین کی پروا نہ کیجئے۔ بقول شخصے :-

تیر پر تیر چلاؤ تمھیں ڈر کس کا ہے

جو شیخ زندگی میں ہزار پانسو خلیفہ نہ بنا سکے وہ تو بانجھ کہلائیگا۔ آپ یہ الزام اپنے سر ہرگز نہ لیں۔ واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔

اور سنیئے۔ فیضِ تصوف کی اڑانیں کونسے آسمان کی خبر لارہی ہیں اس کا اندازہ ازبسکہ ذیل کے وجد انگیز واقعے سے ہوگا۔ ہمارے ایک دوست ہیں جانکی پرشاد۔ یہ نام بے شک نقلی ہے مگر فی زمانہ کس کس چیز کے نقلی ہونے کا گلہ کریں گے۔ یہ بہار سی آئی ڈی آفیسر ہیں۔ بڑے خوش اخلاق، پڑھے لکھے اور خوش مذاق۔ ابھی گذشتہ ہی مہینے کی بات ہے کہ ہمارے دارالعلوم دیوبند میں اسٹرائک ہوا۔ طلباء نے اپنے کچھ مطالبات منوانے کیلئے سرگرمی دکھائی۔ اسی ہنگامے کے سلسلہ میں دوست موصوف بھی ہیڈکوارٹر سے دیوبند آئے اور حسب عادت دفترِ تجلی کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا۔ فدوی ایک کونے میں بیٹھا بین الاقوامی مسائل کے گیسوئے پُرشکن میں شانے پہ شانہ کر رہا تھا۔ موصوف نے آتے فرمایا :-

"ارے بھئی یہ کیا داڑھی میں خلال کئے جارہے ہو۔"

میں نے چونک کے نظر اٹھائی۔

"اوہ آپ! آداب عرض ہے۔ تشریف رکھئے۔"

"ہاں ہاں تشریف تو رکھی مگر آپ کس دنیا میں کھوئے ہو۔"

میں اٹھ کے ان کے قریب آبیٹھا۔ ایڈیٹر تجلی موجود نہیں

"کچھ بھی نہیں، ذرا مسائل حاضرہ پر غور کر رہا تھا۔۔۔۔"

"داڑھی میں انگلیاں چلاکر۔۔۔؟"

"اوہ۔۔۔ دراصل یہ داڑھی بین الاقوامی مسئلے سے کم نہیں۔ جب بین الاقوامی مسائل کی زلفیں سلجھنے میں نہیں آتیں تو اسی بیچاری کو سلجھانے لگتا ہوں۔"

پھر ہماری گفتگو پانچ چھ موڑ مڑنے کے بعد اس نکتے پر پہنچی جو ازبسکہ فیض تصوف سے بھرپور تھا۔

"اچھا یہ تو بتائیے۔" انھوں نے پوچھا "مدرسے کے جو استاد حج بدل کے لئے جاتے ہیں وہ اگر ان دنوں کی تنخواہ بھی مدرسے سے لیں تو یہ آپ کی شریعت میں جائز ہے یا ناجائز؟"

"شریعت نہیں طریقت کہئے۔" میں نے ٹوکا "اب تصوف کی لائن پہ چل رہے ہیں۔"

وہ مسکرائے "نہیں مذاق نہیں سچ بتائیے۔"

"کیوں بتاؤں۔ آپ سوال کی وجہ بیان کریں۔"

وہ لحظہ بھر چپ رہے۔ پھر سرگوشی کے انداز میں بولے

"آپ کو معلوم ہی ہے جناب حکیم صاحب اس سال حج بدل کو گئے ہیں۔"

"کیوں نہ جائیں — آپ قاضی ہیں ؟"
"ارے بابا سنو تو...."
"کیا سنوں۔ حج بدل اور حج نفل تک کا فرق آپ کو معلوم
کا کیا ثبوت ہے کہ وہ حج بدل کو گئے ہیں"
"توبہ۔ بدل یا نفل جو کچھ بھی کہو گئے تو ہیں۔"
"ضرور جائیں گے۔ ہر سال جائیں گے آپ کو کیا ؟"
انھوں نے میری گردن پکڑ لی۔
"باز آجاؤ میں مذاق نہیں کر رہا۔"
ان کے دستِ شفقت کی گرفت ایسی ہی تھی کہ مجھے کہنا پڑا
"باز آیا۔ فرمائیے کیا خدمت کر سکتا ہوں"
"انھیں حج کے لئے اٹھارہ ہزار ملے ہیں۔ کیا پھر بھی مدرسے
ہ لینا جائز ہے ؟"
"کیا ثبوت ہے کہ ملے ہیں ؟"
"ثبوت" وہ ذو معنی انداز میں مسکرائے "ارے ہم کیا یونہی
آئی ڈی انسپکٹر بن گئے ہیں۔"
"بن گئے ہوں گے۔ میں تو آپ لوگوں کی معلومات کا فی
ں پاتا ہوں"
"مثلاً...." وہ حیرت سے بولے۔
"بتائیے مولوی کمال الدین کی کیا تنخواہ ہے ؟"
"ایک سو بیالیس روپے۔ وہی نا مدرسے والے ؟"
"جی ہاں۔ اور سونا کیا بھاؤ ہے ؟"
"ایک سو تیس روپے تولہ۔"
"تو بتائیے ایک بیوی، دو سالے، چار بچے دُم سے بندھے
ں تو ایک سو بیالیس والا کے سو روپیہ مہینہ بچا سکتا ہے ؟"
وہ زور سے ہنسے پھر گردن پہ دباؤ دیکے کہنے لگے :۔
"آپ سمجھتے ہیں یہ راز ہم سے چھپے ہیں۔ واصاحب۔ لیجئے
ٹ کیجئے۔ مولوی کمال الدین نے پچھلے مہینے کی سات تاریخ کو
ہ سنار کے یہاں تین زیوروں کا آرڈر دیا۔ کڑے، گلے کا ہار،
مر۔ ۲۵ تاریخ کو یہ تینوں چیزیں مل گئیں۔ جملہ وزن گیارہ تولے
انی مع جڑاول اکیاون روپے چھ نئے پیسے۔ کہئے تو ہر ایک کا
ب الگ وزن اور لاگت بتاؤں۔"

میرا قلب مارے حیرت کے سکڑ گیا۔ داڑھی کے بال کھڑے ہو گئے۔ میرے فرشتے بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ سی آئی ڈی اور کراماً کاتبین ایک ہوتے ہیں۔
"کمال ہے یار.... آپ لوگ بھی حلال کی کھانے لگے — خیر یہ تو بتائیے کیا ترکیب ہے کہ ہمارے رزق میں بھی وسعت ہو۔ بیوی کے جھومکے گھس گھسا کے ٹوٹے پڑے ہیں۔ دو ماشے سونا پڑے تو ٹھیک ہوں۔ تین مہینے سے سوچ رہا ہوں کہ کس کی جیب کاٹوں۔"
"مدرسے میں ملازمت کر لو جیبیں خود کٹ کٹ کے تمہارے پاس آئیں گی۔"
پھر کچھ دیر ہمارے درمیان مدرسے کے مختلف شعبوں پر رازدارانہ گفتگو ہوتی رہی کہ اظہار جس کا ازبسکہ مفادِ عامہ کے خلاف ہے۔ آخر کار انھیں پھر اپنا سوال یاد آیا۔
"ہاں تو تنخواہ لینا جائز...."
"اماں ہٹاؤ بھی۔" میں جھلّایا "جائز ناجائز کا مسئلہ ایڈیٹر تجلّی کی دُم میں باندھنا۔ اپن تو مدرسے میں دربانی کی درخواست دے رہے ہیں۔"
"سو کا نوٹ ہے ؟"
"کیوں ؟"
"بھگوان کی مرضی۔ کیا دربانی مفت مل جائے گی ؟"
"خوب۔ کیا پگڑی دینی ہوگی ؟"
"نہ خیر پگڑی تو نہیں مگر دعوت ضرور دینی ہوگی۔"
"کیسے ؟"
"بھولے بنتے ہو — شہر میں لے دے کے ایک ہی تو قاتل رہا ہے !"
میں ان کے الفاظ سے نہ سہی مگر آنکھوں کی چمک سے اشارہ پا گیا۔ بات کانٹے کی تھی۔
"مگر جناب دربان بھی تو اب بہت ہو گئے۔ کیوں نہ کسی اور شعبے میں درخواست دیں۔"
"تب دو نوٹ چاہئیں۔"
"باپ رے باپ...."

"ارے گھبراتے کیوں ہو۔ زربان دش اور رکھے جا سکتے ہیں۔ کیا دوسرے ڈیپارٹمنٹوں میں نئی نئی پوسٹیں نہیں نکلیں؟"

"نکلی ہیں مگر میں بدنصیب تو نہ کسی حکیم جی کا سالا ہوں نہ ہم زلف۔"

"تبھی تو دعوت کی مجبوری ہے۔ پیسے ایڈیٹر تجلی سے لے لو نا۔"

"لے لوں گا مگر مرنے کے بعد۔ ابھی تو اگلے دو مہینوں کی تنخواہ پیشگی لے رکھی ہے۔"

"تو کیا ہوا بیوی سے کہو بھیا سے سفارش کرے۔"

"کہا تھا۔ اس نے سفارش بھی کی تھی، لیکن بھیا بڑا سنگدل ہے۔ کہنے لگا میں صرف کفن بنوا کے دے سکتا ہوں بس۔"

"ارے۔ بھائی ہو کر وہ بہن کے سہاگ کو کوستے ہیں!"

"کوسنے کا تو کچھ نہیں۔ میں نے بیوی کو بہتیرا سمجھایا کہ کفن ہی مانگ لے۔ تیری شلوار اور میرا پاجامہ بن جائے گا۔ مگر وہ تو آنسوؤں سے رونے لگی۔ یہ عورتیں بھی تماشا ہوتی ہیں"

"خیر بھائی اب تو چلیں تم نے جائز ناجائز نہیں بتایا۔"

"بتاؤں گا ذرا دریا بانی مل جائے۔ کاش مطبخ کی نظامت مل جائے تب تو آپ کو پوری فقہ پڑھا سکتا ہوں۔"

"مطبخ سے تو منہ دھو رکھو۔" انھوں نے انگوٹھا دکھایا "ایسے رر خیز ڈیپارٹمنٹ میں آپ کی دال نہیں گل سکتی۔"

"تو شعبۂ تعمیرات سہی۔"

"وہاں بھی آپ جیسوں کا گذر نہیں۔"

"اچھا شعبۂ اُمورِ مختلف؟"

"اس کے تو دفتر میں بھی نہ گھس سکیں گے۔"

"پھر جہنم کا ساتواں طبق؟"

"یہ چلے گا۔ انگاروں میں اور مالِ حرام میں آپ کا قرآن بھی فرق نہیں کرتا۔"

"میری بیوی چھبیسویں ہی سال بوڑھی ہوگئی ہے۔"

"کوئی پروا نہیں۔ آپ بھی حکیم بننے کی کوشش کیجئے بیگم ساٹھ سال تک بوڑھی نہیں ہوں گی۔"

"میرے کوئی بیٹا نہیں جو حکیم بننے میں مدد دے۔ آپ ہی راہ بتائیے۔"

"بیٹا نہیں ہے تو پیری شروع کر دیجئے۔ مرید لوگ سب کچھ بنا سکتے ہیں۔"

"بڑھائیے ہاتھ۔ بسم اللہ آپ ہی سے سہی۔"

"میرے ہی تیر سے مجھے شکار کروگے؟ کاہل آدمی۔ ایڈیٹر تجلی سے کہو نا آپ کے نام کے ساتھ کوئی بڑا سا خطاب لکھا کریں۔ جس کے پاس تجلی جیسا پرچہ ہو وہ گدھے کو بھی میرِ صاحب بنا سکتا ہے۔"

"یار کہا تھا۔ نہیں مانے۔ پھر ایک دفعہ میں خود ہی "حکیم المظفر" اور "طبیب الامت" وغیرہ لکھ بھی لایا تھا۔ کاتب گدھے نے کتابت سے پہلے ہی مسودہ انھیں دکھا دیا۔ بس نہ پوچھئے کتنے بگڑے میں تو سمجھا تھا کہ میری شہادت انھی کے ہاتھ لکھی ہے۔"

"اچھا بھئی چلیں۔"

"ابھی کیسے چائے آ رہی ہے۔"

پھر چائے کے دوران وہ کئی بار جائز ناجائز کا سوال دہراتے رہے۔ میں اونٹ گیا۔

"یار حجرہ بنالی ہے کیا؟ جاؤ دارالعلوم کے مفتی سے پوچھو۔ وہ ہر قسم کا فتویٰ آنکھیں بند کر کے دے سکتے ہیں۔"

"ان سے تو پوچھ دیکھا۔ وہ کہتے ہیں نقلی تج والوں کو مدرسہ تنخواہ نہیں دیتا۔"

"پھر؟"

"یہ ضابطے کی حد تک ٹھیک ہے، لیکن عملاً کچھ اور ہو رہا ہے۔"

"عمل سے تمھیں کیا مطلب۔ ہر شخص اپنے فعل کا مختار ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا چلیں۔"

تو اندازہ کیجئے فیضِ تصوف کہاں تک پہنچا۔ جانی پہچانے مسلمان نہیں ہیں، لیکن تصوف کی لپیٹ میں ایسے آئے کہ جائز و ناجائز کا گھن لگ گیا۔ آپ کہیں گے کہ یہ تو شریعت و فقہ کا معاملہ ہے تصوف کیسا۔ تو عرض یہ ہے کہ ہمارے دیوبند کا تصوف ذرا مختلف قسم کا ہے۔ باریک اور نقاب پوش۔ اسے پوری طرح آپ اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب دیوبند آ کر مہینہ دو مہینہ ٹھیریں، مقدس لوگوں سے ملیں اور اندر جھانک کر دیکھیں کہ دیوارِ علم و تقدس کی آڑ میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی طبیعت صاف ہو جائیگی۔

(ملا زندہ صحبت باقی)

رسول اللہ کا سایہ!

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی نہ حرارت نہ معرفت نہ نگاہ

یاد ہوگا آپ کو! فروری و مارچ ۵۹ء کے مشترکہ شمارے میں ہم نے دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی صاحب کے ایک فتوے پر نقد کیا تھا، جس کا تعلق سرورِ کائنات خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی کے سائے سے تھا۔ خودستائی نہیں، بلکہ تحدیثِ نعمت ہوگی اگر ہم یہ کہیں کہ ہمارے نقد نے بفضلہٖ تعالیٰ ایک خلافِ واقعہ عقیدے کی بیخ کنی اس مضبوطی کے ساتھ کی تھی کہ کسی غیر جانب دار اور انصاف پسند قاری کے لئے ریب و شک کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی اور کتنے ہی وہ لوگ جو معصومانہ لاعلمی کے باعث اس عقیدے کے دامِ فریب میں گرفتار تھے اپنے خیال سے دستبردار ہوگئے تھے۔ ہم ہند و پاک کے جرائد میں برابر دیکھتے رہے کہ کہیں ہمارے نقد پر کوئی کلام کیا جاتا ہے یا نہیں۔ بے شک کلام کیا گیا اور کافی کیا گیا اور کرنا بھی چاہئے تھا۔ کوئی کیسا ہی بوگس اور کتنا ہی عقل سوز عقیدہ و خیال ایک مرتبہ شہرت پا جائے تو اللہ کی اس وسیع سرزمین میں کچھ نہ کچھ لوگ ضرور اس پر فریفتہ ہوکر رہتے ہیں اور پھر چاہے کتنے ہی شدومد سے اس کی تردید کی جاتی رہے وہ مشکل ہی سے اس پر کان دھرتے ہیں۔ خصوصاً جب اس عقیدہ و خیال کا داخلی رشتہ جذبات کے تاروں سے جا ملا ہو تو اس کا استیصال جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔ یہی سائے کی بحث میں ہوا۔ نقد کے سلسلے میں ہمارے دلائل اگرچہ فیصلہ کن اور تسلی بخش تھے، لیکن جذباتی لگاوٹوں کے آگے بیچارے دلائل کو کون پوچھتا ہے۔ اپنے پیارے پیغمبرؐ کو بشریت کی سطح سے اونچا لیجا کر الوہی صفات سے متصف کرنے اور ان کی توصیف و منقبت میں زمین آسمان ایک کر دینے میں جذباتِ عقیدت کے لئے جو آسودگی اور لذت ہے وہ علم و عقل کی سپاٹ ترغیبات میں کہاں۔ حقائق کا کھرا اپن کام و دہن کو جذبات و خواہشات کا وہ ریشمی گداز کیونکر دے سکتا ہے جو اوہام و تخیلات کی لگاوٹیں دیا کرتی ہیں۔ عقیدت کی بیتابیوں کے ہاتھ بمشکل تو ایک روایت آئی تھی جس سے اپنے محبوب پیغمبرؐ کے جسدِ مبارک کو "بے سایہ" قرار دیکر نصرانیوں کے "ابن اللہ" سے آنکھ لڑانا ممکن ہوگیا تھا اور انھیں عالم الغیب، حاضر و ناظر اور فوق البشر قرار دینے کے عادی کے لئے ایک مضبوط تائیدی شہادت کا منھ دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ اب عامر عثمانی یا اور کوئی گستاخ اس نعمتِ غیر مترقبہ کو علم و استدلال کے ذریعہ چھین لینا چاہے تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے استسقاء کے مریض سے سرد و شیریں پانی کا گلاس چھیننے کی کوشش کی جائے۔ مریض کو اگر اپنے مرض کا علم و احساس ہو تب تو ممکن بھی ہے کہ سمجھانے بجھانے سے صبر کی سِل سینے پر رکھ لے، لیکن جو مریض اپنے کو ہر طرح صحت مند گمان کر رہا ہو وہ کیسے ناصح کی فہمائش کو وزن دے سکتا ہے۔ وہ تو علم و منطق کی ہر اپیل ٹھکرا کر غٹ غٹ گلاس خالی کر جائے گا۔ حد ہے خدا کی مملکت میں خدا ہی کے وجود سے انکار کرنے والے بھی نہ صرف موجود ہیں بلکہ دندنا رہے ہیں اور اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا دانش ور ظاہر کر رہے ہیں۔ تب بیچارے فروعی عقائد میں اگر کچھ باطل و فاسد مزعومات و مفروضات نے جڑیں پکڑ لی ہوں تو کیا تعجب۔ علمی و عقلی دلائل اگر الحاد کی تقدیر نہیں بدل سکتے تو جزوی اختلافات میں ان کی بے بسی اور ناکامی پر حیرت کیوں ہو، مانا کہ ہمنے صریح و محکم دلائل پیش کر دیئے تھے مگر ان کے رد میں متعدد مضامین مختلف جرائد میں آئے۔ کسی نے غصہ دکھایا، کسی نے تالی بجائی، کسی نے منھ چڑایا، کسی نے ناصحِ مشفق کا پارٹ ادا کیا۔ ہم ٹھنڈے دل سے تلاش کرتے رہے کہ ان تبرکات میں کہیں کوئی سنجیدہ اور عالمانہ تحفہ مل جائے تو اسے سینے سے لگائیں، اس پر غور کریں اور جو کچھ تاثر ہو اسے تجلی کے صفحات میں پھیلا دیں، لیکن حاصلِ تلاش کچھ نہ نکلا۔ ایک بھی اللہ کے بندے نے رد و جرح میں وہ متین و وقیع راہ اختیا

مدار و معیار قرار دیتا ہے۔ یہ مزید ارطرز عمل ظاہر ہے ایسے ہی اہلِ کمال کا ہوسکتا ہے جنھوں نے تعصب کو عدل، تخیل کو دلیل، تنگ بندی کو اجتہاد اور ہاتھ کی صفائی کو تفقہ فی الدین کا ہم معنی سمجھ لیا ہو۔ دیکھ لیجئے کاظمی صاحب نے کس برجستگی سے "مسلک اہلِ سنت" کے الفاظ رقم کر دیئے ہیں۔ الفاظ مفت کی دولت ہیں کیوں انھیں لٹانے میں کنجوسی کی جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ جو فرد یا گروہ شعر کی زبان میں نہیں، بلکہ حقیقی معنوں میں "اہلِ سنت" ہوگا اور قرآن وسنت کی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہوئے کسی بھی مرحلے میں ذہن وبصیرت کی باگ ڈور جذبات اور ذاتی میلانات ومرغوبات کے ہاتھوں میں نہیں دے گا وہ قیامت تک ایسی بے سر وپا اور فتنہ انگیز حرکت نہیں کرے گا کہ جس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کے اثبات میں اللہ جل شانہٗ متعدد صریح ومحکم آیات نازل فرمائے ہیں اور جس کی بشریت عینِ مشاہدہ اور تمام عالم کے نزدیک حقیقتِ ثابتہ ہے اسے حدودِ بشریت سے باہر لاکر مادّی وطبعی اوصاف ولوازم سے بالاتر ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ وہ سایہ نہ ہونے کی بات سنکر جھومے گا نہیں کہ میرے نبی کی شان بڑھ رہی ہے بلکہ خطرے کی آہٹ پاکر چونک پڑے گا کہ یہ تو قصرِ نبوت میں وہی چور دروازہ کھولا جارہا ہے جس کی راہ سے مسیح ابن مریمؑ اللہ کے بیٹے بنائے گئے اور محمدؐ رسول اللہؐ کو عالم الغیب اور ماورائے بشریت قرار دیدیا گیا۔ نعوذ باللہ۔

ہزاروں ہزار علماء وائمہ میں شاید گنے چنے ایسے نکلیں جنھوں نے اپنے خاص احوال یا جذباتی مغلوبیت یا اپنی افتادِ طبع یا کسی ہنگامی ترغیبِ ذہنی کے تحت رسول اللہؐ کا سایہ نہ ہونے کو واقعہ گمان کر لیا ہو۔ باقی جملہ اکابرین کے عقیدہ ومسلک کی فہرست اس عقیدے سے یکسر خالی ہے۔ پھر بھی کسی شخص کا اس افواہ کو "مسلک اہلِ سنت" قرار دینا اس کے سوا کیا معنی رکھتا ہے کہ یا تو وہ چند کے سوا سبھی علمائے سلف وخلف کو سنت کی راہ سے ہٹا ہوا سمجھتا ہے یا پھر اپنے مسلک کو منوانے کیلئے ایک شاندار تاریخی شعبدہ دکھلا رہا ہے۔ یا پھر ایسی عینک لگائے ہوئے ہے جو گز دو گز سے آگے دیکھنے کی اجازت نہیں دیتی۔ یا پھر اس اصطلاح کے اس نے ایسے پُراسرار معنی معیّن کر لئے ہیں کہ اسکے اپنے گروہِ مختصر کے سوا کسی کو بھی ان کی ہوا نہ لگے۔

کچھ بھی ہو، ہمارے نزدیک کاظمی صاحب کی مذکورۃ الصدر عبارت سمجھداروں کے لئے بیرومیٹر سے کم نہیں۔ یہ لفظ بُرا لگے تو مقیاس کہہ لیجئے۔ لیکن جو قارئین اس طرح کی باریک باتوں کو پسند نہ فرماتے ہوں وہ گھبرائیں نہیں کہ یہ تمہیدی معروضات تو محض ان لوگوں کے لئے ہیں جو باریک بینی سے مزا لیتے ہیں۔ ورنہ ان کو تسلیم کرانے پر ہمیں اصرار نہیں ہے اور آگے ہم کاظمی صاحب کی ہر مثبت ومنفی دلیل کے ایک ایک پہلو کا جائزہ عام فہم انداز میں لیں گے اور اللہ کی ذات سے امید رکھتے ہیں کہ ہمارا یہ جائزہ انشاء اللہ ثم انشاء اللہ اس موضوع پر حرفِ آخر ہوگا۔ ہاں اُن بہادروں کی زبان بند کرنا کسی کے بس میں نہیں جنھوں نے طے ہی کر لیا ہو کہ اپنی کہو اوروں کی مت سنو، یا سنو تو اس کان سنو اُس کان اُڑا دو اور سیر بھر سونے کے مقابلے میں دو سیر پیتل ترازو کے پلڑے میں رکھ کر چیخا کرو کہ دیکھو صاحبو ہمارا پلّہ بھاری رہا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اس بحث میں ہمیں بریلویوں ہی سے نہیں بعض دیوبندی علماء سے بھی عہدہ برآ ہونا ہے اسی لئے کافی سر کھپانے کا ارادہ کیا ہے۔ دوسرے گروہوں کی طرح ہم دیوبندیوں کا گروہ بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ بدعت نوازی اور کج فکری بس دوسروں ہی کا حصہ ہے۔ دیوبندی مکتبۂ فکر کے علماء واتقیاء جو چاہے کریں جو چاہے سوچیں سو فیصدی حق ہوگا۔ مزید لطف یہ ہے کہ "اہل سنت والجماعت" کا جو بورڈ اہلبدعت نے اپنے یہاں ٹانگ رکھا ہے وہی ہم نے بھی ٹانگ لیا ہے اور ہم دونوں ہی مدعی ہیں کہ بورڈ کے اصلی مالک ہم ہیں دوسرا تو جھوٹا اور غاصب ہے۔ کوئی شک نہیں کہ ایک زمانہ تھا جب یہ اصطلاح اپنی مناسب وضعی حدود میں استعمال ہوتی تھی اور اس کے استعمال کا فائدہ ظاہر وباہر تھا، لیکن زمانہ کے ہاتھوں جہاں اور بیشمار الفاظ و اصطلاحات کی مٹی پلید ہوئی وہیں اس کا بھی خانہ خراب ہوا۔ اب تو اس کی مثال اس گھی کی سی ہے جو اصلی کے نام سے بازار میں بکتا ہے۔ عموماً تو تیس سے لیکر اسّی فیصدی تک نقلی ہی ہوتا ہے لیکن اگر کوئی گھی والا صدفی صد اصلی بھی لے آئے تو اس پر وثوق واطمینان کا عوام کے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ ایسے حالات میں اس اصطلاح کو بطور

استدلال لانا عامیوں کو مرعوب کر دے تو کر دے خواص اور اہلِ دانش اسے اہمیت نہیں دیں گے۔ ہاں یہ شیعت کے بالمقابل بولی جائے تب اس کا فائدہ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

تمہید بہت ہولی۔ اب اصل بحث پر آئیے۔ منکرینِ ظلِ (حضورؐ کے سائے سے انکار کرنے والوں) کے وہ تمام دلائل جو کاظمی صاحب نے جمع فرمائے ہیں چار خانوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں:۔

(۱) قرآن (۲) حدیث (۳) عقل و درایت (۴) اقوالِ سلف

ہم چاہتے ہیں کہ ان پر علی الترتیب گفتگو ہو تاکہ بات آئینہ ہو جائے۔ ویسے کاظمی صاحب نے چونکہ نظم و ترتیب کا التزام نہیں کیا ہے اس لئے ہو سکتا ہے بحث کے کسی مرحلہ میں ایک سے زیادہ نوع کے دلائل پر ایک ساتھ گفتگو آجائے تو اسے مجبوری سمجھئے گا۔

ہمیں یہ بھی احساس ہے کہ نقد کا جو اسلوب ہم نے اختیار کیا ہے وہ کافی طوالت طلب ہے، لیکن متعدد وجوہ سے طوالت ہی ضروری معلوم ہوئی۔ ایک تو وہی مذکورہ وجہ کہ گفتگو صرف بریلویوں ہی سے نہیں، بعض علمائے دیوبند سے بھی ہے۔ مسئلہ کے ہر گوشے کو اتنا منقح اور مصفّی کر دینا ضروری ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نظر آجائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کاظمی صاحب نے ۴۲ صفحات میں حوالوں اور عربی عبارتوں اور بزرگوں کے ناموں کا اتنا بہت سا ڈھیر جمع کر دیا ہے کہ عوام بیچارے سہم کے رہ گئے ہوں گے۔ اس سہم کو دور کرنے کیلئے ہم بھی اس ڈھیر کو کریدنے اور قوی تر مواد کا انبار لگانے کا جھمیلا لے بیٹھے ہیں ورنہ جہاں تک پڑھے لکھوں اور ہوشمندوں کا تعلق ہے ان کے لئے ہمارا وہ پہلا ہی نقد جس کا ہم شروع میں ذکر کر آئے ہیں ایسا فیصلہ کن تھا کہ کسی کی ایں و آں اب ان پر قیامت تک اثر نہیں کر سکتی۔ لہذا قارئین طول کے لئے معاف کریں ہم کوشش کریں گے کہ یہ طول بے مزا نہ ہو۔

سب سے پہلے "محلِ نزاع" کو کاظمی ہی صاحب کے الفاظ میں دیکھ لیجئے:۔

"اہلِ سنت (؟) کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشری جسم اقدس کو ایسا لطیف و نظیف اور پاکیزہ و مطہر کر دیا تھا کہ اس میں کسی قسم کی عنصری اور مادی کثافت باقی نہ رہی تھی اسلئے چاند، سورج، چراغ وغیرہ کی روشنی میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے تو جسم اقدس اس روشنی کے حائل نہ ہوتا تھا اور دیگر اجسام کثیفہ کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم پاک کا کوئی تاریک سایہ نہ پڑتا تھا"

الفاظ جوں کے توں نقل کئے گئے ہیں۔ بعض الفاظ پر صرف خط ہم نے کھینچا ہے۔ اس سے تفہیم میں آسانی رہے گی۔ سلیم الطبع اور عدل پسند حضرات کے لئے تو اس نام نہاد مسلک کی لغویت کسی لمبی گفتگو کی محتاج نہیں۔ ان سالکین سے کوئی پوچھے بول و براز، منی، تھوک وغیرہ عنصری اور مادی کثافتیں ہیں یا نورانی لطافتیں؟ کیا اب یوں بھی کہیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوائج ضروریہ سے مبرّا تھے؟ ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ پھر یہ کیا بات ہوئی کہ:۔

"کسی قسم کی عنصری اور مادی کثافت باقی نہیں رہی تھی"

قاعدہ ہے کہ اذا ثبت الشئی ثبت بجمیع لوازمہ (جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے تمام لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے) اس قاعدے کو خود کاظمی صاحب نے بھی صـ۱۹ پر بیان فرمایا ہے اور معصومیت دیکھئے کہ اپنی تائید میں بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب حضورؐ کا نور ہونا ثابت ہوگیا تو لازمی طور پر سایہ نہ ہونا بھی ثابت ہوگیا کیونکہ سایہ نہ ہونا لوازم نور سے ہے۔

حیرت ہے نور کا صرف یہی ایک لازمہ انھیں یاد رہ گیا کہ اس کا سایہ نہیں ہوتا باقی تمام لوازمات دماغ کے کسی خفیہ گوشے میں جا چھپے۔ اگر رسول اللہؐ کو سائنسی اور طبعی معنوں ہی میں "نور" ثابت کرنے کا سودا سر میں سمایا ہے تو یہ لوازمات بھی تو پیشِ نظر رہنے چاہئیں تھے کہ نورِ حقیقی پاخانہ پیشاب نہیں کرتا۔ کھانا نہیں کھاتا۔ شادی کرنے اور باپ بننے سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ نہ وہ حیز (اپنے محل وقوع) کو بھرتا ہے نہ اس پر تیر تلوار اثر کرتے ہیں۔ وغیر ذلک۔ آخر بجمیع لوازمہ کے بعد سارے لوازم بس سایہ نہ ہونے ہی میں کیسے سمٹ آئے!

ہم سمجھتے ہیں اتنی ہی بات مذکورہ مسلک کا اہمال ظاہر کرنے کے لئے کافی ووافی ہے، لیکن ہم نے تو ایک ایک دلیل کو توڑنے کا تہیہ کیا ہے اس لئے آئیے تفصیل میں چلیں۔ کاظمی صاحب فرماتے ہیں:۔

"سایہ نہ ہونے کی اصل دلیل ہمارے نزدیک وہ آیات قرآنیہ مرقومہ بالا ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا ہے۔ نیز وہ احادیث مذکورۃ الصدر ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہم کامل نورانیت ثابت کر چکے ہیں اور سایہ نہ ہونے کی روایات ان آیات و احادیث کے مضمون کی مؤید ہیں ایسی صورت میں ان کا ضعف کسی حال میں بھی ہمارے لئے مضر نہیں۔" ص۳۶۔

کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں کہ کسی دعوے کی اصل دلیل جس درجے کی ہو اسی درجے میں وہ دعویٰ لائق ردّ و قبول ہوا کرتا ہے اور تائیدی شہادتوں کی قدر و قیمت بھی اصل دلیل ہی کے وزن و قوت پر منحصر ہے۔ پھر یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جس درجہ کا دعویٰ ہوگا اسی درجے کی دلیل بھی درکار ہوگی۔ آپ معمولی سا دعویٰ کریں تو معمولی دلیل بھی چل سکتی ہے، لیکن بہت بڑا دعویٰ کرنے کی صورت میں بہت مضبوط دلیل دینی ہوگی۔ آپ کہتے ہیں فلاں شخص پر میرا ایک روپیہ قرض ہے۔ اس قول کو بہت معمولی سی دلیل پر بھی قبول کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر آپ کہیں کہ زید پر میرے بیس ہزار روپے قرض ہیں تو اس کے لئے معمولی شواہد و دلائل کافی نہ ہوں گے، بلکہ آپ کو صریح و محکم طور پر ثبوت لانا ہوگا اور ذرا سی بھی شک کی گنجائش نکل آئی تو اس کا فائدہ مدعیٰ علیہ کو پہنچے گا اور آپ کا دعویٰ منہ پر مار دیا جائے گا۔

منکرینِ ظل کا حال یہ ہے کہ دعویٰ تو کرتے ہیں ایک انتہائی غیر معمولی اور مہتم بالشان، وہ منوانا چاہتے ہیں کہ تمام مادّی کائنات کے ایک ازلی و ابدی قاعدے اور ایک اٹل حقیقت کے برخلاف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم سائے سے مبرّا تھا۔ یہ جتنا عظیم الشان دعویٰ ہے محتاج بیان نہیں، لیکن ان کے دلائل و شواہد کا حال یہ ہے کہ انھیں شاعری اور تک بندی کہنا بھی مشکل ہی ہے۔ جیسا کہ ابھی ہم ثابت کرینگے ان کی اصل دلیلوں میں اتنی بھی جان نہیں جتنی چیونٹی میں ہوتی ہے اور ان سے کہیں زیادہ وزنی استدلال تو اُن نصرانیوں کا ہے جو قرآن کی آیت اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ کو مسیح علیہ السلام کی ابنیت و اُلوہیت کے ثبوت میں لا[تے ہیں]۔ اس میں مغالطہ دہی کے لئے کم سے کم منطقی تُک تو ہے۔ منکرینِ ظل کے یہاں سرے سے تُک ہی نہیں، بلکہ ایک ترنگ کو انھوں نے برہان و حجت تصور کر لیا ہے۔

لیجئے ان کی اصل دلیلوں کو دیکھئے۔ مذکورہ عبار[ت میں] انھوں نے جو "آیاتِ قرآنیہ مرقومہ بالا" کے الفاظ لکھے ہ[یں ان] سے ان کا مقصود وہ دو آیتیں ہیں جو انھوں نے ذکر کی ہیں۔ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ اور دوسری وہ جس کے صر[ف] لفظ سِرَاجًا مُّنِیْرًا بلا حوالہ لکھ دیئے گئے ہیں پوری [آیت] نہیں لکھی۔ علی الترتیب دونوں کا حال درج ذیل ہے۔

قرآن

پڑھے لکھے ہی نہیں جاہل اور عامی بھی جا[نتے ہیں کہ] دنیا کے ہر ملک اور ہر زبان میں استعارے، تشبیہیں اور مثالیں وغیرہ اس قدر عام ہیں جیسے ہوا ا[ور پانی]۔ قرآن ہو، حدیث ہو، عربی ہو، اُردو ہو، ادب ہو، فلس[فہ ہو]، روزمرہ ہو، ریختی ہو، خطبہ ہو، وعظ ہو۔ ہر جگہ قدم قدم پر طرزِ کلام اور کنایاتی اسلوب سے لازماً واسطہ پڑے گا۔ یہ [استعاراتی] اور مجازی پیرائے بنی نوع انسانی میں اس طرح رچ بس [گئے ہیں] کہ عام طور پر انھیں جاہل اور کم عقل بھی بلا تکلف سمجھتے [ہیں۔ کبھی ایسا] نہیں ہوتا کہ استعارے کو حقیقی معنی میں لیکر وہ بات کا بتن[گڑ بنائے] پھریں۔ مگر بعض ذہنی مریضوں کی دو ایک مثالیں ہم آپ [کے سامنے] رکھتے ہیں ذرا بتائیے تو انھیں آپ عقلاء کے کس طبقے [میں شمار] کریں گے۔

پہلی مثال

زید، بکر کے تیز بھاگنے کی تعریف کر[رہا تھا] زید کے شیخ نے کہا —— "واقعی بکر [برق] رفتار ہے۔"

اس پر زید نے بعض لوگوں سے "برق" کی طبعی رف[تار] کی معلوم ہوا کہ ایک لاکھ اسّی ہزار میل فی سکنڈ۔ اب تو [وہ یہ دعویٰ] کرتا پھرتا ہے کہ بکر ایک لاکھ اسی ہزار میل فی سکنڈ د[وڑتا ہے]۔ کوئی کہتا ہے کہ خرافات مت بکو۔ زید چیختا ہے تو کیا ہمارے [شیخ] جھوٹ بولتے ہیں؟ جواب ملتا ہے کہ نہیں بھائی شیخ جھ[وٹ نہیں] بولتے تمھارا دماغ خراب ہوا ہے۔ زید ہرگز نہیں مان[تا]

پوری طرح مطمئن ہے کہ بجر اور برق کی طبعی رفتار ایک ہی ہے!

دوسری مثال

طلحہ، نعمان کے سیدھے پن کا ذکر کر رہا تھا۔ کہنے لگا ــــ "وہ بیچارا تو گائے ہے گائے۔"

یہ فقرے اختر نے بھی سُنے۔ وہ جانتا تھا کہ نعمان جھوٹ ہرگز نہیں بولتا۔ پس اس وقت سے اسے یقین ہوگیا کہ نعمان دودھ بھی ضرور دیتا ہوگا۔ اب وہ تحقیق کر رہا ہے کہ دودھ کا یومیہ اوسط کیا ہے؟

اس طرح کی دسیوں مثالیں آپ چٹکی بجاتے سوچ سکتے ہیں۔ تفنّن نہیں۔ حقیقت ہے کہ آیاتِ قرآنیہ سے منکرینِ ظل کا استدلال کم و بیش اسی نوعیت کا ہے۔ ذرا سوچئے جب تحریر و تقریر میں ہم کسی ایک چیز کو دوسری چیز کا نام دیتے ہیں تو کیا آپ کے فرشتے بھی گمان کر سکتے ہیں کہ اس دوسری شے کی تمام تر حقیقتِ طبعی پہلی شے میں فرض کی جا رہی ہے۔ مثلاً ہم نے موٹے آدمی کے بارے میں کہا کہ "ہاتھی ہے ہاتھی۔" تو کیا آپ بھول کے بھی اس کا یہ مطلب لے سکیں گے کہ اس شخص کو بہمہ وجوہ ہاتھی کہا جا رہا ہے؟ ہم یہ کہیں کہ فلاں شخص "آگ ہے آگ" تو کیا آپ یہ تصور کر بیٹھیں گے کہ اس شخص کی پیٹھ پر ہنڈیا پکائی جا سکتی ہے؟

دیکھ لیجئے ہم نے مانند یا مثل کا لفظ نہیں بولا، بلکہ صاف ہاتھی یا آگ کہدیا، لیکن آپ ہماری کسی تشریح کے بغیر بلا تأمل یہی سمجھے کہ غیر معمولی مٹاپے کی طرف اشارہ ہے اور آگ سے مراد مزاج کی تیزی ہے۔ ٹھیک ایسا ہی معاملہ نور و ظلمت کے الفاظ کا ہے۔ دنیا کے تمام مصنفات کھنگال جائیے، یہی ملیگا کہ ان دونوں کو بطورِ استعارہ بولنا شائع ذائع رہا ہے۔ معنوی حسن، رشد و ہدایت، ایمان، علم، خیر و برکت، اخلاق، نیکی وغیرہ کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے برعکس اوصاف و اشیاء کو ظلمت سے۔ حسین محبوب کو "حسن" کہنا تو معلوم و معروف ہے ہی۔ کسی اخلاقی راہنما اور صالح ترین آدمی کو "نور" کہدیا جائے تو کسی کو بھی اس استعارے کا مطلب سمجھنے میں غلط فہمی نہیں ہوگی، لیکن قیامت آگئی ہے کہ بعض اسلاف و اخلاف اپنی فکری چوک اور ذہنی ریودگی کو حق بجانب ثابت کرنے کیلئے ان ظاہر و باہر حقائق کا منھ چڑا رہے ہیں اور آیاتِ الٰہیہ سے کھیل کرنے میں ذرا خوف محسوس نہیں کرتے۔

نور و ظلمت اور حُسن وغیرہ کو بطورِ استعارہ استعمال کرنیکی ہزار مثالیں ہم عربی، فارسی اور اُردو زبان و ادب سے لا سکتے ہیں اس طولِ عمل کی ضرورت نہیں، کیونکہ خود قرآن ہی کی امثلہ وافی ہیں۔ لیجئے ملاحظہ کیجئے:-

جن دو آیات کو منکرینِ ظل مستدل قرار دیتے ہیں ا[ن] کی ایک یہ ہے:-

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (سورۂ مائدہ ۲۶)	(اے لوگو) تحقیق آیا تمہارے پا[س] [اللہ] کی طرف سے نور اور کتابِ [مبین]

وہ کہتے ہیں کہ نور سے مراد رسول اللہؐ ہیں اور نور کا [سایہ نہیں] ہوا کرتا۔ لہٰذا حضورؐ کا بھی سایہ نہیں ہو سکتا! کیسی بچکانہ [سی] بات۔ اوّل تو یہی طے نہیں کہ "نور" اس آیت میں ذاتِ [رسول] کو کہا گیا ہے۔ ابھی آپ دیکھیں گے کہ اس میں مفسرین کے اختلاف ہے۔ دوسرے یہ مان بھی لیا جائے کہ ذات رسو[ل] کے لئے آیا ہے تو دو اور دو چار کی طرح صاف بات ہے کہ ا[سے] بطورِ استعارہ آیا ہے جس طرح دنیا بھر میں لفظ نور ہمیشہ سے [بولا جاتا] رہا ہے۔ دنیا بھر کو چھوڑیئے خود قرآن میں دیکھ لیجئے کہ اس لفظ [کو] بہت ساری مرتبہ اللہ نے بطورِ کنایۃ و استعارہ استعمال [کیا ہے]۔ پھر آخر کیا قرینہ، کیا دلیل، کیا جوڑ ہے کہ دنیا بھر کے مفسر[ین کو] بے بہرہ قرار دے کر نور کے وہ طبعی اور سائنسی معنی لے لئے ج[و] کسی دلیل سے بھی نہیں لئے جا سکتے۔ لو ہم قرآن کھول کر دکھ[اتے ہیں] کہ اللہ نے لفظ "نور" کو اس کے طبعی و سائنسی مفہوم میں نہ[یں بلکہ] معلوم و معروف تشبیہ و کنائے کے مفہوم میں کیسے کیسے ارشاد ف[رمایا ہے]۔

سورۂ بقرہ کا دوسرا رکوع دیکھو:-

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ۔	ان کی مثال اُس شخص کی سی [ہے جس نے] آگ جلائی پھر جب اس آگ [نے] ماحول کو روشن کر دیا تو زائل [کر دیا اللہ] نے انکی روشنی اور چھوڑ دیا ا[نکو] اندھیرے میں در ینحالت کہ کچھ [نہیں دیکھتے]

کیا کہتے ہو۔ کیا یہاں لفظِ نور تمثیلاً نہیں آیا ہے؟

آگے چلو۔ سورۂ بقرہ ۳۴ واں رکوع (پارہ ۳)

اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ	اللہ مددگار ہے ان لوگوں [کا جو ایمان] لائے۔ نکالتا ہے انکو تاریکی

إِلَى النُّورِ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ۔

کی طرف۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مددگار ہیں شیاطین نکالتے ہیں انھیں روشنی سے اندھیرے کی طرف۔

کیا یہاں استعارے کے سوا بھی کوئی مفہوم ہے؟ کیا ایمان کو بھی ایسا ہی نور کہو گے کہ چلتا پھرتا کھاتا پیتا تو نظر آئے گا سایہ نہ دیگا۔

اور آگے سورۂ مائدہ رکوع ۷ (پارہ لا یحب اللہ ۶)

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ۔

اور ہم نے نازل کی توراۃ کہ اس میں ہدایت ہے اور روشنی۔

کیا یہ توراۃ کا نور ویسا ہی نورِ حسّی ہے جیسا تم اپنی آیتِ مستدلہ میں منوانا چاہتے ہو؟

علیٰ ہٰذا ایک آیت چھوڑ کر:۔

وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ۔

اور ہم نے عیسیٰؑ کو انجیل دی کہ اسمیں ہدایت اور روشنی ہے۔

یہاں بھی وہی بات ہے۔ سورۂ انعام (پارہ ولو اننا) رکوع ۱۵ کھولو

أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا

بھلا وہ شخص جو مُردہ تھا پھر اسے ہم نے زندہ کر دیا اور دی اسے روشنی کہ لئے پھرتا ہے اسے لوگوں میں کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں اس طرح گرفتار ہے کہ ان سے نکل ہی نہیں سکتا۔

+ + + +

+ + + +

کیا یہاں اُس نورِ حسّی کا سراغ ملتا ہے جس کا سایہ تو نہو مگر مجسّم مع حوائجِ بشریہ نظر آئے؟

سورۂ اعراف رکوع ۱۹ میں تو صاف ہی آگیا کہ تعلیمِ حق، ترغیب ایمان اور درسِ بندگی کی گفتگو میں "نور" کا مفہوم اللہ پاک کیا لیتے ہیں۔ نبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ بلند کے بارے میں ارشاد ہے:۔

سورۂ اعراف رکوع ۱۹ (قال الملأ ۹)

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی رفاقت کی اور اسے امداد دی اور تابع ہوئے اس روشنی کے جو اس کے ساتھ نازل ہوئی ہے تو وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

+ + + +

دیکھ لو یہ نہیں کہا کہ محمدؐ بذاتِ خود سچ مچ کے نور ہیں بلکہ وضاحت کر دی کہ نور ان کے علاوہ کوئی شے ہے جو ان کے ساتھ نازل کی گئی ہے۔ وہ دینِ حق اور اسلام و ایمان کے سوا کیا ہو سکتی ہے؟ کیا اس کے بعد بھی یہ بات صاف نہیں ہو جاتی کہ قد جاءکم من اللہ نور میں "نور" کا لفظ دینِ حق اور صراطِ مستقیم ہی کے لئے اسی طرح بطورِ استعارہ ارشاد ہوا ہے جس کی مثالیں پیش کرتے آرہے ہیں۔ اگر بعض مفسّرین کی رائے مانکر "نور" سے مراد ذاتِ رسول ہی لے لی جائے تب بھی یہ مہمل اور بے سرو پا نکتہ کیسے نکالا جا سکتا ہے کہ ادبِ عالیہ کی فصاحت و بلاغت کے بجائے اللہ تعالیٰ علم الابدان اور طبعیات کا نکتہ بیان کرنے لگے ہیں۔ ہم آگے دکھائیں گے کہ جن مفسرین نے ذاتِ رسول مراد لی ہے ان میں سے بھی کسی نے یہ لغو بیانی نہیں کی ہے کہ اس استعارے نے حضورؐ کو خواصِ بشری اور قوانینِ طبعیہ کے دائرے سے نکال کر لغوی معنوں میں سچ مچ کا نور بنا دیا۔ سورۂ توبہ (پارہ واعلموا ۱۰) رکوع ۵ ملاحظہ کرو:

اتَّخَذُوٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّآ أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى

قرار دے لیا (یہود و نصاریٰ نے) اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر۔ اور مسیح ابن مریم کو بھی۔ اور ان کو اس کے سوا کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کی پرستش کرو۔ کوئی الٰہ نہیں ہے سوائے اسکے۔ وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے۔ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں روشنی اللہ کی اپنے مُنھوں سے اور اللہ نے طے کر لیا ہے کہ وہ اپنی روشنی کو پورا کئے بغیر نہ رہیگا چاہے کافروں کو ناگوار گذرے۔ اسی نے بھیجا

الَّذِیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ	اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اسے غلبہ دے دوسرے تمام دینوں پر اگرچہ مشرکین بُرا مانیں۔

+ + + +

+ + + +

یہاں دو بار لفظِ نور استعمال ہوا۔ لیکن وہی استعارے کی زبان میں۔ اللہ تعالیٰ تو حقیقۃً نور ہیں لیکن پھر بھی یہاں حقیقی معنے نہیں لئے جاسکتے، کیونکہ اللہ کا نور تو ہمیشہ سے کامل و اتم ہے اسکے لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ اسے تمام و کامل کرکے رہے گا۔ قطعی بات ہے کہ "نور" دینِ حق کو کہا گیا ہے۔ تب آخر آیت مستدلّہ میں کیوں "نور" کا مفہوم دینِ حق نہیں لیا جاسکتا جیسا کہ بے شمار مفسّرین نے لیا ہے۔ سورۂ ابراہیم رکوع اوّل (پارہ ۱۳) میں بھی یہی اندازِ تعبیر ہے

الٓرٰ۔ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔	یہ ایک کتاب جسے ہم نے تیری طرف اُتارا ہے تاکہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف انکے رب کے حکم سے اس زبردست خوبیوں والے اللہ کی راہ کی طرف کہ اسی کا ہے آسمانوں اور زمین میں سب کچھ۔

پھر دو آیات بعد:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔	اور بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ یہ حکم دیکر کہ اپنی قوم کو اندھیرے سے روشنی کیطرف لا۔

پھر سورۂ طلاق رکوع ۲ (پارہ ۱۸) میں بھی یہی ہے:۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ	بے شک اللہ نے نازل کی تم پر کتاب رسول ہے جو پڑھ کر سناتا ہے تمھیں اللہ کی وہ آیات جو کھولکر بیان کرنیوالی ہیں۔ تاکہ نکالے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نکوکار ہوئے اندھیروں سے روشنی کیطرف۔

+ + + +

"نور" سے دینِ حق اور صراطِ مستقیم مراد لینے کی مثالیں اور چاہو تو لو اور لو۔ سورۂ احزاب رکوع ۶ (پارہ ۲۲)۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔	وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اسکے فرشتے۔ تاکہ نکالے تمھیں اندھیروں سے روشنی کی طرف۔

پھر سورۂ زمر رکوع ۳ (پارہ ۲۳)۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔	جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھولدیا وہ اپنے رب کیجانب سے روشنی پر ہے۔

کیا اب بھی یہ ثابت ہونے میں کسر رہ گئی کہ "نور" سے بطور استعارہ دینِ حق اور صراطِ مستقیم اور ایمان و اسلام وغیرہ مراد لینا قرآن کا معمول ہے نہ یہ کہ "نور" کو طبعی و سائنسی مفہوم میں استعمال کرے۔ "سائنسی" ہم طنزاً نہیں کہتے بلکہ منشاء یہ ہے کہ سائنس چونکہ اشیاء کی مادّی حقیقت و حیثیت سے سروکار رکھتی ہے اسلئے اس کی زبان میں تو ہر اسم کو اس کے مادّی و طبعی مفہوم میں لینا درست ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک سائنس داں کہے کہ فضائے بسیط میں بے شمار چاند ہیں۔ تو اس کا مطلب یہی سمجھا جائے گا کہ اس کی دانست میں ایسے ہی بے شمار اجسام جیسا یہ ہمارا چاند ہے فضائے بسیط میں پائے جاتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ چمکدار ذرّوں کو وہ بطور استعارہ چاند کہہ رہا ہے۔ اس کے برخلاف جب ادب کی زبان میں کوئی کہے گا کہ ـــ "فلاں شخص آیا تو رات کے اندھیرے سمٹ گئے چاندنی بکھر گئی" ـــ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جائے گا کہ وہ شخص اپنے خواص و صفات میں واقعی آسمان کے چاند کا مماثل ہے اور اس کی آمد واقعی ویسی ہی چاندنی بکھیر دیتی ہے جیسی چاند سے بکھرتی ہے اور چاند کے طبعی لوازم اس میں پائے جاتے ہیں، بلکہ یہ لیا جائے گا کہ کہنے والا اس شخص کے حسن و جمال اور اپنے والہانہ تعلق کو استعارے کی زبان میں بیان کر رہا ہے۔ یہی معاملہ اس آیت کا بھی ہے جسے منکرینِ ظل نے دلیل بنانے کی سعی کی ہے۔ یہاں بھی نور سے ذاتِ رسول مراد لینے کی صورت میں صرف اور صرف یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کی ذاتِ والاصفات سے دنیا میں ایمان، سچائی، نیکی اور دینِ حق کا جو معنوی اُجالا پھیلا اسی کی تعبیر کے لئے یہ لفظ "نور" فرما دیا گیا ہے۔ "سائنسی" انداز میں نہیں فرمایا گیا۔

سورۂ شوریٰ رکوع ۵ (پارہ ۲۵) میں دیکھو۔

وَکَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ	اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے ایک فرشتہ بھیجا۔ تو نہیں جانتا

تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔

تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا۔ ولیکن ہم نے رکھا ہے یہ نور کہ راستہ سجھا دیتے ہیں اس سے اپنے بندوں سے جسے چاہے۔

یہاں بھی نور اسی حقیقت کو کہا گیا جو حسّی نہیں، بلکہ معنوی ہے۔ یعنی ایمان اور کتابِ آلہی کی تعلیماتِ مقدسہ۔ یہ دونوں چیزیں جوہری اعتبار سے ایک ہی ہیں اسی لئے جعلناہ میں واحد کی ضمیر لائی گئی۔ نہ یہ کہ کسی حسّی وطبعی نور کا ذکر کیا گیا ہو۔

سورۂ حدید رکوع اوّل (پارہ ۲۷) دیکھو:-

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔

وہی ہے جس نے نازل کیں اپنے بندے پر واضح آیات تاکہ نکالے تمھیں اندھیروں سے روشنی کیطرف۔

وہی تمثیل واستعارے کی زبان۔ مزید دوسرے رکوع میں:-

یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىکُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

جس دن تو دیکھے گا مومن مرد وزن کو اس حال میں کہ دوڑتی ہوئی چل رہی ہے اُن کے آگے اور دائیں بائیں روشنی۔ خوشخبری تم کو آج کے دن باغوں کی کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں سدا رہو انہیں۔ یہی تو ہے عظیم کامیابی

یہاں بھی "نور" کو استعارہ ہی ماننا پڑے گا۔ اسی سورة میں آگے۔ رکوع ۲ میں۔

یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِکُمْ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَکُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا

جس دن کہیں گے منافق مرد وزن مومنوں سے کہ ہمارا انتظار کرو ہم بھی تمہارے نور سے روشنی لینگے کہا جائیگا کہ لوٹ جاؤ پیچھے پھر ڈھونڈلو روشنی۔

چند آیات کے بعد:-

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ

اور جو لوگ، ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر وہی ہیں سچے ایمان والے اور اللہ کے

عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ

حضور لوگوں کے اعمال پر گواہی دینے والے۔ ان کیلئے ہے انکا ثواب اور ان کی روشنی۔

+ + + +

سورۂ صف رکوع ۱ (پارہ ۲۸) میں:-

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ وَهُوَ یُدْعٰۤی اِلَی الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر بہتان باندھے، حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا گیا ہے اور اللہ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اس کے نور کو اپنے منھوں سے اور اللہ تو اپنی روشنی کو مکمل کرنے والا ہے چاہے کافر بُرا مانیں

+ + + +

سورۂ تغابن رکوع ۱ (پارہ ۲۸) ۲۸ میں:-

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا

پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور اس نور پر جو ہمنے اُتارا (قرآن)

حد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات کے لئے بھی لفظ "نور" استعمال فرماتے ہیں تو تمثیل وتشبیہ ہی کے اسلوب میں، نہ کہ طبعیات کے نقطۂ نظر سے۔ ملاحظہ ہو سورۂ نور رکوع ۵ (پارہ ۱۸)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ کَمِشْکٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ کَاَنَّهَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَکَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ یَّکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ

اللہ آسمانوں کی اور زمین کی روشنی ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو کہ اسمیں چراغ رکھا ہو۔ چراغ ایک شیشے کے اندر ہو اور شیشہ ایک دمکتے ہوئے تارے کی مانند ہو۔ تیل جلتا ہو اسمیں زیتون کے اس مبارک درخت کا جو نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف۔ قریب ہے کہ روشن ہو اٹھے اس کا تیل حالانکہ آگ نے اسے چھوا تک نہو روشنی پر روشنی۔ اللہ جسے چاہے اپنی روشنی کی طرف ہدایت یاب کر دیتا ہے اور اللہ بیان کرتا ہے مثالیں لوگوں کے لئے۔

یہاں تو حضرت باری نے صریحاً ہی بتا دیا کہ ہم تمثیلات بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ متمتع ہوں۔ سورہ ممتحنہ میں ہے:۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔	اور یہ مثالیں ہیں جنھیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کرسکیں

سورۂ زمر رکوع ۷، (پارہ ۲۴) میں ہے:۔

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ	اور چمکے زمین اپنے رب کے نور سے اور لائے جائیں دفتر اور حاضر کئے جائیں انبیاء اور گواہ اور فیصلہ ہوا نہیں عدل سے اور ان کے ساتھ ظلم بالکل نہیں ہوگا۔
+ + + +	

یہاں اللہ جل شانہٗ نے خود اپنے نورِ مقدس کا ذکر فرمایا ہے وہ چونکہ واقعی بہمہ وجوہ نور ہی نور ہیں اس لئے لفظ کو اس کے حقیقی و وضعی معنی پر محمول کرنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

ہمیں یہ تو دعویٰ نہیں کہ قرآن میں جہاں جہاں بھی لفظِ نور آیا ہے سبھی کو ہم نے نقل کر دیا۔ ہو سکتا ہے کچھ آیات رہ گئی ہوں لیکن یہ دعویٰ بلا خوف تردید ہے کہ جو اشیاء یا اعیان و جواہر طبعی و لغوی معنوں میں نور نہیں ہیں انھیں اگر "نور" کہا گیا ہے تو تمثیلاً اور کنایۃً تشبیہاً اور استعارۃً اور مقصود صرف اُس وصف کا تصور دینا رہا ہے جو نور کا وصفِ غالب ہے۔ یعنی اُجالا، تنویر، حسن و جمال، طلعت و نزہت وغیرہ۔ ٹھوس اشیاء کا روشنی کے پھیلاؤ میں حائل ہو کر سایہ دینا طبعیات کا مسئلہ ہے۔ اس سے آیاتِ آلہیہ کا کوئی رابطہ نہیں۔

جب قرآن کی اتنی بہت سی نظیریں آپ کے سامنے آگئیں تو انصاف کیجئے ایک آیت سے "نور" کے معنی محمد رسول اللہؐ لینا اور پھر تعبیر و استعارے کی حدود پھلانگ کر، پورے قرآن سے آنکھیں پھیر کر، زبان و ادب کے معلوم و معروف تقاضے نظر انداز کرکے جسدِ رسولؐ کا سایہ غائب کر دینا تلعب بالقرآن اور دھاندلی نہیں تو اور کیا ہے۔

آیئے اس آیت کو ذرا سیاق و سباق سے بھی تو ملا کر دیکھیں جسے منکرین ظل فرط جذبات میں خواہشات کا تختۂ مشق بنائے ہوتے ہیں۔ سورۂ مائدہ کا تیسرا رکوع پڑھئے۔ اللہ تعالیٰ اسرائیل سے لئے ہوئے عہد کا ذکر فرماتے ہیں۔ پھر اس کی عہد شکنی بیان کرتے ہیں اور ان کی ناشائستہ حرکات کا بیان فرماتے ہیں۔ اسکے بعد نصاریٰ کا تذکرہ ہے۔ ان سے بھی اللہ نے عہد لیا تھا۔ یہ عہد ان کے لئے بے حد نفع بخش تھا، لیکن وہ کم نصیب اس سے نفع اٹھانا بھول گئے جس کے نتیجے میں اللہ نے ان میں حشر تک کے لئے بغض و عداوت پیدا کر دی اور عنقریب ہی اللہ تعالیٰ انھیں جتا دیگا جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔

اب وہ مذکورہ آیت شروع ہوتی ہے:۔

سورۂ مائدہ رکوع ۳ (پارہ ۶)

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝	اے اہلِ کتاب! تمھارے پاس ہمارا رسول آیا جس نے تمھارے لئے کتابِ آلہی کی وہ بہت سی باتیں منکشف کیں جنھیں تم چھپاتے تھے اور بہت سے اُمور سے درگذر کیا۔ بیشک اللہ کی طرف سے تمھارے پاس روشنی آئی اور کتابِ مبین۔ ہدایت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کو جو تابع ہو اس کی رضا کا سلامتی کی راہوں کی۔ اور نکالتا ہے انھیں اندھیروں سے اُجالے کیطرف اپنے اذن سے اور چلاتا ہے انھیں سیدھی راہ۔
+ + + +	
+ + + +	

جس کے قلب میں شمہ برابر جذبۂ عدل، دماغ میں تھوڑی سی عقلِ سلیم اور ذوق و مذاق میں صحت و سلامتی ہو وہ غور کرے کہ "نور" سے مراد چاہے دینِ حق کی روشنی ہو یا رسول اللہؐ کی ذاتِ پاک بہرصورت مفہوم و منشاء کیا اس کے سوا بھی کچھ ہو سکتا ہے کہ اہلِ کتاب کی غلط کاریوں اور گمراہیوں کے مقابلہ میں دینِ مبین کی طلعت و تابش اور آخری پیغمبر کی تعلیمات کا حسن و جمال اور رسولِ خاتم کے لائے ہوئے اسلام کی روشنی، شانِ ہدایت کو نمایاں کیا جا رہا ہے۔ ادنیٰ سا قرینہ بھی ایسا نہیں ہے کہ اس کے سہارے جنابِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسدِ مبارک کا سایہ نہ ہونے کا تخیل اخذ کیا جائے۔ اگر "نور" سے مراد حضورؐ ہی ہوں تب بھی

متصل قبل کے الفاظ ہی صاف بتا رہے ہیں کہ یہ استعارہ کیا مفہوم رکھتا ہے۔ ظلمت ہر چیز کو ڈھانپ لیتی ہے۔ یہ اہل کتاب کی ذہنی و قلبی ظلمت ہی تو تھی کہ وہ اللہ کی کتاب میں وارد شدہ بہت سی باتوں کو بسبب نفسانیت چھپائے رکھتے تھے۔ آپ آیات میں دیکھ چکے ہیں کہ شرک و کفر اور طغیان و معصیت کو اللہ تعالیٰ ظلمت سے تعبیر فرماتے رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ جس معنوی ظلمت کا متصل قبل الفاظ میں ذکر ہے اسے دُور کرنے والی شے نورِ معنوی ہی ہو سکتی ہے نہ کہ نورِ حسّی سورج کا حسّی نور کتنا ہی تابناک سہی لیکن ذہن و قلب کی معنوی ظلمتوں کو وہ رائی برابر دُور نہیں کر سکتا۔ اہلِ کتاب کی سیاہ کاریوں کا ازالہ جس نور سے ہو سکتا ہے وہ تو معنوی ہونا چاہئے نہ کہ حسّی۔ رسول اللہؐ کو اگر نور کہیں تو نورِ معنوی ہی مراد لینا لازم ہوگا۔

ایک اور نکتہ قابلِ لحاظ ہے جو ہمارے موقف کیلئے قرآن کی داخلی شہادت سمجھا جا سکتا ہے۔ دیکھ لیجئے نور اور کتابِ مبین کے فوراً بعد یھدی بہ اللّٰہ کہا گیا۔ اگر نور اور کتابِ مبین فی الحقیقت دو الگ وجود ہوتے تو ضمیرِ واحد نہ لائی جاتی بلکہ بھما کہا جاتا۔ واحد کی ضمیر نے ثابت کر دیا کہ نور اور کتاب معنوی اعتبار سے ایک ہی منطوق کے دو عنوان ہیں اور مقصودِ بیان ایک ہی شے ہے۔ اب منکرینِ ظل سوچیں کہ "نور" سے محمدؐ مراد لینے کے بعد ان کے وجودِ ظاہری اور جسمِ مرئی کو حامل مراد قرار دے لیا جائے (جیسا کہ سایہ نہ ہونے کا شوشہ نکالنے سے ظاہر ہے) تو بدیہی بات ہے کہ جسمانی اعتبار سے تو رسول اللہ اور کتابِ مبین دو الگ الگ وجود ہیں۔ ان کے لئے تثنیہ کی ضمیر آنی چاہئے تھی، لیکن نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ لفظاً جدا جدا ہوتے ہوئے بھی معناً ایک ہی شے کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ شے سوائے دینِ حق کے کیا ہو سکتی ہے جس کی تعبیر خود قرآن ہی بار بار نور اور قرآنِ مبین اور کتاب اور برہان وغیرہ سے کرتا آ رہا ہے، اور خود اس آیت میں بھی ظلمت و نور کا وہی تمثیلی اور تعبیری اندازِ بیان موجود ہے۔

آج سے پہلے بھی اگر کچھ لوگوں نے اس آیت سے سایہ نہ ہونے کا لطیفہ اخذ کیا ہے تو دیکھنا چاہئے کہ یہ لوگ فنِ تفسیر میں کیا مقام رکھتے ہیں۔ آخر کسے نہیں معلوم کہ کسی شخص کا زاہد و شیخ ہونا یا بعض علوم میں تبحر ہونا یہ لازم نہیں کرتا کہ اسے ہر علم و فن میں امام اور حجت مان لیا جائے۔ سائنس کے مسئلہ پر ماہرینِ سائنس ہی کو بولنے کا حق ہے۔ ادب یا جغرافیے یا ریاضی کا بڑے سے بڑا پروفیسر اپنے ہی علوم پر لائقِ استناد ہو سکتا ہے نہ کہ جملہ علوم پر۔ تفسیرِ قرآن ایک مستقل مہتم بالشان علم و فن ہے۔ جس شخص کو دعویٰ ہو کہ فلاں آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے اسے چاہئے کہ استناد میں مفسرین ہی کا قول لائے نہ کہ اُن لوگوں کا جو حدیث یا فقہ یا ادب میں تو تبحر رکھتے ہوں لیکن فنِ تفسیر میں اپنی پیش رفت کا ثبوت نہ پیش کر سکے ہوں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بزعمِ خود آیاتِ قرآنیہ کو اپنی اصل دلیل سمجھنے والے منکرینِ ظل اپنے دعوے کے ثبوت میں کسی ایک بھی ایسے مفسر کو شہادت میں پیش نہیں کرتے جو امت میں بطورِ مفسر معروف و مقبول ہو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان آیات سے جو کچھ وہ اخذ کر رہے ہیں وہ انکی اپنی اپج ہے کوئی بھی مفسر ان کا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ آئیے ہم دکھلائیں مفسرین کیا کہہ رہے ہیں۔ اس سے منکرینِ ظل کی اس سیاست کا بھی توڑ ہو جائے گا کہ وہ بزرگوں اور کتابوں کے بہت سے نام جمع کر کے عوام کو مرعوب کرتے ہیں۔

پہلے ہم اُن تفسیروں کا ذکر کرتے ہیں جن میں "نور" سے ذاتِ رسول مراد نہیں لی گئی۔ جلد اور صفحے کا حوالہ اسلئے لاحاصل ہوگا کہ سورۂ مائدہ رکوع ۳ تو متعین ہے ہی جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

تفسیر روح البیان

اسی قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ کی تفسیر میں صاحبِ روح المعانی فرماتے ہیں:-

المراد بالنور والکتاب هو القرآن لما فيه من كشف الظلمات الشرك والشك وابانة ما خفي على الناس من الحق۔	نور اور کتاب سے مراد قرآن ہے کیونکہ اسکی آیات شرک ریب کی تاریکیاں دُور کرتی ہیں اور لوگوں پر اُن تعلیماتِ حقہ کو مجلّٰی کرتی ہیں جو ان سے پوشیدہ تھیں۔

تفسیر کشاف

زمخشری کی مہارت لسانی کیا کہنے۔ نور اور کتاب مبین کے تحت فرماتے ہیں:۔

یرید القرآن بکشفه ظلمات الشرك والشك ولابانته ماکان خافیاً عن الناس من الحق اولانه ظاهر الاعجاز۔	(نور اور کتاب مبین سے) قرآن مراد ہے کیونکہ وہ شرک تذبذب کی تاریکی دُور کرتا ہے اور ان حقائق کو ظاہر کرتا ہے جو لوگوں سے مخفی تھے۔ یا اس لئے کہ اس کا اعجاز بالکل ظاہر ہے۔

+ + + +

تفسیر الجواہر

یہ خصوصیت سے ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ شیخ طنطاوی کی یہ تفسیر قرآن کے عجائبِ بدائع اور غرائبِ لطیفہ کا خاص طور سے تذکرہ کرتی ہے۔ لیکن اِس عجوبے پر اس کی بھی نظر نہیں گئی کہ نور سے مراد رسول اللہ ہیں اور اس مراد کا لازمی فائدہ یہ ہے کہ آپ کا سایہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس کی بجائے وہ مختصر طور پر کہتی ہے:۔

(قد جاءکم من اللہ نور وکتب مبین) ھو القرآن

گویا شیخ طنطاوی کے نزدیک نور اور کتاب مبین ایک ہی مفہوم و معنی کے دو عنوان ہیں اور مراد سوائے قرآن کے کچھ نہیں پھر آگے وہ مزید تصریح کرتے ہیں:۔

(الظلمات) الکفر (والنور) الاسلام۔ چلئے چھٹی ہوئی

تفسیر بیضاوی

یہ وہی متداول تفسیر ہے جس کا اصلی نام انوار التنزیل واسرار التاویل ہے۔ نور اور کتاب مبین کی تفسیر یوں ہے:۔

یعنی القرآن فانہ الکاشف لظلمات الشك والضلال والکتاب الواضح الاعجاز وقیل یرید بالنور محمدً	یعنی نور اور کتاب مبین سے مراد قرآن ہے کیونکہ وہ شک اور گمراہی کی تاریکیاں مٹاتا ہے اور ایسی کتاب ہے جس کا اعجاز واضح ہے اور کہا گیا ہے کہ "نور" سے محمدؐ مراد ہیں۔

+ + + +

ظاہر ہوا کہ بیضاوی "نور" سے مراد قرآن ہی لیتے ہیں اور "محمد" مراد لینا مرجوح خیال کرتے ہیں۔

تفسیر فتح البیان

ارشاد ہوتا ہے:۔

جملة مستانفة مشتملة على بیان ان محمد صلی اللہ علیه وسلم قد تضمنت بعثته فوائد غیر ما تقدم من مجرد البیان قال الزجاج النور محمد صلی اللہ علیه وسلم وقیل الاسلام والکتاب المبین القرآن۔	(لقد جاءکم من اللہ نور و کتب مبین) جملہ مستانفہ ہے جو اس بیان پر مشتمل ہے کہ حضورؐ کی بعثت اُن فوائد کے علاوہ بھی اور منافع رکھتی ہے جن کا تذکرہ سابق میں لفظاً ہوا۔ زجاج نے کہا کہ "النور" سے محمدؐ مراد ہیں۔ اور کہا گیا کہ "النور" سے اسلام مراد ہے۔ اور کتاب مبین سے مراد قرآن ہے۔

تفسیر فتح القدیر

اس میں بعینہٖ وہی بات کہی گئی جو فتح البیان سے نقل ہوئی۔

ترجمان القرآن

مولانا آزادؒ آیت کی تشریح یوں کرتے ہیں:۔

"اللہ کی طرف سے تمہارے پاس (حق کی) روشنی آچکی اور ایسی کتاب آچکی جو (اپنی ہدایتوں میں نہایت) روشن کتاب ہے۔"

بیان القرآن

مولانا اشرف علیؒ ترجمہ فرماتے ہیں:۔

"تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی اور ایک کتاب واضح۔"

اس کے بعد تفسیر میں تفصیلاً یہی کہا ہے اور حاشیے میں نحوی استدلال کے ساتھ ثابت فرمایا ہے کہ نور کی تفسیر اگر ذاتِ رسول سے کی جائے تو وہ حسنِ بیان حاصل نہیں ہوتا جو "کتاب" سے کرنے میں ہوتا ہے۔

مولانا محمود الحسن (شیخ الہند) رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مودودی اپنے ترجموں میں نور کا ترجمہ "روشنی" کرتے ہیں اور کوئی اشارہ ایسا نہیں کرتے جس سے معلوم ہو کہ روشنی سے مراد ذاتِ رسول ہے۔

اب آئیے ان مفسرین کو دیکھیں جنھوں نے "نور" سے ذاتِ محمدؐ مراد لی ہے یا متعدد اقوال ذکر کئے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ مراد لیکر انھوں نے وہی کہا ہے جو ہم کہتے آرہے ہیں۔ یعنی حضورؐ کو نور کہنے کا منشاء نورِ حسّی کا اثبات نہیں، بلکہ اُس معنوی نور کی طرف اشارہ ہے جو دینِ حق اور ایمان و ہدایت کے جمالِ معنوی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خود چراغ سراپا نور نہیں ہوتا' بلکہ وہ تو ایک ٹھوس مادی جسم ہوتا ہے جو اگر دھوپ میں رکھ دیا جائے تو اس کا سایہ بھی لازماً پڑے گا۔ ہاں جلائے جانے پر اس کی روشنی بے شک بسیط اور لطیف ہو سکتی ہے۔ تو اللہ کا حضورؐ کو چراغ کہنا خود اس بات کا شاہد ہے کہ آپ نورِ بسیط نہ تھے' بلکہ چراغ کی طرح ایک مادی جسم رکھنے والے تھے جس میں طول عرض اور عمق سب کچھ ہوتا ہے اور جو روشنی کی راہ میں حائل ہو کر سایہ بھی ضرور دیتا ہے صفتِ تنوّر اگر دھاندلی سے نور حسّی پر ہی محمول کر لی جائے تب بھی خود چراغ کا مبدّل بہ نور ہو جانا کون ہوشمند گمان کر سکتا ہے۔

قرآن میں "سراج" کا لفظ تین جگہ اور آیا ہے۔ سورۂ فرقان نوح' اور نبا میں۔ تینوں ہی جگہ اس کا مصداق صریح طور پر "سورج" ہے۔ اس لحاظ سے اگر یہ خیال کر لیا جائے کہ رسول اللہؐ کو سورج سے تشبیہ دی گئی ہے تب بھی یہ لغویات کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حضورؐ کے لئے سورج کے تمام لوازمات ثابت ہو گئے۔ وجہِ تشبیہ صفتِ غالبہ ہوا کرتی ہے۔ سورج کی صفتِ غالبہ روشنی پھیلانا ہے۔ اسی صفت کے لحاظ سے حضورؐ کو سراج منیر کہا گیا اب اگر کوئی آدمی منکرین ظل کی طرح یہ دعویٰ کرنے لگے کہ حضورؐ حسّی طبعی مفہوم میں سورج بن گئے تو اسے آپ دیوانہ ہی قرار دیں گے۔ نیز آپ یہ بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ حضورؐ کی روشنی سورج کی روشنی جیسی ظاہری و حسّی نہیں۔ نہ ایسا ہوا ہے کہ حضورؐ کی حیات میں کبھی رات ہی نہ ہوئی ہو۔ دس بیس ہزار میل کے رقبے میں تو کجا' دو چار میل میں بھی بلکہ خود دولتکدۂ رسولؐ میں بھی اسی طرح سرِ دن ڈھلنے کے بعد کالی رات آتی تھی جیسی آج آتی ہے اور سب لوگ اپنے کام کاج کے لئے اسی طرح سچ مچ کے چراغ جلانے پر مجبور ہوتے تھے جس طرح آج ہیں۔ گویا جسمِ حضورؐ سے وہ حسّی روشنی نہیں نکلتی تھی جو سورج کی طرح تو کجا چاند بلکہ بجلی کے قمقمے اور مشعل اور چراغ کی طرح ظاہری اندھیرے کو دور کرتی رہے۔ تو روشنی پھیلانے میں سورج کے مشابہ قرار دینا اس کے سوا کیا معنی رکھ سکتا ہے کہ روشنی سے مراد دینِ حق اور ہدایت اور علمِ صحیح کی معنوی روشنی ہے جس سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں۔

اور اگر سورج سے نہیں بلکہ اسی چراغ سے تشبیہ مانی جائے جو گھر دن میں جلتا ہے تب بھی حضورؐ کے جسمِ مبارک کا ٹھوس اور مادی ہی ہونا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ہر شخص چراغ کی مادیت سے واقف ہے۔ اگر نورِ حضورؐ کو نورِ حسّی ہی فرض کر لیا جائے تب بھی چراغ تو بجائے خود ٹھوس اور مادی ہی رہے گا چاہے اس کی لَو سے کتنی ہی روشنی نکلے۔ زیرِ بحث آیت میں تشبیہ چراغ سے دی گئی ہے نہ کہ روشنی سے۔ منیر تو چراغ کی صفت ہے نہ کہ خود مشبہ بہ۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو ان بدیہی اُمور کو پسِ پشت ڈال کر الفاظِ قرآنی کو اپنی خواہشات اور رائے کے ہاتھوں کا کھلونا بناتے ہیں۔

الحمد للہ کہ منکرین ظل کی "اصلی دلیل" کا بے بنیاد اور قطعاً ہوائی ہونا اظہر من الشمس ہوا۔ اب انصاف فرمائیے کہ جب دلیل ہی ہوائی بلکہ لاشئی ہو تو شواہد و مؤیدات کیا کام دیں گے دوا مریض کو اچھا کر سکتی ہے مگر مُردے کو نہیں جلا سکتی۔ اصولاً تو منکرین کا دعویٰ اس حد تک باطل ہوا کہ اب شواہد پر گفتگو کی حاجت ہی نہیں رہ جاتی' لیکن ہم دکھلانا چاہتے ہیں کہ ان کے شواہد بھی ایسے ہی ہیں جیسی یہ اصل دلیل تھی اور بنیاد ہی نہیں' ان کی پوری تعمیر ہی خیالی قلعہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ وما التوفیق الا باللہ۔ اگلے شمارہ میں انشاء اللہ "حدیث" کی بحث ہوگی۔

چند عمدہ کتابیں

مناسک حج

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے گوہر افشاں قلم سے حج کے اہم ترین موضوع پر معتبر ترین کتاب قرآن وحدیث کے لعل وجواہر کا گنجینہ اناد یت کیلئے ایک اور بزرگ کے افاضات بھی ہمرشتہ ہیں۔

قیمت مجلد تین روپے۔

اسلامی فقہ

زمانۂ حاضر کی سلیس و شگفتہ زبان میں لکھی گئی مفید ترین کتاب حصہ اول طہارت، نماز، روزہ اور صدقۂ فطر وغیرہ کے جملہ ضروری مسائل پر مشتمل ہے۔ قیمت دو روپے سات آنے۔ حصہ دوم زکوٰۃ اور حج کو حاوی ہے قیمت ایک روپیہ پانچ آنے۔

حصہ سوم چار روپے۔ حصہ چہارم ساڑھے تین روپے۔

مکمل سیٹ رعایتاً گیارہ روپے

کتاب الوسیلہ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ایک زبردست عربی تصنیف اردو لباس میں قربت الٰہی کیلئے جس وسیلہ کی تلاش کا حکم قرآن نے دیا ہے وہ کیا ہے؟ اس کا شافی و کافی جواب بہترین دلائل کے ساتھ اس گرانمایہ کتاب میں دیا گیا ہے شرک و بدعات کی بیخ کنی اور سنت کی تائید

قیمت مجلد نو روپے

ابن ماجہ اور علم حدیث

"ابن ماجہ" صحاح ستہ کی ایک کتاب ہے اس کے جامع ابن ماجہؒ بڑے پائے کے محدث گذرے ہیں۔ ان کی تفصیلی سوانح کے ساتھ اس کتاب میں تدوین حدیث کی مفصل تاریخ اور ان جاں فشانیوں کی روداد پیش کی گئی ہے جو محدثین نے جمع حدیث کے سلسلہ میں کیں کثیر معلومات کا خزانہ۔ مجلد آٹھ روپے۔

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعلق بہترین محققانہ اور سیر حاصل مقالات کا بیش بہا مجموعہ۔ اس کتاب کا نہ پڑھنا اپنی زرین تاریخ کے ایک اہم باب سے ناواقف رہنا ہے جو بہت بڑی محرومی ہے

مجلد چار روپے

کتاب زندگی

امام بخاریؒ کی الادب المفرد کا اردو ترجمہ۔ بہترین اخلاقی تعلیمات پر مشتمل احادیث کا مفید ترین مجموعہ جس کے جامع امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

قیمت مجلد آٹھ روپے۔

عظیم تاریخ اسلام

از اکبر شاہ نجیب آبادی:۔ تین ضخیم جلدوں میں مکمل۔ یہ مشہور زمانہ تاریخ تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ پاکستان میں عمدہ کاغذ، روشن طباعت و کتابت کے ساتھ چھپی ہے قیمت فی سیٹ مکمل و مجلد چھبیس روپے

حیات وحید الزماںؒ

احادیث کے نامور مترجم علامہ وحید الزماںؒ کے علمی و عملی کارناموں کا مفصل تذکرہ۔ جیسا کہ اہل علم کے تذکروں میں ہوتا ہے ضمناً بہت کچھ قیمتی معلومات بھی ہمرشتہ ہیں۔

بہادر خواتین اسلام مجلد تین روپے	**مسئلہ خلافت** از مولانا ابوالکلام آزادؒ ساڑھے تین روپے
قرآنی دستور انقلاب از مولانا عبید اللہ سندھیؒ ڈھائی روپے	**رد نیچریت** از سید جمال الدین افغانیؒ دو روپے
انتخاب صحاح ستہ آٹھ سو احادیث کا بیش بہا ذخیرہ مجلد پانچ روپے	**عنوان انقلاب** سورۂ فتح کی انقلابی تفسیر دو روپے

رفیق سفر

یعنی شریعت کی روشنی میں سفر کے آداب و احکام

قیمت صرف آٹھ آنے

مکتبہ تجلّی دیوبند۔ یوپی۔

(از مولانا تاج محمود صاحب)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

نمونۂ دوم "حقوق الزوجین" مولانا مودودی کی مشہور کتاب ہے۔ ایک مرتبہ مولانا کی طرف ذیل کے مکروہ فقرے منسوب کئے گئے یہ لکھکر کہ یہ "حقوق الزوجین" کا اقتباس ہے۔

"فقہا کا قانون نہایت سخت ہے۔ وہ اپنی سختیوں کی وجہ سے عورتوں کی زندگیوں کو تباہ کرنے والا ان کو بداخلاقیوں کا مبتلا کرنے والا اور ان کو مرتد بنانے والا ہے اس لئے وہ خدا کا قانون نہیں ہو سکتا۔"

(تنقید حقوق الزوجین ماخوذ از صدق جدید صفحہ ۲ مئی ۱۹۴۳ء جلد ۷)

ظاہر ہے کہ اس طرح کے وحشتناک فقرے لکھنے والے کے حق میں لوگوں کی رائے جتنی بھی خراب ہو جائے کم ہے۔ اب عام لوگوں کو کیا معلوم کہ یہ الفاظ مولانا مودودی کے ہیں ہی نہیں بلکہ اُس مضمون کا ایک حصہ ہیں جو ایک صاحب مولوی حبیب احمد کیرانوی نے مولانا مودودی کے مضمون پر تنقید کرتے ہوئے لکھے تھے۔ کس قدر بد دیانتی کی بات ہے کہ کسی شخص کی کتاب سے ایک ناپاک قسم کا مفہوم اخذ کرکے اسے اپنے الفاظ میں بدسے بدتر اسلوب میں بیان کرکے کہا جائے کہ یہ صاحب کتاب نے کہا ہے۔

مولوی نذیر احمد نے "فتنۂ مودودیت" کے صفحہ ۱۳ و ۱۴ پر یہ اشتعال انگیز سرخی دی

"فقہ عورتوں کو بداخلاق اور مرتد بناتی ہے"

گویا انھوں نے لوگوں کو یہ بتایا کہ مولانا مودودی ایسا کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ مکروہ قول نہ لفظاً مولانا موصوف کا ہے نہ معناً۔ یہ تو عناد و تعصب کے اُن متعفن جھاگوں کا مجموعہ ہے جو دلوں کے تاریک گوشوں سے ابھر کر قلم کی نوک پر آ گئے ہیں۔ حقوق الزوجین آج بھی بازار میں موجود ہے جسکا جی چاہے اسے دیکھ لے اور فیصلہ کرے کہ ضروری مسائل پر اتنی مفید و فقیح کتاب کیا اسی سلوک کی مستحق تھی جو معاند حضرات نے روا رکھا ہے۔

بے شک انسان خطاؤں کا پتلا ہے۔ مولانا مودودی سے بھی فروگذاشتیں اور لغزشیں ہو سکتی ہیں۔ مقصود اگر فتنہ پردازی نہ ہو تو انھیں ان کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کا بہتر اسلوب بھی ہو سکتا ہے۔ وہ غلطی کا اعتراف اور اصلاح کرنے میں بخیل نہیں ہیں جیسا کہ ان کی تحریروں کے پڑھنے والے جانتے ہیں۔ میں یہاں دو ایک مثالیں پیش کروں گا۔

اپنے ماہنامے ترجمان القرآن رجب تا رمضان ۱۳۶۰ھ مطابق ستمبر تا نومبر ۱۹۴۱ء میں لکھتے ہیں

"ایک دوست نے میرے مضمون حقوق الزوجین کے اس فقرے کی طرف توجہ دلائی ہے

"اب اگر کوئی شخص چار مہینے کے بعد اسکو رجوع کا حق دیتا ہے تو گویا وہ اس کی مہلت میں اضافہ کرتا ہے جو کتاب اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے صریح تجاوز ہے۔"

فی الواقع خط کشیدہ الفاظ لکھنے میں مجھ سے چوک ہوئی جس قول سے اختلاف کرتے ہوئے میں نے یہ الفاظ لکھے ہیں وہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اور حضرت علیؓ و ابن عمرؓ سے بھی ایک قول اسی معنی میں منقول ہے مجھے افسوس ہے کہ میں نے بے احتیاطی سے اس قول کے خلاف ایسے الفاظ لکھدیئے ہیں جن سے ان بزرگ ہستیوں کی شان میں سوءِ ادب کا پہلو نکلتا ہے۔ ناظرین ازراہ کرم اس فقرے کو قلمزد کرکے یہ الفاظ لکھ لیں۔

"اور یہ اضافہ بظاہر کتاب اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے زائد ہے۔"

اللہ اس شخص کو اجر عطا فرمائے جس نے مجھے میری غلطی پر متنبہ کیا۔"

اسی کتاب کی دوسری غلطی کی اطلاع پاکر ترجمان القرآن رجب تا رمضان ۱۳۶۰ھ میں رقمطراز ہیں۔

"اس مضمون 'حقوق الزوجین' میں تین مقامات پر طلاق بائن کا لفظ اس طلاق کے لئے استعمال کیا گیا ہے جسے فقہا اپنی اصطلاح خاص میں مغلظہ کہتے ہیں (ص۲۹۳، ص۳۲۶، ص۳۵۷) اس سے بعض حضرات کو غلط فہمی ہوئی کیونکہ فقہا کی اصطلاح میں بائن اس طلاق کو کہتے ہیں جس سے زوجین کا ازدواجی تعلق منقطع تو ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں اور وہ طلاق جس کے بعد عورت دوبارہ اس شوہر کے نکاح میں نہیں آسکتی تاوقتیکہ اس کا نکاح کسی اور شخص سے ہو کر فرقت واقع نہ ہو جائے، اس کے لئے فقہا کی اصطلاح میں مغلظہ کا لفظ ہے۔ میں نے طلاق بائن دوسری قسم کی طلاق کیلئے استعمال کیا اور لوگوں کو گمان ہوا کہ میں یہ لفظ فقہا کی معروف اصطلاح ہی میں استعمال کر رہا ہوں، مناسب ہو کہ اس فرق کو مقامات مذکورہ پر نوٹ کر لیا جائے۔"

اس کتاب کی تیسری غلطی سے مطلع ہو کر تحریر فرماتے ہیں۔

"پچھلے دنوں صوبہ سرحد کے دورے کے سلسلہ میں زیارت کاکا صاحبؒ کے مقام پر ایک صاحب نے مجھے ایک رقعہ دیا تھا جس میں میری کتاب 'حقوق الزوجین' کے ایک مقام کی غلطی پر انہوں نے مجھے متنبہ فرمایا تھا میں نے دورے سے واپس آکر اس مقام کو دیکھا اور احکام القرآن للجصاص کی اصل عبارت سے جسکا حوالہ دیتے ہوئے میں نے وہ مسئلہ لکھا تھا اسکا مقابلہ کیا۔ معلوم ہوا کہ فی الواقع اس جگہ مجھ سے غلطی سرزد ہو گئی ہے اور احکام القرآن کی عبارت کا وہ منشا نہیں ہے جو میں نے بیان کیا ہے، چنانچہ میں نے حقوق الزوجین کے ایڈیشن میں جو زیر طبع ہے اس مقام کی اصلاح کر دی ہے جن اصحاب کے پاس اس کتاب کے پرانے ایڈیشن ہیں وہ بھی اپنے نسخوں میں اصلاح فرمالیں اللہ تعالیٰ ان صاحب کو جزائے خیر دے جنھوں نے میری اصلاح کی کوشش فرمائی۔"

(ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ فروری ۱۹۵۲ء)

ان تینوں مثالوں سے کس پر یہ حقیقت ظاہر نہیں ہو گئی کہ مولانا مودودی اپنی کسی غلطی کے اعتراف اور اس کی تصحیح میں نہ عنادی ہیں نہ نخوت کیش۔ اگر اعتراض کرنے والے صرف اخلاص اسپرٹ اور ہمدردانہ لب ولہجے سے ان کی خطاؤں پر انگلی رکھتے تو نفاق وافتراق کی بجائے رواداری و دوستی کی فضا پیدا ہو سکتی تھی لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ جن اعتراضات میں کوئی وزن ہو سکتا تھا ان کے ساتھ اتہام و افترا کے دفتر بھی ملا دیئے گئے، پیش کرنے کا اسلوب ایسا المناک رہا کہ کوئی بھی سلیم الطبع آدمی اس کی طرف توجہ کرنا بھی پسند نہ کرے۔ عجب ہے کہ پہلی مثال میں ہم نے ابھی جس غلطی کے اعتراف و اصلاح کو پیش کیا اس کے دس سال بعد مولانا عبدالرشید محمود گنگوہی اس غلطی پر سخت ریمارک کرتے ہیں!

ایک مرتبہ تفہیم القرآن کی تفسیر میں ایک آیت غلط طور پر درج ہو گئی جس کی وجہ سے ترجمہ بھی غلط ہوا ہر غیر جانبدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ کوئی مفسر جان بوجھ کر آیت غلط نہیں لکھ سکتا۔ دنیا کی دوسری کتاب کے کوئی شخص یہ فریب کر سکتا ہے کہ کوئی لفظ گھٹا یا بڑھا دے لیکن قرآن ایسی کتاب ہے جسمیں حذف و اضافے سے فائدہ اٹھانے کا تصور دیوانوں کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اگر کسی نے آیت غلط نقل کر دی ہے تو کینہ پرور اور بدکیش دشمنوں کے سوا کسی شخص کے دل میں یہ گمان نہیں گذر سکتا کہ یہ غلطی جان بوجھ کر کی گئی ہے۔ لیکن مولانا مودودی کی نادانستہ خطا کو دانستہ قصور قرار دیتے ہوئے پوسٹر اور پمفلٹ شائع کئے گئے کہ وہ محرف قرآن ہیں۔ دیکھو جماعت اسلامی قرآن میں تحریف

کرکے اپنے منشا، کے مطابق ڈھالنا چاہتی ہے۔ وغیرہ۔

اس پر مولانا مودودی نے جو کچھ لکھا وہ ترجمان القرآن جمادی الاولیٰ تا رجب ۷۰ھ مطابق مارچ تا مئی ۵۱ء میں دیکھا جاسکتاہے۔ فرماتے ہیں۔

"دوسری مثال جو انہوں نے دی ہے اس کو آپ کے دیئے ہوئے حوالے سے میں نے اپریل ۳۸ء کے ترجمان القرآن میں نکال کر دیکھا اور معلوم ہوا کہ یہاں آیت نقل کرنے میں واقعی مجھ سے سخت غلطی ہو گئی ہے اور افسوس ہے کہ اس غلطی کی وجہ سے ترجمہ بھی غلط ہو گیا ہے۔ اس غلطی کو آج تیرہ سال ہو گئے اس دوران میں آجتک نہ میری ہی نگاہ اس پر پڑی اور نہ کسی نے مجھکو اس کی طرف توجہ دلائی۔ معترض بزرگ کا شکریہ کہ انہوں نے اس دیدہ ریزی کیساتھ میری خطاؤں کو تلاش کرنے کی کوشش کی اور ایسی سخت غلطی پر ان کے ذریعہ مجھے تنبیہ ہوا اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے وہی بہتر جانتاہے کہ یہ سہو تھا یا دانستہ تحریف۔ بہرحال میرا معاملہ تو اللہ سے ہے معترض بزرگ اگر پبلک کو حاکم حقیقی سمجھتے ہیں تو انھیں پورا اختیار ہے کہ اس کو دانستہ تحریف قرآن کے جرم کا ایک کھلا ہوا ثبوت کہہ کر لوگوں کے سامنے پیش کریں اور اسکا جتنا فائدہ اس دنیا میں اٹھا سکتے ہوں اٹھائیں"۔

بجا اعتراض کو قبول کرنے کی مثالیں مولٰنا مودودی کے یہاں بہت ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا انداز نظر اور ذہن ترجمان القرآن ربیع الثانی ۵۶ھ کے مندرجہ ذیل اقتباس میں دیکھئے۔

"ہم دلی شکریہ کیساتھ اس کو قبول کرتے ہیں، دراصل کوئی انسان خطا اور لغزش سے پاک نہیں۔ غلطی جسطرح دوسروں سے ہوسکتی ہے ہم سے بھی ہوسکتی ہے اور دیانت کا اقتضاء یہ ہے کہ جب ہم کو کسی لغزش پہ متنبہ کیا جائے تو فوراً ہی اپنی اصلاح کرلیں۔ حقائق کی تنقیح اور علم کی ترقی بغیر اس کے ممکن ہی نہیں کہ اہل علم ایکدوسرے کے کاموں پر تنقید کرتے رہیں اور جن لوگوں پر تنقید کیجائے وہ علامیت کا پندار چھوڑ کر ایک طالب علم کی طرح استفادہ کی کوشش کریں"۔

نمونۂ سوم

ماہنامہ "رضوان" لاہور کے مدیر کا ایک مضمون ۲۶رجون کے "نوائے پاکستان" میں شائع ہوا جسکا عنوان تھا

"جماعت اسلامی کا لٹریچر خلاف اسلام تصورات پر مشتمل ہے"

اس میں مولٰنا مودودی کی کتاب "جبر و قدر" سے صفحہ کا حوالہ دیکر یہ الفاظ نقل کئے گئے۔

"میرے نزدیک مسئلہ جبر و قدر جزو ایمان نہیں ہے اور اس کی حیثیت ایک مسئلہ کی ہے"

اور سوال کیا گیا کہ آپ نے کس دلیل کی بنا پر قضا و قدر کو ایمان سے خارج کیا ہے؟

اس پر کچھ تبصرہ کرنے کی بجائے اچھا یہی ہے کہ خود مولٰنا مودودی کا جواب نقل کردیں

"آپ نے میری کتاب "مسئلہ "جبر و قدر" کے جس فقرے کا حوالہ دیکر مجھ پر یہ الزام لگایا کہ تم قضا و قدر کو جزو ایمان نہیں سمجھتے وہ فقرہ میری عبارت کا نہیں بلکہ اس شخص کی عبارت کا ہے جس کے سوالات کے جواب میں میں نے یہ کتاب لکھی ہے آپ کے اس سوال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو آپ نے میری اس کتاب کو خود نہیں پڑھا یا پھر آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ایک شخص اپنی کسی تحریر کے درمیان جس عبارت کو حاشیہ چھوڑ کر توسین کے درمیان نقل کرتا ہے وہ اس کی اپنی عبارت نہیں ہوتی بلکہ دوسرے شخص کی عبارت ہوا کرتی ہے۔ اگر آپ نے یہ کتاب خود نہیں پڑھی بلکہ کہیں سے سن سنا کر اس فقرے کے حوالے سے مجھ پر ایک الزام چسپاں کردیا ہے تو آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ یہ حرکت کرکے

آپ کیسی سخت بے انصافی مرتکب ہوئے ہیں اور اگر آپ نے اس کتاب کو خود پڑھا ہے۔ اور پھر بھی آپ یہ نہیں سمجھ سکے کہ جس عبارت کا ایک فقرہ آپ نقل کر رہے ہیں وہ میری عبارت کا نہیں بلکہ سائل کی عبارت ہے جس کا جواب دینے کے لئے میں نے نقل کیا ہے تو آپ فرمائیں کہ اس قابلیت اور سمجھ بوجھ کے آدمی کو آخر کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اپنے بڑے بڑے مسائل کے متعلق دوسروں کے عقائد کی صحت اور عدم صحت کا فیصلہ کرنے بیٹھ جائے"

نمونہ چہارم خدام اہل سنت والجماعت (جھنگ بازار لائلپور) نے طوفان اٹھایا کہ مولانا مودودی خارجی و معتزلی اور شفاعت کے منکر ہیں۔ انداز جس قدر گھنا ؤ نا اور سوقیانہ اختیار کیا گیا اس کا اندازہ اشتہار کے عنوان سے کیجئے۔

"مودودی کا شفاعت سے صاف انکار اور اپنے معتزلی و خارجی ہونے کا اقرار اور جو مسلمان شفاعت کا عقیدہ رکھے مودودی کے نزدیک اس کا بے ایمان ہونا"

پھر ترجمان القرآن جلد ۲۶ ـــ ۱ ـــ ۲ کے صفحہ ۳۰ سے بطور ثبوت ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

"اس طرح آخرت کو ماننے کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ آدمی یہ بات مان لے کہ ہم مرنے کے بعد پھر اٹھائے جائیں گے بلکہ اس کے ساتھ یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ وہاں کوئی سفارش کوئی فدیہ اور کسی بزرگ سے منتسب ہونا کام نہ آئے گا اور نہ کسی کا کفارہ بن سکے گا خدا کی عدالت میں بے لاگ انصاف ہوگا اور آدمی کے ایمان و عمل کے سوا کسی چیز کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔ اس عقیدے کے بغیر آخرت کو ماننا لاحاصل ہے"

"اور مودودی کتاب تفہیمات کے صفحہ ۲۴۳ پر ہے

"اس عادل حقیقی کے ہاں نہ کوئی سفارش کام آئے گی نہ رشوت چلے گی۔ نہ کسی کا نسب پوچھا جائے گا۔ وہاں صرف ایمان اور نیک عمل کی پوچھ ہوگی۔ جس کے پاس یہ سامان ہوگا وہ جنت میں جائے گا اور جس کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہ ہوگا وہ نامراد دوزخ میں ڈالا جائے گا"

اب آپ حضرت مولانا مودودی صاحب کی زبانی قصہ سنیئے :-

"اللہ اُن لوگوں کو نیک ہدایت دے جو دوسروں کی طرف غلط باتیں منسوب کر کے دنیا میں پھیلاتے ہیں اور ان کے اقوال کو ایسے معنے پہناتے ہیں جو قائل کے منشا کے خلاف ہوں۔ اگر الزام لگانے والے بزرگ کے دل میں خدا کا کچھ خوف ہوتا تو وہ اشتہار کی اشاعت سے پہلے مجھ سے لکھ کر پوچھ سکتے تھے کہ تیری ان عبارتوں کا کیا منشا ہے اور شفاعت کے بارے میں تیرا عقیدہ کیا ہے، میری جن عبارتوں کا انھوں نے حوالہ دیا ہے ان میں ایک یہود و نصاریٰ کے غلط عقیدۂ شفاعت کی تردید میں ہے اور اس کا اصل مقصد یہ بتانا ہے کہ اس غلط عقیدہ کی وجہ سے کس طرح اہل کتاب کا ایمان بالیوم الآخر باطل ہو گیا ہے جس کی بناء پر قرآن میں ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتے۔

دوسری عبارت میں ان تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت رسالت کے آغاز میں مشرکین مکہ کو خطاب کر کے ارشاد فرمائی تھیں، دونوں میں سے کسی مقام پر بھی اسلام کے عقیدۂ شفاعت کو بیان کرنے کا موقع نہ تھا۔ آخر کافروں اور مشرکوں کے سلسلہ میں اس شفاعت کا ذکر کیوں کیا جاتا جس کے مستحق صرف اہل ایمان ہیں، کافروں اور مشرکوں کے معاملہ میں جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ وہی ہے جو قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۔ رہا اسلامی عقیدۂ شفاعت تو وہ قرآن و حدیث کی رو سے یہ ہے کہ قیامت کے روز

اللہ تعالیٰ کی عدالت میں شفاعت نہ کر سکے گا جس کو
اللہ اجازت دے اور صرف اسی شخص کے حق میں
کر سکے گا جس کو اللہ اجازت دے۔
ملاحظہ ہو يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ
اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔ وَلَا
تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهُ۔ مَنْ ذَا الَّذِي
يَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلَّا بِاِذْنِهِ۔ لہٰذا اس [illegible]
نبی صلعم آخرت میں یقیناً شفاعت فرمائیں گے۔ مگر
یہ شفاعت اللہ کے اذن سے ہوگی اور اہل ایمان
کے حق میں ہوگی جو [illegible] نیک عمل کرنے کی
کوشش کرتے [illegible] ہوگئے ہوں
جان بوجھ کر [illegible] اور بدکاریاں کرنے والے اور بھی
خدا سے [illegible] حضور کی شفاعت کے
مستحق نہیں ہیں [illegible] حدیث میں حضور کا ایک

طویل خطبہ ہے جس میں آپ جرم خیانت کی شدت
بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز
یہ خائن لوگ اس حالت میں آئیں گے کہ ان کی گردن
پر ان کا خیانت سے حاصل کیا ہوا مال لدا ہوگا اور
وہ مجھے پکاریں گے کہ یا رسول اللہ اغثنی (یا رسول اللہ
میری مدد فرمائیے) مگر میں جواب دوں گا کہ
لا أملك لك شيئا قد ابلغتك (میں تیرے لئے
کچھ نہیں کر سکتا، میں نے تجھ تک خدا کا پیغام پہنچا دیا
تھا)۔

ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب قسمۃ الغنائم
والغلول [illegible]۔

ترجمان القرآن [illegible]
رسائل و مسائل حصہ دوم [illegible]

(بقیہ از صفحہ ۳۸)

بیعت کرنے والے متعدد جلیل القدر صحابہ کو سب و شتم کرنیکا
راستہ نکالا ہے۔

زندگی رہی تو انشاء اللہ آئندہ حضرت مہتمم صاحب
کی کتاب کو شروع سے لیں گے اور بتائیں گے کہ جس کتاب
کی پیشانی پر "عظیم دعوت فکر اور تاریخ کے وقیع معیار پر
بے مثل تحقیقات کا ایک گنج گرانمایہ" تحریر کیا گیا ہے اسکی
کیا قدر و قیمت ہے۔ مہتمم صاحب کے عالی قدر صاحبزادے
محمد سالم صاحب [illegible] کہ اپنے والد کی منقبت میں ترجمان اہل
حق اور حکیم الاسلام جو بھی چاہے لکھا کریں لیکن حق یہ ہے کہ اس
کتاب نے جس کے ٹائٹل پر "از نتیجۂ فکر" لکھا گیا ہے مصنف
کی فکری دیانت، علمی تبحر اور فہم و فراست کے بارے میں
بہت مایوس کن تأثر دیا ہے۔ کاش اسکا انتساب انہی لوگوں
میں سے کسی طرف ہوتا جنھوں نے مواد اکٹھا کیا تھا۔ تب
نہ ہمیں ان کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہوتی نہ مایوسی
کا مرحلہ پیش آتا۔ حضرت مہتمم صاحب ہمارے ممدوح ہیں۔
ان سے ہزاروں کو حسن ظن ہے، ان کے منھ سے پھول
جھڑتے ہیں، ان کی شخصیت بڑی دلکش ہے، ان کے حسن
اخلاق کا طوطی بولتا ہے ان کے جام نواز تبسم سے اہل
ذوق کی جمالیاتی حس بیدار ہوتی ہے، وہ بہت اچھے بڑی
مرنجاں مرنج بے حد حلیم و شفیق ہیں، کاش ہمیں ان کی کتاب پر
نقد کا ناگوار فرض ادا نہ کرنا پڑتا۔ مگر ہم کیا کریں ان سے
بھی بڑھ کر ہمیں شاہد انصاف کے لعل و لب عزیز ہیں۔
کون جانے ایک دن ہماری تڑپتی ہوئی لاش شاید اسی
شاہد معصوم کے پائے نگاریں میں پڑی نظر آئے!
والی اللہ ترجع الامور۔

نبوّت، ناسخ و منسوخ، استعارہ و کنایہ اور اختلاف قرأت کی بحثیں۔
صفحات ۶۳۸ کاغذ لکھائی چھپائی معیاری۔ قیمت چودّہ روپے۔
مجلد پختہ سولہ روپے

قصص القرآن قرآن کے بیان فرمودہ قصص پر لاجواب کتاب، عظیم معلومات کا خزانہ مستند اور محققانہ تفصیلات سے مالا مال۔ حصہ اوّل آٹھ روپے۔ حصہ دوم چار روپے۔ حصہ سوم ساڑھے پانچ روپے۔ حصہ چہارم آٹھ روپے۔ مکمل سیٹ منگانے پر قیمت پچیس روپے ــــ مجلد مطلوب ہوں تو ایک پختہ جلد پر ڈیڑھ روپیہ

لغات القرآن قرآنی لغات کی تشریح آسان زبان میں۔ جو لوگ قرآن کو بلا ترجمہ سمجھنے کی خواہش اور شوق رکھتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔ مجلد چار روپے۔

عظیم لغات القرآن چھ ضخیم جلدوں میں۔
حصہ اول حصہ دوم
حصہ سوم حصہ چہارم حصہ پنجم
حصہ ششم

علم الحدیث

مسند امام اعظم رح (اردو مع عربی) امام الفقہ حضرت ابوحنیفہ رح کا مرتب کردہ ۵۲۳ احادیث کا مجموعہ (مولٰنا عبدالرشید نعمانی کے بیش بہا، پُر مغز اور مبسوط مقدمے کیساتھ)
ہدیہ مجلد آٹھ روپے

مؤطا امام مالک رح (مترجم عربی مع اردو) احادیث و آثار کا وہ مجموعہ جو بخاری سے پہلے مرتب ہوا۔ ہدیہ بارہ روپے۔ مجلد کرم تیرہ روپے (مجلد اعلیٰ چودہ روپے

مؤطا امام محمد رح (اردو مع عربی) مقدمہ مولانا عبدالرشید نعمانی۔ مجلد آٹھ روپے

کتاب الآثار (اردو مع عربی) امام محمد رح کے مرتب کردہ نوسو آثار کا مجموعہ جسے امام ابوحنیفہ رح نے چالیس ہزار احادیث نبوی سے منتخب فرمایا (مقدمہ مولانا عبدالرشید نعمانی) ھدیہ مجلد آٹھ روپے۔

بخاری شریف (اردو مع عربی) تین ضخیم جلدوں میں مکمل۔ مجلد پینتالیس روپے

بخاری شریف (صرف اردو ترجمہ) تین جلدوں میں مکمل۔ مجلد ہدیہ چوبیس روپے
مجلد پختہ ستائیس روپے

مشکوٰۃ شریف (اردو مع عربی) مکمل تین جلدوں میں، مجلد ہدیہ چوبیس روپے۔

مشکوٰۃ شریف (صرف اردو) دو جلدوں میں مکمل۔ مجلد سولہ روپے (مجلد پختہ اٹھارہ روپے

ترمذی شریف (خالص اردو) دو جلدوں میں مکمل مجلد کا ہدیہ سولہ روپے
(مجلد پختہ اٹھارہ روپے)

ابن ماجہ (اردو) صحاح ستہ کی کتاب ابن ماجہ کا مکمل اور سلیس ترجمہ۔ شائقین حدیث کے لئے نادر تحفہ۔
صفحات ۶۶۰ ہدیہ مجلد بارہ روپے۔

سنن دارمی (صرف اردو) حدیث کی مشہور کتاب۔ ہدیہ مجلد آٹھ روپے

مشارق الانوار (مترجم) بخاری و مسلم کی صرف قولی احادیث کا نفیس انتخاب۔ ترتیب فقہی ابواب پر ہے جس سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ کونسا مسئلہ کس حدیث سے نکلا ہے۔ ترجمہ کیساتھ تشریح بھی اور عربی متن بھی۔ ہدیہ چودّہ روپے۔ مجلد پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ سولہ روپے)۔

بلوغ المرام مشہور امام فن حافظ ابن حجر رح کی یہ کتاب بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور دیگر کتب معتبرہ سے منتخب کئے ہوئے دینی احکام کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ ترجمہ مع عربی متن
ہدیہ مجلد آٹھ روپے۔

صحیفہ ہمام بن منبہ بخاری و مؤطا امام مالک سے بھی قدیم وہ کتاب حدیث جو مشہور صحابی ابوہریرہ رض نے اپنے شاگرد ابن منبہ کے لئے مرتب کی۔ ہدیہ ساڑھے تین روپے
(مجلد ساڑھے چار روپے)

ترجمان السنۃ احادیث کی بہترین تفہیم و تشریح پر مشتمل اردو زبان میں اپنی قسم کی واحد کتاب۔ اشتہار میں اس کی خوبیوں کا اجمالی تعارف بھی مشکل ہے پس

لطائف علمیہ:- محدث ابن جوزی رح کی کتاب الاذکیاء" کا ترجمہ۔ مجلد پانچ روپے / شہادت حق ۔/۵ / ح ۔۔ اطار ۔۶

دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے - جلد اول دس روپے (مجلّد بارہ روپے) جلد دوم نو روپے (مجلّد گیارہ روپے) جلد سوم ساڑھے دس روپے (مجلّد ...)

بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کی ایمان افروز کتاب کا اُردو ترجمہ - بلند پایہ محدثین کے حالات اور خدمات و تالیفات کا پاکیزہ تذکرہ - مجلّد پانچ روپے

معارف الحدیث از مولانا منظور نعمانی در دو جلد دس روپے بارہ آنے

تجرید بخاری بخاری کی ۲۱۸۰ منتخب احادیث کا مجموعہ - مجلد آٹھ روپے -

انتخاب صحاح ستہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی کا پسندیدہ انتخاب - ہدیہ مجلّد پانچ روپے -

تاریخ تدوین حدیث تدوین حدیث کب، کیونکر، کس انداز میں ہوئی؟ اس کا مدلل و مفصل جواب - معلومات کثیرہ کا خزینہ - ہدیہ ڈیڑھ روپیہ -

علم الحدیث فلسفۂ علم الحدیث کی عمدہ تحقیق - سوا روپیہ

سوانح اور تذکرے

اصح السیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تاریخی واقعات پر مشتمل، بیحد نفیس، مفصل مستند اور بیحد علمی و تحقیقی کتاب "سیرۃ النبی" کی ضخیم مجلدات کے سوا اُردو میں کوئی کتاب سیرۃ اس کے پلّے کی نہیں - مجلد دس روپے -

حیاتِ طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر لاجواب سیرت - صوری و معنوی خوبیوں سے مزیّن - قیمت سوا دو روپے -

حضرت صدیق اکبر رض رسول اللہ صلعم کے بعد سب سے بڑے انسان حضرت ابو بکر صدیق رض کی مبسوط جامع اور ضخیم سوانح - از مولانا سعید احمد اکبر آبادی قیمت سات روپے - مجلّد آٹھ روپے (مجلّد اعلیٰ ساڑھے نو روپے)

الفاروق امیر المومنین خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح پر علامہ شبلی رح کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے - قیمت مجلد چھ روپے -

ابوذر غفاری رض رسول اللہ صلعم کے بلند مرتبہ صحابی حضرت ابوذر غفاری رض کی مفصل سوانح مولانا مناظر احسن گیلانی کے قلم سے - قیمت مجلد دو روپے -

سیرت عمر ابن عبدالعزیز رح اُس جلیل القدر ہستی کی سوانح اور حالات جس کی خلافت کو اکثر علماء نے پانچویں خلافتِ راشدہ سے تعبیر کیا ہے - مجلّد تین روپے -

حیات امام ابوحنیفہ یعنی سیرۃ النعمان علامہ شبلی رح کے قلم سے فقیہ اکبر امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رح کے مفصل حالاتِ زندگی، دلچسپ اور ایمان افروز - قیمت تین روپے (مجلّد چار روپے)

حیات امام احمد بن حنبل رح مصر کے مایۂ ناز محقق ابوزہرہ کی معرکۃ الآراء کتاب "ابن حنبل" کا نفیس اُردو ترجمہ - امام احمد رح پر یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے - دس روپے

الغزالی رح امام غزالی رح پر مولانا شبلی نعمانی رح کی محققانہ تالیف جو آجکل کمیاب ہے (کاغذ رف) غیر مجلد دو روپے -

تذکرہ مجدد الف ثانی رح اُس عظیم مرد مومن کے حالات زندگی جس نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا جسے اُمتِ مسلمہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کرتی ہے - مجلّد چار روپے

محمد بن عبدالوہاب رح از مولانا مسعود عالم ندوی - بارھویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رح کی سیرت اور دعوت پر علمی و تحقیقی تصنیف - جس میں مشرق و مغرب کے تمام مآخذ پوری طرح کنگھال کر غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے - قیمت ڈھائی روپے

حیاتِ ولی شاہ ولی اللہ رح اور ان کے آباؤ اجداد، اولاد اور اساتذہ کا تذکرہ - قیمت مجلد چھ روپے -

سیرت اشرف حکیم الامت مولانا اشرف علی رح کی مفصل سیرت صفحات ۷۱۵ مجلد بارہ روپے -

تجلیاتِ عثمانی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح کی علمی زندگی کے مفصل حالات آپ کے علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، مناظرہ، تقریر، اُردو، فارسی، عربی ادب اور

سیاسیات پر سیر حاصل تبصرہ، بڑے ۱۱۲ صفحات، جلد پر حسین رنگا گرد پوش۔ قیمت مجلد ساڑھے دس روپے۔

تذکرہ — مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب جو ان کے اپنے اور آباؤ اجداد کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ معلومات سے لبریز۔ قیمت مجلد سات روپے۔

آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی — مولانا ابو الکلام آزادؒ کی داستانِ حیات جسے ان کے قریبی معتمد مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی نے املا کیا۔ قیمت چھ روپے

صحابیات — صحابی عورتوں کے ایمان افروز حالات۔ مجلد چھ روپے

ردِ شرک و بدعت

الوسیلہ — امام ابن تیمیہؒ کی معرکۃ الآراء کتاب، جسمیں واضح کیا گیا ہے کہ "وسیلہ" کا کیا مطلب ہے اور اس کی شرعی حدود کیا ہیں؟ عجیب ایمان افروز۔ قیمت مجلد نو روپے۔

تقویۃ الایمان (اردو) — شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی وہ مشہور زمانہ کتاب جس نے اہل بدعت میں ہلچل ڈالدی۔ قیمت چار روپے۔ (مجلد پانچ روپے)۔

الشہاب الثاقب (اردو) — بدعات کے رد میں ایک مفید کتاب قیمت ایک روپیہ بارہ آنے

کتاب التوحید — رد شرک و بدعت میں شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کی نفیس کتاب۔ قیمت مجلد تین روپے

بدعت کیا ہے؟ — مولانا عامر عثمانی اور تین دیگر حضرات کے مضامین کا مجموعہ جو شرک و بدعت اور توحید و سنت کے فرق و امتیاز پر لاجواب مواد پیش کرتا ہے۔ مجلد تین روپے

ردِ عقائد بدعیہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس پر مفصل و مدلل بحث قیمت ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات — حضرت اسمٰعیل شہیدؒ پر اہل بدعت کے ہوائی الزامات کا کافی و شافی رد ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

فیصلہ کن مناظرہ — مجلد ڈیڑھ روپیہ۔

تصانیف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ

الوسیلہ — قرآن میں مومنین کو جس وسیلہ کا حکم دیا گیا ہے وہ کیا ہے؟ بے شمار معلوماتِ علمی و دینی کا خزینہ قیمت مجلد نو روپے

تفسیر آیتِ کریمہ — بسم اللہ کے عجیب و غریب لطائف۔ برکات مفادات۔ دیکھنے کے قابل۔ ہدیہ تین روپے (مجلد چار روپے)

اصول تفسیر — شیخ الاسلام کے ایک قیمتی رسالہ کا اردو ترجمہ۔ قیمت ایک روپیہ۔

مناسک حج — حج اور مقامِ حج کے بارے میں محققانہ مواد قیمت مجلد تین روپے

تصانیف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ

حجۃ اللہ البالغہ کامل — گوناگوں علوم دینیہ میں شاہ صاحبؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے اردو ترجمہ مع عربی۔ قیمت ہر دو حصہ مجلد مکمل ۲۰ بیس روپے۔

ازالۃ الخفاء کامل — یہ وہی شہرہ آفاق کتاب ہے جس کا پورا نام "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" ہے۔ دو جلدوں میں کامل۔ اردو ترجمہ سلیس۔ خلفائے راشدین کے بارے میں بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت مجلد مکمل ۲۰ بیس روپے۔

تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ تاریخ — حضرت شاہ صاحبؒ کی معروف کتاب **ہمعات** کا اردو ترجمہ۔ پونے تین روپے

سیرتِ رسول ﷺ — سلیس اردو ترجمہ۔ قیمت صرف دس آنے۔

(شاہ ولی اللہؒ کی مفصل سوانح بھی "حیات ولی" کے نام سے طلب فرما سکتے ہیں۔ مجلد چھ روپے)

تصانیف مولانا اشرف علی [illegible]

بہشتی زیور — روز مرہ کے تمام دینی مسائل کا معتبر خز[ینہ]

تاریخ دیوبند۔ مجلد دو روپے (مولانا تھانویؒ) کی مختصر سوانح [illegible]

نادر اشیاء کی سیکڑوں تصاویر۔ صفحات ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ۔ تجلی سائز۔ کتابت، طباعت، کاغذ سب معیاری جلد پختہ۔ قیمت ستائیس روپے۔

مصباح اللغات مختلف کتب لغت کا نچوڑ۔ مجلد سولہ روپے

القاموس الجدید اپنی قسم کی پہلی اُردو عربی لغت۔ اُردو سے عربی بنانے، عربی سیکھنے اور لکھنے والوں کے لئے تحفۂ نادرہ۔ چھوٹے ۷۷۴ صفحات قیمت مجلد سات روپے

کریم اللغات عربی و فارسی کے جو محاورات اور الفاظ اُردو میں رائج ہیں ان کی تشریح۔ یہ لغت اچھی اُردو لکھنے اور سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ دو روپے مجلد

نئی راہ کے چند خاص نمبر

قرآن نمبر مولانا آزاد، علامہ رشید رضا، علامہ جوہر طنطاوی علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے شہرہ آفاق حضرات کے مضامین پر مشتمل ۱۱۹ سورتوں کا منظوم ترجمہ بھی سیماب اکبر آبادی کے قلم سے شامل اشاعت ہے۔ رعایتی قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

اولیاء اللہ نمبر خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حالات اور اقوال کے علاوہ تصوف اور مشائخ چشت کے طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رعایتی قیمت بارہ آنے۔

حکمت نمبر قرآن اور کمیونزم، قرآن اور سائنس، قرآن اور جہاد، قرآن میں جماعت کی اہمیت، قرآن میں حقوق العباد اور قرآن میں آداب مجلسی جیسے اہم مضامین۔ ایک روپیہ

پیغمبر اسلام رسول اللہ صلعم کے بارے میں ۲۶ غیر مسلم مشاہیر و فاضلین کا اظہار عقیدت۔ ایک روپیہ

بشریت کا مقام بلند محمد اجمل خاں، مہر محمد خاں اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے تین تحقیقی مضامین۔ قیمت سوا روپیہ۔

گلدستۂ نعت بڑے بڑے شاعروں کا منتخب نعتیہ کلام چند مقالات بھی بطور ضمیمہ شامل ہیں۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

ادبیات

شاہنامۂ اسلام جدید حصہ اوّل از:۔ مولانا عامر عثمانی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصالِ مبارک اور اسکے بعد پہلی خلافتِ راشدہ کا قیام، خلیفۂ اوّل کا انتخاب کیونکر عمل میں آیا، جنگی اصول، معرکہ آرائیاں۔ تاریخ کی روشن صداقتیں زبانِ شعر میں ملاحظہ فرمایئے۔ قیمت مجلد تین روپے

دیوان غالب نفیس ایڈیشن جس میں غالب کی تحریر کا عکس ان کی تصویر اور بعض ایسے اشعار شامل ہیں جو دوسرے ایڈیشنوں میں نہیں پائے جاتے۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے۔

کلیات اقبال ڈاکٹر اقبال کے اُردو کلام کا انتخاب۔ قیمت مجلد پانچ روپے

شعلۂ طور جگر مراد آبادی کا مجموعۂ کلام۔ مجلد پانچ روپے۔

آتش گل شہنشاہ تغزل حضرت جگر مراد آبادی کا نیا مجموعۂ کلام جس پر حکومتِ ہند نے انعام دیا۔ مجلد مع کور قیمت پانچ روپے

فردوس ماہر القادری کی وجد انگیز نظموں کا دلپذیر مجموعہ۔ قیمت ساڑھے تین روپے

اُردو کے چاند تارے اُردو کے تقریباً تمام باکمال شاعروں کا مصور تذکرہ اور نمونۂ کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے

نبضِ دوراں ہند و پاک کے مشہور شاعر جناب انور صابری کا مجموعۂ کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

کمیونزم کے خدوخال

پتھر کے دیوتا دنیا کے چھ مشہور مصنف کمیونزم کو خیرباد کہنے کے متعلق اپنی کہانی بیان کرتے ہیں۔ صفحات ۲۴۴ ڈیڑھ روپیہ

ورکٹا ایک بے حد دلچسپ اور حیرت انگیز آپ بیتی۔ جس سے روس کے جبری محنت کے ظالمانہ نظام کا بھیانک منظر سامنے آتا ہے۔ ڈیڑھ روپیہ۔

رسول اللہ صلعم کے خطبات و ارشادات۔ مجلد ڈھائی روپے / تحقیق اسم اعظم۔ چھ آنے / علامات قیامت۔ دس آنے۔

سُرخ چین سے فرار — یہ بھی ایک آپ بیتی ہے۔ سبق آموز، عبرتناک اور سنسنی خیز۔ ڈیڑھ روپیہ۔

آزادی کی طرف — ایک بڈھے روسی افسر کی خود نوشت سوانح جس نے امریکہ میں پناہ لی۔ یہ بے حد دلچسپ لیکن عبرتناک کتاب روس کے حقیقی حالات سے متعارف کراتی ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد آپ کمیونزم کے حسین نعروں اور مصنوعی دعووں سے کبھی دھوکا نہیں کھائینگے۔ مجلّد تین روپے

سوئٹ روس کی حقیقت — بہت ضروری قابلِ مطالعہ کتاب۔ دو حصوں میں مکمل ہے

کمیونزم اور کسان — کمیونزم کو ایشیائی نقطۂ نظر سے سمجھنے سمجھانے کی کامیاب کوشش جو بیشمار دستاویزی حوالوں سے مزین ہے۔ قیمت مجلّد دو روپے آٹھ آنے۔

سوئٹ نظام کی چھ کنجیاں — جچے تُلے عقلی و نفسی دلائل پر مشتمل ایک سنجیدہ اور معیاری کتاب جو دلچسپ بھی ہے اور حقیقت افروز بھی صفحات ۳۲۴۔ ایک روپیہ

لینن — کمیونزم کے مشہور راہنما لینن کی سوانح حیات، ایک روسی کے قلم سے جو مکمل غیر جانبداری سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ صفحات ۲۷۲۔ قیمت ایک روپیہ۔

آزادی کا ادب — بعض منتخب مقالوں، افسانوں اور منظومات کا مجموعہ۔ جنھیں نیک تعمیری مقاصد کے تحت چھاپا گیا ہے۔ قیمت مجلّد تین روپے۔

ادب میں ترقی پسندی — ادب میں "ترقی پسندی" کے نام سے جو تحریک جاری کی گئی تھی اس کی پوست کندہ حقیقت فی الاصل وہ کمیونزم ہی کی ایک سازش ہے۔ قیمت مجلّد ایک روپیہ۔

اشتراکیت روس کی تجربہ گاہ میں — اشتراکیت کی عملی ناکامی پر ایک محققانہ نظر۔ قیمت مجلّد تین روپے۔

نئی دنیا کی جھلکیاں — ۱ (ہمارے دور کا انقلاب) ۲ (موجودہ سماج میں طبقاتی نظام) ۳ (اقتصادی نظام) ۴ (اقتصادی سامراج) ان چاروں میں سے ہر ایک کی قیمت چار آنے ہے

مختلف علوم وفنون

حصنِ حصین (مترجم) — دعاؤں، مناجاتوں، وظیفوں اور جامع کلمات کا مشہور مجموعہ۔ مجلّد آٹھ روپے

مقدمہ ابن خلدون — یہ شہرہ آفاق کتاب اُردو ترجمہ ہوکر آگئی ہے۔ مجلّد پشتہ۔ پندرہ روپے (مجلّد اعلیٰ سَترہ روپے)

فتوح الغیب (اُردو) — ایمان، تقویٰ، صبر، فقر، خیر وشر، جبر وقدر، سنت و بدعت اور شریعت وطریقت وغیرہا کے عنوانات پر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح کے مشہور و معروف مقالات کا مجموعہ۔ جس میں مولانا عبد الماجد دریا بادی کا مبسوط تعارفی مقالہ بھی شامل ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

حکایاتِ صحابہ رض — صحابی مردوں اور عورتوں وغیرہ کے سبق آموز واقعات جن کے مطالعہ سے روح تازہ اور سینہ کشادہ ہوتا ہے قسم اوّل مجلّد تین روپے۔ (قسم دوم سوا دو روپے)

تحریک اخوان المسلمین — مصر کی مشہور اسلام پسند جماعت "اخوان المسلمین" جسکے کئی رہنماؤں کو پھانسیاں دیدی گئیں۔ کیا ہے؟ اس سوال کا معتبر اور مفصل جواب حاصل کرنے کے لئے مصر کے محمد شوقی کی یہ قابلِ اعتماد کتاب ملاحظہ فرمایئے جس کا سلیس اُردو ترجمہ سید رضوان علی نے کیا ہے۔ قیمت مجلّد تین روپے۔

عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ — مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ کتاب جو فرنچ اور دیگر زبانوں میں بھی بے شمار چھپی۔ عجیب کتاب ہے متعلقہ نقشے اور بدر، خندق، اُحد اور دیگر تاریخی مقامات کے چونتیس ۳۴ فوٹو بھی منسلک ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ (مجلّد دو روپے)

اُسوۂ حسنہ — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر ایک نفیس کتاب جسے پڑھکر باطل شکنی اور حق دوستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسمیں بعض ایسی مفید باتیں ملینگی جو عام طور پر کتبِ سیرت میں نہیں ملتیں۔ سوا دو روپے (مجلّد سوا تین روپے)

نئے عہد کے دروازہ پر۔ ۶ر/ مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی۔ ایک روپیہ آٹھ آنے / سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ ۱۱ر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات
شاہانِ عالم، عرب حکمرانوں قبائلی سرداروں اور عالموں کے نام دربارِ رسالت کی خط و کتابت اور معاہدات، ضروری تشریحات اور اصل خطوط کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ قیمت سوا دو روپے۔

محکمات
قرآن کی بعض آیات اور انکی تفسیروں پر علامہ عبد اللہ العمادی کا عالمانہ تبصرہ و محاکمہ۔ دو روپے بارہ آنے

اُردو کا مقدمہ
اُردو کے بارے میں ادیبوں، شاعروں، سماجی کارکنوں، سیاسی لیڈروں اور اہلِ علم و فضل کی شہادتوں پر مشتمل دلچسپ ڈرامہ، جو پُر لطف ہونیکے ساتھ ساتھ اُردو کے حق میں دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

حقیقت
جماعت اسلامی پر کئے گئے بعض اعتراضات پر مولانا عامر عثمانی کی مفصل تنقید۔ دس آنے

سنتِ رسولؐ
مترجمہ:۔ ملک غلام علی۔ مقدمہ:۔ مولانا مسعود عالم ندویؒ۔ "سنت" کے موضوع پر بے حد وقیع کتاب۔ مجلد سوا دو روپے۔

آئینۂ حقیقت نما
اس قیمتی کتاب میں مشہور مؤرخِ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اُن تمام الزامات کی مدلل صفائی پیش کی ہے جو متعصب حضرات تحیر اسلام پر لگاتے رہے ہیں۔ طرزِ تحریر بیحد دلچسپ۔ استدلال محکم۔ نقد مضبوط۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب معیاری۔ مجلد بارہ روپے

جمہوریت اور مغربی تحریکیں
یورپ میں جمہوریت پر کیا بنی اور انسانیت کے بلند نصب العین تک پہنچنے میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آئیں؟ اس پر اُونچے علمی انداز کا تبصرہ۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

تجلی کا خاص نمبر سنہ ۱۹۵۷ء
اب بھی مل سکتا ہے۔ ایمان و عمل کے مسئلہ پر تفصیلی محققانہ بحث، "نذر و نیاز" فاتحہ و عُرس اور سماع موتٰی وغیرہ کا جائزہ۔ در اصل مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ایک کتاب پر تفصیلی تنقید اس نمبر کا خاص حصہ ہے جو انکی زندگی ہی میں لکھی گئی تھی (نوٹ) تنہا یہی نمبر منگانا ہو تو منی آرڈر سے ایک روپیہ بارہ آنے بھیجدیجئے۔ وی پی طلب کرینگے تو دو روپے دو آنے

خلفائے راشدین
(از مولانا عبد الشکور صاحب ایڈیٹر النجم لکھنؤ) خلفائے راشدین کی سیرت پر بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

اشاعت اسلام
دنیا میں اتنی جلد اسلام کس طرح پھیلا؟ مخالفینِ اسلام اس سلسلہ میں کیا کیا کہتے ہیں؟ اور اس کا جواب کیا ہے؟ یہ سب کچھ ٹھوس دلائل کے ساتھ اس میں ملیگا۔ کاغذ، طباعت، کتابت سب عمدہ۔ چھ روپے

تاریخ عالم
حضرت آدمؑ سے لیکر رسول اللہؐ تک کے تمام انبیاء کے حالات مع تاریخ پیدائش و وفات اور مکمل تاریخ اسلام و دیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ دنیا کے مشہور ممالک اور ریاستوں کی تاریخ۔ مجلد ساڑھے چار روپے۔

تفسیر فیض الرحمٰن
بسم اللہ الحمد اور معوذتین کی تفسیر شاہ ولی اللہؒ اور دیگر اکابرین کی آراء کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ہدیہ دو روپے۔ از مولانا یعقوب الرحمٰنؒ۔

تحفۂ اثنا عشریہ (اُردو)
از حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ترجمہ:۔ مولانا سعد حسن خاں یوسفی۔ پیدائش و تاریخ مذہب شیعہ۔ اُن کی مختلف شاخیں۔ اُن کے اسلاف علماء اور کتب کا بیان۔ اُلوہیت، نبوت، امامت اور معاد کے بارے میں اُن کے عقائد، اُن کے مخفی مسائل فقہیہ، صحابہ کرامؓ، ازواج مطہرات اور اہلِ بیت کے حق میں اُن کے اقوال و افعال اور مطاعن مکائدِ شیعہ کی تفصیل، اُن کے اوہام، تعصبات اور ہفوات کا بیان۔ مجلد مع حسین ڈسٹ کور بارہ روپے

ختم نبوّت کامل ہر سہ حصہ
مصنفہ:۔ حضرت مولنا مفتی محمد شفیع صاحب۔ جسمیں ایکسو سے زائد آیاتِ قرآنی اور دو سو دس احادیث رسولؐ اور اجماعِ اُمت اور سیکڑوں اقوالِ صحابہ و تابعین و ائمۂ دین سے مسئلہ ختم نبوت کے ہر پہلو کو واضح کیا گیا ہے اور شبہات کے شافی جوابات دیئے گئے ہیں۔ قیمت مع ڈسٹ کور چھ روپے۔

تلاشِ راہِ حق
ایک طالبِ حق کے جواب میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور میاں طفیل احمد کے خطوط۔ مجلد پونے دو روپے

مکتبہ تجلی، دیوبند (یو۔ پی)

Regd.No.A-972 Tajalli Monthly Deoband U.P.

ایڈیٹر۔ عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

8 As.

لطائف علمیہ
وہ عظیم محدث و واعظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تجلی

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے
سالانہ قیمت چھ روپے
فی پرچہ ۵۰ نئے پیسے

شمارہ ۵
جلد ۱۲

رڈر

تم ہے یا تو
ی جاری
ض ہوگا۔

(ضمیمہ تجلی)

از عامر عثمانی دیوبند

۳۰ جون [illegible]

محترم قارئین! السلام علیکم

یہ پرچہ پریس جا چکا تھا کہ کراچی سے عاجز کے والد مولانا مطلوب الرحمٰن کی شدید علالت کی اطلاع آئی اور اچانک سفر پر مجبور ہونا پڑا۔ کیا معلوم واپسی کب ہو۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں اگلا تجلی (بابت اگست ۶۲ء) شائع نہ ہو سکے گا۔ اس کی آپ کو گرانی ضرور ہوگی لیکن مشیت ایزدی میں کسے چارہ ہو۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ شروع ستمبر میں اگست و ستمبر کا مشترکہ شمارہ نکال کر اس کی تلافی کر دی جائے گی۔ وباللہ التوفیق

اگر آپ حضرات والد صاحب کی صحت و زندگی کے لیے دعا فرمائیں تو دلی احسان ہوگا

مع الدعا والسلام — آپ کا — عامر عثمانی
مدیر تجلی دیوبند

پاکستانی حضرات:- ہمارے پاکستانی پتہ چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر ہمیں بھیجدیں سالہ جاری ہوجائے گا۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ
دفتر تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (یو-پی)

مدیر
عامر عثمانی
فاضل دیوبند

پاکستان کا پتہ:- مکتبہ عثمانیہ- ۲۲۸۰ مینا بازار
پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "کوہ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

آغازِ سخن

ع

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

ٹھیک کہا ہے کہنے والے نے کہ جوش اگر ہوش سے بے بہرہ ہو جائے تو فتنہ بن جاتا ہے۔ آج جبکہ پچھلے شمارے پر خوب ہاؤ ہو ہو چکی ہے ہمیں یہ قول کسی اور کیلئے نہیں خود اپنے لئے دہرانا پڑ رہا ہے۔ جی ہاں خود اپنے لئے۔ گذشتہ پرچہ جب دیوبند کے کوچے کوچے میں دیکھا جا چکا تو اس کا مجموعی تاثر ہمیں یہ بتایا گیا کہ تمھارے دلائل مضبوط ہیں مگر زبان سخت ہے اور لب ولہجہ علمی متانت کی شان سے فروتر ہے۔ تم نے نقد و اعتراض میں حفظِ مراتب کا لحاظ نہیں رکھا اور اس طرح بعض معزز ہم عصروں کی ناروا توہین وتضحیک کے علاوہ خود اپنے قلم کی ساکھ بھی برباد کی۔

ہم بارہ سال سے تجلّی نکال رہے ہیں اور اس دوران میں جب بھی ہمیں کسی نے ہماری کسی خامی اور کج روی پر متنبہ کیا ہے ہم نے ٹھنڈے دل و دماغ سے اس پر توجہ کی ہے اور توجہ کے نتیجے میں اگر ہمیں اپنی خطا کا احساس ہو گیا ہے تو بلا تأمل احساسِ قصور کا اعلانِ جلی کر گئے ہیں۔ آدمی اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہے کہ بلا ارادہ کوئی قصور کر گذرے تو متنبہ ہونے پر شرمندگی کے ساتھ اعترافِ قصور کرے اور اپنے رب کے آگے عفو طلب ہو۔ یہی ہم کرتے رہے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

مذکورہ تأثر سے آگاہ ہونے کے بعد ہمیں خود اپنا جائزہ لینے میں دیر نہیں لگی۔ پرچہ اُٹھایا اور اوّل سے آخر تک اس انداز سے پڑھا جیسے دوسروں کی تبصرہ طلب تحریروں کو پڑھتے ہیں۔ کوئی مانے یا نہ مانے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب ہم نقد و احتساب کا ارادہ کر لیتے ہیں تو خود اپنا عیب وہنر بھی ہمیں اسی تفصیل کے ساتھ نظر آجاتا ہے جس طرح دوسروں کا اور انانیت کا کوئی حجا[ب] ہمارے جذبۂ عدل کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔ اپنی زیرِ تذکرہ تحر[یر] کو جرح وتعدیل کے زاویئے سے دیکھنے کے بعد جس نتیجے پر ہم پہ[نچے] ہیں وہ بلا کم و کاست یہ ہے کہ احقاقِ حق اور جذبۂ اصلاح [کے] خروش میں ہم ہوشمندی و متانت کے تقاضے نہیں نبھا سکے ہ[یں] ہمارا لب ولہجہ کرخت اور اسلوبِ گفتار کافی حد تک نامسعو[د] ہم نے حضرت مہتمم صاحب کی بلند و برتر شخصیت کو اس کے قرا[ر] واقعی مقام سے نیچے رکھ کر گفتگو کی ہے اور خود کو اس ارفع سط[ح] لے گئے ہیں جس کے ہم کسی حال میں اہل نہیں۔ کہاں آفتاب کہ[اں] ذرّہ۔ ہمیں لازم تھا کہ "ایاز قدر خود بشناس" کو ملحوظ رکھتے [ہوئے] نہایت ادب واحترام کے ساتھ عرض ومعروض کرتے اور نامو[سِ] سبطِ رسول کو بازیچۂ اطفال بنانے کا جو اشتعال انگیز طنز [کیا] تھا اس سے اس درجہ متأثر نہ ہوتے، لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا۔ اب اُس اذیت کی تلافی ممکن نہیں ہے جو متعلقہ حض[رات] کو ہماری شعلہ بیانی سے پہنچی ہے۔ اب ہمیں یہ توقع نہیں ر[کھنی] چاہئے کہ صرف اعترافِ خطا کے ذریعہ ان حضرات کے قلو[ب] سے اُس کدورت اور غم ورنج کو نکال دیں گے جو انھیں ہما[ری] تلخ گفتاری سے بجا طور پر پہنچا ہے۔

لیکن بایں ہمہ اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہے بغیر ہمیں [چین] کی نیند نہیں آسکتی۔ ہمارا مرکزی فکر شروع ہی سے یہ رہا [ہے کہ] تمھارا ضمیر جس چیز کی گواہی دے اسے ہر قیمت پر ادا کرو چاہے اس کے نتائج کچھ ہوں۔ سیاسی وکاروباری مصالح [کو] کبھی ضمیر کے مطالبات پر ترجیح نہیں دی ہے اور آج بھی

طرز تحریر کی خامیوں کا برملا اعلان واعتراف کرتے ہوئے اسکی پروا نہیں کر رہے ہیں کہ ہند وپاک کے گوشے گوشے سے جو بیشمار خطوط زیر تذکرہ تحریروں کی توصیف وستائش میں آئے ہوئے ہیں ان کے لکھنے والے اس غیر متوقع اعلان واعتراف سے کس درجہ کبیدۂ خاطر ہوں گے۔ وہ کیا کہیں گے کہ یہ نالائق کیسا غیر ذمہ دار ہے۔ کوئی کچھ کہے، عدل وصداقت کے مطالبات سے ہم آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ جون کے تجلی میں جن حضرات کے حق میں بھی جو کچھ گستاخیاں سرزد ہوئی ہیں وہ یقیناً لائق ملامت ہیں اور یہ حضرات ان کے لئے اگر ہمیں کسی قیمت پر معاف نہ کریں تو انھیں حق بجانب سمجھنا چاہیئے۔ کاغذ پر اس سے زیادہ کھلا اعترافِ قصور اور کیا ہو سکتا ہے۔ بارگاہِ ربانی میں جس جس طرح استغفار ہمیں کرنا ہے وہ الگ معاملہ ہے جس کے اظہار وبیان کی ضرورت نہیں۔

تاہم غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ ہمارا اعتراف صرف اندازِ گفتار اور طرزِ خطاب تک محدود ہے۔ مطالب ومعانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ موقف ومسلک اور علمی نقطۂ نظر کے معاملہ میں ہم اب تک وہیں ہیں جہاں تھے۔ واقعات کربلا اور اس سے متعلقہ شخصیتوں کے بارے میں ہمارے جو خیالات ہیں وہ کسی ہنگامی جذبے پر مبنی نہیں نہ محمود عباسی صاحب کی کتاب ان کی بنیاد ہے بلکہ وہ طویل مطالعے اور گہرے فکر وتفحص کا ثمرہ ہیں۔ جو اعتراضات ہم نے مہتمم صاحب کے بعض فرمودات پر کئے ہیں ان پر ہمیں علیٰ حالہٖ اصرار ہے۔ اور حبِ حسینؓ کے بارے میں جس اندازِ نظر کو ہم غلو اور رفض سے آلودہ کہتے چلے آ رہے ہیں اسے آج بھی ایسا ہی کہتے اور سمجھتے ہیں۔ یزید کے بے نہایت فسق وفجور کے طبع زاد افسانے آج بھی ہماری نظر میں ایسے ہی غلط ہیں جیسے پہلے تھے۔ رسول اللہؐ کی پیشین گوئی پر آج بھی ہمیں حسب سابق وثوق ہے اور یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ یزید اس سے خارج ہو گیا۔ معاویہؓ آج بھی ہماری رائے میں اتنے ہی معظم اور عالی مرتبہ ہیں کہ ان کی آبرو پر چھینٹیں اڑانے والوں سے لڑ جانے کو ہم سعادت خیال کرتے ہیں اور اس پر بھی ہمیں اصرار ہے کہ سبائیوں کے حلقے میں جو لوگ عقیدتِ معاویہ کے بھی مدعی ہیں اور تفسیقِ یزید پر بھی مصر ہیں وہ ایک منطقی تضاد پالے ہوئے ہیں جس کی موجودگی میں عقیدتِ معاویہؓ کوئی حقیقی مفہوم نہیں رکھتی۔ ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ حضرت مہتمم صاحب کی وہ کتاب جسے ان کے عالی قدر صاحبزادے "عظیم دعوتِ فکر، اور عقل ونقل اور تاریخ کے وقیع معیار پر بے مثل تحقیقات کا ایک گنج گرانمایہ" قرار دیتے ہیں اور جماعت دار العلوم دیوبند کے متفقہ مسلکِ حق کی ترجمان بتاتے ہیں اندازِ فکر، نظر اور مواد ومطالب ہر لحاظ سے ایسی غیر ثقہ ہے کہ ایک نبی مرتبہ شخصیت کی طرف اس کی نسبت ہی توہین وتخفیف سے کم نہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ حبِ حسینؓ سے کہیں زیادہ ان کے یہاں بغضِ یزید دلچسپی کا مرکز بنا ہوا ہے اور ردِ عباسی کی رو میں انھوں نے امام غزالی، امام ابن تیمیہ، حافظ ابن کثیر، ملا علی قاری، امام ابو حنیفہ، حضرت ابو سعید خدریؓ (صحابیِ رسولؐ) حضرت ابو ہریرہؓ (صحابیِ رسولؐ) حتیٰ کہ قرآن وسنت کی نصوص تک سے انصاف نہیں کیا ہے۔ ان کے یہاں متعدد ایسی عبارتیں پائی جاتی ہیں جن کا محور رفض وتشیع کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا، حالانکہ حضرت حسینؓ کی عظمتوں کو تسلیم کرتے ہوئے یزید کے فسق وفجور کی تردید کرنا ایسا جرم نہیں ہے کہ اس کی سزا دینے والا اہل سنت کے مسلک وموقف کو کچل کے رکھ دے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے قلم کو سبک خرامی کی توفیق دے۔ یہ ظالم حق گوئی کی راہ میں تیز رفتار ضرور ہے لیکن بھونچال اٹھاتا ہوا چلتا ہے اور اس کی نوک بارہا نیزے کی انی بن جاتی ہے اس کی دست درازیوں سے زخم اٹھانے والے حضرات ہمیں معاف کریں یا نہ کریں ہم بہر حال صاف صاف ان سے عفو طلب ہیں اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ جس طرح بحث وتمحیص میں ہماری تلخ گوئیاں ذاتی عناد وکدورت سے ذرا بھی واسطہ نہیں رکھتیں اسی طرح اس عفو طلبی میں بھی ہمارے ضمیر کی آواز اور دل کی پکار کے سوا کوئی خارجی مصلحت کار فرما نہیں ہے۔

روداد سفر

ناظرین کو یہ اطلاع شاید عجیب سی معلوم ہوگی کہ راقم الحروف گذشتہ ماہ گھر ولی (ضلع دربھنگہ۔ بہار) کے ایک مشاعرے میں پورے آٹھ شعر یوم

"نذیرِ دوستاں" کر کے آیا ہے۔ ماناکہ کھرولی اور خاص دربھنگہ کا مجموعی قیام تین دن سے زیادہ نہیں رہا' لیکن جو مزید پانچ شب و روز ریلوں میں کٹے ہیں انھیں سوائے مشاعرے کے کس حساب میں درج کیا جائے۔ ۲۴ مئی کو دہلی سے لکھنؤ کو روانگی ہوئی اور یکم جون کی سہ پہر کو دیوبند لوٹنا ہوا۔ اس طرح ایک ہفتہ پورا کا پورا کام آگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

جس شخص نے سالہا سال سے میدانِ مشاعرہ چھوڑ دیا ہو اور آس پاس کی محفلوں میں بھی شریک نہ ہوتا ہو اس کا اچانک چھ سات سو میل جا کودنا یقیناً ایک عجیب بات ہے لیکن عقیدت وہ بلا ہے کہ عجیب سے عجیب بات بھی اس کے دائرے میں سادہ سی حقیقت بن جاتی ہے۔ کھرولی میں ادبی جماعت قائم ہے جو غالباً ہر سال بڑے پیمانے پر مشاعرہ کراتی ہے۔ پچھلے سال اسے نہ جانے کیا سوجھی کہ راقم الحروف کو بھی دعوت نامہ بھیج مارا۔ نہ صرف دعوت نامہ بلکہ ایک منی آرڈر بھی ارسال کر دیا۔ پوری خط و کتابت تو محفوظ نہیں اتنا ضرور یاد ہے کہ عاجز نے قبولِ دعوت سے معذوری ظاہر کر کے پیسے واپس کر دئیے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دیا تھا کہ فدوی نہ تو میدانِ مشاعرہ کا مرد ہے نہ سفروں اور رَت جگوں کی تاب رکھتا ہے۔ فرصت الگ عنقا ہے' خدا جانے آپ کو کس نے بہکا دیا کہ مجھ جیسے ناجنس کو دعوت دے دے بیٹھے ــــ جواب ملا کہ' ہم تجھ کو صرف شاعر کی حیثیت سے نہیں بُلا رہے ہیں' بلکہ ان اطراف میں تجلی کے مداحوں کا وسیع حلقہ تیری عقیدت کے مرض میں گرفتار ہے اور اصرار کرتا ہے کہ ضرور بلاؤ۔ اس پر خاکسار نے رقم کیا کہ بھائی عقیدت مندیاں سر آنکھوں پر' لیکن مشاعرے کی جو تاریخ آپنے رکھی ہے اس پر تو میرا پہنچنا اپنی مصروفیات کے سبب ناممکن ہے۔ فی الوقت معاف ہی فرما دیجئے۔ جواب آیا کہ اچھا اب تو تاریخ کا اعلان ہو چکا ہے لہٰذا معاف کیا' مگر یہ بتاؤ کہ تمھیں کن تاریخوں میں فرصت ہوتی ہے؟

اس پر جی چاہا کہ لکھ دوں فرصت نام کی کوئی شے اپنے یہاں نہیں پائی جاتی' لیکن خیال ہوا کہ اسے عذرِ بارد جان کر مزید جرح کی جائے گی' پس کیوں نہ برائے نام چند تاریخیں لکھ کر بحث ختم کر دی جائے۔ ظاہر ہے اگلا مشاعرہ سال بھر بعد ہوگا اور اتنے دنوں کون جیتا ہے! مصروفیات کے گوشوارے پر نظر ڈال کر چند ایسی تاریخیں لکھ دیں جن میں سر کھجانے کی فرصت مل سکتی ہے۔ بات آئی گئی ہوئی۔

لیکن طولِ حیات کو کیا کہئے سال پلک جھپکتے گذر گیا اور اچانک وہ دعوت نامہ آ پہنچا جس کے ساتھ ایک پوسٹر میں پہلے ہی فدوی کا نام چھاپ دیا گیا تھا۔ تاریخیں ایسی تھیں کہ سال گذشتہ والا عذر نہیں چل سکتا تھا۔ دعوت نامے کے علاوہ دربھنگہ سے اور بھی چند خطوط آئے۔ حاصل یہ کہ چند روز کی ذہنی کشمکش کے بعد سفر شروع ہو ہی گیا۔

داستانِ سفر خاصی دلچسپ ہے لیکن لکھنے کی طرح لکھی جائے تو بہت جگہ گھیرے گی۔ تجلی کی تنگدامانی سلامت۔ اختصار ہی پر اکتفا کروں گا۔ شدید گرمی میں مسلسل کیا تھا اتنا لمبا سفر غیر مناسب معلوم ہوا لہٰذا اسے دو قسطوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ دہلی سے لکھنؤ اور لکھنؤ سے دربھنگہ۔ کہنے کو دہلی سے لکھنؤ صرف رات بھر کا سفر ہے اور رزرویشن کی برکت سے بستر کھولنے کا موقعہ بھی مل گیا تھا۔ مگر واہ رے آزاد بھارت کی آزاد جنتا۔ ڈبے پر اگرچہ رزرویشن کا کارڈ لٹکا ہوا تھا۔ سب سیٹیں پُر تھیں' مگر اوائل شب میں متعدد مسافر گھس آئے۔ یہ جاہل گنوار نہیں تھے' بلکہ سرتاقدم جنٹلمین اور اپ ٹو ڈیٹ۔ سامان انھوں نے سیٹوں کے درمیان چلنے کی جگہ ٹھونسا اور اس بے تکلفی سے سیٹوں پر جگہ نکالنے لگے جیسے رزرویشن کارڈ انھوں نے دیکھا ہی نہ ہو۔ بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ صاحب اور کسی کمپارٹمینٹ میں جائیے یہاں سیٹ کہاں خالی ہے۔ جواب ملا کہیں جگہ نہیں ہے یہیں بیٹھے جاتے ہیں آپ کا کیا حرج ہے؟

اب جبتک انھیں حرج کی منطق سمجھائی گئی گاڑی متحرک ہو گئی ہمارا بستر بہرحال محفوظ تھا۔ گرمی اور ذہنی اضمحلال اجازت دیتے تو سویا بھی جا سکتا تھا مگر نیند کا کوسوں پتا نہ تھا۔ حماقت یہ ہوئی کہ چند طرحی اشعار جو ابھی لوحِ دماغ ہی تک محدود تھے

کاپی میں درج کرنے کا ارتکاب کر بیٹھے۔ بس کیا تھا پکڑے گئے۔ دو نوجوان جو ہمارے پاس ہی بیٹھے تھے خود بھی شاعر تھے اور بریلی جا رہے تھے۔ بریلی گاڑی تین بجے کے قریب پہنچتی ہے۔ انھیں یہ وقت کسی نہ کسی طرح کاٹنا تھا اور شاعر کی حیثیت میں سنانے کا داعیہ بھی ان کے دل ودماغ میں ضرور انگڑائیاں لے رہا ہوگا چند ہی منٹ میں راز کا پردہ اُٹھ گیا اور محفل سخن منعقد ہوگئی ہم نے تو برائے بیت ہی سُنایا مگر ان دونوں نے خوب خوب حق ادا کیا۔ شاعر اچھے نہیں تھے، مگر پڑھتے بہت اچھا تھے۔ اچھے سے مطلب یہ کہ آوازیں دلکش اور سُر تال منجھے ہوئے تھے۔

بعض نیم خوابیدہ مسافروں نے اس بزمِ شبانہ پر اعتراض بھی کیا، لیکن مشیتِ ایزدی دیکھئے کہ ایک تعلیم یافتہ خاتون جو شریکِ سفر تھیں آڑے آئیں۔ انھیں کویتا اور راگ دونوں سے گہری دلچسپی تھی۔ لیٹے لیٹے اُٹھ بیٹھیں اور لگیں داد دینے نتیجہ یہ ہوا کہ جنھیں اعتراض تھا وہ گول ہوگئے بلکہ اپنا اندازِ بیزاری بدل کر اس طرح شریکِ داد ہوگئے جیسے اظہارِ بیزاری کا کفارہ ادا کر رہے ہوں۔ اُن کی داد کا رُخ ہم شاعروں سے زیادہ اُن سخن فہم خاتون کی طرف تھا۔ ان خاتون کی داد فدّی کے حصے میں تو ماشہ دو ماشہ ہی آئی بڑا حصہ وہ دونوں شاعر لے گئے جن کی سامعہ نوازی کے لئے برق رفتار گاڑی کا آہنگ طبلہ کی تھاپ ثابت ہو رہا تھا۔

صبح لکھنؤ پہنچکر دم آیا۔ ڈیڑھ دن یہاں آرام کرتے رہے۔ ۲۷ر مئی کو یہاں سے چلے تو ایسی گاڑی سے واسطہ پیش آیا کہ جس کا سکنڈ عذابِ قبر کی پہلی منزل ثابت ہوا۔ رونا بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ کا نہیں۔ اس بات کا ہے کہ ڈبّہ کا بڑا حصہ اُن لوگوں سے بھر گیا جن کی پیشانیوں ہی پر تھرڈ کلاس لکھا ہوا تھا۔ کتنوں ہی سے کہا کہ بھائی یہ سیکنڈ کلاس ہے لیکن صاف جواب ملا کہ ہاں ہاں معلوم ہے۔ ہوتا ہوگا سکنڈ۔ بہت دیکھے ہیں سکنڈ وغیر ذلک۔ اب بتایئے مشتِ استخواں کس کس سے اُلجھتی۔ قصّہ کوتاہ کوئلے اور گرد سے اٹی ہوئی لوہ کے تھپیڑے کھاتے دن گذرا اور بیداری یا نیم خوابی کے عالم میں رات بارے مظفرپور آیا اور یہیں سے اُن اخلاص مند دوستوں کی آمد شروع ہوگئی جن میں کمتول تک اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ متواضع اور سادہ دل لوگ۔ با اخلاق، مودت کیش اور شیریں سخن۔ یہ بے چارے غائبانہ طور پر ایڈیٹر تجلّی کا نہ جانے کیسا ہیولیٰ ذہن میں رکھتے ہوں۔ کم سے کم ایک بھاری بھرکم تین من کا وجود ضرور ان کے تصور میں ہوگا۔ لیکن جب کلاہ وعبا سے عاری ایک مشتِ خاک پر ان کی نظر پڑی ہوگی تو خدا ہی جانے دل ودماغ پر کیا کچھ گذر گئی ہوگی۔

کمتول سے کھرولی بیل گاڑی میں جانا ہوا۔ حفیظ میرٹھی، حفیظ بنارسی، ملک زادہ منظور احمد اور چند شعراء مظفرپور ہی سے ملتے چلے گئے تھے۔ بیل گاڑی میں یہ اجتماعِ لطیف مزا دے گیا۔ دیہاتوں کی ہری بھری پہنائیوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی کچی سڑک پر سبک خرام بیل گاڑی کا سفر کافی رومان انگیز چیز ہے۔ کم سے کم عاجز تو اس میں بڑی شاعرانہ دلکشی محسوس کرتا ہے، لیکن وقت اور موسم کو کیا کہیئے کہ سارے جمالی محسوسات پسینہ بن کر مسامات سے بہہ گئے اور تقریباً بارہ بجے دوپہر جب کھرولی پہنچے ہیں تو حلیے خاصے بگڑے ہوئے تھے۔ غنیمت ہے کہ ایک آرام دہ ہال نما کمرے میں آرام وآسائش کا بڑا اچھا انتظام تھا جس سے تلافی کی صورت نکل آئی اور بعد ظہر جب مکلّف قسم کا کھانا کھا کر فارغ ہوئے ہیں تو ٹھیک وہی عالم تھا جو رمضان میں بعد افطار ہوتا ہے۔ حیرت سی حیرت تھی کہ یہ چھوٹی سی بستی اور یہاں ایسا مشاعرہ! لائبریری دیکھی تو اگرچہ یہ شہری لائبریریوں کی طرح نک سک سے درست نہ تھی، لیکن کتابوں کی وافرمقدار اپنے جمع کرنے والوں کے ذوق و شوق اور علم وادب سے غیر معمولی شیفتگی کی کہانی سُنا رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ اس لائبریری کی مستقل عمارت بنانے کیلئے زمین خریدی جاچکی ہے۔

ہمارے میزبان کافی سلیقہ مند، فراخ دل اور متواضع ثابت ہوئے۔ الگ الگ نام نہیں لوں گا کہ اس سے اُن لوگوں کی دل شکنی ہوگی جنھیں ہم نے بڑی مستعدی سے میزبانی کے فرائض انجام دیتے دیکھا لیکن ان کے اسمائے گرامی سے واقف نہ ہوسکے۔ مشاعرہ کھلے میدان میں نو کے بعد شروع ہوا۔ امید تھی

کہ انور صدیقی اور جگن ناتھ آزاد بھی پہنچیں گے کہ انھیں زادِ سفر بھیجا جا چکا تھا' لیکن نہ پہنچے اور اس کا غصہ منتظمین نے اس عاجز کو صدر بنا کر اُتارا۔ اپنی ذات کی حد تک فدوی صدارت اور حراست میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ جسے ہر گھنٹے آدھ گھنٹے بعد اُٹھنے اور چہل قدمی کرنے کا عارضہ لاحق ہو اسے صدارت کی ڈور سے جکڑ کر مسند پر چپکا دینا انتقام ہی کہا جا سکتا ہے۔ مشاعرے کی دو طرحیں تھیں۔ طے ہوا کہ پہلے طرحی مشاعرہ پورا کر لیا جائے۔ پھر غیر طرحی شروع ہو۔ اناؤنسمینٹ پر ملک زادہ منظور احمد صاحب تھے۔ انھوں نے پہلے ایک مختصر سی تقریر کی جو باوجود اختصار کے نہایت بلیغ مطالب پر مشتمل تھی۔ زبان و ادب اور مشاعرے کے موضوع پر انھوں نے پُر مغز باتیں کہیں اور ان کا حسنِ تقریر دلوں میں گھر کر گیا۔ حاضری کافی تھی' اتنی کہ اس دیہی بستی میں اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ دو روپے ٹکٹ بھی تھا۔ ٹکٹ نہ ہوتا تو آخر وہ بے شمار روپیہ کس آسمان سے اُترتا جو ہم دُور دیس کے مہمانوں پر بے دریغ صرف کیا جا رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ کمتول' دربھنگہ اور دیگر نواحی بستیوں سے لوگ ہر سال اسی طرح کھنچ کھنچ کے آ جاتے ہیں اور جنگل میں منگل کا سماں بندھ جاتا ہے۔

مشاعرے میں کس نے کیا اور کیسے پڑھا۔ یہی اس روداد کا خاص حصہ ہے' لیکن اس حصہ کو عاجز بیان نہ کر سکے گا۔ اس کا بیان تو کسی ایسے شریکِ محفل کا حق ہے جو صرف سامع کی حیثیت سے شریک ہوا ہو۔ بندہ صرف اتنا بتا سکتا ہے کہ طرحی محفل ایک بجے تک چلی اور نہایت کامیابی کے ساتھ چلی۔ دیہی ماحول میں تو مشکل ہی تھا کہ سامعین کی دلچسپیاں اپنے اظہار کے لئے شہری ماحول جیسا رنگ اختیار کریں حاضرین متانت اور خموشی کے ساتھ سب کو سُنتے رہے۔ تاہم ان کی گہری دلچسپی اور ذوق و شوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ٹھیک ایک بجے جب ہم شاعروں کے حالِ زار پر چشمِ فلک نے اچانک آنسو ٹپکانے شروع کر دیئے تو مجمع سر پہ پیر رکھ کر نہیں بھاگا' بلکہ مردانگی کے ساتھ ڈٹا رہا۔ خود شاعروں اور منتظموں کو بھی توقع تھی کہ فلک ناہنجار کا یہ گریۂ بے وقت قلیل المدت ثابت ہوگا۔ لہٰذا بعض شاعر اسی عالمِ خرق و التیام میں پڑھتے رہے اس سے مجمع کی ہمت بندھی کہ جب یہ شاعرانِ جہاندیدہ ہی میدان نہیں چھوڑ رہے ہیں تو ہم کس منہ سے پیٹھ دکھائیں۔ تقریباً پندرہ منٹ نوائے شعری بوندوں کے جلترنگ پر لہکتی رہی مگر چرخِ کج رفتار آج شاید شاعروں کی دبی ہوئی ساری گالیوں کا بھرپور انتقام لینے پر تلا تھا۔ بوندا باندی زور کی بارش ہو گئی۔ حاصل یہ کہ شاعر اور سامع سب کڑھتے کسمساتے باجسمِ تر الوداع ہوئے۔

صدمہ ہمہ گیر تھا۔ سامعین کو یہ غم کہ دو روپے میں صرف چار گھنٹے ہاتھ آئے حالانکہ وہ صبح تک کا ارادہ لیکر آئے تھے۔ منتظمین کو یہ صدمہ کہ جس بزمِ شبانہ کی خاطر اتنے پاپڑ بیلے تھے وہ نیم شبانہ ہی ہو کر رہ گئی۔ شاعروں کو یہ ملال کہ جولانیاں دکھانے کا وقت تو اب ہی آیا تھا کیسی کیسی نظمیں اور غزلیں گلوں میں گھٹ کے رہ گئی ہوں گی۔ فدوی کا حال قدرے جدا تھا کہ وہ دونوں طرحوں پر دو مفصل غزلیں آفتِ سماوی سے قبل ہی پڑھ چکا تھا۔

قصور فلک پیر کا۔ سزا ہمیں ملی کہ اگلے دن روک لئے گئے ایک مجلس صبح میں ہوئی اور ایک اگلی شب میں۔ اس سے اگلے دن خاص دربھنگہ لے جائے گئے۔ وہاں بھی سوائے مشاعرے کے کیا ہوتا۔ تین راتیں مسلسل مشاعرے بازی سے دل و دماغ کس طرح کباڑ خانہ بن جاتے ہیں اس کا اندازہ سامعین نہیں کر سکتے۔ قبر کا حال مردہ ہی جانے۔ پھر سب مردے بھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ شعر پیشہ شاعروں کو تو شاید اس تسلسل میں لطفِ مزید آتا ہو ہم جیسے ناتوانوں کا البتہ کچومر نکل جاتا ہے۔

دربھنگہ والوں کی مہمان نوازیاں بھی معیاری رہیں اسی دن کسی اسکول کالج کے لڑکے بھی آ دھمکے تھے کہ کل ہماری دعوت قبول کیجئے۔ "دعوت" اب کم سے کم میری تو چڑ بن گئی تھی۔ واپسی کے طویل سفر کی دہشت' بیداری کی تھکن' گرمی کی قہرمانی۔ بس یہ جی چاہتا تھا کہ چھلانگ لگائیں اور گھر پہنچیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کورا جواب پکڑانا پڑا اور نصف شب میں بھاگ پڑے۔

واپسی کا سفر خلافِ امید اچھا کٹا۔ سونے کی جگہ تو خیر کہ ملتی' لیکن حفیظ میرٹھی' انور صدیقی اور ملک زادہ منظور احمد کی معیت میں کانٹے پھول بن گئے۔ ڈائننگ کار کی طویل نشست تو عرصے تک یاد رہے گی۔ یہ تینوں ہی حضرات اپنی اپنی جگہ خوب ہیں۔ حفیظ میرٹھی نہایت خوش فکر' شگفتہ بیان اور سادہ دل

ان میں اور قدوسی میں داڑھی کی ظاہری مناسبت کے علاوہ رکوع و سجود کی مناسبت بھی رہی۔ بنیادی اعتبار سے ہم دونوں ہی ملا ہیں۔ حفیظ کی شخصیت بعض اعتبارات سے ماہر القادری سے ملتی جلتی ہے فرق یہ ہے کہ حفیظ ہندوستانی ہیں اور ہندوستانی شاعروں کے لئے معاش کا مسئلہ نسبتاً زیادہ سخت ہے۔

انور صدیقی باوجود نوعمری کے بڑا اچھا شعر کہتے ہیں جمالی نزاکتوں کے خوبصورت بیان میں وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ بچپن کو اگر وہ ذرا سا اور متانت کا بچ دیدیں تو ان کے کلام کی وہ خامیاں بھی نکل جائیں جن کا سہرا لڑکپن کے سر ہے۔ اخلاق و عادات کے اعتبار سے وہ بڑے دلکش ہیں۔ ہنس مکھ، مرنجا مرنج اور خوش باش۔ بعض نفسیاتی گرہیں ضرور ان کے ذہنی تانے بانے میں نظر آئیں مگر یہاں ان کے ذکر و تبصرے کا محل نہیں۔

ملک زادہ منظور احمد کی توصیف کیا کروں۔ اس ایک ہی ملاقات میں ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کا گہرا نقش دل پر کندہ ہوا ہے۔ بے تکلف، دوست نواز اور معجز بیان۔ بات کرنیکا سلیقہ کوئی ان سے سیکھے۔ ادبی حلقوں میں ان کے اناؤنسمنٹ کا شہرہ عام ہے۔ کوئی شک نہیں کہ بزم شعر و ادب میں اناؤنسر کی حیثیت بظاہر کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتی، لیکن فی الحقیقت اسے بڑی کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ دماغی استحضار، ذہنی بیداری، جدّت طرازی اور قدرتِ بیان کے علاوہ تحمل اور بردباری کے اوصاف اس کے لئے بہت ضروری ہیں۔ یہ میں نے موصوف میں بدرجۂ اتم پائے۔ ان کے دُبلے پتلے نحیف سے جسم کو دیکھ کر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے اندر اتنے مضبوط اعصاب ہوں گے۔ جی چاہتا ہے کہ ان سے پھر ملاقات ہو۔ یہ غالباً شبلی کالج اعظم گڈھ میں لکچرار ہیں۔ انھوں نے دربھنگہ کے مشاعرے میں بھی ایک عمدہ تقریر کی تھی۔ نیز شعر بھی خوب کہتے ہیں دلکش پُر مغز اور رچا ہوا۔ کتاب میں ان کے شعر مشاعرے سے زیادہ جاذب قلب و نظر ہوں گے۔

عمدہ کتابیں

امام ابن تیمیہؒ — افضل العلماء مولانا محمد یوسف کوکن عمری کی معرکۃ الآراء کتاب۔ امام العارفین شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے علم و فضل، عزیمت و حمیت اور جرأت کارناموں کا سیر حاصل تذکرہ، جس پر مارچ کے تجلی میں تبصرہ ہوا ہے۔ قیمت مجلد دس روپے۔ مجلد اعلیٰ گیارہ روپے۔

امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی — نام ہی کہہ رہا ہے کہ کتاب لائق مطالعہ ہے۔ ذہانت و ذکاوت کے مجسمے حضرت امام اعظمؒ کی سیاسی زندگی کے حالات مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے گوہر ریز قلم سے پڑھئے۔ پانچ سو سے زائد صفحات۔ مجلد بارہ روپے۔

عظیم تاریخ اسلام — اکبر:۔ اکبر شاہ نجیب آبادی۔ تین ضخیم جلدوں میں مکمل۔ یہ مشہور زمانہ تاریخ تعارف کی محتاج نہیں۔ پاکستان میں عمدہ کاغذ اور روشن طباعت و کتابت کے ساتھ چھپی ہے۔

قیمت فی سیٹ مکمل و مجلد چھتیس روپے

خلاصۃ التفاسیر جلد اوّل — مولانا شاہ فتح محمد صاحب کی تفسیر بہت مشہور و معروف ہے اپنی قسم کی عجیب تفسیر ہے۔ جلد اوّل سورۂ انعام تک ہے۔

ہدیہ بارہ روپے۔ مجلد چودہ روپے۔

نئے کردار — نو انسانوں کا مجموعہ جو دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ قیمت ایک روپیہ۔

مسلم شریف مع ترجمہ و شرح — مژدہ ہو کہ احادیث صحیحہ کی مشہور کتاب مسلم شریف کا اردو ترجمہ اور ساتھ ہی امام نووی کی شہرہ آفاق شرح کا بھی ترجمہ آگیا ہے۔ عربی متن بھی ساتھ ہے چھ جلدوں میں مکمل مجلد کا ہدیہ اڑتالیس روپے۔ کوئی جلد الگ نہ مل سکے گی۔

(آرڈر کیساتھ اپنا ریلوے اسٹیشن ضرور لکھیں)

تذکرۃ الرشید — حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا مشہور تذکرہ۔ جس میں آپ کے صرف حالات ہی نہیں، بلکہ علمی و فقہی مطالب پر مشتمل خطوط بھی ہیں۔ خطوط کیا ہیں علم و تفقہ کے موتیوں کا گنجینہ ہیں۔ ہر دو حصہ مکمل مجلد قیمت دس روپے (غیر مجلد ساڑھے آٹھ روپے)

نقش حیات — مولانا سید حسین احمد مدنی کی خود نوشت سوانح حیات مکمل در دو جلد غیر مجلد ساڑھے آٹھ روپے (مجلد اعلیٰ ساڑھے بارہ روپے)۔

مکتوبات شیخ الاسلام — مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مکتوبات جو علوم و معارف کے امین ہیں۔ مکمل در سہ جلد غیر مجلد ساڑھے سولہ روپے۔

مجلد اعلیٰ ساڑھے بائیس روپے

غنیۃ الطالبین (عربی اردو مع فتوح الغیب) — شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کی مشہور زمانہ کتاب بے اردو داں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ایک کالم میں عربی متن دوسرے کالم میں ترجمہ۔ دو ضخیم جلدوں میں مکمل تیس روپے۔

اساس دین کی تعمیر — مولانا صدر الدین اصلاحی کی مشہور کتاب جو دین کے بنیادی امور پر ایمان افروز تفصیلات پیش کرتی ہیں۔ مجلد ساڑھے تین روپے۔

کتاب الوسیلہ — شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ایک زبردست عربی تصنیف اردو لباس میں قربت الٰہی کے لئے جس وسیلہ کی تلاش کا حکم قرآن نے دیا ہے وہ کیا ہے؟ اس کا شافی و کافی جواب بہترین دلائل کے ساتھ اس گرانمایہ کتاب میں دیا گیا ہے شرک و بدعت کی بیخ کنی اور سنت کی تائید۔ قیمت مجلد نو روپے

اصلاحی فقہ — زمانۂ حاضر کی سلیس و شگفتہ زبان میں لکھی گئی مفید ترین کتاب حصہ اوّل طہارت، نماز، روزہ اور صدقۂ فطر وغیرہ کے جملہ ضروری مسائل پر مشتمل ہے۔ قیمت دو روپے سات آنے حصہ دوم زکوٰۃ اور حج کو حاوی ہے۔ قیمت ایک روپیہ پانچ آنے

شہید کربلا اور یزید

تمہید از عامر عثمانی

جائزہ از ابوصہیب رومی مچھلی شہری

گذشتہ ماہ حضرت مہتمم صاحب کی کتاب پر جزئی نقد کرتے ہوئے ہم نے ارادہ ظاہر کیا تھا کہ آئندہ پوری کتاب کا جائزہ لینگے لیکن خوشی کی بات ہے کہ ہماری بجائے یہ کام ایک ذی علم بزرگ مولانا ابوصہیب رومی نے کافی خوش اسلوبی سے انجام دیدیا ہے۔ ان کی تحریر میں اگرچہ ایجاز و اختصار ہے لیکن آپ دیکھیں گے کہ مطالب کے لحاظ سے وہ بڑی محکم اور وقیع ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہماری طولانی تحریروں سے اُکتا جانے والے قارئین کا ذائقہ بدل جائے گا۔ مقصود تو یہ دکھلانا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب کی کتاب لاجواب کس انداز کی ہے۔ یہ مقصود کچھ ہم پچھلی اشاعت میں حاصل کر چکے کچھ اب ہو جائے گا۔

تاہم نفس مضمون سے پہلے آپ کو کچھ ہماری نظر خراشی بھی برداشت کرنی پڑے گی۔ مہتمم صاحب نے "صحابیت" کی بحث میں حافظ ابن حجر کا یہ فرمودہ تو فتح الباری سے نقل کر دیا:-

" اور ان میں سے بعض نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ آدمی حضورؐ کی ساتھ جمع ہونے کے وقت بالغ بھی ہو اور یہ قید مردود ہے کیونکہ یہ حسن جیسے کمسن افراد کو (جو حضورؐ کے ساتھ جمع ہونے کے وقت کمسن تھے) صحابیت سے خارج کر دیتی ہے۔" ص۳۵ ۔

لیکن انھی حافظ ابن حجر کی جو مستقل کتاب "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" کے نام سے صحابہ ہی کے بارے میں ہے اسے اٹھا کر نہیں دیکھا حالانکہ صحابیت کے لئے "بلوغ" کی جس شرط کا ذکر عباسی صاحب نے کیا تھا اور مہتمم صاحب نے اسے جرم عظیم قرار دے کر پچاس صفحے لکھ ڈالے تھے اسی شرط کے بارے میں حافظ ابن حجر جلد اوّل ص۸ پر رقمطراز ہیں:-

واطلق جماعة ان من رأى النبي صلى الله عليه وسلم فهو صحابي وهو محمول على من بلغ سن التمييز اذ من لم يميز لا تصح نسبة الرؤية اليه نعم يصدق ان النبي صلى الله عليه وسلم رأه فيكون صحابياً من هذه الحيثية ومن حيث الرواية يكون تابعياً۔

اور ایک جماعت نے صحابیت کی تعریف کو اس درجہ عام اور وسیع کر دیا ہے کہ وہ کہتی ہے جس نے بھی رسول اللہؐ کو دیکھا وہ صحابی ہوا۔ تو یہ عموم و اطلاق دراصل محمول ہوگا اس بات پر کہ وہ دیکھنے والا سن تمیز کو پہنچ گیا ہو۔ اس وجہ سے کہ اگر سن تمیز ہی کو نہ پہنچا ہو تو رویت کی نسبت اسکی طرف درست نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ ضرور تصدیق کی جا سکتی ہے کہ اس نے رسول اللہؐ کو دیکھا۔ پس اس دیکھنے کی نسبت سے اسے صحابی کہا جائیگا مگر روایت کے معاملہ میں اس کا درجہ و مقام تابعی کا ہوگا۔

\+ + + + + + +

\+ + + + + + +

اب کہئے۔ یہ ابن حجر تو اس ارشاد میں سن تمیز کو کم سے کم روایت کی حد تک شرط لازم قرار دے رہے ہیں۔ اہل علم اس فرق کو خوب سمجھتے ہیں "تابعین" کا مقام یہ ہے کہ ان کی روایتیں نہ تو "مرفوع" سمجھی جاتی ہیں نہ وہ (الاصحاب کلھم عدول) کے دائرے میں آتے ہیں۔ علمائے سلف میں کتنے ہی ائمہ فن ہیں جو تابعین کے مراسیل کو حجت قاطعہ نہیں مانتے۔

رہیں وہ گل افشانیاں جو تقریباً پانچ سال کے حسینؓ کو اعلیٰ درجہ کا ذی شعور، دانا، معاملہ فہم، نکتہ شناس اور ہر آئینہ کامل و اکمل

ثابت کرنے کے لئے مہتمم صاحب نے کی ہیں تو انیس ودبیر کے مرثیوں پر جھومنے والے تو ان کی داد دے سکیں گے، مگر عقل وعلم اور نفسیات عامہ کی بارگاہ میں ان کا کوئی مقام نہیں۔ اگر پانچ چھ سال کا لڑکا بھی سنِ تمیز کا حامل اور ذی شعور ونکتہ شناس کہا جا سکتا ہے تو مان لینا چاہئے کہ ماں کا دودھ چھوڑتے ہی ابنِ آدم ذی شعور وصاحبِ تمیز ہو جاتا ہے اور اس کی نقل واقتباس پر اعتماد کر لینا چاہئے۔ خدا ہی جانے حضرت حسینؓ کی بے نہایت ذکاوت وفراست اور تدبیر وتدبر کے وہ جلوے مہتمم صاحب کو تاریخ کی کس دوربین سے نظر آئے جن کے اظہار کا صرف ایک ہی موقع حضرت حسینؓ کو ملا تھا اور اسی موقع پر ان کی سیاست، ان کی مردم شناسی، ان کے تدبر اور ان کی قائدانہ صلاحیتوں کا تاروپود حالات کے بے رحم ہاتھوں نے بکھیر کے رکھ دیا تھا۔ شاعری الگ چیز ہے۔ اس کا بھی ایک مقام ہے مگر ٹھوس علمی وتاریخی بحثوں میں شاعرانہ خیال آفرینیاں ہزیمت اور فرار کے مرادف ہوا کرتی ہیں۔

اب غور کیا جائے کہ حافظ ابن حجر جب اپنی الاصابہ میں وہ کچھ لکھ گئے ہیں جو ابھی نقل ہوا تو آخر فتح الباری میں وہ باتیں کیوں لکھی جو مہتمم صاحب نے نقل کی۔ اس کے جواب میں جو کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں وہ "چھوٹا منھ بڑی بات" کے مساوی ہوگا، لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے۔ جذباتی عصبیت بلا ہی ایسی ہے کہ ابن حجر تو کیا ان سے بہت بڑے بڑے لوگ بھی اس کی وسیسہ کاری سے بچ نہیں سکے ہیں۔ ہر صاحبِ علم جانتا ہے کہ اصول وقواعد شخصیتوں کے غلام نہیں ہوا کرتے شخصیتیں اصول وقواعد کی میزان میں تولی جاتی ہیں ایسی صورت میں کیا یہ کوئی دلیل ہے کہ:-

"چونکہ حسنؓ وحسینؓ جیسے کمسن افراد اصطلاحی صحابیت کے دائرے سے خارج ہوئے جاتے ہیں اس لئے صحابیت کی تعریف میں بلوغ کی شرط مردود ہے"

اگر اہلِ بیت کی عقیدت میں جذباتی غلو کی آمیزش نہ ہوتی تو ابن حجر کو اس جگہ کم سے کم "مردود" کا لفظ نہیں لکھنا چاہئے تھا کیونکہ یہ قولِ مردود" تو ان سعید بن المسیب کا بھی تھا جن کی جلالتِ شان، عظمتِ عالمانہ اور بصیرتِ مومنانہ کے حافظ ابن حجر ہی نہیں تمام سلف وخلف قائل ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے فتح الباری جلد ۷ میں صفحہ ۱ پر ابن حجر ہی رقم طراز ہیں:-

كذا روي عن سعيد بن المسيب انه كان لا يعد في الصحابة الا من اقام مع النبي صلى الله عليه وسلم سنة فصاعداً او غزا معه غزوةً فصاعداً۔

ایسے ہی سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ وہ ان لوگوں کو صحابی شمار نہیں کرتے تھے جنھوں نے کم سے کم ایک سال یا کچھ زائد حضورؐ کی صحبت نہ اٹھائی ہو یا حضورؐ کے ساتھ ایک یا زیادہ غزوے نہ کئے ہوں۔

گویا بلوغ تو کجا وہ دو چار دس پانچ دن کی صحبت وقربت کو بھی اصطلاحی صحابیت کے لئے کافی نہیں سمجھتے۔

سعید بن المسیب ہی نہیں ابن حجر کے جذباتی تحکم کی زد میں ایک بہت بڑے صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی آگئے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے فتح الباری کی وہ پوری عبارت جس سے ایک ٹکڑا لیکر مہتمم صاحب نے مطلب برآری کی ہے:-

ومن اشترط الصحبة العرفية اخرج من له رؤية او من اجتمع به لكن فارقه عن قرب كما جاء عن انس انه قيل له هل بقي من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم غيرك قال لا مع انه كان في ذلك الوقت عدد كثير ممن لقيه من الاعراب ومنهم من اشترط في ذلك ان يكون حين اجتماعه بالغاً وهو مردود ايضاً لانه يخرج مثل الحسين بن علي ونحوه من احداث الصحابة (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲ مصری)۔

اور جنھوں نے صحبت عرفیہ کو مشروط کیا ہے انھوں نے ان لوگوں کو صحابیت کے دائرے سے خارج کر دیا ہے جنھیں حضورؐ کا صرف دیدار نصیب ہوا یا جو حضورؐ کے ساتھ تو رہے مگر جلد ہی جدا ہو گئے۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کیا اس وقت آپ کے علاوہ بھی کوئی صحابی زندہ ہے۔ انھوں نے جواب دیا نہیں حالانکہ اسوقت ایسے دیہاتی کثیر تعداد میں زندہ تھے جنھوں نے رسول اللہ سے ملاقات کی تھی۔ اور انھی میں سے وہ لوگ ہیں جنھوں نے بلوغ کو صحابیت کی شرط قرار دیا ہے۔ یہ شرط بھی مردود ہے کیونکہ اسکی وجہ سے تو حسین بن علیؓ جیسے لوگ صحابیت سے نکلے جاتے ہیں۔

ذرا خط کشیدہ لفظ "ایضاً" (بھی) پر غور کیجئے۔ اس کا صاف مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ ماقبل کا قول بھی مردود تھا اور یہ قول بھی مردود ہے۔ ماقبل کا قول کس کا تھا؟ ــــ جلیل القدر صحابیٔ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کا۔ انھوں نے صرف دیدارِ رسول یا مختصر ملاقات کو اصطلاحی صحابیت کے لئے کافی نہیں سمجھا تو چاہیے ابن حجر کو علمی حیثیت سے اس سے اختلاف ہوتا، لیکن یہ تو نہ کہنا چاہیئے تھا کہ یہ قول مردود ہے ــــ ایک کثیر الروایت اور عظیم المرتبت صحابی کا قول مردود! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی کا نام ہے جذباتیت کہ آدمی طوفان میں تنکے کی طرح بہہ جاتا ہے۔ خوب ہے یہ حبِ اہل بیت کہ بڑے سے بڑے صحابیؓ کی آبرو بھی مجروح ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(حضرت سعید بن المسیبؒ کا جو قول اُوپر نقل ہوا یہ اسد الغابہ کے مقدمہ میں بھی ص۱۲ پر چند حروف کے فرق سے نقل ہوا ہے)۔

ابن حجر کے فرمودات کی اگر کوئی اچھی تاویل پیش کر سکے تو ہمیں خوشی ہوگی۔ فنِ حدیث کی حد تک ہمیں ان بزرگ سے اتنی گہری عقیدت ہے کہ شاید ہی کسی اور سے ہو۔ خدا کرے ان کی عبارت کا مطلب ہم نے غلط سمجھا ہو اور وہ کچھ اور کہنا چاہتے ہوں۔ لیکن یہ حقیقت تو ہر حال میں آئینہ ہو گئی کہ عباسی صاحب کا یہ کہہ دینا کہ صحابیت کے لئے بعض علماء نے بلوغ کی شرط لگائی ہے فی الحقیقت کوئی جرم نہیں تھا، بلکہ تابعین اور صحابہ تک اصطلاحی صحابیت میں شرطیں لگاتے آئے ہیں۔ اب اسے کیا کیجئے کہ عشقِ اہلِ بیت کی روایتی ترنگ لوگوں کی ذکاوتِ حس کو دنوں سے ضرب دیدے اور دوسروں کی سادہ باتوں سے وہ ایران وطوران کے نکات پیدا کرتے چلے جائیں۔ حد ہو گئی سادہ فریبی کی۔ مہتمم صاحب فرماتے ہیں:۔

"اسی طرح جب آیتِ مباہلہ نازل ہوئی تو پھر آپؐ اپنے اہل بیت کو لیکر نصاریٰ کے مقابلہ میں مباہلہ کے لئے تشریف لے گئے جن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور فرمایا کہ اللھم ھؤلاء اھل بیتی جیسا کہ صحیح مسلم میں روایت موجود ہے تو کیا نبی کے ساتھ رہنا بلکہ نبی کی چادر میں نبی کے بدنِ مبارک سے قریب تر ہو کر رہنا صحبت و مجاورۃ نہیں حتیٰ کہ اس موقع پر نصاریٰ کے اُسقف (لاٹ پادری) نے ان آفتاب و ماہتاب چہروں کو دیکھ کر جن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں کہا تھا کہ اے گروہِ نصاریٰ میں یہ ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ سے پہاڑوں کو ٹل جانے کا سوال بھی کریں گے تو اللہ پہاڑوں کو ٹلا دے گا۔ اس لئے ان سے مباہلہ کر کے اپنے کو تباہی میں مت ڈالو۔ گویا اس اُسقف نے بھی اہل بیت اور حسنؓ وحسینؓ کے مبارک چہروں پر مقبولیت اور نورِ فطرۃ کا مشاہدہ کر لیا اور کفار تک بھی نبیؐ کے رفقاء اور ساتھیوں کے آثارِ مقبولیت و محبوبیت کو دُور سے دیکھ کر پہچان لیتے تھے جو اسی شرفِ صحبت کے آثار تھے۔ تو کیا یہ شرفِ صحبت کا ثبوت نہیں؟" ص۱۳۴

عامی بھی سمجھ سکتے ہیں کہ بحث لغوی صحابیت کی نہیں اصطلاحی صحابیت کی ہے۔ اس میں نبی کی چادر میں رہنے اور جسم سے قریب تر ہونے کو بطور دلیل پیش کرنا افسوسناک حد تک سطحی ہے۔ اور "آفتاب و ماہتاب" کے الفاظ تو صاف بتا رہے ہیں کہ بلبلِ روایت کے ذہن میں تشیع کی زبان بول رہی ہے۔ للہ کوئی بتاؤ اگر حسنؓ وحسینؓ آفتاب و ماہتاب تھے تو ابوبکر و عمر بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں کیا آیا؟ مدح کا یہ انداز تو غالی شیعہ بھی مشکل ہی سے اختیار کریں گے۔

پھر لاتحذ دِ عقیدت کا دوسرا کرشمہ دیکھئے کہ جو حسینؓ اپنی تمام تر سعی و جہد کے باوجود ابن زیاد کی فوجوں سے اپنا جان و مال نہ بچا سکے جنھوں نے حفظِ جان کی خاطر تین راہوں میں سے کسی ایک کا اذن چاہا مگر نہ ملا۔ جنھوں نے تقریر کے ذریعہ پوری کوشش کر دیکھی کہ حریف کو نہتے جان و مال سے باز رکھیں اور ربِ اکبر کے حضور دعائیں بھی کیں مگر کامیاب نہ ہوئے انھی کے بارے میں ایک ایسی روایت کو جزم کے ساتھ بیان فرمایا جا رہا ہے جس میں ان کی خواہش پر پہاڑ ٹل جانے کا دعویٰ ہے۔ یہ مقام تو خیر البشر سید الانس والجن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل نہیں ہوا۔ مگر

حاصل ہوا تو مہتمم صاحب کے نزدیک اُن حسنؓ و حسینؓ کو جن میں سے اوّل الذکر کا تو یہ حال رہا کہ انھوں نے معاویہؓ کے حبلِ اقتدار کو خواہشِ ادعا اور تمنا کے تیشے سے ریزہ ریزہ کر دینے کا خواب دیکھنے کی بجائے حقائق کی چوکھٹ پر گردن خم کی، حقیقت کو حقیقت جانا اور اپنا تاج خلافت معاویہؓ کے سپرد کر کے اپنی، اپنے خانوادے کی اور امت مسلمہ کی عافیت و امن کا وہ شاندار دروازہ کھولا جس کی ایمانی بشارت ان کے محترم نانا صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور ثانی الذکر کی سرگذشت یہ ہے کہ وہ وعدہ فراموش کوفیوں کے جھوٹے وعدوں کا شکار ہو کر حالت یاس و بیکسی میں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانیں تیغ و سناں کو سونپ گئے۔ دنیا ان باتوں پر ہنسے گی نہیں تو اور کیا کرے گی۔ آنکھیں بند کر کے روایات پر اعتماد کرنے ہی کا نتیجہ ہے کہ تعقل پسند لوگ نفس حدیث ہی سے بیزار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دانشورو! اگر روایت کی سندوں کو جانچنے پرکھنے کی زحمت نہیں پاتے تو کم سے کم اسی بنیادی اصول کو ملحوظ رکھ لیا کرو کہ مشاہدات و واقعات اور حقائقِ ثابتہ کا منھ چڑانے والی روایتیں اعتنا کے لائق نہیں ہوا کرتیں۔

ہمیں نہ حضرت حسینؓ کی مقبولیت سے انکار ہے نہ "نور فطرۃ" سے چاہے یہ الفاظ اپنے اطلاق اور مصداق میں کتنے ہی مجمل و مبہم ہوں۔ لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ کسی نصرانی لاٹ پادری کے سہارے رسول اللہ کے نواسوں کا طرۂ افتخار اونچا کرنا اچھے مذاق و وجدان کی علامت نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ایک بچکانہ ہی استدلال ہوگا کہ مقبولیت اور نور فطرۃ (؟) کو اصطلاحی صحابیت کی دلیل قرار دیا جائے۔ کیا اُن اویس قرنی کی مقبولیت اور نور فطرۃ میں کوئی شک ہے جنھوں نے ایک بار بھی رسول اللہ کو نہیں دیکھا تھا۔ یا بعد کے بے شمار اولیاء اللہ کی مقبولیت اور نور فطرۃ کے آپ منکر ہیں؟ اگر نہیں تو یہ کیسے دعویٰ کر بیٹھے کہ مقبولیت اور نور فطرۃ شرفِ صحبت ہی کا ثبوت ہو سکتے ہیں!

صحابیت کے لئے نفسِ صحبت کو کافی نہ سمجھنے کے سلسلہ میں تو شروع ہی سے ائمہ و علماء گفتگو کرتے چلے آئے ہیں۔ اسد الغابہ کا مقدمہ دیکھئے۔ ابن الاثیر لکھتے ہیں:-

وقال القاضی ابو بکر محمد بن الطیب لا خلاف بین اھل اللغۃ فی ان الصحابی مشتق من الصحبۃ وانہ لیس مشتقا علی قدر مخصوص منھا بل ھو جار علی کل من صحب قلیلا کان او کثیرا وکذلک جمیع الاسماء المشتقۃ من الافعال ولذلک یقال صحبت فلانا حولا وشھرا او ساعۃ فیوقع اسم الصحبۃ لقلیل ما یقع علیہ منھا وکثیرہ قال ومع ھذا فقد تقرر للامۃ عرف انھم لا یستعملون ھذہ التسمیۃ الا فیمن کثرت صحبتہ ولا یجیزون ذلک الا فیمن کثرت صحبتہ لا علی من لقیہ ساعۃ او مشی معہ خطا او سمع منہ حدیثا فوجب لذلک ان لا یجری ھذا الا علی من ھذا حالہ (مقدمہ ص۱۲)

قاضی ابو بکر محمد بن الطیبؒ نے کہا کہ اہل لغت کے یہاں اس بات میں دو رائیں نہیں ہیں کہ صحابی صحبت سے مشتق ہے اور یہ اشتقاق صحبت کی کسی خاص مقدار پر مبنی نہیں، بلکہ ہر صحبت اس کے دائرے میں آجاتی ہے چاہے وہ کم ہو یا زیادہ اور ایسا ہی حال ہے ان تمام دیگر اسماء کا جو افعال سے مشتق ہوتے ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ "میں فلاں کا صاحب رہا سال بھر یا مہینے بھر یا چند لمحے"۔ پس اسم صحبت کا اطلاق ہر قلیل و کثیر صحبت پر ہوتا ہے کہا کہ باوجود اس کے لفظ صحبت امت کیلئے ایک اصطلاحی لفظ بن گیا ہے اور لوگ اسے صرف کثیر صحبت ہی کیلئے استعمال کرتے ہیں اور کثیر صحبت ہی کیلئے صحابیت کا خطاب جائز رکھتے ہیں۔ نہ کہ ہر اس شخص کو صحابی کہتے ہیں جس سے رسول اللہؐ سے پل بھر کیلئے ملاقات کی ہو یا آپ کے ساتھ چند قدم چلا ہو، یا آپ سے ایک آدھ حدیث سنی ہو۔ پس واجب ہوا کہ یہ لفظ صحابی انھی لوگوں کے لئے استعمال کیا جائے جنھیں کثیر صحبت حاصل رہی ہو۔

اب کیا اُن لوگوں کو جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حالت ایمان میں رسول اللہؐ کو صرف ایک نظر دیکھ لینا ہی آدمی کو صحابی بنا دیتا ہے بھینچ پڑنا چاہئے کہ ابن الاثیر اور سعید بن المسیب اور حضرت انسؓ نے جرم عظیم کر ڈالا۔ اگر نہیں تو پھر آخر شرط بلوغ ہی کا تذکرہ عباسی صاحب کا اتنا بھیانک جرم کیوں ہو گیا کہ مہتمم صاحب نے اس پر طوفان اٹھا کے رکھدیا۔

واضح رہے کہ فاضل نقاد نے نقد کے تین مبحث قائم کئے ہیں جنھیں ہم تین ہی قسطوں میں شائع کریں گے۔ مبحث اول میں جو نا

"صحابیت" پر گفتگو شامل ہے اس لئے ہم نے مذکورہ تمہید شامل کر دی۔ آگے بھی ہر مبحث سے متعلق اپنی معروضات شامل کرتے رہیں گے۔
ایک اور بات سُن لینے کی ہے۔ مولوی محمد میاں اور مہتمم صاحب کی تضاد بیانی کا ذکر ہم نے بھی پچھلے ماہ کیا تھا اور ردمی صاحب نے بھی پیش نظر قسط میں کیا ہے۔ اسے توارد و اتفاق سمجھئے۔ پرچہ پریس جا رہا تھا جب موصوف کا مضمون آیا۔ اس طرح ہم دونوں ہی نے اس ستم ظریفی کو الگ الگ محسوس کیا ہے۔ عامر عثمانی

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کی تازہ ترین تصنیف "شہید کربلا اور یزید" ابھی حال ہی میں سامنے آئی اس کو پڑھنے کے بعد جو تاثرات پیدا ہوتے سطور ذیل میں پیش ہیں اور حضرات علمائے کرام و ارباب دانش و بینش سے درخواست ہے کہ وہ ضرور اپنی توجہ اس جانب بھی مبذول فرمائیں اور مسئلہ کی اہمیت و نزاکت محسوس فرماتے ہوئے عامۃ المسلمین کی صحیح رہنمائی کا حق ادا فرمائیں۔

یہ حقیقت تو ناقابل انکار ہے کہ زمانہ حال کی "بدنام مگر قابل غور اور "رسوائے زمانہ" لیکن معرکۃ الآرا کتاب "خلافت معاویہ و یزید" نے ہند و پاک کی خاموش فضا میں ایک تلاطم برپا کر دیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مصنفِ کتاب عباسی صاحب نے واقعۂ کربلا اور کردار یزید کو ایسے انداز سے پیش کیا جس کے لئے عام مسلمانوں کے حاشیہ خیال میں گنجائش نہ تھی پھر غضب یہ کیا کہ اپنی کتاب کو اس قدر تاریخی اور عقلی دلائل و قرائن سے مدلل و مکمل کر کے پیش کیا کہ "ناواقف" اور "بےبصیرت" لوگوں نے تو حیرت و تعجب سے دیکھا لیکن شاید مجھ جیسے بہت سے لوگوں کے لئے اس کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار ہی نہ رہ گیا۔ اس طرح لوگوں کی خاصی تعداد اس "رسوائے زمانہ کتاب" سے متأثر ہونے لگی۔ ایسی صورت میں اگر حضرت مولانا محمد طیب صاحب یا دوسرے حضرات کو اس کتاب کا "فتنہ" ہونا محقق ہو گیا تھا تو بیشک یہ ان کا دینی فرض تھا کہ وہ "ناواقف" اور بےبصیرت لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔ چنانچہ حضرت مولانا موصوف نے اب سے بہت پہلے "الجمعیۃ" سنڈے ایڈیشن مورخہ یکم نومبر ۵۹ء میں اس کتاب سے بیزاری کا ایک اعلان شائع فرمایا، نیز محمد میاں صاحب مراد آبادی نے بھی اسی شمارے میں ایک طویل بیان شائع فرمایا جس میں نہایت زوردار الفاظ میں کتاب پر تنقید فرمائی گئی تھی، لیکن بحیثیت مجموعی اس کو ایک سطحی تنقید سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے ثبوت میں مولوی محمد میاں صاحب کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیے۔ الجمعیۃ یکم نومبر ۵۹ء صفحہ ۶ پر فرماتے ہیں:-

"باقی یہ بات کہ احیاء خلافت راشدہ کا ایک مقدس اور پاکیزہ نقطہ نظر جو نور دیدۂ چشم رسالت کا نصب العین بنا رہا جس کے لئے حضرت موصوف نے اپنا سب کچھ قربانی کے لئے پیش کر دیا جس کی بناء پر آپ کے اس ایثار کو وہ مرتبہ دیا گیا کہ پوری امت نے آپ کی موت کو مظلومانہ موت اور آپ کی شہادت کو شہادت عظمیٰ قرار دیا۔ محمود احمد صاحب عباسی کی اس کتاب میں یہ نظریہ قطعاً سامنے نہیں آیا ہے۔"

اس کے بعد اس کے بالکل برعکس مولانا محمد طیب صاحب کے یہ چند جملے بھی پیش نظر رکھنے فرماتے ہیں:-

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ بہرحال ان امور سے ناواقف نہ تھے۔"

چند جملوں کے بعد:-

"اس لئے نہ انھوں نے اس کی طلب فرمائی اور نہ وہ ایک ختم شدہ شے کی طلب فرما سکتے تھے جو نبوت کی طرح ان کے گھرانے ہی سے نہیں دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ اس لئے ان کے کربلائی اقدام کو طلب خلافت پر محمول کرنا خلافت کی حقیقت اور اس کی تاریخ سے ناواقفی یا بےذوقی کی دلیل ہے۔" (شہید کربلا اور یزید صفحہ ۸۵)

مولانا محمد طیب صاحب کی یہ تحریر کو پڑھنے کے بعد آپکو اختیار ہے کہ محمد میاں صاحب کے تیکھوں کو خلافت کی حقیقت سے نا واقفیت پر محمول کریں یا اسے ان کی بے ذوقی تصور فرمائیں۔ ع

ہم اگر عرض کرینگے تو شکایت ہوگی

اور اگر محمد میاں صاحب کو اس کتاب یا اس کے فاضل مصنف مولانا طیب صاحب سے کچھ اختلاف ہو تو ان کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیں:

خروج امام حسین علیہ السلام بنابر دعوائے خلافت راشدہ پیغمبر کہ بمرور سی سال منقضی گشت نبود بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانۃ المظلوم علی الظالم من الواجبات۔ (فتاویٰ عزیزی صـ۲۱ بحوالہ شہید کربلا اور یزید صـ۸۶)	امام حسین علیہ السلام کا خروج پیغمبر (علیہ السلام) کی خلافتِ راشدہ کے دعوے کی بنا پر نہ تھا جو تیس سال گذرنے پر ختم ہو چکی تھی بلکہ ایک ظالم کے ہاتھ سے رعایا کو چھڑانے کی بنا پر تھا اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی اعانت واجباتِ دین میں سے ہے

اس عبارت کو ملاحظہ فرمانے کے بعد ممکن ہے کہ محمد میاں صاحب تو مطمئن ہو جائیں، لیکن مجھ جیسے وابستہ "جماعت دار العلوم دیوبند" کی بے اطمینانی دور نہ ہو سکے گی اور یہ حیرانی باقی رہیگی کہ جماعت دار العلوم دیوبند کا مسلک کیا سمجھا جائے (درحالیکہ جس طرح محمد میاں صاحب کے بیان کی ذیلی سرخی میں ان کے بیان کو "علماء دار العلوم دیوبند و جمعیۃ علماء ہند کا مسلک" قرار دیا گیا ہے اسی طرح مولانا محمد طیب صاحب کی کتاب "شہیدِ کربلا اور یزید" میں یوں دعویٰ فرمایا گیا ہے کہ "یہ کتاب جماعت دار العلوم دیوبند کے متفقہ مسلکِ حق کی ترجمان ہے"۔) کیونکہ ان دونوں تحریروں میں جو بنیادی اختلاف ہے وہ محتاج بیان نہیں اس لئے مناسب تو یہ تھا کہ ان حضرات نے ایسے بلند بانگ دعووں سے پہلے آپس میں کم از کم مشورہ تو کر لیا ہوتا کہ ان کا مسلک اس طرح آپس کی تضاد بیانی کی نذر تو نہ ہوتا۔

اس اعلان اور بیان کے بعد عزیز احمد صاحب قاسمی نے الجمعیۃ سنڈے ایڈیشن میں عباسی صاحب کی کتاب پر "ایک طائرانہ نظر" ڈالی جو ۲۲ر اور ۲۹ر نومبر کی دو قسطوں میں شائع ہوئی۔ اس مضمون میں ضرور حوالے کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کی گئی تھی اور "مشتے نمونہ از خروارے" کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے پوری کتاب کو مجروح اور ناقابلِ اعتبار ٹھیرانے کے لئے اس مضمون کو کافی سمجھ لیا گیا تھا حالانکہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے قاسمی صاحب کی ان گرفتوں سے کتاب کے ایک جزو پر کچھ معمولی سا اثر ضرور پڑ سکتا تھا[1] بشرطیکہ اس سلسلہ میں عباسی صاحب کی کتاب کی بنیاد صرف اسی حوالہ پر ہوتی لیکن چونکہ عباسی صاحب کی بنیاد مستند حوالوں پر ہے اس لئے تاوقتیکہ ان سب کو مجروح اور غلط نہ ثابت کیا جاتے ایسے اعلانات و مضامین کو نہ صرف طائرانہ ہی سمجھا جا سکتا ہے بلکہ طفل تسلی سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی۔

ان اخباری اعلانات و بیانات کے بعد حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی تازہ تصنیف "شہید کربلا اور یزید" بھی مطالعہ میں آئی مگر اس طرح کہ جس وقت یہ کتاب مطالعہ کے لئے میں نے اُٹھائی تھی میں سراپا شوق تھا اور مطالعہ کے بعد جس دم یہ کتاب رکھی ہے تو گویا میں مجسمۂ یاس بن چکا تھا اور اسی عالمِ مایوسی میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ کاش مولانا "الجمعیۃ" کے اسی مختصر اعلانِ بیزاری پر ہی اکتفا فرماتے تو کیا اچھا ہوتا کم از کم بھرم تو باقی رہتا اور ہم جیسے پرانے نیازمندوں کے قدیم حسنِ ظن کو ٹھیس تو نہ لگتی۔ ہم اپنے دلوں کو سمجھا لیتے کہ حضرت مولانا نے عباسی صاحب کی کتاب کو درخورِ اعتنا نہیں خیال فرمایا اور تقاضائے مصلحت یہی جانا کہ اس کا کوئی جواب نہ دیا جائے ورنہ اس کی طرف ذرا بھی توجہ کرنا اس کو قعرِ مذلت سے نکال کر بامِ شہرت تک پہنچا دینے کے مرادف ہوگا، لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ایسا نہ ہوا اور مصنف کے صاحب زادے کی طرف سے "عظیم دعوتِ فکر" بنکر شہیدِ کربلا اور یزید نامی یہ کتاب ہمارے سامنے آگئی۔ آئندہ سطور میں اس کا خلاصہ نمبروار پیش ہے اس کے ساتھ ہی اپنی معروضات بھی حاضر ہیں اور فیصلہ اربابِ دانش و بینش کے ہاتھ ہے۔

حضرت مولانا کے ارشادات اور اپنی معروضات پیش

[1] ذرا سا بھی اثر نہیں پڑا جیساکہ عباسی صاحب نے اپنے اسی اشتہار میں تمام حوالوں سے واضح فرمایا۔ ۔ (تجلی)

کرنے سے پہلے دو ایک باتیں اور بھی عرض کردی جائیں تو آئندہ گذارشات کو سمجھنا زیادہ آسان ہوگا۔

(الف) عباسی صاحب کی تعبیرات اور ان کے مطالب والفاظ کو خدا جانے کس ضرورت شرعی اور مصلحت دینی کی بناء پر مولانا کی اس تصنیف میں اس حد تک تبدیل فرما دیا گیا کہ جس کی کوشش کی گئی ہے جسے روایت بالمعنی بھی کہنا مشکل ہے۔ البتہ اسے "تفسیر القول بمالا یرضی بہ القائل[1]" کہنا غالباً حقیقت سے بعید نہ ہوگا لیکن مشکل یہ ہے کہ ایسی تفسیر اور تعبیر کی اس درجہ تغییر حضرت مولانا کی ذات والاصفات اور ان کے منصب جلیل کے شایان شان کسی طرح نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اس کا قطعی فیصلہ خود حضرت مولانا پر یا ان حضرات پر رکھنا مناسب ہوگا جنھوں نے عباسی صاحب کی کتاب کا واقعی مطالعہ کیا ہو۔ شاں کے لئے مولانا کی کتاب کے صفحات ۱۷ و ۱۹ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ و ۸۵ و ۱۰۷ و ۱۰۸ و ۱۱۱ ملاحظہ فرمائیے اور ان میں جو کچھ عباسی صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے اسے عباسی صاحب کی کتاب میں تلاش کیجئے آپ کو تضییع اوقات کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور میری طرح آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ بغیر اس قدر تغییر و تحریف کے عباسی کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنا کچھ آسان نہیں تھا۔

(ب) حضرت مولانا کی عظمت شان اور منصب جلیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ اس قسم کی بدگمانی تو شاید جائز نہ ہو کہ دانستہ طور پر انھوں نے عباسی صاحب کی طرف غلط باتیں بھی منسوب کردی ہیں، بلکہ ان کے ساتھ جو "حسن ظن" ہونا چاہئے اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسے بیجا تصرفات اور غلط انتسابات کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی جائے کہ شاید حضرت مولانا کے کسی شاگرد و مرید نے عباسی صاحب کی کتاب کا خلاصہ اپنے طور پر پیش کردیا ہے اور مولانا نے اپنے شایان شان حسن ظن کی وجہ سے اسے لائق اعتماد خیال فرمایا اور اپنے اس "مزعومہ فکری فتنہ" کی تردید ضروری جان کر یہ کتاب تصنیف فرما دی بلکہ کوئی تعجب نہیں کہ ان کو اپنے گوناگوں مشاغل اور طول طویل اسفار کی بناء پر فرصت جواب بھی نہ رہی ہو اور "آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند" کے مطابق مولوی سالم صاحب نے یہ تصنیف لطیف فرمائی ہو اور حضرت مولانا کے زیر ملاحظہ یا زیر سماعت لاکر اسے مولانا کے حقیقت نگار قلم کا شاہکار "دیانت" قرار دیدیا ہو (جس کی نظیر "فیصلہ ہفت مسئلہ" کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے جو تصنیف ہے حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمۃ کی مگر منسوب ہے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی طرف)۔

اگر کسی صاحب کو ہماری یہ گذارش محض تخمین و اندازہ پر مبنی نظر آئے تو وہ ذرا سی محنت سے کام لیں اور عباسی صاحب کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" اور "شہید کربلا اور یزید" کا باہمی مقابلہ کے ساتھ مطالعہ فرمائیں مجھے پورا یقین ہے کہ میری طرح وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یا تو حضرت مولانا نے عباسی صاحب کی کتاب کا پوری طرح مطالعہ کئے بغیر یہ جواب تحریر فرمایا ہے یا دانستہ ان کے مطالب کو الفاظی تحریف و تبدیلی کے بعد پیش کیا ہے مگر چونکہ یہ دوسری صورت حضرت مولانا کی شان سے بعید بعید ہے اس لئے اگر حضرت مولانا کے منصب جلیل اور ان کی شان علم کا لحاظ ضروری امر ہے تو اس توجیہ کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مولانا کا یہ جواب عباسی صاحب کی تصنیف کا مطالعہ کئے بغیر ہی تحریر فرمایا گیا ہے، بلکہ مولانا کی شان علمی کی قدیم روایات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسے ان کی مستقل تصنیف ہی نہ مانا جائے اور "فیصلہ ہفت مسئلہ" کے قسم کی کوئی چیز سمجھا جائے۔

اس تمہید کے بعد مولانا کے فرمودات اور اپنی معروضات

[1] قول پر ایسے معنی نکالنا جو قائل کا منشا نہ ہوں۔

نمبروار عرض ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) مولانا اپنی کتاب "شہید کربلا اور یزید" صـ۱۳ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اندازہ یہ ہوتا ہے کہ مصنف کتاب کے ذہن میں کچھ تاریخی نظریات پہلے سے قائم شدہ موجود تھے جن کے لئے تویدات کی ضرورت تھی تو مفید مطلب تاریخی ٹکڑوں کا ملجانا کوئی عجیب بات نہ تھی کیونکہ دنیا میں ہر فن کی طرح تاریخ میں بھی مختلف اقوال موجود ہیں اس لئے جو حضرات ذہن کو خالی کر کے تاریخ سے نظریات اخذ کرنیکے بجائے نظریات سے تاریخ اخذ کرنیکے عادی ہیں انھیں موافق مطلب اقوال کا ملجانا تعجب انگیز نہیں لیکن اس کا نام تاریخی ریسرچ نہیں اسے نظریاتی ریسرچ کہنا چاہیئے۔"

مولانا کی اس عبارت میں "تاریخ سے نظریات" یا "نظریات سے تاریخ" اخذ کرنے کی جو فلسفیانہ بات پیدا کی گئی ہے وہ دلچسپ ہونیکے باوجود تسامح سے خالی نہیں اور اس تسامح سے قطع نظر اس موقع پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی تحقیقی اور واقعی جواب اور تردید کی بنیاد محض تخمین اندازہ یا وہم وگمان پر رکھی جاسکتی ہے اگر نہیں رکھی جاسکتی بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ نہیں رکھی جاسکتی۔ تو مجھے نہایت ادب کے ساتھ یہ عرض کرنے کی اجازت دی جائے کہ حضرت مولانا کی ساری کتاب اسی قسم کے اندازوں اور تخمینوں کی بنیاد پر قائم ہے پھر یہ کہ اگر کسی درجہ میں ایسی کمزور بنیاد پر جواب کی تعمیر جائز بھی ہو تو کم از کم حضرت مولانا جیسے بلند پایہ محقق ومفکر اور "حکیم الاسلام" کے شایانِ شان تو کسی طرح نہیں کہا جاسکتا۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ حضرت مولانا کو اپنے اس اندازہ پر اس قدر وثوق و اعتماد ہے کہ اپنے سارے جواب کی بنیاد ہی اس پر قائم فرمارہے ہیں اور تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ ایک طرف تو مولانا عباسی صاحب کی تحقیق اور ریسرچ کا مذاق اُڑا رہے ہیں اور دوسری طرف خود بھی اسی قسم کے نظریاتی اور وجدانی جوابوں سے انکی تردید بھی فرمانا چاہتے ہیں جس کی مثالیں آئندہ اپنے اپنے موقع پیش کی جائیں گی۔

(۲) صـ۱۵ پر مولانا فرماتے ہیں کہ:۔

"اس ریسرچ کا اثر چونکہ عقائد ملت پر پڑتا ہے اور اس سے مذہب کے کتنے ہی اہم اجزاء مشتبہ ٹھیرتے ہیں اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ تاریخی پہلو سے زیادہ اسے مذہبی اور دینی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے اور مذہب وعقیدہ واضح کر کے اسی معیار سے اس تاریخ کو رد یا قبول کیا جائے۔"

حضرت مولانا نے یہ بات بظاہر تو نہایت اہم اور بنیادی تحریر فرمائی ہے لیکن اس سلسلہ میں ذیل گذارشیں بھی ملاحظہ فرمائی جائیں تو اندازہ ہوگا کہ بعض باتیں نہایت ہی خوش آئند ہوتے ہوئے بھی حقیقت سے کس قدر دُور ہو سکتی ہیں۔ مولانا اس دعویٰ کے باوجود کہ عباسی صاحب کی کتاب میں تاریخ کی اور کھلی تصریحات تک سے اغماض کیا گیا ہے) غالباً تاریخی د[illegible] کو اپنے لئے زیادہ مفید مطلب نہیں پاتے اس لئے مصلحت ا[illegible] پیش بندی کا تقاضا انھیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے تاریخی [illegible] سے زیادہ مذہبی اور دینی نقطۂ نظر سے دیکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس موقع پر اپنا زور قلم کا نِ صرف فرمایا ہے اور اس کے بعد جابجا لوگوں کے ذہن کو اسی طرف متوجہ رکھنے کی کوشش فرمائی۔ لیکن آیئے ذرا اس عقیدہ کی بھی حقیقت معلوم کی جائے جسکی تائید کے لئے مولانا نے اس رسوائے زمانہ کتاب کی تنقید کو اپنا دینی فریضہ تصور فرمایا مگر آپ کو سخت ناکامی کا سامنا ہوگا جب آپ عباسی صاحب کی کتاب میں اس "باطل وغلط عقیدہ" کو تلاش کریں جس کی اصلاح کے لئے "جماعت دار العلوم دیوبند" کے تمام افراد قلم برداشتہ بلا کسی ادنیٰ تیاری کے میدانِ صحافت میں کود پڑے۔

کیونکہ جہانتک عباسی صاحب کی کتاب کا تعلق ہے اس میں سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پوری جلالتِ شان اور کمال احترام کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں کسی قسم کی بدگوئی، بدگمانی اور بدعقیدگی کو قطعًا راہ نہیں دی گئی ہے۔ مثال کے لئے چند جملے حاضر ہیں۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں :۔

"بہرحال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طہارت نیت کی برکت تھی کہ بالآخر آپ نے اپنے موقف سے رجوع کرلیا۔"

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت حسین سبط الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعۃ کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلہ کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کردیں۔" (خلافت معاویہ ویزید صفحہ ۱۴۸، ۱۴۹)

ان عبارات کو دیکھنے کے بعد اس وہم کی بھی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ عباسی صاحب کی کتاب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق کسی بدعقیدگی کا کوئی نشان بھی پایا جاسکے گا۔

اور اگر حضرت مولانا نے عباسی صاحب کیلئے مفروضہ و مزعومہ بدعقیدگی کا استخراج خروج، خطا، سیاسی غلطی، دنیوی غلطی وغیرہ جیسے الفاظ سے فرمایا ہے تو بڑی بے انصافی فرمائی کیونکہ یہ الفاظ خود مولانا نے بھی اپنی کتاب کے صفحات ۷۹، ۸۵، ۹۸، ۱۰۱ پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ اور ابن خلدون کے اقتباسات میں نقل فرمائے ہیں۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح زبردستی اور بلاوجہ کسی عقیدہ اور مذہب کی حمایت و نصرت کا اعلان کرکے واقعی کسی عقیدہ کے تحفظ کی کوشش فرمائی گئی ہے یا مذہب وعقیدہ کی آڑ لیکر دانستہ ایک حق بات کو باطل باور کرانے کی سعی فرمائی گئی ہے۔ خدا نہ کرے کہ واقعہ یہ ہو، ورنہ جماعت دارالعلوم دیوبند کی طرف سے اگر اس قسم کی خدمات انجام پانے لگیں گی تو پھر دین کا تو اللہ ہی مالک ہے۔

(۳) صفحہ ۱۶ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"لیکن چونکہ یہ ساری محنت ایک خاص نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے اس لئے اس میں تاریخی ریسرچ کے ساتھ ساتھ نظریاتی ریسرچ بھی شامل ہوگئی۔"

کچھ آگے چلکر فرماتے ہیں کہ :۔

"یزید کی تبری اس حد تک صحیح ہوتی کہ جو اس نے نہ کیا ہو اُسے نہ کیا ہوا ظاہر کیا جاتے، لیکن اس حد تک کہ جو اس نے کیا ہے اس کا بھی انکار کردیا جائے تاریخی تعدی ہے۔ یزید سے اگر فسق اٹھایا جاتا بشرطیکہ اُٹھ سکتا ہو تو کوئی حرج نہ تھا اُلٹا اسے خلفائے اشدین میں شمار کرادیا جاتا تاریخی ریسرچ نہیں، بلکہ تاریخ کے علی الرغم وہی نظریاتی ریسرچ ہے۔"

اور آگے چلکر فرماتے ہیں کہ :۔

"لیکن ان کی (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی) ذاتِ قدسی کو حبِ جاہ وہوس اقتدار سے متہم ٹھیرانا تاریخ نہیں بلکہ وہی ذہنی منصوبہ بندی ہے۔" (شہید کربلا اور یزید صفحہ ۱)

اس موقع پر بھی مولانا کو عباسی صاحب کیلئے "خاص نقطہ نظر" اور "ذہنی منصوبہ بندی" کے اپنے وہی پرانے مفروضہ حربے ہی یاد آئے اور ناظرین کو دوبارہ "تاریخی ریسرچ" اور "نظریاتی ریسرچ" کی بھول بھلیوں میں حیران وسرگرداں رکھنا ہی انھیں اچھا معلوم ہوا پھر اسی پر بس نہیں فرمایا، بلکہ عباسی صاحب کے کثیر تاریخی حوالوں کے جواب میں ایک مختصر سا لفظ یوں ارشاد فرمادیا کہ "تاریخی تعدی" ہے۔ اگر ہمارے مولانا کے نزدیک عباسی صاحب تاریخی تعدی کے مرتکب اس لئے ٹھیرتے ہیں کہ انھوں نے (بقول مولانا) یزید کے کئے ہوئے کو نہ کیا ہوا ظاہر کیا ہے (درحالیکہ حقیقت یہ ہرگز نہیں ہے) تو براہ کرم مولانا کوئی شائستہ اور مہذب سا ڈھلا ہوا فقرہ مجھے بھی بتائیں جسے میں ان لوگوں کے لئے استعمال کرسکوں جو بہت سی "نانوشتہ" باتیں عباسی صاحب کی طرف منسوب کرکے اپنا کوئی ذہنی منصوبہ مکمل کرنا چاہتے ہیں۔

کیا میں دریافت کرسکتا ہوں کہ کس موقع پر عباسی صاحب حضرت امام ہمام کی مذمت پر اُتر آئے ہیں اور کس مقام پر انھوں نے حضرت امام کی ذات اقدس کو حبِ جاہ وہوس اقتدار سے متہم ٹھیرایا ہے؟ عباسی صاحب کی نظر میں حضرت امام ہمام کی جو عظمت ہے وہ کسی حد تک ان جملوں سے مترشح ہوتی ہے جو پچھلے

صفحات میں نقل بھی ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ بات تو نہایت وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ عباسی صاحب نے اگر حضرت امام کی ذات والاصفات کی طرف کچھ منسوب بھی کیا ہے تو وہ وہی اجتہادی خطا اور لغزش ہے جس کا امام ہمام کے منافی شان نہ ہونا خود مولانا کو بھی تسلیم ہے جیسا اسی صفحہ ۱۷ سے مستفاد ہوتا ہے (فرماتے ہیں "اگر کسی پہلو کی کوئی خطا اجتہادی ان کی طرف منسوب کر دی جاتی تو ان کے شان عالی کے منافی نہ ہوتی") نیز اس کے علاوہ صنہ وصلہ وصلا پر مقدمہ ابن خلدون کے اقتباسات تو اس سلسلہ میں بالکل صریح ہیں اس لئے عباسی صاحب جس جرم کے واقعی مجرم ٹھیرتے ہیں وہ مولانا کا اور ان کا مشترک ہے (بشرطیکہ وہ جرم ہو) رہے وہ اور الزامات جو عباسی صاحب کے ذمہ مولانا عائد فرمانا چاہتے ہیں تو عباسی صاحب اس سے بالکل بَری ہیں۔

اس موقع پر مولانا ہی کے ارشاد کے مطابق کہنا پڑتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ ہمارے مولانا بھی صرف رَد ہی فرمانے پر اکتفا فرماتے (بشرطیکہ وہ ممکن ہوتا) لیکن یہ ردِّ عمل جو مولانا کی تحریر سے ظاہر ہے دار العلوم کے لئے کوئی نیک فال نہیں ہے ویسے دعا تو اپنی یہی ہے کہ خدا کرے یہ وہم سراسر غلط ہی ہو اور مولانا کی یہ تحریر واقعی تردید نہ ہو بلکہ کسی ہنگامی مصلحت کی خاطر یہ تردید و تنقید عمل میں لائی گئی ہو۔

(۴) صفحہ ۱۹ پر "مباحث" کی سرخی قائم فرما کر اس کے تحت فرماتے ہیں کہ:-

"عباسی صاحب کا مطمح نظر چونکہ یزید کو خلیفہ بر حق بلکہ عمر ثانی دکھلا کر اس کا ذاتی اور سیاسی کردار بے عیب ظاہر کرنا تھا"

کیا مولانا سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ براہِ کرم اس مقام کی نشاندہی فرمائیے جہاں عباسی صاحب نے یزید کو عمر ثانی دکھلایا ہے جہاں تک اپنی کوتاہ نظر پہنچ سکی ہے عباسی صاحب کی کتاب میں کوئی ایسی عبارت نہیں نظر آ سکی جس کی بنا پر اس خلاف حقیقت بات کی تصدیق ہو سکے اور اگر مولانا کا اشارہ البدایہ والنہایہ کے اقتباس کی طرف ہے:-

قال (یزید) کنت واللہ یا ابتہ عاملا فیھم عمل عمر بن الخطاب فقال سبحان اللہ یا بنی واللہ لقد جھدت علی سیرۃ عثمان فما الفقتھا فکیف بک وسیرۃ عمر (البدایہ والنہایہ ص ۲۲۹/۸)

(یزید نے) کہا واللہ اے ا[با جان] عمر بن الخطاب نے جو عمل ا[ختیار] کیا میں بھی ان کے ساتھ د[یسا ہی] کروں گا تو حضرت معاویہ نے فرمایا: اے بیٹے ابیٹ تو واللہ سیر[ت عثمان کی پیروی کی] کوشش کی مگر وہ بھی نہ کر[سکا] اور سیرت عمر کی پیروی! (خلافت معاویہ و یزید)

+ + + +

تو سخت تعجب ہے کہ یہ الزام عباسی صاحب کے سر کس جرم میں ہے۔ کیونکہ اس کا اصل ملزم تو یزید ہے جس نے ایسی بات نکالی یا دوسرے نمبر پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملزم جنھوں نے ایسی بات سُنکر کوئی تعزیر نہ کی صرف معمولی تن[بیہ] کافی سمجھا اور اس کے بعد اگر یہ الزام متعدی ہو تو علامہ ملزم ٹھیرتے ہیں جنھوں نے یہ مکالمہ البدایہ والنہایہ میں ن[قل کیا] اگر گستاخی نہ ہو تو عرض کیا جائے کہ ہمارے مولانا کا دامن الزام سے نہیں بچتا۔ جنھوں نے اس حوالہ کو غلط ثابت ک[رنے کی] مطلق کوشش نہیں فرمائی۔ ویسے تو عباسی کی تحقیق و تفحص تعدی۔ "نظریاتی ریسرچ" وغیرہ کے عنوان سے اکثر ب[رستے] رہے، لیکن حوالہ کی غلطی نکالنے کی مطلق زحمت نہیں فرما[ئی] کتاب میں حوالہ کی صرف ایک غلطی پیش فرمائی مگر وہ بھی ا[یسی نہیں] کہ اس کی وجہ سے بقیہ تمام حوالے بے کار ہو جائیں۔[1]

(۵) صفحہ ۱۹ پر منقولہ بالا عبارت کیساتھ فرماتے ہیں:-

"تو اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ اس کے مدمقابل سید[نا] حسین رضی اللہ عنہ کو ذاتی اور سیاسی کردار کے لحاظ سے پست اور اخلاق و اوصاف کے لحاظ سے معاذاللہ داغدار ثابت کیا جاتا۔ اس لئے انھوں نے اس میزا[ن] کے دو پلوں میں ان دو کو تولا کر یزید کا پلہ تو اخلاقی علمی خوبیوں سے وزن دار بنا کر جھکا دیا اور حسین کا پا[یہ] فضائل و مناقب اور عام اخلاقی و علمی خوبیوں سے خا[لی] اور بے وزن دکھلا کر اوپر اٹھا دیا تاکہ امت کا وہ ذہن بدل جائے جو اب تک اس کے برعکس قائم شدہ تھا"

[1] ہم کہتے ہیں ... [illegible] ... غلطی ... (تجلی)

سوال یہ ہے کہ اگر عباسی صاحب نے یزید کو خلیفۂ برحق ثابت کرنے کیلئے اس کا ذاتی وسیاسی کردار بے عیب دکھایا تھا تو حضرت مولانا نے اس سے یہ نتیجہ کس طرح نکالا؟ اگر مولانا ان مقدمات کو باقاعدہ ترتیب دیکر نتیجہ کا استخراج فرماتے اور مدح یزید و قدح حسین کے درمیان لزوم واقعی کو بھی ثابت فرماتے تو شاید ہم جیسے طالب علموں کی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوتا ورنہ مولانا کی دلیل تو کچھ اس قسم کی ہے کہ "چونکہ مدح یزید مستلزم ہے قدح حسین کو اور عباسی نے مدح یزید کی ہے" لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ عباسی نے قدح حسین کی ہے، لیکن مولانا غالباً دوسروں کا یہ حق تو سلب نہ فرمائینگے کہ کوئی طالب علم عرض کرے کہ مولانا آپ کے اس قضیہ میں مقدم[1] بالکل فرضی و نظری ہے اس لئے براہِ کرم اس استلزام و لزوم کو ثابت فرمایئے ورنہ اس کی حقیقت ایک مغالطہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے جو آپ جیسے جلیل القدر، حقیقت نگار، حکیم الاسلام کی شان کے منافی ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں مولانا نے عباسی صاحب کی ترازو اور اس کے پلوں کو جھکا دینے اور اُٹھا دینے کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے بظاہر ان کی تحریر وزنی تو ضرور نظر آنے لگی۔ لیکن اس وقت کیا ہوگا جب کوئی اللہ کا بندہ ان اعتراضات کو عباسی صاحب کی کتاب میں تلاش کرنا چاہے گا اور اپنی ناکامی پر وہ یہ خیال کرے گا کہ مولانا نے جس ترازو سے عباسی صاحب کی کتاب کو تولا ہے اس میں کچھ پاسنگ پہلے ہی سے موجود تھا اور ان کی یہ تنقیدی میزان ہی غلط تھی ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ نہ تو عباسی صاحب نے کوئی پلہ جھکایا ہے نہ اُٹھایا ہے، پھر یہ کہ یزید کے مقابلہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت جب اس قدر ممتاز ہے تو ان کی شان عالی کسی کے پلہ جھکانے سے کیا کم ہو جائے گی؟ ہاں یزید کی پوزیشن ضرور کچھ خفا میں تھی جس کے پردے عباسی صاحب نے اُٹھانے چاہے تھے، مگر پتہ نہیں "بغض معاویہ" کی یہ کون سی قسم ہے جس کا شکار حضرت مولانا جیسے مقدس حضرات بھی ہو گئے اور یزید کی برئیت ان کو ایک آنکھ نہ بھائی۔

(۶) صـ۲۶ پر مولانا فرماتے ہیں کہ:۔

"سو معروضات ذیل پر نظر ڈالئے جس سے اولاً صحابیت حسین کے مسئلہ پر روشنی پڑے گی جس کی نفی عباسی صاحب کا پہلا منصوبہ ہے"۔

ہمارے مولانا کو اپنے منصوبہ کے مطابق عباسی صاحب کے لئے "منصوبہ بندی" وغیرہ الفاظ کی تکرار خدا جانے کیوں ضروری معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ بحث بھی "پہلا منصوبہ" کے عنوان سے شروع فرمائی ہے جو صـ۲۶ سے صـ۷۴ تک ۴۸ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے، جس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کو نہایت محدثانہ و مفسرانہ انداز سے ثابت فرمایا ہے، لیکن بنیادی کمزوری سے یہ مبحث بھی خالی نہیں۔ یعنی ایک تو زبردستی عباسی صاحب کے ذمہ یہ الزام عائد کرنا ضروری خیال فرمایا کہ عباسی صاحب حضرت حسینؓ کی صحابیت کے قائل نہیں، حالانکہ عباسی صاحب نے جس موقع پر صالح بن احمد بن حنبل کی روایت پیش کی اس کا مقصود صرف اسی قدر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ زمانہ حیات نبوی میں ایسے صغیر السن تھے کہ بعض حضرات نے ان کے بڑے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بھی صحابی کے بجائے تابعی کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اندازِ کلام ہرگز یہ ظاہر نہیں کرتا کہ عباسی صاحب بذاتِ خود بھی ان کی صحابیت کے منکر ہیں یا ان کی صحابیت کا انکار ان کا کوئی خاص ذہنی منصوبہ ہے۔

دوسری کمزوری یہ ہے کہ عباسی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تابعیت کے لئے جو حوالہ نقل کیا ہے مولانا نے اس کا مذاق اُڑانے کی تو کافی کوشش فرمائی، لیکن اس کی تغلیط آخر تک نہیں فرمائی جس کا نتیجہ یہی تو سمجھا جائے گا کہ حضرت حسینؓ یا ان جیسے صغیر السن حضرات کے بارے میں حضرات محدثین مختلف ہیں بعض انھیں صحابی مانتے ہیں اور بعض تابعی کہتے ہیں۔ ایک قول مولانا نے اختیار فرمایا اور دلائل سے اسی کو راجح قرار دیا (جس کا انکار عباسی صاحب کو بھی نہیں ہے) دوسرا قول وہ ہے جسے ضمناً

---

[1] یہ منطق کا ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح "دن" کہنے کا لازمی مطلب یہ ہوتا ہے کہ سورج نکلا ہوا ہے اسی طرح اگر یزید کی تعریف کا لازمی مطلب یہ ہوتا کہ حضرت حسینؓ برے قرار پا جائیں جب تو مہتمم صاحب کا الزام درست ہو سکتا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ یزید کی تعریف اور حضرت حسینؓ کی مذمت میں دن اور سورج والا ربط نہیں ہے اسلئے الزام میں کوئی جان باقی [illegible]

عباسی صاحب نے ایک مقام پر نقل کر دیا ہے (اگرچہ وہ بھی اسے قابل ترجیح نہیں قرار دیتے) اگر عباسی صاحب کی یہ حرکت اس قدر گمراہ کن تھی جیسا کہ مولانا کے ۴۸ صفحات کی تفصیل کا تقاضا ہے تو ضرورت تھی کہ مولانا یا تو عباسی کے حوالہ کو غلط ثابت فرماتے یا حافظ ابن کثیر اور امام احمد کے صاحب زادے "صالح" کی بھی اسی طرح خبر لیتے کہ آخر کس منصوبہ کے تحت انھوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی "ام الفضائل" یعنی صحابیت کو ان سے مسلوب کرنے کی غیر [illegible] کوشش کی

اس موقع پر یہ لطیفہ بھی لطف سے خالی نہ ہوگا کہ مولانا نے عباسی صاحب کے اس اقتباس کی تنقید و تردید میں کافی زورِ قلم صرف فرمایا ہے جس میں بقول مولانا عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ کی عمر کا بیان کرتے ہوئے البدایہ کے ترجمہ میں پانچ کے ساتھ "صرف" کا لفظ بھی بڑھا دیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ جذبۂ تنقید مولانا پر کچھ اس طرح مستولی ہوا کہ مولانا نے دانستہ یا نادانستہ یہ اعتراض تو بالکل زبردستی عباسی صاحب کے ذمہ عائد فرما دیا ورنہ عباسی صاحب کی کتاب میں بدایہ کا جو اقتباس ہے وہ بھی صحیح ہے اور اس کا ترجمہ بھی صحیح ہے اسلئے عباسی کی کتاب میں کسی موقع پر پانچ کے ساتھ "صرف" کا اضافہ تحریف کسی طرح نہیں کہا جا سکتا جبکہ اسی کتاب میں حضرت حسینؓ کی عمر کے لئے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں" اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی عمر وفاتِ نبوی کے وقت پانچ برس کے قریب تھی"۔ (خلافت معاویہ و یزید ص۱۷)

(۷) صفحہ ۲۹ پر فرماتے ہیں کہ:-

"سوان (عباسی) کا خلجان رفع ہو سکتا تھا اگر وہ تاریخی ریسرچ کے سلسلہ میں کفایۃ الخطیب کی حسب ذیل عبارت بھی پڑھ لیتے جس میں خطیب بغدادی "صحابیت" کے لئے بیس سال کی عمر کی شرط کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔"

اس تمہید کے بعد خطیب کی وہ عبارت نقل کی گئی ہے جسے مولانا عباسی صاحب کی "تاریخی ریسرچ" کے پیونا کے لئے تجویز فرمائے ہیں مگر لطف یہ ہے کہ خطیب کی وہ ساری عبارت ہی دوسرے موضوع سے تعلق رکھتی ہے یعنی علامہ خطیب کا کلام "صحابیت" کے سلسلہ میں نہیں ہے، بلکہ "حدیث کی روایت و سماع" سے متعلق ہے ان کا کہنا صرف یہ ہے کہ حدیث کی روایت و سماع کے لئے جن لوگوں نے بیس سال عمر ہونے کی قید لگائی ہے وہ غلط ہے۔ لیکن ہمارے مولانا بڑی فراخ حوصلگی سے اس عبارت کو روایت حدیث کے سلسلۂ موضوع سے علیحدہ کاٹ کر "نفس صحابیت" کے سلسلہ میں سمجھ کر انتہائی طمانیت و انشراح کے ساتھ اس کے یہ جملے بھی نقل فرما گئے:-

ولوکان السماع لا یصح الا بعد العشرین سقطت روایۃ کثیر من اهل العلم سوی من هو فی عداد الصحابۃ ممن حفظ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصغر، فقد روی الحسن بن علی بن ابی طالب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومولدہ سنۃ اثنین من الهجرۃ (کفایہ ص۵۴)	اور اگر (حدیث کی روایت کیلئے) سماعت حدیث بیس ہی برس کی عمر کے بعد معتبر مانی جائے تو بہت سے ان اہل علم کی روایت ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے جو حضرات صحابہ کی تعداد کے علاوہ ہیں یعنی جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صغر سنی میں روایتیں محفوظ کی ہیں۔ مثلاً حضرت حسن بن علی بن ابی طالب جنکی پیدائش ۲ھ کی ہے۔ (شہید کربلا)

اس عبارت کو اس کے صحیح ترجمہ کے ساتھ (جیسا کہ احقر نے پیش کیا ہے[1]) جو کوئی بھی دیکھے گا وہ لامحالہ مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچے گا:-

(الف) یہ عبارت روایت حدیث کے لئے سن و سال کی تحدید و تعیین سے متعلق ہے (ب) اس میں نفس صحابیت کے لئے کسی عمر کی شرط کرنے یا نہ کرنے کا مطلق ذکر نہیں ہے۔

(ج) بیس سال کی عمر کو شرط نہ قرار دینے کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خطیب اس سلسلہ میں بالکل آزادی اور چھوٹ دے رہے ہیں (د) اس عبارت میں یہ توضیح کہ "اگر بیس سال کی عمر کی قید رکھی جائے گی تو ان اہل علم کی روایت ساقط الاعتبار ہو جائے گی جو حضرات صحابہ کے علاوہ ہیں — مثلاً حضرت حسن بن علیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے درانحالیکہ ان کی پیدائش ۲ سنہ ہجری کی ہے" حضرت حسنؓ کے

[1] ہماری ناقص رائے میں نہ مہتمم صاحب کا ترجمہ درست ہے نہ ندوی صاحب کا۔ کاش شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ زندہ ہوتے تو ہم کہتے کہ اس عبارت کو ان کے آگے رکھا جائے

صحابی نہ ہونے کی ایسی تصریح ہے جس کے بعد اس عبارت کو ان کی صحابیت کے لئے پیش کرنا اور نہ صرف پیش کرنا بلکہ طنز کے ساتھ اس کو عباسی صاحب کی "تاریخی ریسرچ" کے لئے پیوند بنانے کا مشورہ دینا ہر ایک کا کام نہیں ہے، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے مقولہ مشہور "نقل راچہ عقل" کے بالکل خلاف نقل میں بھی عقل سے کام لیتے ہوئے اس عبارت کو اپنے موافق بناکر نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ان کی کتاب میں اسکا ترجمہ ملاحظہ فرماکر احقر کے ترجمہ سے مقابلہ کیجئے تو یہ گتھی سلجھ جائے گی اور آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ مولانا نے مندرجہ بالا عبارت کے ترجمہ میں "(یعنی وہ حضرات)" کے بعد خطیب کے منشا کے خلاف "صحابہ" کا لفظ قصداً بڑھا دیا۔ کیونکہ بغیر اس کے وہ حضرت حسنؓ کی صحابیت خطیب کی اس عبارت سے نہیں ثابت فرما سکتے تھے، لیکن تعجب تو یہ ہے کہ مولانا کے خیال میں جب حقیقت یہ ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی صحابیت ثابت کرنے کے لئے قرآن و احادیث کے دلائل کے علاوہ محدثین کی تصریحات اس قدر موجود ہیں جن کے انکار کی گنجائش نہیں ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن و حدیث کی صاف و صریح دلیلوں کو چھوڑ کر دور از کار مفسرانہ و خطیبانہ موشگافیوں کے لئے اپنا زورِ قلم صرف فرمایا اور کس لئے اس مبحث کو اس قدر طول دیا اور عباسی صاحب کی کتاب میں "صرف" کا اضافہ (درحالیکہ وہ کسی عبارت کے ترجمہ میں نہ تھا) خود ان کو تو اس قدر ناگوار ہوا کہ محض "صرف" کے سلسلہ میں سات آٹھ صفحات تحریر فرمائے، مگر جب اپنا موقع آیا تو خطیب کی عبارت کے ترجمہ میں "صحابہ" کا لفظ بڑھا دیا۔ آخر اس تبدیل و تحریف کی کیا ضرورت تھی؟

عباسی صاحب کیلئے پہلا منصوبہ فرض کر کے مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سلسلہ میں اس سے زائد کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ واقعہ یہی ہے کہ محدثین کے نزدیک صغیر السّن افراد کی صحابیت کا مسئلہ اختلافی ہے۔ علاوہ ازیں عباسی صاحب نے نہ تو صحابیت حسین کا انکار کیا ہے اور نہ ان کی نفیِ صحابیت کا ذکر قصداً کیا ہے، ملاحظہ ہو عباسی صاحب فرماتے ہیں۔

"اس طرح گو طبقہ کے لحاظ سے بعض نے ان کا شمار صغار صحابہ میں کر لیا ہے مگر ان کبار صحابہ کے مقابلہ میں ان حضرات کو نہیں رکھا جا سکتا۔" (خلافت معاویہ و یزید ص۲۴)

اس لئے نفی صحابیت کی منصوبہ بندی کا الزام بھی منصوبہ بندی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عباسی صاحب ان کو بہرحال (بفرض محال غیر صحابی مانتے ہوئے بھی) جزوِ رسول اور پاک باطن، پاک نیت مانتے ہیں اس لئے عباسی صاحب کی تحریر کو خدا و رسول کا معارضہ قرار دینا، اسے "کالائے بد" کا مصداق قرار دینا، اس کی تنقید کے لئے "تخمینی و نظریاتی ریسرچ" کے طنز کا سہارا لینا اگر باطل کوشی نہیں ہے تو حق پوشی کے مرادف ضرور ہے۔ جس کے لئے "جماعت دار العلوم دیوبند" کی یہ پیشقدمی اور ان کی تحقیقات کا یہ گنج گرانمایہ ہم جیسے عقیدتمندوں کیلئے باعث حیرت و تعجب ضرور ہوگا ع

چوں رفض از دیوبند خیزد کجا ماند مسلمانی

(۸) صفحہ ۱۷۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"بطور عقیدہ کے اس پر ایمان لانا پڑیگا کہ سیدنا امام حسینؓ بوجہ صحابی ہونے کے متقی، عدول، پاکباطن، صاف ظاہر محبت جاہ و مال سے بَری، ہوس اقتدار سے بالاتر اور تمام رذائل نفس سے پاک تھے جو ان مقدسین سے بنص کتاب و سنت سے دھو دیئے گئے تھے اور اس کی بنا پر ان کی قلبی تطہیر اور رجس و خبث باطن سے پاکی اور بھی زیادہ موکد ہو جاتی ہے کیونکہ خدائے برتر نے اہلِ بیت کی تطہیر کا خصوصی ارادہ ظاہر فرمایا:۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔	(اے نبی کے) گھر والو اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے آلودگی کو دور رکھیں اور تمکو پاک صاف رکھیں۔ (سورۂ احزاب رکوع ۴)

اور احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں جیسا کہ گذرا کہ حضرت

حسینؓ اہل بیت میں شامل ہیں اور اس آیت کے
مصداق میں داخل اور اللھم ھولاءِ اھل بیتی
فطھرھم تطھیراً میں شامل ہیں"

مولانا نے خدا جانے کیوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو آیۂ تطہیر کا مصداق ثابت کرنے اور ان کا اہل بیت ہونا قرآن سے بھی منصوص ہونے پر بڑا زورِ قلم صرف فرمایا۔ اسی بناء پر اس بحث کو صـ۴۲، ۴۳ میں لکھ چکنے کے بعد یہاں پھر دہرایا ہے۔

لیکن افسوس ہوتا ہے کہ عباسی کے خلاف مولانا کی یہ غیرتِ دینی کس قسم کی تھی جس کی بناء پر وہ اپنی تصنیف میں تحریف و تبدیل مغالطہ و مبالغہ، تخلیط و تلبیس سب ہی کچھ کرنے پر آمادہ ہیں۔ چنانچہ اس مبحث میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ خاصی تخلیط و تلبیس پر مشتمل ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو شاید مولانا خود ہی کچھ غلط فہمی میں مبتلا ہیں یا کم سے کم ناظرین ہی کو غلط فہمی میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اس مقام پر ایسی شکل پیدا ہو گئی جس کو تلبیس سے ممتاز کرنا ذرا دشوار ہے۔ اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لئے حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا ترجمہ پہلے ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں:۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت الآیۃ اُمّ سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ان کو اپنی کملی میں ڈھانپ لیا حضرت علیؓ آپ کے پیچھے کھڑے تھے پھر آپؐ نے فرمایا اللھم ھؤلاءِ اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً (اے اللہ یہ لوگ بھی تو میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی رجس دور فرما دیجئے اور ان کو بھی خوب پاک و صاف فرما دیجئے) حضرت ام سلمہ بولیں "اے اللہ کے نبی میں بھی ان کے ساتھ شامل ہوں" تو آپ نے فرمایا کہ "تم اپنی جگہ پر ہی رہو تم تو بھلائی پر ہو ہی" (یعنی تم کو تو یہ دولت بغیر مانگے مل چکی ہے اور اس آیت کا اصل مصداق تو تم ازواج ہی ہو) اب سنئے! آیتِ قرآنی میں اھل البیت کا مصداق صرف اُمہات المؤمنین یعنی ازواجِ مطہرات ہیں کیونکہ قرآن شریف میں اس موقع پر کئی آیات اُوپر سے ازواجِ مطہرات ہی کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ ہاں چونکہ نزول آیت کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ و حضرات حسنین و علی رضی اللہ عنہما کو اپنی چادر مبارک میں جمع فرما کر ان حضرات کو بھی "اہلبیت" فرمایا اور انکے لئے بھی اسی تطہیر کی دعا فرمائی جو خدا تعالیٰ کیطرف سے ازواجِ مطہرات کو بغیر مانگے مل رہی تھی۔ اسلئے اس حدیث کی بناء پر حضرات حسنین کو بھی یقیناً اہلبیت کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ اطلاق بمصداق حدیث ہوگا بمصداق قرآن نہیں انکو آیت قرآنی کا مصداق قرار دینا مولانا کی جسارت یا تخلیط ہے جسے ان کی شان کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی جسارت کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔

مبحث اوّل سے متعلق معروضات ختم ہوئیں۔ مبحث دوم و سوم سے متعلق معروضات دوسری قسط میں ملاحظہ ہوں (ابوصہیب رومی)

۲

گذشتہ قسط میں سایۂ رسولؐ سے متعلق قرآن کے ذیل میں جو مفصل گفتگو ہو چکی ہے وہ اگرچہ صرف منفی پہلو سے ہوئی ہے اور مثبت پہلوؤں کو ہم نے بعد میں دلائل عقلیہ کے ساتھ منسلک کرنے کا ارادہ کیا ہے، لیکن ابھی سے بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ اتنے بسط سے گفتگو نہ کرو۔ ایک اس طرح کے غیر ضروری اور نظری مسئلہ پر یوں صفحات برباد کرتے رہو گے تو دیگر ضروری مضامین کا کیا بنے گا۔

ہم عرض کریں گے کہ شرح وبسط کی وجہ تمہید میں عرض کی جا چکی ہے اور بحث کو تفصیلی رنگ دینے سے ہمارا انشاء یہ ہے کہ آئندہ کبھی اس قضیئے کو چھیڑنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ سب جانتے ہیں کہ حضورؐ کا سایہ نہ ہونے کا عقیدہ عامۃ المسلمین میں ایک مسئلے کی حیثیت سے پایا جاتا ہے اور جب تک اس کے ایک ایک پہلو پر سیر حاصل گفتگو نہ کی جائے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ اسکی بے حقیقتی کا عام احساس کیا جا سکے گا۔ نوع بہ نوع فروعی مسائل پر سیکڑوں کتابیں بازار میں پائی جاتی ہیں ایک یہ بھی سہی۔ ہمارا دل نہیں مانتا کہ دلائل کا جو انبار منکرینِ ظل نے جمع کر دیا ہے اسے یوں ہی چھوڑ دیں اگر یونہی چھوڑ دیا تو بیخ کنی کا وہ عمل جو ہمارے گذشتہ اجمالی نقد نے انجام دیا تھا بے کار چلا جائے گا اور عند اللہ مسئول ہونگے کہ جب ہم نے تمھیں ابطالِ باطل اور احقاقِ حق کی استعداد دی تھی تو کیوں نہ تم نے اس سے کما حقہٗ کام لیا اور کیوں اُن براہین کا بر ملا رد نہیں کیا جن کی کمزوری تم پر واضح تھی اور جن کے رد نہ کرنے کی صورت میں ایک بے بنیاد عقیدے کو استحکام نصیب ہوتا تھا۔

قسط اوّل میں ہم اکیس بائیس تفسیروں کے حوالے سے واضح کر چکے ہیں کہ منکرینِ ظل جن آیات کو دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں وہ کسی بھی درجہ میں ان کے لئے دلیل نہیں ہیں۔ دلیل ہونا تو درکنار ان کا تو کوئی تعلق ہی سایہ ہونے نہ ہونے کی بحث سے نہیں ہے اور منکرین اگر اپنی خواہشات کا تتبع نہ کریں تو ان آیات کو زیر بحث لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف قرآن کی متعدد آیات اور رسول اللہؐ کے بارے میں قرآن کے عطا فرمودہ تصورات اور شرک و توحید کے باب میں اس کی تصریحات صاف صاف اعلان کر رہی ہیں کہ افراط و غلو سے بچو، عقیدتوں کو مبالغے کا رنگ مت دو اور اپنے پیغمبر کو اس طرح مت بڑھاؤ چڑھاؤ جس طرح نصاریٰ نے اپنے پیغمبر کو بڑھایا چڑھایا۔ اس اساسی تعلیم و تفہیم کی موجودگی میں حاملینِ قرآن کے ذہنوں کا رُخ اگر عجائبات کے اختراع اور واہمات کے فروغ کی طرف جاتا ہے تو اس کے سوا کیا سمجھا جائے کہ امتدادِ زمانہ نے انھیں قرآن کی روح سے دُور لیجا ڈالا ہے۔

بہرحال اس موضوع پر ہم جس ترتیب و تفصیل سے گفتگو کا ارادہ کر چکے ہیں اسے بشرطِ زندگی ضرور نبھایا جائیگا۔ لیجئے اب حدیث کے رُخ پر آیئے۔

حدیث

ارشادِ رسولؐ پر دل وجان فدا۔ کس مومن میں مجال ہے کہ اللہ کے سچے رسولؐ کوئی خبر یا حکم دیں اور وہ انکار کی جرأت کرے۔ ہزار بار اس سرکشی سے اللہ کی پناہ۔

لیکن محبتِ نبی اور اطاعتِ رسول کا یہی جذبہ تو ہے جو مجبور کرتا ہے کہ اپنے پیارے نبی کے فرمودات اور غیر نبی کے اقوال میں فرق کیا جائے اور جانچ پرکھ میں شدت برتی جائے کوئی کھیل نہیں ہے کہ زید عمرو بکر دعویٰ کریں کہ حضورؐ نے یوں فرمایا تھا اور ہم احمقوں کی طرح آمنّا وصدقنا پکار اٹھیں ہم کیسے گوارا کریں گے کہ بعد کا کوئی گستاخ ایک قول گھڑے اور ہمیں جھانسہ دے کہ یہ تمھارے نبی کا قول ہے۔ عقیدت کی رو میں

عقل کو چھٹی دے دینا اور رطب و یابس کے فرق سے بے بہرہ ہو جانا نادان کی وہ دوستی ہے جسے دانا کی دشمنی سے بدتر کہا گیا ہے۔ عقیدت حماقت کا نام نہیں۔ حبِ رسول کُند ذہنی کو نہیں کہتے جن لوگوں نے عقیدت و محبت کے نام پر رسول اللہؐ کو ان کے حقیقی مرتبہ و مقام سے بڑھایا اس نے حضورؐ ہی کی نافرمانی کی اور اللہ کو ناراض کیا۔ حضورؐ ہی تو ارشاد فرماتے ہیں کہ لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ ابن مریم (مجھے بڑھاؤ چڑھاؤ مت جس طرح نصرانیوں نے عیسیٰ ابن مریم کو بڑھایا چڑھایا) پھر بھی اگر کوئی یہی گمان کرتا رہے کہ حضورؐ کی شان میں بے دلیل قصائد گانے اور غیر ثابت فضائل و اوصاف بیان کرنے کا نام حبِ رسولؐ ہے تو اسے اپنا گمان مبارک۔ ہم ایسی جاہلانہ محبت و عقیدت کو اللہ کی ناراضگی اور حضورؐ کی خفگی کا موجب سمجھتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد یہ بھی خوب ذہن نشین رکھئے کہ اختلاف کیا ہے۔ ہم نے یہ کبھی نہیں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے نورِ حسی و ظاہری سے بالکل خالی تھے۔ آپ کے چہرے پر جس حسن و جمال اور طلعت و تابش کا تذکرہ محدثین کرتے ہیں اس سے انکار کی کسے اور کیوں مجال؟ یہ بھی ہم مانتے ہیں کہ بعض مرتبہ بعض حضرات نے آپ کے کسی عضو یا چند اعضاء سے ایک ایسی روشنی خارج ہوتے ہوئے دیکھی جو ان کے خیال میں حسی اور مرئی تھی۔ یہ بھی ناممکن نہیں ہے کہ باطنی علوم و معارف اور اعلیٰ درجہ کی نبوتِ منورہ کے نتیجے میں کبھی آپ کے جسدِ مطہر سے غیر معمولی نور و طلعت کا مشاہدہ کیا گیا ہو۔

گفتگو اس نکتہ میں ہے کہ منکرینِ ظل کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کا پورا جسم مبارک طبعی و حقیقی معنوں میں نورِ مستقل تھا جس میں سے سورج کی شعاعیں اس طرح گذر جاتی تھیں کہ سایہ نہیں پڑتا تھا

اب ان منکرین کی عقل کا عالم دیکھئے کہ اپنے دعوے کی شہادت میں کس طرح کی روایتیں پیش کرتے ہیں۔ پہلی روایت یہ پیش کی گئی کہ حضرت حسنؓ کے دریافت کرنے پر ان کے ماموں نے رسول اللہؐ کا جو حلیہ مبارکہ بیان کیا اس میں فرمایا کہ رسول اللہ عظیم و معظم تھے آپ کا چہرۂ انور ایسا چمکتا تھا جیسے چودھویں کا چاند۔

کیا چاند کی اس تشبیہ سے سچ مچ کا چاند مراد لینا ویسی ہی کج ذہنی نہیں جیسی ہم دو مثالوں میں واضح کر آئے ہیں۔ پھر چلئے لو لیکن یہ روایت تو حضورؐ کے صرف روئے مبارک کا حسن و جمال ظاہر کر رہی ہے نہ کہ پورے بدن کا۔ آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ پورا بدن نورِ طبعی تھا۔ یہ روایت صرف چہرے کی خصوصیت بیان کرکے واضح کرتی ہے کہ باقی جسم کا یہ حال نہیں تھا۔ اگر یہی ہوتا تو وہ سارے جسم کو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دیتے۔ دوسری حدیث پیش فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ نے کہا کہ ایک مرتبہ چاندنی رات میں میں نے رسول اللہؐ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ پر سرخ رنگ کا دھاری دار حلّہ تھا میں حضور کو بھی دیکھتا اور چاند کو بھی تو حضورؐ میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔

خدا رحم کرے ان دانشوروں پر۔ دنیا کے شاید ہر ادب میں محبوب کے حسن و جمال کو چاند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرت جابرؓ کو کیا معلوم تھا کہ ان کی تشبیہ و تمثیل کو آنے والے دور کے بعض افلاطون کیا معنی دیں گے۔ رسول اللہؐ کی محبوبیت کے صدقے۔ ان کے روئے مبارک کی تابانی و طلعت کو اگر آج شیدائی چاند سے تشبیہ دیں تو غلط فہمی کا کیا موقع۔ مگر کسی کا دماغ ہی اُلٹ جائے تو اس کا کیا علاج۔

ایک اور مزیداری ہے کہ روایت میں عندی آیا ہے یعنی حضرت جابرؓ نے کہا کہ حضورؐ میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ حضرت جابرؓ صرف اپنا تأثر و احساس بیان کر رہے ہیں۔ سائے کے دشمنوں کو یہ بات ناپسند آئی تو علامہ شیخ ابراہیم بیجوریؒ کی ایک تشریح لائے جو انھوں نے اس حدیث کے ذیل میں کی ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ ایک اور روایت میں "فی عینی" آیا ہے یعنی "میری نگاہ میں" —— ہم پوچھتے ہیں اس سے کیا فرق پڑا۔ "میرے نزدیک" اور "میری نگاہ میں" تو ایک ہی مفہوم کے لئے بولا جاتا ہے۔ مگر نہیں۔ حضرت بیجوریؒ نے بلا دلیل یہ شوشہ نکالا کہ حضورؐ ہر دیکھنے والے کے نزدیک فی الواقع چاند سے زیادہ حسین تھے۔

ذرا اندازہ کیجئے۔ اہلِ کفر و شرک کو بھی اس نقطۂ نظر میں شامل کر لیا گیا جو خالص ایمان کا ثمرہ تھا۔ ظالمو! اگر یہی حقیقت

ہوتی تو تمام ہی لوگ اہلِ ایمان کی طرح مومن نہ ہو گئے ہوتے
اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ حدیث میں حُسن کا ذکر ہے روشنی کا نہیں۔ جو شخص حُسن اور روشنی میں بھی فرق نہ کر سکے اسکے ذوق و جدان پر فاتحہ کے سوا کیا پڑھا جا سکتا ہے۔

علامہ بجوری رحؒ نے آگے فرمایا کہ:-

"اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے زیادہ حسین اس لئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی چاند کی روشنی بلکہ سورج کی روشنی پر غالب رہتی تھی۔ کیونکہ سیدنا ابن مبارک اور علامہ ابن جوزی محدث کی روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے سامنے کبھی کھڑے نہیں ہوتے، مگر حضورؐ کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب ہو جاتی تھی۔ اسی طرح چراغ کے سامنے بھی حضورؐ کبھی کھڑے نہیں ہوتے مگر چراغ کی روشنی پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی غالب رہتی تھی۔"

اب بتائیے عیسائیوں کو آپ بُرا کیوں کہتے ہیں۔ اگر وہ فرطِ عقیدت میں عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ یا ان ہندوؤں کا کیا قصور ہے جو دیو مالا پر ایمان رکھتے ہیں۔ حضورؐ کا حسین و جمیل ہونا برحق لیکن اس حسن کے بیان میں اتنا مبالغہ کہ نوامیس فطرت آیاتِ الٰہیہ یعنی چاند سورج بھی گرد ہو جائیں اور پھر اس مبالغہ کو بیانِ حقیقت منوانے کی کوشش اگر مجذوبیت و مغلوبیت نہیں تو اور کیا ہے۔ حاملینِ حدیث کی اسی طرح کی حرکتیں تو ہیں جنھوں نے لوگوں میں انکار حدیث پر اصرار اور تشدد پیدا کیا۔ حدیث کی حمایت اور ترجمانی اگر ایسی بے دانشی اور مجذوبیت کے ساتھ نہ کی جاتی تو ردِ عمل اتنا سخت نہ ہوتا اور بہت سے لوگ انکار کی اُس انتہا پر نہ پہنچے جس پر انھیں عاشقانِ حدیث کی کم فہمیوں نے پہنچا دیا ہے۔

اعتراض پڑتا تھا کہ اگر حضورؐ کا سورج اور چاند سے زیادہ روشن ہونا ظاہری و طبعی معنی میں درست ہے تو پھر یہ بھی لازماً ہونا چاہیئے تھا کہ پورا عرب نہ سہی، مدینہ یا مکہ سہی، یہ بھی نہ سہی تو وہ راستے اور مکان سہی جن میں حضورؐ موجود ہوتے تھے اسی طرح روشن رہا کرتے جس طرح دن میں رہتے ہیں۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ حضورؐ کی راہ میں بھی رات کے وقت اندھیرا ہی ہوتا تھا اور حضورؐ کے دولتکدے میں بھی تاریکی دُور کرنے کیلئے چراغ جلائے جاتے تھے۔ اس طرح کی روایتوں میں سے صرف ایک یہ روایت کاظمی صاحب نے نقل فرمائی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضورؐ ایک بار میرے حجرے میں نماز پڑھتے تھے اور چراغ نہ ہونے کے باعث اندھیرا تھا تو جب آپ سجدے میں جاتے تو میرے پاؤں کو اپنے مبارک ہاتھ سے دبا دیتے اور میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی تو حضورؐ سجدہ فرماتے

اس کا جواب دانشمند یہ دیتے ہیں کہ اس قسم کی روایات سے نورِ مبارک کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ ظہور کی نفی ہوتی ہے اور نفیِ ظہور نفیِ وجود کو مستلزم نہیں۔ پھر انھوں نے علم کی مثال دی ہے کہ جب عالم پر نیند یا عدم التفات وغیرہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو ظہورِ علم نہیں ہوتا۔ مگر فی الحقیقت وہ علم اس کے اندر موجود ہوتا ہے۔

چلئے مان لیا۔ لیکن اس طرح تو آپ خود ہی تسلیم کر رہے ہیں کہ حضورؐ خود مجسّم نور نہ تھے، بلکہ یہ نور آپ کے اندر تھا جو کبھی ظہور کرتا تھا اور کبھی چھپا رہتا تھا۔ علم اور عالم دو الگ چیزیں ہیں۔ روشنی اور چراغ دو جداگانہ وجود ہیں۔ آپ جس نور کے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ موجود تو تھا مگر مائلِ ظہور نہیں تھا اسے تو ہم بھی مانتے ہیں۔ لیکن آپ کا تو دعویٰ ہے کہ حضورؐ خود ظاہری معنوں ہی میں سراپا نور تھے۔ لہٰذا یہ کیا بات ہوئی کہ نور کبھی ظاہر ہوا کبھی نہیں ہوا۔ اور "کبھی" تو آپ کہتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ کبھی بھی ظاہر نہیں ہوا۔ یعنی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تاریک رات میں حضورؐ کے بدن سے سورج جیسی ضیا نکل کر تمام ماحول کو اسی طرح روشن کر گئی ہو جیسے سورج کرتا ہے۔ تو پھر جواب مذکورہ کا کیا وزن رہا۔ اور دیکھئے:- آپ کہتے ہیں کہ نورِ محمدیؐ کی مثال علم جیسی ہے تو علم تو نورِ معنوی ہے نہ کہ حسّی۔ پھر علم کا اظہار اور اخفاء عالم کی اپنی مرضی پر ہوتا ہے۔ کیا حضورؐ کا وہ نور بھی جس کے حسّی اور مشاہد ہونے کا آپ کو دعویٰ ہے ایسا ہی تھا کہ جب حضورؐ چاہیں اسے ظاہر کریں جب نہ چاہیں نہ ظاہر کریں۔ اللہ کے بندو آخر اس نور کو ظاہر کرنے کا اس سے بہتر وقت کونسا ہو سکتا تھا کہ اندھیرے کی وجہ سے حضورؐ کو خالی مقام پر

سجدہ کرنے میں دقت پیش آرہی تھی اور اسی لئے آپ حضرت عائشہ رض کے پاؤں دبانے کا وہ عمل فرماتے جاتے تھے جو ظاہر ہے کہ زائد از صلوٰۃ تھا۔ مجبوری درپیش نہ ہوتی تو آپ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ کیوں نہ اس وقت آپ نے اُس حسّی نور کو ظاہر کیا جو رات کو دن میں بدل دیتا اور حضورؐ کی نماز چاندنے میں ہو جاتی۔

ہر شخص پر ظاہر ہے کہ جو فی الاصل نور ہے وہ تو ہر وقت اور ہر حال میں نور ہی رہے گا۔ سورج جب تک سامنے ہے اسکی روشنی ضرور آئے گی۔ رسول اللہؐ اگر اُسی طبعی مفہوم میں روشنی اور نور ہوتے جس مفہوم میں منکرینِ ظل سمجھانا چاہتے ہیں اور جس مفہوم کو حدیث کے شارح علامہ بجوری نے ایک محل نظر روایت سے مؤکد کیا ہے تو پھر یہی ہوا کرتا کہ جہاں آپؐ ہوں وہاں رات نہ ہو دن ہی رہے۔ اندھیرا نہ ہو اُجالا ہی نظر آئے۔ ایسا نہیں ہوا اور کبھی نہیں ہوا تو ثابت ہوا کہ حضورؐ کا تمام جسدِ مبارک طبعی و حسّی معنوں میں نور نہیں تھا، بلکہ اسی طرح گوشت پوست کا مجموعہ تھا جیسا اللہ نے اسے بنایا تھا اور جیسا بشر کا ہوا کرتا ہے۔ الّا یہ کہ شقِ مبارک کے ذریعہ اندرونی آلائشیں نکال لی گئی تھیں اور اس تذکیہ و تصفیہ کے اثرات آپ کے اعمال و اخلاق میں نمایاں ہوا کرتے تھے نہ کہ ظاہری جسم میں۔ ظاہری جسم تو کھانے پینے، جماع کرنے، تھکنے اور زخمی ہونے کے سبھی لوازمات کا مورد تھا۔

تماشا دیکھئے کہ ایک طرف تو علامہ بجوری کی تحریر سے یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ حضورؐ کا نورِ حسّی ہمیشہ ہمیشہ چراغ اور سورج کی روشنی پر غالب رہا کرتا تھا اور دوسری طرف جواب دینے بیٹھے تو فرماتے ہیں کہ روایات سے ظہور کی نفی واضح ہوتی ہے وجود کی نہیں۔ اس کا تو یہی مطلب ہوا کہ کچھ اوقات میں حسّی طور پر غیر روشن ہونے کو آپ بھی تسلیم کر رہے ہیں۔ پھر یہ ہمیشہ ہمیشہ کی بات چہ معنی دارد ؟

در اصل معنی وعنی کچھ نہیں، مقصود بات کی پچ ہے۔ جب جو جواب ذہن میں آیا داغ دیا۔ بلا سے وہ دعوے کے چوکٹے میں فٹ بیٹھے یا نہ بیٹھے۔

رہا علامہ بجوری کا ابن المبارک اور ابن جوزی کے حوالوں سے یہ کہنا کہ حضورؐ کا سایہ نہیں تھا تو بے شک یہ دونوں حضرات فضل و مرتبت کے مالک تھے اور ان کی عظمت پر ہمارا سرِ عقیدت خم ہے۔ لیکن ان کی نبوت یا صحابیت ہم نہیں مانیں گے۔ انکا کوئی فرمودہ اگر عقل و نقل کے خلاف ہو تو اسے تسلیم کرنے کے ہم پابند نہیں۔ جو روایت ان دونوں حضرات کے واسطے سے بیان کی جاتی ہے اس کی پوری سند لائیے۔ ایک ایک راوی کو ہم دیکھیں گے کہ فنِ رجال میں اس کا کیا حال ہے اور معروف و معتبر ائمۂ رجال اسے معتبر قرار دیتے ہیں یا غیر معتبر۔ بلا راویوں کی تفصیل بتلائے ایک روایت داغ دینا اور دعوے کرنا کہ یہ حدیث ہے جہاں یا اندھے مقلدین کو مرعوب کرے تو کرے ہم اسے کوئی وقعت نہیں دے سکتے۔ لاکھوں روایتیں گھڑی گئی ہیں اور ان کی بے شمار چھان پھٹک کے باوجود اسلاف میں متعدد ایسے محدثین ہو گذرے ہیں جنھوں نے غلط سلط روایات کو درست سمجھ کر قبول کر لیا۔ کون عالم نہیں جانتا کہ حدیث کی موجود کتابوں میں اکثریت ان کتابوں کی ہے جن میں بعض موضوع و واہی روایات کا پایا جانا طے شدہ معاملہ ہے۔ تو جسے دعویٰ ہے کہ ابن المبارک اور ابن جوزی نے رسول اللہؐ کا سایہ نہ ہونے کی روایت کی ہے وہ پورا سلسلۂ سند بیان کرے یا پھر ثابت کرے کہ یہ دونوں حضرات معصوم عن الخطاء تھے اور انکا فرمودہ وحیِ آسمانی ہے۔

تیسری روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ حضورؐ کا چہرہ تلوار کی مانند نہیں تھا، بلکہ چاند کی طرح تھا۔

چوتھی یہ کہ حضرت عبد اللہ رض ابن عباس رض نے بتایا کہ حضورؐ جب کلام فرماتے تھے تو آپ کے دانتوں کی درمیانی جھریوں سے نور کی مانند کوئی چمکدار چیز نکلتی ہوئی دیکھی جاتی تھی

اس روایت میں "کالنور" کا لفظ ہے۔ ظاہر ہے کاف تشبیہ کے لئے آتا ہے مگر ترجمہ فرمایا گیا کہ "نور یا نور کی مانند"۔ پھر علامہ بجوری کا یہ نکتہ سامنے لایا گیا کہ "کالنور" میں کاف زائدہ ہونا بھی ممکن ہے کہ تفخیم کے لئے بڑھا دیا گیا ہو۔ اس خود ساختہ احتمال پر ہم قواعدِ نحویہ کے لحاظ سے گفتگو کر سکتے تھے، لیکن اسکی ضرورت یوں نہیں کہ کاف کو زائد مان کر بھی ہمارے موقف میں کوئی کمزوری نہیں آتی۔ یہ روایت تو خوب وضاحت سے بتا رہی ہے

کہ حضورؐ سرتاپا نور حسّی نہیں تھے' بلکہ آپ کے اندر کوئی شے تھی جو گاہے گاہے بعض اعضائے جسم سے نور کی شکل میں خارج ہو جاتی تھی۔ کاظمی صاحب کاف زائدہ کا شوشہ نکال کر بہت خوش ہوتے ہیں کہ "نور حسّی تھا" لیکن یہ بھول گئے کہ دعوئی تو تمام و کمال جسم کے نورِ حسّی ہونے کا کر رکھا ہے اور یہاں اُس نور حسّی کا اثبات ہو رہا ہے جو ہر وقت نہیں صرف بولتے وقت اور تمام بدن سے نہیں بس دانتوں کی ریخوں سے خارج ہو رہا ہے۔

پانچویں روایت یہ کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ خوش اور مسرور میرے پاس آئے تو آپؐ کی پیشانی کے خطوط چمک رہے تھے۔ یہ روایت بخاری کی ہے اس لئے بلاشبہ بھی مانی جا سکتی ہے۔ ماننے میں کوئی دقّت بھی نہیں ہے' مگر عقل والوں سے عرض ہے کہ ذرا منکرین ظل کے دعوے کو دیکھئے اور پھر یہ دلیلیں ملاحظہ کیجئے۔ کوئی جوڑ' کوئی منطقی ربط ان میں کہیں نام کو بھی پایا جاتا ہے؟ یہ محاورہ تو اُردو میں بھی مستعمل ہے کہ فلاں شخص کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ تو کیا اس طرح کے واضح محاوروں تک کا مطلب منکرین ظل نہیں سمجھتے۔ واہ رے دانشورو۔

ذرا دیکھئے تو شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں کیا فرماتے ہیں:۔

حدیث عائشة فی قصة	یہ حدیث عائشہ قصۂ قائف میں ہے' اور
القائف وسيأتی شرحه فی	اس کی شرح انشاء اللہ عنقریب کتاب الفرائض
کتاب الفرائض انشاء اللہ	میں آ رہی ہے اور غرض یہاں قول
تعالٰی والغرض منه هنا	عائشہ سے یہ ہے کہ حضورؐ کے خطوطِ
قولها تبرق اسارير وجهه	پیشانی چمک رہے تھے اور اسارير
والاسارير جمع اسرار	جمع ہے اسرار کی اور اسرار
وهی جمع سرر وهی الخطوط	جمع ہے سرر کی۔ سرر پیشانی کے
التی تکون فی الجبهة۔	خطوط کو کہتے ہیں۔

(فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۴۴۶ باب صفة النبی) + + + +

پھر باب القائف کھولئے جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہاں حدیث کے اس ٹکڑے کے بارے میں صرف اتنا ملے گا:۔

(تبرق اسارير وجهه) تقدم فی (تبرق اسارير وجهه) کی شرح
شرحه فی صفة النبی صلی اللہ علیہ باب صفة النبیؐ میں گذر چکی۔

بس۔ بخاری کے اس سب سے بڑے شارح اور فن حدیث کے شہسوار کو خواب میں بھی گمان نہیں گذرا کہ اس صاف و سادہ پارۂ حدیث سے رسول اللہؐ کے بے سایہ ہونے پر بھی شہادت لائی جا سکتی ہے۔

چھٹی روایت بھی بخاری ہی کی پیش کی گئی ہے۔ یہ کہ:۔

"کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کیا تو چہرۂ انور فرحت و سرور سے چمک رہا تھا اور حضورؐ جب خوش ہوتے تھے تو چہرۂ انور ایسا چمکنے لگتا تھا گویا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔"

کیا دنیا کا کوئی غبی سے غبی آدمی بھی پاگل ہوئے بغیر اس پارۂ حدیث کو رسول اللہؐ کے بے سایہ ہونے کی گواہی میں لا سکتا ہے؟ صاف لفظ "کَاَنَّہ" موجود ہے جس کا ترجمہ خود ناقل نے بھی "گویا کہ" کیا ہے مگر نعرہ وہی مجذوبانہ کہ اس سے حضورؐ کا سراپا نورِ طبعی و حسّی ہونا مؤید ہوگیا۔

اور سنئے اس کے تحت میں کیسا الیکشنی انداز کا مغالطہ عوام کو دینا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"فتح الباری وغیرہ شروح بخاری اٹھا کر دیکھئے تمام شراح کرام ان احادیث سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی حسّی نور کو ثابت مان رہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ایسی چمکتی ہوئی روشن حدیثوں کے ہوتے ہوئے کوئی ایسا شخص جس کے دل میں نورِ ایمان کی ادنیٰ جھلک بھی موجود ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جسمانیتِ مقدسہ کے لئے نور حسّی کا انکار نہیں کر سکتا اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس نورانیت کا مقتضیٰ سایہ نہ ہونا ہے اسی لئے محدثین کرامؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کو حضورؐ کے سایہ نہ ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔"

اس گل افشانی نے الیکشنی مقرروں کی یاوہ گوئی کو مات کر دیا۔ تمام شراح حدیث کو تو بعد میں دیکھتے گا پہلے اسی فتح الباری کو دیکھئے جس کا نام لکھ کر جناب نے یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ محدثین بھی حضورؐ کی نورانیت کے بارے میں اسی عقیدے کے حامل ہیں جس کے آپ ہیں یعنی حضورؐ سراپا نور حسّی تھے اور ان کا سایہ نہیں تھا۔ بخاری کی پہلی حدیث کی شرح تو آپ بھی صاحب فتح الباری کے

قلم سے ملاحظہ فرما چکے۔ اب اس دوسری کی بھی ملاحظہ کیجئے۔

فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۴۲۵ میں حافظ ابن حجر اسی مذکورہ (۲) کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

حدیث کعب بن مالک وھو طرف من قصۃ توبتہ وسیأتی بطولہ فی المغازی مستوفی شرحہ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ حدیث کعب بن مالک ان کی توبہ کے قصہ کا ایک ٹکڑا ہے اور عنقریب کتاب المغازی میں یہ قصہ اپنے پورے طول کے ساتھ آئیگا تو انشاء اللہ اسکی پوری شرح کی جائے گی۔

یہاں تو اتنے پر بات ختم ہو گئی۔ اب کتاب المغازی بھی دیکھئے۔ مذکورہ حدیث میں قطعۃ قمر کے جو الفاظ آتے ہیں اسکے تحت حافظ لکھتے ہیں:۔

(حتی کانہ قطعۃ قمر) فی روایت اسحٰق بن راشد فی التفسیر حتی کانہ قطعۃ من القمر ویسئل عن السر فی التقیید بالقطعۃ مع کثرۃ ما ورد فی کلام البلغاء من تشبیہ الوجہ بالقمر بغیر تقیید وقد تقدم فی صفۃ النبیؐ تشبیھھم لہ بالشمس طالعۃً وغیر ذلک وکان کعب بن مالک قائل ھذا من شعراء الصحابۃ وحالہ فی ذلک مشھور فلا بد فی التقیید بذلک من حکمۃ وما قیل فی ذلک من الاحتراز من السواد الذی فی القمر لیس بقوی لان المراد تشبیھہ بما فی القمر من الضیاء والاستنارۃ وھو فی تمامہ لا یکون فیھا اقل مما فی القطعۃ المجردۃ وقد ذکرت فی صفۃ النبیؐ بذلک توجیہات ومنھا انہ للاشارۃ الی موضع الاستنارۃ وھو الجبین وفیہ یظھر السرور کما قالت عائشۃ مسروراً تبرق اساریر وجھہ فکان التشبیہ وقع علے بعض الوجہ فناسب ان یشبہ ببعض القمر۔

اور تفسیر میں اسحاق بن راشد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں حتی کانہ قطعۃ من القمر۔ اور سوال اٹھتا ہے کہ چاند کا ٹکڑا کیوں کہا گیا جب کہ بلغاء کے کلام میں چہرے کو پورے چاند سے تشبیہ دینا اکثرت سے پایا جاتا ہے اور باب صفۃ النبیؐ میں بھی گذر چکا ہے کہ بلغاء حضورؐ کو روشن سورج سے تشبیہ دیتے ہیں، وغیر ذلک۔ اور اس تشبیہ کے دینے والے کعب بن مالک تھے جو صحابہؓ کی صف شعراء میں شامل تھے اور انکی شعر گوئی مشہور ہے تو لازماً اس تقیید میں (یعنی بجائے چاند کہنے کے چاند کا ٹکڑا کہنے میں) کوئی حکمت ہو گی۔ رہی یہ تاویل کہ پورے چاند میں تو سیاہ دھبہ بھی ہے۔ لہٰذا یہ سیاہی بھی شامل تشبیہ ہو جاتی اسلئے ٹکڑا کہہ کر اسے خارج کر دیا تو یہ قوی نہیں ہے اس لئے کہ تشبیہ تو اُس روشنی اور چمک سے دی جا رہی ہے جو پورے چاند میں ہے اور پورے چاند کی روشنی (سیاہ دھبے کے باوجود) اُس روشنی سے کم نہیں ہوتی جو اس کے کسی ٹکڑے میں ہو سکتی ہے۔ اور ذکر کی جا چکی ہیں باب صفۃ النبیؐ میں اس طرح کی توجیہات اور انھی میں سے ایک توجیہ یہ ہے کہ در اصل (پورے بدن کو نہیں بلکہ) ایک خاص حصۂ بدن کو یعنی پیشانی کو کہ اسمیں خوشی کی چمک دمک ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا (مسروراً تبرق اساریر وجھہ) تشبیہ دینی مقصود ہے، لہٰذا زیادہ مناسب یہی معلوم ہوا کہ پورے چاند سے نہیں بلکہ اسکے ایک حصے سے تشبیہ دیجائے۔

+ + + +
+ + + +
+ + + +

یہ فتح الباری کی ساری شرح (اس حدیث منقولہ سے متعلق) پیش خدمت ہے۔ اسے غور سے پڑھئے اور کاظمی صاحب کی وہ ایکشنی عبارت پڑھئے جو ابھی نقل ہوئی۔ کیا اس سے بڑھکر افتراء، ڈھٹائی اور جرأت کچھ ہو سکتی ہے کہ جس عقیدہ وخیال کا وہم وگمان تک ابن حجر کو نہ گذرا ہو، بلکہ اس کے برعکس وہ صراحت کے ساتھ فصاحت وبلاغت اور تشبیہ کا تذکرہ فرما رہے ہوں اسی کی نسبت گول الفاظ میں ان کی طرف کر دی جائے۔ زیادہ غور کی ضرورت نہیں معمولی مطالعے ہی سے منکشف ہو جاتا ہے کہ حافظ ابن حجر کے نزدیک بھی حضورؐ کیلئے چاند اور سورج وغیرہ کے الفاظ تشبیہ و استعارہ ہی ہیں جیسا کہ سب لوگ جانتے اور سمجھتے ہیں۔ انھوں نے ان حدیثوں کی تشریح میں نورِ حسی کا ذکر تک نہیں کیا ہے جنھیں نقل کرنے کے بعد دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ "فتح الباری وغیرہ شروح بخاری" میں "حقیقی حسی نور" ثابت مانا گیا ہے۔ حالانکہ اگر کسی موقع پر ان شرحوں میں نورِ حقیقی حسی کا تذکرہ آ بھی جاتا تو کچھ بھی فائدہ نہ تھا۔ جزئی طور پر کبھی نورِ حسی کا اخراج رسول اللہؐ کے کسی حصۂ جسم سے محلِ نزاع نہیں ہے۔ محلِ نزاع

تو وہ ہے جسے ہم کاظمی صاحب کے اور اپنے الفاظ میں دو بار پیش کر چکے ہیں۔

حافظ ابن حجر کی مذکورہ شرح سے ایک اور نکتہ سامنے آیا۔ دیکھئے وہ اس تاویل کو غیر قوی کہہ رہے ہیں کہ چاند کا ٹکڑا اس لئے کہا گیا کہ پورے چاند میں جو داغ ہے اس سے حضورؐ غیر ملوث رہیں۔ اس کی بجائے وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ کو جب چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے تو وجہِ شبہ صرف روشنی ہوتی ہے نہ کہ چاند کے دیگر خواص و اوصاف۔ لہٰذا یہ وہم کرنا درست نہیں کہ پورے چاند سے تشبیہ دینا حضورؐ کو نعوذ باللہ "داغدار" بنا دے گا اور چونکہ روشنی ہی تک تشبیہ محدود ہے۔ لہٰذا یہ لازماً ماننا پڑے گا کہ چاند کا کوئی بھی ٹکڑا روشنی میں پورے چاند سے زیادہ بڑھ کر نہیں ہو سکتا کم ہی روشن ہوگا۔

اب کہاں ہیں منکرینِ ظل۔ وہ تو کہتے تھے کہ حضورؐ کو نور کہہ دینے سے نور کی طرح بے سایہ ہونا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ تب تو چاند کہنے سے "داغدار" ہونا بھی لازمی ہو جائے گا (نعوذ باللہ) حالانکہ جن صاحبِ فتح الباری کے لئے انھوں نے سفید جھوٹ بولا تھا کہ وہ بھی ہماری طرح نورِ حسی حقیقی کے قائل ہیں وہ تو تشبیہ میں تنہا وجہِ شبہ (روشنی) کے سوا اُس نمایاں وصف کو بھی شامل نہیں مانتے جو چاند میں روشنی کے ساتھ ہی ہمیشہ نظر آتا ہے یعنی کالا داغ!

نور کا مقتضٰے بے سایہ ہونا ہے تو روشن سورج کا مقتضیٰ بھی آس پاس کی چیزوں کو جلا کے بھسم کر دینا ہے اور کروڑوں میل فاصلے پر زمین کی ہریالی کو جھلس دینا' تالابوں کو چوس ڈالنا اور مخلوقِ خدا کو گرمی سے پریشان کر دینا ہے تو کیا ابن حجر کی توضیح کے مطابق حضورؐ کو "شمس طالعۃ" سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ نعوذ باللہ حضور میں بھی یہ مقتضیات پائے جاتے تھے؟

اللہ تعالیٰ دماغوں پر رحم کرے۔ جب ان کا توازن بگڑتا ہے تو زمین آسمان ایک نظر آنے لگتے ہیں۔

لیجئے اور محدثین کرام تو خدا کے لئے کسی ایک مقبول و معروف "محدث" کا نام تو لیجئے جس نے حضورؐ کے نور ہونے کو بے سایہ ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ خواہ مخواہ ان بے چاروں پر اتہام کیوں لگاتے ہو۔ ہاں اگر تمہارے یہاں حافظ سیوطی اور علامہ بجوری بھی "محدث" کہلاتے ہیں تو ایں را علاجے نیست! — مگر آئیے

امام قسطلانی کی اس مواہب اللدنیہ کو بھی دیکھیں جس میں انھوں نے نہ جانے کن احوال میں سایہ نہ ہونے کی بات نقل کر دی ہے اور اس کے شارح زرقانی نے اس کی تائید میں ابن المبارک اور ابن جوزی کی بے سند روایت ٹانک دی ہے یہ مواہب اللدنیہ کی کتاب الشمائل کا ماجرا ہے۔ ذرا دیکھئے اس کے آغاز ہی میں وہ کیا فرما گئے ہیں۔ بریکٹ میں صاحبِ مواہب کی عبارت ہے اور باقی زرقانی کی۔

وھذہ التشبیھات الواردۃ فی حقہ علیہ السلام انما ھی علےٰ سبیل التقریب والتمثیل (زرقانی شرح مواہب اللدنیہ جز رابع ص۸۳)	اور یہ تشبیہات جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں وارد ہوئی ہیں یہ تقریب و تمثیل کے طور پر وارد ہوئی ہیں۔ + + +
	+ + + +

پھر کچھ آگے :-

(ان التشبیہ بالشمس انما یراد بہ غالب الاشراق) دون الضرر والاحراق (وبالقمر انما یراد بہ الملاحۃ) دون غیرھما۔ (ر ص۸۴)	حضورؐ کو سورج سے تشبیہ دینے میں اس کی صفتِ غالبہ یعنی روشن کرنے کی صفت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے نہ کہ نقصان پہنچانے اور جلا ڈالنے کے اوصاف کو۔ اور چاند سے تشبیہ دینے میں ملاحت ملحوظ ہے نہ کہ اشراق و ملاحت کے سوا اور کچھ!
+ + + +	

دیکھ لیا آپ نے! قسطلانی اور زرقانی میں سے کوئی بھی اس مضحکہ خیز وہم میں مبتلا نہیں کہ جن چیزوں سے حضورؐ کو تشبیہ دی جائے ان کے تمام ہی لوازم مشبہ یعنی حضورؐ میں مان لینے چاہئیں، بلکہ وہ متعین کر کے بتا رہے ہیں کہ صرف صفتِ غالبہ و ظاہرہ میں تشبیہ مقصود ہے اور زرقانی اسے دون غیرھما کہہ کر مؤکد کر رہے ہیں۔ اس طرح آغازِ باب ہی میں جب انھوں نے تشبیہ و تمثیل کے بارے میں اپنا زاویۂ نظر واضح کر دیا تو کیا گنجائش رہ جاتی ہے اس بات کی کہ کسی روایت کے استعارے کو بجائے تشبیہ و تمثیل کے حقیقی و طبعی معنی پر محمول کرنے کی سعیِ نامشکور کی جائے۔ کسی شخص کے اس کہنے سے کہ حضورؐ نے اپنی دعا میں

واجعلنی نوراً کہا تھا' لہٰذا اللہ میاں نے انھیں نورِ مجسم بنادیا کہ جس کا سایہ نہیں ہوتا قسطلانی اگر متأثر ہوگئے ہیں اور اپنے ظاہر فرمودہ زاویۂ نظر کو بھول کر نور کو اس کے طبعی و حقیقی معنی پر محمول کرنا جائز سمجھ لیا ہے تو یقین کرلینا چاہئے کہ اس وقت ان پر عقیدتِ رسول کا غلبہ ہوگیا تھا اور اس غلبے نے علم و فراست کی آنکھیں خیرہ کردی تھیں۔ ان پر اللہ کی رحمت ہو بے شک ان کی نیت فاسد نہیں ہوگی، مگر ظاہر ہے کہ کسی بزرگ کے غلبۂ حال کو علم وفن میں دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ خود زرقانی یا بیجوری نے ان کی ہمنوائی کردی تو اس کی بھی وجہ وہی غلبۂ عقیدت ہے اس غلبے کو تقویت دینے کیلئے ایک روایت بھی سامنے آگئی تو وہی ہوا جو جذباتی مغلوبیت کے عالم میں ہوا کرتا ہے۔ انھوں سوچا یہ تو بڑا شاندار وصف ہوا کہ ہمارے پیارے نبیؐ کا سایہ نہیں تھا! اسے ماننے میں کیا مضائقہ ہے!!

تاہم اس روایت کی بقیہ بحث ہم آگے کریں گے۔ فی الحال اس حدیث کعب کے بارے میں ایک بات سُن جلئیے جسے "چھٹی روایت" کے نام سے کاظمی صاحب نے بیان اور ہم نے نقل کیا ہے۔ روایت کا یہ ٹکڑا تو انھوں نے بخاری جلد اوّل سے لے لیا۔ لیکن یہی روایت مکمل طور پر جلد ثانی کتاب المغازی میں ص۶۳۴ پر حدیث کعب بن مالک کے عنوان سے آئی ہے جو بخاری کے تقریباً پونے تین صفحات پر حاوی ہے۔ پوری سے بحث نہیں صرف اُس حصّے پر توجہ دلانی ہے جب حضرت کعب اس اُدھیڑبُن میں تھے کہ حضورؐ اب تبوک سے واپس تشریف لائیں گے تو میں اپنی عدمِ شرکت کا کیا عذر پیش کروں گا۔ اسی عالم میں انھوں نے خبر سُنی کہ حضورؐ واپس آرہے ہیں اور مدینے کے بالکل قریب آچکے ہیں۔ تو اس واقعہ کو انھوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے

فلما قیل ان رسول اللہ علیہ وسلم قد اظل قادماً زاح عنی الباطل وعرفت انی لن اخرج منہ ابداً بشیٔ فیہ کذب۔	پس جب خبر ملی کہ حضورؐ مدینے سے اس قدر قریب آچکے ہیں کہ ان کا سایہ ارضِ مدینہ پر پڑ سکتا ہے تو معاً میرے دل سے غلط سلط بہانے بازی کا خیال کافور ہوگیا اور میں نے یقین کرلیا کہ حیلے بہانے مجھے میری موجودہ پوزیشن سے ہرگز عہدہ برآ نہ کرسکیں گے۔

ہم خوب جانتے ہیں کہ اظلّ قادماً ایک اصطلاحی فقرہ ہے جس کے معنی فی الحقیقت یہ نہیں ہوتے کہ سچ مچ آنے والی شے کا سایہ پڑ رہا ہے، بلکہ یہ بہت قریب آجانے کے معنی میں بولا جاتا ہے لیکن جب منکرینِ ظل نے یہ اندھیر مچا رکھا ہے کہ تشبیہ و استعارے کو حقیقی و طبعی معنی پر محمول کرکے سایہ غائب کئے دے رہے ہیں تو کیوں نہ ہمیں بھی اجازت ہو کہ تمثیل کو حقیقی معنی میں لے لیں۔ شرح بخاری اور کتبِ لغات و ادب میں دیکھ لیجئے۔ اتنی تگ و دو کی برداشت نہ ہو تو یہیں بخاری میں حاشیہ نمبر ۱۴ ملاحظہ فرمالیجئے۔ اظلّ قادماً کے تحت محشی لکھتے ہیں:-

ای دنا قدومہ کان ظلّہ وقع علیہ۔	یعنی وہ اتنے قریب تشریف لے آئے کہ گویا ان کا سایہ ہم پر پڑنے لگا۔

تو اسی طرح خود صحابیِ رسولؐ کی زبانی معلوم ہوگیا کہ حضورؐ کا سایہ پڑتا تھا۔

سمجھدار لوگ کہیں گے کہ یہ تو عام عجیب مسخرہ پن کررہا ہے کہیں اصطلاحوں کا بھی یوں آپریشن ہوتا ہے۔ تو جناب عالی یہ اس شعبدہ گری کا جواب ہے کہ منکرینِ ظل "نور" کے استعارے سے سایہ غائب کرنے کا کام لیتے ہیں موازنہ کرلیجئے کہ ان کے وطیرے میں زیادہ مسخرہ پن ہے یا ہمارے؟ "نور" میں تو لفظاً سائے کا کوئی مذکور ہی نہیں۔ حضرت کعب کے فرمودے میں سایہ کم سے کم لفظاً تو موجود ہے ہی۔ یہ الگ بات ہے کہ جن حدیثوں میں واقعۃً سایۂ رسولؐ کا صریح ذکر ہے انھیں آگے ہم انکے موقع پر لائیں گے۔ یہاں تو محض "جیسے کو تیسے" کی منطق سے کام لیا ہے ورنہ چلئے اصطلاح کو اصطلاح ہی کے مفہوم میں مانے لیتے ہیں۔ لیکن اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں کہ ہر اصطلاح کے استعمال کا ایک محل ہوتا ہے اور مفہوم و منشاء کے علاوہ اس کے پس منظر میں کچھ معلوم و معیّن تصورات بھی ہوتے ہیں۔ ان تصورات کی رعایت کے بغیر اس اصطلاح کو استعمال کرنا اناڑیوں کے سوا کسی کا کام نہیں ہوسکتا۔ مثلاً "چھکے چھوٹ جانا" ایک معروف اصطلاح ہے جس کا معلوم مفہوم یہ ہے کہ آدمی بُری طرح پریشان اور بے حواس ہو جائے۔ اب جنگِ اُحد کے واقعہ کو لیجئے' اس میں کفار کے غیر متوقع حملے سے مجاہدین دفعتاً سراسیمہ اور مضطرب ہوگئے تھے

کہ جیتی جتائی بازی الٹ گئی تھی۔ مفہوم کے اعتبار سے یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ ان کے چھکّے چھوٹ گئے تھے۔ لیکن کیا کوئی مسلمان ادیب اور مومن قاری اسے پسند کر سکتا ہے کہ مجاہدین کی سراسیمگی واضطراب کو اس اصطلاح میں بیان کیا جائے؟ غالباً بلکہ یقیناً نہیں۔ کیوں؟ — اس لئے کہ اپنے ظاہری مفہوم سے ہٹکر اس کے پس منظر میں ذم کا ایک خفی سا تصور موجود ہے۔

یا مثلاً "ٹس سے مس نہ ہونا" ایک معروف اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی بات پر جمے رہنا، اپنے موقف سے نہ ہٹنا۔ اب کیا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس استقامت کے لئے جو آپ نے کفار کی تہدید، ترغیب اور تحریص کے مقابلہ میں دکھلائی ہمارے لئے یوں کہنا درست ہوگا کہ:-

"کفار ومشرکین نے بہت ڈرایا دھمکایا، لالچ دیئے، سارے جتن کئے، لیکن اللہ کے آخری پیغمبر ٹس سے مس نہ ہوئے!"

ظاہر ہے کہ ایسا کہنے والے کا آپ منہ نوچنا چاہیں گے۔ کیوں؟ — اس لئے کہ ان اصطلاحی الفاظ میں ان کے مصداقِ ظاہری کے علاوہ ایک لطیف پہلو بے ادبی اور تخفیف کا بھی متصوّر ہے۔

ایسی ہی کتنی مثالیں آپ ذرا سے غور سے مستحضر فرما سکتے ہیں تو مانا کہ اظلّ قادماً ایک اصطلاح ہے جس کے مصداق ومفہوم میں سچ مچ سایہ پڑنا نہیں ہے، لیکن جیسا کہ حاشیۂ بخاری سے آپکو معلوم ہوا اور جیسا کہ ہر عربی داں جانتا ہے اس اصطلاح کے ذہنی پس منظر میں سائے کا تصور موجود ہے۔ لہٰذا حضرت کعب جیسا ادب شناس صحابی کبھی اس اصطلاح کا استعمال حضورؐ کے بارے میں نہ کرتا اگر واقعی آپ کا سایہ نہ پڑتا ہوتا۔ وہ منفرد ویکتا خصوصیت جو کائنات کے تمام اجسامِ مادیّہ میں اور تمام انبیاء ورسل میں تنہا خاتم الانبیاء کے لئے تسلیم کرائی جا رہی ہے اگر واقعی ہوتی تو قیاس کے بالکل خلاف تھا کہ حضرت کعب حضورؐ کی تشریف آوری کے لئے تمام پیرائے چھوڑ کر ٹھیک وہی پیرایہ استعمال کرتے جو اپنے پس منظر میں اس خصوصیت کی تردید کا پہلو رکھتا ہے اور جسے فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے نعوذ باللہ طنزِ ملیح بھی کہہ سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ صحابہؓ کے تو وہم وخیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ایک زمانہ آئے گا جب رسولؐ کے امتی جسدِ رسولؐ سے اس کا سایہ چھیننے کا کرشمہ دکھلائیں گے اور ہمارا اظلّ قادماً کہنا جرم بن جائے گا!

شاید یہاں کوئی کہے کہ اردو کی دونوں بیان شدہ مثالوں میں تو معنوی مذمت شامل تھی اس لئے ان سے پرہیز ضروری ہوا۔ اظلّ قادماً میں مذمت کا کوئی پہلو نہیں، اس کے ذہنی پس منظر میں شمّہ برابر توہین پائی جاتی ہے۔ بس "ظل" آگیا ہے جس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

تو ہم کہیں گے کہ اول تو اس میں لازماً مذمت کا پہلو شامل ہو جائے گا اگر واقعہ یہ ہو کہ حضورؐ بے سایہ رہے ہوں۔ بہر حال ثم میں شامل نہیں ہے کہ حضورؐ کے لئے وہ محاورہ بولا جائے جس کی بناوٹ میں "سایہ ہونا" شامل ہو حالانکہ حضورؐ کا سایہ نہ پڑتا ہو۔ دوسرے لیجئے ہم ایسی بھی مثال دیتے ہیں جو یہ فرار بھی مسدود کر دے گی۔ کون نہیں جانتا منطق کی اصطلاح میں تمام انسانوں کو "حیوانِ ناطق" کہا جاتا ہے منطق کا کوئی طالب علم کبھی نہیں کہے گا کہ یہ اصطلاح بنی نوعِ انسان کی توہین وتذلیل کے لئے بنائی گئی ہے یا اس کے پس منظر میں ذم اور تحقیر کا پہلو شامل ہے۔ لیکن ذیل کا فقرہ دیکھئے:-

"رسول اللہؐ ایک بے مثال، برتر اور عظیم الشان انسان تھے۔"

اگر بے ظل ہونے کے باوجود حضورؐ کے لئے "ظل" کے کا استعمال مضائقہ سے خالی تھا تو کیا آپ پسند کریں گے کہ کوئی گستاخ اس فقرے میں "انسان" کی جگہ "حیوانِ ناطق" لکھ دے؟ نعوذ باللہ ایسا کرنے والے کی تو آپ انگلیاں توڑ دینا چاہیں گے — کیوں؟ "حیوانِ ناطق" کی اصطلاح تو تحقیر ومذمت کے لئے نہیں بنی تھی۔ اسے تو آپ بھی منطق کے اسباق میں تمام ہی نوعِ انسانی کے لئے بلا تکلف سن اور بول چکے ہیں۔ حالانکہ اس وقت بھی آپ کے علم میں تھا کہ رسول اللہؐ نوعِ انسانی ہی کے فرد ہیں۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اس اصطلاح میں آپ نے توہین ومذمت کا کوئی پس منظر نہیں پایا۔ لیکن پھر مذکورہ شخص پر آپ کا غصہ آخر اس کے سوا کیا بنیاد رکھتا...

اس نے رسول اللہ کے لئے ایک ایسی اصطلاح استعمال کی جس میں "حیوان" کا لفظ آتا ہے۔

تو کیا صحابیِ رسول حضرت کعبؓ آپ سے بھی کم حساس اور آپ سے بھی کم ادب شناسِ رسالت تھے کہ وہ جانتے تھے حضورؐ "صاحبِ عقل" نہیں ہیں اور پھر بھی ایسی اصطلاح حضورؐ کے حق میں استعمال فرماتے تھے جو منطق ہی عقل کی بنیاد پر بنی ہے اور جس کے الفاظ اعجازِ رسول کی نفی کے ...... ہیں بشرطیکہ یہ اعجاز ثابت ہو!

ایک اور نکتہ یہاں واضح ہوا۔ جس طرح مذکورہ بالا فقرے میں انسان کی جگہ "حیوانِ ناطق" رکھدینا اس لئے غلط ہے کہ یہ منطق کی اصطلاح ہے اور فقرہ منطق کی نہیں ادب و انشاء کی زبان میں بولا جارہا ہے۔ اسی طرح یہ بھی غلط ہوگا کہ قرآن تو اعلیٰ درجے کی بلیغ انشاء میں خالص ادبی اسلوب کے ساتھ حضورؐ کو "نور" کہے اور ہم اس میں علم الابدان اور طبعیات کی ٹانگ اڑا کے نور ظاہری مراد لینے لگیں۔ قرآن منطق یا طبعیات کی کتاب نہیں ہے۔ یہ ادب و اخلاق کی کتاب ہے اور اپنی شانِ ادبیت پر اسے اس درجہ ناز ہے کہ فاتوا بسورۃ من مثلہ کا چیلنج دیتی ہے۔ اللہ نے کئی جگہ واضح فرمایا کہ قرآن ہم نے تمہاری ہی زبان میں نازل کیا۔ مثلاً سورۂ شعراء میں فرمایا گیا ہے:-

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝	اور یہ قرآن اتارا ہوا ہے پروردگارِ
نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ	عالم کا۔ لیکر اترا ہے اسے معتبر
عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ	فرشتہ تیرے قلب پر تاکہ تو ہو لوگوں
الْمُنْذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ	کو ڈر سنانے والا۔ کھلی عربی
مُبِينٍ۔	زبان میں۔

قرآن کے لئے اللہ تعالیٰ کا خاص طور پر یہ فرمانا کہ وہ کھلی عربی زبان میں نازل کیا گیا اس کے سوا اور کیا مفہوم رکھتا ہے کہ اس کا لب و لہجہ، اس کا اسلوب، اس کی نحو و صرف اس کے استعارے تشبیہیں تمثیلیں اصطلاحیں کنائے اور اس کی انشاء وہی ہے جو لسانِ عرب میں معروف و معلوم ہے۔ جس سے عرب واقف ہیں اور جس میں سائنس یا فلسفہ و منطق یا طبعیات و ہیئت کی زبان استعمال نہیں کی گئی ہے پھر بھی کوئی اپنی خواہشات کی پیروی میں اس عربی مبین کے مفاہیم و مطالب کو عربی ادب و انشاء کی روش سے ہٹا کر من مانے محمل پر اتارنا چاہے تو اسے گستاخ اور سرپھرے کے علاوہ کیا کہیں گے۔

یہ تھیں وہ روایتیں تو وہ ہیں جنھیں کاظمی صاحب نمبر ۔۔ پیش فرمایا ہے۔ اس کے بعد بلا نمبر کے مواہب اللدنیہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:-

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہنستے تھے تو حضور کا نور دیواروں پر چمکتا تھا اس حدیث کو امام بزار اور بیہقی نے روایت کیا۔ امام قسطلانی حدیث کے معنی بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور دیواروں پر ایسا چمکتا اور روشن ہوتا تھا جیسے سورج کی روشنی دیواروں پر پڑتی ہے اور چلتی ہوئی نظر آتی ہے۔"

آمنا وصدقنا۔ لیکن عقل کے دشمنو یہ روایت تو خود بتا رہی ہے کہ نورِ حسی کا یہ ظہور ہنسنے کے وقت ہوا کرتا تھا۔ نہ کہ آپ چلتے پھرتے نورِ حقیقی تھے!

اس کے بعد خصائص کبریٰ سے نقل کیا ہے کہ:-

"حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں میں ۔۔۔۔ رہی تھی، ہاتھ سے سوئی گر پڑی، چراغ گل ہو چکا تھا ۔۔۔ سے اندھیرا تھا۔ اس سوئی کو تلاش کرنے لگی ۔۔۔۔ اتنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے حضورؐ کے چہرۂ انور سے ایسا نور نکلا کہ سوئی ظاہر ہو گئی۔"

اوّل تو ان روایات کے مقابلہ میں جو کتب صحاح میں آئی ہیں جنھیں کاظمی صاحب بھی صحیح تسلیم کریں گے "عالمِ ظہور" اور "عالمِ وجود" کی منطق چھانٹ چکے ہیں اور جن کا مفاد یہ ہے کہ حضورؐ کے ہوتے بھی رات کو چراغ جلا کرتے تھے، نہ جلتے تو اندھیرا ہوتا تھا، اس روایت کا کیا وزن ہو سکتا ہے؟ اہلِ عقل غور فرمالیں۔ دوسرے اسے صحیح بھی مان لیں تو اس سے منکرین کے دعوے کو کیا نسبت ہے۔ اس سے تو صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی بطورِ معجزہ حضورؐ کے جسمِ مبارک سے روشنی خارج ہو جایا کرتی تھی

ہمیں اس سے تعرض نہیں۔ احمق بھی جانتے ہیں کہ اگر کسی قمقمے یا چراغ وغیرہ سے کبھی کبھی روشنی خارج ہوتی ہو تو خود وہ قمقمہ یا چراغ مجسم روشنی نہیں بن جایا کرتا' بلکہ وہ تو اس روشنی سے الگ مستقل بالذات ایک وجود ہے جو اپنی حقیقت اور بناوٹ میں مادّی اجزاء کا رہین منت ہے۔

اس کے بعد کسی "ابن سبع" کا ایک قول پیش کیا گیا ہے جو منکرین کے طرفدار ہونے کے سبب علماء اور محدثث بھی کچھ بن گئے ہیں۔ اس سے ہم "فرمودات سلف" کے مبحث میں تعرض کریں گے۔ فی الحال تو ان مذکورہ روایات کے متصل بعد کاظمی صاحب کے اس ناز آفریں ارشاد کو دیکھئے:۔

"یہ حدیثیں کتب احادیث وسیر میں اتنی کثرت سے موجود ہیں کہ ان کا احصاء ممکن نہیں۔ ان کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضور کو نور حقیقی نہیں مانتا تو سمجھ لیجئے کہ وہ نور ایمان سے بالکل خالی ہے۔"

خدا بچائے۔ اگر جنت کا ٹھیکہ ان "اہل سنت" کو مل گیا ہوتا تو دس بیس ہزار کے سوا شاید ہی کسی کو جنت کی ہوا بھی نصیب ہو سکتی۔ "ایمان" تو ان کے یہاں ایسی گیند ہے جسے یہ اپنے من گھڑت عقائد اور فاسد انداز فکر کے بلوں سے جب جس طرف چاہے اڑا کے رکھدیتے ہیں۔ وہ سب حدیثیں آپ نے دیکھیں جن کے بل پر منکرین اپنا ہوائی قلعہ تعمیر کئے ہوئے ہیں۔ کیا ایک بھی حدیث اس میں ایسی نظر آئی جو ان کے مفروضہ دعوے کو جھوٹ موٹ ہی قوت دے رہی ہو۔ کیا ان میں کی ہر ایک ہی صراحت کے ساتھ ان کے دعوے کی تکذیب اور قطعاً جداگانہ مطالب کی تصریح نہیں کر رہی۔ پھر اگر ایسی حدیثیں کتب احادیث وسیر میں بیشمار ہوں تو ان سے ان کے دعوے کی تکذیب ہی میں استحکام پیدا ہوگا نہ کہ تائید و اثبات میں۔ رہا "نور ایمان" کا معاملہ تو ہزار ہزار شکر ہے خدائے واحد کا جس نے ہمیں بے بنیاد اور وہم پرستانہ عقائد والے ایمان سے خالی ہی رکھا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہر مسلمان کو اسی طرح محفوظ رکھے!

اب سنئے لطیفہ در لطیفہ۔ کاظمی صاحب کو خیال آیا کہ باوجود ہماری ان غلطیوں کے یہ شبہ ضرور قارئین کے دلوں میں کھٹکے گا کہ ان روایات میں استعارہ اور نور وغیرہ کے الفاظ بطور استعارہ وارد ہوئے ہیں اور چاند وغیرہ سے تشبیہ اسی طرح تشبیہ ہے جس طرح زبان وادب میں رائج و شائع ہے۔ اس خیال کے آتے ہی "ایک شبہ اور اس کا ازالہ" کے تحت جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی خاصے کی چیز ہے۔ سنئے اور سر دھنئے۔ کہتے ہیں:۔

"جواباً عرض کروں گا کہ بدعقیدگی اور گمراہی کی اصل بنیاد یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عامۃ الناس کے زمرہ میں شمار کر لیا جائے معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کی نفی کرنے کیلئے حضور کا قیاس اپنے اوپر کر لینا اہل سنت کے نزدیک بدترین جہالت ہے۔"

کاظمی صاحب کا قصور نہیں دور لوی کی خصوصیت ہی یہ کہ نکٹے ناک والوں پر ہنسیں اور لباس والے ننگوں سے شرمائیں عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کے لئے بعض مفروضہ مراتب دل و دماغ میں راسخ کر لئے۔ اب ان کی تردید کیجئے تو یہی سمجھتے ہیں کہ گستاخ کمال مسیح کی نفی کر رہے ہیں۔ اسی طرح بقلم خود قسم کے اہل سنت بھی اپنی کارگہ وہم وخیال میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کچھ بے بنیاد مراتب وفضائل گھڑ لئے ہیں جن کی زد اللہ تعالیٰ کی توحید و یکتائی پر پڑتی ہے اور جو علم وعقل کا مضحکہ اڑاتے ہیں اب ان کی تردید کیجئے تو عیسائیوں ہی کی طرح ان میں بھی خیال گذرتا ہے کہ تردید کرنے والے بے ایمان ہیں۔ حالانکہ ان معصوموں کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ کی بعثت آپ حضرات کے ذہنی عیش اور والہانہ شعبدہ کاریوں کے لئے نہیں ہوئی تھی' بلکہ اس لئے ہوئی تھی کہ اللہ کو پہچانئے اور صراط ہدایت پر گامزن ہو جیئے۔ آپ نے محکمات وبینات کو پس پشت ڈال کر شاعروں اور افسانہ نگاروں والی خیالی اڑانوں کو اپنا دین بنا لیا اور شاید ہمسایوں کی ریس میں دیومالائی طرز فکر کو دانتوں سے پکڑ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے پیغمبر کو تو آپ نے عالم الغیب اور مافوق البشر اور حاضر وناظر وغیرہ بنا کر اللہ کی شان میں گستاخی کی اور عمل صحیح کے خانے میں صفر ہی صفر بڑھاتے چلے گئے۔

دنیا میں کون ہوشمند کہہ سکتا ہے کہ زبان وادب کے مسلّمہ قواعد اور اسلوب کلام کے طے شدہ پیرائے کسی ایک شخصیت کے بارہ

اپنے معروف معانی و مطالب سے عاری ہو جاتے ہیں۔ پورے قرآن سے کئی سو مثالیں اس بات کی مل سکتی ہیں کہ کوئی بھی مجازی انداز بیان چاہے وہ استعارہ و تشبیہ پر مشتمل ہو یا اصطلاحی فقرہ پر رسول اللہ صلعم کے بارے میں بھی اسی مفہوم میں مستعمل ہوا ہے جس مفہوم میں دوسروں کے لئے بولا جاتا ہے۔ لیکن تفصیلات میں جائے بغیر ہم صرف ایک مثال پر اکتفا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ سے خطاب فرماتے ہیں:۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۂ شعراء رکوع ۱۱)	اور اپنے بازو جھکا ان مومنین کے لئے جو تیری اتباع کریں۔

سب کو معلوم ہے کہ "اخفاض جناح" عربی کی اصطلاح ہے جس کے معنی شفقت و نرمی کرنے کے آتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو مومنین کے حق میں رافت و شفقت کا حکم دیا۔ اب بعید نہیں کہ کسی دن "اہل سنت" کو سوجھ جائے تو وہ دعوے کر بیٹھیں کہ رسول اللہ صلعم کے جسم میں دو ایسے بازو بھی تھے جیسے پرندوں کے ہوتے ہیں! اس صورت میں ان کی یہی دلیل کام آئے گی جو ابھی نقل ہوئی۔ یعنی "اخفاض جناح" کی اصطلاح تو عامۃ الناس کے لئے ہے۔ معاذ اللہ حضور عوام کے زمرے میں تو نہیں تھے کہ ان کے لئے بھی اصطلاح کے وہی معنے لئے جائیں جو عوام کیلئے لئے جاتے ہیں۔ حضورؐ کو معراج ہوئی تھی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان میں قوتِ پرواز تھی۔ اللہ نے ایک اور جگہ بھی حضورؐ کے بازوؤں کا ذکر فرمایا ہے:۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (سورۂ نحل رکوع ۶)	اور اپنے بازو مومنین کے لئے جھکا دیجئے۔

"جناح" لغت میں بھی پرندوں کے بازو کیلئے آتا ہے اور خود قرآن میں اسی معنوں میں استعمال ہوا ہے:۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۤئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔ (سورۂ انعام رکوع ۴)	اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے دو بازوؤں سے مگر ہر ایک امت تمہاری ہی طرح ہے۔

تو اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا اس کا کہ حضورؐ کے جسم میں اڑنے والے بازو بھی تھے۔

پھر ایسی بے جوڑ تائید کی روایتیں بھی مل ہی جائیں گی جیسی سایہ نہ ہونے کیلئے ڈھونڈی گئی ہیں۔ رہے عقلی دلائل۔ تو جس دنیا میں خدا کے نہ ہونے تک پر عقلی دلائل موجود ہوں اور ہرنا پاکی کیلئے یورپ کی کارگہ فکر نہایت خوش رنگ و نقد دلائل ڈھال رہی ہے اور دور کیوں جایئے اپنے ہی ملک میں ادیان شرک کے پاس بے شمار دلائلِ عقلیہ اسٹاک ہیں جن سے دیو مالا کا پورا محل بنایا جا سکتا ہے تو حضورؐ کے کیلئے پرواز والے بازوؤں کا دعویٰ کیوں محروم دلیل رہے گا۔

آپ موازنہ کیجئے۔۔۔ بے سایہ ہونے کے لئے جسطرح کے دلائل منکرین نے پیش فرمائے ہیں ان سے تو مضبوط ہی استدلال بازو ثابت کرنے کے لئے حاضر کیا گیا۔ ہم قسمیہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ماضی میں کسی من چلے کو یہ سوجھ گئی ہوتی اور اس نے بازوؤں کا دعویٰ داغ دیا ہوتا تو آج سیکڑوں ہی اشخاص آپ کو ایسے نظر آتے جو اسے بھی "اہل سنت" کا عقیدہ کہہ کر اسے نہ ماننے والوں کے ایمان کا مرثیہ پڑھتے۔ دنیا میں احمقوں اور نفس و خواہش کے غلاموں کی نہ پہلے کمی رہی ہے نہ اب ہے۔ جہل سے جہل ادعا لیکر اٹھیئے کچھ لوگ اسے ازراہِ حماقت اور کچھ ازراہِ خواہش پرستی ضرور قبول کرلیں گے۔ آخر کس کے سامنے نہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی جیسے نہ گو اور دعوۂ نبوت کرتے ہیں اور رسول اللہ صلعم کی خاتمیت پر ایمان رکھنے والی امت ہی سے انھیں بے شمار پیرو اور امتی مل جاتے ہیں۔ اس کے بعد کیا چیز ناممکن ہے؟

اور تماشہ دیکھئے۔ کاظمی صاحب فرماتے ہیں:۔

"معمولی سمجھ والا انسان بھی اتنی بات سمجھ سکتا ہے کہ اگر صرف رأیت اسداً کہا جائے تو لفظ اسد شجاع سے استعارہ ہو سکے گا لیکن جب کوئی رأیت اسداً [illegible] یفترس کہے تو پھر "اسد" سے حیوان مفترس ہی مراد ہوگا اور اسے بہادر آدمی کے لئے استعارہ قرار دینا درست نہ ہوگا"

خدا جانے منکرین ظل اس طرح کی بچکانہ باتیں معصومیت سے کہتے ہیں یا عوام کو قصداً مغالطہ دیتے ہیں۔ بہر حال ہمیں تو حیرت ہے کہ

معمولی علم و عقل کے لوگوں کو بھی سمجھا تا ہے اس لئے بچہ کا نہ ہوگا (نیز) کا بھی تجزیہ کرکے رہیں گے۔

اگر منطق کا سبق پڑھایا جارہا ہو تب تو بے شک "حیوان ناطق" سے مراد ابنِ آدم ہی ہوگا اور "حیوانِ مفترس" درندوں ہی کو کہیں گے لیکن جب گفتگو ادب و انشاء اور خطبہ و وعظ کے کلاس میں ہو رہی ہو تو یہ امتیاز کرنے کے لئے کہ بولنے والے نے اسد (شیر) بطور استعارہ بولا ہے یا سچ مچ کے شیر کا ذکر کررہا ہے اس سے کوئی سہارہ نہیں لگتا کہ اس نے "شیر" کے لئے کوئی توضیحی صفت استعمال کی ہے یا نہیں، بلکہ موقع محل اور سیاق و سباق ہی خود بتادیتا ہے کہ مقصود کیا ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے کسی صحرائی سفر یا شکار کا واقعہ سناتے ہوئے کہتا ہے:۔

"میں گھنی جھاڑیوں سے گذر رہا تھا کہ اچانک شیر پر نظر پڑی، وہ چشمے پر جھکا ہوا پانی پی رہا تھا۔"

ان فقروں میں "شیر" کے لئے قائل نے کوئی توضیحی صفت بیان نہیں کی، لیکن موضوعِ گفتگو آپ سے آپ بتا رہا ہے کہ "شیر" اس نے بطور تشبیہ و استعارہ نہیں بولا، بلکہ واقعتہً "شیر" ہی مراد ہے۔

اس کے برخلاف ایک شخص کسی طاقتور اور خوں آشام آدمی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

"ظالم شیر ہے شیر۔ دشمن کو بے دریغ چیر پھاڑ دیتا ہے ایسا خوفناک حملہ کرتا ہے کہ حریف بھیڑ بکری نظر آتے ہیں۔"

ان فقروں میں قائل نے شیر کے ساتھ وہی افتراس یعنی چیر پھاڑ ڈالنے کی توضیحی صفت کا بھی اضافہ کردیا لیکن کیا کوئی احمق سے احمق آدمی بھی تصور کرسکتا ہے کہ "شیر" یہاں بطور استعارہ نہیں، بلکہ اصلی معنوں میں بولا گیا ہے اور شیر کے جملہ اوصاف وخواصِ شخصِ مذکور کے لئے ثابت ہوگئے ہیں۔ کیا شخص مذکور کے لئے آپ چاروں ہاتھ پیروں پر چلنا، جانوروں کا لہو پینا اور شیر کی طرح بالوں دار ہونا بھی تسلیم کرلیں گے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیوں؟ اسی لئے نا کہ آپ جانتے ہیں جب مخلوقات کی کسی ایک نوع پر کسی دوسری نوع کا اطلاق کرتے ہیں تو منشاء اس دوسری نوع کے وصفِ معروف سے پہلی نوع کو تشبیہ دینا ہوتا ہے اور یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ دوسری نوع کے تمام ہی اوصاف وخواص پہلی نوع میں ثابت ہوجائیں۔ تو اسی تشریح کی روشنی میں آیتِ قرآنی قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ کو دیکھئے۔ اگر مان ہی لیا جائے کہ "نور" رسول اللہؐ کو کہا گیا ہے تو کون نہیں جانتا کہ رسول اللہؐ اور روشنی مخلوقات کی جداگانہ نوعیں ہیں۔ روشنی یا نور کی جو بھی تعریف آپ کریں وہ بہرحال انسان کی تعریف نہیں ہوگی۔ یہاں تو "نور" کے لئے ایسی کوئی توضیحی صفت بھی مذکور نہیں جیسی کاظمی صاحب اس کے ساتھ بیان کررہے ہیں، لیکن اگر ہوتی بھی تو کیا فرق پڑسکتا تھا۔ عقل ونقل کی گواہی اور قرآن کی صراحت کے بعد بھی اگر بعض لوگ رسول اللہؐ کو بشر ماننے سے جان چراتے ہیں تو چلئے یہاں ہم اس سے بحث نہیں کریں گے۔ وہ بشر کو چھوڑ کر جس چاہے مخلوق میں آپؐ کو شامل کریں یہ تو بہرحال تسلیم کریں گے کہ وہ اسی طرح ایک بنتِ حوّا کے پیٹ اور ایک ابنِ آدم کے صُلب سے پیدا ہوئے جس طرح انسان پیدا ہوتا ہے پھر ویسے ہی ہاتھ پاؤں ناک منہ وغیرہ ان کے تھے جیسے ابنِ آدم کے ہوتے ہیں۔ کھانے پینے، سونے جاگنے، کاروبار کرنے وغیرہ کے جملہ خواصِ انسانیہ انھیں بھی لاحق رہے اور ان کی ہیئت، ان کا ہیولیٰ، ان کا جسدِ پاک اسی طرح چشمِ سر سے نظر آتا تھا جس طرح دوسری مادّی و مرئی اشیاء نظر آتی ہیں۔

پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ "نور" ابنِ آدم اور حیوانِ ناطق کو نہیں کہتے، بلکہ وہ مخلوقاتِ الٰہیہ کی ایک جداگانہ نوع ہے۔ اس میں گہرائی اور دبازت نہیں ہوتی صرف بسط اور طول وعرض ہوتا ہے۔ یہ انسان کی طرح ذی شعور چیز نہیں بلکہ ذوی الارواح کے تمام خواص وصفات سے یکسر خالی ہے۔ اسکا وجود آنکھوں کو دیکھنے کی استعداد دیتا ہے اور یہ نہ ہو تو آدمی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔

اب اگر رسول اللہؐ کو اللہ تعالیٰ "نور" فرمادیں تو یہ ایک نوع پر دوسری نوع کے اطلاق کے سوا کیا ہوگا؟ اس صورت میں کون تصور کرسکتا ہے کہ "نور" کے جملہ خواصِ طبعی بھی نوعِ اوّل یعنی ذاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ثابت ہوجائنگے

جس طرح زید کے ساتھ اسد بول دینے سے - چلئے اسد کے ساتھ کچھ صفات بھی شامل کر دی جائیں - - کوئی شخص اس ابہام میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ زید کو بہمہ وجوہ شیر بنا دیا گیا ہے، بلکہ یہی سمجھے گا کہ شیر کے وصفِ غالب، شجاعت، درندگی اور توانائی میں مشابہت دکھائی جا رہی ہے۔ اسی طرح رسول اللہ کے بارے میں بھی یہی سمجھے گا کہ انھیں "نور" کے خاصۂ معلومہ و غالبہ یعنی استنارۃ و ایضاح اور ازالۂ خفا اور انکشاف و انشراح سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ نہ یہ کہ دیگر خواصِ نور سے۔ ایسا سمجھنا فطری اور لازمی ہے۔ عقل، مشاہدہ، علم سب گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہؐ تادمِ وصال اسی طرح حوائجِ انسانیہ کے مورد رہے جس طرح ابنائے آدم رہا کرتے ہیں۔ آپؐ کا جسم مبارک اسی طرح چشمِ سر سے نظر آتا رہا اور اس کا طبعی و انسانی ہیولیٰ اسی طرح قائم رہا جس طرح انسانوں کا رہتا ہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ حاضرینِ خدمت کی نگاہیں آپ کے جسمِ اطہر سے بلا تامل گذر کر اُن اشیاء کو دیکھ لیتی ہوں جو آپ کی اوٹ میں آئی ہوئی ہیں۔ حالانکہ نورِ طبعی کبھی حائلِ نگاہ نہیں ہوتا بلکہ وہ تو ہر شے کو اور زیادہ واضح کرتا ہے۔

یہ تو آیت قرآنی کا معاملہ تھا۔ اب ان احادیث کو لیجئے جن کے بارے میں کاظمی صاحب نے فرمایا ہے:-

" ہماری پیش کردہ احادیث میں بھی ایسے الفاظ موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے معترض کا استعارہ صحیح نہیں ہوتا۔ دیکھئے:-

(۱) دندانہائے مبارک کے درمیان سے نور نکلتا ہوا دیکھا جاتا۔

(۲) جبینِ اقدس کے نور کا جبینِ مبارک پر غالب ہوتا ہوا معلوم ہونا۔

(۳) پیشانیِ اقدس کے خطوط کی چمک کا مشاہدہ۔

(۴) نورِ اقدس سے دیواروں کا روشن ہو جانا ایسے اُمور ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس چمک اور نور کے حسّی اور جسمانی ہونے کو اس وضاحت کے ساتھ متعین کر رہے ہیں جس کے بعد معترض کی تاویل کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔"

حیرت ہے کہ جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے اتنا بھی یاد نہیں رکھتے کہ ہمارا دعویٰ کیا تھا۔ دعویٰ تو وہی ہے جس کے بارے میں نورِ حسّی و طبعی ہونے کا فرماتے ہیں، مگر دلیلیں لاتے ہیں بالکل بے جوڑ۔ جتنی روایتیں وہ بیان فرما چکے ہیں ان کا حال آپ نے دیکھ لیا۔ ان کی جو تشریح اس اقتباس میں چار نمبر دے کر انھوں نے کی ہے اسے بھی دیکھ لیجئے۔ دانتوں کی ریخوں سے نکلنے والا نور یا ناک کا نور یا انبساط کے وقت پیشانی کے خطوط کی چمک یا وہ نور جس کی جھلک کبھی دیوار پر دیکھی گئی ہو [illegible] نہیں، بلکہ حسّی طور پر ہی نور ہو تو اس سے پورے جسمِ اطہر کا مستقل طور پر ایسا نورِ حقیقی ہونا کیونکر ثابت ہے [illegible] کہئے کہ اس کا سایہ ہی نہ پڑتا ہو۔ جتنی روایات انھوں نے بیان کیں اگر ان میں واقعی یہ ذکر آیا ہوتا کہ حضورؐ سراپا نور تھے۔ تب تو یہ غور کر کے کوئی فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا کہ نور سے مراد حسّی و حقیقی نور ہے استعارہ نہیں، لیکن روایات تو خود ہی بتا رہی ہیں کہ کسی سراپا نور کا ذکر نہیں بلکہ ایک انسان کا تذکرہ ہے جس کے بعض اعضائے جسم سے خاص اوقات میں اخراجِ نور کا مشاہدہ کیا گیا۔ جو سائنسی معنوں میں سراپا نور ہوتا تو اس کی توصیف میں ان روایتوں کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ نہ اس طرح پر اس کی توصیف کی جا سکتی تھی کہ فلاں حصۂ جسم سے نور نکلا۔ (باقی)

مستقل عنوان

مسجد سے میخانے تک

از ملا ابن العرب مکی

تاریخ نوشت ۱۸ر جون سنہ ۶۰ء:-

یزید اچھا تھا یا برا اس بحث سے اپنا تو کام تمام کر دیا۔ پچھلے مہینے بھی چار صفحے مشکل سے مل سکے تھے حالانکہ معاہدے کی رو سے عاجز کو ہر ماہ کم سے کم آٹھ صفحات پر حقِ تسلط حاصل ہے۔ اس مرتبہ یہ چار بھی کنوتی کی نذر ہو رہے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے قلم رکھ کے دو چار مہینے طریقت و تصوف کا عرفان حاصل کر و۔ بہت کہا کہ حضرتا! بندہ تو پہلے ہی تصوف کے ساتویں آسمان تک ہوآیا ہے اور طریقت کی رگ رگ سے اس درجہ واقف ہے کہ سوتے سوتے ستاروں کی رفتار بنا سکتا ہے۔ جواب ملا کر بکواس بند۔ دفع ہو جاؤ۔

دفع ہونے جا رہا تھا کہ مولوی سردار حسن مل گئے۔ داڑھی کے سرسراتے ہوئے بال صاف بتا رہے تھے کہ بہت خوش ہیں۔

"اماں ملا خوب ملے۔ آؤ گھر آؤ۔"

میں ایک زندہ لاش کی طرح ان کے ساتھ ہو لیا۔ بیٹھک میں اگر بتیاں جل رہی تھیں۔ دل و دماغ متوازن نہ ہوں تو نگاہ کے زاویے بھینگے ہو جاتے ہیں۔ ایسا لگا جیسے مندر میں گھس آیا ہوں۔ بھگوان کی مورتی کے آگے لوبان سلگ رہا ہے۔ اتفاق ہی تھا کہ جبھی مدرسے کا گھنٹہ بجا۔ سماعت نے اسے مندر کی گھنٹیوں میں بدل دیا۔ اب جو مولوی سردار حسین گھر میں سے کٹے ہوئے پپیتے کی قاب ہاتھ میں لئے بیٹھک میں تشریف لائے تو یہی محسوس ہوا کہ بہت بڑے پنڈت پدھار رہے ہیں۔

"لو کھاؤ ملا۔ عجیب شے ہے۔"

ان کے چہرے پر پراسرار بشاشت تھی۔ کھایا تو میٹھا نکلا۔ گو بہت کم نہیں تھی۔

"ماشاء اللہ کافی شیریں ہے۔"

"صرف شیریں" انہوں نے اعتراضاً کہا "کیا بھینی بھینی نفیس مہک محسوس نہیں ہوئی؟"

"جی ہاں بہت عمدہ مہک ہے۔ ویسے مجھے زکام ہو رہا ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ جانتے ہو شاہ ولایت کی بنی کا ہے۔"

یہ تو مجھے معلوم تھا کہ شاہ ولایت صاحب کے قریب والے چھوٹے سے جنگل کو "بنی" کہا جاتا ہے لیکن فی الوقت عقل و حافظے کے سوراخ بند تھے۔ بس یونہی کہہ دیا ـــ "جی ہاں جی ہاں"

انھوں نے چند قاشیں ٹھکانے لگا کر ایک تندرست قسم کی ڈکار لی پھر نیا موضوع چھیڑا۔

"رات ہم نے عجیب خواب دیکھا ـــ سبحان اللہ۔"

خوابوں سے مجھ بے توفیق کو کبھی ذوق نہیں رہا۔ اگر شاہی فرمان جاری ہو کر یا تو ایک گھنٹے خواب سنو یا دس گھنٹے پھاوڑا چلاؤ تو عاجز بعد شکر یہ پھاوڑا چلانا پسند کرے گا۔ پھر بھی پپیتے کی چپت۔ تاشو نکا لحاظ تو کرنا ہی تھا صاف کیسے کہتا کہ مجھ بدنصیب پر رحم کیجئے۔ عرض کیا۔

"اجی آپ کے خواب تو ماشاء اللہ آپ ہی کے خواب ہیں۔ الہم زد فزد۔"

"کیا زد فزد اماں سنو تو۔ ہم نے دیکھا کہ لق و دق میدان میں قیامت..."

"جی... وہ اجازت ہو تو پیشاب کر آؤں۔"

"معاذ اللہ" وہ جھنجلائے "تمہیں بھی بے وقت ہی کی سوجھتی ہے گھنٹے بھر بعد کر لینا۔"

"گھنٹے بھر" میں کانپ گیا "کیا خواب کافی لمبا ہے۔"

"اماں رات بھر دیکھا ہے۔ سبحان اللہ کیا کیا مناظر...."

"جی ہاں جی ہاں... مگر میرا مثانہ بسٹ ہونے جا رہا ہے۔"

"کیا فرنگی بولتے ہو۔ چلو پیشاب سے بھی فارغ ہو ــــ ارے حمید" انھوں نے بلند آواز سے بیٹے کو پکارا "ذرا ملا صاحب کو لوٹا دیکر بیت الخلا پہنچا دو"

"ارے نہیں صاحب" میں نے روکا "یہ میونسپلٹی کی نالیاں کیا اتنا بھی کام نہیں دینگی۔ میں باہر سڑک پہ کئے لیتا ہوں۔"

انھیں یہ تجویز مرغوب نہیں ہوئی مگر میں اٹھکر باہر چلا ہی آیا تو وہ بھی ساتھ ساتھ اٹھ آئے۔

"ارے آپ بیٹھئے نا۔ ۔ ۔ "

"ہاں ہاں تم کرو۔ میں کھڑا ہوں۔"

مار ڈالا اب بتائیے فرار کا کونسا راستہ تھا۔ کچھ دیر بعد تقریباً سوا گھنٹہ ان کا خواب سننا ہی پڑا۔ سارا آپ کے سامنے دہرا دوں تو اندیشہ ہے بور ہو کے مرجائیں گے۔ ماحصل و معمول شارٹ ہینڈ میں عرض کئے دیتا ہوں۔

انھوں نے دراصل یزید کو میدان قیامت میں پٹتے پٹاتے دیکھا تھا۔ پہلے تو انہوں نے یزید کا حلیہ وغیرہ بتایا جسے سنکر مارے دہشت کے میری چیخیں نکل گئیں۔ پھر اُن گُرزوں کی لمبائی اور موٹائی بتائی جس سے اُسے پیٹا جا رہا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب کا نقشہ کھینچا اور فرشتوں کے نام ان کا یہ فرمان دہرایا کہ اے عذاب کے فرشتو! جتنا عذاب سارے عالم کو دینا ہے اتنا ہی تنہا یزید پلید کو دو۔

"یہی؟" میں نے چونک کر سوال کیا تھا "کیا اللہ میاں نے بھی پلید کا قافیہ لگایا تھا؟"

"کیوں نہیں۔ یہ خطاب تو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے بتایا کہ محمود احمد عباسی اور ایڈیٹر تجلی کو جہنم کے ساتویں طبق میں ڈالدیا گیا۔ ابن تیمیہ پر بھی کافی عتاب تھا جلتی ہوئی ریت پر سایہ ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔"

"اور امام بخاری؟" میں نے سوال کیا تھا "انھوں نے بھی تو مغفرتِ یزید والی حدیث اپنی کتاب میں درج کی ہے؟"

اسپرسٹ پٹائیے۔ جلدی سے حمید کو آواز دیکر چائے کا فرمان نافذ کیا۔ کیلوں کی بھی تاکید کی۔ پھر ڈبہ بڑا پیش کرتے ہوئے محبت سے بولے۔

"کھاؤ نا۔ خالی مُنھ بیٹھے ہو۔"

"جی بس اب تو چائے آ رہی ہے۔"

"ارے تو تھوک دینا۔"

اس الٹ پلٹ میں واقعی امام بخاری والی بات میرے ذہن سے نکل گئی، اور پتہ نہ چل سکا کہ حضرت محترم کے خواب نے انھیں کیا دیا؟

آخر کار خواب کی تان اس پر آکر ٹوٹی ——— "اب تو چھوڑ دو یزیدیوں کی نوکری۔ عاقبت پر ایمان نہیں ہے کیا؟"

"تو پھر ایمان کیوں نہ ہوتا۔" میں نے اپنی بیگم کی نقل اتاری "لیکن بال بچوں کا کیا بنے گا۔"

"انھیں ہم بخشوا دیں گے۔"

"میں مرنے سے پہلے کی بات کر رہا ہوں۔ نوکری چھوڑ دی تو پیٹ کا فر کو کون بخشوائے گا؟"

"ہم مدرسے کی دربانی دلوا دیں گے مزے کرنا۔"

"تو درخواست لکھ لاؤں؟"

"ضرور ضرور۔ ابھی لکھو ہم مناسب الفاظ میں لکھواتے ہیں۔"

اس کے بعد انہوں نے اپنا ہی کاغذ قلم دیکر درخواست لکھوائی کہ بعض ٹکڑے اس کے درج ذیل ہیں۔

"۔ ۔ ۔ یہ نابکار بسبب شدید جذبۂ حق کے یزیدیوں پہ ہکیزار لعنتیں بھیجتا ہوا در اقدس پہ حاضر ہوا ہے۔ شاباں چہ عجب گر بنوازند گدا را۔ فقیر پر یزیدیوں کی نفسانیت اور آپ حضرات کی حق پرستی اظہر من الشمس ہوئی۔ اب جی چاہتا ہے کہ بقیہ زندگی آپ ہی کی جوتیوں میں کٹے۔ کیا تعجب کہ آپ کے صدقے اپنی بھی نجات ہو۔"

اس طرح کے تقریباً پچھتر فقرے انھوں نے لکھوائے اور پھر جھوم کر کہنے لگے۔

"دیکھا یہ ہوتی ہے فصاحت و بلاغت۔ ایک وہ تمہارا ایڈیٹر تجلی بکواس کرتا ہے۔ نہ سر نہ پیر۔"

"ظاہر ہے" میں نے سعادتمندی سے اعتراف کیا۔ "دال روٹی کھاکر لکھنے والا پھل کھاکر لکھنے والوں کی کیا برابری کرے گا۔"

انھوں نے ایسی مشتبہ نظروں سے گھورا جیسے سوچ رہے ہوں کہ یہ سچ ہے یا طنز؟ پھر میرے ہی حق میں فیصلہ کرتے ہوئے چہکے۔

"پھل تو ہم دو وقتہ نوش کرتے ہیں۔ ویسے تجلی جیسی عبارت تو سوتے سوتے لکھوا دیں۔ لاحول ولا۔"

اب انتظار کر رہا ہوں کہ کونسا مبارک دن آئے گا جب تجلی کے شکنجے سے نکل کر یہ خادم دربانوں کے اسٹول پر بیٹھا موچھوں پہ تاؤ دے رہا ہوگا اور "مسجد سے میخانے تک" کی جگہ "دفتر سے دربانی تک" کا شاندار عنوان جگمگائے گا۔ اسوقت ایڈیٹر تجلی سے پوچھے گا

کہ تمہارے منہ میں کے دانت ہیں بشرطیکہ پوپلے نہ ہو چکے ہوں!

۱۹ر جون سنہ ۶۱ء:۔ خبر آئی ہے کہ مجاہد اعظم، قدوۃ المومنین، زبدۃ العارفین حضرت جمال عبدالناصر صدر جمہوریہ مصر نے بسبب رحم و کرم اپنے کے "اخوان المسلمین" کے اسیروں کو عام معافی دیدی ہے۔ اسیر بہت سے ان صالحین کو قلبی صدمہ ہوا ہے جنھوں نے اخوان المسلمین کی بربادی پر داڑھی میں کنگھے کئے تھے اور ذہن و قلب کی پوری آسودگی کے ساتھ الحمد للہ کا نعرہ مارا تھا لیکن یہ عاجز ان صالحین کا حزن و ملال برداشت نہیں کر سکتا اس لئے حقیقت کا اظہار کئے دیتا ہے تاکہ صدمہ رفع ہو اور ماتم ٹھیک ہو جائے۔

حضرت جمال ناصر کے جس فیصلے کو بے بہار رحم و بخشش گمان کر کے اندر ہی اندر سینہ پیٹا جا رہا ہے اس کا جغرافیہ یہ ہے کہ اول تو اس عام معافی سے فائدہ اٹھانے والے بس تین سو کے قریب اخوانی ہیں حالانکہ جب حضرت موصوف کے فوجی انصاف نے اخوان المسلمین کے سر پر دست شفقت پھیرا تھا تو ہزاروں ہزار اخوانی اسیر بلا ہوئے تھے۔ دوسرے ان تین سو قیدیوں میں شاید ایک ہی دو ایسے ہیں جن کی معیادِ قید چند سال باقی رہگئی تھی ورنہ سب کی معیاد چند ماہ میں ختم ہونے والی تھی اور حضرت ناصر کا دریائے کرم جوش میں نہ آتا تب بھی وہ چند ماہ بعد جیل سے باہر آنے والے تھے۔

ان حقائق کی موجودگی میں صالحین کو غم کی بجائے خوشی منانی چاہیئے کہ ان کے ممدوح حضرت ناصر نے نہایت سمجھ بوجھ کا ثبوت دیا ہے۔ اونچے درجے کے اخوانیوں کو پھانسیاں بھی دیں، جیلوں میں بھی سڑایا اور اب عفو و کرم کا کریڈٹ بھی اپنے سر لے لیا۔ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ رہا وہ گستاخ شاعر جس نے کہا تھا

قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

تو اس سے صاف کہدو کہ ہم نقد نفع کے قائل ہیں۔

اب تو آرام سے گذرتی ہے، عاقبت کی خبر خدا جانے
(ملا زندہ صحبت باقی)

بقیہ از صفحہ

اب مزے کی بات سنئے کہ یہ عبارت کس کی تھی۔ اُن حضرت مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی جو دار العلوم کے بانیین میں شمار کئے جاتے ہیں اور جن کے مراتب عالیہ کے آگے نہ صرف ارباب دار العلوم کا بلکہ دیگر مقامات کے صدہا اہلِ علم و بصیرت حضرات کا سر عقیدت خم ہے۔ ان کی تصنیف تصفیۃ العقائد سے یہ عبارت نقل کی گئی تھی۔

اس سے دو باتیں ظاہر ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ تعصب آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی بھی عبارت اپنے سیاق و سباق سے الگ کر کے سامنے لائی جائے تو اس کے حقیقی مفہوم و مصداق میں بعض مرتبہ زیر دست تغیر واقع ہو جاتا ہے مولانا مودودی کی تحریروں کے ساتھ اکھاڑ پچھاڑ کا یہ کھیل جس قدر بے دردی سے کھیلا گیا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے

نوائے حق

از محمود احمد عباسی
(مصنف کتاب "خلافتِ معاویہؓ ویزید")

عباسی صاحب کی کتاب کو تحریف وبددیانتی کا شاہکار ثابت کرنے کے لئے جناب عزیز احمد قاسمی کا ایک مضمون "خلافتِ معاویہ ویزید پر ایک طائرانہ نظر" کے عنوان سے شائع ہوا تھا جسے بعض اور رسائل نے بھی نقل کیا۔ ایک ایسا ہی رسالہ ہم نے عباسی صاحب کی خدمت میں روانہ کردیا تھا کہ وہ اس کا مناسب جواب عطا فرمائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جواب ہم بھی دے سکتے تھے کیونکہ قاسمی صاحب نے اپنی دانست میں جس عملِ تحقیق کو تحریف وغیرہ کا نام دیا تھا وہ کسی عنوان بھی دائرۂ تحریف میں نہ آتا تھا لیکن صاحب کتاب بفضلہٖ زندہ ہوں تو جواب کی ذمہ داری ہم کیوں اٹھائیں۔ اتفاق دیکھئے عباسی صاحب ان دنوں اپنے مستقر پر موجود نہیں تھے۔ کافی دنوں بعد سفر سے لوٹے تو ہمارا ارسال کردہ رسالہ ملاحظہ فرما کر ذیل کا مضمون ارسال کیا اور تجلی کی تنگ دامانی لحاظ کرتے ہوئے اسے دو قسطوں میں تقسیم کردیا۔ دیر تو پہلے ہی ہوچکی تھی۔ مزید تاخیر قانونی مشورے کے باعث پیدا ہوئی۔ بایانِ کار یہ ہدیۂ ناظرین کیا ہی جارہا ہے۔ (تجلی)

جناب عزیز احمد قاسمی صاحب رقمطراز ہیں۔

"کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کے مصنف جناب محمود احمد عباسی صاحب نے حوالہ جات میں بے حیا تصرف اور تلبیس کرکے صحافی دیانت کو مجروح فرمایا ہے کتاب کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے پہلے ایک نظریہ قایم کرلیا کہ نعوذ باللہ حضرت حسینؓ نے خروج[1] کیا اور یزید نہایت متقی و پرہیزگار تھا پھر اس نظریہ کے ماتحت کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور کتابوں میں جہاں کہیں یزید کی تعریف میں کوئی جملہ نظر آیا اسے لے لیا اور اسی عبارت میں جو جملہ یزید یا عمرو بن سعد (؟) کے نقائص میں ہے ان کو حذف کردیا"

نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں۔

"جناب محمود احمد عباسی صاحب نے جہاں جہاں دیدہ و دانستہ حوالہ جات اور ان کے تراجم میں تصرف کیا ہے ان میں سے چند بطور نمونہ پیش کئے جارہے ہیں اس سے موصوف کی ریسرچ کا اندازہ ہوگا" پھر آگے چل کر علامہ ابن کثیرؒ کی کتاب "البدایہ والنہایہ" کی عبارتیں نقل کرکے ارشاد فرماتے ہیں "غور کیجئے عباسی صاحب نے عبارت میں قطع و برید کرکے کس طرح دھوکا دیا ہے اس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ" روز روشن میں لوگوں کی

---

[1] ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ مسلسل شیعی پروپگنڈے نے اہلِ سنت کے دل و دماغ میں بھی تشیع اور رفض کا زہر اس طرح اتار دیا ہے کہ بیشمار مواقع پر اچھے خاصے سنیوں کے ذہن میں شیعوں کی زبان حرکت کرتی نظر آتی ہے۔ یہی دیکھئے کہ مولانا محمد قاسمؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، ملا علی قاری، ابن تیمیہ، امام غزالی اور متعدد دیگر اساطینِ امت کے علاوہ رسول اللہؐ کے متعدد عالی مرتبہ صحابی مثلاً حضرت ابو سعید الخدری، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو واقد اللیثی اور بعض اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو بلا تکلف برملا اور صاف اقدام حسینؓ کو "خروج" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں لیکن آج ہمارے قاسمی دوست اور ان جیسے بے شمار سنی حضرات اس لفظ کے ساتھ "نعوذ باللہ" لگاتے ہیں اور اسے من گھڑت نظریہ قرار دیتے ہیں۔ یہ فساد قلب و نظر نہیں تو اور کیا ہے۔
(تجلی)

آنکھوں میں خاک جھونک دی اور ڈھنڈورا یہ پیٹا جاتا ہے کہ حقیقت پر جو پردے پڑے ہوئے تھے انھیں ریسرچ نے چاک کر دیا"

ان کا پورا مضمون پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دل و دماغ میں بیٹھی ہوئی "یزید دشمنی" کے تحت انھوں نے صاف و سادہ عبارتوں کو توڑنے مروڑنے کا فن خوب خوب آزمایا ہے۔ مقصد احقاق حق نہیں الزام تراشی ہے[51]۔

"حوالہ جات میں بیجا تصرف اور تلبیس" اور البدایۃ والنہایۃ کی "عبارت میں قطع و برید کر کے دھوکہ دینے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے اور "صحافتی دیانت کے مجروح کرنے" کا جو اتہام لگایا ہے پہلے اس کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

"خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کا کوئی نسخہ موجود ہو تو اس کا صفحہ ۳۰ کھول کر "کردار خلیفہ یزیدؒ" کی ذیلی سرخی کے تحت اول یہ فقرہ پڑھ لیجئے:—

"ہمعصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ اور تابعین کرام کی شامل تھی امیر یزیدؒ کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہ آتی تھی جس کی بنا پر عقد بیعت خلافت ناجائز ٹھیرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج و بغاوت کا جواز نکالا جا سکے"

سب سے پہلے تو امیر یزید کے صالح و نیکوکار، یا پابند نماز ہوئے نیک ہوں میں سرگرم اور سنت کا اتباع کرنے کے بارے میں دو بزرگوں کے اقوال پیش کئے گئے تھے۔ یہ دونوں بزرگ حضرت حسینؓ کے عزیز قریب ہیں ایک صحابی وابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے بڑے عالم (حبر الامت) و ترجمان القرآن یعنی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ہیں اور دوسرے تابعی و برادر حسینؓ یعنی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) ہیں جو واسع العلم و متقی و شجیع تھے اپنے دونوں بھائیوں حسنؓ و حسینؓ سے علم میں بلند تھے خود فرماتے ہیں "الحسن والحسین افضل منی وانا اعلم منہما (ص ۱۵۲ ج ۷ الاعلام قاموس التراجم خیر الدین الزرکلی) یعنی حسنؓ و حسینؓ مجھ سے افضل ہیں (حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ کی فرزندیت کی بنا پر) لیکن میں ان دونوں سے علم میں بڑھ کر ہوں) ان دونوں بزرگوں نے امیر یزید کی بیعت خلافت بطیب خاطر و بلا تامل کی تھی اور اس پر اس درجہ مستقیم رہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی دھمکیوں کے باوجود بیعت فسخ نہیں کی اور حضرت حسینؓ کو خروج سے باز رکھنے کی طرح طرح کوششیں کیں نہ خود ان کا ساتھ دیا اور نہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو ان کے خروج میں ساتھ دینے کو بھیجا حالانکہ حضرت حسینؓ نے اس بارے میں اصرار بھی کیا تھا۔

دو بلند پایہ مورخین بلاذری[52] اور ابن کثیرؒ کی کتابوں یعنی انساب الاشراف اور البدایۃ والنہایۃ سے یہ روایتیں اخذ کی گئی ہیں۔ بلاذری نے اپنے استاد المدائنی متوفی ۲۲۵ھ کی سند سے روایت درج کی ہے المدائنی بڑے ثقہ و معتبر مورخ ہیں۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ

---

[51] "عامیانہ نظروں" سے احقاق حق ہرا بھی نہیں کرتا۔ جو شخص اٹھتے اڑتے سمندر کی تہہ میں پڑے ہوئے موتیوں اور گھونگھوں کا ارلوستہ بیان کرنا چاہے اسے محقق کی بجائے ستم ظریف کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ (تجلی)

[52] بلاذری اور ابن کثیر بلند پایہ مورخ ہیں۔ ان کی عظمت کا انکار روز روشن میں سورج کا انکار ہوگا لیکن یہ حقیقت بھی نہ فراموش کرنی چاہیے کہ تحقیق و تنقیح کی بجائے ان حضرات پر روایت دوستی کا جذبہ زیادہ طاری رہا ہے۔ ان کی تاریخوں میں صریح متضاد روایات اور بعض واضح البطلان کہانیوں کا پایا جانا ثبوت ہے اس بات کا کہ ان کی خداداد صلاحیتیں اور علمی ترک تازیاں تاریخی حقائق کی چھان پھٹک کے عوض اسی کوشش میں صرف ہوئیں کہ زیادہ سے زیادہ روایات محفوظ کر دیں۔ بے شک دیگر مورخین کے مقابلہ میں ان کا معیار قدرے بلند ہے لیکن ایسا بھی نہیں کہ آنکھیں بند کر کے ان پر اعتماد کر لیا جائے۔ بلاذری کے استاد المدائنی بے شک کافی ثقہ سمجھے جاتے ہیں مگر ان کے بہت سے مراسیل بے حد قابل نظر ہیں اور جن روایتوں کا انھوں نے پورا سلسلۂ سند بیان کیا ہے انہیں بھی بلا تنقید بھر دینا مشکل ہے کہ غیر ثقہ یا مجہول راویوں سے ان کے بعض اسناد خالی نہیں ہیں۔ یہ حاشیہ بظاہر عباسی صاحب کے ارشاد پر اعتراض محسوس ہوگا لیکن حقیقت میں یہی ان کی متنازع فیہ کتاب کے دفاع میں سب کا رآمد اور حقیقی ہتھیار ہے۔ اسی کی بنیاد پر ہم ان روایات سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جنھیں معترضین بلاذری اور ابن کثیر ہی کی کتابوں سے نقل کر کے شور مچاتے ہیں کہ دیکھئے یہ تو آپ کے موقف کے

اور دعوے کے خلاف ہیں انھیں نظر انداز کر کے آپ نے بد دیانتی کی ہے۔ وغیرہ۔ محمود عباسی صاحب نے بھی اس حقیقت کو قدرے مختلف الفاظ میں اپنی کتاب میں لکھا ... (تجلی)

(اردو) میں ان کی تصانیف کے بارے میں یہ فقرہ ملتا ہے

" اس کی تصانیف کو معتبر و مستند ہونے کی حیثیت سے ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ وہ بعد کے زمانہ کی تالیفوں کے لئے اہم ترین کتب ماخذ متصور ہونے لگیں اور موجودہ تحقیق و تدقیق (ریسرچ) نے بھی انھیں عام طور سے صحیح پایا (صفحہ ۵۳) المداینی کی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کی خبر وفات سنکر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا۔

" الٰہی معاویہ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو، قسم بخدا وہ ان حضرات کی مثل تو نہ تھے جو ان سے پہلے گذر گئے مگر ان کے بعد ان جیسا بھی کوئی آنے والا نہیں "

یہ کہکر حاضرین کو مخاطب کیا اور فرمایا۔

وان ابنه يزيد لمن صالحي اهله فالزموا مجالسكم واعطوا طاعتكم وبيعتكم (صفحہ جز ۵ انساب الاشراف)	اور ان کا فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں سے ہے۔ تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اطاعت کرنا اور بیعت کرنا۔

المداینی کی اسی روایت کو الامامة والسیاسة کے مولف نے بھی بتغیر الفاظ نقل کرتے ہوئے امیر یزیدؒ کی نیکی کے بارے میں صحابی رسولؐ حضرت ابن عباسؓ کے یہ الفاظ درج کئے ہیں

و واللّٰه ان ابنه لخير اهله	اور قسم بخدا انکا (معاویہؓ کا) بیٹا اپنے خاندان کا نیک و اچھا فرد ہے۔

قاسمی صاحب نے کتاب کے صفحات ۱۷۱ و ۲۷۲ پر ان روایتوں کے تفصیلی بیان کو ضرور پڑھا ہوگا۔ پھر صفحہ ۳۴۳ پر یہ الفاظ بھی ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔

" تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ مع دیگر اعیان بنی ہاشم سالہا سال تک بلا ناغہ دمشق جاتے امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے پاس مہینوں مقیم رہتے اسطرح امیر یزید کے حالات اور کردار سے بخوبی واقف تھے اور اپنی اسی ذاتی واقفیت سے انہوں نے امیر موصوف کو صالح و نیکو کار بتایا بلا تامل و بطیب خاطر خود بیعت کی اور دوسروں کو بھی اطاعت اور بیعت کی ترغیب دی "

کسی شخص کے ہمعصر کا بیان دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مستند و قابل ترجیح ہوتا ہے، حضرت ابن عباسؓ تو امیر یزید کے عنفوان شباب ہی سے ان کے حالات سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے اور قسطنطنیہ کے غزوہ میں چار پانچ مہینوں تک شب و روز ساتھ رہے تھے۔ امیر یزید کی صلاحیتوں اور علمی فضیلت کے معترف تھے جسکا ذکر صفحہ ۱۴۲ پر کیا گیا ہے حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علی (الحنفیہؒ) نے باغیان مدینہ کی جب وہ امیر یزید کی عیب جوئی کرنے لگے کیسی کچھ خبر لی تھی ان کے مکالمہ کو انساب الاشراف بلاذری سے صفحہ ۵ پر درج کیا گیا ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے بھی صفحہ ۲۳۳ ج ۸ پر اس مکالمہ کو درج کیا ہے یعنی ابن مطیع نے جب امیر المومنین یزید کے بارے میں یہ کذب بیانی کی کہ "یزید شراب پیتا ہے، نماز ترک کردی اور کتاب اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے" تو حضرت محمد ابن الحنفیہؒ نے اور باتوں کے علاوہ فرمایا تھا کہ۔

وقد حضرته واقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلوٰة متحريا للخير يسأل عن الفقه ملازماً للسنة (صفحہ ۲۳۳ ج ۸ البداية والنهاية)	میں تو ان کے (یزید کے) پاس گیا ہوں ان کے پاس مقیم رہا ہوں میں نے ان کو دیکھا ہے کہ وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں مسائل فقہ پر گفتگو کرتے ہیں اور سنت نبوی کی پیروی کرنے والے ہیں

اب دیکھئے یہ بیان نہ صرف امیر المومنین یزیدؒ کے ایک ہمعصر کا ہے بلکہ ایسے بزرگ کا ہے جنہوں نے اپنی آنکھ سے ان کی دینداری کے حالات دیکھے تھے اور اسی بنا پر بدگویوں اور دروغ بافوں کے اتہامات کی تردید کی تھی۔ باغیان مدینہ تو حضرت ابن زبیرؓ کی خلافت قایم کرنے کا پروپیگنڈا ہی کر رہے تھے۔ انہوں نے تو اپنے حریف کی بدگوئی کرنا بھی اپنے پروپیگنڈے کے لئے ضروری سمجھا کتاب کے صفحہ ۵ پر قاسمی صاحب نے البدایہ والنہایۃ کی یہ عبارت ملاحظہ کی ہوگی جو فسخ بیعت کے مطالبہ کے جواب میں حضرت ابن الحنفیہؒ کے انکار کے بارے میں درج ہے:-

وقد سئل محمد بن الحنفية في ذلك فامتنع من ذلك اشد الامتناع وناظرهم	اور جب (باغیان مدینہ نے) محمد بن الحنفیہؒ سے (برادر حسینؓ) ویزیدؒ کی بیعت فسخ کرنے کے بارے میں کہا تو انہوں نے بہت سختی سے

سلہ یہ پورا مکالمہ گذشتہ تجلی میں بھی نقل ہو چکا ہے (تجلی)

وجادلہم فی یزید ورد علیہم ما اتھموہ من شرب الخمر وترکہ بعض الصلوات (ص۲۳۳ج البدایہ والنہایہ)	انکار کیا اور امیر یزید کی موافقت کی ان لوگوں سے بحث مباحثہ کیا ان سے لڑے جھگڑے اور جو اتہامات شراب نوشی اور بعض وقت نماز ترک کرنے کے یہ لوگ امیر یزید پر لگاتے تھے ان کی

ص۲۳۳ کے مکالمے میں حضرت ابن الحنفیہؒ نے امیر یزیدؒ کے دفاع میں اتہامات کی پرزور تردید کی تھی وہ کتاب کے مطالعہ کرنیوالے کو فراموش نہ ہوگی خصوصًا اس وجہ سے کہ جب یہ لوگ حضرت موصوف کی دلیلوں سے عاجز ہو گئے تو رشوت پیش کرنے لگے اور کہنے لگے کہ "اچھا ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں اور تمہیں خلیفہ بنانے کو تیار ہیں اگر تم ابن الزبیرؓ کی بیعت کے لئے تیار نہیں ہو" لیکن حضرت موصوف نے یہ پیشکش حقارت سے ٹھکرا دی اور امیر المومنین یزید کی بیعت پر قائم رہے اور اس میں طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں۔

یہ تمہیدی فقرات طویل تو ہو گئے لیکن جس مقصد سے پیش کر رہا ہوں اس کی وضاحت کے لئے نیز مضمون نگار نے حوالہ جات کے بے جا تصرف و "تلبیس" اور "عبارتوں میں قطع و برید" کرنے کے بارے میں جو افترا پردازی کی ہے اس کے اظہار شناعت کیلئے ضروری ہے کہ ناظرین کو بتایا جائے کہ امیر یزید کی سیرت و کردار کے بارے میں تحقیق و تدقیق (ریسرچ) کا کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" میں جو پلان و طریق کار اختیار کیا گیا وہ یہ ہے:۔

(۱) روایت مستند ماخذ سے لی جائے۔	(بلاذری متوفی ۲۷۹ھ و علامہ ابن کثیرؒ کی کتب تاریخ مستند ماخذ ہیں)
(۲) روایت بیان کرنے والا ثقہ و معتبر ہو	(علی بن محمد المدائنی نہایت معتبر و ثقہ سمجھے جاتے ہیں)
(۳) ایسے لوگوں کے اقوال پیش کئے جائیں جنہیں امیر یزید کے حالات سے ذاتی واقفیت ہو۔	(حبر امت حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن علی (الحنفیہؒ) کو ذاتی واقفیت تھی اسلئے انکے چشمدید حالات بیان کئے گئے)

قدیم مورخین کی اس خصوصیت کے پیش نظر کہ ایک ہی بات اور ایک ہی واقعہ کے متعلق متضاد روایتیں درج کر دینے میں تامل نہیں کرتے راقم الحروف نے "عرض مولف" کی ابتدا ہی میں یہ بھی جتا دیا تھا کہ:۔

"روایت پرستی کی اس زمانہ میں ایسی وبا پھیلی کہ متاخرین بیشتر اپنے پیش رو مورخین سے نقل در نقل کرنے پر اکتفا کرتے رہے علامہ ابن کثیرؒ نے تو بعض ایسی روایتوں کو جنہیں وہ صحیح نہ سمجھتے تھے طبری سے نقل کرتے ہوئے یہ کہکر اپنی روایت پرستانہ ذہنیت کا معنًا اعتراف بھی کیا ہے کہ:۔

ولولا ان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والائمۃ ذکروہ ماسقتہ (ص۲۰۲ج البدایہ والنہایہ)	اور اگر ابن جریر (طبری) وغیرہ جو حفاظ (روایات) اور ائمہ میں سے ہیں ان کو بیان نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے۔

تحقیق و تدقیق کا طریق کار اور ریسرچ کا جو اصول عملاً اختیار کیا گیا یعنی معاصرین کے اقوال اور چشمدید حالات کے بیانات کو جو مستند و معتبر ماخذ اور ثقہ راویوں کی روایت پر مبنی ہوں اعتبار کا درجہ حاصل ہوگا متاخرین کے بیانات خصوصًا وہ بیانات اور اقوال جو بلا کسی سند کے پیش کئے گئے ہوں قابل اعتنا نہ ہونگے اور اگر ایک ہی مورخ نے متضاد روایتیں درج کی ہوں ترجیح ان روایتوں اور بیانات کو دی جائے گی جو سندًا معتبر اور روایتًا قابل قبول ہوں ان کے مخالف روایت کو ترک و حذف کر دیا جائیگا خصوصًا علامہ ابن کثیرؒ کے مندرجہ بالا قول کے مطابق البدایۃ والنہایۃ کے کسی ایسے بیان یا روایت کو جو دوسرے مستند بیان یا روایت کے متضاد ہو۔ ریسرچ کا یہی اصول اور یہی طریق کار ہے جو ہر سمجھدار اور پڑھے لکھے شخص کو مطالعہ کتاب کے وقت ہی بادنیٰ تامل معلوم و محسوس ہوگا۔

اب ملاحظہ ہو قاسمی صاحب کی شرمناک بہتان تراشی۔

"کردار خلیفہ یزیدؒ" کی ذیلی سرخی کے تحت ص۷۲ کی آخری سطر سے ص۸۱ کی آخر سطر تک یعنی ان نو صفحات پر مستند کتب تاریخ وغیرہ کے پندرہ حوالہ جات درج ہیں جن میں پانچ البدایۃ والنہایۃ کے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک حوالہ میں لفظ تو کجا کسی شوشے کا بھی نہ بیجا تصرف ہے اور نہ کسی نوعیت کی کوئی "تلبیس"۔

ص۷۲ سے ص۷۷ تک امیر یزید کی دینداری، پاکبازی و نیکوکاری کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) کے اقوال و بیانات بسند و بحوالہ جات

معتبر درج ہیں اور یہ مضمون کہ امیر موصوف مذہبی اعمال کے پابند تھے۔ نماز پابندی سے پڑھتے تھے، سنت نبوی کے پیرو تھے نیک کاموں میں سرگرم رہتے تھے ص۲۲ پہ ختم ہوجاتا ہے پھر آخر ص۲۲ سے ص۲۶ تک ان کی علمی فضیلت کا بیان ہے۔ ص۲۸ میں ان کی خطیبانہ اہلیت کا تذکرہ ہے اور ایک خطبے کے فقرات بھی درج ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عباس رض جیسے اعلم اہل زمانہ وحبر امت نے امیر یزید کی علمی قابلیت کا جن الفاظ میں اعتراف کیا ہے اس کا اظہار بھی ہے۔ ص۵۲ کی چوتھی سطر میں اس امر کا اظہار کرنے کے بعد کہ "علم وفضل، تقوی وپرہیزگاری، پابندی صوم وصلواۃ کے ساتھ" (جن کی تفصیلات گذشتہ اوراق میں پیش کی گئی ہیں) "امیر یزید حاد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع سنجیدہ ومتین تھے" ایک عیسائی رومی مورخ نے ان کی سیرت کے بارے میں ان کے ہم عصر کا بیان جن الفاظ میں پیش کیا ان کو درج کیا گیا ہے یعنی "وہ (یزید) حاد درجہ حلیم وکریم، سنجیدہ ومتین، غرور وخود بینی سے مبرا، اپنی زبردست رعایا کے محبوب، تزک واحتشام شاہی سے متنفر تھے۔ عام شہریوں کی طرح سادہ معاشرت سے زندگی بسر کرنے والے اور مہذب تھے"۔

اس کے بعد یہ فقرہ درج کرکے کہ:-

"علامہ ابن کثیر نے ان کے بارے بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں" البدایۃ النہایۃ کی وہی عبارت نقل کی ہے جن سے ان کے خصائل محمودہ علم وکرم اور فصاحت وغیرہ اور حسن معاشرت کا اظہار ہوتا ہے جن کا تذکرہ رومی مورخ کے مندرجہ بالا فقرے میں کیا گیا ہے۔ اس موقع پر نہ امیر یزید کی دینداری ونیکوکاری کے بیان کے اعادہ کا کوئی محل تھا کیونکہ یہ ذکر جیسا کہ ابھی بحوالہ صفحات بیان کیا گیا پہلے ہی ہوچکا تھا۔ اور نہ ان کی بے دینی یا نماز کے بعض اوقات ترک کردینے کی کسی بے سند اور غیر معتبر روایت کی تردید وتکذیب کی ضرورت تھی کیونکہ حضرت ابن الحنفیہ رح کے بیان سے اس کی پہلے ہی تکذیب ہوچکی تھی۔ مندرجہ بالا فقرے میں تو صاف لکھا گیا ہے کہ علامہ ابن کثیر رح نے رومی مورخ کے بیان یعنی ان کے علم وکرم وغیرہ کے" بارے میں اسی قسم کے الفاظ" تحریر کئے ہیں چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں:-

وقد کان یزید فیه خصال محمودة من الکرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرای فی الملك	اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات علم وکرم فصاحت وشعرگوئی اور شجاعت وبہادری کی تھیں نیز معاملا حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور معاشرت کی خوبی وعمدگی بھی ان میں تھی۔
(ص۲۱۰ ج البدایه والنهایة)	

ان ہی الفاظ کو علامہ ذہبی نے اپنی تالیف تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر واعلام کی ج۳ ص۹۳ پر درج کیا ہے جس کا حوالہ بھی کتاب میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں یہی الفاظ صرف اتنے سے تغیر کے ساتھ کہ "خصال محمودہ" کے بجائے "خصال حمیدہ" لکھا گیا ہے عینی (تاریخ) میں بھی موجود ہیں (مخطوطہ پیرس بحوالہ خلیفہ یزید ص۲۸۱ لامن) دیگر مورخین نے بھی ان ہی کلمات کے نقل کرنے پر اکتفا کیا اور وہ کلمات ترک کردیئے جن میں کہا گیا ہے کہ "اور نیز اس میں (یزید) میں خواہشات نفسانیہ میں انہماک اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک کردینا بھی پایا جاتا تھا اور انکو وقت بیوقت بھی اکثر پڑھتا تھا" مضمون نگار فرماتے ہیں کہ اس عبارت کو "عباسی صاحب نے ریسرچ کا پورا حق ادا کرنے کے لئے چھوڑ دیا"۔ ان صاحب کی خواہش کے مطابق اس عبارت کو ترک یا حذف نہ کیا جاتا تو تحقیق وتدقیق وریسرچ کی صورت کچھ اس طرح ہوتی:-

قول ابن عباس رض	قول بے سند
(۱) وان ابنه یزید لمن صالحی اهله (اور ان کا (معاویہ رض کا) فرزند اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں ہے۔ (۲) ووالله ان ابنه لخیر اهله (اور قسم بخدا ان کا (معاویہ کا) بیٹا اپنے خاندان کا نیک شخص ہے)	وکان فیه ایضا اقبال علی الشهوات (اور نیز اس میں (یزید میں) خواہشات نفسانیہ کا انہماک تھا)

قول ابن الحنفیہ رح	قول بے سند
(۱) وقد حضرته واقمت عنده فرایته مواظبا علی الصلوٰة (اور میں انکے (یزید کے) پاس گیا ہوں انکے پاس مقیم رہا ہوں انکو نماز کا پابند پایا	(۱) وترك الصلوات فی بعض الاوقات واماتتها فی غالب الاوقات (اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک کردینا بھی تھا اور نمازوں کو بیوقت بھی اکثر [illegible]

قاسمی صاحب کی خواہش کے مطابق کیا ریسرچ کا "پورا حق" اس نوعیت سے ادا کیا جاتا جس کا خاکہ او پر پیش کیا گیا ہے کہ ایک ہی شخص کو ایک ہی سانس میں نیکو کار بھی بتایا جاتا اور بدکار بھی، نماز کا پابند بھی کہا جاتا اور تارک بھی، نیک کاموں میں سرگرم بھی ظاہر کیا جاتا اور شہوات نفسانیہ کا ملوث بھی سنت نبویہ کا پیرو بھی کہا جاتا اور بے وقت کی نمازیں ٹرخانے والا بھی۔ اس قول بے سند کو ترک وحذف کرنا نامناسب تھا تو اسی قبیل کے اور متعدد اقوال اور روایات صاحیہ کو بھی جو ان ہی کتب میں درج ہیں کیوں ترک کیا جائے ایسا ہے تو پھر تحقیق و تدقیق اور ریسرچ ہی پر کیوں وقت و محنت صرف کی جائے نقل را چہ عقل آنکھ بند کر کے ہر رطب و یابس کو ٹانک دیا جائے۔ کون صحیح العقل اس قسم کی خرافات کو ریسرچ کا نام دے سکتا ہے۔ جس کسی میں حق پسندی کا قدرے شائبہ بھی ہوگا وہ حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابن الحنفیہؒ کے اقوال کی موجودگی میں قول بے سند کو کیسے مان سکتا ہے۔ یہ اقوال مستند ترین ماخذ اور ثقہ معتبر ترین راویوں کی سند اور حوالہ جات سے پیش کئے گئے ہیں اور ان اقوال کی تائید مزید خود ان کے موقف اور طرز عمل سے ہوتی ہے کہ امیر یزید کی بیعت خلافت پر کس استقلال و استقامت سے قائم رہے چونکہ امیر موصوف کی بیعت پہلے ہو چکی تھی احکام شریعت کے مطابق حضرت ابن زبیرؓ کے اقدام کو غلط قرار دیا حالانکہ وہ صحابی ہونے کا امتیاز بھی رکھتے تھے۔ ایسی روشن مثالوں کے ہوتے ہوئے کسی قول بے سند کو اتنی اہمیت دی جائے کہ اس کے ترک وحذف پر دھوکہ دہی، تلبیس اور لوگوں کی آنکھ میں خاک جھونکنے کے ذلیل الزامات عائد کئے جائیں۔ کیا کسی ریسرچ اسکالر اور محقق کا یہ اولین اور اہم ترین فرض نہیں کہ قوی و ضعیف، صحیح و سقیم روایتوں اور بیانات کی چھان بین کر کے صحیح اور قوی کو اختیار کرے اور ضعیف و سقیم کو ترک وحذف کرے آخر تحقیق و ریسرچ کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے۔ "یزید دشمنی" کا پردہ فہم و ادراک پر حائل ہو تو ریسرچ کا کیا قصور ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(باقی آئندہ)

محمود احمد عباسی
۱۷ مئی سنہ ۱۹۶۰ء

ف حضرت ابن عباسؓ، ابو سعید الخدریؓ اور حضرت ابن الحنفیہؒ کے جن فرمودات کو عباسی صاحب بجا طور پر اسکا مستحق سمجھتے ہیں کہ ان کے خلاف ہر روایت کو کوڑے پر پھینک دیں ان کی بعض سندیں تو عام طور پر بیان ہوتی رہی ہیں جو کافی مضبوط ہیں لیکن اگر قاسمی صاحب یا کوئی اور بزرگوار ان سندوں میں کلام کرتے ہوئے انھیں ضعیف ثابت کرنے کی سعی فرمائیں تو یہ عاجز پانچ سندیں اور ایسی پیش کر سکتا ہے جو عام طور پر بیان نہیں ہو رہی ہیں اور جن کے کسی بھی راوی کو کتب رجال میں ساقط الاعتبار یا غیر ثقہ نہیں کہا گیا ہے۔ اس کے برعکس یزید کے فسق وفجور پر دلالت کرنے والی ایک بھی روایت صفحۂ ہستی پر ایسی نہیں پائی جاتی جو جرح و تعدیل کی سان پر چڑھ کر کھیل کھیل نہ ہو جائے۔ چہ جائے کہ بقول مولٰنا محمد طیب صاحب فسق یزید تواتر معنوی رکھتا ہو۔ تواتر اور اجماع کی مقدس اصطلاحوں کا جو حلیہ مولٰنا موصوف نے رد عباسی میں بنا ڈالا ہے قابل دید ہے! (تجلی)

چند خاص کتابیں

ابن ماجہ اور علم حدیث "ابن ماجہ" صحاح ستہ کی وقیع کتاب ہے اس کے جامع ابن ماجہؒ بڑے پایے کے محدث گذرے ہیں۔ ان کی تفصیلی سوانح کے ساتھ اس کتاب میں تدوین حدیث کی مفصل تاریخ اور ان جانفشانیوں کی روداد پیش کی گئی ہے جو محدثین نے جمع حدیث کے سلسلہ میں کیں۔ کثیر معلومات کا خزانہ۔ مجلد آٹھ روپے۔

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ سے متعلق بہترین محققانہ اور سیر حاصل مقالات کا بیش بہا مجموعہ۔ اس کتاب کا نہ پڑھنا اپنی زرّین تاریخ کے ایک اہم باب سے ناواقف رہنا ہے جو بہت بڑی محرومی ہے۔ قیمت مجلد چار روپے۔

کتاب زندگی امام بخاری کی الادب المفرد کا اُردو ترجمہ۔ بہترین اخلاقی تعلیمات پر مشتمل احادیث کا مفید ترین مجموعہ جس کے جامع امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

سنن دارمی شریف حدیث کی مشہور کتاب کا اُردو ترجمہ جو ۳۴۵۶ حدیثوں پر مشتمل ہے۔ ھدیہ مجلد آٹھ روپے۔

مسند امام اعظمؒ (مع ترجمہ و فوائد) امام ابو حنیفہؒ کا مرتب فرمودہ احادیث کا مجموعہ جس میں مولانا عبد الرشید نعمانی کا بہترین معلومات افزا مقدمہ بھی ہے۔ قیمت مجلد آٹھ روپے۔

صحابیات اُن برگزیدہ خواتین کے حالات جنھوں نے اللہ کے آخری رسول کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ نیاز فتحپوری کے قلم سے۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

سفینۃ الاولیاء دارا شکوہ کی تالیف جس میں رسول اللہ صلعم صحابہؓ ائمہؒ، اولیاءؒ، ازواج النبیؐ اور اسلام کی مشہور نیک خواتین کے حالات ہیں۔ قیمت مجلد چھ روپے بارہ آنے۔

التکشف مولانا اشرف علیؒ کی اس کتاب کا پورا نام: التکشف عن مھمات التصوف ہے۔ تصوف اور اس کی جزئیات پر بڑی بسوط کتاب ہے مشکل مسائل اور دقیق نکات کی توضیح و تسہیل۔ علوم و معارف کا گنجینہ۔ تازہ بہتر ایڈیشن۔ قیمت مجلد دس روپے بارہ آنے۔

آئینۂ حقیقت نما مؤرخ اسلام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کی معرکۃ الآراء تالیف ہندا ور مغربی مؤرخین نے مسلم فاتحین پر جو متعصبانہ الزامات لگائے ہیں ان کے محققانہ مدلل اور دنداں شکن جوابات عجیب کتاب ہے۔ قیمت مجلد بارہ روپے۔

فاروق اعظمؓ کے سرکاری خطوط کیا اس نام کے بعد بھی یہ کہنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ بیش بہا کتاب آپ کے مطالعہ کی بہترین چیز ہے بڑی تقطیع کے ۶۷۲ صفحات نفیس طباعت۔ خطوط کی تعداد ۳۹۰ قیمت مجلد بارہ روپے۔ مجلد اعلیٰ چودہ روپے۔

مسلمان عورت مصر کے مشہور مصنف فرید وجدی کی عربی تصنیف المرءۃ المسلمۃ کا اُردو ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد کے قلم سے۔ مقدمہ بھی مولانا آزاد ہی کا ہے۔ قیمت مجلد چار روپے۔

خطبات مدراس سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر مولانا سید سلیمان ندویؒ کے خطبات کا یہ مجموعہ جس قدر مقبول ہے محتاج بیان نہیں۔ تین روپے۔ مجلد چار روپے۔

عثمانؓ۔ صرف تاریخ کی روشنی میں مصر کے مشہور نقاد اور نامور محقق ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی مشہور کتاب کا اُردو ترجمہ مولانا عبد الحمید نعمانی کے قلم سے قیمت چھ روپے (مجلد سات روپے)

علیؓ۔ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں یہ بھی طٰہٰ حسین ہی کی

گرامی نامہ
مرکزی جمعیۃ الطلباء دارالعلوم دیوبند کے ناظم اعلیٰ کا
اور
اس کا جواب

۱۳ جون ۷۶ء کو مرکزی جمعیتہ الطلبا۔ دارالعلوم دیوبند کے ناظم اعلیٰ کا ایک ملفوف ہمیں دستی موصول ہوا ہے جس کے لفافہ پر یہ الفاظ درج ہیں

"بگرامی نامہ جناب عامر عثمانی صاحب ایڈیٹر رسالہ تجلی ادیوبند"

اگر حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم کی تصنیف کے ٹائٹل پر "از نتیجۂ فکر" کے الفاظ درج ہو سکتے ہیں تو مرکزی جمعیۃ الطلباء کے ناظم اعلیٰ کی طرف سے آئے ہوئے لفافہ پر "بگرامی نامہ" کے الفاظ موجب حیرت نہیں ہونے چاہئیں۔ بہرحال آپ یہ ملفوف اور اسکا جواب ملاحظہ فرمائیں :-

تاریخ ۱۷-۱۲-۱۳۷۹

<u>۷۸۶</u>

جناب ایڈیٹر تجلی صاحب سلام مسنون

عرصہ دراز سے دارالعلوم کے داخلی معاملات میں آپ کی بیجا مداخلت اور اکابرین و اساتذہ دارالعلوم کی شان میں نامناسب کلمات اور افسانوی و بازاری طرز پر طنزیہ جملوں کا کھلی میں استعمال اب تک ہم تمام طلبۂ دارالعلوم کے دلوں کو مجروح کرتے رہے، اب تک ہم نے نہایت صبر و تحمل سے کام لیا۔ لیکن اس حرکت شنیع پر آپ کی روزافزوں ترقی اب ناقابل برداشت ہو چکی ہے جس سے آپ کو باز آجانا چاہئیے، پھر یہ کہ شخصیاتی طور پر کسی خاص فرد کا نام خواہ صراحتہً یا اشارۃً لے کر ان پر بازاری جملے کسنا آپ کی نہایت نامکروہ اور ذلیل حرکت ہے جس کے پردے میں ہم جملہ طلباء دارالعلوم کے جذبات کو مجروح کرنے کے لئے آپ نے نہایت اوچھے ہتھیار استعمال کئے ہیں :-

یوں اگر کوئی علمی اختلاف کسی مسئلہ میں ہو یا جماعتی نقطۂ نظر سے مسلک علماء دیوبند سے آپ کو اختلاف ہو تو اس کو نہایت مہذب طریقہ پر علمی رنگ میں گفتگو کریں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن آئندہ سے اگر آپ نے اپنے اس نامناسب طرز کو بدلنے کی کوشش نہیں کی اور اس حرکت شنیع سے باز نہ آئے تو اس کا انجام آپ کے حق میں کوئی اچھا نہ ہوگا۔ آپ کے حالات اور گھریلو معاملات کا بھی ہمیں اچھی طرح علم ہے اس بارے میں ہمارے پاس کافی سے زیادہ مواد ہے جسے برسرعام اچھال سکتے ہیں، لیکن اسے چونکہ پسند نہیں کرتے اس لئے رکے ہوئے ہیں :-

علاوہ ازیں آپ کا مقصود اس سے صرف ہم طلبہ۔ چھیڑ خوانی ہی ہے تو بزدلوں کا سا یہ طریقہ چھوڑ کر میدان میں آئیے اور جن شرائط کے ساتھ اور جس طرح بھی آپ چاہیں بالمشافہ گفتگو کر لیں، ہم ہر وقت اور ہر جگہ تیار ہیں۔ بہرحال نہایت سختی کے ساتھ آپ سے یہ کہا جاتا ہے کہ آئندہ سے اس طرز تحریر سے باز آجائیے۔ ہم تمام طلبہ آپ کی اس طرز تحریر و طرز عمل کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور سخت غم و غصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ ابھی ماضی قریب میں غیر مناسب عنوان کے ساتھ آپکا پو

شائع کرنا ادارۂ تجلی کی صحافت پر ناقابل برداشت طنز تحریر بلا اختیار
کرنا نہایت مکروہ و شنیع و ذلیل حرکت ہے۔ اس سے ہم سخت
نفرت کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس سے باز آنے کی سخت تاکید
کرتے ہیں۔ آپ ہمارے جذبات کا احترام کرتے ہوئے آئندہ
سے تجلی میں کلیتاً انسداد کریں۔ فقط والسلام

سید محمد مظہری چمپارنی
(ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ الطلباء دارالعلوم دیوبند)
(مہر)
مرکزی جمعیۃ الطلبہ دارالعلوم دیوبند

الجواب

جناب محترم! وعلیکم السلام

عنایت نامہ ملا۔ آپ یقین فرمائیں یا نہ فرمائیں یہ بہرحال حقیقت ہے کہ آپ نے انداز تحریر کے بارے میں جو کچھ راقم الحروف نے اس شمارے کے "آغاز سخن" میں لکھا ہے وہ آنجناب کے نامۂ گرامی کی آمد سے کئی روز پہلے لکھا ہے۔ گرامی نامہ وصول ہونے کے بعد خیال بھی پیدا ہوا کہ آغاز سخن کو قلم زد کردیں کیونکہ آپ بھی اور اکثر لوگ بھی یہی گمان فرمائیں گے کہ یہ اعتراف نامہ آنجناب کے دھمکی آمیز خط سے متاثر ہوکر لکھا گیا ہے، لیکن دل نے اسے قبول نہیں کیا اور ضمیر کا مطالبہ یہی رہا کہ جو اعلان و اعتراف تم اخلاق و دیانت کا تقاضا سمجھ رہے ہو اسے ہر حال میں شائع ہونا چاہئے چاہے اس کا کوئی کچھ بھی مطلب لے۔ چنانچہ بزدلی و مرعوبیت کے الزام کی پروا کئے بغیر اسے شائع کردیا گیا ہے اور ہر شخص کو اختیار ہے کہ اس پر جو جی چاہے قیاس آرائی کرے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب کے والا نامہ کا بھی جواب عرض کردیا جائے :-

دارالعلوم کے "داخلی معاملات" کے الفاظ لکھ کر آپ نے پہلی بار ہمیں اس بات سے آگاہ فرمایا ہے کہ دارالعلوم کوئی قومی وملی امانت نہیں بلکہ کسی ذاتی ادارے ... مستقل جائداد کا نام ہے جس کے معاملات و دقائق پر داخلی اور خارجی معاملات کی اصطلاحات منطبق ہوا کرتی ہیں۔ ہم تو اب تک اس خوش فہمی میں رہے کہ دارالعلوم امت مسلمہ کے تعاون سے چلنے والی دینی درسگاہ ہے تمام امت کا مشترکہ سرمایہ ہے اور اس کی چار دیواری میں جو کچھ پیش آئے اس پر تعمیری و اصلاحی زاویۂ نظر سے نقد و احتساب کرنا ہر فرد ملت کا جائز حق ہے۔ خصوصاً جن لوگوں نے یہاں سے فراغت حاصل کی ہے وہ تو دوسروں سے زیادہ اس کے مستحق ہیں ---- بلکہ ذمہ دار ہیں کہ اس کے نیک و بد پر نظر رکھیں اور ضرورت پڑنے پر اس کے بارے میں گفتگو کریں۔

یہ تو تھی اصولی بات لیکن جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے ہم بالکل نہیں سمجھ سکے کہ کونسی مداخلت ہے جس کا ارتکاب ہم عرصۂ دراز سے کر رہے ہیں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ابھی ماضی قریب میں یہاں آپ کے اور اعیان دارالعلوم کے مابین کافی معرکہ پیش آیا ہے اور سب کچھ ہماری ہی نہیں سارے اہل دیوبند کی آنکھوں کے سامنے ہوا ہے لیکن ... گذشتہ میں ہم نے ایک بالکل ضمنی اشارے کے سوا اس پر کچھ نہیں لکھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دارالعلوم کے "داخلی معاملات" سے ہمیں کچھ زیادہ سروکار نہیں اور ان احوال و واقعات کی تشہیر ہم نے پہلے پسند کی نہ اب کرتے ہیں جن سے اس مقدس درسگاہ کے بارے میں عام مایوسی پھیلے اور احمقوں کے سوا کون ہوگا جو اس درسگاہ کی عظمت و اہمیت سے انکار کر سکے اور بد نہادوں کے سوا کس کی نیت ہو سکتی ہے کہ اس مرکز علوم دینیہ کے ناموس پر حرف آئے۔ پھر بھی اگر ہمارے قلم سے بعض ایسے جملوں کا صدور ہوا ہے جن سے آپ کو شدید سوء ظن لاحق ہے تو یقین کیجئے ان کا منشا نہ آپ کی دل آزاری تھی نہ دارالعلوم کی مخالفت۔ بلکہ ان کا واحد منشا یہ تھا کہ جو معظم حضرات نرم اور نیاز مندانہ معروضات کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے ہیں انھیں ہمارے تلخ و تند فقرے ہی اس بات پر آمادہ کریں کہ جن امور نے طلباء کو شدید شکایت کا موقع بہم پہنچایا ہے ان پر فوری توجہ مبذول کی جائے اور کشمکش کو ان مراحل تک پہنچنے سے روکا جائے جہاں اس مقدس درسگاہ پر حکومت کی دراندازی کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ یہ منشا آپ قبول نہ فرمائیں تو آپ کی خوشی۔ ہم بہرحال مطمئن ہیں کہ ہماری نیت بخیر

فساد و تخریب کا شائبہ تک نہ تھا۔ نہ ہے نہ انشاء اللہ ہوگا۔

ہم نے اپنے قلم کی کمزوری کا جو کھلا اعتراف آغاز سخن میں
کیا ہے اس کے بعد یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ جتنے بھی تحقیر
تضحیک الفاظ آنجناب نے ہماری تحریروں کے بارے میں رقم
فرمائے ہیں ان کی شکایت کی جائے۔ البتہ اس حسرت کا اظہار
ضرور کر سکتے ہیں کہ کاش زیر نظر مکتوب کو اگر آپ طرز تحریر
اور لب ولہجہ کے اعتبار سے ایک معیاری نمونہ بنا کر پیش کرتے
تو ہمیں بھی معلوم ہو جاتا کہ متین و ثقہ تحریر ایسی ہوتی ہے اور ہمیں
بھی اپنا گرم و تلخ اسلوب چھوڑ کر اس اسلوب نگارش کا تتبع کرنا
چاہئے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس صبر و تحمل پر
قائم رہنے کا آپ تذکرہ فرما رہے ہیں اس کا لائق تقلید
نمونہ گرامی نامے میں موجود نہیں ہے اور ہم اس سعادت سے
محروم رہ گئے ہیں کہ مرکزی جمعیۃ الطلباء کے ناظم اعلیٰ کے
طرز نگارش سے کچھ سیکھ سکیں۔ ہم جو خود بھی اپنے طرز تحریر
کی بے ثباتی کا احساس رکھتے اور اعتراف کرتے ہیں باوجود کوشش
کے یاد نہیں کر سکے کہ کسی شخص کی ناقدانہ تحریر کے بارے میں
ہم نے تو اسے لچر و بازاری طرز کے الفاظ استعمال کئے ہوں
یا کسی کے فعل و عمل کو "شنیع اور مکروہ و ذلیل" قرار دیا ہو۔ آپ کا
مرکزی جمعیۃ الطلباء کا وقار بہت بڑھ جاتا اگر آپ گرامی نامے
میں آپ ہماری بے بنیاد اور چھوٹے پن کا نہیں اپنی اعلیٰ حیثیتی
اور بڑے پن کا ثبوت دے رہے ہوتے۔ ہم اپنی تحریروں میں کتنی بھی
معذرت نہیں کر جائیں ان کی حیثیت انفرادی لغزشوں کی ہے
وہ شخصی اعتبار سے ہم اس کی ذمہ داری لیتے ہیں یہ ہماری کوتاہیاں
دوسروں تک نہیں جو سکتیں لیکن دارالعلوم کی مرکزی جمعیۃ الطلباء
کا مقام و منصب بہت بلند ہے۔ اس کے ناظم اعلیٰ کی ہر تحریر و
تقریر سے بہت کا اظہار ہونا چاہئے۔ ان کے شایان شان
یہ نہیں ہے کہ کسی ملازم کو حلم و متانت سے فہمائش کرنے کے
بجائے پہلے ہی قدم پر ذلیل و مکروہ کہنے اور ڈرانے دھمکانے
کی جسارت فرمائیں۔ ہمیں تہذیب و شرافت کا سبق دینے والے
دوستوں کو خود بھی تہذیب و شرافت کا معیاری نمونہ اپنے مکتوب
میں پیش فرمانا چاہئے تھا۔ اگر ان کے نزدیک یہی معیاری نمونہ
ہے تو پھر ہمیں کچھ نہیں کہنا۔

یہ ارشاد کہ

"اس کا انجام آپ کے حق میں اچھا نہ ہوگا"

سر آنکھوں پر۔ اپنے طرز تحریر میں تو ہمیں بہرحال اصلاح
کرنی تھی چاہے آپ خط نہ بھیجتے لیکن یہ خیال نہ پہلے ہمیں گذرا ہے
نہ انشاء اللہ آئندہ گذرے گا کہ ہمارے انجام کی باگ ڈور
اب ملک الملک ذوالجلال والاکرام کے ہاتھوں سے نکل کر بندوں
کے ہاتھ میں آگئی ہے۔ اپنے جسمانی و مادی ضعف اور آپ
حضرات کی قوت و سطوت کا علم و احساس رکھنے کے باوجود ہمارا
یقین پہلے بھی یہی رہا ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی یہی رہے گا کہ
عزت و ذلت دینے، نفع نقصان پہنچانے اور ناکام و کامراں
کرنے کے کلی اختیارات رب العزت ہی کے ہاتھ میں ہیں، وہ
چاہیں تو ساتوں تالوں میں موت آجائے نہ چاہیں تو توپوں کی
باڑ کے بیچ سلامت بچ نکلے۔ آپ کے ہاتھوں زیادہ سے زیادہ
جو کچھ ہمیں پیش آسکتا ہے وہ وہی ہوتا جو ہمارے جد امجد حضرت
عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو پیش آیا۔ کوئی مضائقہ نہیں
ہم نے اتنے گناہ کئے ہیں کہ ان کی معافی کا سب سے آسان اور
پرامید راستہ یہی ہو سکتا ہے۔ جس موت کو بہرحال آنا ہے اگر
وہ کفارۂ سیئات بن کر آئے تو ہمارا رواں رواں جھوم کر کہیگا

دل کو سکون روح کو آرام آگیا
موت آگئی کہ دوست کا پیغام آگیا

آگے آپ نے فرمایا ہے

"آپ کے ذاتی حالات اور گھریلو معاملات کا
ہمیں اچھی طرح علم ہے اور اس کے بارے میں
ہمارے پاس کافی سے زیادہ مواد ہے جسے ہم
سر عام اچھال سکتے ہیں، لیکن اسے چونکہ پسند
نہیں کرتے اس لئے اب تک رکے ہوئے ہیں"

اگر یہ گرامی نامہ جمعیۃ الطلباء کے ارباب حل و عقد کی صوابدید
اور مرکزی کمیٹی کی زیر نگرانی مرتب ہوا ہے تو ہمیں کہنے دیجئے کہ جو
حسن ظن ہمیں جمعیۃ الطلباء کے فہم و فراست اور تہذیب سے قائم
ہوا تھا اسے اس خاص حصہ خط نے بڑا صدمہ پہنچایا ہے

اس سے قطع نظر کہ اس دھمکی کی حقیقت کیا ہے، اگر سچ مچ بھی ہم بیہودہ ناکسوں کے بعض تیج مکروہ حالات کا علم آپ حضرات کو ہوتا تب بھی ایک بھاری بھرکم ذمہ دار جماعت کی حیثیت میں اس طرح کی تہدید آپ کے شایان شان نہ تھی۔ چلئے آپ نے اسی کو اپنی شان کے مطابق سمجھا تو ہمیں کچھ گلہ نہیں۔ ہم صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ ہماری اور ہمارے گھر والوں کی زندگی کھلی کتاب کی مانند ہے، کوئی ہولناک پہلو اگر آپ حضرات کے سامنے آیا ہو تو بلا تامل اسے اچھال کے رکھدیں۔ اپنی دھمکی کو آپ نے ہمارے آئندہ طرز عمل پر موقوف کیا ہے۔ ہماری تمنا ہے کہ اس توقف کو رہنے دیں اور آئندہ ہماری تحریروں سے آپکو شکایت پیدا نہ ہو تب بھی اس مواد کو ضرور کوچہ و بازار میں رکھنے کی تکلیف فرمائیں جو آپ کے پاس "کافی سے زیادہ" جمع ہے، ہمیں اپنے گھریلو حالات کے کسی مکروہ گوشے کا اگر علم واحساس نہیں ہے تو آپ کے ذریعہ اس بیخبری کا ازالہ باعث تشکر ہوگا۔ اور جو عوام وخواص ہمارے خانوادے سے آج بھی گہرا حسن ظن رکھتے ہیں انھیں اپنی غلطی پر انتباہ ہو جائے گا۔

"طلباء سے چھیڑخانی" کی بات ہماری ناقص فہم میں نہیں آئی۔ تجلی سب کے سامنے ہے کوئی انگلی رکھ کر بتائے کہ یہیں وہ فقرے جو "طلباء سے چھیڑخانی" کی غمازی کرتے ہیں۔ طلباء سے ہم کیا چھیڑخانی کریں گے جبکہ ہم خود بھی آپ ہی کی طرح یہاں کے طالب علم رہے ہیں اور آج بھی دارالعلوم سے منتسب ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ہماری عرض ومعروض کا رخ ہمیشہ اپنے اساتذہ کی طرف رہا ہے یا پھر ان کی طرف جو دارالعلوم کے بگاڑ اور سدھار کے ذمہ دار ہیں۔ علاوہ ازیں پہل ہم نے کبھی نہیں کی۔ ذاتی تضحیک وتشہیر سے ہمیں دلچسپی ہوتی تو ہمارا قلم صرف اسی وقت حرکت میں نہ آتا جب ہمارے اکابر کی طرف سے ابتدا ہوتی بلکہ ہم سال کے بارہ مہینے میں ہر وقت اپنا ارمان پورا کر سکتے تھے۔ بشرطیکہ وہ ہوتا۔ لیکن تجلی کے صفحات گواہ ہیں کہ عام حالات میں ہم کبھی شخصی وذاتی معاملات سے واسطہ نہیں رکھتے اور علمی مباحث کے ذیل میں بھی صرف ایسی ہی "ذاتیات" تک جاتے ہیں جن کا رشتہ قوم وملت کے سود وزیاں

جڑا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں ہمارا منشا کسی ذات خاص کی تحقیر ودل آزاری نہیں ہوتا بلکہ ہمارے نزدیک چونکہ دارالعلوم کسی کی ذاتی جائداد نہیں، کسی کی پرائیویٹ کمپنی نہیں۔ کسی کی نجی ملکیت نہیں بلکہ قومی وملی سرمایہ ہے اور [illegible] سفید و سیاہ سے دلچسپی لینا عامۃ المسلمین کا حق ہے۔ افسوس ان لوگوں کا تو ضرور حق ہے جنھوں نے اسی کی خاک سے [illegible] فکری لب ولہجہ کی آرائش کی ہے، جنھوں نے اس سے [illegible] دولت لی ہے، جو اس [illegible] بیٹوں [illegible] دل کی تڑپ کاغذ پر انڈیل دیتے ہیں [illegible] الٹنے کے اس عمل میں لفظ وبیان کے [illegible] ہو گئے ہوں اور ہمارے طرز تحریر پر قابل گرفت [illegible] رہ جائیں تو اس کے لئے ہم نے پہلے بھی تجلی ہی کے صفحات میں اظہار ندامت کیا ہے اور اس وقت بھی [illegible] ارادہ رکھتے ہیں کہ آئندہ اشہب خامہ کو [illegible] زیادہ تلقین کریں گے۔

"بزدلوں کا سا طریقہ" آپ نے [illegible] واضح نہ ہو سکا۔ ہم نے تو ہمیشہ نام لیکر اور کھلی تنقید کی اور میدان میں آنے کی دعوت آپ اس شخص کو دیتے ہیں جس پر سب سے بڑا الزام ہی یہ ہے کہ وہ میدان میں کود پڑنے کا [illegible] "بالمشافہ گفتگو" اگر آپ نے دھمکی کی اسپرٹ میں کہا ہے تو ہمارا جواب وہی ہے جو ہم پیچھے دے آئے [illegible] ہمیں کوئی لاگ نہیں۔ نہ ہمارا روئے سخن ان کی طرف [illegible] ہے، بلکہ ہمیں تو یہ خوش گمانی ہے کہ [illegible] ہے جو پرخلوص اتحاد اور صحت مند فکر وعمل سے [illegible] ان خرابیوں کی اصلاح کر سکتی ہے جو ہمارے ذکر و بیان کی محتاج نہیں۔

لیکن اگر متانت کی سطح پر یہ بات کہی گئی ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم تو جو کچھ کہتے رہے ہیں وہ چھپ کر [illegible] کے سامنے آتا رہا ہے اس پر کوئی بھی بالمشافہ گفتگو [illegible] سکتی ہے۔ اس پر اثر ڈالنے کا تو واحد راستہ یہ ہے کہ [illegible] ہمارا اردو پریس [illegible] —

اس میں خلاف مصلحت سمجھیں تو تجلی حاضر ہے۔ آپ کی تحریر اگر معیار صحافت کے مطابق ہوئی تو ہمیں اپنا ہی ردا پنے ہی پرچے میں چھاپنے سے احتراز نہیں، لیکن اگر تحریر مناسب نہیں سمجھتے تو عاجز ہر مختلف فیہ مسئلہ میں ہر اس شخص یا جماعت سے رد و ردّ گفتگو کرنے کو ہر وقت تیار رہے، جسے آپ منتخب کریں۔ شرط یہ ہے کہ دونوں اپنے متفق علیہ جج (حَکَم) موجود ہوں جو گفتگو کو کج بحثی فساد اور جدل کی حد میں نہ جانے دیں بلکہ شخصیات کی رعایت کے بغیر نفس دلائل پر عادلانہ فیصلے دے سکیں۔

اور اگر آپ کا مقصد علمی بحث نہیں بلکہ "مسجد سے نکالنے تک" کے مطالبہ کی طرف اشارہ ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے ذیل میں ہمیشہ ہی تمثیلی چیزیں آتی رہتی ہیں۔ تمثیل نہ کو آزمیں جھگڑا لڑنا، گوارنا اگر آنجناب کے نزدیک بزدلی ہے تو ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اس موضوع کا قلم کار ہمیشہ سے بزدل ہے، اسکی بزدلی "خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں" کا سہارا دس بارہ سال سے لے رہی ہے، آئندہ بھی وہ بزدل ہی رہے گا۔ اسے فی الاصل اشخاص و افراد سے کوئی بحث نہیں جو صاف نام سے ان اعمال و افعال سے تعرض ہے جو اسلامی تعلیمات کے منافی اور اخلاق و کردار کی ضد ہیں۔ وہ کبھی طلبار کی دل آزاری کا ارادہ نہیں کرتا نہ کسی کی عزت و حرمت سے کھیلتا ہو۔ اس کے ساتھ یہ ستم ظریفی بھی بارہا ہوتی ہے کہ تمثیل پیش کرتے ہوئے جن ہستیوں کا تصور تک اس کے ذہن میں نہیں ہوتا انھی میں سے بعض ہستیوں کو کچھ لوگ ممثل نہ قیاس کر لیتے ہیں، اور کسی کی ٹوپی کسی کے سر اڑھا دی جاتی ہے۔ اس طرح ناکردہ گناہوں کا داغ بھی اسکے دامن پر لگ جاتا ہے۔ آپ مطمئن رہیں وہ ادنیٰ درجہ میں بھی آپکی دل آزاری کا خواہاں نہیں۔ پھر بھی آئندہ اگر آپ کو اس کی تحریر دل خراش محسوس ہو تو دو صورتیں ہیں، یا تو اس کو مطلع فرما دیں کہ تیری فلاں تحریر قابل گرفت ہے۔ یا پھر اس سے اپنے مرتبۂ عالیہ کی سبکی محسوس ہو تو سیدھے سیدھے گلا گھونٹ دیں۔ اب تک تو یہ گمان رہا ہے کہ اس کی موت کسی بدعتی کے ہاتھوں آنی ہے، لیکن اگر دوستوں ہی کے ہاتھوں یہ کار خیر انجام پاتا ہے تو مقدرات کو کون بدل سکتا ہے۔ وللہ عاقبۃ الامور

آپ نے "سخت تاکید"۔ "سخت غم و غصہ" اور "نہایت سختی کے ساتھ" جیسے الفاظ تحریر فرمانے کی جو زحمت کی ہے اس کی ضرورت بالکل نہیں تھی۔ اس عاجز کے لئے آپ کی نرم تاکید اور شیریں فہمائش بھی اتنی ہی مؤثر ہوتی جتنی موجودہ فہمائش، تخویف اور تہدید کے عوض آپ ایک بار حلم و رأفت کو بھی آزما دیکھئے تو ان شاء اللہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ آپ کا مخاطب تشدد و تنفر سے کہیں زیادہ محبت و اخوت کا بندہ ہے۔ ہزار آدمی ایک یکہ و تنہا فرد کو دھمکی دیں اور ڈانٹ سنائیں یہ منظر اتنا قابل رشک نہیں ہے جتنا یہ منظر کہ طاقت والے مسند اقتدار پر بیٹھ کر بھی حسن اخلاق کا کرشمہ دکھلائیں۔ آپ حضرات کو اس نا چیز سے کتنا ہی تنفر ہو اور جو سلوک چاہے اس سے کر گزریں لیکن یہ کبھی فراموش نہ فرمائیں کہ آپ کی جمعیۃ الطلبار اس اسلامی اخلاق کی نمائندہ ہے جس کی نسبت دارالعلوم کی طرف کی جاتی ہے۔ آپ عام عثمانی نہیں ہیں کہ اس کی خطائیں ایک فرد کی خطائیں سمجھ لی جائیں۔ آپ دنیا کی معظم ترین دینی درسگاہ کی کلی متاع ہیں۔ آپ قوم کا مکھن ہیں۔ آپ من حیث المجموع کو وقار و عظمت ہیں، آپ جماعتی حیثیت سے جو کچھ کریں، لکھیں یا کہیں اسے ارفع و اعلیٰ اور ممتاز و نمایاں ہونا چاہئے۔ آپ بھی اگر تحریر و تقریر کے اعلیٰ نمونے اور حسن اخلاق کے دلپذیر خاکے نہ پیش فرما سکے تو بے ادب کس سے ادب سیکھیں گے۔ بے تمیز کہاں سے تمیز لائینگے، آپکے مکتوب سے فدوی کو بہت مسرت ہوئی۔ یہ مسرت اور بڑھ جاتی اگر اس کے طرز نگارش سے حسن تحریر کا کوئی سبق مل سکتا۔ آئندہ آپ جو کچھ لکھیں، جو کچھ کہیں اسے صورتی و معنوی دونوں اعتبار سے ارفع و اعلیٰ ہونا چاہئے۔ حتیٰ کہ اگر آپ ملا ابن العرب مکی یا ایڈیٹر تجلی جیسے کسی مقہور کو قتل بھی کریں، تو قتل کا انداز قابل رشک اور آلۂ قتل فرید و وحید ہونا چاہئے تاکہ دیکھنے والے بے اختیار پکار اٹھیں

نظر لگے نہ کہیں ان کے دست و بازو کو!

ایک آخری بات خدمت اقدس میں اور عرض کرنی ہے کیا دل آزار اور اہانت انگیز تحریریں لکھنا ہمارے ہی لئے جرم ہے یا اوروں کو بھی اس جرم میں ماخوذ کیا جا سکتا ہے؟ اگر کیا جا سکتا ہے

تو کیا آپ نے حضرت مہتمم صاحب کی کتاب ملاحظہ کی ہے جسکے سب سے پہلے ہی سرنامے میں حریفوں کو "اطفال" قرار دے ڈالا گیا ہے، اور جس کے شروع ہی کے دو صفحوں میں ان کے عالی مقام صاحبزادے نے اپنی دسترس کی آخری حد تک حریفوں کو بد سے بدتر اور ذلیل سے ذلیل الفاظ کا ہدف بنا ڈالا ہے۔ محمود احمد عباسی کی ٹھوس علمی و تحقیقی کتاب کو "رسوائے زمانہ" کہنا ہی کیا کم توہین آمیز تھا کہ وہیں سطر بسطر اسے "انتہائی گمراہ کن" اور "بہر لحاظ غلط" فرمایا گیا۔ اور پھر اس کتاب سے کلی یا جزئی اتفاق رکھنے والوں کو کھلے تنابز بالالقاب کا نخچیر بنا کر یعنی "یزیدی" کہہ کر ان کے موقف کو نفسانیت پیچ ٹھیرایا گیا۔ اس کے بعد کتاب مذکور کے لئے "بیہودہ" اور "لچر" کے الفاظ رقم کئے گئے۔

فرمائیے ان ترک تازیوں کو آپ تہذیب و متانت کا مظہر سمجھتے ہیں؟ کیا ان کے نامناسب اور بازاری اور شنیع و ذلیل ہونے میں آپ کو کلام ہے؟ کیا ان میں تہذیب و شائستگی اور علمی رنگ کے وہی اوصاف موجود ہیں جن کا آپ ہم سے مطالبہ کر رہے ہیں۔ اگر نہیں تو عدل کا تقاضا ہے کہ ایک ذراسی نامہ آپ صاحبزادے موصوف کی خدمت میں بھی ارسال فرمائیں کہ اپنے والد محترم کی توصیف بجا مگر دوسروں کی تذلیل و اہانت درست نہیں، دوسرے بھی عزت نفس رکھتے ہیں اور ان کے معتقدین بھی آپ کی اشتعال انگیزیوں سے چیں بچیں ہو سکتے ہیں۔ جو شخص دوسروں پر پتھر پھینکے گا اس کا شیشہ محل جوابی پتھروں سے بچ جائے گا؟

واقعہ یہ ہے کہ جون کے تجلی میں ہماری تند کلامیاں بڑی حد تک نتیجہ ہیں اسی اقدام کا کہ مہتمم صاحب کی کتاب کو بردباری کے ساتھ پیش کرنے کی بجائے ایک للکار ایک تعلّی ایک پرغرور آوازہ بنا کر بے حد طنطنے، دعوے اور کبر و نخوت کیساتھ پیش کیا گیا ہے، یہ ڈنکے کی چوٹ هل من مبارز کا نعرہ ہے جس کے جواب میں

من دگر زو میدان و افراسیاب

کار جز سنگر کسی کا برا فروختہ ہو جانا اعتدال نہیں جانبداری ہے

اگر آنجناب کی قوت فیصلہ صاحبزادے موصوف کی پیش قدمی اور جارحیت کو تہذیب و متانت ہی کے دائرے میں رکھتی ہے تو پھر خدارا ہماری تحریروں میں سے ان کلمات کو چھانٹ کر بتائیں جو ان کے کلمات سے بڑھکر شنیع و رکیک محسوس ہوئے ہوں۔

مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

فقط والسلام۔　　عامر عثمانی

(از مولانا تاج محمود صاحب)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

۳

نمونۂ پنجم

رسالہ کشف حقیقت کے صفحہ ۲۶ پر فرمایا گیا

" مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے۔" (تنقیحات صفحہ ۲۲۲)

دوسرے ایک بزرگ نے اپنے ارادتمندوں کے قطع و برید کرکے بھیجے ہوئے اقتباسات پر ان الفاظ فتویٰ صادر کیا

" وہ (جماعت اسلامی) قرآن شریف کی تفسیر بالرائے کی قائل ہے۔ ہر وہ پروفیسر جو کالج اور یورپ اور ان کی نئی روشنی کا حامل اور تھوڑی بہت عربی زبان سے واقف ہے ان کے نزدیک یہ حق رکھتا ہے کہ اپنی رائے اور اپنے مذاق سے تفسیر کرکے مسلمانوں کے لئے مشعل راہ بنے۔" (مکتوبات ہدایت صفحہ ۷)

" کشف حقیقت " کی مذکورہ عبارت میں تو غنیمت ہے " اعلیٰ درجہ " کا لفظ آہی گیا لیکن مکتوبات ہدایت میں پروفیسر کا یہ وصف بھی ختم ہوا اور " تھوڑی بہت عربی زبان سے واقفیت " تک نوبت پہنچی۔ پھر یہ بھی ان اقتباسات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی کی طرف جس قول و عقیدے کا انتساب کیا جا رہا ہے وہ کسی خاص محل، خاص موقعہ کے لئے نہیں بلکہ عمومیت کے ساتھ وہ اسی کے علمبردار ہیں۔

لیکن حقیقت کیا ہے اور کس سیاق و سباق میں مولانا مودودی نے کیا کہا تھا اسے ملاحظہ فرمائیے۔

علی گڑھ یونیورسٹی کا نام کس نے نہیں سنا۔ سب جانتے ہیں کہ یہ یونیورسٹی عربی کی نہیں انگریزی کی یونیورسٹی ہے اس کا تمام تر نصاب ویسا ہی ہے جیسا انگریزی اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے اور دینیات کی تعلیم اس میں محض ایک ضمنی شعبے کی حیثیت رکھتی ہے ایک مرتبہ اسکی مجلس اصلاح نصاب دینیات نے کچھ سوالات کئے تھے جن کا تعلق اس بات سے تھا کہ یونیورسٹی کے ماحول، اس کی تعلیمی پالیسی اور لائحہ عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے دینیات کی تعلیم میں کچھ مفید مشورے دیئے جائیں۔ ان سوالات کے جواب میں مولانا مودودی نے جو کچھ کہا وہ درج ذیل ہے۔

" کالج میں جو زبان ذریعہ تعلیم ہے اس کے بعد صرف عربی زبان ہی لازمی ہونی چاہیئے اگر نصاب اچھا ہو اور پڑھانے والے آزمودہ کار ہوں تو انٹرمیڈیٹ کے دو سالوں میں طلبہ کے اندر اتنی استعداد پیدا کیجا سکتی ہے کہ وہ بی اے میں پہنچ کر قرآن کریم کی تعلیم خود قرآن کی زبان میں حاصل کر سکیں قرآن کیلئے کسی تفسیر کی ضرورت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہو اور جو طرز جدید پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو۔ وہ اپنے لیکچروں سے انٹرمیڈیٹ میں طلبہ کے اندر قرآن فہمی کی ضروری استعداد پیدا کرے گا پھر بی۔ اے میں انکو پورا قرآن اس طرح پڑھائے گا کہ وہ عربیت میں بھی کافی ترقی کر جائینگے اور اسلام کی روح سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں گے۔ ایسے پروفیسر تلاش کیئے جائیں (اور وہ ناپید نہیں ہیں) جو علوم جدیدہ کے ماہر ہونے کے ساتھ قرآن اور سنت میں بھی بصیرت رکھتے ہوں جن میں اتنی اہلیت ہو کہ مغربی علوم کے حقائق کو ان کے نظریات اور ان کی وجدانی اساس سے الگ کرکے اسلامی اصول و نظریات کے مطابق مرتب کر سکیں۔"

(ملاحظہ ہو تنقیحات صفحہ ۲۲۲ تا ۲۲۳)

اب موازنہ کیجئے کہ بات کس موقعہ پر کن سے مخاطب ہو کر کیوں کہی گئی تھی اور معترضین نے اسے کیا سے کیا بنا دیا۔ ظاہر ہے کہ جس یونیورسٹی میں " دینیات " کی تعلیم محض ضمنی و ثانوی حیثیت رکھتی ہو اور تمام تعلیمی دور میں سے بمشکل ہی اس کے لئے کچھ قلیل وقت مخصوص کیا جا سکتا ہو وہاں اس کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ قرآن کے ساتھ دیتے دیتے

تفسیروں کے سبق بھی پڑھانے جایا کریں۔ وہاں تو صرف یہی سوال حل طلب ہے کہ تھوڑے سے وقت میں زیادہ سے زیادہ دینی واقفیت اور اسلامی مذاق و مزاج کیونکر پیدا کیا جائے۔ اس سوال کا بہتر سے بہتر حل اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا جو مولانا مودودی نے پیش کیا۔ لفظ "پروفیسر" کے ساتھ ملحدانِ یورپ اور ان کی نئی روشنی کا جو اضافہ "ذیلی توضیحات" میں کیا گیا وہ لائق دید ہے۔ دراصل معترضین نے بات کے پس منظر کو تو دبا لیا اور تاثر یہ دینا چاہا کہ قرآن و حدیث کی جو تعلیم علمائے کرام دیتے آ رہے ہیں مولانا مودودی اسے ٹھیک نہیں سمجھتے بلکہ ان کے نزدیک علماء کی جگہ پروفیسروں کو لے لینی چاہئے اور سلف کی پیش فرمودہ تفسیروں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے ہی دماغ سے من مانی تفسیر پیش کرنی چاہئے۔

لیکن حقیقت جو کچھ تھی وہ آپ کے سامنے ہے۔ گفتگو عام مدارس اور تعلیم گاہوں کی نہیں تھی ایک ایسی یونیورسٹی کی تھی جہاں علمائے کرام کی عملداری نہیں بلکہ مغربی علوم پڑھنے پڑھانے والے پروفیسروں اور لیکچراروں کا راج ہے۔ یہ مرحلہ درپیش نہیں تھا کہ دینی تعلیم پروفیسر دیں یا ان کی جگہ علمائے کرام لا کر رکھے جائیں بلکہ صرف یہ سوال سامنے تھا کہ یونیورسٹی کی تعلیمی پالیسی، ماحول، طرز و انداز اور لائحہ عمل وغیرہ کو جوں کا توں رکھتے ہوئے کونسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ مغربی علوم پڑھنے والے طلباء کے ذہنوں میں مغربی تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ دینی معلومات بھی عمدگی کے ساتھ ڈالدی جائیں۔

اس صورت حال میں جو بہتر سے بہتر مشورہ دیا جا سکتا تھا کیا وہ اس کے سوا بھی کچھ ہو سکتا تھا جو مولانا مودودی نے دیا؟ کیا اس مکروہ عقیدہ و رائے کی پرچھائیں تک مولانا مودودی کے قول میں ملتی ہے جسے معترضین نے مشتہر کیا ہے؟

نمونہ ہشتم پاکستان کے ایک معروف بزرگ جنکی درسگاہِ تصوف سے ہزاروں مسلمان فیضیاب ہو رہے ہیں۔ مولانا مودودی کی کتابوں سے فقرے اور الفاظ و کلمات قطع و برید کر کے اشتعال انگیز اور ہولناک عنوانات قائم کرنے میں بڑے ماہر ہیں۔ انھوں نے کتاب لکھی

"حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب"

یہ کتاب اپنے مطالب، انداز تحریر اور لب لہجے کے اعتبار سے ایسی وحشتناک ہے کہ یقین نہیں آتا کسی سنجیدہ اور ذمہ دار قلم سے اس کا صدور ہو سکتا ہے۔ شروع سے آخر تک تلبیس و تحریف کا تماشا ہے۔ چند عنوانات ملاحظہ ہوں۔

(۱) مودودی صاحب محمدی اسلام کا ایک تنقید نگر ہے۔ (ص ۲)

(۲) مودودی صاحب کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلط باتیں فرمایا کرتے تھے (ص ۳)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غلط بیانی کا بہتان (ص ۱۹)

اس مشتے نمونہ از خروارے کے ذیل میں بطور دلیل و شہادت جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ سطحی اور بے اساس میں اپنی نظیر آپ ہے۔ یہی بحث کا یہ محل نہیں۔ صرف اندازہ کرنے کے لئے وہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے جو عنوان نمبر ۲ و ۳ کے تحت دیا گیا ہے۔

"یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں جنکی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے ان چیزوں کی تلاش کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ عوام میں اس قسم کی جو باتیں مشہور ہیں ان کی کوئی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے اور ان میں سے کوئی چیز اگر غلط ثابت ہو جائے تو اس سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔"

یہ عبارت بے شک مولانا مودودی ہی کی ہے لیکن سیاہ کو سفید اور شیریں کو تلخ دکھانے کا جو تصوف انگیز کارنامہ اس کے ذریعہ انجام دیا گیا ہے اس کی داد آپ اسی وقت دے سکیں گے جب ترجمان القرآن جلد ۲۷ عدد ۳-۴ ص ۸۸-۸۹ اٹھا کر دیکھیں۔ اس میں کسی صاحب نے سوال کیا ہے۔

"قرآن و حدیث میں بہت سے ایسے امور بیان ہوئے ہیں جنھیں زمانہ حال کی تحقیق غلط قرار دیتی ہے اس صورت میں ہم قرآن و حدیث کو مانیں یا علمی تحقیق کو؟ کانا دجال کے متعلق مشہور ہے کہ وہ کہیں مقید ہے تو آخر وہ کونسی جگہ ہے۔ آج تو دنیا کا کونہ کونہ انسان نے چھان مارا ہے پھر کیوں کانے دجال کا پتہ نہیں چلتا۔"

اس سوال کے جواب میں مولانا مودودی صاحب حسب ذیل جواب دیتے ہیں

"مجھے تو اپنی پچیس سالہ علمی تحقیق و تفتیش کے دوران میں آج تک ایک مثال بھی ایسی نہیں ملی ہے کہ سائنٹفک طریقے سے انسان نے کوئی حقیقت ایسی دریافت کی ہو جو قرآن کے خلاف ہو۔ البتہ سائنس دانوں یا فلسفیوں نے قیاس کے جو نظریے قائم کئے ہیں۔ ان میں سے متعدد ایسے ہیں جو قرآن کے بیانات سے ٹکراتے ہیں لیکن قیاسی نظریات کی تاریخ خود اس بات پر شاہد ہے کہ ایک وقت میں جن نظریات کو حقیقت سمجھ کر ان پر بہار لایا گیا۔ دوسرے وقت خود ہی وہ نظریات ٹوٹ گئے اور آدمی نے کسی دوسری چیز کو حقیقت سمجھنے لگا ایسی ناپائیدار چیزوں کو ہم یہ مرتبہ دینے کے لئے تیار نہیں کہ قرآن کے بیانات سے ان کی پہلی ٹکر ہوتے ہی قرآن کو چھوڑ کر ان پر ایمان لے آئیں۔"

اس کے بعد مولانا نے سائنس کے متعلق مختلف نظریات کو قرآنی حقائق کے مقابلہ میں غلط ثابت کیے سائنس کے اس گمان کے بارے میں کہ دجال کہیں مقید ہے تحریر فرمایا کہ

"یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں جنکی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ ان چیزوں کی تلاش کرنے کی ہم کوئی ضرورت بھی نہیں۔ عوام میں اس قسم کی جو باتیں مشہور ہیں ان کی کوئی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے"

اس کے بعد ترجمان القرآن جلد ۲ عدد ۳ میں مزید وضاحت کرکے لکھتے ہیں۔

"میں نے جس چیز کو افسانہ قرار دیا ہے وہ یہ خیال ہے کہ دجال کہیں مقید ہے باقی رہا یہ امر کہ ایک بڑا فتنہ پرداز (الدجال) ظاہر ہونے والا ہے تو اس کے متعلق احادیث میں جو خبر دی گئی ہے میں اس کا قائل ہوں اور ہمیشہ اپنی نماز میں وہ دعا ماثورہ پڑھا کرتا ہوں جس میں منجملہ دوسرے تعوذات کے ایک یہ بھی ہے کہ

اعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال" (رسائل و مسائل ج۱)

دیکھا آپ نے، مولانا مودودی تو دین حق کے ایک دیانتدار سپاہی کے انداز میں باطل نظریات کی ہزیمت اور دینی حقائق و تعلیمات کی فتح کا پرچم اڑا رہے ہیں وہ نئے دور کے متاثر ذہنوں کو قرآن و حدیث کی حقانیت کا یقین دلا رہے ہیں لیکن معترض بزرگ سیاق و سباق کو حذف کرکے انھیں ایسی پوزیشن میں دکھانا چاہتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ ان لوگوں کا اپنا حال تو یہ ہے کہ نہ علوم جدیدہ سے واقف۔ نہ عصری تقاضوں سے باخبر۔ نہ اس کے لئے بے چین کہ نئی نسلوں کے دل و دماغ میں جو زہر علوم جدیدہ بھر رہے ہیں ان کا توڑ کیوں کر ہو، نہ مغربی فلسفہ و منطق کی تکنیک سے آگاہ۔ ان کی بلا سے امت مسلمہ کسی بھی غار میں گر پڑے۔ انھیں اپنے مخصوص دائرۂ ارادت میں من چاہا نظام ارشاد و بیعت چاہیئے بس اب ظاہر ہے کہ مولانا مودودی تو ان کی پیروی نہیں کرسکتے غنیمت تھا اگر یہ حضرات دوسروں سے نہ الجھتے اور اپنا کام جاری رکھتے لیکن الجھنا یوں پڑا کہ مولانا مودودی کی چلائی ہوئی تحریک جہاں طاغوت کے خرمن پر برق بن کر گرتی ہے وہیں ان حضرات کے بہت سے اعمال و اشغال بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں اور طریقت و تصوف کی جو دکان انھوں نے سجا رکھی ہے اس کی رونق پر بھی حرف آتا ہے۔

نمونہ ہفتم سنہ ۵۵ء کے اواخر کی بات ہے کہ کسی اللہ کے بندے نے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کو ایک عبارت لکھ بھیجی کہ اس کے بارے میں فتویٰ صادر کیا جائے دارالعلوم کے مفتیوں نے گمان کیا کہ ہو نہ ہو یہ عبارت مولانا مودودی کی ہوگی۔ بس پھر کیا تھا۔ فتویٰ صادر کیا گیا

"انبیاء علیہم السلام معاصی سے معصوم ہیں ان کو مرتکب معاصی سمجھنا (العیاذ باللہ) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ نہیں، اس کی وہ تحریر خطرناک بھی ہے اور عام مسلمانوں کو ایسی تحریرات کا پڑھنا جائز بھی نہیں۔"

فقط واللہ اعلم سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

جواب صحیح ہے۔ ایسے عقیدے والا کافر ہے۔ جب تک وہ تجدید ایمان نہ کرے۔ اس سے قطع تعلق کریں۔ مسعود احمد

ئق مطالعہ کتابیں

کتابیں طلب کرنے والے چند باتوں کا لحاظ ضرور رکھیں

(۱) تحریر اتنی صاف ہو کہ آرڈر کی تفصیل اور آپ کا پتہ پڑھنے میں دشواری نہ ہو (۲) مجلد اور غیر مجلد کی بھی وضاحت کر دیجئے (۳) تقریباً بیس روپے سے زائد کتابیں منگانے کی صورت میں ریلوے پارسل ہی کفایت رہتی ہے۔ اگر یہ کفایت مطلوب ہو تو اپنا اسٹیشن لکھئے۔ پارسل ریل سے اور بلٹی کی رسید ڈاکخانہ سے وی پی بھیجی جائے گی (۴) اگر آپ نئے نئے خریدار ہیں تو بیس روپے یا اس سے زائد کے آرڈر پر کچھ روپے پیشگی روانہ فرمائیے جنھیں وی پی میں کم کر دیا جائے گا (۵) ڈاکخانہ سے وی پی کی اطلاع ملتے ہی چھڑا لیجئے، دیر کرنے سے واپس ہو جاتی ہے۔

قرآن مترجم

قرآن بدو ترجمہ (۱) شاہ رفیع الدینؒ (۲) مولانا اشرف علیؒ۔ متوسط سائز میں مجلد کریچ کا ھدیہ ساڑھے بارہ روپے۔ بہت بڑے سائز میں مجلد کا ہدیہ پچیس روپے (اس کی لکھائی بہت جلی ہے)

قرآن بیک ترجمہ مولانا اشرف علیؒ۔ مجلد کریچ کا ھدیہ ساڑھے دس روپے

قرآن کی تفسیریں

تفسیر ابن کثیر احادیث کی روشنی میں آیات کا مفہوم ظاہر کرنے والی وہ تفسیر جو دنیا بھر میں مشہور و مقبول ہے۔ ترجمہ سلیس، لکھائی چھپائی پسندیدہ۔ پانچ جلدوں میں مکمل ہدیہ مجلد پچپن روپے۔ کوئی بھی جلد علیحدہ نہ مل سکے گی۔

تفسیر موضح القرآن شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کی یہ تفسیر اردو تفاسیر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے کلاں سائز۔ ہدیہ مجلد اعلیٰ بیس روپے۔ غیر مجلد سولہ روپے۔

تفسیر بیان القرآن مولانا اشرف علیؒ کی یہ عظیم تفسیر اپنا جواب آپ ہے۔ دو قسموں میں مہیا کی جا سکتی ہے

● بہت بڑا سائز۔ بارہ حصوں میں مکمل۔ ہدیہ غیر مجلد ساٹھ روپے۔ دو جلدوں میں مجلد ستر روپے۔

● تجلی جیسا سائز تیس پاروں میں مکمل غیر مجلد ساٹھ روپے۔ پانچ جلدوں میں مجلد پینسٹھ روپے۔ دوسری قسم کا ہر پارہ الگ بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ فی پارہ دو روپے۔

تفسیر حقانی مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کی تفسیر نایاب ہو گئی تھی۔ اب ہر ماہ ایک پارہ چھپ رہا ہے اب تک ۲۸ پارے چھپ چکے ہیں۔ فی پارہ دو روپے (صرف پارہ اوّل چھ روپے جو تین حصوں پر مشتمل ہے)۔

تفہیم القرآن اوّل و دوم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ عظیم الشان تفسیر جو غیر ضروری تفصیلات سے بچاتے ہوئے آپ کو براہِ راست مغز قرآن تک پہنچاتی ہے۔ دلنشیں، مستند اور ذہن میں اتر جانے والی۔ ابھی پہلی اور دوسری جلدیں فراہم کی جا سکتی ہیں۔ جلد اوّل مجلد ساڑھے بارہ [illegible] پندرہ روپے

علوم قرآنیہ

البیان فی علوم القرآن مشہور "تفسیر حقانی" کے مصنف مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کی عظیم الشان کتاب ہی ہے جس کی توصیف میں علامہ انور شاہ صاحبؒ جیسے علامہ نے یہ الفاظ لکھے کہ "اگرچہ اس کی نظیر ممکن ہے لیکن واقع نہیں"۔ خدا کی ذات و صفات، تناسخ، ملائکہ، جزاء و سزا، قبر، جنت، دوزخ

مکتبہ تجلی، دیوبند (یو۔ پی)

نبوت، ناسخ و منسوخ، استعارہ و کنایہ اور اختلاف قرأت کی بحثیں۔
صفحات ۶۳۸ کاغذ لکھائی چھپائی معیاری۔ قیمت چودہ[۱۴] روپے۔
مجلد پختہ سولہ روپے

قصص القرآن | قرآن کے بیان فرمودہ قصص پر لاجواب کتاب، عظیم معلومات کا خزانہ مستند اور محققانہ تفصیلات سے مالامال۔ حصہ اوّل آٹھ روپے۔ حصہ دوم چار روپے۔ حصہ سوم ساڑھے پانچ روپے۔ حصہ چہارم آٹھ روپے۔ مکمل سیٹ منگانے پر قیمت پچیس[۲۵] روپے ——— مجلد مطلوب ہوں تو ایک پختہ جلد پر ڈیڑھ روپیہ

لغات القرآن | قرآنی لغات کی تشریح آسان زبان میں۔ جو لوگ قرآن کو بلا ترجمہ سمجھنے کی خواہش اور شوق رکھتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔ مجلد چار روپے۔

عظیم لغات القرآن | چھ ضخیم جلدوں میں۔
حصہ اول حصہ دوم
حصہ سوم حصہ چہارم حصہ پنجم
حصہ ششم

علم الحدیث

مسند امام اعظمؒ (اردو مع عربی) | امام الفقہ حضرت ابوحنیفہؒ کا مرتب کردہ ۵۲۳ احادیث کا مجموعہ (مولانا عبد الرشید نعمانی کے بیش بہا، پُر مغز اور مبسوط مقدمے کیساتھ)
ہدیہ مجلد آٹھ روپے

مؤطا امام مالکؒ (مترجم عربی مع اردو) | احادیث و آثار کا وہ مجموعہ جو بخاری سے پہلے مرتب ہوا۔ ہدیہ بارہ روپے۔ مجلد کریج تیرہ روپے (مجلد اعلیٰ چودہ روپے

مؤطا امام محمدؒ (اردو مع عربی) | مقدمہ مولانا عبد الرشید نعمانی۔ مجلد آٹھ روپے

کتاب الآثار (اردو مع عربی) | امام محمدؒ کے مرتب کردہ نو سو آثار کا مجموعہ جسے امام ابوحنیفہؒ نے چالیس ہزار احادیث نبوی سے منتخب فرمایا (مقدمہ مولانا عبد الرشید نعمانی) ھدیہ مجلد آٹھ روپے۔

بخاری شریف (اردو مع عربی) | تین ضخیم جلدوں میں مکمل۔ مجلد پینتالیس[۴۵] روپے

بخاری شریف (صرف اردو ترجمہ) | تین جلدوں میں مکمل۔ مجلد ہدیہ چوبیس[۲۴] روپے
مجلد پختہ ستائیس[۲۷] روپے

مشکوٰۃ شریف (اردو مع عربی) | مکمل تین جلد و نمیں، مجلد ہدیہ چوبیس[۲۴] روپے۔

مشکوٰۃ شریف (صرف اردو) | دو جلد و نمیں مکمل۔ مجلد سولہ[۱۶] روپے (مجلد پختہ اٹھارہ[۱۸] روپے

ترمذی شریف (خالص اردو) | دو[۲] جلدوں میں مکمل مجلد کا ہدیہ سولہ[۱۶] روپے
(مجلد پختہ اٹھارہ[۱۸] روپے)

ابن ماجہ (اردو) | صحاح ستہ کی کتاب ابن ماجہ کا مکمل اور سلیس ترجمہ۔ شائقین حدیث کے لئے نادر تحفہ۔
صفحات ۶۶۰ ہدیہ مجلد بارہ روپے۔

سنن دارمی (صرف اردو) | حدیث کی مشہور کتاب۔ ہدیہ مجلد آٹھ روپے

مشارق الانوار (مترجم) | بخاری و مسلم کی صرف قولی احادیث کا نفیس انتخاب۔ ترتیب فقہی ابواب پر ہے جس سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ کونسا مسئلہ کس حدیث سے نکلا ہے۔ ترجمہ کیساتھ تشریح بھی اور عربی متن بھی۔ ہدیہ چودہ[۱۴] روپے۔ مجلد پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ سولہ[۱۶] روپے)۔

بلوغ المرام | مشہور امام فن حافظ ابن حجرؒ کی یہ کتاب بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور دیگر کتب معتبرہ سے منتخب کئے ہوئے دینی احکام کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ ترجمہ مع عربی متن
ہدیہ مجلد آٹھ روپے۔

صحیفۂ ہمام بن منبہ | بخاری و مؤطا امام مالک سے بھی قدیم وہ کتاب حدیث جو مشہور صحابی ابوہریرہؓ نے اپنے شاگرد ابن منبہ کے لئے مرتب کی۔ ہدیہ ساڑھے تین روپے
(مجلد ساڑھے چار روپے)

ترجمان السنۃ | احادیث کی بہترین تفہیم و تشریح پر مشتمل اردو زبان میں اپنی قسم کی واحد کتاب۔ اشتہار میں اس کی خوبیوں کا اجمالی تعارف بھی مشکل ہے بس

لطائف علمیہ۔ محدث ابن جوزیؒ کی کتاب "الاذکیاء" کا ترجمہ۔ مجلد پانچ روپے / شہادت حق۔ ۵/ حق و باطل۔ ۶/

سے تعلق رکھتی ہے۔ جلد اوّل دس روپے (مجلّد بارہ روپے) دوم نو روپے (مجلّد گیارہ روپے) جلد سوم ساڑھے دس روپے (مجلّد ...

انُ المحدثین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ایمان افروز کتاب کا اُردو ترجمہ۔ بلند پایہ محدثین کے ... اور خدمات و تالیفات کا پاکیزہ تذکرہ۔ مجلّد پانچ روپے

رف الحدیث از مولانا منظور نعمانی در دو جلد دس روپے بارہ آنے

ید بخاری بخاری کی ۲۱۸۰ منتخب احادیث کا مجموعہ۔ مجلد آٹھ روپے۔

ناب صحاح ستہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی کا پسندیدہ انتخاب۔ ہدیہ مجلّد پانچ روپے۔

یخ تدوین حدیث تدوین حدیث کب، کیونکر، کس انداز میں ہوئی؟ اس کا مدلل و مفصل ... معلومات کثیرہ کا خزینہ۔ ہدیہ ڈیڑھ روپیہ۔

م الحدیث فلسفۂ علم الحدیث کی عمدہ تحقیق۔ سوا روپیہ

... ات اور تذکرے

ح السیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تاریخی واقعات پر مشتمل، بیحد نفیس، مفصل، مستند اور دلچسپ تحقیقی کتاب "سیرۃ النبی" کی ضخیم مجلدات کے سوا اُردو میں کوئی ... ب سیرۃ اس کے پلّے کی نہیں۔ مجلد دس روپے۔

بات طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر یا ... آ سیرت۔ صوری و معنوی خوبیوں سے مزیّن۔ قیمت سوا دو روپے۔

ضرت صدیق اکبر رض رسول اللہ صلعم کے بعد سب سے بڑے انسان حضرت ابوبکر ... دیق رض کی مبسوط جامع اور ضخیم سوانح۔ از مولانا سعید احمد اکبرآبادی ... بت سات روپے۔ مجلّد آٹھ روپے (مجلّد اعلیٰ ساڑھے نو روپے)

لفاروق امیر المؤمنین خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح پر علامہ شبلی رح کی یہ کتاب

دنیا بھر میں مشہور ہے۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

ابوذر غفاری رض رسول اللہ صلعم کے بلند مرتبہ صحابی حضرت ابوذر غفاری کی مفصل سوانح مولانا مناظر احسن گیلانی کے قلم سے۔ قیمت مجلد دو روپے۔

سیرت عمر ابن عبدالعزیز رح اس جلیل القدر ہستی کی سوانح اور حالات جس کی خلافت کو اکثر علماء نے پانچویں خلافت راشدہ سے تعبیر کیا ہے۔ مجلّد تین روپے۔

حیات امام ابوحنیفہ یعنی سیرۃ النعمان علامہ شبلی رح کے قلم سے فقیہ اکبر امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رح کے مفصل حالات زندگی دلچسپ اور ایمان افروز۔ قیمت تین روپے (مجلّد چار روپے)

حیات امام احمد بن حنبل رح مصر کے مایۂ ناز محقق ابوزہرہ کی معرکۃ الآراء کتاب "ابن حنبل" کا نفیس اُردو ترجمہ۔ امام احمد رح پر یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ دس روپے

الغزالی رح امام غزالی رح پر مولانا شبلی نعمانی رح کی محققانہ تالیف جو آجکل کمیاب ہے (کاغذ رف) غیر مجلّد دو روپے۔

تذکرہ مجدد الف ثانی رح اُس عظیم مرد مومن کے حالات زندگی جس نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا جسے امتِ مسلمہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کرتی ہے۔ مجلّد چار روپے

محمد بن عبدالوہاب رح از مولانا مسعود عالم ندوی رح۔ بارھویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رح کی سیرت اور دعوت پر علمی و تحقیقی تصنیف۔ جس میں مشرق و مغرب کے تمام آخذ پوری طرح کھنگال کر غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ قیمت ڈھائی روپے

حیاتِ ولی شاہ ولی اللہ رح اور ان کے آباؤ اجداد اولاد اور اساتذہ کا تذکرہ۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

سیرت اشرف حکیم الامت مولانا اشرف علی رح کی مفصل سیرت صفحات ۷۱۵ مجلّد بارہ روپے۔

تجلیات عثمانی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح کی علمی زندگی کے مفصل حالات آپ کے علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، مناظرہ، تقریر، اُردو، فارسی، عربی ادب اور

...لماء اور اسلام - ۱۴/ر حقیقت کی تلاش - ۸/ر اسلامی نظام معیشت - ۸/ر معاش کا مسئلہ اہم کیوں ہوا - ۷/ر

سیاسیات پر سیر حاصل تبصرہ، بڑے ۱۱۲ صفحات، جلد پر حسین رنگا
گرد پوش۔ قیمت مجلّد ساڑھے دس روپے۔

تذکرہ مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب جو ان کے اپنے اور آباؤ اجداد کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ معلومات سے لبریز۔ قیمت مجلّد سات روپے۔

آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی مولانا ابو الکلام آزاد کی داستانِ حیات، جسے ان کے قریبی معتمد مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی نے املا کیا۔ قیمت چھ روپے

صحابیات صحابی عورتوں کے ایمان افروز حالات۔
مجلّد چھ روپے

ردِ شرک و بدعت

الوسیلہ امام ابن تیمیہؒ کی معرکۃ الآراء کتاب، جسمیں واضح کیا گیا ہے کہ "وسیلہ" کا کیا مطلب ہے اور اس کی شرعی حدود کیا ہیں؟ عجیب ایمان افروز۔ قیمت مجلّد نو روپے۔

تقویۃ الایمان (اُردو) شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی وہ مشہور زمانہ کتاب جس نے اہل بدعت میں ہلچل ڈالدی۔ قیمت چار روپے۔ (مجلّد پانچ روپے)۔

الشہاب الثاقب (اُردو) بدعات کے رد میں ایک مفید کتاب
قیمت ایک روپیہ بارہ آنے

کتاب التوحید رد شرک و بدعت میں شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کی نفیس کتاب۔ قیمت مجلّد تین روپے

بدعت کیا ہے؟ مولانا عامر عثمانی اور تین دیگر حضرات کے مضامین کا مجموعہ جو شرک و بدعت اور توحید و سنت کے فرق و امتیاز پر لاجواب مواد پیش کرتا ہے۔ مجلّد تین روپے

ردِ عقائدِ بدعیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس پر مفصل و مدلل بحث
قیمت ڈیڑھ روپیہ (مجلّد دو روپے)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات حضرت اسمٰعیل شہیدؒ پر اہل بدعت کے ہوائی الزامات کا کافی و شافی رد
ڈیڑھ روپیہ (مجلّد دو روپے)

فیصلہ کن مناظرہ مجلّد ڈیڑھ روپیہ۔

تصانیف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

الوسیلہ قرآن میں مومنین کو جس وسیلہ کا حکم دیا گیا ہے وہ کیا ہے؟ بے شمار معلوماتِ علمی و دینی کا خزینہ۔
قیمت مجلّد نو روپے

تفسیر آیتِ کریمہ بسم اللہ کے عجیب و غریب لطائف۔ برکات و مفادات۔ دیکھنے کے قابل۔ ہدیہ
تین روپے (مجلّد چار روپے)۔

اصول تفسیر شیخ الاسلام کے ایک قیمتی رسالہ کا اُردو ترجمہ۔ قیمت ایک روپیہ۔

مناسک حج حج اور مقام حج کے بارے میں محققانہ مواد
قیمت مجلّد تین روپے

تصانیف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ اللہ البالغہ کامل گوناگوں علوم دینیہ میں شاہ صاحبؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے
اُردو ترجمہ مع عربی۔ قیمت ہر دو حصہ مجلّد مکمل بتیس روپے۔

ازالۃ الخفاء کامل یہ وہی شہرہ آفاق کتاب ہے جس کا پورا نام "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" ہے۔ دو جلدوں میں کامل۔ اُردو ترجمہ سلیس۔ خلفائے راشدین کے بارے میں بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت مجلّد مکمل بیس روپے۔

تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفۂ تاریخ حضرت شاہ صاحبؒ کی معروف کتاب **ھمعات** کا اُردو ترجمہ۔ پونے تین روپے

سیرتِ رسولؐ سلیس اُردو ترجمہ۔ قیمت صرف دس آنے۔
(شاہ ولی اللہؒ کی مفصل سوانح بھی "حیاتِ ولی"
کے نام سے طلب فرما سکتے ہیں۔ مجلّد چھ روپے)

تصانیف مولانا اشرف علی

بہشتی زیور روزمرہ کے تمام دینی مسائل کا معتبر خزانہ

تاریخ دیوبند۔ مجلّد دو روپے / مولانا تھانوی کی مختصر سوانح۔ مجلّد دو روپے / رفیق سفر۔ چار آنے / آداب النبی ۸ / ۔

زمانے بھر میں مشہور ضخیم اور مبسوط۔ قسم اوّل مکمل و مدلل۔ مجلّد پندرہ روپے
قسم دوم مجلّد آٹھ روپے بارہ آنے (دونوں قسموں میں فرق یہ ہے
کہ قسم اول میں تو حاشیہ پر عربی کتب کے حوالے دیئے گئے ہیں اور
قسم دوم میں حوالے نہیں ہیں۔ اصل مضمون دونوں کا ایک ہے)

اصلاح الرسوم مسلمانوں میں رائج شدہ رنگ برنگی رسموں کی شرعی پوزیشن کیا ہے؟ اس کا تحقیقی جواب۔ مجلّد پونے دو روپے

تعلیم الدین دین کی تعلیم سے متعلق عمدہ تنبیہات و معلومات پر مشتمل۔ مجلّد ایک روپیہ بارہ آنے۔

حیات المسلمین مسلمانوں کی زندگی کے لئے لائحہ عمل۔ قیمت مجلّد ایک روپیہ بارہ آنے

دعوات عبدیت مولانا اشرف علیؒ کے مواعظ و خطبات کا مجموعہ جو عرصے سے نایاب تھا۔
فی حصہ پونے دو روپے (اب تک گیارہ حصے چھپ چکے ہیں)

التکشف تصوف کے لطائف و اسرار پر ایک ضخیم کتاب جس سے تصوف کے مالہ و ماعلیہ کا پتہ چلتا ہے۔
قیمت مجلّد دس روپے بارہ آنے۔

تقدیر کیا ہے؟ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے تقدیر کے مسئلے پر گفتگو کی گئی ہے۔ مجلّد سوا دو روپے۔

مناجات مقبول بحاشیہ مولانا عبد الماجد دریابادی۔ اس مقبول عام مناجات کا مقام و مرتبہ کون نہیں جانتا۔ مجلّد دو روپے۔

مولانا آزاد کی چند کتابیں

تذکرہ	مجلد	ساٹھ روپے
آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی	〃	چھ روپے
صبح اُمید (خاص مضامین)	〃	چھ روپے
نقش آزاد (خطوط کا مجموعہ)	〃	چھ روپے
مسلمان عورت	〃	چار روپے
مسئلہ خلافت	〃	ساڑھے تین روپے
مقالات آزاد	〃	دو روپے
مضامین آزاد	〃	دو روپے

خطبات آزاد	مجلد	تین روپے
شہید اعظم (واقعات کربلا)	〃	ڈیڑھ روپیہ
ملفوظات آزاد	〃	ڈھائی روپے
انسانیت موت کے دروازے پر	〃	ساڑھے تین روپے
مسلمانوں کا راستہ		چھ آنے
ولادت نبوی		چھ آنے
امر بالمعروف		ڈیڑھ روپیہ
عیدین	مجلد	ڈیڑھ روپیہ
دعوتِ حق	〃	ڈیڑھ روپیہ
اسلامی جمہوریہ		سوا روپیہ
حقیقت الحج		ایک روپیہ
حقیقت الزکوٰۃ		دس آنے
حقیقت الصلوٰۃ		بارہ آنے
فسانۂ ہجر و وصال		آٹھ آنے

(ان سب کتابوں کو ایکساتھ منگانے پر ۲ر فی روپیہ رعایت)

تصانیف مولانا منظور نعمانی

معارف الحدیث مکمل	مجلد	دو جلد دس روپے بارہ آنے
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟	〃	چار روپے
اسلام کیا ہے؟	〃	ڈھائی روپے
دین و شریعت	〃	تین روپے
آپ حج کیسے کریں	〃	دو روپے
نماز کی حقیقت		بارہ آنے
کلمہ کی حقیقت		چھ آنے
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ		چھ آنے
برکات رمضان		بارہ آنے

علم اللغات

المنجد لیجئے عربی کی سب سے بڑی اور مشہور ڈکشنری المنجد بھی اُردو میں آگئی۔ ساٹھ ہزار عربی الفاظ کی تشریح۔ تین ہزار عربی محاورات کا حل۔ اہم اور

ترجمان القرآن۔ مولانا آزادؒ کی شہرہ آفاق تفسیر دو جلدوں میں۔ قیمت ہر دو جلد پینتیس ۳۵ روپے۔

نادر اشیاء کی سیکڑوں تصاویر۔ صفحات ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ۔ تجلی سائز۔ کتابت، طباعت، کاغذ سب معیاری جلد پختہ۔ قیمت ستائیس ۲۷ روپے۔

مصباح اللغات مختلف کتب لغت کا نچوڑ۔ مجلد سولہ روپے

القاموس الجدید اپنی قسم کی پہلی اُردو عربی لغت۔ اُردو سے عربی بنانے، عربی سیکھنے اور لکھنے والوں کے لئے تحفۂ نادرہ۔ چھوٹے ۶۷۴ صفحات
قیمت مجلد سات روپے

کریم اللغات عربی و فارسی کے جو محاورات اور الفاظ اُردو میں رائج ہیں ان کی تشریح۔ یہ لغت اچھی اُردو لکھنے اور سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ دو روپے (مجلد)

ماہنامہ تجلی راہ کے چند خاص نمبر

قرآن نمبر مولانا آزاد، علامہ رشید رضا، علامہ جوہر طنطاوی علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے شہرہ آفاق حضرات کے مضامین پر مشتمل ۱۱۹ سورتوں کا منظوم ترجمہ بھی سیماب اکبر آبادی کے قلم سے شامل اشاعت ہے۔ رعایتی قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

اولیاء اللہ نمبر خواجہ معین الدین چشتی رح کے حالات اور اقوال کے علاوہ تصوف اور مشائخ چشت کے طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رعایتی قیمت بارہ آنے۔

حکمت نمبر قرآن اور کمیونزم، قرآن اور سائنس، قرآن اور جہاد، قرآن میں جماعت کی اہمیت، قرآن میں حقوق العباد اور قرآن میں آداب مجلسی جیسے اہم مضامین۔ ایک روپیہ

پیغمبر اسلام رسول اللہ ص کے بارے میں ۶۶ غیر مسلم مشاہیر و فاضلین کا اظہار عقیدت۔ ایک روپیہ

بشریت کا مقام بلند محمد اجمل خاں مہر محمد خاں اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے تین تحقیقی مضامین۔ قیمت سوا روپیہ۔

گلدستۂ نعت بڑے بڑے شاعروں کا منتخب نعتیہ کلام چند مقالات بھی بطور ضمیمہ شامل ہیں۔
قیمت ڈیڑھ روپیہ

ادبیات

شاہنامۂ اسلام جدید حصہ اوّل از:۔ مولانا عامر عثمانی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک اور اسکے بعد پہلی خلافتِ راشدہ کا قیام، خلیفۂ اوّل کا انتخاب کیونکر عمل میں آیا، جنگی اصول، معرکہ آرائیاں۔ تاریخ کی روح صداقتیں زبانِ شعر میں ملاحظہ فرمائیے۔ قیمت مجلد تین روپے

دیوانِ غالب نفیس ایڈیشن جس میں غالب کی تحریر کا عکس ان کی تصویر اور بعض ایسے اشعار شامل ہیں جو دوسرے ایڈیشنوں میں نہیں پائے جاتے۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے۔

کلیاتِ اقبال ڈاکٹر اقبال کے اُردو کلام کا انتخاب
قیمت مجلد پانچ روپے

شعلۂ طور جگر مراد آبادی کا مجموعۂ کلام۔ مجلد پانچ روپے۔

آتشِ گل شہنشاہ تغزل جگر مراد آبادی کا نیا مجموعۂ کلام جس پر حکومتِ ہند نے انعام دیا۔ مجلد مع کور
قیمت پانچ روپے

فردوس ماہر القادری کی وجد انگیز نظموں کا دلپذیر مجموعہ
قیمت ساڑھے تین روپے

اُردو کے چاند تارے اُردو کے تقریباً تمام باکمال شاعروں کا مصور تذکرہ اور نمونۂ کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے

نبضِ دوراں ہند و پاک کے مشہور شاعر جناب انور صابری کا مجموعۂ کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

کمیونزم کے خد و خال

پتھر کے دیوتا دنیا کے چھ مشہور مصنف کمیونزم کو خیر باد کہنے کے متعلق اپنی کہانی بیان کرتے ہیں۔
صفحات ۲۲۴ ڈیڑھ روپیہ

ورکُٹا ایک بے حد دلچسپ اور حیرت انگیز آپ بیتی۔ جس سے روس کے جبری محنت کے ظالمانہ نظام کا بھیانک منظر سامنے آتا ہے۔ ڈیڑھ روپیہ۔

رسول اللہ ص کے خطبات وارشادات۔ مجلد ڈھائی روپے / تحقیق اسم اعظم۔ چھ آنے / علامات قیامت۔ دس آنے۔

سُرخ چین سے فرار
یہ بھی ایک آپ بیتی ہے۔ سبق آموز، عبرتناک اور سنسنی خیز۔ ڈیڑھ روپیہ۔

آزادی کی طرف
ایک بڑے روسی افسر کی خود نوشت سوانح جس نے امریکہ میں پناہ لی۔ یہ بے حد دلچسپ لیکن عبرتناک کتاب روس کے حقیقی حالات سے متعارف کراتی ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد آپ کمیونزم کے حسین نعروں اور مصنوعی دعووں سے کبھی دھوکا نہیں کھائینگے۔ مجلّد تین روپے

سوئٹ روس کی حقیقت
بہت ضروری قابلِ مطالعہ کتاب۔ دو حصوں میں مکمل

کمیونزم اور کسان
کمیونزم کو ایشیائی نقطۂ نظر سے سمجھنے سمجھانے کی کامیاب کوشش جو بیشمار دستاویزی حوالوں سے مزیّن ہے۔ قیمت مجلّد دو روپے آٹھ آنے۔

سوئٹ نظام کی چھ کنجیاں
بچے تُلے عقلی و نفسی دلائل پر مشتمل ایک سنجیدہ اور معیاری کتاب جو دلچسپ بھی ہے اور حقیقت افروز بھی صفحات ۳۲۴۔ ایک روپیہ

لینن
کمیونزم کے مشہور راہنما لینن کی سوانح حیات، ایک روسی کے قلم سے جو مکمل غیر جانبداری سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ صفحات ۲۷۲۔ قیمت ایک روپیہ۔

آزادی کا ادب
بعض منتخب مقالوں، افسانوں اور منظومات کا مجموعہ۔ جنھیں نیک تعمیری مقاصد کے تحت چھاپا گیا ہے۔ قیمت مجلّد تین روپے۔

ادب میں ترقی پسندی
ادب میں "ترقی پسندی" کے نام سے جو تحریک جاری کی گئی تھی اس کی پوست کندہ حقیقت فی الاصل وہ کمیونزم ہی کی ایک سازش ہے۔ قیمت مجلّد ایک روپیہ۔

اشتراکیت روس کی تجربہ گاہ میں
اشتراکیت کی عملی ناکامی پر ایک محققانہ نظر۔ قیمت مجلّد تین روپے۔

نئی دنیا کی جھلکیاں
۱۔ (ہمارے دَور کا انقلاب) ۲۔ (موجودہ سماج میں طبقاتی نظام) ۳۔ (اقتصادی نظام) ۴۔ (اقتصادی سامراج) ان چاروں میں سے ہر ایک کی قیمت چار آنے ہے

مختلف علوم و فنون

حصنِ حصین (مترجم)
دعاؤں، مناجاتوں، وظیفوں اور جامع کلمات کا مشہور مجموعہ۔ مجلّد آٹھ روپے

مقدمہ ابن خلدون
یہ شہرہ آفاق کتاب اُردو ترجمہ ہو کر آگئی ہے۔ مجلّد پشتہ۔ پندرہ روپے
(مجلّد اعلیٰ سترہ روپے)

فتوح الغیب (اُردو)
ایمان، تقویٰ، صبر، فقر، خیر و شر، جبر و قدر، سنت و بدعت اور شریعت و طریقت وغیرہا کے عنوانات پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے مشہور و معروف مقالات کا مجموعہ۔ جس میں مولانا عبدالماجد دریابادی کا مبسوط تعارفی مقالہ بھی شامل ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

حکایاتِ صحابہ رض
صحابی مردوں اور عورتوں وغیرہ کے سبق آموز واقعات جن کے مطالعہ سے روح تازہ اور سینہ کشادہ ہوتا ہے۔ قسم اوّل مجلّد تین روپے۔
(قسم دوم سوا دو روپے)

تحریک اخوان المسلمین
مصر کی مشہور اسلام پسند جماعت "اخوان المسلمین" جسکے کئی رہنماؤں کو پھانسیاں دیدی گئیں۔ کیا ہے؟ اِس سوال کا معتبر اور مفصل جواب حاصل کرنے کے لئے مصر کے محمد شوقی کی یہ قابلِ اعتماد کتاب ملاحظہ فرمائیے۔ جس کا سلیس اُردو ترجمہ سیّد رضوان علی نے کیا ہے۔ قیمت مجلّد تین روپے۔

عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ
مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ کتاب جو فرنچ اور دیگر زبانوں میں بھی بے شمار چھپی۔ عجیب کتاب ہے متعلقہ نقشے اور بدر، خندق، اُحد اور دیگر تاریخی مقامات کے چونتیس ۳۴ فوٹو بھی منسلک ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ (مجلّد دو روپے)

اُسوۂ حسنہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر ایک نفیس کتاب جسے پڑھکر باطل شکنی اور حق دوستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسمیں بعض ایسی مفید باتیں ملینگی جو عام طور پر کتبِ سیرت میں نہیں ملتیں۔ سوا دو روپے (مجلّد سوا تین روپے)

نئے عہد کے دروازہ پر۔ ۶/ مارکسزم تاریخ جبر اکورد کرچکی۔ ایک روپیہ آٹھ آنے / سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ ۱۱/

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات ومعاہدات | شاہانِ عالم، عرب حکمرانوں، قبائلی سرداروں اور عالموں کے نام دربارِ رسالت کی
خط وکتابت اور معاہدات، ضروری تشریحات اور اصل
خطوط کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ قیمت سوا دو روپے۔

محکمات | قرآن کی بعض آیات اور انکی تفسیروں پر علامہ عبد اللہ العمادی کا عالمانہ تبصرہ و محاکمہ۔ دو روپے بارہ آنے

اُردو کا مقدمہ | اُردو کے بارے میں ادیبوں، شاعروں، سماجی کارکنوں، سیاسی لیڈروں اور اہلِ علم وفضل
کی شہادتوں پر مشتمل دلچسپ ڈرامہ، جو پُر لطف ہونیکے ساتھ سا
اُردو کے حق میں دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

حقیقت | جماعت اسلامی پر کئے گئے بعض اعتراضات پر
مولٰنا عامر عثمانی کی مفصل تنقید۔ دس آنے

سنتِ رسولؐ | مترجمہ:- ملک غلام علی۔ مقدمہ:- مولٰنا مسعود عالم ندویؒ۔ "سنت" کے موضوع
پر بے حد وقیع کتاب۔ مجلد سوا دو روپے۔

آئینۂ حقیقت نما | اس قیمتی کتاب میں مشہور مؤرخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اُن
تمام الزامات کی مدلل صفائی پیش کی ہے جو متعصب حضرات تحیر
اسلام پر لگاتے رہے ہیں۔ طرزِ تحریر بیحد دلچسپ۔ استدلال محکم۔
نقادِ مضبوط۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب معیاری۔ مجلد بارہ روپے

جمہوریت اور مغربی تحریکیں | یورپ میں جمہوریت پر کیا بنی اور انسانیت کے بلند
نصب العین تک پہنچنے میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آئیں؟ اس پر
اُونچے علمی انداز کا تبصرہ۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

تجلی کا خاص نمبر ۱۹۵۷ء | اب بھی مل سکتا ہے۔ ایمان وعمل کے مسئلہ پر تفصیلی محققانہ بحث، "نذر و نیاز" فاتحہ
ڈس اور سماع موتے وغیرہ کا جائزہ۔ در اصل مولانا حسین احمد
مدنیؒ کی ایک کتاب پر تفصیلی تنقید اس نمبر کا خاص حصہ ہے جو
انکی زندگی ہی میں لکھی گئی تھی (نوٹ) تنہا یہی نمبر منگانا ہو تو منی آرڈر
سے ایک روپیہ بارہ آنے بھیجدیجئے۔ وی پی طلب کرینگے تو دو روپے دو آنے

خلفائے راشدین | (از مولانا عبد الشکور صاحب ایڈیٹر النجم لکھنؤ) خلفائے راشدین کی سیرت
بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

اشاعتِ اسلام | دنیا میں اتنی جلد اسلام کس طرح پھیلا؟ مخالفین اسلام اس سلسلہ میں کیا کیا
کہتے ہیں؟ اور اس کا جواب کیا ہے؟ یہ سب کچھ ٹھوس دلائل کے
ساتھ اس میں ملیگا۔ کاغذ، طباعت، کتابت سب عمدہ۔

تاریخ عالم | حضرت آدمؑ سے لیکر رسول اللہؐ تک کے تمام انبیاء کے حالات مع تاریخ پیدائش ووفات اور
تاریخ اسلام ودیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ دنیا کے
ممالک اور ریاستوں کی تاریخ۔ مجلد ساڑھے چار روپے۔

تفسیر فیض الرحمٰن | بسم اللہ، الحمد اور معوذتین کی تفسیر
ولی اللہؒ اور دیگر اکابرین کی آراء
خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ہدیہ دو روپے۔ از مولانا الیعقوب الرحمٰن

تحفۂ اثنا عشریہ (اُردو) | از حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
ترجمہ:- مولانا سعد حسن خاں یوسفی
پیدائش وتاریخ مذہب شیعہ۔ اُن کی مختلف شاخیں۔ اُن کے
اسلاف علماء اور کتب کا بیان۔ اُلوہیت، نبوت، امامت
معاد کے بارے میں اُن کے عقائد۔ اُن کے مخفی مسائل فقہیہ
کرام، ازواج مطہرات اور اہلِ بیت کے حق میں اُن کے اقوال
افعال اور مطاعن مکائدِ شیعہ کی تفصیل۔ اُن کے اوہام
اور ہفوات کا بیان۔ مجلد مع حسین ڈسٹ کور بارہ روپے

ختم نبوت کامل ہر سہ حصہ | مصنفہ:- حضرت مولٰنا محمد شفیع صاحب۔ جس میں
زائد آیات قرآنی اور دو سو دس احادیث رسولؐ اور اجماعِ
اُمت اور سیکڑوں اقوالِ صحابہ وتابعین وائمۂ دین سے
ختم نبوت کے ہر پہلو کو واضح کیا گیا ہے اور شبہات کے
جوابات دیئے گئے ہیں۔ قیمت مع ڈسٹ کور چھ روپے۔

تلاشِ راہِ حق | ایک طالبِ حق کے جواب میں مولانا سید سلیمان ندوی،
مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد منظور
مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور میاں طفیل احمد کے خطوط۔ مجلد

صحیح بخاری شریف مع
مکمل متن
بہترین اردو ترجمہ
فیض القرآن دیوبند کا دوسرا شاندار کارنامہ
مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور یوپی
تفصیلات کیلئے فوراً لکھیے
آج ہی ممبر بنیئے اور ممبر بنائیے

ایڈیٹر۔ عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

8 As.

عمدہ کتابیں

امام ابن تیمیہؒ افضل العلماء مولانا محمد یوسف کوکن عمری کی معرکۃ الآراء کتاب۔ امام العارفین شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے علم و فضل، عزیمت و حمیت اور مجددانہ کارناموں کا سیر حاصل تذکرہ، جس پر ماہنامہ تجلی میں تبصرہ ہوا ہے۔ قیمت مجلد دس روپے۔ مجلد اعلیٰ گیارہ روپے۔

امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی نام ہی کہہ رہا ہے کہ کتاب لائق مطالعہ ہے۔ ذہانت و ذکاوت کے مجسمے حضرت امام اعظمؒ کی سیاسی زندگی کے حالات مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے گوہر ریز قلم سے۔۔۔ پانچسو سے زائد صفحات۔ مجلد بارہ روپے۔

عظیم تاریخ اسلام از اکبر شاہ نجیب آبادی۔ تین ضخیم جلدوں میں مکمل یہ مشہور زمانہ تاریخ تعارف کی محتاج نہیں۔ پاکستان میں عمدہ کاغذ اور روشن طباعت و کتابت کے ساتھ چھپی ہے۔ قیمت فی سیٹ مکمل و مجلد چھتیس ۳۶ روپے۔

خلاصۃ التفاسیر جلد اول مولانا شاہ فتح محمد صاحب کی تفسیر بہت مشہور و معروف ہے۔ اپنی قسم کی عجیب تفسیر ہے۔ جلد اول سورۃ انعام تک ہے۔ ہدیہ بارہ روپے۔ مجلد چودہ ۱۴ روپے

نئے کردار نو ۹ افسانوں کا مجموعہ جو دلچسپ بھی اور سبق آموز بھی۔ قیمت ایک روپیہ۔

مسلم شریف مع ترجمہ و شرح مژدہ ہو کہ احادیث صحیحہ کی مشہور کتاب مسلم شریف کا اردو ترجمہ اور ساتھ ہی امام نوویؒ کی شہرہ آفاق شرح کا بھی ترجمہ آگیا ہے۔ عربی متن بھی ساتھ ہے۔ چھ ۶ جلدوں میں مکمل مجلد کا ہدیہ اڑتالیس روپیہ۔ کوئی جلد الگ نہ مل سکے گی۔

(آرڈر کے ساتھ اپنا ریلوے اسٹیشن ضرور لکھیں)

تذکرۃ الرشیدؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا مشہور تذکرہ۔ جس میں آپ کے صرف حالات ہی نہیں، بلکہ علمی و فقہی مطالب پر مشتمل خطوط بھی ہیں خطوط کیا ہیں علم و تفقہ کے موتیوں کا گنجینہ ہیں۔ ہر دو ۲ حصہ مکمل مجلد قیمت دس روپے (غیر مجلد ساڑھے آٹھ روپے)۔

نقش حیات مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خود نوشت سوانح حیات مکمل در دو ۲ جلد۔ غیر مجلد ساڑھے آٹھ روپے و مجلد اعلیٰ ساڑھے بارہ روپے)

مکتوبات شیخ الاسلامؒ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مکتوبات جو علوم و معارف کے امین ہیں۔ مکمل در سہ ۳ جلد غیر مجلد ساڑھے سولہ ۱۶ روپے۔ مجلد اعلیٰ ساڑھے بائیس ۲۲ روپے

غنیۃ الطالبین عربی اردو مع فتوح الغیب یہ شاہ عبد القادر جیلانیؒ کی مشہور زمانہ کتاب اب اردو داں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ایک کالم میں عربی متن دوسرے کالم میں ترجمہ۔ دو ۲ ضخیم جلدوں میں مکمل قیمت تیس ۳۰ روپے۔

اساس دین کی تعمیر مولانا صدر الدین اصلاحی کی مشہور کتاب جو دین کے بنیادی امور پر ایمان افروز تفصیلات پیش کرتی ہیں۔ مجلد ساڑھے تین روپے

کتاب الوسیلہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ایک بہترین عربی تصنیف اردو لباس میں قربت الٰہی کیلئے جس وسیلے کی تلاش کا حکم قرآن نے دیا ہے وہ کیا ہے؟ اس کا شافی و کافی جواب بہترین دلائل کیساتھ اس گرانمایہ کتاب میں پالیا گیا ہے شرک و بدعت کی بیخ کنی اور سنت کی تائید۔ مجلد نو ۹

تجلی کا خاص نمبر ۱۹۵۷ء ایمان و عمل کے مسئلہ پر تفصیلی محققانہ بحث نذر و نیاز، فاتحہ و عرس اور سماع موتٰی وغیرہ کا جائزہ ——— مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ایک کتاب پر تفصیلی تنقید۔ ڈیڑھ روپیہ

تجلی کا خلافت نمبر۔ اب بھی مل سکتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ سے متعلق بہترین محققانہ اور سیر حاصل مقالات کا بیش بہا مجموعہ۔ اس کتاب کا نہ پڑھنا اپنی زرین تاریخ کے ایک اہم باب سے ناواقف رہنا ہے جو بہت بڑی محرومی ہے۔ قیمت مجلّد چار روپے۔

کتابِ زندگی امام بخاری کی الادب المفرد کا اُردو ترجمہ بہترین اخلاقی تعلیمات پر مشتمل احادیث کا مفید ترین مجموعہ جسکے جامع امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مجلّد آٹھ روپے

سنن دارمی شریف حدیث کی مشہور کتاب کا اُردو ترجمہ جو ۳۴۵۶ حدیثوں پر مشتمل ہے۔ ہدیہ مجلّد آٹھ روپے۔

مسند امام اعظم (مع ترجمہ فوائد) امام ابوحنیفہؒ کا مرتب فرمودہ احادیث کا مجموعہ۔ جس میں مولانا عبدالرشید نعمانی کا بہترین معلومات افزا مقدمہ بھی ہے۔ قیمت مجلّد آٹھ روپے۔

صحابیاتؓ اُن برگزیدہ خواتین کے حالات جنھوں نے اللہ کے آخری رسول کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ نیاز فتحپوری کے قلم سے۔ قیمت مجلّد چھ روپے۔

سفینۃ الاولیاء دارا شکوہ کی تالیف جس میں رسول اللہؐ صحابہؓ، ائمہؒ، اولیاءؒ، ازواج النبیؐ اور اسلام کی مشہور نیک خواتین کے حالات ہیں۔ پونے سات روپے

التکشف مولانا اشرف علیؒ کی اس کتاب کا پورا نام:- التکشف عن مہمات التصوف ہے تصوف اور اس کی جزئیات پر بڑی مبسوط کتاب ہے مشکل مسائل اور دقیق نکات کی توضیح تسہیل۔ علوم و معارف کا گنجینہ۔ تازہ بہتر ایڈیشن۔ قیمت مجلّد دس روپے بارہ آنے۔

آئینہ حقیقت نما مؤرخ اسلام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کی معرکۃ الآراء تالیف ہندو اور مغربی مؤرخین مسلم فاتحین پر جو متعصبانہ الزامات لگاتے رہے ہیں انکے محققانہ مدلل اور دنداں شکن جوابات عجیب کتاب ہے۔
قیمت مجلّد بارہ روپے۔

فاروق اعظمؓ کے سرکاری خطوط کیا اس نا ابھی یہ کہنے کہ باقی رہجاتی ہے کہ یہ بیش بہا کتاب آپ کے مطالعے کی بہتر بڑی تقطیع کے ۲۹۲ صفحات نفیس طباعت۔ خطوط کی تعـ قیمت مجلّد بارہ روپے۔ مجلّد اعلیٰ چودہ روپے۔

مسلمان عورت مصر کے مشہور مصنف فرید وجـ عربی تصنیف المرءۃ المسلـ کا اُردو ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد کے قلم سے۔ مقدمہ آزاد ہی کا ہے۔ قیمت مجلّد چار روپے۔

خطبات مدراس سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤ سید سلیمان ندویؒ کے خطبات ک جس قدر مقبول ہے محتاج بیان نہیں۔ تین روپے۔ مجلّد چار

عثمانؓ۔ صرف تاریخ کی روشنی میں مصر کے مشہور نقاد ا محقق ڈاکٹر طٰہٰ حسین کتاب کا اُردو ترجمہ مولانا عبدالحمید نعمانی کے قلم سے۔ چھ

علیؓ۔ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں یہ بھی طٰہٰ حسین تالیف ہے اور تر مولانا عبدالحمید ہی ہیں۔ قیمت مجلّد ساڑھے سات روپے

اسلامی فقہ زمانہ حاضر کی سلیس شگفتہ زبان میں لکھی گئی مفید حصہ اول طہارت، نماز، روزہ اور صدقہ فطـ جملہ ضروری مسائل پر مشتمل ہے۔ قیمت دو روپے سات آنے۔ حصہ جو زکوٰۃ و حج کے مسائل کو حاوی ہے۔ ایک روپیہ پانچ آ حصہ سوم جس میں معاملات کو لیا گیا ہے۔ چار روپے حصہ چہارم جو معاشرت کے اصول و فروع پر مشتمل ہے سا چاروں حصوں کا مکمل سیٹ ایک ساتھ طلب کرنے پر سا

رفیق سفر اسلامی احکام کی روشنی میں آداب۔ قیمت صرف آٹھ

آرڈر دینے والے اپنا پتہ صاف تحریر فرما

منیجر مکتبہ تجلّی دیوبند یو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ تجلی دیوبند

شمارہ نمبر ۷

جلد نمبر ۱۲

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے۔

سالانہ قیمت چھ روپے

فی پرچہ ۵۰ نئے پیسے

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۵ شلنگ فقط کل پوسٹل آرڈر

فہرست مضامین بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۶۰ء

ضروری

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپکی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں، خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائیگا جسے وصول کرنا آپکا اخلاقی فرض ہوگا وی پی چھ روپے باسٹھ نئے پیسے کا ہوگا، منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

پاکستانی حضرات:۔ ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر ہمیں بھیجیں، رسالہ جاری ہو جائیگا۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ: دفتر تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (یو-پی)

مدیر عامر عثمانی فاضل دیوبند

پاکستان کا پتہ:۔ مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸ مینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)۔

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "کوہ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

آغازِ سخن

لیجئے جدائی کی ایک خاصی طویل مدت کے بعد آپ کا تجلّی پھر آپ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ تجلّی جسے آپ پیار کرتے ہیں۔ جس کی ناچیز ہستی آپ کی بارگاہِ شوق میں ایک حسینِ منتظر کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور جس کو آپ کی والہانہ پذیرائیوں نے اس حد تک جری بنا دیا ہے کہ وہ جب چاہے مہینے دو مہینے حجلۂ عدم میں روپوش ہو کر آپ کو اضطراب و انتظار کی بھٹی میں جھونک دیتا ہے اور ذرا نہیں ڈرتا کہ اس تغافل کے جواب میں آپ کہیں "ترکِ وفا" ہی پر آمادہ نہ ہو جائیں۔

یہ جرأت، یہ ناز، یہ اعتماد، یہ طمانیت کیا اس لائق نہیں کہ ہمارا سر بارگاہِ ایزدی میں تشکر کے لئے جھک جائے اور ہم دلی مسرت کے ساتھ تحدیثِ نعمت کا فریضہ بایں الفاظ ادا کریں کہ اے اللہ! تیری عطا و بخشش کے قربان! تیرے فضل و کرم نے ایک بندۂ ناچیز کو اس پرچے کی ادارت عنایت فرمائی ہے جسے ہزاروں انسان پیار کرتے ہیں، جس کے ناز اٹھائے جاتے ہیں، جسے سر آنکھوں پر جگہ دی جاتی ہے اور جس کے اوراق کو تجارت کے میزان میں نہیں، بلکہ دلوں اور روحوں کی ترازو میں انمول موتیوں کی طرح تولا جاتا ہے۔ الحمد للہ فالحمد للہ۔

نہ جانے کتنی بار ایسا ہو چکا ہے کہ ہماری طرف سے اچانک ایک ماہ کی چھٹی کا اعلان کر دیا گیا ہے اور ناظرینِ کرام پر یہ اعلان کوفت اور بدمزگی کی برق بن کر گرا ہے لیکن اس کا نتیجہ یہ کبھی نہیں ہوا کہ خریداروں میں مایوسی پھیلی ہو اور کچھ لوگوں نے جھنجلا کر ترکِ تعلق کر لیا ہو بلکہ اس کے برعکس ان کا ذوق و شوق روز افزوں ہی محسوس ہوا ہے اس کا سبب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ نے ناظرین کے قلوب میں تجلّی کی محبت ودیعت فرمائی ہے اور ہمارے بے حیثیت علم و قلم کو وہ کشش و رعنائی عطا کی ہے کہ لوگ بار بار کے تغافل کی چوٹ کھا کر بھی ہم سے اور اپنے تجلّی سے ناراض نہیں ہوتے۔ ویسے علمی مباحث میں ہماری دو ٹوک اور بے محابا روش سے بعض حضرات خفا بھی بہت ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو خطوط کے ذریعہ گالیاں تک مرحمت فرما دیتے ہیں لیکن کرشمۂ قدرت دیکھئے کہ قطع تعلق پھر بھی نہیں کرتے۔ ان میں سے چند ہی ایسے ہیں جنھوں نے مکمل انقطاع کیا ہے، لیکن ان کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کئی گنے زیادہ محبّین و شائقین تجلّی کو عطا فرمائے ہیں اور اس طرح یہ چراغ آندھیوں کے آگے سینہ تانے برابر آب و تاب سے جل رہا ہے۔ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

پہلے تو ہم ایک ماہ کے التوا کی تلافی ہاتھوں ہاتھ دو ماہی شمارے کے ذریعے کر دیا کرتے تھے، لیکن اس مرتبہ اس میں بھی ناکام رہے ہیں اور بجائے مشترکہ شمارے کے یہ یکماہی شمارہ ہی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ غصّہ اور شکایت ضرور کیجیے کہ یہ تعلق کے مظاہر ہیں مگر مجبوری اور موانع کی روداد بھی سن لیجئے کہ اس کے بغیر آپ انصاف نہ کر سکیں گے۔

جولائی کے تجلّی میں دیئے ہوئے ضمیمے سے یہ تو آپ جان ہی چکے تھے کہ راقم الحروف والد رحمۃ اللہ علیہ کی شدید علالت کی خبر پا کر اچانک کراچی روانہ ہو گیا ہے۔ خیال تھا کہ حالت کچھ بھی ہو شروع اگست میں بہر حال واپسی ہو جائے گی۔

اور پندرہ بیس دن اگلے دو ماہی شمارے کی تیاری کو مل جائیں گے
قلم اور کاغذ بھی ساتھ ہی لیکر گیا تھا کہ وہاں خالی اوقات
میں کچھ کام ہوتا رہے گا اور ممکن ہوا تو وہیں سے بذریعہ ڈاک
مضامین کتابت کے لئے دیوبند بھیجے جاتے رہیں گے۔ لیکن
آدمی کی بے بسی کا کیا ٹھکانا ہے، حالات ایسے پیش آتے چلے
گئے کہ مضامین تو درکنار ضروری خطوط کے مختصر جوابات تک
لکھنے دشوار ہو گئے اور واپسی بجائے شروع اگست کے ۲۰ اگست
کو ہوئی۔ گویا جس پرچے کو مکمل ہو کر ۵ اگست تک پریس
روانہ ہو جانا چاہئے تھا اس کا کام ۲۰ اگست تک شروع
بھی نہ ہو سکا۔ پھر لطیفہ یہ ہوا کہ ہند و پاک دونوں کی سرحدوں
پر سرکاری کارندوں نے بالجبر انجکشن لگا دیئے۔ غالباً ادھر
اُدھر ہیضہ پھیل رہا تھا اسی لئے دونوں نیک دل حکومتوں کے
جذبۂ انسان دوستی نے شاید حسبۃً للہ ضروری سمجھا کہ آنے جانے
والوں کو حفظ ماتقدم کا سبق پڑھایا جائے۔ عالی ظرفی کی انتہا
ہے کہ اگرچہ دونوں حکومتیں بڑھتی ہوئی آبادی سے بُری طرح
ہول کھاتے ہوئے ہیں اور خاندانی منصوبہ بندی کے مشن پر
کروڑوں روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے لیکن موجود انسانوں
سے دلی ہمدردی کا جذبہ برابر بے چین کئے ہوئے ہے۔ یہ
عالی ظرفی منطقی تضاد کی حدوں سے کتنی دور ہے اس نکتہ پر
لیڈر ہی لوگ زبان کھول سکتے ہیں عاجز کو تو یہ عالی ظرفی
خاصی مہنگی پڑی۔ پاکستانی بارڈر پر جب پاسپورٹ چیک
کرنے والوں نے یہ نادری حکم سنایا کہ پہلے انجکشن لگوا لیجئے،
بعد میں گفتگو ہوگی، تو سناٹا نکل گیا۔ معلوم تھا کہ یہ انجکشن
کالرا کی مدافعت کریں یا نہ کریں مگر چند روزہ بخار کی نعمت
سے ضرور نوازتے ہیں۔ بازو کی اکڑاہٹ الگ رہی۔ عرض کیا
کہ بھائی! تاریخ گواہ ہے کبھی کوئی ایڈیٹر کالرا میں نہیں مرا۔
آپ ان بیوی بچوں کو دیکھئے جو ہمارے ساتھ ہیں اگر راستے
ہی میں بخار چڑھ گیا تو ان کا کیا حشر ہوگا؟

جواب میں توقع تھی کہ ان کے تیور نرم پڑیں گے۔ توقع
فی الجملہ پوری بھی ہوئی۔ ان کے چہرے پر ایک امید افزا
تبسم کھیل گیا، مگر ساتھ ہی ساتھ ایک اور صاحب انجکشن کی
سرنج انگلیوں میں تولتے ہوئے آگے بڑھے اور فرمایا گیا کہ
انجکشن تو لگوانا ہی ہوگا۔ لب و لہجہ فیصلہ کن تھا۔ ہم نے مزید
منطق لڑانی مناسب نہیں سمجھی کیونکہ جس ملک کی سرحد میں
ہم کھڑے تھے وہاں ابھی تک مارشل لا کا طلسم نہیں ٹوٹا ہے اور
یہاں کے کسی سرکاری کارندے کے فیصلہ کن لب و لہجہ کو منطق کے
بل پر چیلنج کرنے کا مطلب توہین بھی ہو سکتا ہے۔ مجبوراً آستین
سرکا دی اور انسانی ہمدردی کی آنچ میں تپتی ہوئی سوئیاں دونوں
بازوؤں میں انجکٹ ہو گئیں۔ انجکشن کا تجربہ ہمیں پہلے کبھی ہوا
ہے لیکن نہ جانے یہ سیوریشن کا نتیجہ تھا یا کالرا کے انجکشن ہوتے
ہی اس قسم کے ہیں کہ گھنٹے ہی بعد بازوؤں کا درد شروع ہو گیا اور بخار
نے بھی قدم رنجہ فرما دیا۔ بچے ساتھ تھے۔ دیوبند سے کراچی اور
کراچی سے لاہور تک کے لمبے سفر میں انھیں پتہ چل گیا تھا کہ
سفر کے دوران باپ سے بھی تقریباً تمام ہی وہ خدمات لی جا سکتی
ہیں جو عام حالات میں ماں کا حصہ ہیں۔ ابھی سفر ختم نہیں ہوا تھا
اس لئے وہ موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کے درپے تھے۔
ہم نے اپنی پوری قابلیت انھیں یہ سمجھانے میں صرف کر دی کہ
ہمارے ہاتھ میں سوئے نے کاٹ لیا ہے اور بخار کے باعث ہم
تمھاری ناز برداریوں کے قابل نہیں رہ گئے، مگر ان نیک
بختوں کی نگاہ میں ہماری قابلیت کا مول دو کوڑی بھی نہ ٹھہرا۔
اس ناقدری کے جواب میں جی تو یہی چاہا کہ فوراً وہی دلیلِ قطعی
استعمال کی جائے جو ہماری حکومتیں کرتی ہیں۔ یعنی طاقت۔
لیکن اس طرح کے موقعوں پر بارہا ایسا ہوا ہے اور اس وقت
بھی ایسا ہی ہوا کہ حافظے کی سطح پر ایک پرانی یاد اُبھر آئی۔
اللہ کے برگزیدہ رسولؐ اور نوع بشر کے سب سے معظم انسان
کی یاد جس کی پشت پر عین نماز کے عالم میں اس کے ننھے نواسے
چڑھ جایا کرتے تھے اور اس کے جواب میں ان نواسوں کو مار
یا جھڑکی نہیں ملی۔ پیار ملا، شفقت ملی اور نانے کا مقدس
کاندھا ملا۔ کئی بار ایسا ہوا ہے کہ خیر البشرؐ کا طاہر و مطہر جسم نواسوں
کے بول و براز سے آلودہ ہو گیا ہے، لیکن رحم و رافت اور رحمت
شفقت کے اس بے ہمتا محیط کے روئے مبارک پر تلخی تک
نہیں آئی تبسم ہی کھیلتا رہا۔

اِس حسین یاد کے بعد کفر ہی ہوتا اگر ہم بے قصور بچوں پر غصہ اُتارنے لگتے۔ آخر اسوۂ حسنہ کا اطلاق تو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک ہی فعل و عمل پر ہوتا ہے۔ فداہ امی و ابی۔ صبر و شکر کے ساتھ نصف قیامت کی جملہ منازل طے کر کے گاڑی میں جگہ حاصل کی اور بخار کے طوفانی حملے میں پسپا ہوتے ہوئے جسم کو تھوڑا سا سہارا نصیب ہوا۔ دراصل جسمانی تکلیف جھیل جانا زیادہ مشکل نہیں اصل مشکل تو اس اُبھرتے ہوئے سوال میں پوشیدہ تھی کہ آگے کو کیا ہوگا۔ ابھی ۲ گھنٹے بعد ہندوستانی بارڈر کی نصف قیامت کا سامنا باقی تھا۔

جن لوگوں کو کبھی سفرِ پاکستان کی سعادت نصیب نہیں ہوئی وہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ دونوں بارڈروں کے مراحل طے کرنا کس قیامتِ صغریٰ کا دوسرا نام ہے اور جب کہ بال بچے بھی ساتھ ہوں تو اس ہفت خواں کو سر کرنے کے لئے کتنی فاضل توانائی درکار ہوتی ہے۔ اِس مشتِ استخواں کے پاس فاضل توانائی تو کبھی رہی ہی نہیں، جو نام پارے کو تھی وہ کراچی جاتے ہوئے موسم کی شدت نے مجروح کی، پھر والد رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت نے اسے جھنجوڑا، پھر واپسی کے تعقب میں اسکی چولیں ہلیں اور باقی ماندہ بخار کی زد میں تھی۔

آپ کہیں گے معمولی بخار کو اِس بزدل نے افسانہ بنا کے رکھدیا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ ذرا ان حالات کا تصور کر کے دیکھئے جن کا ہم اس وقت شکار تھے۔ قلیوں کی قومی خصوصیات سے آپ ضرور آگاہ ہوں گے۔ ان کی ترک تازیاں ان سرحدی حصار خانوں میں دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں۔ دو روپے کا کام کہہ کے کہیں گے۔ صاحب! کام تو زیادہ کا تھا چلئے آپ بارہ دیدیجئے۔ اگر آپ اُن لوگوں میں ہیں جو کام سے پہلے ہی دو ٹوک معاملہ طے کر لینا چاہتے ہیں تو یہ نیک بخت اِس انداز سے آپ کے سامان کا جائزہ لیں گے جیسے کوئی سی آئی ڈی آفیسر چوری یا اسمگلنگ کے مال کا جائزہ لیتا ہے۔ پھر پُراسرار قسم کی اہمیت کے ساتھ کہیں گے کہ چلئے ہم سارا کام ٹھیک ٹھاک کرائے دیتے ہیں دس روپے دیدیجئے گا۔ گویا چیکنگ کے آغاز سے لے کر انجام تک سارے مراحل یہی اپنی عنایت سے طے کرائیں گے اور انھوں نے نہ کرائے تو آپ عمر بھر یہیں پڑے رہیں گے۔ مہلت ہوتی تو ہم وہ سارے مکالمے آپ کو سناتے جو اس سفر میں قلیوں سے پیش آئے۔ لیکن بات مختصر کہنی ہے اس لئے تفصیلات کا اندازہ آپ ہی پر چھوڑتے ہیں۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ امرتسر پہنچنے تک بخار ہمیں بھی منجملہ سامان بنا چھوڑتا اور قلی حضرات بکسوں اور بستروں کے ساتھ ایک زندہ لاش بھی اُٹھانے کی خدمت انجام دیتے تو ان کا حسنِ طلب کیا کیا گُل نہ کھلاتا اور پردے میں لپٹی ہوئی ایک مشرقی خاتون کتنی کچھ پریشان نہ ہوتی۔

ہم نے اہلیہ سے عرض کیا کہ دیکھو آج تک تو ہم تمھاری مشرقیت پر ناز کرتے رہے ہیں، لیکن اگر بخار نے ہمیں بیہوشی یا نیم بیہوشی کی منزل تک پہنچا ہی دیا تو تمہیں شرقیت کی چولی اُتار پھینکنی ہوگی۔ ایک مجاہدہ کی طرح آنے والی نصف قیامت کیلئے تیار رہو اور خوف کو پاس نہ پھٹکنے دو وغیرہ وغیرہ۔

یہ وغیرہ وغیرہ یونہی نہ سمجھئے۔ واقعی ہم نے اور بھی بہت کچھ وصیت کی تھی کیونکہ ہم محسوس کر رہے تھے کہ رگ و پے میں دوڑتی ہوئی چنگاریاں تیزی سے شعلہ بنتی جا رہی ہیں، اور بدن کا ایک ایک جوڑ پھوڑے کی طرح دُکھنے لگا ہے۔

لیکن اللہ کے فضل و رحمت کا کیا جواب ہے کہ اس نے بخار کو خوفناک حدوں میں داخل ہونے سے روک دیا اور امرتسر کا مرحلہ کسی نہ کسی طرح ہم نے بنفسِ نفیس ہی طے کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ آنکھوں کے آگے تارے ناچتے رہے ہوں اور زمین کی روایتی گردش سچ مچ صاف نظر آنے لگی ہو۔

بارے چیکنگ وغیرہ سے نجات ملی اور ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس قید خانے سے نکلنے ہی والے تھے کہ، اچانک ایک اور آفت نے قدم تھامے۔ آفت کیا ستم ظریفی کہئے۔ لوہے کے جنگلے میں بنے ہوئے آخری گیٹ کے پاس کچھ بھیڑ سی جمع تھی اور ڈاکٹر نما شریمان جی انگلیوں میں سرنج تھامے مسافروں کی راہ روکے کھڑے تھے۔ ان کے اور مسافروں کے مابین کچھ مناظرہ بھی جاری تھا۔ سرنج دیکھتے ہی اپنا تو

وینگٹ کھڑا ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب تحکمانہ انداز میں فرما رہے تھے:۔

"ٹیکہ تو لگوانا ہی پڑے گا۔"

"کہہ تو دیا لگوالیا" ایک صاحب نے بے حد غصّے میں کہا" یہ کاغذ ٹیکے والوں ہی نے دیا ہے۔"

ان کے ہاتھ میں ایک دو صفحے کا پمفلٹ تھا۔ ہمیں یاد آیا کہ انجکشن لگانے کے بعد یہی پمفلٹ ہمیں بھی دیا گیا تھا جو نہ جانے کس منزل میں چھوٹ گیا۔ شر یمان جی تلخ لہجے میں بولے

"یہ سرٹیفکٹ نہیں اشتہار ہے۔ سرٹیفکٹ دکھلائیے"

"کہاں سے دکھلائیں ہمیں تو یہی دیا گیا ہے۔"

پھر تھوڑی سی جرح کے بعد انھیں بازو کھولنا ہی پڑا اور ان کے متصل بعد ہماری باری تھی۔ وہی سوال ہم سے بھی دُہرایا گیا۔ ہم اس وقت مناظرے کے لائق بالکل نہیں تھے، لیکن یہ تخیل بہرحال ہمت بڑھا رہا تھا کہ مارشل لا کا دیش پیچھے گیا اب ہم اپنی عوامی جمہوریہ کے آغوشِ مادر میں ہیں جہاں ہر شریمان سے ڈٹ کر آنکھ ملائی جا سکتی ہے۔

"یہی سرٹیفکٹ ہمیں بھی دیا گیا تھا جسے آپ اشتہار کہہ رہے ہیں۔" ہم نے کہا۔

"یہ کافی نہیں ہے ٹیکہ لگوانا پڑے گا۔"

"کیسے لگوانا پڑے گا۔ یہ ہمارا بازو دیکھئے۔ کیا آپ ڈاکٹر ہو کر اتنا بھی نہیں پہچان سکتے کہ ابھی ابھی اس پر مشقِ کرم ہو چکی ہے۔"

"ہم کچھ نہیں جانتے سرٹیفکٹ دکھلائیے نہیں تو ٹیکہ لگوائیے۔"

ان کا لہجہ مارشل لا والوں سے بھی زیادہ ہی سخت تھا۔

یا اللہ یہ کیا عذاب ہے۔ برملا بچپن کا سبق یاد آیا:۔

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
دوسری اور پڑی سر پہ مرے اللہ نئی

"ایک ہی انجکشن نے تارے دکھا دیئے ہیں۔" ہم نے مذبوحی انداز میں کہا۔ "اگر اور لگ گیا تو آخر ہم گھر کیسے پہنچینگے۔"

"ہم نہیں جانتے آپ انجکشن لگوائیے۔"

ان کا سرنج والا ہاتھ برابر حرکت میں تھا۔ ایک آخری مدافعانہ حملے کے طور پر ہم نے دل و دماغ کی ساری قوتیں سمیٹ کر منطق اور قانون کے لطیف تر پہلوان کے آگے رکھے انسانی شرافت کی دہائی بھی دی، طرارہ بھی دکھلایا، لیکن وہ تو مرغے کی ایک ہی ٹانگ کے قائل تھے ٹس سے مس نہ ہوئے اور مآل کار ہمیں دوسرا بازو بھی گدوانا ہی پڑا۔ بیکسی کی ایسی مثالیں شرافت کے دائرے میں کم ہی ملیں گی۔

اب ایک آخری منزل اور تھی۔ ان بزرگوار کا ارادہ تھا کہ ہماری اہلیہ کو بھی اپنے بے پایاں جذبۂ خدمت کا تختۂ مشق بنائیں۔ یہ ہماری برداشت سے باہر تھا۔ ہم نے مارشل لا سے بھی زیادہ فیصلہ کن لہجے میں کہا:۔

"بس شریمانجی آگے آپ کی دھونس نہیں چلے گی۔"

"دھونس نہیں صاحب ٹیکہ لگوائیے۔"

"ٹیکہ پر لعنت۔ آپ لیڈیز کو مجبور نہیں کر سکتے۔"

خدا جانے قانون ہی میں کچھ گنجائش تھی یا یہ "لیڈیز" کے لفظ کا اثر تھا کہ ان کے چہرے کی کھچاوٹ نرمی میں تبدیل ہو گئی۔ متواضع انداز میں بولے:۔

"صاحب قانون۔۔۔"

"قانون وانون ہم کچھ نہیں جانتے۔ آخر یہ تو دیکھئے کہ ہمارے لئے ابھی چوبیس گھنٹوں کا سفر باقی ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے بچے ایمبولنس کار میں گھر پہنچیں۔"

وہ ہنسے۔ اس انداز سے ہنسے جیسے خوشی سے جھوم اٹھے ہوں۔ اس خوشی کے پیچھے ان کا بچپن جھلک رہا تھا۔ ہمیں پل بھر کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی بچے کے منہ پر مونچھیں چپکا دی گئی ہوں۔

آپ خفا ہو رہے ہوں گے کہ عامر یہ کیا کہانی لے بیٹھا۔ بتانا دراصل یہ مقصود ہے کہ آنے کو تو ہم ۲۰ اگست کو دیوبند آگئے لیکن انجکشنوں کی دُہری مار نے ۲۴ تک ہمیں اس لائق نہ ہونے دیا کہ قرطاس و قلم کی طرف رجوع ہوتے۔ بخار بظاہر اتنا نہیں چڑھا کہ حواس زائل ہو جاتے لیکن اندرونی کیفیت کچھ ایسی رہی جیسے کسی گرم شے کے لمس نے دماغ کی مشین جام کر دی ہو۔

کثیر وقت سونے اور واہی قسم کے خواب دیکھنے میں گذرا جب آنکھ کھلتی تو یہ فکر ستاتا کہ دو ماہ کا پرچہ تیار کرنا ہے۔ ۲۵ کی صبح کو قلم سنبھالا تو ذہن نے ساتھ نہ دیا۔ بار بار یہی جی چاہتا تھا کہ دونوں سرحدی ڈاکٹروں کو گلا پھاڑ پھاڑ کے دعائیں دیں لیکن اس لایعنی حرکت سے تلافیِ مافات کہاں ہو سکتی تھی۔ آخر کار دماغ کا بار اس تجویز سے ہلکا کیا کہ فی الحال ایک ہی ماہ کا پرچہ نکالا جائے اور دو ماہی شمارے کا وعدہ اگلے ماہ ایفا کیا جائے۔ تاخیر تو بہر حال ہو ہی چکی تھی لیکن تاخیرِ مزید سے بچنے کی اس سے بہتر کوئی صورت نہ تھی کہ جلد سے جلد یک ماہی شمارہ پیش کر دیا جائے۔ ناظرین کی قدر شناسی سے توقع ہے کہ وہ اس تجویز کو مناسب قرار دیں گے۔

~~~~~~~

کہا جا سکتا ہے اور کہنا چاہئے کہ ہم نے ان شذرات کو اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے غم انگیز سانحے کے ذکر و بیان پر مشتمل کرنے کی بجائے دیگر بے مصرف باتوں میں صرف کر کے بے حسی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ صرف ہمارے باپ ہی نہ تھے، ہند و پاک کے ہزاروں خدا دوست حضرات کے مرشد و راہنما بھی تھے۔ ان کے تذکار کا فریضہ ہم پر محض ذاتی جذبات ہی کے تعلق سے نہیں ہزاروں متوسلین کی طلب و خواہش کے پہلو سے بھی اس حد تک عائد ہوتا تھا کہ تجلی کی ایک پوری اشاعت نہ سہی ایک اداریہ تو ان کے لئے وقف کر ہی دیتے۔ لیکن ہم ایسا نہ کر سکے تو اطمینان فرمائیے کہ اس کی وجہ بے حسی اور لاپروائی نہیں، بلکہ یہ ہے کہ اس موضوع کا حق ادا کرنے کے لئے جس ذہنی یکسوئی اور گیرائی کی ضرورت ہے وہ فی الوقت ہمیں میسر نہیں ہے والد کے قدموں میں رہنے اور آخری تیمارداری کرنے کی سعادت ہمیں بارہ۱۲ دنوں نصیب رہی ہے۔ ان بارہ دنوں میں جو کچھ ہم نے دیکھا، جو کچھ محسوس کیا، جو کچھ سیکھا وہ بے حد اہم ہے۔ پھر انھیں منوں مٹی کے نیچے دفن کرنے کے بعد ان کی قابلِ رشک زندگی، ان کے اوصافِ عالیہ، ان کے اسوۂ پاکیزہ اور ان کے سابق لیل و نہار کے جو نقش دل و دماغ کی سطح پر ابھر ابھر کے چلے گئے انھیں سلیقے کے ساتھ بیان کرنے کے لئے کافی وقت اور کافی ذہنی جماؤ درکار ہے۔ انتقال کے بعد ہمارا پختہ ارادہ تھا کہ جلد سے جلد دیوبند لوٹ جائیں گے اور آنے والی اشاعت میں شرح و بسط کے ساتھ یہ بتائیں گے کہ ہم اللہ کی حکمتِ کاملہ کے تحت کس عظیم سایۂ برکت سے محروم ہو گئے ہیں، لیکن واپسی بر وقت نہ ہو سکی اور پھر وہ کچھ پیش آیا جسے ابھی ہم نے ہنس ہنس کر بیان کیا ہے۔ ہنسنا ایسے موقع پر بہت ہی بدنما ہے، لیکن واضح ہم یہ کرنا چاہتے ہیں کہ عظیم سے عظیم انسان کی موت کے بعد بھی اس کے سبق آموز کارناموں اور ممتاز خصوصیتوں کا ذکر و بیان تو چاہے قیامت تک کیا جاتا رہے، لیکن ماتم اور گریہ و زاری تین دن کے بعد یک قلم ختم ہو جانی چاہئے۔ کسی کا دل نہ ٹھیرے تو وہ کونے میں چھپ کر رو سکتا ہے۔ آہ کھینچ سکتا ہے، مگر منظرِ عام پر اسے شگفتہ رو بن جانا چاہئے اور یہی وہ واحد طریق عمل ہے جو مسلمان کے اس یقین و ایمان کی ترجمانی کرتا ہے کہ ہر افتاد اللہ کی حکمتِ بلیغہ کے تحت ہے۔ صبر و شکر کے ساتھ سب کچھ جھیل جانا ہی مومن کی شان ہے اور صبر و شکر کے تقاضے لفظاً ہی نہیں عملاً بھی پورے ہونے چاہئیں۔

ہمیں اللہ کے فضل سے توقع ہے کہ اگلے ماہ والد رحمۃ اللہ کے بارے میں کچھ لکھنے کے قابل ہو سکیں گے۔ فی الوقت تو اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ جن بے شمار دوستوں اور بزرگوں نے تعزیت کے خطوط ارسال فرمائے ان کے ہم تہِ دل سے ممنون ہیں اور اس پر شرمندہ بھی کہ چند کے سوا کسی کو جواب نہ دے سکے۔ جن حضرات نے راقم الحروف کی عدم موجودگی میں غریب خانے پر تشریف لا کر چھوٹے بھائیوں کو ہمدردی کے الفاظ سے نوازا اور تعزیت فرمائی ان کا بھی کرم مستحقِ تشکر ہے خصوصاً حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم کی تشریف ارزانی تو بہت ہی بندہ نوازی پر دال ہے۔ اخلاق اور عالی ظرفی اسی کا نام ہے کہ اُن گستاخیوں کے باوجود جو علمی مباحث میں راقم الحروف کا قلم ان کی بارگاہِ معظم میں کرتا رہا ہے انھوں نے قدم رنجہ فرمانے کی زحمت گوارا کی اور ایک حقیقت افروز گرامی نامہ بھی عاجز کے بڑے

باقی بر صفحہ ۲۶
~~~~~~~

"سایۂ رسول" کے موضوع پر مفصل گفتگو کی تیسری قسط

سایۂ رسول

۳

قارئین ملاحظہ فرما چکے کہ جن احادیث کو منکرینِ ظل اپنے دعوے کی شہادت میں پیش کرتے ہیں وہ ادنیٰ سا بھی تعلق سایہ ہونے نہ ہونے کے سوال سے نہیں رکھتیں، بلکہ سایہ کی بحث میں ٹھیرا یا ہی جائے تو اُلٹا ان سے سائے کا اثبات اور منکرینِ ظل کی تردید نکلتی ہے۔ اب لیجئے اُس واحد روایت پر گفتگو کرتے ہیں جو واقعی سائے ہی سے متعلق ہے اور پورے ذخیرۂ حدیث میں وہی تنہا روایت ہے جس کا سہارا لینا منکرینِ ظل کے لئے ممکن ہے۔ (ابن عباس رضؓ سے منسوب روایت کو اس وقت تک ہم حدیث ماننے کے لئے تیار نہیں جب تک اس کی سند نہ بیان کی جائے) یہی وہ روایت ہے جس کا حوالہ حضرت صدر مفتی صاحب دار العلوم نے اپنے فتوے میں دیا تھا اور ہم نے فروری و مارچ ۱۹۵۹ء کے تجلی میں اس کی پوست کندہ حقیقت کھول کر رکھدی تھی۔ اب کاظمی صاحب بھی اسے بڑے طمطراق سے لائے ہیں تو ایک بار پھر ہم اپنا نقد منصف مزاج حضرات کے سامنے رکھے دیتے ہیں۔

روایت یہ ہے:-

اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یریٰ لہ ظل فی شمس ولا قمر قال بن سبع من خصائصہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ظلہ کان لا یقع علی الارض وانہ کان نوراً	حکیم ترمذی نے حضرت ذکوان سے اخراج کیا[لہ ا] کہ سورج اور چاند کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ دیکھا جاتا تھا ابن سبع (محدث) نے فرمایا کہ رسول اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے یہ بات ہے کہ حضورؐ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور یہ کہ حضور علیہ السلام نور تھے
فکان اذا مشی فی الشمس او القمر لا ینظر لہ ظل قال بعضھم ویشھد لہ حدیث قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دعائہ واجعلنی نوراً (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۸)	اس لئے جب حضورؐ سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو حضورؐ کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ بعض علماء (محدثین) نے فرمایا کہ حضورؐ کا سایہ نہ ہونے کی شہادت حضورؐ کی یہ حدیث بھی دیتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا وارد ہے کہ واجعلنی نوراً یا اللہ! مجھے نور کردے!

+ + + +

+ + + +

بجائے اس کے کہ ہم نئے سرے سے نقد کریں پچھلا ہی نقد قدرے ضروری تصرف کے ساتھ دہرائے دیتے ہیں یتصرف بایں معنی کہ پہلے خطاب مفتی دار العلوم سے تھا اب کاظمی صاحب سے۔ سیوطیؒ کی خصائص کبریٰ سے نقل کی ہوئی انکی مذکورہ عبارت تین اجزا پر مشتمل ہے:-

(۱) حکیم ترمذی کی بیان کردہ روایت (۲) کسی ابن سبع کا قول اور (۳) کچھ نامعلوم لوگوں کا ایک اور حدیث سے استشہاد۔ ہر ایک کو بالترتیب الگ الگ لیتے ہیں اور ترجمہ بھی ساتھ دیتے ہیں۔

(۱) اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یریٰ لہ ظل فی شمس ولا قمر۔	حکیم ترمذی نے ذکوان سے تخریج کی ہے کہ حضورؐ کا سایہ نہیں دیکھا جاتا تھا دھوپ میں نہ چاندنی میں۔

سب سے پہلے یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ حکیم ترمذی وہ نہیں ہیں جو "صحیح ترمذی شریف" کے جامع ہیں، بلکہ وہ ترمذی ہیں جن کا نام

لہ یہ کاظمی صاحب کا ترجمہ ہے۔ اہل علم اندازہ فرمائیں "تخریج" کی بجائے "اخراج" کا استعمال کس بہرہ وری کا پتہ دیتا ہے۔ ع

محمد بن علی تھا اور جو "نوادر الاصول" جیسی غیر معتبر کتاب کے جامع ہیں۔ پہلے تو اس کتاب ہی کی حیثیت دیکھ لیجئے جس میں ان صاحب نے یہ روایت بیان فرمائی ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے بستان المحدثین میں فرمایا ہے:۔

"اس کے (نوادر الاصول) مصنف حکیم ترمذی اُن ابو عیسٰی ترمذی کے علاوہ ہیں جن کی کتاب صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے نوادر الاصول میں اکثر حدیثیں غیر معتبر ہیں۔ اکثر جاہلوں کو چونکہ معلوم نہیں اس وجہ سے حکیم ترمذی کو وہی ترمذی خیال کرکے ان کی واہیات کو ابوعیسٰی ترمذی کی طرف منسوب کرکے یہ کہدیتے ہیں کہ ترمذی میں اس طرح ہے۔" نیز:۔

"جاننا چاہئے کہ ان کی تصانیف میں غیر معتبر اور گھڑی ہوئی حدیثیں بہت مندرج ہیں اور اس حادثہ کی وجہ انھوں نے خود ہی بیان کی ہے کہ میں نے اس تصنیف میں قطعاً فکر و تدبر سے کام نہیں لیا نہ میری غرض یہ ہے کہ کوئی ان مؤلفات کو میری طرف منسوب کرے، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ جب کوئی کام کاج نہ ہونے کی بناء پر میرا دل گھبراتا تھا تو طبیعت بہلانے کے لئے تصنیف کا شغل کر لیتا تھا اور جو جی میں آیا لکھ ڈالتا تھا۔" (ترجمہ از فارسی)

مشہور صوفی شیخ طریقت استاد قشیریؒ نے بھی رسالۂ "قشیریہ" میں حکیم ترمذی صاحب کا یہ فرمودہ نقل کیا ہے:۔

ما صنفت حرفاً عن تدبیر و لا ینسب الیّ شیئ منه ولکن کان اذا اشتد علیّ وقتی اتسلی به۔	میں نے کوئی حرف بھی سنجیدہ فکر سے نہیں لکھا اور میری تصنیف میں سے کسی بھی چیز کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، دراصل جب خالی وقت مجھ سے کاٹے نہ کٹتا تھا تو شغل تصنیف سے دل بہلا لیا تھا

کمال ہے جس تصنیف کا حال یہ ہو اور اس کا مصنف صاف لفظوں میں اس کے ساقط الاعتبار ہونے کا اعلان پہ اعلان کر رہا ہو اسی کی ایک روایت پر بعض اہل علم اعتقاد کی عمارت اٹھالیں۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

خیر یہ تو اُس کتاب کا حال ہوا جس سے حافظ سیوطیؒ نے روایت اخذ کی ہے۔ اب خود روایت کا حال دیکھئے۔ اس کی سند یہ ہے عبدالرحمٰن بن قیس الزعفرانی عن عبدالملک بن عبداللہ بن الولید عن ذکوان عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سب سے پہلے ہی راوی عبدالرحمٰن بن قیس[1] کو صاحب المیزان کی تصریح کے مطابق ابن المھدیؒ اور ابوذرعۃؒ نے جھوٹا بتایا ہے امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ اسکی روایتیں لینے کے قابل نہیں ہیں۔ امام احمدؒ کا ارشاد ہے کہ وہ لاشیئ کے درجہ میں ناقابل التفات ہے۔ حاکمؒ نے اگرچہ اس کی ایک منکر[2] روایت کی تصحیح کر دی ہے، لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ حاکم کی تصحیح بعض مرتبہ کس قدر نادرست ہوتی ہے اور پھر انھوں ہی نے ایک جگہ اس کی روایتوں کو ساقط الاعتبار کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی ابن مہدی کی تکذیب اور امام احمد کی تضعیف کی توثیق کی ہے اور ان کے قول میں "متروک[3] الحدیث" کے الفاظ بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ امام نسائیؒ نے بھی اسے متروک الحدیث کہا ہے۔ صالح بن محمدؒ نے فرمایا کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا اور ابن عدیؒ نے فرمایا کہ اس نے کم و بیش عجیبی روایتیں کی ہیں کوئی بھی ثقہ آدمی ان کی پیروی نہیں کرتا۔ ابونعیم اصفہانی نے فرمایا کہ وہ لاشیئ کے درجے میں ہے[4]۔ حد یہ ہے کہ خود اُن علامہ سیوطیؒ نے جو الخصائص الکبریٰ میں اس کی روایت کو مستدل بنا رہے ہیں۔ اسی روایت کے تحت کتاب مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفا میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن قیس راوی ہے جو گھڑنت کرنے والا بہت جھوٹا آدمی ہے[5]۔ (ص ۔)

---

[1] پورا نام یوں ہے عبدالرحمٰن بن قیس الضبی ابومعاویۃ الزعفرانی الواسطی [2] جس کا راوی ضعیف ہو اور کسی قوی راوی کی روایت کے خلاف روایت بیان کر رہا ہو [3] محدثین نے جس کی روایتیں لینی چھوڑ دی ہوں [4] تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۲۵۶ مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف [5] علامہ عبدالحی بن العمادؒ نے شذرات الذھب میں اس کا ذکر تک گوارا نہیں کیا جبکہ آٹھ مجلدات میں انھوں نے ایک ہزار برس کے رجال کو جمع کیا ہے ۱۲

کشف الاحوال فی نقد الرجال میں ہے :۔

عبدالرحمٰن بن قیس ابو معاویة الزعفرانی البصری کذاب یضع سمع سفیان الثوری فی مناقب الخلفاء رضی	عبدالرحمٰن بن قیس پکّا دروغ باف ہے اس نے خلفا کی تعریف میں روایتیں گھڑ کے سفیان الثوری کی طرف منسوب کردی ہیں۔

یہ ہے راوی اول کا حال۔ راوی ثانی عبدالملک بن عبداللہ بن ولید خدا جانے کون ہے۔ اس کا کوئی حال کتب رجال میں نہیں ملتا۔ فرمائیے کیا اس کے بعد بھی کچھ کہنے کی ضرورت ہے ؟

کون نہیں جانتا کہ حدیث مرفوع تک میں اگر کوئی ایک بھی راوی ساقط الاعتبار ٹھیر جائے تو روایت بے کار ہو جاتی ہے۔ زیر بحث روایت تو خود ہی مرسل ہے اور مرسل بھی کس کی صحابی کی نہیں تابعی کی۔ ذکوان صحابی ہرگز نہیں ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ جس مرسل کے راویوں میں سب ثقہ ہوں ایک بھی متروک مجروح نہ ہو اسے بھی احتجاج کے قابل نہ ماننے والوں میں بڑے بڑے علماء مثلاً امام شافعیؒ، سعید بن المسیبؒ، ابن سیرین اور زہری وغیرہم شامل ہیں۔

علامہ امیر عبدالقادر الجزائریؒ فرماتے ہیں :۔

والحدیث المرسل ضعیف لا یحتج بہ عند جمھور المحدثین وکثیر من الفقھاء واصحاب الاصول والنظر (فتح الملہم)	اور حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہے جمہور محدثین، بہت سے فقہا اور ارباب اصول ونظر کے نزدیک اس سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔

ترمذی پر جرجانی کا اور فتح الباری پر خود ابن حجر کا مقدمہ دیکھئے مرسل کے قابل احتجاج ہونے نہ ہونے کا اختلاف مل جائے گا۔

امام اعظمؒ اور بعض اور علماء احتجاج کو جائز سمجھتے ہیں مگر متعدد سخت قیود کے ساتھ۔ مثلاً عقل ودرایت کے خلاف نہ ہو، دوسری روایت سے اسے قوت حاصل ہو جائے اور کسی اپنے سے قوی روایت کے خلاف نہ ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر وہ شرط لگاتے ہیں جسے امام ابن الہمامؒ حنفی نے تحریر الاصول میں بیان کیا ہے) کہ اس روایت کا مرسِل معتمد شخص ہو، عدول ہو، مسلمانوں کو اس کی ثقاہت میں کلام نہ ہو، اُن لوگوں میں سے نہ ہو جو ہر سنی سنائی بات نقل کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں، راوی کے سچ جھوٹ کی تمیز کرنے کا سلیقہ رکھتا ہو، اس میں جرح وتعدیل کی اہلیت ہو، وہ محذوف راوی کے بارے میں اس کے ہمعصر مشاہیر کی منتخب آراء سے واقف ہو، تب کہیں جاکر اسکی مرسل روایت کو قبول کرنے کی ہمت کی جا سکتی ہے۔ آخری شرط بہت اہم ہے کیونکہ جیسا کہ ابن حزمؒ نے فرمایا ہے حضورؐ کے زمانے میں منافقین ومرتدین بھی تھے جو آپؐ کی زندگی ہی میں جھوٹ گھڑ لیتے تھے تو بعد میں کیوں کسر چھوڑتے۔ کیا معلوم کہ جس محذوف راوی کو مرسل نے صحابی سمجھا ہو وہ مشاہیر صحابہؓ کے نزدیک منافق و مرتد ہو۔

پھر کوئی صاحب علم اس سے بے خبر نہیں ہو سکتا کہ اہلِ فن حدیث مرسل کو خبرِ مردود ہی کے ذیل میں بیان کرتے ہیں نہ کہ خبرِ مقبول کے۔

تاہم یہاں ان بحثوں کی ضرورت ہی نہیں۔ عبدالرحمٰن زعفرانی جیسے مجروح ومتروک اور عبدالملک جیسے مجہول راویوں کے شریک سند ہونے کے بعد دنیا کے کسی بھی بالغ نظر امام و محدّث سے توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس سند سے آئی ہوئی روایت کو ذرّہ برابر وقعت دے گا اور جب یہ روایت فہم ودرایت کے بھی خلاف ہو اور احادیث قویہ کے بھی خلاف ہو تو کیا امکان رہ جاتا ہے کہ اس سے دلیل پکڑی جائے۔

اب حافظ سیوطیؒ کی عبارت کا دوسرا جز لیجئے :۔

(۲) قال ابن سبع من خصائصہ ان ظلہ کان لا یقع علی الارض وانہ کان نوراً فکان اذا مشی فی الشمس او القمر لا ینظر لہ الظل	ابن سبع نے کہا کہ حضورؐ کی خصوصیات میں سے ایک یہ خصوصیت بھی تھی کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور وہ نور تھے پس جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو سایہ دیکھنے میں نہیں آتا۔

+ + + +

کاظمی صاحب نے ترجمے میں ابن سبع کے آگے بریکٹ میں "محدث" کا لفظ بڑھا دیا ہے تاکہ عوام رعب کھا جائیں۔ لیکن

ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ ذرا اِن ابن سبع صاحب کا تعارف تو کرائیے بے دلیل اور خلافِ درایت بات تو کسی بڑے سے بڑے محدث کی نہیں مانی جاتی حتے کہ بخاری اور مسلم کو بھی اپنی روایات کا اعتبار و قبول پوری سندیں بیان کرنے کے بعد ہی ملا ہے۔ لیکن آپ کسی ابن سبع کی بے دلیل بات منوانے پر تُلے ہیں جبکہ علمائے امت میں اِن صاحب کی کوئی بھی مسلّمہ حیثیت نہیں۔ محدث سیکڑوں گذرے ہیں۔ ان میں ثقہ بھی تھے اور غیر ثقہ بھی۔ محتاط بھی تھے اور غیر محتاط بھی۔ خدا کے لئے بڑے علماءِ سلف میں سے دوچار ہی عالموں کے وہ فرمودات پیش فرمائیے جن سے پتا چلے کہ یہ ابن سبع کون تھے، کیا تھے اور انھیں کس پائے کا محدث کہا جا سکتا ہے۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ اعجوبۃ الدّہر علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الرّد علے البکری میں ابن سبع وغیرہ کا ذکر کرکے فرمایا ہے

وامثال ھؤلاء ممن فی کتابہ من الکذب مالا یحصیہ الا اللہ۔۔۔ فھم لا یعرفون الصحیح من السقیم۔	یہ ان مصنفین میں سے ہیں جنکی کتابوں میں اتنا جھوٹ ملا ہوا ہے کہ اسکا شمار و وزن بس اللہ ہی کر سکتا ہے ۔۔۔ یہ لوگ صحیح و ناقص روایات کے مابین فرق کرنیکی تمیز نہیں رکھتے۔

ابن تیمیہؒ کا یہ فرمودہ دیوبندی مکتبۂ فکر میں تو قابلِ اعتناء ہو سکتا ہے لیکن کاظمی صاحب کے حلقے میں اسے شاید ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے۔ چلئے ڈال دیجئے مگر یہ تو واضح فرما دیجئے کہ فلاں فلاں تاریخی و تحقیقی شہادت سے ابن سبع ایک ایسے بزرگ ثابت ہوتے ہیں جن کے ہر بے دلیل دعوے کو بھی حجت بنا لینا امت پر لازم ہے۔ بے دلیل اس لئے کہ ابن سبع نے کوئی قابلِ توجہ روایت یا عقلی ثبوت تو فراہم کیا نہیں بس دعویٰ داغ دیا۔ غالباً وہ بھی حکیم ترمذی ہی کی مذکورہ روایت سے متأثر ہو گئے ہوں گے۔

ابن سبع کی عصمت و قطعیت کا ثبوت دیئے بغیر عبارت کا یہ جزوِ ثانی بھی لاحاصل ہوا۔ اب تیسرا جز لیجئے:۔

(۳) قال بعضھم ویشھد لہ حدیث قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دعائہ واجعلنی نوراً۔	بعض لوگوں نے کہا کہ سایہ نہ ہونے کی شہادت رسول اللہ صلعم کی ایک دعا کے اِس فقرے میں موجود ہے واجعلنی نوراً (اے اللہ مجھے نور بنا دے)۔

+ + + +

یہ استشہاد اگرچہ ایسا ہے کہ اس کو استشہاد کہنا یا تو علم و منطق کے ساتھ مذاق ہے یا پھر پرلے سرے کا بھولا پن۔ اسی لئے اس کا رد کرتے ہوئے کوفت ہوتی ہے۔ تاہم تکمیلِ نقد کے لئے اس بوالفضولی کو بھی گوارا ہی کرنا ہوگا۔

یہ جس دعا کا ذکر ہے وہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور کئی کتبِ حدیث میں ملتی ہے۔ حضورؐ جب نماز کیلئے مسجد چلتے تو اسے پڑھا کرتے۔ پہلی بات تو یہ قابلِ توجہ ہے کہ بخاری و مسلم ابن ماجہ اور ابو داؤد میں جو متن وارد ہے اس میں یہ واجعلنی نوراً والے الفاظ ہیں ہی نہیں۔ بس نسائی اور مستدرک میں ملتے ہیں۔ درآنحالیکہ حدیث سبھی کتابوں میں حضرت ابن عباسؓ ہی سے منقول ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس دعا میں لفظ "نور" کو بار بار جس مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے وہ بجائے خود یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ سایہ نہ ہونے کی دلیل بنانے کے لئے لفظ نور کو جس سائنسی مفہوم میں لینے کی عجیب و غریب اُپج بعض حضرات کر رہے ہیں وہ قطعاً ناقابلِ قیاس ہے۔ قائلین کا کہنا یہ ہے کہ چوں کہ حضور نے اللہ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ مجھے نور بنا دے اسلئے آپ کی دعا تو لازماً مقبول ہوتی ہی اور اس کے نتیجے میں آپ نور بنتے ہی لہٰذا سایہ کیسے پڑتا کہ سایہ تو کثیف اشیاء کا پڑتا ہے اور نور بسیط و غیر مرئی ہوتا ہے! ملاحظہ فرمائیے کیسی لاجواب منطق ہے۔ چلئے ہم اس منطق کو ایک منٹ کے لئے تسلیم ہی کئے لیتے ہیں، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ کا جسدِ مبارک صحابۂ کرامؓ اور امہات المؤمنین کے چھونے میں کیسے آتا تھا۔ ایسا ہونا چاہئے تھا کہ صحابی نے مصافحہ کے لئے حضورؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لینا چاہا تو بس اپنے ہی دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں ملکر رہ گئیں۔ حضورؐ کا ہاتھ بسبب نور بسیط ہونے کے گرفت میں نہ آیا۔ ایسا کیوں ہوتا تھا کہ حضورؐ اسی طرح زخمی ہو جاتے تھے جس طرح دوسرے اجسام تیغ و سناں سے زخمی ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ دعا کی قبولیت اور مجسّم نور بنجانا

واقعۂ جراحت کے بعد ہوا ہے تو چلئے کتنا ہی بعد ہوا ہو، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وصالِ مبارک کے بعد بھی جسمِ اطہر کی تکفین و تدفین اور غسل وغیرہ اسی طرح ہوا ہے جس طرح دوسرے اجسام کا ہوتا ہے ایسا نہیں ہوا کہ مایۂ غسل بہا کر ہاتھ پھیرا گیا ہو تو لیس ہوا میں جھول کے رہ گیا ہو اور کفن پہنانے لگے ہوں تو کوئی مادی شے ملفوف نہ ہو سکی ہو۔

ہم سمجھتے ہیں حد درجہ مغلوبیت اور جذباتی گم گشتگی کے عالم ہی میں بعض اسلاف واجعلنی نوراً سے سایہ نہ ہونے پر استدلال کر گئے ہیں ورنہ ہوش و حواس کی معتدل حالت میں تو کسی سے توقع نہیں کی جا سکتی کہ اس لطیفہ نما استدلال کی بے حیثیتی اور مضحکہ خیزی سے بے خبر رہے۔ لفظ "نور" قرآن میں کم سے کم تیس۳۰ چالیس۴۰ بار تو استعمال ہوا ہی ہے، اُن مقامات کے سوا جہاں اللہ جل شانہٗ نے خود اپنی ذاتِ واجب الوجود کا ذکر فرمایا ہو کسی بھی مقام پر وہ مفہوم لینا ناممکن نہیں ہے جو مذکورہ قائلین لینے پر مصر ہیں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ زیرِ تذکرہ دعا امت کو بھی تلقین کی گئی اور بڑے بڑے اولیاء اللہ اسے پڑھتے رہے، لیکن شاید کسی کی بھی قبول نہیں ہوئی ورنہ "نور" بن جاتے اور سایہ غائب ہو جاتا۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ تو بس اتنی ہی منفعت اس کی بتاتے ہیں کہ میں نے جس شخص کو اس دعا کی پابندی کرتے دیکھا اسے برکت اور نورانیت میں گھرا ہوا پایا۔ (عوارف المعارف)

اگر کاظمی صاحب اور ان کے ہم مشرب ضد پر نہ آئیں تو یہ جاننا اور ماننا دشوار نہیں ہے کہ قرآن و حدیث میں نور بالعموم ایک ایسی کیفیت کے لئے بولا جاتا ہے جو خیر و برکت سے معمور ہو، جس سے اللہ کے احکام و مرضیات کی معرفت حاصل ہو، جو نفس کو معصیت، کینہ، وحسد، جمود و جحود اور اسی طرح کی دیگر صفاتِ رذیلہ سے متوحش کر دے اور نور ہی کا مخذ لیکن جامع نام "ایمان" بھی ہے جیسا کہ آیاتِ قرآنیہ میں آپ دیکھ چکے۔ امتی جب واجعلنی نوراً والی دعا مانگیں گے تو مقصود اسی ایمانِ کامل کی طلب اور اسی کیفیتِ سعید کی تمنا ہوگی۔ اور رسول اللہ جب یہ دعا فرماتے ہوں گے تو آپ کا

منشاء ہرگز ہرگز اس کے سوا کچھ نہ ہوتا ہوگا کہ اے اللہ! آپ نے مجھے اپنا پیغامبر اور آخری نبی اور دینِ حق کا مبلغ بنا کر بھیجا ہے تو اس منشاء کو کامل طور پر پورا فرما اور مجھے ایسا نور بنا دے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔

جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس دعا کے ذریعہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے یہ استدعا کی کہ اے اللہ! مجھے سچ مچ کا نور بنا دے یعنی حقیقی و سائنسی معنوں میں ـــــ وہ فی الحقیقت حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے مرتکب ہیں اور اپنی کم فہمی کو سرکارؐ کی ذہانت و متانت کے لئے داغ بنا دینا چاہتے ہیں۔ ذرا غور تو کیجئے۔ جو اللہ کا بندہ نورِ ایمان پھیلانے کے لئے مبعوث ہوا ہو، جو شب و روز اسلام کی اشاعت میں تن من دھن سے لگا ہو، جسے ہمہ وقت یہی لگن ہو کہ اپنے اللہ کا پیغام لوگوں کے قلوب میں اتار دے، اسکی مراد "نور" سے اس کے سوا کیا ہوگی کہ انسانوں کی بڑی سے بڑی تعداد میری تبلیغ و تعلیم سے صراطِ مستقیم پر آئے اور ایمان کی روشنی سے مستفیض ہو۔ اس کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ وہ اللہ سے اپنے آپ کو ایسی مخلوق بنا دینے کی التجا کرے جس کی جنس ہی الگ ہے۔ جس کا کوئی تعلق ہی بشریت سے نہیں، جو صرف سر کی آنکھوں کے لئے مفید ہو سکتی ہے دل کی آنکھوں کیلئے نہیں اللہ کے بنائے ہوئے چاند سورج سامنے موجود ہوں تو کون ہوشمند ہوگا جو اللہ سے یہ دعا مانگے کہ مجھے دھوپ یا چاندنی بنا دیجئے۔ توبہ ہزار بار توبہ۔ ٹھیک کہا تھا کہنے والے نے کہ نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہے! یہ نادان دوستوں کی غلو آمیز عقیدتمندیاں فتنہ نہیں تو اور کیا ہیں کہ سرکارِ دو عالم کی طرف ایک ایسی آرزو اور طلب کو منسوب کر رہے ہیں جو نعوذ باللہ من ذلک ذہنی صحت اور توازنِ دماغی ہی کی نفی کرتی ہے۔ اللہ کے رسولؐ خوب جانتے تھے کہ میرے جسم کا سایہ پڑنے نہ پڑنے کا کوئی تعلق میرے مقصدِ بعثت سے نہیں۔ انھیں اچھی طرح علم تھا کہ اللہ نے جس مخلوق کیلئے جو اوصاف و خواص معیّن فرما دیئے ہیں وہ اٹل ہیں۔ آبی مخلوق پانی کے اندر بلا ہوا کے جی سکتی ہے، مگر انسان باوجود اپنی اشرفیت کے بغیر ہوا کے نہیں جی سکتا۔ دھوپ اور چاندنی اور چراغوں کی روشنی بسیط ہوتی ہے لیکن بشر جس مخلوق کا نام ہے وہ ہر حال میں ٹھوس ہی

رہے گی۔ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا رسولؐ اللہ کی غیر متبدل سنت کے منافی دعا مانگے۔ پھر یہ بھی سوچئے کہ از روئے قرآن بشر کی عظمت کا مدار تقویٰ اور طاعتِ الٰہی پر ہے نہ کہ جسمانی حسن و قبح پر۔ چاند سورج کی روشنی اگر بسیط ہے اور بشر بیچارہ غیر بسیط ہے تو روشنی اس بسط کی وجہ سے اس سے اشرف و مقدس نہیں ہوسکتی۔ فرشتوں اور جنوں کو دیکھئے وہ تو غیر مرئی اور لطیف تر ہیں، لیکن ان پر بھی شرف بشری کو حاصل ہے حالانکہ یہ جسمانی ترکیب کے اعتبار سے نسبتاً کثیف بھی ہے اور متعدد حوائج کا محتاج بھی۔ تب حضورؐ کیوں نورِ حقیقی بنائے جانے کی دعا مانگتے۔ ان کا منشاء لازماً اور قطعاً وہی نورِ معنوی ہوگا جس سے انسانی شرف بڑھتا ہے اور جس کو نورِ ایمان سے تعبیر کرتے ہیں۔ کسی بچے کا ذہن تو یہ ہوسکتا ہے کہ کاش میں چندا ماموں ہوتا۔ کاش میں ہوا ہوتا کہ آسمان کی پہنائیوں میں اُڑا پھرتا۔ کاش میں ننھا سا ستارہ ہوتا وغیرہ لیکن ایک صحت مند اور سنجیدہ ذہن سے اس طرح کی دعاؤں کی توقع کون کرسکتا ہے۔ بڑی نا روا جرأت ہے یہ کہنا کہ سرکارِ دو عالمؐ نے اللہ سے اپنے آپ کو سائنسی و طبعی معنوں میں نور بنا دینے کی طلب کی۔

کاظمی صاحب نے آگے متعدد کالموں میں زرقانی اور قاضی عیاض اور شہاب الدین رحمہم اللہ کی جو عبارات پیش کی ہیں، ان سب کا مدار اسی مذکورہ روایت اور ابن سبع کے قول پر ہے۔ لہٰذا علم واستدلال کی بارگاہ میں ان کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی۔ یہ لوگ اگر کچھ صدیاں پہلے پیدا ہوتے ہیں اور علماء کی صف میں شمار ہوتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فکر و نظر کی غلطی سے بالاتر ہوگئے۔

اب رہا زرقانی کا شرح مواہب میں یا البعض اور علماء کا اپنے مصنفات میں یہ کہنا کہ ابن المبارک اور ابن جوزی نے بھی ابن عباس سے سایہ نہ ہونے کی روایت کی ہے تو ضروری ہے کہ اس روایت کی پوری سند سامنے لائی جائے تاکہ علم و فن کی روشنی میں جانچ پرکھ کی جائے محققین جب تابعین تک کے مرسلات کو بلا حجت تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تو بعد کے کسی شخص یا اشخاص کا یہ مرتبہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ صحابی سے ایک روایت نقل کریں اور ہم یہ جانے بغیر کہ صحابی سے اُن تک یہ روایت کن ذرائع سے پہنچی آمنا و صدقنا کہہ اٹھیں۔

زرقانی یا شہاب الدین وغیرہ کی عبارتوں میں جو فقرے دلائلِ عقلیہ سے تعلق رکھتے ہیں انھیں ہم نے یہاں قصداً نظر انداز کردیا ہے کہ ان کی بحث مباحثِ عقلی کے ذیل میں ہوگی۔ فی الحال تو ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "حدیث" و "قرآن" کی حد تک یہ تھا وہ کل سرمایہ منکرینِ ظل کا جسے وہ اپنے دعوے کی اصل دلیل قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد کاظمی صاحب نے فرمایا:۔

> "اس میں شک نہیں کہ حدیث ذکوان ضعیف ہے لیکن ایسی نہیں کہ بالکل ساقط الاعتبار ہو چہ جائیکہ اسے موضوع کہا جائے"

خدا آپ کو سلامت رکھے۔ ذرا بتایا تو جائے کہ حدیث موضوع کی کیا تعریف ہے؟ ایک ایسی روایت جس میں ایک راوی ہی کا نام حذف ہو اور پھر جن صاحب سے اس روایت کا تحفہ ملا ہے ان کے اوصاف ناقدینِ رجال نے وہ بیان کئے ہوں جو ہم پیچھے پیش کر آئے اگر یہ روایت بھی ساقط الاعتبار نہیں ہے تو پھر وہ آٹھ دس لاکھ روایتیں بھی قابلِ اعتبار ہونی چاہئیں جن میں سے محض چند ہزار چھانٹ کر باقی کو محدثین و ناقدین نے ردی کردیا ہے۔ "چہ جائیکہ" بہت خوب رہا۔ ہم کہتے ہیں "موضوع" تو درکنار اگر روایت کی تردید کے لئے اس سے بڑھ کر بھی کوئی لفظ ہوتا تو یہ روایت اس لائق تھی کہ اس کیلئے وہ بولا جاتا۔

آپ نے ساقط الاعتبار نہ ہونے کی دلیل دی ہے:۔

> "اس لئے اگر یہ حدیث بالکل ساقط الاعتبار یا موضوع ہوتی تو وہ جلیل القدر ائمہ حدیث جن کی عبارات ہم اپنے بیان میں نہایت بسط و تفصیل سے نقل کر آئے ہیں ہرگز اس روایت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی تائید میں پیش نہ کرتے"

بے علم عوام کو تو آپ اس طرح کی دلیلوں سے دم بخود کرسکتے ہیں لیکن اہلِ علم کے یہاں ایسی سطحی باتوں کا کوئی وزن

نہیں۔ کتب متداولہ میں اُن بحثوں کو اُٹھا کر دیکھئے جن میں کسی روایت کے مرتبہ ومقام اور حقیقت وحیثیت پر گفتگو ہو رہی ہے۔ یہی ملے گا کہ ہر عالم فنی و اصولی دلائل پیش کر رہا ہے۔ راویوں پر جرح وتعدیل ہو رہی ہے۔ متن پر کلام ہے وغیرہ یہ نہیں ملے گا کہ ایک فریق تو فنی دلائل پیش کر رہا ہو اور دوسرے فریق نے ان دلائل سے صرفِ نظر کرکے یہ رٹ لگانی شروع کردی ہو کہ فلاں فلاں چند اشخاص نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ لہٰذا ہم اس کی عدمِ صحت کو نہیں مانتے اور راوی چاہے کیسے ہی ہوں ہم تو اسے ضرور ہی قبول کریں گے

پھر زرقانی اور ابن سبع اور رزین اور شہاب الدین اور قاضی عیاض اور بیجوری جیسے حضرات آپ کی دانست میں "ائمۂ حدیث" ہوں تو ہوں لیکن محتاط اہلِ علم انھیں یہ خطاب نہیں دیتے اور اگر دیں بھی تو کیا آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ معدودے چند کتبِ حدیث کو چھوڑ کر باقی تمام کتبِ حدیث میں سچی اور جھوٹی معتبر اور غیر معتبر۔ کھری اور کھوٹی سب قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ یہ مستدرک، یہ معاجم ثلاثہ، یہ مصنف عبدالرزاق، یہ مصنف ابن ابی شیبہ، یہ صحیح اسماعیلی، یہ مسند فردوس دیلمی، یہ مسند بزار، یہ سنن ابی مسلم ان میں سے کون ہے جس میں ضعیف، منکر اور موضوع روایات نہیں ملتیں، تو کیا زرقانی وغیرہم ان سب سے بالاتر اور معصوم ہوگئے کہ ان کی ضخیم کتابوں میں کسی موضوع ومکذوب روایت کا پایا جانا امرِ محال ٹھیرا۔ آپ کہتے ہیں:۔

> "جن احادیثِ ضعیفہ سے اہلِ علم نے استدلال کیا یا انھیں کسی مسئلہ کی تائید میں پیش کیا انھیں علی الاطلاق ساقط الاعتبار قرار دینا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا، کیونکہ ایسی صورت میں وہ تمام محدثین اور علمائے اعلام موردِ طعن قرار پائیں گے جنھوں نے اِن احادیث کو کسی مسئلہ شرعیہ کی دلیل یا اس کا مؤید قرار دیا ہے۔"

امت کے ہزاروں ہزار علماء میں سے معدودے چند علماء کا موردِ طعن بن جانا تو آپ کو پسند نہیں، لیکن یہ بھی سوچا کہ زیرِ بحث روایت پر اعتبار کر لینے سے امام بخاری ۔۔۔۔۔۔ امام احمد، ابن مہدی، ابوزرعۃ، حاکم، ابن حجر، صالح بن محمد، ابو نعیم، ابن عدی رحمہم اللہ جیسے معظم حضرات موردِ طعن بن جاتے ہیں کہ یہ سب تو اس روایت کے پیش کنندہ عبدالرحمٰن بن قیس کو جھوٹا اور ناقابلِ اعتماد بلکہ ناقابلِ تذکرہ تک فرما رہے ہیں اور آپ خم ٹھونک کے کہتے ہیں کہ کہے جاؤ ہم تمھاری نہیں سنیں گے اور اسی شخص کو معتبر مانیں گے!

اہلِ علم جانتے ہیں کہ علمِ حدیث کی فنی بنیاد "اسماء رجال" پر ہے اور رجال کی معرفت جن حضرات کے ذریعہ ہوتی ہے اُنھی کو موردِ طعن بنا دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ علمِ حدیث کا پورا قصر گرا دیا جائے۔ زرقانی اور سیوطی اور بیجوری جیسے ہزار متأخرین بھی کسی روایت کے سلسلہ میں خطا دار ٹھیر جائیں تو اس سے کوئی بڑا فساد ظہور میں نہیں آتا لیکن کتبِ رجال" ہی سے اعتماد اٹھ جائے اور ائمۂ متقدمین ہی غیر معتمد قرار دیئے جائیں تو علمِ حدیث کی جڑ بنیاد تک باقی نہیں رہ سکتی۔

کسی افسوسناک بے عقلی ہے کہ بعد کے چند علماء کو تو احبار و رہبان کا درجہ دیدیا جائے اور اُن ناقدین وائمہ کو نظرانداز کر دیا جائے جن کے دم سے قصرِ حدیث کے دیوار و در قائم ہیں۔

اور سنئے! اہلِ بدعت کے علماء کم علم عوام کو عموماً ایک سطحی نعرے سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہی کاظمی صاحب نے بھی بلند فرمایا ہے۔ کہتے ہیں:۔

> "علاوہ ازیں ابوابِ فضائل ومناقب میں ضعاف کا معتبر ہونا ایک حقیقتِ ثابتہ ہے جس کا انکار محض تعصب و اعتساف ہے!"

افسوس بے علموں کے ہاتھوں علم کی مٹی پلید ہوئی اور بے عقلوں نے علم حاصل کرکے اس کا وقار مجروح کیا۔ کاظمی صاحب کے مذکورہ فقرے غلط ہی نہیں غلط در غلط ہیں جن پر ہم قدرے تفصیل سے اس لئے کلام کرتے ہیں کہ یہی استدلال اکثر لوگ بدعات وخرافات کے جواز میں پیش کرتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ سایہ نہ ہونے کی دلیل میں متعدد حدیثیں ہیں ہی نہیں بس یہ ایک حدیثِ ذکوان ہے جسے "موضوع"

سے کم کچھ نہیں کہا جا سکتا لہذا "ضعاف" کی بات کرنا ہی بے محل ہے باقی جتنی روایتیں کاظمی صاحب نے بیان کیں ان کا حال ناظرین دیکھ ہی چکے کہ ان میں سے ایک میں بھی سایہ نہ ہونے کا ذکر نہیں، بلکہ وہ اُلٹا یہ ثابت کرتی ہیں کہ حضورؐ سچ مچ نور نہیں تھے۔ انسان تھے ٹھوس اور ذی جسم۔ تب اِس اصول کا ذکر چہ معنی دارد کہ فضائل و مناقب میں صفات معتبر ہوتی ہیں۔

دوسرے فضائل کے ساتھ مناقب کا لفظ بڑھانا بھی یا تو جہل ہے یا فریب دہی۔ ضعیف روایات کا فضائل اعمال میں مقبول ہونا بے شک ایک اصول ہے، لیکن مناقب میں معتبر ہونا ہرگز کوئی اصول نہیں۔ "مناقب" تو افراد و اشخاص کے اوصافِ حمیدہ کو کہتے ہیں۔ کون کہتا ہے کہ مناقب میں بھی ضعیف روایات مقبول ہیں۔ اصول حدیث سے متعلق کتابیں اٹھا کر دیکھئے امام نوودی، حافظ سخاوی، ابن الہمام، ابوالحسن قطان، علامہ جزائری وغیرہم یہی لکھتے ملیں گے کہ فضائل اعمال اور سبق آموز قصص اور ترغیب و ترہیب میں بعض علماء نے کم قوی روایتوں کو مقبول مانا ہے۔ فضائل اشخاص و افراد کا ذکر کوئی بھی نہیں کرتا

تیسرے جس چیز کو کاظمی صاحب دھڑلے سے "حقیقت ثابتہ" کہہ رہے ہیں وہ ہرگز ہرگز متفق علیہ نہیں، بلکہ کوتاہ نظری یا کم علمی نے انھیں ایسا گمان کرا دیا ہے۔ کتنے ہی علمائے اصول اور محققین حدیث ضعیف کو کسی بھی شعبے میں لائق قبول نہیں مانتے" توجیہ النظر" اٹھا کر دیکھئے، ص۲۹۱ پر علامہ الجزائری کا ارشاد ہے

وذهب قوم الى عدم جواز الاخذ بالحديث الضعيف فى اى نوع كان	اور ایک جماعت اسکی قائل ہے کہ حدیثِ ضعیف پر عمل و اعتماد کسی صورت میں بھی درست نہیں چاہے وہ فضائل کی ہو یا قصص کی۔

+ + + +

اسی توجیہ النظر میں ابن عساکر پر ابی شامہ کی تنقید موجود ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ ضعیف و منکر روایات کو فضائل اعمال میں قبول کرنا بھی بلند پایہ محدثین اور ائمۂ اصول کی نگاہ میں خطا ہے۔

امام الائمہ بخاریؒ، راس المحدثین مسلمؒ، علامہ ابن حزمؒ، یحیٰی بن معین اور ابوبکر ابن العربی رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ ضعیف روایات سے کسی بھی معاملہ میں حجت پکڑنا اور انھیں لائق قبول سمجھنا غلط ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مذکورہ اصول تمام علماء کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہے۔

چوتھے حدیث ضعیف کو مقبول قرار دینے والے بھی علی الاطلاق ایسا نہیں کہتے، بلکہ چند شرائط لازم کرتے ہیں جن میں کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ حدیث احکام و عقائد سے متعلق نہ ہو۔ ناظرین دیکھ ہی رہے ہیں کہ منکرینِ ظل سایہ نہ ہونے کو ایک عقیدے کے طور پر ثابت کرتے ہیں اور اپنے مخالفوں کو نورِ ایمان سے خالی اور بدعقیدہ وغیرہ کہتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ حدیث ضعیف کے قبول کی بنیادی شرط ہی غائب ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ سایہ ہونا نہ ہونا اعمال سے متعلق کوئی چیز نہیں نہ اس میں زہد و تقویٰ کا کوئی درس ہے۔ لہذا ضعیف روایت کے قبول کا اصول اس میں کیونکر چلے گا۔

ایک اور شرط اہلِ علم یہ بتاتے ہیں جسے ابن حجر کے الفاظ میں سنئے کہ:۔

ان يكون الضعيف غير شديد الضعف فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب	وہ حدیث ضعیف تو ہو مگر بہت زیادہ ضعیف نہ ہو۔ پس جس روایت میں کوئی ایسا راوی ہو کہ اسے جھوٹا شمار کیا گیا ہو وہ قبول کے دائرے سے نکل جائے گی۔

+ + + +

اس شرط کا حال بھی ناظرین دیکھ چکے کہ زیر بحث روایت میں کس انداز کے راوی ہیں۔ موضوع نہ مانئے تب بھی شدید ضعف تو کھلا ہوا ہے۔

اس صورتِ حال میں کیا قیمت رہ جاتی ہے اُس استدلال کی جو "علاوہ ازیں" کہہ کر پیش کیا گیا ہے اور جسے ابھی ہم نے نقل کیا ہے۔

احساس کاظمی صاحب کو بھی ہے کہ لے دے کے ایک ہی تو حدیث ذکوان تھی جو ہمارے لئے سہارا بنی ہوئی تھی اس کی سند علم و فن کی کسوٹی پر تانبا ثابت ہو گئی۔ اس تانبے کو سونا

دکھانے کے لئے وہ کیمیا گروں کے سے نوع بہ نوع نسخے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً :-

"چونکہ اس حدیث کو بھی علماءِ محدثین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی دلیل یا اس کا مؤید قرار دیا ہے اس لئے اس میں ایسی قوت پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے اسے بالکلیہ ساقط الاعتبار کہنا درست نہیں۔"

کسی معروف و مستند محدث کا نام تو کاظمی صاحب پیش نہیں کر سکے ہیں ہاں ان کا یہ نظریہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی اس روایت سے ان کے عقیدے کے مطابق استدلال کر لیا وہی محدث بن گیا۔ کسی روایت سے امت کے معدودے چند افراد کا دلیل پکڑنا اگر اس روایت کی قوت میں اضافہ کر سکتا ہے تو پھر بے شمار موضوع روایات کے لئے بھی اہلِ باطل کو پارس کی پتھری ہاتھ آجاتی ہے۔ جن موضوعات پر بعض مذہبی گروہوں کے نکرِ نظر کی عمارت قائم ہے ان سے تو استدلال کرنے والے اس گروہ کے بے شمار علماء مل جائیں گے اور مجموعی طور پر گروہ چونکہ امت مسلمہ ہی میں شامل ہیں اس لئے اس سے بھی انکار نہ کیا جا سکے گا کہ یہ استدلال بے شمار مسلمان علماء نے کیا ہے۔ پھر تو اہل تشیع کی جملہ بنیادی روایات بھی قوی اور قابلِ قبول ٹھیریں گی!

چیست یارانِ طریقت بعد ازاں تدبیر ما

یا مثلاً وہ کہتے ہیں :-

"علاوہ ازیں یہ حدیث صرف ذکوان سے نہیں بلکہ سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے جیسا کہ زرقانی علی المواہب میں ہے۔"

یہ زرقانی کا حوالہ تو کئی بار دیکھ لیا مگر منکرینِ ظل آخر یہ کیوں نہیں بتاتے کہ ابن المبارک اور ابن الجوزی تک یہ روایت پہنچی کن لوگوں سے۔ یہ خوب ہے کہ بار بار حضرت ابن عباسؓ کا نام لے کر رعب ڈالا جاتا ہے۔ حالانکہ اکثر جھوٹی اور من گھڑت روایات کے ساتھ بھی یار لوگ کسی نہ کسی صحابی ہی کا نام جوڑ دیتے ہیں۔ زرقانی پیغمبر نہیں تھے کہ وہ جو کچھ کہیں بے سند مان لیا جائے۔ بخاری و مسلم تک کا اعتبار ان کی سندوں سے قائم ہے۔ ابن عباسؓ کی طرف منسوب شدہ روایت کی جب تک پوری سند بیان نہ ہو گی کوئی بھی اہمیت اسے نہ دی جا سکے گی۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ اس روایت کی کوئی مضبوط اور قابلِ اعتماد سند بیان کرنا کسی کے بس میں ہے ہی نہیں۔

یا مثلاً وہ فرماتے ہیں :-

"ہاں! بعض رواۃ کی جہت سے اس کا ضعف مسلّم ہے، لیکن یاد رہے کہ اس حدیث کی صرف ایک روایت نہیں، بلکہ ایک سے زائد روایتوں سے یہ حدیث مروی ہے جیسا کہ زرقانی کی منقولہ عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔"

پھر وہی زرقانی۔ اللہ کے بندو زرقانی نے اگر ایک سے زائد سندیں بیان کی ہیں تو انھیں سامنے لاؤ نا۔ جو ایک سند ہمیں مل سکی تھی اس کا جغرافیہ تو ہر شخص نے دیکھ ہی لیا۔ اب مزید کوئی سند ہے تو وہ بھی پیش ہو۔ ہم دیکھیں گے کہ علم و فن کے اعتبار سے اس کا کیا حال ہے۔ یہ کیا طریقہ ہے کہ زبانی جمع خرچ کئے جاتے ہو اور مسلّماتِ فن سے آنکھیں چار نہیں کرتے

اس مقام پر کاظمی صاحب نے مولانا شبلی پر بھی چھینٹے اڑائے ہیں۔ اس سے تو ہم "ارشاداتِ سلف" کے ذیل میں تعرض کریں گے۔ البتہ مولانا مودودی کی ایک تحریر سے جو انھوں نے سہارا پکڑا ہے اس کا جواب عرض کر دیں۔

ہوا یوں تھا کہ استاذ ناصر الدین نے پردے کی بحث میں مولانا مودودی پر ایک مرسل اور ضعیف روایت سے دلیل پکڑنے کا اعتراض کیا تھا۔ اس کا جواب مولانا مودودی نے دیا تو وہی بعض اُن لوگوں کے لئے تنکے کا سہارا بن گیا جو سچے اور جھوٹے موتیوں میں فرق نہیں کر سکتے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا مودودی اور استاذ ناصر الدین کے درمیان ایک ضعیف روایت کی بحث تھی نہ کہ موضوع کی۔ موضوع روایتیں اگر ستّو بھی ایک ہی مضمون کی مل جائیں تو وہ مضمون ردّی ہی رہے گا۔ حدیث ذکوان اپنے آخری راوی کی خستہ حالی و رسوائی کے باعث موضوع سے کم کسی خطاب کی

مستحق نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مرسل روایت کے قبول میں اختلاف ہے جیسا کہ ہم عرض کر آئے۔ اب اگر بعض مرسل روایتوں میں وہ شرائط پائی جائیں جن کے پائے جانے پر بعض علماء کے نزدیک وہ لائقِ قبول ہو جاتی ہیں تو کوئی حرج نہیں اگر یہ علماء انھیں قبول کرلیں۔ لیکن یہ ذکوان والی مرسل تو ان شرائط سے خالی ہے جیسا کہ واضح کیا جا چکا۔ پس ان علماء کے نزدیک بھی اس سے حجت پکڑنا جائز نہ ہوگا جو مرسل سے احتجاج کے قائل ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ پردے کا مسئلہ فقہ سے تعلق رکھتا ہے، لہٰذا اس میں فقہاء کا فیصلہ یقیناً اہمیت رکھے گا۔ تب مولانا مودودی کا یہ فرمانا بجا ہے کہ:-

"فقہاء کی تلقی بالقبول احادیث کے ضعف میں نہیں، بلکہ اس کی قوت میں اضافہ کرتی ہے۔"

"تلقی بالقبول" اس ارشاد میں خاص اہمیت کے الفاظ ہیں۔ ان کا استعمال اسی وقت ہوتا ہے جب متعلقہ حلقے میں اسے قبولِ عام حاصل ہو۔ بے شک جس نقطۂ نظر کو مولانا مودودی نے حدیثِ مرسل کے استشہاد پر پیش کیا ہے اسے فقہاء کی غالب ترین اکثریت کا قبول حاصل ہے۔ لیکن سایہ نہ ہونے کا مسئلہ فقہ کا مسئلہ نہیں عقائد کا مسئلہ ہے۔ اس میں علمائے اصول و عقائد کی آراء سند ہو سکتی ہیں۔ کاظمی صاحب نے عقائد کی کسی ایک کتاب کا نام بھی نہیں لیا نہ کسی امام کو شہادت میں لائے۔ چہ جائیکہ ائمۂ عقائد کے حلقے میں اس عقیدے کی "تلقی بالقبول" ثابت کرتے۔ وہ نام لیتے ہیں تو اُن لوگوں کا جو مجموعی حیثیت سے چاہے کتنے ہی مشہور عالم ہوں لیکن معروف معنوں میں نہ محدث ہیں نہ امام العقائد۔

چوتھی بات یہ ہے کہ تحفظِ عصمت اور پردے کے بارے میں اسلام کا جو مزاج و رجحان صریح و محکم نصوص سے ثابت ہے مولانا مودودی کی مستدل روایت اسی مزاج و رجحان سے ہم آہنگ اور اسی کو تقویت دینے والی ہے۔ لہٰذا باوجود ضعیف ہونے کے لازماً جھوٹی نہیں قرار دی جا سکتی۔ اسکے برخلاف رسول اللہ صلعم کی بشریت اور عبدیت کے بارے میں قرآن و حدیث کی محکم نصوص جس مزاج و رجحان کی تربیت کرتی ہیں سایہ نہ ہونے کی روایت تو اس کی ضد ہے۔ اس سے تو اس غلو کو شہ ملتی ہے جس سے اللہ اور رسول نے بہ تاکید منع فرمایا ہے۔ ان کھلے ہوئے فرقوں کے باوجود کاظمی صاحب کا مولانا مودودی کی تحریر سے دلیل پکڑنا "قیاس مع الفارق" نہیں تو اور کیا ہے؟

رہا مولانا مودودی کا یہ فرمانا کہ:-

"ابن جریر اور قتادہ نہ تو قرآن سے اس قدر ناواقف ہیں کہ ایک چیز اس کے خلاف ہو مگر انھیں اس کا احساس نہ ہو اور نہ وہ ایسے جری ہیں کہ جان بوجھ کر ایک مخالفِ قرآن بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیں۔"

تو اگرچہ اس طرزِ استدلال کو ہم مولانا مودودی کے علمی مزاج سے ہم آہنگ نہیں پاتے بلکہ ان کی اکثر تحریریں اس طریق کو غیر معتبر باور کراتی ہیں تاہم اسے محکم ہی مان لیا جائے تو منکرینِ ظل کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ مولانا مودودی اور استاذ زادہ الدین کے مابین زیرِ بحث مسئلہ قانونِ شریعت کا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ قانون جذباتی لگاوٹوں سے بلند ہوتا ہے۔ قانون کے دائرے میں شخصی عقیدتمندیوں کا سوال نہیں پیدا ہوتا اسلئے یہ خطرہ موجود نہیں ہے کہ ابن جریر اور قتادہ جیسے لوگ جذبات کی رو میں بہہ گئے ہوں گے۔ لیکن سایہ نہ ہونے کا بنیادی تعلق ذاتِ رسول کی عقیدت سے ہے۔ انبیاء کی عقیدت میں امتی کہاں تک گئے اس کی نظیر نصاریٰ کی تثلیث میں موجود ہے۔ اہلِ بدعت کے ان واہی عقائد میں بھی موجود ہے جن کا محل حضور کی بشریت سے انکار اور عالم الغیب ہونیکے اثبات وغیرہ کے مسائل سے بنتا ہے۔ بڑے بڑے علماء غلوئے عقیدت کے دھارے میں بہہ گئے ہیں۔ سایہ نہ ہونے کو اگر بعض علماء نے قرآن و حدیث کی تعلیمات و تصریحات کے خلاف نہیں سمجھا تو اسے عقیدت ہی کا غلو کہا جائے گا جبتک کہ علمی و فنی سطح پر اس کا معقول ہونا ثابت نہ کر دیا جائے ۱۲۔

بازگفت

"سایۂ رسول" کی بحث میں یہ تیسری قسط کتابت ہو چکی تھی کہ اسی سلسلہ میں اپنی ناچیز ہستی کے متعلق دیوبند کے ایک فاضل بزرگ کا شہ پارہ نظر سے گذرا جو نہ صرف مولانا ہیں بلکہ بی۔اے بھی ہیں۔ ہمیں اس کا تو ملال نہیں کہ اس شہ پارے میں ہم پر کچھ اس طرح تبرا بازی کی گئی ہے کہ اس کی مثال تیسرے درجہ کے بازاری حلقوں کے سوا کہیں مشکل ہی سے ملیگی۔ لیکن اس کا افسوس ضرور ہے کہ فضلائے دیوبند کے حسن تقریر و تحریر کے بارے میں جو بدگمانیاں علمی حلقوں میں پیدا ہو چکی ہیں انھیں اس شہ پارے سے بہت کچھ تقویت نصیب ہوتی ہے، اور اس کا بھی صدمہ ہے کہ یہ شہ پارہ ایک ایسے جریدے میں اشاعت پذیر ہوا ہے جو اگرچہ علمی و ادبی حلقوں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن اسے استاذِ محترم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے عالی قدر صاحبزادے مولانا الحاج سید اسعد صاحب دامت برکاتہم کی نگرانی و سرپرستی کا شرف حاصل ہے، ہم اپنے محترم استادزادے سے دست بستہ عرض کریں گے کہ وہ اس شہ پارے پر اپنے عظیم المرتبہ باپ جیسی خلوص کیشی کے ساتھ نگاہ نقد ڈالیں اور غور فرمائیں کہ اس طرح کی مبتذل، طفلانہ اور ذاتی کینہ و عناد سے لبریز تحریر ان کی اپنی اونچی شخصیت کے لئے بھی اور جملہ منتسبین دارالعلوم کے لئے بھی کس قدر رسوائی کا باعث ہو سکتی ہے۔ گفتگو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ تھا یا نہیں تھا۔ عاجز کی رائے یہ ہے کہ سایہ تھا اور سایہ نہ ہونے کا عقیدہ علمی و عقلی اعتبار سے درست نہیں ہے، اپنی رائے کے اثبات میں عاجز فروری مارچ ۵۹ء میں بھی دلائل پیش کر چکا ہے اور اب بھی قسط وار پیش کر رہا ہے، اگر کسی کو اس سے اختلاف ہے تو اسے لازم ہے کہ دلائل کو دلائل سے کاٹے اور علمی زبان میں سنجیدہ گفتگو کرے، یہ کیا چھچھورا پن ہے کہ ایک صاحب اٹھتے ہیں اور فضیلتوں کی کئی ڈگریاں پیش فرماتے ہوئے انتہائی عامیانہ اور بیہودہ گفتگو شروع فرما دیتے ہیں، بغض و حسد اپنی جگہ درست، لیکن ہر علم و فن کے کچھ آداب ہیں، انسانیت و شرافت کے کچھ تقاضے ہیں، دیانت و متانت کچھ حدود رکھتی ہیں ہر طرح کے آداب و حدود کو بالائے طاق رکھ کر نہایت گھٹیا اور مضحکہ خیز انداز میں دل کا غبار نکالنے بیٹھ جانا اور نفس کی آلائشوں کو ان مقدس صفحات پر دھونے کی جسارت کرنا جن کی نگرانی ایک محترم شخصیت کے ذمہ ہو، بڑی ہی رسواکن بات ہے۔ ہمارا خیال ہی نہیں یقین ہے کہ اگر اس جریدہ کو واقعی کوئی سنجیدہ حلقۂ قارئین میسر ہوگا تو اس پر یہ گل افشانیاں پہاڑ بن کر ٹوٹی ہوں گی، اور اس کی بردباری ہاتھ ملتی رہ گئی کہ یا الٰہی! اتنے ثقہ پرچہ میں ایسی پوچ تحریرات!

لعن و طعن، سب و شتم اور افترا پردازیوں پر مشتمل مضامین ہمارے لئے کوئی نئے نہیں ہیں، تجلّی کی خداداد مقبولیت، اسکے مشتملات کی معقولیت اور اس کے معنوی حسن و جمال کی کشش سے کبیدہ خاطر رہنے والوں کی تعداد بہت ہے، اور ایسے اخبارات و رسائل بھی کافی ہیں جو علم و استدلال کی بازی ہار کر بدزبانی اور تبرا بازی پر اتر آتے ہیں، لیکن ان کی صف میں اس جریدے کو شامل نہیں ہونا چاہئے تھا جس کے وجود کے ساتھ استاذ معظم مولانا مدنیؒ کے خانوادے کی تقدیس کو نسبت خصوصی حاصل ہے، ہمارے لئے نہ پہلے ممکن رہا ہے، نہ اب ممکن ہے کہ اس طرح کی بوالفضولیوں پر توجہ دیں۔ لیکن مذکورہ شہ پارہ پر تھوڑا سا وقت برباد کرنے کی وجہ صرف یہی ہے کہ اسکا تعلق ایک فاضل دارالعلوم کے قلم اور ایک عالی مرتبت صاحبزادے کی نگرانی میں نکلنے والے جریدے سے ہے، کسی بھی فاضل دارالعلوم کے علم و فضل کی رسوائی خود ہماری رسوائی ہے کہ ہم بھی تقدیر الٰہی سے فضلائے دارالعلوم ہی کے زمرے میں شامل ہیں، ہم اپنے محترم استاد زادے کی خدمت عالی میں گذارش کریں گے کہ وہ فاضل مضمون نگار کو تھوڑا سا درس انسانیت دیں اور تنبیہ فرمائیں کہ اے صہبائے عناد کے متوالے! علم و شرافت کی کچھ تو آبرو رکھئے، وقار و متانت کی اونچی سطح سے نہ سہی عدل و شرافت اور ادب و نگارش کی معمولی سطح سے تو کلام فرمائیے۔ ملا ابن العرب مکی کی تقلید میں طنز و مزاح ہی کا شوق پورا کرنا ہے تو اس کے لئے بھی سلیقہ درکار ہے۔ طنز و مزاح کا فن بہت اونچا ہے، بشرطیکہ فنکار اس کے مزاج، اس کی حدود اور اس کی تکنیک کو سمجھتا ہو اور اسے

برتنے کا بھی سلیقہ رکھتا ہو۔ لیکن یہی فن دنیا کا بدترین فن ہے اگر ایک اناڑی پھکڑ پن کے ساتھ اس میدان میں ٹٹو دوڑانے لگے جہال و مبتدعین جیسا تبرّا ہی مقصود ہو تو "سایۂ رسول" جیسے علمی مبحث کی آڑ لینی ضروری نہیں، کوئی بھی جواب آں غزل "قسم کا عنوان قائم کر کے شیعہ لٹریچر سے استفادہ کرنا چاہئے۔ عزیز حسن بقائی کی تحریریں بھی اس سلسلہ میں کافی معاون ہو سکتی ہیں۔ بعض بدعتی جریدے بھی خاصا مواد دے سکتے ہیں، یہ کیا کہ "سایۂ رسول کی تحقیق" کا بھاری بھرکم عنوان دیا جاتا ہے اور گفتگو شروع کی جاتی ہے ایسے سوقیانہ انداز سے کہ متانت و شرافت سر پیٹ لیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔ بسم اللہ ہی اس طرح فرماتے ہیں:-

"اس کا تو علم تھا کہ جناب عامر صاحب ایسے باکمال
شاعر عثمانی (؟) ہیں کہ بسا اوقات مشاعرے میں
کسی ایک شعر پر بھی داد نہیں ملتی اور پانی کے گھونٹ
پی پی کر شعر پڑھا کرتے ہیں"۔

اس سے قطع نظر کہ داد ملنے نہ ملنے کی حقیقت کیا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ جس شخص کو علمی متانت اور صحافتی بردباری چھو کر بھی گئی ہو کیا اس سے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ "سایۂ رسول" کی بحث اس لایعنی انداز میں شروع کرے گا، پھر آگے دو صفحے تک اسی طرح کی غیر متعلق شیریں بیانیوں کا سلسلہ جاری رکھا گیا ہے۔ مثلاً

"(عامر صاحب) شاہنامۂ اسلام کے مؤلف بھی ہیں
جس میں حفیظ صاحب کے قدم بہ قدم چل کر اجھی
ہوئی ترکیبیں اور بھدے الفاظ پیش کر دئے ہیں"۔

سمجھے آپ؟ یہ "سایۂ رسول" کی تحقیق ہے۔

اور کچھ آگے

"اصول تجارت سے بھی خوب واقف ہیں جو اشتہار
سرمہ در نجف سے ظاہر ہے جسکے سامنے در عدن
کی آب و تاب ماند ہے جو شخص اس کو استعمال
کر لیتا ہے اس کے دل کی آنکھیں تک کھل جاتی
ہیں، پھر وہ روشنی میں بھی اپنے حریفوں کو
اعمیٰ ہی سمجھنے لگتا ہے"۔

ایمان سے کہئے اس میں اور ہذیان میں کوئی فرق کیا جا سکتا ہے؟ "درِ نجف" اول تو عامر عثمانی کا نہیں "دار الفیض رحمانی کا ہے، پھر بات کیا بنی؟ یہی نا کہ بغض و عناد کے بخار میں مبتلا ایک شخص برملا ہذیان پر اترا ہوا ہے حالانکہ اس بیچارے کو طنز کرنے اور گالی دینے کا بھی سلیقہ نہیں۔

آگے

"دہلی میں بس سے اترتے وقت جب فوٹو لیا جا رہا
تھا اس سے بھی مناقب عامری میں چار چاند
لگ جاتے ہیں"۔

بوجھئے یہ پہیلی؟ آپ یا جریدۂ مذکور کے قارئین یہ پہیلی ہرگز نہ بوجھ سکیں گے نہ خود ہم بوجھ سکے، البتہ توقع کرنی چاہئے کہ کچھ عرصہ بعد خود صاحب تحریر ہی اس کا مفہوم بتانے پر مجبور ہوں گے۔

آگے

"عامر عثمانی رمضان شریف کے روزے کبھی نہیں رکھا
کرتے ہیں۔ یہ انکشاف ان کے ایک ایسے عزیز نے
کیا جو رمضان شریف میں دن میں ان کو کھاتے
دیکھنے کا عینی شاہد ہے، اور بھی عجیب و غریب
انکشافات ہیں جو آئندہ کے لئے محفوظ ہیں"۔

اچھا ہوتا اگر یہ اور انکشافات بھی ہاتھوں ہاتھ واشگاف کر دئے جاتے تاکہ دل کا کچھ اور غبار نکل جاتا۔

آگے

"شاید مے نوشی تو نہ فرماتے ہوں گے مگر ایسا اندازہ
ہوتا ہے کہ شوق مے نوشی خوب ہے"۔

وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ اہل نظر انصاف فرمائیں کہ کیا کینہ پروری اور ذاتی عناد کی اس سے واضح مثال بھی کوئی ہو سکتی ہے، تحقیق ہو رہی ہے "سایۂ رسول" کی اور باتیں ہو رہی ہیں یہ نورٌ علیٰ نور

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی

ہمیں اپنی شاعری یا شاہنامے کی علمی و ادبی حیثیت پر کچھ نہیں کہنا۔ ہزاروں ہیں جنھوں نے مشاعرے میں ہمارے شعر سنے اور رسائل میں پڑھے ہیں، ہزاروں ہیں جنھوں نے شاہنامے کا مطالعہ کیا ہے، اس پر موقر رسائل میں تبصرے بھی ہوئے ہیں

ہمیں قطعاً اصرار نہیں کہ اپنی سخن سنجی کا قصیدہ گائیں، لیکن ہاں دوسرے الزامات جو محترم بزرگ نے لگائے ہیں ان پر ضرور کچھ نہ کچھ کہیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی گفتگو کے لئے تجلی کے صفحات موزوں نہیں، اس کا موزوں مقام تو عدالت ہی ہے، رب العزت کی آخری عدالت پر تو شاید ہمارے عنایت فرما کو یقین نہیں ہے اس لئے پہل ہم دنیا ہی کی عدالت سے کریں گے، وہ دنیا جسے ہمارے دوست نے سب کچھ سمجھ لیا ہے، وہاں انھیں موقع ہوگا کہ "بس سے اترتے وقت فوٹو" کی چیستاں کا مطلب اور ہماری مستقل روزہ خوری اور شوق مے نوشی وغیرہ کا ثبوت فراہم کرکے اپنی کامیابی کے ڈنکے بجائیں، ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اتہام وافترا کو سچ ثابت کر دینے کا اعجاز ہمارے کرم فرما میں کس حد تک ہے لیکن اگر یہ اعجاز وہ نہ دکھلا سکے تو پھر ہم انھیں یہ دکھلانے کی زحمت اٹھائیں گے کہ قانون کی ایک دفعہ "ازالۂ حیثیت عرفی" بھی ہے اور کسی باعزت شہری کی عزت و شہرت کو کینہ و حسد کے پلئے چوبیں سے رگڑ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا انھوں نے سمجھ رکھا ہے۔

یہاں تک تو ان کی تمہید کے بارے میں عرض کیا گیا، آگے چھ صفحات میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ عامر عثمانی نے فروری و مارچ ۵۹ء کے تجلی میں جان بوجھ کر ازراہ فریب مفتی شفیع صاحب کے فتوے اور رسالے کو مفتی عزیز الرحمٰن کی طرف منسوب کر دیا۔ اس سلسلہ میں کوئی سخت سے سخت لفظ ایسا نہیں ہے جو انھوں نے ہمارے حق میں استعمال نہ کیا ہو۔ افترا، اتہام طرازی، تلبیس، چوری، کذب و دغا وغیر ذلک۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کی پوری پوری جزا دے، انھوں نے ہمارا جرم ثابت کرنے میں ناحق چھ صفحات برباد کئے اور آخر میں یہ بھی اپیل کی کہ

"خدارا لوگوں کو اس تلبیس میں مبتلا نہ فرمائیں
اور حق کی پابندی کے سلسلہ میں اعلان فرمادیں
کہ مجھ سے غلطی ہو گئی"۔

اس طرح کی اپیل اگرچہ ان لوگوں کو زیب نہیں دیتی جنھوں نے کبھی اس بلند کرداری کا مظاہرہ نہیں کیا، جنھیں ہمیشہ اپنی بات کی پچ رہی ہے خواہ کتنے ہی مضبوط استدلال سے ان کی غلطی واضح کی گئی، اور جو ہمیشہ ضد، کبر اور جمود کی راہ پر چلتے رہے، پھر اس شخص سے اپیل کی جا رہی ہے جس نے اپنی بارہ سالہ صحافتی زندگی میں ایک دو بار نہیں دسیوں بار واضح الفاظ میں اپنے کسی نہ کسی سہو و قصور کو اعتراف و تصحیح کے ساتھ چھاپا ہے۔ جس کا جی چاہے تجلی کا فائل دیکھ لے۔

لیکن یہ اپیل کی ہی گئی ہے تو جواباً عرض ہے کہ اے ناصحِ مشفق آنکھیں کھول کر دیکھئے۔ اب سے ایک سال تین ماہ قبل ہی مئی ۵۹ء کے تجلی میں اداریے کے تحت "ایک غلطی کی تصحیح" کا جلی عنوان دے کر ذیل کا شذرہ سپرد قلم کیا گیا ہے لفظ بلفظ نقل ملاحظہ ہو

ایک غلطی کی تصحیح

فروری و مارچ ۵۹ء کے مشترکہ شمارے میں "تجلی کی ڈاک" کے تحت حضورؐ کے سائے کی بحث کرتے ہوئے ہم نے مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ کی طرف ایک فتوے کی نسبت کی تھی، اشاعت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ فتویٰ ان کا نہیں تھا، بلکہ دار العلوم کے سابق مفتی مولانا محمد شفیع صاحب کا تھا۔ ہماری غلط فہمی کا باعث یہ چیز بنی کہ فتاویٰ دار العلوم میں ان دونوں حضرات کے فتاویٰ کو دو الگ عنوانوں سے چھاپا گیا ہے، عزیز الفتاویٰ اور امداد المفتیان۔ یہ فتوے امداد المفتین کے تحت تھا لیکن ہم نے سہواً اسے عزیز الفتاویٰ کے تحت سمجھ لیا۔ اب جس کا جی چاہے ہمارے اس سہو کو واقعۃً "سہو" مان لے اور جس کا جی چاہے بد نیتی، نادر خیانت وغیرہ سے تعبیر کرلے، ہمارا ضمیر بہرحال مطمئن ہے کہ ہم نے ارادۃً یہ فعل نہیں کیا ہے، اور یہ بھی اطمینان ہے کہ اس سہو سے نفس بحث پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ مولانا مفتی شفیع صاحب بھی بہت برسوں تک دار العلوم دیوبند کے مفتی رہے ہیں، بہت بڑے عالم ہیں، مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص خلفاء میں سے ہیں، اور آج بھی انھیں پاکستان میں مفتی اعلیٰ کی حیثیت حاصل ہے۔ ویسے اس تعارف سے مقصود اپنے خیال و رائے کی تقویت نہیں ہے کہ مسائل میں اصل اہمیت دلائل کی ہے نہ کہ شخصیات کی۔ بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ اکابرین دیوبند کا متفقہ طور پر یہ عقیدہ ہرگز نہیں رہا ہے کہ حضورؐ کا سایہ نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ سایہ نہ ہونے کے قائل ہوں۔ مگر تنہا

ان کی ذات پر "اکابرین دیوبند" کا اطلاق نہیں ہوتا۔"

آپ نے دیکھا جو خطا ہم سے نادانستہ ہوگئی تھی، اس کا اعلانِ اعتراف ہم نے ایک ماہ بعد ہی برملا کرلیا تھا اور اس صورت میں کرلیا تھا جبکہ کسی اخبار رسالے نے ہمارے قصور کی گرفت نہیں کی تھی صرف ایک شخص نے خط کے ذریعہ ہمیں متنبہ کیا اور ہم نے تحقیق کے بعد اس کی تنبیہہ کو درست پایا تو فوراً تامّل تصحیح شائع کردی۔ چونکہ اسی فتوے میں جسے ہم نے غلطی سے مفتی عزیز الرحمٰنؒ کا سمجھ لیا یہ فقرہ بھی تھا کہ

"احقر کے رسالے میں تفصیل دیکھ لی جائے"۔

اس لئے اس رسالہ "ماحول القبول" کو بھی تبعاً ہم نے مفتی عزیز الرحمٰن ہی کا سمجھا اور اس کے فرمودات کی نسبت انکی طرف کی۔ لیکن جب متنبہ ہونے پر ہم نے اعلان کردیا کہ یہ فتویٰ مفتی شفیع صاحب کا ہے تو یہ بات بھی آپ سے آپ صاف ہوگئی کہ رسالہ "ماحول القبول" بھی مفتی شفیع صاحب ہی کا ہے۔ اب اس سے بڑھ کر بوالفضول اور مخبس آدمی کون ہوگا جو تیرہ مہینے بعد ہم سے "اعتراف حق" کی اپیلیں کرتے چلا ہے اور ناموں کے غلط انتساب کی جو بات چند سطروں میں کہی جاسکتی تھی اس کے لئے چھ صفحات سیاہ کرگذرا ہے۔ بعض اس لئے کہ اس کا مقصود علمی و تحقیقی گفتگو نہیں بلکہ ذاتی عناد وحسد کا بخار نکالنا ہے اور اسی لئے وہ دو مستقل صفحے اس بے سرو پا تمہید پر صرف کرتا ہے جس کے نمونے ہم نے نقل کئے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارے استاذ زادے کی سرپرستی میں نکلنے والے جریدے کے اسٹاف میں کس دنیا کے لوگ شامل ہیں جنھیں اتنا بھی شعور نہیں کہ شریفوں اور رذیلوں کے طرز گفتگو میں فرق ہوتا ہے۔ جو یہ بھی نہیں جانتے کہ چھچھورپن اور بادقار طنز میں کتنا فاصلہ ہے، جن کو اتنا بھی ہوش نہیں کہ عامر عثمانی کی تذلیل و تضحیک میں لکھا جانے والا مضمون خود لکھنے والوں کی صلاحیتوں کا کتنا برا نمونہ دنیا کے سامنے رکھ رہا ہے، جن کے نزدیک پرائمری اور میٹرک کا معیار یکساں ہے، جنھیں ذرا احساس نہیں کہ جس مضمون کو وہ طمطراق کے ساتھ شائع کر رہے ہیں اسے کوئی بھی صاحب ذوق اُبکائی لئے بغیر ختم نہ کرسکے گا، جو ادب و انشا کے وقار اور تہذیب و شائستگی کی پاکیزگی کا شمہ برابر پاس نہیں کرتے۔

خدا گواہ ہے کہ اتنا کچھ ہم نے بہت درد کے ساتھ لکھا ہے۔ درد اس بات کا نہیں کہ کسی چھچھورے نے انتہائی طفلانہ انداز میں ہم پر عناد وحسد کے ترکش خالی کئے ہیں، ایسے ترکش تو بریلی، بمبئی، ملتان اور نہ جانے کہاں کہاں سے خالی کئے ہی جاتے رہتے ہیں، ہوائی تیروں سے چٹان کا سینہ چھلنی نہیں ہوا کرتا اور خاک اڑانے سے چاند کی روشنی ظلمت میں تبدیل نہیں کی جاسکتی کبر و غرور سے ہزار بار پناہ - تجلّی کی بے پناہ مقبولیت کا محل ریت کی بنیاد پر نہیں کھڑا۔ اس کی دیواریں اندھے عقیدتمندوں کی بے مغز قصیدہ خوانیوں پر نہیں اٹھیں۔ وہ خدائے بخشندہ کی عطا فرمودہ فولادی توانائی کے سہارے سرافراز ہے، کون ہے جو اسے زمین بوس کرسکے۔ یہ تو اسی دن زمین بوس ہوگا جب خدانخواستہ اللہ جل شانہ کی نگاہ کرم اس سے پھر جائے گی ؎

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ!
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

ہاں درد اس بات کا ہے کہ شیریں کلامی کا ایسا معطر شاہکار اس محترم ہستی سے منسوب پرچے میں چھپا ہے جس کے لئے ہمارے سینے میں نہایت عقیدت مندانہ جذبات ہیں، جس کے عظیم المرتبہ باپ کی جوتیوں کے طفیل ہمیں علم حدیث کی دولت حاصل ہوئی ہے اور جس کی شخصیت اس سے بلند تر ہے کہ ہرزہ سراؤں کی سرپرستی فرمائے، یقین نہیں آتا کہ یہ مضمون ہمارے استاذ زادے کی نگاہ سے گذر کر اشاعت پذیر ہوا ہوگا۔ اگر جریدۂ مذکور کا انتساب انکی طرف نہ ہوتا تو زیر تذکرہ مضمون کی حیثیت ہماری نگاہ میں پرکاہ کے برابر بھی نہ ہوتی۔ ہم مڑ کر بھی نہ دیکھتے کہ دندہ کس پر پڑا ہے۔

خیر ——— اس مضمون پر باقی آئندہ بھی لکھا گیا ہے طرز گفتگو اگر اتنا گھناؤنا نہ ہوتا تو یقین کیجئے کہ ہمیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی کہ "سایۂ رسولؐ" کے علمی مسئلہ پر ایک فاضل دارالعلوم بھی کچھ لکھنے چلے ہیں، ہم ان لوگوں میں نہیں ہیں جو اپنے خیال و رائے کو وحی کا درجہ دیتے ہوں۔ نہ ہمارے نزدیک علمی اختلاف ذاتی عداوت کا نام ہے۔ نہ ہمیں اس میں شمہ برابر حجاب ہے کہ جس رائے کو ہم درست سمجھ رہے ہوں اس کی قوی دلائل سے تردید ہوجائے تو سرِ تسلیم

ختم کردیں۔ لیکن اس کو کیا کیجیے کہ ناشائستہ، اَن گھڑ اور لاطائل تحریریں پڑھنے کے لئے ہمارے پاس نہ وقت ہے نہ دماغ، ہمارے لئے سخت مشکل ہے کہ فاضل مضمون نگار کی اگلی قسطیں بھی دیکھ سکیں۔ ہم علم وادب کو بچوں کا کھیل نہیں اہل نظر کا فن سمجھتے ہیں گھسیارے اور قلمکار کے ہاتھوں کی جنبش میں فرق ہونا چاہئے ہم کہتے ہیں کہ اگر واقعی صاحب موصوف کو ہم پر اتنا ہی غصہ ہے کہ ہماری بوٹیاں نوچے بغیر وہ سایۂ رسول کی تحقیق نہیں فرما سکتے تو ایسا کریں کہ چند اوراق الگ سے وقف کردیں جس میں جی بھر ہماری تذلیل واہانت فرمالیں، اس کے بعد سایۂ رسول پر شرافت ومتانت کے کسی گوارا معیار کے ساتھ گفتگو فرمائیں، اس صورت میں ہم نفس مضمون سے فیض اٹھا سکیں گے۔ پھر اس کا بھی خیال رہنا چاہئے کہ اس مبحث پر ہم مسلسل لکھ رہے ہیں جس کی یہ تیسری قسط آپ کے سامنے ہے اور مزید قسطیں انشاءاللہ آگے آئیں گی، جتنے مثبت ومنفی دلائل ہم دیتے جارہے ہیں ان کا رد اور پھر اپنے دعوے کا اثبات آپ کے ذمے ہے۔ اسی صورت میں مسئلہ کی تنقیح ہوسکتی ہے، اور دیکھا جا سکتا ہے کہ بات آپ کی وزنی ہے یا ہماری۔ لیکن اگر آپ ہمارے معروضات کو ملحوظ رکھے بغیر اپنی ہی ڈفلی بجاتے رہے اور مرغے کی ایک ٹانگ کی طرح وہی پٹے چھٹے دلائل پیش فرماتے رہے جن کی بے حقیقتی ہم واضح کرچکے ہیں تو سوائے صبر وسکوت کے ہمارے لئے کوئی چارہ نہ ہوگا، کیونکہ اس مسئلے سے عہدہ برآ ہونا کسی متین آدمی کے بس کا نہیں ہے جو اپنی ہی ہانکے جائے اور دوسروں کے لئے گونگا بہرا بن جائے۔

بھائی کے نام کراچی ارسال فرمایا - ارادہ ہے کہ ان کے اور بعض اور حضرات مثلاً مولانا مودودی صاحب اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کے گرامی نامے اگلی اشاعت میں شائع کردیئے جائیں۔

شرمندہ ہم اُن حضرات سے بھی ہیں جن کے ضروری خطوط کا جواب اِن دو مہینوں میں نہیں دیا جاسکا ہے۔ ہم سے رشتۂ مراسلت رکھنے والے جانتے ہیں کہ خطوط کا جواب دینے میں ہم کبھی متساہل نہیں ہوتے - ہم نے ہمیشہ سعی کی ہے کہ مکتوب ارسال فرمانے والوں کو کم سے کم زحمتِ انتظار اُٹھانی پڑے - اب کی بھی یہ انتظام کیا تھا کہ ہمارے ذاتی خطوط دفتر تجلّی کے مہتمم ہر ہفتے بنڈل باندھ کر کراچی بھیج دیا کریں - وہیں سے ہم ان کے جواب دیتے رہیں۔ مہتمم صاحب نے ابتداءً اس پر عمل بھی فرمایا، لیکن ہم ہی نے آگے کو انھیں روک دیا، کیونکہ والد رحمۃ اللہ علیہ کی تیمارداری، پھر رحلت کے بعد عزاداروں کی یوماً فیوماً تشریف آوری پھر تجلّی کے محبّین کی عاجز سے موانست و مودت ایسے اُمور تھے جن کا تلّلِ عاطفت ہمارے تمام ہی اوقات پر چھا گیا اور کسی بھی قلمی کام کے لئے ہم وقت نہیں نکال سکے - اب ڈیڑھ ماہ بعد لوٹے ہیں تو جواب طلب خطوط کا تقریباً دو فٹ اونچا انبار اور اخبارات و رسائل کی پوری الماری ہمارے حالِ زار پر ہنس رہی ہے۔ اور ہمیں مجبوراً یہ تصور کرلینا پڑا ہے کہ ان دونوں چیزوں کی حد تک ہم ابھی پاکستان سے لوٹے ہی نہیں - گویا خطوط کو کھولنے اور جواب دینے کا سلسلہ ابھی شاید ہفتے بھر بعد شروع کیا جاسکے گا - اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض و واجبات سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت و توفیق عطا فرمائے۔

آگے کا پروگرام

افسوس کہ بعض مسلسل بحثوں کی وجہ سے ایک انتہائی اہمیت کا حامل مستقل عنوان "تجلّی کی ڈاک" کئی مہینوں سے التوا کی نذر ہوگیا ہے - اس پر پورے ہی حلقۂ قارئین کو رنج و شکایت ہے اور خود ہمیں بھی یہ خلا بُری طرح محسوس ہو رہا ہے - ہم فیصلہ کرچکے ہیں کہ اگلے ماہ قسط وار مضامین کے بعض سلسلے ختم کرنے کے بعد "تجلّی کی ڈاک" نہ صرف شروع کردیں گے۔ بلکہ ممکن ہوا تو ڈاک نمبر نکالدیں گے، تاکہ جمع شدہ سوالات کا معتد بہ حصہ نمٹ جائے - پھر حسبِ سابق ہر ماہ پابندی کی جائے گی کہ اس سے رسالہ خالی نہ رہے۔

دوسرا عنوان جسے پھر سے جاری کرنے کا خیال ہے، "تفہیم الحدیث" ہے - اس عنوان کو کافی عرصہ چلانے کے بعد ایک خاص مرحلہ پر ختم کردیا گیا تھا - تصور تک نہیں تھا کہ قارئین اسے غیر معمولی اہمیت کے ساتھ مطالعہ فرمارہے ہیں، لیکن ختم کرنے کے بعد سے اب تک اس کو پھر سے جاری کرنے کا مطالبہ اتنے شد و مد سے کیا جارہا ہے کہ اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ متعدد اہلِ علم نے بالمشافہ بھی اس کے پھر سے اجرا پر اصرار کیا ہے - اپنی بڑھی ہوئی مصروفیتوں کے باوجود ہم سوچ رہے ہیں کہ سرِ تسلیم خم کردیں۔

لیکن اس سے قبل یہ بھی تو ضروری ہے کہ "تجلّی کی ڈاک" کے علاوہ "کھرے کھوٹے" کا باب بھی زندہ کیا جائے - مباحث کی وسعت اور صفحات کی کمی نے مدت سے خلل ڈال رکھا ہے اور آئے دن تبصروں کا باب غائب ہی رہنے لگا ہے۔ تبصرہ طلب کتب کے انبار لگے ہوئے ہیں - شکایت و حکایت کی ریل پیل ہے ایسی حالت میں خیال ہوتا ہے کہ کیوں نہ ڈاک نمبر کے بعد ایک تبصرہ نمبر بھی شائع کردیا جائے تاکہ جمع شدہ اسٹاک ہلکا پڑے اور آئندہ ماہ بماہ تبصروں میں باقاعدگی پیدا ہوسکے۔

قارئین غور کرکے ہمیں مطلع فرمائیں کہ کونسی راہ بہتر ہے۔ مستقل نمبروں ہی کے ذریعہ پیدا شدہ صورتِ حال کی اصلاح کی جائے یا کوئی اور ترکیب ہو۔

یہ بھی سوچنا ہے کہ "تجلّی کی ڈاک" کے علاوہ "تفہیم الحدیث" کا التزام ہوگیا تو پھر کسی اور مضمون کے لئے مشکل ہی سے کوئی گنجائش نکل سکے گی اور قارئین ہمارے ہی قلم تک محدود ہوکے رہجائیں گے - اس سے قطع نظر کہ یہ شکل ہمارے اپنے لئے کسقدر محنت طلب ہوگی - دیکھنا چاہیے کہ اس سے یکسانی و بے رنگی بھی تو پیدا ہوجائے گی - ہم نہیں جانتے کہ قارئین کس حد تک اسے گوارا کریں گے - وہ اپنی رائے اور تجویز سے ہمیں آگاہ فرمائیں م

مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم کی اُس کتاب پر تنقید کی دوسری قسط جو انھوں نے محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب "خلافت معاویہؓ و یزید" کے رَد میں تصنیف فرمائی۔

شہیدِ کربلا اور یزید

از جناب صہیب رومی

(۲)

صفحہ پر مہتمم صاحب "دوسرا منصوبہ" کے زیر عنوان فرماتے ہیں کہ :-

"سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت و جرأت اور ہمت و شجاعت قلب کا سب سے بڑا ظہور اسی واقعۂ کربلا سے ہوا ہے کہ جس چیز کو وہ حق سمجھ چکے تھے اس پر جان دیدینی گوارا کی، مگر باطل کے آگے سر جھکانا گوارا نہیں کیا اور باوجود بے یاری و مددگاری یکہ و تنہا باطل کے مقابلہ میں آگئے اور شہادت عظمٰی کے مقام پر جا پہنچے۔"

مولانا کی یہ عبارت پڑھ کر خدا جانے کیوں اس جگہ اس مشہور شعر کی کمی محسوس ہونے لگتی ہے جو ایسے موقع کے لئے نہایت موزوں خیال کیا جاتا ہے۔ یعنی ؎

سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسین

اگر مولانا نے اس شعر کو محض اس لئے نظر انداز فرمایا کہ اس میں کوئی جدّت نہ تھی تو مولانا کو اپنا یہ پیرا سارا کا سارا قلمزد فرما دینا چاہیئے تھا، کیونکہ اس میں حضرات "ذاکرین" و "واعظین" کے رٹے رٹائے جملوں کی تکرار محض کے سوا اور کچھ نہیں ہے لطف یہ کہ یہ بحث ایسی ہے جس میں مولانا کو اپنے دعوے کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے کوئی مبہم سا اشارہ بھی نہیں مل سکتا۔ اس کے لئے قرآن کو بہرحال صرف تاریخ کیطرف رجوع فرمانا ہوگا، جہاں ان کو حضرت "امام ہمام" رضی اللہ عنہ کی وہ سہ گانہ شرائط بھی ملیں گی جن کو پیش کر دینے کے بعد حضرت کے لئے باطل کے آگے (اگرچہ وہ واقعۃً باطل ہی نہ تھا ورنہ حضرت وہ شرائط پیش ہی نہ فرماتے) سر نہ جھکانے یا حق کے لئے جان دینے کا کوئی سوال ہی نہیں رہ جاتا ـــ باقی رہی شہادت عظمٰی! تو اس کا سوال اس کے بعد کی چیز ہے۔

اگر راقم الحروف کی گمنامی کے باعث مولانا اسکی معروضات پر توجہ فرمانے کے لئے تیار نہ ہوں تو کوئی مضائقہ بھی نہیں، احقر کے لئے یہ بات کچھ کم ابتہاج و مسرت کا باعث نہیں ہے کہ مولانا کے جدّ بزرگوار حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو تسلیم فرمانے کے لئے بالکل تیار ہیں جیسا کہ ہمارے مولانا اپنی کتاب "شہید کربلا اور یزید" کے صفحہ ۹۹-۱۰۰ پر ان سے نقل فرما رہے ہیں، بلکہ ان کے حکیمانہ جملوں کو قرآن و حدیث کے اصول اور ائمہ ہدایت کے کلام کا نچوڑ قرار دے رہے ہیں۔

ملاحظہ ہو حضرت نانوتوی فرماتے ہیں :-

وازیں ہم درگذشتیم اگر موجبات جہاد نبود نداد شاں نیز از تصدی جہاد باز آمدہ میخواستند کہ براہ خود روند لشکریان یزید پلید نگذاشتند و محاصرہ کردہ ظلماً شہید ساختند من قتل دون عرضہ و مالہ فھو شہید۔ (شہید کربلا اور یزید صفحہ ۹۹-۱۰۰)	ہم اسے بھی چھوڑتے ہیں اگر موجبات جہاد بھی موجود نہ تھے تو حضرت امامؓ بھی تو جہاد سے رُک کر یہ چاہتے تھے کہ انکا راستہ نہ روکا جائے وہ یہاں سے کہیں بھی نکل جائیں انھیں نکل جانے دیا جائے مگر یزید پلید کے فوجیوں نے انھیں نہ چھوڑا اسلئے راستے روک لئے گھیرے میں لیکر شہید کر دیا تو (بنص حدیث) جو اپنی آبرو اور مال بچاتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے (تو اس شہادت میں حرف زنی کی گنجائش کیا ہے)

+ + + +
+ + + +

اب مولانا خود فیصلہ فرمائیں کہ اس طرح "شہادت عامہ" ثابت کرنے کے بعد اُس بلند بانگ "شہادتِ عظمیٰ" کے دعوے کا کیا حشر ہوا اور ایسی صورت میں واقعۂ کربلا کو سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت وجرأت اور ہمت وشجاعت قلب کا مظہر آپ کس طرح قرار دیں گے۔ کیونکہ حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ تو حضرت "امام" کے لئے "تصدی جہاد" (قصد جہاد) سے رجوع فرمانے کا اقرار فرماتے ہیں۔ آخر یہ تضاد بیانی کیوں ہے، پھر یہ بھی نہیں کہ اتفاقاً ایک جگہ ہوگئی ہو، بلکہ اس کی مثالیں اور بھی موجود ہیں جیسا کہ آئندہ اپنے اپنے موقع پر آتی رہیں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے بھی اپنے "نظریہ ومنصوبہ" کی تائید میں جس کتاب کا جو بھی ٹکڑا پایا ہے اسے اس کے موقع پر فٹ کر دیا ہے۔ اب یہ بات دوسری ہے کہ ان کو آپس میں ملانے سے کسی قسم کا تضاد پیدا ہو جائے۔

(۱۰) اسی ص۵۸ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"لیکن اسی کو عباسی صاحب نے "بغاوت" کا عنوان دے کر ان کا سب سے بڑا عیب شمار کرانے اور اس اونچی حسنہ کو قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ کے خلاف ایک نیچی قسم کی سیئہ دکھلا کر داغدار بنانے کی سعی کی ہے۔"

چند سطروں کے بعد:۔

"لیکن اس سلسلہ میں جہاں تک الزام بغاوت یا نفی شہادت کا تعلق ہے اس کے بارے میں سلف اور متقدمین کا جو کچھ نقطۂ نظر ہے اس کے لئے ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ شریف کی یہ ایک ہی عبارت کافی ہو سکتی ہے جو علاوہ موثق نقل ہونے کے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بھی ہے ـــــ شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

واما ما تفوہ بعض الجھلۃ من ان الحسین کان باغیا فباطل عند اھل السنۃ والجماعۃ ولعل ھذا من	اور یہ جو بعض جاہلوں نے افواہ اُڑا رکھی ہے کہ حسینؓ باغی تھے تو وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک باطل ہے۔ شاید یہ خوارج کے
ھذیانات الخوارج الخوارج عن الجادۃ (شرح فقہ اکبر ص۸۷)	ہذیانات ہیں جو راہ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔" (شہید کربلا اور یزید ص۶۷)

سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا کی اس جوابدہی کو "سوال از ریسماں جواب از آسماں" سے کس طرح ممتاز کیا جائے؟ ملا علی قاری نے حضرت حسینؓ کے باغی ہونے کو خوارج کے ہذیانات کا نتیجہ بتایا ہے، مگر مولانا اس سے عباسی صاحب پر بھی الزام قائم کرتے ہوئے ان کو بھی اس جرم میں خارجی گردانناچاہتے ہیں کہ انھوں نے بعض اقوال صحابہ اور عبارات مؤرخین سے نقل کرتے ہوئے حضرت امام کے لئے لفظ "خروج" استعمال کیا تھا، حالانکہ یہ لفظ خود ہمارے مولانا نے بھی ابن خلدون اور شاہ عبدالعزیزؒ کے کلام میں نقل فرمایا ہے، لیکن بتقاضائے انصاف غالباً یہ فرق مولانا نے ملحوظ رکھا ہے کہ خود مولانا کی کتاب میں جہاں جہاں "خروج" کا لفظ آئے تو وہ اونچی قسم کی حسنہ ہے اور جہاں جہاں عباسی صاحب نے نقل کیا ہے وہاں ایک نیچی قسم کی سیئہ اور بغاوت کا مرادف ہے۔ حالانکہ عربی کا ایک معمولی طالب علم بھی "خروج وبغاوت" کے درمیانی فرق سے اچھی طرح واقف ہے وہ جانتا ہے کہ "خروج" ایک ایسا لفظ ہے جو محمل حسن اور محمل قبیح دونوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے جس کسی نے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے محمل حسن میں استعمال کیا ہے بخلاف لفظ بغاوت کے کہ اس کا محمل عام طور پر قبیح ہی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف کے غیر باغٍ ولا عادٍ کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ لہٰذا ملا علی قاری کی عبارت کا مطلب صرف اس قدر ہوا کہ "حضرت حسینؓ کو باغی (خواہش نفس کا پیرو) کہنا خوارج کے ہذیانات سے ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عبارت کی معمولی سی زد بھی عباسی صاحب پر نہیں پڑتی، کیونکہ انھوں نے بغاوت کا الزام حضرت حسینؓ کے سر لگایا ہی نہیں۔ ہاں خروج کا لفظ ضرور استعمال کیا ہے سو اگر اس کے استعمال کی ممانعت میں بھی کوئی دلیل ہو تو اسے پیش فرمانا چاہئے مگر وہ کس طرح ممکن ہے جبکہ واقعہ یہ ہو کہ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

الغرض یہ حشر ہوا ملا علی قاری کی اس عبارت کا جسکو موثق نقل اور عقیدۂ اہل سنت فرماکر ناظرین کو زبردستی مرعوب فرمانیکی "غیر طیب" کوشش کی گئی تھی۔

(۱۱) صلٰے پر فرماتے ہیں کہ:-

"عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ پر" بغاوت " کا جرم عائد کرنے کے لئے تاریخی نقل اور وہ بھی دوزی کی پیش کی تھی حالانکہ یہ نقل اگر مسلم مؤرخین کی بھی ہوتی تب بھی عقیدہ اور متکلمانہ نقل کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی جس پر عقائد کی بنیاد رکھی جاتی ہے"

جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے۔ آخر مولانا کے قلم سے بھی (جو تغییر الفاظ اور تبدیل معانی کا بُری طرح خوگر تھا) یہ حقیقت ٹپک ہی پڑی کہ عباسی صاحب نے بذاتِ خود بغاوت کا لفظ اپنی تحریر میں استعمال نہیں کیا، بلکہ ایک غیر مسلم ڈوزی کے اقتباس میں یہ لفظ مستعمل ہوگیا ہے جسے پڑھ کر مولانا کی غیرتِ دینی اس درجہ مشتعل ہوگئی کہ اس ایک لفظ کی تردید کے لئے تقریباً ۳۰ صفحات تصنیف فرمادیئے ورنہ خروج کا استعمال تو ان کے لئے قابل برداشت تھا۔

اس موقع پر مولانا نے اپنی عبارت میں "عقیدہ" کے ساتھ "متکلمانہ نقل" کا بھی ایک "ذنابہ" (دُم چھلّا) استعمال فرمایا ہے ناظرین نے شاید اس طرف توجہ نہ فرمائی ہوگی کہ اس کی کیا وجہ ہے سنیئے! اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا لفظ "عقیدہ" کے مفہوم اور اس کے وزن سے ناواقف نہیں ہیں ان کو اس کا صحیح اندازہ ہے کہ وہ اپنی تحریر میں ایسی غیر بنیادی باتوں کو عقیدہ کہہ کر لوگوں کو مرعوب و خائف تو کرسکتے ہیں مگر واقعۃً اس کو عقیدہ ثابت نہیں کرسکتے اس لئے انھوں نے پیش بندی کے طور پر عقیدہ کیساتھ متکلمانہ نقل کا ذنابہ بھی چھوڑدیا تاکہ ثبوت کے وقت اگر وہ عقیدہ ہونیکا ثبوت فراہم نہ فرماسکیں (اور ظاہر ہے وہ ایسا نہ فرماسکیں گے) توکم ازکم کوئی متکلمانہ نقل تو پیش ہی کردیں گے جس کیلئے "تفتازانی" جیسے متکلمین ان کو مل جائیں گے جن کے کلام میں ملا علی قاری کو "رفض" کی بو محسوس ہوئی اور انھوں نے فرمادیا فیہ رائحۃ من الرفض (اس میں تو رفض کی بو بری طرح محسوس ہوتی ہے)۔

(۱۲) چند سطروں کے بعد اسی صلٰے پر فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو" باغی "کہنے کا منصوبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ یزید خلیفہ برحق تھا اور اس کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ظاہر کی گئی ہے کہ صحابہؓ کی اکثریت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی جو خلیفہ کے حسن کردار کی دلیل ہے درحالیکہ یہ مقدمات بھی جہالت پر مبنی ہیں"

اس عبارت میں باغی کا لفظ دہرا کر ناظرین کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی غیر طیب کوشش کا اعادہ فرمایا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ یزید کے خلیفہ برحق ہونے پر اکثریت صحابہ کی بیعت کے دلیل بنانے کو جہالت پر مبنی گردانا گیا ہے، لیکن ہم کو سخت صدمہ ہوتا ہے اور دیوبند کی سابق روایات کی مٹی پلید ہوتے دیکھ کر خون کے آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے کہ افسوس اس قلیل مدت میں یہ ادارہ کس قدر سخت انقلاب سے دوچار ہوگیا ؎

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور
ہم میکدے سے نکلے کہ دنیا بدل گئی

مقام حیرت ہے کہ جس وقت مولانا عباسی پر تنقید کی نیت فرمالیں اس وقت تو ایک "مقدمہ دلیل" جہالت پر مبنی نظر آئے اور جب اپنی تائید کا قصد فرمائیں تو وہی مقدمہ دلیل استشہاد کا سب سے زیادہ مؤثر، کامیاب اور محققانہ طریق کار ہوجائے۔ مثال کے لئے یہی مندرجہ بالا اقتباس ملاحظہ ہو، اس میں عباسی صاحب

[illegible]

کی دلیل کے مقدمات کو ہمارے مولانا جہالت پر مبنی قرار دے رہے ہیں، لیکن اسی قسم کے ایک دوسرے موقع کیلئے فرماتے ہیں:-

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ "اپنی فضیلت" اور "حق" کو ثابت کرنے کے لئے معرکۂ کربلا میں مذکورہ عبارت میں جلیل القدر صحابہ کے نام بطور شاہد پیش کر رہے ہیں ظاہر ہے کہ اس دور میں دلائل کا طرز منطقیانہ نہیں تھا، بلکہ استشہاد کا سب سے زیادہ موثر، کامیاب اور محققانہ طریقہ یہی تھا کہ کسی دعوی کے لئے صحابہؓ کو شہادت میں پیش کر دیا جائے، یہی طریقہ حدیث کی روایت تک کو قابل قبول سمجھنے کے لئے رائج تھا جس پر پورے دین کا مدار ہے۔" (ص۱۸)

آخر اپنی اس دو رخی حکمت عملی کے لئے مولانا کیا لفظ پسند فرمائیں گے؟ کیا بقول آپ کے یہ "نظریاتی ریسرچ" نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو اس کے لئے مولانا کے پاس وجہ جواز اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ ع ہے مسلّم میرا فرمایا ہوا۔ یا بقول سموئل سے

ونکران شئنا علی الناس قولہم
ولا ینکرون القول حین نقول

(ہم اگر چاہیں تو لوگوں کی بات کا انکار کر دیں لیکن)
لوگوں کی مجال نہیں کہ وہ انکار کر سکیں ہماری بات کا

غالباً اسی قسم کا جذبہ ہے جو مدعیانِ جماعت دار العلوم دیوبند کے دماغوں میں بھی پیدا ہو گیا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے آپ کو ہر قسم کی آزادی اور "چھوٹ" کا مستحق خیال کرتے ہیں۔

دوسری ایک بات اور ہے جو مولانا کے ص۱۸ کے اقتباس میں محل غور اور وجہ تأمل ہے وہ یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اپنی فضیلت پر صحابہ کرامؓ سے استشہاد کیا امر واقعی ہے۔

درحالیکہ ان حضرات کے نفوسِ قدسیہ ہر طرح مصفّٰی و مجلّٰی اور مطہّر و مزکّٰی تھے۔ تو کیا ان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ حضرات بھی آج کل کے "الیکشنی امیدواروں" کی طرح اپنے اوصاف و فضائل شمار کرتے ہوں گے اور گویا اپنے مفاخر و مفاضل پر مشتمل اپنا ذاتی قصیدہ پڑھتے ہوں گے، نہیں ہرگز نہیں ان حضرات سے ہرگز ایسی توقع نہیں ہے۔ بس یہ تو ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ کی سلسلہ وار موروثی قسم کی خلافت کو دیکھ کر ان کو کچھ ایسا خیال پیدا ہوا ہو کہ یہ خلافت میرا حق ہے، جب کہ کوفیوں کے بے شمار خطوط نے ان کے اس خیال کو پختہ کرنے میں کوئی کسر بھی باقی نہیں رکھی مگر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ صحابہؓ کو گواہ بنا کر اپنے مفاخر و مفاضل شمار کرانے لگے ہوں گے۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر ایسا نہیں ہوا تو ابن خلدون نے کس طرح نقل کر دیا۔ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مصنوعی روایات کے کاریگروں نے جب پچھلی تاریخ پر نظر ڈالی تو ان کو شہادت عثمانؓ مظلوم کے موقع پر اسی قسم کی ایک چیز یہ ملی کہ انھوں نے بھی اس وقت کے موجودین کو گواہ بنا کر "بیر رومہ" سے اپنا خصوصی تعلق و استحقاق ظاہر فرمایا تھا یا حضرت محمد بن ابی بکر کی دست درازی پر اپنی مسنون داڑھی کی فضیلت کا اظہار فرمایا تھا۔ بس پھر کیا تھا یار لوگ اسے لے اُڑے اور سیدھے میدانِ کربلا میں آ کر دم لیا اور آخر کار اسی قسم کے جملے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی ادا کرا دیئے تاکہ اس "حزنیۂ کربلا" میں بھی اس "حزنیۂ دیارِ رسول" کا سماں پیدا ہو جائے۔

(۱۳) ص۱۸ پر فرماتے ہیں کہ:-

"جہاں تک اربابِ تحقیق مؤرخین کی تحقیق درروایت کا تعلق ہے انھوں نے اکثریت صحابہ کی بیعت اور بیعت کے بعد یزید کے خلاف خروج نہ کرنے کو قطعاً یزید کے مستحق خلافت ہونے کی دلیل نہیں سمجھا اور نہ ہی اس سے یزید کے فسق و فجور کو ہلکا یا غیر واقعی باور کرانے کی کوشش کی، بلکہ ان کے نزدیک صحابۂ کرامؓ کی اکثریت کی یہ بیعت اور یزید کے خلاف نہ اُٹھنا خوف فتنہ

مابین نزاع، جدال اور آپس کے خون سے بچنے کے لئے
تھا جو اس صورت میں یقینی تھا۔"

مولانا نے اپنے مذکورہ بالا دعوے کے ثبوت میں متعدد عبارات بھی نقل فرمائی ہیں جن میں سے کچھ حوالے ابن خلدون کے بھی ہیں اور یزید کا فسق ثابت کرنے کے لئے اس بحث کو ۱۰۲ صفحات تک پہنچا دیا ہے۔ یعنی اس بحث کے حصہ میں ۲۵ صفحات آئے ہیں لیکن اس تطویل و تفصیل کے باوجود یہ بحث مندرجہ ذیل امور کے ادنیٰ ذکر سے بھی خالی ہے اور مولانا کی یہ خاموشی غمازی کر رہی ہے کہ ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

(الف) فسق یزید کی تفصیل (باوجودیکہ یہ لفظ ان ۲۵ صفحات میں کم از کم سو مرتبہ تو استعمال ہوا ہوگا) مطلق نہیں پیش فرمائی کہ یزید کا فسق کس قسم کا تھا۔

(۱) کیا یزید شراب پیتا تھا؟ (۲) یا یزید مرتکب زنا ہوا کرتا تھا؟ (۳) یا نماز روزہ کا تارک تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ مولانا اگر تلاش فرماتے تو غالباً ان کو بھی یہ تفصیل شاید ابن خلدون ہی میں مل جاتی کہ یزید کا فسق کوئی شرعی و اصطلاحی اور اتفاقی فسق نہ تھا بلکہ ایک طرح کا عرفی و معاشرتی غیر شرعی فسق تھا جو اس "دور صلاح اور خیر القرون" کے صالحین کے لئے نامناسب اور خلاف اولیٰ ہونے کے باعث بعض حضرات کے نزدیک قابل انکار تھا (جیسا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے نزدیک مطلقاً "جمع مال" قابل انکار تھا) ورنہ سب حضرات یزید کو فاسق نہیں سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ بعض جلیل القدر حضرات صحابہ تک سے یزید کی نیکوکاری کی شہادتیں بھی منقول ہیں چنانچہ حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد انساب الاشراف بلاذری میں منقول ہے:۔

ان ابنه يزيد لمن صالحي اهله فالزموا مجالسكم و اعطوا طاعتكم و بيعتكم۔	بیشک معاویہ کا فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں سے ہے تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا، اطاعت کرنا، بیعت کر لینا۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۱ و ۴۲)

اسی کے قریب قریب "الامامۃ والسیاسۃ" سے بھی عباسی صاحب نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ "واللہ معاویہؓ کا فرزند (یزید) اپنے گھرانے کا "بہترین فرد ہے"۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۲)

اسی طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت محمد بن الحنفیہ نے بھی یزید کی صلاح کاری، تقویٰ شعاری، صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور سنت نبوی کی پیروی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

وقد حضرته (يزيد) و اقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلوٰة متحريا للخير يسأل عن الفقه ملازماً للسنة (البداية ص ۲۳۳ ج ۸ بحوالہ خلافت معاویہ و یزید ص ۴۳)	اور میں یزید کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ان کے پاس میں نے قیام کیا ہے تو ان کو میں نے نماز کا پابند نیک کاموں کی فکر رکھنے والا مسائل فقہ دریافت کرنے والا، سنت کا التزام کرنے والا پایا ہے۔

(ب) یزید کے فسق پر حضرات صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شہادت مطلق نہیں پیش کی گئی غالباً اس سلسلہ میں بخاری شریف وغیرہ میں اقوال صحابہ مولانا کو میسر نہ آسکے ورنہ اگر یزید کے خلاف بعض تاریخی حوالوں کے سوا احادیث سے بھی کوئی سند و شہادت دستیاب ہوتی تو اسے ہرگز نظر انداز نہ فرماتے۔ کیونکہ مولانا ان مباحث کو تاریخی پہلو کے مقابلہ میں دینی پہلو سے زیادہ دیکھنا چاہتے ہیں اور روایات کے ہوتے ہوئے قیاسات تاریخی کو اہمیت نہیں دے سکتے (اور جو چند عبارتیں مولانا نے "یزید اور اس کا کردار" کے زیر عنوان نقل فرمائی ہیں ان کے بارے میں اسی موقع پر آئندہ صفحات میں عرض کیا جائے گا)۔

(ج) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن سے قطعاً بحث مولانا نے نہیں فرمائی کہ آخر انھوں نے کس بناء پر یزید کو ولی عہد تجویز کیا اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حالتِ ایمانی کیا ہوگئی تھی، جنھوں نے یزید کو ولی عہد بنانے کا مشورہ دیا۔ شاید مولانا نے اس سلسلے میں خاموشی ہی مفید سمجھی حالانکہ اس سلسلے میں عباسی صاحب کا بنیادی نقطہ نظر حضرت امیر معاویہؓ اور دوسرے تمام صحابہ کی پوزیشن ہی کو صاف کرنا تھا اور یہ صفائی یزید کی صفائی کے بغیر کچھ دشوار تھی جسے انھوں نے کافی حد تک تاریخی حوالوں اور عقلی قیاسوں سے ثابت بھی کر دیا۔

(د) آخری چیز جس سے مولانا کا یہ مبحث خالی ہے وہ عباسی صاحب کے ان حوالوں کی تردید ہے جن سے عباسی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ عام طور پر صحابۂ کرامؓ بیعتِ یزید پر متفق تھے، بلکہ بعض حضرات تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے اسی اقدام سے سخت الفاظ میں باز رکھنے کی کوشش بھی کر رہے تھے (ملاحظہ ہو خلافت معاویہ و یزید صفحات ۶۸ تا ۷۳) اور جس قدر جواب مولانا نے مرحمت فرمایا ہے وہ قطعی اطمینان بخش نہیں ہے، کیونکہ ان میں سے کچھ حوالے یا تو ابن خلدون کی ناتمام عبارتیں ہیں جن سے یہی پتہ نہیں چلتا کہ یزید کا یہ فسق کس قسم کا تھا اور یہ کب حادث و ظاہر ہوا۔ شاید ان کا مفہوم یہ ہے کہ یہ دعویٰ کہ وہ فسق اس کی ولیعہدی کے وقت تک نہ تھا بعد کو حادث و ظاہر ہوا۔ اور یا کچھ وہ عبارتیں ہیں جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی تحریرات سے ماخوذ ہیں جن کی بناء پر مولانا نے اپنی کتاب کو جماعت دارالعلوم دیوبند کے متفقہ مسلک کا ترجمان گردانا ہے۔ مگر افسوس کہ ان عبارتوں کی حیثیت بھی ایک توجیہ سے قطعاً زائد نہیں ہے جس کا بنیادی نقطہ بھی وہی جذبۂ تبریۂ و تزکیۂ صحابہ ہے جس نے عباسی کو ان حوالہ جات اور ان کے ایسے واضح نتائج تک راہ دکھائی۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ یا حضرت نانوتویؒ کے سامنے نہ تو آسانی سے یہ کتب فراہم ہو سکیں اور نہ ان کو اس میں ایسی کاوش کی ضرورت ہی محسوس ہوئی اس لئے بالکل سرسری اور سطحی طور پر غور فرما کر ان حضرات نے صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس آلودگی سے پاک دامن رکھنے کی کوشش کی (کیونکہ صحابی رسول ہونے کی بناء پر ان کی صفائی ضروری تھی) یزید کے بارے میں تأمل کی کوئی ضرورت نہ تھی اس لئے یہ توجیہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ اس کا فسق حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حادث و ظاہر ہوا۔ چلئے بات ختم ہوگئی۔ اب عباسی کا قصور صرف یہ ہے کہ انھوں نے اس توجیہ کو عقیدہ و نص کا درجہ کیوں نہیں دیا اور اپنی تحقیق و کاوش کو اس خط سے آگے کیوں بڑھا دیا جو اکابر دارالعلوم نے کھینچ دیا تھا، حالانکہ جن حضرات نے اُن اکابر کی تمام تحریرات کا غائر مطالعہ کیا ہوگا ان پر یہ حقیقت اچھی طرح روشن ہو چکی ہوگی کہ یہ حضرات (اہل حق، حق پسند، حق پرست، حق کوش ہونے کے باوجود) سبائی پروپیگنڈہ اور شہرت عام کے چلتے ہوئے جادو سے کسی نہ کسی درجہ میں متأثر بھی ہو جاتے تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

(۱) حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی کی جو عبارت مولانا نے اپنی کتاب کے صہ ۸۶ پر نقل فرمائی ہے ملاحظہ فرمائیے تحریر فرماتے ہیں

خروج امام حسین علیہ السلام بنا بر دعوائے خلافت راشدہ پیغامبر کہ بر ورسی سال منقضی گشت نبود بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانۃ المظلوم علی الظالم من الواجبات۔	امام حسین علیہ السلام کا یزید کے خلاف کھڑا ہونا دعوائے خلافت راشدہ پیغمبر کی بنا پر نہ تھا جو تیس سال گذرنے پر ختم ہو چکی تھی بلکہ رعایا کو ایک ظالم (یزید) کے ہاتھ سے چھڑانے کی بناء پر تھا اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی اعانت واجبات دین میں سے ہے (تمہید کربلا و یزید صہ ۸۶)

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے "امام" اور "علیہ السلام" کا استعمال فرمایا ہے جو خالص سبائی و رافضیانہ ذہنیت پر مبنی ہے۔ نیز اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کو بھی واجبات دین سے قرار دے کر در پردہ دوسرے حضرات کو جو حضرت حسینؓ کے خیال و قتال میں شریک نہ تھے دین کے واجب کا تارک مانا ہے (کیا روافض کا تبرا کچھ اس سے زائد مختلف ہوتا ہے) دوسری بات اس اقتباس کے متعلق یہ بھی عرض کرنی ہے کہ شاہ صاحب کا یہ کلام مولانا نانوتوی علیہ الرحمۃ کے اس کلام سے متعارض ہے جو گذشتہ صفحات میں نقل بھی ہو چکا ہے جس میں حضرت نانوتویؒ نے قتال حسینی کو جہاد نہیں مانا ہے "بلکہ تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق شہادتِ اضطراری نقل کیا ہے۔

(۲) حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کی جو عبارت مولانا کی کتاب کے صہ ۹۹ پر نقل ہے اس میں بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے "امام" اور "علیہ السلام" کا استعمال موجود ہے۔ اسی طرح یزید کے نام کے ساتھ "پلید" کا قافیہ بھی باندھا گیا ہے۔ حالانکہ بقول مولانا "نہ ہی ان لعنت ثابت کرنے والوں کا منشا یزید کی لعنت کو بطور

وظیفہ کے پیش کرنا ہے۔" تو اب ایسی صورت میں حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ کی اس جراحت قلم کو پروپیگنڈے کی تاثیر ہی پر محمول کرنا پڑے گا۔

(۳) اسی طرح خود ہمارے حکیم الاسلام کی تحریر میں بھی جا بجا "امام" یا "امام ہمام" کا استعمال ہوا ہے جن کو انھوں نے بھی وادین کے ساتھ "عطائے تو بہ لقائے تو" کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اگر مولانا اپنے لئے یا ان اکابر کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال اسلئے جائز تصور فرمائیں کہ ان کی نیت ان کے استعمال کے وقت وہ نہیں ہوتی جو سبائی وروافض کی ہوتی ہے تو ابہام ناجائز سے تو کسی طرح مفر نہ ہوگا جس کے لئے آیۂ وَلَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا صاف موجود ہے۔

(۴) اسی شہرت عام اور طریقہ رائجہ سے متاثر ہونیکی مثال وہ مشہور واقعہ بھی ہے کہ دہلی کے اس مشہور علمی خاندان میں سلام مسنون کا رواج نہ تھا بلکہ طریقۂ سلام یہ تھا کہ عبدالعزیز تسلیمات عرض کرتا ہے یا عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہے۔ بعد میں حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کی بدولت اس مردہ سنت کا احیاء ہوا اور طریق مسنون پر سلام کا رواج ہوا ؎

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

(۵) اسی قبیل سے حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کی وہ دو متعارض عبارتیں ہیں جن میں پہلے تو محمد بن الوہاب نجدی کے بارے میں لاعلمی کا اظہار فرمایا اور پھر اس کے حنبلی ہونے کی شہرت عام کی بناء پر اس کے عقیدے کا عمدہ ہونا بھی بیان فرما دیا چنانچہ بعد کی تحقیقات نے یہ حقیقت اچھی طرح واضح بھی کر دی۔ (فتاوی)

(۶) ذخیرۂ کتب موجود نہ ہونے کی وجہ سے تو اکابر نے بعض اوقات بعض سنتوں تک پر بھی عمل نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فارسی میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ پیش ہے:-

"اور حضرت مجدد صاحب کا (نماز میں) یہ انگلی اٹھانے کا قول ان کے اجتہاد کی وجہ سے ہے (لیکن) غیر منسوخ سنت کہ جسے اجتہاد پر مقدم ہوتی ہے انگلی نہ اٹھانے کو محض اس دلیل سے سنت (سمجھنا اور) ثابت کرنا کہ حضرت مجدد صاحب نے اسے نہیں کیا ہے کوئی عقل کی بات نہیں۔"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

"پس امید ہے کہ اس اجتہادی مسئلہ کے نہ کرنے پر اور صحیح احادیث کو اختیار کر کے اس کے مطابق عمل کرنے پر حضرت مجدد صاحب (عالم برزخ میں) ناخوش نہ ہوں گے۔ اگر آپ کہیں کہ حضرت مجدد صاحب اس قدر علم وسیع رکھنے کے باوجود کیونکر ممکن ہے کہ (نماز میں) انگلی اٹھانے کے ثبوت کی حدیثوں سے ناواقف رہے ہوں تو میں جواب میں کہونگا کہ حضرت مجدد صاحب کے زمانہ تک اس قدر کتابیں اور رسالے اس ملک ہند میں مشہور نہیں ہونے پائی تھیں اور آپ کی نظر مبارک سے ثبوت کی احادیث نہیں گذریں۔ اسی وجہ سے انھوں نے انگلی اٹھانا چھوڑ دیا۔" (رسالہ الاحسان جلد ۱ نمبر ۱۱ بحوالہ ثمرات)

ان نصف درجن مثالوں سے یہ امر اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ اکابر کی تحقیقات و تحریرات نظر ثانی سے بے نیاز نہیں ہوتیں اور حضرت شاہ صاحب دہلوی ہوں یا حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی، کسی کی تحریر کو "حرف آخر" نہیں کہا جا سکتا۔ علاوہ ازیں یہ حرف آخر کی تعبیر تو ایک طرح کی بد فالی اور بد دعا پر مشتمل معلوم ہوتی ہے یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ یہ بھی نعوذ باللہ کوئی نبوت کے قسم کی چیز ہے جو ختم ہو گئی اب آئندہ کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ اگر مولوی سالم صاحب یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں تو معاف فرمائیں کہ انھوں نے بھی کتاب "شہید کربلا اور یزید" کو حرف آخر فرما دیا ہے۔

(۴) صفحہ ۱۰۱ پر فرماتے ہیں کہ:-

"تاریخ ہی سے یہ بھی سن لیجئے کہ محمد بن الحنفیہ نے بھی نہ صرف یہ کہ حضرت امام کے اس اقدام کو بُرا یا ناجائز ہی نہیں سمجھا بلکہ حضرت حسینؓ کو اس سے

رزکا بھی نہیں، حتٰکہ اس کی تدبیر بھی بتلائی ؎

مولانائے محترم! سُننے کو تو یہ بھی سن لیا مگر صرف سُننے سے کہیں کام چلتا ہے، اس کے لئے تو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اور آپ سمجھنے سمجھانے کے لئے بالکل تیار نہیں ہیں ورنہ عباسی صاحب نے اس موقع پر جو دلیل پیش کی تھی اس کا کچھ جواب بھی مرحمت فرماتے۔ اس طرح کوئی خاک سمجھے گا کہ آپ نے ایک حوالہ پیش کیا جس سے یہ ظاہر فرمایا کہ حضرت محمد بن حنفیہ حضرت حسین رضؓ کے اقدام کو صحیح خیال فرماتے تھے اور یزید کے خلاف خروج کو حق بجانب مانتے تھے اور عباسی صاحب نے انھیں محمد بن حنفیہ کی زبانی ان کی عینی شہادت سے یزید کو نیکوکار ثابت کیا۔ انساب الاشراف بلاذری کے حوالہ سے وہ مکالمہ نقل کیا جس میں حضرت محمد حنفیہ نے ان الزامات کی نہایت سختی اور صفائی کے ساتھ تردید فرمائی جو یزید کے ذمہ سبائیوں کی طرف سے عائد کئے جاتے تھے اور صرف بلاذری نہیں، بلکہ بقول عباسی ابن کثیر نے بھی بدایہ صـ۲۳۳/ج۸ پر نقل کیا ہے جن کی نقل محض بھی بہتوں کی عقلوں کو معطل کر دیتی ہے۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ عباسی کے ان حوالوں کی بھی تردید و تغلیط فرمائی جاتی ورنہ جس طرح عباسی پر یہ الزام ہے کہ انھوں نے سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے یہ تصنیف پیش کی اسی طرح جماعت دارالعلوم دیوبند بھی مظنّہ بدگمانی سے خالی نہیں۔ کہنے والے کہدیں گے کہ دیوبند کی شہرت اور مرکزیت سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی گئی ہے ؎

(۱۵) صـ۱۰۷ سے صـ۱۱۲ تک "تیسرا منصوبہ" قائم فرما کر جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے اس میں صرف وہ حصّہ پُرلطف اور وجد آفریں ہے جہاں مولانا نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے قلبی مقامات کی تشریح فرمائی ہے، مگر یہ زیادتی اس موقع پر بھی فرمائی کہ ایک صوفی صافی اور مصلح و شیخ (جو قلبی مقامات کی تشریح پر پوری قدرت رکھتا ہے) کی تعبیر کا موازنہ و مقابلہ عباسی صاحب کی سیدھی سادی تعبیر سے کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ تعبیر شیخ زیادہ عمدہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب کا یہی حصّہ ایسا ہے جہاں مولانا اپنے خاص اندازِ بیان کے ساتھ جلوہ گر معلوم ہوتے ہیں ورنہ عباسی کے سر الزام بیجا عائد کرنے کی جو نیت آغاز کتاب میں باندھی گئی وہ یہاں بھی بدستور قائم ہے۔ ملاحظہ ہو صـ۱۱۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"بہرحال حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے نفی صحابیت، ان پر الزام بغاوت اور خرابی جبلت کے جو تین منصوبے عباسی صاحب نے تیار کئے تھے بلاشبہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مقدس ذات ان تینوں الزاموں سے بری اور بالاتر ثابت ہوگئی ؎"

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:۔

"اگر ان فضائل کے ثبوت سے یزید کا فسق نہیں اُٹھ سکتا تو نہ اُٹھے وہ بہرصورت صاحب فضائل رہیں گے ؎"

پچھلے صفحات میں مولانا کے فرمودات پر جو معروضات پیش کی گئی ہیں ان سے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہوگئی کہ مولانا نے عباسی صاحب کی سستی شہرت چھیننے کے لئے ان کے ذمہ منصوبہ بندیوں کے جو الزامات لگائے تھے وہ سراسر بے بنیاد ہیں ان کی حقیقت بھی "فرضی منصوبہ بندی" سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اب رہا مولانا کا یہ ارشاد کہ حضرت حسین رضؓ کے لئے فضائل کے ثبوت سے یزید کا فسق نہیں اُٹھ سکتا تو کیا مولانا اس کا ذمہ لینے کو تیار ہیں کہ حضرت حسین رضؓ کے صاحب فضائل ہونے سے وہ فسق یزید زبردستی خود بخود عائد بھی ہو جاتا ہے۔ اگر مولانا کا خیال یہی ہے تو یہ طرز استدلال اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت انوکھا اور اچھوتا ہے۔ ع زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے۔

(مباحث ثلثہ پر بحث ختم ہوئی اب یزید اور اُس کا کردار زیر بحث آئیگا وہ اگلی قسط میں ملاحظہ ہو)

تجلی فاضل دوست رومی صاحب نے اگرچہ نقد کا حق خوب خوب ادا کیا ہے لیکن بعض گوشوں میں ایسا ایجاز و ابہام باقی رہ گیا ہے کہ معمولی علم و عقل والے شاید اس پر عبور نہ پا سکیں لہذا کچھ توضیحاً ہم ان کے دیئے ہوئے بعض نمبروں کے ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

(۹) مہتمم صاحب عام حالات میں یقیناً ذہین و متین ہیں لیکن جب جذبات کا سورج چڑھتا ہے تو علم و فراست کی چاندنی پھیکی پڑ جاتی ہے۔ ذرا اندازہ تو کیجئے وہ کیا فرما گئے ہیں۔

> "جس چیز کو وہ (حضرت حسینؓ) حق سمجھ چکے تھے اس پر جان دینی گوارا کی مگر باطل کے آگے سر جھکانا گوارا نہیں کیا۔"

اسے چھوڑیئے کہ "امارت یزید" کو "باطل" قرار دینا ان رفیع المرتبہ صحابیوں کے حق میں کتنی بڑی گالی ہے جنھوں نے نہ صرف یزید کی بیعت کی بلکہ حضرت حسین کو تا بحد امکان خروج سے روکا۔ مہتمم صاحب کہہ سکتے ہیں کہ میرا مطلب اپنی رائے کا اظہار نہ تھا بلکہ حضرت حسینؓ کا خیال ظاہر کرنا تھا کہ وہ امارت یزید کو باطل خیال کرتے تھے۔

لیکن یہ راہ فرار بھی مسدود ہے کیونکہ مہتمم صاحب چاہے کچھ بھی فرمائیں لیکن ساری دنیا تو دیکھ ہی رہی ہے کہ حضرت حسین نے کوفیوں کی غداری کا حال جاننے کے بعد صاف طور پر "باطل" کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ طبری، ابن اثیر، بلاذری البدایۃ والنہایۃ اور تاریخ الخلفا سے لیکر مولانا آزاد کی شہید اعظم تک کوئی سی کتاب اٹھا لیجئے یہی ملیگا کہ حضرتؓ نے محصور ہو جانے پر طلب خلافت کا خیال ترک فرما دیا تھا اور تین باتوں میں سے کسی ایک کا اذن چاہا تھا۔ یہ کہ یا تو مجھے اپنے شہر لوٹ جانے دو یا مسلمانوں کی کسی سرحدی چوکی پر بھیجدو یا یزید کے پاس جانے دو کہ اس کی بیعت کرلوں۔ (فاضع یدا فی یدہ) (۱) طبری جلد ۶ ص۲۳۵ (۲) تاریخ ابن اثیر جلد ۴ ص۲۲ (۳) البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص۱۷۰ (۴) الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر جزء ۲ ص۱۷ (۵) تاریخ الخلفاء للسیوطی ص۱۴۰ (۶) راس الحسینؓ لابن تیمیہ ص۲)

یہ ترک طلب اور بیعت پر تیار ہو جانا ہی وہ چیز ہے جو بڑے بڑے علماء و عقلاء کے نزدیک حضرت حسین کو ان حدیثوں کی زد سے بچالے گئی جن میں امارت قائمہ سے خروج کرنے والے کو واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔ ذرا دیکھئے ابن تیمیہ جیسا عبقری محقق کیا کہتا ہے۔

> "رسول اللہ کا فرمودہ صحیح مسلم میں روایت ہوا ہے کہ تمہارا نظم مملکت کسی ایک شخص کی سربراہی میں قائم ہو جائے تو اسوقت جو بھی جماعت میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرے اس کی گردن تلوار سے اڑا دو چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ لیکن حسینؓ اس روایت کی زد میں اسلئے نہیں آتے کہ انھیں تو اسوقت قتل کیا گیا ہے جب انھوں نے اپنے موقف سے دستبرداری دیکر یہ چاہا تھا کہ یا تو مجھے اپنے شہر لوٹ جانے دو یا کسی سرحدی چوکی پر چلے جانے دو یا یزید کے پاس بھیجدو تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدوں۔ اس کا مطلب صاف یہ ہوا کہ وہ خروج اور طلب خلافت کا خیال چھوڑ کر داخل فی الجماعت

(پچھلے صفحے کا حاشیہ) فرما رہے ہیں۔ اسمیں ابن الحنفیہ کی زبان سے ایجابی طور پر کوئی بھی اعتراف فسق یزید یا اس کے خلاف خروج کے جواز و استحسان کا ہرگز نہیں ہے بلکہ ابن الحنفیہ اس مجبور بھائی کی پوزیشن میں نظر آتے ہیں جو یہ دیکھ رہا ہو کہ اسکا بھائی ایک خطرناک اقدام پر بضد ہے اور خیر خواہوں کی سمجھانے بجھانے کے باوجود عزم خروج کو ترک نہیں کر رہا ہے تو ایسی حالت میں محبت کرنیوالا بھائی اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہے کہ احتیاط اور فہم و تدبر کا مشورہ دے۔ اس برادرانہ جملے کو یہ معنی دینا کہ ابن الحنفیہ کے نزدیک خروج درست و بجا تھا زبردستی ہے۔ پھر جب مقابلہ پر ایک ایسی روایت موجود ہو جسمیں ابن الحنفیہ صریح ایجابی اور قطعی طور پر اس خروج کو "خدا کی نافرمانی" کہہ رہے ہوں تو کیا وقعت رہ جاتی ہے اس نکتہ سنجی کی جو مہتمم صاحب نے فرمائی ہے۔ کھلی بات ہے کہ جو صریح اعتراف خود ابن الحنفیہ نے اپنی زبان سے کیا ہے نہ زیادہ معتبر ہوگا اس اجتہادی مفہوم سے جو مہتمم صاحب ابن کثیر کی عبارت سے اخذ کر رہے ہیں۔

عباسی صاحب نے متضاد روایات میں سے ایک کو لیکر دوسری کی تردید کی تھی اور دلائل کے ساتھ اسکا من گھڑت ہونا ثابت فرمایا تھا۔ یہی ایک محقق کا کام ہے قطع نظر اس کے کہ یہ قابل قبول ہے یا لائق رد۔ لیکن ہمارے مہتمم صاحب کمال کر گئے ہیں کہ ابن کثیر کی ایک روایت سے کچھ مطالب اخذ فرماتے ہیں لیکن ابن کثیر ہی کی اس دوسری روایت کا غلط ہونا ثابت نہیں فرماتے جو صراحت و قطعیت کے ساتھ انکے مطالب کی نفی کرتی ہے۔ حالانکہ اجتماع ضدین... محال ہے [illegible] (باقی آئندہ)

ہوگئے تھے اور تفریق سے رجوع فرما لیا تھا لہٰذا حریف پر لازم تھا کہ انہیں سے کوئی بات مانتا اور ان کو قتل نہ کرتا۔ یہ باتیں تو ایسی تھیں کہ اگر ایک معمولی آدمی بھی انکا مطالبہ کرتا تو منظور کر لینا چاہیئے تھا تو حسینؓ جیسے معظم انسان کا مطالبہ کیوں نہ منظور کیا گیا۔ اور حضرت حسین سے کمتر آدمی بھی ایسے مطالبہ کے بعد اسکا مستحق نہ تھا کہ اس کی راہ روکی جاتی چہ جائیکہ اسے قید یا قتل کیا جائے۔ تب ماننا پڑے گا کہ حضرت حسین مظلوم قتل کئے گئے اور وہ یقیناً شہید ہوئے۔" (منہاج السنۃ جلد دوم ص۲۵۶)

یہی بات امام ابن تیمیہ نے آس پاس کے صفحات میں متعدد بار کہی، ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اس بحث سے متعلق "منہاج السنۃ" کے چند صفحات مع متن و ترجمہ تجلّی میں پیش کر دیں۔ جگہ مل گئی تو اسی مرتبہ ورنہ انشاء اللہ اگلے ماہ اس ارادے کو پورا کر دیا جائے گا۔

دورِ حاضر کے مشہور ذی فہم عالم مولانا ابوالکلام آزادؒ نے بھی حضرت حسین کو اُن احادیث کی زد سے نکال لیجانے کے لئے جن میں مسلمان حاکمِ وقت کے خلاف خروج کو منع کیا گیا ہے اس کے سوا کوئی راہ نہ پائی کہ وہی استدلال کریں جو ابن تیمیہ نے کیا ہے، چنانچہ "مسئلۂ خلافت" اٹھا کر دیکھ لیجئے حضرت حسین کے ترکِ طلب اور دخول فی الجماعت پر رضامندی اور بیعتِ یزید کے لئے اظہارِ رضا ہی وہ چیز تھی جس کی بنیاد پر وہ حضرت حسین کو شہید مظلوم قرار دیتے ہیں، اور بجا دیتے ہیں۔

اب مہتمم صاحب کا موقف دیکھئے کہ وہ ایک طے شدہ تاریخی حقیقت کو جھٹلاتے ہوئے وہ بنیاد ہی ڈھائے دے رہے ہیں جس پر حضرت حسین کی شہادتِ مظلومہ کا مدار تھا، جسکے سہارے یہ دعویٰ کیا جا سکتا تھا کہ حضرت ممدوح حالتِ خروج میں قتل نہیں ہوئے بلکہ اس حالت میں ہوئے ہیں جب خروج سے دستبرداری دیکر خلیفۂ وقت کی بیعت پر آمادہ ہو چکے ہیں۔ اور سمجھ یہ رہے ہیں کہ ہم نے منقبتِ حسین کا حق ادا کر دیا۔ "سر جھکانا گوارا نہیں کیا" سے مراد اگر انہوں نے یہ لی ہے کہ "امام" نے حریف کے سامنے "رکوع" کرنا گوارا نہیں کیا تب تو خیر لیکن اگر "سر جھکاتے" کا وہی مفہوم ہے جو اصطلاحاً معلوم ہے تو بتایا جائے کہ مہتمم صاحب کا دعویٰ سوائے حسنِ بیان کے اور کیا معنی رکھتا ہے؟

وہ شاید کہیں کہ "امام" اگر ابن زیاد کے آگے سر جھکا گئے ہوتے تو شہادت ہی کیوں پیش آتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو برتری اور عظمت کا وہ احساس جو استحقاقِ خلافت کے سلسلہ میں عموماً بنو ہاشم اور خصوصاً حضرت علی و حسین رضی اللہ عنہما کے اندر پایا جاتا تھا اس کے مانع آیا کہ حسین جیسا اونچے مرتبے والا بجائے خلیفۂ وقت کے اس کے ایک افسر کے آگے دست بستہ ہو جائے۔ کیا شک ہے کہ حضرت حسینؓ ابن زیاد اور دیگر فوجی افسروں کے مقابلہ میں بدرجہا رفیع المرتبہ تھے۔ ان کی خودداری و غیرت ان کمتروں کے آگے سرافگندہ ہونے میں رکاوٹ بنی چاہئے تھی۔

دوسرے آپ کو یقین تھا کہ اگر اپنا فیصلہ ابن زیاد کے ہاتھ میں دیدیا تو یہ شخص بغیر جان لئے نہ مانے گا جیسا کہ ابن اثیر کی تاریخ الکامل جلد ۴ کے ص۲۸ پر خود حضرت حسین ہی کی زبان سے اس خیال کا اظہار دیکھا جا سکتا ہے۔ ابن زیاد کے برخلاف یزید سے آپ کو توقع تھی کہ وہ بیعت لینے کو کافی سمجھے گا اور خروج کی سزا میں جان نہیں لے گا۔ یہ توقع بجا تھی کیونکہ ان کے معاملہ میں یزید نے شروع ہی سے نرمی برتی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ سفرِ کوفہ سے قبل یزید نے حضرت کو سختی اور جبر سے اپنی بیعت پر مجبور کرنے کی بجائے نہایت درگذر کا وہ نرم رویّہ اختیار کیا تھا جو ایک حلیم و نرم خو خلیفہ ہی سے متوقع ہو سکتا ہے۔ سخت گیری اور تشدد سے مطلق پرہیز کیا تھا لوگ کہتے ہیں اس نرمی کی وجہ حضرت معاویہؓ کی نصیحت تھی۔ ہم کہتے ہیں بے شک ایک وجہ یہ بھی تھی لیکن حقیقی سبب خود یزید کی فطرت و طینت میں پایا جاتا تھا۔ اس کی زندگی میں شجاعت و بسالت تو ملتی ہے ظلم و شقاوت کا نشان نظر نہیں آتا۔ نرمی اور مرتبہ شناسی تو نظر آتی ہے گستاخی و سنگدلی کا پتا نہیں چلتا۔ یوم الحرۃ کے سلسلہ میں افسانہ نگاروں نے بہت کچھ افسانے اس کے ظلم و بے طغیان کے تراشے ہیں لیکن غیر جانبدارانہ تحقیق کیجئے تو ذاتی و انفرادی حیثیت میں وہ کہیں بھی ظالم و جابر کے روپ میں نہیں دکھائی دیگا۔ اسی لئے حضرت حسین کو صحیح امید تھی کہ اس تک پہنچ جاؤں تو بدسلوکی سے بچ جاؤں گا۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں خود کو قیدی بنا دینے کا مطلب اپنی موت کے محضر پر خود دستخط کر دینے تھے۔ کم سے کم حضرت حسین ایسا ہی سمجھتے تھے۔

(۱۰) اس نمبر کے ذیل میں ردّمی صاحب اُس استدلال کو تو نظر انداز ہی کر گئے جو دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے. یعنی مہتمم صاحب نے متعدد صفحات میں پھیلا کر یہ عجیب غریب منطق پیش کی ہے کہ چونکہ خلافت راشدہ کی عمر از روئے حدیث تیس سال تھی. یہ تیس سال گذر چکے تھے اس لئے اب جو بھی خلافت و حکومت آنی تھی وہ راشدہ نہیں ہو سکتی تھی لہٰذا یہ کیسے ممکن تھا کہ "امام حسین" جیسا رفیع المرتبہ صحابی خلافت و حکومت کی طلب کرتا. انھیں ہرگز خلافت کی طلب نہیں تھی اور اہل اللہ کو سوائے خلافت راشدہ کے کسی حکومت و خلافت کی طلب نہیں ہو سکتی. پس یہ کہنا کہ حضرت حسین خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے. اور کربلائی اقدام طلب خلافت کے لئے تھا" دین اور اہل دین کے ساتھ تلعب ہے" کیونکہ وہ چیز ہی موجود نہیں جس کی طلب کا الزام لگایا جا رہا ہے.

یا للعجب! ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت حسین کا سفر کوفہ بیعت ہی لینے کی خاطر ہوا تھا اور بیعت لینے والے ہی کو خلیفہ کہا جاتا ہے. یہ تو کہا جا سکتا ہے اور کہنا چاہئے کہ حضرت حسین کا خلافت طلب کرنا حب جاہ اور دنیا پرستی کے تحت نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ نظام اسلامی کو وہ اپنی دانست میں یزید سے زیادہ بہتر شکل دے سکتے تھے. یا اس لئے تھا کہ ان کے نزدیک یزید کا ولیعہدی کے ذریعہ خلیفہ بن جانا ظلم تھا اور اس ظلم کو وہ دفع کرنا چاہتے تھے. یا کوئی اور اچھی سے اچھی توجیہ کر لیجئے لیکن یہ کہنا تو روز روشن میں سورج کے انکار کا ہم معنی ہے کہ حضرت نے خلافت کی طلب ہی نہیں کی. ان سے آپ کو کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی وغیرہ. مہتمم صاحب نے بطور دلیل شاہ عبدالعزیز کی یہ عبارت پیش کی ہے.

"امام حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف کھڑا ہونا دعوائے خلافِ راشدہ کی بنا پر نہ تھا جو تیس سال گذر جانے پر ختم ہو چکی تھی بلکہ رعایا کو ایک ظالم (یزید) کے ہاتھ سے چھڑانے کی بنا پر تھا اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی اعانت واجبات (دین) میں سے ہے" ص۸۶

تو کسی نے کہا ہے کہ حضرت حسین خلافت راشدہ کا دعویٰ لیکر کھڑے ہوئے تھے؟ بحث نفس خلافت سے ہے نہ کہ راشدہ سے اگر خلافت راشدہ تیس سال پر ختم ہو چکی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب قیامت تک کوئی بھی اللہ کا بندہ اللہ کے دین کو پوری طرح قائم کرنے کیلئے قیام خلافت کی سعی کرے گا اور اگر کرے گا تو اہل اللہ کے دائرے سے خارج ہو جائے گا. حضرت حسین کیطرف جس خلافت کی طلب کو واقعات کی اثل شہادت پر منسوب کیا جاتا ہے اس کے "راشدہ" ہونے پر کسی کو بھی اصرار نہیں. جو چیز ختم ہوئی وہ خلافت راشدہ تھی نہ کہ نفس خلافت و حکومت. پس یہ کہنا کہ حضرت حسین پر اس چیز کی طلب کا الزام لگایا جا رہا ہے جو سرے سے موجود ہی نہیں تھی سطحیت کی انتہا ہے. سوال پیدا ہوتا ہے کہ یزید اگر ظالم تھا تو اُس کے ہاتھ سے مظلوم رعایا کو چھڑانا بغیر اس کے ممکن ہی کب تھا کہ یزید کو ہٹا کر حضرت حسین خود تخت حکومت پر بیٹھیں اور رعایا سے ظلم کو دفع کر کے انصاف دیں. مہتمم صاحب بالکل غلط کہتے ہیں کہ عباسی صاحب نے حضرت حسین پر طلب اقتدار اور غیر معقول حب جاہ کا الزام لگایا ہے یا عنوان چسپاں کیا ہے. انکی کتاب میں انگلی رکھکر بتایا جائے کہ یہ الزام کہاں ہے. رہا اس منطق کو ذریعہ دوسروں کو مجرم بنانا کہ مجرد طلب خلافت ہی "نامعقول حب جاہ" ہے تو پھر عبداللہ ابن زبیرؓ کے بارے میں بھی کہدینا چاہئے کہ طالب خلافت نہیں تھے. افسوس منقبت حسین میں مہتمم صاحب دیگر صحابہ کے ناموس کی پرواہ نہیں کرتے. وہ کہتے ہیں کہ "اہل اللہ کے لئے مطلق حکمرانی میں کوئی ذاتی دلچسپی نہیں ہو سکتی" تو عبداللہ ابن زبیرؓ تو لازماً اہل اللہ کے دائرے سے خارج ہو گئے کہ حکمرانی سے ان کی ذاتی دلچسپی کسے معلوم نہیں. اللہ تعالیٰ مہتمم صاحب کو معاف فرمائے انہوں نے فرط جوش میں بڑے بڑے ائمہ و علماء کو شرعی گالی دی ہے جس کا ثبوت درج ذیل ہے. صفحہ ۱۱۴ پر لکھتے ہیں.

"اس سلسلہ میں ایک مفصل روایت تو ابی مخنف کی ہے جس کی روایتوں کو سبائی روایت کہکر عموماً ناصبی لوگ رد کر دیتے ہیں."

ناظرین کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں جو بہت سے باطل فرقے پائے گئے ہیں انھی میں سے ایک فرقہ ناصبیہ بھی ہے. آپ کسی اچھے مسلمان کو خارجی یا معتزلی یا ناصبی کہدیں تو یہ "شرعی گالی" کہلائے گی. اب سنئے کہ یہ ابی مخنف کون صاحب ہیں اور ان کی روایات رد

کون کون حضرات مہتمم صاحب کے عطا فرمودہ خطاب "ناصبی" کا ہدف بنتے ہیں۔

لوط بن یحییٰ ابو مخنف دوسری صدی ہجری میں ایک شیعہ صاحب گذرے ہیں جنھیں داستان سرائی اور قصہ گوئی میں کمال حاصل تھا یہ سب سے پہلے آدمی ہیں جنھوں نے داستان کربلا کو ایک مربوط کہانی بلکہ ایک ناول کی حیثیت سے دنیا کو سنایا۔ ان کی مبالغہ آرائیوں اور داستان سرائیوں سے اگرچہ اکثر لوگ واقف تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ ان کے علاوہ اور کوئی تاریخی روایات بیان کرنے والا اسوقت نہیں ملتا تھا لہذا جو کچھ بھی انہوں نے رطب و یابس پیش کیا مقبول ہوا اور بعد میں جب طبری اپنی تاریخ لکھنے بیٹھے تو ان صاحب کی روایات خوب خوب لیں۔ جنکا جی چاہے طبری جلد ثانی میں واقعات کربلا اور اس کے متعلقات کا تذکرہ دیکھ لے قدم قدم پر قال ابو مخنف کی کی تکرار نظر آئے گی۔ طبری ہی نہیں بلاذری کی انساب الاشراف اور ابن اثیر کی الکامل وغیرہ کا بڑا مبنیٰ بھی یہی صاحب اور ایک دوسرے نام نہاد صاحب ھشام بن محمد الکلبی ہیں۔ پھر ذہبی اور سیوطی اور دیگر مورخین نے اپنا ماخذ زیادہ تر انھی تاریخوں کو بنایا تو اس کے سوا کیا کہا جائے گا کہ بنیاد اس پورے محل کی ریت ہی پر ہے۔

اب دیکھئے کہ ائمہ رجال اور بڑے بڑے ناقدین، جن پر علم الحدیث کا مدار ہے ابو مخنف کے بارے میں کیا فیصلہ فرماتے ہیں۔ پہلے تو خود شیعہ حضرات کی مستند کتاب تنقیح المقال دیکھ لیجائے انہیں بتایا گیا ہے کہ وہ ابو مخنف امامیہ شیعہ تھے۔ پھر ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کی آٹھویں جلد ملاحظہ فرما لیجئے جسمیں ابن کثیر نے ان کو شیعہ بھی لکھا ہے اور ائمہ کے نزدیک ضعیف الحدیث بھی بتایا ہے۔ (انکے الفاظ آگے ہم دیں گے)

اب حافظ ابن حجر کی لسان المیزان جلد ۴ اٹھائیے اسمیں یہ الفاظ ملیں گے۔

لا یوثق بہ — بالکل اعتبار کے قابل نہیں

پھر یہ ملیگا کہ

ترکہ ابو حاتم وغیرہ — ابو حاتم وغیرہ نے (جو ائمہ جرح و تعدیل میں شمار ہوتے ہیں) اسے متروک

پھر یہ ملیگا کہ

قال الدار قطنی ضعیف — دار قطنی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔

پھر یہ ملیگا کہ

قال یحییٰ بن معین لیس بثقۃ — یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ وہ اعتماد کے لائق نہیں ہے

یہی یحییٰ بن معین اسے لیس بشئ کے انتہائی تحقیر آمیز الفاظ سے بھی یاد کرتے ہیں یعنی وہ تو کوئی چیز ہی نہیں۔

پھر یہ ملیگا کہ

قال مرۃ لیس بشئ — مرہ نے کہا کہ وہ تو کوئی چیز نہیں

پھر یہ ملیگا کہ

قال ابن عدی شیعی محترق صاحب اخبارھم — ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہ تو کٹر شیعہ ہے اور انھی کی خبریں روایت کرتا ہے

یہ ہے جغرافیہ اس ابو مخنف کا جن کی روایتوں کو رد کرنے پر مہتمم صاحب "ناصبیت" کی پھبتی چست کر گئے ہیں۔ یہی وہ شخص ہے جو حضرت حسین جیسے عزیمت و شجاعت والے عظیم انسان کو شیعوں کی سطح پر لانے کے لئے یہ روایت تک کر گذرا ہے کہ جب تیر لگنے کے نتیجے میں حضرت حسین بیہوش ہو گئے اور پھر ہوش آیا تو شدت ضعف سے اٹھا نہ گیا اس وقت آپ دہاڑیں مار کر روئے اور فریاد و بین کے انداز میں یہ الفاظ فرمائے۔

واجداہ و امحمداہ وا اباہ — ہائے دادا۔ والئے محمدؐ، ہائے بابا

واعلیاہ وا اخاہ واحسناہ — ہائے علیؓ، ہائے بھائی، وائے حسنؓ ہائے غریب الوطنی

واغربتاہ واعطشاہ واغوثاہ — وائے پیاس کی شدت، ہائے مدد

واقلۃ ناصراہ — وائے مددگاروں کی کمی!

مقتل الحسین ص ۹۰

معاذ اللہ! جو شخص اس طرح کی یادہ گوئی کرے وہ منہ لگانے کے قابل ہو سکتا ہے۔ مزا یہ ہے کہ حرؓ بن یزید سے بھی بوقت شہادت اس شخص نے اسی طرح کا زنانہ بین روایت کیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں ہی حضرات کی عظمتِ دینی اور صفائے قلب سے اس کے سوا کوئی توقع نہیں کی جا سکتی کہ اپنے آخری وقت میں ان کی زبانوں پہ کلمۂ توحید ہوگا اور دلوں میں باری تعالیٰ کی یاد۔ یہ اللہ کے نیک بندوں کی طرح موت کو آغوش بہار محسوس کرتے ہوں گے اور جیساکہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے ان کے اندر آخرت کا اشتیاق

پیدا ہو چکا ہوگا۔ بقول ابو مخنف اگر حضرت حسین بھی ھل من مجید (یعنی کوئی ہے جو ہمیں پناہ دے) کا نعرہ لگا سکتے تھے۔ تو پھر شجاعت و مردانگی کی اُن تمام داستانوں کا کیا بنے گا جنھیں اسی جیسے لوگ گردن اکڑا کے بیان کرتے ہیں۔

مستزاد تماشہ یہ کہ یہی شخص یہ بھی روایت کرتا ہے کہ جب حضرت زینب کو "امام حسین" کی باتیں سنکر یقین ہو گیا کہ آپ شہید ہونیوالے ہیں تو بے قابو ہو کر چیخ اٹھیں اپنے منھ پر دو ہتھڑ مارے۔ گریبان چاک کیا اور غش کھا گئیں اس پر حضرت حسین نے پانی کے چھینٹوں سے ہوش دلایا اور نصیحت کی کہ اللہ سے ڈرو! توکل علی اللہ سے دل کو مطمئن کرو وغیرہ وغیرہ۔ (طبری جلد ۶ ص ۲۱۹ و مقتل الحسین ص ۵)

جو حسینؓ دوسروں کو ضبط و تحمل کی تلقین کر رہے ہیں انھی کی زبان سے ابو مخنف شیعی انداز کا بین و ماتم نکلوا رہے ہیں اور مہتمم صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی روایتیں رد کرنے والے "ناصبی" ہیں! تو یہ گالی حافظ ابن حجر، ابو حاتم، یحییٰ بن معین، مُرّہ دارقطنی، اور ابن عدی وغیرہ سب کو پڑی۔ بلکہ صحاح ستہ کے جامعین پر تو بدرجۂ اولیٰ پڑی کہ انھوں نے ایک بھی روایت اس شخص کی نہیں لی یہ بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ و نسائی سب کے سب ناصبی تھے کہ انھوں نے بھی میزان الاعتدال میں ابو مخنف کو ساقط الاعتبار ہی ٹھیرایا ہے۔ امام ابن تیمیہ بھی ناصبی تھے جنھوں نے صاف کہا

ابو مخنف وھشام بن محمد بن صاحب وامثالھما من المعروفین بالکذب عند اھل العلم (منہاج السنۃ جلد اول ص ۱۳)	ابو مخنف اور ہشام بن محمد بن صائب اور ان جیسے لوگوں کا جھوٹا ہونا تو اہل علم کے یہاں معلوم و معروف بات ہے۔

خوب ہے یہ عقیدت حسینؓ کہ چاہے ساری امت کی آبرو لٹ جائے مگر حسینؓ کی مفروضہ عقیدتوں کا علم بلند ہی رہے۔ "مفروضہ" سے مراد یہ نہیں کہ ان کی تمام ہی عظمتیں قابل انکار ہیں۔ پاگل ہے وہ شخص جو عظمتِ حسین کا منکر ہو۔ وہ بہت بڑے تھے اتنے بڑے کہ انکے قدموں کی خاک بھی ہم جیسوں کی پیشانی کو نورِ سعادت سے جگمگا سکتی ہے لیکن جو خیالی عظمتیں روافض اور شیعہ حضرات بیان فرماتے ہیں وہ چاہے مہتمم صاحب کے قلم سے پروانۂ تصدیق حاصل کریں یا کسی اور بڑے سے بڑے اہل سنت کی زبان سے بہر حال نقد و جرح کے کانٹے پر تلیں گی اور کم وزن نکلیں گی تو رد کر دی جائیں گی سو یہ ناصبیت کا طعنہ قبول مگر جھوٹی کہانیاں قبول نہیں ہیں۔

ابو مخنف کی آڑ میں محتاط اہل علم کو ناصبی بنانے کے بعد مہتمم صاحب نے ابن ابی الدنیا کی ایک روایت پیش فرمائی ہے جسمیں بتایا گیا ہے کہ جب حسین کا سر یزید کے سامنے لایا گیا تو اس نے دانتوں پر چھڑی ماری اس پر صحابی رسول ابو برزہ اسلمیؓ بولے کہ اپنی چھڑی ہٹا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے اس روایت کے ایک راوی عمار الدھنی شیعہ ہیں۔ گو کہ ابن حجر اور علامہ مامقانی نے ان کو معتمد مانا ہے لیکن ان کے تشیع پر بھی متفق ہیں (تقریب التہذیب ص ۲۵۱ و تنقیح المقال جلد ۲ ص ۳۱۷) تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ سچے سے سچا آدمی بھی غلوئے عقیدت میں ذہنی جانبداری کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر تو جھوٹ نہیں بولتا مگر اس کو کیا کیجئے کہ غیر معقول عقیدت کی عینک اسکے زاویۂ نظر ہی کو فاسد کر دیتی ہے اور نہایت معصومی و دیانت کے ساتھ وہ غلط کو صحیح سمجھ بیٹھتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ یہ روایت بعض راویوں کے اعتبار سے مجہول بھی ہے اور منقطع بھی، تیسری بات یہ کہ امام ابن تیمیہ پوری تحقیق کے بعد فرماتے ہیں۔

والذین نقلوا مصرع الحسین زادوا اشیاء من الکذب کما زادوا فی قتل عثمان و کما زادوا فیما یراد تعظیمه من الحوادث وکما زادوا فی المغازی والفتوحات وغیر ذلك والمصنفون فی اخبار قتل الحسین منھم من ھو من اھل العلم کالبغوی وابن ابی الدنیا وغیرھما و مع ذلك فیما یروونه آثار منقطعة وامور باطلة (منہاج السنۃ جلد ۲)	اور جن لوگوں نے حسین کا حزنیہ نقل کیا ہے انہوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں جیسے کہ قتل عثمان کے بیان میں اور جیسے کہ اُن حوادث کے بیان میں جن سے حسین کی تعظیم مقصود ہے اور جیسے کہ مغازی اور فتوحات وغیرہ کے بیان میں جھوٹے اضافے کئے گئے ہیں اور قتل حسین کی خبریں بیان کرنے والے مصنفین جو اہل علم ہیں مثلاً بغوی اور ابن ابی الدنیا انھوں نے بھی باوجود اپنے علم و فضل کے جو کچھ اس سلسلہ میں روایت کیا ہے اسمیں منقطع روایات اور باطل امور ہیں

آگے بڑھنے سے پہلے عام ناظرین دو باتیں سمجھ لیں۔ ایک یہ کہ فیما یراد
تعظیمہ من الحوادث سے مراد اس قسم کی کہانیاں ہیں کہ قتل حسینؓ
کے روز آسمان سیاہ ہو گیا اور تارے نظر آنے لگے۔ یا آسمان
سرخ ہو گیا گویا خون رویا۔ یا بیت المقدس کے ہر پتھر کے نیچے
تازہ خون پایا گیا وغیر ذلک من الهفوات۔ ہم مناسب موقع پر بتائیں
گے کہ حافظ ابن حجر جیسا عوا آس فن بھی فرط عقیدت میں ان بے سروپا
روایات کو زیب قرطاس کرنے سے نہیں رکا ہے۔

دوسری یہ کہ آثار منقطعہ ان روایات کو کہتے ہیں جن میں درمیان
سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی غائب ہوں۔ ایسی روایات
اہل علم میں کبھی احتجاج و استدلال کے قابل نہیں ٹھیری ہیں۔

آگے ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ حدیث صحیح سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے
کہ حسینؓ کا سر ابن زیاد کے آگے لایا گیا (عراق میں) ابن زیاد نے
دانتوں پر چھڑی ماری تو اس وقت انس بن مالک اور ابو برزہ
اسلمی موجود تھے۔ پھر کچھ آگے کہتے ہیں۔

وقد روی باسناد مجهول ان اور مجہول سندوں کے ساتھ روایت
هذا كان قدام يزيد وان کیا گیا ہے کہ یہ سر وں کالا نا یزید کے
الرأس حمل اليه وانه هو الذی آگے تھا اور وہی وہ ہے جس نے دانتوں
نكت على ثناياه وهذا مع انه پر چھڑی ماری تو اول تو یہ بات قطعاً ثابت
لم يثبت ففي الحديث ما يدل نہیں ہے دوسرے روایت ہی میں وہ
على انه كذب فان الذين بات موجود ہے جو اس کے جھوٹ ہونے
حضروا نكته بالقضيب من الصحابة پر دلالت کرتی ہے۔ یہ کہ جن صحابہ کی
لم يكونوا بالشام وانما كانوا موجودگی کا دعویٰ یزید کے اس فعل
بالعراق (") قبیح کے وقت کیا جا رہا ہے وہ تو اس وقت شام

اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب کی نقل فرمودہ ابن ابی الدنیا
کی روایت کی سند بعض رواۃ کے تعلق سے مجہول ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا
کہ وہ ابو برزہ اسلمیؓ جن کی موجودگی کا ذکر اس روایت میں ہے ثابت
شدہ روایات کی رو سے اس وقت عراق میں تھے نہ کہ بارگاہ یزید
میں۔ اس دعوے کا مزید ثبوت مسند احمد کی اس روایت میں ملتا ہے
جس میں ابن زیاد کی گستاخی کے وقت ابو برزہ اسلمیؓ کی موجودگی بیان
کی گئی ہے۔ رہا یہ کہ ابن کثیر نے ابو مخنف اور ابن ابی الدنیا کی روایتیں
بلا جرح قبول کر لی ہیں تو یہ بات مہتمم صاحب کے نزدیک اہم ہو تو ہو

لیکن ان لوگوں کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی جن کے سا
خود ابن کثیر ہی کا یہ فرمودہ موجود ہے۔
وفی بعض ما اوردناه نظر و اور جتنا کچھ ہم نے سپرد قلم کیا۔
لولا ان ابن جرير وغيره من اس کا بعض حصہ محل نظر ہے۔ اگر
الحفاظ والائمة ذكره ما سقته جریر اور دیگر ائمہ و حفاظ نے وہ
واكثره من رواية ابی مخنف نہ لی ہوتیں تو ہم بھی نہ لیتے۔ ا
لوط بن يحيى وقد كان شيعيا کی زیادہ تر ابو مخنف لوط بن یحییٰ
وهو ضعيف الحديث عند مروی ہیں اور وہ شیعہ تھا اور ا
الائمة ولكنه اخباری حافظ فن کے نزدیک ضعیف راوی ہے
عنده من هذه الاشياء تاریخی احوال اسے بہت یاد تھے
ماليس عند غيره ولهذا سے ایسی ایسی باتیں مروی ہیں کہ
يترامى عليه كثير من المصنفين اوروں کے یہاں نہیں ملتیں اسی۔
(البداية والنهاية جلد ۸ ص۲۰۲) اکثر مصنفین اس کی طرف لپکے

ثابت ہوا کہ ابن کثیر نے روایات لینے میں جرح و تعدیل سے کام
نہیں لیا ہے بلکہ چونکہ کربلا کی داستان کا کوئی ثقہ راوی اس
گیتی پر موجود نہیں تھا اس لئے ابو مخنف اور ہشام جیسے معلوم
الکذب اور ضعیف و مجروح راویوں ہی کو غنیمت جانا گیا اور ان
بعض روایتوں کو قابل نظر سمجھتے ہوئے بھی اس لئے درج کتاب
کر دیا گیا کہ ابن جریر وغیرہ نے انھیں اپنے یہاں درج کر لیا ہے
العظمۃ للہ۔ کوئی بتاؤ کیا ابن جریر وغیرہ کی "فراخ دلی" افسانہ
کو ثقہ اور داستاں گویوں کو معتمد علیہ بنا سکتی ہے؟ بات اگر مح
تاریخ کی حد تک ہوتی اور مہتمم صاحب نے اسے اپنی ذاتی رائے
طور پر پیش کیا ہوتا تو ہمیں کوئی سروکار نہ ہوتا لیکن سخت مشک
کہ نسبت یزید اور غیر ثابت فضائل حسینؓ کو انھوں نے علیٰ عق
ثابت کرنے کے لئے بہت سارے صفحات صرف کئے ہیں ا
اصرار یہ ہے کہ یہ مسلک دار العلوم کی ترجمانی ہے۔

از جناب محمود احمد عباسی
مصنف کتاب "خلافت معاویہؓ ویزید"

نوائے حق

۲

البدایہ والنہایہ کی ایک اور مختصر سی عبارت کے بارے میں جو "جہادِ قسطنطنیہ وبشارت مغفرت" کے ذیلی عنوان کے تحت "خلافت معاویہؓ ویزید" میں نقل ہوئی ہے اور دس بارہ لفظوں سے زائد نہیں، عزیز احمد قاسمی فرماتے ہیں کہ "مذکورہ بالا عبارت ہی کے آخر میں" ایک اور عبارت بھی ہے۔ "جسے عباسی صاحب نے دیدہ و دانستہ ترک کر دیا تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں" مگر لطف یہ ہے کہ غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا یہ ارتکاب تو خود قاسمی صاحب ہی کے قلم فریب رقم سے ہوا ہے جیسا کہ ابھی آئندہ سطور میں صحیح صورت حال پیش ہونے پر آپ بخوبی اندازہ کر سکیں گے۔

کتاب "خلافت معاویہؓ ویزید" کے صفحات ۲۱ تا ۳۰ پر مندرجہ بالا عنوان سے اس تاریخی حقیقت کا چند جملوں میں اظہار کرنے کے بعد کہ روم و ایران جیسی دشمنِ اسلام شہنشاہیتوں کے خلاف رسول اللہؐ و امام اول حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ سے جو جہادی سرگرمیاں شروع ہوئیں اور زبردست کامیابیوں کے ساتھ برابر ہوتی رہیں (جن کا سلسلہ حضرت علیؓ کے ایام میں بوجہ متأسفانہ خانہ جنگیوں کے بالکلیہ منقطع ہو گیا تھا) اور صفین کے افسوسناک نتائج میں یہ جہادی سرگرمیاں حضرت معاویہؓ کو عارضی طور سے ملتوی کر دینی پڑی تھیں۔ بیان کیا گیا کہ زمامِ خلافت اپنے ہاتھ میں لینے کے کچھ عرصہ بعد سے انھوں نے رومی عیسائیوں کے خلاف از سرِ نو یہ جہاد شروع کئے۔ چنانچہ ۴۹ھ میں قیصرِ روم کے مستقر قسطنطنیہ پر جو اسلامی فوج بھیجی گئی اس کے قائد اور سپہ سالار امیر یزیدؒ تھے اور ان ہی کی اس فوج میں حضرت حسینؓ بھی موجود تھے۔ نیز صحابہؓ کرام کی ایک جماعت بھی تھی جس میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی شامل تھے۔ یہی وہ پہلی اسلامی فوج تھی جو "مدینہ قیصر" پر حملہ آور ہوئی تھی اور جس کی بشارت مغفرت لسانِ نبوی سے یوں دی گئی ہے کہ "اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم (صحیح بخاری)

یعنی میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر غزا و جہاد کرے گی اس کے لئے مغفرت ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے ساتھ مختلف کتب تاریخ وغیرہ کے حوالہ جات سے بتایا گیا تھا کہ اس پہلی اسلامی فوج میں کون کون صحابہؓ شامل تھے، کیا کیا حالات پیش آئے یعنی بزبان رسول و محترم صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی جب موت کا وقت آ پہنچا آپ نے قائد عسکر امیر یزید کو کیا وصیت کی اور ان کی تدفین کے بارے میں کیا واقعات پیش آئے۔ ان سب حالات کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:-

> "اسی جہاد کے دوران حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر اسّی سال سے متجاوز تھی۔ اس کبر سنی میں آپ نے دور دراز مقام پر جہاد میں شرکت حدیث نبوی کی بشارت مغفرت کی وجہ سے کی تھی۔ جب آپ کا آخری وقت آ پہنچا آپ نے امیر عسکر، امیر یزید کو وصیت کی کہ میرا جنازہ سرزمین عدو میں جتنی دور لیجا سکو لے جا کر دفن کرنا اور میرا اسلام اور یہ حدیث مسلمانوں کو پہنچانا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی ہے۔ آپ نے فرمایا:-

من مات ولا یشرك بالله شیئاً جعله الله فی الجنة۔

یعنی جو شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ اللہ کیساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا اسے جنت نصیب کرینگے

امیر یزید نے ان محترم صحابی و میزبانِ رسول کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حسب وصیت قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس جہاں اب آپ کا عالی شان مزار اور اس کے متصل مسجد واقع ہے دفن کیا۔

وکان (ابوایوب انصاریؓ) فی جیش یزید بن معاویة والیه اوصیٰ وھوالذی صلّے علیه۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۵۹)

اور (ابوایوب انصاریؓ) یزید بن معاویہؓ کے لشکر میں شامل تھے انھوں نے اسی (یزید) کو وصیت کی اور اسی (یزید) نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزید کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسینؓ جنازے کی نماز میں بامامت امیر یزید شرکت کی اور میزبانِ رسول کی تدفین میں شریک رہے۔ طبری جیسے شیعی مورخ کا بھی یہ بیان ہے کہ "ابوایوب انصاریؓ کی وفات اس سال ہوئی جب یزید بن معاویہؓ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا" (ج ۱۳ ص ۱۶) الی آخرہ۔

یہ ہیں وہ فقرات جو "جہادِ قسطنطنیہ و بشارت مغفرت" کے تحتِ عنوان اس جہاد کے تاریخی حالات کے سلسلہ میں ضبط تحریر میں لائے گئے اور اسی سلسلہ میں البدایہ والنہایہ کی مندرجہ بالا عبارت بھی اس ثبوت میں درج کی گئی کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ جیسے بلند پایہ صحابی امیر یزید کے لشکر میں شامل تھے انھوں نے مرتے وقت امیر موصوف ہی کو وصیت کی اور انھوں نے ہی ان محترم صحابی کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

اب ذرا البدایہ والنہایہ کی وہ عبارت ملاحظہ ہو جس کے متعلق قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ "مذکورہ بالا عبارت ہی کے آخر کی عبارت اس لئے ترک کر دی گئی کہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔ یہ دونوں عبارتیں جس طرح البدایہ والنہایہ کے صفحات ۵۸ و ۵۹ پر بذیل تذکرہ حضرت خالد بن زید بن کلیب یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ درج ہیں ملاحظہ ہو۔ وہ یہ ہیں:-

وکان (ابوایوب انصاریؓ) فی جیش یزید بن معاویة والیه اوصیٰ، وھوالذی صلی علیه۔ وقد قال الامام احمد۔ حدثنا عثمان ثنا ھمام ثنا ابوعاصم عن رجل من اھل مکة ان یزید بن معاویة کان امیراً علی الجیش الذی غزا فیه ابوایوب، فدخل علیه عند الموت فقال له اذا انا مت فاقرأوا علی الناس منی السلام واخبروھم انی سمعت رسول الله صلے الله علیه وسلم یقول۔ "من مات لا یشرك بالله شیئاً جعله الله فی الجنة" ولینطلقوا فیبعدوا بی فی ارض الروم ما استطاعوا قال فحدث الناس لما مات ابوایوب فاسلم الناس وانطلقوا بجنازته (ص ۵۸ و ۵۹)

اور (ابوایوب انصاریؓ) یزید بن معاویہؓ کے لشکر میں تھے۔ اسی (یزید) کو انھوں نے وصیت کی اور اسی یزید نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور امام احمد (بن حنبلؒ) نے فرمایا کہ ہم سے عثمان نے ان سے ہمام نے ان سے ابوعاصم نے ان سے مکہ کے ایک شخص نے یہ روایت بیان کی کہ یزید بن معاویہؓ اس فوج کے سردار تھے جس میں شامل ہو کر ابوایوب (انصاریؓ) نے جہاد کیا تھا۔ ان کے مرنے کے وقت (یزید) ان کے پاس گئے تھے سو انھوں نے ان سے (یزید) سے فرمایا کہ میں جب مر جاؤں میرا سلام لوگوں کو پہنچا دینا اور ان کو بتا دینا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانتا تھا اللہ تعالیٰ اس کو جنت نصیب کریں گے۔ اور میرا جنازہ سرزمین روم میں جہاں تک تم لیجا سکو لیجا کر دفن کر دینا (امام) احمدؒ نے کہا کہ جب ابوایوب انصاریؓ کی وفات ہو گئی یزید نے لوگوں سے وصیت مرحوم کی بتائی لوگوں نے اسے قبول کیا اور ان کے جنازے کو لیگئے۔

صرف خط کشیدہ الفاظ کتاب "خلافت معاویہؓ و یزید" میں نقل ہوئے ہیں اور ان کے آخر کی مندرجہ بالا کل عبارت ؟

ترجمہ مضمون کتاب میں شامل ہے اور اس غرض سے شامل ہے کہ جہاد قسطنطنیہ میں شریک ہونے والے ایک محترم صحابی کے وفات پانے اور وفات سے پہلے امیر عسکر امیر یزید کے ان کی عبادت کے لئے ان کے پاس جانے، مرحوم کی مرتے وقت انھیں وصیت کرنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنانے اور اس حدیث کو مسلمانوں کو پہنچا دینے کی وصیت کرنے نیز سرزمین روم میں ان کی تدفین کرنے کا یہ سب واقعہ اسمیں مذکور ہے۔ چنانچہ اس اقتباس میں یہ حدیث من مات لا یشرك باللہ شیئاً جعلہ اللہ فی الجنۃ نہ صرف اس لئے درج کی گئی کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ نے اس کے روایت کرنے کی وصیت امیر یزید کو کی تھی، بلکہ یہ حدیث آیتِ قرآنی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء) کے بھی مطابق ہے۔ اب آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ البدایہ سے کتاب کے ذیلی عنوان "جہاد قسطنطنیہ وبشارت مغفرت" کے تحت جو مضمون بیان ہو سکتا تھا وہ یہی اخذ کیا گیا۔ مکررات یا وہ حدیث جس کی روایت کی وصیت نہ امیر یزید کو کی گئی اور نہ ان سے بیان کی گئی ترک و حذف کردیگئی یعنی البدایہ والنہایہ کی مندرجہ بالا عبارت کے بعد ہی حسب ذیل مکررات ہیں جو حذف کرنے مناسب اور ضروری تھے حذف کئے گئے۔

وقال احمد - حدثنا اسود بن عامر ثنا ابوبکر عن الاعمش عن ابی ظبیان قال اغزا ابو ایوب مع یزید بن معاویۃ قال! فقال اذا مت فادخلونی فی ارض العدو فادفنونی تحت اقدامکم حیث تلقون العدو قال - ثم قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مات لا یشرك باللہ شیئاً دخل الجنۃ۔	امام احمد بن حنبل رحؒ نے اپنے استاد سے بیان کیا کہ ابو ایوب انصاری رضؓ نے یزید بن معاویہ رضؓ کے ساتھ جہاد کیا تھا۔ امام صاحب نے یہ بھی کہا کہ انھوں نے (ابو ایوب انصاری رضؓ نے) فرمایا تھا کہ میں جب مر جاؤں میرے جنازے کو سرزمین عدو میں پہنچا دینا اور جہاں دشمن سے مڈبھیڑ ہو وہاں اپنے قدموں تلے دفن کر دینا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اللہ کیساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

+ + + +

اس عبارت میں بھی اسی مضمون کا اعادہ ہے جو پہلے درج ہو چکا حدیث کے الفاظ میں صرف اتنا فرق ہے کہ بجائے جعلہ اللہ فی الجنۃ کے دخل الجنۃ بیان کیا گیا ہے۔

اب اس کے بعد کا دوسرا فقرہ ملاحظہ ہو کہ وہ بھی سابقہ مضمون کا اعادہ ہے:۔

ورواہ احمد عن ابن نمیر ویعلی بن عبید عن الاعمش سمعت ابا ظبیان فذکرہ وقال فیہ - ساحدثکم حدیثا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لولا حالی ھذا ما حدثتکموہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مات لا یشرك باللہ شیئاً دخل الجنۃ۔	امام احمد رحؒ نے اس کو روایت کیا ہے ابن نمیر اور یعلی بن عبید سے انھوں نے الاعمش سے انھوں نے کہا کہ میں نے ابو ظبیان کو (ابو ایوب انصاری رضؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے جس میں انھوں نے یہ فرمایا تھا کہ میں اب تم لوگوں سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور اگر میرا یہ حال نہ ہوتا تو میں تم سے نہ بیان کرتا۔ میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

یہ دونوں عبارتیں جو اسی ایک بات کا اعادہ کرتی ہیں جو بیان ہو چکی حذف کی گئیں اور کی جانی چاہئیں تھیں اب دیکھئے تیسری مرتبہ پھر یہی بات ایک اور عبارت میں جس کے ترک کر دینے کا شکوہ قاسمی صاحب کو ہے دہرائی جاتی ہے اور برخلاف اس حدیث کے جو تین مختلف سلسلہ اسناد سے اُوپر کی عبارتوں میں بیان ہو چکی ہے اور جس کے روایت کرنے کی وصیت حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ نے مرتے وقت امیر یزید کو کی تھی اس کے علاوہ ایک نئی حدیث بیان کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان مرحوم نے مرتے وقت یہ

کہہ کر لوگوں کو سُنائی تھی کہ اب تک یہ حدیث میں تم لوگوں سے چھپائے ہوئے تھا اب بیان کئے دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کر دیتا جو گناہ کا ارتکاب کرے تاکہ اللہ ان کی مغفرت کرے۔" روایت کے اصل لفظ یہ ہیں:۔

عن ابو ایوب الانصاریؓ انہ قال حین حضرتہ الوفاۃ - قد کنت کتمت عنکم شیئاً سمعتہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعتہ یقول "لولا انکم تذنبون یخلق اللہ قوماً یذنبون فیغفرلھم۔"	ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے مرتے وقت فرمایا کہ میں تم لوگوں سے ایک حدیث چھپائے ہوئے تھا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی آپ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کا ارتکاب کرتی تاکہ وہ ان کی مغفرت کرے۔
+ + + + + + + +	

قطع نظر ان شبہات کے جو ایسی روایت کے سُننے یا پڑھنے سے ہر سمجھدار شخص کے دل میں پیدا ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کیا لوگوں سے چھپانے کے لئے تھے یا بیان کرنے کے لئے۔ ایک محترم صحابی نے آخر آپ کے ارشاد کو تمام عمر کیوں چھپائے رکھا بیان کیا تو مرتے وقت! پھر یہ قول جو حضور انورؐ سے منسوب کیا جاتا ہے کہ اللہ کی یہ مرضی ہے کہ لوگ گناہ کرتے رہیں۔ سیئات و ذنوب میں مبتلا ہوتے رہیں تاکہ ۔ بقول قاسمی صاحب "اللہ کی صفت مغفرت ظہور پذیر اور کارفرما ہو" کیا یہ قول اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور اسلامی عقائد و تعلیمات سے کچھ مطابقت رکھتا ہے یا نہیں قطع نظر ان باتوں کے غور طلب یہ امر تھا کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے وقت وفات کیا دو مختلف حدیثیں سنائی تھیں جو معنی و مطالب کے اعتبار سے متضاد تھیں ایک حدیث تو جیسا بیان ہو چکا کلام اللہ کی آیت کے مضمون کے مطابق ہے اور اس کے روایت کرنے کی وصیت امیر یزید کو کی تھی۔ اس لئے وہ کتاب کے مذکورہ بالا عنوان کے تحت درج کی گئی اور دوسری جو نہ ان کو تھی اور نہ وصیت کی تھی اور نہ آیات بینات کے کسی مفہ سے وہ مطابقت رکھتی ہے اور نہ "جہادِ قسطنطنیہ و بشار مغفرت" کے تحت بیان کئے جانے سے اس کا کوئی وا و تعلق تھا یا ہو سکتا تھا وہ مع الفاظ روایت ترک و حذ کی گئی اور دیدہ و دانستہ ترک کی گئی تاکہ لوگ غلط ف میں مبتلا نہ ہوں۔ مندرجہ بالا عنوان کے تحت جہاد قس کے سلسلہ میں صرف وہی واقعات بیان کئے جا سکتے اور کئے گئے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

امیر یزید کے کیرکٹر کے متعلق کچھ ذکر کرنے یا کسی ا کی تردید و تکذیب کا مندرجہ بالا عنوان کے تحت کوئی و محل نہ تھا۔ قاسمی صاحب نے پُر فریب الفاظ میں یہ اس موقع پر چھیڑ دیا ہے اس لئے عرض کرنا پڑا کہ البد والنہایہ کے مصنف کا سنِ وفات ۷۷۴ھ ہے یعنی ام کے زمانے سے سات سو برس بعد۔ ان صدیوں میں بنو اور امیر معاویہؓ و امیر یزید کی منقصت میں طرح طرح روایات کا طومار اکٹھا ہوا اور ان تک پہنچا۔ بسا غنیم ہے کہ اپنی تالیف میں انھوں نے جا بجا اس کی تکذیب کر دی ہے۔ مثلاً امیر یزید کے ترجمہ میں ایک جگہ لکھ

وقد اورد ابن عساکر احادیث فی ذم یزید بن معاویہ کلھا موضوعۃ لا یصح شئی منھا۔	اور ابن عساکر جو احاد یزید بن معاویہ کی مذم لائے ہیں وہ سب کی س موضوع ہیں ان میں سے بات بھی صحیح نہیں۔

بایں ہمہ علامہ ابن کثیرؒ نے اس حدیث پر کہ " لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کرتا جو گ ارتکاب کرے اور اللہ ان کی مغفرت کرے۔" درا ڈالنے کے بجائے ایک ریمارک کر دیا ہے اگرچہ سا "واللہ تعالیٰ اعلم" لکھ کر یہ بھی جتا دیا ہے کہ اپنے ا ان کو پورا وثوق و اعتماد بھی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں "میرے نزدیک اس حدیث اور اس سے قبل کی

نے یزید بن معاویہؓ کو امید مغفرت دلا کر عمل میں سست کر دیا جس کے سبب بہت سے ایسے افعال پر آمادہ کر دیا جس کو ناپسند کیا گیا جیسا کہ ہم ان کے تذکرہ میں بیان کریں گے واللہ تعالیٰ اعلم "تذکرۂ یزید" میں تو ایسا کوئی بیان نہیں ہے۔ قاسمی صاحب نے جو ترجمہ علامہ موصوف کی اس مختصر سی عبارت کا کیا ہے ذرا ملاحظہ ہو کہ تحریف و تلبیس سے صحافی دیانت کو کس طرح مجروح کیا ہے۔

عندی ان هذا الحدیث	میرا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث اور اس
والذی قبله حمل یزید	پہلے والی حدیث (جس کے اصل
بن معاویة علی طرف	منشاء کے برخلاف ان کے ظاہری
من الارجاء و رکب	مفہوم نے) یزید بن معاویہؓ کو اس
بسببه افعالاً کثیرة انکرت	پر آمادہ کر دیا کہ گویا اس کا یہ اعتقاد
علیه کما سنذکره فی	ہو گیا کہ عمل کا ایمان سے کوئی تعلق
ترجمته والله تعالیٰ اعلم	نہیں جو چاہو کرو ایمان بہرحال

قائم رہے گا اور بظاہر اس اعتقاد نے اس کو ایسے بہت سے افعال پر آمادہ کر دیا جن کو سب ہی نے برا سمجھا اور اس پر اعتراض کیا جن کی تفصیل یزید کے تذکرہ کے وقت بیان کریں گے۔

معمولی عربی داں سمجھ سکتا ہے کہ خط کشیدہ فقرے اور الفاظ قاسمی صاحب کے طبع زاد اور من گھڑت ہیں عربی عبارت کے کسی لفظ اور فقرے کا نہ یہ ترجمہ ہے اور نہ مفہوم۔ اردو ترجمہ میں "واللہ تعالیٰ اعلم" کو ترک کر دیا' حالانکہ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنے خیال پر پورا وثوق نہ ہونے کے اظہار کی غرض سے اسکو خاتمہ عبارت پر لکھدیا تھا صاف ظاہر ہے کہ یہ حرکت لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے کی گئی ہے پھر البدایہ کی اس عبارت کے ترجمہ میں تحریف و تلبیس کا ارتکاب کرنے اور اپنے معہود ذہنی کے مطابق غلط مطلب نکالنے کے بعد تبرائی انداز میں فرماتے ہیں کہ یزید:-

"اسلامی احکام سے لاپرواہ' من مانی کارروائیاں کرنے والا' ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو غلط معنی پہنانے والا ایسے افعال قبیحہ کا مرتکب تھا جن کو امت نے برا سمجھا اور اسپر اعتراض کیا"۔

مگر صاحب البدایہ نے تو یہ باتیں کہیں بھی نہیں کہیں۔ یہ تو جامد و مفلوج ذہنیت کے سبائیت زدہ اشخاص کی سی خرافات ہے جس کی کامل تردید حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) جیسے بلند پایہ عالم کے اس ارشاد سے ہو جاتی ہے جو خود ان ہی علامہ ابن کثیرؒ نے تذکرہ یزید کے سلسلہ میں درج کیا ہے یعنی باغیان مدینہ کا وفد جب حضرت موصوف کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوا کہ وہ خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت میں مدد کریں اور اہل وفد نے امیر یزید پر فسق و فجور کا بہتان تراشا آپ نے اس کی پر زور تردید تکذیب کی اور اپنی ذاتی واقفیت کی بناء پر یہ الفاظ فرمائے جو اس مضمون کی پہلی قسط میں بھی نقل ہو چکے ہیں:-

وقد حضرته واقمت	میں تو ان کے (امیر یزیدؒ کے) پاس
عنده فرأیته مواظباً	گیا ہوں' ان کے پاس ہی مقیم
علی الصلوٰة متحریاً للخیر	رہا ہوں۔ میں نے تو دیکھا ہے کہ وہ
یسأل عن الفقه ملازماً	نماز کی پابندی کرتے ہیں' نیک
للسنة (ص۲۳۳ ج۸)	کاموں میں سرگرم رہتے ہیں مسائل
+ + + +	فقہ پر گفتگو کرتے ہیں اور سنت
+ + + +	نبوی کی پیروی کرنے والے ہیں۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ قاسمی صاحب کا اعتراض ترک عبارت کا کس درجہ فضول اور لایعنی ہے۔

امیر المجاہدین

قاسمی صاحب کو یہ جسارت تو نہ ہو سکی کہ جہاد قسطنطنیہ میں امیر یزید کے امیر لشکر ہونے کا انکار کر سکتے۔ البتہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب و معتمد خاص کا ذکر جس انداز سے کیا ہے وہ ضرور محل نظر ہے۔ فرماتے ہیں:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ میں اپنے غلام یزید (؟)[1] کو امیر لشکر مقرر فرمایا تھا اور ان کی ماتحتی میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جیسے بڑے بڑے صحابہؓ تھے"۔

---

[1] شاید کتابت کی غلطی ہے کہ (زید) کے بجائے (یزید) لکھا گیا ہو ۱۲۔

حضرت زیدؓ یوں کہنے کو غلام تھے مگر ہزار آزاد شخصوں سے برتر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ تھے، زید بن محمد کہلاتے تھے۔ آپؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن کو ان کے نکاح میں دیا پھر جدائی ہوگئی جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اسماء کے سوا ان ہی کا نام ہے جو کلام پاک میں ہے۔ سات مرتبہ مہمات سریہ کی قیادت کا شرف ان کو حاصل ہوا۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ہیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ ہی تو سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔ قاسمی صاحب کو امیر یزید کے اس امتیازی شرف سے کہ وہ مجاہدین کے لشکر کی کمان کر رہے تھے، ایسی اذیت ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قیادت غزوہ موتہ کے ذکر میں حضرت موصوف کا اسم گرامی احترام صحابیت کے ساتھ نہ لکھا۔ "غلام زیدؓ" اور "حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ" لکھا اس طرز سے سبائیت زدہ ذہنیت کے لوگ ہی لکھا کرتے ہیں، لیکن مجاہدین کے شرف و فضیلت کو مٹا دینا نہ قاسمی صاحب کے بس کی بات ہے اور نہ کسی اور کے۔ کلام پاک اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجاہدین کی کیسی کچھ فضیلت آئی ہے اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ (سورۂ صف)	اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اسکی راہ میں صف باندھکر (اس جمائو سے) لڑتے ہیں گویا وہ ایک دیوار ہے اینٹ سے اینٹ ملی ہوئی۔

+ + + +

پھر اسی سورت کی گیارھویں آیت ان مجاہدین کے بارے میں ہے جو دشمنانِ دین کے مقابلہ میں اپنی جانوں مالوں سے جہاد کرتے ہیں جیسا امیر یزید اور ان کے سا[تھی] کر رہے تھے اس میں فرمایا گیا کہ یہ وہ عمل ہے جس کے کرنے [کے] بعد تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں جنت کا اور ابدی نجا[ت] کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِ[لْکُمْ] جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَ[ۃً] فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ کلام پاک کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احاد[یث] سے جہاد اور مجاہدین کی کیا کچھ فضیلت ثابت ہے۔ فرمایا

ما اغبرت قدما عبد فی سبیل اللہ فتمسہ النار (بخاری)	ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس بند[ے] کے پاؤں جہاد کی راہ میں غ[بار] آلود ہوئے انکو جہنم کی آگ چھو[ئے]

اور فرمایا:۔

حرمت النار علی عین دمعت من خشیۃ اللہ وحرمت النار علی عین سہرت فی سبیل اللہ (رواہ احمد)

(ترجمہ) "جو آنکھ اللہ کے خوف سے اشکبار رہی یا جہاد میں جا[گی] اس پر نار دوزخ حرام ہے۔"

جہادِ قسطنطنیہ کے علاوہ اور متعد[د] جہادوں میں اس قرشی نوجوان، امیر یزید۔ نہ صرف اپنے پاؤں غبار آلود کئے، راتوں کی نیند دشمنوں کے انتظار میں حرام کیں، بلکہ کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ خود دار العلوم دیوبند کے جید عالم اور مقد[س] بزرگ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ کے ا[یک] مکتوب کے یہ فقرات اس کے شاہد ہیں، فرماتے ہیں:

"یزید کو متعدد معارک جہاد میں پہنچنے اور جزائر بحرابیض اور بلاد ہائے ایشائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی فوج کے ساتھ حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا

تاریخ شاہد ہے کہ معارکِ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔" (مکتوبات ج۱)

مسلم و غیر مسلم مؤرخین کی تصریحات سے مولانا موصوف کے بیان کی تائید ہوتی ہے کہ متعدد معارکِ عظیمہ میں امیر یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے ۱۶ مرتبہ جہادی مہمیں رومی عیسائیوں کے خلاف مختلف سنین میں اور مختلف سپہ سالاروں اور امرائے بحر کی قیادت میں بھیجی تھیں اور چار سال تک رومیوں کے مستقر کا محاصرہ جاری رہا تھا۔ بزنطینی شہنشاہیت The Byzantine Empire کے غیر مسلم مؤلف نے لکھا ہے کہ:-

"رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم کے عہدِ سلطنت کا آغاز ہی تباہی کے ساتھ ہوا، خلیفہ معاویہؓ کی افواج اور بیڑہ جہازات نے افریقہ، سسلی اور ایشائے کوچک پر بیک وقت حملے شروع کئے جو بطور پیش خیمہ کے تھے ۶۷۳ء میں خلیفہ موصوف نے ایک ایسی بری و بحری مہم کی تیاری کی جس کے مثل اس وقت تک عربوں کی جانب سے کوئی مہم معرکہ آرائی کی نہیں ہوئی تھی۔ یہ عظیم الشان بیڑہ جہازات اور بری افواج تھیں جو قسطنطنیہ کے محاصرے کے لئے شام سے روانہ ہوئیں اور یہ ایسی زبردست مہم تھی کہ اب تک مسلمانوں کی جانب سے نہیں ہوئی تھی جنرل عبدالرحمٰن[۱] کی معیت میں خلیفہ کے فرزند اور ولیعہد یزید بھی متعین تھے۔ اسلامی بیڑے جہازات نے رومی شاہی بیڑے کو شکست دے کر درّۂ دانیال میں اپنا راستہ نکال لیا اور شہر سائزیکس پر قبضہ کرکے اس کو اپنا فوجی کیمپ بنا لیا اور باسفورس کی ناکہ بندی کر دی۔ چار سال تک قسطنطنیہ کا محاصرہ جاری رہا۔ محصور فوج نے زبردست مقاومت کرکے اور کچھ نہیں تو یزید کو کچھ عرصہ تک ٹال رکھا (صـ۱۷۰)

یہ یہاں تو ۶۷۳ء کی مہم کا ذکر تھا۔ اب اس سے ایک سال پہلے امیر یزید کے جہاد قسطنطنیہ کی کیفیت ایک مسلم مؤرخ کی زبانی سنئے:-

ان السنة التی حاصر فیها یزید بن معاویة القسطنطنیة کانت سنة ۵۱ للهجرة وتق ۶۷۲ مسیحیة وقد جاءها یزید برا وکان بسر بن ارطاة ما سکا البحر وقد انتشرت السفن الحربیة العربیة علی طول ساحل بحر مرمرة وهاجم العرب القسطنطنیة بین شهری ابریل وستمبر (حاضر العالم اسلامی صـ۲۱۴)

جس سنہ میں یزید بن معاویہؓ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا وہ ۵۱ھ مطابق ۶۷۲ء تھا۔ یزید بری راستہ سے پہنچے تھے اور بسر بن ارطاۃ سمندری راستہ طے کرکے عربوں کے حربی جہازات ساحل بحر مرمرہ پر پھیل گئے تھے عربوں نے اپریل اور ستمبر کے مہینوں کے مابین قسطنطنیہ پر حملے جاری رکھے۔

+ + + +
+ + + +
+ + + +

امیر یزید کی قیادت لشکر اسلامی کے بارے میں شبہ کا اظہار دیوبند کے بعض اشخاص کی جانب سے کیا جا رہا ہے مگر جو بات مستند تاریخی روایات سے بالتواتر ثابت ہو اس کے بارے میں اپنی کسی سیاسی مصلحت سے شبہات وارد کرنا گھٹیا ذہنیت کا ثبوت ہے۔ مدارس اسلامیہ میں جو کتب موجود بلکہ متداول ہیں ان میں بھی کہیں نہ کہیں اس بات کا ثبوت مل ہی جاتا ہے۔ مثلاً الاستیعاب میں بذیل تذکرہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ یہ فقرہ دیکھا جا سکتا ہے: "وتوفی (ابو ایوبؓ) بالقسطنطنیه من ارض الروم سنة خمسین وقیل احدی وخمسین فی خلافة معاویة تحت یزید" (الاستیعاب صـ۵ حاشیہ الاصابہ ج۱) خط کشیدہ الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ امیر یزید ہی امیر عسکر تھے۔ اسی تذکرہ میں یہ تصریح بھی ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے امیر یزید کو فوج کی قیادت سپرد کی "فلما ولی معاویة یزید الجیش الی قسطنطنیة" تو غالباً کسی کے معترض ہونے پر

---

[۱] اس غیر مسلم مؤرخ نے کسی غلط فہمی سے یہ بات لکھدی ہے ۱۲

ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا ہمیں اس سے کیا بحث کہ ہم پر ایک جوان العمر کو امیر مقرر کیا جاتا ہے" وما علیّ ان امّر علینا شاب" اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک امیر یزید کی نااہلیت کا خیال تک کسی مخالف کے دماغ میں ہی نہ آیا تھا۔ اس جہاد کے لئے بڑے اہتمام سے تیاریاں کی گئیں تھیں۔ حجاز کے مختلف قبائل قریش کے اکابرین کے پاس قاصد اور تحریریں بھیجی گئیں کہ وہ امیر یزید کے ساتھ اس جہاد میں شرکت کریں۔ چنانچہ کسی نے بھی شرکت جہاد و قیادتِ یزید سے اختلاف نہیں کیا۔ ولم یختلف عنه احد حتی کان فیمن خرج ابوایوب الانصاری صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (الاصابہ ج ۲ ص ۱۲۲)

امیر یزید کو اس جہاد اور دوسرے جہادوں میں جو امتیاز و شرف حاصل ہوا اور ملت نے فتی العرب (عرب کے سورما) کا خطاب دیا ان میں یہ سعادت سب سے بڑھ کر نصیب ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی حراست و محافظت کی فرمائی تھی وہ کس خوبی کے ساتھ امیر یزید ہی کے جوشِ ایمانی کی بدولت پوری ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بعد ہجرتِ مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ نے شب میں آپکے استراحت فرمانے وقت پہرہ دیا تھا جس پر آپؐ نے فرمایا تھا "حرسك الله یا ابوایوب کما بت تحرس بنیه" صاحب کتاب الروض الانف شرح السیرة النبویہ لابن ہشام بجا طور سے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے ابو ایوبؓ کے جسم کی رومیوں ہی سے حراست کرائی پھر انھوں نے اس سب واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ قیصر روم کے اس گستاخانہ کلام پر کہ تم لوگ جب یہاں سے چلے جاؤ گے ہم قبر کھود کر انکی ہڈیاں پھینک دیں گے۔ امیر یزید کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، جس سے متأثر ہو کر حضرت موصوف کی قبر کا کھود ڈالنا تو کجا الٹی ان ہی رومیوں سے اس کی حفاظت و حراست کرائی گئی

(اقسم لهم یزید لئن فعلوا ذلك لنهدمن كل كنيسة بارض الروم ولنبش قبورهم فحینئذ حلفوا لهم بدینهم لیکرمن قبره ولیحرسنه ما استطاعوا (ص ۲۴۶)

(امیر) یزید نے قسم کھا کر ان (عیسائیوں) سے کہا کہ ایسی کوئی حرکت تم نے کی تو سرزمین عرب میں جتنے گرجا ہیں سب کو منہدم کر دیا جائیگا اور (عیسائیوں کی) قبروں کو اکھاڑ پھینکا جائیگا تب تو (اس دھمکی کے) نتیجہ میں انکے دین کے مطابق حلف لیا کہ وہ انکی قبر کا اکرام اور اسکی حفاظت وحراست کرینگے

+ + + +

+ + + +

ایسے پرجوش مجاہد اور حرمت صحابہ کے جاں نثار پر سبائی راویوں کی خرافات سے متأثر ہو کر سب وشتم کرنا کیا سبائیت زدہ ذہنیت کا ثبوت نہیں۔ اسی دارالعلوم دیوبند کے اکابر میں حضرت مولانا مدنی علیہ الرحمۃ نے محولہ بالا مکتوب میں فرمایا تھا کہ

"خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں"

امیر یزید کا زمانہ تو خیر القرون کا قرن اوّل تھا۔

فبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قرن وکان آخره موت یزید بن معاویہ (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۲۹)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس قرن میں ہوئی جس کا آخر موت یزید بن معاویہؓ تھا۔

اور اس قرن ہی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مشہور ہے کہ میرے زمانہ کے لوگ سب سے اچھے پھر اس کے جو اس سے ملا ہوا پھر اس کے جو اس سے ملا ہوا ہو "خیر القرون قرنی ثم یلونهم ثم یلونهم"۔

یہ زمانے صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے زمانے تھے۔ قرنِ اوّل و ثانی میں خاص کر شجاعانِ اسلام نے اسلام دشمن قوتوں کا استیصال کیا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

پیغمبر مارا وعدہ فتح بلاد شام و بلادِ عجم متحقق شد۔ قال اللہ تعالیٰ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ (ایں وعدہ بنابر حکمت الٰہی در زمانِ آنحضرت بظہور نہ رسید لاجرم خلفاء را بعد

ممالک شام وعجم کے فتح ہونے کا وعدہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے متحقق ہوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "وہ تمام ادیان پر (اس دین کو) غلبہ دیں گے" اور یہ وعدہ حکمت الٰہی کی بنا پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منصوب ساخت تاآں موعود منجز گردد۔

(ازالۃ الخفاج ا ص۲)

آنحضرتؐ کے زمانہ میں ظہور میں نہ آیا (پوری طرح) بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یا اشبہ خلفاء کو مقرر و متعین کیا گیا تاکہ وہ عدؐ عملاً پورا ہو۔

+ . + + +

خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے مبارک زمانہ میں فتح بلادِ شام وعجم کے وعدہ خداوندی کا جو عملی ظہور رہا تاریخ سے ثابت ہے۔ خلیفۂ چہارم کے ایام اس سے خالی رہے، پھر حضرت معاویہؓ کے عہد میں اور اس کے بعد خلفائے بنی اُمیّہ کے زمانہ میں اس کا عملی ظہور رہا۔

اقوام وملل کے عروج وزوال کے رمز شناس جانتے ہیں جو قومیں اور ملتیں بام عروج کی جانب گامزن ہوتی ہیں ان کے افراد کو عظائم اُمور کے حصول کے لئے کوئی سدِّ راہ نہیں ہوتی۔ امیر یزید کا زمانہ پہلی صدی ہجری کا وسطی زمانہ تھا۔ صغار صحابہ اور اُن کی اولاد نے دین و ملت کی سرفرازی کے لئے مہالک وخطرات کی پرواہ کئے بغیر جہادی سرگرمیوں میں اس جوش وولولہ سے دنیا کو کھونڈ ڈالا تھا کہ ان کی زبان حال سے کہا جاسکتا تھا:۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہمنے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہمنے

اس فضا میں یزید جیسے شجیع شہسوار دشمنانِ دین پر غلبہ حاصل کرنے کی مہمات کی شرکت سے کیسے باز رہ سکتے تھے۔ مہمات کی قیادت اکثر وبیشتر اموی و ثقفی جوانمردوں کے ہاتھ میں تھی جن کے زیر قیادت ہاشمی وقریشی اکابر بخوشی شرکت کرتے۔ سنہ۳۰ھ میں بزمانہ خلافت عثمانی ایک اموی مجاہد حضرت سعید بن العاصؓ نے جب خراسان پر جہاد کیا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے علاوہ حضرت حسن اور حسینؓ بھی ان کی فوج میں شامل تھے۔ (طبری ج۵ ص۵۷)

اس سے تقریباً انیس برس بعد سنہ۴۹ھ میں جیسا ذکر ہوچکا ان ہاشمی وقرشی اکابر نے ایک دوسرے اموی مجاہد امیر یزید کی سرکردگی میں شرکت جہاد کی اسوقت حضرت حسنؓ تو طویل علالت کے بعد فوت ہوچکے تھے۔ مگر حضرت حسینؓ و حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جیسے ہاشمی اکابر اموی قائد کے زیر قیادت برابر شریک رہے۔ تاریخ کے ان ٹھوس واقعات کو نہ قاسمی صاحب کسی تاویل باطلہ سے جھٹلا سکتے ہیں اور نہ دار العلوم دیوبند کے کوئی اور بزرگوار۔

روایات کے مبالغات اور آپس کے تخالف کا جو اشارہ مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ نے اپنے مکتوب میں کیا ہے۔ جتنا زمانہ گذرتا گیا ایک فرقہ نے اکاذیب کا وہ انبار در انبار اکٹھا کرکے پھیلا دیا جس کے زبوں اثرات عوام کے اذہان پر اس درجہ غالب آتے گئے کہ آج کا تو ذکر کیا اب سے چھ سو برس پہلے کا ایک واقعہ صاحب النجوم الظاہرہ (ج۶ ص۱۳۴) وصاحب مرآۃ الزمان (ج۸ ص۲۴۳) نے مختصراً بیان کیا ہے کہ بغداد کے دار العلوم نظامیہ میں امام ابو الخیر احمد بن اسمٰعیل الشافعی سے جو مفسر وفقیہ اور عابد وزاہد بزرگ تھے کسی نے دسویں محرم کو "یزید" پر لعن کرنے کو کہا آپ نے فرمایا ذاک امامٌ مجاھدٌ او مجتھدٌ "وہ امام مجاہد یا مجتہد تھے"۔ سبائیت زدہ ذہنیت کے لوگوں کو اتنا سننے کی تاب کہاں تھی امام صاحب کو جان بچانی مشکل پڑگئی جب چھ سو برس پہلے یہ حال تھا تو آج کے دورِ انحطاط میں اس بحث کی بے لاگ تحقیق وریسرچ پر قاسمی صاحب غیض وغضب میں جامہ سے باہر ہوکر فضول اور لایعنی اعتراضات کی بھرمار شروع کردیں یا دار العلوم سے کچھ اس قسم کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو لکھنؤ کے "امام باڑہ غفران مآب" کے کسی ذاکر کی زبان سے نکلتی ہیں تو کیا جائے تعجب۔

کاش یہ حضرات آپس کے تخالف یا اقتصادی مصلحتوں کی پرواکئے بغیر ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ جب امام المجاہدین وامیر المومنین کی مغفرت حدیث نبوی سے ثابت ہو جس کے جوش ایمانی، غیرتِ ملی، حبِ رسولؐ وصحابہؓ

رسول کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی عملاً ظہور پذیر ہو کر یں فن عند سورہا لقسطنطنیہ رجل صالح (العقد الفرید ج۳ ص۱۳۳) یعنی قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس ایک مرد صالح دفن ہوگا پھر اسی مردِ صالح کی تدفین اور اس کی قبر کی حراست جس مجاہد کے تہورانہ دشجاعانہ حملے کے نتیجے میں دشمنوں ہی سے کرائی گئی ہو، اس پر اس طرح سب و شتم کرنا جس طرح قاسمی صاحب نے کیا ہے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

تجلّی افسوس کہ قیامِ کراچی کے جھمیلوں میں ہم اس جوابی مضمون پر تمہید یا نوٹس نہیں لکھ سکے۔ حالانکہ اس کے بعض مطالب اس لائق تھے کہ ان پر کچھ نہ کچھ گفتگو کی جاتی۔ ضرور ہے کہ صاحبِ مضمون کے بعض فرمودات محلِ نظر ٹھیریں اور یزید کو شہرتِ عام کے برخلاف بہترین مجاہد اور مردِ مومن کہے جانے کا فعل ناروا جسارت قرار دیا جائے۔ ہمیں اس پر اصرار نہیں کہ یزید واقعۃً اتنا ہی نکوکار و خوش خصال تھا جتنا عباسی صاحب بدلائل ثابت فرماتے رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جو بے پناہ مبالغہ اس کی بدترین شہرت کے پیچھے کارفرما ہے۔ اس کے جواب میں فضلِ یزید کی روایات پر بھی تھوڑا سا رنگ چڑھایا گیا ہو۔ تعقیرِ یزید کی روایات لائقِ نظر ہیں تو ثنائے یزید کی روایات پر بھی گفتگو کی جا سکتی ہے، لیکن اس طرزِ عمل کو منصفانہ نہیں کہا جا سکتا کہ فضلِ یزید کے اثبات ہی کو بجائے خود ایک جرم قرار دیا جائے اور دلائل پر نظر کئے بغیر صرف اس لئے عباسی صاحب کو خارجی اور دشمنِ اہلِ بیت کہہ دیا جائے کہ وہ اس شخص کی صفائی پیش کر رہے ہیں جسے شیطانِ مجسم سمجھ لیا گیا ہے۔ قاسمی صاحب کے جس مضمون کا جواب عباسی صاحب دے رہے ہیں وہ ہماری نظر سے بھی گذرا ہے اور اس کے خاصے سنجیدہ لب و لہجے نے ہمیں اپیل بھی کی ہے، لیکن جب بے لاگ مطالعہ و تحقیق کی روشنی میں اس کا تجزیہ کیا جائے تو چند نامحکم اعتراضات کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ یہ اعتراضات قطعی طور پر خواہش کے زائیدہ ہیں کیونکہ قاسمی صاحب کی تمامتر کوشش صرف اس دائرے میں گھومتی ہے کہ جو بھی کمزوریاں عباسی صاحب کے استدلال کی مل سکیں انھیں انلائج کر کے پیش کر دیا جائے۔ حالانکہ حق پسند اور مخلص ناقدوں کا دائرۂ عمل اتنا محدود نہیں ہوا کرتا۔ وہ قوت و ضعف دونوں کو دیکھتے ہیں صحیح و غلط دونوں کا وزن کرتے ہیں۔ یک رُخی دوڑ کبھی نہیں لگاتے۔ قاسمی صاحب نے جو نقائص عباسی صاحب کی تحریر کے پیش کئے اوّل تو ان کی کوئی قابلِ لحاظ حیثیت نہیں جیسا کہ جوابی مضمون میں آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں دوسرے انھیں قابلِ لحاظ قرار دے کر بھی یہ فیصلہ کرنا درست نہیں ہے، کہ عباسی موقف کے تار و پود بکھر گئے۔ آدمی اپنے دعوے پر متعدد دلیلیں لاتا ہے، یہ سب ایک وزن کی نہیں ہوا کرتیں۔ آپ ان میں سے چھانٹ چھانٹ کر صرف اُن کی تردید کر ڈالیں جو ہلکی ہیں اور محض شواہد یا ضمنی استدلال کے طور پر پیش کی گئی ہیں تو اس سے دعوے کا مکمل رد نہیں ہو سکتا۔ "خلافت معاویہؓ و یزید" عباسی صاحب کی ایک مبسوط تالیف ہے جس میں انھوں نے اپنے موقف کے لئے نوع بہ نوع دلائل مہیا کئے ہیں اور جیسا کہ عموماً ہوتا ہے، اپنا کیس مضبوط کرنے کے لئے ٹھوس اور قوی براہین کے علاوہ نسبتاً کمزور اور قابلِ نظر شواہد بھی ساتھ لے لئے ہیں، اب جو شخص ان کا منصفانہ رد کرنا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ ہر ہر دلیل کا سامنا کرے اور کم سے کم اُن براہین کو بے وزن ثابت کر ہی دے جن پر عباسی موقف کا محل بنا ہے۔ یہ کیا کہ چند ہوائی فائر کئے اور تالی پیٹ دی۔ قاسمی صاحب کے نقد پلڑے کی حیثیت کچھ ایسی ہے جیسے چلتے چلتے ٹھٹیل مار گئے ہوں۔

عجیب تماشا ہے کہ عباسی صاحب کا رد کرتے ہوئے تو قاسمی صاحب کا لب و لہجہ خاصا سنجیدہ رہا، لیکن جب عامر عثمانی کا رد کرنے چلے تو وہ لونڈا پن پھیلایا جس کا ذکر "سایۂ رسول" کے خلئے پر "بازگفت" کے تحت کیا گیا ہے۔ پھر بھی اگر کہئے کہ آپکو عامر عثمانی سے ذاتی حسد ہے تو فرمایا جائیگا کہ نعوذ باللہ! ہم تو سراپا خلوص و دیانت ہیں۔ کسی سے بغض و حسد رکھنا ہم اہلُ اللہ کے شایانِ شان نہیں! وغیر ذلک۔

مستقل عنوان

مسجد سے میخانے تک

انشاء ابن العرب مکی

تصوف کے جلوے تو آپ نے بہت دیکھے، ارادہ تھا کہ آپ کو محرم کے بھی کچھ جلوے دکھاؤں۔ دراصل ایڈیٹر تجلی کی ڈیڑھ ماہی غیر حاضری میں فدوی نے ایک مجتہد صاحب سے بے حد فیض حاصل کیا ہے۔ ان سے ملاقات ریل میں ہوئی۔ ڈبہ کافی لمبا اور بھرا ہوا تھا، مردوں کے علاوہ کچھ مستورات بھی رونق افروز تھیں۔ "رونق افروز" کا اطلاق اُن قدامت زدہ خواتین پر تو مشکل ہی ہے جنکے رنگ برنگے برقعوں کے نقاب ان کے چہروں پر پڑے ہوئے گئے گذرے زمانے کی راگنی سنا رہے تھے لیکن وہ دو خواتین یقیناً صحیح معنوں میں "رونق افروز" تھیں جنکے سیاہ برقعے محض اچکن کا کام دے رہے تھے اور میک اپ کئے ہوئے زہد شکن چہرے بیانگ دہل پکار رہے تھے۔

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگن عشق ؟

عاجز اپنی داڑھی کو آستین کی آڑ دیتا ہوا سیٹ کے ایک کونے پر بیٹھ گیا۔ نظریں کچھ دیر نیچی رہیں جسکا سبب تقویٰ نہیں تھا بلکہ داڑھی کی شرم تھی۔ پھر پاس ہی بیٹھے ہوئے ایک بزرگوار کی طرف دھیان گیا۔ یہ وہی تھے جو بعد میں مجتہد ثابت ہوئے۔ دھیان جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ مع داڑھی کے اُن خواتین کی طرف متوجہ تھے۔ توجہ کا انداز اس حد تک ایمان افروز تھا کہ عاجز کے بھیجے میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ ایسے رومان انگیز عالم میں تعارف کی منزل دور نہیں رہ جاتی۔ ویسے بھی بزرگوں نے کہا ہے کہ داڑھی کو داڑھی سے راہ ہوتی ہے۔ علیک سلیک ہوئی۔ پینگیں بڑھیں اور آخرکار بے تکلفی کے ایک خاص مرحلے میں ہم نے ان سے پوچھ ہی لیا۔

"یہ دونوں صاحبزادیاں آپ کی کچھ لگتی ہیں کیا؟"

"نہیں تو" وہ قدرے جھینپ کر بولے

"معاف کیجئے گا۔ ہم نے سمجھا تھا کہ آپ ہی کی نگرانی میں ہیں۔"

وہ مسکرائے اور یہ مسکراہٹ نئی دلچسپیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ گاڑی شور مچاتی اڑی جا رہی تھی۔ ہمسفر اپنے اپنے خیالوں میں مست تھے۔ موصوف نے دبی زبان سے ہمیں کئی داستانیں سنائیں جو ہر آئینہ لذیذ تھیں اور جن میں سے بعض آپ بیتیوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ مدیر تجلی جیسے لوگوں کی صحبت میں سنا تو ہم نے بھی تھا کہ متعہ ایک چیز ہوتی ہے اور تقیہ بھی کسی فن کا نام ہے لیکن آج جو موصوف نے ان دونوں کا عملی جغرافیہ اور بیش بہا فوائد سمجھائے تو عاقبت روشن ہوتی چلی گئی۔ فوراً عرض کیا کہ فدوی کو بھی نیازمندوں میں شامل کر لیجئے جواب ملا کہ پہلے ماتم کی مشق کرو پھر سید بنا کر لکھنؤ بلوائیں گے۔

کئی اسٹیشنوں تک ہمارا ان کا ساتھ رہا۔ پہلے ہم سمجھا کرتے تھے کہ بیوی کے علاوہ کسی خاتون کا تصور کیا تو قبر میں کیڑے پڑینگے اور اگر گھور کر دیکھ لیا تو آسمان ٹوٹ پڑے گا لیکن آج ان کے فیض تعلیم سے یہ حقیقت کھُلی کہ اس طرح کا بے بنیاد خوف یزیدی فرقے کا پیدا کردہ ہے جس نے اپنی بد دماغی کی وجہ سے انسانی جبلت کے جمالیاتی تقاضوں کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے ورنہ اسلام ایسا ظالم اور خشک مذہب نہیں کہ نظارۂ جمال کی فطری خواہش پہ پابندی لگائے اور بیوی کے سوا کسی خاتون سے کسب فیض کی اجازت ہی نہ دے۔ اسی لئے انھوں نے بتایا کہ متعہ بے حد ثواب ہے اور متعہ کی نیت سے اگر کسی اجنبی خاتون کو گھورا جائے تو رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ یہ راز منکشف ہوتے ہی ہم نے عینک کے شیشے جلدی جلدی صاف کئے اور اکڑ کر بیٹھ کر پوری طاقت سے ان مہذب خواتین کو گھورنا شروع کیا۔ موصوف نے دبی آواز میں ڈانٹا۔

"یہ کیا کرتے ہو"

ہم نے پُرخلوص آواز میں جواب دیا

"رحمت کے فرشتے بلاتے ہیں"

"ہرگز نہیں" وہ غرآئے "تم تو ابھی دشمنانِ اہل بیت میں سے ہو"

ہماری گردن لٹک گئی۔

آخرکار وہ جانگداز لمحہ بھی آ ہی گیا جب ہمیں موصوف سے جدا ہونا تھا ہم کیا کہیں دل پر کیا قیامت گذر گئی۔ نظریں کبھی ان خواتین پر جاتیں جنھیں سیر ہوکر دیکھنے کا حق ابھی ہمیں حاصل نہیں ہوا تھا اور کبھی اُن خوش نصیب مجتہد کے رخِ زیبا پر پڑتیں جنھیں ہم خرما و ہم ثواب کی نعمت میسر تھی۔ ٹھنڈی آہ بھری جو ریل کی چھکا چھک میں غارت ہوگئی۔ پھر احتیاطاً اُن کا پتہ نوٹ کیا اور منھ لٹکائے رخصت ہوئے۔

سفر سے واپسی جلدی ہی ہوگئی۔ گھر آکر نہایت اہتمام سے ماتم کی مشق شروع کی۔ بظاہر آسان سی بات معلوم ہوتی تھی کہ دونوں ہاتھ سینے پر مار مار کے حسن حسین کی گردان کیے جاؤ مگر تجربے نے بتایا کہ معاملہ کا رے دارد ہے۔ اول تو نالائق اولاد نے نقل اتارنی شروع کردی اور بیوی صوفی کشف اللہ جی کو بلا لائیں کہ شنی کے ابا پر آسیب آگیا ہے

دوئم کہنیاں الگ دُکھنے لگیں اور سینہ الگ پھوڑا ہوگیا فوراً حضرت مجتہد کو خط لکھا کہ پیر و مرشد اپنا تو کام تمام ہوا۔ کوئی اور طریقہ اپنے نیازمندوں میں شامل ہونے کا بتائیے۔

جواب آیا کہ عقل کے ناخن لو۔ جب تک ماتم کا سلیقہ نہیں سیکھو گے یہاں کون تمہیں عاشقِ اہلِ بیت مانے گا اور جو شخص عاشقِ اہل بیت نہیں ہوتا یزیدی کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ متعہ اور تقیے کی نعمتیں یزیدیوں کے فرشتوں کو بھی نصیب نہیں ہوسکتیں۔ مشق کرو مشق۔ طریقۂ مشق سکھانے کے لئے ایک استاد بھیج رہا ہوں۔ اس کا سینہ برسوں پا ؤ گے چھ پشتوں سے سینہ کوبی میں طاق ہے۔

اس خط کے اگلے ہی روز ایک ادھیڑ عمر کے بزرگ غریب خانے پر پہنچ گئے کہ استاد ہی جنکی دلیل سے بے نیاز تھی۔ چہرہ خس و خاشاک سے پاک۔ بازو بھرے ہوئے۔ سینہ بے مثال کہ اسپر پورے عالم کا نقشہ مع نشیب و فراز کے کشیدہ تھا۔ کتنے ہی زخم مندمل ہوچکے تھے کتنے ہی زندہ جاوید تھے۔ اٹھتے بیٹھتے "مولا علی" کا نعرہ لگاتے۔

ہمیں بستی سے دور ایک مکان کرایہ پر لینا پڑا۔ پھر جو ماتم کی مشق شروع ہوئی تو مزا آگیا۔ استاد بڑے گہرے تھے۔ ماتم کی گوناگوں لطافتیں ذہن نشین کرانے کے علاوہ نہایت دلچسپ اور مقدس قصے بھی سناتے۔ کربلا کا حج کئی بار کرچکے تھے۔ وہاں انہی اور اپنے بعض بزرگوں کی متعہ وغیرہ کی جو داستانیں انہوں نے سنائیں عجیب ایمان افروز تھیں۔ لکھنؤ وغیرہ کی مجالس اور درونِ حرم کے واقعات بھی ایسے رومان انگیز منکشف فرمائے کہ ہمارا کلیجہ گز بھر کا ہوگیا۔ ہم سمجھتے تھے کہ آج کا خاک اڑاتا لکھنؤ رنگ و ریشم اور لب و رخسار کی اُن تمام سنہری داستانوں کو تاریخ کی گہری قبر میں دفن کر آیا ہے جنکی چاندنی میں ہوش ربا حسن و شباب کی آفاقی پریاں اٹھکیلیاں کیا کرتی تھیں لیکن استاد کی حقیقت بیانی سے معلوم ہوا کہ خاکستر میں اب بھی بہت سی چنگاریاں ہیں اور ان کے حق پرست گروہ نے بڑے تدبر کے ساتھ اُن گرتے ہوئے زینوں کو تھام رکھا ہے جن کی راہ سے حسن و شباب کی اونچی فضاؤں میں پہنچنا پہلے بھی ممکن رہا ہے اور اب بھی ممکن ہے۔

حقائق سے باخبر ہوکر ہمیں ماننا پڑا کہ سنی مذہب تو واقعی بڑا خشک اور بور ہے جسمیں وافر جمالیاتی جذبوں کی تسکین کا بھی سامان نہیں۔ اس کے برخلاف جس مذہب و مسلک کی طرف ہم ماتم کی راہ سے بڑھ رہے تھے وہ بڑا ہی رومان آفریں بندہ نواز تھا۔

گذشتہ سال صوفی بقاء اللہ کی زبانی کلیر کے حالات سُن ہم نے ارادہ کیا تھا کہ خشک دیوبندیت کو چھوڑ کر بریلویت اختیار کریں گے کہ جمالیاتی تسکین کے لئے اسمیں راگ رنگ سے زنانِ عاشقانِ اولیا تک ہر چیز موجود ہے لیکن آج ہمیں اندازہ ہوتا جا رہا تھا کہ بریلویت بیچاری بھی مذکورہ مذہب کے سامنے ہیچ ہے اور رات بھر شراب و شاہد سے شغل کے بعد علی الصبح جنت لینی ہے تو اس سے بہتر کوئی مذہب نہیں۔

بھی نہیں کہ اس میں اگرچہ اعتراف و اقرار کے بعد گناہ معاف ہو جاتے ہیں، لیکن متعہ اور تقیہ جیسی نعمتیں اسے کہاں نصیب۔

غرض استاد نے ہمارا سینہ نور سے بھر دیا۔ مغرب سے عشا تک وہ ہمیں شغلِ برزخ کی بھی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یہ شغلِ تصوف کا ایک آئیٹم ہے اور تصوف کے بارے میں آپ جانتے ہی ہیں کہ فردوسی اس پر سنی ہے، لیکن ان کا طریقہ بالکل جدید تھا۔ انھوں نے پانچ چھ مٹی کے پُتلے بنائے تھے جن پر مٹی کی ایک ٹکیا بھی رگڑی تھی۔ یہ ٹکیا بقول ان کے کربلا کی خاک تھی جسے وہ ہمہ وقت انٹی میں لگائے رکھتے تھے۔ ایک پُتلے پر خصوصیت سے کچھ زیادہ دیر رگڑتے رہے تو ہم نے وجہ پوچھی۔ سرد آہ بھر کے بولے:۔

"یہ سکندر مرزا صدر پاکستان کی شبیہ ہے۔"

"سابق کہیئے۔ موجودہ صدر تو جنرل ایّوب ہیں۔"

ان کے چہرے پر جلال برسنے لگا۔ تلخ لہجے میں بولے۔

"تمھارے باطل عقیدے ابھی تک جوں کے توں ہیں۔ دوزخ کے کُندے۔"

"عقائد کا اس میں کیا سوال ہے۔" ہم نے حیرت سے کہا "یہ تو واقعات ہیں۔"

"یہی طرزِ فکر تو غلط ہے۔" وہ استادانہ انداز میں گویا ہوئے۔ "امامِ برحق کبھی معزول نہیں ہوتا اور جو اشرار بظاہر اسے تخت سے ہٹا دیتے ہیں وہ ڈاکو اور غاصب ہوتے ہیں۔"

"کیا سکندر مرزا امام برحق تھے؟"

"بے شک تھے۔ انھوں نے پاکستان بھر میں دینِ حق پھیلا یزیدیوں کو شکست دی۔ اہلِ بیت کی محبت عام کی۔ وہ مامور من اللہ تھے۔"

اس پر بہ سبب رعب اُستادگی کے ہم خاموش ہو گئے۔ سب پُتلوں کو ایک قالین لگے تخت پر سجا کر انھوں نے ایک اور پُتلا بہت بدصورت بنایا جس کے سر پر دو سینگ بھی تھے خاک کی ٹکیا اس پر نہیں رگڑی۔ ہم نے استفسار کیا تو جواب ملا "یہ جنرل ایوب کی شبیہ ہے۔ کربلا کی مقدس خاک اس کو نہیں چھو سکتی۔"

اس کے بعد وہ اس پُتلے کو گردن سے پکڑ کر تخت کے آگے بٹھاتے اور ہمیں پیچھے بٹھاتے۔ پھر مراقبہ کا حکم دیتے اور ہدایت ہوتی کہ میدانِ کربلا میں دو فوجوں کی جنگ کا تصور جماؤ اور ایک آنکھ کے گوشے سے ہمیں دیکھتے جاؤ کہ کیا کر رہے ہیں ویسے ہی تم بھی کرو۔

یکایک ان کی آواز بلند ہوتی:۔

"مارو شمر لعین کو۔۔۔۔ ذبح کر دو یزید پلید کو۔"

ہم ٹوکتے "حضور! یزید تو دار الخلافہ میں بیٹھا ہے۔"

وہ جھلّاتے ـــــ "ٹوکا مت کرو، یزید اور ابنِ زیاد میں کچھ فرق نہیں۔ ہاں اے آسمانی مجاہدو! اُلٹ کر رکھ دو فوجِ لعین کو ـــ مولا علی مدد۔"

ساتھ ساتھ ان کی گرفت جنرل ایوب کے پُتلے پر سخت ہوتی جاتی اور اچانک اسے تخت پر دے مارتے، پھر کھڑے ہو جاتے اور خالی ہاتھوں سے پٹا کھیلتے۔ پٹے سے فارغ ہو کر تلوار کے ہاتھ دکھاتے۔ وہ مارا۔ وہ کاٹا کی آوازیں رہ رہ کر بلند ہوتیں دھما چوکڑی مچ جاتی، کیونکہ ہم بھی ان کی تقلید کرتے اور خاتمہ اِس شغل کا بایں طور ہوتا کہ ہم دونوں کی باہیں ایک دوسرے کے گلے میں حمائل ہوتیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے ـــ

رونے کو انھوں نے دینِ حق کی پہلی سیڑھی بتایا تھا اور اگلی سیڑھی تبرّا تھی۔ اصلی تبرّا کے لئے چونکہ ہم نے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ نہ کریں گے نہ سنیں گے، لہٰذا نقل کے طور پر انھوں نے جنرل ایوب کا نام منتخب کر لیا تھا اور ایسے ایسے لطیف فقرے ان کے بارے میں تجویز کئے تھے کہ ہمارے فرشتے بھی ان کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتے آپ شاید پہنچ سکیں، لیکن ہزار افسوس کہ یہ فقرے اور دیگر تفصیلات بیان کرنے کی طاقت ظالم ایڈیٹر تجلی نے بلاوجہ چھین لی ہے۔ ان حضرت کو غصہ تو ان خدائی خدمتگاروں پر آ رہا ہے جنھوں نے انجکشن لگا کر جانے کب کب کا بدلہ چکایا ہے مگر کنفیوشس نے کہا تھا کہ کبھار پر بس نہ چلے تو گدھے کے کان اینٹھو۔ اسی پر وہ عمل کر رہے ہیں۔ بڑی گمبھیر آواز میں فرمایا گیا ہے۔

"خبردار جو تصوف اور محرم وغیرہ کا نام لیا اور کسی موضوع پر لکھو۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا
"دل تو غم حسینؓ سے پاش پاش ہے اور آپ کسی اور موضوع کا ذکر کرتے ہیں"۔

"بکواس مت کرو۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ میرے پیچھے تم کیا خباثت پھیلاتے رہے ہو"۔

"ہائے اللہ آپ خباثت کہتے ہیں عشق اہل بیت سیکھ رہا ہوں"۔

میں نے قصداً لہجے میں نسوانیت پیدا کرلی تھی، فائدہ اسکا یہ ہوا کہ وہ مارنے نہیں دوڑے بلکہ نارمل لہجے میں بولے۔

"وقت برباد مت کرو۔ بہت دنوں سے تم نے جمہوریت وغیرہ پر نہیں لکھا، اب کی یہی موضوع لو"۔

حکم حاکم مرگ مفاجات۔ لیجئے آپ بیتی ختم، اب جمہوریت کے جلوے دیکھئے۔ جمہوریت ایک ایسی چڑیا ہے جس کی دُم کا سراغ آج تک نہیں لگا۔ اس میں کمال یہ ہے کہ جس چیز کو آپ دُم کہیں گے وہ چونچ ثابت ہوگی اور جب آپ دُم کی تلاش میں مایوس ہو جائیں گے تو ہر طرف دُم ہی دُم نظر آئے گی۔

شرح اس معمہ کی مجھ سے نہیں اُن اہل نظر سے سُنئے جو جمہوریت کی تہہ تک اُترے ہوئے ہیں مشتے نمونہ از خروارے!

موضع دت نگر کا واقعہ

دت نگر ضلع میرٹھ کا قضیہ ایک مدت سے چل رہا ہے وہاں کے مسلمان اپنی زمین کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ مگر مقامی ہندو اس کی راہ میں آڑے آرہے ہیں۔ کیا بتائیں کہ مسجد کی آڑ میں مقامی مسلمانوں پر کیسے کیسے ستم توڑے گئے ہیں۔ پولیس نے اشرار کا ساتھ دے کر معاملہ کو کس قدر نازک بنا دیا ہے۔ مار پیٹ، آتش زنی، ذلت، توہین۔ غرض غریب مسلمانوں کو نیچا دکھانے کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا گیا۔ حال ہی کا واقعہ ہے کہ عدالت باغپت نے اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہ مسجد کی زمین کے بارے میں مسلمانوں کا نمائندہ کون ہے، یہ کہا تھا کہ تا فیصلہ مقدمہ مسجد وغیرہ کو قرق کر لیا جائے۔ اس حکم کے خلاف اے ڈی ایم میرٹھ کی عدالت سے دس اگست ہی کو اسٹے آرڈر حاصل کر لیا گیا اور اسے حاکم علاقہ کی عدالت میں بھی بھیجدیا گیا۔ لیکن لوگوں نے پولیس کی یہ حرکت حیرت کے ساتھ دیکھی کہ اسٹے آرڈر کے بعد ۱۳ اگست کو یعنی آرڈر سے تیسرے روز بعد پولیس کی بھاری جمعیت نے مسجد اور مکانوں کو قرق کر لیا اور انھیں ایک ہندو کی سپردگی میں دے دیا۔ پولیس کے ساتھ شرارت پسندوں کا ہجوم بھی تھا، جس نے مسجد اور مکانوں کا محاصرہ کیا اور پولیس نے سامان کو گھروں سے نکال کر پھینکا، مستورات کی بے پردگی کی، بچوں کو بھی نکالا اور مکانوں کو سربمہر کر دیا۔ پولیس نے یہ بھی اعلان کیا کہ اب کوئی مسلمان مسجد میں نماز نہ پڑھے اور نہ اذان دے!

قطع نظر اس کے کہ پولیس نے اسٹے آرڈر کی خلاف ورزی کر کے عدالت کی توہین کی۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ پولیس کو بھی ابتدا ہی سے مسلمانوں کی تخریب میں کس قدر دلچسپی ہے، آچاریہ ونوبا بھاوے جب پدیاترا کے سلسلہ میں میرٹھ سے گزرے تو مسلمانوں نے ان کو اپنی بپتا سنائی اور ان سے انصاف کے نام پر مداخلت کی درخواست کی، مگر اس مہاتما نے یہ کہہ کر معاملہ کو ٹال دیا کہ جب وہ وزیر اعلیٰ اترپردیش سے ملیں گے تو یہ واقعہ ان کے کانوں میں ڈال دیں گے۔ مگر اس مہاتما نے نہ تو وزیر اعلیٰ سے ملاقات کی نہ مسلمانوں کے آنسو ہی پونچھے اور کترا کر نکل گئے۔ مگر اب آسام کے فسادات پر اس مہاتما کے پیٹ میں کیسا مروڑ اٹھا ہے کہ وہاں شانتی سینا کے سوسینک بھی بھیجے اور مزید سینکوں کے بھیجنے کا وعدہ کیا۔ مسلمانوں کے حق میں یہ مہاتما بھی بدلے درجے کے مہاتما ہی نکلے۔ اسی پر بس نہیں میرٹھ کا ایک ہندی اخبار جو مسلمانوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے وہ دت نگر کے واقعات کو دوسرا رنگ دے کر فساد کو شہ دے رہا ہے۔ نہ پولیس اس سے باز پرس کرتی ہے نہ حکومت ہی اس کے خلاف قدم اٹھاتی ہے۔" (اخبار الجمعیۃ ۲۵ راگست ۶۰ء)

اہنسا کی سرزمین پر زخمی انسانیت کی چیخیں!

سرزمین فیروز آباد کی اقلیتی آبادی جس نے ۱۹۴۷ء کو

خونین دور میں بھی جب کہ ہر چہار جانب فرقہ پرستی اور ردِ عمل کا بھوت ننگا ناچ رہا تھا۔ ایسا کوئی انسانیت سوز اور سفاکانہ منظر نہ دیکھا تھا جو اسے اس صلح و آشتی کے دور میں "یوم آزادی" سے ٹھیک تین دن پہلے جمعہ ۱۲ اگست ۱۹۷۷ء کو دیکھنا پڑا اور وہ بھی ان لوگوں کی بدولت جو ۱۹۴۷ء میں ان کے معاون و محافظ رہے ہوں۔ سیاسی رسہ کشی، اقتدار پسندی، فرقہ واریت اور حکام کے مطلقاً جانبدارانہ رویہ سے اب یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ ۱۲ اگست کو جو کچھ بھی کیا گیا قطعاً ایک طے شدہ منصوبہ کے ساتھ کیا گیا اور مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ جس کے نتیجہ میں تین افراد شہید ہوئے اور ہنوز دو کی حالت نازک ہے۔

مساجد کی توڑ پھوڑ اور بے حرمتی، قبروں کا مسمار کرنا، مسلم کالج پر دھاوا، پچیس دوکانوں کی لوٹ مار، ایک کمسن لڑکی کا اغوا اور بے عصمتی، ایسی وارداتیں ہیں جن پر شرافت و انسانیت خون کے آنسو رو رہی ہے مسلح پولیس کی بربریت و سفاکی کے اس جابرانہ مظاہرہ کا لازمی نتیجہ مسلمانوں پر خوف و ہراس کا طاری ہونا تھا جس کے سبب وہ آج ہر چہار جانب سے مایوس ہو کر اپنا کاروبار بند کئے خدا سے آس لگائے بیٹھے ہیں۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ مظلوم مسلمانوں کی سخت ترین دفعات کے تحت گرفتاریاں عمل میں لائی جا رہی ہیں اور نقد ضمانتوں پر انکی رہائی عمل میں آئی ہے۔ جب کہ مجرمین کی معمولی دفعات پر گرفتاری اور شخصی ضمانتوں پر رہائی کردی جاتی ہے۔

یہ ہے وہ خلاصہ جو "معاصر الجمعیۃ" نے جمعیۃ العلماء ہند کے اس وفد کی رپورٹ سے اخذ کیا ہے جو فیروز آباد کے روح فرسا سانحہ کی انکوائری کے سلسلہ میں متعین کیا گیا تھا۔ اور جس نے موقع پر پہنچکر تمام حالات کا بچشم خود مشاہدہ کیا۔ کہنے کو تو مختصراً اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ فیروز آباد میں ایک فرقہ وارانہ ہنگامہ ہوا، پولیس نے فائرنگ کیا اس میں تین مسلمان شہید ہوئے اور متعدد مجروح ہوئے۔ کم و بیش پچیس دُکانیں لٹیں۔ اغوا اور عصمت دری کی وارداتیں بھی ہوئیں۔ مسجدوں کی توڑ پھوڑ اور بے حرمتی کا ارتکاب کیا گیا۔ قبروں کو مسمار کیا گیا اور یہ سب کچھ "ہنگامی" طور پر ہوا۔ اس کے بعد سرکاری اصطلاح میں حالات پر قابو پا لیا گیا۔ اب ہر طرح "خیریت" ہے اور مجرموں کی گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے۔
اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ سب کچھ ایک وقتی جوش اور ہنگامی غیظ و غضب کے نتیجہ کے طور پر رونما ہو گیا، اب وہ حالت نہیں رہی اور اب مسلمانوں اور ہندوستان کے انسانی ضمیر کو مطمئن ہو جانا چاہئے۔ لیکن کیا واقعہ یہی ہے؟ اگر ایسا ہی ہوتا تو باوجود انتہائی وحشت و بربریت اور حد درجہ تباہی و بربادی کے اس پر صبر کی تلقین بھی کی جا سکتی تھی اور یہ کہہ کر دل کو دلاسا بھی دیا جا سکتا تھا کہ کوئی بات نہیں، اتنے بڑے ملک میں ایسے "چھوٹے چھوٹے" واقعات رونما ہو ہی جاتے ہیں، لیکن فیروز آباد کے مسلمانوں کے جان و مال عزت و ناموس اور ان کے مذہبی جذبات کا قتلِ عام کوئی ہنگامی واقعہ نہیں ہے، بلکہ واقعات کی ترتیب و حالات کی تدریجی رفتار بتاتی ہے کہ یہ کسی فوری جوش یا وقتی اشتعال کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اس کے لئے خبثِ باطن کی تمام سنجیدہ تدبیریں کام میں لائی گئیں تھیں اور ایک باقاعدہ منصوبہ بندی تھی، جس کے پروگرام کے اجزاء اپنے اپنے وقت پر اپنی "ڈیوٹی" انجام دیتے رہے۔

وفد کی رپورٹ کے مطابق فیروز آباد کی جامع مسجد کی توسیع تعمیر کا سلسلہ عرصہ دراز سے جاری تھا اور مسلمان اس کی تعمیر میں گہری دلچسپی کا اظہار کر رہے تھے۔ تعمیر مکمل ہو گئی وہ مشرقی دروازہ بھی تیار ہو گیا جو مسجد ہی کی حدود میں اس کی قناتی دیوار کے چار فٹ اندر تھا۔ مسجد اور دروازے کی تعمیر کے دوران کیا ہوا؟ رپورٹ اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہے اور اس سے یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ مسجد کی سہ منزلہ تعمیر اور قناتی دیوار کے پیچھے مشرقی دروازہ کی تکمیل تک کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ لیکن جب یہ سب کچھ ہو گیا اور قناتی دیوار کو ہٹا کر مشرقی دروازہ کی تعمیر کا حقیقی مقصد پورا کرنے کے لئے اقدام کیا جانے لگا اس وقت معلوم ہوا کہ شر و فساد کی ایک آگ نہ جانے کب سے اندر ہی

اپنا کام کر رہی تھی۔ اور اب وہ پروگرام کے مطابق نمودار
ہے، لیکن یہاں بھی کوئی فوری اور ہنگامی نزاکت پیدا
ہوئی، بلکہ جب ۲ر اگست سے قناتی دیوار کو ہٹانے کا
شروع ہوا اس وقت کچھ خاموش سرگرمیاں نمودار ہوئیں
انھیں کے نتیجہ میں ۴ر اگست کو تھانے دار صاحب نے
بد کی منتظمہ کمیٹی کے ارکان کو طلب کر کے یہ حکم دیا کہ دیوار
نہدام بند کر دیا جائے۔ اس کے بعد سے ۱۲ر اگست کے
انیت سوز مظالم تک یہ صورتِ حال تمام ذمہ دار حکام
سامنے رہی اور واقعات کا ہر پہلو انھیں ان کی ذمہ داریوں
جانب توجہ دلاتا رہا۔ جب حاکم علاقہ نے شر پسندوں سے
متاثر ہو کر دیوار کے انہدام کے خلاف امتناعی حکم صادر کیا
اس کے بعد ۶ر اگست کو مسجد کی منتظمہ کمیٹی کے ارکان
سٹرکٹ مجسٹریٹ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست
کہ یہ حکم منسوخ فرمایا جائے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اطمینان
دلاتے ہوئے فرمایا کہ وہ موقعہ کا معائنہ کریں گے۔ یہ معائنہ
۶ر اگست کو ہوا نہ ۷ر کو اور نہ ۸ر اگست کو اور اس غفلت و
بے پرواہی یا معنی خیز فرض ناشناسی کی موجودگی میں شرارت
پسندوں کی تنظیمی اور فسادی سرگرمیاں برابر تیز ہوتی چلی
گئیں۔ ۸ر اگست ہی کو چندا پر بھو کے مندر میں فسادی
عناصر نے جمع ہو کر اپنے شر و فساد کے پروگرام کو ترتیب
دیا۔ اشتعال و ہیجان کی ساری اسکیمیں تیار کیں۔ ہڑتال کا
منصوبہ بنایا اور اسی کے نتیجہ میں سرخ رنگ کا ایک پوسٹر
شائع کیا گیا۔ جس کی اشتعال انگیزیوں نے امن و آشتی کی
ساری فضا میں دہشت اور خوف و ہراس بھر دیا اور یہ سب
کچھ فساد سے پہلے ہوتا رہا۔ حکام کی ناک کے سامنے ہوتا رہا
اور قومیت، سیکولرازم "پنچ شیل" اور ستیہ اور اہنسا
"انتہائی حسرت کے ساتھ یہ تماشا دیکھتے رہے"
جب حالات انتہائی نازک ہو گئے، فساد کی آگ کے
لئے خشک ایندھن کی فراہمی کا کام مکمل ہو گیا اور مسلمانوں نے
سمجھ لیا کہ اب جان و مال اور عزت و ناموس کی خیر نہیں ہے
تو ان کے ایک وفد نے ۱۰ر اگست کو تمام ذمہ دار حکام ضلع
کے دروازے کھٹکھٹائے اور انھیں تحریری اور زبانی طور پر
مطلع کیا کہ:-

"مسلمانوں کی جانیں خطرے میں ہیں سخت اندیشہ
ہے، کسی طرح امن قائم کیا جائے۔ مسلمان اس وقت
ہر بات مان لینے کے لئے تیار ہیں"

لیکن کیا ہوا؟ یہ وعدہ فرما لیا گیا کہ وہ خود فیروز آباد
آ رہے ہیں۔ اسی رات کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک میٹنگ
بھی ہوئی اور اس میں یہ طے ہوا کہ ۱۱ر اگست کی صبح کو موقعہ
کا معائنہ کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے گا اور صلح و سمجھوتہ
کے مختلف مرحلوں سے گذر کر جب مسلمانوں نے یہ پیشکش کی کہ
وہ اپنی طرف سے تین ہندو معززین ہی کو فیصلہ کے تمام اختیارات
دیتے ہیں۔ وہ جو کچھ کر دیں گے وہ تمام مسلمانوں کو تسلیم ہوگا" تو
ان کی یہ پیشکش منظور نہیں ہوتی بلکہ "صلح پسند ہندوؤں" نے اصرار
کیا کہ اس میں دو مسلمان بھی مسلمانوں کی طرف سے ہوں۔
بہرحال تمام صلح جوئیاں اور امن و سلامتی کی تمام
خواہشیں پامال ہوئیں اور مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹنا چاہتی
تھی وہ ٹوٹ کر رہی۔ چھ سات ہزار کا مجمع پولیس کی موجودگی
میں "دروازے توڑ دو" کے نعرے بلند کرتا ہوا مسجد میں گھسنے کی
کوشش میں مصروف ہو گیا۔ دو معزز ہندو ڈھیر سنگھ اور بھگوان
داس دونوں نے ہجوم کو سمجھانے کی کوشش کی تو انھیں بھی زد و
کوب کرنے کا منصوبہ بنا لیا گیا اور وہ غریب مایوس ہو کر لوٹ
گئے۔ اس کے بعد وہ سب کچھ ہو گیا جس کا خلاصہ ابتدائی
سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ فائرنگ کیوں ہوا؟ کیا مسلمانوں
نے پولیس پر کوئی "روایتی پتھراؤ" کیا تھا؟ کیا وہ کسی کے
جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ کرنا چاہتے تھے؟ ان کا
جرم صرف یہ تھا کہ وہ اپنی عبادت گاہ کی حرمت کو کیوں
بچانا چاہتے ہیں اور اکثریت کو اقلیت کی جان و مال، عزت و
آبرو پر جو "حقوق" حاصل ہیں۔ ان میں مداخلت کیوں
کی جاتی ہے۔
اب کیا ہونا چاہئے اور کیا ہوگا؟ ہونا جو کچھ چاہئے
وہ تو پہلے ہی ہو جاتا اور اگر انسانیت، شرافت اور عدل و

انصاف کا کہیں وجود ہوتا تو یہ صورتِ حال ہی رونما نہ ہوتی اب تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کے پانچ کروڑ بے یار و مددگار مسلمان اپنی بے عزتی، بے حمیتی اور حد درجہ کس مپرسی کے مکمل احساس کے ساتھ صبر کریں۔

جمعیۃ العلماء ہند کے اکابر جو کچھ کر سکتے تھے وہ ایک وفد کی تشکیل اور اس کی تفصیلی رپورٹ کی اشاعت ہی ہوسکتی تھی اور وہ ہوگئی۔ رہا یہ سوال کہ تین مسلمانوں کی موت، لوٹ کھسوٹ، مسجدوں کی توڑ پھوڑ اور بے حرمتی، ایک غریب مسلمان کی لڑکی کا اغوا اور عصمت دری اور حکام کی فرعونیت دانانیت پر حکومت کی طرف سے آخر کیا ایکشن لیا جائے گا؟ کیا اس فتنہ انگیزی پر کوئی غیر جانبدارانہ انکوائری بھی بیٹھے گی؟ کیا مجرموں کو کوئی سزا بھی دی جائے گی؟ یہ جنون بہر حال مسلمانوں کو اپنے دماغ سے نکال دینا چاہئے۔ نہ ایسا کبھی کہیں ہوا ہے نہ آئندہ کبھی ہوسکتا ہے۔ حکومت جانتی ہے کہ انسانی حقوق کا کون مستحق ہے، کس کی جان و مال اور عزت و آبرو کی کیا قدر و قیمت ہے اور اسے اپنے فرائض کہاں کہاں انجام دینے چاہئیں۔ آج کی کانگریس حکومتوں کو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے ووٹوں کی ضرورت کے پیش نظر سوچنا ضروری ہوسکتا ہے اور وہ ضرورت وقت آنے پر انھیں بزرگوں کی توجہات سے پوری ہوجاتی ہے جن کی طرف سے مسلمانوں کی تباہی کے بعد وفود کی ترسیل عمل میں آتی ہے اور ان کی کچھ رپورٹیں بھی منصۂ شہود پر آجاتی ہیں۔

(مبارک ۲۱ اگست سنہ ۶۰ء)

دیکھ لیا آپ نے یہ ہیں مقدس ترین لفظِ جمہوریت کی عملی تفسیریں۔ چھانٹنے اور ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ بے شمار نمونے آپ بلا جہد و کاوش کے اخبارات سے جمع کرسکتے ہیں۔ مجال ہے کوئی ہولی دوالی عید بقرعید جمہوریت کی نازآفرینیوں سے خالی چلی جائے۔ پھر تہوار کی بھی کوئی قید نہیں۔ جب چاہے جہاں چاہے جمہوریت اپنا باب فیض کھول دیتی ہے۔ بتلائیے اگر فدوی دیگر موضوعات سے نونہ لگائے تو جمہوریت کا موضوع کے دن آپ کو جینے دے گا۔ (لا زندہ صحبت باقی)

تاج کمپنی لاہور کے چند تحفے

حمائل الف/۸۰ مترجم ترجمہ شاہ عبد القادرؒ۔ کاغذ عمدہ سفید۔ چھپائی دورنگی عکسی جلد عمدہ آئل کلاتھ۔ نہایت دلکش اور حسین۔ ہدیہ سولہ ۱۶ روپے۔

حمائل الف/۳۵ مترجم مشہور ترجمے "فتح الحمید" پر اختصار شدہ تفسیر موضح القرآن کا حاشیہ۔ چھپائی دورنگی۔ ہدیہ مجلد تیرہ ۱۳ روپے۔

حمائل ۱/۱۲ مترجم ترجمہ شاہ عبد القادرؒ۔ تقریباً جیبی سائز۔ نو ۹ روپے

حمائل ۲/۲۶ بلا ترجمہ جلد خوشنما پلاسٹک کور جیبی سے کچھ بڑی (ناول سائز) بہت ہی نفیس اور روشن لکھائی۔ ہدیہ پانچ روپے۔

قرآن ۱/۴۴ غیر مترجم دس انگل لانبا۔ سات انگل چوڑا نہایت خوبصورت سائز نفیس جلد۔ شگفتہ حروف واضح اعراب۔ ہدیہ پانچ روپے۔

حمائل ۲۴ غیر مترجم جیبی سائز۔ ننھی سی ہونیکے باوجود لکھائی صاف موتیوں جیسی۔ ہدیہ تین ۳ روپے۔

حمائل ۳۹ غیر مترجم ننھا منا سا عجیب تحفہ۔ چار انگل چوڑی پانچ انگل لانبی۔ ہر سطر کے درمیان لائن۔ اتنی چھوٹی حمائل میں اسقدر روشن اور صاف حروف کا آپ بغیر دیکھے شاید تصور بھی نہ کرسکیں۔ ہدیہ ساڑھے چار روپے۔

حمائل ۲/۷ مترجم ترجمہ از مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ جلد پلاسٹک ساڑھے دس روپے۔ پشتہ چرمی ساڑھے نو روپے

بہادر خواتین اسلام مجلد تین ۳ روپے	**مسئلہ خلافت** از مولانا ابو الکلام آزادؒ ساڑھے تین روپے
قرآنی دستور انقلاب از مولانا عبید اللہ سندھیؒ ڈھائی روپے	**رد نیچریت** از سید جمال الدین افغانیؒ دو روپے
انتخاب صحاح ستہ آٹھ سو احادیث کا بیش بہا ذخیرہ مجلد پانچ روپے	**عنوان انقلاب** سورۂ فتح کی انقلابی تفسیر دو روپے

الحق مطالعہ کتابیں

کتابیں طلب کرنے والے چند باتوں کالحاظ ضرور رکھیں

(۱) تحریر اتنی صاف ہو کہ آرڈر کی تفصیل اور آپ کا پتہ پڑھنے میں دشواری نہ ہو (۲) مجلد اور غیر مجلد کی بھی وضاحت کر دیجئے (۳) تقریباً بیس روپے سے زائد کتابیں منگانے کی صورت میں ریلوے پارسل میں کفایت رہتی ہے۔ اگر یہ کفایت مطلوب ہو تو اپنا اسٹیشن لکھئے۔ پارسل ریل سے اور بلٹی کی رسید ڈاکخانہ سے وی پی بھیجی جائے گی (۴) اگر آپ نئے نئے خریدار ہیں تو بیس روپے یا اس سے زائد کے آرڈر پر کچھ روپے پیشگی روانہ فرمائیے جنہیں وی پی میں کم کر دیا جائے گا (۵) ڈاکخانہ سے وی پی کی اطلاع ملتے ہی چھڑا لیجئے، دیر کرنے سے واپس ہو جاتی ہے۔

قرآن مترجم

قرآن بدو ترجمہ (۱) شاہ رفیع الدینؒ (۲) مولانا اشرف علیؒ۔ متوسط سائز میں مجلد کریچ کا ھدیہ ساڑھے بارہ روپے۔ بہت بڑے سائز میں مجلد کا ہدیہ پچیس روپے (اس کی لکھائی بہت جلی ہے)

قرآن بیک ترجمہ مولانا اشرف علیؒ۔ مجلد کریچ کا ھدیہ ساڑھے دس روپے

قرآن کی تفسیریں

تفسیر ابن کثیر احادیث کی روشنی میں آیات کا مفہوم ظاہر کرنے والی وہ تفسیر جو دنیا بھر میں مشہور و مقبول ہے۔ ترجمہ سلیس، لکھائی چھپائی پسندیدہ۔ پانچ جلدوں میں مکمل ہدیہ مجلد پچپن روپے۔ کوئی بھی جلد علیحدہ نہ مل سکے گی۔

تفسیر موضح القرآن شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کی یہ تفسیر اردو تفاسیر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے کلاں سائز۔ ہدیہ مجلد اعلیٰ بیس روپے۔ غیر مجلد سولہ روپے۔

تفسیر بیان القرآن مولانا اشرف علیؒ کی یہ عظیم تفسیر اپنا جواب آپ ہے۔ دو قسموں میں مہیا کی جا سکتی ہے

● بہت بڑا سائز۔ بارہ حصوں میں مکمل۔ ہدیہ غیر مجلد ساٹھ روپے۔ دو جلدوں میں مجلد ستر روپے۔

● تجلی جیسا سائز تیس پاروں میں مکمل غیر مجلد ساٹھ روپے۔ پانچ جلدوں میں مجلد پینسٹھ روپے۔ دوسری قسم کا ہر پارہ الگ بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ فی پارہ دو روپے۔

تفسیر حقانی مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کی تفسیر نایاب ہو گئی تھی۔ اب ہر ماہ ایک پارہ چھپ رہا ہے اب تک ۲۸ پارے چھپ چکے ہیں۔ فی پارہ دو روپے (صرف پارہ اول چھ روپے جو تین حصوں پر مشتمل ہے)۔

تفہیم القرآن اول دوم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ عظیم الشان تفسیر جو غیر ضروری تفصیلات سے بچاتے ہوئے آپ کو براہ راست مغز قرآن تک پہنچاتی ہے۔ دلنشیں، مستند اور ذہن میں اتر جانے والی۔ ابھی پہلی اور دوسری جلدیں فراہم کی جا سکی ہیں۔ جلد اول مجلد ساڑھے بارہ روپے۔ جلد دوم مجلد پندرہ روپے

علوم قرآنیہ کے

البیان فی علوم القرآن مشہور "تفسیر حقانی" کے مصنف مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کی عظیم الشان کتاب یہی ہے جس کی توصیف میں علامہ انور شاہ صاحبؒ جیسے علامہ نے یہ الفاظ لکھے کہ "اگرچہ اس کی نظیر ممکن ہے لیکن واقع نہیں۔" خدا کی ذات و صفات تناسخ ملائکہ جزاء و سزا، قبر، جنت، دوزخ

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

نبوت، ناسخ و منسوخ، استعارہ و کنایہ اور اختلاف قرأت کی بحثیں۔
صفحات ۶۳۸ کاغذ لکھائی چھپائی معیاری۔ قیمت چودہ۱۴ روپے۔
مجلد پختہ سولہ۱۶ روپے

قصص القرآن قرآن کے بیان فرمودہ قصص پر لاجواب کتاب، عظیم معلومات کا خزانہ مستند اور محققانہ تفصیلات
سے مالامال۔ حصہ اول آٹھ روپے۔ حصہ دوم چار روپے۔ حصہ سوم ساڑھے پانچ روپے۔ حصہ چہارم آٹھ روپے۔ مکمل سیٹ منگانے پر قیمت پچیس۲۵ روپے ـــــ مجلد مطلوب ہوں تو ایک پختہ جلد پر ڈیڑھ روپیہ

لغات القرآن قرآنی لغات کی تشریح آسان زبان میں۔ جو لوگ قرآن کو بلا ترجمہ سمجھنے کی خواہش اور شوق رکھتے ہیں
ان کے لئے یہ کتاب بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔ مجلد چار روپے۔

عظیم لغات القرآن چھ ضخیم جلدوں میں۔
حصہ اول حصہ دوم
حصہ سوم حصہ چہارم حصہ پنجم
حصہ ششم

علم الحدیث

مسند امام اعظم (اردو مع عربی) امام الفقہ حضرت ابوحنیفہؒ کا مرتب کردہ ۵۲۳ احادیث کا مجموعہ
(مولانا عبد الرشید نعمانی کے بیش بہا، پُر مغز اور مبسوط مقدمے کیساتھ)
ہدیہ مجلد آٹھ روپے

مؤطا امام مالکؒ (مترجم عربی مع اردو) احادیث و آثار کا وہ مجموعہ جو بخاری سے پہلے مرتب
ہوا۔ ہدیہ بارہ۱۲ روپے۔ مجلد کرمچ تیرہ۱۳ روپے (مجلد اعلیٰ چودہ۱۴ روپے

مؤطا امام محمدؒ (اردو مع عربی) مقدمہ مولانا عبد الرشید نعمانی۔ مجلد آٹھ روپے

کتاب الآثار (اردو مع عربی) امام محمدؒ کے مرتب کردہ نو سو آثار کا مجموعہ جسے امام ابوحنیفہؒ
نے چالیس ہزار احادیث نبوی سے منتخب فرمایا (مقدمہ مولانا عبد الرشید
نعمانی) ھدیہ مجلد آٹھ روپے۔

بخاری شریف (اردو مع عربی) تین ضخیم جلدوں میں مکمل۔ مجلد پینتالیس۴۵ روپے

بخاری شریف (صرف اردو ترجمہ) تین جلدوں میں مکمل۔ مجلد ہدیہ چوبیس۲۴ روپے
مجلد پختہ ستائیس۲۷ روپے

مشکوٰۃ شریف (اردو مع عربی) مکمل تین جلدوں میں، مجلد ہدیہ چوبیس۲۴ روپے۔

مشکوٰۃ شریف (صرف اردو) دو جلدوں میں مکمل۔ مجلد سولہ۱۶ روپے (مجلد پختہ اٹھارہ۱۸ روپے

ترمذی شریف (خالص اردو) دو۲ جلدوں میں مکمل مجلد کا ہدیہ سولہ۱۶ روپے
(مجلد پختہ اٹھارہ۱۸ روپے)

ابن ماجہ (اردو) صحاح ستہ کی کتاب ابن ماجہ کا مکمل اور سلیس ترجمہ۔ شائقین حدیث کے لئے نادر تحفہ۔
صفحات ۶۶۰ ہدیہ مجلد بارہ روپے۔

سنن دارمی (صرف اردو) حدیث کی مشہور کتاب۔ ہدیہ مجلد آٹھ روپے

مشارق الانوار (مترجم) بخاری و مسلم کی صرف قولی احادیث کا نفیس انتخاب۔ ترتیب فقہی
ابواب پر ہے جس سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ کونسا مسئلہ کس حدیث سے نکلا ہے۔ ترجمہ کیساتھ تشریح بھی اور عربی متن بھی۔ ہدیہ چودہ۱۴ روپے۔ مجلد پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ سولہ۱۶ روپے)۔

بلوغ المرام مشہور امام فن حافظ ابن حجرؒ کی یہ کتاب بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور دیگر کتب معتبرہ سے منتخب
کئے ہوئے دینی احکام کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ ترجمہ مع عربی متن
ہدیہ مجلد آٹھ روپے۔

صحیفہ ہمام بن منبہؒ بخاری و مؤطا امام مالک سے بھی قدیم دو کتاب حدیث جو مشہور صحابی ابوہریرہؓ
نے اپنے شاگرد ابن منبہ کے لئے مرتب کی۔ ہدیہ ساڑھے تین روپے
(مجلد ساڑھے چار روپے)

ترجمان السنّۃ احادیث کی بہترین تفہیم و تشریح پر مشتمل اردو زبان میں اپنی قسم کی واحد کتاب۔
اشتہار میں اس کی خوبیوں کا اجمالی تعارف بھی مشکل ہے۔ بسر

لطائف علمیہ:۔ محدث ابن جوزیؒ کی کتاب الاذکیاء" کا ترجمہ۔ مجلد پانچ روپے/ شہادتِ حق۔ ۵/ حق و باطل۔ ۶/

دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جلد اوّل دس روپے (مجلّد بارہ روپے) جلد دوم نو روپے (مجلّد گیارہ روپے) جلد سوم ساڑھے دس روپے (مجلّد ...)

بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کی ایمان افروز کتاب کا اُردو ترجمہ۔ بلند پایہ محدثین کے حالات اور خدمات و تالیفات کا پاکیزہ تذکرہ۔ مجلّد پانچ روپے

معارف الحدیث از مولانا منظور نعمانی در دو جلد دس روپے بارہ آنے

تجرید بخاری بخاری کی ۲۱۸۰ منتخب احادیث کا مجموعہ۔ مجلد آٹھ روپے۔

انتخاب صحاح ستّہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی کا پسندیدہ انتخاب۔ ہدیہ مجلّد پانچ روپے۔

تاریخ تدوین حدیث تدوین حدیث کب، کیونکر، کس انداز میں ہوئی؟ اس کا مدلل و مفصل جواب۔ معلومات کثیرہ کا خزینہ۔ ہدیہ ڈیڑھ روپیہ۔

علم الحدیث فلسفۂ علم الحدیث کی عمدہ تحقیق۔ سوا روپیہ

سوانح اور تذکرے

اصح السیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تاریخی واقعات پر مشتمل، بیحد نفیس، مفصّل، مستند اور دلچسپ علمی و تحقیقی کتاب "سیرۃ النبی" کی ضخیم مجلدات کے سوا اُردو میں کوئی کتاب سیرۃ اس کے پلّے کی نہیں۔ مجلد دس روپے۔

حیاتِ طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر یا جامع سیرت۔ صوری و معنوی خوبیوں سے مزیّن۔ قیمت سوا دو روپے۔

حضرت صدیق اکبرؓ رسول اللہؐ کے بعد سب سے بڑے انسان حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مبسوط جامع اور ضخیم سوانح۔ از مولنا سعید احمد اکبرآبادی قیمت سات روپے۔ مجلّد آٹھ روپے (مجلّد اعلیٰ ساڑھے نو روپے)

الفاروق امیر المومنین خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح پر علامہ شبلیؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے۔ قیمت مجلّد چھ روپے۔

ابوذر غفاریؓ رسول اللہؐ کے بلند مرتبہ صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کی مفصّل سوانح مولانا مناظر احسن گیلانی کے قلم سے۔ قیمت مجلد دو روپے۔

سیرت عمر ابن عبدالعزیزؒ اُس جلیل القدر ہستی کی سوانح اور حالات جس کی خلافت کو اکثر علماء نے پانچویں خلافتِ راشدہ سے تعبیر کیا ہے۔ مجلّد تین روپے۔

حیاتِ امام ابوحنیفہ یعنی سیرۃ النعمان علامہ شبلیؒ کے قلم سے فقیہ اکبر امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کے مفصّل حالاتِ زندگی، دلچسپ اور ایمان افروز۔ قیمت تین روپے (مجلّد چار روپے)

حیاتِ امام احمد بن حنبلؒ مصر کے مایۂ ناز محقق ابوزہرہ کی معرکۃ الآراء کتاب "ابن حنبل" کا نفیس اُردو ترجمہ۔ امام احمدؒ پر یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ دس روپے

الغزالیؒ امام غزالیؒ پر مولانا شبلی نعمانیؒ کی محققانہ تالیف جو آجکل کمیاب ہے (کاغذ رف) غیر مجلد دو روپے۔

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ اُس عظیم مردِ مومن کے حالاتِ زندگی جس نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا جسے امتِ مسلمہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کرتی ہے مجلّد چار روپے

محمد بن عبدالوہابؒ از مولانا مسعود عالم ندویؒ۔ بارھویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی سیرت اور دعوت پر علمی و تحقیقی تصنیف۔ جس میں مشرق و مغرب کے تمام مآخذ پوری طرح کنگھال کر غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ قیمت ڈھائی روپے

حیاتِ ولی شاہ ولی اللہؒ اور ان کے آباؤ اجداد، اولاد اور اساتذہ کا تذکرہ۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

سیرت اشرف حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ کی مفصّل سیرت صفحات ۷۱۵ مجلد بارہ روپے۔

تجلیاتِ عثمانی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی علمی زندگی کے مفصّل حالات آپ کے علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، مناظرہ، تقریر، اُردو، فارسی، عربی ادب اور

علماء اور اسلام۔ ۱۲/ر حقیقت کی تلاش۔ ۸/ر اسلامی نظام معیشت۔ ۰/ر معاش کا مسئلہ اہم کیوں ہوا۔ ۷/ر

سیاسیات پر سیر حاصل تبصرہ، بڑے ۵۲۲ صفحات، جلد پر حسین رنگا گرد پوش۔ قیمت مجلد ساڑھے دس روپے۔

تذکرہ | مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب جو ان کے اپنے اور آباؤ اجداد کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ معلومات سے لبریز۔ قیمت مجلد سات روپے۔

آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی | مولانا ابو الکلام آزادؒ کی داستانِ حیات، جسے ان کے قریبی معتمد مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی نے املا کیا۔ قیمت چھ روپے

صحابیات | صحابی عورتوں کے ایمان افروز حالات۔ مجلد چھ روپے

ردِ شرک و بدعت

الوسیلہ | امام ابن تیمیہؒ کی معرکۃ الآراء کتاب، جس میں واضح کیا گیا ہے کہ "وسیلہ" کا کیا مطلب ہے اور اس کی شرعی حدود کیا ہیں؟ عجیب ایمان افروز۔ قیمت مجلد نو روپے۔

تقویۃ الایمان (اردو) | شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی وہ مشہور زمانہ کتاب جس نے اہل بدعت میں ہلچل ڈال دی۔ قیمت چار روپے۔ (مجلد پانچ روپے)۔

الشہاب الثاقب (اردو) | بدعات کے رد میں ایک مفید کتاب قیمت ایک روپیہ بارہ آنے

کتاب التوحید | رد شرک و بدعت میں شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کی نفیس کتاب۔ قیمت مجلد تین روپے

بدعت کیا ہے؟ | مولانا عامر عثمانی اور تین دیگر حضرات کے مضامین کا مجموعہ جو شرک و بدعت اور توحید و سنت کے فرق و امتیاز پر لاجواب مواد پیش کرتا ہے۔ مجلد تین روپے

ردِ عقائد بدعیہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس پر مفصل و مدلل بحث قیمت ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات | حضرت اسمٰعیل شہیدؒ پر اہل بدعت کے ہوائی الزامات کا کافی و شافی رد ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

فیصلہ کن مناظرہ | مجلد ڈیڑھ روپیہ۔

تصانیف شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

الوسیلہ | قرآن میں مومنین کو جس وسیلہ کا حکم دیا گیا ہے وہ کیا ہے؟ بے شمار معلوماتِ علمی و دینی کا خزینہ قیمت مجلد نو روپے

تفسیر آیتِ کریمہ | بسم اللہ کے عجیب و غریب لطائف۔ برکات مفادات۔ دیکھنے کے قابل۔ ہدایا تین روپے (مجلد چار روپے)

اصول تفسیر | شیخ الاسلام کے ایک قیمتی رسالہ کا اردو ترجمہ۔ قیمت ایک روپیہ۔

مناسک حج | حج اور مقام حج کے بارے میں محققانہ مواد قیمت مجلد تین روپے

تصانیف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ

حجۃ اللہ البالغہ کامل | گوناگوں علوم دینیہ میں شاہ صاحبؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے اردو ترجمہ مع عربی۔ قیمت ہر دو حصہ مجلد مکمل بیس روپے۔

ازالۃ الخفاء کامل | یہ وہی شہرہ آفاق کتاب ہے جس کا پورا نام "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" ہے۔ دو جلدوں میں کامل۔ اردو ترجمہ سلیس۔ خلفائے راشدین کے بارے میں بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت مجلد مکمل بیس روپے۔

تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ تاریخ | حضرت شاہ صاحبؒ کی معر[کۃ الآراء] کتاب **ہمعات** ک[ا] اردو ترجمہ۔ پونے تین رو[پے]

سیرتِ رسولؐ | سلیس اردو ترجمہ۔ قیمت صرف دس آنے

(شاہ ولی اللہؒ کی مفصل سوانح بھی **"حیاتِ ولی"** کے نام سے طلب فرما سکتے ہیں۔ مجلد چھ روپے)

تصانیف مولانا اشرف علی [تھانویؒ]

بہشتی زیور | روزمرہ کے تمام دینی مسائل کا معتبر خ[زانہ]

تاریخ دیوبند۔ مجلد دو روپے / مولانا تھانوی کی مختصر سوانح۔ مجلد دو روپے / رفیق سفر۔ چار آنے / آداب النبی

زمانے بھر میں مشہور، ضخیم اور مبسوط۔ قسم اوّل مکمل و مدلل۔ مجلّد پندرہ روپے
قسم دوم مجلّد آٹھ روپے بارہ آنے (دونوں قسموں میں فرق یہ ہے
کہ قسم اول میں تو حاشیہ پر عربی کتب کے حوالے دیئے گئے ہیں اور
قسم دوم میں حوالے نہیں ہیں۔ اصل مضمون دونوں کا ایک ہے)

اصلاح الرسوم — مسلمانوں میں رائج شدہ رنگ برنگی رسموں کی شرعی
پوزیشن کیا ہے؟ اس کا تحقیقی جواب۔ مجلّد پونے دو روپے

تعلیم الدین — دین کی تعلیم سے متعلق عمدہ تنبیہات و معلومات پر
مشتمل۔ مجلّد ایک روپیہ بارہ آنے۔

حیات المسلمین — مسلمانوں کی زندگی کے لئے لائحہ عمل۔
قیمت مجلّد ایک روپیہ بارہ آنے

دعوات عبدیت — مولانا اشرف علیؒ کے مواعظ و خطبات
کا مجموعہ جو عرصے سے نایاب تھا۔
فی حصہ پونے دو روپے (اب تک گیارہ حصے چھپ چکے ہیں)

التکشف — تصوف کے لطائف و اسرار پر ایک ضخیم کتاب
جس سے تصوف کے ماله و ما علیہ کا پتہ چلتا ہے۔
قیمت مجلّد دس روپے بارہ آنے۔

تقدیر کیا ہے؟ — جیسا کہ نام سے ظاہر ہے تقدیر کے مسئلے پر
گفتگو کی گئی ہے۔ مجلّد سوا دو روپے۔

مناجات مقبول — بحاشیہ مولانا عبدالماجد دریابادی۔ اس
مقبول عام مناجات کا مقام و مرتبہ
کون نہیں جانتا۔ مجلّد دو روپے۔

مولانا آزاد کی چند کتابیں

تذکرہ	مجلد	سات روپے
آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی	"	چھ روپے
صبح امید (خاص مضامین)	"	چھ روپے
نقش آزاد (خطوط کا مجموعہ)	"	چھ روپے
مسلمان عورت	"	چار روپے
مسئلہ خلافت	"	ساڑھے تین روپے
مقالات آزاد	"	دو روپے
مضامین آزاد	"	دو روپے

خطبات آزاد	مجلد	تین روپے
شہید اعظم (واقعات کربلا)	"	ڈیڑھ روپیہ
ملفوظات آزاد	"	ڈھائی روپے
انسانیت موت کے دروازے پر	"	ساڑھے تین روپے
مسلمانوں کا راستہ		چھ آنے
ولادت نبوی		چھ آنے
امر بالمعروف		ڈیڑھ روپیہ
عیدین	مجلد	ڈیڑھ روپیہ
دعوت حق	"	ڈیڑھ روپیہ
اسلامی جمہوریہ		سوا روپیہ
حقیقت الحج		ایک روپیہ
حقیقت الزکوٰۃ		دس آنے
حقیقت الصلوٰۃ		بارہ آنے
فسانہ ہجر و وصال		آٹھ آنے

(ان سب کتابوں کو ایکساتھ منگانے پر ۲ر فی روپیہ رعایت)

تصانیف مولانا منظور نعمانی

معارف الحدیث مکمل	مجلد	دو جلد دس روپے بارہ آنے
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟	"	چار روپے
اسلام کیا ہے؟	"	ڈھائی روپے
دین و شریعت	"	تین روپے
آپ حج کیسے کریں	"	دو روپے
نماز کی حقیقت		بارہ آنے
کلمہ کی حقیقت		چھ آنے
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ		چھ آنے
برکات رمضان		بارہ آنے

علم اللغات

المنجد — لیجئے عربی کی سب سے بڑی اور مشہور ڈکشنری
المنجد بھی اردو میں آگئی۔ ساٹھ ہزار عربی
الفاظ کی تشریح۔ تین ہزار عربی محاورات کا حل۔ اہم اور

ترجمان القرآن۔ مولانا آزادؒ کی شہرہ آفاق تفسیر دو جلدوں میں۔ قیمت ہر دو جلد پینتیس ۳۵ روپے۔

نادر اشیاء کی سیکڑوں تصاویر۔ صفحات ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ۔ تجلی سائز۔ کتابت، طباعت، کاغذ سب معیاری جلد پختہ۔ قیمت ستائیس ۲۷ روپے۔

مصباح اللغات مختلف کتب لغت کا نچوڑ۔ مجلد سولہ روپے

القاموس الجدید اپنی قسم کی پہلی اردو عربی لغت۔ اردو سے عربی بنانے، عربی سیکھنے اور لکھنے والوں کے لئے تحفۂ نادرہ۔ چھوٹے ۶۷۴ صفحات

قیمت مجلد سات روپے

کریم اللغات عربی و فارسی کے جو محاورات اور الفاظ اردو میں رائج ہیں ان کی تشریح۔ یہ لغت اچھی اردو لکھنے اور سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ دو روپے مجلد

ماہنامہ تجلی نئی راہ کے چند خاص نمبر

قرآن نمبر مولانا آزاد، علامہ رشید رضا، علامہ جوہر طنطاوی علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے شہرہ آفاق حضرات کے مضامین پر مشتمل ۱۱۹ سورتوں کا منظوم ترجمہ بھی سیماب اکبرآبادی کے قلم سے شامل اشاعت ہے۔ رعایتی قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

اولیاء اللہ نمبر خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حالات اور اقوال کے علاوہ تصوف اور مشائخ چشت کے طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رعایتی قیمت بارہ آنے۔

حکمت نمبر قرآن اور کمیونزم، قرآن اور سائنس، قرآن اور جہاد، قرآن میں جماعت کی اہمیت، قرآن میں حقوق العباد اور قرآن میں آداب مجلسی جیسے اہم مضامین۔ ایک روپیہ

پیغمبر اسلام رسول اللہؐ کے بارے میں ۱۶ غیر مسلم مشاہیر فاضلین کا اظہار عقیدت۔ ایک روپیہ

بشریت کا مقام بلند محمد اجمل خاں، مہر محمد خاں اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تین تحقیقی مضامین۔ قیمت سوا روپیہ۔

گلدستۂ نعت بڑے بڑے شاعروں کا منتخب نعتیہ کلام چند مقالات بھی بطور ضمیمہ شامل ہیں۔

قیمت ڈیڑھ روپیہ

ادبیات

شاہنامۂ اسلام جدید حصہ اوّل از :- مولانا عامر عثمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک اور اسکے بعد پہلی خلافت راشدہ کا قیام، خلیفۂ اوّل کا انتخاب کیونکر عمل میں آیا، جنگی اصول، معرکہ آرائیاں۔ تاریخ کی روشن صداقتیں زبانِ شعر میں ملاحظہ فرمائیے۔ قیمت مجلد تین روپے

دیوانِ غالب نفیس ایڈیشن جس میں غالب کی تحریر کا عکس ان کی تصویر اور بعض ایسے اشعار شامل ہیں جو دوسرے ایڈیشنوں میں نہیں پائے جاتے۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے۔

کلیاتِ اقبال ڈاکٹر اقبال کے اردو کلام کا انتخاب۔ قیمت مجلد پانچ روپے

شعلۂ طور جگر مرادآبادی کا مجموعۂ کلام۔ مجلد پانچ روپے۔

آتشِ گل شہنشاہ تغزل جگر مرادآبادی کا نیا مجموعۂ کلام جس پر حکومت ہند نے انعام دیا۔ مجلد مع کور

قیمت پانچ روپے

فردوس ماہر القادری کی وجد انگیز نظموں کا دلپذیر مجموعہ۔ قیمت ساڑھے تین روپے

اردو کے چاند تارے اردو کے تقریباً تمام باکمال شاعروں کا مصور تذکرہ اور نمونۂ کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے

نبضِ دوراں ہندو پاک کے مشہور شاعر جناب انور صابری کا مجموعۂ کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

کمیونزم کے خدوخال

پتھر کے دیوتا دنیا کے چھ مشہور مصنف کمیونزم کو خیرباد کہنے کے متعلق اپنی کہانی بیان کرتے ہیں۔

صفحات ۲۲۴ ڈیڑھ روپیہ

ورکُٹا ایک بے حد دلچسپ اور حیرت انگیز آپ بیتی۔ جس سے روس کے جبری محنت کے ظالمانہ نظام کا بھیانک منظر سامنے آتا ہے۔ ڈیڑھ روپیہ۔

رسول اللہؐ کے خطبات وارشادات۔ مجلد ڈھائی روپے / تحقیق اسم اعظم۔ چھ آنے / علامات قیامت۔ دس آنے۔

سُرخ چین سے فرار یہ بھی ایک آپ بیتی ہے۔ سبق آموز، عبرتناک اور سنسنی خیز۔ ڈیڑھ روپیہ۔

آزادی کی طرف ایک بھٹے روسی افسر کی خود نوشت سوانح جس نے امریکہ میں پناہ لی۔ یہ بے حد دلچسپ لیکن عبرتناک کتاب روس کے حقیقی حالات سے متعارف کراتی ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد آپ کمیونزم کے حسین نعروں اور مصنوعی دعووں سے کبھی دھوکا نہیں کھائینگے۔ مجلّد تین روپے

سوئٹ روس کی حقیقت بہت ضروری قابلِ مطالعہ کتاب۔ دو حصوں میں مکمل ہے

کمیونزم اور کسان کمیونزم کو ایشیائی نقطۂ نظر سے سمجھنے سمجھانے کی کامیاب کوشش جو بیشمار دستاویزی حوالوں سے مزین ہے۔ قیمت مجلّد دو روپے آٹھ آنے۔

سوئٹ نظام کی چھ کنجیاں بچے تلے عقلی و نفسی دلائل پر مشتمل ایک سنجیدہ اور معیاری کتاب جو دلچسپ بھی ہے اور حقیقت افروز بھی صفحات ۳۲۴۔ ایک روپیہ

لینن کمیونزم کے مشہور راہنما لینن کی سوانح حیات، ایک روسی کے قلم سے جو مکمل غیر جانبداری سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ صفحات ۲۷۲ - قیمت ایک روپیہ۔

آزادی کا ادب بعض منتخب مقالوں، افسانوں اور منظومات کا مجموعہ۔ جنھیں نیک تعمیری مقاصد کے تحت چھاپا گیا ہے۔ قیمت مجلّد تین روپے۔

ادب میں ترقی پسندی ادب میں "ترقی پسندی" کے نام سے جو تحریک جاری کی گئی تھی اس کی پوست کندہ حقیقت فی الاصل وہ کمیونزم ہی کی ایک سازش ہے۔ قیمت مجلّد ایک روپیہ۔

اشتراکیت روس کی تجربہ گاہ میں اشتراکیت کی عملی ناکامی پر ایک محققانہ نظر۔ قیمت مجلّد تین روپے۔

نئی دنیا کی جھلکیاں ۱۔ (ہمارے دور کا انقلاب) ۲۔ (موجودہ سماج میں طبقاتی نظام) ۳۔ (اقتصادی نظام) ۴۔ (اقتصادی سامراج) ان چاروں میں سے ہر ایک کی قیمت چار آنے ہے

مختلف علوم و فنون

حصنِ حصین (مترجم) دعاؤں، مناجاتوں، وظیفوں اور جامع کلمات کا مشہور مجموعہ۔ مجلّد آٹھ روپے

مقدمہ ابن خلدون یہ شہرہ آفاق کتاب اُردو ترجمہ ہوکر آگئی ہے۔ مجلّد پشتہ۔ پندرہ روپے (مجلّد اعلیٰ سترہ روپے)

فتوح الغیب (اُردو) ایمان، تقویٰ، صبر، فقر، خیر و شر، جبر و قدر، سنت و بدعت اور شریعت و طریقت وغیرہا کے عنوانات پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ کے مشہور و معروف مقالات کا مجموعہ۔ جس میں مولانا عبدالماجد دریابادی کا مبسوط تعارفی مقالہ بھی شامل ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

حکایاتِ صحابہ رضؓ صحابی مردوں اور عورتوں وغیرہ کے سبق آموز واقعات جن کے مطالعہ سے روح تازہ اور سینہ کشادہ ہوتا ہے قسم اوّل مجلّد تین روپے۔ (قسم دوم سوا دو روپے)

تحریک اخوان المسلمین مصر کی مشہور اسلام پسند جماعت "اخوان المسلمین" جسکے کئی رہنماؤں کو پھانسیاں دیدی گئیں۔ کیا ہے؟ اس سوال کا معتبر اور مفصل جواب حاصل کرنے کے لئے مصر کے محمد شوقی کی یہ قابلِ اعتماد کتاب ملاحظہ فرمائیے جس کا سلیس اُردو ترجمہ سیّد رضوان علی نے کیا ہے۔ قیمت مجلّد تین روپے۔

عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ کتاب جو فرنچ اور دیگر زبانوں میں بھی بے شمار چھپی۔ عجیب کتاب ہے متعلقہ نقشے اور بدر، خندق، اُحد اور دیگر تاریخی مقامات کے چونتیس ۳۴ فوٹو بھی منسلک ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ (مجلّد دو روپے)

اُسوۂ حسنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر ایک نفیس کتاب جسے پڑھکر باطل شکنی اور حق دوستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسمیں بعض ایسی مفید باتیں ملینگی جو عام طور پر کتب سیرت میں نہیں ملتیں۔ سوا دو روپے (مجلّد سوا تین روپے)

نئے عہد کے دروازہ پر - ۱۲/ مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی - ایک روپیہ آٹھ آنے / سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ ۱۱/

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات
سلاطین عالم، عرب حکمرانوں، قبائلی سرداروں اور عاملوں کے نام دربار رسالت کی خط و کتابت اور معاہدات، ضروری تشریحات اور اصل خطوط کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ قیمت سوا دو روپے۔

محکمات
قرآن کی بعض آیات اور انکی تفسیروں پر علامہ عبد اللہ العمادی کا عالمانہ تبصرہ و محاکمہ۔ دو روپے بارہ آنے

اردو کا مقدمہ
اردو کے بارے میں ادیبوں، شاعروں، سماجی کارکنوں، سیاسی لیڈروں اور اہل علم و فضل کی شہادتوں پر مشتمل دلچسپ ڈرامہ، جو پُر لطف ہونیکے ساتھ ساتھ اردو کے حق میں دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

حقیقت
جماعت اسلامی پر کئے گئے بعض اعتراضات پر مولانا عامر عثمانی کی مفصّل تنقید۔ دس آنے

سنتِ رسولؐ
مترجمہ:۔ ملک غلام علی۔ مقدمہ:۔ مولانا مسعود عالم ندویؒ "سنت" کے موضوع پر بے حد وقیع کتاب۔ مجلّد سوا دو روپے۔

آئینہ حقیقت نما
اس قیمتی کتاب میں مشہور مؤرخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اُن تمام الزامات کی مدلّل صفائی پیش کی ہے جو متعصب حضرات فاتحین اسلام پر لگاتے رہے ہیں۔ طرز تحریر بیحد دلچسپ۔ استدلال محکم۔ نقد مضبوط۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب معیاری۔ مجلّد بارہ روپے

جمہوریت اور مغربی تحریکیں
یورپ میں جمہوریت پر کیا بنی اور انسانیت کے بلند نصب العین تک پہنچنے میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آئیں؟ اس پر اُونچے علمی انداز کا تبصرہ۔ قیمت مجلّد ساڑھے تین روپے۔

تجلّی کا خاص نمبر ۱۹۵۵ء
اب بھی مل سکتا ہے۔ ایمان و عمل کے مسئلہ پر تفصیلی محققانہ بحث، نذر و نیاز، فاتحہ و عُرس اور سماعِ موتیٰ وغیرہ کا جائزہ۔ در اصل مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ایک کتاب پر تفصیلی تنقید اس نمبر کا خاص حصہ ہے جو انکی زندگی ہی میں لکھی گئی تھی (نوٹ) تنہا یہی نمبر منگانا ہو تو منی آرڈر سے ایک روپیہ بارہ آنے بھیج دیجئے۔ وی پی طلب کرینگے تو دو روپے دو آنے

خلفائے راشدین
(از مولانا عبد الشکور صاحب ایڈیٹر النجم لکھنؤ) خلفائے راشدین کی سیرت بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

اشاعت اسلام
دنیا میں اتنی جلد اسلام کس طرح پھیلا مخالفین اسلام اس سلسلہ میں کیا کیا کہتے ہیں؟ اور اس کا جواب کیا ہے؟ یہ سب کچھ ٹھوس دلائل کے ساتھ اس میں ملیگا۔ کاغذ، طباعت، کتابت سب عمدہ۔ چھ

تاریخ عالم
حضرت آدمؑ سے لیکر رسول اللہؐ تک کے تمام انبیاء کے حالات مع تاریخ پیدائش و وفات اور مکمل تاریخ اسلام و دیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ دنیا کے مشہور ممالک اور ریاستوں کی تاریخ۔ مجلّد ساڑھے چار روپے۔

تفسیر فیض الرحمٰن
بسم اللہ، الحمد اور معوذتین کی تفسیر ... ولی اللہؒ اور دیگر اکابرین کی آراء کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ہدیہ دو روپے۔ از مولانا یعقوب الرحمٰن

تحفۂ اثنا عشریہ (اردو)
از حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی۔ ترجمہ:۔ مولانا سعد حسن خاں یوسفی۔ پیدائش و تاریخ مذہب شیعہ۔ اُن کی مختلف شاخیں۔ اُن کے اسلاف علماء اور کتب کا بیان۔ اُلوہیت، نبوت، امامت، معاد کے بارے میں اُن کے عقائد، اُن کے مخفی مسائل فقہیہ، صحابہ کرامؓ، ازواج مطہرات اور اہل بیت کے حق میں اُن کے اقوال و افعال اور مطاعن، مکائدِ شیعہ کی تفصیل، اُن کے اوہام، تعصبات اور هفوات کا بیان۔ مجلّد مع حسین ڈسٹ کور بارہ روپے

ختم نبوّت کامل ہر سہ حصہ
مصنفہ:۔ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب۔ جسمیں ایک سو سے زائد آیات قرآنی اور دو سو دس احادیث رسولؐ اور اجماع اُمت اور سیکڑوں اقوالِ صحابہ و تابعین و ائمہ دین سے ختم نبوت کے ہر پہلو کو واضح کیا گیا ہے اور شبہات کے شافی جوابات دیئے گئے ہیں۔ قیمت مع ڈسٹ کور چھ روپے۔

تلاشِ راہِ حق
ایک طالبِ حق کے جواب میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور میاں طفیل احمد کے خطوط۔ مجلّد ...

درِّ نجف مشہور و معروف سرمہ
جو تقریباً سولہ سال سے اپنی خدمات انجام دے رہا ہے
ایک تولہ پانچ روپے
آدھا تولہ تین روپے
ڈاک خرچ ڈیڑھ روپیہ
مضبوط شیشی
ایک قدیمی نسخے سے تیار کیا ہوا جس میں سچے موتی اور دیگر مفید اجزاء شامل ہیں
ایک سال تک مومنین کی خدمت میں
بغیر کسی مرض کے بھی ہمیشہ اسے استعمال کرتے رہنے کیونکہ یہ آخری عمر تک نگاہ کو قائم رکھتا اور مرض کے حملوں سے بچاتا ہے
SURMA
DURR-E-NAJAF
دھند، جالا، ناخونہ، پڑبال، سرخی، اور آنکھیں دکھنے میں مفید ہے۔
آنکھوں کے آگے تارے اڑتے ہوں، یا بینائی کمزور ہوتی جا رہی ہو، یا آنکھیں تھکاوٹ محسوس کرتی ہوں تو اسے استعمال فرمائیے۔
ضروری ہدایات ساتھ بھیجی جاتی ہیں
جن حضرات نے تجربہ کے بعد تعریفی تحریریں مرحمت فرمائیں ان میں سے چند کے اسماء گرامی
حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ مولانا اشتیاق احمد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا مطلوب الرحمٰن صاحب عثمانی۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب (ندوۃ المصنفین دہلی)۔ ڈاکٹر ظفر یار خاں صاحب سابق ملٹری سرجن۔ حکیم کنہیا لال صاحب وید سہارنپور۔ ڈاکٹر انعام الحق، صاحب ایل، ایم، ایس ہومیوپیتھک۔ ساہو جوالا سرن صاحب رئیس اعظم مراد آباد۔ جناب امتیاز نسیمی ایڈیٹر اسلامی دنیا دیوبند
ہندوستان کا پتہ دارالفیض رحمانی۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور۔ (یو۔پی) انڈیا
پاکستان کا پتہ عثمان غنی۔ کرانہ مرچنٹ ۲۲۸۰ مینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)

ستمبر و اکتوبر ۱۹۶۰

12 (8-9)

~~12 As.~~

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
تجلّی
دیوبند

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت چھ روپے۔ فی پرچہ ۵۰ نئے پیسے

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۵ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

شمارہ نمبر ۹۸ — اس شمارے کی قیمت ایک روپیہ — جلد نمبر ۱۲

اشد ضروری

اگر اس دائرے میں سُرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپکی خریداری ختم ہے یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں، خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائیگا جسے وصول کرنا آپکا اخلاقی فرض ہوگا وی پی چھ روپے باسٹھ نئے پیسے کا ہوگا منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ جائینگے۔

پاکستانی حضرات :- ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر ہمیں بھیجدیں رسالہ جاری ہو جائے گا۔

ترسیلِ زر اور خط و کتابت کا پتہ
دفتر تجلّی دیوبند ضلع سہارنپور (یو-پی)

مدیر
عامر عثمانی
فاضل دیوبند

پاکستان کا پتہ: مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ مینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی کراچی (پاکستان)

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "کوہِ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلّی دیوبند سے شائع کیا۔

آغازِ سخن

لیجئے بحث ختم ہوئی

اگر کسی شے پر زنگ کی موٹی تہہ چڑھ جائے تو آپ سخت سے سخت ضرب میں اسے توڑ تو دیں گے صاف نہیں کر سکتے۔ زنگ صاف کرنے کے لئے مسلسل گھسنے کا صبر آزما اور اُکتا دینے والا عمل چاہئے۔ یہی عمل تجلّی مہینوں سے انجام دے رہا ہے۔ کم و بیش بارہ سو سال گذرے ایک ہولناک واقعہ پیش آیا تھا۔ اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیع المرتبت نواسہؓ اپنے پاکباز عیال کو ساتھ لئے مدینے سے کوفے کی طرف چلا اور ناساعد حالات کی قہرمانیوں کے ہاتھوں بے بس ہو کر شہید کر دیا گیا۔ یہ شہادت بالیقین مظلومانہ بھی تھی اور عبرت انگیز بھی۔ مظلومانہ اس لئے کہ جس خروج اور طلبِ خلافت کے اقدام نے حریف کی نظروں میں اسے مجرم بنایا تھا اس سے تو اس نے صریح طور پر دستبرداری دیدی تھی اور غیر مشتبہ الفاظ میں کہا تھا کہ اے لوگو! مجھے واپس جانے دو۔ نہیں جانے دیتے تو یزید کے پاس لے چلو کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدوں۔ حریف پر لازم تھا کہ اس تجاوز کا احترام کرتا اور خانوادۂ رسولؐ کا مقدس لہو کربلا کی خاک پر نہ بہنا۔ لیکن خدا جانے کیا ہوا کہ تلواریں خون میں ڈوب گئیں اور دستِ اجل نے ایک المناک کہانی واقعات کے اوراق پر لکھدی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کہانی ایک قلیل المدت ناگہانی آویزش کی کہانی ہے جس میں حریف کی مجبوریوں کو بھی دخل ہے اور زیادہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بے رحمی و شقاوت کی کہانی ہے جس کے آئینہ میں خوں آشامی اور کینہ و عناد کا غبار جھلکتا ہے۔ حقیقت کچھ بھی رہی ہو۔ اُس شخص کی مظلومی میں کوئی کلام نہیں جو نہ صرف اپنے بڑھے ہوئے قدم کو پیچھے ہٹانے پر آمادہ تھا، بلکہ وہ مطالبۂ بیعت بھی ماننے کو تیار تھا جس کے بعد کسی جھگڑے کی گنجائش نہیں رہ جاتی تھی۔ اگر بقولِ بعض اس کے کسی ساتھی نے جذبۂ انتقام کے تحت کوئی ناموزوں حرکت کر بھی دی تھی تو حریف کو صبر و ضبط سے کام لینا چاہئے تھا۔ سبطِ رسولؐ کے حق میں ہر اُمتی کو فراخ دل ہونا چاہئے۔ یہ ہرگز مناسب نہیں تھا کہ خلیفۂ وقت —— یزید بن معاویہؓ کی مرضی کے خلاف محض وقتی اشتعال کے نتیجے میں خانوادۂ رسولؐ کو تہہ تیغ کر دیا جاتا۔ یہ فعلِ قبیح جس نے جس درجہ میں کیا اتنا ہی وہ ظالم و سفاک کہلانے کا مستحق ہے اور یقین ہے کہ اللہ کا انصاف اسے پورا پورا بدلہ دے گا۔ لیکن اگر واقعہ اسی طرح پیش آیا تھا جس طرح اکثر لوگ بتاتے ہیں تو مظلومیتِ حسینؓ اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

اور عبرت انگیز اسلئے کہ شہادتِ حسینؓ اللہ کی بے پناہ اور سنت اللہ کی فولادی صلابت اور حقائق کی سخت گیری کا مظہرِ اتم ہے۔ کون ہو سکتا ہے اُن حسن و حسین رضی اللہ عنہم کی محبوبیت کا سہیم جنھیں اللہ کا برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک شانوں پر چڑھا لیتا ہو۔ جن کا بول و براز اُس سینۂ مبارک پر بہا ہو جس کی عظمت و تقدیس کے آگے ملائکہ کی نورانیت ہیچ ہے۔

مگر جب انھی محبوب ترین نواسوں میں سے ایک اجتہاد حقائق کے بے رحم سیلاب سے ٹکرایا تو اللہ جل جلالہٗ کی سنت نے ذرا بھی پروا نہیں کی اس بات کی کہ یہ جرأت مند کون ہے اور اس کے لئے اپنے طے شدہ طرزِ عمل میں کیا تبدیلیاں کرنی چاہئیں۔ تبدیلی ممکن ہی نہیں تھی۔ تبدیـ

ہو سکتی تو اُس جنگاہِ اُحُد میں ہوتی جب محبوبِ ربّانی صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تھے۔ وہ انمول دندانِ مبارک جن کی قیمت یہ پوری کائنات بھی نہیں، جن کے کناروں پر لرزتی ہوئی خون کی چند بوندیں پورے عالم کا سودا کر سکتی ہیں، لیکن اللہ کی سنت نے اُس وقت بھی اپنی روش نہیں بدلی۔ پھر بھلا وہ کہاں اور کیوں بدلتی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اہل الرائے کے مشوروں کو نظر انداز فرماتے ہوئے ایک اجتہاد کیا تھا۔ انھیں یقین تھا کہ حکومتِ متقارشہ کے خلاف خروج سے روکنے والی حدیثوں کا اطلاق میرے موجودہ اقدام پر نہیں ہوتا۔ وہ توقع رکھتے تھے کہ اہلِ کوفہ کی پشت پناہی مجھے مائل بہ انحطاط نظامِ اسلامی کی اصلاح کا موقع دے گی، لیکن سنت اللہ ان کے خیالات سے ہم آہنگ نہیں تھی۔ بات بگڑ گئی اور وہ زہرہ گداز سانحہ پیش آیا جس کے نشیب و فراز پر آج ہم آپ باتیں کر رہے ہیں۔

سچائی جو کچھ بھی رہی ہو۔ دنیا نے مختلف داعیوں کے تحت اس پر خوب خوب رنگ چڑھائے اور یہ رنگ رفتہ رفتہ زنگ میں تبدیل ہو گئے۔ اب اگر اتفاقِ وقت نے یہ بحث چھیڑ دی ہے کہ سچائی کیا تھی تو تجلّی نے بھی کوشش کی کہ زنگ کی کچھ تہیں اُتارے اور گم گشتہ ماضی کے شبستان میں جھانکنے کی جرأت کرے۔ کوشش طولانی ہو گئی۔ اتنی کہ قارئین تجلّی اُکتا گئے اُکتانا بھی چاہئے۔ تنوّع اور رنگارنگی کا لطف ختم ہو گیا ضروری عنوانات غائب ہو گئے۔

لیجئے اب یہ بحث بند کیا جاتا ہے۔ دلائل و شواہد کا اتنا انبار ہم نے لگا دیا ہے کہ جب جس کا جی چاہے گا اس سے فائدہ اُٹھا لے گا۔ آخری گذارش ہماری یہ ہے کہ رفض و تشیع کے نفلی حربوں سے ہوشیار رہئے اور مدحتِ حسینؓ میں اتنے آگے مت جائیے کہ امیر معاویہؓ اور کتنے ہی اور جلیل القدر صحابہؓ کی صحابیت گرد بن جائے۔ جناب محمود عباسی کا موقف اگر بعض پہلوؤں سے انتہا پسندانہ ہے تو وہ بزرگ بھی کچھ کم انتہا پسند نہیں ہیں جو زبان پہ مدحتِ حسینؓ کے قصیدے اور قدحِ یزید کے نعرے لیکر آتے ہیں لیکن دلوں میں بغضِ معاویہ کا زہر پوشیدہ ہے۔ بعض حالتوں میں انھیں خود بھی اس زہر کا احساس نہیں ہوتا مگر ظاہر ہے آنکھیں بند کر لینے سے رات نہیں ہو جاتی۔ قتلِ عمد اگر جرم ہے تو قتلِ خطا بھی جرم ہی ہے۔ حسینؓ پر اللہ کی رحمت ہو بہت بڑے تھے مگر معاویہؓ پر بھی اللہ کی رحمت ہو وہ بھی بہت بڑے تھے۔ مقابلہ میں اگر کوئی کہے کہ معاویہؓ بڑے تھے مگر علیؓ ان سے بھی بڑے تھے تو سرِ تسلیم خم کر دیجئے، لیکن اگر یوں کہے کہ اجتہاد سراسر علیؓ ہی کا برحق تھا اور معاویہؓ خطا کر رہے تھے تو کہہ دیجئے یہ عقیدہ ہم نہیں رکھتے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ان دونوں کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ عقلی و نقلی دلائل معاویہؓ کے ساتھ ہیں مگر علیؓ کی برتری بھی اپنی جگہ مسلّم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ——— اس طولانی بحث کو ہم اس دعا پر ختم کرتے ہیں کہ اے اللہ! جو کچھ ہمارے قلم سے خلافِ حق نکلا اسے معاف فرما اور جو کچھ حق کی تائید میں نکلا اسے قبول فرما۔ تجھ پر اور تیرے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد سب سے زیادہ ضروری ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جملہ صحابہؓ کی عزت و حرمت کو سینے سے لگا رکھیں اور اُن لوگوں سے بیزاری کا اظہار کریں جو براہِ راست یا بالواسطہ کسی برگزیدہ صحابیؓ کی حرمت کو مجروح کرنے کے درپے ہیں۔ انھیں اپنے کرم سے عقلِ سلیم عطا فرما اور کم نگاہی کا پردہ ان کی آنکھوں سے ہٹا دے۔ انک علیٰ کل شیءٍ قدیر۔

ہاں۔ ایک بات ملحوظ رہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی ابھی اپنے ماہنامے میں اسی موضوع پر ایک اداریہ سپردِ قلم فرمایا ہے۔ ہم چاہتے تھے کہ اس کے بارے میں کچھ شاگردانہ معروضات ان کی خدمت میں پیش کریں لیکن اس لئے رُک گئے کہ تجلّی فی الوقت نقد و بحث کا پلندہ ہے اس میں وہ چیز نہیں دینی چاہئے جو نقد و بحث سے ہٹ کر فقط استفہام کا درجہ رکھتی ہے۔ انشاء اللہ آئندہ اس کا موقع آئے گا۔ کوشش کریں گے کہ بات طویل نہ ہو۔

والدِ محترم مولانا مطلوب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہوگئیں

جب والد رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے اس وقت بھی انکے کتنے ہی مریدین زبان و قلم دونوں سے برابر اس خواہش کا اظہار کرتے رہے کہ تجلّی میں ان کے حالات اور ارشادات و ہدایات کا سلسلہ جاری ہونا چاہئے اور ان کے اسفار کی تفصیل بھی آنی چاہئے۔

اور اب بھی جب کہ وہ دارِ فانی سے سدھار گئے تقاضا برابر جاری ہے۔ ہم اسے اپنی طبیعت کا عیب کہیں یا کیا نام دیں باوجود یہ جاننے کے کہ والدِ محترمؒ کے افاضاتِ عالیہ سے عامۃ المسلمین کو کافی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور ان کے وسیع حلقۂ ارادت میں تجلّی کی اشاعت فزوں ہو سکتی ہے، طبیعت انشراحِ قلب کے ساتھ اس کام پر آمادہ نہیں ہوئی اور جھجھک ہوتی رہی کہ ایک بیٹا باپ کے مناقب کیسے لکھے۔ اسلام کے قانونِ عدالت نے باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت قبول نہیں کی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے سے جھوٹ کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی، مگر قاضی نے شہادت رد کردی تو معلوم ہوا کہ اسلامی زاویۂ نظر کی جڑیں نفسیاتِ انسانی میں بہت گہری اُتری ہوئی ہیں۔

ڈر لگتا تھا اور اب بھی لگتا ہے کہ ہم باپ کے اوصاف و محامد لکھتے ہوئے جذبات کی رنگ آمیزی سے دامن نہیں بچا سکیں گے۔ نیت بخیر ہو تب بھی باپ کے حق میں بیٹے کی ثناخوانی پروپیگنڈے کے ایہام سے خالی نہیں۔ پھر جب باپ ایسا ہو کہ اس کے اوصاف و اخلاق کی محتاط ترین عکاسی بھی اعلیٰ ترین اقدار کے نمایاں پرتو سے خالی نہ رہ سکتی ہو تو معاملہ اور مشتبہ ہوجاتا ہے۔

بہرحال ہمیں اس بات میں تأمل پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے۔ گذشتہ مہینے جس ذہنی یکسوئی کے فقدان کو ہم نے تاخیر کا عذر بنایا تھا اس کا تجزیہ کیجئے تو شاید اس کا رشتہ بھی اسی دیرینہ تأمل سے جاملے گا۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کسی قول کی قریبی سی توجیہ کرلیتا ہے لیکن بنیادیں کہیں اور ہوتی ہیں

پھر بھی یہ بڑی بے توفیقی ہوگی کہ اس ذکرِ خیر کو بالکل نظر انداز کردیا جائے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ تیمارداری کے اُن بارہ دنوں کی روداد سپردِ قلم کردیں جن میں ہمیں اپنے باپ کے قدم چھونے کی بہترین سعادت نصیب ہوئی جنمیں تمام خیالات، تمام دنیاوی فرائض اور تمام مشاغل ایک نقطے کے گرد گھومتے رہے جن میں ہم نے ایک برگزیدہ مومن کو موت سے جنگ کرتے نہیں، بلکہ خندہ پیشانی کیساتھ استقبال کرتے اور لبیک کہتے دیکھا۔ جن میں ہمارے لئے بڑ... ہے اور جن کی یاد کے نقوش ہماری لوحِ قلب سے کبھی نہیں...

یہ روداد ۳ر جولائی سے شروع ہوتی ہے۔ ۳۰ر... کو کراچی سے چھوٹے بھائی عثمان سلمہٗ کا جو خط ملا تھا اس... توقع نہیں ہوتی تھی کہ ویزا حاصل کرنے اور کراچی تک کا فاصلہ طے کرنے کے بعد والد رحمۃ اللہ علیہ کو زندہ پاسک... پھر بھی کوشش کی گئی اور ۳ر جولائی کو سفر شروع ہوگیا۔ سفر... تفصیلات اصل موضوع سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں پھر بھ... کچھ حصّہ ایسا ہے کہ اسے ہم اپنے حق میں آزمائش کہیں گے... اہلیہ کا اصرار تھا کہ خسر کے دیدار اور تیمارداری کے لئے وہ... ضرور جائیں گی۔ ہم نے اس اصرار کے آگے اس لئے سر... کیا کہ اپنے محترم باپ کی عظمت کا ہمیں احساس تھا۔ انکی خدمت کا موقع جسے بھی مل جائے اس کی آخرت کے لئے کچھ بہتر توقعات باندھی جاسکتی تھیں یہی وجہ ہوئی کہ گرمی کی شدت اور سفر کے طول کی پروا کئے بغیر انھیں بھی ساتھ... گیا۔ ہماری بائیں ران پر عرصہ سے ایک پھڑیا نکلی ہوئی... رفتہ رفتہ پھوڑا بن گئی تھی اور جن دنوں یہ سفر شروع ہوا... اس کی حالت خراب تھی ٹیس برداشت کئے بغیر چند ق... چلنا محال ہو رہا تھا۔

شدنی دیکھئے گاڑی امرتسر لیٹ پہنچی۔ پاکستا... والوں کی چیکنگ بند ہوچکی تھی۔ بتایا گیا کہ آج ریل... کی کوئی صورت نہیں کل تک انتظار کیجئے۔ امرتسر...

ہی گاڑی لاہور جاتی ہے۔ یہ نکل جائے تو اگلے دن اسی وقت کی راہ دیکھے بغیر چارہ نہیں۔ ہمارے لئے اب دو صورتیں تھیں یا تو امرتسر ہی میں قیام کریں یا بس کے ذریعہ اٹاری کے بارڈر پر پہنچیں۔ جلدی سے جلدی کراچی پہنچ جانے کی تڑپ میں دوسری ہی صورت بہتر معلوم ہوئی اور بس کی بجائے ہم نے ٹیکسی مناسب سمجھی تاکہ لاہور پہنچنے میں دیر نہ ہو۔

لیکن مشیت کو شاید چھیڑ چھاڑ منظور تھا۔ ٹیکسی دورانِ سفر میں خراب ہو گئی۔ ڈرائیور نے نصف گھنٹہ کوشش کی کہ ٹھیک ہو جائے مگر بے سود۔ اس کا کہنا تھا کہ کسی پرزے میں ایک ایسا سوراخ ہو گیا ہے جسے بند کرنے کے لئے دھات کا گول سا ٹکڑا چاہیئے۔ ٹکڑا جنگل میں کہاں تھا۔ پکی سڑک کے دونوں طرف کھیت ہی کھیت تھے۔ گیارہ بجے کی چلچلاتی ہوئی دھوپ دور تک پھیلی ہوئی تھی اور دستی پنکھے کو مسلسل حرکت دینے کے باوجود ننھی بچیوں کو رونے دھونے سے باز رکھنا ممکن نہیں ہو رہا تھا۔ وہ پسینے میں شرابور تھیں اور یہ نہیں سمجھ پا رہی تھیں کہ گاڑی کا خراب ہو جانا کیا ہوتا ہے ران کا زخم کچھ لہورے رہا تھا۔ ذہنی اندیشے سر اُبھار رہے تھے کہ گاڑی ٹھیک نہ ہوئی تو ہمارا کیا حشر ہوگا اور کب تک ہمیں اس حالت پر صبر کرنا چاہیئے۔

بارے اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا۔ انتقال ذہنی کا اس سے بڑھ کر فائدہ ہمیں کبھی نہ پہنچا ہوگا۔ ننھا سا نیا پیسہ اس مطلوبہ مقام پر ایسا فٹ ہوا جیسے ہمیں کے لئے بنا ہو۔ گاڑی چل نکلی۔

اس بارڈر کو کراس کرنے کا ہمیں پہلے سے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ ثابت ہوا کہ چیکنگ کی دونوں چوکیوں سے گذر کر بس تک پہنچنے میں تقریباً دو فرلانگ کی مسافت پیدل قطع کرنی لازمی ہے۔ جولائی کا تپتا ہوا دوپہر، کڑی دھوپ، سائے سے محروم سڑک۔ تھوڑے نے بھی قسم کھالی تھی کہ آج ہی سارا زور ختم کر دے گا۔ کوشش کی کہ بچیاں قلی کی گود میں چڑھ جائیں مگر نہ وہ اس پر آمادہ تھیں نہ پیدل ہی چلنے کے لائق رہی تھیں بس واویلا مچائے جا رہی تھیں۔ ایسے وقت میں غصے اور بے بسی کے احساس کی ملی جلی لہریں کیا آفت ڈھاتی ہیں یہ بتانے کی بات نہیں۔ ناسمجھ بچیوں کو کیسے سمجھایا جا سکتا تھا کہ صورتِ حال کیا ہے اور رونے دھونے کے لئے تم نے کتنا غلط وقت انتخاب کیا ہے۔

مگر وہی پاکیزہ یاد — جس کا ذکر گذشتہ آغاز سخن میں بھی آ چکا ہے، چارہ گری کے لئے آگے بڑھی کیسی عجیب و غریب شے ہے یہ عقیدت بھی۔ رحمت و رافت کے پیکر ہستیاں، سب سے بڑھ کر شفیق و کریم ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ سعید کا تصور جب قلب و ذہن کی سطح پر ابھرتا ہے تو روح میں کتنی توانائی آ جاتی ہے۔ دل کتنا غنی ہو جاتا ہے صدقے اُس مرکزِ یمن و سعادت کے جس کی یاد سراپا مایۂ راحت اور جس کا خیال سر بسر تسکین دل و جان ہے۔ ایسا محسوس ہوا جیسے سارا ماحول بدل گیا۔ دھوپ کی تیزی بدل گئی، جسم و جاں بدل گئے، غصے اور بے بسی کی لہریں بدل گئیں۔ اب کوئی حیرانی کوئی خلش کوئی جھلاہٹ نہیں تھی۔ اُن کی یاد جب بھی آتی ہے تنہا نہیں آتی۔ بہت سے رنگا رنگ مناظر جلو میں لئے آتی ہے۔ مکہ، طائف، بدر و اُحد۔ خلفائے راشدین، امہات المومنین — خصوصاً حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے ایک طیارہ زمین پر پھیلے ہوئے "شہر ماضی" کو تیزی سے طے کرتا جا رہا ہو۔

معلوم نہیں زندگی کے معمولی سے مراحل میں اتنے بڑے انسان کی یاد کا سہارا لینا بے ادبی تو نہیں۔ جو کچھ بھی ہو تصورات کے پھیلاؤ میں پیدل سفر کا سارا مرحلہ ایسے طے ہو گیا جیسے خواب دیکھ رہے ہوں۔ خواب ہی میں یہ بھی دیکھا کہ چند اور مسافر ہماری ہیئت کذائی پر ہنس رہے تھے۔ وہ بعض سپاہی بھی زیرِ لب ہنس رہے تھے جو کہیں کہیں بندوقیں لئے ڈیوٹی پر کھڑے تھے۔ ان کے تبسم میں ترحم بھی تھا اور استہزاء بھی۔ ترحم اس لئے کہ وہ انسان تھے۔ ان میں سے ہر کسی کے بال بچے ہوں گے انھیں بھی احساس ہوگا کہ جبلی داعیے بندوق سے زیادہ ٹھوس متانت کو بھی پگھلانے کی طاقت

رکھتے ہیں۔ اور استہزاء اس لئے کہ ایک لنگڑے آدمی کے کاندھے پر لدے ہوئے سدد بچوں کا منظر کچھ ایسا ہی ہوتا ہے!

بیداری نے اس خواب سے اُس وقت آنکھ کھلی جب چیکنگ کے صبر آزما مراحل سے گذرنے کے بعد ہم لاہور جانے والی بس کے قریب پہنچ گئے۔ خیال تھا کہ بس میں بیٹھنے سے قبل زخم کی مرہم پٹی کر کے لباس بدل لیں گے تاکہ پاس بیٹھنے والے مسافروں کو خون اور پیپ میں لتھڑے ہوئے پاجامے سے گھن نہ آئے لیکن یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ اوّل تو بس چلنے کے لئے تیار تھی دوسرے چیکنگ کی الٹ پلٹ میں مرہم بھی سامان میں گم ہو گیا تھا۔

چھ بجے لاہور پہنچے۔ کراچی ایکسپریس آٹھ بجے چھوٹتی ہے۔ ہمیں پچھلا تجربہ تھا کہ گھنٹہ بھر قبل اسٹیشن نہ پہنچ جاؤ تو گاڑی میں جگہ نہیں ملتی۔ لیکن جس حال میں ہم اس وقت تھے ناممکن تھا کہ تھوڑے سے آرام اور غسل وغیرہ کے بغیر اسٹیشن کا رُخ کر سکیں۔ اگر امرتسر دلی سمانا ہو گیا ہوتا تو نہ تو اتنی دیر ہوتی نہ بے یار و مددگار رہتے۔ کئی کرم فرما لاہور کے اسٹیشن پر لینے آئے تھے جو وقت برباد کر کے لوٹ گئے تھے۔

آخر کار حضرت مفتی شفیع صاحب کے صاحبزادے میاں ذکی سلمہٗ کے دولت خانے پر پہنچے۔ یہ صاحب زادے عمر میں کم ہونے کے باوجود ہمارے بے تکلف دوستوں میں ہیں اور یہ دوستی اس قرابت داری پر بھی غالب آگئی ہے جو ہمارے ان کے مابین ہے خوش اخلاق اور دوست نواز تو یہ پہلے ہی سے تھے مگر آج اُنکے حسن اخلاق نے جس چابکدستی اور مستعدی کا مظاہرہ کیا اسے ہم کبھی نہ بھولیں گے۔ تھوڑے ہی سے وقت میں انھوں نے شایانِ شان کھانا تیار کرا کے ہمارے ساتھ کیا اور تقریباً ساڑھے سات بجے ہم اسٹیشن روانہ ہو گئے۔ اُمید نہیں تھی کہ گاڑی میں جگہ مل سکے گی۔ لیکن جلدی سے جلدی کراچی پہنچنے کا جذبہ صبر و آرام کی مہلت نہیں دے رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ مولانا حامد حسن صاحب مولوی سب انسپکٹر پولیس کو جزائے خیر دے ان کی مخلصانہ امداد سے پیر رکھنے کی جگہ ملگئی پھر وہ اجنبی لوگ لائقِ تشکر ہیں جن کی شرافت نے اس جگہ کو ضرورت کے مطابق پھیل جانے کا موقع عطا فرمایا۔

آگے کا سفر ویسے تو اُن کھانوں اور ناشتوں کے اعتبار سے لائق ذکر ہے جو اس راہ میں ملتے ہیں۔ بے گوشت کی بوٹیاں اور بے گھی کا مرغن سالن یہیں دیکھنے میں آیا ہے لیکن اسے آزمائش میں شامل نہیں کیا جا سکتا' لہٰذا چھوڑیئے۔

کراچی کینٹ سے پیر کالونی تک ایک خوف سا دل پر مستولی رہا کہ دیکھئے گھر پہنچکر کیا سُن لیتے ہیں، مگر مشیت نے ہمارے لئے کچھ ایامِ سعادت مقدر فرما دیئے تھے۔ وہ مسرت ناقابلِ بیان ہے جو والدِ محترم کو زندہ پا لینے سے ہوئی۔ راہ کی ساری کلفتوں کا احساس یک قلم کافور ہو گیا۔ محنت ٹھکانے لگ گئی باہر کے کمرے میں وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے اسی جگہ تشریف فرما تھے جس جگہ پچھلے سالوں میں کئی بار ہم نے انھیں دیکھا تھا۔ یہ معمولی سی تفصیل اس لئے اہم معلوم ہوئی کہ اندیشوں سے گھرا ہوا ذہن تو کچھ اور ہی تصویر لیکے پہنچا تھا۔

"اچھا کیا بیٹے تم آگئے۔"

یہ تھے پہلے الفاظ جو سلام کا جواب دینے کے بعد انھوں نے ہمارے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمائے۔ ان سادہ لفظوں کی چاشنی اور اشاریت آج بھی دل محسوس کر رہا ہے۔ بچوں کو دیکھ کر انھوں نے اور بھی خوشی کا اظہار فرمایا۔

ان کے پیر ان دنوں بہت متورّم تھے۔ معلوم ہوا کہ کافی دنوں سے یہ ورم بحالہٖ قائم ہے۔ کبھی کچھ کم ہوتا ہے تو اگلے ہی دن اور سوا ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ مرد انے کمرے سے باہر کمرے تک گود ہی میں لائے جاتے تھے۔ کئی ماہ کی بتدریج ترقی کرتی ہوئی بیماری نے بدن کا تمام ست چوس لیا تھا اور ہڈیوں پر پھیلی ہوئی جھریوں دار کھال کے سوا گوشت کا نام نہ تھا۔ مرض طبّی اصطلاح میں کچھ بھی رہا ہو ظاہری صورت حال یہ تھی کہ پیشاب غیر معمولی کثرت سے آتا تھا۔ رات دن میں شاید پچیس تیس مرتبہ تک نوبت پہنچ جاتی ہو علاج کے ذریعے اسے کم کیا جاتا تو دست شروع ہو جاتے تھے دونوں ہی حالتوں میں تعب اور ضعف کی شدت محتاجِ بیان نہ پھر بھی نماز باجماعت کا ممکن حد تک التزام فرماتے تھے۔

قیام گاہ کے آگے چند گز چوڑی سڑک ہے۔ محلِ وقوع ایسا ہے کہ اہلِ محلہ کے سوا ادھر سے کوئی نہیں گذرتا۔ سالو

سے یہ معمول رہا تھا کہ نمازِ مغرب اور عشاء کی جماعت اسی سڑک پر ہوتی۔ مسجد قدرے فاصلہ پر تھی۔ تین وقتوں کی نماز تو عموماً اسی میں پڑھتے، لیکن عصر سے بعد عشاء تک گھر پر مریدین کا اجتماع رہتا اور مغرب و عشاء کی جماعت سڑک پر ہوتی۔ ابتداءً یہ مختصر ہوا کرتی تھی لیکن رفتہ رفتہ بڑی ہوگئی یہاں تک کہ بعض دفعہ تو چالیس پچاس افراد پر مشتمل ہو جاتی۔ یہ سب مریدین ہی نہیں ہوتے بلکہ قرب و جوار کے وہ لوگ بھی ان میں شامل ہوتے جو مسجد جانے کے عادی نہیں تھے مگر ان دو جماعتوں کی توفیق انھیں ہو گئی یہ توفیق بعض کی حالت میں اس حد تک پہنچی کہ دیگر اوقات میں بھی انھیں نماز با جماعت پر التفات ہونے لگا۔

شروع شروع میں اکثر اہلِ محلہ کو نہ تو یہ اجتماع پسند تھا نہ اس نمازِ جماعت کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے، لیکن جب انھیں یہ احساس ہو گیا کہ یہاں اللہ و رسولؐ کی باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں اور پھر یہ بھی انھوں نے تجربہ کر لیا کہ اس مجمع کا ہر فرد عجز و انکسار، خوش خلقی اور جذبۂ خدمت کا مجسمہ ہے اور ان کا شیخ حسنِ اخلاق اور شفقت و رافت کا ایسا پیکر ہے جس کی ذات سے اپنے بیگانے کسی کو بھی بھلائی اور خیر خواہی کے سوا کچھ نہیں ملتا تو اللہ نے ان کے قلوب پھیر دیئے۔

یہ اُن دنوں کی کیفیت ہے جب والد محترم صحت مند تھے پھر بہ تقاضائے عمر کمزور ہوتے چلے گئے تو نمازِ فجر بھی اسی سڑک پر ہونے لگی۔ فی الحقیقت تو وہ اس درجہ نحیف ہو چلے تھے کہ ظہر و عصر کے لئے بھی مسجد تک جانا مستقل مجاہدہ ہی تھا۔ چھڑی کے سہارے آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے وہ ایسے لگا کرتے تھے جیسے اب گرے اور اب گرے۔ پیر دونیں لغزش، جسم میں عدمِ توازن کی کیفیت۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں قابلِ رشک مضبوط بدن عنایت فرمایا تھا اور اسّی سال سے گذر جانے کے بعد بھی توقع کی جا سکتی تھی کہ کبر سنی ان کو عاجز نہیں کر سکے گی لیکن چند سال قبل ہندوستان میں ریل کا جو حادثہ انھیں پیش آیا تھا اس نے ان کی قدرتی توانائیوں کو قبل از وقت مضمحل کر دیا تھا۔ اس حادثے میں اتنا خون بہہ گیا تھا کہ زندگی کی کوئی توقع نہیں تھی اور حملہ آور کی بے رحمانہ ضربوں سے مختلف اعضاء کو جو شدید صدمہ پہنچا تھا اس کی تلافی بوڑھے جسم کی روبہ انحطاط قوتیں کسی طرح نہیں کر سکتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ کسی مرض میں مبتلا نہ ہونے کے باوجود سالہا سال سے مستقل ضعف و نقاہت کا ہدف ہو کر رہ گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ انھیں اپنی بے مثال نعمتوں سے نوازے۔ نماز باجماعت کا التزام انھیں ہمیشہ ہی سے اس درجہ تھا کہ بعض مرتبہ تو ہم اہلِ خانہ کے لئے یہ تشویش انگیز بن جایا کرتا تھا۔ دیوبند کے دورانِ قیام میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ انھیں کافی تیز بخار ہے، پوری رات میں بمشکل ایک دو گھنٹے سو سکے ہیں۔ تہجد بھی بیٹھ کر ادا کیا ہے۔ حوائج ضروریہ کے لئے قدم قدم پر کسی نہ کسی شے کا سہارا لینا پڑا ہے، لیکن فجر کا وقت ہوا اور اپنی چھڑی اُٹھا کر مسجد کی طرف چل دیئے۔ کتنا ہی روکیے لیکن ان کا اصول شاید یہ تھا کہ سر کے بل بھی جانا پڑے تو جماعت کے لئے جائیں گے۔ ہمیں یاد نہیں کہ شدید بیماری کے معدودے چند مواقع کے سوا وہ کبھی نماز با جماعت سے رُکے ہوں۔ ایک بار ایسا بھی ہوا تھا کہ انھیں بخار میں جلتا دیکھ کر ہم نے فقرہ بگھاری تھی۔ جواباً ارشاد فرمایا تھا:۔

"بیٹے مسئلہ تمھارا باپ بھی جانتا ہے، جماعت کے معاملہ میں دخل مت دیا کرو۔"

"دخل نہیں ابا جی۔ یہ تکلیف ما لا یطاق ہے کیا یہ شکرانِ نعمت کے منافی نہ ہوگا کہ شریعت تو رخصت عطا فرمائے، لیکن ہم مشقت ہی جھیلنے کے درپے رہیں۔"

اس پر انھیں قدرے غصہ آگیا تھا۔ فرمایا:۔

"نالائق تم نے یہی پڑھا ہے! شکران و کفران تک کا مطلب نہیں سمجھتے۔ یاد رکھو! رخصت کے مقابلہ میں عزیمت کا درجہ کہیں اونچا پایا گیا ہے۔ پھر رخصت و عزیمت کے مدارج بھی مختلف ہیں ہر شخص کے لئے یکساں حکم نہیں جو شخص دوسروں کی رہنمائی کا کام کرتا ہو اس کے لئے عزیمت مامور بہ ہے۔"

یہ تو یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ الفاظ ٹھیک یہی تھے۔ مفہوم و منطوق بہرحال یہی تھا۔ روزے کے معاملہ

میں بھی انھوں نے شرعی رخصت سے بہت ہی کم فائدہ اُٹھایا۔ ریل والے حادثے کے بعد ان کے "شیخ فانی" ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا تھا۔ حقے کے عادی ہونے کی وجہ سے روزہ کی شدت اور بھی بڑھ جاتی تھی۔ دوائیں کا استعمال بھی معطل ہو جاتا تھا، لیکن آخری رمضان تک کچھ نہ کچھ روزے انھوں نے ضرور رکھے۔ بس اُسی وقت ترک کرتے تھے جب قوت بالکل جواب دے جاتی تھی۔

خیر ذکر یہ ہو رہا تھا کہ مرض الموت کے ایام میں ظہر و عصر تو جماعت سے نہ پڑھ پاتے کہ اِن اوقات میں ان کے متوسلین اپنے کاروبارِ دنیا کی مصروفیت میں حاضر نہ ہو پاتے تھے، لیکن باقی جماعتوں میں شرکت کرتے۔ اِلّا یہ کہ کسی دن پیشاب یا دستوں کی کثرت کے باعث بیٹھنے کے قابل نہ رہ گئے ہوں۔

پہنچنے کے چند روز بعد تک ہم نے انھیں شریکِ جماعت دیکھا ہے۔ پیروں کے ورم کی وجہ سے خود کھڑے ہونے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ گود میں لیکر صف میں بٹھا دیا جاتا اور نماز باجماعت کا یہ عاشق نہ جانے کس عالم میں نماز ادا کرتا۔

اتنی سی بات بتانے کے لئے ہم نے بہت سی سطریں صرف کر دیں۔ یہ شاید بعض حضرات کی نظر میں قلمی اسراف ہو، لیکن دوستو۔ اس بات کو "اتنی سی" مت سمجھو:۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اوّلیں پرسشِ نماز بود

نماز ایوانِ اسلام کا وہ اہم ترین ستون ہے جس کی استواری کے بغیر پوری عمارت منھ کے بل آ رہتی ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے ایک بار نہیں متعدد بار ایسے کلمات فرمائے ہیں کہ ان کی روشنی میں دین کا تصور ہی بغیر نماز کے ممکن نظر نہیں آتا۔ پھر جماعت بھی معمولی بات نہ سمجھئے۔ یہ وہ اہم تر واجب ہے جسے شریعتِ حقہ نے آگ اور خون اُگلتے ہوئے کارزاروں میں بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اللہ کے آخری رسولؐ نے نماز باجماعت کو تاب و تواں کے آخری مراحل تک ادا فرمایا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہم جیسا عامی سلوک و طریقت کے مقامات کا شعور کہاں رکھتا ہے۔ ہم نہ ان بلندیوں سے باخبر ہیں جس پر اہل اللہ پہنچتے ہیں نہ اُن مراتب سے واقف ہیں جن کا علم کسی مرشد و شیخ کے اصل مقام جاننے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ہم تو صرف قرآن و سنت کا تھوڑا سا علم رکھتے ہیں اور اسی کی روشنی میں کسی مردِ مسلمان کے مرتبہ و مقام کو پہچان سکتے ہیں۔ ہزار ہزار شکر ہے باری تعالیٰ کا کہ قرآن و سنت کی پیروی اور اسوۂ رسول پر چلنے کا جو ذوق و شوق زندگی بھر ہم اپنے والدِ محترم میں دیکھتے رہے وہی ان آخری ایّام میں بھی زندہ تھا۔ ان کی پیری ہمیشہ احکامِ شریعت کے دائرے میں محصور رہی۔ ان کا تصوف بدعات سے محترز اور اشغالِ مسنونہ سے معمور تھا۔ عرفی عبادات سے ہٹ کر ان کی پوری زندگی ہی عبادت تھی۔ ایک غیر منقطع سجدہ۔ ایک نمازِ مسلسل۔

وہ تمام ایک جلوہ میں تمام ایک سجدہ
مری بندگی میں حائل نہ جبیں نہ آستانہ

یہ بیٹا باپ کی بات نہیں کر رہا ہے۔ یہ اُس تماشائی کا اظہارِ واقعہ ہے جو مبالغہ اور رنگ آمیزی سے مقدور بھر دامن بچاتے ہوئے محتاط تر انداز میں زبان کھول رہا ہے۔ زندگی کے عام معاملات میں ــــ کنبہ پروری میں ــــ انفاق فی سبیل اللہ میں ــــ لین دین میں ــــ ضرورتمندوں کی دادرسی میں مطلوب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا جو تعامل اور اسوہ زندگی بھر رہا ہے اس کا ماجرا ہر وہ شخص بتا سکتا ہے جسے قربت کا موقع میسر آیا ہو۔ چند واقعات انشاء اللہ آگے چل کر ذکر کئے جائیں گے۔ اس وقت تو سلسلۂ بیان مربوط رکھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ زندگی کے آخری ایام میں جو کیفیت ہم نے اپنے والدِ محترم کی پائی اس کی بنیاد پر یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے مراتب شایانِ شان بلند ہوں گے اور اُن دانستہ و نادانستہ خطاؤں کو جن سے بالکل محفوظ رہنا انسان کے بس کی بات نہیں اللہ غفور و رحیم نے انکی نیکیوں کے ذریعے محو فرما کر غفران و رحمت سے نوازا ہوگا۔

ڈاکٹری علاج سے انھیں زندگی بھر ایک طرح کا تنفر اور احتراز رہا۔ اُن ایام کے سوا جب ان کے زخمی جسم کو ریل کے

ڈبے سے آدھا ر معطر لگے سرکاری ہسپتال میں لیجایا گیا تھا اور ان کی اپنی مرضی اور اختیار کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ ہمیں یاد نہیں کہ کبھی ان کا ڈاکٹری علاج ہوا ہو۔ ہمیشہ یونانی علاج کرتے اور ڈاکٹروں سے دور بھاگتے۔ اس مرض الموت کے زمانے میں۔ جس کی مدت تقریباً دو ماہ سمجھنی چاہئے اہل خانہ نے اور متوسلین معتقدین نے بہت کوشش کی کہ کسی اچھے ڈاکٹر کا علاج ہو جائے لیکن نہیں مانا یہانتک کہ ان کے بعض مرید ایک دو بار بلا استیذان ڈاکٹر کیلے ہی آئے، لیکن بے کار۔ ان کا تو عملی اصول اس پورے زمانے میں یہ رہا کہ نہ صرف ڈاکٹری علاج نہیں کریں گے۔ بلکہ ایسے حکیم کا بھی علاج نہیں کریں گے جس کی دین داری اور نیک عملی کے بارے میں حسن ظن کے مواقع موجود نہ ہوں۔ اُن آخری دنوں میں جب ساغرِ حیات کی دُردِ تہِ جام چند قطروں سے زیادہ باقی نہیں رہی تھی ان کے ایک مرید بیتاب ہو کر ایک بہت بڑے حکیم صاحب کو لے آئے اور انھوں نے نسخہ تجویز فرمایا۔ ہند و پاک میں کم ہی لوگ ہوں گے جو ان شہرہ آفاق حکیم صاحب کے نام نامی سے بے خبر ہوں گے۔ ان کے معالجے کے لئے بڑی بڑی کوششیں کی جاتی ہیں اور ان کا گھر پر بلا لینا تو کارے دارد سے کم نہیں سمجھا جاتا۔ ہمارے خاندان کے وہ دیرینہ کرم فرما ہیں، فیس لینا تو کجا قیمتی سے قیمتی دوائیں اپنے دوا خانے سے مفت عطا فرمایا کرتے ہیں اور اس وقت ان کی بہ نفس نفیس تشریف آوری لطفِ خاص سے کم نہیں تھی۔ لیکن جب وہ واپس تشریف لے گئے تو والد صاحب نے اُن صاحب سے جو انھیں لائے تھے فرمایا:۔

"تم میرے لئے ایسے معالج کو لاتے ہو جسے اللہ سے تعلق نہیں معلوم ہوتا"

اس پر عرض کیا گیا کہ حکیم موصوف فی الواقع بہت ہی بڑا صاحب خُلق اور نکوکار انسان ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ زمانے کی ہوا نے انھیں صوری اعتبار سے متشرع نہ رہنے دیا ہو جواب ملا

"بھائی محبت اور نفرت تو ظاہر ہی سے ہوتی ہے۔۔۔"

ہم حاضرین بارگاہ میں سے بعض نے کہا کہ حضور پہلے بھی ایک بار ان کا علاج کرا چکے ہیں۔ اس پر ان کے چہرے سے کرب و تعب کے آثار ہویدا ہوئے۔ یہ وہ دن تھے جب چند فقرے کہنا بھی ان کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ فیصلہ کن انداز میں فرمایا:۔

"وہ وقت اور تھا۔ اب اس نسخے کو پھاڑ دو"

ان چند فقروں نے انھیں تھکا دیا تھا۔ کچھ دیر سکوت فرمایا پھر ارشاد ہوا:۔

"حکیم اقبال صاحب تو عمدہ علاج کر رہے ہیں مجھے انھی پر چھوڑ دو"

حکیم اقبال کون ہیں؟ یہ بھی سُننے کی بات ہے۔ وہ دراصل سابق جماعت اسلامی پاکستان کے رکن ہیں اور اسی حیثیت سے چند سال پہلے راقم الحروف کے ان سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے ان کا مطب گھر سے قریب ہی ہے۔ وقتاً فوقتاً گھر کے مختلف افراد ان سے علاج کراتے رہتے ہیں۔ جب میں کراچی پہنچا ہوں تو والد صاحب ان ہی کے زیر علاج تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ والد صاحب کو جماعت اسلامی سے نظریاتی اتفاق نہ تھا، بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ تصوف کے بارے میں مولانا مودودی کے بعض فرمودات پر انھیں خاصا اختلاف تھا اور جماعت اسلامی کے طریق دعوت کو وہ بعض اعتبار سے اصلاح طلب خیال فرماتے تھے لیکن جیسا کہ اہل حق مخلصین کا قاعدہ ہے ان کا قلب نارِوا تعصبات کی آماج گاہ نہیں ہوا کرتا اور دوست دشمن کسی کے ساتھ وہ غیر منصفانہ طرز عمل اختیار نہیں کیا کرتے حکیم اقبال صاحب کی جماعت اسلامی سے وابستگی کا علم رکھنے کے باوجود وہ ان کی حق شعاری و دینداری سے صرفِ نظر نہیں کر سکے۔ وہ انہیں اللہ کا ایک اطاعت شعار بندہ سمجھتے ہوئے ان کے علاج پر آمادہ ہو گئے اور پھر یہ آمادگی آخری سانس تک مستقل رہی فرمایا کرتے تھے:۔

"علاج سنت ہے یہ سنت ادا ہو رہی ہے۔ ایک اچھا مسلمان معالج مجھے میسر ہے تو کیوں تم لوگ اور حکیم ڈاکٹروں کی بات کیا کرتے ہو"

آخری دنوں میں خود حکیم اقبال صاحب کی رائے یہ تھی کہ معالج بدلا جائے۔ میں اور میرے بھائی زبیر افضل صاحب

جب بار بار حکیم صاحب کے پاس دوڑتے تو وہ کہا کرتے کہ بھائی میں تو جو کچھ کر سکتا تھا کر چکا۔ اب میرے بس میں کچھ نہیں ہے۔ اس پر ہم دونوں بھائی موقع بہ موقع والد صاحب سے کہا کرتے اور والدہ کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا کرتے کہ اباجی! فلاں ڈاکٹر ایسا ہے فلاں حکیم ایسا ہے۔ اقبال صاحب خود یہ فرماتے ہیں کہ بعض ڈاکٹری دوائیں ایسے وقت میں مفید رہیں گی۔ وغیر ذٰلک۔

جواب ملتا۔ "بیٹے دوائیں تو بہانہ ہیں۔ حکیم اقبال صاحب نیک آدمی ہیں بہت محبت اور کوشش سے علاج کر رہے ہیں"۔ کبھی یہ بھی فرماتے ــــ اور یہ ارشاد بعض مریدین کی موجودگی میں بھی ہوا ــــ "مطلوب ہمیشہ توحید کی راہ پر چلا' اس کے لئے ایک ہی حکیم کافی ہے"۔

گمان ہے کہ اُن کے فرمودات کو میرا حافظہ لفظ بہ لفظ محفوظ نہ رکھ سکا ہوگا۔ جو کلمات اب تک میں ان کی طرف منسوب کرتا آیا ہوں یا آئندہ کروں گا ان کی حیثیت روایتِ لفظی کی نہ سمجھی جائے۔ گو میری کوشش یہی ہے کہ لفظ بہ لفظ نقل ہو' لیکن مبنی بر احتیاط یہی ہوگا کہ روایت بالمعنی قرار دی جائے۔

ایک رات ایسا ہوا کہ میرے ایک ڈاکٹر دوست رات کو تقریباً گیارہ بجے تشریف لائے۔ وہ صورت اور سیرت دونوں اعتبار سے بڑے اچھے مسلمان ہیں۔ اس وقت والد صاحب کا حال یہ تھا کہ ان کی زبان میں بڑے بڑے چھالے پڑے ہوئے تھے۔ دوا اور دودھ کے چند قطرے بھی حلق سے بمشکل اُتارے جاتے تھے۔ بولنا دشوار تھا۔ دقت سے جو چند الفاظ بولتے ان کا بھی سمجھنا مشکل ہوتا۔ بشدّتِ ضعف سے کروٹ تک نہیں لے سکتے تھے۔ پلنگ بیرونی گیلری میں تھا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو باہر علیحدہ بٹھایا اور ان سے تمام حال عرض کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ منھ کے چھالے فلاں فلاں وجہ سے ہیں اور دوا دی جائے تو دس پندرہ ہی منٹ میں بہت کچھ افاقہ ہو سکتا ہے۔ اس توضیح سے دل کو بڑی تقویت ملی' لیکن رات کے گیارہ بجے دوا کا حصول دشوار تھا۔ ڈاکٹر موصوف نے فرمایا کہ میری گاڑی موجود ہے میں ابھی جاتا ہوں اور دوا لیکے واپس آتا ہوں۔

وہ چلے گئے تو میں نے بڑے بھائی اور والدہ وغیرہ سے مشورہ کیا۔ یہ تو سبھی جانتے تھے کہ ڈاکٹری علاج کی راہ بند ہے۔ تاہم دو وجہ سے اُمید ہو رہی تھی کہ شاید والد صاحب مان جائیں۔ اول یوں کہ ڈاکٹر موصوف سیرۃً ہی نہیں صورۃً بھی مسلمان ہی تھے۔ دوسرے یوں کہ منھ کی تکلیف والد صاحب کو بہت ہی بے چین کئے ہوئے تھی۔ کسی طرح افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ ہم سب کے اصرار سے مان جائیں۔

بارہ بجے کے قریب ڈاکٹر صاحب اپنی گاڑی میں واپس آئے اور دواؤں کا بکس نکالا۔ اس وقت پہلی بار ہمیں معلوم ہوا کہ دوا سے ان کا مقصد پلانے یا لگانے کی دوا نہیں تھا' بلکہ انجکشن دینا مقصود تھا۔ ہم لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ انجکشن تو وہ کسی قیمت پر لگواتے ہی نہیں ہم خیال کر رہے تھے کہ آپ ویسے ہی کوئی دوا استعمال کرائیں گے انھوں نے جواب دیا کہ دوا لگانے سے تو کچھ حاصل ہی نہیں چھالوں کی جڑ معدہ و جگر کے اختلال میں ہے۔ پلانے سے بھی کسی نفع کی توقع مشکل ہی ہے کہ خون میں شامل ہو کر اثر انداز ہونے کے لئے دوا کا ہضم ہونا ضروری ہے اور بحالت موجودہ ہضم کی کیا اُمید کی جا سکتی ہے۔

اب ہم متعدد افراد یعنی مَیں میرے بڑے اور چھوٹے بھائی۔ بھابی صاحبہ اور والدہ صاحبہ والد صاحب کے پاس گئے اور عرض و معروض کا کوئی اسلوب نہیں چھوڑا۔ ہاتھ پیر جوڑے منتیں کیں۔ خدا معاف کرے ہم میں سے بعض نے اُس نازآفریدہ غصّے کو بھی آزما دیکھا جو شدّتِ تعلق کا مظہر ہوا کرتا ہے' لیکن وہ انجکشن پر تیار نہ ہونے تھے نہ ہوئے۔ صحت کی حالت میں تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ جھڑک دیں تو ہم میں سے کوئی اپنا اصرار جاری رکھ سکے' لیکن رعب و وقار کا یہ مجسمہ آج مشیتِ ایزدی کے ہاتھوں

بے بس پڑا تھا۔ نہ زبان میں طاقت تھی کہ جھڑکے نہ آنکھوں میں صلاحیت تھی کہ جوشِ باطن سے سُرخ ہوجائیں۔ بس ناتواں ہاتھوں کی مبہم جنبش ہی تھی جو ہم لوگوں کے مبہم اصرار پر ان کی قلبی ناگواری کا اعلان کئے جارہی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ ہماری ناپسندیدہ ضد کے نتیجے میں ان کی آنکھوں میں دو آنسو لرزے۔ اُف یہ آنسو، عزم وارادے کی صلابت اور احساسِ بے بسی کی متصادم کیفیتوں سے لبریز آنسو۔ اب کس میں سکت تھی کہ زبان کھولتا۔

ان کے قریب سے ہٹ کر ہم لوگوں نے مشورہ کیا۔ ہم لوگوں کی دلریشی نے یہ گستاخانہ خیال تک الفاظ کے سانچے میں ڈھال دیا کہ کیوں نہ اجازت کے بغیر ہی انجکشن لگوادیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت تو وہ دو سال کے بچے سے بھی زیادہ ناتواں تھے۔ بازو میں سوئی چبھونا کام ہی کتنی دیر کا ہے۔

لیکن یہ جسارت آمیز ارادہ فکر ونظر کی موجوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا۔ کتنا دلی صدمہ پہنچیگا انھیں کہ اپنے جگر گوشوں نے ان کی جسمانی بے بسی کا ناجائز فائدہ اُٹھایا اور اُس فیصلے کو روند ڈالا جسے وہ آخری سانس تک سینے سے لگائے رہنا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر کا خیال یا انجکشن کی سوئی حکم ربانی تو نہیں ہے کہ بے اثر ہو ہی نہ سکے۔ کیا خبر فائدہ بھی نہ ہو اور مریض کو صدمہ بھی پہنچ جائے۔ ویسے بھی دواؤں کی افادیت کا بڑا مدار مریض کی ذہنی پذیرائی پر ہوا کرتا ہے

حاصل یہ کہ شب میں ایک بجے ڈاکٹر صاحب کو بے نیلِ مرام واپس جانا پڑا اور ہمیں بڑی شرمندگی ہوئی کہ ہماری خاطر انھیں بے وقت زحمت اُٹھانی پڑی۔ انشاء اللہ العزیز ان کا اجرِ آخرت تو تمام ہوا۔ انکا اخلاص جو کچھ کرسکتا تھا اس میں کوئی کسر نہیں رہی۔

(باقی)

آہ جگر مرادآبادی

دل کو سکون روح کو آرام آگیا
موت آگئی کہ دوست کا پیغام آگیا

آج یہ خبر پرانی ہو چکی ہے کہ اردو کا سب سے بڑا غزل گو شاعر جگر مرادآبادی اس دار فانی سے رخصت ہو گیا۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ نے مذاق سلیم اور احساس و وجدان کی لطافتوں سے نوازا ہے ان کے لئے مرگِ جگر کا غم دلسوز آج ہی نہیں بہت زمانے تک تازہ رہیگا۔ کیا انسان تھا۔ سراپا نغمہ و آہنگ۔ مجسم سوز و گداز۔ جب عشق مجازی کا افسانہ کہنے پر آیا تو رنگینی و رعنائی، حسن و شباب، رنگ و ریشم اور نور و طلعت کی قوس قزح بکھیرتا چلا گیا اور جب عشق حقیقی کے نکات و رموز بیان کرنے پر آیا تو اس کی شوخیٔ گفتار نے حسن لم یزل کی درا و الورا بلندیوں پر سجود نیاز کے چراغ جلا دیئے وہ چراغ جن کی مقدس روشنی میں روحیں سفر کرتی ہیں۔

میں کم و بیش چھ مرتبہ ان سے ملا ہوں۔ دو مرتبہ پاکستان میں اور چار بار یہاں۔ دو ملاقاتوں کو چھوڑ کر باقی ملاقاتیں خاصی طویل رہیں۔ تجلی کے صفحات اگر متحمل ہو سکتے تو ان ملاقاتوں کے تاثرات و کوائف بیسیوں صفحات پر پھیل سکتے تھے۔ پھر ان کی روح پرور شاعری سے جو گہرا لگاؤ میرے مذاق شاعری کو رہا ہے اس کے حلق سے تو دل بیتاب سا ہوا جاتا ہے کہ اس عظیم شاعر کے ذکر جمیل میں دفتر کا دفتر لکھتا چلا جاؤں۔ وہ اس کے طرز بیان کی وجد انگیزی، وہ اس کے مذاقِ جمال کی لطافت، وہ اس کی سرشاری و سرمستی، وہ اسکا رچاؤ، گداز اور آہنگ۔ وہ سوز و ساز میں ڈوبی ہوئی محاکات۔ وہ صحت مند رنگینی اور وجد انگیز والہیت۔

مگر نہیں۔ میں دل کی بیتابیوں کا گلا گھونٹ کر صرف فریضۂ تعزیت ادا کروں گا۔ کشور غزل کا وہ سرافراز شہنشاہ صرف شاعر ہی کی حیثیت میں خراج تعزیت کا مستحق نہیں بلکہ اپنی انسانی و اخلاقی حیثیت سے بھی ہر اہل نظر سے خراج اشک لینے کا مستحق ہے۔ مروت، فیاضی، سیر چشمی، غیرت، شرافت، دوستی، احسان اور دلداری کا پیکر۔ عناد و نفرت سے بیزار خلوص و محبت کا پجاری اخوت و مروت کے ہر سانچے کے لئے پگھلا ہوا موم مگر کذب و خوشامد کے کسی بھی پیمانے کے لئے جامد پتھر۔ جو ٹوٹ سکتا ہے گل نہیں سکتا۔

میں نے پہلی بار انھیں جامعہ[1] کے ایک مشاعرے میں غزل پڑھتے دیکھا تھا۔ نشے میں بدمست۔ خود سے بے خبر۔ خوب یاد ہے کہ دو ہی تین شعر پڑھنے کے بعد جب وہ اس شعر پر پہنچے

میں اور تیرے ظلم مسلسل کی شکایت
میرا ہی تو عالم ہے تری یاد کا عالم

تو بار بار اسی کو دہراتے رہے اور پھر عجیب وارفتہ آواز میں یہ شعر پڑھا۔

اب دل کے دھڑکنے کی بھی آتی نہیں آواز
کیا جانئے کیا ہے دل برباد کا عالم

اسے ختم کرتے اور پھر شروع کر دیتے۔ پڑھتے ہی گئے یہاں تک کہ مقطع پڑھے بغیر اسی پر غزل تمام کر دی بیشک انہوں نے بھی دنوں شراب پی ہے اور ایسی پی کہ قدح نوشوں کے چھکے چھڑا دیئے ہیں لیکن اللہ کی بے شمار رحمتیں ہوں ان پر کہ تو انھوں نے اپنے اس فسق عملی کو وہ کافرانہ رنگ دیا جو آجکل کے خدا بیزار شرابی شاعروں کا طرۂ امتیاز ہے نہ اخلاقی گراوٹوں کی اس ناپاک وادی میں ٹھوکریں کھائیں جو ام الخبائث کے ماروں کی عمومی سیرگاہ ہے۔ جو فطرت سعیدہ لیکر آئے تھے اسے شراب نے میلا تو کیا مگر مسخ نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مدت ہوئی انہوں نے میخواری سے توبہ کر لی تھی اور یہ توبہ ان کے خوگر بادہ اعصاب کے لئے عذاب مستقل بن جانے کے باوجود ٹوٹی نہیں۔ فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

اہل اللہ سے کیسی عقیدت اور دینی اقدار سے کیسا انس تھا اس شخص کو یہ ان تمام لوگوں کو معلوم ہے جنھیں ان کی قربت

[1] یہاں "غالباً" کہنا موزوں ہوگا۔ ہو سکتا ہے میرا حافظہ غلطی کر رہا ہو، کم و بیش پندرہ سال گذر چکے ہیں۔ ۱۲

ملی ہے۔ میں نے توان میں ایک عجیب طرح کی شاعرانہ معصومیت پائی جو اب سے تقریباً ڈھائی سال پہلے کی آخری ملاقات میں بھی ویسی ہی شاداب و پائندہ تھی جیسے طفلک معصوم کے ہونٹوں کا پاکیزہ تبسم، حالانکہ اسوقت ان کا پورا ہیولیٰ بلند آواز سے بوڑھاپے کی داستان سنا رہا تھا۔

مرحوم اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً اپنے انداز کا ایک ہی انسان تھا۔ یہ شعر توان کے عزاداروں نے بار بار دہرایا ہے

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

لیکن کرنے والا اسے محض تغزل اور عشق مجازی پر بھی محمول کر سکتا ہے مگر جس شعر سے میں نے تعزیت کا آغاز کیا ہے وہ بھی اور ایک اور شعر بھی ایسا ہے کہ اس کا فکری مرکز تغزلِ محض اور عشقِ مجازی میں نہیں ڈھونڈا جا سکتا۔

مرنے والے تجھے مرنے کا بھی کچھ ہوش نہیں
ماں کا آغوش ہے یہ موت کا آغوش نہیں

یہاں حقیقت ہی حقیقت ہے۔ عرفان ہی عرفان جسے صحت مند فکر کی توانا شعریت نے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی عنایاتِ خاصہ سے نوازے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ شاعر بہت ہیں اور بہت ہوں گے مگر گلزار تغزل کا ایسا لعلہ صدیوں سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ کچھ دن پہلے کہہ گئے تھے۔

احباب مجھ سے قطع تعلق کریں جگر
اب آفتاب زیست لب بام آگیا

لیکن یہ بھی انھوں ہی نے کہا تھا

موت اک دام گرفتاری تازہ ہے جگر
یہ نہ سمجھو کہ غم عشق نے آزاد کیا

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لفظ عشق کو ان کی وسیع النظری نے کیا کیا تعبیریں عطا کی ہیں۔ یا پھر یوں کہیے کہ کن کن بلند و ماورا حقیقتوں تک انھوں نے عشق کا دائرہ وسیع کر دیا ہے۔ مرنے کو وہ مر گئے مگر ٹھیک ہی کہا تھا

روشن دہر کا ہر نقش مٹا سکتا ہے ۔ یہ نہ سمجھو کہ مجھی تک مرا افسانہ ہے

ان کی موت اُس شاعر کی موت ہے جس کے بالیں پر شاعری کا ایک دور، ایک منفرد اسٹائل، ایک اچھوتا طرز و اسلوب، ایک بے صدا موسیقی، شدتِ جذبات، شائستگی خودداری، بیکراں جمالی بسیرودگی اور نہ جانے کیا کیا نوحہ خواں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ سطور لکھتے ہوئے جگر کے بعض اشعار آپ سے آپ حافظے کی سطح پر ابھرتے چلے آ رہے ہیں۔ جی نہیں مانتا کہ قارئین تجلی کو بھی ان کے لطف میں شریک نہ کیا جائے۔ مقصود انتخاب نہیں ہے بلکہ جو بھی آپ سے آپ یاد آتے چلے جائیں انھیں بلا ترتیب سپرد قلم کئے دیتے ہیں۔ آگے کسی صفحے پر "جگر پارے" کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیے۔

جگر پارے

وہ بعض اشعار جو حضرت جگرؒ کی تعزیت لکھتے ہوئے بے اختیار یاد آتے چلے گئے

جو تیرے عارض و گیسو کے درمیاں گذرے — کبھی کبھی وہی لمحے بلائے جاں گذرے
ہر اک مقام محبت بہت ہی دلکش تھا — مگر ہم اہلِ محبت کشاں کشاں گذرے
مجھے کبھی تو اسی ایک مشتِ خاک کے گرد — طواف کرتے ہوئے ہفت آسماں گذرے
مجھے یہ وہم رہا مدتوں کہ جرأتِ شوق — کہیں نہ خاطرِ معصوم پر گراں گذرے
خطا معاف زمانے سے بدگماں ہو کر — تری وفا پہ بھی کیا کیا ہمیں گماں گذرے

~~~~~

صیاد پہ ظاہر ابھی یہ راز نہیں ہے — پرواز اسیر پر پرواز نہیں ہے
حالانکہ وہ اب مرحمتِ ناز نہیں ہے — خوش ہوں کہ مرا غم نظر انداز نہیں ہے
آنکھیں ہیں تو وہ کونسا ذرہ ہے جو بے دوست — خود اپنی جگہ انجمنِ ناز نہیں ہے
آجاؤ کہ اب خلوتِ غم خلوتِ غم ہے — اب دل کے دھڑکنے کی بھی آواز نہیں ہے

~~~~~

غیروں کے ستم یاد نہ اپنی ہی وفا یاد — اب کچھ بھی نہیں مجھ کو محبت کے سوا یاد
میں شکوہ بلب تھا مجھے یہ بھی نہ رہا یاد — شاید کہ مرے بھولنے والے نے کیا یاد

~~~~~

فیضانِ محبت عام سہی عرفانِ محبت عام نہیں — اللہ اکبر توفیق ترے انسان کے بس کا کام نہیں
یہ تو نے کہا کیا اے ناداں فیاضیِ قدرت عام نہیں — تو فکر و نظر سے کام تو لے کیا چیز یہاں انعام نہیں
کیوں مست شرابِ عیش و طرب تکلیفِ توجہ فرمائیں — آوازِ شکستِ دل ہی تو ہے آوازِ شکستِ جام نہیں
پینے کو تو سب پیتے ہیں جگر میخانۂ فطرت میں لیکن — محروم نگاہِ ساقی ہے وہ رند جو دُرد آشام نہیں

~~~~~

اپنی اپنی وسعتِ فکر و نظر کی بات ہے — جس نے جو عالم بنا ڈالا وہ اس کا ہو گیا

~~~~~

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر کبھی غنچہ و گل و خار پر — میں چمن میں چاہے جہاں رہوں مرا حق ہے فصلِ بہار پر
مجھے دیں نہ غیظ میں دھمکیاں گریں لاکھ بار یہ بجلیاں — مری سلطنت یہی آشیاں مری ملکیت یہی چار پر
یہ فریبِ جلوہ ہے سر بسر مجھے ڈر یہ ہے دلِ بے خبر — کہیں جم نہ جائے تری نظر انہیں چند نقش و نگار پر

~~~~~

تری خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی — یہ زندگی تو محبت کی زندگی نہ ہوئی

~~~~~

ادھر سے بھی ہے سوا کچھ ادھر کی مجبوری — کہ ہم نے آہ تو کی ان سے آہ بھی نہ ہوئی
تری نگاہِ کرم کو بھی آزما دیکھا — اذیتوں میں نہ ہونی تھی کچھ کمی نہ ہوئی
ٹھہر ٹھہر دلِ بیتاب پیار تو کر لوں — اب اس کے بعد ملاقات پھر ہوئی نہ ہوئی
گئے تھے ہم بھی جگر جلوہ گاہِ جاناں میں — وہ پوچھتے ہی رہے ہم سے بات بھی نہ ہوئی

~~~~~

کدھر سے برق چمکتی ہے دیکھیں اے واعظ — میں اپنا جام اٹھاتا ہوں تو کتاب اٹھا

~~~~~

جز عشقِ معتبر یہ کسی کو خبر نہیں — ایسا بھی حسن ہے جو بقیدِ نظر نہ ہو
سنجیدگی ہزار ہو غم سے مفر نہیں — دریا اسی میں بند ہے جو آنکھ تر نہ ہو

~~~~~

عشق ہی کے ہاتھوں میں کچھ سکت نہیں رہتی — ورنہ چیز ہی کیا ہے گوشۂ نقاب اٹھا

~~~~~

جب تک شبابِ عشق مکمل شباب ہے — پانی بھی ہے شراب ہوا بھی شراب ہے
مانوسِ التفاتِ کرم کیوں کیا مجھے — اب ہر خطائے شوق اسی کا جواب ہے
کوئی بڑھے نہ عشق میں اپنے حدود سے — جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے
اے محتسب نہ پھینک مرے محتسب نہ پھینک — ظالم شراب ہے ارے ظالم شراب ہے

~~~~~

اب بھی ہیں تیرے تصور سے وہی راز و نیاز — اپنے اجڑے ہوئے آغوشِ محبت کی قسم
اب تجھے میری محبت کا یقیں ہو کہ نہ ہو — میں نہ کھاؤں گا ترے دردِ محبت کی قسم

~~~~~

ہنسی پھر اڑنے لگی عشق کے فسانے کی — نقاب اٹھاؤ بدل دو فضا زمانے کی

~~~~~

جان کر منجملۂ خاصانِ میخانہ مجھے — مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

~~~~~

کس طرف جاؤں کدھر دیکھوں کسے آواز دوں — اے ہجومِ نامرادی جی بہت گھبرائے ہے
~~~~~

سب کچھ لٹا کے راہِ محبت میں اہلِ دل ۔۔۔ خوش ہیں کہ جیسے دولتِ کونین پا گئے

انسان کا خیال کونسی منزل نظر میں ہے ۔۔۔ صدیاں گذر گئیں کہ زمانہ سفر میں ہے

ابھی ہے دل کو مقامِ سپردگی سے گریز ۔۔۔ اِک اور بھی ہے ابھی گیسوئے عنبریں میں شکن

نظر سے حسنِ دو عالم گرا دیا تو نے ۔۔۔ نہ جانے کونسا عالم دکھا دیا تو نے
ہزار جانِ گرامی فدا بہ ایں نسبت ۔۔۔ کہ میری ذات سے اپنا پتا دیا تو نے

پھونک دے ساری غیرتِ سوزِ محبت پھونک دے ۔۔۔ اب سمجھتی ہیں وہ نظریں رحم کے قابل مجھے

زنداں میں تو مجھ کو ڈال دیا اے حاکمِ زنداں تو نے مگر
پرواز جو میری روک سکے ایسی بھی کوئی دیوار اٹھا

نظر نظر متبسم اگرچہ بے پروا ۔۔۔ نفس نفس متوجہ اگرچہ بیگانہ

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل ۔۔۔ ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

جب کوئی حادثہ کون و مکاں ہوتا ہے ۔۔۔ ذرہ ذرہ مری جانب نگراں ہوتا ہے
روح بن جاتی ہے خود نغمۂ بے ساز و صدا ۔۔۔ ختم جب معرکۂ لفظ و بیاں ہوتا ہے

گدازِ عشق نہیں کم جو میں جواں نہ رہا ۔۔۔ وہی ہے آگ مگر آگ میں دھواں نہ رہا
چمن تو برقِ حوادث سے ہو گیا محفوظ ۔۔۔ مری بلا سے اگر میرا آشیاں نہ رہا
لطیف طبع کو لازم ہے سوزِ غم بھی لطیف ۔۔۔ بلند آتشِ گل کا کبھی دھواں نہ رہا

کہاں سے بڑھ کے پہنچا ہے کہاں تک علم و فن ساقی
مگر آسودہ انساں کا نہ تن ساقی نہ من ساقی

آئی جب انکی یاد تو آتی چلی گئی ۔۔۔ ہر نقشِ ماسوا کو مٹاتی چلی گئی
اک حسنِ بے جہت کی فضائے بسیط میں ۔۔۔ اُڑتی گئی مجھے بھی اُڑاتی چلی گئی
میں تشنہ کامِ شوق تھا پیتا چلا گیا ۔۔۔ وہ مست انکھڑیوں سے پلاتی چلی گئی

اب میں ہوں اور عشق کی بیتابیاں جگر ۔۔۔ اچھا ہوا وہ نیند کی ماتی چلی گئی

آنکھ تک دل سے نہ آئے نہ زباں تک پہنچے ۔۔۔ بات جسکی ہے اسی آفتِ جاں تک پہنچے
تو مرے حالِ پریشاں پہ بہت طنز نہ کر ۔۔۔ اپنے گیسو تو ذرا دیکھ کہاں تک پہنچے

زندگی ہے مگر پرائی ہے ۔۔۔ مرگِ غیرت تری دہائی ہے
جب مسرت قریب آئی ہے ۔۔۔ غم نے کیا کیا ہنسی اُڑائی ہے
اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا ۔۔۔ کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے
ہائے وہ سبزۂ چمن کہ جسے ۔۔۔ سایۂ گل میں نیند آئی ہے

چراغ راہ کا
اسلامی قانون نمبر

بہترین مقالات نفیس مضامین اور تحقیقی و تاریخی مباحث کا وہ بیش بہا گنجینہ جو آپ اپنا جواب ہے۔ اشتہار میں اسکی رفعت و افادیت کا بیان ممکن ہی نہیں۔ چند لکھنے والوں کے نام ذیل میں دیئے جاتے ہیں جن سے آپ کچھ اندازہ فرماسکیں گے۔ صرف ہند و پاک ہی کے نہیں دیگر ممالک کے متعدد ماہرین و علماء نے بھی اسے اپنے فکر پاروں سے آراستہ کیا ہے۔ بعض سلف کے بھی بہترین جواہر پارے شامل کئے گئے ہیں۔

ڈاکٹر صبحی محمصانی
ڈاکٹر عبد القادر عودہ شہید رح
ڈاکٹر مصطفٰے احمد زرقا
ڈاکٹر محمد حمید اللہ
مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
مولانا ابوالحسن علی ندوی
مولانا عبد الماجد دریابادی
مولانا امین احسن اصلاحی
مولانا عبد الغفار حسن

الاستاذ محمد ابو زہرہ
مولانا مجیب اللہ ندوی
ابن خلدون رح
مفتی عمیم الاحسان
شاہ ولی اللہ رح
ڈاکٹر جارج وائٹ کراس پیٹن
سرالفریڈ ڈیننگ
ڈیوڈ ڈی۔ سانتی لان
پروفیسر سی اے نالینو

نقشے اور چارٹ بھی منسلک ہیں۔ ڈاکٹر اقبال کی تحریر کا عکس بھی ہے۔ تجلی سائز کے ۸۱۲ صفحات پر مشتمل دو ضخیم جلدوں کا یہ نمبر یقیناً معرکۃ الآراء کہلانے کا مستحق ہے اسی لئے اسے پاکستان سے فراہم کرنے کی دقت اُٹھائی گئی ہے۔ مکمل کی قیمت صرف آٹھ روپے۔ (رجسٹری سے طلب فرمانے والے ڈاک خرچ ملا کر دس روپے ارسال فرمائیں)

"چراغ راہ" کا سالنامہ ۶۰ء

"چراغ راہ" اپنے نمبروں کے لئے اتنی شہرت حاصل کرچکا ہے کہ اب اس کے کسی نمبر کے تفصیلی تعارف کی احتیاج نہیں۔ نثر و نظم کے بہترین جواہر پارے جمع کرنا اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس سالنامے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک درجن مشاہیر کے غیر مطبوعہ خطوط بھی شامل ہیں۔ یہی باعث ہے کہ مکتبہ تجلی باوجود دشواریوں کے چراغ راہ کے نمبر مہیا کرتا ہے۔ شائقین حاصل کرنے میں عجلت فرمائیں

قیمت ڈیڑھ روپیہ

"تجلی" کا خلافت نمبر

اس نمبر نے جتنی مقبولیت حاصل کی وہ لائق صد ہزار شکر ہے۔ پرانے قارئین تو اسے ملاحظہ فرما چکے ہیں، لیکن نئے حضرات محروم مطالعہ ہیں۔ انھیں پہلی فرصت میں حاصل کرلینا چاہئے۔ یہ اپنے جملہ مضامین خصوصاً مدیر تجلی کے مبسوط مضمون "عثمان رض" کی اہمیت و افادیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ نہ صرف پڑھا جائے بلکہ محفوظ رکھا جائے۔ قیمت ایک روپیہ۔

"تجلی" کا خاص نمبر ۵۷ء

جماعت اسلامی کے متعلق تفصیلی بحثیں۔ مولانا حسین احمد مدنی رح کے بعض فرمودات پر سیر حاصل نقد۔ نذر و نیاز، عرس، فاتحہ اور سماع موتیٰ وغیرہ کا مبصرانہ جائزہ۔ قارئین کو اس شہرہ آفاق نمبر میں شروع سے آخر تک دلچسپ و مفید مباحث ملیں گے۔

قیمت ڈیڑھ روپیہ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رح کے فرمودات

مجھے معلوم ہے کہتے ہی دل اس عنوان سے جھلا گئے
میرے رد میں جو مضامین اور کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں متعدد
جگہ یہ غصہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ شخص ابن تیمیہ ہی کا نام رٹے
جاتا ہے حالانکہ ایک ابن تیمیہ ہزاروں علماء کے مقابلہ میں
حجت نہیں ہو سکتے۔ عاجز عرض کرے گا کہ بیشک ابن تیمیہ حجت
نہیں ہیں۔ ابن تیمیہ کیا اللہ اور رسول کے سوا کوئی بھی حجت
نہیں ہے۔ بس ابن تیمیہ بھی کوئی دعویٰ کریں تو ہر زید، عمرو،
بکر کو حق حاصل ہے کہ اس کو علم و عقل کی ترازو میں تولے، اس پر
جرح کرے، اسے پرکھے اور لائق رد پائے تو اپنے قوی تر دلائل
پیش کرتے ہوئے بجوشی رد کر دے۔ میں بار بار ابن تیمیہ
کا نام اس لئے نہیں لیتا کہ لوگ رعب میں آئیں اور آنکھیں
بند کر کے بات مان لیں۔ اس لئے لیتا ہوں کہ حسین و یزید
اور علیؓ و معاویہؓ کے عنوانات سے شیعیت اور سنیت کی جو
جنگ جاری ہے اس کے سلسلہ میں ابن تیمیہ ہی وہ واحد شخص
ہیں جنھوں نے "منہاج السنۃ" جیسی بے مثال کتاب
لکھ کر دنیا سے منوالیا کہ شیعیت کی رگ رگ پہچاننے اور اسکے
زہریلے اثرات کا ازالہ کرنے میں ان سے بڑا مبصر اور محقق امت
میں کوئی نہیں گذرا ہے۔ انھوں نے "منہاج الکرامۃ" کے
رافضی مصنف کا رد کیا۔ پوری شیعی آئیڈیالوجی اور رافضی
ذہنیت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے۔ انھوں نے ایک
ایک چور دروازے کی نشاندہی کی اور عقل و نقل کے دریا
بہا دیے۔ انھوں نے منفی و مثبت ہر پہلو سے اتنے دلائل
دیے، ایسے براہین کا انبار لگایا کہ دوست دشمن کی آنکھیں کھل

گئیں۔ وہ علم و عقل کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر میدان میں کودے
اور رفض و تشیع کے دیوتے اس بے جگری، بسالت اور آن بان
کے ساتھ لڑے کہ غلغلہ مچ گیا۔ جن بیچاروں نے منہاج السنۃ
کو خود نہیں دیکھا اور سنیت کے در پردہ رفض کو تقویت دینے
والی روایات اِدھر اُدھر کی کتابوں سے جمع کر کے یہ فیصلہ سنا دیا
کہ تنہا ابن تیمیہ کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، ان ریزہ چینوں کو
کون بتلائے کہ منہاج السنۃ میں اکیلا ابن تیمیہ نہیں بول رہا
اس میں تو قرآن، حدیث، منطق، اجتہاد، قیاس، تاریخ، تمدن
جغرافیہ، استدلال، مناظرہ، سب اپنی اپنی بولی بول رہے
ہیں۔ یہاں اکیلی دکان نہیں، بھرا پُرا بازار ہے، کون کہتا ہے
کہ تم ابن تیمیہ کے مجرد قول کو سند مان لو، نہیں اللہ اور رسول
کے سوا کسی کا قول سند نہیں۔ لیکن اس کا کیا جواب دوگے
کہ ابن تیمیہ تو اللہ اور رسول کے اقوال ہی پیش کر کے اپنے
خیالات و دعاوی کا اثبات کرتا ہے، وہ اسی فکر و تدبر کے
گلدستے سے سجاتا ہے جس کا امر اللہ نے قرآن میں دیا ہے
وہ ایک ہاتھ میں قرآن و حدیث اور دوسرے میں علوم عقلیہ
کا دفتر لئے صلائے عام دیتا ہے کہ جھٹلا سکو تو جھٹلا دو ان
براہینِ قاطعہ کو اور توڑ سکو تو توڑ دو ان دلائل قطعیہ کو۔

یہ بھی غلط ہے کہ اساطینِ امت میں لے دے کے
تنہا ابن تیمیہ ہی ہیں جو رفض کی دار و گیر سے بچ نکلے، کیا امام
غزالی ڈنکے کی چوٹ نہیں کہتے کہ لعن طعن تو کجا یزید تو رحمۃ اللہ
علیہ کہنے کا مستحق ہے اور وہ ہماری دعاؤں میں شامل ہے
جو ہم مومنین کے لئے کرتے ہیں۔ نہ اس نے قتل حسین کا حکم دیا

نہ اس سے خوش ہوا، لہٰذا اس سے بدگمانی بھی نہیں رکھنی چاہئے کہ یہ کھلے حکم قرآنی کے خلاف ہے۔

کیا ابوبکر بن العربی کی العواصم من القواصم میں تم نہیں دیکھتے کہ کس طرح خرافات رفض کا رد اور کس شدت سے معاویہؓ کے مراتب عالیہ کا اقرار کیا گیا ہے۔

کیا تمہارے نزدیک یہ حقیقت ثابتہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ صحابہ کی کثیر تعداد نے یزید کی بیعت کرلی تھی اور اسپر ثابت قدم رہے تھے، حتیٰ کہ امیر المومنین عمر ابن الخطاب کے بلند مرتبہ بیٹے عبداللہ اور حبر الامت ابن عباس رضی اللہ عنہم تک نے بیعت فرمالی تھی جو ابتداءً بیعت میں متامل تھے۔

کیا تم اس مسلمہ تاریخی واقعے کو کوئی وقعت نہ دوگے کہ یزید کے بارے میں فسق وفجور کی داستانیں بیان کرکے عزم بغاوت ظاہر کرنے والوں کو حضرت علیؓ کے بڑے بھائی حضرت ابن الحنفیہؒ نے کیسی تنبیہ کی تھی، کس قطعیت کے ساتھ فرمایا تھا کہ یزید کے پاس تو میں اٹھتا بیٹھتا رہا ہوں۔ آپ تو خوب جانتا ہوں اس میں ایسا کوئی عیب نہیں، وہ تو نمازی ہے، دیندار ہے، اچھے کاموں کا شائق ہے۔

کیا انس بن مالکؓ۔ جابر بن عبداللہؓ۔ زید بن ارقمؓ سہل بن سعدؓ اور سعید خدریؓ جیسے اصحاب رسول کا یزید کو نہ صرف خلیفہ تسلیم کر لینا بلکہ یزید کے کیمپ میں شامل ہوجانا تمہارے وجدان کو یہ بتانے کو کافی نہیں کہ یزید کے فسق وفجور اور شقاوت ودنائت کے افسانے بعد میں گھڑے گئے ہیں، ورنہ رسول اللہ کے بہت سے صحابی جن کی عظمت ومرتبت اہل سنت میں مسلم ہے اور جن کی روایتیں صحاح کی جان ہیں ایسے گئے گذرے تو نہ ہوسکتے تھے کہ ایک سیاہ کار لونڈے کے ہاتھ میں اپنی زمام دیدیتے اور رسول اللہ کے عالی مرتبہ نواسے پر خوشی سے مظلومیت کا پہاڑ ٹوٹ جانے دیتے

اتنا کچھ بھی اگر یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ فسق یزید کو اجماعی عقیدہ کہنا بجکانہ ترنگ ہے اور ایسا کہنے والے حقائق کے ساتھ بے رحمانہ مذاق کر رہے ہیں تو جاؤ تم بھی انہیں لوگوں میں شامل ہوجاؤ جو یزید کی آڑ میں معاویہؓ کا شکار کر رہے ہیں جو عظمت رسول کا سب سے بڑا اور حصار صحابیت توڑ رہے ہیں جو صدیوں شیعی پروپیگنڈے سے حواس باختہ ہوکر رہ گئے ہیں۔

لمبی گفتگو جانے دیجئے۔ فی الوقت میرے پیش نظر زیادہ کچھ نہیں کہ منہاج السنۃ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کچھ فرمودات نقل کردوں۔ ہو یہ رہا ہے کہ بعض وہ لوگ جو ابن تیمیہ کی رفعت وعظمت کا انکار نہیں کرسکتے ان کے چند فقرے نقل کرکے ایسے خیالات ان کی طرف منسوب کرتے ہیں جو فی الحقیقت ان کے خیالات نہیں ہوتے بلکہ یہ اپنی زبان ان کے منہ میں ڈال جاتے ہیں۔ اس قبیح صورت کا علاج اسی طرح ہوسکتا ہے کہ حسین ویزید کی بحث سے متعلق منہاج السنۃ سے اتنے بڑے بڑے پیرے جوں کے توں نقل کردئے جائیں کہ شیخ الاسلام کا مسلک وموقف مکمل سامنے آجائے اور اصحاب غرض کے لئے دسیسہ کاریوں کی گنجائش نہ رہے۔ وباللہ التوفیق۔

ہوسکتا ہے کسی عباسی یا عثمانی نے کچھ باتیں ایسی کہی ہوں جو ابن تیمیہ کے خیالات سے کہیں کہیں ٹکراتی یا اس حد سے آگے کی خبر لاتی ہوں جس حد تک ابن تیمیہ ہیں تو اس کی ذمہ داری اسی کے سر ہے، وہی مسئول ہے اسی سے پوچھا جائے کہ تمہارے دلائل کیا ہیں۔ آپ تو فی الحال ابن تیمیہ کے ارشادات غور سے پڑھئے اور پھر ان دو کتابوں کی گہرائی ناپئے جن میں شاعرانہ قسم کی مدحت اور حب علیؓ کے تحت کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا جمع کرکے یزید کا مینار بنایا گیا ہے۔ اور کہیں برملا، کہیں ڈھکے چھپے فرمایا گیا ہے کہ ایک معاویہؓ ہی نہیں مقبول صحابہ کی ایک کھیپ یزید گردی میں گمراہ ہوگئی۔ ونعوذ باللہ من ذلک

یہ المیہ بھی ایک تاریخی اعجوبہ سے کم نہیں کہ جن باطل خیالات وعقائد کو ابن تیمیہ نے قال الرافضی کہہ کر نقل کیا تھا اور پھر اہل حق کی طرف سے ان کا دندان شکن جواب دیا تھا انہی میں سے بعض خیالات وعقائد آج کتنے ہی حامیان حق اور اعیان اہل سنت کی طرف سے نشر ہو رہے ہیں لہٰذا

ان کے جواب میں ابن تیمیہ کے فرمودات نقل کر رہا ہے۔

ابن تیمیہ آج ہوتے تو سر ہی پیٹ لیتے ؎

خیر منہاج السنتہ کے جس نسخے سے میں اقتباس دے رہا ہوں اس کا تفصیلی تعارف یہ ہے

الطبعۃ الاولیٰ بالمطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ ببولاق مصر المحمیۃ سنۃ ۱۳۲۲ھ جس پر بانقسو الذہبی جلد ۲ کا ص ۲۴۱ ملاحظہ ہو۔

ابن تیمیہ پہلے بتاتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمرؓ۔ سعید بن المسیبؒ۔ علی بن الحسینؒ۔ حسن بصریؒ۔ طلق بن حبیبؒ اور مجاہدؒ وغیرہم نے خروج اور قتال فی الفتنۃ سے منع فرمایا ہے اور اس بارے میں رسول اللہ سے صحیح اور ثابت شدہ احادیث مروی ہونے کے باعث اہل سنت ترک قتال کو ایک طے شدہ فیصلہ قرار دیتے ہیں اور ان کا یہ خیال محض خیال ہی نہیں ہے بلکہ اسے وہ بطور عقیدہ بیان کرتے ہیں اور ستم کیش بادشاہوں کے جبر و ظلم پر صبر اور ترک قتال کی تلقین کرتے ہیں۔ اور جس شخص کی نظر رسول اللہ کی احادیث صحیحہ ثابتہ پر ہے۔ اور اہل نظر کا سا انداز فکر رکھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اس بارے میں بہت سی نصوص وارد ہیں۔ آگے

ولہذا لما اراد الحسین رضی اللہ عنہ ان یخرج الی اہل العراق لما کاتبوہ کتبا کثیرۃ اشار علیہ افاضل اہل العلم والدین کابن عمر وابن عباس وابی بکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام ان لا یخرج وغلب علی ظنہم انہ یقتل حتی ان بعضہم قال استودعک اللہ من قتیل وقال بعضہم لولا الشناعۃ لامسکتک ومنعتک من الخروج وہم بذلک قاصدون نصیحۃ طالبون لمصلحتہ ومصلحۃ المسلمین واللہ ورسولہ انما یامر بالصلاح لا بالفساد لکن الرأی یصیب ویخطئ اخریٰ فتبین ان الامر علی ما قالہ اولئک اذ لم یکن فی الخروج مصلحۃ لا فی دین ولا فی دنیا بل تمکن اولئک الظلمۃ الطغاۃ من سبط رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی قتلوہ مظلوماً شہیداً وکان خروجہ وقتلہ من الفساد ما لم یکن یحصل لو قعد فی بلدہ فان ما قصدہ من تحصیل الخیر ودفع الشر لم یحصل منہ شیء بل زاد الشر بخروجہ وقتلہ ونقص الخیر بذلک وصار سبباً لشر عظیم وکان قتل الحسین مما اوجب الفتن کما کان قتل عثمان مما اوجب الفتن وہذا کلہ مما یبین ان ما امر بہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الصبر علی جور الائمۃ وترک قتالہم والخروج علیہم ہو اصلح الامور للعباد فی المعاش والمعاد وان من خالف ذلک متعمداً او مخطئاً لم یحصل بفعلہ صلاح بل فساد ولہذا اثنی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی الحسن بقولہ ان ابنی ہذا سید وسیصلح اللہ بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین ولم یثن علی احد لا بقتال فی فتنۃ ولا بخروج علی الائمۃ ولا بنزع ید من طاعۃ ولا بمفارقۃ الجماعۃ واحادیث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الثابتۃ فی الصحیح کلہا تدل علی ہذا۔

ترجمہ :-

اور اسی لئے جب حسین رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر اہل عراق کے پاس جانے کا ارادہ کیا کہ انھوں نے بہت سارے خطوط لکھے تھے تو ابن عمر اور ابن عباس اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم جیسے ممتاز ترین اہل علم نے مشورہ دیا کہ آپ مقابلہ کے لئے نہ نکلیں۔ ان حضرات کو غالب گمان تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ قتل کر دئے جائینگے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے یہ الفاظ کہے۔

"اے مقتول! ہم تجھے اللہ کے سپرد کرتے ہیں"۔

اور بعض نے کہا کہ اگر بے ادبی نہ ہوتی تو ہم آپ کو ٹھیرنے پر مجبور کرتے اور خروج سے روکتے۔ اس کہنے سے ان کی نیت خیر خواہی کی تھی کہ وہ خود حسین رضی اللہ عنہ اور عامۃ المسلمین کی بھلائی چاہتے تھے۔ اور خدا و رسول بھی امن ہی کا حکم دیتے ہیں فساد کا نہیں۔ لیکن انسان کی رائے کبھی صحیح ہوتی ہے کبھی غلط

انجام کار ظاہر ہو گیا کہ رائے انھی لوگوں کی درست تھی جو خروج سے روک رہے تھے۔ کیونکہ خروج سے کچھ بھی فائدہ نہ نکلا نہ دین کا نہ دنیا کا۔ الٹا نقصان یہ ہوا کہ سنگدل ظالموں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے پر قابو پا لیا۔ یہانتک کہ انھیں حالت مظلومیت میں شہید کر دیا۔ اور حسین رضی اللہ عنہ کے خروج اور قتل سے ایسے فساد نے جنم لیا کہ اگر حسین رضی اللہ عنہ اپنے شہر ہی میں بیٹھے رہتے تو یہ فساد جنم نہ لیتا۔ کیا شک ہے کہ آپ نے حصول خیر اور دفع شر کا جو ارادہ فرمایا تھا۔ اس کا ادنیٰ حصہ بھی حاصل نہ ہوا بلکہ خروج اور قتل کے نتیجے میں شر اور بڑھ گیا اور خیر میں کمی آگئی اور یہ خروج و قتل شر عظیم کا سبب بن گیا قتل حسین تھا بھی ان امور میں جو فتنے کو ناگزیر بنا دیتے ہیں جیسا کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ نے فتنوں کا دروازہ کھول دیا تھا اور یہی سب کچھ) وہ ہے جو واضح کر دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ کے ظلم پر صبر کرنے۔ ان سے قتال نہ کرنے اور ان کے خلاف بغاوت سے باز رہنے کا جو حکم صادر فرمایا وہی بندوں کی دنیاوی اور اخروی دونوں زندگیوں کے لئے سب سے زیادہ صلاح و فلاح کا ضامن ہے۔ اور جس نے اس حکم کی خلاف ورزی کی چاہے قصداً یا سہواً اس کے فعل و عمل سے کچھ بھی بھلائی ظہور میں نہ آئی بلکہ فتنہ و فساد پیدا ہوا۔ اسی لئے اللہ کے رسول نے بایں قول حسن رضی اللہ عنہ کی تعریف کی ہے کہ "میرا یہ بیٹا سردار ہے اور عنقریب اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائیگا" اسکے برخلاف حضور نے کسی کی بھی تعریف اس فعل کے لئے نہیں کی کہ وہ قتال کرے گا فتنے میں یا خروج کریگا ائمہ پر یا اطاعت امیر سے نکل جائے گا یا جماعت سے کٹ جائے گا۔

اور رسول اللہ سے جتنی بھی حدیثیں بروایات صحیحہ ثابت ہیں سب کی سب اسی پر دلالت کرتی ہیں۔

پھر ص۲۴۷ و ص۲۴۸ پر فرماتے ہیں

وصار الناس فی قتل الحسین رضی اللہ عنہ ثلاثۃ اصناف طرفین و وسطا اھل الطرفین یقول احدہما انہ قتل بحق فانہ اراد ان یشق عصا المسلمین ویفرق الجماعۃ وقد ثبت فی الصحیح عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ انہ قال من جاءکم وامرکم علی رجل واحد یرید ان یفرق جماعتکم فاقتلوہ قالوا والحسین جاء وامر المسلمین علی رجل واحد فاراد ان یفرق جماعتہم وقال بعض ھؤلاء ھو اول خارج خرج فی الاسلام علی ولاۃ الامر والطرف الآخر قالوا بل کان ھو الامام الواجب طاعتہ الذی لا ینفذ امر من امور الاسلام الا بہ ولا تصلی جماعۃ ولا جمعۃ الا خلف من یولیہ ولا یجاھد عدو الا باذنہ ونحو ذلک (و الوسط) فھم اھل السنۃ الذین لا یقولون ھذا ولا ھذا بل یقولون قتل مظلوماً شھیداً ولم یکن متولیاً امر الامۃ والحدیث المذکور لا یتناولہ لما بلغہ ما فعل بابن عمہ مسلم بن عقیل ترک الامر وطلب ان یذھب الی یزید او الی الثغر او بلدہ فلم یمکنوہ وطلبوا منہ ان یستاثر لھم وھو لم یکن واجب علیہ۔

ترجمہ:-

اور قتل حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں کے تین گروہ ہو گئے ہیں۔ دو جانبین کے طرفدار اور ایک درمیان کا۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ حسین برحق قتل کئے گئے۔ کیونکہ انھوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور جماعت میں تفرقہ ڈالنے کا ارادہ کیا تھا۔ رسول اللہ سے بارہا یہ صحیح ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا "جو شخص تمہارے پاس یہ ارادہ لیکر آئے کہ تمہاری جماعت میں تفریق ڈالے درانحالیکہ تمہارا نظام حکومت کسی ایک شخص کے زیر امارت آچکا ہو تو اسے قتل کر ڈالو"۔ مذکورہ گروہ کہتا ہے کہ حسین پر یہ حدیث بالکل صادق آتی ہے۔ وہ تفریق کا ارادہ لئے ہوئے آئے حالانکہ زمام امارت ایک شخص کے ہاتھ میں آچکی تھی۔ اس گروہ کے بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ حسین ہی وہ پہلے خروج کرنے والے ہیں جنھوں نے اسلامی والیوں کے خلاف خروج کیا۔

دوسرا انتہا پسند گروہ کہتا ہے کہ خود حسین ہی

واجب الاطاعت امام تھے جس کی ذات سے امور ایمان کا نفاذ ہوتا ہے اور جماعت سے تمام نمازیں اور نماز جمعہ اسی شخص کے پیچھے پڑھی جاتی ہیں جو (صحیح) امام ہو اور دشمن پر جہاد بھی بغیر اس کے حکم کے نہیں ہو سکتا۔ وغیرہ ذلک۔

تیسرا درمیانی گروہ۔ جو فی الحقیقت اہل سنت کا گروہ ہے۔ ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں کہتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ حسین مظلوم قتل کئے گئے اور شہید ہوئے۔ لیکن وہ امارت کے متولی نہیں تھے۔ اور ترد بیعت کرنے والے کو قتل کر دینے کے حکم پر مشتمل مذکورہ حدیث ان کو شامل نہیں ہے کیونکہ جب انھیں یہ اطلاع پہنچی کہ ان کے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا تو انھوں نے خلافت کا ارادہ ترک کر دیا اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ ان کو یزید کے پاس یا کسی سرحد پر اپنے شہر کی طرف جانے دیا جائے جس کا ان لوگوں نے ان کو موقع نہ دیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ خود کو ہمارا قیدی بنا دو اور یہ (قیدی بن جانا) ان پر واجب نہ تھا۔

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں ص ۲۴۸ و ص ۲۴۹

والذین نقلوا مصرع الحسین زادوا اشیاء من الکذب کما زادوا فی قتل عثمان وکما زادوا فیما یراد تعظیمہ من الحوادث وکما زادوا فی المغازی والفتوحات وغیر ذلک والمصنفون فی اخبار قتل الحسین منھم من ھو من اھل العلم کالبغوی وابن ابی الدنیا وغیرھما ومع ذلک فیما یروونہ آثار منقطعۃ وامور باطلۃ واما ما یرویہ المصنفون فی المصرع بلا اسناد فالکذب فیہ کثیر والذی ثبت فی الصحیح ان الحسین لما قتل حمل راسہ الی قدام عبید اللہ بن زیاد وانہ نکت بالقضیب علی ثنایاہ وکان بالمجلس انس بن مالک رضی اللہ عنہ وابو برزۃ الاسلمی ففی صحیح البخاری عن محمد بن سیرین عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال اتی عبید اللہ بن زیاد براس الحسین فجعل فی طست فجعل ینکت وقال فی حسنہ شیئا فقال انس کان اشبھھم برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکان مخضوبا بالوسمۃ وفیہ ایضا عن ابی نعیم قال سمعت ابن عمر وسالہ رجل عن المحرم یقتل الذباب فقال یا اھل العراق تسألونی عن قتل الذباب وقد قتلتم ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھما ریحانتای من الدنیا وقد روی باسناد مجھول ان ھذا کان قدام یزید وان الراس حمل الیہ وانہ ھو الذی نکت علی ثنایاہ وھذا مع انہ لم یثبت ففی الحدیث ما یدل علی انہ کذب فان الذین حضروا نکتہ بالقضیب من الصحابۃ لم یکونوا بالشام وانما کانوا بالعراق والذی نقلہ غیر واحد ان یزید لم یامر بقتل الحسین ولا کان لہ غرض فی ذلک بل کان یختار ان یکرمہ ویعظمہ کما امرہ بذلک معاویۃ رضی اللہ عنہ ولکن کان یختار ان یمتنع من الولایۃ والخروج علیہ فلما قدم الحسین وعلم ان اھل العراق یخذلونہ ویسلمونہ طلب ان یرجع الی یزید او یرجع الی وطنہ او یذھب الی الثغر فمنعوہ من ذلک حتی یستاسر فقاتلوہ حتی قتل مظلوما شہیدا رضی اللہ عنہ وان خبر قتلہ لما بلغ یزید واھلہ ساءھم ذلک وبکوا علی قتلہ وقال یزید لعن اللہ ابن مرجانۃ یعنی عبید اللہ بن زیاد اما واللہ لو کان بینہ وبین الحسین رحم لما قتلہ وقال کنت ارضی من طاعۃ اھل العراق بدون قتل الحسین وانہ جھز اھلہ باحسن الجھاز وارسلھم الی المدینۃ لکنہ مع ذلک ما انتصر للحسین ولا امر بقتل قاتلہ ولا اخذ بثارہ واما ما ذکروہ من سبی نسائہ والدوران بھن فی البلدان وحملھن علی الجمال بغیر اقتاب فھذا کذب وباطل ما سبی المسلمون وللہ الحمد ھاشمیۃ قط ولا استحلت امۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سبی بنی

حاشیہ رقط :-

ترجمہ :-

اور حسین کا واقعۂ شہادت نقل کرنے والوں نے اسی طرح بہت کچھ دروغ وافترا کا اضافہ کر دیا ہے جس طرح قتل عثمان کے بارے میں کیا تھا اور جس طرح عالمی تغیرات کے وقوع کی روایات میں کچھ باتوں کا اضافہ کر دیا جن سے حسینؓ کی عظمت قائم کرنا مقصود تھی اور جس طرح کہ مغازی اور فتوحات میں لوگوں نے اضافے کر ڈالے۔ وغیر ذلک

اور قتل حسین کی خبریں بیان کرنے والے مصنفوں میں اگرچہ بغوی اور ابن ابی الدنیا جیسے اہل علم بھی ہیں لیکن اسکے باوجود ان کی مرویات میں راویوں کی درمیانی کڑیاں غائب ہیں اور باطل امور ملتے ہیں۔ رہے وہ عام مصنفین جنھوں نے اس المیہ کے بارے میں بے سند روایتیں اڑائی ہیں ان میں تو جھوٹ بہت زیادہ ہے اور جو کچھ صحت کے ساتھ ثابت ہے وہ صرف یہ ہے کہ جب حسین قتل ہو گئے تو ان کا سر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لیجایا گیا۔ اس نے ان کے دانتوں پر چھڑی سے ٹھونکا مارا۔ اس موقع پر انس بن مالکؓ اور ابو برزہ اسلمیؓ بھی موجود تھے۔ پس صحیح بخاری میں محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حسین کا سر ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تو اسے طشت میں رکھوایا گیا اور ابن زیاد نے ٹھونکا مارنے کی حرکت کی اور آپ کے حسن کے بارے میں کچھ مذمت آمیز بات کہی تو اس پر انسؓ نے کہا کہ حسین اور سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صوری مشابہت رکھتے تھے۔ اور حسین اس وقت وسمہ[1] کا خضاب لگائے ہوئے تھے۔

اور اس سلسلہ میں ابراہیم سے روایت ہے کہ میں نے سنا ہے کسی شخص نے ابن عمر سے پوچھا کہ احرام باندھنے والا مکھی مار سکتا ہے یا نہیں؟ ابن عمر نے بگڑ کر فرمایا۔ اے اہل عراق! تم مجھ سے مکھی مارنے کا مسئلہ پوچھنے آئے ہو! حالانکہ تم ہی ہو جو رسول اللہ کی صاحبزادی کے بیٹے کو قتل کر چکے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حسن و حسین کے بارے میں) فرمایا تھا۔ وہ دونوں دنیا میں سے میرے لئے دو پھول ہیں۔ اور پہلا کے ساتھ یہ بات بھی روایت کی گئی ہے کہ یہ گفتگو یزید کے ہوئی تھی اور یہ کہ یہ سر حسین کا لانا در اصل یزید کے آگے ہوا اور اسی نے دانتوں پر چھڑی ماری تھی۔ مگر یہ روایت ا ثابت نہیں ہے، پھر خود اسی کے مضمون میں وہ چیز مو جو اس کے کذب و باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ چھ مارنے کے وقت جن صحابہ کی موجودگی بتائی جاتی ہے وہ میں تھے ہی نہیں (جہاں یزید تھا) بلکہ عراق میں تھے (ج ابن زیاد تھا)

اور جو بات ایک سے زیادہ راویوں سے منقول ہے یہ ہے کہ یزید نے نہ قتل حسین کا حکم دیا نہ یہ اس کا مطمح نظر بلکہ وہ تو حسین کی تکریم و تعظیم چاہتا تھا جیسا کہ اس کے بار معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا حکم دیا تھا۔ البتہ یہ بھی وہ چ تھا کہ حسین حصول خلافت کی کوششوں سے رک جائیں خروج نہ کریں۔ پس جب حسین آگے بڑھ آئے اور جان لیا عراق ان کو رسوا کریں گے اور (پکڑ کر) یزید کے سپرد کر دیں تو خواہش کی کہ یا تو مجھے یزید کے پاس جانے دیں، یا اپنے لوٹنے دیں، یا سرحد پر جانے دیں — حریف نے ان میں کوئی بات نہیں مانی اور کہا کہ پہلے خود کو ہماری حراست میں د (پھر بات ہو گی) اس پر حسین نے مقابلہ کیا اور بحالت مظلومی ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

اور قتل حسین کی خبر جب یزید اور اس کے گھر والوں کو تو انھیں صدمہ ہوا اور رونے لگے۔ اور یزید نے کہا کہ اللہ کی لع ہو ابن مرجانہ یعنی عبید اللہ بن زیاد پر۔ خدا کی قسم اگر حسین ا رشتہ دار ہوتے تو وہ انھیں قتل نہ کرتا۔ میں تو اہل عراق کی او سے بغیر قتل حسین کے بھی خوش ہو سکتا تھا۔ اور اس نے ح کے باقی ساتھیوں کو عمدہ ساز و سامان دیکر مدینہ بھجوایا لیکن ان امور کے باوجود یزید نے حسین کی طرفداری نہیں ان کے قاتل کو قتل کرنے کا فرمان جاری نہیں کیا اور ان کو سے کوئی بدلہ نہیں لیا۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ وہ تما دروغ و افترا ہے جو اس سلسلہ میں کہی جاتی ہیں کہ یزید نے ...

---

[1] یعنی نیل یا مہندی کی طرح کا ایک درخت ہوتا ہے۔

خواتین کو قید کر لیا۔ انھیں شہروں میں سرگرداں پھرایا اور اونٹوں پر بغیر کجاووں کے بٹھایا۔ یہ سب جھوٹ اور لغو ہے الحمد للہ کہ ہاشمی عورتوں کو قیدی بنا لینے کی حرکت مسلمانوں نے کبھی نہیں کی اور بنیو ہاشم کو غلام بنانا امت نے کبھی حلال قرار دیا۔ (ص ۲۴۶ و ص ۲۴۷)

الناس فی یزید طرفان ووسط قوم یعتقدون انہ من الصحابۃ ومن الخلفاء الراشدین المھدیین ومن الانبیاء وھذا کلہ باطل وقوم یعتقدون انہ کافر منافق فی الباطن وانہ کان لہ قصد فی اخذ ثار کفار اقاربہ من اھل المدینۃ وبنی ھاشم وانہ انشد

لما بدت تلک الحمول واشرفت تلک الرؤس علی ربی جیرونی
نعق الغراب فقلت نح اولا تنح فلقد قضیت من النبی دیونی

وانہ تمثل بشعر ابن الزبعری

لیت اشیاخی ببدر شھدوا جزع الخزرج من وقع الاسل
قد قتلنا القرن من ساداتھم وعدلناہ ببدر فاعتدل

وکلا القولین باطل یعلم بطلانہ کل عاقل فان الرجل ملک من ملوک المسلمین وخلیفۃ من الخلفاء الملوک لا ھذا ولا ھذا

ترجمہ:-

یزید کے بارے میں تین طرح کے لوگ ہیں۔ دو انتہا پر اور ایک وسط میں۔ ایک گروہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یزید صحابی تھا یا خلفائے راشدین میں سے تھا یا نبی تھا۔ اور یہ سب کا سب باطل ہے۔ اور ایک گروہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ کافر تھا اور اندرونی طور پر منافق تھا۔ اور قتل حسینؓ و مدینے کے قتل عام سے اس کا منشا یہ تھا کہ اپنے ان کافر رشتہ داروں کے قتل کا بدلہ چکائے جو پچھلی جنگوں میں (بدر و احد وغیرہ میں) اہل مدینہ اور بنی ہاشم کے ہاتھوں قتل ہوئے، اور اس نے یہ شعر پڑھے تھے۔

"جب یہ سواریاں نمودار ہوئیں اور یہ سر جیرون کی بلندیوں پر ابھرے تو کوا کائیں کائیں کر اٹھا۔ اس پر میں نے کہا تو ماتم و بین کر یا نہ کر میں نے تو نبیؐ سے اپنا حساب پورا پورا چکتا کر لیا۔"

نیز اس نے (یزید نے) ابن الزبعری کے مندرجہ ذیل اشعار بھی تمثیلاً پڑھے تھے۔

"کاش کہ میرے وہ بزرگ جو بدر میں موجود تھے آج دیکھتے کہ نیزوں کی مار سے خزرج کیسے سراسیمہ اور خوف زدہ ہیں۔ ہم نے ان کے اعلیٰ درجہ کے سرداروں کو مار ڈالا اور بدر کا پورا پورا بدلہ لے لیا۔"

یہ دونوں ہی قول (یعنی غیر معمولی فضل یزید کا اور اس کے کفر و نفاق کا) اتنے غلط ہیں کہ ہر ہوشمند ان کے بطلان سے واقف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یزید مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اور دنیا دار خلفا میں سے ایک خلیفہ تھا۔ نہ ایسا تھا نہ ویسا۔

ص ۲۵۶

(واما الحدیث رواہ) ان قاتل الحسین فی تابوت من نار علیہ نصف عذاب اھل النار وقد شدت یداہ ورجلاہ بسلاسل من نار ینکس فی النار حتی یقع فی قعر جہنم ولہ ریح یتعوذ منہ اھل النار الی ربھم من شدۃ نتن ریحہ وھو فیھا خالد الی آخرہ فھذا من احادیث الکذابین الذین لا یستحیون من المجازفۃ فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فھل یکون علی واحد نصف عذاب اھل النار ویقدر نصف عذاب النار واین عذاب آل فرعون وآل المائدۃ والمنافقین وسائر الکفار واین قتلۃ الانبیاء وقتلۃ السابقین الاولین وقاتل عثمان اعظم اثما من قاتل الحسین فھذا الغلو الزائد یقابل بغلو الناصبۃ الذین یزعمون ان الحسین کان خارجیا وانہ کان یجوز قتلہ لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اتاکم وامرکم علی رجل واحد یرید ان یفرق جماعتکم فاضربوا عنقہ بالسیف کائنا من کان رواہ مسلم واھل السنۃ والجماعۃ یردون غلو ھؤلاء وھؤلاء ویقولون ان الحسین

قتل مظلوما شهیدا والذین قتلوه کانوا ظالمین معتدین واحادیث النبی صلی الله تعالی علیه وسلم التی یامر فیها بقتل المفارق للجماعة لم تتناوله فانه رضی الله عنه لم یفارق الجماعة ولم یقتل الا وهو طالب الرجوع الی بلده او الی الثغر او الی یزید داخلا فی الجماعة معرضا عن التفریق بین الامة ولو کان طالب ذلك اقل الناس لوجب اجابته الی ذلك فکیف لا تجب اجابة الحسین الی ذلك ولو کان الطالب لهذه الامور من هو دون الحسین لم یجز حبسه ولا امساکه فضلا عن اسره وقتله (وکذلك قوله) اشتد غضب الله وغضبی علی من اراق دم اهلی واذانی فی عترتی کلام لا ینقله عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم ولا ینسبه الیه الا جاهل فان العاصم لدم الحسن والحسین وغیرهما من الایمان التقوی اعظم من مجرد القرابة ولو کان الرجل من اهل بیت النبی صلی الله تعالی علیه وسلم واتی بما یبیح قتله او قطعه کان ذلك جائزا باجماع المسلمین کما ثبت فی الصحیح انه قال انما اهلك من کان قبلکم انهم کانوا اذا سرق فیهم الشریف ترکوه واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحد وایم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها فقد ذکر ان اعز الناس علیه من اهله لو اتی بما یوجب الحد لاقامه علیه فلو زنی الهاشمی وهو محصن رجم حتی یموت باتفاق علماء المسلمین ولو قتل نفسا عمدا عدوانا متعمدا لجاز قتله به وان کان المقتول من الحبشة او الروم او الترك او الدیلم فان النبی صلی الله تعالی علیه وسلم قال المسلمون تتکافأ دماؤهم فدماء الهاشمیین وغیر الهاشمیین سواء اذا کانوا احرار المسلمین باتفاق الامة فلا فرق بین اراقة الدم الهاشمی وغیر الهاشمی اذا کان بحق فکیف یخص النبی صلی الله تعالی علیه وسلم اهله بان یشتد غضب الله علی من اراق دماءهم فان الله حرم قتل النفس الا بحق فالمقتول بحق لم یشتد غضب الله علی من قتله سواء کان المقتول هاشمیا او غیر هاشمی او قتل بغیر حق فمن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فیها وغضب الله علیه ولعنه واعد له عذابا عظیما فالعاصم للدم والمبیح لها یشترك فیه بنو هاشم وغیرهم فلا یضیف مثل هذا الکلام الی رسول الله تعالی علیه وسلم الا منافق یقدح فی نبوته او جاهل لا یعلم العدل الذی بعث به صلی الله تعالی علیه وسلم وکذلك قوله من اذانی فی عترتی فان ایذاء رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم حرام فی عترته وامته وسنته وغیر ذلك وبالله التوفیق۔

ترجمہ :۔

اور یہ حدیث جو روایت کی جاتی ہے کہ (رسول اللہؐ نے فرمایا) حسین کا قاتل آگ کے تابوت میں قید ہوگا۔ اس پر تمام جہنمی لوگوں کے کل عذاب کا آدھا عذاب ہوگا۔ اس کے ہاتھ پاؤں آتشیں زنجیروں سے جکڑے جائیں گے۔ اسے آگ میں اوندھا اتارا جائے گا۔ یہاں تک کہ جہنم کی تہہ میں پہونچ جائیگا اسے ایسی سخت بدبو پہنچے گی کہ تمام اہل نار اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہوں گے۔ اور یزید وہاں ہمیشہ ہمیشہ عذاب جھیلتا رہے گا۔

تو یہ حدیث ان حدیثوں میں سے ہے جنھیں ان بیحیاؤں نے گھڑ رکھا ہے جنھیں اللہ کے رسول پر بھی تہمت باندھتے شرم نہ آتی۔ توبہ توبہ کہاں ایک حقیر آدمی کہاں اہل نار کا نصف عذاب ذرا بتاتا تو وہ عذاب کدھر گیا جو آل فرعون اور آل مائدہ اور منافقین اور جملہ کفار کو دیا جائے گا؟ اور وہ عذاب کدھر گیا جو انبیاء علیہم السلام اور سابقون الاولون کے قاتلوں کا حصہ درانحالیکہ قاتلِ عثمان کا گناہ تو قاتل حسین کے گناہ سے کہیں بڑا ہے۔ الحاصل یہ سب فضول کی مبالغہ آرائیاں ہیں جو ا

لوگوں کے مقابلہ میں گھڑی گئی ہیں جن کا گمان تھا کہ حسین خارجی تھے اور ان کا قتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے جائز تھا کہ "لوگو! جب تمہارے نظام مملکت پر ایک شخص متمکن ہو چکا ہو تو اس شخص کی گردن اڑا دو جو تمہارے پاس تفریق جماعت کی اسکیم لے کر آئے چاہے وہ کوئی بھی ہو"۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔ لیکن اہل سنت دونوں ہی طرح کی مبالغہ آرائیوں کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حسین مظلوم شہید ہوئے اور جن لوگوں نے انھیں شہید کیا وہ ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ اور رسول اللہ کی جو احادیث فارق للجماعت کے حکم قتل کی آئی ہیں وہ حسینؓ کو شامل نہیں ہیں کیونکہ حسین رضی اللہ عنہ جماعت سے الگ نہیں ہوئے اور ایسی حالت میں قتل کئے گئے جبکہ (خروج اور طلب خلافت پر مُصر ہونے کی بجائے) انھوں نے خواہش کی تھی کہ وہ اپنے شہر لوٹ جائیں یا کسی سرحدی مقام پر چلے جائیں یا یزید کے پاس پہنچا دئے جائیں۔ اس طرح وہ تفریق بین الامت سے احتراز کرتے ہوئے جماعت ہی میں داخل تھے۔ انکی یہ خواہش ایسی تھی کہ وہ تو وہ کوئی معمولی آدمی بھی اس کا اظہار کرتا تو اسے قبول کر لینا چاہئے تھا اور حسینؓ سے بہت کم درجے کے آدمی کو بھی اس خواہش کے اظہار کے بعد پابند کرنا اور روک رکھنا جائز نہیں تھا چہ جائیکہ قید اور قتل کرنا۔

اور اسی طرح یہ روایت بھی لغو اور باطل ہے جو بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا "جس نے میرے اہل کا خون بہایا اور میرے خاندان سے بدسلوکی کر کے مجھے اذیت دی اس پر میرا اور اللہ کا سخت غصہ ہوگا"۔ اس قول کو رسول اللہ کی طرف سوائے جاہل کے کوئی منسوب نہیں کر سکتا کیونکہ حسن ہوں یا حسین یا کوئی اور اس کے خون کی حرمت و حفاظت کا منشا محض رشتہ داری نہیں بلکہ ایمان ہے اور تقویٰ بہ نسبت قرابت کے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اگر اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں کا کوئی فرد ایسا فعل کر گذرے جس پر شرعاً اس کا قتل یا ہاتھ کاٹنا جائز ہو جائے تو عام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حکم شریعت نافذ کیا جائے گا۔ جیسا کہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ "تم سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے برباد کیا کہ جب ان کا کوئی معزز آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیا جاتا تھا اور کمزور آدمی کرتا تھا تو اس پر سزا جاری کی جاتی تھی، خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرے تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا"

اس ارشاد گرامی سے رسول اللہ نے واضح فرما دیا کہ اگر اہل بیت ہی میں سے کوئی محبوب ترین فرد بھی ایسا فعل کرے گا جس پر شریعت نے حد مقرر کی ہے تو وہ حد اس پر جاری کر دی جائے گی۔ زنا کرنے والا چاہے ہاشمی ہی کیوں نہ ہو اگر محصن ہے تو اتنا سنگسار کیا جائے گا کہ مر جائے، بالاتفاق۔ اور اگر اہل بیت ہی کا کوئی معزز ترین فرد کسی شخص کو جان بوجھ کر ناحق قتل کر ڈالے تو قصاص میں اس کا قتل جائز ہوگا، مقتول حبشی یا رومی یا ترکی یا دیلمی ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ کے رسول نے فرمایا ہے کہ جملہ مسلمانوں کے خون کی حرمت یکساں ہے، پس ہاشمی اور غیر ہاشمی کے خون میں بالاتفاق کچھ فرق نہیں جبکہ دونوں آزاد مسلمان ہوں، ہاشمی اور غیر ہاشمی کے خون بہانے کا معاملہ جب یکساں ٹھیرا تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اللہ کے رسول یہ کہکر اپنے اہل کے خون کی تخصیص فرماتے کہ اس پر اللہ کا سخت غصہ ہوگا جو میرے اہل کا خون بہائے گا اللہ نے تو ہر ایک انسان کے ناحق قتل کو حرام ٹھیرایا ہے (اہل بیت کی خصوصیت کیا) جو شخص شرعی اعتبار سے واجب القتل ہو اسکے قاتل پر اللہ کا غصہ ہرگز نہیں ہوگا چاہے مقتول ہاشمی ہو یا غیر ہاشمی اور اگر ناحق کسی شخص کو قتل کر دیا تو اللہ نے فرمایا ہی ہے کہ جس شخص نے کسی مومن کو جان بوجھ کر ناحق قتل کر دیا اسکی سزا جہنم ہے جہاں وہ پڑا رہیگا اور اللہ کا غصہ اور لعنت ہوگی اسپر اور اللہ نے اسکے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پس خون کی حرمت و حلت کے باب میں بنو ہاشم اور غیر بنو ہاشم سب برابر ہیں لہذا جو شخص ایسا ناقص کلام اللہ کے رسول سے منسوب کرے وہ منافق ہی ہو سکتا ہے جسکی نیت نبیؐ کی ذات گرامی پر کیچڑ اچھالنے کی ہو یا پھر وہ جاہل ہو سکتا ہے جسے اس بیلاگ انصاف کی خبر ہی نہیں جسے دیکر اللہ نے رسول اللہ کو مبعوث فرمایا۔ رہا "من اذانی فی عترتی" تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ رسول اللہ کو ایذا پہنچانا تو بہرحال میں حرام ہی ہے خواہ انکے خاندان سے بدسلوکی کر کے ہو یا انکی امت کو ستا کر ہو یا انکی سنت کیخلاف چل کر ہو وغیرہ۔

چند تعزیتی خطوط

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ــــ بنام عامر عثمانی

محترمی ومکرمی! ــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ میں تعزیت کا تار بھیجنے کے ساتھ آپ کو خط بھی لکھنا چاہتا تھا۔ مگر پتہ معلوم نہ تھا۔ اس انتظار میں تھا کہ غلام محمد صاحب سے پتہ معلوم کر لوں تو لکھوں۔ اب آپ کے خط نے میری یہ مشکل دور کی[1]۔

مجھے آپ کے والد مرحوم کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف تو ایک دو ہی مرتبہ حاصل ہوا تھا مگر ان کے اوصاف حسنہ سے واقفیت اچھی طرح تھی۔ کیونکہ میرے احباب میں متعدد اصحاب ایسے ہیں جو ان کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت سے امید یہی ہے کہ اس کے جس بندے نے خود صلاح وتقویٰ کی زندگی بسر کی اور دوسروں کو اس کی تربیت دی وہ اس کے اعمال خیر کو قبولیت کا شرف بخشے گا اور اس کے قصوروں سے درگذر فرمائے گا۔ میری تہ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے دامن رحمت میں جگہ دے اور ان کے اہل وعیال کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ میری طرف سے اپنی والدہ ماجدہ اور اپنے بھائی بہنوں اور اقرباء کو تعزیت کر دیجئے۔

خاکسار۔ ابوالاعلیٰ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

بنام ــــ زبیر افضل عثمانی

نحمدہٗ ونصلی

برادر عزیز مولوی محمد زبیر صاحب۔ زید مجدکم!

سلام مسنون نیاز مقرون ــــ عزیز ہلال میاں کی زبانی خبر وحشت اثر وفات حسرت آیات مخدومی چچا مطلوب الرحمٰن صاحب معلوم ہو کر دل پر چوٹ لگی اور صدمہ رنج کا گہرا اثر دل سے محسوس کیا۔ ایک بزرگ خاندان کا اٹھ جانا صرف ایک ذات ہی کا اٹھ جانا نہیں بلکہ بہت سی برکتوں اور طمانیتوں کا ہاتھ سے جاتا رہنا ہے۔ مولانا [illegible] اہل دین کے لئے بلاشبہ نافع اور سپر تھی۔ اس لئے ان کا صدمہ صرف آپ کے گھرانے یا خاندان کا صدمہ نہیں بلکہ دینداروں کا عمومی صدمہ ہے جو درجہ بدرجہ ہر ایک کو محسوس ہو رہا ہے میرے ساتھ مولانا مرحوم کو ایک خاص شفقت تھی جس کا ملاقات کے وقت اظہار ہوتا تھا۔ میرے بچپن میں جب کبھی چھٹیوں میں دیوبند آتے تو خصوصیت سے مجھے بلاتے یا خود مکان پر تشریف لاتے اور بعض اوقات میری عمر کے حسب حال کچھ تحائف بھی بھیجتے تھے۔ مجھے بھی ان سے اسی وقت سے قلبی لگاؤ تھا اب جبکہ عرصہ سے خانہ نشین ہو چکے تھے، کبھی میں خود حاضر ہو اور کبھی بلا بھیجتے تھے اور گہری شفقت ومحبت کا برتاؤ فرماتے تھے۔ تین سال قبل جب میں کراچی پہنچا تو اسی بزرگانہ تعلق سے مجھے بلوایا۔ اور میں خود بھی حاضری کا پہلے سے قصد کر رہا تھا۔ معاملات کے بارہ میں پوچھتے رہے اور بہت کچھ دلجوئی اور [illegible] کی باتیں فرماتے رہے ــ اس خبر پر ملال سے انکی بزرگانہ شفقت

---

[1] یہ خط عاجز نے مولانا کا تار پا کر بطور شکریہ لکھا تھا۔ عامر

یہ سارا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا اور دل کا تاثر اور زیادہ ہوگیا خبر پاتے ہی عزیزی فاروق صاحب کے پاس مکان پر پہونچا اور یہ عریضہ آپ کو تعزیت کے سلسلہ میں لکھ رہا ہوں۔ گھر میں والدۂ سالم اور سب گھر والے اس صدمہ سے متاثر ہیں اور تعزیت پیش کرتے ہیں۔ میری طرف سے اور سارے متعلقین کی طرف سے چچی صاحبہ مخدومہ کی خدمت میں نیز مولوی عامر عثمانی صاحب اور تمام اہل بیت کی خدمات میں تعزیت عرض کر دیجئے۔ حق تعالیٰ شانہ مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں بلند مقامات عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل نصیب فرمائے ہم سب دور افتادہ اس غم میں شریک ہیں۔ آج صبح دارالعلوم میں ممدوح کے انتقال کا اعلان کر کے ختم کا بندوبست کیا گیا طلبہ اور اساتذہ نے مل کر کلمۂ طیبہ اور قرآن شریف کا ختم پڑھا کئی قرآن شریف ختم ہوئے۔ بعد ختم احقر نے مختصر سی تقریر میں مولانا مرحوم کا طلبہ سے تعارف کرتے ہوئے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کی اپیل کی اور سب کی مجموعی دعاء پر یہ جلسۂ تعزیت ختم ہوا۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے ۔ والسلام ۔

محمد طیب غفرلہ۔

از دارالعلوم دیوبند ۲۶ ۸۱ھ

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب

اسی وقت میاں فاروق کے خط سے "سانحۂ عظیم" کی اطلاع ہوئی ـــ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

کانٹا سا برابر چبھتا رہتا تھا۔ مگر توقع ہوتی تھی کہ چچا صاحب ابھی اور کچھ دن زندہ رہیں گے۔ افسوس ایک سایۂ رحمت و برکت ہمیشہ کے لئے ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔ تم سب اور خاص طور پر چچی صاحبہ محترمہ جس درجہ پریشان و مضطرب ہوں گی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ مگر ہماری چچی صبر و رضا کا پیکر ہیں اور انھوں نے اس غمناک موقع پر بھی اپنی اس خصوصیت کو قائم رکھا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق صبر سے نوازے مجھے عمر بھر اس بات کا ملال رہے گا کہ ارادے کے باوجود ایسے وقت میں کراچی نہ پہونچ سکا۔

مرحوم تمہارے تو باپ اور میرے چچا تھے؛ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسی ہستیاں پوری ملت کی روحانی سرپرست اور مربی ہوتی ہیں۔ اس لئے چچا صاحب قبلہ کا سانحۂ وفات شخصی ہی نہیں بہت بڑا ملی سانحہ بھی ہے۔ جس ہستی نے ہزاروں بندگانِ خدا کو روحانی فیض پہنچایا آج وہ اس عالم آب و گل سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی۔ اس وقت مرحوم کی بعض غیر معمولی خصوصیات کا نقشہ آنکھوں میں گھوم رہا ہے۔ سوچتا ہوں اب یہ خصوصیتیں کہاں ملیں گی ـــ تم نے جب دنیا میں قدم رکھا تو مرحوم کی زندگی نے ایک دوسرا ہی قالب اختیار کر لیا تھا ورنہ وہ حقوق شناسی اور کنبہ پروری میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ تم نے سنا ہوگا۔ مرحوم بہت اچھے سرکاری ملازم تھے۔ اور اپنی غیر معمولی قابلیت و شخصیت کی وجہ سے یوں بھی بھاری بھر کم افسر سمجھے جاتے تھے ۔

سرکاری ملازمت کے اس طویل دور میں مرحوم نے اپنے مرشد حضرت شیخ الہندؒ کی صاحبزادیوں اور اپنے بھائی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم کی خدمت جس انداز سے کی تھی میں نے اس کی مثالیں کم دیکھی ہیں۔ خاندان کے افراد کی تعلیم و تربیت سے بھی خاص شغف تھا۔ چچا سعید احمد صاحب اور بھائی جمیل الرحمٰن وغیرہ نے بھی انھی کی زیر نگرانی تعلیم حاصل کی تھی مولوی یعقوب الرحمٰن صاحبؒ بھی ان کے پاس رہے تھے پھر ملازمت ترک کی تو وہ بھی عجیب شان سے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے بعد والد مرحوم (اپنے بڑے بھائی حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ) سے تعلق ارادت قائم کر لیا تھا۔ اس زمانہ میں روحانی کیف و سرمستی کے عجیب عجیب واقعات دیکھنے میں آتے، چچا صاحب پر روحانی کیفیات کا ردعمل ہو رہا تھا اور وہ ایک منٹ بھی انگریزی نوکری میں رہنا نہیں چاہتے تھے۔ حضرت والد مرحوم چچا صاحب کو انتظار کا مشورہ دیتے تھے ۔ مرشد و مسترشد کے نقاطِ نظر کے یہ نظارے میں نے بچشم خود دیکھے تھے۔ یہ بھی خوب یاد ہے کہ صورت حال جب زیادہ نازک ہوگئی تو چچا صاحب نے اباجی کو لکھا کہ اب نوکری کے بندھن میں بندھا رہنا میری برداشت سے باہر ہوگیا ہے۔ تنخواہ جو گھر میں لاتا ہوں ایسا محسوس

ہوتا ہے کہ خنزیر کے گوشت کے ٹکڑے ہیں۔ اس مرحلہ پر اباجی نے ایک طویل خط تحریر فرمایا تھا اور چچا صاحب کو ہدایت کی تھی کہ یہ خط ہر وقت جیب میں رکھا کریں۔ چچا صاحب نے اس ہدایت پر عمل کیا اور پرسکون ہو گئے۔ دو ہی مہینے گذرے ہوں گے کہ حضرت والد مرحوم دنیا سے تشریف لے گئے، والد کا رخصت ہونا تھا کہ چچا صاحب نے فوراً نوکری چھوڑ دی اور ایک لمحہ کے لیے پنشن کے بغیر سیکڑوں روپے ماہانہ کی آمدنی سے بے تعلق ہو گئے؛

اس کے بعد چچا صاحب کی روحانیت نقطۂ عروج پر پہونچی۔ حیدرآباد، بریلی، علی گڈھ، پیلی بھیت، شاہجہانپور وغیرہ کے سیکڑوں ہزاروں افراد ان کے حلقۂ بیعت میں داخل ہو گئے تھے۔ یہ زمانہ تم نے بھی دیکھا ہے۔ حیدرآباد دکن کے تو تمام ہی قابل ذکر افسر ان کے مرید تھے؛

رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

چچی صاحبہ محترمہ کی خدمت میں مضمون واحد۔ والدہ مجیب الرحمٰن بھی آپ سب کو تعزیت پیش کر رہی ہیں۔ برادر عزیز زبیر افضل سلمہ کو بہت بہت دعا اور مضمون واحد؛

چچا فضل حق صاحب قبلہ بھی تعزیت کے مستحق ہیں۔ ان کی خدمت میں سلام مسنون۔ بچوں کو دعائیں؛

فقط والسلام

عتیق الرحمٰن عفی عنہ

مولانا محمد اسحاق صاحب استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بنام عامر عثمانی

مکرم محترم زید لطفکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوا۔ تجلی بھی ملا۔ اس میں جناب کے والد صاحب رحمہ اللہ کی خبر وفات دیکھ کر افسوس ہوا۔ حق تعالیٰ رحمت و مغفرت فرمائے اور ان کے درجات میں ترقی عطا فرمائے۔ مجھے بھی ان کی زیارت کا شرف ایک مرتبہ حاصل ہوا ہے۔ تقریباً چار سال ہوئے کراچی گیا تھا۔ اوصاف حمیدہ لکھنؤ ہی میں ایک دوست سے معلوم ہو چکے تھے۔ اس لئے اشتیاق زیارت ساتھ لیکر گیا تھا۔ کراچی پہونچتے ہی پتہ معلوم کر کے حاضر خدمت ہوا۔ ممدوح نے جس شفقت بزرگانہ کا اظہار فرمایا اس کی لذت آج بھی محسوس کر رہا ہوں۔ دیر تک مجالست کا شرف حاصل رہا، جو اوصاف حمیدہ سنے تھے وہ حرف بحرف صحیح پائے۔ اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا جس سے مرحوم کی اعلیٰ غیرت ایمانی کا اظہار ہوتا تھا شاید سب سے زیادہ میں اسی سے متاثر ہوا۔ کیونکہ یہ وہ جوہر تابندہ ہے جو آج کبریت احمر کی طرح کمیاب بلکہ تقریباً نایاب ہے عوام تو عوام علماء و صلحاء کی اکثریت بھی اس سے تہی دست نظر آتی ہے۔ واپس ہوا تو دل مرحوم کی محبت و عظمت سے لبریز تھا جو آج تک قلب میں موجود ہے، اور جسے میں اپنی نجات آخرت کا ایک ذریعہ سمجھتا ہوں۔

آپ کے ایسے حضرات کو تلقین صبر تو آفتاب کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہے۔ تاہم سنت تعزیت ادا کرنے کے لئے ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں جو کسی اعرابی نے حضرت عباسؓ کی وفات پر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو لکھا تھا۔

خیر من العباس صبرك بعده
واللہ خیر منك للعباس

فقط والسلام

محمد اسحاق عفی عنہ

جناب نصر اللہ خاں عزیز (مدیر ایشیا لاہور)

مکرمی مولانا ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ

دعوت دہلی سے یہ خبر سنکر صدمہ ہوا کہ آپکے والد محترم نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

والد کا سایہ تو یوں بھی ایک نعمت ہوتا ہے، انسان اس سایہ کی پناہ میں سفر حیات کی صعوبتوں کو آسانی سے طے کرتا رہتا ہے، والد کی دعائیں ایک سپر ہیں جو اسے آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رکھتی ہیں لیکن جب والد ایک عالم دین، متقی اور خدا رسیدہ بزرگ ہو تو اس کی وفات تو ایک بہت بڑی محرومی ہے۔ لیکن بہرحال یہ منزل ہے

ایک تہلکہ انگیز رپورٹ

"باہر سے زیادہ اندر سے کم" — یہ عنوان ہے انگریزی معاصر ہندوستان ٹائمز کے ایک اداریہ کا، متحدہ اقوام کی طرف سے ڈیموگرافک سالنامہ بابت سنہ ۵۹ء حال ہی میں شائع کیا گیا ہے جس کے چند ابواب میں بچوں کی جائز اور ناجائز پیدائش سے بحث کی گئی ہے اور اعداد و شمار کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا سے شادی کی تقدیس ختم ہو رہی ہے اور بچے اندر سے کم اور باہر سے زیادہ پیدا ہو رہے ہیں یہ اعداد و شمار بڑے ہی حیرت ناک اور دہشت انگیز ہیں اور وہ بھی صرف ان قوموں کیلئے جن کے ہاں شادی بیاہ کی تقدیس موجود ہے اور نکاح کی رسم میں گھن نہیں لگا ہے۔ ورنہ وہ ممالک جو حلالی اور حرامی بچوں میں کوئی تمیز نہیں کرتے انھیں اس پر کوئی تشویش اور حیرانی نہیں

متحدہ اقوام کے سالنامہ میں بتایا گیا ہے کہ السلویڈور، ڈومیکن ری پبلک، ہنڈوراس، گوئے ٹیمالا اور پناما میں حرامی بچوں کا تناسب ساٹھ فیصدی ہے۔ پناما میں تو چار میں تین بچے پادریوں کی مداخلت یا سول میرج رجسٹری کے بغیر ہی پیدا ہو رہے ہیں۔ یعنی ۷۵ فیصدی حرامی بچے۔ لاطینی امریکہ میں حرامی بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ یہی حال ویسٹ انڈیز کا ہے۔ دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شادی بیاہ کی تقدیس سے انحراف کیا گیا ہو۔ ہر قوم نے خواہ وہ کتنی ہی پس ماندہ ہو اس بات کو ضروری سمجھا ہے کہ چند قواعد و ضوابط کے تحت رشتہ داروں کے درمیان ازدواجی رشتے قائم ہوں اور انھیں اپنے اپنے رواج کے مطابق انجام دیا جائے، تاکہ خاندان اور سوسائٹی کو معلوم رہے کہ فلاں عورت فلاں مرد کے نکاح میں دے دی گئی ہے اور اس سے جو اولاد پیدا ہوئی ہے وہ قانون کی نظر میں جائز ہے۔ لیکن اگر ازدواجی رشتوں کا سلسلہ ختم ہو جائے تو معاشرہ کے لئے بے شمار مسائل پیدا ہو جائیں گے اور اس رشتے سے تقدس واحترام کا جو تصور پیدا ہوتا ہے وہ بالکل ختم ہو جائیگا۔

اس سلسلہ میں متحدہ اقوام کے سالنامہ میں مسلم ممالک کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ موجودہ ترقی یافتہ دنیا میں شادی بیاہ کے نقطۂ نظر سے مسلم ممالک کا رجحان کیا ہے اور ان میں رشتہ ازدواج کی تقدیس کس حد تک باقی ہے۔ اگر باقی ہے تو اسکے اسباب کیا ہیں، اور خود متحدہ اقوام نے کیا نتیجہ نکالا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ڈیموگرافک سالنامہ کے ایڈیٹروں نے جب مسلم ممالک اور غیر مسلم ممالک کا موازنہ کیا ہوگا تو وہ حیرت میں پڑ گئے ہوں گے، انہوں نے مسلم ممالک کے جو اعداد و شمار فراہم کئے ہیں ان میں متحدہ عرب جمہوریہ کو سرِ فہرست رکھا ہے اور دیگر مسلم ممالک کا اندازہ بھی اسی سے لگایا ہے وجہ یہ ہے کہ عرب ممالک میں متحدہ عرب جمہوریہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور تجدد پسند MODERNIST ہے۔ اگر وہاں کی سماج میں رشتۂ ازدواج کی تقدیس باقی ہے تو وہ مسلم ممالک جو مذہبی احکام کا زیادہ پاس اور لحاظ رکھتے ہیں اس رشتے کو اور بھی زیادہ مقدس اور قابل احترام سمجھتے ہوں گے متحدہ اقوام کے سالنامہ سے پتہ چلا کہ مسلم ممالک میں حرامی بچوں کی پیدائش کا تناسب نفی کے برابر ہے چنانچہ اس میں بتایا گیا ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ میں ناجائز بچوں کا تناسب ایک فیصدی سے بھی کم ہے!

لیکن ان اعداد و شمار سے ہماری تسلی نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ یہ پتہ نہ چلے کہ اس کمی کے اسباب کیا ہیں کیا وجہ ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ مغربی تہذیب کو اپناتے ہوئے بھی ابھی تک دقیانوسیت اور قدامت پرستی پر قائم رہا؟ ایسا تو نہیں کہ حرامی بچوں کی پیدائش میں اسلام کی دور اندیشی نے کوئی روک لگائی ہو؟ ازدواجی رشتہ میں کوئی ایسا نکتہ رکھدیا ہو جس نے ناجائز ولادت کی راہیں بہت بڑی حد تک مسدود کر دی ہوں؟ اس کا جواب ہمیں متحدہ اقوام کے سالنامہ سے ملنا چاہیئے چنانچہ

اس میں بتایا گیا ہے کہ چونکہ مسلم ممالک میں چند زوجیت POLYGAMY کا رواج ہے اس لئے وہاں ناجائز ولادتوں کا بازار گرم نہیں ہے۔ اس چند زوجیت کے مسئلہ نے مسلم ممالک کو جنسی انارکی کے ایک بہت بڑے بحران سے بچالیا ہے اور وہاں اس کی وجہ سے ناجائز بچوں کی شرح پیدائش کا تناسب نفی کے برابر رہ گیا ہے۔ اگر اسلام کی اس اجازت کو عملاً ترک کر دیا جائے تو چند سالوں میں وہ بھی پیدائش کے سلسلہ میں مغربی ممالک کی سطح پر آجائیں گے اور وہاں بھی ناجائز بچوں کا تناسب افسوسناک حد تک بڑھ جائے گا، جو لوگ چند زوجیت پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تہذیب کے اس دور میں یہ چیز دل کو نہیں لگتی وہ غالباً اس بات سے بہت خوش ہوں گے کہ یک زوجیت کے نتیجہ میں حرامی تہذیب خوب فروغ پا رہی ہے۔ اگر چند زوجیت کی بدولت ناجائز بچوں کی شرح پیدائش نفی کے برابر رہ جائے تو بد تہذیبی ہے، لیکن اگر چند زوجیت پر قدغن لگانے کے بعد ناجائز بچوں کی فوج کھڑی نظر آئے تو یہ عین تہذیب ہے! (الجمعیۃ ستمبر)

حضرت مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند کی کتاب پر تنقید کی تیسری اور آخری قسط

شہید کربلا اور یزید

از:- مولنا ابو صہیب رومی

(۱۶) مہتمم صاحب ص۱۱۳ پر عنوان قائم فرماتے ہیں "یزید اور اُس کا کردار" یہ بحث ص۱۱۳ سے ص۱۶۷ تک کل ۵۵ صفحات میں پھیلا ہوا ہے، حالانکہ بقول مولانا (یزید کا ذکر بذاتہ مقصود نہ تھا ص۱۷۹) یہ ذکر ضمنی و استطرادی تھا جسے عام قاعدے کے لحاظ سے مختصر بھی ہونا چاہئے تھا، مگر چونکہ مولانا نے منصوبوں کی تکمیل اور جذبات کی تسکین یزید پر لعن طعن کئے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔ اسلئے مولانا کو یہاں کافی قلمکاری کرنی پڑی۔

(۱۷) ص۱۱۳ پر فرماتے ہیں کہ:-

"یزید کا ذاتی فسق و فجور بھی کچھ کم نہ تھا ـــــ لیکن جس فسق نے اسے مبغوض خلائق بنایا وہ اس کا اجتماعی رنگ کا فسق تھا ـــــ پھر اس میں قبیح ترین فسق ـــــ قتل حسینؓ ہے جو اس کی امارت کا شاہکار ہے"

اس کے بعد بدایہ ابن کثیر کے حوالہ سے یزید کا قاتلِ حسینؓ ہونا ثابت فرما کر فرماتے ہیں کہ:-

"کوئی وجہ نہیں کہ "قاتلِ حسین" کو اس قتل پر خوشی نہ ہو۔ قسطلانی شارح بخاری نے علامہ سعد الدین تفتازانی سے نقل کیا ہے کہ:-

اور حق بات یہ ہے کہ یزید کا قتلِ حسین سے راضی ہونا اور اس سے خوش ہونا اور اہانت اہلِ بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں میں سے ہیں جو معنوی طور پر تواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہیں اگرچہ ان کی تفصیلات اخبار آحاد ہیں۔"

یہاں تک پہنچنے کے بعد کچھ ایسا گمان ہوتا ہے کہ مولنا کو تفتازانی کے بارے میں ملا علی قاری کا وہ جملہ یاد آجاتا ہے "فیہ رائحۃ من الرفض" (تفتازانی میں تو رفض کی بو بری طرح محسوس ہوتی ہے) اس لئے مولانا بڑی ہوشیاری سے اس جگہ عہدہ برآ ہونے کی کوشش فرماتے ہیں۔

(۱۸) ص۱۱۵ پر کہتے ہیں کہ:-

"قسطلانی کا بلا نکیر تفتازانی سے یہ عقیدہ اور واقعہ نقل کرنا اس عقیدہ اور واقعہ سے خود انکی موافقت کی کھلی دلیل ہے ـــــ اسلئے ایک محدث اور ایک متکلم کے اتفاق سے یزید کی رضا بقتل الحسین اور اس کا فسق ثابت ہوتا ہے ـــــ ان دونوں ائمہ حدیث و کلام کے نزدیک یہ بطور متواتر[1] عقیدہ خبر کے واجب التسلیم ثابت ہوتا ہے جو دو کا مسئلہ نہ رہا بلکہ اجماعی[1] بات ہو گئی۔"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کس چابکدستی سے مولانا نے انجکشن لگانے کی کوشش فرمائی ہے اور کیسے غیر محسوس طور پر یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر حضرات ناظرین تفتازانی سے مطمئن نہ ہوں اور قسطلانی کی کلامی حیثیت میں کچھ کلام ہو تو اسکا لحاظ

---

[1] تواتر اور اجماع جیسی مقدس اصطلاحوں پر یوں تو اور بھی بہت سے اسلاف و اخلاف نے مشق کرم کی ہے لیکن ہمارے مہتمم صاحب نے اِن یتیم و اسیر اصطلاحوں کے سر پر جس انداز سے دستِ شفقت پھیرا ہے وہ تاریخ علم و فن میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ ہجری سن کی ابتدائی تین صدیوں کا کوئی آدمی "تواتر و اجماع" کا یہ حلیہ دیکھ پاتے تو امید نہیں کہ غش کئے بغیر رہ جاتے۔ (تجلی)

کریں کہ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے فن کے امام ہیں اور ان دونوں نے اس مسئلہ میں اتفاق کرلیا ہے اور اگر اس "مراقبہ" کے باوجود آپ کے حلق سے یہ بات نہ اترے تو اس طرح اپنے دل کو سمجھا لیں کہ ان بزرگواروں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ایسے "نرالے انداز" سے فرمایا ہے کہ یہ دو کا مسئلہ نہ رہا بلکہ اجماعی بات ہوگئی۔ مولانا کے اس "فرضی اجماع" کے استدلال کو دیکھ کر ان منطقی صاحبزادے کی حکایت یاد آگئی جو منطق سے فارغ ہوکر جب اپنے مکان آئے تو ایک روز کھانے پر باپ بیٹوں کے لئے دو انڈے پیش کئے گئے صاحبزادے صاحب "جوشِ منطق سے" خاموش نہ رہ سکے بولے۔ میں اپنی منطق کے زور سے ان انڈوں کی تعداد بڑھا سکتا ہوں۔ مثلاً یوں سمجھئے کہ ایک انڈا وہ اور ایک انڈا یہ دو انڈے تو یہ ہوئے اور ایک ان دونوں کا مجموعہ کل تین انڈے ہوئے وَھَلُمَّ جَرًّا۔ باپ نے بڑی صفائی سے ان کی منطق پر داد دی اور کہا اچھا بیٹا یہ انڈے جو پلیٹ میں موجود ہیں میں کھائے لیتا ہوں باقی رہے وہ انڈے جو ان کے ذریعہ تم نے اپنی منطق سے تیار کئے ہیں انھیں تم کھالو۔"

بالکل اسی طرح مولانا کا یہ استدلال ہے جس میں دو کی بات کو منطق کے زور سے اجماعی بات فرمادیا گیا ہے، شاید مولانا کو بھی اپنے اس "منطقی اجماع" کی کمزوری کا احساس ہوا تو انھوں نے مزید دلائل کی جستجو میں ابن کثیر کے "ذخیرۂ احادیث" کی کچھ روایتیں ملاحظہ فرمائیں (جو ابن کثیر نے بھی شاید اپنی ذاتی تلاش کے بعد اپنی کتاب میں نقل نہ فرمائی ہوں گی) اس سلسلہ میں مولانا کو ابومخنف کی ایک مفصل روایت بھی نظر آئی جسے بقول مولانا "سبائی روایت کہکر عموماً ناصبی لوگ رد کردیتے ہیں" لیکن ازراہِ احتیاط مولانا نے وہ روایت نہیں لی کہ سبائی ہونے کے الزام سے تو محفوظ رہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ اس بناء پر وہ بقول خود "ناصبی" ہوجائیں۔ خیر مولانا نے وہ سبائی روایت تو نہیں لی۔ البتہ اس کا مضمون بدایہ کے حوالہ سے ضرور نقل فرمایا جس کی تمہید اس مرعوب کن انداز سے ارشاد ہوئی۔

(۱۹) صفحہ ۱۱۴ پر فرماتے ہیں:۔

"اسی مضمون کو قدرے اجمال کے ساتھ محدث ابن ابی الدنیا نے محدثانہ طریق سے روایت فرمایا ہے۔"

اس تمہید کو پڑھ کر خیال تھا کہ مولانا یہ حدیث براہِ راست ابن ابی الدنیا سے نقل فرمائیں گے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہر راوی پر پورا کلام بھی فرمائیں گے۔ شاید یہ بھی ارشاد ہوگا کہ یہ روایت بخاری و مسلم کے شرائط پر پوری اترتی ہے، مگر افسوس مولانا نے یہ سب کچھ نہ کیا، بلکہ بدایہ کے حوالہ سے ایک ایسی روایت نقل فرمادی جیسی عام "شہادت ناموں" میں بھی آسانی سے دستیاب ہوسکتی ہے۔

"قسطلانی کی روایت اور تفتازانی کا قول جو اوپر نقل کیا گیا ہے اس روایت سے کافی مضبوط ہوجاتا ہے کہ یزید قتلِ حسین سے راضی اور خوش تھا۔"

اس عبارت میں قسطلانی کی روایت اور تفتازانی کے قول کو دو چیزیں شمار کرنے سے مقصد ناظرین کو مغالطہ میں ڈالکر مرعوب کرنے کے سوا اور کیا ہے جب کہ حقیقت صرف یہ ہے کہ قسطلانی نے جو کچھ روایت کیا ہے وہ تفتازانی کا قول ہی ہے۔ یعنی دونوں دراصل ایک ہی چیز ہیں، مگر مولانا نے منطق کے زور سے انھیں دو کردیا معلوم ہوتا ہے کہ تفتازانی کی بات مولانا کے دل کو بھی نہیں لگتی اور وہ اس کو چاروں طرف سے مضبوط بنانے کی فکر میں ہر اسی چکر میں نادانستہ ان کے قلم سے ایسے دلائل ٹپک پڑتے ہیں

(۲۱) صفحہ ۱۱۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ہم ان تاریخی قیاسات کو صحیح بخاری کے مقابلہ پر کوئی اہمیت نہیں دے سکتے۔[1] کی واضح روایت

[1] یہ بھی مہتمم صاحب نے بس چلتی ہوئی سی بات کہی ورنہ اسی کتاب میں وہ بخاری کی دھجیاں بکھیر گئے ہیں۔ بخاری کی روایت تو نام لیکر بتاتی ہے کہ حضرت حسینؓ کے دندانِ مبارک پر ابن زیاد نے چھڑی مگر مہتمم صاحب کو چونکہ جہلائے امت سے خراج تحسین حاصل کرنے کیلئے اس قبیح فعل کو یزید کی طرف منسوب کرنیکی ضد ہے اس لئے بلا تکلف اپنے اجتہاد و قیاس اور بعض دیگر نامحکم روایات کی بنیاد پر یزید کو چھڑی مارنے والا منوانا چاہتے ہیں۔ عظمتِ بخاری اگر واقعی ان کے قلب میں ہوتی تو کبھی یہ نقلی چال نہ چلتے۔ اس چال کا مطلب یہ ہے کہ ابن زیاد کا نام بخاری نے غلط لیا۔ چھڑی باز تو در اصل یزید تھا کیا اسی کا نام اہمیت بخاری ہے؟ امام بخاری بیچارے مغفرت نہ پا سکے کہ ہم کی روایت بیان کرتے ہیں تو اسے بھی من مانی تاویلوں کی خراد پر چڑھا کر نسیاً منسیاً کرنے کی سعیٔ نامشکور کیجاتی ہے۔ جواب بتاؤ کیا کہیں اور کس سے کہیں؟ (تجلی)

ہے کہ ـــــ ابن زیاد کے پاس حضرت حسین رضؓ کا سر لایا گیا" ـــــ (مختصراً)

مولانا کا ارشاد سر آنکھوں پر بخاری کی روایت کے مقابلہ میں تاریخی قیاسات کو اہمیت نہ دینی چاہئے مگر کیا کیا جائے کہ بخاری کی روایت بیحد مختصر ہے جس کی تفصیل و تکمیل نے مولانا کو پہلے تو علامہ عینی کے ذریعہ مسند بزار تک پہنچایا پھر ابن حجر کے ذریعہ طبرانی کی معجم صغیر و کبیر تک مولانا کی رسائی ہوتی لیکن وہ تفصیل بھی جب باعث تسکین نہ ہوئی اور "مومنین" کے گریہ و بکا کی کوئی صورت نہ نکل سکی تو مولانا نے علامہ عینی سے مزید تفصیلات سانحہ و موجبات گریہ حاصل فرمائیں اور اس طرح ان سب روایات کو بخاری کی "صحیح اور واضح" روایت کے ساتھ تول کر وزن بڑھانے کی ایسی کوشش کی جس کیلئے "مغالطہ" کا لفظ بھی کچھ ہلکا ہوگا ہاں اسے مولانا کی نظریاتی ریسرچ کہا جائے تو بات دوسری ہے۔

(۲۲) صـ۱۲۱ـ پر فرماتے ہیں کہ :-

"اب جب کہ حضرت حسین رضؓ کے پاک اور مقبول عند اللہ سر کو جسم سے جدا کئے جانے کا ثبوت معناً متواتر ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ کیوں ممکن نہیں کہ یہ سر یزید کے دربار میں پہنچایا گیا ہو آخر اس واقعہ کی روایت سے کیا وجہ انکار ہوسکتی ہے۔"

سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا اس قدر پریشان کیوں ہیں کہ پہلے تو تفتازانی کے کلام سے قتل حسین رضؓ سے صرف یزید کی خوشی ظاہر و ثابت فرمائی پھر ابن ابی الدنیا کی محدثانہ روایت سے یزید کا قاتل حسین ہونا اور یزید ہی کے سامنے سر حسین کا پیش ہونا اور یزید ہی کا اپنی چھڑی سے اسے چوکے دیکھ خوشی ظاہر کرنا ثابت فرمانا چاہا، لیکن کچھ سوچ کر بخاری شریف کی اہمیت کا خیال آگیا اور بخاری کی ایک مختصر و مجمل روایت کا نام اور سہارا لیکر اس کے طفیل میں مسند بزار و طبرانی اور عینی و فتح الباری سب ہی کے تو اقتباسات پیش فرما دیئے مگر لطف یہ کہ ان سب حوالوں سے نہ تو یزید کا قاتل حسین ہونا ثابت کر سکے اور نہ ہی قتل حسین رضؓ سے یزید کی رضا و خوشی پر استدلال کی کوئی سبیل نکال سکے تو

آخر عباسی کی تقلید میں مولانا کو بھی قیاس کے "شجر ممنوعہ" کو ہاتھ لگانا پڑا اور بخاری کی واضح و صحیح روایت کے مقابلہ میں (جس میں ابن زیاد کے پاس سر لے جانا بیان کیا گیا ہے) تاریخی قیاس کو اہمیت دینی پڑی۔ اس موقع پر سوال یہ ہوتا ہے اگر ابن ابی الدنیا کی محدثانہ روایت اور بخاری شریف کی طفیلی روایات نقلی و روایتی معیار پر پوری اُترتی تھیں تو مولانا کو اپنی یہ عقلی و درایتی دلیل پیش کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور اگر ان روایات ہی میں کوئی ضعف و سقم تھا جس کی بناء پر ان روایات کو بھی عقلی و درایتی دلیل سے مؤید و مؤکد کرنے کی ضرورت تھی تو پھر مولانا نے یہ "محدثانہ" انداز کیا صرف مرعوب کرنے کیلئے اختیار فرمایا؟

(۲۳) صـ۱۲۱ـ پر بدایہ ابن کثیر سے ناقل ہیں :-

"جب ابن زیاد نے حسین رضؓ کو مع ان کے ساتھیوں کے قتل کردیا اور ان کے سر یزید کے پاس بھیجے تو وہ اس قتل سے خوش ہوا اور اس کی وجہ سے ابن زیاد کا رتبہ اسکے یہاں بلند ہوگیا مگر (اس خوشی پر) تھوڑی دیر بھی نہ گذری کہ نادم ہوا۔"

اگر مولانا یہ بھی ظاہر فرما دیتے کہ یزید نے ابن زیاد کا رتبہ کس طرح بلند کیا تو اس روایت کا درایتی پہلو بھی قابل قبول اور معقول ہو جاتا اور اس کی نقلی و روایتی حیثیت بھی غیر مشکوک ہو جاتی ورنہ اس عبارت سے تو صرف اسی قدر اندازہ ہوتا ہے کہ قتل حسین سے خوش ہو کر یزید نے پہلے تو "واہ واہ' شاباش و شاد باش' مرداں چنیں کنند' جزاک اللہ' سبحان اللہ وغیرہ" قسم کے الفاظ کہے جسے ابن کثیر وغیرہ جیسے حضرات نے ابن زیاد کی ترقی و بلندی پر محمول کرلیا، لیکن جب عملی طور پر بعد میں کوئی رتبہ کی ترقی ان کو نظر نہ آئی تو ان بزرگوں نے اسے یزید کی ندامت سے تعبیر فرما دیا اور ظاہر ہے کہ یہ تشریح کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ اس کے علاوہ ابن کثیر کی مندرجہ بالا عبارت میں ایک یہ بات بھی کھٹکتی ہے کہ اصل عربی عبارت میں "بعث برؤسہم" کہا گیا ہے جس کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسین رضؓ اور ان کے ساتھی تمام مقتولین (شہداء) کے سروں کو یزید کے پاس بھیجا درحالیکہ یہ بات غالباً ایسی ہے جو آج تک کسی کربلا کے نوحہ خواں نے بھی نہ کہی ہوگی

مگر افسوس کہ نہ تو مولانا نے "بر دو سہم" کے جمع ہونے کی کوئی توجیہہ فرمائی اور نہ یہ ہی ظاہر فرمایا کہ یزید نے ابن زیاد کا رتبہ کس طرح بلند کیا

(۲۴) صفحہ ۱۲۳ پر فرماتے ہیں کہ:-

"پھر اگر قتل حسین پر یہ غم واقعی تھا — تو اس ظالم قاتل کو کوئی سزا دیتا معزول کر دیتا یا کم سے کم اس سے باز پرس ہی کرتا" لیکن بقول حافظ ابن کثیر کے:-

وقد لعن ابن زیاد علی فعلہ وشتمہ فی ما یظھر ویبدو ولکن لم یعزلہ علی ذالک ولا اعقبہ ولا ارسل احداً یعیب علیہ ذالک واللّٰہ اعلم۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۰۳ ج ۸) -	یزید نے ابن زیاد پر لعنت تو کی اور اسے برا بھلا بھی کہتا اس پر کہ آئندہ کیا ہوگا اور کیا بات کھلے گی (اور میرا کیا بنے گا) لیکن نہ تو اس ناپاک حرکت پر اسے معزول کیا نہ بعد میں اسے کچھ کیا اور نہ ہی کسی کو بھیج ہی دیا کہ وہی اس کی طرف سے جاکر اس کا یہ شرمناک عیب اسے جتائے اور قاتل کہے (شہید کربلا اور یزید صفحہ ۱۳۳)
+ + + +	
+ + + +	

مولانا نے ابن کثیر کی یہ عبارت اپنے قیاسی مقصد کی تائید کے لئے نقل تو فرما دی مگر اس عبارت کا آخری فقرہ جو کام کا تھا اسے بالکل نظر انداز فرما گئے حتیٰ کہ ترجمہ میں بھی اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ یعنی حافظ ابن کثیر کو بھی سبائی روایتوں کے پیش نظر جب یہی الجھن پیش آئی جو ہمارے مولانا کو پریشان کئے ہوتے ہے تو انھوں نے اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لئے آخر میں "واللّٰہ اعلم" بھی لکھدیا جس کا مطلب یہی ہے کہ یہ سب ایسی متضاد اور غیر معقول باتیں ہیں جو سمجھ میں نہیں آتیں ان کا حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے۔

(۲۵) صفحہ ۱۲۴ پر فرماتے ہیں کہ:-

"ان احوال کے ہوتے ہوئے جبکہ سادات مسلمین اور اجلۂ صحابہ کے ساتھ یہ توہین و قتل اور ان کی ایذاؤں پر خوشنودیوں کے یہ معاملات ایک سربراہ کی سرکردگی میں اور خود اس سربراہ کے ہاتھوں نمایاں ہو رہے ہیں تو اسے عمر ثانی کہیں گے یا فاسق و فاجر؟"

مولانا کے سوالیہ جملہ کا جواب یہ ہے کہ عباسی صاحب نے یزید کو عمر ثانی کہا ہی نہیں اس لئے مولانا کا یہ الزام بالکل بیجا ہے اب رہا اس کا فاسق ہونا سو یہ مولانا ثابت نہ فرما سکے۔ اس لئے یہ دعویٰ بلا دلیل رہا اور دلیل کے سلسلہ میں جو کچھ مولانا نے فرمایا ہے اس کے متعلق آئندہ معروضات ان شاء اللہ بہت کافی حد تک تشفی بخش ثابت ہوں گی۔

(۲۶) صفحہ ۱۲۵ پر فرماتے ہیں کہ:-

"میں تو سمجھتا ہوں کہ خود عباسی صاحب کے اپنے اعتراف سے بھی یزید کا فسق واضح ہے خواہ ان کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو کیونکہ انھیں یزید کی نکتہ چینیوں کا اعتراف ہے جو امام حسینؓ پر اس کی طرف سے کی جاتی تھیں۔"

عباسی صاحب فرماتے ہیں:-

"امیر یزید کو حضرت حسینؓ کے حادثہ کا صدمہ و قلق تھا۔ ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں تک نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کی خبر سنتے ہی رنج سے بیتاب ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے مگر ذاتی تعلقات کے علاوہ حکومت اور پبلک امور کا جہاں تک تعلق ان کے خروج کا تھا اس پر نکتہ چینی کی جاتی تھی۔" (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۱۸۰-۱۸۱)

عباسی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے فسق یزید ثابت کرنے میں مولانا نے تو کمال ہی کر دیا اس کی تشریح جو فرمائی ہے اسے دیکھ کر شبہ ہوتا ہے کہ مولانا کسی معمولی اردو عبارت کا مطلب نہیں تحریر فرما رہے ہیں، بلکہ شاید بخاری شریف کے کسی مشکل ترجمۃ الباب کی توجیہہ انطباق کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عباسی صاحب کی عبارت کا مطلب تو خبط ہوا ہی مگر خود مولانا کی مراد بھی واضح نہ ہو سکی حالانکہ عباسی صاحب کی عبارت کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کی بناء پر یزید کے تعلقات ذاتی طور پر تو تھے مگر چونکہ حضرت حسینؓ کا "خروج" ایک ایسا اقدام تھا جو نظام حکومت اور پبلک امور پر اثر انداز ہوتا تھا جس کی وجہ سے یا انفراد

چیز نہ رہ گئی تھی، بلکہ اجتماعی رنگ اختیار کر چکی تھی اس لئے ان کے اقدام "خروج" کو تعلقات کی بناء پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، بلکہ اس پر نکتہ چینی کی جاتی تھی۔

(۲۷) صفحہ ۱۲۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"تو حاصل یہ نکلا کہ عباسی صاحب کے دعوی و اعتراف کے مطابق یزید حضرت حسینؓ پر ملکی امور میں الزام بغاوت اور جرم بدعہدی و عہد شکنی عائد کیا کرتا تھا جو بلا شبہ الزام خیانت کے مرادف ہے اور وہ ذاتی و شخصی خیانت سے کہیں زیادہ شنیع و ناپاک تر خیانت ہے"

یزید کا فسق ثابت کرنے کے لئے مولانا کی یہ منطقیانہ دلیل بالکل اسی انداز کی ہے جیسی بریلوی حضرات (حفظ الایمان و تقویۃ الایمان سے اہانت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کرنے کے لئے) استعمال کرتے ہیں۔ یعنی عباسی صاحب نے تو حضرت حسینؓ کو بدعہد یا عہد شکن نہیں ٹھیرایا بلکہ ان کے خروج کو غلط فہمی پر مبنی قرار دے کر اجتہادی خطا سمجھا جو مولانا کے خیال میں بھی "امام" کی شان عالی کے منافی نہ تھی مگر مولانا زبردستی اس کا مطلب یہ قرار دے رہے ہیں کہ عباسی صاحب نے نعوذ باللہ حضرت حسینؓ کو بدعہد و عہد شکن ٹھیرایا۔ اگر یہ زبردستی جائز ہے تو جنگ جمل و صفین کے فریقین پر بھی اسی معقول دلیل کو جاری کیجئے اور کہئیے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علی کو قتل عثمان میں شریک مانا اور ان کو ایسی زبردست معصیت کا مرتکب گردانا (درحالیکہ وہ اس سے بری تھے) تو کیا ایک جلیل القدر صاحب روایت اور اہل بیت صحابی پر ایسے ناپاک الزام لگانا حضرت معاویہؓ کی صفائی ہے یا نعوذ باللہ منہ ان کے فسق پر مہر لگانا ہے۔

ہم کو مولانا سے امید تو یہی ہے کہ وہ اس دلیل کو تسلیم فرما کر اس پر خاموشی ہی اختیار فرمائیں گے اور ان کی رگ حمیت قطعاً جوش میں نہ آئے گی جیسا کہ اب تک مشاہدہ ہوتا رہا کہ حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں کیسی کیسی گستاخیاں کی گئیں اور نہ صرف شیعوں نے، بلکہ بہت سے "رفض زدہ" سنیوں نے بھی ان کے خلاف دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ ندوۃ المصنفین، دار المصنفین جیسے سو فی صدی یا ۳/۴ دیوبندی ادارے سے "سیر الصحابہ" وغیرہ ناموں سے جو کتابیں شائع ہوئی ہیں مولانا نے شاید ان کو ملاحظہ ہی نہ فرمایا ہوگا ورنہ ان کو حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں بھی گستاخیاں ان کتابوں میں ملجاتیں اور شاید انکی غیرت دینی ان کو ان کتابوں کی تردید پر بھی اسی طرح آمادہ کر دیتی۔

(۲۸) صفحہ ۱۲۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"فسق تو فسق، بعض ائمہ کے یہاں تو یزید کی تکفیر تک مسئلہ بھی زیر بحث آ گیا ـــــ گو یہ جمہور کا مسلک نہیں لیکن اس سے کم از کم اس کے فسق کی تصدیق اور تاکید تو ضرور ہو جاتی ہے۔"

مولانا کی یہ دلیل جس قدر زوردار ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے اگر آپ یزید کا نام ہٹا کر "جماعت دار العلوم دیوبند" کو رکھ کر یوں فرمائیں کہ "فسق تو فسق علمائے حرمین کے یہاں تو "جماعت دار العلوم دیوبند" کی تکفیر تک کا مسئلہ بھی زیر بحث آ گیا ہے گو یہ جمہور کا مسلک نہیں، لیکن اس سے کم از کم اسکے فسق کی تصدیق اور تاکید ضرور ہو جاتی ہے"

تو اس دلیل کی حقیقت آپ پر اچھی طرح روشن ہو جائیگی اور معلوم ہو جائے گا کہ "بناء الفاسد علی الفاسد" کسے کہتے ہیں۔ ہمارے مولانا نے اس بحث میں جس قدر عبارات نقل فرمائی ہیں وہ سب اسی "بناء الفاسد علی الفاسد" ہی کے قبیل سے ہیں کیونکہ جس طرح علمائے حرمین کی طرف سے "علمائے دیوبند" کی تکفیر غلط بنیاد پر ہونے کی وجہ سے ان کے فسق کی بھی دلیل نہیں بن سکتی۔ اسی طرح ان اکابر و مشائخ کے کفر مودات سارے کے سارے ابو مخنف و طبری جیسے سبائی[1] راویوں کی روایت پر مبنی ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں جن کی قلعی عباسی صاحب نے اچھی طرح کھولدی ہے اگر مولانا کو عباسی صاحب کی تردید فرمانی تھی تو اس کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ پہلے عباسی صاحب کے پیش کردہ دلائل کی غلطیاں واضح فرماتے ان کے حوالہ جات کی تغلیط فرماتے اسکے بعد اپنا عقیدہ یا نظریہ پیش فرما کر اس کے دلائل بیان فرماتے مگر مولانا نے یہ سب کچھ نہ کیا۔ یعنی ساری کتاب میں اپنے "نظریا"

---

[1] طبری کو سبائی کہنا تو جراءت رندانہ ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ انھوں نے لغو ترین روایات جمع کرنے میں کسر نہیں چھوڑی ہے ۱۲ تجلی

کے لئے کچھ حوالہ جات تو فراہم فرمائے لیکن عباسی کے کلام پر مطلق کلام نہیں فرمایا جس کی کچھ مثالیں تو پچھلے صفحات میں بھی پیش کی جا چکی ہیں چند مثالیں یہاں بھی ملاحظہ ہوں مثلاً:۔

(۱) یزید کا فسق ثابت کرنے کے لئے مولانا کو "شرح فقہ اکبر" اور "حیٰوۃ الحیوان" کی وہ عبارتیں تو مل سکیں جن میں یزید پر شراب نوشی، نرد بازی اور چیتوں کے شکار وغیرہ کا الزام لگایا گیا ہے، مگر عباسی صاحب نے شراب کے بارے میں لفظ شراب کی تحقیق فرما کر غلط فہمی کا جو ازالہ فرمایا تھا مولانا نے شاید اس کو ایسا لاجواب سمجھا کہ خود بھی لاجواب ہو گئے۔ اسی طرح عباسی صاحب کے اس حوالہ کا جواب بھی نذر بن پڑا (اس لئے نظر انداز فرما گئے) جو انھوں نے حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے شاگرد قاضی ابی بکر بن عربی کی کتاب "العواصم من القواصم" ص ۲۳۲ سے نقل کیا تھا فرماتے ہیں:۔

وھذا ایدل علی عظیم منزلۃ (ای یزید) عندہٗ حتی یدخلہ فی جملۃ زھاد من الصحابۃ والتابعین یقتدی بقولھم ویرعوی من وعظھم ونعم وما ادخلہ۔ الا فی جملۃ الصحابۃ قبل ان یخرج الی ذکر التابعین فاین ھذا من ذکر المورخین لہ فی الخمر وانواع الفجور الا یستحیون؟ (العواصم من القواصم ص ۲۳۲)	اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان (امام احمدؒ) کے نزدیک ان (امیر یزید) کی اس درجہ عظیم منزلت (شان) تھی کہ ان کو زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے اور جن کے وعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور ہاں انھوں نے تابعین کے ذکر سے قبل ہی صحابہ کے زمرہ کے ساتھ ہی ان کو شامل کیا پس کہاں ہیں ان کے ساتھ خمر اور طرح طرح کے فسق و فجور کے اتہامات جن کا ذکر مؤرخین کرتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کو اس پر شرم نہیں آتی؟ (خلافت معاویہ ویزید ص ۵۲)

\+ + + +

\+ + + +

۲۔ یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علامہ دمیری کے حوالہ سے الہراسی کا کلام تو مولانا نے بڑے زور شور سے نقل فرما دیا جس میں یزید پر لعنت بھیجنے کی اجازت بھی دی گئی اور یزید کو شراب نوش و نرد باز وغیرہ بھی ظاہر کیا گیا مگر مولانا نے نہ تو العواصم کی مندرجہ بالا حوالہ کا کوئی جواب دیا اور نہ امام غزالیؒ کے اس فتوی پر کوئی تنقید فرمائی (جو انھیں کیا الہراسی کے استفسار کے جواب میں امام غزالیؒ نے صادر فرمایا تھا) حالانکہ ضرورت تھی کہ جہاں مولانا نے قتل حسین سے یزید کی رضا و مسرت ثابت کی تھی وہاں امام غزالیؒ کے ان جملوں کی زد سے محفوظ رہنے کی بھی فکر فرماتے امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

ومن زعم ان یزید امر بقتل الحسین او رضی بہ فینبغی ان یعلم بہ غایۃ الحماقۃ الخ (وفیات الاعیان لابن خلکان ص ۴۶۵)	جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تو جاننا چاہیے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۵۳)

۳۔ یزید پر لعنت بھیجنے کی چھوٹ تو مولانا نے دیدی مگر امام غزالیؒ کے ان جملوں پر کچھ روشنی نہ ڈالی (جو عباسی صاحب نے مولانا کے حافظ ابن کثیرؒ کی بدایہ کے حوالہ سے نقل کئے تھے) فرماتے ہیں:۔

ومنع من شتمہ ولعنہ لانہ مسلم ولم یثبت رضی بقتل الحسین۔ واما الترحم علیہ فجائز بل مستحب بل نحن نترحم علیہ فی جملۃ المسلمین والمومنین عموماً فی الصلوات (بدایہ ص ۱۷۳ ج ۱۲)	اور امام غزالی نے امیر یزید پر سب و شتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتل حسین سے راضی تھے۔ اور بہر حال ان (یزید) پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ تو جائز بلکہ مستحب ہے۔ بلکہ ہم تو ان پر رحمت کی دعا تمام مسلمین و مومنین کے شمول میں اپنی نمازوں میں مانگتے ہیں (خلافت معاویہ ویزید ص ۵۵)

\+ + + +

\+ + + +

ان مندرجہ بالا مثالوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید عباسی صاحب کی پیروی بغیر مولانا کے لئے بھی کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں۔ اسی بناء پر وہ بھی اپنی نظریاتی ریسرچ کو عظیم دعوت فکر اور تحقیقات کا گنج گرانمایہ قرار دینے میں کسی قسم کا تکلف نہیں محسوس نہیں فرما رہے ہیں بلکہ اس نظریاتی ریسرچ کی دھن میں وہ اس بری طرح مبتلا ہیں اور اپنی بات کی بیجا پچ کا جذبہ ان پر اس قدر مستولی ہے کہ ان کو

اپنی دلیلوں کے صحیح وزن کا بھی اندازہ نہیں ہو پاتا اور وہ ایک دلیل پیش کرنے کے بعد خود ہی اس دلیل سے کچھ غیر مطمئن ہو جاتے ہیں تو دوسری دلیل پیش فرماتے ہیں اور جب اس کو بھی غیر شافی خیال فرماتے ہیں تو تیسری دلیل بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ اسی فسق یزید کی طویل طویل بحث میں مولانا جس پریشان خیالی اور تضاد بیانی میں مبتلا ہیں اس کی نظیر شاید مشکل ہی سے مل سکے مثال کے لئے ملاحظہ ہوں مولانا کی یہ عبارات جو ذیل کے نمبر میں پیش ہیں۔

(۲۹) صـ۱۲۷ پر فرماتے ہیں کہ :۔

> "اس سے واضح ہے کہ اختلاف اگر ہے تو یزید کی تکفیر میں ہے تفسیق میں نہیں۔"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں :۔

> "تاہم یہ ضرور ہے کہ مستحق لعنت اشد قسم کا فاسق ہی ہو سکتا ہے اس لئے یہ استحقاق لعنت کا مسئلہ درحقیقت یزید کے فسق کی ایک مستقل دلیل ہے۔"

اور آگے چلکر صـ۱۲۸ پر فرماتے ہیں :۔

> "اس عبارت سے یزید کا فسق متفق علیہ ہو جاتا ہے۔ البتہ نام لیکر لعنت کرنے میں علماء مختلف الرائے ہیں بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔"

کچھ اور آگے چل کر دمیری کے حوالہ سے الہراسی کا قول صـ۱۲۹ پر نقل فرماتے ہیں کہ :۔

> "اب رہا سلف صالحین کا قول اس کی لعنت کے بارے میں تو اس میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل کے دو قسم کے قول ہیں ایک تصریح کے ساتھ ایک تلویح کے ساتھ اور ہمارے (الہراسی رحمی شافعی کے) نزدیک ایک ہی قول ہے یعنی تصریح کے ساتھ یعنی صراحۃً لعنت کا جواز۔"

ظاہر ہے کہ اس عبارت کا مطلب تو یہی ہوا کہ ایک قول کے مطابق ائمہ اربعہ کے نزدیک نام لے کر یزید پر لعنت بھیجنا جائز ہے تو پھر مولانا کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہوا کہ "لعنت کرنے میں علماء مختلف الرائے ہیں بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض نہیں" سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا یزید پر فسق بلکہ کفر تک کا فتویٰ صادر فرمانے میں تو کوئی باک نہیں محسوس فرماتے لیکن جواز لعنت کے فتوے سے کیوں گریز فرماتے ہیں (بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ مولانا کی نقل کے مطابق امام احمد یہ ارشاد فرماتے ہوں کہ یزید پر براہ راست اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے (شہید کربلا اور یزید صـ۱۳۱) آخر جب لعنت یزید پر ائمہ اربعہ متفق ہیں تو مولانا بھی تو ان میں سے کسی ایک کے مقلد ہی ہوں گے ان کو اس مسئلہ میں تقلید سے کیوں گریز ہے؟

(۳۰) صـ۱۳۰ پر فرماتے ہیں کہ :۔

> "اس عبارت سے ائمہ مجتہدین کا مسلک واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سب حضرات یزید کے فسق کے قائل تھے اس لئے لعنت کا مسئلہ زیر غور آیا حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل نے تو قرآن پیش کر کے کہا کہ اللہ نے اپنی کتاب مبین ہی میں یزید پر لعنت بھیجی ہے۔"

اس کے بعد ابن جوزی کی روایت نقل فرمائی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ :۔

> "صالح بن امام احمد بن حنبل نے اپنے والد احمد بن حنبل سے کہا کہ بعض لوگ ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ ہم یزید کے حمایتی ہیں تو امام احمد نے فرمایا کہ بیٹا کیا کوئی اللہ پر ایمان لانے والا ایسا ہوگا جو یزید سے دوستی کا دم بھرے؟ اور میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے الخ۔" (صواعق محرقہ صـ۱۳۲)

مولانا نے شاید طے کر لیا ہے کہ ان کو اپنے مطلب کے موافق جو روایت بھی مل جائے گی اس کو آنکھ بند کر کے اپنی کتاب میں لے لیں گے۔ چنانچہ مندرجہ بالا روایت مولانا نے کس آسانی سے بغیر جرح و قدح نقل فرما دی، حالانکہ اگر وہ ذرا بھی غور و تامل سے کام لیتے تو اس روایت کے تار و پود انکو الگ الگ دکھائی دیتے اور ان کی سمجھ میں آسانی سے یہ بات آجاتی کہ یہ روایت مصنوعی اور وضعی ہے۔ کیونکہ اس میں امام احمد کے صاحبزادے کا یہ کہنا کہ (بعض لوگ ہم پر یزید کے حمایتی ہونے کا الزام لگاتے ہیں) کوئی معنی رکھتا ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ کتاب الزہد

میں امام احمد نے یزید کو منجملہ زہاد صحابہ و تابعین جو شمار کیا تھا وہ بالکل بد واقعی تھا۔ اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے لوگ امام احمد کو یزید کا حمایتی سمجھتے رہے ہوں گے اس لئے انھوں نے امام احمد کی حمایت کو ختم کرنے کے لئے ان کے صاحب زادے کی زبانی ایک گھڑی ہوا "لعنۃ" کت ادا کرا دی۔

(۳۱) صفحہ ۱۳۱ پر صواعق کی مذکورہ بالا عبارت نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

"اس عبارت سے اوّل تو یہ واضح ہوا کہ امام احمد کے نزدیک قتل حسینؓ میں یزید کا ہاتھ بلا شبہ کارفرما تھا کیونکہ امام احمد اسے فسادِ عظیم فرما کر یزید کو اس پر مستحق لعنت فرما رہے ہیں جس کے معنی یزید کے قاتل ہونے کے صاف نکلتے ہیں۔"

سمجھ میں نہیں آتا کہ جب بقول مولانا، یزید کے قاتل حسین ہونے کی صریح روایات موجود تھیں اور یزید کے فاسق و مستحق لعنت ہونے پر اللہ تعالیٰ سے لیکر ائمہ اربعہ تک متفق تھے تو بار بار خود مولانا کو اجتہاد و استنباط کی حاجت کیوں پیش آئی اور ایسے صاف و صریح الفاظ سے بھی معنی نکالنے کی ضرورت کیوں ہوئی۔

(۳۲) صفحہ ۱۳۲ پر فرماتے ہیں کہ:-

"گو عباسی صاحب نے یزید تک پہنچکر امام کو چھوڑ دیا صرف اسی حد تک ان کا دامن سنبھالے رہے جس حد تک ان کے ایک غریب قول سے" امام "حسینؓ کے تابعی ثابت ہو جانے کی کچھ توقع تھی۔"

عباسی صاحب کی طرف سے اس کا ترکی بترکی جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ مولانا نے بھی صالح بن احمد کی روایت کو حضرت حسینؓ کے تابعی ہونے کے سلسلے میں تو غریب فرما کر رد فرما دیا اور انھیں صالح کی روایت جب ابن جوزی کی معرفت مولانا کو ملی تو یزید کو "خدائی ملعون" تک فرمانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اسی طرح ابن جوزی کی روایت کے مطابق امام احمد کے جو اقوال مفید مطلب ملے ان میں تو مولانا امام احمد کا دامن سنبھالے رہے اور خود امام احمد کی ذاتی تصنیف کتاب الزہد تک پہنچتے پہنچتے امام احمد کا دامن مولانا کے ہاتھ سے بے ساختہ چھوٹ گیا جہاں حضرت امام احمدؒ نے یزید کو منجملہ زہاد صحابہؓ و تابعین شمار کیا تھا جس کا حوالہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحات ۱۵۲ و ۳۰۳ میں دیا ہے اور خود آپ نے بھی اس کی تردید نہ فرما کر اسے صحیح تسلیم فرما لیا ہے ؎

زیر گردوں بد نہ بولے گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

(۳۳) صفحہ ۱۳۲ پر فرماتے ہیں کہ:-

"یہ سب شہادتیں ہم نے اس لئے نہیں پیش کیں کہ ہمیں یزید پر لعنت کہنے سے کوئی خاص دلچسپی ہے اور نہ ہی ان لعنت ثابت کرنے والے علماء و ائمہ کا منشا یزید کی لعنت کو بطور وظیفہ کے پیش کرنا ہے -- ان کا منشاء زیادہ سے زیادہ لعنت کا جواز ثابت کرنا ہے لعنت کو واجب بتلانا نہیں۔ ادھر بعض دوسرے ائمہ علم یزید پر لعنت کرنے کو پسند نہیں فرماتے جیساکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " لوگوں پر لعنت کرنے میں خطرہ ہی خطرہ ہے اور لعنت سے بچ جانے اور زبان روک لینے میں حتیٰ کہ لعنت ابلیس سے بھی رک جانے میں کوئی خطرہ نہیں چہ جائیکہ اس کے کسی پر لعنت بھیجنے میں خطرہ ہو"[ع]

ہمارے مولانا بھی مفید مطلب عبارات جمع کرنے پر اس طرح تلے ہوئے ہیں کہ ابھی تک تو بڑے بڑے محدثین و مفسرین اور فقہاء و متکلمین کی عبارات سے یزید کا فاسق و مستحق لعنت ہونا ثابت فرماتے رہے، لیکن جب لعنت سے خاموشی اختیار کرنے کا خیال آیا اور اس میں ان کو کسی متکلم و فقیہ یا محدث و مفسر کا دامن نہ ملا تو بدرجۂ مجبوری ایک صوفی صافی یعنی امام غزالی کا دامن پکڑ نا مناسب جانا اور ان کے کلام سے ان فقہاء و محدثین کا منشا متعین فرمایا حالانکہ اگر ان

ع غالباً ترجمہ میں مولانا سے تسامح ہوا یا کاتب کی غلطی سے "نہ" چھوٹ گیا ورنہ ترجمہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ " لعنت نہ بھیجنے میں خطرہ ہو"۔ ۱۲ رومی

فقہاء و علماء کا منشا یہی تھا تو یہ بھی ان ہی کے کلام سے ثابت فرمانا چاہئے تھا ورنہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ یزید کو فاسق و مستحقِ ملامت قرار دینے کے لئے تو عبارتیں پیش ہوں ائمہ مجتہدین اور فقہاء و محدثین کی اور لعنت سے خاموش رہنے کا منشا متعین کرنے کے لئے صرف امام غزالیؒ بیچارے رہ جائیں۔ اگر امام غزالی کا کلام بھی قابل استناد ہو سکتا تھا تو مولانا کی نظر سے ان کا وہ کلام بھی تو گزرا ہوگا جسے عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور اس کا کچھ حصہ مضمون زیرِ نظر کے گذشتہ صفحات میں بھی پیش کیا جا چکا ہے۔

(۴۳) صـ۱۳۳ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ائمہ ہدایت کے یہاں کسی کے بارے میں لعنت کا جواز بلکہ لعنت کا سوال اٹھ جانا اسکے اچھے کردار کی دلیل نہیں ہو سکتا بلکہ بد کرداری اور فسق ہی کی دلیل ہو سکتا ہے اس لئے یہ لعنت کے اقوال ان ائمہ کی طرف سے بلا شبہ یزید کے فسق کی ایک مستقل دلیل اور وزنی شہادت ہیں۔"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:۔

"بہر حال یزید کا فسق و فجور اور بری شہرت شروع ہی سے اس درجہ پہ تھی کہ اگر کسی واقعہ سے کوئی اس کی مدح کا پہلو تلاش کر کے نکال بھی لیتا تو مبصر علماء فوراً اس کی تردید کے لئے کمربستہ ہو جاتے۔"

اس کی مثال دیتے ہوئے چند سطروں کے بعد صـ۱۳۵ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المومنین کہدیا تو انھوں نے اسے بیس ۲۰ کوڑوں کی سزا دی۔ ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب [ج ۱۱ ص ۳۶۱]

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام غزالی کا صوفیانہ مشورہ تو مولانا نے نقل فرما دیا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ اندیشہ بھی پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ واقعی امام غزالیؒ کے تصوف کا شکار ہو جائیں اور سرے سے فسقِ یزید ہی کا انکار کر دیں اور اس طرح یزید کو فاسق و لعنتی ثابت کرنے کے سارے منصوبے خاک میں ملجائیں، تو فوراً مولانا نے استدراک فرمانا شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں ان کو عمر بن عبد العزیز کی مثال بھی یاد آ گئی لیکن اگر اس مثال کے ساتھ ساتھ مولانا عباسی صاحب کے ان اقتباسات کا جواب بھی مرحمت فرما دیتے تو شاید دیانت سے بعید نہ ہوتا، مگر خدا جانے کیوں مولانا عباسی صاحب کے حوالجات سے تعرض فرمانا اپنی شانِ علم کے خلاف سمجھتے ہیں ورنہ عباسی صاحب نے تو اپنی کتاب میں صـ۳۳ پر العواصم من القواصم کے حاشیہ سے نقل کیا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے

" آپ حضرات ہمارے ان موجودہ سلطان کو خلیفہ کہتے ہیں اور میں آپ کا شیعہ بھائی ہوتے ہوئے بھی باعلان کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہ اپنی پاک سیرت کے اعتبار سے بہ نسبت ہمارے موجودہ خلیفہ کے خلافت کے زیادہ مستحق تھے اور شرع محمدی پر عمل پیرا ہونے میں ان سے زیادہ صادق تھے۔ پھر کہاں ان کے والد معاویہؓ کا درجہ اور منزلت؟"

اسی طرح عباسی صاحب نے علامہ ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ سے اپنی کتاب کے صـ۳۳۱ و ۳۳۲ پر جو نقل کیا ہے اس کا ترجمہ خلاصہ یہ ہے:۔

"پس ان میں سے ہر ایک اسی معنی و اعتبار سے امام تھا کہ اس کو اقتدار حاصل تھا اور قوت عسکریہ اس کے پاس تھی۔۔۔ وہی حدود شرعیہ قائم کرتا تھا اور کفار سے جہاد کرتا تھا۔۔۔ اسی معنی و اعتبار سے وہ (امیر یزید)

امام اور خلیفہ و سلطان تھے ــــ پس اہل سنت جو یزید، عبدالملک یا المنصور وغیرہ کی امامت کے معتقد ہیں وہ اسی اعتبار سے ہے اور جو کوئی اس میں نزاع کرے وہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حکمرانی کے بارے میں نزاع کرے یا بادشاہوں سے کسریٰ و قیصر و نجاشی وغیرہ کے بارے میں کہے کہ وہ حکمراں نہ تھے۔"

شاید مولانا بھی "نظریاتی ریسرچ" کا جواب "نظریاتی ریسرچ" ہی سے دینا چاہتے ہیں اس لئے ان کو بس اپنے مفید مطلب حوالے فراہم کرنے کی فکر ہے۔ عباسی صاحب کے دلائل کا جواب تلاش کرنے کا موقع کہاں ہے۔

(۳۵) ص۱۳۸ پر فرماتے ہیں کہ :-

"عباسی صاحب تو ابن کثیر کی ناتمام عبارت سے یزید کے حسن کردار کا ثبوت پیش کریں اور خود حافظ ابن کثیر حدیث رسول سے استشہاد کر کے اس کی دیانتی و بدکرداری ثابت کریں یہ نہ صرف عبارت ہی میں ایک گونہ خیانت کے ہم معنی ہے، بلکہ منشا مورخ کے خلاف اس کی تاریخ کا ناجائز استعمال بھی ہے۔"

مولانا کی ساری کتاب میں یہ ایک مثال ہے جس میں مولانا عباسی صاحب کے ایک حوالہ پر ناتمام ہونے کا اعتراض فرمایا ہے مگر اس اعتراض کا وزن اس سے کچھ زیادہ نہ رہ گیا کہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب کی منقولہ عبارت کے لئے بدایہ ابن کثیر اور تاریخ اسلام ذہبی دو کتابوں کا حوالہ دیا تھا۔ لہٰذا تا وقتیکہ دونوں حوالوں کی تغلیط و تردید نہ ہو عبارت کے ناتمام ہونے کا اعتراض بھی ناتمام ہی رہے گا۔ علاوہ ازیں عباسی صاحب جب حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت محمد بن الحنفیہ جیسے حضرات کی عینی شہادات اور بیانات سے یزید کی صلاح کاری اور نیک اطواری ثابت کر چکے تھے تو کوئی ضرورت نہ تھی کہ ابن کثیر کے وہ جملے بھی نقل کرتے جو سبائی ذہنیت کی پیداوار تھے اور جن کے ناقلین کے لئے قاضی ابی بکر بن عربی نے تو یہاں تک فرمادیا کہ ایسے لوگوں کو شرم کیوں نہیں آتی، اس لئے ماننا پڑے گا کہ عباسی صاحب کی پیش کی ہوئی حضرات صحابہؓ کی عینی شہادات ابن کثیر کی اس عبارت کے مقابلہ میں زیادہ وزنی ہیں بالخصوص جب حضرت محمد بن حنفیہ کی شہادت (جو پچھلے صفحات میں نقل ہو چکی) اور صفائی کے راوی بھی یہی حافظ ابن کثیر ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں :-

وقد سئل محمد ابن الحنفية فی ذالك فامتنع من ذالك اشد الامتناع وناظرهم فی یزید ورد علیهم ما اتهموه من شرب الخمر وترکه بعض الصلوٰة ۔ (ص۲۲۱ ج۸ ۔ البدایۃ النہایہ)	اور جب محمد بن حنفیہ سے اس (فی) بیعت کے) بارے میں کہا گیا تو انہ نے بہت سختی سے انکار کیا اور ا لوگوں سے بحث و مباحثہ کیا اور یز کے بارے میں ان سے لڑے اور ن نوشی اور ترک نماز کے جو تہامات لوگ لگاتے تھے اس کی تردید ک (خلافت معاویہؓ و یزید ص۸۸)

+ + + +

(۳۶) ص۱۳۸ پر فرماتے ہیں کہ :-

"ابن کثیر کی یہ روایت تو سبائی روایت نہیں یہ خود اس کا تاریخی دعویٰ اور تاریخی آنکھ کا مشاہدہ ہے اگر یہ بھی سبائی روایت ہے تو اس کے جزو اول سے عباسی صاحب نے کیوں استدلال فرمایا ہے اور اگر سبائی روایت نہیں بلکہ ابن کثیر کی معتبر اور مستند روایت ہے تو ان کی عبارت کے جزو ثانی سے استدلال کیوں نظر انداز کر دیا۔"

مولانا کی یہ جرح کچھ اس قسم کی ہے جس سے خود انکی شا علم و تحقیق مجروح بلکہ مذبوح ہو گئی اور اندازہ یہ ہوا کہ سبا اور غیر سبائی روایتوں میں فرق کرنے کا شعور مولانا کو بالکل نہیں ہے اور وہ اسی قسم کی منطقی دلیلوں سے کسی روایت کے سبا یا غیر سبائی ہونے کا فیصلہ فرماتے ہوں گے۔ حالانکہ مولانا اس میدان میں آنے اور "مشاجرات صحابہ" کے نازک و پیچید موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے سبائیوں کی دسیسہ کاریوں کا غا مطالعہ فرما کر ان کی عیاریوں اور مکاریوں سے پوری واقفیت حاصل فرما لینی چاہئے تھی سبائیوں کا تو خاص فن یہی ہے وہ لفظاً ہر دوست بن کر حق دشمنی ادا کرتے ہیں اس لئے اب

تو واقع میں ان کا خاص کمال یہی ہوگا کہ وہ یزید کی طرف سے مسلمانوں کو ایسی روایتوں کے ذریعہ بدگمان کریں کہ یہ ظاہر ہی نہ ہوسکے کہ یہ روایت کسی سبائی اور دشمنِ یزید کی ہے یا کسی غیر جانب دار منصف مزاج کی؟ جیسا کہ ابن کثیر کی زیر بحث روایت کا انداز ہے جس میں نام کے لئے یزید کی کچھ ایسی خوبیاں بھی گنادیں جو یزید کے دینی کردار پر قطعًا اثر انداز نہ ہوئیں پھر ان کے ساتھ ہی ساتھ اسے پرلے درجہ کا عیاش و بدمعاش اور اوباش سب ہی کچھ تو کہدیا جسے "ماہرانِ فنِ سبائی" تو سمجھ گئے (اور انھوں نے ایسی روایت سے کام کی بات لے لی اور "پُرفن" حصہ "کالائے بد" کے طور پر راوی ہی کو واپس کر دیا) مگر ہمارے مولانا جیسے سیدھے سادے حضرات ابھی اسی اشکال میں مبتلا ہیں کہ اگر یہ روایت سبائی ہے تو اس کے جزوِ اول میں یزید کی مدح کیوں ہے اور اگر سبائی نہیں ہے تو اس کے جزوِ ثانی میں یزید پر قدح و تبرّا کیوں ہے؟

لہٰذا ایسی صورت میں جب کہ مولانا کی نظر (اپنی جلالتِ شانِ علم و منصبِ حکیم الاسلامی کے باوجود) سبائی و غیر سبائی روایتوں کے مابہ الامتیاز پر نہیں ہے کس طرح یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس سلسلے میں مولانا نے جو مساعی فرمائی ہیں وہ مشکور ہو کر "حقیقتِ واقعیہ" سے ہمکنار بھی ہوئی ہونگی۔

(۳۷) ص۱۳۹، ۱۴۰ پر فرماتے ہیں کہ:-

"بہرحال یزید کے فسق و فجور پر جبکہ صحابہ کرام سب کے سب ہی متفق ہیں خواہ مبائعین ہوں یا مخالفین پھر ائمہ مجتہدین بھی متفق ہیں اور ان کے بعد علماء راسخین، محدثین، فقہاء —— تو اس سے زیادہ یزید کے فسق کے متفق علیہ ہونے کی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ یہ تاریخی نظریہ نہیں۔ بلکہ ایک فقہی اور کلامی مسئلہ ہے۔ مذہبی ریسرچ کو ذرا اور آگے بڑھا دیا جائے تو واضح ہوگا کہ فسقِ یزید کا مسئلہ کوئی اجتہادی مسئلہ بھی نہیں۔ بلکہ ایک منصوص مسئلہ ہے جس کی بنیادیں کتاب و سنت میں موجود ہیں۔"

مولانا کے یہ بلند بانگ دعوے حقیقت نفس الامری سے کس قدر دُور ہیں، اس کا اندازہ تو ناظرین کو گزشتہ صفحات سے اچھی طرح ہوگیا ہوگا اس لئے دوبارہ یہاں کچھ عرض کرنا باعثِ تطویل ہی ہوگا۔ البتہ اس موقع پر مولانا سے صرف ایک فتویٰ دریافت کرنا ہے امید کہ جماعت دارالعلوم کے تمام افراد خصوصًا مہتمم صاحب اور صدر مفتی صاحب پورے غور و خوض کے بعد فتویٰ صادر فرماکر عامۃ المسلمین کی رہنمائی اور اور "دینی ٹھیکہ داری" کا حق ادا فرمائینگے۔ استفتاء یہ ہے:-

کیا فرماتے ہیں علمائے جماعت دارالعلوم دیوبند اس مسئلہ میں کہ جو حضرات "فسقِ یزید" کے قائل نہ ہوں اور (بقول آپ کے) فسقِ یزید کے متفقہ بلکہ منصوص عقیدہ کا انکار فرماتے ہوں ان کے بارے میں ہم لوگوں کو کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے۔ مثلاً حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہم (جن کے حالات نقل کئے جاچکے ہیں) یا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (جنھوں نے اس "فاسق" سے مختار ثقفی کی رہائی کے لئے سفارش کی، خلافت معاویہ ص۲۲۳) یا ان کے صاحب زادے حضرت سالم (جنھوں نے اپنی دختر حضرت ام مسکین کو اس "فاسق" کے نکاح میں دیا۔ خلافت معاویہ ص۴۵) یا حضرت ابو زرعہ دمشقی (جنھوں نے یزید کو طبقۂ علیا میں شامل اور ان کی مروی احادیث کا بھی اقرار کیا۔ خلافت معاویہ ص۴۹) اسی طرح حضرت احمد بن حنبل (جنھوں نے یزید کو منجملہ زاہدین صحابہ و تابعین شمار کیا ہے۔ خلافت معاویہ ص۵۲) یا قاضی ابی بکر بن عربی (جن کی عبارتیں نقل ہوچکیں) یا شیخ عبد المغیث بن زہیر الحربی (جنھوں نے یزید کی فضیلت میں مستقل ایک کتاب ہی تصنیف فرمادی خلافت معاویہ ص۵۵، ۵۶)

ارشاد فرمائیے! یہ حضرات مذکورہ بالا اور دیگر حضرات جنھوں نے یزید کو فاسق نہ سمجھا ہو مسلمان تھے یا آپ کے مزعومہ "منصوص عقیدہ" کے انکار کی بناء پر نعوذ باللہ منہ کافر تھے؟

معلوم ہوتا ہے کہ "بغض ابن معاویہؓ" کے جذبے سے مغلوب ہوکر مولانا نے یزید کو فاسق و بددین ٹھہرانے کے لئے اپنی ساری

فکری صلاحیتیں صَرف فرما دیں اور یہ غور نہ فرمایا کہ اس مذہبی ریسرچ کو ذرا اور آگے بڑھانے کے دُور رس نتائج اس حد تک غلط بھی ہو سکتے ہیں اور سبائی روایتوں پر یقین کرکے گمنام و بے نام "عام صحابہؓ کو فسقِ یزید کا قائل دکھلانے کا مطلب یہ بھی ہو سکے گا" کہ حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت محمد بن حنفیہ حضرت عاصم جیسے جلیل القدر حضرات کے ایمان کی نعوذ باللہ منہ خیر منانی پڑ جائے گی۔

(۳۸) صـ۱۴۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس سے متعین ہو گیا کہ جس امارتِ صبیان سے ابوہریرہؓ پناہ مانگتے تھے اور سنہ ۶۰ھ کے جن صبیان کی بدعملی اور شہوت رانی حدیث ابوسعید خدری میں مذکور تھی وہ یہی امارت تھی جس کا اولین سربراہ یزید تھا عمر بلوغ کی تھی مگر عقل و تدبیر اور دین کے لحاظ سے نابالغ اور صبی تھے۔"

مولانا کو اس "متعین" فیصلے و نتیجہ تک پہنچنے کے لئے کئی زینے طے کرنے پڑے ہیں تا وقتیکہ ان زینوں کو ہم بھی نہ طے کریں اس نتیجے کی صحت و درستی کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے اسلئے پہلے ان زینوں کو ہی طے کرنا مناسب ہے۔ مولانا کا پہلا زینہ بخاری کتاب الفتن کی یہ حدیث ہے:۔

"فرمایا ابوہریرہ نے میں نے صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکی چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی" (بخاری شریف کتاب الفتن صـ۱۴۶/۲)

جہانتک اس حدیث شریف کے الفاظ کا تعلق ہے وہ بالکل غیر واضح اور مبہم تھے جس کی بناء پر مولانا کو اس نتیجہ تک پہنچنے کے لئے دوسرے زینے طے کرنے ضروری تھے لیکن اپنی بات کو وزن دار اور ناظرین کو مرعوب کرنے کے لئے بخاری کا نام لینا بھی ضروری تھا اس لئے یہ روایت ذکر فرما دی۔ لیکن تعجب تو یہ ہے کہ مولانا کو بخاری کتاب الفتن کی یہ حدیث تو نظر پڑی (جو یزید کے بارے میں واضح بھی نہ تھی) مگر اسی کتاب الفتن بخاری کی یہ حدیث نظر نہ پڑی جسے عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کیا تھا (جو یزید کے بارے میں مخصوص بھی تھی) کہ:۔

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلقین کو جمع کیا اور فرمایا کہ ہم نے اس شخص (یزید) سے اللہ و رسول کی بیعت کر لی ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے اس کی بیعت توڑ دی یا اس شورش میں شریک ہوا تو پھر میرا اور اس کا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا۔" (خلافت معاویہؓ و یزید صـ۲۳۲)

دوسرا زینہ مولانا کا ابن بطال کی نقل کے مطابق ابن ابی شیبہ کی وہ روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:۔

"رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگی اور اس کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ اگر تم ان کی اطاعت کروگے تو دین کے لحاظ سے ہلاک ہو جاؤ گے اور ان کی نافرمانی کروگے تو تمہاری دنیا (جان و مال) تباہ ہوگی۔" (مختصراً) (تمہید کربلا اور ...)

اگر بقول مولانا اس حدیث کے امیر کا مصداق یزید ہے اور غیر مطیع حضرت حسین ہیں (جن کو اپنی نافرمانی کی بناء پر جان سے ہاتھ دھونا پڑا) تو لا محالہ اس کے مطیعین وہ کثیر التعداد حضرات صحابہؓ بھی ہوں گے (جنھوں نے یزید کی اطاعت کر لی تھی) اس صورت میں مولانا کو اپنا کلیجہ تھام کر اس کے لئے بھی تیار رہنا ہوگا کہ وہ ان مطیعین صحابہ کے لئے "دینی ہلاکت" کا فتویٰ صادر فرمائیں پھر اسی پر بس نہیں بلکہ مولانا کو اپنے اور سبائیوں کے درمیان فرق بھی ظاہر کرنا ہوگا جو اسی طرح بڑی آسانی سے عام صحابہ کرامؓ کو نعوذ باللہ منہ کافر و مرتد اور بے دین قرار دیتے ہیں۔

تیسرا زینہ مولانا کا اسی ابن ابی شیبہ کی یہ روایت ہے کہ:۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بازاروں میں چلتے پھرتے کہتے تھے کہ اے اللہ سنہ ۶۰ھ کا زمانہ مجھے نہ پائے اور لڑکوں کی حکومت کا زمانہ بھی مجھے نہ پائے۔۔۔"

(اس حدیث میں سنہ ۶۰ھ سے اور لڑکوں کی حکومت سے پہلے ہی موت کی خواہش کی گئی ہے مگر وجہ کچھ بھی نہیں ظاہر کی گئی اگر اس کی وجہ بھی وہی "دینی ہلاکت" ہے تو پھر اشکال بھی وہی ہوگا جو اوپر مذکور ہوا ورنہ میرے خیال میں اگر یہ روایت

صحیح ہو تو مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر پناہ مانگی ہو کہ وہ آزمائش و فتنہ کا وقت ہوگا، مسلمانوں کی خانہ جنگی و خونریزی ہوگی جس سے دُور ہی رہنا بہتر اور اسلم ہے اس لئے اس حدیث سے فسقِ یزید پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

چوتھا زینہ مولانا کا ابن کثیر کی نقل کردہ حضرت ابو سعید خدری کی یہ روایت ہے کہ:-

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ۶۰ھ کے بعد ایسے خلف ہونگے جو نمازوں کو ضائع کریں گے اور شہوات نفس کی پیروی کریں گے وہ عنقریب غی (وادیِ جہنم) میں ڈالدیئے جائیں گے۔"

اس حدیث کے سلسلے میں اوّل تو کہنا یہ ہے کہ یہ حدیث مذکورہ بالا حدیث سے متعارض ہے اوپر کی حدیث میں ۶۰ھ کا زمانہ وارد ہوا اور اس میں ۶۰ھ کے بعد کا زمانہ بتایا گیا جس کا مصداق ۶۰ھ کے بعد سے لیکر ۷۰ھ تک کا کوئی سال بھی ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہنی ہے کہ اس حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ کسی امیر کی نشاندھی کرتی ہے اس میں تو "خلف" کا لفظ آیا ہے اور یہ لفظ ہر بعد کو آنے والے کے لئے بولا جاسکتا ہے اس لئے اس سے صرف حاکم مراد لینا اچھی خاصی زبردستی ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس سے مراد ۶۰ھ ہی ہے تو پھر حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما کی شہادت موجود ہوتے ہوئے یزید کو تارک صلوٰۃ اور عیاش و بدمعاش قرار دے کر اس حدیث کا مصداق بتانا کتمانِ شہادت اور حق پوشی کے ساتھ ساتھ زبردست بہتان طرازی اور صریح ظلم ہے۔

غرضکہ حدیث بخاری میں آئے ہوئے لفظ "غلمہ" کا مصداق یزید کو قرار دینے کے لئے مولانا نے تین زینے جو اور تعمیر فرمائے اس قدر کمزور ثابت ہوئے کہ صحیح طور پر انکو "اخبار آحاد" کا درجہ بھی نہیں دیا جاسکتا، چہ جائے کہ ان کے ذریعہ سے کسی عقیدہ کو وضع کرنے کی ہمت کی جائے اس موقعہ پر بے ساختہ وہ مصرعہ لکھنے کو جی چاہتا ہے جو حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدّث تھانوی علیہ الرحمہ کے ایک فتوے پر تبصرہ فرماتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔ مشہور مصرعہ ہے:-

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں

(۳۹) ص۱۴۵ پر فرماتے ہیں کہ:-

"کون نہیں جانتا کہ آج کی حکومتِ ہند کلیدی عہدوں پر ہندوؤں کے سوا دوسری قوموں کے افراد بالخصوص مسلمانوں کو رکھنے کی روادار نہیں لیکن بین الاقوامی اور بالخصوص اسلامی دنیا کا منہ بند کرنے کے لئے چند گنے چنے نام مسلمانوں کے بھی رکھ چھوڑے ہیں — دنیا ان کی عدد شماری دیکھ کر سمجھتی ہے کہ شاید ساری حکومت ہند پر مسلمانوں کا قبضہ ہے — اسی پر عباسی صاحب کی اس صنعت گری کو قیاس لیا جائے کہ انھوں نے بھی مجموعی طور پر اکابر کے کچھ ناموں کی فہرست پیش کر کے حکومت یزید کی صفائی پیش کر دی"

مولانا نے حکومتِ ہند کی مثال کچھ زیادہ موزوں نہیں دی۔ کیونکہ اس میں مختلف مذاہب کی نمائندگی کی بناء پر کچھ واقعی پیچیدگی بھی ہو جاتی ہے اس لئے اس مثال سے عباسی صاحب کی صنعت گری واضح نہیں ہوتی اچھا ہوتا کہ مولانا "آپ بیتی" ہی بیان فرماتے یعنی اپنے دار العلوم کی مجلس شوریٰ کی مثال کو سامنے رکھتے جس میں عرصہ تک حضرت تھانویؒ، حضرت رائپوریؒ، حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ (وغیرہم من الاکابر) کے نام لوگوں کو متأثر و مرعوب کرنے کے لئے محض برائے نام سرِ فہرست شائع کر دیئے جاتے تھے اور خفیہ ترکیبیں اس کے لئے ہوتی رہتی تھیں کہ کسی طرح یہ اکابر دار العلوم کا پیچھا چھوڑ دیں تو مدرسہ کو من مانے طور پر چلایا جائے۔

جہاں تک میری عقل کام کرتی ہے یہ مثال زیادہ

موزوں و منطبق ثابت ہوتی کہ سب ایک ہی مسلک و مذہب کے افراد تھے اور محض صغرسنی و کبرسنی یا بجنوری و غیر بجنوری قسم کا فرق تھا اور مولانا کے ارشاد کے مطابق اسی قسم کی صنعت گری یزیدی حکومت میں ہوتی تھی اس لئے یہ مثال زیادہ مناسب ہے۔ ویسے مولانا کو اختیار ہے وہ چاہیں تو قریب ہی کی مثال دیں یا دہلی کی مثال دینے اتنی دُور جائیں۔

(۴۰) صفحہ ۱۴۹ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"لیکن یہ عنوان جہاں واقعہ کے خلاف ہے وہیں قول رسول کا معارضہ بھی ہے جس میں اس حکومت کو "امارۃ الصبیان" کہا گیا ہے اور ذاتی اور اجتماعی تباہ کاریوں کی فہرست پیش کر دی ہے۔"

اگر "قول رسول کا معارضہ" ہونا پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ سکا تو کیا ہوگا۔ مولانا اگر اس صورت کے لئے کوئی مفر رکھتے ہوں تو خیر ورنہ مناسب یہی ہے کہ وہ اپنا کوئی مفر تلاش فرمائیں اور حدیث من کذب علی متعمداً الحدیث (جو شخص دانستہ میری طرف کوئی غلط بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے) کو کسی حال میں فراموش نہ فرمائیں۔

(۴۱) صفحہ ۱۵۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"جیسے ابو عبیدہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ "میری امت کا امر و حکم عدل کے ساتھ قائم رہے گا۔ یہانتک کہ پہلا وہ شخص جو اسے تباہ کرے گا بنی اُمیّہ میں سے ہوگا جسے یزید کہا جائے گا۔" لیکن ہم نے اس قسم کی روایتوں اس لئے پیش نہیں کیا کہ ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے۔"

نماز میں بولنے کے باوجود "من نہ بولیدم" کہنا بیوقوفوں کی حکایت میں تو مشہور تھا مگر ازراہِ ہوشیاری و عقلمندی کسی روایت کو ذکر کر کے یہ فرمانا کہ "ہم نے اس قسم کی روایتوں کو اسلئے پیش نہیں کیا کہ ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے۔" ہر ایک سے شاید بن نہ پڑے۔

مولانا نے شاید غور نہیں فرمایا کہ جن احادیث کو اس وضعی حدیث سے علیحدہ سمجھ کر مولانا نے اُوپر ذکر فرمایا اور نتیجہ تک رسائی کے لئے زینہ بنایا ہے، ممکن ہے وہ بھی اسی وضعی حدیث کی ابتدائی کڑیاں ہوں اور اس صاف و صریح اور نام و نسب پر مشتمل حدیث کو صحیح باور کرانے کے لئے زمین ہموار کرنے کی خاطر مشہور کی گئی ہوں تاکہ اس تدریجی تصریح و تشریح کی وجہ سے کسی کو وضع حدیث کا شبہ بھی نہ ہو۔

(۴۲) صفحہ ۱۵۵ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس سے نہیں انکار کیا جا سکتا کہ جیسے اس حدیث کا عموم اسے مقبولین میں داخل کر رہا ہے ویسے ہی بخاری وغیرہ کی دوسری احادیث کا عموم اسے اس مقبولیت سے خارج بھی کر رہا ہے۔"

سمجھ میں نہیں آتا کہ یزید کی مغفرت سے مولانا کو اپنے کس نقصان کا اندیشہ ہے کہ ان کو حدیث مغفرت میں یزید کا شمول بھی پسند نہیں اور وہ محض بخاری کا نام لیکر ہی مغفرت یزید کی نفی فرما دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ مغفرت کا ظہور تو حشر میں ہونا ہے اور کفر و شرک کے سوا جملہ معاصی مغفرت کا محل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بقول مولانا "امارتِ صبیان" والی حدیث کا مصداق یزید ہی ہے تو بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے باوجود یزید کی مغفرت ممکن ہے یا نہیں اگر کہا جائے کہ مغفرت یزید ممکن نہیں تو یہ بات تو بالکل صریح البطلان ہے۔ لہٰذا یہ متعین ہو گیا کہ مغفرت یزید ممکن ہے اور جب مغفرت ممکن ہوئی تو پھر کیا مضائقہ ہے کہ اس کو حدیث مغفرت میں شامل مان کر مغفور لھم کا ایک فرد مان جائے۔

(۴۳) صفحہ ۱۵۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اسی طرح یہاں بھی جہادِ قسطنطنیہ کے سب شرکاء کے لئے وعدۂ مغفرت عام ہے مگر اسی طبعی شرط کیساتھ کہ یہ لوگ انھی قلبی کیفیات و احوال اور باطنی نیات و جذبات پر باقی رہیں ــــ لیکن اگر کسی کے قلبی احوال بگڑ جائیں اور تقویٰ کے وہ مقامات باقی نہ رہیں جو بوقتِ جہاد تھے تو طبعاً وہ حکم المغفرت۔ خاص فرد کے حق میں باقی نہ رہے گا۔"

مولانا کی اس عبارت کو پڑھ کر یزید کی وکالت کا خیال تو دل سے نکل گیا۔ البتہ خود اپنی فکر پڑ گئی کہ خدانہ کردہ اگر اللہ تعالیٰ نے مولانا جیسے کسی شخص کے سپرد خفیہ انکوائری کردی اور اس اللہ کے بندے نے بھی اسی طرح قلبی کیفیات و احوال اور باطنی نیات و جذبات اور تقویٰ کے مقامات دیکھ دیکھ کر مغفرت کا سرٹیفکٹ دینا شروع کیا تو پھر شاید جہنم کو بھی "ہل من مزید" کہنے کی نوبت نہ آئے گی نعوذ باللہ منہا۔

(۴۴) ص۱۵۷ پر فرماتے ہیں کہ:-

"ٹھیک اسی طرح جہاد قسطنطنیہ والی حدیث بشارت مغفرت کے عموم میں یزید بھی شامل تھا جسکے معنی یہ تھے کہ اس کے اس وقت کے احوال و اعمال مقبول یا مغفور تھے — جب وہ بدلے تو طبعاً وہ بشارت بھی اس کے حق میں باقی نہ رہی — پس جب یزید کا حال اچھا تھا بشارت قائم تھی جب بدل گیا تو بشارت بھی اٹھ گئی۔ اب سوال اگر رہ جاتا ہے تو یہ کہ آیا یزید کے احوال بدلے یا وہی سابقہ باقی رہے؟ تو اس کا فیصلہ تاریخ نے کر دیا ہے کہ بدل گئے۔"

مولانا کے ارشاد کی تردید میری طرف سے نہ تو مفید ہی زیادہ ہو سکتی ہے اور نہ مناسب ہی ہو گی اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہمارے ناظرین مولانا ہی کے قلم سے اس کی تردید بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اپنی کتاب کے ص۱۵۹ پر خود مولانا فرماتے ہیں کہ (اس وقت یزید کے وہ حالات ظاہر نہ تھے جو بعد میں ظاہر ہوئے — جن جن حضرات نے اس وقت اس کی ولیعہدی کو تسلیم کیا وہ بھی یزید کے "سر مکنون" کے ظاہر نہ ہونے کے سبب حق بجانب تھے)۔ اور ص۱۶۱ پر مولانا حضرت مدنیؒ کی یہ عبارت نقل فرماتے ہیں کہ (اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان (حضرت معاویہؓ) کے سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ بد اعمالیاں وہ جو کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی)۔

ظاہر ہے کہ ان عبارات کا صاف مطلب یہی ہے کہ یزید فاسق فاجر تو روز اول ہی سے تھا لیکن خفیہ طور پر فسق و فجور کیا کرتا تھا جو تمام حضرات سے پوشیدہ تھا مگر خلیفہ ہونے کے بعد وہ خوب کھل کھیلا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ جب وہ پیدائشی اور مادر زاد فاسق تھا تو حدیث بشارت میں شامل ہونے کا مستحق تو وہ کسی وقت بھی نہیں تھا۔ لہٰذا یہ طول طویل بحثیں آخر کس لئے ہیں کہ وہ پہلے تو حدیث بشارت میں داخل تھا مگر بعد کو خارج ہو گیا۔ ہمارے مولانا نے جب اس کا "سر مکنون" تلاش فرما لیا تو اب یہ فرمانا کہ پہلے اس کے حالات اچھے تھے بعد کو بدل گئے بالکل بے بنیاد بات ہے۔

(۴۵) ص۱۶۰ پر فرماتے ہیں کہ:-

"اس سے بھی زیادہ واقعات سے اقرب اس حدیث کی تشریح یہ ہے کہ جہادِ قسطنطنیہ سے یزید کی سابقہ سیأت کی مغفرت کردی گئی تو وہ **مغفور لھم** میں حقیقتاً داخل ہو گیا، لیکن بعد کی سیأت کی مغفرت کا اس میں کوئی وعدہ نہیں تھا "مغفور لہم" کو ایسا ابدی حکم سمجھنا کہ یزید کے مرتے دم تک کے تمام فسق و فجور کی مغفرت ہو گئی — محض ذہنی اختراع ہے حدیث کا مدلول نہیں۔"

مولانا نے اس کو تو ذہنی اختراع فرما دیا مگر اپنی تصنیف فرمودہ توجیہ کے لئے کچھ نہ فرمایا۔ حالانکہ مولانا کی توجیہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث مغفرت میں تو مغفرت کو مطلق رکھا گیا ہے جس کا ظاہر اور متبادر مطلب یہی ہے کہ یہ مغفرت تمام سیئات کے لئے ہو گی اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مغفرت کو مقید و محدود فرمانا چاہتے تو وہی عنوان اختیار فرماتے جو اس قسم کی بعض دوسری احادیث میں موجود ہے۔ مثلاً فرماتے کہ قسطنطنیہ کے جہاد میں شرکت ماقبل یا مضیٰ کے لئے مغفرت ہے۔

مولانا اگر ذرا سی تکلیف فرما کر بخاری شریف اور فتح الباری ملاحظہ فرما لیتے یا عباسی صاحب ہی کی کتاب کے

غور سے دیکھ لیتے تو ان کو دوسری حدیث بشارت کے یہ الفاظ بھی مل جاتے :۔

اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا۔	میری امت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کریگی اُس پر جنت واجب ہوگی (بخاری شریف صلاہ بحوالہ خلافت معاویہ و یزید ص۲۲)

اور عباسی کی نقل کے مطابق فتح الباری میں اسکی تشریح یہ ہے (ای وجبت لھم بہ الجنۃ) اس تشریح کے مطابق تو تمام شرکاء جہاد کے لئے جنت واجب ہوگئی اور بقول ابن تیمیہ اس فوج کا ہر شخص مغفرت میں شامل تھا اور چونکہ یہ ارشاد نبوی پیش گوئی کے طور پر واقع ہوا ہے اس لئے اس میں تخلف بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ اسی بناء پر حافظ ابن کثیر اس کو منجملہ دلائل نبوت ذکر فرماتے ہیں، لہذا ماننا پڑے گا کہ اگر یزید اس فوج میں شامل تھا تو اس حدیث کی رو سے وہ بھی جنتی ہے اس کے لئے بھی مغفرت و جنت واجب ہے اب رہا یزید کی شرکتِ جہاد کا ثبوت تو یہ شرکت ایسی واقعی اور یقینی ہے جس کا انکار نہیں بن پڑا بلکہ ابن تیمیہ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ اسی حدیثِ بشارت کی خاطر یزید نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔ (منہاج السنۃ بحوالہ خلافت معاویہ و یزید ص۲۲)

(۴۶) ص۱۶۱ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"پھر اسی صناعی سے عباسی صاحب نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت تو نقل کردی جو انھوں نے امیر معاویہ کے انتخاب ولیعہدی پر ان سے ملامت دفع کرنے کے لئے تحریر فرمائی اور اس میں یزید کے بھی اس وقت کے اچھے حالات پر روشنی ڈالی کہ "حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں (یزید) کو آزمایا جاچکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارکہ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے الخ"۔ (خلافت معاویہ و یزید ص۱۲۰)

لیکن حضرت مولانا ہی کی آگے کی عبارت چھوڑ گئے جو یزید کے فسق و فجور سے متعلق تھی کہ :۔

"اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان (حضرت معاویہؓ) کے سامنے نہ ہوا اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی"۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص۲۶۸-۲۶۷)

ہمارے مولانا نے عباسی صاحب کی صناعی دکھانے کیلئے جو کوشش فرمائی وہ کچھ اس قسم کی ہے جس کے لئے فارسی میں "دیگراں را نصیحت و خود را فضیحت" کہا جاتا ہے۔ یعنی ہوا یہ کہ حضرت مدنی کا جو اقتباس عباسی صاحب نے پیش کیا تھا اس کو اپنے نظریہ کے خلاف دیکھ کر مولانا نے فوراً حضرت مدنیؒ کا ایک دوسرا اقتباس پیش فرمادیا مگر اس صنعت گری کے ساتھ کہ مولانا مدنیؒ کا جو اقتباس عباسی صاحب نے پیش کیا تھا اُس کے آخری جملے ہمارے مولانا کو بہت زیادہ خلاف نظر آئے تو انھیں نظر انداز فرمادیا چنانچہ عباسی صاحب کے اقتباس میں ہم کو مولانا مدنیؒ کے یہ جملے بھی نظر آتے ہیں "خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں"۔ جن کو مولانا نے اپنے نظریۂ منصوبہ کے خلاف دیکھ کر اپنی کتاب میں نقل کرنا ہی مصلحت نہ جانا۔

اب حضرت مدنی نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کے متعلق بھی سُن لیجیے کہ حضرت مدنیؒ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی حیثیت ایک توجیہہ سے زائد نہیں ہے جیسا کہ حضرت شاہ صاحب دہلوی اور حضرت نانوتوی و گنگوہی علیہم الرحمۃ کے لئے بھی پہلے عرض کیا جاچکا ہے اور اس کے توجیہہ ہو [illegible] ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت گنگوہیؒ تو جو کچھ فرما [illegible] بس اس کا مطلب یہ ہے کہ یزید حضرت امیر معاویہؓ کی حیات میں اچھا تھا بعد کو اس کے حالات بگڑے اور حضرت مدنیؒ یہ فرماتے ہیں کہ یزید کے حالات بُرے تو شروع ہی سے تھے مگر پہلے اس کی بداعمالیاں خفیہ ہوتی رہیں جن کی اطلاع لوگوں کو نہ تھی ان کا ظہور بعد کو ہوا۔ ان حضرات کے ارشادات میں یہ صریح تعارض اس کی کھلی دلیل ہے کہ ان کے فرمودات توجیہہ محض ہیں اور ان توجیہات کو حدیث بشارت سے یزید کو خارج کرنے کے لئے استعمال کرنا بھی صحیح نہیں، کیونکہ حدیث بشارت سے یزید کا اخراج نہ تو علامہ عینی کے بس کا ہے اور نہ قسطلانی و ابن منیر ہی کے اختیار میں ہے اور نہ مولانا کی "جماعت دارالعلوم" ہی کو جنت کی گیٹ کیپری سپرد کی گئی ہے۔ کیا خبر جہادِ قسطنطنیہ اپنی مخصوص اہمیت کی بناء پر یہ خصوصیت بھی رکھتا ہو کہ اسمیں

شرکت کرنے والوں کی مغفرت اللہ تعالیٰ نے واجب ہی فرمادی ہو۔ پھر یہ توجیہ بھی اس وقت ہے جب کہ یزید کے "کردار قبیح" کے سارے افسانے کچھ حقیقت بھی رکھتے ہوں ورنہ "آں را کہ حساب پاک از محاسبہ چہ باک" (یعنی جب کہ نہیں تو ڈر کیا)

(۴۷) صفحہ ۱۶۳ پر فرماتے ہیں کہ:-

"اس عبارت سے واضح ہے کہ مہلب اور دوسرے لوگ جنھوں نے یزید کی فضیلت یا خلافت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ابن منیر اور قسطلانی کی نگاہوں میں مشتبہ اور مخدوش ہیں جس کو انھوں نے بنی اُمیّہ کی حمایتِ بیجا پر محمول کیا ہے۔"

تعجب ہوتا ہے کہ آخر مولانا کے قلب مبارک تک سبائی پروپیگنڈہ کس طرح پہنچکر ایسا جاگزیں ہوگیا کہ وہ "بغضِ ابن معاویہ رضؓ" میں اس طرح مبتلا ہو گئے کہ کسی اچھی بُری بات کی تمیز تک نہیں فرما سکتے اور جو بات بھی ان کو مفید مطلب ملجاتی ہے اس کو نقل فرمانے میں ادنیٰ تامل سے بھی کام نہیں لیتے مثلاً ابن منیر و قسطلانی وغیرہ کا یہ فرمانا کہ "مہلب وغیرہ نے اس حدیث سے یزید کی فضیلت پر جو استدلال کیا ہے اس کا منشا بنی اُمیّہ کی بیجا حمایت ہے۔" ظاہر ہے کس درجہ رکیک اور سخیف بات ہے کیونکہ اس کے جواب میں بہت آسان ہے کہ ترکی بہ ترکی یہ کہدیا جائے کہ ابن منیر اور قسطلانی نے یزید کو حدیثِ بشارت سے خارج کرنے کے لئے جو کچھ کہا ہے وہ یزید کی بیجا دشمنی اور بنو عباس کی بیجا حمایت میں کہا ہے یا سبائیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کہا ہے جس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ ان حضرات نے اپنے کلام میں یزید کو کافر و مرتد تک فرض کر لیا ہے۔ اب اگر بقول مولانا ان کے کلام کو حدیثِ رسول کا معارضہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک شخص کے لئے (بالفرض وہ بڑا زبردست گنہگار بھی ہو) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ جہادِ قسطنطنیہ کی وجہ سے اس کی مغفرت ہو جائے گی یا اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ اور ابن منیر و قسطلانی اس کی بے جا دشمنی میں یہ فرمائیں کہ یہ شخص مرتد و کافر ہے۔ کبرت کلمۃً تخرج من افواھھم (بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے) گمان یہ ہے کہ ہمارے مولانا کو بھی ابن منیر و قسطلانی کی یہ بات گراں محسوس ہوئی تو انھوں نے یہ توجیہ فرمائی کہ "پس اگر یزید اسلام سے مرتد نہیں ہوا تو بتصریح مورخینِ اسلام ان عمدہ کیفیات و احوال سے تو ضرور مرتد ہو گیا جو غزوہ قسطنطنیہ کے وقت اس میں مان لی جائیں کہ تھیں اس لئے ان کیفیاتِ سابقہ کا حکم بھی اس کے حق میں باقی نہ رہا جو عموم بشارت سے قائم ہوا تھا۔" صفحہ ۱۶۴

مولانا کی اس توجیہ کو اگر عذر گناہ بدتر از گناہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا یعنی ابن منیر و قسطلانی نے تو نفس ایمان ہی کی نفی کا دعویٰ فرما کر اس حدیث بشارت سے یزید کو خارج کیا تھا جو اصولی طور پر تو صحیح تھا مگر کلام صرف اسمیں تھا کہ یزید کو کافر و مرتد کس طرح کہا جائے گا جبکہ وہ کافر و مرتد ہوا ہی نہ تھا۔ لیکن ہمارے مولانا نے تو اپنا معیار اور سخت فرما دیا اور کیفیات و احوال کے لحاظ سے بھی ارتداد کی ایک نئی شکل نکال کر یزید کے حکم ارتداد پر "جماعت دارالعلوم" کی بھی مہر تصدیق ثبت فرمادی۔ ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

(۴۸) صفحہ ۱۶۴ پر فرماتے ہیں کہ:-

"ورنہ ہر نیک اور متقی یا "مغفور لہ" کو خلیفۃ المسلمین بھی ہونا چاہیئے۔"

من ضحك ضُحِكَ جو دوسروں پر ہنستا ہے اسکی بھی ہنسی اُڑائی جاتی ہے۔ مولانا مہلب کو اپنی ہنسی کا نشانہ بنارہے ہیں مگر کیا مولانا اس کے لئے بھی تیار ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خلافت کا جو دعویٰ فرمایا تھا اور حضرات صحابہ سے اپنی فضیلت و حق پر جو استشہاد فرمایا تھا اس کا منشاء کیا تھا؟ کیا اس کا منشاء یہی نہیں تھا کہ ہیں نیک اور متقی یا مغفور لہ ہونے کی وجہ سے خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس انداز سے دعوے اور استشہاد کا مطلب یہی تھا تو اب اس کی جواب دہی مولانا ہی کے ذمہ ضروری ہے کیونکہ اس استشہاد کو بڑے

زور و شور کے ساتھ مولانا نے اپنی کتاب کے صفحات ۸۱ و ۸۲ پر نقل فرمایا ورنہ عباسی صاحب تو بقول ابن خلدون افضل کو چھوڑ کر مفضول کے خلیفہ بنانے کو صحیح مانتے ہیں۔

(۴۹) ص۱۶۵ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ صاحب عمدۃ القاری شارح بخاری نے مہلب کی اس مدح سرائی اور حمایت یزید پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے تسلیم ہی نہیں کیا کہ قسطنطنیہ کے جس غزوہ میں اکابر صحابہؓ شریک ہوتے تھے وہ یزید کی قیادت میں ہوا تھا، جبکہ یزید اس کا اہل ہی نہ تھا کہ یہ اکابر صحابہ اس کی خدمت اور قیادت میں دیدیئے جائیں۔"

اس تمہید کے بعد مولانا نے عینی (یعنی عمدۃ القاری) کی عبارت نقل فرمائی جس میں "صاحب مرآۃ" سے نقل کیا گیا ہے کہ "زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا غزوہ ۵۲ھ میں کیا اور (ضعیف روایت کے طور پر) کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کے لئے ایک لشکر بھیجا جس کے امیر سفیان بن عوف تھے۔"

چند سطروں کے بعد اسی عبارت میں کہا گیا ہے کہ "میں کہتا ہوں کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ ـــ یہ اکابر صحابہؓ اس سفیان بن عوف کے ساتھ تھے یزید کے ساتھ نہ تھے کیونکہ یزید اس کا اہل نہ تھا کہ یہ بڑے بڑے صحابہؓ اس کی خدمت میں ہیں۔"

اس موقع پر بھی مولانا نے تھوڑی سی صناعی فرمائی ہے اور اور اس روئیے کو صاحب مرآۃ کی طرف منسوب کرنے کے لئے "میں کہتا ہوں" کے بعد بین القوسین "صاحب المرآۃ" کا اضافہ فرما دیا۔ حالانکہ یہ کھلی ہوئی غلط بات علامہ عینی کی تھی مگر علامہ عینی کی طرف اس کی نسبت ہونے سے اس کا وزن شاید کچھ کم ہو جاتا اس لئے مولانا نے اس توجیہہ کو صاحب مرآۃ کے سر رکھنا ہی مناسب خیال فرمایا اور یہ نہ سوچا کہ یہ توجیہہ صاحب مرآۃ کی کس طرح ہو سکتی ہے جب کہ اسی عبارت میں صاحب مرآۃ سے اوپر یہ نقل کیا گیا ہو کہ "زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا غزوہ ۵۲ھ میں کیا"

اور اسی عبارت میں یزید کی جگہ سفیان بن عوف کا جانا صیغۂ تمریض کے ساتھ ضعیف روایت کے طور پر نقل کیا گیا ہے بلکہ خود مولانا بھی ص۱۶۵ پر اسی کو علامہ عینی کا قول تحریر فرمایا ہے اب جب کہ مولانا خود ہی اپنی تردید فرمانے میں تامل نہیں فرماتے تو دوسرے لوگ کس طرح چوک سکتے ہیں۔

(۵۰) ص۱۶۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"پھر یہ شرکت کس نوعیت کی تھی؟ سو اس پر ابن اثیر نے روشنی ڈالدی ہے کہ یزید اس جہاد میں خود اپنے داعیے سے شریک نہیں ہوا بلکہ اپنے والد بزرگوار کے حکم سے اور انھوں نے یہ حکم بھی اسے اگر دیا تو تعزیراً دیا تا کہ اس کی عیش پرستی پر کوئی زد پڑے۔"

مولانا کو "بغض ابنِ معاویہؓ" سے مجبور ہو کر اسے کافر و مرتد اور جہنمی ثابت کرنے کے لئے سارے ہی جتن تو کرنے پڑ رہے ہیں۔ چنانچہ جب اور باتوں سے کام چلتا نہیں دکھائی دیا اور یزید کی امارت و شرکتِ جہاد نا قابل انکار ٹھیری تو مولانا کو ضرورت محسوس ہوئی کہ یزید کی شرکتِ جہاد کی نوعیت پر غور فرمائیں اس سلسلہ میں مولانا کو نہ تو امام المورخین ملے اور نہ حافظ حدیث ابن کثیر، اس لئے ابن اثیر کے حوالہ سے یہ نقل فرماتے ہیں کہ "یزید اس جہاد میں اپنی رغبت اور خوشی سے نہیں شریک ہوا تھا، بلکہ حضرت امیر معاویہؓ نے سزاءً اور تعزیراً زبردستی اس کو جہاد میں بھیجدیا تھا۔"

مولانا نے ابن اثیر کے اس من گھڑت افسانے سے یزید کی شرکتِ جہاد کی حقیقت پر روشنی تو ضرور ڈالی مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے مولانا مدنی کے مندرجہ ذیل کلمات تاریکی میں پڑ گئے۔ فرماتے ہیں:۔

"حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں یزید کو آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارکہ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔"

پھر لطف یہ کہ مولانا مدنیؒ کی یہ تاریخی شہادت ہمارے "حکیم الاسلام" کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ خود انھوں نے بھی اپنی

باب میں اسے نقل فرماکر سکوت اختیار فرمایا ہے جیسا کہ نمبر ۴۴ میں بھی اس کا ذکر ہوچکا ہے اور اسی موقع پر اپنے مولٰنا کی حب صحابی کا بھی اظہار ہوا ہے۔

(۵۱) صـ۱۷۱ پر (اسی سلسلہ میں) فرماتے ہیں کہ:۔

"ظاہر ہے کہ جس کے یہ عیش پرستانہ مشاغل ہوں
اور مجاہدین ملت سے بے پرواہی کے یہ جذبات
ہوں اس میں قلبی داعیہ سے جہاد کی آرزو اور جاں
سپاری کی تمنائیں کہاں سے آسکتی ہیں۔"

مولانا کے اس سوال کا جواب جو کچھ ہم عرض کر سکتے تھے اوپر عرض کرچکے، اب تو مولانا کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اس کا جواب "عالمِ ازواح" کو اپنا مراسلہ بھیجکر "مجاہدِ اسلام" اور "سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند" سے ہی طلب فرمائیں۔ ہم "خوارج جماعت دارالعلوم" کیا عرض کر سکتے ہیں کیونکہ ہم اگر ایسی باتوں کو واقعی طور پر لائق جواب سمجھیں گے تو ہم کو حضرت حسینؓ کے بھائی عمر بن علیؓ کی "مجاہدینِ ملت" سے اس بے پرواہی کا بھی جواب دینا ہوگا جو ان سے جنگِ کربلا کے موقع پر حضرت حسینؓ تخلف برتنے کی صورت میں ظاہر ہوئی وہ فرماتے ہیں:۔

"میں ایک عقلمند و محتاط جوان ہوں اگر میں بھی ان
(حضرت حسینؓ) کے ساتھ نکلتا تو لڑائی میں مارا جاتا۔"

(عمدۃ المطالب بحوالہ خلافت معاویہ صـ۸۳)

اسی طرح اگر یزید کی شاعری کی جواب دہی بھی ہم اپنے لئے ضروری سمجھیں گے تو ہم کو خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ان اشعار کا بھی جواب دینا ہوگا جو انھوں نے (اپنی محبوب ترین زوجہ مطہرہ حضرت سیدہ رباب اور عزیز ترین صاحبزادی حضرت سیدہ سکینہ رحمہ اللہ علیہما کے لئے) فرمائے تھے وہ اشعار یہ ہیں:۔

لعمرك انني لاحب دارًا | تضيفها سكينة والرباب
احبهما وابذل بعد مالي | وليس للائمي فيها عتاب
ولست لهم وان عتبوا مطيعًا | حياتي او يغيبني التراب

(طبری صـ۱۹۹ ج۱۲) (خلافت معاویہ صـ۲۷۵)

(ترجمہ) "تیری عمر کی قسم میں اس گھر سے بلاشبہ محبت کرتا
ہوں جہاں سکینہ اور رباب میزبانی کرتی ہیں میں
ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پھر اپنا مال (ان پر)
خرچ کرتا ہوں اور اس میں کسی ملامت کرنیوالے
(ناصح مشفق) کی ملامت کا کوئی موقع نہیں ہے۔
میں ان "ناصحین" کی بات زندگی بھر نہیں سننے کا۔
یہانتک کہ میں قبر میں چلا جاؤں۔"
(ترجمہ میں نقل کی پابندی نہیں کی گئی ہے)

اس لئے یزید کی شاعری پر اعتراض کا جواب صرف یہ ہے کہ "شعرش بمدرسہ کہ برد" آخر اس کے اشعار کو مدرسہ اور دارالافتاء تک کون لے گیا اور کیوں لیگیا۔

(۵۲) صـ۱۷۳ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"نہ ہی حضرت "امام" ہمام کا یہ اقدام ان میں
سے کسی ایک روایت کے خلاف ٹھیرتا ہے کہ ان کے
اس فعل پر ناجائز یا نامناسب ہونیکی تہمت
لگائی جائے جو ڈوزی کے منہ میں گھس کر عباسی
صاحب نے لگائی ہے۔"

عباسی صاحب ڈوزی کے منہ میں گھسے یا کہیں اور گھسے اس کو تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہم کو تو صرف اسی قدر معلوم ہے کہ ہمارے مولانا بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی زبانی حضرت حسینؓ کو "مجتہد مخطی" کا مصداق ماننے کے لئے تیار ہیں (ملاحظہ ہو کتاب زیر بحث صـ۱۷۲) بلکہ صـ۱۷۱ پر خود بھی اقرار فرماچکے ہیں کہ "اگر کسی پہلو کی کوئی خطا اجتہادی ان کی طرف منسوب کردی جاتی تو ان کی شان عالی کے منافی نہ ہوتی۔"

ظاہر ہے کہ مولانا جس بات کو خطا اجتہادی تک تسلیم فرمانے کے لئے تیار ہیں تو اسے نامناسب کہنے میں تو کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اگر عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ کے کسی اقدام کو نامناسب کہدیا تو آخر "حکیم الاسلام" کو اس قدر طیش کیوں آگیا کہ اس کے لئے ان کو "ڈوزی کے منہ میں گھسنے" کی تعبیر ہی پسند آئی۔ اس موقع پر بجھاؤ آتش

کا یہ شعر یاد آتا ہے:-

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

لیکن عباسی صاحب شاید مولانا کی خدمت میں شعر پیش فرمانا پسند کریں:-

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

(۵۳) صفحہ ۱۷۹ (جو غلطی سے صفحہ ۱۸۹ چھپ گیا ہے) پر فرماتے ہیں کہ:-

"یزید کا ذکر بذاتہٖ مقصود نہ تھا الخ"

بہت خوب مولانا نے یزید کا ذکر ضمناً فرمایا تو ۷۵ صفحات لکھ ڈالے۔ خدانخواستہ اگر یزید کی شامت آتی اور مولانا مستقل طور پر اس کی سوانح عمری لکھتے تو خدا جانے کتنی جلدیں تیار ہوتیں۔

(۵۴) صفحہ ۱۸۰ پر فرماتے ہیں کہ:-

"ایک متقی اور فاجر کے عمل کی صورت یکساں ہوتی ہے مگر منشاء الگ الگ ہوتا ہے اس لئے باوجود صورت کی یکسانی کے حکم الگ الگ ہوتا ہے۔"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

"ایک ہی خطاء فکری ایک نو آموز طالب علم سے سرزد ہوا اور وہی خطا بعینہٖ ایک پختہ کار عالم سے سرزد ہو تو دونوں پر یکساں حکم عائد نہیں ہوگا۔ فرق کی وجہ وہی ان کے علمی اور فکری احوال کا فرق ہوگا۔"

مولانا نے فرق کی وجہ تو لکھ دی مگر خود فرق نہیں لکھا کہ ان دونوں میں کیا فرق ہوگا۔ کہیں اس قسم کا فرق تو مولانا کی مراد نہیں ہے کہ ؎

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

یا مولانا یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ سے خطا اجتہادی کا صدور ممکن تو ضرور ہے مگر جو اُن میں سے نوعمر و نو آموز رہے ہوں گے ان کی خطا اجتہادی کی نوعیت کچھ اور ہوگی اور جو حضرات پختہ کار اور کبیر السن رہے ہوں گے ان کی خطا اجتہادی کی نوعیت کچھ اور ہوگی۔ مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کبیر السن اور پختہ کار صحابی تھے ان کی خطاءِ اجتہادی کی نوعیت اور رہی ہوگی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نوعمر صحابی تھے ان کی خطاءِ اجتہادی کی نوعیت کچھ اور رہی ہوگی۔

اگر مولانا کا مقصد کچھ اسی قسم کا ہے تو سخت تعجب ہے کیونکہ صحابہؓ کے درمیان صغر سنی وغیرہ کے فرق کو ملحوظ رکھنے کے تو مولانا قائل ہی نہیں ہیں ورنہ عباسی صاحب سے ان کو اختلاف ہی کیوں ہوتا کیونکہ عباسی صاحب کا تصور ہی کیا تھا یہی تو تھا کہ انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو صغیر السن کہہ دیا تھا یا دوسرے اکابر صحابہؓ کے اقوال کی روشنی میں حضرت کے "اقدام خروج" کو نامناسب کہہ دیا تھا۔

آخر میں اپنی اس بدگمانی کا ذکر پھر کرنا پڑتا ہے کہ مولانا کی کتاب "شہید کربلا اور یزید" کے صفحات ۱۰۲ تا ۱۷۹ کو دیکھ کر اندازہ یہی ہوتا ہے کہ یہ جوابی "شاہکار دیانت" یا تو عباسی صاحب کی کتاب کو دیکھے بغیر ہی تیار کیا گیا ہے اور یا تمام ناظرین سے یہ بیجا حسن ظن قائم کر لیا گیا ہے کہ وہ "تاج المعارف" اور "حکیم الاسلام" کا نام دیکھتے ہی سر تسلیم خم کر دینگے اور اس عظیم دعوتِ فکر کی اجابت ضرور کرینگے اور کوئی بھی اللہ کا بندہ ان "غلط انتسابات طیبہ" کا اصل "تحریراتِ محمودہ" سے مقابلہ کرنیکی جسارت وہمت نہ کریگا۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی صورتیں حد درجہ قابلِ افسوس ہیں جن کے باعث "جماعت دار العلوم" کی "دیانتِ مرحومہ" پر اگر خون کے بھی آنسو بہائے جائیں تو رونے کا حق ادا نہ ہوگا۔ "شہید کربلا اور یزید" پڑھکر جو تاثرات پیدا ہوئے انھیں سپردِ قلم کر دیا گیا ہے اور کوشش کیگئی ہے کہ کوئی ایسی بات نوکِ قلم پر نہ آنے پائے جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ اسکے باوجود اگر کہیں کوئی بات کسی کی شان میں سخت الفاظ میں ادا ہوئی ہو تو اس کا منشاء بھی غیظ حق ہی ہو سکتا ہے وما توفیقی

تجلی حضرت مہتمم صاحب کی کتاب کی بنیادی قدر و قیمت تو اسی ایک نقدسے معلوم ہو گئی تھی جو راقم الحروف نے جون کے تجلی میں محض ضمناً کیا تھا۔ پھر الفرقان کے تبصرے نے اس کی جڑیں کھوکلی کیں اور اب رومی صاحب کے جائزے نے تو بام و در ہی ڈھا دیئے۔ مگر میرے دوستو! رونا ایک مہتمم صاحب ہی کا نہیں، یہاں تو بڑے بڑے سورماؤں پر جادو چلا ہوا ہے۔ آؤ بطور نمونہ ایک واقعہ سناؤں جو بظاہر تو عجیب لگے گا، لیکن اگر انسانی نفسیات اور جبلت کے نشیب و فراز پر نظر رکھو گے تو تعجب کی گرہ کھل جائے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ خدا ان پر رحمتوں کی ارزانی فرمائے بہت بڑے عالم تھے۔ وسیع المطالعہ، جفاکش اور فہیم۔ بخاری کی شرح فتح الباری لکھ کر تو انھوں نے رہتی دنیا تک اپنی عظمت و شہرت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ ان کے تبحر، ان کی بالغ نظری، ان کی حافظانہ صلاحیتوں کے کیا کہنے۔ رفض انھیں چھو کر نہیں گیا اور شیعت سے انھیں دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مگر جب علمی ثقاہت اور جذباتی بہاؤ کے ایک خاص سنگھم پر پہنچتے ہیں تو بے نیازانہ آگے بڑھنے کی بجائے کچھ دیر قیام فرماتے ہیں اور بقدرِ کام و دہن جذبات کی چاشنی سے لذت گیر ہوتے ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اسماء الرجال پر بارہ جلدوں میں ان کی ایک شہرہ آفاق کتاب ہے تھذیب التھذیب اس میں انھوں نے تقریباً ۱۳ صفحات پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تذکرہ سپردِ قلم فرمایا ہے (جسے عربی اصطلاح میں "ترجمة" کہتے ہیں) کیا شک ہے کہ رسولِ خداؐ کے بلند مرتبہ نواسے کا ذکرِ خیر اس سے دس گنا طویل بھی ہوتا تو بجا نہ تھا۔ بدنصیب ہیں وہ لوگ جو سبطِ رسول کی قرار واقعی منقبت سے گڑھیں اور ضعیف الایمان ہیں وہ بدگہر جنھیں بنتِ فاطمہؓ کی حقیقی تعریف کھلتی ہو۔ لیکن اس افتاد کو کیا کہیے کہ حافظ صاحب کے اس طول میں وہ جچی تلی ثقاہت اور وہ حقیقت افروز پھیلاؤ نہیں ملتا جس کی توقع اُن جیسے ہنرمند سے کی جا سکتی تھی۔ عامر عثمانی جیسے اطفالِ مکتب کی کیا مجال جو ان جیسے شہسوارِ فن کو آئینہ دکھانے کی جرأت کر سکیں، لیکن یہ اظہارِ واقعہ تو جرم نہ ہونا چاہئے کہ جس طرح کی متعدد روایات انھوں نے شاملِ تذکرہ فرما دی ہیں انھیں نہ صرف متعدد بلند پایہ محققین نے ضعیف، ناقابلِ اعتماد اور موضوع تک قرار دیدیا ہے، بلکہ خود حافظ صاحب ہی کے معیارِ مطلوب پر وہ پوری نہیں اُترتی ہیں۔

مثلاً قتلِ حسینؓ کے دن آسمان کا سیاہ ہو جانا اور تاروں کا نکل آنا یا قتلِ حسینؓ کی خبر دینے والے کا اندھا ہو جانا یا بیت المقدس کے ہر پتھر کے نیچے تازہ خون کا پایا جانا یا سبز لو کا راکھ ہو جانا وغیر ذلک۔

پہلے تو یہ تضاد دیکھئے کہ خلف بن خلیفہ والی روایت میں تو بتایا جا رہا ہے کہ آسمان سیاہ ہو گیا اور تارے نکل آئے۔ لیکن ایک ہی دو روایتوں کے بعد اسی صفحے پر یزید بن ابی زیاد کی روایت میں آسمان کا سُرخ ہو جانا دکھایا جا رہا ہے۔ شاید سرخی اور سیاہی ایک ہی رنگ کے دو نام تو نہیں ہیں پھر یہ دونوں ہی روایتیں کس طرح درست ہو سکتی ہیں۔

دوسرے یہ دیکھئے کہ قتلِ حسینؓ کو دنیا بھر کے قتلوں سے زیادہ بھیانک اور عظیم اور انقلاب انگیز دکھلانے کا جو ذہن شیعوں اور رافضیوں کے یہاں پایا جاتا ہے وہی کیا یہاں بھی انگڑائیاں لیتا نظر نہیں آتا؟ ابن حجر جیسا شیخ الحدیث اگر ان واہی روایتوں کو پرکھے بغیر لیتا چلا جائے تو اسے جذبات کی کرشمہ کاری کے سوا کیا کہیں گے۔ محققین اہلِ سنت نے تو ایسی مفوات کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ کوئی بھی ہوشمند اعتدال اور ٹھیراؤ کی حالت میں ہرگز اس پروپگنڈے کی پیٹھ نہیں ٹھونک سکتا کہ مظاہرِ فطرت اور نوامیسِ قدرت میں جو تبدیلیاں بے شمار انبیاء و صحابہ اور عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم جیسے خلفائے راشدین کے قتل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے فرید و وحید نبی کے وصال پر نہیں آئیں وہ حضرت حسینؓ کی شہادت پر آ گئیں۔

فنی معیار کا حال یہ ہے کہ ایسی جملہ روایتیں انھوں نے منقطع سندوں کے ساتھ درج کی ہیں۔ پھر ہر روایت پر فرداً فرداً بھی تنقید کر کے دیکھ لیجئے۔

آسمان سیاہ ہونے کی روایت خلف بن خلیفہ کے واسطے سے نقل کی گئی ہے۔ ان صاحب کے بارے میں اسی کتاب میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ ان پر فالج گرا تھا جس سے ان کا حال متغیر ہوگیا' لہٰذا بقول مسلمۃ اندلسی ان کی وہ روایتیں قابلِ اعتماد نہیں جو مفلوج ہونے کے بعد کی ہیں۔ ایسی صورت میں ان کی کسی بھی روایت کا اعتماد اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اس کی ٹھیک ٹھیک تاریخ معلوم ہو۔ حافظ صاحب کچھ نہیں بتاتے کہ یہ روایت فالج سے قبل کی ہے یا بعد کی اور یہ بھی نہیں بتاتے کہ تقریباً سات سو برس میں یہ کس کس راوی سے گذر کر اُن تک پہنچی ہے تب فن کے مسلّم اصولوں کی روشنی میں یہ کیونکر مانی جاسکتی ہے

اس سے اگلی روایت میں صرف دو راویوں کے نام ہیں محمد بن الصلت اور ربیع بن منذر الثوری۔ اب تماشا یہ ہے کہ پوری تہذیب التہذیب چھان مارئیے۔ ملے ہی گا نہیں کہ یہ دونوں کون بزرگوار ہیں اور ان کے ثقہ ہونے نہ ہونے کے بارے میں علما کی کیا رائے ہے۔ جو لوگ لائقِ ذکر بھی نہ ہوں ان کی روایتیں ذکر کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

اس کے بعد کی روایت ایک صاحب یزید بن ابی زیاد کے نام نامی سے مزین ہے۔ ان کا حال خود حافظ صاحب ہی کی زبانی مختصراً سنئے:۔

گیارھویں جلد میں ان کا تذکرہ ہے۔ خیر سے شیعہ کہتے ہیں کہ یہ رفاعی ہیں۔ ابن فضیل فرماتے ہیں کہ یہ شیعوں کے بڑے اماموں میں سے ہیں۔ یہی چونکا دینے کے لئے کیا کم تھا کہ ابھی اور سنئے۔ تقریباً دو صفحوں پر مختلف لوگوں کے اقوال ان کی جرح و تعدیل میں نقل کئے گئے ہیں۔ اوسط نکال لئے تو ثابت ہوگا کہ جرح نوّے فیصدی ہے اور تعدیل صرف دس فیصدی۔ گویا انھیں ناقابلِ اعتبار قرار دینے والے اتنی بھاری اکثریت میں ہیں کہ آج کے جمہوری قاعدے ہی سے نہیں اصولِ حدیث کے قدیم قاعدے سے بھی یہ ہرگز لائقِ حجت نہیں ہوسکتے۔ نورٌ علیٰ نور یہ کہ ان کی ایک روایت کے بارے میں ابو اسامہ کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ اگر یہ شخص پچاس بار بھی حلف اٹھائے تو میں اس کی تصدیق نہیں کروں گا۔

ان سب اوصاف کے ساتھ یہ نسباً ہاشمی بھی ہیں۔ کون باخبر نہیں جانتا کہ بنو امیہ کی تنقیص یا بنو ہاشم کی تفضیل کے بارے میں ہاشمیوں کی روایتیں کڑی تنقید اور بے حد چھان پھٹک کے بعد ہی لینے کے قابل ہوسکتی ہیں۔

آگے یہ روایت بھی حافظ صاحب زینتِ قرطاس فرماتے ہیں کہ جب قتلِ حسین واقع ہوا تو ایک رات ایک ایسے منادی (ہاتفِ غیبی) نے تین شعر پڑھے جس کی آواز تو سنائی دیتی تھی مگر وہ خود نظر نہیں آتا تھا۔

اسے چھوڑیئے کہ ان اشعار کا مضمون کس حد تک آسمانی باور کرنے کے لائق ہے۔ یہ دیکھئے کہ راویوں کا کیا حال ہے۔ سند یوں ہے۔

وقال ابوالولید بشر[1] ابن محمد التیمی حدثنی احمد[2] بن محمد المصقلی حدثنی ابی[3]

بس تین اشخاص کے طول و عرض نے سات سو سال کا فاصلہ طے کر دیا۔ کیا ایسی برائے نام سند سند کہلانے کی مستحق ہے؟

پھر ان تینوں راویوں کا بھی جغرافیہ دیکھئے۔ تہذیب التہذیب کی تالیف ہی اس لئے ہوئی تھی کہ راویانِ حدیث کا تعارف کرائے کیسا اندھیر ہے کہ ایسی عجیب روایت کے راویوں کا جس سے ثابت ہوتا ہو کہ قتلِ حسین نے ہاتفِ غیبی تک کو شاعری سکھلا دی بارہ جلدوں کی اس کتاب میں ذکر تک نہیں ملتا۔ ابوالولید آٹھ نو ملیں گے مگر ابوالولید بشر ایک بھی نہیں ملے گا۔ اس کنیت سے تہی دامن بشر تقریباً چالیس ملجائیں گے لیکن جو بشر محمد التیمی کا بیٹا ہو اس کی گرد تک ہاتھ نہیں آتی۔

دوسرے راوی کا بھی یہی حال ہے۔ احمد بن محمد تو تقریباً سولہ مذکور ہیں لیکن محمد المصقلی کا بیٹا احمد یک قلم روپوش ہے جب وہی لاپتا رہا تو تیسرے راوی اُن کے والدِ محترم کا سُراغ کون لگا سکتا ہے؟

فرمائیے جن چند راویوں کے سلسلہ سے روایت بیان ہوئی تھی وہی اس درجہ مجہول رہے کہ خود حافظ ابن حجر ان کا

تا پتا نہ دے سکے۔ ع

اب کسے رہنما کرے کوئی

یہ بطور نمونہ عرض کیا۔ قتلِ حسینؓ کو اہم الاہم بنانے والی جتنی بھی روایتیں انھوں نے اس مقام پر جمع فرمادی ہیں وہ قریباً سب وہی ہیں جنھیں نہ تو صحاح میں جگہ ملی، نہ محققین نے ان کی توثیق کی، نہ عقل و درایت کی بارگاہ میں انکی کوئی حیثیت ہے۔ کیا قیامت ہے کہ عمرؓ، عثمانؓ اور علی رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے اعاظمِ رجال کی شہادتوں پر تو نہ فرشتوں کے نوحے سنے جائیں نہ آسمان رنگ بدلے، نہ سورج منھ چھپائے، نہ ہاتفِ غیبی شاعری کرے نہ اور کوئی عجوبہ طلوع ہو مگر شہادتِ حسینؓ پر یہ سارے طلسم پرا باندھے چلے آئیں۔ طبعیات میں ہلچل مچ جائے۔ جن بزرگ کو اس طرح کی دیو مالائی روایات بلا نقد بیان کرنے کا یارا ہو سکتا ہے وہ اگر وہ روایت بھی بیان کر گذریں تو کوئی کیا کر سکتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جب حسینؓ کا سر یزید کے سامنے لایا گیا تو اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

حق یہ ہے کہ اس نوع کی روایتیں روایتیں نہیں ہیں بلکہ وہ خواہشیں ہیں جو لوگوں کے اپنے قلوب میں پیدا ہوتی رہی ہیں اور انھیں روایت کا بھیس پہنا کر دور از کار سند سے ٹانک دیا گیا ہے۔ تقویت انھیں اس طرح ملتی گئی کہ عقیدتِ حسینؓ کی آڑ لے کر شیطان نے اچھے خاصے اہلِ سنت کو سہل انگاری پر جمایا اور جیسا کہ قرآنِ کریم میں اس لعین کا طریق کار بیان ہوا ہے اس نے باطل خیالات و عقائد کو ایسا سجایا بنایا کہ گروہ کے گروہ ریجھتے چلے گئے۔ نوبت بایں جا رسید کہ جو کوئی باطل کو باطل کہنے کی جرأت کرتا ہے اسی کے پیچھے مدعیانِ حق ڈنڈا لیکے دوڑتے ہیں کہ ملعون کیا بکتا ہے؟ تیرے منھ میں کے دانت ہیں؟ تو اکدم خارجی، ناصبی، یزیدی ہے وغیر ذلک۔

~~~~~

مہتمم صاحب پر تنقید پوری ہی ہو چکی ہے تو چلتے چلتے ہم بھی کچھ کہہ دیں۔ حضرت حسین شہیدؓ کے دانتوں پر چھڑی مارنے والے کا نام بخاری میں صاف صاف آیا ہے، لیکن مہتمم صاحب پر شیعت کا جادو ایسا چلا کہ بعض دیگر فن کاروں کی طرح آپ نے بھی بخاری سے کنّی کاٹی اور یزید ہی کو چھڑی مارنے کا مرتکب قرار دیا۔ اس سلسلہ میں علماء سے تو کچھ نہیں کہنا کہ انھیں ایسے لغو دعاوی کی حقیقت معلوم ہے، لیکن عوام بیچارے کم علم ہیں انھیں یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی کہ ایسی نکتہ سنجی تو اُن قدیمی مؤرخین نے بھی نہیں کی ہے جن کے جمع کردہ رطب و یابس پر تاریخ کربلا کی عمارت اُٹھائی گئی ہے۔

ابن الاثیر جزری کو دیکھئے۔ اپنی تاریخ الکامل میں وہ شیعی روایات نقل کرنے میں نہایت فراخ دل نظر آتے ہیں۔ جلد چہارم کو ص۱۹ سے ص۳۷ تک دیکھ جائیے ایسا لگیگا جیسے میدانِ کربلا اور اس کے مضافات کو ایک دستاویزی فلم بنانے کے لئے سیٹ کی حیثیت سے استعمال کیا جا رہا ہے اور چاروں طرف بے شمار کیمرے اور ٹیپ ریکارڈر نصب ہیں جن کے ذریعے پورے سیٹ کا ایک ایک گوشہ فلم کے فیتے پر محفوظ کیا جا رہا ہے۔ حد ہے کہ وہ یہ اشتعال انگیز روایت تک بلا تکلف بیان فرما جاتے ہیں کہ:-

فاجتمع الناس فصعد المنبر فخطبهم وقال الحمد لله الذي اظهر الحق واهله ونصر امير المومنين يزيد وحزبه وقتل الكذاب ابن الكذاب الحسين ابن علي وشيعته	لوگ جمع ہوئے تو ابن زیاد اسٹیج پر چڑھا اور خطبہ دیتے ہوئے کہنے لگا کہ الحمد للہ حق اور اہلِ حق کی فتح ہوئی اور امیر المومنین یزید اور اس کے ہمنواؤں کی مدد اللہ نے کی اور جھوٹے باپ کا جھوٹا بیٹا حسینؓ ابن علیؓ اور اس کے مددگار قتل ہو گئے۔

+ + + +

اس سے اندازہ کیجئے کہ ابن اثیر شیعی روایات کی قبولیت میں کتنے فیاض ہیں مگر فیاضی کے اِس مقام تک وہ بھی نہیں پہنچے کہ چھڑی مارے ابن زیاد اور نام لے دیں یزید کا۔ نہ انھوں نے قتلِ حسینؓ پر یزید کی مسرت کا شوشہ چھوڑا ہے، بلکہ فرماتے ہیں کہ ابن زیاد نے حسین کا سر زحر بن قیس کے ہاتھ ایک جماعت کی معیت میں یزید کے پاس بھیجا تو یزید نے پوچھا کیا خبر لائے ہو؟ جواب میں ابنِ قیس نے جنگ کی روداد سنائی اور بتایا کہ
~~~~~

ہم نے حسین کو مار ڈالا ہے تو:-

قد معت عینا یزید وقال قد کنت ارضی من طاعتکم بدون قتل الحسین لعن اللہ ابن سمیۃ اما واللہ لو انی صاحبہ لعفوت عنہ فرحم اللہ حسین۔

پس یزید کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور اس نے کہا کہ ظالمو! میں تو تم سے بغیر قتلِ حسین کے بھی خوش ہو سکتا تھا۔ لعنت ہو اللہ کی ابن زیاد پر قسم اللہ کی اگر میرا سابقہ حسین سے پڑتا تو میں انھیں ضرور معاف کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔

(یہ عبارت جوں کی توں ابن کثیر نے بھی البدایہ میں لی ہے)

پھر کچھ آگے یزید ہی کو یہ کہتے دکھلایا ہے:-

عجل علیہ ابن زیاد قتلہ قتلہ اللہ۔

خدا غارت کرے ابن زیاد کو اس نے قتلِ حسینؓ میں بڑی جلد بازی

پھر اگرچہ وہ اس من گھڑت روایت کے جھرمٹ میں آگئے ہیں جو یہ اشتعال انگیز خبر دیتی ہے کہ یزید کی نیت میں فاطمہ بنتِ حسین کے لئے وقتی طور پر فتور آ گیا تھا، لیکن فوراً ہی سکینہ بنتِ حسین کا یہ قول بھی سُنائی دے جاتا ہے۔

ماراَیت کافراً باللہ خیراً من یزید ابن معاویہ۔

خدا کی قسم میں نے تو کوئی کافر یزید ابن معاویہ سے زیادہ بھلا نہیں دیکھا۔

سکینہ کا یہ فقرہ رافضیوں کو بڑا مخدوش معلوم ہوا۔ اس سے تو پتا چلتا تھا کہ اہل بیت کو ستانے اور رسوا کرنے کا وہ الزام جو یزید پر تھوپا جاتا ہے واقعی بے سر و پا ہے۔ اب کیا کریں۔ سوچ ساچ کر یہ کیا کہ اصل لفظ کی جگہ لفظ "کافر" بڑھا دیا اور اسے اتنی شہرت دی کہ بیچارے صلح کل قسم کے مؤرخین اسے ہی نقل کرتے چلے گئے۔

بھلا سوچئے تو سکینہ بنت حسین یزید کو کافر کہتیں؟

خیر یہ تو ضمنی بات تھی۔ ذکر چھڑی مارنے اور خوش ہونے کا تھا۔ ابن اثیر آگے (ص۳۶) پر یزید کی گفتگو نقل کرتے ہیں جو اس نے اہل بیت کو وداع کرتے ہوئے علی ابن الحسین سے کی۔ اس میں یزید یہاں تک کہتا ہے کہ ابن زیاد پر اللہ کی لعنت ہو حسین کو بربادی سے بچانے کی خاطر اگر مجھے اپنا کوئی بیٹا بھی قربان کر دینا پڑتا تو بخدا میں تامل نہ کرتا لیکن کیا کروں مشیت ایزدی کو جو فیصلہ کرنا تھا اس نے کر دیا۔ اے بیٹے! تمھیں جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہو فوراً مجھے لکھنا۔

تو تماشہ دیکھئے کہ ابن اثیر نے بھی یزید کی مسرت کا کوئی منظر پیش نہیں کیا نہ چھڑی مارنے کا اتہام دھرا۔ وہ اپنی شہرہ آفاق کتاب اُسد الغابہ میں بھی (جلد ۲ ص۲۱) اگرچہ مدحِ حسین اور قدحِ یزید کی روایات لانے میں متساہل نہیں، لیکن چھڑی مارنے کی نسبت ابنِ زیاد ہی کی طرف کرتے ہیں۔

~~~~~~

بہت ہی قدیم مؤرخ ابن جریر الطبری کا بھی حال دیکھئے۔ وہ اچھی بُری، غلط صحیح، ہر طرح کی روایات جمع کرنے کے اس حد تک شوقین ہیں کہ آج کی اصطلاح میں "جمعِ روایت" کو ان کی ہابی (Hobby) کہا جا سکتا ہے۔ ابو مخنف ان کا خاص مبنیٰ ہے۔ متضاد و متصادم روایات کو ایک ہی پیرے میں نقل کرتے چلے جانا ان کے یہاں عام ہے۔ شاید ان کے پیش نظر یہ تھا کہ مجھے لیے ہے کا جتنا بڑا انبار لگایا جا سکے لگا دو۔ آنے والے صناع خود چھانٹتے رہیں گے کہ کونسا ٹکڑا کام کا ہے اور کونسا ناکارہ۔

جو بھی ہو، قتلِ حسینؓ پر مسرتِ یزید کا منظر وہ بھی پیش نہیں کرتے، بلکہ وہی آنکھیں نمناک ہونے والی بات کہتے ہیں جو ابن اثیر نے نقل کی اور فرماتے ہیں کہ جب یزید کے آگے کٹے ہوئے سر رکھے گئے تو اس نے سرِ حسینؓ کو مخاطب کر کے بحسرت و یاس کہا کہ قسم اللہ کی اے حسین! اگر میرا تمھارا سامنا ہوتا تو میں ہرگز تمھیں قتل نہ کرتا۔

اس پر بقول ابو مخنف یحییٰ بن الحکم نے دو ایسے شعر پڑھے جن سے حسینؓ کی توہین اور ابن زیاد کی توصیف مترشح تھی تو یزید نے اس کے سینے پر دوہتڑ مارا اور ڈانٹا کہ چپ رہ!

~~~~~~

حافظ ابن حجر نے بھی الاصابہ فی تمیز الصحابہ (جلد ۲

صـ۲۴۱ تا صـ۲۴۱ میں اس قصہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ بھی بھولے سے نہیں کہتے کہ یزید نے چھڑی ماری یا خوش ہوا بلکہ یہی کہتے ہیں کہ یزید نے اہل بیت کو ساز و سامان دے کے ان کے شہر رخصت کیا۔ ساتھ ہی تنبیہ بھی فرماتے ہیں کہ:-

قد صنف جماعة من القدماء فی مقتل الحسین تصانیف فیها الغث والسمین والصحیح والسقیم۔

متقدمین کی ایک جماعت نے مقتل حسین کے بارے میں متعدد کتابیں لکھی ہیں جن میں رطب و یابس اور صحیح و غلط کی بھرمار ہے۔

یہ سب کچھ نظر میں رکھئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ تہتم صاحب کے فرمودات عقل، نقل، قیاس، اجتہاد، منطق، فلسفہ کسی بھی اعتبار سے کوئی قیمت رکھتے ہیں؟ اگر رکھتے ہیں تو پھر آپ ضرور قیمت ادا فرما کر رفض کی جنس گراں مایہ خرید ڈالئے۔ یہ سودا بہت پہلے سے ہوتا آرہا ہے۔ بڑا مزا آتا ہے جب ہمیں کسی کی تعریف کرنے اور کسی کو گالیاں دینے کی کھلی چھٹی مل جاتی ہے۔ انیس و دبیر کے مرثیے ہوں یا ذوق و غالب کے سہرے اور قصیدے۔ انھیں جو لذت ہے وہ خشک اور بے لاگ حقیقت پسندی میں کہاں۔

پھر بھی یہ قافیہ ردیف کے پابند تھے۔ تہتم صاحب، رام نگری صاحب اور علی جواد صاحب جیسے اصحاب فضل و فراست نے الوت جو منثور شاعری کر رہے ہیں وہ آزاد نظم کے زمرے میں آتی ہے آزاد نظم ہے کیا کہنے۔ آسان، فیشن کے مطابق اور دو آتشہ۔ سمجھئے تو سونا نہ سمجھئے تو ہیرا۔ ثبوت یہ ہے کہ تجلی چاہے عقل و نقل کے ہزار دفتر بھی لے آئے مگر گالی اُسے ہی ملے گی، گمراہ وہی کہلائے گا، اہل بیت (؟) کی دشمنی کا الزام اسی کے سر آئیگا مگر آزاد شاعری کرنے والوں کو ائمۂ اہل سنت میں شمار کیا جائے گا اور مدح و ستائش کے ہار انھی کی گردن میں پڑیں گے شکایت بالکل نہیں۔ گالیوں اور رسوائیوں کا پورا حساب لگا کر ہی ہم نے زہر کو زہر اور قند کو قند کہنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ کہے جائیں گے جبتک سانس کی آخری رمق باقی ہے۔ دیکھنا ہے کہ اللہ کا انصاف ہمیں بغض اہل بیت کے جرم میں جہنم واصل کرے گا یا صحابیت کے اکرام کے صلہ میں جنت عطا فرمائے گا۔

وللہ عاقبۃ الامور۔

شمس نوید عثمانی

کیا ہم مسلمان ہیں؟

مدینہ "جانِ مدینہ" کے انتظار میں ہے
اسی نجات دہندہ کے انتظار میں ہے

وہ جس کو باپ کا سایہ نہ ماں کا پیار ملا
حریف قوم ملی گرم ریگزار ملا
برائے نوعِ بشر قلب بے قرار ملا

چلے کے خواب حقیقت بنائے بچپن میں
کھلائے پھول جوانی کے سنگ و آہن میں
نیا خراج صداقت عمل کے دامن میں

وہ جستجوئے مسلسل کا دورِ تنہائی
گواہ جس پہ ہے غارِ حرا کی گہرائی
خوش نصیب کہ وحیِ خدا اُتر آئی

ملا پیام کہ اے کشتۂ تلاشِ مدام
تری تلاش پہ رحمت تری طلب کو سلام
تو ہی تو ہے مری دنیائے آب و گل کا امام

نہ رو کہ تجھ کو چٹانوں پہ گل کھلانے ہیں
بسا دے خلد جہاں آگ کے دہانے ہیں
اب اُٹھ! کہ صرف ترے منتظر زمانے ہیں

اُٹھا وہ، کوہِ صفا سے جہاں کو دی آواز
تمام رقت و رافت، تمام سوز و گداز
بلند پہلی اذاں کی زمیں پہ بہرِ نماز

وہ سوچتا تھا کہ کھوئے ہوئے خدا کا سراغ
مئے نشاط سے بھر دے گا زندگی کے ایاغ
کریں گے جشنِ چراغاں دل و نظر کے چراغ

مگر پڑی جو "حقیقت" پہ آدمی کی نگاہ
تو کانپ اُٹھی عزازیل کے لبوں پہ کراہ
غبار اُڑاتا اُٹھا کاروانِ جرم و گناہ

کہا کہ تیری امانت کو مانتے ہیں ہم
ترے عمل کی صداقت کو جانتے ہیں ہم
"ترے خدا" سے مگر جنگ ٹھانتے ہیں ہم

نبی نے کفر کی للکار کو قبول کیا
خوشی سے شورشِ پیکار کو قبول کیا
خدا کے نام پہ ہر دار کو قبول کیا

خدا ملا تو خدائی کا غم بھی ساتھ ملا
فلک کا نور زمیں کا ستم بھی ساتھ ملا
عرب کی روح میں زہرِ عجم بھی ساتھ ملا

یہ زہر آگ بنا آگ میں اُبال آیا
تو تہمات اُٹھے، نفس کو جلال آیا

زمیں کے جھوٹے خداؤں کو اشتعال آیا

زباں کے تیر چلے اور جگر کے پار ہوئے
بتوں کے نام پہ انسانیت پہ وار ہوئے
رسولِ امن پہ پتھراؤ بار بار ہوئے

وہ مرد جس پہ غلط اشتباہ کوئی نہ تھا
یہی گناہ تھا اس کا گناہ کوئی نہ تھا
اسی کا سارے زمانے میں آہ کوئی نہ تھا

جو اس کی سمت بڑھے بینوا غلام تھے وہ
شکارِ ظلم و ستم تھے اسیرِ دام تھے وہ
نظامِ شرک کے کچلے ہوئے عوام تھے وہ

وہ سب دہکتی ہوئی بھٹیوں میں ڈالے گئے
اندھیرے ٹوٹ کے برسے جدھر اجالے گئے
وطن کی گود سے دھتکار کر نکالے گئے

وطن سے دور یہ طبقہ مدینے جاتا رہا
رسول مکہ و طائف میں چوٹ کھاتا رہا
دعائیں دیتا رہا اور مسکراتا رہا

گماں کا قہرِ جلالِ یقیں نہ چھین سکا
بتوں کا آرٹ جمالِ یقیں نہ چھین سکا
کمالِ ظلم کمالِ یقیں نہ چھین سکا

اب انتقام نئے پیچ و تاب کھانے لگا
سکوں کی زد میں جنوں کو پسینہ آنے لگا
برہنہ ظلم چھپی سازشیں چلانے لگا

برائے قتلِ نبی گھات میں غنیم آئے
سحر کے خوں کے لئے رات میں غنیم آئے
نقابِ سازشِ ظلمات میں غنیم آئے

یہ آدمی تھے مگر آدمی کے دشمن تھے
جو اِن کا دوست تھا سچا اُسی کے دشمن تھے
یہ اک وجود نہیں، زندگی کے دشمن تھے

عجیب رات تھی تاریخ میں زمانے کی
بشر کو دھن تھی خدا کو ہدف بنانے کی!
صداقتوں کا مقدس لہو بہانے کی!

خدا سے بغض کی، شیطاں کے احترام کی رات
خلوصِ حق سے خفا غیض و انتقام کی رات
منات و لات کے نعرے ہبل کے نام کی رات!

سیاہ شب میں گناہوں کی تیرگی ضم تھی
خموش بزمِ عناصر کی آنکھ پرنم تھی
"بشر کی لاش" یہ تاریخ محوِ ماتم تھی

یقیں کی لاش کے لائق تھا ظلمتوں کا کفن
نہ تھا بہار کے شایاں بہار سوز چمن
ملا رسولؐ کو اس رات حکمِ ترکِ وطن

وطن حیات کا اِک لختِ دل، جگر پارا
وطن حیات کے خوابوں کا پہلا گہوارا
مگر خدا سے زیادہ نہ تھا وطن پیارا

خدا کی سمت بڑھا وہ وطن کو چھوڑ دیا
زمیں کے ذوق کا رُخ سوئے عرش موڑ دیا
ملا اشارۂ ساقی تو جام توڑ دیا

وہ جا رہا تھا جو سب کچھ لٹانے آیا تھا
وہ جا رہا تھا جو دنیا بسانے آیا تھا
وہ جا رہا تھا جو قسمت جگانے آیا تھا

وہ جا رہا تھا سزائے وفا ملی تھی جسے
خلوص جرم، محبت خطا ملی تھی جسے
خدا کے نام سے دنیا خفا ملی تھی جسے

وہ جا رہا تھا کہ جس نے ستم کو پیار کیا
گرجتے مکہ وطائف پہ خوں نثار کیا
دعائیں لیکے گیا جس نے اُس پہ وار کیا

جو اپنے غم پہ ہنسا دشمنوں پہ رویا تھا
جو تاج و تخت جلا کر زمیں پہ سویا تھا
رگوں میں جس نے زمانے کا غم سمویا تھا

وہ درد اُٹھا در و دیوار پھٹ کے روتے تھے
وہ جس کے پاؤں سے ذرّے لپٹ کے روتے تھے
بچھڑ رہے تھے مناظر لپٹ کے روتے تھے

انھیں خبر تھی جو گھر سے چلا ہے کون ہے وہ
زمیں پہ جس کا حسیں نقش پا ہے کون ہے وہ
جو بس خدا کا ہے اس کا خدا ہے کون ہے وہ

وطن سے دور چلا سوئے یگزار چلا
اور اس کے شانہ بشانہ رفیقِ غار چلا
قبا کی سمت مدینہ کا تاجدار چلا

شبِ سیاہ نہ گھوڑوں کی ٹاپ روک سکی
نہ بازشوں کے سمندر کی بھاپ روک سکی
نہ غارِ ثور پہ قاتل کی چاپ روک سکی

یقیں کا نور جبیں سے ٹپکتا جاتا تھا
خدا کا ساغرِ رحمت چھلکتا جاتا تھا
سیاہ شب کا اندھیرا چمکتا جاتا تھا

---

(۲) مدینہ جان مدینہ کے انتظار میں ہے
اسی نجات دہندہ کے انتظار میں ہے
ہزاروں آنکھیں ہیں مرکوز جلوہ گاہوں پر
ہزاروں قلب بچھے جا رہے ہیں راہوں پر
طلوع ہوگا وہ "حسنِ ازل" نگاہوں پر

ہزاروں لوگ کئی میل روز جاتے ہیں
شرار اُگلتے افق پر نظر جماتے ہیں
مگر اُداس مدینہ میں لوٹ آتے ہیں

دہک رہے ہیں اُجالے ——— کسی کو ہوش نہیں
زمیں نے شعلے نکالے ——— کسی کو ہوش نہیں
پڑے ہیں پاؤں میں چھالے ——— کسی کو ہوش نہیں

فقط یہ ہوش ہے دل میں سما رہا ہے کوئی!
کہیں سفر میں ہے ناقہ چلا رہا ہے کوئی!
اب آنیوالا ہے' آتا ہے' آرہا ہے کوئی!

تمام شہرِ حسیں اضطراب میں گم ہے
اک انتظار کے روشن سراب میں گم ہے
حقیقتوں کا جہاں ایک خواب میں گم ہے

اک انتظار نہیں اضطراب طاری ہے
ہر ایک لمحہ ہزاروں برس پہ بھاری ہے
تصورات میں "محبوبؐ کی سواری" ہے

اب انتظار کی شدت سے جاں لبوں پر ہے

وفورِ سوزِ محبت سے جاں لبوں پہ ہے
رسولِ وقت کی فرقت سے جاں لبوں پہ ہے

یکایک ایک حسین نور کا غبار اُٹھا
افق کے پاس اُبھرتا ہوا سوار اُٹھا
بلند چھت سے یہودی کوئی پکار اُٹھا

شبِ فراق کے مارو! سحر مبارک ہو!
اٹھا حجاب، اٹھاؤ نظر! مبارک ہو!
طلوعِ ناقۂ خیر البشرؐ مبارک ہو!

یہ اِک ندا تھی کہ مضراب ساز آبادی
حسین گیتوں سے گونجی مدینہ کی وادی
تمام شہر ہے جشنِ مسرت و شادی

یہ جشن ناچتا گاتا چلا قبا کی طرف
رواں خدائی ہے پیغمبرِ خدا کی طرف
نثار ہونے چلی منزلِ وفا کی طرف

ہر ایک ذرۂ سوزاں پہ فرشِ راہ ہیں دل
وفا کا سیل رواں جذبِ بے پناہ ہیں دل
لرزتے ہونٹ تڑپتی ہوئی نگاہ ہیں دل

اُدھر ہیں مکہ و طائف اِدھر قبا کی زمیں
اُدھر گماں کی خشونت اِدھر جمالِ یقیں
اُدھر دلوں کی سیاہی اِدھر ہے نور جبیں

اُدھر بتوں کے پجاری اِدھر خدا کے غلام
اُدھر ہے نفرت و وحشت اِدھر اخوتِ عام
اُدھر ہے قتل کی سازش اِدھر وفا کے سلام

وہاں قریش کے پتھراؤ، آگ کی بوچھار
یہاں رسولؐ پہ قرباں مہاجر و انصار
اِدھر ہے نذرِ دل و جاں اُدھر ہے وا پیدا

جو قہرِ مکہ و طائف سے خوں چکاں گذرا
قبا میں جشنِ محبت کے درمیاں گذرا
بسی تھی جنتِ گیتی کشاں کشاں گذرا

وہ شب پرست تھے یہ روشنی پہ مرتے ہیں
وفا کے لمس سے نفرت کے زخم بھرتے ہیں
جلی ہے شمع پتنگے طواف کرتے ہیں!

جو سنگ و خشت پیمبرؐ پہ "طائفوں" میں چلے
وہ نور بن کے یہاں معبدِ قبا میں ڈھلے
جہاں غلاموں کو آقا لگا رہے ہیں گلے

رسولؐ جانبِ یثرب سلام کر کے چلا
قبا میں نصف مہینے قیام کر کے چلا
ہلالِ عید کو ماہِ تمام کر کے چلا

کھڑا ہے راہِ مدینہ پہ والہانہ ہجوم
زمیں پہ بارشِ گل ہے برس رہے ہیں نجوم
خوشا پیمبرِ مظلوم! ہادیِ معصوم!!

قدم قدم پہ محبت کے موجزن طوفاں
وفورِ شوق میں آنکھوں سے سیلِ اشک رواں
صدائے "جاءَ رسولؐ" سے گونجتا ہے جہاں

خدا کے ملک میں حبشی غلام رقص میں ہیں
جھٹک کے نسل پرستی کے دام رقص میں ہیں
بنامِ عیدِ مساواتِ عام رقص میں ہیں

ہے دن پہ وجد ساطاری تو رات رقص میں ہے
حیات رقص میں ہے کائنات رقص میں ہے
ملی ہے خوف و الم سے نجات رقص میں ہے

چھتوں پہ چڑھ کے خواتین نے نظارا کیا
کبھی زباں سے کبھی ہاتھ سے اشارا کیا
وہ ہیں رسول ! خدا نے انھیں ہمارا کیا

اٹھا ہے چاند وہ کوہِ وداع پہ دیکھو!
وہ آرہا ہے ـــ وہ آیا ہمارے گھر دیکھو!
نمازِ شکر پڑھیں گی ہم عمر بھر دیکھو!

یہ دف پہ شعر پڑھے بچیوں کی ٹولی نے
ہمارا ربط ہے نجار کے قبیلے سے
محمدؐ! آپ ہیں اُف کتنے اچھے ہمسائے!

نبی نے پوچھا "بتاؤ تمھیں ہے مجھ سے پیار؟"
تو "ہاں" میں سر کو ہلا کر کیا گیا اقرار
نبیؐ نے چوم لیا دستِ دخترِ نجار

سپردگی کے جہاں سے گذر رہا تھا رسولؐ
مآلِ مکہ و طائف سے ڈر رہا تھا رسولؐ
خدا سے رحم کی درخواست کر رہا تھا رسولؐ

وفا کی بزم میں اہلِ جفا بھی یاد رہے
ہلاکِ شامتِ جرم و خطا بھی یاد رہے
اُسے وہ دشمنِ جاں آشنا بھی یاد رہے

لبوں پہ حرفِ تشکر تھا مسکراہٹ تھی
گلاب و لالہ کے عارض پہ تمتماہٹ تھی
نئی بہار کی کتنی حسین آہٹ تھی!

ادائے شکر و فا سازِ دل کو چھوتی ہوئی
نگاہ اٹھتی ہوئی "رازِ دل" کو چھوتی ہوئی
اُتر کے سینوں میں آواز دل کو چھوتی ہوئی

اُٹھیں صدائیں کہ "فرقت کے دن ملے آ گئے ہیں
ہیں آپ چاند تو ہم سب ستارے آ گئے ہیں
یہ جاں، یہ دل، یہ مکانات سارے آپ کے ہیں

یہاں قیام، خدارا یہاں قیام کریں
فراق کے در و دیوار جشنِ عام کریں
سحر کے نور سے روشن ہماری شام کریں"

رواں تھا ناقہ، رُکا غیب کے اشارے پر
مکان حضرتِ ایوبؓ کے کنارے پر
نگاہ حق تھی اسی آرزو کے مارے پر

وہ والہانہ عقیدت جو منتظر تھی یہاں
قلم ہے اس کے تصور سے دور پرافشاں
مدینہ جانِ وطن تھا نبیؐ تھے حاصلِ جاں!

دیارِ غیر میں لطفِ وطن ملا تھا اُسے
وفا شعار دلِ مرد و زن ملا تھا اُسے
چمن سے دور ـــ سراغِ چمن ملا تھا اُسے

مدینہ جان مدینہ کے انتظار میں تھا
اِسی نجات دہندہ کے انتظار میں تھا
یہ عہد نامۂ عقبہ کی پاک وادی تھی
جہاں ضمیر کو تاریخ نے صدا دی تھی
جراحتوں میں دبی روح مسکرادی تھی

یقیں کے سوز سے خونِ حیات دہکائے

وفا کی نذر کو خزرج کے سورما آئے
رفاقت اور اطاعت کے عہد دہرائے

کہا "سلیقۂ پیکار کی قسم ہے ہمیں
رگوں میں خون شرربار کی قسم ہے ہمیں
برہنہ نیزۂ و تلوار کی قسم ہے ہمیں

بس اب یہود و نصاریٰ کا ساتھ چھوڑینگے
خدائی چھوڑ دی — ناطہ خدا سے جوڑینگے
رسولِ وقت کے فرماں سے منہ نہ موڑینگے

ہمیں پیام قبولِ وفا سنا دیجے
اب آپ ہمارے رہیں گے یقیں دلا دیجے
ہمارے جذبۂ ایثار کو بڑھا دیجے"

اُٹھے پیمبرِ معصوم مسکرا کے کہا
جبیں کو نورِ صداقت سے جگمگا کے کہا
خدا کے دیں کا علم ہاتھ میں اُٹھا کے کہا

"تمہارا خون ہوں میں اور مرا لہو تم ہو
بہار تازہ ہے اسلام رنگ و بو تم ہو
تمھیں خبر ہے محمدؐ کی آرزو تم ہو

وہ امن ہو کہ لڑائی — تمہارے ساتھ ہوں میں
خفا ہو چاہے خدائی — تمہارے ساتھ ہوں میں
کرو نہ خوفِ جدائی — تمہارے ساتھ ہوں میں"

کیا مطالبہ عباس نے قرینے کا
کہ لوگو! عہد ہے یہ عہد مرنے جینے کا
یہ عہدِ جنگ ہے طوفان اور سفینے کا

ذرا سفینۂ و طوفاں کا جائزہ لے لو!
سمجھ لو، سوچ لو پیماں کا جائزہ لے لو!
عظیم جنگ کے میدان کا جائزہ لے لو!

نبی کا بارِ امانت ہے جن کے شانوں پر
رہیں گے سینہ سپر آگ کے دہانوں پر
کریں گے جست کبھی موت کے نشانوں پر

یہ سوچ لو کہ جنوں کا مآل کیا ہوگا؟
جگر کے خوں سے رقم قصۂ وفا ہوگا!
بتاؤ تم سے امانت کا حق ادا ہوگا؟"

کہا قبیلۂ خزرج نے "اس کا ذکر کیا ہے!
بھلا وفا کے سوا مقصدِ بشر کیا ہے!
وفا کریں گے — وفا کا صلہ مگر کیا ہے؟"

اٹھی نگاہِ پیمبر بصد نشاط و سرور
کہا کہ "اس کے صلہ میں ملیگی جنتِ نور"
پکار اٹھا قبیلہ کہ "ہم کو ہے منظور!"

گواہ ہے دلِ تاریخ کیا کیا سب نے
زباں کا عہد عمل سے وفا کیا سب نے
عظیم فرضِ امانت ادا کیا سب نے

انھیں یقیں تھا کہ حسنِ یقیں ہی سب کچھ ہے
برائے جذبۂ ایثار دیں ہی سب کچھ ہے
خدا کا وعدۂ خلدِ بریں ہی سب کچھ ہے

---

(۳) گیا وہ عہدِ یقیں اب گماں کا دور آیا
ہوس کے جذبۂ سود و زیاں کا دور آیا
زمیں کی گود میں خوابِ گراں کا دور آیا

اُس عہد نامہ میں شامل ہمارا نام بھی تھا
ہمارے نام اسی فرض کا پیام بھی تھا
سنا ہے ہم کو محبت کا احترام بھی تھا

نبی سے عہد وفا کا کیا تھا ہم نے بھی
یقین یوم جزا کا کیا تھا ہم نے بھی
بلند نام خدا کا کیا تھا ہم نے بھی

مگر عمل نے پکارا تو سو گئے ہیں ہم
چراغ لیکے اندھیروں میں کھو گئے ہیں ہم
مگر بہ زعم "مسلمان ہو گئے ہیں ہم"!

سنو! تلافیٔ مافات کی پکار سنو!
پکارتا ہے تمھیں کوئی بار بار سنو!
سحر کراہ رہی ہے افق کے پار سنو!

اٹھو! اٹھو کہ اندھیرے نہ کام کر جائیں!
یقیں کے بجھتے دیئے زہر سے نہ بھر جائیں!
نئے جہاں کے نئے آدمی نہ مر جائیں!

تمھارے پاس ہے تریاق زہر — جلد اٹھو!
رواں ہے سوئے زمیں موج قہر — جلد اٹھو!
اُجڑ نہ جائیں تمدن کے شہر — جلد اٹھو!

(از مولانا تمنا عمادی)

دنیا اور دین کی فلاح

اس مقالہ کے مصنف جناب مولانا تمنا عمادی کی شہرت پر "انکار حدیث" کا جو داغ لگا ہوا ہے اس سے ہم بے خبر نہیں۔ اس کے باوجود ان کا یہ عطا فرمودہ مقالہ ہم شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ شہرت کچھ بھی ہو لیکن تاحال ہماری نظر سے موصوف کا کوئی ایسا مضمون نہیں گزرا جس سے ہم یہ فیصلہ کر سکتے کہ وہ معروف معنوں میں "منکر حدیث" یا "اہل قرآن" ہیں۔ جو بعض تحریریں ہماری نظر سے گزری ہیں ان سے بھی اور موصوف کے ایک حالیہ خط سے بھی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بعض قرائن میں سوء ظن کا اضافہ کر کے انھیں اہل قرآن کی صف میں شامل کر دیا گیا ہے ورنہ وہ حدیث کے بارے میں عام نقطۂ نظر سے کچھ ہٹے ہوئے ہونے کے باوجود اتنے ہٹے ہوئے نہیں ہیں کہ جو بدگمانیاں لوگوں کو بجا طور پر اہل قرآن سے ہیں انھیں بھی ان کا محل و مورد قرار دے لیا جائے۔ ہم سمجھتے ہیں ـــــ اور اس پر ہمیں وثوق ہے کہ اہل قرآن کے حلقوں میں بھی سب لوگ وہ نہیں ہیں جو واقعۃً تحریف دین کے خواہشمند ہوں اور جن کی تمنا یہ ہو کہ اسلام کے نام پر ایک نیا مذہب عالم وجود میں آ جائے بلکہ بے شمار لوگ ایسے بھی ہیں جو "حامیان حدیث" کے غیر معقول تشدد اور کورانہ جمود اور جاہلانہ قسم کی رجعت پسندی سے تنگ آ کر ادھر آ گئے ہیں۔ ہمیں اس حقیقت کے اعتراف میں نہیں جھجکنا چاہیئے کہ "حامیان حدیث" میں بھی اپنے موقف و مسلک کے لئے انتہا پسندانہ جذبات پائے جاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ ہمارے پرانے قسم کے مدرسوں اور درسگاہوں سے نکلنے والی نسلیں زیادہ تر ایسے ہی افراد پر مشتمل ہیں جن میں عصر نو کے تقاضوں کی فہم برائے نام بھی نہیں پائی جاتی جن کا علم اجتہاد و بصیرت کی صلاحیتوں سے عاری، خالص روایتی اور لگا بندھا ہے ... جو استادوں سے سنے ہوئے اسباق کو رٹنے کے سوا کوئی راہ نہیں نکال سکتے۔ جن کی ذہنی تاریکی کا عالم یہ ہے کہ جس وقت وہ کسی دوسرے مکتبۂ فکر کے کسی مسلک و موقف پر اعتراض کر رہے ہوتے ہیں ٹھیک اسی وقت وہ خود بھی ایک حد سے متجاوز موقف و مسلک پر جمے ہوئے ہوتے ہیں اور انہیں احساس تک نہیں ہوتا کہ گمراہی کے جو دھبے انہیں حریف کے دامن پر نظر آ رہے ہیں ویسے ہی دھبے خود ان کے ماتھے اور سینے پر موجود ہیں۔ نفس امارہ کا یہی جادو ان کے سر چڑھ کر بولتا ہے، جس کی ترنگ میں دوسروں کا تو ذرہ بھر دھبہ بھی سیر بھر ہو کے نظر آتا ہے اور اپنا سیر بھر گناہ بھی بمشکل ماشہ بھر محسوس ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات محسوس ہی نہیں ہوتا۔ ماننا چاہیئے کہ جس طرح انکار حدیث کے رخ پر چلنا جرم ہے اسی طرح حمایت حدیث میں غلو اور جمود اور بے اعتدالی بھی جرم ہی ہے۔ حدیث کی حمایت، مثلاً لعنت کی بحث میں یہ جو طریقہ عام ہے کہ حمایت کرنے والے حضرات اپنے موقف کی تائید میں جس چاہے عالم مرحوم کا قول لے آتے ہیں، اور دس بیس علمائے سلف کے اقوال جمع کر دینے کے بعد دعویٰ کرتے ہیں کہ حریف اجماع امت کا منکر ہو گیا، اہل سنت کے دائرے سے نکل گیا وغیر ذلک۔ یہ طریقہ قطعاً غلط ہے۔ علمائے سلف اپنی اپنی جگہ کتنے ہی مقدس اور متبحر رہے ہوں لیکن وہ سب کے سب ایسے نہیں تھے کہ آج کے مباحث میں انھیں حجت مان لیا جائے۔ ان میں سے ایسی ہستیوں کو انتخاب کرنا ہوگا جن کی ذہانت، قوت اجتہاد اور گہری بصیرت ہمارے عہد کے دور تعقل سے جوڑ کھاتی ہو۔ تدبر اور فکری پیش رفت کے میدان میں اسلام نے بعض حدود تک نہیں آنے دیا جیسے کہ لیے اور اسلام اگر محض نظریہ یا فلسفہ نہیں بلکہ نظام حیات اور عملی مذہب ہے تو ہمیں حقیقی فائدہ صرف انھیں اسلاف کے علم و فن اور فکر و اجتہاد سے پہنچ سکتا ہے جن کے ذہن و قلب بالا قسم کی روایت پرستی اور قدامت پسندی کے عوض عقل کی جائز حدود میں جولانیاں دکھلانے سے نہ چوکے ہوں۔ مثال کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ سبکیؒ اور ابن حجر مکیؒ جیسے عظیم اسلاف کا سرمایۂ علم

فن اب ہمارا بیڑا پار نہیں لگائے گا ہمیں تو اس وقت ابن تیمیہؒ اور مجدد الف ثانیؒ جیسے فکر و نظر کی ضرورت ہے کہ دوسروں کے قصور دکجروی کا رونا رونے کے ساتھ ساتھ اپنے جمود و زوال کا بھی جائزہ لیں۔ حمایت حدیث، بالتصوف یا کسی اور نام سے جن تعصبات و مزعومات کو ہم نے بالجبر داخل دین کرلیا ہے اور مختلف فیہ مسائل میں خود کو سراپا حق سمجھنے کی جو روش ہم نے اپنائی ہے وہ ہماری موت کے مرادف ہے۔ دوسروں کو ان کے موقف سے سرکانے کی اگر ہمیں امید رکھنی ہے تو پھر خود بھی اپنے موقف سے اس حد تک سرکنے پر تیار رہنا چاہیئے جس حد تک اللہ اور رسولؐ نے گنجائش دی ہے۔ یہ نا ممکن ہو کہ ہم تو جنبش نہ کریں اور دوسرے سجدے میں گر جائیں۔

یہ اجمالی تمہید با شرح کی طالب ہے اس کی نوٹ میں گنجائش نہیں کہنا یہ ہے کہ جب تک کسی کے بارے میں وثوق کے ساتھ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ معروف معنوں میں "منکر حدیث" ہے محض اس لئے اسے منکر حدیث نہیں کہنا چاہیئے کہ اس کا طرز فکر قدرے مختلف اور تعقل پسندانہ ہے۔ تعقل دور حاضر کی ایسی حقیقت ہے کہ اس سے قطع نظر کر کے نہ اسلام کی خدمت کی جا سکتی ہے نہ اتحاد کے لئے کسی فکری بنیاد کی فراہمی ممکن ہے۔

یہ مقالہ اس لائق تھا کہ اسے ایک ہی اشاعت میں پیش کیا جاتا لیکن افسوس دیگر مضامین کے باعث اس کی گنجائش نہیں لہٰذا دو قسطوں میں پورا کیا جائے گا۔　　(تجلی)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیاوی و دینی تباہیوں اور ہلاکتوں سے بچانے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا۔ ان پر اپنی کتاب اتاری۔ اور ہر نبی کو یہی حکم دیا کہ تم اپنی کتاب ہی کے ذریعے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے لوگوں کو دنیا و دین کی فلاح و بہبود کی راہ پر لگاؤ۔

اگلے انبیاء علیہم السلام کی نبوت ان کی تعلیم ان کی کتاب خاص خاص حلقے خاص خاص ماحول اور ایک مخصوص مدت تک کیلئے تھی۔ اس لئے نہ ان کی تعلیم کے موجود رہنے کی ضرورت تھی نہ ان کی کتابوں کی۔ ایک آخری نبی آنے والے ہی تھے جن کی کتاب سارے عالم کے لئے ذریعہ ہدایت ہونے والی تھی لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر اس حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب کو اتارا تاکہ سارے عالم کے لئے یہ نتیجہ نافرمانی سے ڈرانے والی ہو۔ (آغاز سورہ فرقان)

چنانچہ وہ آخری نبی آ گئے، ان سے کہا گیا کہ تم پوری دنیائے انسانیت کو پکار کر کہہ دو قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (کہہ دو اے رسول! کہ اے انسانو میں تم سب کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں) (اعراف ۱۵۸) ان پر وہ قرآن مجید بھی اتر گیا جو سارے عالم کو نافرمانی کے برے نتائج سے ڈرا۔ سو دا اللہ

اب ساری دنیا کے انسانوں کے لئے دنیا و دین کی فلاح و بہبود صرف اسی میں ہے کہ ہر شخص اسی کتاب کی ہدایت اور اسی رسول کی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرے۔ جو احکام قرآن مجید میں آئے ہیں ان کو حتے الوسع پوری طرح زندگی بھر انجام دیتا رہے۔ اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان سے ہمیشہ بچتا رہے۔ سرکشی و نافرمانی کو باعث تباہی و ہلاکت سمجھے۔

نتیجۂ نافرمانی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَى أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا (اے وہ لوگو جن کو پہلے کتاب مل چکی ہے۔ اس کتاب (قرآن) پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے اتارا ہے جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہیں۔ اس سے پہلے لے آؤ کہ تمہارے چہرے بگاڑ دئے جائیں، مسخ کر دئے جائیں پھر پیٹھ پیچھے الٹا دئے جائیں۔ یا پھٹکار ڈالدیں ہم ان پر جیسے اصحاب السبت پر پھٹکار ڈال دی تھی۔ اور یاد رکھو کہ اللہ کا کام ہو کر رہتا ہے۔ (نساء آیت ۴۷)

انسان بھی ایک حیوان ہے، جس طرح بہت سے حیوان ہیں۔ جیوانوں کی زندگی کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ کھا

اپنے جوڑے کے ساتھ اپنے بچوں کے ساتھ اور پھر اپنے ہم جنسوں کیساتھ زندگی بسر کرو، جب مرنے کا وقت آئے تو مرجاؤ۔ بلکہ ان انسانوں سے حیوانوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں اس بات میں ہر حیوان اچھا ہے کہ مرنے کے وقت کسی حیوان کو اپنے پسماندوں سے چھوٹنے کا کوئی غم نہیں ہوتا۔ نہ اُن کو اس کی کوئی فکر ہوتی ہے کہ یہ سب پسماندے ... بعد کیا کریں گے۔ اور ان حیوانیت میں مسخ شدہ انسانوں کو مرنے کے وقت اپنے گھر بار دولت اور کاروبار پھر بال بچوں سے چھوٹنے کا بڑا غم ہوتا ہے۔ اور کتنوں کو اس کی فکر بھی ہوتی ہے کہ اس کے بعد ان کے اہل و عیال کیا کریں گے اسی اعتبار سے یہ مسخ شدہ انسان حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔

یہ حیوانیت میں مسخ شدہ انسان صرف ایک ہی بات میں حیوانوں کے برابر ہیں کہ جس طرح حیوانوں کو اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی کہ مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیا ہوگا۔ اسی طرح ان انسانوں کو بھی اس کی فکر نہیں ہوتی، یہ اپنے دل کو مطمئن رکھنے کیلئے بلا دلیل یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ مرنے کے بعد مٹ جانا ہے۔ جو مرتا ہے وہ مٹ جاتا ہے ہم بھی مریں گے تو مٹ جائیں گے۔ اس وہم کو یقین بنا کر یہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ بلکہ اس وہم بلا دلیل کو یقین کا درجہ ہی اس لئے دیا گیا ہے کہ پرسش آخرت اور قیامت کی باز پرس کا ڈر دل سے نکال کر عذاب دوزخ کی طرف سے اطمینان حاصل کر کے اپنی ہر ممکن خواہش کو جس طرح ہو پوری کر لیں۔ اگر بچیں تو صرف حکومت وقت کی قانونی گرفت سے یا سوسائٹی کے دباؤ سے۔ ان دونوں رکاوٹوں کو جس ممکن طریقے سے دور کیا جا سکے دور کرتے رہیں۔ اور جو جی میں آئے کرتے رہیں۔

اہل کتاب کو اصحاب السبت کے واقعہ سے ڈرایا گیا ہے۔ کہ ان کو سبت یعنی سنیچر ... مچھلی کے شکار سے منع کیا گیا تھا۔ مگر وہ باز نہ رہے اور چھپ ... چوری چھپے شکار کرتے ہی رہے تو وہ بندر کی شکل میں مسخ کر دیئے گئے وہ بالکل بندر ہی بنا دیئے گئے تھے یا ان کی فطرت بندر کی سی ہو گئی تھی، اللہ کو معلوم، اس کی بحث کا یہ موقع نہیں قرآن مجید میں جو فرمایا گیا ہے اس کی صحت پر میرا ایمان ہے اور ہر مسلم کا ایمان ہونا چاہئے۔ مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ جو قرآن مجید پر ایمان نہ لائے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہ کی، اور ان کو اللہ کا رسول مان کر ان کا اتباع نہ کیا تو اللہ تعالےٰ کا یہ وعدہ ضرور سچا وعدہ ہے۔ کس حد تک اور کس طرح پورا اترا؟

وفائے عہد

یہ ظاہر ہے کہ اہل کتاب میں سے یہود حضرت موسےٰ اور حضرت عزیر علے نبینا وعلیہما السلام پر ایمان کا اور ان کی پیروی کا دعوےٰ رکھتے ہیں۔ توریت پر ایمان کے مدعی ہیں۔ نصاریٰ حضرت عیسےٰ علے نبینا وعلیہ السلام پر ایمان کا اُن کی پیروی کا اقرار کرتے ہیں، اور انجیل پر ایمان کے معترف ہیں۔ ان سب انبیاء ورسل علے نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم یہی ہے کہ دنیا دار العمل ہے۔ مرنے کے بعد تمہارے دنیاوی اعمال وعقائد کے مطابق تمہارے ساتھ برتاؤ کیا جائیگا، قیامت کا ایک آخری دن ضرور آئے گا۔ اس دن سارے اولین وآخرین اکٹھا کئے جائینگے سب مردے زندہ کر کے میدان حشر میں حاضر کئے جائیں گے اور ہر شخص سے اس کے اعمال کی باز پرس ہوگی نیک کاروں کو جنت میں بھیجا جائے گا اور بدکاروں کو دوزخ میں۔ باوجود ان تعلیمات سے واقفیت کے یہود ونصاریٰ دنیا کی ہوس میں پڑ کر آخرت کی فکر سے ایسے غافل ہو گئے، کہ ان کو آخرت کی کچھ پرواہ نہ رہی

جو لوگ اہل کتاب نہیں ہیں۔ یا برائے نام کوئی کتاب رکھتے ہیں مگر عقائد وعبادات واخلاق ومعاملات، کسی چیز میں بھی کبھی اپنی اس کتاب سے سند نہیں لیتے۔ ان کو مرنے کے بعد کے متعلق کوئی بات ایسی معلوم نہیں ہے جس کو وہ یقینی سمجھتے ہوں۔ اور اگر کسی بات کو وہ یقینی ظاہر بھی کرتے ہیں تو اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہ عقلی ہے نہ کسی آسمانی کتاب سے، کچھ اوہام بلا دلیل ہیں جن پر ان کو اصرار ہے وہ بھی صرف بحث کرنے کے لئے ان اوہام کے مطابق بھی ان کا عمل نہیں ہے جس سے ظاہر ہے کہ حقیقتہً ان اوہام پر بھی ان کا یقین نہیں ہے۔ اسی لئے وہ اہل کتاب سے زیادہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ کی فکر سے بالکل آزاد ہیں وہ کبھی اس کو سوچتے ہی نہیں۔ اسی لئے کبھی تو اٹکل پچو کہہ دیتے ہیں کہ مر جائینگے تو مٹ جائینگے۔ کبھی آواگون کا ڈھکوسلہ چھوڑنے لگتے ہیں جس کی کوئی دلیل کسی آسمانی کتاب سے وہ پیش نہیں کر سکتے۔ نہ کوئی عقل سلیم ہی اس کو صحیح تسلیم کر سکتی ہے

غرض اہل کتاب کے سب نہیں تو بعض افراد ہی کے ذہن میں بھی کبھی آخرت کی زندگی قیامت اور پرسش اعمال وجزا وسزا کا خیال

آ بھی جاتا ہے۔ ان غیر اہل کتاب کفار، مشرکین و ملاحدہ کا تو کبھی اس
طرف خیال بھی نہیں جاتا کہ مرنے کے بعد کچھ ہوگا۔ مگر محمد رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ وتامہ کے بعد اب کسی قوم کو یہ کہنے
کا حق باقی نہیں ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی تعلیم نہیں پہونچی جو ہمکو
آخرت اور قیامت اور اعمال کی باز پرس وغیرہ سے ڈراتی اور ہمکو
مرنے کے بعد کے مفاد کی طرف متوجہ کرتی۔ تقریبًا دنیا کی ہر قوم
کے پاس اسلام کی آواز پہونچ چکی ہے قرآن مجید کے ترجمے اکثر
زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ اس لئے تقریبًا دنیائے انسانیت پر محمد
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، قرآن مجید اور دین اسلام کی طرف
سے اتمام حجت ہو چکا ہے۔ اس لئے وہ وعید جو اہل کتاب کو سنائی
گئی تھی۔ اگرچہ اس وقت اہل کتاب ہی اس کے مخاطب تھے مگر در
حقیقت اس کے مخاطب سارے اقوام تھے اور ہیں مگر مخاطب
خصوصی اہل کتاب قرار دئے گئے چونکہ وہ دوسروں سے زیادہ
آخرت کے حال سے واقف ہیں یا ہو سکتے ہیں

اہل کتاب اور غیر اہل کتاب عام کفار و مشرکین تو اس وعید کے
مستحق ٹھہرے ہی۔ افسوس اور صد ہزار افسوس کہ مسلمانوں کی بھی
ایک بڑی جماعت اس وعید کی مستحق بنی ہوئی ہے۔ اور ان تینوں
جماعتوں پر یہ وعید پوری طرح پوری اتر رہی ہے۔ وہ کس طرح؟
مجھ سے سنئے۔

یہ میں بیان کر چکا ہوں کہ انسان بھی دوسرے حیوانوں
کی طرح ایک حیوان ہی ہے، اور حیوانی زندگی کا مفہوم یہی ہے
کہ آخرت کی فکر مطلق نہ ہو۔ کھانے پینے، رہنے سہنے اور بیوی بچے
کے سوا کوئی مقصد زندگی نہ ہو۔ مرنے سے بچنے کی چونکہ کوئی صورت
ہی نہیں ہے۔ اس لئے موت آئے گی تو مرنا ہی پڑے گا۔ مرنیکے
بعد کیا ہوگا۔ اس کو اس زندگی میں کیوں سوچا جائے۔
جو ہوگا سو ہوگا۔ عاقبت کی خبر خدا جانے یہاں تو آرام سے گذر رہی ہے۔

باقی رہے وہ جو دنیاوی زندگی میں معیشت ہی کی تحصیل کر رہے ہیں۔
وہ بلا دلیل اپنے دل کو یہ کہکر سمجھا لیتے ہیں کہ ہمیں دنیا میں عیش و آرام نصیب
نہیں ہے تو مرنے کے بعد اس کے بدلے میں ضرور عیش و آرام کا موقع
ملیگا اور سمجھتے ہیں کہ جو لوگ یہاں عیش و آرام سے ہیں
وہ مرنے کے بعد عیش و آرام سے ضرور محروم ہوں گے۔ [illegible]

یہ ان لوگوں کے وہمی منصوبے اور خیالی اوہام ہیں اس قسم کے
خیالی پلاؤ پکا پکا کر وہ اپنا غم غلط کر لیا کرتے ہیں۔

لیکن ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ ان سبھوں کی ساری
کوششیں، ساری جد و جہد صرف دنیاوی زندگی ہی کے مفادوں
تک محدود ہیں، اور محدود رہتی ہیں جو کسی حد تک سمجھتے ہیں کہ مرنے
کے بعد بھی کچھ ہوگا۔ وہ بلا دلیل کچھ اوہام کو یقین کا درجہ دیکر انھیں
اوہام پر آخرت کی طرف سے اسقدر مطمئن رہتے ہیں کہ اس کے متعلق
کبھی سوچتے بھی نہیں۔

تو اہل کتاب اور جو اہل کتاب کی طرح کسی قدر مرنے کے
بعد کے متعلق اعتقاد رکھتے ہیں کہ کچھ ہوگا ان کی فطرت انسانی ان سے
چھین لی گئی اور بندر کی سی صفت کو پھاند وغیرہ دیکر ان کو فطرت
انسانی سے پیچھے حیوانی فطرت کی طرف سے پیچھے لوٹا دیا گیا۔

اور جو آخرت کے بالکل منکر ہیں اور حشر نشر و قیامت اور باز
پرس اعمال کے متعلق قائل نہیں۔ وہ ایسے آدمیوں کے عقیدۂ فاسدہ
کے ماتحت پائے گئے مسخ ہوگئے، کہ خیال باطل کے ماتحت اُن پر
درندگی کی صفت دیکر ان کو انسانی فطرت بدل کر حیوانی فطرت
میں انہیں مسخ کر دیا گیا چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ انسانی خون
بہانے میں بے قصور اور بے گناہوں کے قتل میں بہت دلیر ہوتے
ہیں۔

جو لوگ حشر و نشر اور باز پرس اعمال اور دوزخ و جنت کے
بالکل منکر ہیں ان کو چھوڑیئے۔ یہاں اس وقت ان سے بحث نہیں ہے
جو لوگ قیامت اور باز پرس آخرت پر کم و بیش ایمان رکھنے
کے مدعی ہیں چاہے وہ یہودی ہوں یا عیسائی، یا دنیا پرست
مسلمان۔ ان تینوں جماعتوں کو بڑی کشمکش کا سامنا کرنا پڑا۔
دنیا پرستی کا تقاضا یہ تھا کہ جو کچھ کرو دنیا کے لئے کرو اور دنیا میں
زیادہ سے زیادہ جائز و ناجائز عیش و آرام کا سامان جسقدر بھی
مہیا ہو سکے کرتے رہو۔ ان کو فکر دنیا اتنی فرصت ہی نہیں دیتی کہ فکر
آخرت کے لئے بھی یہ کچھ وقت نکال سکیں۔

دوسری طرف آخرت کا خیال، قیامت کا خوف اور اعمال
کی باز پرس کا ڈر ان کو قدم قدم پر روکتا۔ اور اکثر اقدام کے وقت
عذاب دوزخ سے ڈراتا ہوا رہتا ہے۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں

جو ہفتے میں ایک دن جمعہ کو جمعے یا پنجگانہ روزانہ بھی نمازوں کی چار ٹکریں بھی لگا لیتے ہیں جب رمضان کا مہینہ آجاتا ہے تو مہینے بھر کے روزے بھی ہر سال رکھ لیتے ہیں۔ بلکہ ان میں کتنے ایسے ہیں جو حج بھی کر آئے ہیں بعض فطرۃً سخی اور انسانی ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے بھی ہیں، اور سائلوں کو حاجتمندوں کو کچھ دیا بھی کرتے ہیں قومی کاموں میں اور جن کاموں کو دینی کام سمجھتے ہیں۔ ان میں چندے سے بھی دیا کرتے ہیں۔ سال میں دو ایک بار دھوم دھامی مولود کی مجلسیں بھی کرتے ہیں اور ان میں جی کھول کے خرچ کرتے ہیں۔ مگر وہ سودی کاروبار بھی کرتے ہیں، تاجر ہیں تو چور بازاری بھی کرتے ہیں۔ سرکاری ملازم ہیں تو رشوت بھی لیتے ہیں، ٹھیکیدار ہیں تو غبن و خیانت بھی کرتے ہیں غرض جس طبقے سے ان کا تعلق ہے، اس طبقے کی مناسبت کی وہ حرام خوری و حرام کاری میں بھی مبتلا ہیں۔ وہ ہر ناجائز طریقے سے دولت حاصل کرنے میں بالکل بے باک ہیں، اور اس کو اپنا حق سمجھتے ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو زیادہ سے زیادہ مال و دولت حاصل کرتے رہیں۔

یہ لوگ جو بظاہر پکے مسلمان معلوم ہوتے ہیں، آخرت پر قیامت پر قیامت کی باز پرس پر ایمان تو ضرور رکھتے ہیں، مگر ان کو گمراہ کن جاہل مولویوں اور مشائخ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی امید ہی نہیں بلکہ یقین دلا کر غم آخرت سے بالکل فارغ کر دیا ہے، مزید احتیاط کے خیال سے یہ کسی پیر کے مرید ہو گئے تو اپنی نجات کا پورا ذمہ دار اس پیر کو سمجھنے لگے۔ اس لئے ان کے دل میں قیامت کی باز پرس کا کوئی خطرہ باقی ہی نہیں رہا ہے۔ البتہ دنیا کی مصیبتوں میں کبھی مبتلا ہو جاتے ہیں تو ضرور رفاہیت پریشانی کے عالم میں اللہ تعالے کے حضور میں دعائیں کرنے لگتے ہیں۔ مگر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو گنہگار ہیں، اور اپنی گنہگاریوں سے توبہ کرنے کا کوئی ارادہ بھی نہیں رکھتے ہیں۔ ہماری سود خواری، چور بازاری، رشوت ستانی مردم آزاری وغیرہ کوئی چیز ایسی نہیں جس کو ہم چھوڑ دیں۔ اور اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے، سب کچھ جانتا ہے اس لئے وہ ہماری دعائیں کیوں سننے لگا؟ اس لئے وہ اللہ تعالے کو رسول کا، اور بعض بزرگوں کا واسطہ دینے لگتے ہیں کہ اپنے حبیب اپنے رسول مقبول کے صدقے میں، ان کے طفیل میں، ان کے وسیلے سے ہماری دعا سن لے اور اس مصیبت سے ہمیں نجات دیدے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم نے اللہ تعالے کے حضور میں اس کے حبیب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کر دیا۔ فلاں غوث یا قطب یا مخدوم کے صدقے میں دعا مانگی ہے تو اب اللہ تعالے میرے اعمال بد اور میرے گناہوں کی پروا نہیں کرے گا اور اپنے رسول اور اپنے برگزیدہ بندوں کے وقار کو قائم رکھنے کے لئے میری حاجت ضرور پوری کر دے گا۔

اور پھر بزرگوں کے مزاروں پر جا جا کر دعائیں کرتے ہیں، روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں کہ میری یہ حاجت ہے اس کو آپ خود پوری کر دیجئے کیونکہ یہ لوگ بلا دلیل محض اپنے دل خوش کن اوہام کے ماتحت سمجھتے ہیں کہ بزرگوں کو اللہ تعالے کیطرف سے بہت سے اختیارات ملے ہوئے ہیں اور ان کو پورا مختار بنا دیا گیا کہ جو چاہیں کریں، جس کو جو چاہیں دیدیں، جس کی جو حاجت چاہیں پوری کر دیں حالانکہ ان کے پاس ایسا سمجھنے کی کوئی قابل قبول دلیل قرآن و حدیث سے نہیں ہے۔ مگر بلا دلیل ان لوگوں نے یہ مشرکانہ عقیدہ قائم کر رکھا ہے۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگان دین کسی کے اعمال و اخلاق کو نہیں دیکھتے۔ وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ شخص ہمارے سلسلے کا مرید و معتقد ہے یا نہیں۔ اگر یہ ہمارے سلسلے کا مرید و معتقد ہے تو چاہے اس کے اعمال و اخلاق کیسے ہی ہوں، اس کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ شخص ہمارے مزار پر حاضری دیا کرتا ہے۔ برابر ہماری نیازیں دیتا رہتا ہے۔ ہمارے قل عرس میں شریک رہا کرتا ہے۔ چاہے اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ مگر یہ ہمارا معتقد ہے اس لئے ہم اس کی مدد ضرور کریں گے۔ حالانکہ جو لوگ اللہ کے دوست ہیں ان کا تو فرض ہے کہ اللہ کے نافرمانوں سے بالکل بیزاری کا اظہار کریں۔ اگر اللہ کے نافرمان ان کے پاس آئیں۔ اور نافرمانی سے باز نہ آئیں اور پھر بھی ان سے مدد چاہیں تو وہ ان پر لعنت بھیجیں۔ کہ تو اللہ کا نافرمان ہے اور اپنی نافرمانیوں سے باز نہیں آتا نہ باز آنے کا ارادہ رکھتا۔ ہے اور ہمارے پاس آیا ہے؟ اللہ کا کوئی دوست اللہ کے کسی نافرمان سے کبھی خوش نہیں ہو سکتا۔

بعضے بزرگوں کی قبروں پر جا کر عرض کرتے ہیں کہ آپ میرے لئے بارگاہ الہٰی میں دعا کر دیجئے کہ میری یہ مصیبت دور ہو جائے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بارگاہ الہٰی میں سفارش بغیر اجازت کے کوئی نہیں

کرسکتا اور جس کے لئے اجازت ہوگی اسی کے لئے سفارش بھی کی جائے گی۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو شخص گناہوں میں مبتلا ہی نہیں بلکہ گناہوں پر مُصر ہو۔ اُن گناہوں سے جن میں وہ مبتلا ہے تو یہ نہیں کہ یا نہ توبہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جس کی سرکشی و نافرمانی کے حال سے اللہ تعالےٰ خوب واقف ہے، ایسے سیہ کار کے لئے وہ کس طرح بارگاہ الٰہی میں کچھ عرض کرنے کی جرأت کرسکتے ہیں بشرطیکہ وہ واقعی اس عرض کرنے والے کی باتوں کو سنتے بھی ہوں یہاں تو اس کی کوئی دلیل نہیں کہ یہ لوگ ان کی قبروں پر جاکر جو کچھ کہتے ہیں وہ سنتے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ جن لوگوں کی زندگی نافرمانیوں ہی میں گذر رہی ہے اور وہ اپنی نافرمانیوں سے باز آنے کا مطلق ارادہ ہی نہیں رکھتے۔ مگر چونکہ مسلمان اپنے کو کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں، سنتے آئے ہیں کہ قیامت آنے والی ہے اُس دن اگلے پچھلے سب مُردے زندہ کئے جائیں گے۔ اور ہر ایک کے سارے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ نافرمان و سرکش لوگ اور کافر و مشرک جو مسلمان نہیں ہیں۔ وہ سب جہنم میں جائینگے اور جو مسلمان ہیں اور نکوکار بھی وہ جنت میں بھیجے جائیں گے اس کے ساتھ مولود خوانوں سے، واعظوں سے، اور جاہل پیروں سے یہ بھی سنتے آئے ہیں کہ صرف کفار و مشرکین جہنم میں بھیجے جائیں گے، گنہگار مسلمانوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی شفاعت سے بخشوا کر جہنم سے بچا لینگے۔ اور خود اپنے ساتھ بخشوانے کے بعد سب گنہگار امت کو جنت میں لے جائیں گے۔ اور جو لوگ کسی پیر کے مرید بھی ہیں ان کے پیران سلاسل بھی قیامت کے دن اپنے سب مریدوں کو بخشوائے بغیر قیامت کے میدان سے ٹلنے والے نہوں گے۔ اس لئے قیامت و آخرت کے متعلق اُن کا سارا بھروسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور بزرگان دین کی شفاعت پر ہے اور اس بھروسے پر وہ دنیا دی زندگی میں اپنی بداعمالیوں سے توبہ کرنے اور باز آنے کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے اور قیامت کی بازپرس سے مطلق نہیں ڈرتے

اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ شفاعت کے متعلق قرآن مجید میں اور صحیح حدیثوں میں کیا آیا ہے۔ اس کو بیان کر دیا جائے قرآنی آیات تو قطعی و یقینی ہیں مگر حدیثیں البتہ صحیح بھی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور لوگوں کی من گھڑت بھی۔ اس لئے صحیح حدیث کی قید میں نے لگائی صحیح حدیث وہی ہے جو قرآن کے مطابق ہو۔ جو حدیث قرآن کے خلاف ہو وہ صحیح حدیث نہیں ہوسکتی[۱] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قرآن کے خلاف نہ کوئی بات بولتے تھے نہ کوئی کام کرتے تھے۔

شفاعت و وسیلہ

"شفاعت" کے معنی عربی زبان میں مدد و اعانت کے بھی آتے ہیں شفیع کے معنی مددگار۔ جیسے قرآن مجید میں ہے لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٌ ان لوگوں کے لئے (قیامت کے دن) کوئی کارساز اور کوئی مددگار نہوگا۔

دوسرے معنی جو عربی فارسی اردو تینوں زبانوں میں مشہور و معروف ہیں وہ وہی ہیں جن کو "سفارش" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں کہا یہ جاتا ہے کہ عوام کی یہ مجال نہیں ہوتی کہ بادشاہ کے دربار میں بغیر کسی وسیلے کے خود پہونچ جائیں اور بغیر کسی مقرب بارگاہ کی سفارش کے بطور خود کوئی درخواست پیش کر دیں

در میر و وزیر و سلطاں را بے وسیلت مگرد پیرامن
امیر و وزیر و بادشاہ کے۔ ان کے گرد بغیر کسی وسیلے کے نہیں گھومنا چاہیئے

اسی طرح بارگاہ الٰہی میں بھی بغیر کسی وسیلے کے دعا کرنا، اور بغیر کسی سفارش کے بطور خود صرف دعا مانگ کے کامیابی

---

[۱] یہاں یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مولانا کے بیان فرمودہ اس اصول سے منکرین حدیث نے اتنا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے کہ اب اس سے اہل حق کو وحشت ہونے لگی ہے اور وہ اس اصول کا ذکر کرنے والے قلم اور زبان کو مشتبہ نظر سے دیکھتے ہیں لیکن فی الحقیقت یہ اصول اتنا ہی صحیح ہے جتنی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا سچا نبی ایسی بات کہہ گذرے جو فرمودات الٰہیہ اور مرضیات ربانی کی ضد ہو۔ حدیث صحیح ہمیشہ آیات الٰہیہ کے مطابق ہی ہوگی چاہے ہماری کوتاہی فہم اس تطابق کو بہ آسانی نہ دیکھ سکے اب اگر اہل قرآن اپنے خاص زاویۂ فکر کے مطابق اس صحیح ترین بنیادی اصول کو انکار حدیث اور تحریف دین کیلئے استعمال کر رہے ہیں تو اس کی وجہ سے اصول سے تو انحراف و انکار نہیں کیا جا سکتا۔ (تجلی)

کی امید رکھنا درحقیقت بارگاہ الٰہی کے وقار کا لحاظ نہ کرنا اور کھلی ہوئی گستاخی ہے۔ قیامت کے دن بھی جس کسی کی مغفرت ہوگی شفاعت ہی سے ہوگی، کوئی گنہگار اگر چاہے کہ بغیر کسی شافع کی شفاعت کے بلاواسطہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں خود عذر و معذرت کر کے اپنے کو بخشوالے تو یہ ناممکن ہے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے یہ دیکھکر شرم معلوم ہوتی ہے کہ میرے مخاطب وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالےٰ پر اللہ تعالےٰ کے رسول اور اللہ تعالےٰ کی کتاب پر ایمان رکھنے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے جو کچھ معلومات اللہ تعالےٰ کی ذات، صفات و قدرت و اختیار کے متعلق حاصل کی ہیں وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے نہیں بلکہ ہندوؤں کے دیوتاؤں پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قیاس کر لیا ہے یا دنیاوی بادشاہوں اور حکمرانوں پر اسی لئے دنیاوی بادشاہوں کی مثالیں دیتے ہیں، دنیا کا کوئی بادشاہ ہو، وہ بھی انسان ہی ہوگا، اور خود ہی حاجتمند ہوگا جو اس سے کچھ مانگنے کے لئے یا کچھ کہنے سننے کے لئے جائیں گے یا کوئی گنہگار کوئی مجرم اپنا جرم بخشوانے کے لئے جائیگا وہ بھی انسان ہی ہے انسانی ضروریات ہر انسان کے ساتھ یکساں وابستہ ہیں۔ ایک بادشاہ بھی عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہے، سوتا ہے، آرام کرتا ہے، کبھی بیمار بھی پڑتا ہے اور ساری انسانی ضرورتیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں اگر وہ ملک کے سارے باشندوں کے سارے معاملات اور سارے کام اپنے ہی ذمے رکھے تو اس کو ایک منٹ بھی اپنی کسی ذاتی ضرورت کے لئے مہلت نہ ملے یہانتک کہ اس کو اپنا پیخانہ پیشاب تک روکے رکھنا پڑے گا۔ اس پر بھی اپنی رعایا کی حاجتیں پوری کرنا تو کجا ان میں سے ہزار کیا کروڑ حصوں میں سے ایک حصے کی پوری بات بھی نہ سن سکیگا۔ اس لئے وہ اس پر مجبور ہے کہ اپنے ساتھ کو اپنے عملۂ فعلہ پر تقسیم کر دے۔ اور اپنے ذمے بہت چیدہ اہم ترین کاموں کو، معاملات کے آخری فیصلوں کو رکھے بخلاف اللہ تعالےٰ کے کہ وہ آنِ واحد میں ساری دنیا کا سارا کام ایک لفظ کُنْ سے انجام دے سکتا ہے دنیا کو اس نے اپنے قانونِ قدرت، و قانونِ فطرت کے تحت رکھکر جس طرح مصلحت خداوندی کا تقاضا ہے چلا رہا ہے اس کی قدرت و اختیار کو عام اہل حکومت کے اختدار و اختیار پر قیاس کرنا ایک وسوسہ اور محض شیطانی وسوسہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ دنیاوی اعلیٰ حکام یا بادشاہ کو اپنی رعایا کے ہر فرد کے حالات کا صحیح علم نہیں ہوتا اور نہیں ہو سکتا ایک غریب حاجتمند اپنا دکھڑا کسی مقرب بارگاہ کی وساطت سے بادشاہ تک پہونچائیگا تو بادشاہ کو اس کے کہنے کا اعتبار ہو سکتا ہے ورنہ ہر سائل اپنے کو سب سے زیادہ مستحق امداد ہی ثابت کرے گا۔ بادشاہ کو کیا علم کہ یہ واقعی حاجتمند ہے یا نہیں۔ ہر مجرم اپنے کو بے قصور ہی قرار دے گا۔ یا اپنے جرم کو بہت ہلکا کر کے بیان کرے گا بادشاہ کو کیا علم کہ یہ مجرم ہے یا شبہے اور بدگمانی میں پکڑا گیا ہے سخت مجرم ہے یا ہلکا؟ اس لئے سفارش اور کسی انسانی وسیلے سے بادشاہ اس مجرم کے حال سے کسی قدر واقف ہو سکتا ہے۔ پھر بھی یہ کوئی ضروری نہیں کہ سفارش کرنے والے نے صحیح ہی سفارش کی ہو۔ دنیا میں لوگ رشوت لے کر بھی سفارش کیا کرتے ہیں۔ اسی لئے یہ لوگ پیر بزرگ کو بھی نذر نیاز کی رشوت دیکر ان سے بارگاہ الٰہی میں رشوت کے زور پر سفارش کرانا چاہتے ہیں۔ مگر اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہے جو اس کے بندوں کے حال سے واقف ہو۔ اللہ تعالےٰ تو ہر کھلی چھپی بات کا جاننے والا عالم الغیب والشہادہ ہے۔ اس کو کوئی بزرگ جا کر کسی حاجتمند یا مجرم کے حال سے کیا واقف کرے گا؟

تیسری وجہ کوئی وجہ نہیں کہ کوئی رحمدل سے رحمدل اور مہربان سے مہربان بادشاہ بھی اپنی رعایا کے ہر فرد پر اس حد تک مہربان ہو جس حد تک وہ مہربانی کا مستحق ہے۔ کیونکہ کسی بادشاہ کو اپنے رعایا کے ہر فرد کا حال معلوم ہی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ بغیر دوسروں کے بتائے ہوئے۔ اس سے آگاہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی کس حد تک مہربانی کا مستحق ہے۔ بادشاہ کے بعض مقرب لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جو کسی حاجتمند یا کسی مجرم پہ بادشاہ سے زیادہ مہربان ہوں۔ اس لئے وہ مقرب بارگاہ صاحب اس حاجتمند یا مجرم پر اپنی سفارش سے بادشاہ کو مہربان کر سکتے ہیں

مگر اللہ تعالیٰ جو ارحم الراحمین ہے ماں باپ سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ اور اپنے ہر بندے کی ہر حاجت سے بھی سب سے زیادہ واقف ہے، ہر مجرم بندے کی نوعیت جرم سے بھی سب سے زیادہ آگاہ ہے ہر بندے کی نیت اور اس کی ندامت و شرمندگی، اس کی توبہ کی صداقت و استقامت سے بھی پوری طرح اور سب سے بڑھ کے باخبر ہے۔ اسکو کیا حاجت کہ کوئی اس کو اس کے کسی بندے پر مہربان کرے یا اسکو اس کے کسی بندے کے حال سے مطلع کرے۔

اگر وہ اپنے کسی بندے پر مہربان نہ ہو۔ اور کوئی بزرگ اللہ کے اس بندے پر اللہ تعالےٰ سے پہلے مہربان ہوجائیں۔ اور اس حد تک مہربان ہوجائیں کہ اللہ تعالےٰ جو اپنے اس بندے پر مہربان نہ تھا اس کو بھی اپنی شفاعت و سفارش سے مہربان کر دیں جب تو اس بندے کے لئے اللہ تعالےٰ ارحم الراحمین نہ ہوا بلکہ وہی بزرگ اس کے لئے ارحم الراحمین ہوئے کہ وہ اس پر اللہ تعالےٰ سے پہلے مہربان ہوئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنی سفارش سے اللہ تعالیٰ کو بھی اس پر مہربان کر دیا جو سفارش سے پہلے اس پر مہربان نہ تھا۔ ان بزرگ کی رحمت اللہ کی رحمت سے بھی بڑھ گئی۔ معاذ اللہ فی ذلک۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالےٰ کو ان لوگوں نے دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے ایسی سخت غلطی کی ہے کہ یہ لوگ درحقیقت اُس اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی نہیں رکھتے جو عالم الغیب والشہادۃ، ارحم الراحمین، ہر کھلی چھپی بات کا جاننے والا ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان، اور ہر طرح کی قدرت ہر طرح کا اختیار رکھنے والا ہے۔ ان کا خدا کوئی اور ہے جو بزرگوں کے مطلع کرنے سے بندوں کے حال سے واقف ہوتا ہے، دوسروں کے کہنے سننے سے ان بندوں پر مہربان ہوتا ہے۔

افسوس یہ ہے کہ سالہا سال سے مسلمانوں کی اکثریت پر پیشہ ور صوفی اس طرح چھائے ہوئے ہیں کہ عوام بیچارے تو کالانعام (چارپایوں کی طرح) مشہور ہی ہیں بعض علماء تک ان کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بلکہ خود بھی اس رنگ میں رنگ جانے کو اپنے لئے بہتر سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں نے عام طور سے مسلمانوں کے ذہنوں میں اللہ تعالےٰ کے متعلق یہ آئیڈیا قائم کر دیا ہے کہ (نعوذ باللہ) وہ ایک بے رحم بیدرد بیمروت حد سے زیادہ مغرور شخصیت ہے

جو اپنے خداوندی تکبر کے ساتھ عرش پر بیٹھا رہتا ہے اور اپنے گنہگار بندوں خصوصاً مسلمان بندوں پر بیحد خفا اور ہر وقت غصے سے بھرا بیٹھا رہتا ہے کبھی کسی گنہگار کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ وہ ہزار مصیبتوں میں ہوں، دعائیں کریں، چیخیں، چلائیں، مگر وہ کبھی کسی گنہگار پر بطور خود ترس نہیں کھاتا۔ ~~

دل اگر زغم خروشد، چہ غم از خروش ما را کہ فغان درد مندان نہ رسد بگوش او را

دل ہزار غم سے چیخے چلائے۔ اسکو کسی کی چیخ پکار کی کچھ پرواہ نہیں ہے گویا دردمندوں کی فریاد و فغاں اس کے کانوں

البتہ بڑے بڑے غوث قطب مخدوم اور اولیا۔ اللہ کی اس دربار میں رسائی رہتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم اس کی ساری رحمت اور ساری مہربانیاں انبیاء و مرسلین اور بزرگان دین کے لئے مخصوص ہیں۔ جب ان بزرگان دین میں سے کوئی بزرگ کسی گنہگار پر کسی وجہ سے مہربان ہو جاتا ہے تو بارگاہ خداوندی میں وہ حاضر ہوتے ہیں اور مناسب موقع دیکھکر اپنے اس گنہگار مرید یا معتقد کے لئے بارگاہ خداوندی میں سفارش کرتے ہیں۔ اگر کہیں وہ سخت گنہگار ہوا۔ اور سفارش نہیں سنی گئی تو مچلنے لگتے ہیں۔ اور اسقدر مچلتے ہیں کہ آخر اس بے رحم خدا کو ان کی سفارش سننی ہی پڑتی ہے، اور وہ اس ناقابل رحم گنہگار کی طرف محض ان کی وجہ سے ایک گوشۂ چشم کرم سے دیکھ لیتا ہے، اور پھر اس گنہگار کا کام نکل جاتا ہے۔

مگر گنہگاران امت کو بزرگان دین کی ؟ وران کے لئے بزرگان دین کو اس بے رحم مغرور خدا کی خوشامدیں کرنے کی ضرورت صرف دنیاوی حاجات و مصائب کے موقع پر پڑتی ہے۔ کیونکہ اب تو مسلمانوں کو جو کچھ فکر رہتی ہے وہ سب فقط دنیا کی۔ جتنے وظیفے پڑھے جاتے ہیں، جسقدر اعمال کئے جاتے ہیں وہ سب دنیاوی مقاصد کے لئے۔ نجات آخرت کی تو کوئی فکر ہی کرنے کی ضرورت کسی کو محسوس نہیں ہوتی۔ وہاں تو یہ اولیاء اللہ جن کی نیاز نذر یہ لوگ ہمیشہ دیا کرتے ہیں، یا جن کے سلسلے میں بیعت حاصل کرلی ہے وہ سب تو اس بے رحم خدا سے ان کو بخشوا ہی کر رہیں گے۔ اور پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو اپنی امت کے ہر فرد کو چاہے وہ کیسا ہی گنہگار ہو جب تک بخشوا نہ لینگے، اس وقت تک خود جنت میں قدم تک نہیں رکھینگے اس لئے قیامت اور باز پرس آخرت سے تو صرف غیر مسلمین کو ڈرنا چاہیئے۔ مسلمان تو کیسا ہی

گنہگار ہوا خدا تو بطورِ خود بخشنے والا نہیں ہے مگر بزرگانِ دین اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے پورے ذمہ دار ہیں اسلئے مسلمانوں کو قیامت سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

مگر وہ اللہ تعالےٰ جس نے انبیاء مرسلہ علیہم السلام کو مبعوث کیا، جس نے خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم کیطرف اپنا رسول بنا کر بھیجا جس نے قرآن مجید کو اُن پر اتارا وہ بے رحم نہیں ہے بلکہ وہ رحمٰن ورحیم ہے بلکہ ارحم الراحمین ہے سارے مہربانوں سے زیادہ مہربان۔ ماں باپ سے بھی بڑھکے مہربان ہے، جس نے اپنے گنہگار بندوں کو خصوصیت کیسا صلائے عام دیدینے کیلئے اپنے آخری رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ، کہدو اے نبی میرے گنہگار بندوں سے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اللہ سارے گناہوں کو بخشدیگا۔ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے صحابہ رضی اللہ عنہم اور صلحاء اولیاء رحمہم اللہ کا وہی معبود برحق اور وہی اللہ ہے جس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کی زبان نہیں کھول سکتا۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کون ہے جو اس کے سامنے بغیر اس کی اجازت کے کسی کی شفاعت کر سکے؟ وہ کسی کی شفاعت وسفارش سے کسی پر مہربان نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی اس کی عین مہربانی ہے کہ کسی گنہگار بندے کی شفاعت کے لئے وہ اپنے کسی برگزیدہ بندے کو اجازت دے۔ غرض اس کی بارگاہ میں شفاعت کی وجہ سے کسی پر مہربانی نہیں ہوتی، بلکہ اس کی مہربانی کی وجہ سے کسی کی شفاعت ہوتی ہے۔ بارگاہ الٰہی کو دنیاوی بادشاہوں کی بارگاہ پر قیاس کرنے والوں کی سمجھ میں بارگاہ الٰہی کی شفاعت کی نوعیت نہ آئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ جس نے اللہ تعالےٰ ہی کو غلط طریقے سے جانا ہے۔ جو اپنے یا اپنے جیسے کچھ لوگوں کے دماغی مخلوق کو اپنا خالق سمجھے ہوئے ہے۔ جو اس خالق کائنات کی ذات وصفات ہی کے متعلق گمراہ کن اوہام اپنے ذہن میں قائم کئے ہوئے ہے اگر وہ اس کی بارگاہ کی نوعیت اور اس کی بارگاہ میں شفاعت کی نوعیت کو صحیح طور سے سمجھ سکے تو اس کو کوئی کس طرح سمجھا سکتا ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج ٭ تا ثریا مے رود دیوار کج

پہلی ہی اینٹ معمار بنانے سے جب ٹیڑھی رکھی ٭ تو آسمان تک بھی اگر دیوار جائیگی تو کج ہی جائیگی

جب تک وہ اپنے دماغی مخلوق کی پرستش سے توبہ نہ کریں، اور اس اللہ تعالیٰ پر نئے سرے ایمان نہ لائیں جس نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تھا اور جس نے ان پر قرآن مجید اتارا جو رحمٰن ورحیم اور ارحم الراحمین ہے۔ اور قرآنی تصریحات کے مطابق اپنے رب کو نہ جانیں اس وقت تک نہ وہ بارہ رب العزت کی صحیح اہمیت کو محسوس کر سکتے ہیں، اور نہ وہ اس کو سمجھ سکتے ہیں کہ بارگاہ الٰہی میں گنہگاروں کی شفاعت کی کیا نوعیت ہوگی۔

آیات شفاعت

اب ہم قرآنی آیات سے شفاعت کی تصریح کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں شفاعت کی کیا نوعیت ہوگی۔

مطلق انکار

سورہ بقرہ ا ۱۲۳ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ الآیۃ، ”اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اور نہ کسی انسان سے کوئی شفاعت قبول کی جائے گی“، اس مفہوم کی آیتیں کئی جگہ ہیں۔ مفہوم کے سمجھنے کے لئے یہی ایک آیت کافی ہے۔ اس انکار مطلق کا مطلب یہ ہے کہ نہ کسی بزرگ کو سفارش کے لئے منت خوشامد کر کے لایا جا سکتا ہے، اور نہ کسی بڑے سے بڑے مقرب بارگاہ کی یہ مجال ہوگی کہ بطورِ خود جس گنہگار کی چاہیں بارگاہ الٰہی میں سفارش وشفاعت کر سکیں دونوں صورتیں ناممکن ہوں گی۔ بالفرض اگر کوئی مجرم کسی کی سفارش لے بھی آئے یا کوئی بزرگ کسی گنہگار کی بطورِ خود شفاعت کریں بھی تو دونوں صورتوں میں وہ سفارش وشفاعت رد کر دی جائیگی۔ ہرگز قبول نہ ہوگی۔

شفاعت کرنیوالوں کے متعلق

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کون ہے جو اس کے پاس اُس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے گا۔ (سورہ بقرہ) لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (قیامت کے دن) لوگ

شفاعت کا مطلق اختیار نہیں رکھینگے بجز اُن لوگوں کے جنہوں نے اس سب سے بڑے مہربان کے پاس اِس کا عہد لے لیا ہے (مریم ۸۷) وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی. اور شفاعت کرنے والے شفاعت نہیں کریں گے مگر اسی کی جس کو اللہ تعالیٰ نے (شفاعت کے لئے) پسند کر لیا ہے (انبیاء ۲۸) اور سورہ زخرف پارہ ۲۵ ۱۔ ۸۶ میں ارشاد ہے وَلَا یَمْلِکُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ٥ (جو لوگ ہر کس و ناکس سے شفاعت کی آس لگائے رہتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا جاتا ہے) جن کو بھی یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ سوا اس کے جس نے حق (یعنی وحی) کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور وہ لوگ اس کو جانتے ہیں۔ "حق" کا لفظ قرآن و حدیث میں "وحی" اور "قرآن" کے معنی میں متعدد جگہ آیا ہے۔ جیسے اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ (بقرہ ۱۴۷) لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ (یونس ۹۴) حَتّٰی جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ (توبہ ۴۸) ان کے علاوہ بھی متعدد آیات ہیں جن میں وحی کو اور قرآن مجید کو "حق" کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے اسی طرح حدیثوں میں بھی۔ چنانچہ صحیح بخاری کے پہلے باب کی تیسری حدیث میں حتی جاءہ الحق وھو فی غار حراء مذکور ہے یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آئی یا قرآن آیا درحالیکہ آپ غار حرا میں تھے۔ اس لئے اس آیت میں بھی من شھد بالحق سے مراد من شھد القرآن یا من شھد الوحی ہے۔ اور قرآن مجید کے حقیقی اور پہلے اور سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کے شاہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ یہ آیت دراصل اس کی طرف اشارۂ واضح کر رہی ہے کہ قیامت کے دن شفاعت کا اختیار صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا۔ آپ ہی کو شفاعت کا اذن ملیگا، وھم یعلمون یعنی جو لوگ غیروں سے شفاعت کی آس لگائے رہتے ہیں وہ اسکو خوب جانتے ہیں کہ شفاعت کا اذن صرف انبیاء و مرسلین ہی کو ملتا ہے اور جب آخری نبی جو سارے عالم کی طرف مبعوث ہوئے ہیں وہ آگئے تو اب شفاعت کا اختیار اللہ تعالیٰ کی اجازت سے صرف انہیں کو ہوگا۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ٥ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ٥ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد رکھی ہے۔ اس کی ذات اس سے بہت پاک اور بالاتر۔ بلکہ وہ لوگ بزرگی دئے ہوئے بندے ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر بات کرنے کی بھی ہمت نہیں رکھتے۔ اور اس کے حکم کے مطابق ہی کام کرتے ہیں۔ اللہ ان کے ہر اگلے پچھلے حال کو خوب جانتا ہے۔ وہ تو شفاعت بھی کرتے ہیں تو اسی کی جس کو اللہ نے پسند کر لیا (یا جس کے لئے اللہ نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی ہے) اور وہ اللہ کی ہیبت سے لرزتے رہتے ہیں (سورہ انبیاء ۲۶، ۲۷، ۲۸ ع ۲) مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ یہود حضرت عزیر کو اور نصاریٰ حضرت عیسےٰ علیہم السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ انہیں کے متعلق یہ آیتیں ہیں۔ فرشتے برابر انہیں کے لئے دعائے مغفرت کیا کرتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ٥ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ٥ وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ٥ اور جو فرشتے حاملین عرش ہیں اور جو اس کے گرداگرد رہتے ہیں۔ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔ کہ ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم بہت وسیع ہے۔ تو ان لوگوں کی مغفرت کر انہوں نے تیری طرف دل سے رجوع کیا اور تیری راہ کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچائے رکھ۔ اور اے ہمارے رب ان کو ہمیشہ باقی رہنے والی جنتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اور انکے صالح آباد اجداد کو ان کی ازواج کو اور ان کے اولاد کو۔ بلا شبہ تو عزت و

حکمت کا مالک ہے۔ اور تو ان (مومنین) کو برائیوں سے بچائے رکھ۔ تونے آج (اس دنیاوی زندگی میں) جسکو برائیوں سے بچا لیا تو بے شک) تونے اسپر (مزورر) رحم کیا۔ اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (سورہ مومن رکوع اول)۔ غرض اللہ کے نیک بندے برابر دوسرے نیک بندوں کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرتے ہیں۔ ہر مسلمان کو حکم ہے کہ دوسرے زندہ مردہ سب مسلمانوں کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرو۔ اگلے انبیاء علیہم السلام بھی اپنی امت کے لئے دعائیں کیا کرتے تھے اور دعائے رحمت و مغفرت کسی کے لئے کرنے ہی کا نام تو شفاعت ہے۔ اسی لئے سورۂ انبیاء کی مذکورہ آیت میں فرشتوں کی دعائے مغفرت کو شفاعت سے تعبیر کیا مگر یہاں قیامت کی شفاعت مراد نہیں ہے۔ مومنین کی دنیاوی زندگی میں فرشتے ان کے لئے شفاعت یعنی دعائے رحمت و مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

منکرین شفاعت کا جواب

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں* تو صاف انکار ہے کہ لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ قیامت کے دن کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اور نہ اس دن شفاعت کسی کو کچھ نفع پہونچائے گی۔ اس آیت میں شفاعت کا مطلقاً انکار ہے۔ اور فرمایا گیا مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کون ہے جو اللہ تعالےٰ کی اجازت کے بغیر اس کے پاس کسی کی شفاعت کرے؟ اور یہ کہیں مذکور نہیں ہے تو اس سے تو صاف ثابت ہوا کہ قیامت کے دن کوئی بھی کسی کی شفاعت نہیں کرے گا۔

مگر مذکورہ بالا آیت سورہ زخرف کی، اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت ملے گی، اور آپ کو شفاعت کا اختیار دیا جائیگا۔

اسی طرح سورہ مریم کی یہ آیت بھی ہے لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا یعنی قیامت کے دن دوسرے لوگ شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھیں گے۔ بجز اس کے جس نے اللہ کے پاس اس کی ذمہ داری لی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ جس نے اجازت حاصل کر کے شفاعت کی ذمہ داری لی ہے اس کو گنہگاروں کی شفاعت کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور یہ منصب صرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں شفاعت کی اجازت کے لئے استدعا کریں، آپ کے سوا اور کسی کی یہ ہمت نہیں ہوسکتی، جیسا کہ متفق علیہ صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے کہ گنہگار مومنین پہلے حضرت آدم پھر حضرت نوح پھر حضرت ابراہیم پھر حضرت موسےٰ پھر حضرت عیسےٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے اور سب شفاعت کے نام سے کانوں پہ ہاتھ رکھیں گے، کہ بھئی ہم اس کے اہل نہیں جاؤ فلاں کے پاس یہاں تک کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام لوگوں کو بتائیں گے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ تو آپ تیار ہو جائیں گے اور حریم تقرب خصوصی کے پاس آکر سجدہ گذار ہوں گے یہاں تک کہ آپ کو ایک حد مقرر کر کے بتایا جائے گا کہ اس حد کے اندر محدود گنہگاروں کی شفاعت کرو۔ ان لوگوں کو بخشوانے کے بعد آپ پھر دوبارہ سجدہ گذار ہوں گے۔ اور پھر ایک حد سے محدود گنہگاروں کے لئے شفاعت کی اجازت ملیگی۔ آپ اجازت لیکر ان کو بھی بخشوائیں گے۔ اسی طرح تین یا چار بار غرض ہر مرتبہ آپ کو اجازت ہی حاصل کرنے ضرورت پڑے گی۔ تو جب سارے انبیاء و مرسلین سابقین ملکے نبیّنا علیہم الصلوٰۃ والسلام شفاعت کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھریگے تو بیچارے اولیاء اللہ کب اپنے متوسلین و معتقدین کے لئے شفاعت کی اجازت حاصل کرنے کی ہمت کرسکیں گے؟

جہاں زبان رسل و انبیاء کی بھی نہ کھلے
وہ کون ہے جو وہاں جوہر سخن دکھلائے

اس حدیث اور مذکورہ بالا آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کی یہ ہمت نہ ہوگی کہ میدان قیامت میں بارگاہ الٰہی سے شفاعت کی اجازت طلب بھی کرسکے۔ اجازت حاصل کرلینا، اور شفاعت کرنا تو بعد کی باتیں ہیں اس کے بعد وہ لوگ سوچیں جو اولیاء اللہ اور بزرگان دین بلکہ ہر مرید صاحب اپنے پیر صاحب سے شفاعت کی آس لگائے رہتے ہیں

عوام اولیاء کی شفاعت کے بھروسے پر آخرت کی بازپرس کی طرف سے بالکل مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار! (باقی)

* کہ فلاں کو شفاعت کی اجازت دیجائیگی تو معلوم ہوا کہ شفاعت اسپر موقوف اور شفاعت کی اجازت کسی کو [illegible]

تجلی کی ڈاک

سوال ؁ :- از احمد حسین - آسام - قبرِ رسول کی فضیلت

آپ نے مارچ کے تجلی میں تحریر فرمایا ہے کہ لاہور کے کسی پرچے میں یہ عقیدہ طبع ہوا ہے کہ وہ زمین جس سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک ملا ہوا ہے کعبہ و عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ چنانچہ اس عقیدہ پر آپ نے اظہار تشویش کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ یہ عقیدہ بڑا وحشت ناک ہے ہرچند اس کے دلائل میں نے تلاش کئے مگر کہیں بھی نہ ملے آگے چلکر آپنے یہ بھی خامہ فرسائی کی ہے کہ اس عقیدہ کے تصدیق کنندہ اِن تیرہ ۱۳ علماء میں سے کوئی بزرگ دلیل و برہان شائع کرنے کی زحمت فرمائیں۔

محترم! میں ان تصدیق کنندہ علماء کو نہیں جانتا کہ وہ کس مسلک کے ہیں اور ان کا کیا عقیدہ ہے؟ بہرحال مَیں نہ تو عالم ہوں اور نہ محقق ہی کہ اس عقیدہ کے بارے میں ہر زاویۂ نظر سے تحقیق کروں ہاں اُردو کی تھوڑی بہت مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں جن میں اکثر علمائے دیوبند کی تصانیف ہوتی ہیں۔

ایک کتاب "المہند علی المفند" بھی ہے جس کا مطالعہ غالباً آپنے بھی کیا ہوگا جو اہل بدعت کے مشہور پیشوا کے دیوبند کے مشائخ عظام رحمہم اللہ پر لگائے گئے افترآآت کے جواب میں لکھی گئی ہے اس کے ص۱۱ پر علمائے حرمین کے سوال ۱ و ۲ کے جواب میں علمائے دیوبند کی طرف سے یہی عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے جس کے الفاظ من وعن یہ ہیں:-

"وہ حصۂ زمین جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ کو مس کئے ہوئے ہے کعبہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ (المہند ص۱۱ مصنفہ مولانا خلیل احمد صاحب)"

اب آگے آئیے اس کی دلیل بھی ملاحظہ فرمائیے:

راحت القلوب ص۹ میں موجود ہے۔

"یاد رہے یہ وہ کتاب ہے جس کی تصدیق حکیم الامۃ حضرت امام تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہشتی زیور حصہ دس میں (بعض کتابوں کے نام جن کے دیکھنے سے نفع ہوتا ہے) کے عنوان میں کی ہے۔"

کہ جس جگہ کی خاک آپؐ کے خمیر پاک میں شریک ہوئی تھی بعد انتقال اسی جگہ آپؐ کی قبر شریف ٹھیری۔

شامی حاشیہ در مختار میں مرقوم ہے کہ اہل سنّت والجماعت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ سب شہروں میں افضل شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ہے لیکن ان دونوں میں کون افضل ہے اس میں اختلاف ہے۔ مگر اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مدینے کی وہ زمین جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک ملا ہوا ہے مکہ معظمہ سے افضل ہے بلکہ خاص کعبہ سے افضل ہے۔ اس پر اجماع کو قاضی عیاضؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

اور ابن عقیل حنبلیؒ سے منقول ہے کہ یہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے اور اس قول میں علماء کبار ان کے ساتھ موافق ہوئے۔ در مختار کی یہ عبارت ہے فانہ افضل مطلقاً حتیٰ من الکعبۃ والعرش والکرسی (راحۃ القلوب)

کتاب عقائد الاسلام ص۱۲ میں ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا کوئی مکان نہیں ہے وہ لامکان ہے اور ہر جگہ موجود ہے جس صفت ازلی پر قبل خلقت مکان کے تھا اب بھی اس کی وہی صفت ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ پاک نے خود فرمایا ہے۔

(الر)حمٰن علی العرش استویٰ یعنی رحمٰن عرش پر چڑھ گیا۔ اگر مکان نہیں ہے تو چڑھا کس پر اور چڑھا تو پھر کیسے چڑھا؟ اس کا جواب علمائے سلف نے یہ دیا ہے کہ یہ آیت قرآن مجید کی متعدد متشابہات آیتوں میں ہے جس پر غور و فکر کرنے سے وہ شخص جو تبحر عالم نہیں ہے گمراہ ہو جاتا ہے۔

نہ تو اس کو مکان گھیرے ہوئے اور نہ اس کی ذات کی حد اور جہت ہے جس کا مکان اور جہت ہو وہ متناہی الذات محدود ہوگا اور جو محدود ہے وہ مخلوق ہے۔

چنانچہ جب حق تعالیٰ مکان، حد اور جہت سے مبرّا ہے تو یقیناً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایجاد اور بقائے عالم کا سبب ہونے کی حیثیت سے مرقدِ مطہر کی وہ زمین جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ کو مس کئے ہوئے ہے کعبہ اور کرسی حتیٰ کہ عرش سے بھی افضل ہے۔

جواب:-

بے شک ہمیں معلوم تھا کہ علمائے حرمین کے سوالات کے جواب میں علمائے دیوبند کی طرف سے ضمنی طور پر اسی عقیدے کا اظہار کیا گیا تھا اور بطور استشہاد صرف اتنا لکھا گیا تھا کہ:-

کما صرح بہ فقہائنا رضی اللہ عنہم۔	جیسا کہ ہمارے فقہاء رضی اللہ عنہم نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

ہمارا امزاج روز اول ہی سے یہ رہا ہے کہ صرف اس دلیل پر کسی عقیدہ و خیال کو حرفِ آخر نہیں مانتے کہ اسے ہمارے دیوبندی علماء نے اختیار کیا ہے۔ نہ ہمارے نزدیک علمائے دیوبند کا مجرد قول حجت ہے۔ مثال کے طور پر اسی کو دیکھ لیجئے کہ انھوں نے فقہاء کے ساتھ رضی اللہ عنہم تحریر فرمایا حالانکہ ہمارا خیال یہ ہے اور اسے ہم تجلی میں بدلائل ظاہر کر چکے ہیں کہ یہ مقدس الفاظ قرآنی صحابہؓ ہی کے ساتھ مخصوص رہنے چاہئیں جس طرح کہ علیہ السلام جملہ انبیاء کے اور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ اب بعض علمائے دیوبند اگر حضرت علی و حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ "علیہ السلام" لکھ دیں یا غیر صحابی کو "رضی اللہ عنہ" کہہ دیں تو اس سے ہم اتفاق نہیں کریں گے۔

تو ہم نے فقہاء کے یہاں عقیدۂ زیر بحث کے دلائل ڈھونڈے تھے مگر نہیں ملے، جو ملے تھے وہ سمجھ میں نہ آئے۔ لہٰذا ہمارا دل چاہا کہ اب علماء نے تازہ تازہ اس عقیدے کی تصدیق کی ہے تو ان سے دلیل معلوم کریں۔ یہاں بھی ناکامی ہوئی۔ کسی نے دلائل منکشف نہیں فرمائے۔

ویسے شامی اور در مختار کے بقول اگر واقعی اہل سنت والجماعت کا اس عقیدے پر اجماع ہے تو ہماری مجال نہیں کہ اس سے انحراف کریں۔ ہم کیا اور ہمارے علم و فہم کیا۔ ساری امت ایک بات پر متفق ہو گئی تو ضرور وہ ٹھیک ہی ہوگی، لیکن ہمیں اس اتفاق و اجماع میں شک ہے۔ ہماری نظر میں متعدد مثالیں ایسی ہیں کہ بعض علماء نے بعض مسائل کو اپنی معلومات کی روشنی میں اجماعی کہہ دیا ہے لیکن فی الحقیقت وہ متفق علیہ نہیں ہیں۔

بطور دلائل جو کچھ آپ نے نقل کیا اس سے ہماری ناقص فہم مطمئن نہ ہو سکی۔ جس جگہ حضورؐ کا مزار ہے وہیں کی خاک آپ کے خمیر میں شریک تھی اس انکشاف کو ہم رد نہیں کرتے، لیکن حجت بھی نہیں سمجھتے کہ اس کے لئے قرآن و سنت میں کوئی تصریح نہیں۔ پھر اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ جسدِ مخلوق بیتِ خالق سے بڑھ کر مقدس ہو گیا۔

کتاب عقائد الاسلام کی دلیل واضح نہیں۔ اس پہلو پر اسلاف میں بہت کچھ بحثیں ہو چکی ہیں اور الرحمٰن علی العرش استویٰ کو اگرچہ ہم متشابہات ہی میں مانتے ہیں، لیکن یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کے ظاہری مصداق کا انکار نہ کیا جائے۔ یعنی یہ نہ ہو کہ استویٰ علی العرش ہی کو نہ مانا جائے۔ استویٰ ضرور ہوا ہے چاہے اس کی حقیقت و کیفیت ہماری سمجھ سے بالاتر ہو۔ اس ایک آیت کے علاوہ قرآن کی دیگر متعدد آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور عرش کے مابین کوئی خاص قسم کا رابطہ ہے جو خالق و مخلوق کے دیگر روابط سے کسی نہ کسی حیثیت میں جدا ہے۔ بار بار اس طرح کے ارشادات کہ رب العرش الکریم ——— رب العرش العظیم ——— الذین یحملون العرش و من حولہ ——— ویحمل عرش ربک ——— وتری الملائکۃ حافین من حول العرش ——— ذو العرش المجید ——— وغیرہ بتلاتے ہیں کہ عرش کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اسی لئے ہمارا

احساس یہ ہے کہ بیت اللہ اور عرش جیسی چیزوں کو دنیا کی کسی بھی شے سے گھٹانا نہیں چاہئے۔ اللہ یا اس کے رسول ہی نے فرما دیا ہوتا کہ قبرِ رسولؐ عرش و کعبہ سے افضل ہے تو کوئی الجھن باقی نہ رہتی لیکن محض اجتہاد و منطق کے ذریعہ قطعیت کے ساتھ ایسا کہنا جسارت معلوم ہوتا ہے۔ عظمتِ رسولؐ پر جان قربان لیکن اللہ کی عظمتوں سے کسی کی عظمت کا کیا مقابلہ۔

اللہ بے حد و بے جہت ہے اس موضوع پر تو بہت بحثیں ہو چکیں لیکن یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ الرحمٰن علی العرش استویٰ جیسی آیات کسی بھی توجہ کی مستحق نہیں ہیں اور عرش کو جو خصوصیت قرآن میں دی گئی ہے اس سے بالکلیہ آنکھیں بند کر لینی چاہئیں۔

حضورؐ فداہ امی و ابی کی ذات ایجادِ عالم اور بقائے عالم کا سبب ہے، یہ دعویٰ بھی اپنے ٹھوس مفہوم میں قرآن و سنت سے ثابت نہیں ہے۔ قرآن تو اللہ نور السمٰوات والارض کہتا ہے۔ ہمیں واقعی کسی ایسی حدیثِ صحیحہ یا آیتِ قرآنیہ کا علم نہیں ہے جس میں صراحت کی گئی ہو کہ عالم کی ایجاد و بقا ذاتِ محمدؐ ہی پر منحصر ہے۔ ہمارا گمان ہے کہ اس طرح کی باتیں فرطِ عقیدت و محبت میں کہی گئی ہیں اور دلائل بعد میں ڈھونڈے گئے ہیں ورنہ اس بحث کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی کہ عرش و کعبہ اور قبرِ رسول میں کونسی شے افضل ہے۔

حاصلاً ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اِن بحثوں سے پرہیز ہی اَولیٰ ہے۔ قبرِ رسول کی افضلیت علی العرش والکعبۃ اگر واقعی اجماعی مسئلہ ہے تو ہم بے سوچے سمجھے اسے مانے لیتے ہیں، لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو ہمیں ہمارے وجدان و احساس پر رہنے دیجئے۔ دوسرے لوگ جو بھی عقیدہ رکھیں وہ مختار ہیں۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ محشر میں اس کی پرسش نہیں ہو گی کہ تم نے قبرِ رسول کو عرش و کعبہ سے افضل کیوں نہیں مانا۔ ہاں یہ پرسش ضرور ہو سکتی ہے کہ تم نے ہمارے ہی پیدا کردہ ایک بشر کی قبر اُس بیتِ عتیق سے جو ہماری طرف منسوب ہے اور اُس عرش سے جس پر ہم خود بنفسِ نفیس مستوی ہوتے افضل و برتر کیوں مانا؟ کس نے تمھیں اس سے مطلع کیا تھا۔ کیسے تمھاری توحید نے گوارا کیا کہ مخلوق کو خالق سے بھی افضل و اقدس ماننے کا ایہام و اشتباہ پیدا کرو۔

اس پرسش کے جواب میں قوی دلائل پیش کر دیئے گئے تو بیڑا پار ہے۔ مگر ہمارا ابھی بیڑا ڈوبے گا نہیں، کیونکہ بعض اونچے دلائل تک نہ پہنچ پانا اور کسی ایسے عقیدے سے محروم رہنا جسکو اللہ اور رسول نے ضروری قرار نہیں دیا کوئی گناہ نہیں۔ لیکن اگر دلائل قوی نہ ہوتے تو معاملہ سنگین ہو جائے گا اور ہم پھر بھی اس سنگینی کی زد سے باہر رہیں گے۔ کیونکہ ہم تو اپنی کم علمی و نافہمی کے باعث اس عقیدے کے حامل ہی نہیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال[۱۲]:۔ از عبدالرحمٰن خاں۔ الٰہ آباد۔ عنوان طلب؟

کیا جماعت اسلامی بریلویوں کی جماعت ہے؟ کیا جماعت اسلامی والے سلام اور قیام کے قائل ہیں؟ کیا جماعت اسلامی والے شرکیہ نعت کو پڑھنا ثواب سمجھتے ہیں؟ کیا جماعت اسلامی والے صحابہؓ اور خاص طور سے حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں گستاخی کرنا اچھا سمجھتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر جماعت اسلامی کے لیڈر مولانا اور علامہ مولوی امام الدین رام نگری یہ سب کچھ کیوں کرتے ہیں؟

"دعوت" اخبار کے اپریل ۱۹۶۰ء والے ایڈیشن پر سب سے پہلے ورق پر امام الدین صاحب کے یہ نعتیہ شعر درج ہیں۔ آنحضرتؐ کی شان میں کہتے ہیں:۔

کتنی داتا سرکار ہے وہ یہ کون بتائے کون کہے
یہ بات انھی کے بیچ کی ہے جو دیتے ہیں جو پاتے ہیں

ایک مصرع جس میں شرک ہی شرک ہے:۔

کونین کی دولت قدموں میں دارین کی عظمت قدموں میں

آج ہمارے ایک دوست نے خط میں لکھا کہ مولانا امام الدین سلام بھی قیام بھی دونوں کہتے ہیں۔ ہم نے انکی کتاب "حضرت امام حسینؓ شہید" بتردید "خلافت معاویہ و یزید" پڑھی جس میں پچیسوں جگہ انھوں نے ایسی روایات لکھ دی ہیں جن سے حضرت معاویہؓ کی عظمت گر جاتی ہے اور وہ نعوذ باللہ باطل پرست، جہنمی اور گناہگار معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سوال میں نے اس لئے کیا کہ آپ کو جماعت اسلامی والوں سے بڑی محبت ہے اور آپ کٹر دیوبندی بنتے ہیں اور رام نگری کا مضمون

خوب جانتے ہیں اور ہم تو شروع ہی سے جانتے ہیں کہ جماعت اسلامی کا خیال صحابہؓ کی طرف سے اچھا نہیں ہے، کیونکہ مودودی صاحب صحابہؓ کو معیارِ حق ہی تسلیم نہیں کرتے۔

جواب:-

ابو محمد امام الدین رام نگری کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ پہلے وہ جماعت اسلامی میں تھے پھر نکل گئے۔ بعدہٗ پھر داخل ہو گئے۔ اس ہیرا پھیری کی صحیح وجہ وہی بتا سکتے ہیں یا پھر جماعت کے ذمہ دار۔ ہم آگاہ نہیں ہیں۔

کوئی شخص کسی جماعت میں داخل ہو جائے تو اس کا ہر قول و فعل اس جماعت سے منسوب نہیں ہو جاتا۔ جماعت اسلامی عقیدہ و عمل کے چند بنیادی اصولوں پر مبنی ایک جماعت ہے۔ ان بنیادی اصولوں سے ہٹ کر باقی تمام مسائل میں اس کا کوئی بھی فرد جو چاہے نقطۂ نظر رکھے اسے اس سے کوئی بحث نہیں نہ اس کی ذمہ داری اس کے سر ہے۔ یہ اس فرد کا ذاتی معاملہ ہوگا۔ اسی لئے اگر اس کا کوئی ممبر اپنی ذاتی حیثیت میں امیر معاویہؓ یا حضرت علیؓ یا کسی بھی اور تاریخی شخصیت یا کسی زیرِ بحث واقعے کے متعلق ایک خاص رائے رکھتا ہے تو یہ رائے اِس جماعت کی نہ کہلائے گی، بلکہ اُسی کی کہلائے گی۔

اشعار کی بات یہ ہے کہ ان کی توجیہ کر لینی چاہئے شاعری میں عموماً عقائد کا بیان نہیں ہوا کرتا۔ توقع نہیں ہے کہ ان کے عقائد خدانخواستہ کسی طرح کے شرک سے ملوث ہوں گے۔ اب زیادہ تحقیق ان کے بارے میں انھی سے کی جا سکتی ہے۔

رہا سلام و قیام کا معاملہ۔ تو یہ اطلاع واقعی چونکا دینے والی ہے۔ سلام میں تو مضائقہ نہیں، مگر قیام میں مضائقہ ہی مضائقہ ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ مولانا مودودی کی دینی فکر کو سراہنے والا قیام جیسی بدعتِ صریحہ کا مرتکب ہوتا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے انھیں مصلحت اور ماحول کے تقاضے نے اس پر آمادہ کیا ورنہ ذہنی طور پر وہ اسے غلط ہی سمجھتے ہوں گے۔ قطعی فیصلے پر پہنچنا ہو تو انھی سے خط لکھکر پوچھا جائے۔ بہرحال سلام وغیرہ کے مواقع پر بہرِ تعظیم کھڑے ہونے کو ایک ایسا غیر مناسب فعل سمجھتے ہیں جس کے پیچھے فاسد ذہن کارفرما ہے۔

ان کی محولہ بالا کتاب میں اگر حضرت معاویہؓ کے ناموس کو مجروح کرنے والی روایات آگئی ہیں تو اس کی جوابدہی اللہ اور بندوں دونوں کے آگے انھی کے ذمے ہے۔ قصور زیادہ ان کا نہیں بلکہ اُس محققانہ بصیرت کے فقدان کا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کم ہی لوگوں کو نوازتا ہے۔ کون نہیں دیکھ رہا کہ بغضِ یزید اور حبِّ علیؓ کی آڑ میں اچھے اچھے علماء و فضلاء نے پورے خلوص کے ساتھ آبروئے معاویہؓ کو لوٹا ہے اور یہ اس وقت سے ہوتا آ رہا ہے جب سے ہمارے قدیم ترین تاریخ نگاروں نے ابو مخنف اور ہشام جیسے رافضی قصہ گویوں کی روایتوں سے ضخیم کتابیں تیار کیں اور پھر اس فاسد کاسہ سرچشمے سے نہروں پر نہریں پھوٹتی چلی گئیں بعد میں آنے والوں کی بڑی تعداد نے انھی نہروں کو مایہ صافی سمجھا۔ ذہن و بصیرت کے اعتبار سے جو متوسطین سے کچھ اُوپر تھے انھیں اس پانی کا گدلا پن ضرور نظر آیا، مگر انھوں نے بھی اسی کو نتھار کر پی لیا اور نہیں محسوس کیا کہ اس میں صرف ریت ہی نہیں ہے اس کی ہر بوند میں زہر بھی حل ہو چکا ہے۔

ہاں جو اعلیٰ بصیرت و فراست کے حامل تھے اور نقد و نظر کی خداداد صلاحیتیں لیکر پیدا ہوئے تھے انھوں نے سہل انگاری کو راہ نہیں دی۔ جو گھونٹ پیا تجزیہ و تحلیل کی ایسی چھلنیوں سے چھان کر پیا کہ ساری سمیت باہر رہ گئی۔

اس تاریخی پس منظر کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ اہانتِ معاویہؓ کے جرم میں بڑے بڑے شریک ہیں بیچارے رام نگری بزرگ کس شمار میں ہیں۔ وہ تو نہ مولوی ہیں نہ عربی داں۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اپنے طور پر وہ اصل مصادر و مآخذ کھنگالتے۔ روایتی عقائد و تصورات کے لئے انھیں حوالوں کی ضرورت تھی تو اُردو تصنیفات میں انکی کیا کمی ہے۔ رہے عقلی دلائل تو وہ گھر کی کنیز ہیں۔ خواہش کے جس پیمانے میں چاہے ڈھال لو۔ حاصل یہ کہ حضرت

حسینؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی حرمت وعزت قائم رکھنے والا متوازن فکر بہت کمیاب ہے۔ شیعیت کا جادو چل گیا۔ جو توڑ کرنا چاہے گا خود اہلِ سنت اس کے پیچھے تالی پیٹیں گے۔

مجھے بے شک جماعت اسلامی سے محبت ہے مگر کٹر دیوبندی نہیں ہو۔ آپ تجلّی مستقل دیکھتے تو ایسا نہ کہتے۔ دیوبندیت اب سے بیس برس پہلے تک تو ایسی چیز تھی جس سے پیار کیا جاتا، لیکن اب اس کی دل کشی ماند پڑ چکی ہے۔ اب اس پر وہی فریفتہ ہوگا جسے حسنِ خداداد اور میک اپ میں تمیز نہ ہو۔ دیوبندیت دراصل کسی سدابہار پودے کا نام نہ تھا۔ اسے جب تک بے نفسی، للّٰہیت، صفائے قلب اور عزیمت و حقانیت کی غذا ملی پھلتا رہا۔ جب اس غذا میں کمی آئی کمھلا گیا اور اب تو کمی کیا نایابی ہی نایابی ہے۔ ویسے بورڈ اسکے بھی اصلی گھی اور خالص دودھ کی طرح آویزاں ملیں گے۔ یہ تو وہ زمانہ ہے کہ اصلی گھی کو بھی کبھی وہ خوشنما لیبل اور چمکیلے ڈبے نصیب نہیں ہوئے جو آج کوکوجم کو میسّر ہیں۔

تو یہ عاجز کٹر دیوبندی نہیں ہے کہ علمائے دیوبند جدھر بھی کروٹ لیں اُدھر ہی ڈھلک جائے۔ البتہ مرحوم دیوبندیت کا علمبردار ضرور ہے۔ اکیلا چنا بھاڑ کو تو نہیں پھوڑ سکتا۔ مگر خود جل بھن ضرور سکتا ہے۔ یہی میں کر رہا ہوں۔

رام نگری بزرگ کے مضمون بے شک میں نے چھاپے ہیں لیکن اب نہیں پہلے۔ اب بھی اگر وہ کام کی چیز بھیجیں گے تو چھاپ دوں گا۔ مگر معلوم ہے کہ بھیجیں گے نہیں۔ آپ نے تو دیکھا ہی ہوگا محولہ بالا کتاب میں انھوں نے خاکسار پر بھی جی کھول کے ترکش خالی کئے ہیں۔

آخری بات آپ نے مزیدار کہی۔ معلوم ہوتا ہے "معیارِ حق" کی ہنگامہ خیز بحث کے زمانے میں آپ کہیں معتکف ہوگئے تھے، خیر اچھی طرح سُن لیجئے کہ جماعت اسلامی پر صحابہؓ کے حق میں اچھا خیال نہ رکھنے کا الزام ایسا ہی سفید جھوٹ ہے جیسا علمائے دیوبند پر بریلویوں کا یہ الزام کہ وہ رسول اللہؐ کے حق میں اچھا خیال نہیں رکھتے۔ جماعت اسلامی جن اصول و افکار سے عبارت ہے ان کی تو عین فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کا ویسا ہی احترام کیا جائے جیسا کہ حق ہے اور مولانا مودودی یا جماعت اسلامی نے جو یہ کہا کہ صحابہ معیارِ حق نہیں ہیں تو کان کھول کر سُن لیجئے کہ اسلام کے پونے چودہ سو برسوں میں ایک بھی مستند عالم، فقیہ، شیخ، صوفی یا امام ایسا نہیں گذرا ہے جس نے صحابہؓ کو معیارِ حق کہا یا مانا ہو۔ دراصل معیارِ حق ہونا نہ ہونا ایک علمی بات ہے جس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے تھوڑا علم اور عقل چاہئے۔ اب عوام میں اِن دونوں اشیاء کی افراط کہاں۔ کتنے ہی پڑھے لکھے بھی ضعفِ عقل کے سبب عوام ہی کی سطح پر رہ جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے جماعتِ اسلامی کے دشمنوں نے اس علمی بات کو سطحی جذبات کا ملمع دیکر ہنگامہ مچایا اور بہت سے عوام بیچارے اسی طرح دھوکے میں آگئے جس طرح بریلویوں کی الزام تراشیوں سے دیوبندی علماء کے عقائد کے بارے میں کتنے ہی لوگ دھوکے میں آجاتے ہیں۔

اس مسئلہ پر تجلّی میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اب لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس کا جی چاہے فائل اُٹھا کے دیکھ لے۔

مستقل عنوان

مسجد سے میخانے تک

ملا ابن العرب مکی

سوائے اُن بد مذاق ناظرین کے جنھیں وہابیت کے مالیخولیا نے قبوری شریعت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کے قابل نہیں چھوڑا ہے باقی جملہ اہلِ دل یہ سن کر خوش ہونگے کہ ناچیز کو امسال بھی کلیر شریف کا حج نصیب ہوا اور عرس اب کی ہمیشہ سے زیادہ کامیاب رہا۔ کامیابی کی اصلی وجہ تو ظاہر ہے صوفیائے کرام کے روحانی تصرف کے سوا کیا ہوسکتی ہے لیکن ظاہر میں یہ وجہ ہوئی کہ ایک طرف تو زنانِ عاشقانِ اولیاء بہت آئیں دوسری طرف میاں کی بلبلوں کا جمگھٹا خوب رہا۔

اہلِ طریقت کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میاں کی بلبلوں کے بارے میں صوفی عبدل اور خواجہ اللہ راکھی میں ابھی تک ٹیکنیکل اختلاف چل رہا ہے۔ صوفی صاحب کا دعویٰ ہے کہ تانیث ٹھیک ہے یعنی "میاں کی بلبل"

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ فصاحت تذکیر میں ہے یعنی

"میاں کا بلبل"

مجھ سے استصواب کیا گیا تو میں بھی چکرا گیا۔ چکرانے کی بات ہی تھی۔ بڑے سے بڑا نحوی اس نازک سوال سے کنی کاٹ گیا ہے کہ میاں کی بلبلوں کو کس جنس میں شمار کیا جائے۔ اب بلا دلیل کے مذکر کہتا تو صوفی صاحب کے ذوقِ جمال کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ خواتین جس خوبی سے روحانی نسبتیں جذب کرتی ہیں میاں کی بلبلیں اس سے بھی زیادہ قوتِ جاذبہ اپنے اندر رکھتی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ انھیں جنسِ لطیف سے خارج کیا جائے

مؤنث کہتا تو خواجہ صاحب مرنے مارنے کو تیار تھے۔ انھیں بسبب اہلِ دل ہونے کے اس جنس سے دلچسپی تو ضرور تھی اور چونکہ عرسِ کلیر کو اس سے خوب رونق نصیب ہوئی تھی اس لئے اس کی اہمیت کے بھی معترف تھے مگر قوالی سننے ہمیشہ زنانِ عاشقانِ اولیاء ہی کی جھولداریوں میں جاتے تھے اور اگر کوئی ساتھی میاں کی بلبل والے خیمے میں چلنے کی فرمائش کرتا تو منہ بنا کے کہا کرتے تھے

"اماں، ہٹاؤ، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

زمینِ شور سنبل بر نیارد

درو تخمِ عمل ضائع مگرداں"

بہت غور کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیسے جان چھڑاؤں۔

عاجز آ کر ٹھنڈی آہ بھری اور روندھے ہوئے گلے سے کہا۔

"کاش کوئی ایسا لفظ تلاش کیا جا سکے جو کہ دونوں کے درمیان ہو"

دونوں کی آنکھوں میں پہلے چمک ظاہر ہوئی پھر غصہ۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے" دونوں غرائے

"ضرور ہوسکتا ہے۔ آخر جب مخلوق ہی ایسی پیدا فرمائی گئی کہ نہ مرد ہے نہ عورت تو ضرور اللہ جل شانہٗ نے اس کے مناسب الفاظ بھی پیدا فرمائے ہوں گے"

دونوں کے چہرے کھل اٹھے۔ ایک دوسرے کو اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں۔

"بات تو پتے کی ہے"

پھر دونوں ہی بولے

"کوئی لغات کی کتاب ہو تو اس میں دیکھو"

"دیکھ چکا ہوں" میں نے کراہ کے عرض کیا "سبھی اہلِ لغت وہابی تھے اس نکتے سے کترا کے نکل گئے ہیں"

"تو اپنے ایڈیٹر تجلی سے پوچھو۔ وہ مبصر تو بڑا زبان دراز بنتا ہے"

"زبان داں!" میں نے تصحیح کی۔

"ہاں ہاں۔ ذرا دیکھیں وہ کیا بکتا ہے"

فرمائش معقول تھی۔ نمازِ فجر کے متصل بعد ہی ایڈیٹر صاحب کے درِ دولت پہ پہنچا کہ ایک پنتھ دو کاج ہو جائیں۔ حسبِ توقع

وہ ناشتے کے لئے پر تول رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ایسے زاویے سے مسکرائے کہ مجھے جلدی سے کہنا پڑا۔

"یقین کیجئے میں ناشتے کے لئے نہیں آیا ہوں۔"

"میں کب کہتا ہوں ناشتہ کرو" انھوں نے صاف کہا "سنا ہے درد شکم میں مبتلا ہو۔"

"جی ہاں۔ کل حکیم شفا حسین کو دکھلایا تھا انہوں نے بتایا ہے کہ نہار چائے پیتے پیتے آنتوں میں خشکی آگئی ہے۔ مشورہ دیا کہ چائے سے قبل مکھن اور پراٹھے وغیرہ لے لیا کرو۔"

"مگر میں تو آج کل چائے کے ساتھ صرف انڈا کھاتا ہوں۔"

"انڈا بھی چلیگا۔ مطلب یہ ہے کہ خالی چائے نقصان دیتی ہے"

وہ ہار گئے۔ منطق میں مجھ سے کم ہی لوگ جیتے ہیں۔

قسمت دیکھئے کہ ایڈیٹرنی صاحبہ نے جو متصلہ پردے سے ہماری گفتگو سنی تو چائے کے ہمراہ ایک پراٹھا بھی آ ہی گیا۔ آتے تو زیادہ کیونکہ وہ جانتی ہیں ملا بڑے مولویوں کی سطح پر کھاتا ہے مگر ڈر بھی لگا ہوگا کہ سرکاری آرڈر تو ہوا نہیں۔

ناشتہ کے دوران کئی بار خیال آیا کہ عرض مدعا کر دوں مگر انڈے صرف دو تھے۔ چائے بھی ایک ہی چائے دانی تھی۔ عرض مدعا کے چکر میں پھنستا تو تقسیم منصفانہ نہیں ہو سکتی تھی

میں ابھی دوسری پیالی ختم نہیں کر پایا تھا کہ انھوں نے اپنی پیالی خالی کرتے ہوئے فرمایا!

"اب تم جاؤ، یہ میرے لکھنے کا وقت ہے۔"

"کہاں جاؤں۔ باہر تو صوفی اور خواجہ خون پینے کھڑے ہیں۔"

ان کی بھویں تن گئیں۔ یہ تناؤ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ اسکا مطلب تھا کہ اب وہ ڈھنگ سے بات نہیں کریں گے۔

"آپ تو خفا ہونے لگے" میں ٹھنکا "میں ایک ضروری بات پوچھنے آیا تھا"

"تمہاری ضروری باتیں میں جانتا ہوں۔ گدھے!"

"گدھا تو آپ سو دفعہ کہہ لیں مگر ایک ضروری بات۔۔۔۔"

"خیر خیر پوچھو" ان کا لہجہ ترش اور انداز خونخوار تھا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ کیسے پوچھوں کہ انھیں تاؤ نہ آئے۔ وہ تو کھیں گے کہ تنخواہ کا سوال میں نے دل سے گھڑ لیا ہے حالانکہ آپ جانتے ہیں سوال کس قدر حقیقی اور اہم تھا۔ شش و پنج کے عالم میں میرے منھ سے نکلا۔

"میاں کا بلبل۔۔۔۔"

انھوں نے نکل جانے والی نظروں سے گھورا۔ میں بھی سٹپٹا گیا۔

"جی وہ قصہ دراصل یہ تھا کہ میاں کی بلبل۔۔"

"کیا بکتے ہو" وہ گرجے

"م۔۔م میاں کا بلبل۔۔"

واقعۃً میرے ہوش اڑنے لگے۔ زبان ہکلا گئی۔ آپ کہیں گے عجیب ہے ملا۔ اڑے تو رستم داغ اسیاب سے لڑ جائے ڈرے تو مشت خاک سے ڈر جائے۔ بات یہ ہے ایٹم کے اس دور ناسعود میں جسامت کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ مٹھی بھر خاک جسکو اردو نام ایڈیٹر تجلی ہے کئی اعتبار سے ایٹم ہے۔ یوں بھی کہ اس سے عاجز کی تنخواہ کا تعلق ہے۔ یوں بھی کہ یہ خفا ہو تو [illegible] صاحبہ پہلے خفا ہوتی ہیں۔ وہ اپنے ایڈیٹر بھائی پر اتنا اکڑتی ہیں کہ کیا کوئی دار وغہ کی بہن اکڑے گی۔ اگر شادی سے قبل عاجز کو پتا چل جاتا کہ آنے والی بیوی اپنے بھیا کی ایڈیٹری کا ناجائز فائدہ اٹھائے گی تو یقین کیجئے کہ یہ سارے بچے آج یتیم نظر آتے جن کی وجہ سے ہم میاں بیوی دونوں کی عمر مشکوک ہو گئی ہے۔ کیا تعجب کہ انھی سعادتمندوں کے طفیل خانہ [illegible] بندی کے خداوند ان نعمت ایک نہ ایک دن فدوی کو پھانسی چڑھائیں۔

بہرحال اڑتے ہوئے ہوش کو بمشکل تمام کر کے میں نے تھوک نگلا اور بجاجت سے کہا۔

"دیکھئے میری تو خطا نہیں۔ صوفی عبدل اور خواجہ اللہ راضی۔ میاں کا بلبل پوچھا تھا۔"

"استغفراللہ" وہ جھلائے "کیا بکے جاتے ہو میاں کا بلبل کی بلبل۔"

"جی ہاں یہی تو طے نہیں ہو رہا ہے۔ کا۔ کی۔ دونوں غلط ہیں

"بدتمیز" وہ دہاڑے "تمہاری خباثتیں کم نہیں ہوتیں۔ مولا بدر الدجیٰ کہہ رہے تھے کہ تم نے ان کے لڑکے کو پٹا کھیلنا سکھ

سے ہے اس نے اپنی نانی کا سر پھوڑ دیا۔"
"قسم خدا کی بالکل غلط ہے۔ میں نے اس سے ہرگز نہیں کہا کہ نانی کا سر پھوڑنا۔"
"مردود! پٹا تو تم نے ہی سکھایا۔"
"کیا کرتا۔ میں تو بیٹھک میں اکیلے مشق کرتا تھا۔ وہ خود ہی کہنے لگا کر چچا جان ہمیں بھی سکھا دو۔ میں نے سکھا دیا۔"
"اور یہ بھی کہدیا کہ کسی نہ کسی کا سر پھوڑنا۔"
"یہ بھی نہیں کہا تھا۔ بس یہ سمجھایا تھا کہ جب تک عملی تجربہ نہیں کروگے ہاتھ جمے گا نہیں۔"

ان کی مونچھوں کی آڑ سے ہلکا سا تبسم جھلکا۔ اسے چھپانے کیلئے وہ بلا وجہ کھنکارے پھر قدرے نرم لہجے میں فرمایا۔
"دیکھو نالائق۔ گدھے پن کی ایک حد ہوتی ہے۔ یہ پٹے اور ماتم کی لغویتیں میں برداشت نہیں کروں گا۔ سنا ہے آدھی آدھی رات تک سینہ کوبی کی مشق کرتے ہو۔"

جی تو چاہا کہدوں کیوں نہ کروں۔ بستیہ بنکر لکھنؤ جانا ہے اور دو چار رتنوں کا ثواب کمانا ہے۔ مگر کس زبان سے کہتا۔ جان تو بہر حال سب کو عزیز ہوتی ہے۔ سوچ سا ﷺ کے ایک اور پہلو کا
"معاف کیجئے گا یہ مذہبی عقائد کا معاملہ ہے میں غم حسین کو اسلام کی بنیاد سمجھتا ہوں۔"

وہ کھول گئے۔ انھیں امید نہیں تھی کہ میں اتنی زیادہ مذہبی حمیت کا ثبوت دوں گا۔ اتنی زور سے چیخے کہ میکرو فون ہوتا تو پھٹ جاتا۔
"چلے جاؤ۔ ابھی اسی وقت۔۔۔۔"
"نہیں جاؤں گا چاہے آپ مار ہی ڈالیں۔ پہلے یہ بتائیے میاں کا بلبل یا میاں کی بُل۔۔۔۔"

مگر جملہ پورا کہاں سے ہوتا۔ انھوں نے کان اتنی زور سے پکڑا تھا کہ زبان دانتوں میں آگئی۔ زبان کی تو زیادہ پروا نہیں تھی مگر فوراً ہی یہ اندیشہ برق کی طرح کوندا کہ اگر انہوں نے کان اکھیڑ کر ہاتھ میں پکڑا دیا تو کون ذمہ دار ہوگا۔ کن کٹا کہلانے سے تو بہتر ہے کہ آدمی سر کٹا کہلا لے۔
"نہیں پوچھوں گا۔ قسم خدا کی اب بالکل نہیں پوچھوں گا۔"

یہ قسمیہ اعلان بفضلہ تعالیٰ مفید ثابت ہوا۔ اگرچہ یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ ناشتہ سستا نہیں پڑا تا ہم مرتا کھپتا ان بزرگوں کی خدمت میں پہنچا جن کی وجہ سے کان پہ آ بنی تھی۔ وہ ناک سے ناک ملائے کچھ کھسر پھسر کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ کالا دری کے فنی اختلاف کے علاوہ ان میں کوئی جنگ نہیں تھی بلکہ بیٹھنے کا زاویہ تو بتا رہا تھا کہ "من تو شدم تو من شدی" کے مرحلے میں جا رہے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی بولے۔
"کہئے صاحب آپ کے وہابی سالے نے کچھ فرمایا؟"
"جی ہاں فرمایا ـــــ مگر وہ عملی آدمی ہیں زبان سے کم اور ہاتھ سے زیادہ فرمایا۔"
"کیا مطلب؟" دونوں منمنائے
"یہ مطلب کہ جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے اگر میں بھی وہی فرمانے لگوں تو آپ لوگ کن کٹے کہلائیں گے۔"
"ارے وا اس کا کیا مطلب ہوا؟"
"مطلب پہ خاک ڈالئے۔ ذرا یہ تو بتا دیجئے کہ آخر عرس شریف میں میاں کی بلبلوں کا مصرف کیا ہے؟"
"مصرف! اماں وہ تو شاہی دربار ہے جو چاہے آئے جھولی بھر بھر لے جائے۔"
"ٹھیک ہے مگر بھید یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ایک سے ایک زنانِ عاشقانِ اولیاء کی موجودگی میں میاں کی بلبلوں۔۔۔۔"
"پھر وہی" خواجہ صاحب تڑخے " اماں میاں کے بلبل کہنا۔"
"یہ آپ کی زیادتی ہے" صوفی صاحب نے خواجہ کو ٹوکا۔ مگر انداز دوستانہ تھا "ملّا صاحب جو بولتے ہیں بولنے دیجئے۔"
"کیوں بولنے دیں کوئی یہ سند ہیں۔" خواجہ صاحب ٹھنکے
معاذ اللہ۔ یہ جھگڑا تو جیسے چڑ بن گیا۔ مارے جھلاہٹ کے میں نے فیصلہ دیا۔
"چھوڑیئے کاکی کو۔ اب میں میاں کا کوا کہوں گا۔"
"کوا۔۔۔۔ لاحول ولاقوۃ۔۔۔۔"
"کوا اور کیا ـــ کوے کی جنس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔"
"اُتر آئے وہابیت پر" صوفی صاحب اُبلے۔ "چلئے خواجہ صاحب ان سے گفتگو فضول ہے۔"

اس کے بعد وہ اس طرح چلدیئے جیسے جڑواں بچے بغیر ہی مونچھوں میں ہنستے بھی جا رہے تھے۔ مجھے بڑا رشک آیا کہ دیکھئے ایک یہ اہل طریقت ہیں کہ اتنا زبردست ٹکنیکل اختلاف موجود اور پھر بھی یار غار۔ اسی کا نام ہے لِلّٰہ فی اللّٰہ۔ اور ایک مولانا صاحبان ہے کہ ذرا سا علمی اختلاف ہوجائے بس شروع ہوگیا غدر سن ستاون۔ وہ اس کی پگڑی کھینچے گا۔ وہ اُس کی داڑھی نوچے گا۔

خیر ان رشک بازیوں سے کہیں دل کی گرہیں کھلتی ہیں۔ سخت حیران تھا کہ میاں کی بلبلوں کا مصرف کیا ہے۔ حیران و پریشان صوفی تحسین علی کے پاس پہنچا۔ یہ مادرزاد صوفی ہیں۔ بڑے باغ و بہار اور من چلے۔ ان کا بڑا لڑکا ماں کے پیٹ سے ولایت کی سند لے کے نکلا تھا۔

"سخت حیران ہوں صوفی صاحب" میں نے چھوٹتے ہی کہا" یہ میاں کی بلبلیں آخر کس کام آتی ہیں؟"

"کیوں آپ کو کیا فکر ہوئی"؟

"فکر یوں ہوئی کہ میاں شرفو کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ ابکی پارسال سے کئی گنی زیادہ آئیں ہیں"

"آنے دیجئے۔ آپ کا کیا بگڑ گیا"

"بگڑ جائے گا۔ خود میں بھی کل تک جا رہا ہوں"

"مبارک ہو۔ پھر تو مصرف وہیں جا کر معلوم کر لیجئے گا"

"آپ نہیں بتائیں گے —— ہاں آپ تشریف نہیں لے گئے"

"گیا تھا۔ ایک مقدمہ کی تاریخ تھی اس لئے کل لوٹ آیا۔ اب پرسوں پھر جاؤں گا"

"تو عرس کیسا جا رہا ہے"

"بہت عمدہ۔ جا ہی جو رہے ہو دیکھ لینا"

مگر یہ سوال جوں کا توں رہا۔

اگلی صبح میں اور حاجی دُلدل عرس کے لئے سوار ہوگئے کہنے کو یہ بات آسان ہے مگر اس کے لئے کئی نشیب و فراز سے گذرنا پڑا تھا۔ میرا ارادہ اس سال کلیر جانے کا نہیں تھا۔ ہوتا کیسے ایڈیٹر تجلی نے دو مہینے پہلے ہی سے تنخواہ میرے ہاتھ میں دینی بند کر دی تھی۔ براہ راست اپنی بہن یعنی فدوی کی زوجہ کو دیتے۔ ایک دن اس سے یہ بھی کہہ رہے تھے۔

"دیکھو زبو! اگر پارسال کی طرح اب کی بھی وہ گدھا کلیر گیا تو جواب دہ تم ہوگی"

"میں کیا کر سکتی ہوں بھیا۔ وہ تو تالا کھول کے پیسے نکال لیتے ہیں"

"تم منع نہیں کرتیں؟"

"میرے سامنے تھوڑی نکالتے ہیں۔ پھر پوچھتی ہوں تو مکر جاتے ہیں"

"اب تم بکس میں رکھا ہی مت کرو۔ باورچی خانے میں جو کانس کے پیچھے طاق ہے وہاں کسی صندوقچی میں کر کے رکھا کرو"

یہ سمجھا کر وہ چلے گئے۔ میں بیت الخلاء سے سب کچھ سن رہا تھا۔ بیوی کو دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ دیوار ہم گوش دارد۔ جب قدموں کی آہٹ سے اندازہ ہوا کہ وہ اندر کمرے میں تشریف لے گئی ہیں تو جلدی سے نکل کر لوٹے سمیت باہر بھاگا۔ منشاء یہ تھا کہ وہ دیکھ نہ پائیں۔ مگر شامت اعمال سے دسلی صاحبزادے نے دیکھ لیا۔ دیکھتے ہی دروازے میں سے تیر کی طرح گھر میں گئے۔

"امی امی۔ ابا میاں لوٹا لیکے بھاگ رہے ہیں"

یہ بھاشنگ جار ہم نے اس لئے سن لیا کہ انہیں گھر میں جاتا دیکھ کر رد کنے کی غرض سے ہم بھی پلٹ پڑے تھے۔

"کیا کہا لوٹا —— بدتمیز ارے ابا میاں نہیں کوئی اٹھائی گیرا ہوگا —— جا جلدی سے شمیم چچا کو بلا لا"

"نہیں امی اللہ کی قسم ابا میاں تھے۔ وہی تو پاخانے گئے تھے"

کواڑ کی دراز سے ہم نے دیکھا کہ پل بھر کو تو بیگم کے چہرے پر حیرت کھیلی پھر تبسم آیا پھر اطمینان سے بولیں۔

"خیر ہوگا کوئی تو جا کے کھیل"

صبر جمیل کی یہ شان دیکھکر ہمارے لئے سوائے لوٹا لٹکائے اندر آجانے کے اور کیا چارہ تھا۔ بیگم ہنسیں پھر شفقت سے کہنے لگیں۔

"آپ بھی حد کرتے ہیں۔ کیا میں بھیا کا کہنا مان لیتی"

"کیوں نہ مانتیں۔ تم اُن سے کم وہابی تھوڑی ہو"

"اچھا یہ بدلہ ہے نیکی کا — پرسوں جمعراتی کے دس روپے کس نے دئے تھے؟"

"کیا ہوتا ہے دس روپوں سے۔ آٹھ تو نیاز ہی میں چلے گئے تھے"

"بارہ بتاشوں میں گئے ہوں گے۔۔۔ آپ تو مجھے پاگل سمجھتے ہیں"

وہ برا مان گئیں۔ میں نے برخوردار کے کان کھینچے جو ابھی تک دروازے میں کھڑے شاید یہ دریافت کرنے کی فکر میں تھے کہ ابا میاں لوٹا لیکے کیوں بھاگے تھے۔ پھر انھیں باہر نکال کر بیگم سے کہا۔

"دیکھو بھئی خفا ہونے کی بات نہیں پرسوں تو درصل یار دوست سر ہو گئے تھے کہ مٹھائی کھلاؤ۔ اب حاجی ڈلڈل برابر مصر ہیں کہ پیران کلیر جانا ہوگا"

"وہ تو میں جانتی ہوں ہر سال کوئی نہ کوئی آپ کے سر ہو جاتا ہے۔ انھی سے کہیئے خرچہ دیں"

"وہ تو دیں گے مگر اپنی جیب میں بھی تو کچھ ہونا چاہیئے۔ زیادہ نہیں پچاس کافی رہیں گے"

"سو کہیئے۔ پچاس تو تھوڑے ہوتے ہیں"

"میں کفایت کی عادت ڈال رہا ہوں"

اس طرح الٹ پلٹ کرکے بیگم سے تیس وصول ہوئے نہ بھی ہوتے تو کوئی فکر نہ تھا۔ حاجی ڈلڈل دل کھول کے آفر دے چکے تھے۔ وہ ہر قیمت پر مجھے لے جانا چاہتے تھے۔

عشاء کے وقت تجدید عہد کے لئے تشریف لائے

"تو تیار ہو نا ملا؟" انھوں نے پُر شوق لجاجت سے پوچھا

"کہاں تیار ہیں۔ دلہن نے تو ایک دھیلہ نہیں دیا"

"ارے چھوڑو بھی۔ کہہ تو دیا کہ چاٹ پانی ہمارے ذمے"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی۔ زیادہ دس دس کے تھے۔ سو کے بھی تین چار رہے ہوں گے۔

"خرچ کے علاوہ بھی ایک مجبوری ہے" میں نے کہا "پرسوں ہمارے بھانجے داماد کے دادے کا چہلم ہے۔ مرثیہ خوانی کا پروگرام ہمیں ہی ترتیب دینا ہے"

ظاہر ہے یہ میں نے اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے کہا تھا ورنہ بھانجے داماد کے تو پردادے تک ابھی حیات ہیں۔

"بات کرتے ہو۔ خدا کی قسم لڑائی ہو جائے گی۔ تمہاری وجہ سے تو تین رنگ کا ناشتہ تیار کرا رہے ہیں"

"لیکن یہ آپ نے کیسے یقین کر لیا کہ ہمیں لے جانے سے کام بن جائے گا فرض کیجئے کچھ بھی نہ ہوا پھر؟"

"ایسی بھکیں کیوں منھ سے نکال لیتے ہو۔ تمہیں خدا کی قسم دل نہ توڑو۔ نہ ہوا کام سمجھیں گے قسمت خراب تھی"

"آپ جانیں۔ میں بہرحال کوئی ضمانت نہیں لے سکتا"

"کون مردود کہتا ہے کہ ضمانت لو۔ تم چلے چلو"

اس طرح اگلی صبح سفر شروع ہوا۔ قصہ دراصل یہ تھا کہ حاجی صاحب اپنے سالانہ معمول کے مطابق اس سال بھی عرس سے کچھ قبل ہی کلیر چلے گئے تھے۔ پھر کل اچانک دوران عرس ہی میں لوٹ آئے اور اسٹیشن سے گھر جانے کی بجائے رکشا میرے یہاں رکوائی۔ علیک سلیک کے بعد انھوں نے جو کچھ بتایا اس کا ماحصل یہ تھا کہ آگرہ سے شہناز پروین نام کی ایک حشر سامان مغنیہ کلیر آئی ہوئی ہے جس میں تبریزی نسبت کے آثار بہت ہیں۔ خود حاجی صاحب نے بھی تبریزی ہی نسبت سے سلوک طے کیا ہے اسلئے چاہتے ہیں کہ اسے بیعت کر لیں۔ کوشش کی مگر کارگر نہ ہوئی۔ چار و ناچار میرے پاس آئے۔ میں نے سمجھایا۔

"کنواں پیاسے کے پاس جاتا ہے یا پیاسا کنویں کے پاس؟"

وہ لہک کے بولے — "اچھے شاگردوں کی تو ہر استاد کو تلاش رہتی ہے"

میں نے سمجھایا کہ بابا کنویسنگ کرنا مجھے نہیں آتا۔ مگر انھیں یقین تھا کہ ملّا علم دریاؤ جانتا ہے۔ کسی چغلخور نے انھیں یہ بھی بتا رکھا تھا کہ میں نے ہی صوفی ملاحت علی کو مالش چھڑا کے سجادہ بنایا ہے۔ اسی لئے کوئی عذر انھوں نے نہ سنا اور ساتھ لیکے چل ہی دیئے۔

گاڑی کچھا کچھ بھری ہوئی تھی۔ ہم نے گھنٹوں ہی پر ناشتہ دان کھول کے پیٹ کا دوزخ بھرا۔ بادام کے حلوے نے دماغ کو ذرا چاق چوبند کیا تو ہم نے پوچھا۔

"کیا آپ کی شہناز پروین نے بھی آپ کے نوٹ دیکھے تھے؟"

"کیوں نہیں دیکھے۔ ایک ہی شب میں ہم نے پانسو نچھاور کئے تھے مگر وہ ایک خبیث سیٹھ ایسا مقابلہ پر آیا کہ ہزار دے گیا۔ اور

اور بھی شائقین نے چاندی لٹائی پھر ہمارے پانسو کی کیا اہمیت رہ جاتی۔"

"تو اب جو ہزار لیکے چلے ہیں ان سے کیا ہوگا؟"

"دس بیس کھائیں پئیں گے۔ دس بیس نذر بھی دیں گے۔ اصلی واسطہ تو تمہیں نکالنا پڑے گا۔"

"آپ چاہتے کیا ہیں؟" میں نے اردو میں پوچھا۔

"چاہتے ۔ ۔ ۔ بس یہی چاہتے ہیں کہ وہ ہم سے بیعت ہو جائے۔ وہ حدیث تو آپ نے بھی سنی ہوگی کہ جسکا کوئی پیر نہیں اسکا پیر شیطان ہوتا ہے۔"

ہم نے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہاں سرمے کی اوٹ میں سوز بے نہایت کی شمع روشن تھی۔

گاڑی رڑکی پہ رکی تو سارے ڈبے میں بھونچال آگیا ہر شخص چاہتا تھا کہ پہلے میں اتر جاؤں گا گٹھڑیوں، ٹین کے بکسوں اور پھولے ہوئے تھیلیوں کی کچا کچ میں ناک آنکھ سب کو خطرہ تھا۔ ہم دونوں بیٹھے رہے کہ ذرا بھیڑ کم ہو تو اتریں۔ کئی منٹ بعد ہنگامہ سرد ہوا تو ہم بھی کھڑے ہوئے۔ مگر یہ کیا؟ ــــ حاجی صاحب کا نیا چرمی اٹیچی کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید کوئی لے گیا۔ خیر اس میں دو چار جوڑے کپڑوں کے سوا کیا ہو سکتا تھا مگر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے جب انھوں نے کانپتی ہوئی آواز میں بتایا کہ رقم بھی اسی میں رکھدی تھی۔

"مار ڈالا ــــ حضرت اسمیں کیوں رکھدی تھی۔"

"ہم نے سوچا تھا کوئی جیب نہ کاٹ لے۔"

"چلئے دوڑیئے۔ ابھی تو چور آس پاس ہی ہوگا۔"

پھر ہم دوڑے۔ تصور کیجئے ایک حاجی ایک ملا داڑھیوں سمیت دوڑ رہے ہیں۔ جلدی میں فخردان ڈبے ہی میں چھوٹ گیا تھا گیٹ تک ہجوم کا جائزہ بیکار ثابت ہوا۔ بے شمار آدمی گیٹ کے باہر بھی جا چکے تھے۔ حاجی صاحب گیٹ کیپر کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے تو اس نے بازو تھام لیا۔

" ارے صاحب ٹکٹ ۔ ۔ ۔ ۔"

حاجی صاحب نے ہڑبڑا کے بازو چھڑانا چاہا تو آستین جبر سے ہو گئی۔ پیچھے والے الگ دھکیل رہے تھے کہ صاحب جلدی ٹکٹ دکھلائیے آگے بڑھئے۔ ٹکٹ حاجی صاحب کی جیب ہی میں تھے مگر چاروں میں سے کس جیب میں یہ یاد نہیں رہا تھا۔ جلدی جلدی ہاتھ چلائے۔ گھبراہٹ میں جیب آسانی سے نہیں مل رہی تھی۔ ایک جیب سے تسبیح نکلی تو بٹن سے اٹک کے بکھر گئی۔ دانے سنبھالنے کے لئے بے اختیار حاجی صاحب ہاتھ چلا تو برابر والے کی ناک پہ پڑا۔ اس نے تڑاپ سے جواب عرض کرنا چاہا تو گیٹ کیپر کی کنپٹی لپیٹ میں آگئی۔ گیٹ کیپر انگریزی گالی دیکر جو کہنی چلائی تو ایک بچے کی چیخ نکل گئی جسے اسکی ماں گود میں لئے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی طرح چراغ سے چراغ جلا اور خاصی فوجداری کے بعد باہر نکلنا نصیب ہوا چور ہمارا انتظار کہاں تک کرتا۔ سراغرسانی کی تمام صلاحیتیں صرف کرنے کے بعد ہمیں اسی میں بہتری نظر آئی کہ پاس کی مسجد میں چل کر اپنی عاقبت پہ غور کریں۔

ہزار کی رقم بہت ہوتی ہے۔ ویسے جو شاہانہ تیور حاجی صاحب کے کل سے دیکھنے میں آرہے تھے ان کی روشنی میں یہ گمان نہیں تھا کہ وہ اس درجہ متاثر ہوں گے۔ ان کا چہرہ دھ بجا رہا تھا اور مونچھوں کے ننھے ننھے بال کھڑے دکھائی دیتے تھے۔

" برا ضرور ہوا حاجی صاحب۔ مگر ہمت مرداں مدد خدا۔"

" اماں کیا مدد خدا۔ قسم قرآن کی حد سے بے حد برا ہوا۔" ان کی آواز کانپ رہی تھی۔" اب کیا رپٹ لکھوائیں؟"

" لاحاصل ہے۔ رپٹ کا نتیجہ نکلنے تک شہنازپروین بوڑھی ہو جائیں"

" بس مخول نہ کرو۔ اب ہم بہن کو کیا منہ دکھائیں گے۔"

" بہن ۔ ۔ ۔ ۔؟"

" ہاں یار۔ اسی نے تو اپنا مکان ہم سے بکوایا تھا۔"

" ارے ۔ ۔ ۔ تو اسی میں سے آپ نے پانچسو مجرے میں بھی دے"

" کہیں نہیں دیئے۔ وہ تو ایسے ہی کہدیا تھا۔"

ہم مبہوت رہ گئے۔ دائی سے پیٹ چھپانے کا تو کبھی نہ کبھی جواز ہو سکتا ہے مگر موکل وکیل کو تڑی دے یہ کیسے تصور میں آسکتا تھا۔

تاہم فدوی اپنے یار کو منجدھار میں چھوڑنے والا نہیں تھا

"حوصلہ نہ ہاریے حاجی صاحب! تیس روپے نقد اپنے پاس موجود ہیں"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ ہم برباد ہو گئے"

"برباد ہوں آپ کے دشمن۔ شہناز پروین کا مرشد چاندی میں تُلے گا"

بمشکل تمام ان کی دوہری کمر کو سہارا دیتے ہم زار و نزار کلیر پہنچے۔ بے حد بھیڑ تھی۔ کھوے سے کھوا چل رہا تھا۔ قیام ایک بڑے سے ٹینٹ میں ہوا جہاں حاجی صاحب کے پانچ آدمی پہلے کو ٹھیرے ہوئے تھے۔ بتیاں جل جانے پر ہم دونوں بسم اللہ کر کے نکلے۔ پروگرام یہ تھا کہ وہ ہمیں سب سے پہلے شہناز پروین کا ٹھکانہ دکھلائیں گے۔ پھر پنجابی کی دکان کا حلوہ پراٹھا کھایا جائے گا پھر پاسنگ شو کی سگریٹ پی جائے گی۔

یہ وقت خیمہ و خرگاہ کی اِس چھوٹی سی دنیا کے عنفوانِ شباب کا تھا۔ جشنِ شبینہ کی تیاریاں زوروں سے جاری تھیں۔ طبلے گھنگرو آنکے جا رہے تھے۔ زنانِ عاشقانِ اولیاء کا تو کہنا ہی کیا میاں کے بلبل بھی سولہ سنگھار میں مصروف تھے۔

دفعتاً حاجی صاحب ٹھٹک گئے۔ ان کی نظر بھیڑ میں ایک شخص پر تھی مجھ سے کچھ کہے بغیر ہی وہ آگے بڑھ گئے اور دھکا پیل کرتے اسے جا لیا۔ پھر دجانے کیا باتیں ہوئیں۔ ہم تو اُن بزرگ کو دیکھنے میں پیچھے رہ گئے جن کی داڑھی ناف تک تھی مگر ابرو غائب تھے۔ گیروا تہبند اور کرتہ معدوم۔ گلے میں ایک زنار ایک تسبیح ایک صلیب نما تعویذ۔ ہاتھ میں چمٹا، عصا اور کشکول ایک پتھر پہ ڈیڑھ ٹانگ سے کھڑے تھے۔ گرداگرد عورتیں، بچے گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا یہ شاہی مست قلندر ہیں۔ نوّے سال پیران پیر دستگیر کے روضہ پہ چلّہ کھینچ کر آئے ہیں اور اتنے ہی دنوں ابھی ہمالیہ کی غاروں میں عبادت کریں گے۔ خدمت خلق کی خاطر سال میں ایک بیٹا بیٹی کرتے ہیں۔ ساڑھے پانچ روپے میں لڑکی اور سوا دس روپے میں لڑکا دیتے ہیں۔ لاعلاج مریضوں کا تعویذ کل تک دس سات روپے میں دے رہے تھے آج کنسیشن کر کے ڈھائی لے میں کر دیا ہے۔ آؤ چلو بہتی گنگا ہے جی بھر کے منہ دھو لو۔

اتنے میں حاجی صاحب لوٹ آئے اور بولے۔

"تمہارے پاس تیس روپے تھے۔ ذرا دینا"

انداز ایسا تھا جیسے کہ رہے ہوں

"گھڑی میں کیا بجا ہے ذرا بتانا۔"

میں نے ان کی صورت دیکھی۔ وہاں بڑی گمبھیرتا تھی — گمبھیرتا سمجھے آپ؟

نہیں سمجھے۔ خیر فکر نہ کیجئے عنقریب لازمی تعلیم آ کے سب سمجھا دیگی۔

"روپے کیا کریں گے؟" میں نے پوچھا۔

"ذرا دو۔ ابھی دو گھنٹے میں واپس کر دیں گے"

مجبوراً دیئے۔ گو تیس نہیں بیس۔ دس کفن دفن کو روک لئے کہ شہناز پروین کو مجبورِ بیعت کرنے کے سلسلہ میں پانی سر سے بھی گذر سکتا ہے۔

"تم جب تک چاہے ٹہلو پھر ٹینٹ میں جا کے سو رہنا" انہوں نے فرمایا۔

"اور آپ؟"

"ہم بھی پہنچ جائیں گے ذرا ایک ضروری کام جا رہے ہیں۔۔"

"تو ہمیں شہناز کی چھولداری تو بتا دیجئے۔ جب تک ہم زمین ہموار کریں گے"

وہ ہمیں ساتھ لیکے ایک درمیانی سائز کے ڈیرے پر آئے

"یہی ہے۔ ابھی محفل جمنے میں دیر ہے جب تک روضے پہ سلام کر آؤ"

"آپ اطمینان سے جائیں ہم سلام کلام سب کر لیں گے"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے بھیڑ میں گم ہو گئے۔ اب ہمارے پیش نظر سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ شہناز کے سازندوں میں کوئی داڑھی والا مل جائے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ داڑھی کو داڑھی سے راہ ہوتی ہے۔ لیکن ابھی تک ڈیرے کی چلمن اٹھی نہیں تھی۔ تب تک ہم نے سیر کی سوچی۔ سیر کیا اصل پریشانی تو اسی ذہنی گرہ کو کھولنے کی تھی جو میاں کی بلبلوں کے طفیل پڑگئی تھی۔ اِس پریشانی پر ہزار روپے کا تصور غالب آیا۔ لٹے حاجی صاحب تھے چوٹ ہمارے دل پہ پڑی تھی۔ غضب ہے ہمارے ہوتے ڈاکہ پڑ گیا۔ کہیں ایسا تو نہیں یہ بھی کسی طے شدہ ڈرامہ کا

حصہ ہو۔

فلطاں پیچاں ہم چلے جا رہے تھے کہ اچانک بجلی سی کوندی آگے بیس پچیس قدم کے فاصلہ پر ایک نوجوان صاحبزادے وہی سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے بڑے اطمینان سے چلے جا رہے تھے۔ ہم نے آنکھیں ملیں پھر چند ہی جستوں میں ان کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے کوٹ پتلون وغیرہ سے ہم نے اندازہ لگا لیا تھا کہ پاکستانی ہیں۔

"سنبھل کے صاحبزادے" ہم نے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے پراسرار انداز میں کہا "انٹیلیجنس بیورو کے شکاری تمہاری تاک میں ہیں"

وہ چونک پڑے۔ حیرت اور سراسیمگی نے یکجا ہو کے انپر حملہ کیا تھا۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔"

"کچھ نہیں۔ یہاں ایسے بھی افسر ہیں جنھیں بلا وارنٹ گرفتاری کے اختیارات حاصل ہیں"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"بس اتنا کہ اس اٹیچی کے مالک کا نام بتاؤ۔۔۔۔ نہ نہ معذرت بیکار ہے۔ ہم جانتے ہیں یہ تم نے نہیں چرایا ورنہ تمہارے فرشتے بھی لٹکائے پھرنے کا حوصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ آؤ۔۔۔ اُس طرف آؤ نہیں تو مجمع لگ جائے گا"

ہم انھیں بازو سے پکڑ کر ایک بڑے ٹینٹ کی پشت پر لے آئے جہاں ٹریفک نہیں تھا۔ وہ دہشت کے مارے حواس باختہ سے ہو گئے تھے۔

"گھبراؤ نہیں برخوردار — میں تمہیں بچائے جاؤں گا۔ مگر اسی شرط پر کہ ٹھیک ٹھیک بتا دو"

"کیا بتا دوں صاحب۔ یہ ابھی کوئی آدھا گھنٹہ ہوا میں نے ایک شخص سے خریدا تھا"

"کس شخص سے — وہی تو سی۔ آئی۔ ڈی کا منظور نظر ہے۔ وہ نہ ملا تو پھانسی کا پھندا تمہارے گلے میں پڑے گا"

ہماری سنجیدگی اسوقت آسمانوں سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ بیچارے تھرا اٹھے۔

"وہ۔۔ وہ تو جانے کون تھا، وہاں نہر کے پاس ملا تھا۔ یہ سوٹ کیس دکھا کے کہنے لگا کہ میرا بٹوہ کھو گیا ہے یہ سوٹ کیس خرید لیجئے۔ میں نے پانچ روپے میں خرید لیا"

"ٹھیک ہے۔ میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم نے اتنی کم قیمت سنکر عقل استعمال کیوں نہیں۔ یہ بتاؤ یہ وہ شخص کیسا تھا۔ کدھر گیا"

"داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ لمبی مونچھیں تھیں۔ سرخ کرتہ پہنے ہوئے تھا۔ وہیں میلے کے رخ پر درختوں کے پاس ایک ٹینٹ لگا ہے اسی طرف چلا گیا تھا"

"چلو وہ جگہ دکھاؤ"

میلے کی روشن ترحدود سے گذر کر ہم ایک ایسے ٹینٹ پر پہنچے جس کے دروازے پر پردہ لٹکا ہوا تھا۔ اردگرد رونق نہیں تھی۔ اندر روشنی ہو رہی تھی۔

"تم یہاں ٹھیرو" میں نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا "مگر فرار کی حماقت مت کرنا ورنہ عمر بھر پچھتاؤ گے"

پھر میں ٹینٹ کی پشت پر پہنچا۔ قناتیں کافی اونچی تھیں۔ جوڑ بھی خوب پیوستہ تھے۔ کوئی راہ اندر جھانکنے کی نہ تھی۔ مجبوراً جیب سے قلم تراش نکالا اور دو انچی چاک دیا۔ اب جو اندر جھانکتا ہوں تو طبیعت چورس ہو گئی۔

پہلا ہی چہرہ جو نظر آیا وہ اپنے حاجی دُلدل کا تھا۔ ان کے آگے کئی نوٹ اور بہت سی ریزگاری پڑی تھی۔ ہاتھ میں تاش کے چند پتے تھے۔ آس پاس مزید پانچ آدمی تھے گویا پھڑ جمی ہوئی تھی لطف یہ کہ وہ سرخ کرتے والا بھی شریک بزم تھا جسکی غائبانہ نشاندہی پاکستانی صاحبزادے نے کی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی تاش کے پتے تھے۔ بول چال کے بارے میں شاید پہلے ہی انہوں نے طے کر لیا تھا کہ کم سے کم ہوگی اور ہوگی تو سرگوشی سے آگے نہیں بڑھے گی۔ پورے دو منٹ میں صرف ایک جملہ اُس شخص کا ملے پڑا جسکے آگے چند سکوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

"آج تو پی لیا حاجی صاحب نے۔۔۔"

جواب میں حاجی صاحب منمنائے

"صابر کی چوکھٹ چوم کے آیا ہوں پیارے"

ساتھ ہی انہوں نے بیچ میں پڑے ہوئے نوٹوں اور ر

کو اپنے سامنے کھینچا اور پتوں کو چوم کر بانٹنے لگے۔ اب میں کب تک اپنی آنکھیں پھوڑتا۔ ہٹ کے آیا تو پاکستانی صاحبزادے موجود تھے
"جاؤ برخوردار مزے کرو۔ تمہارے کیس کا فائل ردی میں بک گیا"
وہ کچھ نہیں سمجھے آنکھیں پھاڑ کے دیکھنے لگے۔
" ہاں ہاں۔ بس یہ ابھی نہر میں پھینک دو حاجی دلدل نے دیکھ لیا تو اڑنگا بندھ جائے گا۔"
انھوں نے نہ حاجی دلدل کے معنی پوچھے نہ اڑنگے کا مطلب دریافت کیا۔ سیدھے نہر کی طرف ہو لئے۔ میری حالت اس وقت اس غمگین بلبل کی سی تھی جسے کسی بدنہاد نے کھڑی کہدیا ہو۔ دکھ یہ نہیں تھا کہ حاجی دلدل جیسا برگزیدہ آدمی جوا کیوں کھیلا۔ قبوری دائرے کے دیگر صوفیاء کی طرح فدوی بھی یقین رکھتا ہے کہ زمانۂ عرس میں تین تین میل تک جو کچھ ہوگا وہ حق ہی حق ہے اور اسے شریعت کی میزان میں تولنا وہابیت کے سوا کچھ نہیں۔ دکھ یہ تھا کہ حاجی صاحب نے پہلے تو پانسو روپے کے معاملہ میں تڑی دی پھر ہمیں لیجا کے داؤ پہ لگا دئے اور اکیلے اکیلے رت جگا منانے کا پروگرام بنایا۔
خیر ہم نے بھی طے کر لیا کہ جب ان سے ملاقات ہوگی تو صاف کہدیں گے کہ جاؤ ہم تم سے نہیں بولتے۔ اس کے جواب میں یقیناً وہ ہماری خوشامد کریں گے۔ کیونکہ شہناز سے بیعت لینا بہر حال ابھی باقی ہے۔
شہناز کا خیال آتے ہی ہم نے قدم تیز کر دیئے۔ نشاطِ شبانہ کی مدھم راگنی اب خاصی بلند ہو گئی تھی۔ زنانِ عاشقانِ اولیاء اور قوالوں کی بلند ہوتی ہوئی آوازوں کے درمیان کچھ آوازیں ایسی بھی تھیں جیسے بھیڑیں ذبح کی جا رہی ہوں۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ یہ میاں کے بلبل چہک رہے ہیں۔
وہ ڈیرہ واقعی بقعۂ نور اور دل کا سرور ثابت ہوا۔ بقعۂ نور اس لئے کہ وسط میں جلتے ہوئے دو سو والٹ کے برقی قمقمے کے نزدیک ایک زندہ قیامت جلوہ افروز تھی۔ نور ہی نور۔ جلوہ ہی جلوہ۔
ابتداءً تو ہم نے یہی سمجھا کہ پاس پاس دو قمقمے جل رہے ہیں۔ مگر خیرگی ذرا کم ہوئی تو پتا چلا کہ دوسرا تو شعلہ طراز مغنیہ کا رخ زیبا ہے۔
دل کا سرور اس لئے کہ بڑے بڑے اہل دل یہاں رونق افروز تھے۔ وہ مولوی شریف الدین بھی تشریف فرما نظر آئے جنھوں نے پچھلے سال عید میلاد النبی کے جلسے میں سیرتِ رسول اس شان سے بیان کی تھی کہ مجمع کی چیخیں نکل گئی تھیں۔ وہ صوفی شبنم بھی موجود تھے جن کے بارے میں مشہور تھا کہ جس نے انھیں دیکھا خدا کو دیکھا۔ حد یہ ہے کہ وہ حاجی بردبار علی بھی اپنی دو بالشت لمبی سفید داڑھی سمیت جلوہ طراز تھے جن کے متعلق باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ حکومت انھیں طول عمری کے عالمی مقابلہ میں بھیجنے والی ہے۔
یہ سب کچھ ہم نے ڈیرے کے اندر پہنچ کے نہیں دیکھا۔ تو پہنچے ڈیرہ تو کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کرنا یہ پڑا کہ تھوڑے فاصلے پر ایک خوانچے والا اسٹول پہ بیٹھا سودا بیچ رہا تھا۔ ہم نے اس سے کہا
"کہو دوست کیا رنگ چنگ ہیں"
اس نے آنکھیں پھڑ پھڑائیں پھر دانت نکالے۔ ہم نے اڑنگا لگائی
" ارے یار پہچانا نہیں۔ سن ستاون والا اجمیر کا عرس بھول گئے ہیں بھوند و قلعی گر ہوں"
" اچھا اچھا۔ مزے سے تو رہے میاں صاحب"
"خوب مزے میں کہو مجرے میں نہیں گئے"
" بس یہ تھوڑا سا سودا باقی ہے پھر چلیں گے"
اس طرح دوستی ہوئی پھر دو چار منٹ میں ہم نے ان سے اسٹول عاریۃً مانگ لیا اور ڈیرے کے پاس آئے۔ بچپن میں پڑھی ہوئی سائنس نے آج بڑا کام دیا۔ ماسٹر صاحب نے بتایا تھا کہ تین کیلو میٹر اونچی دیوار ہو تو چار میٹرک گزوں کے فاصلے سے نوے ڈگری کا زاویہ قائمہ بنانا چاہیئے فوراً سے پیشتر اندر کا حال جانا جا سکتا ہے۔ یہی ہم نے کیا۔ جاپانی انداز کی عمودی چھت اور قناتوں کے درمیان خاصا خلا تھا۔ اسی میں سے وہ منظر ہم نے دیکھا جسکا دل افروز بیان ازبسکہ ابھی ہو چکا ہے۔
لیکن فقط دیکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ عاقبت تو اندر پہنچنے سے روشن ہو سکتی تھی۔ پھر کیا کیا جائے۔؟
اس سوال پر دس منٹ غور کرنے کے بعد حل سمجھ میں آ ہی گیا

اسٹول والے دوست کو جسکا شبھ نام فقیرا تھا زیادہ گھرا یار بنا کے ہم نے ایک اسکیم پیش کی۔ پہلے تو وہ ڈرا مگر جب ہم نے ڈیرے والی کے حسن بے مثال کے بیان میں مثنوی زہر عشق پڑھ ڈالی اور یقین دلایا کہ یہی وہ واحد ترکیب ہے جس کے ذریعہ ہم دونوں اندر پہنچ سکتے ہیں تو آخر کی آدھنگھ ٹوٹی اور وہ مردہ امنگ جاگی جسے چھ بچوں اور چار بہنوں کے فکر نے وقت سے پہلے دق کی نیند سلا دیا تھا۔

"یار مارے نہ جائیں" —— اس نے آمادگی کے بعد بھی خوف ظاہر کیا۔

"میاں بات کرتے ہو" ہم تڑخے "جب تک یار زندہ ہے مجال ہے کوئی تمہاری طرف آنکھ بھی اٹھالے"

اڑ ڑ ڑ دھم . . . .

جانتے ہیں آپ یہ کیا گرا؟ —— ہماری امنگوں کا محل! کہاں گرا؟ عرس میں نہیں خاص ہمارے گھر میں! کس نے گرایا؟ - ایڈیٹر تجلی نے!

ہو یہ رہا تھا کہ مضمون لکھ لکھ کے ہم کاتب کو دیتے جا رہے تھے ایڈیٹر صاحب نے کاتب سے تصحیح کے لئے کاپیاں منگوا لیں کہ وقت بہت ہو چکا ہے پرچہ لیٹ ہو جائے گا۔ ہمارے مضمون کی تصحیح جو صاحب کرتے ہیں ان پر آفت یہ آئی کہ تصحیح کرتے کرتے ہنس پڑے۔ برابر دوسرے کاتب صاحب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے چپکے سے پوچھ لیا کیوں ہنسے؟ یہ گدھے بے قابو ہو کر بول پڑے

"میاں کا بلبل"

گفتگو ہر چند چپکے ہی چپکے ہو رہی تھی مگر یہ الفاظ تھے ہی ایسے کہ ایڈیٹر صاحب کی سماعت نے ٹرانسمیٹر کی طرح انھیں اچک لیا۔ فوراً بولے۔

"لانا کاپی ادھر دینا"

پھر جو کاپی پڑھ سکے تاؤ آیا ہے تو سیدھے غریب خانے پر آدھمکے۔ میں چوبارے کی سہ دری میں بقیہ مضمون کی تکمیل کر رہا تھا۔ انہوں نے پہلے تو ادھر ادھر دیکھا جب میں نظر نہ آیا تو کاپی اپنی بہن کے سر پہ ماری اور شروع ہو گئے۔

"ناک میں دم کر دیا ہے بدمعاش نے۔ لو اسے پڑھ کے دیکھو کیا خرافات پھیلائی ہے"

"بیٹھئے بھیا۔ یہ تو کوئی نئی بات نہیں ہے"

"کیا نہیں ہے۔ پڑھ کے تو دیکھو۔ اب کی نا ولیں لکھ رہا ہے۔ تم سے کہا تھا پیسے مت دیا کرو تم نے پھر دیدیئے"

"میں مجبور ہوں بھیا۔ تم انھیں نوکری سے الگ کر دو"

بیگم کی آواز میں اچانک آنسوؤں کی جھنا چھن شامل ہو گئی تھی۔ الفاظ انہوں نے روہانسو ہو کے کہے تھے۔ میرا دل بے اختیار پکارا شاباش!

"لاحول ولا قوۃ" ان کے بھیا جھلائے "اب تم رونا شروع کر دوگی۔ خدا کے لئے دیکھو تو اس نے عرس کی کیا کیا داستانیں کہنی شروع کی ہیں۔ دنیا کیا کہے گی"

"جھوٹ تھوڑی کہنی شروع کی ہیں" بھیا کی بہن نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "حاجی صوفی سب ان کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ آدھی آدھی رات کو کنڈیاں بجاتے ہیں"

"کیا فضول باتیں کرتی ہو۔ وہ نالائق خود انھی لچھنوں میں ہے ورنہ کون کسی پہ زبردستی کر سکتا ہے"

"وہ تو میں بھی جانتی ہوں۔ مگر تمہیں بتاؤ بھیا میرا کیا فرض ہے"

"اچھا اچھا۔ میں فرائض کا سبق پڑھانے نہیں آیا۔ اس سے کہدینا آگے ایک لفظ نہ لکھے"

یہ کہکر وہ دھڑا دھڑ قدم اٹھاتے رخصت ہو گئے۔

اب بتاؤ اے ناظرین تجلی! میری قومی امنگوں کا کیا بنے گا، جس پر بند باندھے گئے ہیں۔ اور خود تمہارے ہاتھ سے یہ کیا گزر گئی تمہیں تو ابھی یہ بھی نہیں معلوم کہ سوٹ کیس کا اصلی چور کون تھا۔ حاجی دَلدل نے رات رات میں کتنی کمائی کی۔ میں اور فقیرا ڈیرے کے اندر کیسے پہنچے اور پھر دیگر امور متعلقہ میں کس حد تک پیش رفت ہوئی۔

معلوم کرنا چاہتے ہو تو ایڈیٹر تجلی کو لکھو کہ ملا کے جمہوری حقوق بحال کر دیں اور اگلی اشاعت میں فسانۂ عجائب کو پورا ہونے دیں۔ نہیں لکھتے تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

تم روٹھے ہم چھوٹے۔ بار فضل لالا یارا آتا کی۔

سایۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اب تک کی گفتگو سے پوری طرح واضح ہوگیا کہ سائے کے منکرین قرآن وحدیث سے نہایت غلط قسم کا استدلال کرتے ہیں اور نہ قرآن وحدیث میں نہ عقل وقیاس میں ان کے دعوے کی کوئی معقول دلیل ہے، گو کہ ابھی تک ہم نے مخالف دلائل ہی پر نقد کیا ہے اور اپنے مثبت دلائل کو بعد کے لئے اٹھا رکھا ہے لیکن یہی اثبات مدعا کے لئے اتنا کافی شافی رہا کہ بے شمار خطوط ہمارے پاس اس مضمون کے آرہے ہیں کہ مسئلہ اطمینان بخش طور پر منقح ہوا اور خدا کا شکر ہے کہ جس غلط عقیدے کو ہم بچپن سے ایک امر فیصل سمجھتے آرہے تھے اس سے رجوع کا موقعہ ملا۔

دوستو! ابھی مت گھبراؤ، ابھی تو بہت کچھ باقی۔ ہم اس بار کسی بھی مثبت و منفی گوشے کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ سچائی کے تن نازک کی ایک ایک سوئی نکالیں گے۔ راہِ صداقت سے گریز کا ایک ایک ناکہ گھیریں گے۔

کاظمی صاحب نے انکارِ ظل کے لئے جتنے دلائل دُنیا جہان سے جمع کئے تھے اُن سب کی قلعی کھل چکی۔ اب یہ بھی سُنئے کہ سائے کے ثبوت میں جو چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں ان کو تاویل وتحریف کی سان پر چڑھانے کا کھیل انھوں نے کس عجیب انداز سے کھیلا ہے۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ ان کی نکتہ آفرینیوں میں ذرا بھی ذہنی تنور او رنورِ فراست کی جھلک نظر آتی تو ہم داد دینے میں بخیل نہیں تھے۔ ہم ذہانت و ذکاوت کے دلدادہ ہیں چاہے وہ کہیں بھی ہو۔ دشمن کا قلم بھی ہم چوم سکتے ہیں اگر ہماری دھجیاں بکھیرنے میں اس نے خوش مذاقی اور سلیقے کا مظاہرہ کیا ہو۔ مگر اے اپنی کم نصیبی، نہ کہیے تو اور کیا کہیں کہ عموماً ایسے ہی حریف ہمیں ملتے ہیں جن کی کم نگاہی اور نارسائی سے طبیعت گھٹ کے رہ جاتی ہے۔ نہ لہجے میں رس۔ نہ الفاظ میں شادابی۔ نہ معانی دلکش نہ زبان منجھی ہوئی۔ بات کریں تو معلوم ہو کہ لٹھ مارا۔ دلیل دیں تو خیال گزرے کہ سوتے سوتے بول رہے ہیں۔ یا اللہ۔ یہ تو علمی بحثیں ہیں۔ انھیں اُن عدالتی جھگڑوں کی حیثیت کیوں دیتے ہو جن میں بازی جیتنے کے لئے پوچ دلائل اور بے سر و پا شواہد سے بھی احتراز نہیں کیا جاتا اور خوش مذاقی، بصیرت، شرافت اور انصاف کے ابتدائی تصور تک کو طاق میں رکھدیا جاتا ہے۔ بات کرو بعد میں پہلے تول لو۔ ایسا نہ ہو کہ دنیا ہنسے اور اہل علم کا رہا سہا وقار بھی ہوا ہو جائے۔

قصہ یہ تھا کہ ایک حدیث آئی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مع بعض بیویوں کے سفر میں تھے۔ زوجۂ محترم حضرت صفیہ کا اونٹ بیمار پڑ گیا تو حضورؐ نے حضرت زینب سے کہا کہ تم اپنا فاضل اونٹ صفیہ کو دیدو۔ حضرت زینب کے پاس ایک اونٹ زائد تھا۔ حضرت زینب نے بجائے تعمیل کے جواب دیا کہ میں تو اس یہودیہ کو نہ دوں گی (حضرت صفیہ یہودی خاندان سے تھیں اور بعد اسلام لانے کے حضورؐ کی زوجیت میں آئی تھیں) آنحضورؐ کو اس افسوسناک جواب پر بڑا رنج ہوا اور حضرت زینب سے بول چال ختم کردی۔ سفر سے واپسی ہوگئی۔ حضور کی ناراضگی ترکِ تعلق کی صورت میں تقریباً ڈھائی مہینے قائم رہی حضرت زینب کو قدرتاً گمان گزرا کہ اب رسول اللہ مجھسے راضی نہیں ہوں گے۔ یہ گمان یاس انگیز تھا۔ مگر اسی عالم یاس میں ایک دن حضرت زینب کیا دیکھتی ہیں کہ ان کے دروازے کے قریب اندر کے رخ پر ایک انسانی سایہ نمودار ہوا اور پھر معاً معلوم ہوگیا کہ یہ سایہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ آپ دار زینب میں تشریف لے ہی آئے۔

یہ تھی حدیث جسکا ایک ٹکڑا ہم نے فروری مارچ ۵۶ء کے نقد میں نقل کیا تھا۔ پوری روایت قصداً اس لئے نہیں نقل کی

ایسے ناخوشگوار
محترم ماؤں سے
ناسب تھا۔ اسی لئے
ہے کہ بیٹے بھی ماں کی

خیر تو یہ حدیث مجمع الزوائد میں بھی آئی ہے اور مسند امام
میں بھی۔ راوی اول حضرت عائشہ ہیں جو ٹکڑا ہم نے نقل کیا
اسے بھی ایک بار پڑھ لیجئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ حضرت
ب کا مقولہ نقل فرماتی ہیں

فاناا یوماً بنصف النہار	پس ایک دن دوپہر کے وقت دفعتاً
اذا نا بظل رسول اللہ علیہ	رسول اللہ تشریف لے آئے اور میں نے
لم مقبل	پہلے ان کا سایہ ہی دیکھا۔

اب کاظمی صاحب جس نوع کی جرح و قدح فرمانے میں دیکھنے
لائق ہے۔

آپ نے پہلے تو دو صفحے سے بھی کچھ سوا لغات و تفاسیر کے بل
یہ ثابت فرمانے میں برباد کئے کہ "ظل" کے معنی سایہ ہی نہیں ہیں
جسم و شخص کو بھی "ظل" کہتے ہیں اور بطور استعارۃً و تمثیل بھی
ستعمال ہوتا ہے۔ پھر ایک صفحہ اس میں کھپایا کہ "ظل" اور "فئی"
معنی میں فرق ہے۔ پھر دو صفحے اس گفتگو کی نذر کئے کہ زینب
لم دوپہر کا واقعہ بیان کر رہی ہیں اسلئے سایہ ہو ہی نہیں سکتا
ونکہ زمانہ گرمی کا تھا اور گرمی کی دوپہر میں سایہ نہیں پڑا کرتا۔

اسے کہتے ہیں بات کا بتنگڑ۔ حدیث میں آئی ہوئی حقیقت صریحہ
مسخ و محرف کرنے کے لئے یہ دور ازکار طول بیانی اور لاحاصل
۔ دو موٹی عقل والوں کو تو شاید مرعوب کرجائے کہ فاضل فنکار
نے بہت سے لغتوں اور تفسیروں کے حوالے دیئے ہیں لیکن
توسط عقل والے اس پر ہنس دیں گے اور ذہین لوگ تو سر
پیٹ لیں گے۔

تجزیہ سے قبل ہم یہ بتا دیں کہ یہ حدیث اگر مجمع الزوائد اور
سند امام احمد میں "نصف النہار" کی تخصیص کے ساتھ آئی ہے
اسی مسند امام احمد میں بغیر اس کے بھی مروی ہے اور اس کے
لفاظ تو اور بھی قطعیت سے سایۂ رسول کا اثبات کر رہے ہیں

مسند امام احمد کی جلد چھ کا ص ۳۳۲ اور ص ۳۳۸ کھول لیجئے۔ "حدیث
متفقہ" میں آپ کو یہی مذکورہ قصہ خاصے بسط کے ساتھ ملے گا۔
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک تعلق کو تقریباً ڈھائی ماہ
گزر گئے اور حضرت زینب مایوس ہو گئیں تو ایک دن اچانک
حضورؐ نے قدم رنجہ فرما دیا۔ مگر کس طرح۔

فلما کان شہر ربیع الاول دخل	ربیع الاول کا مہینہ تھا جب رسول اللہ حضرت
علیہا فرأت ظلہ فقالت ان	زینب کے گھر تشریف لائے۔ زینب کو پہلے آپ کا
ھذا الظل رجل وما یدخل	سایہ نظر آیا تو آپ ہی آپ کہنے لگیں کہ سایہ
علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	تو یہ کسی مرد ہی کا ہے مگر رسول اللہ تو میرے
فمن ھذا فدخل النبی صلی اللہ	پاس آتے ہی نہیں پھر یہ کون شخص ہو سکتا ہے
علیہ وسلم فلما رأت قالت	ابھی شش و پنج میں تھیں کہ رسول اللہ بنفس نفیس
یا رسول اللہ ما ادری	اندر پہنچ گئے۔ آپ کو دیکھکر ہو موز فرط مسرت
ما اصنع حین دخلت	میں کہنے لگیں یا رسول اللہ! جب آپ تشریف
علی	آور ہی نواز انہیں مجھے کچھ نہیں آتا کہ میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں

یہ شعر تو شاید یہاں مناسب نہ رہے
وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

مگر حدیث میں جو الفاظ ایک مایوس و دلگرفتہ خاتون سے غیر متوقع
مسرت کے موقع پر منسوب ہوئے ہیں وہ پُرزور داخلی شہادت
ہیں روایت کے درست ہونے کی۔ واقعی اس طرح کے مواقع پر
انسان حواس باختہ سا ہو جاتا ہے کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

خیر، کہنا یہ ہے کہ لفظ "ظل" کے ہزار معنی بھی لغت میں
درج ہوں اور محاورہ عرب میں یہ چاہے ایک لاکھ مفاہیم میں استعمال
ہوتا ہو لیکن کیا کوئی بھی شخص جسے عقل و انصاف چھو کے گیا ہو
یہ شوشہ نکال سکتا ہے کہ یہاں "ظل" کا مطلب اس معلوم سائے
کے سوا کچھ ہے جسے لغات اور اصطلاحات عرب کا دفتر چھانے
بغیر ہی ہر شخص اچھی طرح سمجھتا ہے۔ سایہ دیکھکر جو خیال برقی سرعت
کے ساتھ حضرت زینب کے قلب میں پیدا ہوا اس کا کوئی مطلب
بن ہی نہیں سکتا اگر ظلِ رسول سے مراد ذاتِ رسول اور جسم
رسول لے لیا جائے۔ کیا اندھیر ہے کہ روزمرہ کی زبان میں بے
تکلف بولے ہوئے ایک معلوم المراد لفظ کا لغت و تفسیر کی

مارے مُثلہ کیا جائے اور ذرا بھی نہ سوچا جائے کہ یہ کھلے طور پر احمقانہ فعل ہے۔ روزمرہ کی گفتگو میں سیاق و سباق سے جو معنی کسی لفظ کے واضح ہو رہے ہیں انھیں اس دلیل سے کوئی بھی ہوش رد نہیں کیا کرتا کہ کوئی اور معنی بھی اس کے لغت میں آ[illegible]یں۔ پھر ظل اور فئی کی بحث چھیڑنا تو اور بھی ستم ظریفی ہے حضرت زینب اور ان کا واقعہ بیان کرنے والی خاتون صرف نحو اور کلام و منطق کی زبان میں بات نہیں کر رہی تھیں کہ آپ لغات و تفاسیر کے بنڈل اُٹھا کے دوڑ پڑیں۔ یہ روزمرہ کی عام فہم اور معلوم المراد زبان میں گفتگو ہو رہی تھی۔ کون نہیں جانتا کہ جب ایک شخص کوئی واقعہ بیان کرتے ہوئے یوں کہہ رہا ہو

"فلاں آدمی کو آخر کار یقین آ ہی گیا"

تو اس وقت یہ بحث نہیں اٹھائی جائے گی کہ "یقین" کا لفظ تو قرآن میں موت کے لئے بھی آیا ہے لہذا کیا عجب ہے کہ فلاں آدمی کی موت کی اطلاع دی جا رہی ہو۔ ایسے آدمی کو پاگل کہیں گے حالانکہ "یقین" کا موت کے معنی میں بولا جانا غلط نہیں ہے اسی طرح مذکورہ روایت میں جو شخص ظل کو سایہ کی بجائے جسم اور شخص کے معنی میں لینے لگے وہ مسخرہ ہی کہلائے گا حالانکہ "ظل" کو جسم اور شخص کے مفہوم میں اور بطور استعارہ و تمثیل بولا جانا غلط نہیں ہے۔

قرآن میں لفظ "اجل" عموماً موت ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے مگر جب سیاق اور محل استعمال بدلا تو

اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ جب تم قرض لین دین کا معاملہ کرو اجل اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ مسمّٰی تک کیلئے تو لکھ لیا کرو۔

مگر کسی کو بھی دھوکا نہیں ہوا کہ یہاں اجل سے مراد موت ہے اور صرف انھی قرضوں کو لکھنے کی ہدایت کی جا رہی ہے جو موت پر ممتد ہوں۔

یہی تمام زبانوں کے جملہ الفاظ کا معاملہ ہے کہ کوئی لفظ چاہے کتنے ہی معنی رکھتا ہو مگر سیاق و سباق اور محل استعمال جس ایک معنی کو معین کر دیں وہی مراد لئے جائیں گے۔

"ظل اللہ" کہا جائے تو آپ سے آپ طے ہو جاتا ہے کہ سچ مچ کا سایہ مراد نہیں استعارہ ملحوظ ہے۔ اسی طرح آپ جب کہیں گے کہ "زید بیماری کے ہاتھوں اپنے وجود کا محض سایہ رہ گیا ہے" تو کسی احمق کو یہ دھوکہ نہیں ہوگا کہ بیماری کے بھی انسانوں جیسے ہاتھ ہوتے ہیں اور زید سچ مچ سایہ بن گیا ہے لیکن اگر کہا جائے کہ "زید میرے گھر آیا تو پہلے میں نے اس کا سایہ دیکھا اور سوچنے لگا کہ زید تو میرے گھر آتا نہیں پھر یہ کون آ رہا ہے" تو ذرہ برابر گنجائش اس میں شک کی نہ رہے گی کہ یہاں نہ مجاز پیش نظر ہے نہ کنایہ۔ نہ تمثیل و استعارہ بلکہ معروف معنی میں سایہ ہی مراد ہے۔ اب آپ لغت کی کتابیں اور تفسیروں کے مجلدات بغل میں دبا کے چیخیں کہ بھائیو سایہ تو جسم کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور بطور مجاز و استعارہ بھی بولتے ہیں تو لوگ آپ کو حواس باختہ کہیں گے۔ ایک لفظ ظل کی کیا خصوصیت۔ ہر لفظ حقیقی و مجازی معانی میں استعمال ہوتا رہتا ہے اور استعارہ و تمثیل وغیرہ کے وقت اس کا منشا بدل جاتا ہے لیکن روزمرہ کی گفتگو کو کلام و منطق کے معیاروں سے پرکھنا عقل دشمنی کے سوا کچھ نہیں۔

کاظمی صاحب بھی اور دیگر حضرات بھی سوچیں کہ روایت مذکورہ میں کیا گنجائش ہے اس کھینچ تان کی کہ ظل اور فئی وغیرہ کے الفاظ پر داد تحقیق دی جائے اور ایک صریح و سادہ حقیقت کو تاویل و تحریف کی چھری سے ذبح کر دیا جائے۔

اچھا اس روایت کو چھوڑیئے اور وہی روایت لیجئے جس میں "نصف النہار" کا ذکر آیا ہے اور اس کو زینہ بنا کر کاظمی صاحب ماورائی بلندیوں تک چڑھ گئے ہیں۔ پہلے آپ نے دو تاریخی کتابوں کے حوالہ سے یہ واضح فرمایا کہ مذکورہ واقعہ جس ربیع الاول میں پیش آیا ہے وہ جون ۶۳۲ء میں واقع ہوا تھا۔ پھر یہ کبریٰ منکشف فرمایا کہ جون میں گرمی ہوتی ہے اور گرمی کے دوپہر میں سایہ نہیں پڑا کرتا۔ لہذا حدّ اوسط آپ سے آپ یہ نکلا ہے کہ زینب جس "ظل" کا تذکرہ فرما رہی ہیں وہ سایہ نہیں تھا بلکہ جسم رسول تھا۔

موسم گرما کے دوپہر میں سایہ نہ ہونے کے لئے کاظمی صاحب

سلہ یہاں یہ روایت حضرت عائشہؓ سے نہیں بلکہ خود ام المومنین حضرت صفیہ سے مروی ہے۔ ۱۲

نے خواہ مخواہ المنجد، مصباح اللغات، اقرب الموارد اور کرمانی وغیرہ کا بارگراں اٹھایا۔ یہ تو ایک تجرباتی مسئلہ تھا اس کے لئے زیادہ سے زیادہ مولوی اسماعیل میرٹھی مرحوم کے وہ دو شعر پیش کئے جا سکتے تھے جو ہم نے بچپن میں پڑھے تھے اور شاید انھوں نے بھی پڑھے ہوں۔

مئی کا آکے پہنچا ہے مہینہ ✽ بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ
بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا ✽ ہوا زیر قدم پوشیدہ سایہ

بس فرق مئی اور جون کا ہے تو کہا جا سکتا تھا کہ اتنے سے فرق سے کچھ نہیں ہوتا۔

ہم موصوف کی اس کج کاوی کی داد دینے کے بعد عرض کریں گے کہ اول تو یہ ضروری نہیں ہے کہ جون میں ہند و پاک گرم رہتے ہیں تو حجاز بھی ایسا ہی گرم رہتا ہو۔ مختلف ممالک میں گرما و سرما کے اوقات مختلف ہیں۔ دوئم یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جن مہینوں میں آج ہندوستان یا حجاز میں جتنی گرمی پڑتی ہے ہزار بارہ سو برس پہلے بھی یہی تناسب رہا ہو۔ تجربہ و مشاہدہ گواہ ہے موسموں اور مہینوں کے تناسب میں امتداد زمانہ سے فرق آتا رہتا ہے۔

سوئم یہ کہ مئی ہو یا جون کسی بھی گرم مہینے میں ایسا ہرگز نہیں ہوتا اور نہیں ہو سکتا کہ تمام دوپہر سایہ نہ پڑا کرے۔ قلیل ہی سا وقت ہوتا ہے جب سورج عین سر پر آجاتا ہے اور سائے ڈالنے والے زاویئے معدوم ہو جاتے ہیں۔ باقی دوپہر میں سائے علیٰ فرق مراتب ضرور پڑتے ہیں۔ اپنے ہند و پاک ہی میں دیکھ لیجئے شاید گرمی کے دنوں میں تقریباً دس ہی بجے سے دوپہر شروع ہو جاتا ہے اور کم و بیش تین بجے تک رہتا ہے۔ کیا پانچ گھنٹوں کی اس پوری مدت میں سایہ نہیں پڑتا؟ — جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے۔ قلیل سا وقت چھوڑ کر سایہ پڑے گا اور ضرور پڑے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یوں کہے۔

"زید تپتی ہوئی دوپہر میں میرے پاس آیا"

تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ زید ٹھیک اس وقت آیا جب سورج نصف النہار پر تھا اور سائے معدوم ہو گئے تھے۔ اگر لغت اور عرف عام کے اعتبار سے یہی مطلب ہو تب تو کاظمی صاحب کا استدلال دو قدم چل سکتا ہے لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ یہ مطلب تو قائل کے فرشتوں تک کے تصور میں نہیں ہوتا نہ کوئی سننے والا یہ سمجھتا ہے تب کیا بات بنی؟

آج گھڑیاں موجود ہیں اس لئے اسماعیل میرٹھی شوق سے کہہ سکتے ہیں

بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا

مگر حضرت زینب کے پاس تو گھڑی نہیں تھی کہ دوپہر (نصف النہار) کے الفاظ انھوں نے ٹھیک بارہ بجے بولے ہوں۔ نہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نصف النہار سے مراد دوپہر نہیں تھی بلکہ عین وہ وقت تھا جب دن آدھا گذر چکتا ہے۔ آخر حضرت زینب کے پاس کونسا آلہ تھا جس کے ذریعہ انھوں نے ناپ لیا ہو کہ اب دن ٹھیک ٹھیک نصف ہوا۔ کھلی بات ہے کہ انھوں نے "نصف النہار" کے الفاظ اسی روزمرہ کے محاورے میں بولے تھے جس میں ہم دوپہر کے الفاظ بولتے ہیں۔ انھیں ظل اور فیئی کی فنی بحثوں کا تصور تک نہ تھا وہ وہم بھی نہ کر سکتی تھیں کہ حضورؐ کا سایہ دیکھنے کی روداد کے ساتھ اگر میں نے نصف النہار کے الفاظ کہہ دیئے تو صدیوں بعد میرے قول سادہ کو لغت، منطق اور علم کلام کی مار دی جائے گی۔ انھیں کیا خبر تھی کہ سایۂ رسول کے ساتھ نصف النہار کا نام لینا جرم ہے جس کی معافی بغیر اس کے ہو ہی نہیں سکتی کہ یا تو مجھے معاذ اللہ جھوٹا قرار دیا جائے یا تاویلات بارد ہ کے ذریعہ بات پلٹی جائے۔ بات پلٹنا ہی تو ہے کہ ام المومنین کہہ رہی ہیں میں نے رسول اللہؐ کا سایہ دیکھا اور پھر حضور بہ نفس نفیس سامنے آگئے۔ مگر سادہ منہ بیٹھے مارے قابلیت کے ٹوک رہے ہیں کہ نہیں نہیں آپ نے سایہ نہیں دیکھا تھا۔ ماہ جون کی دوپہر میں سایہ کہاں!

اے دانش درو! پہلے تولو پھر بولو۔ یہ مشورہ پہلے بھی دیا جا چکا ہے مگر اس قابل ہے کہ بار بار دیا جائے۔

ظلّی وظلکم

فروری مارچ ۶۲؁ء کی تنقید میں ہم نے ایک حدیث کے بارے میں ذکر کیا تھا کہ حضورؐ نے ظلی ظلکم (میرا سایہ اور تمہارے سائے) کے الفاظ فرمائے ہیں۔ حوالہ حافظ ابن قیم کی حادی الارواح کا دیا تھا۔ کاظمی صاحب

کہتے ہیں کہ یہاں بھی شخص اور جسم مراد ہیں سائے نہیں۔ ہم تسلیم کریں گے کہ یہاں ان کا دعویٰ اتنا پوچ نہیں ہے جتنا گذشتہ روایت میں تھا۔ جس نوع کی یہ حدیث ہے اس کے اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ ظل کے معنی سایہ نہ ہوں۔

لیکن غور یہ کرنا چاہیئے کہ اللہ کے رسول اگر سایہ نہ ہونے کی غریب و جید خصوصیت کے حامل ہوتے تو اپنے اور صحابہ کے اجسام کے لئے ایسے الفاظ کیوں بولتے جن میں اس خصوصیت کی نفی اور تردید کا کھلا اشتباہ موجود ہے۔ پھر بھول ہی گئے تھے تو صحابہ کو قدرتاً چونک جانا چاہیئے تھا۔ وہ حیرت سے کہتے "یا رسول اللہ آپ کا ظل کہاں؟"

ایسے کسی سوال کا پتہ روایت سے نہیں چلتا تو معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول بھی اسی طرح صاحبِ ظل تھے جس طرح دنیا کا ہر شخص ہوتا ہے اور اسی لئے ظلّی کے لفظ پر کسی کے چونکنے کی نوبت نہیں آئی۔

آگے کاظمی صاحب نے عنوان جمایا ہے

"مخالفین کی بے بصری پر حیرت"

اور پھر تقریباً ڈیڑھ صفحہ اصل بحث سے دور ہٹ کر اپنی وسعتِ مطالعہ کے مظاہرے میں صرف کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں وسعتِ مطالعہ سے ہمیں انکار نہیں۔ دنیا میں جب تک کتابوں کا وجود ہے ہر شخص ورق پلٹ کے عبارتیں نقل کر سکتا ہے۔ ہم خوشی سے تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے کتابوں کی الٹ پلٹ میں کافی مشقت برداشت کی ہے مگر یہ مشقت کیا عقل و فراست کے تقاضے بھی پورے کرتی ہے؟ یہی ہے وہ سوال جس کا جواب نفی میں ملتا ہے۔

زیرِ تذکرہ حدیث کا لب لباب یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ نے نماز فجر پڑھانے کے متصل بعد بیداری ہی میں جنت اور دوزخ دیکھے تھے۔ اسی رویت کے سلسلہ میں آپ نے واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا رأیت ظلی وظلکم (میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا)

ہم مانے لیتے ہیں کہ ظل سے یہاں جسم مراد ہے سایہ نہیں لیکن ہر شخص پر آشکارا ہے کہ نہ تو جنت دوزخ کی دنیا ایسی ہے کہ اس میں ہماری موجودہ دنیا کے طبعی و سائنسی قوانین چلتے ہوں نہ رسول اللہؐ کی یہ رویت ایسی تھی کہ اسے مادی دنیا کے علم و سائنس کی ترازو میں تولا جا سکے۔

لیکن کاظمی صاحب اپنے بے پناہ علم کلام کے جوش میں للکارتے ہیں کہ اے ناظرین اگر اس حدیث سے حضور کا سایہ ثابت ہوا تو یا مسجدِ نبوی میں ہوگا یا دوزخ میں یا جنت میں۔ اس کے بعد وہی قاعدے اور اصول پیش فرما کے جو ہماری دنیا کے ظاہر میں کارفرما ہیں ثابت کرتے ہیں کہ ان جگہوں میں سے کسی جگہ سایہ ہونا ممکن نہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ ظل سے مراد جسم تھا سایہ نہیں۔ بتائیے اس مظاہرۂ علم و فن کو عقل دشمنی نہیں کہیں تو اور کیا کہیں۔

اور سنئے۔ کہا گیا ہے

دنیا والوں کے عرف میں سایہ اسے کہتے ہیں جو سورج کی گرمی اور تکلیف سے بچائے۔"

اس سے قطع نظر کہ رسول اللہ کا سایہ ہونے نہ ہونے سے اس ارشاد کو کچھ بھی تعلق نہیں عرفِ عام کی تعبیر بھی کاظمی صاحب نے غیر دانشمندانہ کی ہے۔ سورج کی گرمی ہمیشہ تکلیف ہی نہیں پہنچاتی۔ موسم سرما میں یہ راحت بخش بھی ہوتی ہے۔ وہی سایہ جو گرمیوں میں آرام دہ ہوتا ہے سردیوں میں تکلیف دہ بن جاتا ہے۔ سائے کا جو لفظ عرفِ عام میں "پناہ" کے لئے مستعمل ہے اس کا تعلق سورج اور اس کی تابش سے بالکل نہیں ہے مثلاً سایۂ عاطفت۔ سایۂ شفقت وغیرہ لیکن جس سائے کا تعلق سورج کی تابش سے ہے وہ آرام اور تکلیف کے باب میں اضافی شے ہے۔ نہ مستقلاً آرام دہ نہ دائماً اذیت بخش۔ موسم اور ضرورت کے اعتبار سے اس کی حیثیتیں بدلتی رہتی ہیں۔

وسعتِ مطالعہ کا لوہا منوانے کے لئے یہ تذکرہ بھی فرمایا گیا کہ جنت میں سورج نہیں ہوگا —— چلئے تسلیم، اگر واقعی قرآن و حدیث میں "شمس" جیسے الفاظ تکلیف دہ گرمی کی بجائے نفسِ سورج ہی کے لئے آئے ہیں تو کون کافر ہے جو انکار کرے لیکن بعض گذشتہ علماء کی پیروی کرتے ہوئے

کاظمی صاحب نے یہاں بھی دورازکار منطق کا در کھولا اور گل افشانی کی کہ جنت چونکہ خالص آرام و راحت کا معدن ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے وہاں سورج جیسی گرم اور تکلیف دہ چیز نہیں رکھی۔ یہ ان کے الفاظ نہیں مفہوم ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ سورج کی صرف مضرت ہی آپ نے دیکھی۔ وہ لامتناہی منافع نہیں دیکھے جنھیں بچہ بچہ جانتا ہے۔ نشوونما، حرارت، زندگی، سبھی کچھ تو سورج ہی کا طفیل ہے۔ موسم گرما کی تپش آپ نے ملحوظ رکھی مگر یہ نہیں سوچا کہ سردی کے ٹھٹھرے ہوئے ایام میں یہی تپش نعمتِ غیر مترقبہ بن جاتی ہے۔ بالکل مہمل بات ہے کہ جنت کو سورج سے اس کی اذیت دہ گرمی کی وجہ سے پاک رکھا گیا۔ کہنا یوں چاہیئے کہ بدیع السموات والارض نے جنت کی بناوٹ دنیائے ظاہر کے میکنزم سے جدا رکھی ہے اور جو لامتناہی منافع دنیائے ظاہر کو سورج کے ذریعہ بخشے گئے ہیں ان کے لئے جنت میں کوئی اور ذریعہ تخلیق فرمایا ہے۔ وہ قادر و توانا ہے۔ مختلف نوع کے ہزار ہا عالم پیدا کر سکتا ہے۔ اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ چاہے تو سورج کے بغیر ہی اُجالا پھیلا دے۔ چاہے تو سورج کے ہوتے بھی کسی کو روشنی کی رمق تک نصیب نہ ہو۔ جو لوگ مادی دنیا کے طبعی قوانین اور اصول و قواعد کو جوں کا توں اٹھا کر جنت دوزخ اور کائناتِ آخرت پر نافذ کرنا چاہتے ہیں وہ فعل عبث کے مرتکب ہیں۔

الحمد للہ کہ قرآن وحدیث سے متعلق منکرین عقل کے دلائل کا جائزہ تمام ہوا۔ اب خدا نے چاہا تو اقوال سلف اور براہین عقلیہ کی بات چلیگی۔ وما التوفیق الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

(بقیہ حادثۂ کربلا ۔ ۔ ۔ ۔ از صفحہ ۱۰۹)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا زمانہ زمانِ اوّل میں داخل ہے اس وقت یہ مسئلہ مجتہد فیہ تھا اور ممانعت کی حدیثیں اس قدر مشہور نہ تھیں اس لئے انھوں نے جو کچھ کیا اس کی بنا پر ان کے خلاف کوئی الزام نہیں قائم کیا جا سکتا، بلکہ یہی کہا جائے گا کہ انھیں اجر و ثواب ملا اگرچہ ان سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

حادثۂ کربلا اور عقیدۂ اہلِ سنّت

از مولانا محمد اسحاق صاحب استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

"حادثۂ کربلا" تاریخ اسلام کا ایک جلی عنوان ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کی اہمیت کے بارے میں غلو ہوا ہے اس غلو کے بانی شیعہ صاحبان ہیں، لیکن بے خبری و غفلت نے شیعی پروپیگنڈہ کے ساتھ تعاون کر کے اہل سنت کو بھی صحیح نقطۂ نظر سے ہٹا کر مبالغہ و غلو کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ آج اہل سنت کی بڑی تعداد جس میں عوام ہی نہیں بہت سے خواص بھی داخل ہیں اس غلطی میں مبتلا ہے کہ اس معرکہ کی اہمیت معاذاللہ غزواتِ نبویؐ کے مساوی بلکہ اس سے بھی زائد ہے، گویا تاریخ اسلام میں واقعۂ کربلا ہی وہ واقعہ ہے جس نے دینِ اسلام کی بنیادیں مستحکم کیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو دین بھی نہ ہوتا۔

درحقیقت یہ نتیجہ ہے واقعہ کو شیعی زاویہ نگاہ سے دیکھنے کا شیعوں کا اصل مقصد اس سے یہ تھا کہ عظمت نبوت کو جہاں تک ممکن ہو کم کیا جائے اور دعوت نبوی کو مشکوک و مشتبہ بنایا جائے، وہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و دعوت اس قدر (معاذاللہ) ناکام ثابت ہوئی کہ ۲۳ سال کی مسلسل جد و جہد کے بعد وہ اعلیٰ ترین کردار کا صرف ایک نمونہ پیش کر سکے۔ تاریخ اسلام بالکل تہی دست ہے اُس کے خزانہ میں اخلاقی بلندی کا صرف ایک کارنامہ ملتا ہے اس کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت خالصۃً اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے نہیں تھی، بلکہ اپنے گھرانے کی سلطنت اور اس کا اقتدار قائم کرنے کے لئے تھی (معاذاللہ) لیکن افسوس ہے کہ اس میں بھی آپؐ ناکام رہے۔ اس کے ساتھ ان حضرات کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس واقعہ کو اس قدر نمایاں کریں کہ صحابۂ کرامؓ کی جانبازیاں اور محض اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے ان کی بے نظیر و بے مثال کوششیں اس کے پیچھے پوشیدہ و مستور ہو جائیں۔ اس طرح امت کا تعلق ان نجوم و ہدایت سے منقطع یا کم از کم کمزور ہو جائے تاکہ سبائی و سیسہ کاریوں کے لئے زمین ہموار ہو یہ نہ ہو تو کم از کم امت مسلمہ ضیغ و ضلال ہی میں مبتلا ہو جائے۔ ودّت طائفة من اهل الكتاب لو يضلونكم۔

میں اس وقت زیادہ تفصیل میں جاؤں گا تو اصل موضوع سے ہٹ جانے کا اندیشہ ہے ورنہ حق یہ ہے کہ شیعہ گروہ نے جو منصوبہ اسلام کے مٹانے کے لئے بنایا تھا اس میں اس واقعہ سے سب سے زیادہ کام لیا ہے وہ دین اسلام کو تو مٹا نہیں سکے اور نہ مٹا سکتے ہیں مگر افسوس کے ساتھ اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہماری غفلت نے ہماری ایک بڑی جماعت کو غلط راستوں پر ڈال دیا ہے اور شیعت کے کچھ نہ کچھ جراثیم اہل سنت کی بڑی تعداد میں سرایت کر چکے ہیں۔ خصوصاً اس مسئلے میں تو شاید اکثریت شیعوں کی ہمنوا نکلے۔ یہاں تک کہ اہلِ علم کے طبقہ میں بھی خاصی تعداد اس غلطی میں مبتلا نکل آئے گی۔ ہماری غفلت ملاحظہ ہو۔ ہمارے دینی حلقوں میں عربی مدارس میں آمین بالجہر والسر اور قرأۃ فاتحہ خلف الامام وغیرہ مجتہد فیہ اور فروعی مسائل میں ایک ایک مسئلہ پر بعض اوقات ہفتہ ہفتہ بھر تقریریں کی جاتی ہیں جن کا ایک بہت بڑا حصہ غیر ضروری ہوتا ہے مگر شیعہ سنی اختلافی مسائل کو بالکل نابلد

استغنار سمجھا جاتا ہے اور ان کے لئے تو دس سال کی مدت تعلیم میں ہفتہ دو ہفتہ بھی نہیں صرف کیا جاتا، ایسی حالت میں اگر اہل علم کا ایک طبقہ بھی واقعۂ کربلا کی اہمیت و منزلت کے بارے میں شیعوں کا ہم آواز ہو جائے تو اس پر ذرا بھی تعجب نہ ہونا چاہئے۔ حق یہ ہے کہ واقعۂ کربلا فی نفسہٖ بہت اہمیت و عظمت رکھنے کے باوجود غزوات نبویہ کے مرتبے کے قریب بھی نہیں، چہ جائیکہ اسے ان کے متوازی رکھا جائے۔ جو شخص عظمت نبوت کی ذرہ برابر بھی معرفت رکھتا ہے وہ ہرگز اس بے ادبی کی جرأت نہیں کرسکتا کہ غزوات نبویہ بلکہ سریات عہد نبوی کے برابر کسی دوسری جنگ کو جگہ دے سکے۔ علاوہ مقصد کی بلندی کے جو مندرجہ بالا غزوات و سریات کو بدرجہا بلند درجہ دے رہی ہے خود سلطان کونینؐ کی موجودگی یا بنفس نفیس شرکت جنگ کے مقام و مرتبہ کو اس قدر بلند کر دیتی ہے کہ اس کے برابر نہ کوئی جنگ ہو سکتی ہے نہ اس کے شرکاء کے اجر و ثواب کی قدر و عظمت کو کسی دوسرے معرکہ کا اجر و ثواب پہنچ سکتا ہے۔

خلفائے راشدین کے عہد معدلت مہد ہی میں حفاظت دین حق کلمۂ اسلام کو بلند اور کلمۂ کفر کو نیست کرنے کے بلند مقاصد کے لئے جو معرکہ آرائیاں ہوئیں مثلاً قتال مرتدین جنگ قادسیہ و یرموک وغیرہ معرکۂ کربلا کو ان کے برابر بھی درجہ نہیں دیا جا سکتا صحابۂ کرامؓ کی یہ رزم آرائیاں بزم کفر و باطل کو درہم برہم کرنے اور بساط اسلام کو بچھا کر اس کے خوان فیض و کرم سے سارے عالم کو مستفید کرنے کے لئے تھیں اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق غزوات نبویہ نبوت کا ایک جزو اور کار نبوت کا تتمہ و تکملہ تھے، جنگ کربلا کو ان کی صف میں کیسے بٹھایا جا سکتا ہے؟ چہ جائیکہ ان سے افضل و برتر کہا جائے۔ قرآن مجید کا ذوق رکھنے والوں کے لئے اس حقیقت کا سمجھنا بہت آسان ہے کتاب مبین نے عہد خلفاء راشدین کے بعض معرکوں کی خبر صاف صاف دی ہے اس میں شرکت کرنے والوں کو پروانۂ خوشنودی عطا فرمایا ہے ان کی طرف دعوت دینے والوں کی مدح و ستائش کی ہے لیکن کیا جنگ کربلا کے متعلق کوئی اشارہ بھی قرآن مجید میں مل سکتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو دونوں میں مساوات کا قائل ہونا بھی جذبات کی اتباع ہے نہ کہ قرآن کی۔

اہمیت کی وجہ

لیکن اس بحث کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ خدانخواستہ میں معرکۂ کربلا کی اہمیت و عظمت کا منکر ہوں، بے شک اس چھوٹی سی جنگ کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ بہت سی بڑی بڑی معرکہ آرائیاں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ گذشتہ سطروں میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے اس کی اس اہمیت کو کم کرنا مقصود نہیں ہے جو فی نفسہٖ اسے حاصل ہے، بلکہ اس حد سے گذری ہوئی اہمیت و عظمت کو کم کرنا مطلوب ہے جس میں شیعوں کے اثر سے اہل سنت مبتلا ہو گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و رفعت میں کسے کلام ہو سکتا ہے، مگر اس کی بھی ایک حد ہے مسیحی اس حد سے تجاوز کر چکے ہیں ان کی تردید کرنا لازم مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تردید کرنے والا ممدوح الشان کی حقیقی عظمت و رفعت کا بھی منکر ہے اس مثال سے اس مسئلہ کو بھی سمجھ لینا چاہئے تردید مبالغہ کی مقصود ہے نہ کہ حقیقی عظمت و اہمیت کی۔

قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اہمیت کی وجہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں بھی شیعی پروپیگنڈے نے اہل سنت پر خاصا اثر کیا ہے۔ شیعہ اس واقعہ کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا یہ اسلام و کفر کا معرکہ تھا اور وہ بھی عظیم ترین۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اسلام کا کہیں وجود نہ ہوتا افسوس ہے کہ اہل سنت کی ایک کثیر تعداد نے بھی شیعی نقطۂ نظر اختیار کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ کسی شیعہ کی مندرجہ ذیل رباعی جس کی نسبت حضرت معین الدین چشتیؒ کی طرف بالکل غلط ہے۔ سنیوں میں بھی بڑے جوش عقیدت کیساتھ زبان زد ہے

شاہ است حسینؓ و بادشاہ است حسینؓ
دین است حسینؓ و دین پناہ است حسینؓ

سر داد و نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ

مبالغہ کی حد ہو گئی اور باتوں سے قطع نظر صرف اسی پر نظر فرمایئے کہ "بنائے لا الٰہ" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی یا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے؟ یہ عظمت نبوت کم کرنے کی کوشش اور شرک فی النبوۃ نہیں تو اور کیا ہے! سوال بدستور باقی رہتا ہے کہ آخر اس اہمیت کی وجہ

کیا ہے؟ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم شخصیت کو سامنے لانے کے بعد جواب واضح ہو جاتا ہے کہ ممدوح کی شخصیت تنہا اس معرکہ کو اہمیت و عظمت دینے کے لئے کافی تھی چہ جائیکہ موصوف کے ہمراہ ان کے اہلِ خاندان بھی تھے یعنی اتقیاء اور اولیاء کی ایک پوری جماعت ہمرکاب تھی صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو نواسۂ رسول بھی ہیں اولیاء اللہ کی ایک جماعت لے کر جس معرکہ میں شریک بلکہ اس کے بانی ہوں اسکی اہمیت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ غزواتِ نبویہ اور خلفائے راشدین کی معرکہ آرائیوں کے مساوی اہمیت و عظمت نہ سہی مگر فی نفسہٖ اس کی اہمیت و عظمت بہت زیادہ ہے۔ صاف بات ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور نواسہ بھی ہیں ان کا تقویٰ تورع تعلق مع اللہ شغل عبادت و طاعت فی نفسہٖ موجبِ کشش ہے خصوصاً جب صحبت نبوی کی وجہ سے انوارِ نبوی کے انعکاس نے ان کے درجہ کو اور زیادہ بلند کر دیا ہو۔ ممدوح کی محبت و عظمت[1] ایمان کا تقاضہ ہے جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھے گا وہ ان کے صحابہ سے بھی محبت رکھے گا جن میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں اس کے ساتھ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسہ بھی ہیں ان حالات میں اس جنگ کو غیر معمولی اہمیت دینا بالکل فطری بات ہے اور واقعہ کے لحاظ سے بھی یہ غیر معمولی درجہ رکھتی ہے مگر اس کی ایک حد ہے جس سے تجاوز کرنے کے بعد گمراہی کی سرحد شروع ہو جاتی ہے اس پر اوپر کی سطروں میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

واقعہ کے دو پہلو

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت کی وجہ سے اس واقعہ میں عقیدہ کا پہلو بھی پیدا ہو گیا ہے ورنہ اگر یہ نہ ہوتا تو صرف تاریخی پہلو سے اس پر گفتگو کی جا سکتی تھی ظاہر ہے کہ عقائد کی بنیاد کتاب و سنت پر قائم ہوتی ہے نہ کہ تاریخی روایات پر جن کا درجہ حدیث ضعیف کے برابر بھی نہیں ہوتا سخت غلطی ہوگی اگر ہم اس واقعہ کے دونوں پہلوؤں میں تفریق نہ کریں تاریخ کو عقیدے کی اساس بنا لینا غلطی ہے اسی طرح عقیدے کی روشنی میں تاریخ کو دیکھنا بھی غلط فہمی کا موجب ہے بے شک جہاں عقیدہ تاریخ سے متصادم ہو اور عقیدے کی بناء کتاب و سنت پر ہو وہاں تاریخ کو حرف باطل سمجھا جائیگا اور اس کی غلطی کو یقینی قرار دیا جائے گا، لیکن جہاں یہ تصادم نہ ہو وہاں دونوں کو اپنے اپنے مقام پر رکھا جائے گا۔ ایسی صورت میں عقیدے کی روشنی میں تاریخ مرتب کرنا تاریخ سازی ہوگی نہ کہ تاریخ نویسی۔ اس اصول کی ایک فرع یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہمیں بہت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ قرآن و حدیث نے انھیں بلا استثناء کامل الایمان، تقویٰ شعار، بلند اخلاق و کردار ظاہر فرمایا ہے اسکی حیثیت ایک عقیدے کی ہے، ایک نہیں ہزار تاریخی روایتیں اس کے خلاف اور معارض ہوں تو وہ سب پیروں تلے روند کر پھینک دینے کے قابل ہیں تاریخ مٹا دی جائے گی عقیدہ اپنی جگہ قائم رہے گا، لیکن اگر کوئی تاریخی روایت اس عقیدے کے معارض نہیں ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ یہ عقیدہ بھی قائم رہے اور اس تاریخی روایت کو بھی تسلیم کیا جا سکے تو ایسی روایت کو بغیر کسی دوسری وجہ کے رد کر دینا بالکل بے محل، بے ضرورت اور خلاف دیانت ہوگا۔

تاریخی پہلو

اصل عنوان سے ظاہر ہے کہ مجھے واقعہ کے تاریخی پہلو سے بحث مقصود نہیں ہے مسلمان کے لئے جو چیز اہم ہے وہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے متعلق دینی اعتبار سے کیا عقیدہ رکھنا چاہئے؟ لیکن بعض غلط فہمیوں کو دور کرنے کیلئے اس کے تاریخی پہلو کے متعلق بھی مختصر طریقہ سے دو ایک باتیں عرض کر دینا مناسب ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس واقعہ کی تفصیلی حقیقت شکوک و شبہات کے پردے میں مستور ہے خصوصاً شیعی پروپیگنڈے اور سیاسی مقاصد و مساعی نے اس پر شکوک و شبہات کا اضافہ

[1] ایک بزرگ نے اسے جزوِ ایمان تحریر فرمایا ہے یہ صحیح نہیں ہے یہ دراصل شیعوں کا مسلک ہے اہلِ سنت کے نزدیک یہ جزوِ ایمان نہیں ہے ہاں اسے ایمان کا تقاضا ضرور کہا جا سکتا ہے ۱۲

کر دیا ہے کہ اسے کھود کر اصل حقیقت کا آشکارا کرنا بہت دشوار ہو گیا ہے نفس واقعہ میں تو کلام نہیں مگر اس کی تفصیلات اور جملہ متعلق اشخاص کے کردار کا تعین جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے، بلکہ شاید محالاتِ عادیہ کے حدود میں داخل ہو محض چلتی ہوئی روایتوں کی بناء پر کوئی فیصلہ کر دینا کسی صحت مند ذہنیت کا ثبوت نہیں ہے۔

دوسری چیز یہ عرض کرنا ہے کہ اس چیز کا کوئی قابلِ اطمینان ثبوت موجود نہیں ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا قتل یزید کے حکم سے ہوا یا اس نے اسے پسند کیا۔ یزید کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل ماننا نہ کوئی عقیدہ ہے نہ اس کا دین سے کوئی تعلق قاتل یزید ہو یا اور کوئی اس سے ممدوح کے مرتبہ اور انکی شہادت کی مقبولیت پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں پڑتا۔ اس لئے دینی نقطہ نظر سے اس مسئلہ پر بحث کرنا ایک فضول بات اور خواہ مخواہ ایک اجنبی چیز کو دین میں داخل کرنا ہے عقائد کی کتابوں میں اس مسئلہ کا تذکرہ ضمناً آجاتا ہے یہ اس کی دلیل نہیں کہ یہ بھی کوئی عقیدہ ہے ان کتابوں میں تو جزء لایتجزّی دایٹم کا مسئلہ بھی مذکور ہے تو کیا اسے بھی عقائد میں داخل کیا جائے گا۔ اس ضمنی بحث میں بھی سلف متفق نظر نہیں آتے، اگر بعض بزرگوں نے اسے قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کا ذمہ دار قرار دیا ہے تو بعض نے اس کی نفی بھی کی ہے عقائد کی مشہور کتاب "تمہید ابو شکور سالمی" میں مذکور ہے:-

وقال بعضهم بان يزيد لم يامر القوم بقتل الحسين وانما امرهم لطلب البيعة وياخذه وحمله اليه فهم قتلوه بغير امره وما راضى بذالك۔	بعض حضرات نے کہا ہے کہ یزید نے قوم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ یہ حکم دیا تھا کہ ان سے بیعت طلب کریں اور انھیں گرفتار کر کے اس کے (یزید کے) پاس بھیجدیں ان لوگوں نے اسکے حکم کے بغیر انھیں (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو) قتل کر دیا اور (یزید نے) اس قتل کو پسند نہیں کیا۔

شرح مسامرہ میں اس اختلاف کا تذکرہ کر کے کہا ہے کہ جو الزامات یزید پر لگائے جاتے ہیں (جن میں قتلِ حسین رضی اللہ عنہ بھی ہے) وہ ثابت نہیں ہیں احتیاط یہ ہے کہ اس کے حق میں توقف کیا جائے۔

امام ابن تیمیہؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اس مسئلے میں علامہ تفتازانی کی ایک عبارت سے سخت دھوکہ ہوتا ہے جس میں انھوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ یزید پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں جن میں قتلِ حسین رضی اللہ عنہ بدرجۂ اولیٰ داخل ہے وہ تواتر معنوی کو پہنچ گئے ہیں اس لئے ان کی صحت میں شک کی گنجائش نہیں ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہ علامہ کی ایک شدید غلطی ہے جو رائے عامہ کی اتباع اور ماحول سے تأثر کا نتیجہ ہے۔ ان کا یہ قول غلط بھی ہے اور تعجب خیز بھی۔ علامہ نے شہرت عام اور تواتر دونوں کو ایک سمجھ لیا، یہ خیال نہ کیا کہ تواتر کی انتہا مشاہدے پر ہونا ضروری ہے اس کے ساتھ یہ بھی شرط لازم ہے کہ ابتداء سے انتہا تک رواۃ کی تعداد اتنی رہے کہ ان کا جھوٹ بولنے پر اتفاق کر لینا عادۃً محال ہو اتنی تعداد تو کجا اس کا مشاہدہ کرنیوالے راوی تو دو چار بھی نہیں نکل سکتے کہ یزید نے قتل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا حکم دیا یا اسے پسند کیا پھر تواتر کے کیا معنی ہیں؟ شہرت عام کو اگر تواتر کا درجہ دے دیا جائے تو نہ معلوم کتنی باطل چیزوں کو صحیح ماننا پڑے گا کسی بات کا مشہور ہونا خصوصاً ایسی صورت میں کہ اسے شہرت دینے میں بعض اہلِ غرض کی غرض خاص کر سیاسی غرض پوشیدہ ہو اس کی صداقت کا ثبوت نہیں ہو سکتا، بلکہ اسے اور بھی مشکوک بنا دیتا ہے۔ کلکتہ کے بلیک ہول کا واقعہ کتنا مشہور ہے۔ انارکلی کا قصہ کس قدر شہرت رکھتا ہے۔ لیکن یہ قصے جس قدر مشہور ہیں اسی قدر صداقت و واقعیت سے دور ہیں۔ دورِ مغلیہ میں ہندوؤں پر مظالم کی داستانیں معلوم نہیں کتنی تاریخی کتابوں میں تحریر ہیں مگر کیا ان میں صداقت کا ادنیٰ شائبہ بھی ہے؟ ان امور پر نظر کرنے کے بعد علامہ تفتازانی کے قول میں کیا جان باقی رہجاتی ہے۔ یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ علامہ موصوف کی حیثیت محض متکلم کی ہے

عہ ہمارے مدارس کی فضا کچھ ایسی بن گئی ہے کہ جس مصنف کی کتاب داخلِ درس ہوتی ہے طالب علم کے ذہن پر اس کی حد سے زیادہ عظمت طاری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے تقدس کا نقش بٹھلانے کی بھی پوری سعی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ متعلم اس سے مرعوب ہو کر اپنی تنقیدی صلاحیت کو معطل کر دیتا ہے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آیندہ)

انھیں مورخ کا درجہ دینا فن تاریخ پر ظلم ہے۔ ایسی صورت میں کسی تاریخی مسئلہ کے بارے میں ان کے قول کا وزن ہی کیا باقی رہ جاتا ہے۔ حاشا کہ مجھے یزید کی طرف سے دفاع مقصود نہیں، کیونکہ اس سے ہمیں کوئی تعلق نہیں ہے نہ یہ بحث میرے لئے خوشگوار ہے، لیکن چند باتیں ہیں جو اس بحث پر مجبور کر رہی ہیں۔

اوّل تو یہ کہ خواہ مخواہ اس چیز کو کہ یزید ہی قاتل سیدنا حسینؓ تھا ایک عقیدے کی حیثیت دے کر غیرِ دین کو دین میں داخل کیا جا رہا ہے یہ خود اپنی جگہ نامناسب بلکہ بدعت ہے چہ جائیکہ اس سے شیعہ مذہب کی گونہ تائید بھی ہوتی ہو۔ شیعوں کے یہاں اس کی حیثیت مذہبی عقیدے کی ہے اور جو لوگ اسے اہل سنت کا بھی عقیدہ قرار دیتے ہیں وہ غیر شعوری طور پر شیعوں کے ہم آہنگ و مؤید ہو جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ شیعوں کے یہاں اسے مذہبی عقیدے کی حیثیت کیوں دی گئی ہے۔ اس سوال کا جواب ہی دوسرا محرک ہے جو مجھے اس مسئلہ پر گفتگو کرنے پر آمادہ کر رہا ہے شیعہ صاحبان کی دقیق تدبیروں کو سمجھ لینا ہر شخص کا کام نہیں ہے انھیں وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے شیعہ مذہب کا مطالعہ غور سے کیا ہو اور تاریخ اسلام کو اس نقطۂ نظر سے دیکھا ہو کہ اس میں شیعہ کردار کیا رہا ہے جو حضرات اس کوچہ سے نابلد ہیں وہ دوسرے کے سمجھانے پر بھی ان فریب کارانہ سازشوں اور مفسدانہ تدبیروں کو نہیں سمجھتے جو شیعہ صاحبان نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کی ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی ناواقف خواب غفلت سے بیدار بھی ہونا چاہتا ہے تو اتحاد بین المسلمین کی لوری دیکر اسے پھر سلا دیا جاتا ہے۔ قتل سیدنا حسینؓ کے جرم عظیم کا الزام یزید پر لگانے اور اس کا شدید پروپگنڈہ کرنے سے شیعہ صاحبان کے پیش نظر دو اہم مقصد تھے اوّل یہ کہ مسلمانوں کو ایک جماعت صحابہ سے بدظن بنا یا جائے یا کم از کم ان کی قدر و عظمت اہل سنت کے دلوں سے کم کی جائے طبعی بات ہے کہ جب انسان کسی کو کسی محبوب اور معتقد علیہ شخصیت کا قاتل سمجھتا ہے تو صرف اسی سے نفرت نہیں کرتا بلکہ اس سے تعلق رکھنے والوں سے بھی نفرت کرتا ہے۔ خواہ وہ لوگ اس جرم سے بالکل بری ہی کیوں نہ ہوں، واقعات کو جانچ کر حدود کی رعایت تو وہی لوگ کرتے ہیں جو علم کے ساتھ فہم و تقویٰ کی صفات بھی رکھتے ہوں اور تحقیق واقعات سے انھیں دلچسپی بھی ہو۔

افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ شیعہ اپنے اس مقصد میں خاصی حد تک کامیاب ہوئے اہل سنت میں (عوام ہی میں نہیں بلکہ خواص میں بھی) ایک گروہ ایسا پایا جاتا ہے جو حضرت معاویہؓ حضرت مغیرہؓ ابن شعبہ حضرت عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین نیز بعض دوسرے صحابہ کی شان میں گستاخیاں کر کے اپنی عاقبت برباد کرتا رہتا ہے۔

اصل مجرم قتل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے جرم عظیم کو یزید کے سر تھوپنے کی کوشش سے شیعہ حضرات کا ایک دوسرا اہم مقصد یہ تھا (اور افسوس ہے کہ ہماری غفلت کی وجہ سے وہ اس میں بھی کامیاب ہو گئے) کہ اس جرم عظیم سے اپنی برأت ثابت کی جائے اور خونِ حسین کا دھبہ اپنی آستین سے دھو دیا جائے لوگ یزید کی طرف متوجہ ہو کر اصل مجرم کو بھول جائیں۔ حق یہ ہے کہ سیدنا حسینؓ کو کوفہ بلانے والے انھیں اس اقدام پر ابھارنے والے ان کے ساتھ بیوفائی کر کے انھیں جام شہادت پلانیوالے خود وہی حضرات تھے جو ماتم حسینؓ کو سب سے بڑی عبادت قرار دیتے ہیں اور جن کے نمائشی نالہ و شیون سے لوگوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ؏ ماتم ہے اسی کا کہ جسے قتل کیا ہے

ملاحظہ ہو حضرت زین العابدین قدس سرہٗ اہل کوفہ سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

ایھا الناس فانشد کم باللہ ھل تعلمون انکم کتبتم الی ابی وخد عتموہ	اے لوگو! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ تمھیں نے میرے والد کو خطوط لکھے اور ان کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) علامہ تفتازانی کے متعلق بھی عموماً مدارس کا یہی طرزِ عمل ہے۔ ورنہ انکی صحیح حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک درباری عالم ہیں۔ قرآن و حدیث کا ذوق انھیں تقریباً مفقود ہے۔ متکلم بایں معنی ہیں کہ متکلمین کے کلام کی تشریح خوب کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ پہلو بھی کمزوری سے

آتیتموہ منہ انفسکم العہد والمیثاق والبیعۃ قاتلتموہ وخذلتموہ تبا لکم ما قدمتم لانفسکم

فریب کیا ان سے عہد و میثاق و بیعت کر کے عہد شکنی کی اور ان سے قتال کیا اور انھیں چھوڑ دیا پس تمہارے لئے ہلاکت ہو کیا برا سامان تم نے اپنے لئے جمع کیا ہے (احتجاج طبری صفحہ ۱۵۶)

+ + + +

خود شیعانِ کوفہ کا اقرار موجود ہے کہ وہی سیدنا حسینؓ کو بلانے اور انھیں قتل کرنے والے ہیں۔ چنانچہ شیعوں کے شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین میں لکھتے ہیں:۔

سلیمان ابن حرد خزاعی ساکن کوفہ است و سبب خروج او بر بنی امیہ آں بود کہ چوں طائفہ کوفیاں با مسلم بیعت کردہ نقض عہد کردند و نوبت بشہادت امام حسینؓ رسانیدند سلیمان بعد از چند ماہ متنبہ شدہ انگشت حسرت بدنداں گرفتہ بر خود نفریں میکرد کہ خسران دنیا و آخرت نصیب باشد کہ بعد از انکہ امام حسین را طلب داشتیم تیغ برروئے او کشیدیم تا از بے وفائی ما رسید بادانچہ رسید و رؤسائے ایں جماعت پنج نفر بودند۔ سلیمان بن حرد خزاعی و مسیب ابن تخمیہ و عبد اللہ ابن سعد و عبد اللہ ابن دال و رفاعہ ابن شداد و ایں پنج کس از معارف اصحاب امیر المومنین بودند چوں عزیمت ایشاں بطلب خون امام حسینؓ مصمم یافت جمع کثیر سرائے سلیمان بن حرد خزاعی جمع آمدند و مسیب ابن تخمیہ کہ مصحوب عمر سعد بکربلا رفتہ بود آغاز سخن کردہ گفتند خدا تعالیٰ ما را بطول عمر مبتلا گردانید تا در انواع فتنہا افتادیم و با امور ناشائستہ متہم گشتیم اکنوں از اعمال سیئہ خویش نادم گشتہ میخواہیم کہ دست در دامن توبہ و انابت زنیم شاید کہ خداوند عزوجل توبہ ما را قبول کردہ بر ما رحمت کند بر کس ازاں جماعت کہ بکربلا رفتہ بودند عذرے میگفتند سلیمان بن حرد خزاعی گفت ہیچ چارہ نمیدانم جز آنکہ خود را در عرصہ تیغ آوریم چنانچہ بسیارے بنی اسرائیل تیغ در یکدیگر نہادند۔ قال اللہ تعالیٰ انکم ظلمتم انفسکم الآیۃ و مجموع شیعہ بزانوئے استغفار در آمدہ گفتند مصلحت آنست کہ شمشیر ہا را از نیام بیروں کنیم و سنانہا راست کنیم و جہاں را از لوث ۔ ۔ ۔ ۔ دشمنانِ آلِ محمد پاک گردانیم۔

[illegible]

سلیمان ابن حرد خزاعی کوفہ کا رہنے والا ہے بنی امیہ سے اس کی بغاوت کا سبب یہ ہوا کہ کوفیوں کے ایک گروہ نے (جناب) مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے نقض عہد کیا اور امام حسینؓ کی شہادت تک نوبت پہنچائی سلیمان چند ماہ بعد متنبہ ہوا اور انگشت حسرت دانتوں میں دبا کر اپنے اوپر نفریں کرتا تھا کہ ہمیں دنیا و آخرت کا خسارہ حاصل ہوا کہ ہم نے امام حسینؓ کو بلا کر ان پر تلوار کھینچی اور ہماری ہی بے وفائی سے یہ سب مصیبت انھیں پہنچی اس جماعت کے سردار پانچ شخص تھے سلیمان بن حرد خزاعی، مسیب بن تخمیہ اور عبد اللہ ابن سعد، عبد اللہ ابن دال اور رفاعہ ابن شداد یہ پانچوں اشخاص امیر المومنین کے مشہور اصحاب میں سے تھے جب ان کا ارادہ حضرت حسینؓ کے خون طلب کرنے میں مضبوط ہو گیا تو ایک بڑی جماعت سلیمان ابن حرد خزاعی کے مکان پر جمع ہوئی اور مسیب بن تخمیہ نے جو عمر سعد کے ہمراہ کربلا گیا تھا گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے سب سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں درازی عمر میں مبتلا کیا کہ فتنوں میں پڑ گئے اور ناشائستہ کاموں کے ساتھ متہم ہوئے اب ہم اپنے برے اعمال پر نادم ہو کر چاہتے ہیں کہ توبہ و انابت کا دامن ہاتھ میں لیں شاید خداوند عزوجل ہماری توبہ کو قبول کر کے ہم پر مہربانی کرے اسی طرح اس جماعت میں سے جو لوگ کربلا گئے تھے وہ اپنا عذر بیان کرتے تھے سلیمان ابن حرد نے کہا کہ اب کوئی علاج ہم نہیں جانتے سوا اس کے کہ اپنے کو تلواروں کے میدان میں لائیں جس طرح بہت سے بنی اسرائیل نے ایک دوسرے کو تلوار سے کاٹ ڈالا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ انکم ظلمتم الآیۃ یہ کہہ کر سب شیعہ استغفار کرنے لگے اور کہنے لگے کہ مصلحت یہی ہے تلواروں کو نیام سے باہر کریں اور نیزے سیدھے کریں اور دنیا کو آلِ محمدؐ کے دشمنوں سے پاک کریں۔

ان عبارتوں سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سیدنا حسینؓ اور ان کے پورے خانوادے کا قتل شیعوں ہی کے ہاتھوں ہوا اور اس واقعہ ہائلہ کا آغاز و انجام سب انھیں کے عزم ناپاک کا رہین منت ہے جس کے بعد انھوں نے توبہ کا اعلان کیا اور اپنا لقب "توابین" رکھا۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

لیکن سچ یہ ہے کہ محض پشیمانی و توبہ کی صورت ہی تھی اسکی حقیقت بالکل مفقود تھی۔ یہ اظہار توبہ و ندامت صرف اسلئے تھا کہ عام طور سے مسلمانوں کو جو شدید نفرت اس گروہ کیساتھ

اس واقعہ کے بعد پیدا ہوگئی تھی جس کی وجہ سے نقاب نفاق پرزے پرزے ہوکر ان کے حقیقی خدوخال کو ظاہر کر رہی تھی۔ نقاب کی بخیہ گری کرکے اس نفرت کو زائل کیا جائے اور زمین ہموار ہونے پر جرم کو حکومت کے سر تھوپ کر عام مسلمانوں کو اس کے خلاف برانگیختہ کرکے عالم اسلامی میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی جائے۔ تمنا یہ تھی کہ عنانِ سلطنت ہمارے ہاتھوں میں آجائے اس کے بعد دین مبین کو پامال کرنا عظمتِ نبوت کو گھٹانا دعوت اسلام کو مشکوک و مشتبہ بنانا۔ خلاصہ یہ کہ دل کھول کر اسلام کے نام پر اسلام کو مٹانا بہت آسان ہوجائیگا خاکہ یہ تھا کہ پہلے ریاکارانہ اشک ریزی سے خونِ حسین رضؓ کا دھبہ دھو دیا جائے پھر غم حسین رضؓ کا اظہار ایسے دلدوز انداز سے کیا جائے کہ لوگ مجرم کو مدعی سمجھنے لگیں تیسرا قدم اس طرح اٹھایا جائے کہ اولادِ رسول میں سے کسی کو شاہ شطرنج کی حیثیت دے کر اسکے پردے میں اپنے اقتدار کی بساط بچھائی جائے۔ ان اسراری مجرموں چھوڑ کر ادھر ادھر مجرموں کو پیش کرنا شیعی پروپیگنڈے کی بہت بڑی کامیابی ہے جو ہماری غفلت کا افسوسناک نتیجہ ہے۔

دو لفظ فسقِ یزید کے بارے میں بھی عرض کر دوں، مگر بہت اجمال و اختصار کے ساتھ۔ یزید کی طرف جرائم کی جو طویل فہرست منسوب کی جاتی ہے یہ درحقیقت شیعوں کا افترا ہے جس کا مقصد ایک بڑی جماعتِ صحابہؓ کو یزید کے پردے میں مجروح قرار دینا ہے ظاہر بات ہے کہ اگر یزید ویسا ہی فاسق تھا جیسا کہ مشہور ہے تو ان صحابہؓ کے متعلق جنھوں نے اس کے انتخاب کی تحریک یا تائید کی یا جو اسکے یہاں عہدے قبول کرتے رہے یا اس سے تعاون کرتے رہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کا یہ طرزِ عمل کس حکم شرعی کے ماتحت تھا؟ شیعہ یہی سوال اہل سنت کے دل میں پیدا کرکے ان کی نظر سے صحابۂ کرام کو گرانا چاہتے ہیں اور افسوس ہے کہ وہ اس چال میں بھی خاصے کامیاب ہیں یزید کو صالح و متقی کہنا بھی غلط ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک معمولی عامی مسلمان کے درجہ کا آدمی تھا جسے نہ صالح و متقی کہا جا سکتا ہے نہ فاسق فاجر۔

عقیدے کی حیثیت

بحیثیت مسلمان جو چیز ہمارے لئے اہمیت رکھتی ہے وہ تاریخی تحقیق نہیں ہے، بلکہ یہ مسئلہ ہے کہ اس واقعہ کے متعلق ہمیں کیا عقیدہ رکھنا چاہئے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خاندان کا قتل یزید کے اشارے سے ہوا یا نہیں اصل قاتل کون تھا ان باتوں کا کوئی اثر شہادت حسین رضی اللہ عنہ پر نہیں پڑتا نہ ان میں سے کسی چیز کی نوعیت عقیدے کی ہے۔

یزید کو فاسق اور قاتلِ حسینؓ قرار دینا شیعوں کے یہاں عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ صرف اس لئے کہ وہ یزید کے پردے میں ایک بہت بڑی جماعت صحابہ کو مجروح قرار دینا چاہتے ہیں خصوصًا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو۔

الحمد للہ کہ مسلمانوں کے عقائد کتاب و سنت پر مبنی ہوتے ہیں نہ کہ تاریخی روایات پر۔ اس لئے یہ اُمور ان کے یہاں عقائد سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ عقیدہ دلیلِ قطعی کا متقاضی ہوتا ہے۔ خبرِ واحد بھی اس کی بنیاد نہیں بن سکتی، چہ جائے کہ تاریخ یا حدیثِ ضعیف اسے عقیدہ کا درجہ دینا ایک قسم کا ابتلاع ہے یہ بھی یاد رہے کہ یزید کے فاسق ہونے یا نہ ہونے کا کوئی اثر سیدنا حسین رضی اللہ کے اقدام پر نہیں پڑتا۔ ان کے اقدام کو صحیح ثابت کرنے کے لئے فسقِ یزید کا ثبوت بالکل غیر ضروری ہے بلکہ اس غیر ضروری مسئلے میں اُلجھ کر بہت سے اُلجھے ہوئے سوالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یزید فاسق ہو یا غیر فاسق سیدنا حسینؓ پر کوئی الزام نہیں عائد ہوتا۔ جیسا کہ آئندہ صفحات سے واضح ہو جائے گا۔ اصل سوال یہ ہے کہ سیدنا حسینؓ کا یہ اقدام شرعی اعتبار سے کیسا تھا۔

ایک اشکال

تاریخی پہلو پر جو روشنی میں نے ڈالی ہے اسے سامنے رکھتے ہوئے کوئی شخص سوال کر سکتا ہے کہ جب تم یزید کو فاسق نہیں تسلیم کرتے ہو تو شرعی اعتبار سے سیدنا حسینؓ کے اقدام کے متعلق سوال ہی کیا باقی رہ جاتا ہے، صاف و صریح حدیثیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ فاسق کے خلاف بھی خروج کرنا جائز نہیں ہے۔ چہ جائے کہ غیر فاسق کے خلاف۔ اگر یزید کو فاسق و فاجر بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی سیدنا حسینؓ کے اس اقدام کو شرعًا جائز نہیں قرار دیا جا سکتا حالانکہ اس کا فسق بھی ثابت نہیں ہے۔ دیکھو حدیث نبوی ہے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بہترین امام (خلیفہ) وہ ہوں گے جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور تم انھیں دعائیں دو اور وہ تمھیں دعائیں دیں اور تمہارے بدترین امام وہ ہوں گے جن سے تم نفرت کرو اور جو تم سے نفرت کریں۔ تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ (جب یہاں تک نوبت پہنچ جائے) تو کیا ہم ان سے نقضِ بیعت کریں (یا جنگ شروع کریں) آپ نے فرمایا ایسا نہ کرنا جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں (تمہارے لئے دستور العمل یہ ہے) کہ اگر ایسے والی و امیر کو گناہ میں مبتلا دیکھو تو اس گناہ سے نفرت کرو مگر اس کی اطاعت سے سرتابی نہ کرو۔ (مسلم)

ایک دوسری حدیث میں بھی یہی مضمون ہے کہ جب آپؐ سے فاسق امراء کے متعلق سوال کیا گیا:۔

قالوا افلا نقاتلهم قال لا ماصلّوا لا ماصلّو (مسلم)	کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں ؟ آپ نے فرمایا نہیں، جبتک وہ نماز پڑھتے رہیں (یعنی مسلمان ہیں) ان سے جنگ نہ کرو۔
+ + + +	
+ + + +	

ایک تیسری حدیث میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے عہد لیا کہ:۔

وعلی ان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا کفرًا بواحًا عندکم من الله فیه برهان (بخاری)	یہ کہ اولی الامر کو بزور معزول کرنے کی کوشش نہ کرو مگر اس صورت میں کہ ان سے کھلے ہوئے کفر کا صادر ہو جس کے کفر ہونے پر قرآن یا حدیث سے کوئی قطعی دلیل قائم ہو۔

اس مضمون کی حدیثیں اور بھی ہیں ان کے علاوہ علامہ ملا علی قاریؒ اور بعض دیگر علماء نے امت کا اجماع بھی اس پر نقل کیا ہے کہ خلیفہ فاسق کے خلاف خروج بالسیف کرنا جائز نہیں ہے۔ جو شخص ایسا کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔ چنانچہ اگر آج کوئی شخص استفتاء کرے کہ کیا ان مسلمان حکومتوں کے خلاف شمشیر بکف ہو جانا جائز ہے جس میں زمامِ حکومت فساق و فجار کے ہاتھوں میں ہے تو سارے عالم کے علماء کا فتویٰ یہی ہوگا کہ بالکل ناجائز ہے اور ایسا کرنے والا عاصی ہوگا۔ عقلی طور پر بھی یہی بات سمجھ میں آئی ہے کہ خلیفہ فاسق کے خلاف تیغ بکف ہو جانے کی صورت میں اکثر اوقات اس سے

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں خلافتِ علیٰ منہاج النبوۃ کا نقشہ سمایا ہوا تھا وہ اسی کو دیکھنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت، سنت نبوی و سنت خلفاء راشدین کے ساتھ عشق نے ان کے دل میں اس نقشہ کے ساتھ ایک والہانہ شیفتگی پیدا کر دی تھی وہ اسے دیکھنے کے لئے بے چین تھے ظاہر بات ہے کہ یزید کے دورِ حکومت کو خواہ بُرا نہ کہا جا سکے مگر اسے خلافتِ راشدہ سے کیا نسبت۔

ایسی حالت میں سیدنا حسین رضؓ اپنے پاکیزہ جذبات محرکہ کی بناء پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نقشہ دوبارہ قائم کرنے کے لئے سر بکف اور تیغ بدست ہو گئے ان کا اقدام خالصتہً لوجہ اللہ تھا نفسانیت کا اس میں شائبہ بھی نہ تھا۔ وہ حکومت چاہتے تھے مگر اپنے نفس کے لئے نہیں، بلکہ سنت نبوی کو رائج کرنے خلفائے راشدین کے طریقوں کو زندہ کرنے اور محض حق تعالیٰ جل شانہٗ کو، راضی کرنے کے لئے یہ صحیح ہے کہ ان کے اس اقدام سے امت اسلامیہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا، لیکن اسکی ذمہ داری ان پر قطعاً عائد نہیں ہوتی انھوں نے فائدہ ہی پہنچانے کی نیت کی اور اس کے لئے کوشش کی اگر انھیں کامیابی نہیں ہوئی تو اس سے ان کے اجر و ثواب میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہو سکتی۔ اخلاص وللّٰہیت کی بناء پر اس اقدام اور اس کے نتیجہ میں خلعتِ شہادت کی سرفرازی نے بارگاہِ الٰہی میں ان کے درجات و مراتب کو بلند کیا اور اجر و ثواب کے انعامات سے انھیں اور ان کے رفقاء کو مالا مال فرما دیا۔ انھوں نے اصلاح حال کی کوشش فرمائی، مگر شیعان کوفہ نے ان کے ساتھ غداری کی اور ان کے اوپر ظلم کیا۔ وہ مظلوم شہید ہو کر عند اللہ مزید قرب و انعام کے مستحق قرار پائے۔ اعلی اللہ درجاتہٗ ودرجات رفقائہ۔

جن حضرات صحابہؓ نے سیدنا حسینؓ کی اس رائے سے اختلاف کیا اور اس اقدام میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ بھی مجتہد تھے انھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ ویسی ہی محبت تھی جیسی کہ سیدنا حسینؓ کو انھیں سنت نبوی اور سنت خلفائے راشدین کے ساتھ ویسی ہی شیفتگی تھی جیسی سیدنا حسینؓ کو وہ بھی سراپا اخلاص و تقویٰ تھے مگر وہ غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلام اور امتِ مسلمہ کے مفاد کا تقاضہ یہ ہے کہ موجودہ حالت کو غنیمت سمجھ کر گوارا کیا جائے اور بحالاتِ موجودہ حکومت کے خلاف مسلح اقدام مفید اور جائز نہیں ہے۔ ان کا طرزِ عمل بھی محض اخلاص وللّٰہیت پر مبنی تھا۔ نفسانیت سے اسے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ یہ حضرات خود مجتہد تھے اور کسی دلیل سے بھی ان پر سیدنا حسینؓ کی اتباع یا ان کے اجتہاد پر عمل کرنا واجب نہیں تھا۔ جیسے خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ان حضرات کے پابند نہ تھے ان حضرات صحابہؓ یا حضرت حسین رضؓ دونوں میں کسی کے متعلق بھی سوءِ ظن کرنا اور ان کی نیت پر شبہ کرنا اپنی عاقبت برباد کرنا اور عذابِ آخرت کا مستحق بننا ہے علیٰ ہذا حضرت معاویہؓ اور ان کے معاون صحابہؓ کے متعلق سوءِ ظن کرنا بھی خسران و وبالِ آخرت کا سبب ہے۔ یہ سب اعلیٰ درجہ کے متقی اور مخلص تھے اعلی اللہ درجاتہم۔ فطری طور پر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں اجتہادوں میں سے کونسا اجتہاد صحیح تھا۔ سیدنا حسینؓ کا اجتہاد یا ان سے اختلاف رکھنے والوں کا اجتہاد؟ جب ہم ان احادیث پر نظر کرتے ہیں جو اشکال کے ذیل میں ذکر کی گئیں ہیں ان کے ساتھ اجماعِ امت نیز نتائج و عواقب کو دیکھتے ہیں تو یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ رائے انھیں حضرات کی صحیح تھی جو سیدنا حسینؓ کو اس اقدام سے منع فرما رہے تھے، لیکن اس اجتہادی غلطی سے سیدنا حسینؓ کے مرتبہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا وہ اپنے اجتہاد کے لحاظ سے حق و صواب پر تھے انھیں اس کا اجر و ثواب ملا اور ان کے درجات و مراتب میں ترقی ہوئی۔ ایک نکتہ اس موقع پر قابلِ ذکر ہے کہ حضرت حسینؓ حق پر تھے یہ تو بالکل صحیح ہے لیکن اس کی تشریح میں ایک بہت بڑی غلطی واقع ہوتی ہے۔ شیعوں کا مسلک یہ ہے کہ نواسۂ رسولؐ ہونے کی بناء پر وہ مستحقِ خلافت اور اپنے دعوے میں برسرِ حق تھے۔ شیعوں سے تو یہاں بحث نہیں [illegible] یہ ہے کہ ان کی دسیسہ کاریوں سے متاثر ہو کر بہت سے عوام اہلسنت بلکہ بہت سے اچھے خاصے علماء نے بھی یہی شیعی نقطہ نظر

اختیار کرلیا ہے یہ ایک ایسی بات ہے جو سرتاپا باطل اور اسلامی اصول کے بالکل خلاف ہے نبی کریم کا نواسہ ہونا ہرگز کوئی استحقاق خلافت نہیں پیدا کرتا، اگر اسے صحیح تسلیم کرلیا جائے تو حضرت عثمانؓ کی خلافت اپنے آخری دور میں اور حضرت علیؓ کی خلافت از اول تا آخر ناجائز قرار پاتی ہے کیونکہ سیدنا حسینؓ ان دونوں زمانوں میں بارِ خلافت اٹھانے کے لائق ہو چکے تھے۔ اگر قرابتِ نبوی کی وجہ سے وہی مستحق خلافت تھے تو [illegible] الصدر [illegible] خلفاء راشدین کو سریر خلافت ان کے لئے خالی کردینا چاہئے تھا۔ اس کے علاوہ بھی دلائل اس قول کے باطلِ محض ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے برسرِ حق ہونے کی یہ توجیہ بالکل باطل اور گمراہی ہے اس کی وہی توجیہ صحیح ہے جو میں عرض کر چکا ہوں یعنی وہ نواسۂ رسول ہونے کی وجہ سے مدعیِ خلافت نہیں تھے نہ اسے وجہ استحقاق سمجھتے تھے بلکہ اپنے اجتہاد کی بناء پر وہ برسرِ حق تھے وہ حق پر تھے صرف اس لئے کہ ان کا اجتہاد انھیں یہ بتا رہا تھا کہ میں خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کرسکتا ہوں اور احیائے سنت کا کام دوسروں سے زیادہ بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہوں اس لئے زمامِ خلافت کا اپنے دستِ حق پرست میں لے لینا بہت مناسب اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید ہے۔ یہاں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی مندرجہ ذیل عبارت اس سلسلہ میں قابلِ نقل ہے جو مسلک اہل سنت والجماعۃ کی ترجمان کر رہی ہے:-

سوم آنکہ خروج کند بنیت اقامت دین وتقریر کند در خلیفہ داحکام او شبہہ را پس آں تاویل اگر باطل باشد قطعاً ہیچ اعتبار ندارد مانند تاویل اہل ردت ومانعین زکوٰۃ در زمانہ صدیق اکبرؓ ومعنی قطعیت بطلان تاویل آنست کہ مخالف نص کتاب یا سنتِ مشہورہ یا اجماع یا قیاس جلی واقع شود۔ واگر آں تاویل مجتہد فیہا ست نہ قطعی البطلان آں قوم بغاۃ باشند در زمانہ اول ایں قوم حکم مجتہد مخطی بود۔ ان اخطأ فلہ اجرٌ چوں احادیث منع در صحیح مسلم وغیر آں مستفیض است ظاہر شدہ اجماع امت برآں منعقد گشت امروز حکم بہ عصیان باغی کنیم۔ اگر خلیفہ جورِ صریح صادر شود یا حکم برخلاف شرع نماید ودرآں مسئلہ برہان از جانب شارع پیش موجود است ومعنی برہان ہماں است کہ تقریر کردیم جائز است قیام بدفع ظلم خلیفہ از خود وترک فرماں برداری او وجمعے کہ رفیق سلطان شوند برائے ایذا ئے او عصاۃ باشند واگر دراں مسئلہ برہانے از جانب شرع نیست صبر نماید وآفات راکہ برسرِ وے می گذرد از آفات سماویہ شمرد دست از قتال باز دارد۔

(ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل اول)

تیسری صورت یہ ہے کہ خلیفہ کے خلاف اقامتِ دین کی نیت سے خروج کرے اور اس کے احکام کے متعلق کسی شبہ کا اظہار کرے اس صورت میں اگر اس کی تاویل قطعی طور پر باطل ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے جیسے صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں مرتدین اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرنیوالوں کی تاویل تھی تاویل کے قطعی البطلان ہونے کے معنی یہ ہیں کہ نصِ کتاب یا سنتِ مشہورہ یا اجماع یا قیاس جلی کے مخالف ہو۔ لیکن اگر وہ تاویل مجتہد فیہ ہے اور قطعی البطلان نہیں ہے تو وہ لوگ [illegible] جائیں گے [illegible] انھیں مجتہدِ مخطی (ایسا مجتہد جس سے اجتہاد میں غلطی ہو گئی ہے) سمجھا جائیگا (اور وہ مستحق اجر وثواب ہوں گے کیونکہ مجتہدِ مخطی کا حکم یہ ہے کہ اگر اجتہاد میں غلطی کرے تو بھی اسے ایک ثواب ملتا ہے) لیکن اب (چونکہ) اس صورت میں خلیفہ کے خلاف جنگ سے ممانعت کرنے والی حدیثیں جیسی کہ صحیح مسلم وغیرہ میں آئی ہیں مشہور ہو چکی ہیں اور اس بات پر اجماعِ امت بھی منعقد ہو چکا ہے اس لئے اگر آج کوئی شخص (اس قسم کی) بغاوت کریگا تو اسے ہم گنہگار کہیں گے۔ اگر خلیفہ کی طرف سے کھلا ہوا ظلم ہو یا وہ شریعت کے خلاف حکم دے اور [illegible] پاس اس کے خلاف شریعت کی طرف سے کوئی برہان (واضح دلیل) موجود نہ ہو۔ برہان کے معنی وہی ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں تو اپنی ذات سے خلیفہ کے ظلم کو دفع کرنا اور [illegible] فرمانبرداری ترک کرنا جائز ہے اور جو لوگ ایسے شخص کی [illegible] خلیفہ کی امداد کریں گے وہ گناہگار رہیں گے اور اگر کوئی برہان شریعت کی طرف سے موجود نہیں ہے تو صبر کرے اور جو آفتیں اس پر آئیں انھیں آفاتِ سماویہ شمار کرے (بہرحال) جنگ وقتال سے ہاتھ روکے رکھے۔ (باقی برصفحہ [illegible])

سہ "وغیرہ" کی قید میں نے اس لئے بڑھادی کہ بغاوت مشرعی تو [illegible]

م معصیت اور خطاءِ اجتہادی یکساں معصیت کے کیا معنی ہیں سیدنا حسینؓ کے اقدام کو "بغاوت" اس معنی کے لحاظ سے کہنا جو معصیت کو مستلزم ہے [illegible] دی ہے۔

از مولانا تاج محمد صاحب

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

(قسط ۳)

نمونہ ہشتم بے سر و پا اور باتوں کی طرح یہ طبعزاد خیال بھی خوب خوب مشہور کیا گیا ہے کہ مودودی عنقریب مجددیت و مہدویت کا دعویٰ کرنے والے ہیں ایسی رسوا کن قیاس آرائی اگر صرف عوام کالانعام کی طرف سے ہوتی تو صبر کی گنجائش تھی لیکن قیامت ہے کہ اس میں بعض خواص بھی شامل ہو گئے مثلاً مولانا مناظر احسن گیلانی جیسے فاضل بزرگ نے دبی زبان سے اسی ہوائی اندیشہ کا اظہار فرمایا اس پر مولانا مودودی نے جو تصریحات پیش کی ہیں انھی کو ہم جوں کا توں نقل کئے دیتے ہیں

"آپ کو میرے جرأت آمیز الفاظ سے شاید یہ گمان گزرا ہوگا کہ میں اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتا ہوں اور کسی بڑے مرتبے کی توقع رکھتا ہوں، حالانکہ میں جو کچھ کر رہا ہوں صرف اپنے گناہوں کی تلافی کے لئے کر رہا ہوں اور اپنی حقیقت خوب جانتا ہوں۔ بڑے مراتب تو درکنار اگر صرف سزا سے بچ جاؤں تو یہ بھی میری امیدوں سے بہت زیادہ ہے (ترجمان القرآن نمبر ۱ نومبر ۱۹۴۱ء)

اس کے بعد اسی زمانہ میں جناب سید سلیمان ندوی نے میری ایک عبارت کو توڑ مروڑ کر اس سے یہ معنی نکالے کہ میں مجدد ہونے کا مدعی ہوں حالانکہ میں نے اس عبارت میں ... کوششوں کو تجدید دین کی مساعی میں سے ایک ... ان کے اس صریح الزام کے جواب ... دیا ... کام کو تجدید ...

یہ لازم ہے کہ جو چند اینٹیں چن دے وہ انجینیر بھی کہلائے اور پھر انجینیر بھی معمولی نہیں بلکہ اپنی صدی کا انجینیر! اسی طرح کسی کا اپنے کام کو تجدیدی کام یا تجدیدی کوشش کہنا جبکہ فی الواقع وہ تجدید دین حق ہی کی غرض سے یہ کام کر رہا ہو، محض ایک امر واقعہ کا اظہار ہے۔ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ مجدد ہونے کا دعوے کر رہا ہے اور اس صدی کا مجدد بننا چاہتا ہے۔ کم ظرف لوگ بے شک تھوڑا سا کام کر کے اونچے اونچے دعوے کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ کام کا ارادہ ہی دعویٰ کی شکل میں کرتے ہیں لیکن کسی ذی فہم آدمی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کام کرنے کے بجائے دعوے کرے گا۔ تجدید دین کا کام ہندوستان میں اور دنیا کے دوسرے حصوں میں بہت سے لوگ کر رہے ہیں خود مولانا (حضرت معترض) کو بھی ہم انھی میں شمار کرتے ہیں میں نے اپنی حد استطاعت تک اس خدمت میں حصہ لینے کی سعی کی ہے اور اب ہم چند خدام دین ایک جماعت کی صورت میں ... چاہتے ہیں۔ اللہ جس کے کام میں بھی اتنی برکت دے کہ واقعی اس کے ہاتھوں دین کی تجدید ہو جائے وہی درحقیقت مجدد ہوگا۔ اصل چیز نہ آدمی کا اپنا دعویٰ ہے نہ دنیا کا کسی کو مجدد کے لقب سے یاد کرنا بلکہ اصل ... کا ایسی خدمت کر کے مالک کے حضور پہنچنا ہے کہ وہاں اسے یہ مرتبہ حاصل ہو۔ میں مولانا کے حق میں اسی چیز کی دعا کرتا ہوں اور بہتر ہو کہ وہ بھی "عنقا را بلند است آشیانہ" کہنے کی بجائے دوسروں کے

حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کی کوئی ایسی خدمت لے لے۔

مجھے یہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ بعض اسلامی الفاظ کو خواہ مخواہ ہوّا بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ دنیا میں کوئی رومی عظمت کی تجدید کا داعیہ لے کر اٹھتا ہے اور رومیت کے پرستار اس کو مرحبا کہتے ہیں۔ کوئی ویدک تہذیب کی تجدید کا عزم لیکر اٹھتا ہے اور ہندوئیت کے پرستار اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں کوئی یونانی آرٹ کی تجدید کے ارادہ سے اٹھتا ہے اور آرٹ کے پرستار اس کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔ کیا ان سب تجدیدوں کے درمیان صرف ایک اللہ کے دین کی تجدید ایسا جرم ہے کہ اس کا نام لیتے ہوئے آدمی شرمائے اور اگر کوئی اس کا خیال ظاہر کر دے تو اللہ کے پرستار اس کے پیچھے لاٹھی لیکر دوڑیں۔ (ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۴۱ء جنوری و فروری ۱۹۴۲ء)

آگے لکھتے ہیں

ان تصریحات کے بعد بھی ہمارے بزرگان دین اپنے پروپیگنڈے سے باز نہ آئے۔ کیونکہ میرے خلاف مسلمانوں کو بھڑکانے کے لئے منجملہ اور ہتھکنڈوں کے ایک یہ ہتھکنڈا بھی ضروری تھا کہ مجھ پر کسی دعوے کا الزام چسپاں کیا جائے چنانچہ ۱۹۴۳ء اور ۱۹۴۴ء میں مسلسل یہ شبہ پھیلایا جاتا رہا یہ شخص مہدویت کا دعویٰ کرنے والا ہے اس پر میں نے جون ۱۹۴۶ء کے ترجمان میں لکھا

"جو حضرات اس قسم کے شبہات کا اظہار کر کے بندگان خدا کو جماعت اسلامی کی دعوت حق سے روکنے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ میں نے ان کو ایک ایسی خطرناک سزا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جس سے وہ کسی طرح رہائی حاصل نہ کر سکیں گے اور وہ سزا یہ ہے کہ انشاء اللہ میں ہر قسم کے دعووں سے اپنا دامن بچائے ہوئے اپنے خدا کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور پھر دیکھوں گا کہ یہ حضرت خدا کے سامنے اپنے ان شبہات کی، وہ ان کو بیان کر کے لوگوں کو حق سے روکنے کی کیا صفائی پیش کرتے ہیں"

اب رہا یہ اعتراض کہ مولانا مودودی نہ صرف سلف صالحین پر تنقید کرتے ہیں بلکہ خود کو ان سے افضل سمجھتے ہیں تو اس کا جواب بھی مولانا مودودی ہی کی زبان سے سنیئے۔ فرماتے ہیں

"میں تمام بزرگان دین کا احترام کرتا ہوں مگر پرستش ان میں سے کسی کی بھی نہیں کرتا اور انبیاء کے سوا کسی کو معصوم بھی نہیں سمجھتا۔ میرا طریقہ یہ ہے کہ بزرگان سلف کے خیالات اور ان کے کاموں پر بے لاگ تحقیقی و تنقیدی نظر ڈالتا ہوں جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں اس کو حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب و سنت کے لحاظ سے یا حکمت عملی کے اعتبار سے درست نہیں پاتا اسکو صاف نادرست کہہ دیتا ہوں۔ میرے نزدیک کسی غیر نبی کی رائے یا تدبیر میں خطا پائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی عظمت و بزرگی میں کوئی کمی آجائے اس لئے میں سلف کی بعض روایتوں سے اختلاف کرنے کے باوجود ان کی بزرگی کا بھی قائل رہتا ہوں اور میرے دل میں ان کا احترام بھی بدستور باقی رہتا ہے۔ لیکن جو لوگ بزرگی اور معصومیت کو ہم معنی سمجھتے ہیں اور جن کے نزدیک اصول یہ ہے کہ جو بزرگ ہے وہ خطا نہیں کرتا اور جو خطا کرتا ہے وہ بزرگ نہیں ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کی کسی رائے یا طریقے کو نادرست قرار دینا لازمی طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ ایسا خیال ظاہر کرنے والا ان کی بزرگی کا احترام نہیں کرتا۔ اور ان کی خدمات پر قلم پھیرنا چاہتا ہے پھر وہ اس مقام پر نہیں رکتے بلکہ آگے بڑھ کر اس پر یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ان سے بڑا سمجھتا ہے حالانکہ علمی معاملات میں ایک شخص کا دوسرے کی رائے سے اختلاف کرنا اس بات کو مستلزم نہیں

سمجھ کر وہ جس سے اختلاف کر رہا ہو دین کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا بھی سمجھے اور بہتر بھی امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے بکثرت معاملات میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اختلاف یہی معنی رکھتا ہے کہ وہ مختلف فیہ معاملات میں اپنی رائے کو صحیح اور امام صاحب کی رائے کو غلط سمجھتے تھے لیکن کیا اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ یہ دونوں حضرات امام ابو حنیفہؒ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو افضل سمجھتے تھے۔ (ترجمان القرآن جون ۱۹۵۰ء دسمبر ۱۹۵۱ء و رسائل حصہ دوم ص ۵۵)

نمونہ نہم ایک معروف بزرگ نے مولانا مودودی کی ایک عبارت کے بارے میں تحریر فرمایا۔

"مودودی صاحب کی مطابق تحریر میں دو چیزیں مذکور ہیں۔ پہلی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نظام خلافت سنبھالنے کے قابل نہ تھے یعنی نعوذ باللہ نالائق تھے۔ دوسری یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جاہلیت (مودودی صاحب کی اصطلاح میں جاہلیت سے مراد کفر ہوتی ہے) کو اسلام میں گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ کیا یہ بر خلافت عثمانیہ کی توہین نہیں جس کی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ سن چکے ہیں۔"

(حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب ص ۲۵)

اب ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ مولانا مودودی کی وہ عبارت کیا تھی جس کے یہ ہولناک معانی نکالے جا رہے ہیں۔ "تجدید و احیائے دین" میں مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

"مگر ایک طرف حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمانؓ جن پر اس کار عظیم کا بار رکھا گیا تھا ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیش روؤں کو عطا ہوئی تھیں اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا حضرت عثمانؓ نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا۔"

اندازہ کیجئے کہ کیا بات کس الفاظ میں کہی گئی ہے لیکن اعتراض برائے اعتراض کے شائق بزرگ نے مولانا مودودی کے خلاف اشتعال پیدا کرنے میں اس کی بھی پرواہ نہیں کی کہ حضرت عثمانؓ جیسے صحابی کے لئے "نالائق" جیسے لفظ کا استعمال ——— خواہ نعوذ باللہ کے ساتھ ہو کس قدر بری بات ہے۔ اگر مولانا مودودی نے کوئی ایسا توہین آمیز لفظ کہا ہوتا تو معترض کو اس کی نقل کا حق تھا لیکن سادہ اور توہین کے شائبہ تک سے خالی الفاظ کی تعبیر اہانت آمیز الفاظ میں کرنا اور حقائق پر پردہ ڈال کر لفاظی کے ذریعہ لوگوں کو اشتعال دلانا نفرت انگیز حد تک افسوسناک ہے۔ آیئے دیکھئے دور عثمانی کے بارے میں بعض اور بزرگوں نے بھی اظہار خیال کیا ہے۔ مثلاً مولانا مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں

"آپ کی (حضرت عثمانؓ کی) اس فطری نرم مزاجی اور شرمیلی طبیعت نے لوگوں کی ہمتیں بلند کر دیں گو اپنی حد تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کے متعلق جو کچھ وہ کر سکتے تھے کرتے رہے لیکن عنقریب معلوم ہوگا کہ حادثہ میں فتنے کی ابتدا جن لوگوں کی راہ سے ہوئی یہ وہی تھے جن کے لئے حضرت عثمانؓ کی نرم حکومت نے فتن کے ارتکاب کے مواقع فراہم کر دئے تھے۔"

(برہان مئی و ص ۲۶۴ بحوالہ جون تا اگست ۱۹۵۱ء)

یا مثلاً حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اپنی کتاب "منصب امامت" میں خلافت منتظمہ کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں (۱) خلافت محفوظ (۲) خلافت مفتونہ۔ پھر جو کچھ فرماتے ہیں اس کا ترجمہ درج ذیل ہے

"خلافت منتظمہ کا انتظام بھی کمال تک پہنچ جاتا ہے جس کی خلیفہ راشد کا اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں میں مسلم ہونا اور خاص و عام میں اس کی عزت ہونا ہے۔ کسی کو اس کے تسلط سے رنج ملا نہیں پہنچا اور نہ کسی کو اس کی لیاقت میں کلام ہوتا ہے ہم اسے "خلافت محفوظ" کہیں گے اور کبھی اہل زمانہ خلیفہ راشد کے تسلط سے رنج اٹھاتے اور

اس پر طعن و مذمت کی زبان دراز کرتے ہیں. لیکن حفاظتِ ربانی اور تائید آسمانی کے باعث ان کی ردّ و قدح بغاوت اور خروج تک نہیں پہنچتی اور ان کا عدل قلبی خلع بیعت کی نوبت نہیں لاتا اور خلافت کا انتظام بظاہر خلیفۂ راشد کے حسب مرضی چلتا ہے. اگرچہ ان کے احکام بعض اہل زمانے کے دلوں پر شاق گذریں۔ ایسے ہم خلافت مفتونہ کہتے ہیں. پس خلافت منتظمہ بھی دو قسم پر منقسم ہوئی (۱) محفوظہ مثل خلافت شیخین (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) اور مفتونہ مثل خلافت ذو النورین (حضرت عثمانؓ)۔"

(منصب امامت ص۵۹)

منصف مزاج ناظرین فیصلہ کریں کہ الفاظ و اسلوب کے اعتبار سے یہ دونوں اقتباسات کیا مولانا مودودی کی عبارت سے کچھ ہلکے ہیں. کیا مولانا مودودی نے کوئی اہانت آمیز اور سخت لہجہ استعمال کیا ہے. رہا معانی و مطالب کا معاملہ تو تمام اہل سنت کا اور خود معترض بزرگ کا بھی متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرت عثمان پہلے دونوں خلفاء سے نیچا مقام رکھتے ہیں. یہ مقام ظاہر ہے صلاحیتوں ہی کے فرق سے ہے. اگر ان میں بھی وہ تمام خصوصیات ہوتیں جو پچھلے دونوں خلفاء میں تھیں تو ان کے مفضول اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے افضل ہونے کا کیا سوال باقی رہتا اب اگر اسی امر واقعہ کے بیان پر مریض ذہن کے حضرات مولانا مودودی پر سے دے کرنے لگیں تو اس کا کیا علاج. مولانا مودودی کی عبارت سے یہ مطلب آخر کیسے نکلتا ہے کہ حضرت عثمان سرے سے خلافت کے قابل ہی نہ تھے؟۔

"جاہلیت" کا معاملہ یہ ہے کہ مولانا مودودی اسے ہمیشہ کفر ہی کے معنی میں نہیں بولتے بلکہ اس کا اطلاق ہر اُس بُرائی پر ہوتا ہے جو اسلامی معاشرہ کو غیر اسلامی راہوں پر لے جانے والی ہو فتنہ و فساد پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے اور طغیان و معصیت پر بھی. تاریخ کی ناقابل تردید حقیقت ہے جو سب کو معلوم ہے کہ خلافت کا نظام جس عمدگی کے ساتھ دورِ فاروقی میں چل رہا تھا وہ عمدگی ان کے بعد تدریجاً کم ہوتی چلی گئی اور حضرت عثمان ہی کے زمانے میں فتنہ پردازوں کو اپنی فتنہ آرائی کے ذریعے اسلامی نظام اور معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا موقع ملا۔ مولانا مودودی کی احتیاط اور امانت داری دیکھئے کہ اس خرابی کا ذمہ دار انھوں نے حضرت عثمان کو نہیں ٹھہرایا بلکہ یہ کہکر کہ

"حضرت عثمان نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رُکا"

بات بالکل ہی صاف کر دی کہ جاہلیت کی در اندازی میں نہ صرف یہ کہ حضرت عثمان قصور وار نہ تھے بلکہ وہ تو اس کے دشمن تھے اور اسکے دفع میں اپنی جان تک دے گئے۔ اب معترض بزرگ کا مریض و متعصب ذہن اسے خلافت عثمانیہ کی توہین محسوس کرتا ہے تو انھیں چاہیئے کہ تاریخ کے دفاتر نذر آتش کر دیں اور نئے سرے سے دُنیا کو بتائیں کہ خلافت عثمانیہ میں نہ کوئی شورش ہوئی نہ کوئی فتنہ. نہ حضرت عثمان شہید ہوئے نہ اجتماعی نظامِ اسلامی کو کوئی دھکا پہنچا۔

وائے افسوس کہ عناد و تعصب کی رو میں اچھے اچھے سمجھداروں کا کیا حال ہو گیا ہے!

باب الصحت

عصبی اور جسمی کمزوری دور کرنے کی تدابیر

از جناب حکیم محمد زبیری۔ امروہہ۔

عصبی اور جسمی عام کمزوری کے خاص اسباب مسلسل فکر و تنگدستی۔ متوازن غذا کی کمی۔ دماغی مشاغل کی کثرت اور پیشاب میں مل کر یا اس سے پہلے یا بعد کو کسی مادہ اور رطوبت کا حد اعتدال سے زائد اخراج وغیرہ ہیں۔

متوازن غذا۔ مناسب ورزش۔ روزانہ غسل۔ گہری نیند۔ آرام اور دماغی سکون سے عصبی اور جسمی کمزوری جلد سے جلد دور ہو جاتی ہے۔ کمزوری رفع کرنے کے لئے دماغی سکون کی بیحد ضرورت ہوتی ہے۔ اگر دماغی سکون میسر نہیں ہوتا تو کمزوری رفع کرنے والی تمام تدابیر کا اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا کہ ہونا چاہیئے۔ کمزور ناتواں مریض اور بالخصوص عصبی بیماریوں کے شکار انسان کو تو اپنے مرض کے متعلق ہر وقت سوچ بچار بھی نہ کرنا چاہیئے بلکہ اس کے لئے زیادہ وقت تفریحی مشاغل میں گذارنا مفید ہے غذا مقوی اور زود ہضم ہونے کے ساتھ سادہ ہونی چاہیئے۔ اعصابی کمزوری نقاہت اور عام جسمی ناتوانی کے ساتھ ساتھ اگر بھوک بھی بہت کم محسوس ہوتی ہو اور معمولی غذا بھی معدہ پر بار بن جاتی ہو تب تو ایسے حالات میں ایسی غذا کا استعمال ضروری ہوتا ہے جو مقدار میں قلیل ہو لیکن قوت اور غذائیت کے لحاظ سے زیادہ مثلاً نیم برشت (ہاف بائل) انڈا۔ چوزہ مرغ۔ تیتر۔ بٹیر۔ بکری کے بچہ کا گوشت مچھلی۔ دودھ۔ پھل۔ پھلوں میں۔ انگور۔ سیب۔ موسمی۔ سنترہ آم مناسب ہیں۔ مریض کو جنسی خیالات تک سے بھی اس وقت تک بچنا ضروری ہے جب تک اعصاب قوی نہ ہو جائیں۔ اعصاب آہستہ آہستہ طاقت پکڑا کرتے ہیں اور جسم میں قوت دھیرے دھیرے آیا کرتی ہے۔ اس لئے مریض کو صبر و سکون سے تدابیر پر عمل کرنا چاہیئے بعض مریضوں کے حالات ایسے ابتر ہوتے ہیں کہ حفظان صحت کے اصولوں پر عمل کر لے اور مفید تدابیر بروئے کار لانے سے بھی کامیابی نہیں ملتی تو ایسے حالات میں مناسب دوا کا استعمال کرنا بھی اور ضروری ہو جاتا ہے۔ گھٹیا۔ لالچی اور ناواقف فن معالج مریض کی گھبراہٹ اور پریشانی سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایسے حالات میں فوری اثر دکھانے والی محرک دوائیں استعمال کرا ڈالتے ہیں جن کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بدن میں چستی چہرہ پر سرخی۔ اور جسم میں فوری توانائی محسوس ہونے لگتی ہے لیکن عموماً یہ فوری تغیرات دیر تک قائم نہیں رہتے جب ان کا رد عمل (ری ایکشن) ہوتا ہے تو مریض کی حالت بد سے بدتر ہو جاتی ہے۔ محترم ناظرین! مقوی اور محرک دواؤں میں ایسا ہی فرق ہے جیسے داہنے اور بائیں ہاتھ میں۔ محرک مرکبات پٹھوں اور عضلات میں تڑپ اور تحریک دہیجان پیدا کرتے ہیں۔ لیکن مقوی دوائیں تمام نقائص کو دور کر کے جسم میں جانداری اور قوت پیدا کرتی ہے یہ جانداری اور قوت مستحکم اور پائیدار ہوتی ہے اگرچہ دیر میں پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان عمر کی اس منزل پر پہنچ جائے کہ امنگیں جوش اور ولولے سرد پڑتے نظر آئیں۔ ہر چیز میں پھیکا پن اور ہر بات میں بے لطفی محسوس ہونے لگے۔ زیادہ کام کاج اور افکار و ہجوم سے گھبراہٹ اور بے چینی ہونے لگے جسم تھکا تھکا گرا ہوا سا معلوم ہو تب ایسے حالات میں مقوی دواؤں کا استعمال ضروری ہو جاتا ہے ایسے حالات میں غفلت کرنا اور روپیہ کو صحت پر ترجیح دینا نادانی اور حماقت ہے فوراً کسی ہوشیار معالج سے رجوع ہونا چاہیئے۔ جو لوگ معدہ و جگر سے متعلق بیماریوں کے شکار رہتے ہیں وہ عام طور پر اعصابی کمزوری کے بھی شکار رہتے ہیں ایسے اگر دماغی محنت زیادہ کرتے ہوں تو حالات اور بھی ابتر ہو جاتے ایسے مریضوں کے لئے میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ وہ جوارش سنبل الطیب اور حب لولادکیسم ضرور استعمال کریں۔ جوارش سنبل الطیب ہر قسم کی بیماریوں میں بھی مفید ہے۔ جوارش سنبل الطیب۔ حب لولادکیسم [illegible] درجہ کے جنرل ٹانک بن جاتے ہیں۔ ان دواؤں کے متعلق تفصیل سے [illegible]

نو مطالعہ کتابیں

کتابیں طلب کرنے والے چند باتوں کا لحاظ ضرور رکھیں

(۱) تحریر اتنی صاف ہو کہ آرڈر کی تفصیل اور آپ کا پتہ پڑھنے میں دشواری نہ ہو (۲) مجلد اور غیر مجلد کی بھی وضاحت کر دیجیے (۳) تقریباً بیس روپے سے زائد کتابیں منگانے کی صورت میں ریلوے پارسل میں کفایت رہتی ہے۔ اگر یہ کفایت مطلوب ہو تو اپنا اسٹیشن لکھیے۔ پارسل ریل سے اور بلٹی کی رسید ڈاکخانہ سے وی پی بھیجی جائے گی (۴) اگر آپ نئے نئے خریدار ہیں تو بیس روپے یا اس سے زائد کے آرڈر پر کچھ روپے پیشگی روانہ فرمائیے جنھیں وی پی میں کم کر دیا جائے گا (۵) ڈاکخانہ سے وی پی کی اطلاع ملتے ہی چھڑا لیجیے، دیر کرنے سے واپس ہو جاتی ہے۔

قرآن مترجم

قرآن بدو ترجمہ — (۱) شاہ رفیع الدینؒ (۲) مولانا اشرف علیؒ۔ متوسط سائز میں مجلد لیڈیج کا هدیہ ساڑھے بارہ روپے۔ بہت بڑے سائز میں مجلد کا ہدیہ پچیس روپے (اس کی لکھائی بہت جلی ہے)

قرآن بیک ترجمہ — مولانا اشرف علیؒ۔ مجلد کریٹ کا هدیہ ساڑھے دس روپے

قرآن کی تفسیریں

تفسیر ابن کثیر — احادیث کی روشنی میں آیات کا مفہوم ظاہر کرنے والی وہ تفسیر جو دنیا بھر میں مشہور و مقبول ہے۔ ترجمہ سلیس، لکھائی چھپائی پسندیدہ۔ پانچ جلدوں میں مکمل ہدیہ مجلد پچپن روپے۔ کوئی بھی جلد علیحدہ نہ مل سکے گی۔

تفسیر موضح القرآن — شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کی یہ اردو تفاسیر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے کلاں سائز۔ ہدیہ مجلد اعلیٰ بیس روپے۔ غیر مجلد سولہ روپے۔

تفسیر بیان القرآن — مولانا اشرف علیؒ کی یہ عظیم تفسیر اپنا جواب آپ ہے۔ دو قسموں میں مہیا کی جا سکتی ہے

● بہت بڑا سائز۔ بارہ حصوں میں مکمل۔ ہدیہ غیر مجلد ساٹھ روپے۔ دو جلدوں میں مجلد ستر روپے۔

● تجلی جیسا سائز تیس پاروں میں مکمل غیر مجلد ساٹھ روپے۔ پانچ جلدوں میں مجلد پینسٹھ روپے۔ دوسری قسم کا ہر پارہ الگ بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ فی پارہ دو روپے۔

تفسیر حقانی — مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کی تفسیر نایاب ہو گئی تھی۔ اب ہر ماہ ایک پارہ چھپ رہا ہے اب تک ۲۸ پارے چھپ چکے ہیں۔ فی پارہ دو روپے (صرف پارہ اول چھ روپے جو تین حصوں پر مشتمل ہے)۔

تفہیم القرآن اول و دوم — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ تفہیم بالشان تفسیر جو غیر ضروری تفصیلات سے بچاتے ہوئے آپ کو براہ راست مغز قرآن تک پہنچاتی ہے۔ دلنشیں، سستا اور ذہن میں اتر جانے والی۔ ابھی پہلی اور دوسری جلدیں فراہم کی جا سکتی ہیں۔ جلد اول مجلد ساڑھے [illegible] جلد دوم [illegible] پندرہ روپے

علوم قرآنیہ

البیان فی علوم القرآن — مشہور تفسیر حقانی کے مصنف مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کی عظیم الشان کتاب ہی ہے جس کی توصیف میں علامہ انور شاہ صاحبؒ جیسے علامہ نے یہ الفاظ لکھے کہ "اگرچہ اس کی نظیر ممکن ہے لیکن واقع نہیں" خدا کی ذات و صفات تناسخ ملائکہ جزاء و سزا، قبر، جنت، دوزخ

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

نبوّت، ناسخ ومنسوخ، استعارہ وکنایہ اور اختلاف قرأت کی بحثیں۔
صفحات ۶۳۸ کاغذ لکھائی چھپائی معیاری۔ قیمت چودّہ روپے۔
مجلد پختہ سوٗلہ روپے

قصص القرآن | قرآن کے بیان فرمودہ قصص پر لاجواب کتاب، عظیم معلومات کا خزانہ مستند اور محققانہ تفصیلات
سے مالامال۔ حصہ اوّل آٹھ روپے۔ حصہ دوم چار روپے۔ حصہ سوم
ساڑھے پانچ روپے۔ حصہ چہارم آٹھ روپے۔ مکمل سیٹ منگانے پر
قیمت پچیسٗ روپے ـــــ مجلّد مطلوب ہوں تو ایک پختہ جلد پر ڈیڑھ روپیہ

لغات القرآن | قرآنی لغات کی تشریح آسان زبان میں۔ جو لوگ قرآن کو بلا ترجمہ سمجھنے کی خواہش اور شوق رکھتے ہیں
ان کے لئے یہ کتاب بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔ مجلد چار روپے۔

عظیم لغات القرآن | چھ ضخیم جلدوں میں۔
حصہ اول حصہ دوم
حصہ سوم حصہ چہارم حصہ پنجم
حصہ ششم

علم الحدیث

مسند امام اعظم رح (اردو مع عربی) | امام الفقہ حضرت ابوحنیفہ رح کا مرتب کردہ ۵۲۳ احادیث کا مجموعہ
(مولانا عبدالرشید نعمانی کے بیش بہا، پُر مغز اور مبسوط مقدمے کیساتھ)
ہدیہ مجلد آٹھ روپے

مؤطا امام مالک رح (مترجم عربی مع اردو) | احادیث و آثار کا وہ مجموعہ جو بخاری سے پہلے مرتب
ہوا۔ ہدیہ بارہ روپے۔ مجلد کریچ تیرہ روپے (مجلد اعلیٰ چودہ روپے)

مؤطا امام محمد رح (اردو مع عربی) | مقدمہ مولانا عبدالرشید نعمانی۔ مجلد آٹھ روپے

کتاب الآثار (اردو مع عربی) | امام محمد رح کے مرتب کردہ نو سو آثار کا مجموعہ جسے امام ابوحنیفہ رح
نے چالیس ہزار احادیث نبوی سے منتخب فرمایا (مقدمہ مولانا عبدالرشید
نعمانی) ہدیہ مجلد آٹھ روپے۔

بخاری شریف (اردو مع عربی) | تین ضخیم جلدوں میں مکمل۔ مجلد پینتالیس روپے

بخاری شریف (صرف اردو ترجمہ) | تین جلدوں میں مکمل۔ مجلد ہدیہ چوبیس روپے
مجلد پختہ ستائیس روپے

مشکوٰۃ شریف (اردو مع عربی) | مکمل تین جلدوں میں، مجلد ہدیہ چوبیس روپے۔

مشکوٰۃ شریف (صرف اردو) | دو جلدوں میں مکمل۔ مجلد سوٗلہ روپے (مجلد پختہ اٹھارہ روپے

ترمذی شریف (خالص اردو) | دو جلدوں میں مکمل مجلد ہدیہ سوٗلہ روپے
(مجلد پختہ اٹھارہ روپے)

ابن ماجہ (اردو) | صحاح ستہ کی کتاب ابن ماجہ کا مکمل اور سلیس ترجمہ۔ شائقین حدیث کے لئے نادر تحفہ۔
صفحات ۶۶۰ ہدیہ مجلد بارہ روپے۔

سنن دارمی (صرف اردو) | حدیث کی مشہور کتاب۔ ہدیہ مجلد آٹھ روپے

مشارق الانوار (مترجم) | بخاری و مسلم کی صرف قولی احادیث کا نفیس انتخاب۔ ترتیب فقہی
ابواب پر ہے جس سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہوجاتا ہے کہ کونسا
مسئلہ کس حدیث سے نکلا ہے۔ ترجمہ کیساتھ تشریح بھی اور عربی متن
بھی۔ ہدیہ چودّہ روپے۔ مجلد پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ سوٗلہ روپے)۔

بلوغ المرام | مشہور امامِ فن حافظ ابن حجر رح کی یہ کتاب بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور دیگر کتب معتبرہ سے منتخب
کئے ہوئے دینی احکام کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ ترجمہ مع عربی متن
ہدیہ مجلد آٹھ روپے۔

صحیفہ ہمام بن منبّہ | بخاری و مؤطا امام مالک سے بھی قدیم وہ کتاب حدیث جو مشہور صحابی ابوہریرہ رض
نے اپنے شاگرد ابن منبّہ کے لئے مرتب کی۔ ہدیہ ساڑھے تین روپے
(مجلد ساڑھے چار روپے)

ترجمان السنّۃ | احادیث کی بہترین تفہیم و تشریح پر مشتمل اردو زبان میں اپنی قسم کی واحد کتاب۔
اشتہار میں اس کی خوبیوں کا اجمالی تعارف بھی مشکل ہے بس

لطائف علمیہ۔ محدث ابن جوزی رح کی کتاب الاذکیاء" کا ترجمہ۔ مجلد پانچ روپے / شہادت حق۔ ۵/ حق و باطل۔ ۶/

ھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جلد اوّل دس روپے (مجلّد بارہ روپے) لد دوم نو روپے (مجلّد گیارہ روپے) جلد سوم ساڑھے دس روپے (مجلّد

ستان المحدثین | شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کی ایمان افروز کتاب کا اُردو ترجمہ۔ بلند پایہ محدثین کے حالات اور خدمات و تالیفات کا پاکیزہ تذکرہ۔ مجلّد پانچ روپے

عارف الحدیث | از مولانا منظور نعمانی در دو جلد دس روپے بارہ آنے

تجرید بخاری | بخاری کی ۲۱۸۰ منتخب احادیث کا مجموعہ۔ مجلد آٹھ روپے۔

انتخاب صحاح ستّہ | بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی کا پسندیدہ انتخاب۔ ہدیہ مجلّد پانچ روپے۔

تاریخ تدوین حدیث | تدوین حدیث کب، کیونکر، کس انداز میں ہوئی؟ اس کا مدلل مفصل جواب۔ معلومات کثیرہ کا خزینہ۔ ہدیہ ڈیڑھ روپیہ۔

علم الحدیث | فلسفۂ علم الحدیث کی عمدہ تحقیق۔ سوا روپیہ

...ت اور تذکرے

صحیح السیر | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تاریخی واقعات پر مشتمل، بیحد نفیس، مفصل، مستند اور دلچسپ علمی و تحقیقی کتاب "سیرۃ النبی" کی ضخیم مجلدات کے سوا اُردو میں کوئی کتاب سیرۃ اس کے پلّے کی نہیں۔ مجلد دس روپے۔

حیاتِ طیبہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر یا جامع سیرت۔ صوری و معنوی خوبیوں سے مزیّن۔ قیمت سوا دو روپے۔

حضرت صدیق اکبرؓ | رسول اللہ صلعم کے بعد سب سے بہتر انسان حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مبسوط جامع اور ضخیم سوانح۔ از مولانا سعید احمد اکبرآبادی قیمت سات روپے۔ مجلّد آٹھ روپے (مجلّد اعلیٰ ساڑھے نو روپے)

الفاروق | امیر المومنین خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح پر علامہ شبلیؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے۔ قیمت مجلّد چھ روپے۔

ابوذر غفاریؓ | رسول اللہ صلعم کے بلند مرتبہ صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کی مفصل سوانح مولانا مناظر احسن گیلانی کے قلم سے۔ قیمت مجلد دو روپے۔

سیرت عمر ابن عبدالعزیزؒ | اُس جلیل القدر ہستی کی سوانح اور حالات جس کی خلافت کو اکثر علماء نے پانچویں خلافتِ راشدہ سے تعبیر کیا ہے۔ مجلّد تین روپے

حیاتِ امام ابوحنیفہ یعنی سیرۃ النعمان | علامہ شبلیؒ کے قلم سے فقیہ اکبر امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کے مفصّل حالاتِ زندگی، دلچسپ اور ایمان افروز۔ قیمت تین روپے (مجلّد چار روپے)

حیاتِ امام احمد بن حنبلؒ | مصر کے مایۂ ناز محقق ابوزہرہ کی معرکۃ الآراء کتاب "ابن حنبل" کا نفیس اُردو ترجمہ۔ امام احمدؒ پر یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ دس روپے

الغزالیؒ | امام غزالیؒ پر مولانا شبلی نعمانیؒ کی محققانہ تالیف جو آجکل کمیاب ہے (کاغذ رف) غیر مجلد دو روپے۔

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ | اُس عظیم مردِ مومن کے حالاتِ زندگی جس نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا جسے اُمّتِ مسلمہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کرتی ہے مجلّد چار روپے

محمد بن عبدالوہابؒ | از مولانا مسعود عالم ندویؒ۔ بارھویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی سیرت اور دعوت پر علمی و تحقیقی تصنیف۔ جس میں مشرق و مغرب کے تمام مآخذ پوری طرح کنگھال کر غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ قیمت ڈھائی روپے

حیاتِ ولی | شاہ ولی اللہؒ اور ان کے آباؤ اجداد اولاد اور اساتذہ کا تذکرہ۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

سیرتِ اشرف | حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ کی مفصل سیرت صفحات ۷۱۵ مجلد بارہ روپے۔

تجلیاتِ عثمانی | شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی علمی زندگی کے مفصّل حالات آپ کے علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، مناظرہ، تقریر، اُردو، فارسی، عربی ادب اور

علماء اور اسلام۔ ۱۲/- حقیقت کی تلاش۔ ۸/- اسلامی نظام معیشت۔ ۸/- معاش کا مسئلہ اہم کیوں ہوا۔ ۷/-

سیاسیات پر سیر حاصل تبصرہ، بڑے ۱۲ سو صفحات، جلد پر حسین رنگا رنگ گرد پوش۔ قیمت مجلد ساڑھے دس روپے۔

تذکرہ — مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب جو ان کے اپنے اور آباؤ اجداد کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ معلومات سے لبریز۔ قیمت مجلد سات روپے۔

آزادی کی کہانی خود آزاد کی زبانی — مولانا ابوالکلام آزاد کی داستانِ حیات، جسے ان کے قریبی معتمد مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے املا کیا۔ قیمت چھ روپے

صحابیات — صحابی عورتوں کے ایمان افروز حالات۔ مجلد چھ روپے

ردِ شرک و بدعت

الوسیلہ — امام ابن تیمیہؒ کی معرکۃ الآراء کتاب، جس میں واضح کیا گیا ہے کہ "وسیلہ" کا کیا مطلب ہے اور اس کی شرعی حدود کیا ہیں؟ عجیب ایمان افروز۔ قیمت مجلد نو روپے۔

تقویۃ الایمان (اردو) — شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی وہ مشہور زمانہ کتاب جس نے اہل بدعت میں ہلچل ڈال دی۔ قیمت چار روپے۔ (مجلد پانچ روپے)۔

الشہاب الثاقب (اردو) — بدعات کے رد میں ایک مفید کتاب قیمت ایک روپیہ بارہ آنے

کتاب التوحید — رد شرک و بدعت میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی نفیس کتاب۔ قیمت مجلد تین روپے

بدعت کیا ہے؟ — مولانا عامر عثمانی اور تین دیگر حضرات کے مضامین کا مجموعہ جو شرک، بدعت اور توحید و سنت کے فرق و امتیاز پر لاجواب مواد پیش کرتا ہے۔ مجلد تین روپے

ردِ عقائد بدعیہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس پر مفصل و مدلل بحث قیمت ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات — حضرت اسمٰعیل شہیدؒ پر اہل بدعت کے ہوائی الزامات کا کافی و شافی رد ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

فیصلہ کن مناظرہ — مجلد ڈیڑھ روپیہ۔

تصانیف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

الوسیلہ — قرآن میں مومنین کو جس وسیلہ کا حکم دیا گیا ہے وہ کیا ہے؟ بے شمار معلوماتِ علمی و دینی کا خزینہ۔ قیمت مجلد نو روپے

تفسیر آیتِ کریمہ — بسم اللہ کے عجیب و غریب لطائف۔ برکات و مفادات۔ دیکھنے کے قابل۔ ھدایہ تین روپے (مجلد چار روپے)۔

اصول تفسیر — شیخ الاسلام کے ایک قیمتی رسالہ کا اردو ترجمہ۔ قیمت ایک روپیہ۔

مناسک حج — حج اور مقامِ حج کے بارے میں محققانہ مواد قیمت مجلد تین روپے

تصانیف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ اللہ البالغہ کامل — گوناگوں علوم دینیہ میں شاہ صاحبؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اردو ترجمہ مع عربی۔ قیمت ہر دو حصہ مجلد مکمل بتیس روپے۔

ازالۃ الخفاء کامل — یہ وہی شہرۂ آفاق کتاب ہے جس کا پورا نام "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" ہے۔ دو جلدوں میں کامل۔ اردو ترجمہ جس میں خلفائے راشدین کے بارے میں بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت مجلد مکمل بیس روپے۔

تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفۂ تاریخ — حضرت شاہ صاحبؒ کی معروف کتاب ھمعات کا اردو ترجمہ۔ پونے تین روپے

سیرتِ رسولؐ — اساس اردو ترجمہ۔ قیمت صرف دس آنے۔

(شاہ ولی اللہؒ کی مفصل سوانح بھی "حیاتِ ولی" کے نام سے طلب فرما سکتے ہیں۔ مجلد چھ روپے)

تصانیف مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ

بہشتی زیور — روزمرہ کے تمام دینی مسائل کا معتبر خزانہ

تاریخ دیوبند۔ مجلد دو روپے / مولانا تھانوی کی مختصر سوانح۔ مجلد دو روپے / رفیق سفر۔ چار آنے / آداب النبی ۸ر

زمانے بھر میں مشہور ضخیم اور مبسوط۔ قسم اوّل مکمل و مدلل۔ مجلّد پندرہ روپے قسم دوم مجلّد آٹھ روپے بارہ آنے (دونوں قسموں میں فرق یہ ہے کہ قسم اول میں تو حاشیہ پر عربی کتب کے حوالے دیئے گئے ہیں اور قسم دوم میں حوالے نہیں ہیں۔ اصل مضمون دونوں کا ایک ہے)

اصلاح الرسوم

مسلمانوں میں رائج شدہ رنگ برنگی رسموں کی شرعی پوزیشن کیا ہے؟ اس کا تحقیقی جواب۔ مجلّد پونے دو روپے

تعلیم الدین

دین کی تعلیم سے متعلق عمدہ تنبیہات و معلومات پر مشتمل۔ مجلّد ایک روپیہ بارہ آنے۔

حیات المسلمین

مسلمانوں کی زندگی کے لئے لائحہ عمل۔ قیمت مجلّد ایک روپیہ بارہ آنے

دعوات عبدیت

مولانا اشرف علیؒ کے مواعظ و خطبات کا مجموعہ جو عرصے سے نایاب تھا۔ فی حصہ پونے دو روپے (ابتک گیارہ حصے چھپ چکے ہیں)

التکشّف

تصوف کے لطائف و اسرار پر ایک ضخیم کتاب جس سے تصوف کے مالہ و ما علیہ کا پتہ چلتا ہے۔ قیمت مجلّد دس روپے بارہ آنے۔

تقدیر کیا ہے؟

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے تقدیر کے مسئلے پر گفتگو کی گئی ہے۔ مجلّد سوا دو روپے۔

مناجاتِ مقبول

بحاشیہ مولانا عبد الماجد دریابادی اس مقبول عام مناجات کا مقام و مرتبہ کون نہیں جانتا۔ مجلّد دو روپے۔

مولانا آزاد کی چند کتابیں

تذکرہ	مجلد	سات روپے
آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی	〃	چھ روپے
صبح اُمید (خاص مضامین)	〃	چھ روپے
نقش آزاد (خطوط کا مجموعہ)	〃	چھ روپے
مسلمان عورت	〃	چار روپے
مسئلہ خلافت	〃	ساڑھے تین روپے
مقالات آزاد	〃	دو روپے
مضامین آزاد	〃	دو روپے

خطبات آزاد	مجلد	تین روپے
شہید اعظم (واقعات کربلا)	〃	ڈیڑھ روپیہ
ملفوظات آزاد	〃	ڈھائی روپے
انسانیت موت کے دروازے پر	〃	ساڑھے تین روپے
مسلمانوں کا راستہ		چھ آنے
ولادت نبوی		چھ آنے
امر بالمعروف		ڈیڑھ روپیہ
عیدین	مجلد	ڈیڑھ روپیہ
دعوتِ حق	〃	ڈیڑھ روپیہ
اسلامی جمہوریہ		سوا روپیہ
حقیقت الحج		ایک روپیہ
حقیقت الزکوٰۃ		دس آنے
حقیقت الصلوٰۃ		بارہ آنے
فسانۂ ہجر و وصال		آٹھ آنے

(ان سب کتابوں کو یکساتھ منگانے پر ۲ فی روپیہ رعایت)

تصانیف مولانا منظور نعمانی

معارف الحدیث مکمل	مجلد	دو جلد دس روپے بارہ آنے
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟	〃	چار روپے
اسلام کیا ہے؟	〃	ڈھائی روپے
دین و شریعت	〃	تین روپے
آپ حج کیسے کریں	〃	دو روپے
نماز کی حقیقت		بارہ آنے
کلمہ کی حقیقت		چھ آنے
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ		چھ آنے
برکات رمضان		بارہ آنے

علم اللغات

المنجد

لیجئے عربی کی سب سے بڑی اور مشہور ڈکشنری المنجد بھی اردو میں آگئی۔ ساٹھ ہزار عربی الفاظ کی تشریح۔ تین ہزار عربی محاورات کا حل۔ اہم اور

ترجمان القرآن۔ مولانا آزادؒ کی شہرہ آفاق تفسیر دو جلدوں میں۔ قیمت ہر دو جلد پینتیس ۳۵ روپے۔

نادر اشیاء کی سیکڑوں تصاویر۔ صفحات ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ۔ تجلّی سائز۔ کتابت، طباعت، کاغذ سب معیاری جلد پختہ۔ قیمت ستائیس ۲۷ روپے۔

مصباح اللغات مختلف کتب لغت کا نچوڑ۔ مجلّد سولہ روپے

القاموس الجدید اپنی قسم کی پہلی اُردو عربی لغت۔ اُردو سے عربی بنانے، عربی سیکھنے اور لکھنے والوں کے لئے تحفۂ نادرہ۔ چھوٹے ۶۷۴ صفحات قیمت مجلّد سات روپے

کریم اللغات عربی و فارسی کے جو محاورات اور الفاظ اُردو میں رائج ہیں ان کی تشریح۔ یہ لغت اچھی اُردو لکھنے اور سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ دو روپے (مجلّد)

تجلّی راہ کے چند خاص نمبر

قرآن نمبر مولانا آزاد، علامہ رشید رضا، علامہ جوہر طنطاوی علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے شہرہ آفاق حضرات کے مضامین پر مشتمل ۱۱۹ سورتوں کا منظوم ترجمہ بھی سیماب اکبرآبادی کے قلم سے شامل اشاعت ہے۔ رعایتی قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

اولیاءاللہ نمبر خواجہ معین الدین چشتی رحؒ کے حالات اور اقوال کے علاوہ تصوف اور مشائخ چشت کے طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رعایتی قیمت بارہ آنے۔

حکمت نمبر قرآن اور کمیونزم، قرآن اور سائنس، قرآن اور جہاد، قرآن میں جماعت کی اہمیت، قرآن میں حقوق العباد اور قرآن میں آداب مجلسی جیسے اہم مضامین۔ ایک روپیہ

پیغمبر اسلام رسول اللہؐ کے بارے میں ۶۶ غیر مسلم مشاہیر و دانشوروں کا اظہار عقیدت۔ ایک روپیہ

بشریت کا مقام بلند محمد اجمل خاں، مہر محمد خاں اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تین تحقیقی مضامین۔ قیمت سوا روپیہ۔

گلدستۂ نعت بڑے بڑے شاعروں کا منتخب نعتیہ کلام چند مقالات بھی بطور ضمیمہ شامل ہیں۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

ادبیات

شاہنامۂ اسلام جدید حصہ اوّل از:۔ مولانا عامر عثمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصالِ مبارک اور اسکے بعد پہلی خلافتِ راشدہ کا قیام، خلیفۂ اوّل کا انتخاب کیونکر عمل میں آیا، جنگی اصول، معرکہ آرائیاں۔ تاریخ کی روشن صداقتیں زبانِ شعر میں ملاحظہ فرمائیے۔ قیمت مجلّد تین روپے

دیوان غالب نفیس ایڈیشن جس میں غالب کی تحریر کا عکس ان کی تصویر اور بعض ایسے اشعار شامل ہیں جو دوسرے ایڈیشنوں میں نہیں پائے جاتے۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے۔

کلیات اقبال ڈاکٹر اقبال کے اُردو کلام کا انتخاب۔ قیمت مجلّد پانچ روپے

شعلۂ طور جگر مرادآبادی کا مجموعۂ کلام۔ مجلّد پانچ روپے۔

آتشِ گُل شہنشاہ تغزل جگر مرادآبادی کا نیا مجموعۂ کلام جس پر حکومتِ ہند نے انعام دیا۔ مجلّد مع کور قیمت پانچ روپے

فردوس ماہر القادری کی وجد انگیز نظموں کا دلپذیر مجموعہ۔ قیمت ساڑھے تین روپے

اُردو کے چاند تارے اُردو کے تقریباً تمام باکمال شاعروں کا مصوّر تذکرہ اور نمونۂ کلام۔ قیمت مجلّد ساڑھے تین روپے

نبضِ دوراں ہند و پاک کے مشہور شاعر جناب نور صابری کا مجموعۂ کلام۔ قیمت مجلّد ساڑھے تین روپے۔

کمیونزم کے خدوخال

پتھر کے دیوتا دنیا کے چھ مشہور مصنف کمیونزم کو خیرباد کہنے کے متعلق اپنی کہانی بیان کرتے ہیں۔ صفحات ۲۴۴ ڈیڑھ روپیہ

ردِ گٹا / ذرگٹا ایک بے حد دلچسپ اور حیرت انگیز آپ بیتی۔ جس سے روس کے جبری محنت کے ظالمانہ نظام کا بھیانک منظر سامنے آتا ہے۔ ڈیڑھ روپیہ۔

رسول اللہؐ کے خطبات وارشادات۔ مجلّد ڈھائی روپے / تحقیق اسم اعظم۔ چھ آنے / علامات قیامت۔ دس آنے۔

سُرخ چین سے فرار یہ بھی ایک "آپ بیتی" ہے سبق آموز، عبرتناک اور سنسنی خیز۔ ڈیڑھ روپیہ۔

آزادی کی طرف ایک بڑے روسی افسر کی خود نوشت سوانح جس نے امریکہ میں پناہ لی۔ یہ بے حد دلچسپ لیکن عبرتناک کتاب روس کے حقیقی حالات سے متعارف کراتی ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد آپ کمیونزم کے حسین نعروں اور مصنوعی دعووں سے کبھی دھوکا نہیں کھائینگے۔ مجلد تین روپے

سوئٹ روس کی حقیقت بہت ضروری قابلِ مطالعہ کتاب۔ دو حصوں میں مکمل دو

کمیونزم اور کسان کمیونزم کو ایشیائی نقطۂ نظر سے سمجھنے سمجھانے کی کامیاب کوشش جو بیشمار دستاویزی حوالوں سے مزین ہے۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے۔

سوئٹ نظام کی چھ کنجیاں سچے تاعقلی و نفسی دلائل پر مشتمل ایک سنجیدہ اور معیاری کتاب جو دلچسپ بھی ہے اور حقیقت افروز بھی صفحات ۳۲۴۔ ایک روپیہ

لینن کمیونزم کے مشہور راہنما لینن کی سوانح حیات، ایک روسی کے قلم سے جو مکمل غیر جانبداری سے ترتیب دیتے گئے ہیں۔ صفحات ۲۷۲۔ قیمت ایک روپیہ۔

آزادی کا ادب بعض منتخب مقالوں، افسانوں اور منظومات کا مجموعہ۔ جنھیں نیک تعمیری مقاصد کے تحت چھاپا گیا ہے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

ادب میں ترقی پسندی ادب میں "ترقی پسندی" کے نام سے جو تحریک جاری کی گئی تھی اس کی پوست کندہ حقیقت فی الاصل وہ کمیونزم ہی کی ایک سازش ہے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ۔

اشتراکیت روس کی تجربہ گاہ میں اشتراکیت کی عملی ناکامی پر ایک محققانہ نظر۔ قیمت مجلد تین روپے۔

نئی دنیا کی جھلکیاں ۱۔ (ہمارے دور کا انقلاب) ۲۔ (موجودہ سماج میں طبقاتی نظام) ۳۔ (اقتصادی نظام) ۴۔ (اقتصادی سامراج) ان چاروں میں سے ہر ایک کی قیمت چار آنے ہے

مختلف علوم و فنون

حصنِ حصین (مترجم) دعاؤں، مناجاتوں، وظیفوں اور جامع کلمات کا مشہور مجموعہ۔ مجلد آٹھ روپے

مقدمہ ابن خلدون یہ شہرہ آفاق کتاب اردو ترجمہ ہو کر آگئی ہے۔ مجلد ریگزین۔ پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ سترہ روپے)

فتوح الغیب (اردو) ایمان، تقویٰ، صبر، فقر، خیر و شر، جبر و قدر، سنت و بدعت اور شریعت و طریقت وغیرہ کے عنوانات پر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح کے مشہور و معروف مقالات کا مجموعہ۔ جس میں مولانا عبد الماجد دریا بادی کا مبسوط تعارفی مقالہ بھی شامل ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

حکایاتِ صحابہ رض صحابی مردوں اور عورتوں وغیرہ کے سبق آموز واقعات جن کے مطالعہ سے روح تازہ اور سینہ کشادہ ہوتا ہے قسم اول مجلد تین روپے۔ (قسم دوم سوا دو روپے)

تحریک اخوان المسلمین مصر کی مشہور اسلام پسند جماعت "اخوان المسلمین" جسکے کئی رہنماؤں کو پھانسیاں دیدی گئیں۔ کیا ہے؟ اس سوال کا معتبر اور مفصل جواب حاصل کرنے کے لئے مصر کے محمد شوقی کی یہ قابلِ اعتماد کتاب ملاحظہ فرمائیے۔ جس کا سلیس اردو ترجمہ سید رضوان علی نے کیا ہے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ کتاب جو فرنچ اور دیگر زبانوں میں بھی بے شمار چھپی۔ عجیب کتاب ہے متعلقہ نقشے اور بدر، خندق، احد اور دیگر تاریخی مقامات کے چونتیس ۳۴ فوٹو بھی منسلک ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

اُسوۂ حسنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر ایک نفیس کتاب جسے پڑھکر باطل شکنی اور حق دوستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسمیں بعض ایسی مفید باتیں ملینگی جو عام طور پر کتب سیرت میں نہیں ملتیں۔ سوا دو روپے (مجلد سوا تین روپے)

نئے عہد کے دروازہ پر۔ ۶/ مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی۔ ایک روپیہ آٹھ آنے / سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ ۱۱/

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات شاہانِ عالم، عرب حکمرانوں قبائلی سرداروں اور عاملوں کے نام دربار رسالت کی خط و کتابت اور معاہدات، ضروری تشریحات اور اصل خطوط کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ قیمت سوا دو روپے۔

تکملات قرآن کی بعض آیات اور انکی تفسیروں پر علامہ عبد اللہ العمادی کا عالمانہ تبصرہ و محاکمہ۔ دو روپے بارہ آنے

اردو کا مقدمہ اُردو کے بارے میں ادیبوں، شاعروں، سماجی کارکنوں، سیاسی لیڈروں اور اہلِ علم و فضل کی شہادتوں پر مشتمل دلچسپ ڈرامہ، جو پُر لطف ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو کے حق میں دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

حقیقت جماعت اسلامی پر کئے گئے بعض اعتراضات پر مولانا عامر عثمانی کی مفصل تنقید۔ دس آنے

سنتِ رسولؐ مترجمہ:۔ ملک غلام علی۔ مقدمہ:۔ مولانا مسعود عالم ندوی۔ "سنت" کے موضوع پر بے حد وقیع کتاب۔ مجلد سوا دو روپے۔

آئینہ حقیقت نما اس قیمتی کتاب میں مشہور مؤرخِ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اُن تمام الزامات کی مدلل صفائی پیش کی ہے جو متعصب حضرات فاتحین اسلام پر لگاتے رہے ہیں۔ طرز تحریر بیحد دلچسپ۔ استدلال محکم۔ نقد مضبوط۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب معیاری۔ مجلد بارہ روپے

جمہوریت اور مغربی تحریکیں یورپ میں جمہوریت پر کیا بنی اور انسانیت کے بلند نصب العین تک پہنچنے میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آئیں؟ اس پر اُونچے علمی انداز کا تبصرہ۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

تجلی کا خاص نمبر ۱۹۵۷ء اب بھی مل سکتا ہے۔ ایمان و عمل کے مسئلہ پر تفصیلی محققانہ بحث "نذر و نیاز" فاتحہ و عُرس اور سماع موتٰی وغیرہ کا جائزہ۔ در اصل مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ایک کتاب پر تفصیلی تنقید اس نمبر کا خاص حصہ ہے جو انکی زندگی ہی میں لکھی گئی تھی (نوٹ) تنہا یہی نمبر منگانا ہو تو منی آرڈر سے ایک روپیہ بارہ آنے بھیجدیجئے۔ وی پی طلب کرینگے تو دو روپے دو آنے

خلفائے راشدین (از مولانا عبد الشکور صاحب ایڈیٹر النجم لکھنؤ) خلفائے راشدین کی سیرت پر بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت، ڈھائی روپے۔

اشاعت اسلام دنیا میں اتنی جلد اسلام کس طرح پھیلا؟ مخالفینِ اسلام اس سلسلہ میں کیا کیا کہتے ہیں؟ اور اس کا جواب کیا ہے؟ یہ سب کچھ ٹھوس دلائل کے ساتھ اس میں ملیگا۔ کاغذ، طباعت، کتابت سب عمدہ۔ چھ روپے

تاریخ عالم حضرت آدمؑ سے لیکر رسول اللہؐ تک کے تمام انبیاء کے حالات مع تاریخ پیدائش و وفات اور مکمل تاریخ اسلام و دیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ دنیا کے مشہور ممالک اور ریاستوں کی تاریخ۔ مجلد ساڑھے چار روپے۔

تفسیر فیض الرحمٰن بسم اللہ الحمد اور معوذتین کی تفسیر شاہ ولی اللہؒ اور دیگر اکابرین کی آراء کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ہدیہ دو روپے۔ از مولانا یعقوب الرحمٰنؒ۔

تحفہ اثنا عشریہ (اردو) از حضرتِ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ترجمہ۔ مولانا سعد حسن خاں یوسفی۔ پیدائش و تاریخ مذہب شیعہ۔ اُن کی مختلف شاخیں۔ اُن کے اسلاف علماء اور کتب کا بیان۔ اُلوہیت، نبوت، امامت اور معاد کے بارے میں اُن کے عقائد، اُن کے مخفی مسائل فقہیہ، صحابۂ کرامؓ، ازواج مطہرات اور اہلِ بیت کے حق میں اُن کے اقوال، افعال اور مطاعن مکائد شیعہ کی تفصیل، اُن کے اوہام، تعصبات اور ہفوات کا بیان۔ مجلد مع حسین ڈسٹ کور بارہ روپے

ختم نبوت کامل ہر سہ حصہ مصنفہ:۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب۔ جسمیں ایکسو سے زائد آیات قرآنی اور دو سو دس ۲۱۰ احادیث رسولؐ اور اجماع اُمت اور سیکڑوں اقوال صحابہ و تابعین و ائمۂ دین سے مسئلہ ختم نبوت کے ہر پہلو کو واضح کیا گیا ہے اور شبہات کے شافی جوابات دئیے گئے ہیں۔ قیمت مع ڈسٹ کور چھ روپے۔

تلاش راہ حق ایک طالبِ حق کے جواب میں مولانا سید سلیمان ندوی مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد منظور نعمانی مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور میاں طفیل احمد کے خطوط۔ مجلد روپیہ

مکتبہ تجلی، دیوبند (یو۔پی)

Regd. No. A-972 Tajalli Monthly Deoband (U.P.)

دو علمی دینی اور تبلیغی پروگرام

مکتبہ فیض القرآن دیوبند نے اشاعت قرآن پاک اور اشاعت علم حدیث کے لئے دو اہم پروگرام جاری کئے ہیں، وقت کی پوری پابندی کے ساتھ ہر دو پروگرام کا ہر ماہ ایک ایک پارہ شائع ہو رہا ہے:
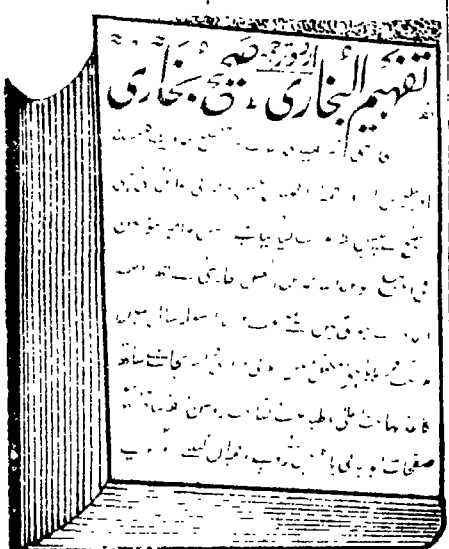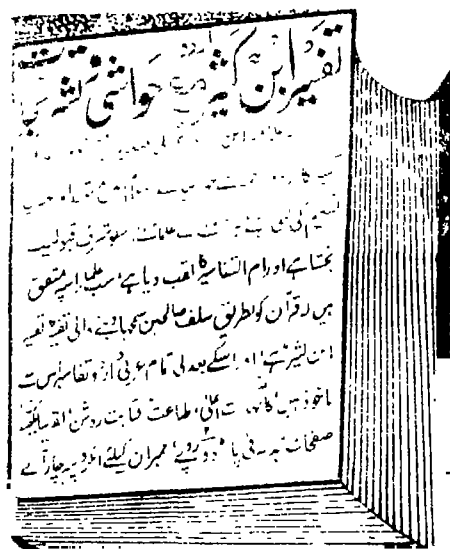
فیس ممبری

- ہر دو پروگرام میں شرکت کے لئے ایک ایک روپیہ بطور فیس ممبری ارسال فرمائیے۔
- تفسیر ابن کثیر کا ایک پارہ منگانے پر ہر پارہ مع ڈاک خرچ دو روپے کی وی۔پی ارسال ہوگی، البتہ ہر ماہ ... پانچ پارے منگانے پر مع ڈاک خرچ آٹھ روپے کی وی۔پی ارسال ہوگی۔
- تفہیم البخاری کا ایک پارہ منگانے پر ہر ماہ مع ڈاک خرچ تین روپے کی وی۔پی ارسال ہوگی، البتہ ہر ماہ ... پانچ پارے منگانے پر بارہ روپے کی وی۔پی ارسال ہوگی۔
- ہر دو پروگرام کا ایک ایک پارہ منگانے پر ہر ماہ مع ڈاک خرچ پانچ روپے پچاس نئے پیسے کی وی۔پی روانہ ہوتی ہے۔

آج ہی ممبر بنئے اور ممبر بنائیے

مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

عمدہ کتابیں

امام ابن تیمیہ رحؒ

افضل العلماء مولانا محمد یوسف کوکن عمری کی معرکۃ الآراء کتاب "امام العارفین شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے علم و فضل، عزیمت و حمیت اور مجددانہ کارناموں کا سیر حاصل تذکرہ، جس پر مارچ کے تجلی میں تبصرہ ہوا ہے قیمت مجلد دس روپے۔ مجلد اعلیٰ گیارہ روپے۔

امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی

نام ہی کہہ رہا ہے کہ کتاب لائق مطالعہ ہے۔ ذہانت و ذکاوت کے مجسمے حضرت امام اعظمؒ کی سیاسی زندگی کے حالات مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے گوہر ریز قلم سے پانچ سو سے زائد صفحات۔ مجلد بارہ روپے۔

عظیم تاریخ اسلام

از اکبر شاہ نجیب آبادی۔ تین ضخیم جلدوں میں مکمل یہ مشہور زمانہ تاریخ تعارف کی محتاج نہیں۔ پاکستان میں عمدہ کاغذ اور روشن طباعت و کتابت کے ساتھ چھپی ہے۔ قیمت فی سیٹ مکمل و مجلد چھتیس ۳۶ روپے۔

خلاصۃ التفاسیر جلد اوّل

مولانا شاہ فتح محمد صاحب کی تفسیر بہت مشہور و معروف ہے۔ اپنی قسم کی عجیب تفسیر ہے۔ جلد اول سورۂ انعام تک ہے ہدیہ بارہ ۱۲ روپے۔ مجلد چودہ ۱۴ روپے۔

نئے کردار

نو افسانوں کا مجموعہ۔ جو دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ قیمت ایک روپیہ۔

مسلم شریف مع ترجمہ و شرح

مژدہ ہو کہ احادیث صحیحہ کی مشہور کتاب مسلم شریف کا اردو ترجمہ اور ساتھ ہی امام نووی کی شہرہ آفاق شرح کا بھی ترجمہ آگیا ہے۔ عربی متن بھی ساتھ ہے۔ چھ ۶ جلدوں میں مکمل مجلد کا ہدیہ اڑتالیس ۴۸ روپے۔

کوئی جلد الگ نہ مل سکے گی۔

(آرڈر کے ساتھ اپنا ریلوے اسٹیشن ضرور لکھیں)

تذکرۃ الرشید

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا مشہور تذکرہ۔ جس میں آپ کے صرف حالات ہی نہیں بلکہ علمی و فقہی مطالب پر مشتمل خطوط بھی ہیں۔ خطوط کیا ہیں علم و تفقہ کے موتیوں کا گنجینہ ہیں۔ ہر دو حصہ مکمل مجلد۔ قیمت دس روپے (غیر مجلد ساڑھے آٹھ روپے)۔

نقش حیات

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خود نوشت سوانح حیات مکمل در دو ۲ جلد۔ غیر مجلد ساڑھے آٹھ روپے (مجلد اعلیٰ ساڑھے بارہ روپے)

مکتوبات شیخ الاسلامؒ

مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مکتوبات جو علوم و معارف کے امین ہیں۔ مکمل در سہ ۳ جلد غیر مجلد ساڑھے سولہ روپے۔ مجلد اعلیٰ ساڑھے بائیس روپے

غنیۃ الطالبین عربی اردو مع فتوح الغیب

یہ شاہ عبد القادر جیلانیؒ کی مشہور زمانہ کتاب اب اردو داں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ایک کالم میں عربی متن دوسرے کالم میں ترجمہ۔ دو ۲ ضخیم جلدوں میں مکمل۔ قیمت تیس ۳۰ روپے۔

اساسِ دین کی تعمیر

مولانا صدر الدین اصلاحی کی مشہور کتاب جو دین کے بنیادی امور پر ایمان افروز تفصیلات پیش کرتی ہیں۔ مجلد ساڑھے تین روپے

کتاب الوسیلہ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ایک زبردست عربی تصنیف اردو لباس میں قربت الٰہی کے لئے جس وسیلہ کی تلاش کا حکم قرآن نے دیا ہے وہ کیا ہے؟ اس کا شافی و کافی جواب بہترین دلائل کے ساتھ اس گرانمایہ کتاب میں دیا گیا ہے۔ شرک و بدعت کی بیخ کنی اور سنت کی تائید۔ قیمت مجلد نو ۹ روپے

تذکرہ مجدد الف ثانی

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعلق بہترین محققانہ اور

سیر حاصل مقالات کا بیش بہا مجموعہ۔ اس کتاب کا نہ پڑھنا اپنی زرّین تاریخ کے ایک اہم باب سے ناواقف رہنا ہے جو بہت بڑی محرومی ہے۔ قیمت مجلّد چار روپے۔

کتاب زندگی امام بخاری کی الادب المفرد کا اُردو ترجمہ، بہترین اخلاقی تعلیمات پر مشتمل احادیث کا مفید ترین مجموعہ۔ جس کے جامع امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ قیمت مجلّد آٹھ روپے۔

سنن دارمی شریف حدیث کی مشہور کتاب کا اُردو ترجمہ جو ۳۴۵۶ حدیثوں پر مشتمل ہے۔ ہدیہ مجلّد آٹھ روپے۔

مسند امام اعظم (مع ترجمہ و فوائد) امام ابو حنیفہؒ کا مرتب فرمودہ احادیث کا مجموعہ جس میں مولانا عبد الرشید نعمانی کا بہترین معلومات افزا مقدمہ بھی ہے۔ قیمت مجلّد آٹھ روپے۔

صحابیاتؓ اُن برگزیدہ خواتین کے حالات جنھوں نے اللہ کے آخری رسول کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ نیاز فتحپوری کے قلم سے۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

سفینۃ الاولیاء دارا شکوہ کی تالیف جس میں رسول اللہؐ، صحابہؓ، ائمہؒ، اولیاءؒ، ازواج النبیؐ اور اسلام کی مشہور نیک خواتین کے حالات ہیں۔ پونے سات روپے

التکشف مولانا اشرف علیؒ کی اس کتاب کا پورا نام التکشف عن مہمات التصوف ہے۔ تصوف اور اس کی جزئیات پر بڑی مبسوط کتاب ہے مشکل مسائل اور دقیق نکات کی توضیح و تسہیل۔ علوم و معارف کا گنجینہ تازہ بہتر اڈیشن۔ قیمت مجلّد دس روپے بارہ آنے۔

آئینۂ حقیقت نما مؤرخ اسلام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کی معرکۃ الآراء تالیف ہندو اور مغربی مؤرخین مسلم فاتحین پر جو متعصبانہ الزامات لگاتے رہے ہیں ان کے محققانہ مدلل اور دنداں شکن جوابات۔ عجیب کتاب ہے۔ مجلّد بارہ روپے

فاروق اعظمؓ کے سرکاری خطوط کیا اس نام کے بعد بھی یہ کہنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ بیش بہا کتاب آپ کے مطالعہ کی بہترین چیز ہے بڑی تقطیع کے ۴۷۲ صفحات نفیس طباعت۔ خطوط کی تعداد ۴۲۵ مجلّد بارہ روپے۔ مجلّد اعلیٰ چودہ روپے۔

مسلمان عورت مصر کے مشہور مصنف فرید وجدی کی عربی تصنیف المرءۃ المسلمۃ کا اُردو ترجمہ۔ مولانا ابو الکلام آزاد کے قلم سے۔ مقدمہ بھی مولانا آزاد ہی کا ہے۔ قیمت مجلّد چار روپے۔

خطبات مدراس سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر مولانا سید سلیمان ندویؒ کے خطبات کا یہ مجموعہ جس قدر مقبول ہے محتاج بیان نہیں۔ تین روپے۔ مجلّد چار روپے۔

عثمانؓ۔ صرف تاریخ کی روشنی میں مصر کے مشہور نقاد اور نامور محقق ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی مشہور کتاب کا اُردو ترجمہ مولانا عبد الحمید نعمانی کے قلم سے۔

قیمت چھ روپے

علیؓ۔ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں یہ بھی طٰہٰ حسین ہی کی تالیف ہے اور مترجم بھی مولانا عبد الحمید ہی ہیں۔ قیمت مجلّد ساڑھے سات روپے۔

اسلامی فقہ زمانۂ حاضر کی سلیس و شگفتہ زبان میں لکھی گئی مفید ترین کتاب۔ حصۂ اوّل طہارت، نماز، روزہ اور صدقۂ فطر وغیرہ کے جملہ ضروری مسائل پر مشتمل ہے۔ قیمت دو روپے سات آنے۔ حصۂ دوم جو زکوٰۃ و حج کے مسائل کو حاوی ہے۔ ایک روپیہ پانچ آنے۔ حصۂ سوم جس میں معاملات کو لیا گیا ہے۔ چار روپے۔ حصۂ چہارم جو معاشرت کے اصول و فروع پر مشتمل ہے۔ ساڑھے تین روپے۔ چاروں حصوں کا مکمل سیٹ ایک ساتھ طلب کرنے پر ساڑھے دس روپے۔

حیات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ملا واحدی کے قلم سے نبی کریمؐ کی سیرت پاک طرز نگارش دل نشین، زبان سلیس، لکھائی چھپائی عمدہ۔ مکمل در دو جلد مجلّد مع کور۔ پونے آٹھ روپے۔

مکتبہ تجلّی دیوبند (یو۔پی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ تجلی دیوبند

شمارہ نمبر ۹ — جلد نمبر ۱۱

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت چھ روپے - فی پرچہ ۵۰ نئے پیسے

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۵ شلنگ انٹرنیشنل پوسٹل آرڈر

فہرست مضامین مطابق ماہ نومبر ۱۹۶۰ء

اشتہاری

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں، خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا (وی پی چھ روپے باسٹھ نئے پیسے کا ہوگا منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے)

پاکستانی حضرات:۔ ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر ہمیں بھیجدیں رسالہ جاری ہو جائے گا۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

دفتر تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

مدیر عامر عثمانی فاضل دیوبند

پاکستان کا پتہ:۔ مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ مینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "کوہ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

آغازِ سخن

دو تصحیحیں

انسان سہو و نسیان کا پتلا ہے۔ پھر ہم جیسے فرومایہ انسان تو جتنی بھی غلطیاں کر جائیں تھوڑی ہیں۔ فی الحال دو فروگذاشتوں کی طرف بعض احباب نے توجہ دلائی ہے ضروری ہے کہ ان کی تلافی کر دی جائے۔

اوّل یہ کہ رسالے کے نمبر جلد و نمبر شمار میں دو بار کتابت کی غلطی ہو چکی ہے جس سے اس کی عمر ایک سال ایک مہینہ بڑھ گئی۔ اسے حذف کر کے اس بار صحیح نمبر دیئے گئے ہیں۔

دوسرے یہ کہ جون ۶۰ء کے تجلی میں صفحہ ۲۰ پر "مولانا عبدالشکور" کے ساتھ "جناب اور صاحب" چھوٹ گیا ہے۔ یہ سہو کاتب کا نہیں ہمارا ہی ہوگا۔ اس سے موصوف کے ادب میں جو کمی واقع ہوئی اس پر ہم شرمندہ ہیں۔ حاشا کہ یہ ترک تحقیر کی نیت سے نہیں تھا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے ہماری عقیدت و محبت محتاج بیان نہیں۔ مگر ہماری تحریروں میں جگہ جگہ صرف "مولانا مودودی" مل جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ روانیِ تحریر میں ہم قرار واقعی تعظیم سے چوک جاتے ہیں۔ ورنہ ارادہ تحقیر کا ہرگز نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔ جن حضرات کو ہماری اس چوک سے کبھی تکلیف پہنچی ہے ان سے بھی ہم دست بستہ معافی چاہتے ہیں۔

اگلا پروگرام

قارئین کرام کے مشوروں کی روشنی میں اگلا پروگرام ہم نے یہ بنایا ہے کہ آنے والا شمارہ "ڈاک نمبر" ہو پھر اگلا "کھرے کھوٹے نمبر"۔ یعنی جمع شدہ کتب پر تبصرے۔ اس کے بعد پرچہ اپنے دائمی انداز پر چلے۔ تفہیم الحدیث کا بھی سلسلہ جاری ہو۔

یہ طے ہے کہ کوئی بھی نمبر ہو "ملا کی" ضرور جلوہ طراز ہوں گے خدا نیک توفیق دے مشتر قارئین کو "مسجد سے میخانے تک" کی چاٹ پڑ گئی ہے۔ ان کا مطالبہ ہے کہ یہ عنوان کسی حال میں نہ غائب ہو۔ چلئے یہی مطالبہ ہے تو ہمیں بھی عذر نہیں۔

تذکار مطلوب ؒ

گذشتہ ماہ والدِ محترم مولانا مطلوب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے میں جتنا کچھ ہم نے لکھا خدا کا شکر ہے کہ ان کے مریدین متوسلین ہی نے نہیں غیر متعلق حضرات نے بھی پسند فرمایا ہے۔ اور ہمیں اس شکایت کا سامنا نہیں کرنا پڑا کہ بیٹے نے باپ کے ذکر و بیان میں خواہ مخواہ متعدد صفحات برباد کر دیئے۔

لیجئے پھر آگے کی روداد بھی سن لیجئے:-

ان کا انتقال اتوار کے دن ۱۷ جولائی ۶۰ء کو ہوا ہے دو دن پیشتر یعنی ان کی حیات کے آخری جمعہ کو جو اثر انگیز نظارہ دیکھنے میں آیا اس کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

شب ان پر کافی سخت گذری تھی۔ بہت سے مریدین تقریباً بارہ بجے شب رخصت ہوئے تھے۔ وہ بھی خود موصوف ہی کے حکم پر، ورنہ کتنوں ہی کی خواہش تھی کہ رات یہیں گذاریں صبح ہم اہلِ خانہ موصوف کے گرد جمع تھے۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد غافل ہو جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ غفلت ٹوٹی تو والدہ نے مزاج پرسی کی۔ انھوں نے کچھ جواب دیا مگر سمجھ میں نہ آیا۔ منہ کے چھالوں کی وجہ سے وہ بمشکل ہی آواز نکال پاتے تھے۔ والدہ نے پھر پوچھا تو اب کی ان کا جواب کچھ سمجھ میں آگیا۔

"اللہ کا شکر ہے"۔

اس کے بعد انھوں نے والدہ سے کچھ باتیں کیں۔ ہم بھائی بہنوں نے کوشش کی کہ قریب ہو کر ہم بھی کچھ سن لیں لیکن انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ کچھ دیر بعد والدہ ہی سے معلوم ہوا کہ جو کچھ وہ کٹے کٹے الفاظ میں کافی تعب کے ساتھ

فرماسکے تھے اس کا لبِ لباب یہ تھا:۔

"میں ایک نہایت عالی شان باغ میں گیا تھا۔ راہ میں کافی دشواریاں پیش آئیں۔ لیکن کسی نہ کسی طرح پہنچ ہی گیا۔"

یہ خواب تھا یا خیال؟ —— اس میں عالمِ باطن کی کوئی حقیقت پنہاں تھی یا ذہن و شعور ہی کرشمہ کاری کر رہے تھے؟ ان سوالوں کا جواب کون دے۔ میں ان کی اولاد کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اُس مشاہد کی حیثیت سے جس نے طویل مدّت تک انکے اسوۂ و کردار کو بہت قریب سے دیکھا ہے یہ قیاس کرتا ہوں کہ اس سرگذشت کے پیچھے ضرور کوئی نہ کوئی حقیقت پوشیدہ رہی ہوگی۔ چاہے اس کی حیثیت ایمائی و تمثیلی ہی ہو، لیکن اس قیاس پر اصرار کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں، اس لئے ظن و تخمین ہی کے درجہ میں سمجھنا چاہئے۔

تھوڑی دیر بعد انھوں نے والدہ سے کہا:۔

"ان سب سے کہو میرے پاس سے ہٹیں۔" ان کا اشارہ ہم اہل و عیال کی طرف تھا۔

"کیوں؟ آپ اکیلے جو رہ جائیں گے۔" یہ والدہ کا ارشاد تھا مرحوم نے جواب دیا مگر والدہ نہ سمجھ سکیں۔ ان کے منھ سے کان قریب کر کے والدہ نے پھر جواب لینا چاہا جس پر انھوں نے پھر منھ ہی منھ میں کچھ کہا۔ والدہ نے بعد میں بتایا کہ وہ اس طرح کے الفاظ کہہ رہے تھے:۔

"میں اب جانے کہاں ہوں ۔ ۔ ۔ میں اب اس دنیا میں نہیں ہوں۔"

والدہ کے سوا ہم سب وہاں سے ہٹ گئے۔ لیکن اس تنہائی کو جلد ہی آگے پیچھے آنے والے مریدوں نے ختم کر دیا۔ مرحوم پلنگ پر تھے۔ باقی لوگ متصلاً فرش پر بیٹھے تھے۔ اس وقت مرحوم غافل نہیں تھے۔ یکایک مجلس میں کچھ ایسی کیفیت پیدا ہوگئی جیسے کوئی شخص سفر میں جانے سے قبل عزیز و اقارب سے الوداعی ملاقات کر رہا ہو۔ مرحوم باری باری ہر فض کو قریب بلاتے۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے۔ کسی کا سر اپنے سینے پر رکھ لیتے۔ کسی کی گردن میں اپنا کانپتا ہوا لاغر ہاتھ اس طرح حمائل کرتے جیسے فرطِ محبت میں گلے لگانا چاہتے ہوں۔ ساتھ ساتھ چند کلمات کہتے۔ یہ منظر اس درجہ سوز و گداز کا حامل تھا کہ بعضوں کی تو چیخیں نکل گئیں۔ آنسوؤں سے تو کوئی بھی آنکھ خالی نہیں تھی۔ اس موقع پر میں نے بعض ایسے شیر دلوں کو بھی بچوں کی طرح روتے دیکھا ہے جن کی متانت اور استقامت ان کے حلقۂ تعارف میں مثالی چیز سمجھی جاتی ہے۔

توقع کی جا رہی تھی کہ رخصت و وداع کے اس ہنگام میں وہ اپنے لواحقین، اپنے گھر بار کے متعلق کچھ وصیتیں فرمائینگے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ انھوں نے جو کچھ کہا اس کی نوعیت دلداری و شکرگذاری کی تھی۔ مثلاً زید کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ حاضرین سے فرماتے:۔

"یہ بہت خوبیوں کا آدمی ہے۔"

اسی طرح بکر کے بارے میں ارشاد ہوتا:۔

"یہ میرا بھائی ہے۔ اس نے مجھ پر بہت احسانات کئے ہیں۔"

اسی طرح عمرو کے متعلق گویا ہوتے:۔

"یہ عجیب آدمی ہے۔ ایسے شریف لوگ اس زمانے میں کم ہوتے ہیں۔"

غرض چھوٹے چھوٹے فقروں میں وہ صرف یہ واضح فرماتے چلے جا رہے تھے کہ میں کسی بھی مرید یا دوست یا عزیز کے اُس حسنِ سلوک کو بھولا نہیں ہوں جو اس نے میرے ساتھ برتا ہے واقعہ یہ ہے کہ مرض الموت میں سب سے زیادہ جو جذبہ ان پر طاری نظر آیا وہ تشکر کا تھا۔ بات بات میں وہ کسی نہ کسی کے حسنِ سلوک کا ذکر کرتے اور اُن خدمات کو جو مرید حضرات اپنی عقیدت و محبت کے تحت از خود شیخ کی کیا کرتے ہیں احسان و سلوک کے نام سے یاد فرماتے۔ کسی شخص کی کوئی بُرائی، کوئی کوتاہی انھیں یاد نہیں رہ گئی تھی، لیکن چھوٹی سے چھوٹی اور پرانی سے پرانی خدمت اور خیر خواہی اور بھلائی کو ذرا بھی نہیں بھولے تھے۔ ان کے ایک مرید ہیں جناب محسن صاحب۔ وہ غیر منقسم ہندوستان میں حیدر آباد کی فوج میں کرنل تھے۔ کراچی آئے تو کسی فیکٹری میں عہدے دار ہو گئے۔ اباجی رحمۃ اللہ علیہ

کئی سال ہوتے جس دن کراچی پہنچے تھے اسی دن سے محسن جیسا رات ان کے پاس گذارنے لگے تھے اور یہ معمول اس آخری رات تک جاری رہا تھا جس کی صبح کے بعد شیخ کی زندگی پر کبھی سورج طلوع نہیں ہوا۔ وہ دن بھر نوکری کرتے اور رات کا بڑا حصہ خدمتِ شیخ میں گذارتے۔ دیر تک پیر دبانا، تہجد کے لئے پانی تیار رکھنا اور پھر نمازِ فجر شیخ کے ساتھ ادا کرنا ان کی زندگی کا ایسا شغل تھا جیسے بھوک اور پیاس کی طرح یہ بھی فطرت ہی میں داخل ہو۔ بڑا کمال انہیں یہ ہے کہ جس پل چاہے سو جاتے ہیں اور جس گھڑی چاہے اُٹھ جاتے ہیں۔ ابھی بارہ بجے کے بعد سوئے ہیں۔ ایک گھنٹہ بھی نہیں گذرا ہے کہ شیخ کی آواز آتی ہے — "محسن!"

وہ اس طرح کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے سو نہیں رہے تھے گوش بر آواز لیٹے تھے۔ نہ کسل نہ تاخیر۔ چاق چوبند اور مستعد دیکھنے والوں کو حیرت تھی کہ یہ شخص کس مٹی سے بنا ہے واقعہ یہ ہے کہ جس انداز کی جانی خدمت انھوں نے اپنے شیخ کی سالہا سال تک کی ہے وہ نہ صرف کمیت کے لحاظ سے حیرت خیز ہے، بلکہ کیفیت کے اعتبار سے بھی ایسی عجیب ہے کہ کم لوگ اس کے اہل ہو سکتے ہیں۔ میں اس کی تفصیل میں جاؤں تو بات لمبی ہو جائیگی۔ بتانا مقصود یہ ہے کہ ان کی خدمات کا احساس اباجی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت ہی زیادہ تھا۔ آخری بارہ دنوں میں ہم اہلِ خانہ نے نہ جانے کتنی بار ان کی زبان سے اس احساس کو الفاظ کے آہنگ میں سنا ہے۔ کئی بار انھوں نے فرمایا کہ "محسن در اصل میرا محسن ہے"۔ ایک دو بار متعدد مریدین کی موجودگی میں یہ بھی فرماتے تھے کہ اسے معمولی بات مت سمجھو۔ بڑے بڑے اہل اللہ آرزو کرتے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں کوئی خادم خاص عطا فرمائے اور کم ہی ہیں جن کی یہ آرزو پوری ہوئی ہے۔ شیوخ کے خدام بہت ہوتے ہیں لیکن ایسا خادم مشکل ہی سے ملتا ہے جیسا یہ میرا محسن ہے"۔

ایک سے زائد مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ اگر اللہ نے میرے لئے جنت کا فیصلہ فرمایا تو اکیلا نہیں جاؤں گا۔ برزخ میں کھڑے ہو کر کہوں گا کہ اے اللہ محسن بھی میرے ساتھ جائے گا۔

میری والدہ کی انتھک خدمت کا تشکر بھی بار بار ان کی زبان پر آتا تھا، جیسے بارِ احسان سے دبے جا رہے ہوں۔ ایکبار فرمایا۔

"بیٹے دیکھ رہے ہو اپنی ماں کو۔ ایسی مثال تم نے کہیں دیکھی ہے؟"

ایک بار بعض مریدین کی موجودگی میں فرمایا۔

"اللہ نے مجھے عجیب بیوی عطا کی ہے۔ گردن کٹا دے گی مگر شریعت سے بال برابر ہٹنا گوارہ نہیں کرے گی"

ایک بار فرمایا۔

"جسے بے حساب جنتی دیکھنا ہو وہ زبیر کی ماں کو دیکھے"

وہ میری والدہ کو عموماً "زبیر کی ماں" ہی کہا کرتے تھے۔ حالانکہ زبیر بھائی ہی ہم تمام بہن بھائیوں میں تنہا ایسے ہیں جو میری ماں کے بطن سے نہیں ہیں۔ لیکن والد کے اِس طرزِ خطاب نے اس قدرتی فرق کا احساس مٹانے میں ہمیشہ تریاق کا کام کیا واقعتہً ہم لوگوں کے قلوب سے یہ فرق تقریباً محو ہی ہو رہا ہے۔

والدہ کی تحسین و تعریف کے لئے اگرچہ ان کے وہ اوصاف ہی بہت کافی ہیں جو احسن الخالقین نے ان کی سرشت میں ودیعت کئے ہیں۔ انتھک جذبۂ خدمت۔ حیرت ناک صبر و تحمل۔ بے جھجک ایثار۔ رحم و رافت۔ عجز و ادب اور دوسروں کو خود پر فوقیت دینے کی عادت۔ لیکن سب سے بڑھ کر ان کی جس خصوصیت نے مغفور کو ان کا مدح خواں بنایا تھا وہ ہے دین و شریعت سے ان کا والہانہ عشق۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہماری ماؤں میں عبادت اور شریعت سے ایسی گہری لگن رکھنے والی مائیں فی زمانہ شاذ کے درجہ میں ہیں۔ وہ کچھ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ زیادہ بس یوں کہہ لیجئے حرف شناس ہیں۔ مسائلِ شریعت میں ان کا دائرۂ علم فقط "بہشتی زیور" تک ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کے قلب کا رشتہ اللہ سے مضبوط ہو تو حسنِ عمل کے لئے ایسے علمی دفاتر کی احتیاج نہیں ہوتی۔ وہ نکتہ سنجیوں کے بغیر عمل سے شغف رکھتا ہے اور عمل ہی وہ مقصدِ اصلی ہے جس کو فراموش کر دیا جائے تو علم کے فلک بوس انبار بھی آدمی کی بگڑی نہیں بنا سکتے۔ کئی بار ایسا ہوا ہے کہ گھر میں کوئی فقہی مسئلہ زیرِ گفتگو ہے۔ سب کا خیال ہے کہ عامر میاں جو کچھ کہیں گے وہ شریعت کے عین مطابق ہو

لیکن دفعتاً والدہ صاحبہ فرماتی ہیں :-

"عامر تم غلط کہہ رہے ہو بہشتی زیور میں مولانا اشرف علی نے یوں لکھا ہے۔"

عامر میاں کہتے ہیں :-

"اماں آپ کو یاد نہیں رہا ہوگا مسئلہ تو یونہی ہے جیسے میں کہہ رہا ہوں۔"

"یاد کیوں نہ رہا ہوگا بہشتی زیور اُٹھا کے دیکھ لو۔"

پھر بہشتی زیور کھول کے دیکھا گیا ہے تو بعض مرتبہ تو یہ صورت نکلی ہے کہ عبارت ذو معنی ہے وہ مطلب بھی نکل سکتا ہے جو والدہ نے سمجھا ہے، لیکن فی الحقیقت اس کا وہ مطلب نہیں ہے۔ بعض مرتبہ یہ عبارت اُن تسامحات پر مشتمل نکلی جن کی تصحیح مولانا ؒ نے بعض ضمیموں میں کرا دی ہے۔ بعض مرتبہ فی الواقع عامر میاں ہی غلطی پر نکلے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ والدہ کا دیا ہوا حوالہ بہشتی زیور میں نہ نکلا ہو ــــ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اس کتاب کو مدت پہلے پڑھا تھا اور اب سالوں سے ــــ سیڑھی پر سے گر جانے اور سر میں ضرب شدید آجانے کے نتیجے میں وہ تلاوتِ قرآن تک مشکل سے کر پاتی تھیں

حاصل یہ کہ والدۂ محترمہ کی دین داری ہی ان کا وہ سب سے بڑا وصف تھا جس نے اباجی رحمۃ اللہ علیہ کو ہمیشہ ان کا بہت زیادہ گرویدہ رکھا اور اپنے آخری دنوں میں اسی وصف کو دوسرے تمام اوصافِ حسنہ پر غالب رکھتے ہوئے وہ ان کی توصیف فرمایا کرتے تھے۔ من لم یشکر العبد لم یشکر اللہ۔ اگر کوئی پائندہ صداقت ہے تو پھر ماننا چاہئے کہ آخری ایام میں مغفور کا بڑھا ہوا جذبۂ سپاس گذاری سعادت و برکت کی کھلی علامت تھی۔

مریدین سے رخصت کے بعد ہم بھائیوں کا نمبر آیا۔ اب تو یقین تھا کہ کچھ نہ کچھ وصیت ضرور فرمائیں گے جس کا تعلق گھر بار سے ہوگا، لیکن یہ یقین یادرہوا ثابت ہوا۔ ان کا عالم کچھ ایسا تھا جیسے اہل و عیال اور گھر بار کا کوئی مسئلہ ان کے سامنے نہ ہو۔ جیسے دنیا میں تنہا رہے ہوں اور پس ماندگان کے معاملاتِ دنیا کا کوئی فکر انھیں چھو کے نہ گیا ہو۔ ہاں معاملاتِ آخرت کا فکر ضرور موجود تھا۔ چنانچہ مجھ سے جو کچھ فرمایا وہ یہ تھا :-

"بیٹے اصل چیز تذکیۂ نفس ہے۔ یہ نہ ہو تو خالی قلم سے کچھ نہیں ہوتا۔" پھر وہ اس طرح خاموش ہو گئے جیسے مزید کچھ کہنے کے لئے ذہنی قوت مجتمع کر رہے ہوں۔ میرا سر ان کے سینے پر تھا اور اُن کا ہاتھ میرے سر پر ــــ اس مقدس ہاتھ کا لمس شاید زندگی بھر نہیں بھولے گا۔ جو کچھ انھیں اور کہنا تھا شاید اس کے لئے یہ وقت موزوں نہیں سمجھا یا پھر شدتِ ضعف کے باعث اس کو سپردِ زبان کرنے کی سکت نہ پا سکے بس یہ فرما کر بات ختم کر دی :-

"موقع ملا تو میں تم سے ایک اور بات کہوں گا، مگر بیٹا عقل مت لڑانا۔ مان لینا۔"

لیکن ہیہات یہ موقع کبھی نہ آسکا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے وہ کیا کہنے والے تھے۔ الوداعی ملاقات کی یہ مجلس یوں تو شام تک اُجڑنے والی نہیں تھی، لیکن خود انھوں ہی نے خواہش ظاہر فرمائی کہ اب لوگ جائیں اور مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ (باقی)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی خدمت میں

یہ کہنا غیر ضروری ہوگا کہ راقم الحروف مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے دشمنوں میں نہیں ہے، بلکہ اُن عقیدتمندوں اور مداحوں میں سے ہے جو طویل عرصے تک سرگرمی اور لگن کے ساتھ ان پر کئے جانے والے ناروا حملوں کا دفاع کرتے رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ موصوف اُن اعاظم رجال میں سے ہیں جو روز روز پیدا نہیں ہوتے، ان کے علم و فہم کی امتیازی شان اور دین و اخلاق کے حق میں اُن کی غیر فانی دردمندی کسی تبصرے کی محتاج نہیں۔ عاجز کو ان کے اوصافِ عالیہ سے عقیدت پہلے بھی تھی آج بھی ہے اور غالباً زندگی بھر رہے گی۔

لیکن یہ عقیدت اندھی نہیں نہ اس میں ذہنی پرستش کا شائبہ ہے اسی لئے اچانک یہ افتاد پیش آگئی ہے کہ ایک خاص مسئلہ پر ان کے ارشادات سمجھ میں نہیں آرہے ہیں اور قلب و ضمیر مجبور کر رہے ہیں کہ ذہنی الجھنوں کو ان کے آگے رکھ کے حل دریافت کیا جائے۔

اپنے ماہنامے "ترجمان القرآن" کی جولائی ۱۹۶۰ء والی اشاعت میں انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں تیرہ[۱۳] صفحات کا اداریہ سپردِ قلم فرمایا ہے جو اپنے اسٹائل اور لفظی دروبست کے لحاظ سے بڑا دل آویز اور شایانِ شان ہے، لیکن مطالب اور معنوی حقائق کے اعتبار سے عاجز کے نزدیک اُس منطقی استدلال اور عدل پرور زاویۂ نظر کا امین نہیں جس کے آگے معقولیت پسند ذہن جھک جائیں۔ یہ اگر عاجز کے علم و فہم کی خامی ہے تو امید ہے کہ ممدوح ذیل کی معروضات پر مشفقانہ توجہ کرتے ہوئے رہنمائی اور تشفی کی زحمت فرمائیں گے۔

مقصد مناظرہ و بحث نہیں صرف سمجھنا ہے۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ صیغۂ غائب کی بجائے صیغۂ خطاب استعمال کیا جائے تاکہ وہ فدوی کی معروضات پر خصوصی توجہ فرما سکیں

مولانائے محترم۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نصرتِ حق اور اشاعتِ دین کے لئے بہت دنوں زندہ رکھے۔ مجھے دلی رنج ہے کہ آپ کے قیمتی وقت کا کچھ حصہ اپنی شاگردانہ معروضات پر صرف کرانے کی جسارت کر رہا ہوں۔ آپ کے مشاغلِ حیات خصوصاً تفہیم القرآن کی تکمیل ایسے اہم تر امور ہیں کہ ان میں خلل انداز ہونا جرم و گناہ سے کم نہیں، لیکن جب کہ خود آنجناب ہی نے "حسین رضی اللہ عنہ و یزید" کی اُس بحث پر قلم اُٹھانا ضروری خیال فرمایا ہے جس کا بازار کافی دنوں سے گرم ہے تو فدوی کو بھی اس جرأت کے لئے عفو کے لائق تصور کیا جائے کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اسے آپ ہی سے سمجھنے کی کوشش کرے۔ معلوم ہے کہ عاجز کو گفتار کا وہ سلیقہ نہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے، اس لئے اگر اسلوبِ گذارش معیارِ اعلیٰ سے فروتر ہو تو معذور سمجھ کر معاف فرما دیجئے گا۔

سب سے پہلی بات جو نیازمند کی سمجھ میں نہیں آئی وہ یہ ہے کہ آنجناب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بار بار "امام" کس معنی و مفہوم میں لکھا ہے؟ میں جانتا ہوں کہ یہ لقب سلف و خلف میں شائع ذائع رہا ہے، لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ چلتی ہوئی باتوں کو بے سوچے سمجھے گلے لگانے والوں میں نہیں ہیں ضرور ہے کہ اس کا استعمال کرتے ہوئے آپ کے ذہن میں کوئی معقول وجہ رہی ہو ۔۔۔ میں اب تک یہ سمجھتا رہا ہوں اور تجلّی میں اس کا اظہار بھی کر چکا ہوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ لفظ امام کا استعمال اپنے آغاز اور تاریخی پس منظر کے اعتبار سے ایک خاص ذہنیت کا نمائندہ ہے۔ اسے آپ یا میں یقیناً مناسب ہی

مفہوم میں بولیں گے، لیکن آپ جیسے دیدہ ور کے آگے مجھے اسکی مثالیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں کہ بہت سے مواقع پر ناصواب اور مشتبہ چیزوں سے صوری مشابہت وہم آہنگی بھی اسلام نے نامحمود قرار دی ہے۔

کہا یا جاتا ہے کہ ابوحنیفہؒ وشافعیؒ — بلکہ رازیؒ وغزالیؒ — بلکہ آج ہی کے متعدد شیوخ امام کہلائے جاسکتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی قدر نواسے حسین رضی اللہ عنہ کو امام کہنے میں کیا چیز مانع ہے؟

مجھے یقین ہے کہ آپ کا مسلّمہ تدبّر اس سطحی استدلال کی کمزوری خوب سمجھتا ہوگا۔ میں واقعی آج تک نہیں سمجھ سکا کہ حضرت حسینؓ کے ساتھ لفظ امام کا کیا مفہوم لیا جائے اور کیونکر اُس ذہنیت کی چھوت سے بچا جائے جو اس خطاب کے موجدین و مشتہرین سے مخصوص ہے۔

دوسری بات جو الجھن کا باعث بنی ہے وہ یہ ہے کہ دستور اسلامی کے اہم ترین اصول گنواتے ہوئے آپنے یہ دوؔ اصول بیان فرمائے ہیں:—

"جب تک کسی شخص کو بیعت حاصل نہ ہو وہ برسرِ اقتدار نہ آئے اور جب لوگوں کا اعتماد اس پر سے اُٹھ جائے تو وہ اقتدار سے چپٹا نہ رہے۔"

جہاں تک پہلے اصول کا تعلق ہے آنجناب نے یہ صراحت نہیں فرمائی کہ اس کا روئے سخن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا یزید کی طرف ہے، لیکن سیاق وسباق بتاتا ہے کہ ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کی بیعت خلافت پر آپ نے تعریض کی ہے اگر یہ درست ہے تو میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ امیر معاویہؓ یا یزید کی خلافت کمیت وکیفیت کسی بھی اعتبار سے شرطِ بیعت سے محروم رہی ہو۔ اگر وہ بیعت عام بھی امیر معاویہؓ یا یزید کی خلافت کو شرعاً منعقد نہ کر سکی جس کا ثبوت تاریخوں سے ملتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا جواز کیسے ثابت کیا جا سکے گا۔

تاہم اس اصول کی معنوی جراحت کو آپنے چونکہ تصریحاً کسی شخص تک نہیں پہنچایا ہے اس لئے مزید استفسار نہیں کروں گا لیکن دوسرا اصول — یعنی لوگوں کا اعتماد اُٹھ جانے پہ خلیفہ کو اقتدار سے چپٹا نہیں رہنا چاہئے، پہلے ہی وہلے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسوۂ وعمل کے لئے ڈائنامیٹ محسوس ہوتا ہے سب جانتے ہیں کہ انھوں نے جان تک دیدی مگر مسندِ خلافت کو نہیں چھوڑا۔ دوؔ ہی صورتیں ہیں۔ یا تو یوں کہا جائے کہ لوگوں کا اعتماد ان پر سے نہیں اُٹھا تھا، بلکہ اعتماد ہی کرنے والوں نے ان کا ذبح کرنا اور ذبح ہونا پسند فرمایا۔ یا پھر یوں کہا جائے کہ اعتماد اُٹھ چکا تھا اور انھوں نے اقتدار سے چپٹے رہ کر دستور اسلامی کے اہم تر اصول کو پامال کیا۔

دوسری صورت نہ آپ مانتے ہیں نہ میں۔ مان لیں تو خلافتِ راشدہ کا آبگینہ چُور چُور ہو جائے۔ لاریب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس سے بالاتر تھے کہ دستور اسلامی تو تقاضا کر رہا ہو کہ اعتمادِ عام سے محروم ہو جانے کے بعد آپ کو اقتدار سے چپٹے رہنے کا کوئی حق نہیں اور وہ حُبِّ جاہ کی رَو میں اقتدار سے چپٹے رہیں یہاں تک کہ مرجانا قبول کریں مگر تاجِ خلافت نہ اُتاریں۔

پہلی ہی صورت ہے جسے تاویل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن تاریخی حقائق اس کا ساتھ نہیں دیتے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ خلافتِ عثمانؓ کے آخری سالوں میں طرح طرح کی بدگمانیاں حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں میں پھیل چکی تھیں۔ کھلے بندوں سوءِ ظن کا اظہار کیا جاتا تھا۔ عین دار السلطنت میں یہ حال تھا کہ بہت سے صحابہؓ کو آپ سے اختلاف ہو گیا تھا۔ سب معترضین کی صف میں آئے ہوئے تھے حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت علی اور حضرت زبیر رضوان اللہ علیہم جیسے اکابرین تک اُس گروہ کے مطالبات کی تصویب کر رہے تھے جو مصر، کوفے اور بصرے سے چڑھ کر آیا تھا اور جس نے مآل کار حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔

بے شک حضرت عثمانؓ کے جملہ اقدامات اور پالیسیاں نفس الامر کے اعتبار سے شمہ برابر خلاف شرع نہ تھیں اور بیت المال میں خیانت واسراف یا ظالم عاملوں کی دانستہ طرف داری کا دعویٰ بھی ان کی ذات گرامی کے بارے میں نہیں کر سکتے لیکن نفس الامر کی نہیں اعتمادِ عام کی بات ہو رہی ہے۔ عوام کا اعتماد اُن معنوں میں یقیناً ان پر سے اُٹھ چکا تھا جن معنوں میں آج یہ لفظ بولا جاتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ اِدھر اُدھر کے جتھے آئیں اور

دارالسلطنت میں وہ من مانی کرجائیں جس کے تصور سے آج بھی تاریخ کی آنکھیں نم ہیں۔ اچانک شبخون نہیں' بلکہ باقاعدہ محاصرہ اور حسب دلخواہ الٹیڑ پچھاڑ۔ حضرت عثمانؓ اپنے آخری وقت میں اگر واقعتہً عوام کے معتمد رہ گئے ہوتے تو کم سے کم دارالسلطنت کا ایک ایک مجاہد کٹ مرتا۔ ایک ایک نہ سہی دو چار ہزار لاشیں تو ضرور قتلِ عثمانؓ سے قبل نظر آتیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تو خود ہی جنگ سے روک دیا تھا — بے شک روک دیا تھا' لیکن آنجناب خوب جانتے ہیں کہ یہ محض ضابطے کی بات ہے۔ اگر عثمانؓ سچ مچ عوام کے محبوب رہ گئے ہوتے تو محبت واعتماد کی ترک تازیاں ضابطوں کی غلام نہیں ہوا کرتیں۔ عثمان ہزار روکتے مگر لوگوں کے جذبات ہرگز گوارا نہ کرتے کہ خلیفۂ معتمد کو شوق سے ذبح کر دیا جائے اور وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے ضابطہ لئے بیٹھے رہیں۔ کہنا پڑے گا کہ لوگوں کے قلوب سے عثمانؓ کی محبت' انکا اعتماد ان کے زندہ رہنے کی خواہش ختم ہو چکی تھی۔

ناچیز تو یہ سمجھتا ہے کہ اگر دارالسلطنت میں موجود صحابہ اور تابعین کے نزدیک باغیوں کی سرگرمیاں حق بجانب نہ تھیں تو حضرت عثمانؓ کے ہزار روکنے کے باوجود عقل ونقل کا یہی حکم تھا کہ فتنے کی سرکوبی کی جائے اور محصور وضعیف خلیفہ کا حکمِ صبر ماننے کے عوض باغیوں کو تلواروں کی نوک پر رکھ لیا جائے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ کچھ لوگوں نے ادنیٰ درجہ میں ایسا کیا بھی' لیکن اس کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسی طوفان کے آگے کچی دیوار کی پختہ دیوار اور آہنی بند کہاں سے آتے جب کہ قلوبِ عامہ خلیفہ کے اعتماد سے عاری ہو چکے تھے۔

حاصل گذارش یہ ہے کہ جناب کا بیان فرمودہ اصول عقدہ سا بن گیا ہے جس کو کھولنے کی ضرورت ہے۔ کیا قرآن یا سنت یا خلفائے راشدین کے قول وفعل میں یہ اصول کہیں ملتا ہے کہ لوگوں کا اعتماد اُٹھ جانے پر خلیفہ کو مسندِ خلافت چھوڑ دینی چاہئے خواہ بے اعتمادی کی حقیقی وجوہات موجود نہ ہوں اور محض کج نگاہی اور غلط فہمی کے باعث اعتماد کو خاک میں ملا یا گیا ہو۔ بظاہر تو اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے کہ جب خلیفہ ثالث کو ایسا مرحلہ پیش آیا تو آپ نے کسی قیمت پر بھی خلافت سے دستبرداری نہیں دی اور جب خلیفۂ رابعؓ کو عوامی سوءِ ظن' مخالفت اور بغاوت تک کا سامنا کرنا پڑا تو آپ نے تاجِ خلافت اُتارنے کے عوض حرب وقتال پسند فرمایا۔

~~~~~~~~

آگے آپ نے یہ بتایا ہے کہ یزید کو حضرت معاویہؓ کے ولیعہد بنانے کے نتیجے میں ایسی موروثی بادشاہتوں کا سلسلہ رونما ہوا جن میں اسلام کے دستوری اصول وقواعد کو عملاً اُلٹ کے پھینک دیا گیا۔ آپ نے سات اہم ترین اصول گنوائے ہیں جن کی مٹی اگلی بادشاہتوں میں پلید ہوتی رہی۔

یہاں میں تنقیح وتوضیح کا التماس کروں گا۔

کیا اگلی بادشاہتوں میں ان تمام بدکرداریوں کا سبب وعلت جنھیں آپ نے شمار کرایا ہے یہی ایک بات تھی کہ انتخاب کی بجائے خاندانی موروثی بادشاہتوں کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا؟ کیا آپ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولیعہد نہ بنایا ہوتا تو وہ تمام دستوری اصول پامال ہونے سے بچے رہتے جو بشکل موجودہ پامال ہوتے چلے گئے ہیں؟

اگر یہی مطلب ہے تو میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کروں گا کہ اس دعوے کی صحت پر آپ نظرِ ثانی فرمائیں۔ خود آپ ہی نے لکھا تھا کہ حضرت عثمانؓ ہی کے دورِ خلافت میں جاہلیت کو اسلامی نظامِ اجتماعی کے اندر گھس آنے کا موقع مل گیا (تجدید واحیائے دین) تب معلوم ہوا کہ اسلامی اصول واقدار کا تیا پانچا کرنے والی جاہلیت موروثی بادشاہت پر منحصر نہیں بلکہ اُس نظامِ اجتماعی میں بھی سر اُبھار سکتی ہے جو خلافتِ راشدہ کے نام سے موسوم ہو۔ یہی جاہلیت تو تھی جس نے فروغ پا کر عین خلافتِ راشدہ ہی کے دور میں خاندانی وگروہی عصبیتوں کو اس حد تک اُبھار دیا کہ حضرت علی جیسے مردِ جلیل کی خلافت خانہ جنگیوں کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ کیا تاریخی اسباب وعوامل کا دیانت دارانہ تجزیہ یہی بتاتا ہے کہ اگر حضرت معاویہؓ یزید کو ولیعہد نہ بناتے اور انتخابی خلافت موروثی بادشاہت میں تبدیل ہوتی تو یہ نشوونما پاتی ہوتی جاہلیت اُن اصول واقدار کا دامن چاک
~~~~~~~~

نہ کردیتی جن کے بارے میں آپ فرما رہے ہیں کہ ان کی پامالی کا اصلی اور واحد سبب حضرت معاویہؓ کا اقدام اور یزید کا خلیفہ بن جانا ہے۔ اگر آنجناب اس حدیث کو معتبر خیال فرماتے ہیں جس میں آیا ہے کہ خلافتِ راشدہ کی عمر تیس سال ہے اس کے بعد دنیادارانہ بادشاہتیں ہوں گی تو کہنا پڑے گا کہ ہزار معاویہؓ بھی اس پیشین گوئی کے ظہور کو نہ روک سکتے تھے۔ وہ ولیعہد بناتے نہ بناتے خلافتِ راشدہ لازماً ختم ہوتی اور وہی جاہلیت جس نے دَورِ عثمانی میں پَر پُرزے نکالے تھے فروغ پاتے پاتے اُن اُصول و اقدار کو ضرور اپنے گھیرے میں لے لیتی جن کے تہہ و بالا ہو جانے کی علت آپ یزید کی ولیعہدی کو قرار دے رہے ہیں۔

مجرد طریقۂ ولیعہدی ہی کو اُن بدکرداریوں کی جڑ بنیاد قرار دینا جو بعد کی اکثر بادشاہتوں میں ظہور پذیر ہوتی چلی گئیں متعدد وجوہ سے درست نہیں معلوم ہوتا۔

اسلام نے کسی ایسے فعل کو جائز نہیں رہنے دیا ہے جو معاشرے میں بہت بڑے مفسدے پیدا کرنے کا سبب لازم ہو۔ ولایتِ عہد کا طریق اگر واقعۃً اُن ہولناک خرابیوں کی جڑ بنیاد ہوتا جنھیں آپ نے گنوایا ہے تو اسلام صاف صاف اس کی مخالفت فرما دیتا' لیکن ممانعت کا سرے سے نشان ہی نہیں ملتا بلکہ جواز کے قطعی دلائل سامنے آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ولایتِ عہد ہی کے طریق سے خلیفہ بنے۔ پھر حضرت عثمانؓ بھی اسی طریق کی ایک بالواسطہ شکل سے برسرِ اقتدار آئے۔ پھر حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے کے بارے میں یہی طریق اختیار فرمایا تو ایک شخص نے بھی یہ آواز نہیں اُٹھائی کہ ولایتِ عہد ناجائز ہے۔ تمام صحابہؓ اس کے جواز پر اس درجہ متفق تھے کہ جیسے یہ جواز مسلّمات میں سے ہے اور حرمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یزید کی بیعت کی گئی تو جواز کی عملی تصدیق بھی مؤکد ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ولایتِ عہد کے جواز میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ شجرِ خبیث ہے جس سے لازماً ثمراتِ خبیث ہی پیدا ہوں گے اور اسلام اسکی طبعی و لازمی خباثت و اضرار کے باوجود اس پر پابندی نہیں لگاتا۔

تاریخی شہادت یہ ہے کہ طریقۂ ولیعہدی ہی سے برسرِ اقتدار آنے والے بادشاہوں میں متعدد مسلمان بادشاہ ایسے ہو گذرے ہیں جن کے دورِ حکومت میں وہ مفاسد جن کو آنجناب نے بیان فرمایا ہے بڑی حد تک اصلاح پذیر ہوئے اور ان کی خوش اطواری نے معاشرے کو کافی حد تک پاک و صاف کیا نیز وہ رعایا میں اتنے ہی زیادہ مقبول و محبوب ہوئے جتنا کوئی انتخاب کے ذریعہ برسرِ اقتدار آیا ہوا خلیفہ ہو سکتا ہے۔ تب یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ولیعہدی کا طریق وہ سایۂ ظلمت ہے جس میں اسلامی اصول و اقدار پنپ ہی نہیں سکتے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ بھی موروثی ہی طریقہ پر برسرِ اقتدار آئے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنی نیک نفسی کے سبب انھوں نے لوگوں کو چھوٹ دیدی ہو اور پھر لوگوں ہی نے برضا و رغبت انھیں خلیفہ مان لیا ہو' لیکن کیا وہ ایسا نہ کرتے تو واقعات میں کوئی فرق واقع ہوتا؟ کیا لوگوں کی خوشنودی مخالفت میں بدل جاتی۔ کیا وہ بھلائیاں ظہور پذیر نہ ہوتیں جن کے تعلق سے ممدوح کی خلافت کو خلافتِ راشدہ کے مثل کہا جاتا ہے

طریقۂ انتخاب اور بیعت تو دراصل ذریعہ ہیں یہ معلوم کرنے کا کہ فلاں شخص پر عوام بھروسہ کرتے ہیں یا نہیں۔ امیر عوام کا معتمد ہو جبھی نظمِ مملکت عمدگی سے چل سکتا ہے۔ کوئی شخص موروثی طور پر برسرِ اقتدار آئے لیکن عوام کا اعتماد اور حسنِ ظن اسے حاصل ہو تو تمام نتائج لازماً وہی ہوں گے جو اس شخص کے انتخابی طریق پر برسرِ اقتدار آنے سے ہو سکتے تھے۔ انتخاب و بیعت تو مظہر ہیں اُن باطنی جذبات و خیالات کا جن کی موجودگی کسی خلیفہ کی کامیابی کی ضمانت ہو سکتی ہے۔ اگر یہ جذبات و خیالات موجود ہیں تو ضابطے کے مظاہر کے بغیر بھی ضمانت جوں کی توں باقی رہتی ہے۔

کیا آنجناب یقین رکھتے ہیں کہ اگر حضرت معاویہؓ کسی کو ولی عہد بنائے بغیر تختِ خلافت کو یونہی کھلا چھوڑ جاتے تو اس سے بہتر حالات پیدا ہوتے جیسے ولیعہدی کی صورت میں ہوئے ہیں؟ اسلامی دستورِ اساسی بحال رہتا؟ اہم تر اصول پامال نہ ہوتے؟

دراصل آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی نظر سے

یکھ کر نتائج اخذ کر رہے ہیں۔ اسی لئے آپ کو یقین ہے کہ یزید ولیعہد بنایا گیا ہوتا تو مملکت اسلامی کے جملہ عوام برضا و رغبت انھیں ان جیسے کسی اور بزرگ کو خلیفہ چن لیتے اور خلافتِ راشدہؓ کی روح باقی رہتی۔

لیکن حقائق میری یا آپ کی نظر تک محدود نہیں۔ وہ زمانہ حضرت عثمانؓ ہی کے ساتھ جا چکا تھا، جب مسلمانوں کے قلب و ذہن پر دین و مذہب کی گرفت اتنی سخت اور ہمہ گیر تھی کہ دوسرے تمام جذبات اور داعیے اس کے نیچے دب کے رہ گئے تھے۔ جب ان کے انتخاب اور پسند کا معیار یہ تھا کہ ابوبکرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ہماری نماز کا امام بنایا تو ہم دنیا کے اُمور میں بھی انھی کو امام بنائے لیتے ہیں۔ جب کسی شخص کی دینی افضلیت ہی اسے خلیفہ چن لینے کے لئے کافی تھی۔ جب دینی عصبیت کے آگے ہر دوسری عصبیت ہتھیار ڈالے ہوتے تھی۔

اب تو — یعنی دورِ معاویہؓ میں تو وہ زمانہ تھا جب دبی ہوئی قبائلی و گروہی عصبیت نے اُبھر کر دینی عصبیت پر چھاپا مار اتھا جب انتخاب کے معیار بدل گئے تھے، جب اُمورِ دنیوی کے معاملہ میں دینی افضلیت کی پاسداری ثانوی درجے میں جا پڑی تھی۔ اس وقت اگر معاویہؓ اور بعض مدبر صحابہؓ حکمتِ عملی سے کام لے کر یزید کو ولیعہد نہ بنا گئے ہوتے تو ناممکن تھا کہ قریش کا فولادی گروہ — بنو اُمیّہ — حضرت حسین یا کسی بھی ہاشمی کو تختِ خلافت کے پاس بھی پھٹکنے دیتا۔ مسندِ خلافت پر بہرحال کسی نہ کسی اموی ہی کو آنا تھا۔

یزید کو ولی عہد نہ بنائے جانے کی صورت میں ایک فتنہ زائد یہ پیدا ہوتا کہ تخت و تاج کی خاطر لڑائیاں جاری ہو جاتیں اور مملکت نہ جانے کس انجام کو پہنچتی۔ اگر حضرت حسینؓ کو یا بنو اُمیّہ کے علاوہ کسی بھی خانوادے کے کسی شخص کو اس کے ذاتی فضائل کی بنا پر کوئی گروہ خلیفہ چن لیتا تو یہ خلافت چند قدم بھی چلنے والی نہ تھی۔ زمین لالہ زار بن جاتی۔ اموی قوت اس وقت ناقابل شکست تھی۔ خود امویوں میں تخت کی جنگ چھڑتی تو یہ بھی پوری مملکت کے لئے عذابِ الیم بن جاتی۔ ہر ممکنہ صورت ایک سے ایک بڑھ کے فساد و ہلاکت کا سامان تھی۔

آنجناب نے "حکمتِ عملی" کے موضوع پر معرکۃ الآرا مقالات لکھے ہیں۔ چند اساسی عقائد کو چھوڑ کر آپ کے نزدیک اسلام کے جملہ اصول و اقدار اور کلیات و فروعات میں امیر و قائد کو حالات کے مناسب ردّ و بدل اور تقدیم و تاخیر وغیرہ کا حق حاصل ہے بشرطیکہ یہ حق ایمانداری اور خدا ترسی کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ تو کیوں حضرت معاویہؓ کے ولایت عہد والے طریق کار کو حکمتِ عملی ہی کی عینک سے نہ دیکھا جائے۔ ولی عہد بنانا بجائے خود جائز بھی ہے اور اس پر حضرت معاویہؓ نے بیعتِ عامہ کی بھی مہر ثبت کی تھی۔

مجھے یقین ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پیش آنے والے حزنیے کی جذبات خیز اور اشتعال انگیز تصویر نے لوگوں کو اس بے لاگ تحقیق سے غافل رکھا ہے کہ فعلِ معاویہؓ کی حکمت پر غور کریں اور ان کے زمانے کے سیاسی، معاشرتی اور ملکی حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر اندازہ فرمائیں کہ ولی عہد بنانے کا اقدام فی الحقیقت خلافتِ راشدہ کے بالمقابل نہ تھا بلکہ اُس آنے والے زمانے کے ہولناک خطرات کے بالمقابل تھا جس میں خانہ جنگی اور طوائف الملوکی کے دیو مملکت کی ایک ایک چول ڈھیلی کر سکتے تھے۔ اہون البلیتین کے معروف نظریے کو سامنے رکھ لیں تو صحابیت کا تقدس بھی مجروح نہیں ہوتا اور واقعات کی مناسب توجیہ بھی ہو جاتی ہے۔ اگر یہ ہوتا کہ خلافت راشدہ بننے جا رہی تھی مگر حضرت معاویہؓ نے ولایتِ عہد کا اقدام کر کے اسے نہ بننے دیا، تب تو بے شک وہ مجرم تھے، لیکن جہاں صورتِ حال یہ ہو کہ اُبھری ہوئی عصبیتوں نے علیؓ جیسے خیبر شکن اور زاہد و عابد خلیفہ کو زچ کر کے رکھ دیا ہو اور خلافتِ راشدہ خانہ جنگیوں سے عبارت ہو کے رہ گئی ہو وہاں کون مدبر و مبصر یہ توقع کر سکتا ہے کہ معاویہؓ کے تخت پر بنو ہاشم کا سایہ بھی پڑ سکے گا۔ حضرت حسنؓ حقیقت پسند تھے — اَنہونی کو ہونی کرنے کے درپے نہیں ہوئے اور خلافت معاویہؓ کے سپرد کر دی۔ معاویہؓ نے بھی حقیقت کو سمجھ لیا کہ میرے بعد تخت و تاج کی کشش ایک عظیم فتنے کا دروازہ کھولنے والی ہے جس سے نہ جانے کیا کیا بلائیں در آئیں۔ لہٰذا اس بڑی

متوقع مصیبت کے مقابلہ میں چھوٹی بلا — بشرطیکہ خلافتِ عہد کو بلا کہا جا سکے — قبول کر لینی چاہئے۔ حالات جب ایسے پیدا ہو ہی چکے تھے کہ انتخابِ عام کے ذریعہ کسی بہتر قیادت کا روبہ کار آنا ممکن نہ رہا تھا تو کیا حضرت معاویہؓ کا فرض نہ تھا کہ کم سے کم خرابی والی صورت اختیار کریں اور اپنے فکر و تدبر کی حد تک عامۃ الناس کو آفت و ابتلا سے بچانے کا انتظام کر جائیں۔ بعد میں دورِ یزید میں جو کچھ پیش آیا وہ حوادثِ روزگار میں سے ہے جس کا علم یا اندازہ کسی بھی مدبر کو نہیں ہو سکتا۔ پھر اس کے پیش آنے کی ذمہ داری ولایتِ عہد پر نہیں ہے، بلکہ حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے اُس اجتہاد پر ہے جو اگرچہ نیک نیتی پر مبنی تھا، مگر سیاسی و عملی اعتبار سے غلط تھا۔

بات لمبی ہو گئی مگر وہ نکتۂ خاص ابھی تک نہیں آیا جو سب سے زیادہ تنقیح کا طالب ہے۔

میرے ناقص علم میں علمائے اہلِ سنت میں دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو یزید کی بجائے ابن زیاد وغیرہ کو ظالم و خاطی قرار دیتا ہے اور اجتہادِ حسینؓ کو بجائے خود نادرست خیال کرتا ہے۔ دوسرا وہ جو یزید کی قدح میں پیش پیش ہے اور حضرت حسین کے خروج کو حق تصور کرتا ہے۔ دونوں ہی کی نظر میں تذلیل و تنفر کا ہدف یزید یا اس کے عمّال ہیں لیکن آنجناب نے یزید اور اس کے عمّال کو سرد خانے میں ڈال کر اصل فریق و حریف حضرت معاویہؓ کو قرار دیا ہے اور اسی اعتبار سے اقدامِ حسین کی تحسین کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

> "تاریخ کے غائر مطالعہ سے جو چیز واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یزید کی ولیعہدی اور پھر اس کی تخت نشینی سے دراصل جس خرابی کی ابتدا ہو رہی تھی وہ اسلامی ریاست کے دستور اور اس کے مزاج اور اس کے مقصد کی تبدیلی تھی۔ اس تبدیلی کے پورے نتائج اگرچہ اُس وقت سامنے نہ آئے تھے، لیکن ایک صاحبِ نظر آدمی گاڑی کا رُخ تبدیل ہوتے ہی یہ جان سکتا ہے کہ اب اس کا راستہ بدل رہا ہے، اور جس راہ پر یہ مڑ رہی ہے وہ آخرکار اسے کہاں لے جائے گا۔ یہی رُخ کی تبدیلی تھی جسے امام نے دیکھا اور گاڑی کو پھر سے صحیح پٹڑی پر ڈالنے کے لئے اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا۔"

آگے اسی دعوے کو مؤکد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے کہ نظامِ خلافت کی گاڑی جس لائن پر چلی جا رہی تھی اس سے انحراف کا نقطہ یہی معاویہؓ کا فعل ولایتِ عہد ہے اور:-

> "اور اسی تقابل سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدۃ فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی آغوش میں تربیت پائی تھی اور جس نے صحابہؓ کی بہترین سوسائٹی میں بچپن سے بڑھاپے تک کی منزلیں طے کی تھیں، وہ کیوں اس نقطۂ انحراف کے سامنے آتے ہی گاڑی کو اس نئی لائن پر جانے سے روکنے کے لئے کھڑا ہو گیا اور کیوں اس نے اس بات کی بھی پروا نہ کی کہ اس زوردار گاڑی کا رُخ موڑنے کے لئے اس کے آگے کھڑے ہو جانے کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔"

اگر تمام علمائے اہلِ سنت کے علی الرغم اسوۂ حسینی کی یہ توجیہہ آپ کے ذاتی فکر سے زیادہ کوئی حقیقت رکھتی ہے اور واقعی حضرت حسینؓ کا زاویۂ نظر یہی تھا تو آپ ہی بتلائیے کہ ولایتِ عہد سے لے کر وفاتِ معاویہؓ تک تقریباً تین سالوں میں حضرت حسینؓ کا جذبۂ سرفروشی کیا کرتا رہا اور کیوں وہ اصلی مجرم معاویہؓ سے دست و گریباں نہ ہوئے؟ جانبازی کا صحیح وقت تو وہ تھا جب امیر معاویہؓ اہلِ مدینہ کے اربابِ حل و عقد سے یزید کی بیعت لینے مدینے تشریف لائے تھے اور بقول طبری جن پانچ بزرگوں کے سر پر تلوار لٹکا دی گئی تھی ان میں حضرت حسین بھی تھے۔ اگر واقعی ان کی جاں سپاری کا محرک یہ فعل ولایت عہد ہی ہوتا جیسا کہ

آپ نے منکشف فرمایا تو قدرتاً اسی موقع پر وہ تڑپ اُٹھتے اور معاویہؓ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتے کہ تم خلافت کی گاڑی کا کانٹا بدلنے کے حقدار نہیں۔ یہ وہ عظیم مفسدہ ہے جس سے روکنے کے لئے میں جان لے لوں گا یا دیدوں گا۔

خصوصاً جب آپ ان کی جگرداری کا خروش اس حد تک تسلیم فرماتے ہیں کہ گاڑی کے آگے کھڑے ہو جانے کا نتیجہ جانتے ہوئے بھی وہ اس کا رُخ موڑنے کی خاطر آگے کھڑے ہو گئے تو جس وقت یہ گاڑی کا نٹا بدلنے چلی تھی اس وقت تو یہ خروش اگلے چند سالوں کے مقابلہ میں اور زیادہ سیمابی ہونا چاہئے تھا' کیونکہ جس دانائی وزیرکی اور گہرے شرعی تدبّر کا اثبات آپ نے حضرت حسینؓ کے لئے فرمایا ہے اسے تو بلا تاخیر سمجھ لینا چاہئے تھا کہ غلط لائن پر جانے والی گاڑی کو بہت دُور جانے کے بعد روکنے کی سعی کرنے سے کہیں بہتر اور صحیح تر یہ ہے کہ عین اس وقت روکنے کی سعی کی جائے جب وہ کانٹا بدلنے والی ہے اور کانٹا بدلنے والا سامنے ہی موجود کانٹا بدلنے کے فعل کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا ارادہ کر رہا ہے۔

لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا نہیں ہوا اور جبری بیعت کی واہی داستانیں درست مان لی جائیں تب بھی تاریخ یہی لطیفہ سناتی ہے کہ بزرگ ترین صحابہؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی قتل ہو جانے کے خوف سے خاموش رہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص تین سال بعد اس حد تک بے جگر ہو جاتا ہے کہ بقول آپ کے چلتی گاڑی کے آگے کھڑے ہو کر "خودکشی" کر لیتا ہے وہ تین سال پہلے ایسا کمزور دل کیوں تھا کہ جان کے خوف سے آواز بھی نہیں نکالی اور ولی عہدی کا جرم پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ حالانکہ چلتی گاڑی کے آگے کھڑے ہو کر اسکا رُخ موڑنے کی کوشش کرنے سے کہیں بہتر تھا کہ اُس وقت جانبازی و بے جگری کا ثبوت دیا جاتا جب گاڑی اسٹیشن پہ کھڑی تھی اور ڈرائیور اس کا کانٹا بدلنے کے لئے رائے عامہ کو ہموار کرتا پھر رہا تھا۔

معاف کیجئے گا "خودکشی" کا لفظ آپ نے نہیں لکھا لیکن جو تمثیل آپ نے بہ تکرار پیش کی ہے وہ قطعی طور پر اسی لفظ کی متقاضی ہوتی ہے۔ اُس شخص کو زیرک و دانا نہیں بلکہ خودکش کہیں گے جو زوردار گاڑی کو غلط رُخ پر جاتے دیکھ کر اس کے آگے کھڑا ہو جائے' حالانکہ جس وقت گاڑی چلانے والا اس غلط رُخ پر چلنے کا آغاز کر رہا تھا اس وقت یہ شخص خاموش رہا' نہ ڈرائیور سے دُو دُو ہاتھ کئے' نہ حمایتیوں کو جمع کر کے ہلّہ بولا۔ نہ تلوار اٹھائی نہ احتجاج فرمایا نہ علمی و فقہی استدلال کے جوہر دکھائے۔ پھر تین سال گذر گئے اس کے اندر جان دینے اور لینے کا ولولہ پیدا نہیں ہوا۔ نصرتِ حق کی بے چینی موجِ تہہ نشین بنی رہی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی کہ وہ وہ ولایت عہد کو ہولناک ترین جرم خیال کرتا ہے۔

پھر جب اصل مجرم دنیا سے چلا جاتا ہے اور بدلی ہوئی لائن پر اس کی چھوڑی ہوئی گاڑی تین سالوں کی مسافت طے کر لیتی ہے تو یہ شخص گاڑی کے آگے کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ جانتے ہوئے کھڑا ہو جاتا ہے کہ واحد نتیجہ ہلاکت ہے۔

یہ کیا بات ہوئی؟ کیا منطقی توجیہ ہے حق پرستی کی اس تکنک کی؟ متوازن دماغ اس بہت بڑے دعوے کو قبول کرنے سے ابا کرتا ہے کہ ولیعہد بنانے کا جو فعل بعض مدبّر صحابہ کے مشورے سے ایک ایسے ممتاز ترفقیہ و مدبر صحابیؓ نے انجام دیا ہو جس کے کمال تدبّر پر فاروق اعظمؓ جیسے عبقری خلیفہ کا دیا ہوا "کسرائے عرب" کا لقب حرفِ آخر کا حکم رکھتا ہو اور تمام صحابہؓ نے اس فعل کے جواز پر اتفاق کر لیا ہو اور کتنے ہی سرکردہ اصحاب نے بیعت کی ہو اور صبر و سکوت سے تو کسی نے بھی تجاوز نہ کیا ہو وہ فعل ایسا جرم عظیم مان لیا جائے کہ چند سالوں بعد اسکی ہولناکیوں کا اندازہ کر کے ایک شخص اٹھے اور وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ کی پروا کئے بغیر جان لڑا دے۔ اہلِ نظر اس وقت بھی اسے روکیں، تنبیہ کریں' ساتھ دینے سے کان پہ ہاتھ دھریں مگر وہ نہ مانے اور خود ہی کو نہیں اُن معصوم بال بچوں کو بھی کڑی ابتلاء میں ڈالدے جنکو ابتلاء میں ڈالنے کا حکم یا اذن اللہ اور رسول نے نہیں دیا۔ اس شخص کی ایسی جرأت شہامت کو اگر آپ انتہائی زیرکی و دانائی اور علم شریعت میں گہری نظر کا ثبوت قرار دیتے ہیں تو اس کے ثمرات و مضمرات پر بھی غور فرمالیں۔

ایک تو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ تمام صحابہ جن میں اصحابِ بدر، اصحابِ عشرہ مبشرہ، اصحاب بیعتِ رضوان بھی تھے اور دین و دانش کے بہترین رازداں بھی سارے کے سارے بے بہرہ تھے اور تنہا فکرِ حسینؓ سب کو مات دے گیا۔ کم و بیش ڈھائی ہزار صحابی تو ضرور رہے ہوں گے جن میں سے حضرت حسین اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے سوا کسی نے بھی احتجاج و اختلاف نہیں کیا اور اگر کیا تو بحث و نظر کے بعد اتفاق کی راہ پر آ گئے۔

دوسرے یہ ماننا پڑے گا کہ اہل الرائے کے مشورے کی دین میں کوئی قیمت نہیں اور وہ شخص تحسین و تبریک کا مستحق ہے جس نے اہلِ نظر کے مشوروں کو نظر انداز کر کے گاڑی کے آگے کھڑا ہو جانا پسند کیا اور معصوم اہل و عیال تک کو آزمائش کے خارزار میں ڈال دیا۔

تیسرے یہ ماننا پڑے گا کہ مجرم سے عین ارتکابِ جرم کے وقت دُو بدُو ہونا ٹھیک نہیں، بلکہ جب وہ جرم سے فارغ ہو کر دنیا سے سدھار جائے اور اس کا لگایا ہوا شجرِ خبیث تناور درخت بن جائے اس وقت اس مضبوط تنے سے سر ٹکرانا چاہئے۔

باتیں بہت سی ہیں، لیکن یہ آپ ہی کے زاویۂ نظر سے انلارج ہو کر سامنے آتی ہیں۔ میری نظر اگر خطا کر رہی ہے تو رہنمائی کے لئے شکرگذار ہوں گا۔

یہاں تک کی گفتگو آنجناب کے اس ارشاد کی بنیاد پر ہوئی کہ حضرت حسینؓ نے واقعی ایک ورا الورا مقصد کے لئے سر کٹایا تھا۔ لیکن عاجز کو تو یہ دعوی ہی تاریخی مسلمات کے خلاف نظر آتا ہے کہ ممدوح اُن معنوں میں سر کٹانے نکلے تھے جن معنوں میں مشہور کر دیا گیا ہے۔ گاڑی کی جو تمثیل آپ نے پیش فرمائی ہے وہ صورتِ واقعہ کی صحیح عکاسی نہیں کرتی۔

متفق علیہ تاریخ جو کچھ بتاتی ہے وہ صریح طور پر یہ ہے کہ حضرت حسینؓ سر کی بازی لگانے نہیں بلکہ بیعتِ خلافت لینے نکلے تھے۔ اگر یہ جاننے کے بعد بھی کہ ان کے ساتھ لاؤ لشکر نہیں تھا اور عورتوں بچوں تک کو ساتھ لیکر روانہ ہوئے کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ وہ سر اور دھڑ کا کھیل کھیلنے چلے تو میرے نزدیک وہ ان کی تعریف نہیں کرتا، بلکہ غالباً ان کے عقل و ہوش اور فہم و تفقّہ کے بارے میں سوءِ ظن کی راہ کھولتا ہے۔ کوفیوں کے پُرجوش وعدوں اور پھر مسلم بن عقیل کی تحریری توثیق و تصدیق کے بعد وہ بلاشبہ یہ اطمینان لے کر گھر سے نکلے تھے کہ کم سے کم کوفے کی حد تک بلا لڑے بھڑے بیعتِ خلافت حاصل ہو جائے گی۔ راہ میں حالات کی تبدیلی کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب دُور نکل آتے ہیں۔ ایک ہوشمند انسان کی طرح فرماتے ہیں کہ اب آگے جانا بیکار ہے لوٹا جائے۔ شہید مسلم کے بھائی جو آپ کے ہمراہ تھے کہتے ہیں کہ واللہ ہم تو ہرگز نہیں لوٹیں گے، یا انتقام لیں گے یا مر جائیں گے۔

حضرت حسینؓ کو خود بھی مسلم اور ہانی بن عروہ وغیرہ کے قتل کا کافی ملال تھا۔ ان کی شرافتِ نفسی اس وقت احساس کرتی ہے کہ مسلم کی شہادت تو میری ہی وجہ سے ہوئی، اگر برادرانِ مسلم کا ساتھ نہ دیا تو بڑی غیر شریفانہ بات ہوگی ــــ یہ احساس آگے بڑھا لے جاتا ہے۔ آگے محصور ہو جاتے ہیں تو سر کٹانے کی بات نہیں کرتے، بلکہ وہ تین خواہشیں ظاہر فرماتے ہیں جن سے بچہ بچہ واقف ہے۔ یہ خواہشیں وہ شخص ظاہر نہیں کر سکتا تھا جو زوردار گاڑی کے آگے کھڑے ہونے کی جرأت کرنے والا ہو۔ حریف نے کوئی خواہش منظور نہیں کی اور مطالبہ کیا کہ پہلے خود کو ہمارے حوالے کر دو پھر بات ہوگی۔ یہ مطالبہ ناجائز تھا۔ اس سے ان کی عزت نفس اور خودداری کو ٹھیس لگتی تھی۔ نیز یہ اندیشہ بھی تھا کہ بیڑیوں کی جھنکار سنانے والے گردن بھی کاٹ سکتے ہیں لہذا بیڑیاں پہن کر ذبح ہو جانے سے بہتر یہی معلوم ہوا کہ مقابلہ کر کے عزتِ نفس تو بچا ہی لی جائے۔

واقعے کی اس تصویر میں اور آنجناب کی پیش فرمودہ تصویر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ زیادہ سے زیادہ برادرانِ مسلم اور حضرت حسینؓ کے مذکورہ مکالمے کو غیر معتبر

قرار دیا جا سکتا ہے اور اُن محسوسات کو جھٹلایا جا سکتا ہے جن کا میں نے ذکر کیا، لیکن باقی واقعات تو ناقابل تردید ہیں۔ پہلی دو شرطوں کو تو شیعہ حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں — تیسری اس لئے نہیں کہتے کہ اس سے ان کی مرلفی عقیدت کو صدمہ پہنچتا ہے۔ یہی دو شرطیں اثبات مدعا کے لئے کافی ہیں۔ پھر اُن تقاریر کو بھی ملحوظ رکھیئے جن میں حضرت حسین رضؓ نے مدِّ مقابل کو مقاتلہ سے باز آنے کی نصیحتیں کی ہیں اور مختلف انداز میں یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ مجھے قتل کرنا تم لوگوں کے لئے بالکل جائز نہیں۔ کیا یہ گاڑی کے آگے کھڑے ہونے والے کے تیور ہو سکتے ہیں یا اس شخص کے طور طریق ہیں جو اپنے اندازے کی غلطی سے واقف ہونے کے بعد پُرامن واپسی اور زندگی کا خواہش مند ہے۔ مجھے بتائیے ولایتِ عہد کے جرمِ عظیم کا احساس اور جان دینے کی تڑپ اس واقعاتی تصویر میں کہاں ہے اور کونسا منظر ہے جس کی تعبیر زور دار گاڑی کے آگے کھڑے ہو جانے سے کی جائے؟

~~~~~~

لوگ اس بحث میں امام مالک، امام احمد اور مجدد الف ثانی رحمہم اللہ وغیرہ کی عزیمت کا ذکر کرتے ہیں — آپ نے بھی ذیلی سا اشارہ کیا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ سلطانِ جابر کے آگے کلمۂ حق کہنے کی عظمت مسلم لیکن ایسی تمام مثالوں میں بنیادی بات یہ ہے کہ عزیمت کے مناظر پیش کرنے والے یہ مظلوم ائمہ خود بڑھ کر بادشاہ کے حضور نہیں پہنچے تھے انھیں گھیر کے لایا گیا تھا پھر بعض ایسے سوالوں کے جواب پر مجبور کیا گیا تھا کہ یا تو وہ کلمۂ باطل کہہ کر رخصت کی راہ اختیار کریں یا کلمۂ حق کہہ کر ابتلا جھیلیں۔ ایسے مواقع پر عزیمت بیشک کارِ مرداں ہے اور ان حضرات کی مردانگی میں کسی کلام کی گنجائش نہیں، لیکن حضرت حسین رضؓ کا معاملہ مختلف ہے۔ انھوں نے خلیفۂ وقت کے بالمقابل خروج میں پیش قدمی کی تھی۔ انھیں مدینے سے باندھ گھیر کر نہیں لایا گیا تھا۔ انھیں غیر ضروری سوالوں کے جواب دینے یا سجدہ کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا۔ ان سے تو خلیفۂ وقت کا وہی مطالبۂ بیعت تھا جو اسلامی دستور میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس مطالبہ میں خلیفہ حق بجانب تھا۔ کوئی ناجائز بات نہ ہوتی اگر حضرت حسین رضؓ خروج کی بجائے بیعت فرما لیتے، کیونکہ جس بات پر تقریباً تمام صحابہؓ متفق ہو گئے ہوں وہ ناجائز نہیں ہو سکتی۔ حضرتؓ نے بیعت سے گریز کیا تب بھی کوئی لشکر جبراً بیعت لینے گھر پر نہیں چڑھ آیا تھا۔ چڑھ آتا اور بیعت نہ کرنے کے جرم میں قتل کر ڈالتا تب کہہ سکتے تھے کہ ممدوح نے جان دیدی مگر آن نہیں دی۔ لیکن یہاں معاملہ اس طرح پیش آتا ہے کہ آپ خود اقدام خروج فرماتے ہیں اور جب بے دست و پا محصور ہو جاتے ہیں تو یزید کی بیعت تک پر آمادگی ظاہر فرما دیتے ہیں۔ پھر بھلا ان کے واقعے میں اور ائمہ مذکورہ کے واقعات میں کیا تطابق۔ ائمہ مذکورہ نے جس جس موقف کی خاطر کڑیاں جھیلیں اس سے آخری سانس تک دستبردار نہیں ہوئے، لیکن حضرت حسین رضؓ جس موقف پر جمے تھے اس سے دست بردار ہو گئے۔ یہ اور بات ہے کہ اس دست برداری سے عملاً کوئی بہتر نتیجہ نہ نکلا ہو۔ تاہم دینی اعتبار سے یہ بہت مفید ہوا، کیونکہ اسی کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ وہ حالت خروج میں قتل نہیں ہوئے، بلکہ ایسی حالت میں قتل ہوئے جب ان کا قتل جائز نہیں تھا اور شہادتِ مظلومان کے حصے میں آئی۔ نیت کے اعتبار سے وہ حالتِ خروج میں بھی نکوکار تھے، لیکن تنہا نیک نیتی کسی فعل کے مفید و برحق ہونے کی ضمانت نہیں۔

بعض اور جزئیات کے فہم میں بھی ناچیز کو اپنی نارسائی کا احساس ہوا ہے، لیکن بات طویل ہو چکی ہے اس لئے اتنے ہی پر بس کرتا ہے۔ امید ہے آنجناب اپنے اعلیٰ درجے کے علم و بصیرت کے ذریعہ یہ رہنمائی فرمائیں گے کہ عاجز کے طرزِ فکر اور استدلال میں کہاں خامی ہے جس کی وجہ سے نتائج بدلتے چلے گئے ہیں۔

نیاز کیش عامر عثمانی
~~~~~~

مولانا تمنا عمادی

دنیا اور دین کی فلاح

(قسط نمبر ۲)

نابالغ بچے اپنے مسلم والدین کے شفیع ہونگے

یہ قرآن مبین کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہے۔ لیکن روایتوں سے اس کا پتا ملتا ہے۔ اور ان نابالغ بچوں کی نماز جنازہ میں جو دعا پڑھی جاتی ہے کہ وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا مُشَفَّعًا یعنی اس بچے کو ہم لوگوں کے لئے ایسا شافع بنادے جس کی شفاعت ہمارے حق میں مقبول ہو۔ یہ دعا بھی روایتوں کی بناء پر پڑھی جاتی ہے۔ غایت سے غایت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مفہوم قرآن کے خلاف نہیں بلکہ قرآن کے موافق ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید سے اتنا ضرور پتا ملتا ہے کہ شافع ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خود مجرم خود عاصی نہ ہو تاکہ وہ اپنی مغفرت کی طرف سے مطمئن ہو۔ شفاعت والی حدیث متفق علیہ کا خلاصہ ترجمہ اوپر میں ذکر کرچکا ہوں۔ اس حدیث کی اکثر روایتوں میں یہی مذکور ہے کہ جب لوگ اگلے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے پاس حضرت آدم سے لیکر حضرت موسیٰ تک آئیں گے تو ان میں کا ہر شخص یہی وجہ پیش کرے گا کہ مجھ سے تو خود فلاں گناہ ہوچکا ہے اس لئے میں شافع ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ قرآن مجید میں فرشتوں کی شفاعت کا ذکر ہے کہ وہ مومنین صالحین کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اور جو بھول چوک مومنین سے ہوگئی ہے اس کی مغفرت کے لئے درخواست کرتے ہیں بلکہ اس کی بھی دعاء کرتے ہیں کہ قِهِمُ السَّيِّئَاتِ ان کو بدکاریوں سے محفوظ رکھ۔ اور کسی دوسرے کے لئے مغفرت کی دعا بارگاہ الٰہی میں کرنا ہی تو شفاعت ہے۔ لیکن قیامت کے دن بھی فرشتے شفاعت کریں گے یہ کہیں مذکور نہیں ہے بس اتنا ہی مذکور ہے کہ فرشتے مومنین کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

یعنی قیامت سے پہلے اس دنیا میں۔ قِهِمُ السَّيِّئَاتِ کا لفظ بتا رہا ہے کہ برائیوں سے بچائے رکھنے کی دعا دنیا ہی کیلئے ہوسکتی ہے۔ سیئات سے برے اعمال ہی مراد ہیں برے اعمال دنیا ہی میں لوگ کرتے ہیں۔

تو نابالغ بچے بھی چونکہ معصوم ہیں۔ اور اسلامی فطرت وہ رکھتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کُلُّ مَولُودٍ يُولَدُ علی فطرۃ الاسلام ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ اور یہ اسلامی فطرت جوان کو ملتی ہے اتفاقی یعنی ہی کے ذریعے ملتی ہے۔ اسلئے دنیاوی اعتبار سے نہ سہی آخرت میں وہ من قصد بالحق میں شمار کرلئے جائیں تو رحمت الٰہی سے کچھ بعید نہیں۔ اس لئے ان کو اگر اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ شفاعت کا اذن دیدے تو یہ اس کا غایت تفضل ہے واللہ ذو الفضل العظیم اور اللہ بڑے فضل و کرم کا مالک ہے اور یہ بھی مقصود ہوسکتا ہے کہ وہ بچے قیامت کے دن بھی وبالوالدین احسانا کے حکم کو نہ بھولیں۔ دنیا میں ان کو والدین کی خدمت کا موقع نہ مل سکا تھا تو قیامت کے دن وہ باپ ماں کا حق ادا کریں۔ اور والدین کو جو دنیا میں چھوٹے بچوں کے مرنے کا غم ہوا تھا اس کی تلافی قیامت کے دن بہتر طریقے سے ہوجائے کہ وہ خوش ہوجائیں۔

دوسروں کو شفاعت کی گنجائش کہاں؟

دونوں قسم کے لوگ میدان حشر میں مجتمع ہوں گے۔ اور ہر طبقے کے لوگ دوسرے طبقے سے الگ ہوں گے۔ نکوکاروں میں سے بھی اور بدکاروں میں سے بھی۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّن يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ اور جس دن ہم ہر قوم میں سے

ایک جماعت ان لوگوں میں سے جو ہماری آیتوں کو (دنیا میں) جھٹلاتے تھے اکٹھا کریں گے تو وہ (جماعت جماعت) الگ الگ کھڑے کئے جائیں گے (سورہ نمل ا۳۳ ع۸) اور فرمایا گیا: وَلَنَنْزِعَنَّ مِنْ کُلِّ شِیْعَۃٍ اَیُّھُمْ اَشَدُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا۔ پھر ہم ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو جدا کرینگے جو سب سے بڑے مہربان (اللہ تعالیٰ) کے مقابل سرکشی میں سخت تھے (سورہ مریم) ا۱۶ ع۵) تو جو لوگ مغفرت کے مستحق ہوں گے یعنی کفر و شرک سے محفوظ ہوں گے انہیں کے لئے شفاعت ہو سکیگی۔ جو مغفرت کے مستحق نہ ہوں گے کفر و شرک میں مبتلا مرے ہونگے ان کے لئے شفاعت ممکن ہی نہیں۔

شفاعت کبریٰ

تو جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ سے کوئی مستحق مغفرت مغفرت سے محروم رہ جائے گا جب تو کسی دوسرے کو شفاعت کا موقع مل سکیگا۔ اگر کوئی اتنا بڑا گنہگار یا ایسا کس مپرس مجرم ہے جس کی طرف قیامت کے میدان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر نہ جائے گی، یا آپ اس کو نا قابل شفاعت سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے، تو کون سا وہ شفیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھکر آپ کی گنہگار امت پر مہربان ہو گا یا بارگاہ الٰہی میں مقرب ہو گا کہ جس گنہگار کی شفاعت آپ تو نہ کر سکے مگر وہ کر دے گا؟ اس لئے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کوئی گنہگار جو مستحق شفاعت و مغفرت ہو۔ آپ کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محروم نہ رہے گا۔ تو پھر آپ کی شفاعت کے بعد کسی دوسرے کے لئے شفاعت کی گنجائش ہی کہاں باقی رہتی ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے سے شفاعت کی امید رکھنا عقلاً و نقلاً ہر حیثیت سے غلط، اور درحقیقت آپ کی شفاعت کبریٰ کو ناقص قرار دینا، اور دوسرے کو آپ پر بڑھانا ہے (معاذ اللہ فی ذلک)

شفاعت کے مستحق

کسی گنہگار کو یہ حق نہ ہوگا کہ قیامت کے دن بطور خود کسی کو اپنا شفیع اپنا سفارشی بنا کر بارگاہ رب العزت میں لے آئے۔ کون مستحق شفاعت ہے یا نہیں اس کو اللہ تعالےٰ خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ کس کو اس نے شفاعت کا حق دیا ہے، اور اجازت دی ہے، اسکو بھی وہ ضرور جانتا ہے۔ اور پھر اس کو بھی پوری طرح جانتا ہے کہ کس کی شفاعت پہلے ہونی چاہیئے اور کس کی بعد کو۔ متفق علیہ حدیث جو بیان کی جا چکی ہے اس میں چار بار شفاعت کا ذکر ہے تو کون پہلی ہی بار میں بخشوایا جائے گا کون دوسری بار میں کون تیسری اور کون چوتھی بار میں اس کا تعلق گنہگاروں کے درجات سے ہو گا جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس کو ہو سکتا ہے؟ اس لئے کوئی گنہگار بطور خود قیامت کے میدان میں اپنے کو مستحق شفاعت سمجھ لے یہ ناممکن ہے۔ اور نہ شفاعت کرنے والے کو یہ اختیار ہو گا کہ بطور خود مستحقین شفاعت کا انتخاب کر لیں۔ یا جس کو چاہیں پہلے بخشوائیں اور جسکو چاہیں بعد کو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی شفاعت کرنے والے کو بتلائے گا کہ فلاں فلاں اشخاص یا فلاں فلاں جماعت کی شفاعت کرو۔ اسی لئے ارشاد ہے کہ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا۔ اس دن شفاعت صرف اسی کو نفع پہونچائی گی جس کے لئے وہ سب سے بڑا مہربان (شفاعت کرنے والے کو شفاعت کی) اجازت عطا فرمائے گا اور جس کی بات سے وہ راضی ہے (طٰہٰ ا۱۶ ع۶)

مختصر یہ ہے کہ

ع۱ بلا اجازت کوئی شخص چاہے کتنا ہی بڑا مقرب بارگاہ الٰہی ہو۔ کسی گنہگار کی شفاعت قیامت کے دن نہ کر سکے گا۔

ع۲ قرآن مجید میں صریح طور سے تو یہ مذکور نہیں کہ کس کو گنہگاروں کی شفاعت کا اذن دیا جائے گا۔ مگر اشارات سے اس کا پتا ملتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ اور حدیثوں میں یہ مفہوم صراحۃً موجود ہے۔

مقام محمود کا جو وعدہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا گیا ہے۔ اس سے عام طور سے مفسرین و محدثین شفاعت کبریٰ ہی سمجھتے ہیں۔ اور یہ سمجھنا بہت زیادہ قرین قیاس ہے۔ اور روایتوں سے ثابت ہے۔ اس لئے ضرور صحیح ہے۔

۳ جس کے لئے شفاعت کی جائے گی وہ بھی اذن و اجازت کا محتاج ہوگا یہ حق کسی شافع کو نہیں دیا جائے گا کہ جس کی چاہو شفاعت کر دو بلکہ نام بنام یا خاص خاص صفات کے حامل گنہگاروں کی شفاعت کا اذن دیا جائے گا۔

۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کو قیامت کے دن شفاعت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ دوسرا شخص کس کی شفاعت کرے گا؟ اور اگر وہ مستحق شفاعت ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے کیوں محروم رہے گا کہ کوئی دوسرا اس کی شفاعت کرے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مستحق کو نظر انداز فرمائینگے، نہ بھول جائینگے۔ اور اگر وہ مستحق نہ تھا تو غیر مستحق کی شفاعت ناممکن ہے اور کوئی دوسرا شفیع بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر شفاعت کرے تو یہ معلوم ہوگا کہ آپ کی شفاعت کمزور تھی اس لئے ایک اور مددگار کی ضرورت پڑی بہرحال کسی حیثیت سے بھی قیامت کے دن رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی بڑے سے بڑے بزرگ کو بھی شفاعت کا حق نہیں مل سکتا۔

۵ مسلمانوں کے کمسن بچوں کو جو شفاعت کا حق دیا جائے گا۔ اس کی حیثیت ہی جداگانہ ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب شفاعت کا حق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملیگا تو پھر مسلمانوں کے کمسن بچوں کو اپنے والدین کی شفاعت کا حق کس طرح مل سکتا ہے؟ ایک تو یہ کہ بچوں کو صرف اپنے مسلم والدین کی شفاعت کا حق ملیگا، اگر وہ شفاعت کے مستحق ہوں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عام و تام ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ بچوں کو یہ حق والدین کا حق ادا کرنے کے لئے ملیگا۔ اس میں ان کی شان کی نمایش اور ان کی عظمت و جلالت کا مظاہرہ مقصود نہ ہوگا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شفاعت کا حق دیا جائے گا اس میں آپ کی عظمتِ شان و جلالتِ مرتبت کا مظاہرہ مقصود ہوگا۔ اس لئے بچوں کی شفاعت سے یکتائی میں فرق نہیں آ سکتا۔

۶ مگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب تک آپ کو شفاعت کی اجازت نہ ملے اُس وقت تک آپ کسی کی شفاعت نہ کر سکیں گے، اور اسی کی شفاعت فرمائینگے جس کے لئے شفاعت کا اذن آپ کو ہوگا۔ تو کوئی گنہگار شفاعت پر کس طرح بھروسا رکھ سکتا ہے۔ اتنا تو ضرور یقینی ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت ملیگی، لیکن کوئی گنہگار یہ کس طرح سمجھ سکتا ہے کہ میرے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا اذن ملیگا؟ شفاعت کی اصل کنجی تو اذن ہے۔ اور وہ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔ اسلئے جو لوگ شفاعت کا بھروسہ رکھتے ہیں ان کا بھروسہ غلط ہے۔ ہر گنہگار کو صرف اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم ہی پر بھروسا رکھنا چاہیئے۔ اور اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم پر بھروسا رکھنے کا جبتک حق نہ پیدا کیا جائے۔ فقط زبانی جھوٹا بھروسہ بھی ایک شیطانی فریب ہی ہے۔ کیونکہ یہ حق پیدا ہوتا ہے ایمان کی پختگی، پابندی نماز و روزہ، اور جہاں تک ممکن ہو گناہوں سے بچتے رہنے اور آخرت کی بازپرس سے ڈرتے رہنے سے۔

شفاعت کی حیثیت

باقی رہا یہ سوال، کہ تو پھر شفاعت کی کیا حیثیت رہی؟ یہ سوال صرف اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ دنیاوی سفارشیں جو حکام و سلاطین کے دربار میں ہوا کرتی ہیں وہی مفہوم لوگوں کے ذہنوں پر مسلّط ہے۔ ان کی عقل یہی سمجھتی ہے کہ جس طرح دنیا میں سلاطین کے دربار میں مقربانِ بارگاہ سفارشیں کیا کرتے ہیں اسی طرح قیامت میں بھی شفاعت ہونی چاہیئے۔ وہ شفاعت کے مفہوم پر غور کرنے کیوقت بارگاہ الٰہی اور دربار سلاطین کے فرق کو مطلق پیش نظر نہیں رکھتے۔ اس لئے جب یہ سوال دل میں پیدا ہو تو پھر اس مضمون کا ابتدائی حصہ جہاں بارگاہ الٰہی و دربار سلاطین کا فرق بتایا گیا ہے دوبارہ دیکھ لینا چاہیئے تاکہ یہ سوال خود بخود حل ہو جائے، اور یہ کانٹا دل سے بآسانی نکل جائے۔

قیامت میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت

کبریٰ کا منصب عطا ہوگا وہ صرف آپ کی عظمت منزلت آپ کی جلالتِ شان اور آپ کے تقربِ خصوصی کی اس بھرے مجمع میں نمائش ہوگی جہاں سارے اولین و آخرین جمع ہوں گے۔ اور گنہگاران امت کو جو آپ کی ذات سے وابستگی اور آپ کے ساتھ گرویدگی وابستگی ہے اس میں اضافہ ہوگا، اور امت کو یہ معلوم ہوگا کہ رسول کی حیثیت روحانی و ایمانی باپ کی ہے۔ آپ نے اپنی امت کے ساتھ شفقت پدری کا حق جس طرح دنیا میں تعلیم و تبیین کتاب اللہ کرکے قولاً و عملاً اور اخلاقاً و احساناً ادا فرمایا تھا اسی طرح قیامت میں بھی شفاعت کرکے ادا فرمایا۔ اللھم صلی علی سیدنا محمد و اٰلہ و اصحٰبہ و اھلبیتہ و خیار اللہ و بارک وسلم

کیا کچھ لوگ بغیر شفاعت نبوی کے بھی بخشے جائیں گے؟

یہ ایک سوال اور رہ جاتا ہے۔ تو اسی شفاعت کی متفق علیہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب چار بار آپ شفاعت فرمائیں گے تو گنہگاران امت میں سے کوئی مستحق شفاعت شخص باقی نہ رہے گا تو اخیر میں آپ درخواست کریں گے کہ جو لوگ صرف لا الٰہ الا اللہ کہنے والے تھے (یعنی صرف موحد تھے۔ رسالت کا پیغام چونکہ ان تک پہنچا ہی نہ تھا یا صحیح طور سے نہیں پہونچا تھا۔ یا ان کی تشفی کی حد تک نہیں پہونچ سکا تھا اس لئے وہ رسالت پر ایمان نہ لا سکے تھے۔ صرف اپنی فطری بصیرت کی بدولت وہ اپنے کو شرک سے محفوظ رکھ سکے) ان کی شفاعت کی اجازت دیجائے۔ تو فرمایا جائے گا لیس ذالک لک. ولکن وعزتی وجلالی وکبریائی وعظمتی لاخرجن منھا من قال لا الٰہ الا اللہ یعنی اے رسول ان کی شفاعت تمہارے ذمے نہیں ہے لیکن قسم ہے مجھکو اپنی عزت و جلال و کبریا و عظمت کی کہ میں دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال لوں گا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہے۔" یعنی جب یہ لوگ تمہاری رسالت پر ایمان نہیں رکھتے تھے تو پھر تمہاری شفاعت کا بھی حق نہیں رکھتے میری

وسیلہ

توحید کے قائل تھے اسلئے انہیں اب مجھی کو بخشنے دو

شفاعت کی طرح عوام ہی نہیں خواص نے بھی وسیلہ کا ایک بہت خطرناک فتنہ دین میں پیدا کر رکھا ہے قرآن مجید میں ایمان والوں کو حکم ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی بارگاہ میں تقرب کا ذریعہ حاصل کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (سورۂ مائدہ ۳۵ آغاز ۶) اور سورۂ بنی اسرائیل ۵۷ رکوع میں ارشاد ہے اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا ۝ وہ لوگ جن کو یہ پکارا کرتے ہیں وہ (خود) اپنے رب کی بارگاہ میں تقرب کا ذریعہ حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں کہ کون زیادہ تقرب حاصل کرتا ہے، اور وہ اپنے رب کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ تمہارے رب کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے۔

قرآن مبین میں انہیں دو آیتوں میں وسیلہ کا لفظ آیا ہے۔ جس کا ترجمہ سارے اہل لغت بالاتفاق تقرب اور ذریعۂ تقرب لکھتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر فرمائش کی کہ سلوا اللہ لی الوسیلۃ یہاں الوسیلہ پر الف لام عہد ذہنی کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس فرمائش سے پہلے اس تقرب خاص کا ذکر صحابہ رضی اللہ عنہم سے آچکا تھا جس کو قرآن مجید میں مقام محمود فرمایا گیا ہے اور آپ نے صحابہ کو بتایا ہے کہ وہ بہت بڑے تقرب خصوصی کا مقام ہے مگر اس کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں "مقام محمود" میں بھیجدے (بنی اسرائیل ۷۹) اگرچہ وعدۂ الٰہی پر یقین کامل رسول کو نہ ہوگا تو کس کو ہوگا۔ مگر چونکہ یہی مقام

شفاعت کبریٰ کا ہے اس لئے اس سے امت کا مفاد بھی وابستہ ہے۔ پھر امت کو بھی اپنے رسول کی ہر مسرت میں شریک ہونا امت کی عین سعادتمندی ہے اور عبث یکت د ثواب مزید۔ اس لئے آپ نے امت سے فرمائش کی کہ میرے لئے اللہ سے اس درجۂ تقرب کو مانگو اسی لئے اذان کی دعا میں یہ جملہ دعائیہ بھی داخل ہے کہ وآتِ سیّدنا محمدنا الوسیلۃ الخ اے اللہ عطا فرمائے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ یعنی تقرب خصوصی کا درجہ عطا فرما۔ (باقی)

چراغ راہ کا اسلامی قانون نمبر

بہترین مقالات نفیس مضامین اور تحقیقی و تاریخی مباحث کا وہ بیش بہا گنجینہ جو آپ اپنا جواب ہے۔ اشتہار میں اس کی رفعت و افادیت کا بیان ممکن ہی نہیں۔ چند لکھنے والوں کے نام ذیل میں دیئے جاتے ہیں جن سے آپ کچھ اندازہ فرماسکیں گے۔ صرف ہند و پاک ہی کے نہیں دیگر ممالک کے متعدد ماہرین و علماء نے بھی اسے اپنے فکر پارو ں سے آراستہ کیا ہے۔ بعض سلف کے بھی بہترین جواہر پارے شامل کئے گئے ہیں

ڈاکٹر صبحی محمصانی	الاستاذ محمد ابوزہرہ
ڈاکٹر عبد القادر عودہ شہیدؒ	مولانا مجیب اللہ ندوی
ڈاکٹر مصطفےٰ احمد زرقا	ابن خلدونؒ
ڈاکٹر محمد حمید اللہ	مفتی عمیم الاحسان
مولانا ابو الاعلیٰ مودودی	شاہ ولی اللہؒ
مولانا ابو الحسن علی ندوی	ڈاکٹر جارج وائٹ کراس سیٹن
مولانا عبد الماجد دریابادی	سر الفریڈ ڈیننگ
مولانا امین احسن اصلاحی	ڈیوڈ ڈی۔ سانتی لان
مولانا عبد الغفار حسن	پروفیسر سی اے نالینو

نقشے اور چارٹ بھی منسلک ہیں۔ ڈاکٹر اقبال کی تحریر کا عکس بھی ہے تجلی سائز کے ۸۱۲ صفحات پر مشتمل دو ضخیم جلدوں کا یہ نمبر یقیناً معرکۃ الآراء کہلانے کا مستحق ہے اسی لئے اسے پاکستان سے فراہم کرنے کی دِقت اٹھائی گئی ہے۔ مکمل کی قیمت صرف آٹھ روپے رجسٹری سے طلب فرمانے والے ڈاک خرچ ملاکر دس روپے ارسال فرمائیں)

"چراغ راہ" کا سالنامہ ۶۰ء

"چراغ راہ" اپنے نمبروں کے لئے اتنی شہرت حاصل کرچکا ہے کہ اب اس کے کسی نمبر کے تفصیلی تعارف کی احتیاج نہیں۔ نثر و نظم کے بہترین جواہر پارے جمع کرنا اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس سالنامے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک درجن مشاہیر کے غیر مطبوعہ خطوط بھی شامل ہیں۔ مکتبہ تجلی باوجود دشواریوں کے چراغ راہ کے نمبران کی افادیت ہی کی وجہ سے مہیا کرتا ہے۔ شائقین حاصل کرنے میں عجلت فرمائیں

قیمت ڈیڑھ روپیہ

"تجلّی کا "خلافت نمبر

اس نمبر نے جتنی مقبولیت حاصل کی وہ لائق صد ہزار شکر ہے۔ پرانے قارئین تو اسے ملاحظہ فرما چکے ہیں لیکن نئے حضرات محروم مطالعہ ہیں۔ انھیں پہلی فرصت میں حاصل کرلینا چاہئے۔ یہ اپنے جملہ مضامین خصوصاً مدیر تجلّی کے مبسوط مضمون "عثمانؓ" کی اہمیت و افادیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ نہ صرف پڑھا جائے بلکہ محفوظ رکھا جائے۔

قیمت ایک روپیہ

"تجلّی کا "خاص نمبر ۵۷ء

جماعت اسلامی کے متعلق تفصیلی بحثیں مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بعض فرمودات پر سیر حاصل نقد۔ نذر و نیاز، عرس، فاتحہ اور سماع موتیٰ وغیرہ کا مبصرانہ جائزہ۔ قارئین کو اس شہرہ آفاق نمبر میں شروع سے آخر تک دلچسپ و مفید مباحث ملیں گے

قیمت ڈیڑھ روپیہ

مکتبہ تجلّی دیوبند یو۔پی

تجلی کی ڈاک

مہربانیاں

سوال :- از ذکی الدین - حیدرآباد دکن -

جناب عامر صاحب - آپ کے کمال تحریر کا تو میں بہت دنوں سے ثناخواں ہوں، لیکن ایک بزرگوار جو پاکستان گئے تھے اور آپ سے بھی ملے ہیں، آپ سے بہت ناراض ہیں اور ذیل کی باتیں فرماتے ہیں۔ انھی کے الفاظ میں عرض ہے:-

"عامر پکا منافق اور بدنہاد ہے - اپنے رسالے میں پیری مریدی اور تصوف وطریقت کا مذاق اُڑاتا ہے مگر خود اپنے باپ سے مرید ہے۔ تسبیحیں پڑھتا ہے فسق جلی کا مرتکب ہے کہ حقہ سگرٹ پیتا ہے۔ قبروں پہ سجدے کو ہم بھی مناسب نہیں سمجھتے اور طوائفوں کا گانا بجانا ہمارے نزدیک بھی معیوب ہے۔ مگر یہ خبیث تو اولیاء اللہ کے عرسوں اور نعتیہ قوالیوں اور بہت سی طاہر و مطہر چیزوں پر ایسا غلط سلط لکھتا ہے کہ کفر کی بُو آتی ہے۔ ایسے نجس اور بدشعار لوگوں کے رسالے دیکھنا مذہب کو برباد کرنا ہے۔ جہاں تک ہو سکے اس وہابی بدکار کا بائیکاٹ کیا جائے۔"

تو گذارش ہے کہ مریدی اور حقے سگرٹ وغیرہ کی توضیح کریں کہ ٹھیک ہے یا جھوٹ بولا ہے؟

جواب :-

فاضل بزرگوار کے شائستہ الفاظ کو جوں کا توں نقل کر کے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھی مزا آیا ہے۔ زہے نصیب! ہماری ناچیز ہستی اگر کچھ لوگوں کے لئے سرمایۂ لذّت بنتی ہے تو سمجھئے مٹی ٹھکانے لگی۔ اُن ہونٹوں کو چوم لینا چاہئے جو اسندلال کا خانہ صلواتوں سے بھرتے ہیں۔

شکایت ہرگز نہیں۔ اپنا اپنا رنگِ کلام ہے۔ کوئی بزرگ زمین کے تیسرے طبق میں اُتر کر گفتگو کریں تو ہم سطح زمین کے باشندے ان کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیک توفیق دے۔ جواب ترکی بترکی نہیں، بلکہ ادب کے ساتھ عرض ہے کہ بے شک ہمیں والد رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کا شرف حاصل ہے۔ یہ شرمندگی کی نہیں بلکہ فخر کی بات ہے۔ تجلّی میں جس شیطانی تصوف اور ناپاک پیری مریدی کے بخیے اُدھیڑے جاتے ہیں اس سے ہزار بار اللہ کی پناہ۔ ہمارے والد رحمۃ اللہ علیہ جس قسم کے شیخ تھے اس کا پورا اندازہ تو آپ کو انشاء اللہ اُس تفصیل سے ہوگا جسے ہم "تذکار مطلوب" کے ذیل میں مناسب موقع پر پیش کریں گے۔ فی الوقت تو اتنا ہی سمجھ لیجئے کہ اللہ کے فضل وکرم سے ان کی پیری قرآن وسنّت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اور ان کا تصوف شریعت کے مطلوب تزکیۂ نفس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ اوراد و وظائف بتاتے تھے تو ماثورہ مسنونہ۔ تعلیم دیتے تھے تو قرآنی سلوک کی۔ سکھاتے تھے تو اخلاقِ حسنہ اور اشغالِ محمودہ۔ خود سوچ لیجئے کہ مدیر تجلّی جیسا "دشمنِ طریقت وتصوف" جس پیر کے ہاتھ پر بیعت کرلیگا اسکے اوصاف واطوار کیا ہوں گے۔ یہاں باپ بیٹے کا سوال نہیں، بلکہ حقائق اور دین ودیانت کا سوال ہے۔ کسی شخص نے اگر تجلّی کے مطالعے سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہم سرے سے بیعت وارشاد ہی کے قائل نہیں تو اس نے غلطی کی ہے۔ بیعت تو خود حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم لیا کرتے تھے۔

تسبیحیں پڑھنے کو بھی فاضل بزرگ نے اعتراض کا ہدف بنایا ہے۔ شاید اس لئے کہ ان کے نزدیک تسبیح پڑھنا اُس تصوف کے زمرے میں داخل ہے جس کی مدیر تجلّی مخالفت کرتا ہے۔ پھر بھلا اسے اس سے کیا واسطہ؟

جواب یہ ہے کہ موصوف کو تھوڑا سا علم حاصل کرنا چاہئے

جہالت آدمی کا خانہ خراب کردیتی ہے۔ تسبیح پر اورادِ مسنونہ پڑھے جائیں تو یہ عین شرعی عمل ہے۔ اگر اس عمل پر تصوف کا بھی اطلاق ہوتا ہے تو ایسا تصوف سر آنکھوں پر۔

مگر تسبیح سے مراد اگر وہی دانوں والی تسبیح ہے تو لطیفہ یہ ہے کہ ممدوح نے خلافِ واقعہ بات بیان کی۔ عاجز کو کبھی ایسی تسبیح خوانی کی توفیق نہیں ملی جو ملنے جلنے والوں کی نگاہ میں آئی ہو۔ ہاں فجر و عصر کے بعد انگلیوں پر وظیفہ پڑھنے کا بے شک مجرم ہے تو یہ ایسی بدکاری نہیں کہ چارج شیٹ لگا دیا جائے۔

حقہ پینے کا الزام سو فی صدی صحیح ہے۔ مگر بڑے کبھی مجبوری میں اس کا بدل ہو جاتی ہے۔ سر جھکا کے عرض ہے کہ جو فقیہ حقہ نوشی کو فسقِ جلی سمجھتے ہوں وہ ناچیز کو فاسق معلن کہتے ہیں ہرگز نہ چوکیں۔ لیکن جب مرنے کا وقت آئے تو توبہ کر لیں۔ نہیں کریں گے تو اللہ کے یہاں ایک حلال کو حرام ٹھیرانے کے گناہ میں دھر لئے جائیں گے۔

غنیمت ہے فاضل بزرگ نے قبروں پر سجدے کو کم سے کم "نامناسب" اور طوائفوں کے گانے بجانے کو کم سے کم "معیوب" تو جانا۔ مناسب اور محمود جانتے تو کوئی کیا کر لیتا۔ قبوری شریعت کے سلسلہ میں فدوی جو کچھ لکھتا رہا ہے اور لکھتا رہے گا وہ کسی کے نزدیک بوئے کفر سے ملوث ہے تو اسے ناک بند کر لینی چاہئے۔ ویسے حکماء کا کہنا یہ ہے کہ جب زکام سڑ جاتا ہے تو آدمی اپنے ہی اندر کی بو سونگھتا ہے۔ جو باتیں زمین کے طبقِ ثالث ــــ یا پھر ساتویں آسمان سے کہی جائیں ان کا جواب کہاں سے آئے۔ قرآن و سنت کے مطالب کو دلیل و برہان کے ساتھ پیش کرنے والا کافر۔ اور شرک و بدعت کی دلدل میں گلے گلے اترا ہوا قبر فروش مومن!

محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

خبیث و نجس وغیرہ کے جو خطاباتِ عالیہ ازراہِ بزرگی عطا کئے گئے ہیں ان کا حق تہنیت تحت الثریٰ میں پہنچے بغیر ادا نہیں ہو سکتا۔ ہم ابھی سطح زمین ہی پر رہنا چاہتے ہیں، اس لئے فاشکری معاف! تاہم اگر جوابی خطابات سے حق تشکر ادا ہو سکتا ہے تو لیجئے چند خطابات ہماری طرف سے بھی موصوف کی بارگاہ میں پیش کر دیجئے:۔

"حضرت، صوفی، خواجہ، عارف باللہ، عاشقِ اولیاء وغیرہ" یہ کم لگیں تو پھر ملا علی سے رجوع کیا جائے۔ وباللہ التوفیق

غلط زاویے

بریلی سے ہمارے ایک محترم نے اپنے ایک بریلوی دوست کے دو خط ارسال فرمائے ہیں جن کا تعلق ہماری ہی ذات سے ہے۔ محترم کا اصرار ہے کہ ان کے جواب تجلی میں دیئے جائیں۔ عدم گنجائش کے باوجود اس اصرار کو اس لئے ماننا پڑا کہ معاملہ ذاتیات کا نہیں، بلکہ دین کے بنیادی نقاطِ نظر کا ہے۔ جو زاویۂ فکر وجہ قبوری شریعت کے رواج و قبول کی وجہ بنا ہے اس پر گفتگو تجلی میں آئے دن ہوتی رہتی ہے اور آئے دن ہوتی ہی جاتی ہے۔ ہم دیانت کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ اس زاویۂ نظر نے اسلام کو سڑا دیا ہے اور قوائے عمل کے لئے اس کی غیر مرئی شعاعوں میں فالج کا زہر ہے۔

خط لکھنے والے ایک بریلوی بزرگ ہیں اور مکتوب الیہ تجلی کے ایک خریدار۔ ہوا یوں تھا کہ تجلی دسمبر ۵۷ء میں راقم الحروف کی ایک نظم "عمل، عمل، عمل" شائع ہوئی تھی۔ یہ نقل کر کے خریدار موصوف نے مذکورہ بزرگ کو بھیجا۔ ان بزرگ نے جواب دیا ــ یہی جواب "پہلا خط" ہے۔ دوسرا خط اس نظم سے متعلق نہیں مگر بنیادی فکر کے اعتبار سے اسی شعبہ کی چیز ہے۔ ہم دونوں کا جواب علی الترتیب دیں گے۔ نظم چونکہ کافی دنوں پہلے شائع ہوئی تھی اس لئے پھر سے اسی اشاعت میں کسی صفحہ پر شائع کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین گفتگو کی پوری تفصیل سمجھ لیں۔ ویسے بھی یہ نظم اپنے پیغام اور مرکزی خیال کے اعتبار سے اس لائق ہے کہ یاد رکھی جائے۔ اب خط ملاحظہ فرمائیے:۔

خط:۔

اعزی ۔۔۔ سلمہٗ دعائیں

راحت نامہ مورخہ ۳۰ رجنوری ۷ رفروری کو موصول ہو کر کاشفِ حالات ہوا اور تمہاری مرسلہ نظم بھی ملی۔

عزیزم مجھے حیرت ہے کہ تم مجھے اب بھی شاعر تصور کرتے ہو حالانکہ "ایک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے" بہرحال تمھاری محبت کے تقاضوں کے پیش نظر بے کم و کاست اپنے تاثرات قلم بند کئے دیتا ہوں۔

اصلاً یہ ایک طنزیہ اصلاحی نظم ہے جس میں نعت گو حضرات کے قول و عمل میں دورنگی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ کلیتاً تو صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ہم سے نقالوں کو نظر انداز کر دیجئے بہ نعت گو تو صاحب نسبت اور بزرگ ہستیاں ہیں جن پر یہ اعتراض وارد نہیں کیا جاسکتا۔

فنی اعتبار سے اس نظم کو مسدس کہا جاسکتا تھا۔ لیکن اس میں ایک خاص جدت سے کام لیا گیا ہے۔ یعنی مسدس کے دو شعر بقید ردیف و قافیہ ہوتے ہیں۔ جیسے مطلع میں یہ پابندی لازمی ہوتی ہے اور بیت کا شعر علیحدہ ردیف و قافیہ کا شعر (مطلع نما) ہوتا ہے' لیکن ان بزرگوار نے تیسرے مصرعہ کو ردیف و قافیہ کی قید سے آزاد رکھا ہے ممکن ہے اس کا کوئی جواز ہو جو میری کوتاہ نظر سے نہ گذرا ہو۔ بہرحال اگر نیت بخیر ہے تو مقصد اچھا ہے۔ بعض لوگ اسی قبیل کی آڑ لیکر نعت گوئی سے روگرداں کرنے کی سعیٔ نامسعود کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مجھے کوئی بدگمانی نہیں ہے نہ میں کسی کی نیت پر شبہ کرنے کو مستحسن سمجھتا ہوں' میں نے بالکل خلوص دل سے اظہار رائے کر دیا ہے۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ مجھے بھی یہ حق ہو گیا کہ تم سے معلوم کروں کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ یہ نظم ہے کسکی اور تم نے مجھ سے اس کے متعلق کیوں رائے طلب کی یقیناً یہ تفصیل معلوم ہونا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

اس نظم کے دوسرے بند کا پہلا مصرعہ "یہ سچ ہے کہ میلاد و سیرت کے جلسے بظاہر ہیں بام سعادت کے زینے" لفظ بظاہر شاعر کی نیت کی جانب سے بے حد مشکوک کرتا ہے۔ اس جگہ لفظ "یقیناً" استعمال کرنا چاہئے تھا' کیونکہ یہ فی نفسہٖ بام سعادت کا زینہ اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور بالیقین ہے پھر بظاہر کہنے کے کیا معنی۔ اگر کوئی شخص کسی اچھی چیز سے سبق نہ لے تو یہ اسکا ذاتی قصور اور کمی ہے نہ کہ اس شے کی ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ہزاروں ایسے بھی تو ہیں کہ خود اس سرچشمۂ رشد و ہدایت کی تلقین کے باوصف محروم سعادت رہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن عظیم جیسا صحیفۂ آسمانی دنیا میں موجود ہونے کے باوجود کروڑوں نفوس کفر و ضلالت میں آج تک مبتلا ہیں تو اس سے اصل شے کی خوبی میں تو کوئی فرق نہیں آسکتا۔ پھر آپ نے میلاد و سیرت کے جلسوں کو کیوں موضوعِ بحث بنایا۔

بس یہی کہ اس بہانے سے لوگ بآسانی اس سعادت سے دست کش ہو سکتے ہیں اور نشر و اشاعت اسوۂ رسول کے ازلی منکر اور مخالف اس طرح اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھ لو کہ نماز کی ادائیگی کے عذر کے لئے کوئی یہ دلیل قائم کرے کہ چونکہ ہم سے خشوع و خضوع ممکن نہیں لہٰذا ایسی نماز کیا پڑھنا جو محض نقل ہو یا اکل حلال و صدق مقال نہیں تو نماز پڑھنا کیا اور بہت سی مثالیں اسی قبیل کی پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہ سب شیطانی وساوس اور مشورے ہیں۔ آج ہم ایک نیک کام کی ابتدا کرتے ہیں اگرچہ اس میں ہزاروں خامیاں ہوں۔ بہرحال وہ نیک ہے اور عین ممکن ہے کہ اس کی مداومت سے وہ کمی دور ہو جائے اور ایک ایسا دن بھی آجائے کہ ہماری وہ نیکی باحسن وجوہ نیکی کہلانے کی مستحق قرار پا جائے۔

نظم کے آخری بند کے چوتھے مصرعہ میں کہا گیا ہے کہ "وفا کیشیوں سے جفا کوشیوں سے زمانہ میں اس کی اشاعت کریں گے"۔ جفا کوشی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا شعار نہیں اور شاعر کا مقصود تو اتباع پیروی نبی مکرم ہے۔ لہٰذا اسے یوں کہنا چاہئے تھا کہ۔ "رضا کیشیوں سے وفا کوشیوں سے زمانہ میں اس کی اشاعت کریں گے"۔ تمھیں معلوم ہے کہ مسلسل علالت نے

فکر و نظر سے دُور رکھا ہے، نہایت سرسری طور پر جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں تمہاری خوشنودی کے لئے لکھ دیا ہے۔

خیراندیش محمد صابر حسن شیو اغفرلہٗ

جوابؒ :-

جناب محترم السّلام علیکم

جناب کا والا نامہ میرے نام تو نہ تھا لیکن نظم چونکہ میری ہی ہے اس لئے اس پر کچھ عرض کرنے کی جرأت آپ کے عزیزہ . . . . . کی فرمائش پر کر رہا ہوں۔

مسدّس کے فنّی نقص کے بارے میں عرض ہے کہ آنجناب اگر اُن تغیرات کا مطالعہ فرما چکے ہوتے جو شعر و ادب میں بتدریج واقع ہوتے چلے آ رہے ہیں تو یہ نقص قابلِ لحاظ نہ معلوم ہوتا۔ میں اسے نقص نہیں سمجھتا۔ اگر کوئی سمجھے تو لڑائی بھی نہیں۔

"بظاہر" کے لفظ پر آپ کا اشتباہ اور اصلاح دینی دردمندی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اخلاص میں برکت عطا فرمائے۔ لیکن یہ بات آنجناب کی نگاہِ رسا سے مخفی نہیں ہو سکتی کہ تنہا اخلاص کسی مرض کی دوا نہیں جبتک اس کے جلو میں فہم و فراست کا جلوہ نہ ہو۔ میلاد و سیرت کے جلسوں کو فی نفسہٖ بامِ سعادت کا زینہ اور قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھنا میرے نزدیک فریبِ لطیف ہے جس میں سطح بین حضرات گرفتار ہو گئے ہیں۔ کہنا یوں چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ، ان کی سیرت کا بیان اور ان کی یاد تازہ رکھنا فی نفسہٖ قربِ الٰہی کا زینہ ہے بشرطیکہ حدود و قیود اور موقع محل کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ نظم میں بحث مجرد تذکرۂ رسولؐ سے نہیں کی گئی ہے، بلکہ اُس مروجہ شکل و ہیئت سے کی گئی ہے جو فی زمانہ شائع ذائع ہے اور جسے "جلسے" یا "مولود" کا نام دیا جاتا ہے اسی لئے عنوان کے ذیل میں نمایاں قلم سے یہ الفاظ لکھوائے گئے ہیں:-

"جلسۂ میلاد کے ایک اجتماع سے!"

یہ شکل و ہیئت بادی النظر میں تو محمود و مقدّس معلوم دیتی ہے کہ اس کا عنوان ختمی مرتبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور ولادتِ شریفہ ہے، لیکن بصیرت سے کام لیجئے تو اپنی وضع، اپنے لازمی اثرات و مضرات اور اپنی معنوی قباحت کے لحاظ سے یہ مضر زیادہ ہے نافع کم۔

کسی بالغ نظر سے یہ نکتہ پوشیدہ نہیں کہ کسی چیز کے اچھے یا بُرے ہونے کا فیصلہ محض بعض سامنے کی صفات پر منحصر نہیں ہوا کرتا۔ کچھ اچھائیاں اور کچھ بُرائیاں تو دنیا کی ہر شے میں موجود ہوتی ہیں۔ اچھی شے وہ ہے جس میں خیر و منفعت غالب ہو، بُری وہ ہے جس میں مضرّت و شر کا غلبہ ہو۔ اُس شخص کو سطح بیں نہیں تو اور کیا کہیں گے جو کسی شے کا محض خوشنما رنگ روپ دیکھ کر اس کے مفید ہونے کا فیصلہ کر دے اور یہ نہ دیکھے کہ اندر بھرا ہوا زہر کتنا قاتل ہے۔

پھر بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ان میں گنتی کے اعتبار سے تو فائدے بہت سے ہیں مگر نقصان صرف ایک ہی اتنا بڑا ہے کہ سارے فائدے گرد ہو کے رہ گئے ہیں بشرطیکہ اصابتِ نظر سے کام لیا جائے۔

مثال کے طور پر مخلوط تعلیم ہے۔ اس کے فائدے اتنے ہیں کہ مغربی علماء انھیں گنواتے گنواتے تھکا دیں گے لیکن مضرت صرف ایک ہے جنسی انارکی۔ یہ ایک مضرت اپنے لوازمات و عواقب کے اعتبار سے اتنی بڑی ہے کہ سارے منافع اس کے آگے ہیچ ہیں۔

اسی طرح بعض چیزوں میں ظاہری اعتبار سے کافی فائدے نظر آتے ہیں، لیکن فی الحقیقت ان کی مضرت بہت زیادہ ہوتی ہے۔

پوری شریعت میں جتنی بھی بدعتیں ہیں ان کی ایجاد و مقبولیت کا سرچشمہ دراصل یہی ظاہر بینی اور سطحی اندازِ فکر ہے کہ بعض خوبیوں کو سب کچھ سمجھ لیا گیا اور قباحتوں سے آنکھ بند کر لی گئی۔

سعادت اور قربِ الٰہی کا یقینی و قطعی زینہ تو صرف وہی چیزیں ہو سکتی ہیں جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے ایسا قرار دے دیا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، انفاق فی سبیل اللہ، خوش خلقی، دیانت و عدل وغیرہ۔ لیکن ان میں سے ہر چیز کچھ قیود کچھ حدود کچھ ہیئتیں رکھتی ہیں جن کے بغیر سعادت اور قربِ الٰہی کا

صورنا ممکن ہے۔ جو شخص ان کا لحاظ نہیں کرے گا اوندھے منہ گرے گا۔ مثلاً فجر میں دو کے بجائے چار فرض پڑھ ڈالئے روزے کو غروب آفتاب کے بجائے اذانِ عشاء پر کھولنے لگئے، دل داری کی خاطر جھوٹے وعدے کیجئے، ان حرکتوں کا نتیجہ بربادی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

ایسا ہی معاملہ رسول اللہ صلعم کے ذکر و فکر اور یاد رکھنے کا ہے۔ جن طریقوں کا حکم دیا گیا ہے یا حضورؐ کے عمل سے ان کا اثبات ہوتا ہے وہ بالیقین زینۂ سعادت ہیں، لیکن جو طریقے خود ایجاد کر لئے جائیں وہ بظاہر زینۂ سعادت ہو سکتے ہیں قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

آپ طمانیت و فرصت کے وقت میں اسلامی تعلیمات کی روح اور مجموعی اسپرٹ پر غور فرمائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ میلے ٹھیلے اور تہوار قسم کی چیزیں اس کی سرشت ہی کے منافی ہیں۔ لے دے کے دو عیدیں اس نے مقرر کیں۔ ان میں بھی بلکہ نیچے سوائے اضافۂ نماز کے کچھ بھی ہنگامہ آرائی نہیں۔ حضورؐ سے قبل ہزاروں نبی گذرے ہیں۔ کتنے ہی ممتاز انبیاء کے تو نام ہی قرآن میں موجود ہیں اور جیسی جیسی منقبت ان کی اللہ نے کی ہے اس کا تو کھلا تقاضا تھا کہ جلسے جلوس اور میلاد و برسی وغیرہ روح اسلامی کے خلاف نہ ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور یہ سب کچھ کرتے۔ ان کے لئے تو یہ بھی ناممکن نہ تھا کہ جس نبی کا یوم ولادت و وفات چاہیں اپنے اللہ سے پوچھ لیں اور جلسوں پر جلسے کر ڈالیں۔

اشیاء کی حقیقت اور اس کے جملہ اثرات و مضمرات کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس سے قطع نظر کہ میلاد و سیرت کے مروّجہ جلسے اسراف و تبذیر، ذہنی عیاشی اور افراط و تفریط کے مجموعے ہوتے ہیں اپنی ساخت اور سرشت ہی کے لحاظ سے ان کی مضرت کم نہیں ہے۔ قوائے عمل کو مفلوج کرنا، غلو کے عقیدت کا زہر پھیلانا، منصوص فرائض میں خلل ڈالنا، ذہن و مزاج کو زبانی جمع خرچ کا عادی بنانا ان کے طبعی اثرات ہیں لوگ مطمئن ہو بیٹھتے ہیں کہ ہم نے نیکی کی حالانکہ جس طرح پانچ رکعات فرض پڑھنا نیکی نہیں سرکشی ہے اسی طرح ان طریقوں سے رسول اللہ صلعم کا تذکرہ کرنا جن طریقوں کو اللہ اور رسول نے پسند نہیں فرمایا نیکی کیسے ہو سکتا ہے۔

یہ نکتہ خاص طور پر لائق توجہ ہے کہ نیکی صرف وہ ہے جسے اللہ اور رسول نے نیکی قرار دیا۔ کوئی عمل کوئی ریاضت اپنی ظاہری شکل و ہیئت اور سطحی منافع کے اعتبار سے نیکی نہیں ہو سکتی اگر اسوۂ رسول سے اس کے خلاف ثبوت مل رہا ہو۔ حضرت عیسیٰ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہما السلام تک کا یوم ولادت یا یوم وفات حضورؐ نے نہیں منایا نہ صحابہؓ کو حکم دیا، حالانکہ یہ انبیاء ایک نہ ایک دن پیدا ضرور ہوئے تھے اور دنیا سے گئے بھی تو واضح بات ہے کہ برسی اور میلاد کا شر ان کے خیر پر غالب ہوگا ورنہ بھلائیوں کا سب سے بڑھ کر پھیلانے والا رسولؐ انھیں کیسے نظر انداز کر دیتا۔

صحابۂ کرامؓ امتِ مسلمہ کے معتمد ہیں۔ ان کا اجماع حجتِ شرعی ہے۔ ان کے اسوے مشعلِ ہدایت ہیں۔ انھیں سے کسی کی بھی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت و وفات منائیں۔ جلسے کریں، سلام پڑھیں تقریروں کی آندھیاں چلائیں۔ کیا آج کے مسلمان سمجھتے ہیں کہ صحابہؓ کم عقل تھے یا انھیں رسول اللہ صلعم سے کم محبت تھی، یا ان میں کسی کو شاعری اور خطابت نہیں آتی تھی یا لاؤڈ اسپیکر کے بغیر جلسہ نہیں ہو سکتا تھا۔ آخر کونسی رکاوٹ تھی جس نے اس زینے کی طرف ان کا دھیان نہیں جانے دیا جسے آپ سعادت اور قربِ الٰہی کا یقینی زینہ منوانا چاہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے ایسے خود ساختہ طریقوں کا انجام اچھا نہیں، ان سے ذہنی لذت پرستی کو شہ ملتی ہے۔ ان سے اسراف و تبذیر کے دروازے کھلتے ہیں۔ ان کا فائدہ سطحی مگر نقصان گہرا ہے۔

یہ استدلال کہ جو چیز اچھی ہے وہ اچھی ہی رہے گی چاہے لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں یا اسے غلط استعمال کریں کافی دلکش ہے مگر بنیادی کمزوری اس میں یہ ہے کہ اچھائی برائی کا معیار واضح نہیں کیا گیا۔ جس شے کے اچھے ہونے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے اس کی اچھائی تو پہلے ثابت ہو۔ نماز

اور حج کی اچھائی ثابت ہے۔ لوگ ان کی ادائگی میں عمل یا نیت کا قصور کر کے فائدوں سے محروم رہیں تو قصور انکا ہے یہ چیزیں بہرحال مامور و مکتوب رہیں گی۔ میلاد و سیرت کے جلسوں کی اچھائی پہلے ثابت کیجئے تب یہ دلیل ان میں چل سکے گی۔ ظاہری اچھائی تو اس میں بھی ہے کہ پانچ کی بجائے سات نمازیں جماعت سے پڑھا کیجئے مگر حقیقت میں یہ گمراہی کہلائے گی کیونکہ رسول اللہ ؐ نے سات نہیں پڑھیں۔ اسی طرح رسول اللہ ؐ کی محبت و عقیدت کے عنوان سے میلاد و وفات کے ہنگاموں کو بطور کار ثواب معمول بہ بنا لینا ایجاد ہے اطاعت نہیں۔ بدعت ہے سنت نہیں۔

میلاد النبی اور سیرت کے جلسوں میں سال بہ سال جن مفاسد کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور جیسی جیسی ضلالتیں ان کا جزءِ لازم بن کر رہ گئی ہیں ان کے بعد بھی اگر آپ کا اور آپ کے ہم مشربوں کا یہی خیال ہے کہ سیرت و میلاد کے جلسے نشر و اشاعت اسوۂ رسول کا ذریعہ ہیں تو عاجز نہیں سمجھتا کہ ہوش و حواس سے محرومی اور کس چیز کا نام ہے۔ میلاد و سیرت کے مروجہ جلسے ہوں یا قبور اولیاء کے نام نہاد ہنگامے انھوں نے اسلام کو جس قدر بدنام اور نگاہِ غیر میں مسخ کیا ہے اتنا کفار کے معاندانہ پروپیگنڈوں نے بھی نہیں کیا۔ دشمن جو کچھ کہے گا اس کی وقعت زیادہ نہیں ہوگی، لیکن خود مسلمان ہی جن کوتکوں میں گرفتار ہوں گے انھیں دوسری قومیں اسلام ہی کے کوتک سمجھیں گی۔ جو پڑھے لکھے ہیں وہ علمی حیثیت سے چاہے اسلام کو معاف کر دیں لیکن انسانی نفسیات کچھ ایسی ہے کہ ہزار نظری فارمولوں کے مقابلہ میں تھوڑے سے عمل کا زیادہ اثر لیتی ہے۔ تحت الشعوری طور پر پڑھے لکھے بھی یہی گمان کرتے ہیں کہ اسلام یہ ہے جو مسلمانوں کے عمل سے ظاہر ہے وہ نہیں جو کتابوں میں لکھا ہے۔

جو شخص حرام کھاتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، نمازوں میں جی نہیں لگاتا اس سے یہ تو نہیں کہا جائیگا کہ نماز مت پڑھو کیونکہ نماز کا فریضہ کسی حال میں ساقط ہونیوالا نہیں۔ وہ منصوص و مکتوب ہے۔ افرض الفرائض ہے، لیکن یہ ضرور کہا جائے گا کہ جب تک معصیت پر جری رہو گے نمازیں کوئی فائدہ نہ دیں گی۔ آپ مطالبہ کریں تو ہم متعدد ایسی احادیث پیش کر دیں جن میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ ایسی نمازیں منہ پر ماردی جائیں گی۔

میلاد و سیرت کے سالانہ جلسے اگر نماز ہی کی طرح کوئی فرض یا واجب ہوتے تو ہم کہتے کہ خلاف شرع طریقوں کو چھوڑ کر انھیں کرتے رہو ثواب ملیگا، فائدہ پہنچے گا۔ لیکن یہ سرے سے کوئی مقام ہی شریعت میں نہیں رکھتے اس لئے خلاف شرع امور سے پرہیز کرتے ہوئے بھی ان کے کرنے کا اذن نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ اپنی بہتر حالت میں بھی مبتدع اور غیر ذمہ دار ذہن کی پیداوار ہیں۔ یہ کہنا کہ "آج ہم ایک نیک کام کی ابتدا کرتے ہیں اگرچہ اس میں ہزاروں خامیاں ہوں بہرحال وہ نیک ہے اور عین ممکن ہے کہ اس کی مداومت میں وہ خامی دور ہو جائے اور ایک ایسا دن بھی آئے کہ ہماری وہ نیکی باحسن وجوہ نیکی کہلانے کی مستحق قرار پائے"۔ اندھیرے میں تیر چلانے سے کم نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک عطائی کہنے لگے۔ گل بنفشہ ملہٹی اور جواہر مہرہ بہرحال مفید دوائیاں ہیں انکا مرکب ہر خاص و عام کو پلانا شروع کردو۔ اگرچہ اس سے ہزاروں آدمی بن آئی مارے جائیں مگر عین ممکن ہے کہ اس کا کثرتِ استعمال اس کے نقصان پر غالب آجائے۔

حضرت! نسخے مریض کے مرض، مزاج اور کیفیات دیکھ کے لکھے جاتے ہیں۔ اچھے سے اچھا نسخہ بھی زہر بن سکتا ہے اگر صرف اس کے اجزا کی ذاتی افادیت پیش نظر ہو اور مریض کے احوال کی پرواہ نہ کی جائے۔ اللہ اور اس کا رسول جو نسخے ہمیشہ کے لئے تجویز فرما دیں گے ان کے بارے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ وہ قیامت تک انسانی فطرت و جبلت کے لئے سازگار ہیں، لیکن جو نسخے خود انسان کسی قوم و ملت کے لئے تجویز کرے وہ قطعی نہیں

ہو سکتے۔ ان کا حکم بعض حالات میں زہرِ ہلاہل کے برابر ہوتا ہے۔ خستہ حال امتِ مسلمہ کا مرض یہ نہیں کہ اسے رسول اللہ سے محبت و عقیدت نہیں۔ محبت تو اسے اتنی ہے کہ کوئی اگر کسی مسلمان کے سامنے نعوذ باللہ رسول اللہ کو گالی دے دیکھے مُردہ سے مُردہ بھی جان پہ کھیل جائے گا۔ حالانکہ ایسے بہت مسلمان ہیں جو ماں باپ کی گالی کھا کے ہضم کر لیتے ہیں یا مذاق میں ٹال دیتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ جذبے کے اعتبار سے آج بھی رسول اللہ کو ہمارے قلوب میں بلند تر مقام حاصل ہے تو ہمارا اصلی مرض ہے بے عملی یعنی جذبہ کے لازمی تقاضوں سے فرار اور اہم کو چھوڑ کر غیر اہم کے پیچھے دوڑنا۔ ایسی حالت میں زبانی جمع خرچ پر مشتمل مجلسیں مرض دفع کرنے کی بجائے اسے غذا پہنچانے کی خدمت انجام دیں گی۔ جیسے مشاعروں میں شعر سنکر لوگ جھومتے ہیں اسی طرح مجالس میلاد و سیرت میں سلام اور تقریریں سنکر ہم جھومینگے جو انرجی عمل میں صرف ہونی چاہیے تھی وہ نرے جذباتی ہیجان و اشتعال میں خرچ ہوتی رہیگی۔ میلے ٹھیلے کی ذہنیت فروغ پائے گی۔ اسراف کا جذبہ تیز تر ہوتا جائے گا۔ اتنا تیز کہ مسجدیں سجا بنا کے تعزیوں کی مثل بنادی جائیں گی۔ جب آدمی کا زاویۂ نظر کج ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کے گھر کو بھی اپنی نفسانی آلودگیوں سے ملوّث کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔

حاصلِ غرض یہ ہے کہ جس نیکی کی خامیاں دور ہو جانے کی آس آپ لگائے بیٹھے ہیں وہ سرے سے نیکی ہی نہیں ہے۔ ظاہری سطح سے آپ دھوکا کھا رہے ہیں۔

آخری بند کے چوتھے مصرعہ میں آپ کی اصلاح اچھی رہی۔ ویسے یہ تو درست نہیں ہے کہ "جفا کوشی" کی نسبت میں نے سرکار دو عالم کی طرف کی ہے۔ نسبت خود اپنی طرف ہے اور جفاکوشی جفاکشی کے مفہوم میں لیا ہے کیونکہ نظم کا مقصود یہی ہے کہ لفاظی اور انجمن طرازی کی بجائے ہمیں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جفاکش بننا چاہیئے۔ آرام طلبی کی بجائے مشقت اٹھانی چاہیئے۔ لفظی عقیدتوں کے غبارے بناتے رہنا کھیل کود کی سی بات ہے جب تک عمل کو اس سے مناسبت نہ ہو۔ لیکن جفاکیشی اگر جفاکشی کے معنی میں استعمال کرنا غلط ہے تو آپ کی اصلاح سر آنکھوں پر۔ خدا کرے کہ جناب خیریت سے ہوں۔ دوسرے خط کا جواب بھی ملاحظہ فرمالیں۔

عامر عثمانی

دوسرا خط:۔

(اس خط سے نجی باتیں حذف کردی گئی ہیں)

میرے ذاتی قیاسات جو میں عرصہ سے اس معاملہ میں کر رہا ہوں اور بعض معتبر اطلاعات یہ ہیں کہ آں عزیز یوماً فیوماً مائل بہ وہابیت ہیں۔ خدا کرے کہ میرا یہ قیاس و اطلاعات صحیح نہ ہوں۔ مگر مجھے اس سے دُکھ بہت پہنچ رہا ہے۔ ذرا اپنے والد ماجد اور دادا صاحب قبلہ کے عقائد کا جائزہ لو اور اُن کے کردار اور اعمال کو پرکھو اور سوچو کہ اُن میں اس سلسلہ میں کیا کچھ خامیاں تھیں جو تمھیں وہابیت کی طرف مائل کرنے کی محرک ہوئیں۔ حکیم صاحب اور اُن کا سارا خاندان سیاہ قلب وہابی ہیں۔ ان کا شعار یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قدرت اور محبت سے بڑے رکھ رکھاؤ اور تحسین و خوشنما پردوں کے ساتھ دلوں کو بے بہرہ کرتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھئے کہ کیا سرکار دو عالم حیات النبی ہیں تو یہ فوراً اقرار کرلیں گے، لیکن اس حقیقت کو اگر واضح انداز میں تفتیش و تفحص کے طریقہ پر اُن سے معلوم کیا جائے تو وہ کہیں گے کہ باعتبار انسانیت تو وہ نعوذ باللہ مر گئے۔ البتہ اُن کے اعمال و اقوال زندہ ہیں اور اسی اعتبار سے وہ حیات النبی ہیں "عیاذاً باللہ"

تمھیں یاد ہوگا کہ تم نے ایک نعتیہ نظم مجھے لکھ کر بھیجی تھی اور اُس کے متعلق میرا خیال معلوم کیا تھا اور میں نے اپنے احساسات اور نظریہ کو بے کم و کاست لکھ دیا تھا۔ اُسی دن سے مجھے اس سلسلہ میں بدگمانی ہوئی اور آخر پیہم اطلاعات نے اُسکو حقیقت تک پہنچا دیا۔

یقیناً ہر شخص عقیدہ اختیار کرنے میں آزاد ہے۔ چنانچہ لوگ آج تک برابر عقائد تبدیل کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے لہٰذا تم بھی مختار قطعی ہو۔ میرا اس سلسلہ میں تمھیں کچھ لکھنا محض اُس تعلق خصوصی کی بنا پر ہے جو ابتداء سے مختلف اسباب کی بدولت تم سے اور تمھارے گھر سے ہے۔

اگر میں اپنی سعی میں خدانخواستہ ناکامیاب رہا تو مجھے تعلق ہونا بھی یقینی ہے۔ کاش تم مجھ سے قریب ہوتے اور اس سلسلہ میں تم سے زبانی تفہیم و تفہم ہو سکتی۔ یہ فرقہ بڑا منافق ہے اور مومن کے دل سے سرکارِ دو عالم کی متاعِ عظمت و محبت کو بڑے خاص انداز سے چھڑا تا ہے اور آخر ایک دن یہ کہلوا لیتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ہی جیسے ایک انسان ہیں اور اس کی دلیل قرآنِ عظیم کی اس آیت سے کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ دیتے ہیں اور یُوحٰی اِلَیَّ کے فرق پر پردہ ڈالتے ہیں۔ اور ایسی ہزاروں آیات ہیں کہ جن کے معنی و مطالب توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں۔ حضور اکرم کا سایہ نہ ہونے کے وہ منکر، معراج جسمانی کے وہ منکر "اللہ معطی وانا قاسم" (اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں) کی حدیث صحیح کے وہ منکر۔ بظاہر "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کے معترف اور موید لیکن حقیقتاً معاملہ بالکل برعکس۔ درود بھیجنے میں انھیں تکلف اور بخل۔ اللہ جل و علا شانہٗ درود بھیجنے کا حکم فرمائے اور یہ بخل سے کام لیں اور صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے دنیا کو فریب دینے کے لئے صلعم پر اکتفا کر لیں۔ معلوم ہوا کہ درود میں بھی شارٹ فارم سے کام لیا جا سکتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خود تو جس کا "ڈے" چاہے منا لیں، لیکن سرکارِ دو عالم کی محفلِ میلاد کو کنہیا جنم اسٹمی سے تشبیہ دیں۔ نماز میں سرکارِ دو عالم کا تصور آ جانا خاکم بدہن تو بہ تو بہ گدھے اور سور کے تصور سے بدتر بتائیں اور تاویل یہ پیش کریں کہ تصور آنے سے مراد بحیثیت معبود تصور آنا ہے۔

اب ان عقل کے اندھوں سے پوچھو کہ یہ تصور تو کسی جاہل اجہل مسلمان کے ذہن میں بھی نہیں آ سکتا تو پھر یہ خطرہ کس سے متعلق ہے۔ شاید تم نے ان کی تقویت الایمان نہیں دیکھی، ذرا اُس کو حاصل کر کے مطالعہ کرو پھر ان کی حقیقتِ عقیدہ واضح ہوگی۔ ان کی یہ کتاب بالکل شیعوں کی "کلینی" کی طرح ہے۔ جس طرح شیعہ سنیوں کے خوف اور عام مسلمانوں کے ڈر سے اپنے صحیح عقیدے کا اظہار نہیں کرتے اور عام نگاہوں سے اُسے پوشیدہ رکھتے ہیں یہی سرکارِ دو عالم سے ان کے بغض کا نقشہ ہے۔ مُنھ سے یہ کچھ اور لکھتے ہیں اور دل ان کا کچھ اور کہتا ہے۔ دنیا کو دھوکا دینے کے لئے ایک طرف پیری مریدی کا سلسلہ بھی ہے دوسری طرف بزرگانِ دین کی عظمت و جلالت اور تصرفات کے منکر بھی ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کی بنائی ہوئی مشین میں تو یہ صلاحیت اور قدرت ہے کہ دنیا کے ایک گوشہ کی بات آن کی آن میں دنیا کے دوسرے گوشہ میں پہنچا دے، مگر اُس ذاتِ گرامی کی جس کی بدولت کون و مکاں وجود میں آئے، جس نے آن کی آن میں عالمِ بالا کی سیر فرمائی جس کو خدا نے خلعتِ محبوبیت مرحمت فرمایا جس کی بدولت خدا نے خطۂ طیبہ کی قسم کھائی جس کی خوشنودی باری تعالیٰ کو بدلِ جان منظور ہے، جس پر خدا سلام بھیجے اور ملائکہ کو درود پڑھنے کا حکم فرمائے اُس قدرت کی بنائی ہوئی شخصیت میں یہ اہلیت نہیں کہ ہم یہاں سے اُنھیں پکاریں اور وہ وہاں ہماری پکار سن لیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

برین عقل و دانش بباید گریست

میں نے اسی حقیقت کے پیشِ نظر یوں کہا ہے:۔

تری عظمتوں کے منکر کہ ہے جن کے دل میں کینہ
ترے فیضِ معرفت سے دُھلے کاش اُن کا سینہ
جو نصیب ہو یہ دولت تو کہیں بصد قرینہ
تری قدرتوں میں تنگ ہے جنھیں اے شہِ مدینہ
اُنھیں دل سے اعترافِ کرمِ خدا نہیں ہے

میں اپنی مکمل تضمین بھیج رہا ہوں اسے حکیم صاحب کو سنانا اور پوچھنا کہ میرے کس کس عقیدہ سے اُنھیں اختلاف ہے اور میں کس حد تک اُن کے نزدیک بدعتی اور مشرک ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ عین زندگی اور عین ایمان محبت ہے سرکارِ دو عالم کی اور اُس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ جن کے دل حضور کی محبت سے خالی ہیں وہی اس قسم کی باتوں کو معرضِ بحث میں لاتے ہیں۔ بقول اقبال:۔

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی

انسانی ذہنوں میں اللہ تبارک وتعالی کے وجود کا تصور ہی
نہ آتا اگر سرکار دو عالم کا واسطہ نہ ہوتا۔ ہمیں خدا سے
روشناس کرانے والی اور جلوہ گاہ وحدت میں ہماری گردنیں
جھکا دینے والی ایک ہی شخصیت ہے۔ لہٰذا ہمیں اسی کی
ذات کے ساتھ اپنا کامل رابطہ پیدا کرنا چاہئے اور اسی
پر دل وجان سے قربان ہونا چاہئے۔
میں نے مندرجہ بالا تحریر میں کسی جگہ بدل وجان کا لفظ
باری تعالی کے متعلق تحریر کیا ہے اگر یہ تحریر ان کی نظر سے
گذرے تو وہ اسی کو لے اڑیں گے کہ لیجئے خدا کے دل اور
جان ہے۔ حالانکہ یہ فقرہ بطور روزمرہ استعمال کیا گیا ہے،
جس کے معنی ہیں بحیثیت کلی۔ فقط۔

جواب:-

محترم ومکرم۔
اللہ تعالی آپ کو نعمتوں سے نوازے۔ جناب کے
خط میں وہابیت کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کا دائرہ
اب آپ کے ہم مسلک حضرات نے اتنا وسیع کر دیا ہے کہ
اہلحدیث اور دیوبندی حضرات اور جماعت اسلامی والے
سبھی اس میں آجاتے ہیں۔ میں اس وقت جو کچھ کہوں گا
وہ دیوبندی مسلک کی نمائندگی میں کہونگا اور دیوبندی
مسلک بھی وہ جو ماضی قریب کے دیوبندی علماء کے
فکر ونظر کا مظہر ہے نہ کہ وہ جو آج کل دیوبندی مسلک
کہلاتا ہے۔ آج کل ہم دیوبندی علماء کا کوئی خاص مسلک
نہیں۔ ضرورت پڑنے پر ہم حکمت عملی کے نقطۂ نظر
سے بعض ان نظریات کی بھی تائید کر دیتے ہیں جو فی الحقیقت
ہمارے اصلی مسلک سے جوڑ نہیں کھاتے۔ ہم نے کئی اعمال و
عقائد بھی ایسے اختیار کر لئے ہیں جن کو اختیار کئے بغیر دنیاوی
مفادات کا تحفظ مشکل تھا۔ ہم میں متعدد ایسے مبلغ و واعظ
بھی پیدا ہو چکے ہیں جو ہمارے حقیقی مسلک سے تفصیلی واقفیت
نہیں رکھتے لیکن عوام کے سامنے وہ دیوبندی مسلک کے
ترجمان بن کر ہی جاتے ہیں اور جو رطب ویابس ان کے منھ سے
نکلتا ہے اسے دیوبندی مسلک کے خانے میں ڈال دیا جاتا ہے

آنجناب کا خط بعض غلط معلومات اور بدگمانیوں اور بعض
غلط فہمیوں کا مرکب ہے لیکن خلوص سے تہی دامن نہیں اسلئے
توقع ہے کہ آپ اور آپ جیسے وہ حضرات جو اخلاص کے
ساتھ اظہارِ کدورت کرتے ہیں میری معروضات پر
ٹھنڈے دل سے توجہ فرمائیں گے۔
یہ کہنا بہت بڑی بدگمانی ہے کہ مسلمانوں کا ایک
عظیم گروہ منافق ہے۔ یعنی وہ دل میں تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی محبت وعقیدت نہیں رکھتا بس زبان ہی زبان
سے اظہار کرتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اللہ تعالی
نے اسی لئے تنبیہ فرمائی ہے کہ اِنَّ بعضَ الظنِّ اِثم۔
دراصل آپ حضرات کی بدگمانی کا سنگِ بنیاد
وہ جذباتی غلو ہے جس نے علم وعقل کے تقاضوں کو دبا کر
آپ حضرات کی پرواز خیال کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ آپ
حضرات ختمی مرتبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف
امتیازات اور محاسن ومناقب کے تعین میں قرآن،
سنت کو بنیاد نہیں بناتے بلکہ جو بھی عقائد ومزعومات آپ
کے دل ودماغ میں پہلے سے درآمد ہو گئے ہیں انھی کے محور
پر قرآن وسنت کو گردش دیتے ہیں اور انہی کو اصل مان
کر قرآن وسنت کا مطالعہ فرماتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ جن آیات
واحادیث سے آپ کے مزعومات کی تصدیق وتصویب
کا کوئی دور دراز پہلو نکل سکتا ہو وہی آپ کی نظر میں سب
سے زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہیں چاہے فی الحقیقت
وہ کسی اور ہی مفہوم کی حامل ہوں۔ اور جو آیات واحادیث
آپ کے مزعومات سے ٹکراتی ہوں ان کی آپ تاویل بلکہ
تحریف کر ڈالتے ہیں۔
یہ اعتراض مت کیجئے کہ کوئی عقیدۂ وخیال پہلے
سے دماغ میں کیونکر آسکتا ہے۔ شب وروز یہ مشاہدہ ہو
رہا ہے کہ ماحول کے اثر یا مزاج ومذاق کی مناسبت یا کسی
داعیے کے تحت یا بطور توارث ایک عقیدہ ایک خیال
ایک تصور انسان کے دل ودماغ میں جاگزیں ہو جاتا ہے
اور پھر وہ اس کے لئے دلائل تلاش کرتا ہے۔ علمائے تو

کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ کم ہی دعوے ایسے ہوتے ہیں جو دلیل کے بطن سے پیدا ہوئے ہوں، ورنہ عام طور پر دعووں کی پیدائش نفسِ انسانی کی کارگہِ خاص میں پہلے ہوتی ہے اور دلائل بعد میں تلاش کئے جاتے ہیں۔

آپ حضرات نے برہان و دلیل سے بے نیاز ہو کر۔۔ یا ظاہر فریب دلائل کا سہارا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت کا ایک طبع زاد تصور قائم کرلیا۔ پھر اس تصور کو اُس قوم کی آئیڈیالوجی نے غذا پہنچائی جس سے ہر وقت کا واسطہ تھا۔ یہ قوم ظاہر ہے قوم ہنود کے سوا کوئی نہیں۔ ہنود کے پاس فنِ روایت نہیں تھا۔ نہ کوئی ایسا دین تھا جو زندگی کو ہمہ جہتی اصول و اقدار سے روشناس کرا سکتا۔ اسی لئے وہ مجبور تھے کہ افرادِ قوم کا مذہبی شیرازہ منضبط رکھنے کی خاطر عجائبات اور خوارق عادت سے کام لیں۔ اس مجبوری سے پیدا ہونے والے طرزِ فکر کا اثر مسلمانوں میں بھی آیا انھیں بھی عجوبہ پسندی کی چاٹ پڑی اور کڑی جانچ پرکھ کے بغیر روایات قبول کرلینے کا عام رجحان انھیں بھی پیدا ہو گیا۔

یہ اجمالی تجزیہ ہے اُن بے شمار باطل عقائد و اعمال کے پس منظر کا جو آج قبوری شریعت کے ذیل میں ہر طرف بکھرے نظر آتے ہیں۔ آپ حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلو آمیز عقائد خود پر مسلط کرلئے ہیں اور جو لوگ آپ کو ٹوکتے ہیں انھیں گمراہ وہابی کہا جاتا ہے۔ غور کر کے بتائیے ایک عیسائی یوں کہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے نہ انھیں امت کی مغفرت کا ضامن سمجھتے ہیں۔ لہٰذا وہ مرتکب توہین ہوئے تو آپ کے دل پر کیا گذرے گی؟

ایسی ہی قیامت ہم لوگوں کے دل پر گذرتی ہے جب آپ ہمیں رسول اللہؐ کی توہین کا مرتکب یا ان کی محبت سے عاری قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا ایمان یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہؐ کی محبت سے عاری ہو اور حضورؐ کے ثابت شدہ فضائل و مناقب کا انکار کرے وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی مسلمان بھی ہو اور اللہ کے سب سے بڑے رسول کی محبت و

عقیدت سے گریزاں بھی!

آپ بدگمانی کو دل سے نکال کر اور اس زعم سے بالاتر ہو کر کہ جو کچھ جس طرح ہم سمجھتے ہیں وہی عین وحی ہے غور فرمائیں کہ سیاہ قلبی اور نفاقِ عظیم کا یہ الزام کس قدر بے رحمانہ ہے اور اس کے ذریعے کتنے بے شمار انسانوں کو جہنمی ثابت کرنے کی بے دلیل کوشش کی جا رہی ہے۔

کاش آپ حضرات اپنے ذہن و شعور کی گہرائیوں میں اُتر کر دو انتہائی خوفناک امراض کا جائزہ لے سکیں۔ ایک یہ کہ توحید و رسالت کی ترتیب آپ کے یہاں اُلٹ گئی ہے یعنی توحید کو اصل الاصول اور رسالت کو اُس تک پہنچنے کا زینہ سمجھنے کی بجائے آپ حضرات نے توحید کو ثانوی درجہ میں ڈال دیا ہے اور عقیدت و محبت کی ساری پونجی ۔۔۔ یا اس کا اکثر و بیشتر حصہ رسالت ہی کے قدموں میں نچھاور کئے دے رہے ہیں۔ اللہ کی عظمت و قدرت کن بلندیوں کی حامل ہے اسکی طرف آپ کے قلب و ذہن برائے نام سے زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا میں ایسا غلو کرتے ہیں کہ جیسے اصل پرستش خدا کی نہیں، بلکہ حضور ہی کی ہے۔ حالانکہ علمی طور پر آپ خوب جانتے ہیں کہ رسول اللہؐ صرف مطاع ہیں، معبود نہیں۔ راہنما ہیں منزل نہیں۔ معلّم ہیں مسجود نہیں۔ رسول ہیں خدا نہیں۔

دوسرا بہت ہی فساد انگیز مرض یہ ہے کہ ادب و تعظیم کے جو تصورات و معیارات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہم امتیوں کے ہونے چاہئیں آپ حضرات تحت الشعوری طور پر یقین رکھتے ہیں کہ کچھ اسی نوع کے تصورات و معیارات حضور کے لئے اللہ تعالیٰ کے بھی ہوں گے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ جس نظر سے ہم اُمتی حضورؐ کو دیکھتے ہیں آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ بھی اسی نظر سے دیکھتے ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ جن آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ آداب نظر نہیں آتے جن کے ہم اُمتی خوگر ہیں ان کے معانی آپ لوگ اُلٹ پلٹ کے ایسے کر دیتے ہیں کہ گویا اللہ تعالیٰ بھی حضورؐ کے لئے انھی آداب کا پابند تھا جس کے ہم اُمتی

ند ہیں۔ لہٰذا ترجمہ وتفسیر وہی ہونا چاہئے جو ان آداب
مشتمل ہو۔

خیر آداب تک بھی صبر تھا لیکن آپ لوگ تو اصطلاحی
داب اور طبعی حقائق تک میں فرق نہیں کرتے۔ مثال کے طور
پر اسی خط میں آپ نے "حیاۃ النبی" کا ذکر کیا ہے۔ یہ محض جھوٹا
الزام ہے کہ دیوبندیوں کے خیال میں حضورؐ باعتبار انسانیت
مر گئے بس ان کے اعمال و اقوال زندہ ہیں۔ دیوبندی ان اعمال و
اقوال سے ہٹ کر ذاتِ رسول کے لئے بھی ایک طرح کی زندگی
تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ وہ قرآنی حقائق اور اٹل مشاہدات سے
گریز نہیں کرتے۔ قرآن ہر ذی روح کے لئے موت کو لازمی بتاتا
ہے۔ مشاہدہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اگر حقائق کی بحث
نہ ہو تو رسول اللہؐ کے ذکر و بیان میں دیوبندی بھی یہ طرز
کلام اختیار کبھی نہیں کرتے کہ "رسول اللہؐ کو موت آگئی" —— یا
"رسول اللہؐ مر گئے"۔ اس کی بجائے وہ کہتے ہیں —— "آپؐ
وصال فرما گئے —— اپنے رب سے جا ملے —— پردہ فرما لیا" وغیر
ذلک۔ یہی شائستہ طریق ہے اور اسی پر ہر اُمتی کو عمل پیرا ہونا
چاہئے۔ لیکن اگر گفتگو آداب و اصطلاحات سے گذر کر ٹھوس
حقائق اور طبعی وقائع تک پہنچے تو یہیں سے ان میں اور آپ میں
فرق ہو جاتا ہے۔ وہ اُن آیات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں
جن سے ہر ذی روح کی فنا ثابت ہے یا جن میں خود حضورؐ
کے لئے "موت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اُس مسلّم واقعے
سے انکار نہیں کرتے جو بے شمار صحابہؓ کے سامنے پیش آیا اور پھر
حضورؐ کو اسی طرح قبر میں دفن کر دیا گیا جس طرح ہر میّت دفن کر دی
جاتی ہے۔

آپ اس کے برخلاف دعویٰ کرتے ہیں کہ حضورؐ کبھی
مرے ہی نہیں۔ جو ان کی موت ثابت کرتا ہے گمراہ ہے۔ یہ
اُسی دوسرے تحت الشعوری مرض کا نتیجہ ہے جسے ہم نے ذکر
کیا۔ موت انسانی بیچارگی و لاچاری کا آخری مظہر ہے۔ رسول اللہ
کو جو ناقابلِ قیاس بلند مرتبہ امتیوں کے مقابلہ میں حاصل ہے اسکے
پیشِ نظر امتیوں کی طبیعت اسے پسند نہیں کرتی کہ ان کا یہ عظیم
ہادی و راہنما انسانی بیچارگی کے آخری اسٹیج پر نظر آئے۔

بس اسی جذبۂ ناپسندیدگی سے وہ اللہ کو بھی متصف کر دینا
چاہتے ہیں۔ یعنی انھیں یقین ہوتا ہے کہ ہماری ہی طرح اللہ بھی
اپنے اتنے برگزیدہ بندے کو ضعف و ناتوانی کی اس آخری
منزل پر لانا پسند نہیں کر سکتا۔ اسی لئے وہ طرح طرح کے دلائل
اس پر لاتے ہیں کہ رسول اللہؐ کو کبھی موت آئی ہی نہیں۔

حالانکہ "موت" میں جو توہین کا سا پہلو محسوس ہوتا ہے
وہ صرف امتیوں کے مقام و حیثیت کا ایک جذباتی تقاضا ہے
خود اللہ کی نسبت سے اس میں نہ کوئی توہین ہے نہ تقلیل۔

اسی طرح آنجناب نے انما انا بشر مثلکم کا جو ذکر کیا ہے اسکی
تفسیر میں بھی آپ حضرات کا یہی مرض کار فرما ہے۔ ادب و تعظیم
کے عرفی تقاضے امتیوں کو سکھاتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے بارے
میں زبان و قلم کو انتہائی محتاط رکھو۔ چنانچہ دیوبندی حضرات
عام حالات میں کبھی یہ نہیں کہتے یا لکھتے کہ رسول اللہؐ ہم ہی
جیسے تھے، کیونکہ ہمارے اور حضورؐ کے اوصاف و احوال میں
کوئی نسبت ہی نہیں۔ لیکن جب گفتگو عرفی آداب سے
گذر کر حقائق اور منطق و سائنس کی آجائے تو یہیں سے ان کا
اور آپ کا راستہ جدا ہوتا ہے۔ وہ قرآن اور مشاہدے
کے آگے سر جھکا کے بلا تامل مان لیتے ہیں کہ بے شک اللہ کے
رسولؐ بشر ہی تھے ہمارے جیسے۔ لیکن آپ حضرات یہ سنتے ہی
نعوذ باللہ پڑھ گذرتے ہیں، حالانکہ یہ اعلان تو خود اللہ نے ہی
حضورؐ سے کروایا تھا کہ کہدو میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں
یہاں بھی وہی چیز ہے کہ بشر کی نوع میں تو بدسے بدتر اور گھٹیا
سے گھٹیا لوگ شامل ہیں اس لئے محبت کرنے والی امت
کا دل نہیں چاہتا کہ ان کا سب سے بڑا راہنما اسی نوع میں
شمار کیا جائے۔ اس نہ چاہنے کو وہ اللہ سے بھی خود بخود منسوب
کر لیتے ہیں اور پھر کلام الٰہی کی عجیب عجیب تاویلیں کرتے ہیں۔

یہ کس نے آپ سے کہدیا کہ دیوبندی وحی الٰہی پر پردہ
ڈالتے ہیں۔ اس سے زیادہ جھوٹا اور لغو الزام کوئی اور نہیں
ہو سکتا۔ دیوبندی رسول اللہؐ کو اللہ کا بنایا ہوا مطاع، قائد،
حاکم، قاضی، شارح، معلّم، مربّی سبھی کچھ مانتے ہیں اور عمل سے
اس کا ثبوت بھی دیتے ہیں۔ وہ اگر کسی بحث کے موقع پر

کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ ہماری ہی طرح ایک بشر تھے تو اس کا مطلب یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اعمال یا مراتب یا مناصب کی یکسانی کا دعوٰی کیا جارہا ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ ایسا پوچ تصور کون کرسکتا ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ نے جو مختلف انواع، جن، ملائکہ، جانور اور انسان وغیرہ بنائی ہیں ان میں سے انسان وہ نوع ہے جس کے فرد رسول اللہ ہیں۔ کھلی بات ہے جب ایک شخص یوں کہے کہ کالو دھوبی بھی ایسا ہی بشر ہے جیسے صدر امریکہ۔ تو اس کا مطلب اوصاف و مناصب میں یکسانی نہیں ہوگا۔ نہ کفر و اسلام کے فرق کو دھکیلنے بلکہ وہی ہوگا جو عرض کیا۔ لاریب کہ طبعی و نوعی اعتبار سے جملہ بنی آدم ایک ہی ہیں اور جنس بشریت کا فی اطلاق فرعون و ہامان یا زید، عمرو بکر کسی پر بھی ہوتا ہے اسی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہوتا ہے۔

دیوبندیوں نے جب بھی یہ کہا ہے کہ رسول اللہؐ ہمارے ہی ایسے انسان ہیں اس کا منشاء اُن باطل عقائد و اعمال پر تنبیہ کرنا رہا ہے جو حضورؐ کی ذات سے اُلوہی اوصاف منسوب کردینے کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں یو وحی الٰہیؔ پر پردہ ڈالنا تو جب ہوتا جب دیوبندی کہتے کہ حضورؐ کے لائے ہوئے قرآن کو ہم نہیں مانتے۔ لیکن دیوبندی تو قرآن ہی کو نہیں اُس وحی خفی کو بھی مانتے ہیں جسکے تحت رسول اللہؐ قرآنی اُصول و احکام کی تفصیلی شکلیں متعین فرماتے تھے۔ وہ احادیث صحیحہ کو حجت قرار دیتے ہیں اور حضورؐ کی قرار واقعی مدح و ثنا میں کبھی بخل نہیں کرتے۔

یہ الزام بھی غلط ہے کہ وہ معراج جسمانی کے قائل نہیں۔ حالانکہ اگر وہ قائل نہ ہوتے تب بھی یہ ایسی بات نہ تھی کہ ان پر نفاق کا فتویٰ لگادیا جاتا۔ علمائے سلف میں یہ عقیدہ ما بہ النزاع رہا ہے اور حضرت عائشہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما جیسی عظیم ہستیوں سے معراج روحانی کے قول کا سرا ملتا ہے۔

تاہم آپ مطمئن رہیں وہ معراج جسمانی ہی کے قائل ہیں۔

ہاں سایہ نہ ہونے کا معاملہ الگ ہے۔ دلائل نفاق میں سایہ نہ ہونے کے عقیدے سے انکار کو شامل کرکے آپ نے اپنے مکتبۂ فکر کے ذہن کو بالکل عریاں کردیا ہے۔ ایک ایسا عقیدہ جو عقل و نقل ہر لحاظ سے غلط ہو آپ کے دل میں بیٹھ جائے تو ضروری تو نہیں کہ ہر شخص اسے مان لے۔ راقم الحروف اس موضوع پر جتنا کچھ لکھتا آرہا ہے وہ آپ ضرور دیکھیں۔ اگر دیکھ چکے ہیں اور پھر بھی اس بات پر بضد ہیں کہ حضورؐ کا سایہ ماننا نفاق و گمراہی ہے تو اسے ضد، پیچ اور پھر یلا جمود کہیں گے۔

چلئے ہمارے دلائل آپ کی سمجھ میں نہیں آتے نہ سہی مگر یہ تو آپ کو مان لینا چاہیئے کہ اس مسئلہ میں دو رائے کی گنجائش ہے۔ یہ ماننے کے بعد یہ کہنے کی کیا گنجائش رہجاتی ہے کہ جو سایہ مانے وہ منافق!

انما انا قاسم واللہ یعطی کے بھی دیوبندی منکر نہیں۔ منکر چہ معنی آپ دار العلوم دیوبند کا پیڈ دیکھیں تو اس کی پیشانی ہی پر یہ حدیث رقم مل جائے گی۔ ظاہر ہے "انا" کی ضمیر مہتمم دار العلوم کی طرف تو نہیں مڑتی۔

البتہ رسول اللہ کے اختیارِ تقسیم کو ہم لامتناہی نہیں سمجھتے، بلکہ جو حدود و قیود قرآن و سنت میں بیان کئے گئے ہیں ان کا لحاظ رکھتے ہیں۔ آپ اگر کہیں گے کہ نجات اور توفیقِ عمل بھی اللہ تعالیٰ حضورؐ ہی کے ذریعہ تقسیم کراتا ہے تو ہم نہیں مانیں گے۔ رزق کا قاسم بھی ہم رسول اللہ کو نہیں سمجھتے۔ آپ طنز کرنے کی بجائے صراحت سے یہ بتائیں کہ کونسی تقسیم ہے جس کا اقرار ضروری تھا اور دیوبندیوں نے انکار کیا۔

درود بھیجنے میں جسے بخل ہو اُس کی گردن مار دیجئے۔ آپ کسی بھی دیوبندی عالم سے پوچھ دیکھئے کہ وہ درود شریف کی مستقل تسبیح پڑھتا ہے یا نہیں۔ کسی بھی دیوبندی شیخ طریقت کے معمولات و وظائف کا گوشوارہ اُٹھاکر دیکھئے درود شریف کی کثرت اس میں نمایاں ملے گی۔ ہاں نمائش اور نمود ان کا مسلک نہیں۔ انگلیاں چومنا ان کا طریقہ

ہیں۔ بطور اختصار کسی دیوبندی نے صلعم لکھدیا ہو تو یہ بخل کی میل نہیں بن سکتا۔ آپ دیوبندی علماء کی کتابیں اُٹھا کے دیکھیں انشاء اللہ ننانوے فی صدی صلی اللہ علیہ وسلم پائیں گے۔

ویسے بعض دیگر ضروریات کے تحت صلعم لکھ جانا کوئی گناہ بھی نہیں ہے۔ ہم پوچھتے ہیں جس طرح حضور کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا ادب و محبت کا تقاضا ہے کیا اسطرح صحابہؓ کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا ادب و محبت کا تقاضا نہیں ؟ —— ہے اور ضرور ہے لیکن محدثین نے طولِ کتابت کی دشواری کو اس ادب و محبت سے زیادہ اہمیت دی اور اپنی کتابوں میں ہزاروں بار صحابہ کے اسمائے گرامی بغیر رضی اللہ عنہ کے لکھے۔

اسی طرح اگر مضمون میں باربار حضورؐ کا نامِ مبارک آئے اور مضمون نگار طولِ کتابت سے بچنے کے لئے پورے صلی اللہ علیہ وسلم کا التزام نہ کرے، بلکہ صرف صلعم لکھے یا صؐ بنائے تو یہ کس دلیل سے اتنا بڑا گناہ کہا جا سکتا ہے کہ اسے دلائل نفاق میں شامل کر لیا جائے۔ محدثین کا رضی اللہ عنہ کو نظر انداز کر دینا اگر صحابہ سے محبت و عقیدت نہ ہونے کی دلیل نہیں تو کسی کا حضور کے ساتھ صرف صلعم پر اکتفا کر لینا دلیلِ نفاق کیسے ہو سکتا ہے۔ عیاذاً باللہ۔

آپ حضرات کے ذہنی مرضوں کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ احکام و امور کی صحیح ترتیب اور منازل سے بے بہرہ ہو گئے ہیں۔ درود ایک عمدہ حکم ہے لیکن ایسا نہیں کہ اگر کوئی شخص دس میں ایک بار چھوڑ جائے یا اختصار سے کام لے جائے تو اس کے جہنمی ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا جائے۔ اس کے برخلاف رسول اللہ کی طرف کسی بات کا غلط انتساب اتنا بھیانک جرم ہے کہ اسکی سزا میں جہنمی قرار پانا طے شدہ مسئلہ ہے۔ آپ حضرات اوّل الذکر کے بارے میں تو ایسے ذکی الحس ہیں کہ کہیں صلعم نظر آگیا تو بھڑک گئے لیکن ثانی الذکر کے باب میں اس قدر لاپروا، آزاد مزاج اور بے تکلف ہیں کہ جن روایات کا ضعف محققین واضح کر چکے ہیں انھی میں کی اکثر آپ کے یہاں مقبول ہیں اور آپ کے اکثر عقائد ممتاز کی بنیاد بھی ضعیف بلکہ اضعف روایتیں ہیں۔ مثال کے طور پر سایہ نہ ہونے ہی کی مستدل روایت کو دیکھ لیجئے۔ کتنی اضعف ہے کہ بلاتکلف وضع کا فیصلہ دیا جا سکتا ہے لیکن آپ کے کیمپ میں اسے رسول اللہؐ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کسی کی حس بیدار نہیں ہوتی۔ کوئی نہیں ڈرتا کہ ہم کتنا بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔

دیوبندی کسی "ڈے" نہیں مناتے۔ اگر منالیں تو اسے کارِ ثواب قرار نہیں دیتے۔ التزام نہیں کرتے۔ میلا اور تہوار نہیں بناتے۔ میلاد کو کنھیا کی جنم اشٹمی سے تعبیر کرنا اگرچہ دیوبندیوں کا فعل نہیں، لیکن اگر کر ہی دیں تو کیا کفر ہے۔ علم و ادب کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ تشبیہ میں صرف ایک آدھ صفت ہی کی یکسانی پیش نظر ہوتی ہے۔ نہ کہ جملہ صفات کی۔ اللہ کا رسولؐ اگر اپنی اونٹنی کے رُک جانے کو اصحابِ فیل کے رُک جانے سے تشبیہ دے سکتا ہے تو آگے کیا گفتگو رہی۔ اصحابِ فیل بھی کافر ہی تھے۔ انھیں روکتے ہوئے اللہ کو جیسا غصہ رہا ہوگا وہ ظاہر ہے رسول اللہؐ کی اونٹنی کو روکتے ہوئے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تب اس کے سوا کیا کہا جائے کہ تشبیہ کا پھیلاؤ مجرد "رُکنے" سے آگے نہیں بڑھا۔ یہی حال معترض فیہ تشبیہ کا بھی ہے۔ سال کے سال تہوار کے انداز میں جنم دن منانا وجہِ تشبیہ ہے نہ کہ کوئی اور چیز پھر خفگی کیوں؟

نماز میں تصوّر کی بات کا جواب متعدد علماء بارہا دے چکے ہیں۔ کوئی آنکھیں اور کان بند کر لے تو کیا علاج ہے۔ تقویۃ الایمان لاکھوں نے دیکھی ہے اس میں قرآن و حدیث کے سوا کیا ہے۔ جس جس نے اس کے کسی جز پر سنجیدگی سے اعتراض کیا قاطع جواب دیدیا گیا۔ آج بھی بفضلہٖ تعالیٰ جواب دینے والے مرے نہیں۔ مگر اعتراض سنجیدگی سے ہو۔ نعرے بازی کا جواب کون دے۔

دیوبندی بزرگانِ دین کی عظمت و کرامت کے تو منکر نہیں ہاں افسانہ طرازی اور توہمات پر یقین نہیں رکھتے۔ جسکے پاس اعلیٰ درجہ کا فنِ روایت ہو وہ اساطیر الاولین اور دیومالا پر بھروسہ کیوں کرے۔ عظمت و کرامت کے اظہار کا طریقہ بھی ان کے یہاں شریعت کا پابند ہے۔ یہ نہیں کہ عقیدتِ اولیاء کے نام پر غلط سے غلط حرکت کی اجازت دیدی جائے۔ یہ خوب ہے کہ خلافِ شرع طریقوں اور نامحکم روایتوں پر ایمان لانا

بزرگوں کے عاشق۔ علم و عقل استعمال کرو تو وہابی گمراہ۔

اس عقیدے کے لئے کہ رسول اللہؐ ہزاروں میل دُور سے ہماری پکار سُن لیا کرتے ہیں مشینوں کا ذکر بطور استدلال کرکے آپ نے عجیب کم نظری کا ثبوت دیا ہے۔ معجزات کی نوعیت مشینی نہیں ہے، بلکہ اس کی بالکل ضد ہے۔ کوئی مشین چاہے کیسی ہی حیرت ناک کیوں نہ ہو اس کی کارکردگی علم و سائنس اور اسباب و علل کی منطق کے مطابق ہوتی ہے اسکے برعکس معجزہ کہتے ہی اسے ہیں جو علم و منطق کی گرفت سے باہر ہو اور طبیعی و سائنسی فارمولوں سے اس کی توجیہ نہ کی جا سکے مشینوں کی ترقی میں تدریج ضروری ہے کیونکہ وہ علم و سائنس اور تجربۂ و مشاہدے کے تدریجی ارتقاء کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس کے برخلاف معجزات تدریجی کیفیت نہیں رکھتے۔ وہ اچانک ظہور میں آتے ہیں اور اسباب و علل کی منطق سے انکی حقیقت تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ مشین کی صلاحیتوں پر یقین کرنیکا ذریعہ مشاہدہ ہے۔ معجزات پر یقین کرنے کا وسیلہ روایاتِ صحیحہ ہیں۔ جس معجزے کے لئے صحیح روایات مل جائیں اس پر دیوبندیوں کا ایمان ہے، لیکن روایات محکم نہ ہوں تو عقل و منطق سے معجزے نہیں گھڑے جا سکتے۔

بے شک سرکارؐ اللہ کے محبوب ہیں۔ اللہ کی قدرت میں تو یہ بھی ہے کہ ایک نوعمر بچہ اٹھے اور فوجوں کو اُلٹ کے رکھدے۔ اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے۔ مگر معجزات اس دلیل سے ثابت نہیں ہوا کرتے۔ اللہ نے فرشتوں اور جنوں کو قدرت دی کہ انسانی نگاہوں سے غائب رہیں۔ نوعِ بشر کو یہ قدرت نہیں دی۔ تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ جب مفضول مخلوقات کو ایک قدرت عطا کی گئی تو اللہ اپنے محبوب کو کیوں نہ یہ قدرت عطا کرتا۔

بشر کے اختیار و قدرت کی کچھ حدود ہیں۔ انھی حدود میں وہ کام کرتا ہے اور اللہ کے طے فرمودہ طبیعی قوانین کو توڑا نہیں کرتے۔ بشر کے سُننے کی صلاحیت ایک محدود فاصلے تک کام کرتی ہے۔ آپ اگر کہنے لگیں کہ ٹرانسمیٹر تو سیکڑوں میل دُور تک آواز پھینک دیتا ہے پھر اللہ کا محبوب پیغمبر کیا ٹرانسمیٹر جیسی بھی کم ذی صلاحیت رہا ہوگا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ حضورؐ جب بولتے تھے تو آپ کی آواز سیکڑوں میل تک پہنچ جاتی تھی۔ حضورؐ لاکھ اللہ کے محبوب ہوں، لیکن سنّتُ اللہ اٹل ہے اور بطورِ اعجاز اس میں سے کوئی استثناء مشاہدے ہی کی بنیاد پر قبول کیا جا سکتا ہے۔ یا پھر خود صادق و مصدوق اس کو بیان فرمادیں جب یہ طے ہے کہ حضورؐ نوعی اعتبار سے بشر تھے تو اس معجزے کو ثابت کرنے کے لئے کہ وہ آج بھی سیکڑوں میل دُور سے بلا کسی واسطے اور سبب کے ہماری آواز سُن لیتے ہیں ایسی محکم روایات چاہئیں جن سے اطمینان بخش طور پر یہ دائمی اعجاز ثابت ہو، ورنہ منطق بگھارنے اور اٹکل کے تیر چلانے سے یہ اعجاز عقیدے کی فہرست میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ کی قدرت اور سرکارؐ کی محبوبیت کے سہارے آپ دُور از کار منطق چلانے لگیں تو کل کو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جنگ اُحد میں حضورؐ زخمی نہیں ہوئے۔ طائف میں آپ کے چوٹیں نہیں لگیں۔ وغیر ذلک۔ دلیل وہی ہے کہ واہ صاحب! اللہ کی عظیم قدرت بھلا اپنے محبوب کو ایسی اذیتوں سے دوچار کیوں ہونے دیتی۔

یہ سوال تو بعد کا ہے کہ اللہ کا رسولؐ ہماری پکار سُنتا ہے یا نہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ کوئی اسے پکارے ہی کیوں؟ قرآن نے نوع بہ نوع انداز میں یہ حکم دیا کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو۔ اللہ کے سوا کوئی بگڑی بنانے پر قادر نہیں۔ اللہ ہی ہے جو تمھاری پکار سنتا اور تمھارے دلوں تک کا حال جانتا ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حکم کی تبلیغ کی۔ اپنے کو کارساز و دستگیر ہرگز نہیں بتایا۔ نہ یہ کہا کہ گھر بیٹھے مجھے پکارا کرو۔ جب حضورؐ دنیا میں تشریف فرما تھے اس وقت بھی کسی صحابی نے اڑے وقت میں غائبانہ نہیں پکارا۔ اللہ ہی کو پکارا اور وہی سب کا کارساز ہے۔ پھر کیا آفت ہے کہ

ان صریح ہدایات و تعلیمات کے بعد بھی کوئی آج حضورؐ کو پکارنے بیٹھے جب کہ آپ کو دنیا سے گئے ہوئے تیرہ سو سال ہونے کو آئے۔ مشرک کے سینگ نہیں ہوتے۔ یہ شرک نہیں تو کیا توحید ہے کہ مصیبت کے وقت میں بجائے اللہ کے رسول اللہؐ کو پکارا جائے؟

رہا یہ کہ پکار کو حضورؐ سنتے ہیں یا نہیں تو احادیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ امتیوں کے بھیجے ہوئے درود فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں یہ قرینِ قیاس بھی ہے اور سنت اللہ کے مطابق بھی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جنگِ بدر میں اللہ نے مومنین کی مدد کو فرشتے بھیجے۔ حالانکہ وہ فرشتوں کے بغیر بھی صرف کُن کہہ کر مومنین کو کفار پر غالب فرما سکتے تھے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ نامۂ اعمال مرتب کرنے کے لئے انھوں نے کراماً کاتبین معین فرمائے حالانکہ وہ اس واسطے کے بغیر بھی یہ کام کرا سکتے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ اسباب و علل کی طبعی منطق کو استعمال کرنا ہی اللہ کی سنتِ جاریہ ہے۔ پھر یہ بات آپ حضرات کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ حضورؐ کی خدمت میں امتیوں کا درود فرشتے پہنچاتے ہونگے۔

مشینوں کا آپ نے تذکرہ فرمایا۔ چلئے اسی مثال سے سمجھئے۔ ہزاروں میل کے فاصلے پر ریڈیو کے ذریعے آواز سُنی جاتی ہے تو کیا یہ سماع اسباب و علل کے بغیر ہی واقع ہو جاتا ہے؟ ظاہر ہے نشرگاہ میں آلاتِ نشر لگے ہوتے ہیں اور خود ریڈیو میں نشریات کو کیچ کرنے کے آلات فٹ ہوتے ہیں تب کہیں جا کر ہم آواز سُن پاتے ہیں۔ تو یہ اسباب و علل کا اثبات ہوا یا ان کی تردید؟ ظاہر ہے کہ آلات نہ ہوں تو کسی سائنس داں کے محض ارادے اور خواہش سے کوئی عجوبہ ظہور میں نہیں آسکتا اسی طرح رسول اللہؐ کے غیر طبعی سماع کے لئے اسباب و وسائل کا وجود ضروری ہے۔ اسباب نہیں ہوں گے تو بشری سماعت اپنی معینہ طبعی حدود سے آگے نہیں بڑھے گی۔

آپ کی تضمین کا نقل فرمودہ بند خوب ہے۔ حبِ رسول مبارک ہو۔ لیکن جب کہ آپ کی تصریح کے مطابق اس کا ہدف وہابی حضرات ہیں تو کہنا پڑے گا کہ عین حبِ رسول کی سرشاری میں آپ اللہ اور رسول دونوں کی نافرمانی کر گئے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ ظن سے بچو۔ آپ ظن کے تحت وہابیوں کو معاذ اللہ رسول اللہ کے حق میں کینہ پرور کہہ رہے ہیں۔ رسول اللہؐ کا اخلاقِ حسنہ یہ تھا کہ کسی شخص یا گروہ کی خطاکاریوں کا پورا علم و وثوق رکھنے کے باوجود اخلاق کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ آپ اکدم اس سطح پر پہنچے کہ وہابیوں کو عظمتِ رسول کا منکر بھی کہا اور کینہ پرور بھی!

تری قدرتوں میں شک ہے جنھیں اے شہِ مدینہ

یہ رسول اللہؐ کی طرف "قدرتوں" کا انتساب فسادِ قلب و نظر کے سوا کیا ہے۔ اس فساد کو ہم دیوبندی قبول نہ کریں تو گمراہ۔ قدرت والا اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ رسول اللہؐ اہلِ ہنود کے کوئی روایتی دیوتا نہیں تھے جنھیں بھگوان نے مستقل قدرتیں سونپ دی ہوں۔ رسول اللہ کا تو یہ عالم کہ قدم قدم پر اپنے عجز و عبودیت کا اظہار کریں۔ دعاؤں میں گڑگڑا گڑگڑا کر اپنے فقر و احتیاج کا اعتراف فرمائیں مگر امتیوں کا یہ حال کہ انکی طرف "قدرتوں" کا انتساب فرمائیں۔

دعویٰ کیا جاتا ہے کہ رسول اللہؐ کی بدولت کون و مکاں وجود میں آئے۔ دلیل کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ لولاک لما کا ایک چلتا ہوا فقرہ مقبولِ عام ہو گیا بس یہی دلیل ہے۔ حالانکہ کون و مکاں اور جملہ مخلوقات اللہ کی ایک طے شدہ اسکیم کا ناگزیر حصہ ہیں۔ انبیاء و رسل کی آفرینش بھی اسی کا ایک حصہ ہے۔ کسی ایک شخص کے لئے عالم وجود میں نہیں آیا۔

لاریب کہ رسول اللہؐ کی محبت لازمۂ ایمان ہے لیکن یہ محبت نہیں بادل گت ہے کہ جس افراط و غلو سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے اسی پر امتی اصرار کریں۔ حضورؐ کی محبت یہ ہے کہ ان کے لائے ہوئے دین کی رسّی مضبوط پکڑی جائے۔ وہ جن اعمال کو کرتے تھے انھیں اختیار کیا جائے۔ جنھیں ناپسند فرماتے تھے ان سے دور بھاگا جائے۔ صحابہ اور صلحاء و اتقیاء نے یہی کیا۔ انکے یہاں نہ برسیاں تھیں نہ میلاد۔ نہ وہ نمائشی تھے نہ ڈھنڈورچی۔ نہ انھیں رسولؐ کو خواہ مخواہ پکارنے کا شوق آتا تھا نہ وہ زبانی جمع خرچ کا نام محبت رکھتے تھے۔ انھوں نے رسول اللہؐ کے مشن [illegible]

[illegible] فقط وال[illegible]

سنکارا

مسجد سے میخانے تک

از:- مُلّا ابنُ العربْ مکّی

نہ پوچھئے کیسا بھونچال آیا۔ بات ہی ایسی تھی۔ دو تین آدمی جو ہڑبڑا کے اُٹھے تو پاس والے بھی چونکے۔ ایک ہکلا کے بولا:-

"ش شاید گرگٹ ہے۔"

دوسرا بڑبڑایا "بچھو نہ ہو۔"

فقیر اپنے پروگرام کے مطابق باہر ہی کھڑے "سانپ" کا شوشہ چھوڑا اب تو بھگدڑ مچ گئی۔ جیسے تالاب میں ناکہ گھس آیا ہو سب سے زیادہ بدحواسی مولوی شریف الدین کے گھگیانے سے پھیلی جنھیں پشت کی طرف واسکٹ کے اندر کلبلاہٹ محسوس ہوتی تھی۔ وہ گھگیا کے اُچھلے تو پیچھے پلٹ گئے۔ پیچھے دو رام پوری جوان بیٹھے تھے۔ انھوں نے چند عبرتناک گالیاں رسید کرتے ہوئے مولوی صاحب کو آگے کی طرف اُچھال دیا۔ ڈیرے کے دوسرے گوشوں میں بھی ایسی ہی الٹ پلٹ جاری تھی۔ زیر و زبر ہوتی ہوئی محفل ہڑبونگ کا انداز اختیار کر گئی تھی۔ جسے دیکھو ڈیرے سے باہر نکلنے کے لئے سر پر پیر رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

فقیر بہت اطمینان سے اندر گھس گیا اور اتنے میں فدوی بھی چکر کاٹ کے آدر آمد ہوا۔ مینڈک عام حالات میں کاٹتے نہیں ہیں، لیکن فی الوقت انھیں غیر معمولی ہی غصہ ہوگا، کیونکہ عاجز بے وقت پکڑ لایا تھا ظاہر ہے وہ ٹھنڈی ٹھنڈی کیچڑ میں شب خوابی کا ارادہ کر رہے ہوں گے۔ بے وقت گرفتاری کا بدلہ دو چار اہل محفل کا گوشت نوچ کے لیا ہو تو تعجب کیا۔ بعض کی واویلا تو یہی کہہ رہی تھی کہ دال میں بہت بڑا کالا ہے۔

آپ سمجھ گئے نا؟ —— مس شہناز کی بارگاہِ ناز میں حضوری کی سعادت حاصل کرنے کے لئے مجھے پاس ہی ایک جوہڑ نما گڑھے سے درجن بھر مینڈک پکڑنے پڑے تھے۔ پھر ڈیرے کی پشت پر اسٹول کے سہارے انھیں چھت اور قنات کے درمیانی خلا سے اندر پھینکنا پڑا تھا۔ پھینکنے کا طرز ایسا تھا کہ اسے سمجھنے کے لئے آپ کو سائنس پڑھنی ہوگی۔ ایک درجن مینڈکوں کو اس طرح پھینکنا آسان نہیں ہے کہ ایک ہی جھونک میں تین کھونٹ پھٹ جائیں۔ تین کھونٹ متاثر کرنے اس لئے ضروری تھے کہ بیک وقت ساری محفل سر کے بل ناچے۔

پھینکتے ہی اسٹول فقیر اکے لونڈے کے حوالے کیا جسے اسی خدمت کے لئے بلا لیا گیا تھا اور سمجھا دیا گیا تھا کہ خرگوش کی رفتار سے خیمے کی جگہ پہنچ جانا اور اسٹول پر اس طرح بیٹھنا جیسے دس ہزار سال سے یہیں بیٹھا ہو۔ وہ سعادت مند نکلا۔ ہم دڑنگی بھر کے دروازے پہ پہنچے جہاں غدر سن ستاون چالو تھا۔ بہت لوگ باہر آچکے تھے۔ جتنی زبانیں اتنی ہی باتیں۔

"ارے یار دیکھا بھی کیا تھا؟"

"دیکھا تو نہیں۔ سانپ کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔"

"اِدھر گرگٹ بھی بہت ہوتے ہیں۔"

پندرہ بیس منٹ بعد جب محفل دوبارہ جمی تو ہم اور فقیر صفِ اول میں تھے۔ حاجی بُرد بار علی اپنی داڑھی سمیت کونے میں جا پڑے تھے۔ صوفی شبنم صاحب پیچھے قنات کے سہارے کھڑے اس طرح دیدے پھاڑ رہے تھے۔

جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں سب کو کچا چبا جائیں گے۔
لیکن مس شہناز کی آواز بڑی واہیات نکلی جیسے کوا بلبل کی بولی بول رہا ہو۔ جب انترا اٹھاتی تو ایسا لگتا جیسے آنتیں منھ سے نکل پڑیں گی۔ فادری کے تو معدے میں قراقر شروع ہو گیا۔

مگر ظالم کا سراپا لاجواب تھا۔ وہ توبہ شکن حسن کہ ہم اہلِ محفل کے باپ دادوں تک کی روحیں برزخ میں وجد کرنے لگیں۔ آنکھیں وھسکی کے کنٹر، ناک ایسی کہ کاٹ کے گھر لے جائیے۔ چہرہ ایسا روشن کہ چوٹی سے ایڑی تک ہر تماشائی کا تذکیہ ہوتا چلا گیا۔ زلفیں ایسی کہ بقول ارسطو

کالے کا کاٹا پانی نہ مانگے

خوشی کی بات یہ تھی کہ طبلہ ماسٹر داڑھی والے تھے۔ مار لیا کام۔ ہم نے دورانِ سماع میں داد کا رخ انھی کیطرف پھیر دیا۔

"کیا توڑی کے ہاتھ دے رہے ہو استاد۔۔۔ واہ وا ۔۔۔ جیو جیو۔۔۔۔ اسے کہتے ہیں مغلئی تھاپ ــــ" وغیرہ وغیرہ

ظاہر ہے توڑی اور مغلئی تھاپ کا مطلب وہ تو کیا میرے بھی فرشتے نہیں سمجھ سکے، مگر جب دو قوالیوں کے درمیان مس شہناز سانس لے رہی تھیں اور اہلِ دل کا ٹھاٹیں مارتا ہوا جذبۂ سپردگی چھبتے ہوئے فقرے اچھالنے میں منہمک تھا ہم نے استاد کو بتا دیا تھا کہ یہ بغداد کی فنی اصطلاحیں ہیں۔ بندہ ہر سال سماع سننے بغداد جاتا ہے۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ میرا نام پوچھا:۔

"خادم کو پیر زکوڑی کہتے ہیں۔ بھوندو تخلص ہے۔"

"آپ شاعر بھی ہیں؟"

"سو فیصدی۔ اپنے ڈیڈی کا سہرا ہمیں نے لکھا تھا۔"

ان کے چہرے پر تفکر کے آثار ظاہر ہوئے۔ شاید وہ دماغ پر زور ڈال رہے تھے۔ ہم نے سمجھنے کا موقع نہیں دیا۔ فوراً کان میں پوچھا:۔

"آپ کی داڑھی دیسی نہیں معلوم ہوتی؟"

انھوں نے بھاڑ سا منھ کھولا ــــ "کیا مطلب؟"

"یہ دائیں بائیں تین تین سفید بال بغدادی داڑھیوں کی خصوصیت ہے۔ دیسی داڑھیاں ابھی تک اس سلیقے سے سفید نہیں ہوتیں۔"

وہ اور بھی خوش ہوئے۔

اتنے میں مس شہناز پھر شروع ہو گئیں۔

ہے عاشقوں کا صابر میلا تری گلی میں
دنیا تری گلی میں عقبیٰ تری گلی میں

آدھ گھنٹے بعد پھر چند لمحے طبلہ ماسٹر سے سرگوشی کی۔

"یہاں تو کچھ بھی لینا دینا نہیں"۔ ہم نے حقارت سے کہا حالانکہ سچ یہ ہے مس شہناز پر برستے ہوئے روپوں سے یقین ہو گیا تھا کہ امریکہ کی امداد براہ راست یہیں پہنچ رہی ہے ــــ

باچھیں پھاڑ کے بولے:۔

"نہیں ماشاء اللہ کافی نذرانہ آرہا ہے۔"

"کیا خاک آرہا ہے۔ بغداد میں ایک ایک رات میں تنہا طبلہ ماسٹر ہزار ہزار کماتا ہے۔"

"ہزار ہزار" ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"نہیں تو کیا ــــ یہاں آپ کے پلّے رات بھر میں کیا پڑے گا۔ بٹ بٹا کے سو پچاس روپے۔"

"نہیں صاحب اتنے کہاں" انھوں نے حسرت سے کہا "ہماری تو سو روپے مہینہ تنخواہ ہے۔ نذرانے میں سے دس بیس مشکل سے حصے میں آئیں گے۔"

"لعنت ہے اس ناقدری پر۔ میں آپ کی جگہ ہوتا تو طبلے کو تابوت بنا کے دفن ہو جاتا۔"

وہ منھ تکتے رہ گئے۔ شاید طبلے اور تابوت کا رشتہ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"کیا سمجھتے ہیں آپ" ہم نے کہا "بغداد کا ہر طبلہ ماسٹر سال میں دو موٹریں خریدتا ہے۔ نصف درجن آدمی تو اس کے طبلوں کی دیکھ بھال پر ملازم ہوتے ہیں وزیر اعظم تک نہیں مل سکتا اگر پہلے سے وقت نہ لے لے۔"

یکایک مس شہناز کا نغمہ پھر شروع ہو گیا۔ مگر اب کی پہلی ہی تان فادری کے قلب ناتواں پر گویا بن کے ٹوٹی

اس نے وہی قوالی شروع کر دی تھی جو ناچیز نے سن ستاون والے معرکۃ الآراء مناظرے میں پڑھی تھی۔ ناظرین بھول گئے ہوں تو ذرا ٹوپی اُتار کر سر کو ہوا دے لیں یاد آجائے گا کہ سن ستاون کے خاص نمبر میں خاکسار کی فری اسٹائل کشتی کا حال چھپا تھا۔ اسی کا جز چند ایمان افروز قوالیاں بھی تھیں۔

"سُنئے جناب" طبلہ ماسٹر نے طبلہ پر انگلیاں چلاتے ہوئے ہم سے سرگوشی کی" بڑے کمال کی چیز شروع ہوئی ہے"

پھر ان کی انگلیاں طبلے پر تیز تر ہوتی چلی گئیں۔

چھائی گھٹائیں، مہکی فضائیں، عرسوں کا آیا رنگین مہینہ
اب دن کٹیں گے قوالیوں میں، راتوں کو ہوگا جشنِ شبینہ

ہم صوفیوں نے ہندوستاں میں صدہا بنائے دیسی مدینے
دیوبندیوں کے حصے میں آیا لے دے کے تنہا عربی مدینہ

پوری نقل نہیں کروں گا جس کا جی چاہے خاص نمبر اٹھا کے دیکھ لے۔ شعر شعر پہ وہ ٹھن برسا ہے کہ اللہ دے اور بندہ لے

پھر بے تکان اس نے دوسری بھی چھیڑی:۔

بخشش نہ ہوگی بندگیِ اولیاء بغیر قبلہ نظر نہ آئے گا قبلہ نما بغیر
فیضِ قبورِ کلیر و اجمیر کی قسم اپنی تو کٹ رہی ہے مزے سے خدا بغیر

اس کا مقطع اس نے چھوڑ دیا تھا، کیونکہ اس میں عاجز کا تخلص تھا۔ پھر مزید فرمائش ہوئی تو تیسری بھی وہی خاص نمبر والی چلی:۔

زاہد اُلجھ کے رہ گیا روزہ نماز میں ہم لے اُڑے نجات کو نذر و نیاز میں
کرنا ہے وجد حال تو خواجہ کے در پہ آ نغمے کہاں دھرے ہیں شریعت کے ساز میں

ہماری کھوپڑی معدے میں اُتر چکی تھی۔ بقول غالب:۔

سر سے تری نگاہ شکم تک اُتر گئی

طبلہ ماسٹر ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے بڑے فخر کے ساتھ گویا ہوئے:۔

"دیکھا آپ نے کیا کمال کی چیزیں ہیں۔ بائی جی نے بمبئی کے ایک بہت بڑے شاہ صاحب سے لکھوائی ہیں"

جی میں آیا اپنا اور ان کا سر ٹکرا کے فاختہ کی بولی بول پڑوں مگر عین وقت پر ڈاکٹر اقبال کا شعر یاد آگیا:۔

نالہ اے بلبلِ شیدا ہے ترا خام ابھی اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

"واقعی استاد کمال ہے۔ مگر افسوس قدر شناس نہیں ہے۔ بغداد ہوتا تو لاکھوں کی بارش ہوتی"

"لاکھوں کی۔۔۔ اجی نہیں۔۔۔"

"آپ کو کیا معلوم مس بلبل بغداد کی محفل میں میں خود شریک ہوا ہوں۔ ایک رات کی آمدنی پورے دن میں گنی نہیں جا سکی تھی۔ تنگ آ کے انھیں امریکہ سے مشین منگوانی پڑی جو گننے کا فریضہ انجام دیتی ہے"

اب فجر کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے پاس بیٹھے ہوئے صوفی کرامت علی سے کہا "چلئے جناب نمازِ فجر کا وقت ہو گیا"

وہ سراپا نگاہ بنے مس شہناز کو تکے جا رہے تھے۔ خیال ہے کہ وہ موصوفہ کو سموچا نگل جانے کے امکانات پر غور کر رہے ہوں گے۔ بگڑ کے بولے:۔

"اماں نشہ تو ابھی تو ڑ پہ آیا ہے"

"پھر بھی نماز۔۔۔"

انھوں نے کھا جانے والی نظروں سے ہمیں گھورا۔ جملہ ادھورا ہی چھوڑنا پڑا۔ وہ مس شہناز سے نہایت دست بستہ عرض پرداز ہوئے:۔

"ملکۂ ترنم! ایک نغمہ اور!"

حاجی بردبار علی کی بھی پوپلی آواز سُنائی دی:۔

"ہاں صاحب زادی ہو جائے ایک اور پھڑکتی ہوئی"

یہ کہنے کے دوران ان کی داڑھی نے اتنے زور سے جھکولے کھائے کہ پنکھے کا مزا آگیا۔ پاس والے ایک صاحب معترض ہوئے:۔

"حضرت جی میں صرف بنیائن میں ہوں"

دوسرے صاحب نے مصرعہ ثانی لگایا —— "ہم بھی ابھی کل ہی نمونئے سے اُٹھے ہیں"

حاجی صاحب نے شرمسار ہو کر داڑھی مٹھی میں سنبھال لی اور مکرر ارشاد فرمایا:۔

"شروع کرو صاحب زادی ابھی جی نہیں بھرا ہے"

یہ کہہ کر انھوں نے دونوں معترضین سے کہا:۔

"اب تو ہوا نہیں لگی"

صوفی شبنم کی آواز بلند ہوئی :-

"ہاں بھئی ہو جائے کوئی فلمی طرز کی"

مولوی شریف الدین نے پیچھے سے یاد دہانی کرائی :-

انکھیاں ملاکے جیا برماکے چلے نہیں جانا

دوسرے کونے سے جھینگر پہلوان للکارا :-

"نہیں صاحب - وہ ہوگی صابر پیا مری رنگ دے چنریا"

کوئی اور لہرایا ــــ "کیا کہنے ہیں پہلوان کے - ایسی رنگ دے رنگ نہیں چھوٹے!"

مولوی شریف الدین غضبناک لہجے میں ہنکارے :-

"ہرگز نہیں - وہ ہوگی کل والی نعت - درِ حبیب پہ سجدے چڑھانے آیا ہوں"

مس شہناز نے سازندوں سے کچھ مشورہ کیا پھر ایک نئی چیز شروع کردی :-

صابر پیا کی میں تو جوگن بنوں گی

فقیر الممبخت بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا - ہم نے اسکی کوکھ میں کچوکا دیا :-

"اوہ ہاں اُٹھ - رات گذری نور کا تڑکا ہوا - ہوشیار اسکول کا لڑکا ہوا"

پاس والوں نے قہرناک نظروں سے ہمیں تاکا ہم گول ہو گئے -

حاصل یہ کہ ٹھیک آٹھ بجے محفل برخواست ہوئی - آفت یہ ہے کہ قلم کو ہمارے آزادی نصیب نہیں - اس بزم شبینہ کی ایمان افروز جزئیات دفتر چاہتی ہیں جیسا کہ حق ہے دفتر چاہنے کا - پروانے کس کس پینترے سے شمع کو نذرانہ دیتے ہیں دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے - نوٹ نکالا چٹکی میں پکڑا - بائی جی بڑھ کے آئیں - نوٹ والا ہاتھ اندر کو دبا - بائی جی اور آگے بڑھیں - نزدیک پہنچ کے جھکیں - نوے ڈگری کا زاویہ بنا - نوٹ والے نے زلفوں کی مہک سونگھی لب و عارض کی تپش سے کلیجہ ٹھنڈا کیا - روپیہ بائی جی کے ہاتھ میں منتقل ہو گیا - اس انتقال کے وقتِ خاص کی تہلیں دیدنی ہوتی ہیں

اتنا قرب بھی ہم نے دیکھا ہے کہ ایک جُگّی داڑھی والے اہلِ دل کی داڑھی کی پھنگل بائی جی کے رخسار سے مس ہو گئی بعض سعادت مند نوٹ دیتے ہوئے ہاتھ بھی دباتے تھے ایسا بھی ہوا ہے کہ نوٹ دکھانے والا فاصلے پر ہے - بائی جی کی گردنیں پھلانگتیں وہاں تک پہنچی ہیں - راستہ دیتے ہوئے کسی نے بازو کو سہارا دیا ہے - کسی نے جسم کے کسی اور حصے کو بیچ کے دامن کشیدہ کئے ہیں، کسی نے نیچے ہی نیچے پائے نگاریں چھوئے ہیں کہ بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی - پھر نوٹ والے صاحب نے نوٹ کو بالکل سینے سے چپکا لیا ہے - بائی جی مجبور ہیں کہ اور قریب جائیں - سعادت حسن منٹو کی روح چیخ رہی ہے :-

ہاں ذرا اور، ذرا اور، ذرا اور بھی

پیچھے سے ایک ماڈرن صوفی فیض کا مصرعہ دہرا رہے ہیں

بڑھے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

فقیر ہم سے پوچھتا ہے :-

"میاں صاحب موانکہ کسے کہتے ہیں؟"

"موانکہ ... ابے معانقہ کہو"

"جی ہاں مانقہ ... یہ کس چیز کو کہتے ہیں؟"

"میرے خالو کا نام تھا - بدتمیز کہیں کا"

مگر ایمان کی بات یہ ہے نظر ہمیں بھی معانقہ ہی آ رہا تھا - اُردو میں ہم آغوشی کہہ لیجئے اور کچھ نہیں تو نوٹ دینے والے اہلِ دل نے چاہِ زنخداں کی گہرائی ضرور ناپ لی ہوگی۔

ایک دفعہ یوں ہوا کہ حاجی بردبار علی نے بھی مست ہو کے ایک کانسی کا روپیہ چٹکی میں پکڑا - بائی جی آداب کرتی ہوئیں آگے بڑھیں - ایک صاحب بولے :-

"جانِ من ! کھرا کھوٹا دیکھ کے لینا - حاجی صاحب نے باہر بھی پنواڑی کو کھوٹا روپیہ بھیڑا تھا"

میں سمجھا اب حاجی صاحب بے نقط سنائیں گے مگر نہیں انھوں نے جھینپی ہوئی سی آواز میں کہا :-

"یہ کھوٹا نہیں ہے ـــ خیر خیر ہم دوسرا دیتے ہیں"

یہ کہہ کر انھوں نے کانسی کا روپیہ جیب میں ڈالا اور روپے والا نوٹ باہر نکالا ـــ وہ صاحب پھر لپکے :-

"دیکھ لینا انگریزی بادشاہ کی تصویر نہ ہو"

جوں توں کر کے حاجی صاحب کی نذر قبول ہوئی۔ جب بائی جی نوٹ لیکے لوٹنے لگیں تو دور کونے سے آواز آئی:۔

"حاجی جی نواسی کا ماتھا تو چوم لیا ہوتا"

اس پر حاجی صاحب آپے سے باہر ہو گئے۔

"نواسی ہوگی تیرے باپ کی تیرے دادا کی۔ بدمعاش کہیں کا"

اسی طرح کی بے شمار کہانیاں اس محفلِ تصوف میں بنتی بگڑتی رہیں۔ ہم نے بھی آٹھ روپے دیئے تھے۔ مگر ۳۲ قسطوں میں۔ مینڈکوں پر شب خون مارنے سے قبل ہم نے دس کا نوٹ بھنا کر دو روپے تو نیفے میں محفوظ کر لئے تھے کہ برا وقت آئے تو واپسی کا ٹکٹ لے سکیں۔ باقی آٹھ کی ریزگاری بھنالی تھی۔ فائدہ اس کا یہ ہوا کہ آٹھ روپے نذر دیکے بھی ۳۲ پیسے بچ رہے۔ کرتے یوں کہ نئے چوبیس پیسے جیب سے نکال کے مٹھی میں دبا لیتے اور جب کسی وجد انگیز شعر پہ کلیجہ منہ کو آنے لگتا تو مٹھی ڈھیلی کر کے جھنجھنے کی طرح بجاتے۔ ساتھ ہی نیاز مندی کے ساتھ ہانک لگاتے:۔

"بائی جی!"

بائی جی بجتی ہوئی مٹھی کی طرف بڑھتیں۔ ہم رازدارانہ لہجے میں پوچھتے:۔

"ایک آنے کے کتنے پیسے؟"

وہ سوال کرتیں ـــــ "نئے یا پرانے؟"

ہم کہتے "پرانوں کا زمانہ گیا۔ نئوں کی بات کرو"

وہ دانت نکال کے کہتیں ـــــ "چھ!"

ہم جلدی سے کہتے "تو یہ لو چھ چوک چوبیس چار آنے" مٹھی ان کی ہتھیلی پر کھل جاتی۔ وہ مسکراتیں ہمیں ایک پیسہ بچ جاتا ـــــ اب جوڑیئے بچت کا میزان غلط تو نہیں لگایا گیا۔

رخصت کے وقت طبلہ ماسٹر نے پوچھا:۔

"میاں صاحب پھر ملئے گا؟"

"ضرور ملیں گے۔ دن میں"

"ہاں ہاں۔ یہیں آ جائیے گا"

"نہیں دن میں ہمیں کم نظر آتا ہے"

پھر ہم نے انھیں ملاقات کی جگہ اور ساعت بتائی اور فقیرا کو گھسیٹتے ہوئے باہر نکلے۔ وہ ظالم اب بھی اُدھا سو رہا تھا۔

"تم افیم کھاتے ہو کیا؟"

"نہیں میاں صاحب" وہ چونکا "افیم تو ہمارا بابا کھاتا ہے"

"اور نشہ تمھیں ہوتا ہے"

"نہیں صاحب نشہ نہیں آنکھ لگ گئی تھی"

"سبحان اللہ۔ اماں آنکھ لگنے کے بعد سوتے ہو یا تارے گنتے ہیں"

"جی...؟"

"کچھ نہیں۔ ایسی شاندار محفل میں سو جانے والا وہابی کہلاتا ہے"

"کیا صاحب وہ تو مرغی کی طرح کڑکڑا رہی تھی کچھ بھی مزہ نہیں آیا"

"ہائیں توہین کرتے ہو بھسم کر دے گی"

"اس کی تو ایسی تیسی۔ اپنے تو جمیسری داتا کا تاویج باندھتے ہیں"

یہ کہہ کر اس نے آستین چڑھائی۔ بازو پر ایک چکٹ تعویذ بندھا ہوا تھا۔

"خیر ـ کیا صورت بھی نہیں جچی؟"

"اجی صاحب صورت میں تو اپنی جورو سے بڑھکر ایک بھی نہیں"

"ایڈیٹ.... جوروئیں بھی کہیں خوبصورت ہوتی ہیں"

"کیوں نہیں صاحب...."

"کیا صاحب صاحب لگائی میں پیرزکوڑی ہوں"

"پر آپ نے تو بھوندو نام بتایا تھا"

"وہ تخلص ہے۔ بھوندو تقلعی گر"

"میاں صاحب اگر ہم بھی تخلص بنالیں تو شاعری

ہو جائے گی؟"

"بے تخلص کے بھی ہو جائے گی۔ صبح صبح چار سو ڈنڈ لگا کر کاسٹرائل پیا کرو۔ دیوان چھپا چھپایا نکلے گا۔"

"ڈنڈ تو ہم نے بہت دنوں پیلے ہیں۔"

"کاسٹرائل نہیں پیا ہوگا۔"

"کاسٹرائل۔۔۔"

"ہاں۔ ارنڈی کا تیل۔ وہ نہ ملے تو جمال گھوٹا پیو۔ سونٹھ کا مربہ کھاؤ۔"

"مذاق کرتے ہیں آپ تو؟" وہ معصومیت سے بولا۔

"پھر کیا کریں۔ جو شخص جورو کو خوبصورت کہے وہ شعر کبھی نہیں کہہ سکتا۔ جاؤ خدارا بال بچے انتظار کر رہے ہوں گے۔"

وہ شام کو پھر ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ کلیر ہی کا رہنے والا تھا۔ ہم اپنے ٹینٹ میں آئے۔ دو آدمی فرش پر سو رہے تھے۔ ایک کی ٹانگ دوسرے کی کوکھ پر اور دوسرے کا ہاتھ پہلے کے سر پر رکھا تھا۔ خراٹوں سے فضا گونج رہی تھی۔ حاجی دلدل ان سے دور کونے میں لمبی تانے پڑے تھے۔ ابھی سوئے نہیں تھے شاید آگے ہی آگے آئے ہوں۔ ہمیں دیکھتے ہی چہکے۔

"آؤ آؤ ملا۔ کہو رات کیسی کٹی؟"

"بہت بری۔ معدہ اور جگر دونوں تباہ ہو گئے۔"

"سچ بتاؤ"

"صابر کے میلے میں کون جھوٹ بول سکتا ہے۔۔۔ آپ فرمائیے آپ کی شب کیسی گذری؟"

"اچھی گذر گئی۔ تم سے رخصت ہو کر درگاہ شریف چلا گیا تھا۔ ساری رات وہیں کٹی۔ عجیب انوار ہیں۔ ذرا آنکھ بند کرو خواجہ صاحب سامنے نظر آتے ہیں۔"

"تو آپ بھی تھے۔ خود میں بھی وہیں تھا ایک سو پینسٹھ انوار میں نے بھی دیکھے۔"

"تم بھی تھے۔۔۔ اماں یار تو اس کا فرادا کی محفل میں نہیں پہنچے؟"

چار ہا تھا۔ راستے میں ڈاکو مل گئے کمبختوں نے دس کا نوٹ چھین کر آٹھ خود رکھ لئے اور ہمیں زندہ دفن کر دیا۔ بمشکل اندر ہی اندر سرنگ لگا کے درگاہ میں پہنچا تو وہاں انوار کے چکر میں پھنس گیا۔"

"کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ دفن ہو کے بھی کوئی زندہ بچا ہے۔"

"میں کھڑا ہی جو ہوں بچا ہوا۔۔۔ آپ جھوٹ میں مجھ سے نہیں جیت سکتے۔"

"جھوٹ کیسا۔ بخدا ہم نے مکے مدینے میں بھی جھوٹ نہیں بولا۔"

"کوئی پروا نہیں۔ اب کی حج کو جائیں تو کسر نکا لیجئے گا۔۔۔ خیر ہاں وہ ہمارے بیس روپے؟"

"ارے ہاں۔۔۔۔ وہ تو تمھاری امانت ہیں۔۔۔"

انھوں نے اندر کی جیب سے بہت سے نوٹ نکالے۔ پانچ سے تو ضرور رہے ہوں گے۔ دس دس کے دو میری طرف بڑھا دیئے۔ میں نے لیکر انھیں سونگھا۔

"بڑی خوشبو ہے۔ ان پر فاتحہ پڑھوائی تھی کیا؟"

"اماں نہیں۔ سجادے صاحب سے چھ سو روپے قرض لایا ہوں۔"

"کس شرح پر؟ یعنی میرا مطلب ہے کیا فیصد نفع ادا کرنا ہوگا؟"

"کمال کرتے ہو سجادے صاحب کوئی سود لیں گے۔"

"بڑے لوگ سود نہیں نفع لیتے ہیں۔ چلئے چھوڑیئے اب تو بہن کو منہ دکھا سکیں گے۔"

"ابھی تو چار سو کی کسر ہے۔ آج پھر کوشش کریں گے۔"

میں نوٹ جیب میں رکھ کے بیٹھ گیا۔ سگریٹ سلگا پھر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہایت بچے تلے انداز میں اچانک سوال کر ڈالا:۔

"وہ سرخ قمیص والا کون تھا؟"

حاجی صاحب اچھل پڑے۔

"کیا۔۔۔ کہاں۔۔۔ سرخ قمیص۔۔۔"

"میں اس کا نام جاننا چاہتا ہوں۔ چلئے یہی بتا دیجئے وہ اس وقت کہاں ملے گا۔"

ان کے ہوائیاں چھوڑتے ہوئے چہرے پر دھوپ سی پھیل گئی۔ وہ کھسیانے انداز میں مسکرا رہے تھے۔

"چھپانے میں آپ ہی کا نقصان ہے چوری میری نہیں ہوئی ہے۔"

"قسم سے کہو کیا ہمارے سوٹ کیس کا پتہ چل گیا؟"

"چل کے رہے گا میرے خواب جھوٹے نہیں ہوتے۔"

"خواب . . . ."

"ہاں۔ قبر میں سُرنگ کھودنے سے پہلے خواب دیکھا تھا جیسے ایک سرخ قمیص والا پانچ روپے میں آپ کا اِنچی بیگر تاش پھانٹ رہا ہے۔ اچانک آپ نے اس سے تاش چھین لیا اور پریوں نے لا کے ایک زرنگار تخت بچھایا جس پر آپ بھی اور وہ بھی اور کئی آدمی اور بھی بیٹھ گئے۔ پھر ریزگاری اور نوٹ نکلے . . . ."

وہ ہرکا بکا مجھے تک رہے تھے۔

"خواب لمبا ہے۔ آپ بتا سکیں تو سُرخ قمیص والے کا نام پتا بتا دیجئے۔"

"نام تو جانے کیا ہوگا کلن کلن کہتے ہیں۔ وہ اپنے دیوبند کے شاہ مستان کے مریدوں میں ہے۔"

"شاہ جی کہاں ٹھیرے ہیں؟"

"نہر کے اُس پار۔ لال دھاری کا ڈیرہ ہے۔"

"آپ چل کے بتائیے۔"

وہ اُٹھ گئے۔

لال دھاری کا چھوٹا سا ڈیرہ قطار سے بچا کر کھڑا کیا گیا تھا۔ پردہ سرکا کر میں نے اندر جھانکا۔ سُرخ قمیص والا کنپٹی پہ بازو رکھے کروٹ سے پڑا تھا۔ شاہ جی یا اور کوئی موجود نہیں تھا۔

"آپ جائیے" میں نے حاجی صاحب کے کان میں کہا "میں نمٹ لوں گا۔"

"یار ہم بھی دیکھیں . . . ."

"کیا دیکھیں۔ تماشہ نہیں ہے۔"

"پھر بھی . . . . تم آخر کیا کروگے؟"

"میں اسے مثنوی مولانا روم پڑھاؤں گا۔ آپ جا کے سوئیں رات بھر جاگے ہیں۔"

وہ چلے گئے تو میں نے آس پاس کا جائزہ لیا۔ ویسے تو حاجی صاحب کے مسروقہ ہزار روپے کی بازیابی سے اب مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ دلچسپی چہ معنی۔ اگر ملتے بھی تو، نہ لیتا۔ لیکن سنک کو کیا کہئے۔ بھیجے کی گرہ چور کا سراغ لگائے بغیر کھلتی نظر نہیں آرہی تھی۔

پردہ برابر کر کے اندر پہنچا ہی تھا کہ اس نے کروٹ بدلی۔ مجھے دیکھ کے چونکا اور سیدھا ہوتے ہوتے بولا:۔

"آئیے صاب"

"صاب نہیں۔ آلورائٹنگ اسٹرائک تُوڈاؤن۔"

اس نے آنکھیں پھڑپھڑائیں۔ مونچھوں کے سرے ایسے پھر کے جیسے بچھو کی دُم پھڑکتی ہے۔

"منھ کیا تک رہے ہو۔ سُنا نہیں میں نے کیا کہا۔"

"جی ڈاؤن . . . ."

"اسٹک ٹوڈاؤن۔ یعنی فوراً بھاگ پڑو۔ پولیس کے آنے میں آدھ گھنٹے سے زیادہ دیر نہیں ہے۔"

"پولیس!" وہ گھبرا گیا۔

"ہاں ہاں۔ وہ تمھاری بارات لا رہی ہے . . . ."

"برات . . . ."

"تمھیں داماد بنا کے جہیز میں ایک سوٹ کیس دےگی!"

"م م مگر صاحب میں نے کیا کیا؟"

اس کے اچھوڑ چہرے پہ زردی کھنڈ آئی تھی۔

میں اس کے قریب ہی بیٹھ گیا اور اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ ٹیک کر آنکھوں میں آنکھیں گڑو دیں۔

"کلن میاں! میں بہت بُرا آدمی ہوں" میری آواز بڑی رعب دار تھی "تم نے جو سوٹ کیس بیچا ہے اس میں ایک لاکھ روپے کے غیر ملکی نوٹ تھے۔"

وہ کانپ اٹھا ـــ "لے ایک لاکھ . . . قسم قرآن کی وہ تو خالی تھا۔"

"جبھی تو پولیس تمھارا ایک ایک جوڑ الگ کر کے کہیگی

کہ اسے بھر دے"

"میں کہاں سے بھروں گا"

"پولیس کھال اُدھیڑنے سے پہلے ایسے سوالوں کی پروا نہیں کرتی"

"صاب صاف صاف بات کہنے میں جھوٹ نہیں بولوں گا"

"سوٹ کیس تمھیں کہاں سے ملا تھا؟"

"میاں نے دیا تھا"

"میاں یعنی شاہ مستان جی؟"

"جی ہاں..."

"ان کے پاس کہاں سے آیا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم"

"تم جانو۔ پولیس ہڈیوں سے گودا تک نوچ لیتی ہے میں سوچ رہا تھا تم اپنے دیوبند کے ہو بچا لوں مگر—"

"قسم قرآن کی صاب بچا لیجئے۔ میرا کچھ قصور نہیں"

"پھر میرا قصور ہے— ہولو داس! قصور تو حاجی ڈلڈل کا بھی نہیں تھا مگر وہ بھی پولیس چوکی پہنچ چکے"

"تو... تو..." وہ بوکھلا گیا۔

"گھبراؤ نہیں۔ پولیس چوری کو چوہے سے ضرب دے رہی ہے— اُٹھو یہاں چوہے کی طرح پکڑے لیجائے گے"

وہ بلا تامل میرے ساتھ اُٹھ آیا۔ خراماں خراماں ہم نہر کی پٹری پہ دُور نکل گئے۔ میں شروع ہی میں طے کر چکا تھا کہ پولیس کی گردان برابر جاری رکھوں گا۔ پولیس کا نام کچے کھلاڑیوں کے لئے آسیب کا حکم رکھتا ہے۔ ظاہر ہے جو پانچ روپلی کیلئے اٹیچی فروخت کرنے کی حماقت کا مرتکب ہو وہ گھاگ نہیں ہو سکتا۔ ویسے بھی چہرے پر یتیمی برس رہی تھی۔ اندازہ درست نکلا اس نے سارا احوال ٹھیک ٹھیک بتا دیا۔ صرف ایک نکتہ غیر واضح رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ سوٹ کیس میں صرف پانسو روپے تھے۔ اب دو ہی شکلیں ہو سکتی تھیں۔ یا تو حاجی ڈلڈل نے جھوٹ بولا ہے یا شاہ مستان مریدوں کو ترڑی دے گئے ہیں بہرحال جو کچھ اس نے سنایا اس کا لب لباب یہ تھا

کہ شاہ مستان نے کئی سال سے ایک گینگ بنا رکھا ہے جس کے سربراہ وہ خود ہیں۔ معیار زیادہ اونچا نہیں۔ افیم، گانجا، دیسی شراب کی غیر قانونی تجارت سے لیکر جیب تراشی اور چوری چکاری تک جو دھندا بھی موقعے سے مل جائے نمٹا لیا جاتا ہے۔ اجمیر اور کلیر کے سیزن میں خاص طور پر کچھ لوگ چھوڑے جاتے ہیں جو ریلوں اور بسوں وغیرہ سے حسب توفیق مسافروں کا مال بھی اُڑا لاتے ہیں اور ایسی لڑکیوں کی بھی تلاش میں رہتے ہیں جن سے تیس ہزاری درگاہ کے بعض لاینحل مسائل حل کرنے میں مدد لی جا سکے۔ کلن ابھی نیا ہی تھا۔ چلہ کھینچے ہوئے کا نیور سے کلیر کے عرس میں آیا تھا وہیں شاہ مستان کے ایک مرید خاص گنڈل پہلوان نے اسے گھیر لیا۔ شاہ جی سے مرید کرایا پھر دیوبند لے گئے۔ یہاں جب شاہ صاحب کو اس پر اعتماد ہو گیا تو اس ہال کمرے میں جو "مراقبے کا کمرہ" مشہور تھا اس سے وفاداری کا حلف لیا گیا اور پھر ایک دو چھوٹے موٹے کام سپرد کئے گئے جو اس نے انجام دیئے تھے۔

عرس کلیر کے لئے امسال چار ایجنٹ چھوڑے گئے تھے جس میں ایک کلن بھی تھا مگر وہ ہمارے والے ڈبے میں نہیں آیا تھا۔ ہمارے ڈبے میں ایجنٹ نمبر ۳ یعنی شرفو نے کام کیا تھا۔ حاجی ڈلڈل کا اٹیچی وہی لے گیا تھا۔ حاجی ڈلڈل رڑکی اسٹیشن کے باہر موجود تھے۔ اٹیچی جوں کا توں ان کے سپرد کر دیا گیا۔ وہ سب سے پہلے ڈیرے پہ آ گئے اور جب بقیہ ایجنٹ اپنی اپنی کمائیاں لئے یہاں پہنچے تو شاہ جی اٹیچی خالی کر چکے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ اس میں پیسے پانچسو نکلے ہیں۔ کلن کو حکم دیا گیا کہ جلد سے جلد خالی اٹیچی نہر میں پھینک آؤ۔ کلن کو خیال ہوا کہ کیوں نقصان کیا جائے اپنے طور پر اسے بیچ ڈالا۔

"کوئی لڑکی بھی ہاتھ آئی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں صاب کل تو کوئی نہیں آئی"

"پرسوں آئی تھی؟"

"جی نہیں لڑکی پرسوں بھی نہیں آئی۔ بس ایک بیوہ تھی جو اپنی ماں سمیت ملی تھی۔ بیوہ کو اس کے مرد نے چھوڑ

دیا تھا۔ ماں اسے ساتھ لے کے صابر کی چوکھٹ پر بگڑی بنانے آئی تھی۔"

"پھر؟"

گنڈل پہلوان انھیں جانے کہاں سے گھیر لایا۔ شاہ صاحب سے مرید کرایا اور ایک دن وہ ڈیرے میں رہیں پھر پتا نہیں کہاں چلی گئیں۔"

"اور کتنی عورتیں اسٹاک میں ہیں؟"

"زادہ نہیں ہیں صاب میرے سامنے تو کُل تین آئی ہیں۔"

"پہلے سے کتنی ہیں؟"

"ٹھیک پتا نہیں چھ سات ہوں گی۔"

"گودام کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں بتایا گیا۔ میں نے تو ایک دن گنڈل پہلوان اور شاہ صاحب کی باتیں سُن لی تھیں وہ سات آٹھ نام لے رہے تھے۔"

"کل ایلچی کے علاوہ اور کیا کیا ہاتھ آیا؟"

"ایک بکس جس میں کپڑے اور سوا سو روپے تھے۔ ایک گلے کا ہار۔ دو ولایتی قلم۔ ایک گھڑی۔"

"تم رات کتنا ہارے؟"

"چالیس روپے۔"

"حاجی دُلدل کل کتنا جیتے؟"

"سات سو سے دو چار اوپر۔"

"اچھا جاؤ۔ پولیس کو میں دیکھ لوں گا۔ خبردار مجھ سے ملاقات کا حال کسی سے نہ کہنا۔ دیوبند میں پھر ملوں گا۔"

"صاب دیکھئے اپنی پگڑی آپ کے پیروں میں ہے پھنسوا نہ دیجئے گا۔"

"بے فکر رہو۔ میں آنریری انسپکٹر جنرل پولیس ہوں۔"

وہ چلا گیا تو میں وہیں نہر کے کنارے بہت دیر بیٹھا رہا۔ جی چاہ رہا تھا کہ موجوں کو مخاطب کر کے بے ثباتی عالم پر ایک لکچر دوں۔ پھر گلا پھاڑ کے ایک درجن فلمی گانے گاؤں پھر حسن و عشق کی موجوں میں بہتا ہوا افق کے اُس پار چلا جاؤں جہاں امریکہ کی مالی مدد سے دو کروڑ نئی دنگا ئیز بنانے کا پنجسالہ منصوبہ تیار کیا جا رہا ہے۔

~~~~~~~~

وقت مقررہ پر طبلہ ماسٹر سے ملاقات ہوئی مگر وہ بہت پریشان تھے۔ کہنے لگے :۔

"صاحب کمال ہے۔ بائی جی دوپہر سے غائب ہیں۔"

"غائب ہیں؟"

"جی ہاں۔ دوپہر دو مجاور آئے تھے کہ چھوٹی بیگم صاحبہ کو سجادے صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ وہ جبھی کپڑے ویڑے بدل کے چلی گئی تھیں۔"

"چھوٹی بیگم صاحبہ؟ — کیا کوئی بڑی بیگم بھی ہیں؟"

"جی ہاں۔ بائی جی کی خالہ۔ وہ ساتھ ہی رہتی ہیں۔"

"مگر رات تو نہیں تھیں۔"

"کل تیسرے پہر وہ پٹنا والے سیٹھ گلگلی کے ساتھ رڑکی چلی گئی تھیں۔ وہ بھی ابھی تک نہیں لوٹیں۔"

"خیر وہ قیامت تک نہ لوٹیں مگر چھوٹی بیگم کے غائب ہونے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"دراصل تیسرے پہر نواب فرخ میاں آئے تھے ان کی وجہ سے ہمارا آدمی چھوٹی بیگم کو واپس لانے سجادے صاحب کے یہاں گیا مگر معلوم ہوا کہ چھوٹی بیگم تو یہاں سے کبھی کی واپس چلی گئیں۔"

"ہُم ـ ـ ـ ـ ۔"

میں صرف ہنکارہ بھر سکا۔ کیا کرتا، مسائل ہی مسائل تھے

ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث اے جگر

فضا میں ہر طرف شرلاک ہومز اور آرسین لوپن کی رُوحیں منڈلا رہی تھیں۔

"تم یقین سے کہتے ہو کہ چھوٹی بیگم کو بلا کر لے جانے والے مجاور ہی تھے؟"

"کیا معلوم صاحب۔ انھوں نے یہی کہا تھا کہ ہم
~~~~~~~~

مجاور ہیں۔"

"تو۔۔۔پھر کیا کیا جائے؟"

"ہم کیا کہہ سکتے ہیں صاحب۔ تھوڑی دیر اور راہ دیکھیں گے پھر پولیس کو اطلاع دیں گے۔"

"بیکار ہے۔ پولیس کے فرشتے بھی سجادے صاحب سے آنکھ نہیں ملا سکتے۔"

وہ حیران ہوکر بولے ——"کیوں صاحب؟"

"اللہ کی مرضی یوں۔ سجادوں کے جملہ حقوق بحق درگاہ محفوظ ہوتے ہیں۔"

"مگر۔۔۔ مگر یہ تو اندھیر ہے۔"

"برداشت کرو۔ اندھیرے میں تصوف کی منزلیں جلدی طے ہوتی ہیں۔"

"اندھیرا نہیں صاحب اندھیر ——"

"ایک ہی بات ہے۔ تم یہ بتاؤ مرنے مارنے کا کچھ سلیقہ رکھتے ہو؟"

"ائے صاحب ہمیں لفنگے پن سے کیا مطلب۔"

"بس تو جلاب لے کے سو رہو معدہ درست ہو جائیگا۔"

"یہ کیسی بات کہہ رہے ہیں آپ۔ ہمیں بتائیے نا ہم کیا کریں؟"

"صبر کرو۔ چھوٹی بیگم کو اللہ نے نیک توفیق دی تو خود واپس آجائیں گی۔ نہیں دی تو تم ہمارے ساتھ بغداد چلنا۔"

"وہ تو چلیں گے صاحب ——م مگر ہمارے چھ سو روپے چھوٹی بیگم کے پاس جمع ہیں۔۔۔"

"گڈ گاڈ —— پھر تو انھیں ڈھونڈنا ہی ہوگا۔ اچھا تم ٹینٹ میں چلو۔ میں کچھ دیر میں وہیں آرہا ہوں۔"

انھیں رخصت کرکے میں سر جھکائے نہر کی پٹڑی ہولیا۔ مسائل کی پوری گٹھری سر پر ہو تو سر بیچارے کی کیا خطا ہر مسئلہ جیسے بھیجے میں ٹھونگے مار رہا ہو۔

معلوم نہیں شہناز کس کو پیاری ہوئی۔ ہو سکتا ہے وہ مجاور بنا سپتی رہے ہوں اور جال کی ڈوری شاہ مستان کے ہاتھ میں ہو —— اور ہو سکتا ہے کہ شاہ مستان کا اس سے کوئی تعلق نہ ہو۔

پھر —— پھر —— پھر؟

میں نے دل کو ٹٹولا کہ کہیں بلبلِ عشق نے تو وہاں آشیانہ نہیں بنالیا۔ شہناز کچھ بھی رہی ہو بہرحال اعصابی نظام کا خانہ خراب کرنے کے لئے از بسکہ کافی تھی۔ اعصابی نظام بگڑ جائے تو اسے عشق کہتے ہیں۔ عشق چاہے ملا کو ہو یا مسٹر کو عاشق بنائے بغیر دم نہیں لیتا۔ عاشق کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ محبوب کی راہ میں جان کی بازی لگائے۔ اب فرض کیجئے مجھے عشق لاحق ہوچکا ہو اور شہناز کی بازیابی کے لئے کٹ مرنے کے عوض دم دبا کے گھر بھاگ جاؤں تو آنے والا مؤرخ کیا کہے گا۔ وہ کہے گا کہ دیوبند کا سب سے بڑا وہابی مُلا چڑی مار نکلا۔ اس کی محبوبہ یاروں میں بٹ گئی اور وہ چوہے کی طرح بِل میں گھس گیا۔ آنے والے مؤرخ کو خدا غارت کرے وہ رعایت نہیں کرے گا۔

تو اسی لئے میں نے دل کو ٹٹولا۔ مگر شکر ہے کہ وہاں بلبلِ عشق تو کجا ایک بھنگا بھی پر نہیں مار رہا تھا۔ بس ایک ہی خواہش وہاں کلبلاتی ہوئی ملی کہ لیٹو اور سو جاؤ۔ واقعی رات بھر کی جگار نے کچومر نکال دیا تھا۔ مسائل کی گٹھری سر سے اُتار نہر میں پھینکی اور قیامگاہ کی طرف لوٹا' لیکن راہ میں خیال آیا کہ دیوبند ہی کیوں نہ لوٹا جائے۔ سکون کی نیند بھی وہیں نصیب ہوگی اور مسائل حاضرہ میں اُلجھنا ہی ہے تو حکیمانہ طریقۂ کار معین کرنے کیلئے سوچ وچار کا بھی موقع وہیں ملیگا۔ موٹریں برابر مظفر نگر کیلئے چھوٹتی تھیں۔ کھٹ سے اڈے پہنچا اور جھٹ سے بس میں سوار ہوگیا یہ تو مظفر نگر پہنچ کر یاد آیا کہ سب سے بڑا اور اہم مسئلہ تو پیچھے ہی رہ گیا یعنی میاں کا بلبل۔۔۔۔!

خیر۔ اب ناظرین مجھے مشورہ دیں کہ شاہ مستان کا تعاقب کیا جائے یا سجادے صاحب سے مرید ہوا جائے۔ یا پھر طبلہ ماسٹر کو ساتھ لے کر بغداد کو کوچ کر دیا جائے؟ وما التوفیق الا باللہ

مسائل کا مارا
ملا مکی

جناب محمد احمد عباسی
مصنف کتاب خلافت معاویہ و یزید

نوائے حق

۳

بحث کے خاتمے کا اعلان کر چکنے کے بعد بھی اس مضمون کی اشاعت اس وجہ سے کیجا رہی ہے کہ اول تو یہ پچھلے ہی سلسلہ کی آخری کڑی ہے دوسرے اس میں ایک ایسی فروگذاشت کا انکشاف کیا گیا ہے جسکا علم ہر اس شخص کو ہونا چاہیئے جس نے مصنف کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" دیکھی ہو انسان سہو و خطا کا پتلا ہے۔ مذکورہ کتاب میں جو طویل عبارت جس وجہ سے چھوٹ گئی اس کی توضیح مصنف نے کی ہے اور متروکہ عبارت بھی دیدی ہے۔ اب جن لوگوں کے پاس مذکورہ کتاب ہو وہ اس عبارت کو اس میں ٹانک لیں۔ (ادارہ)

فضل یزید

"کتاب خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کے ص۵۱ و ص۵۲ پر امیر یزیدؒ کی سیرت کے سلسلہ میں پہلے تو ائمۂ اسلام و اساطین علم و فضل یعنی امام احمد بن حنبلؒ و امام غزالیؒ کے اقوال پیش کئے گئے تھے کہ اول الذکر نے امیر موصوف کو ان زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی تھی۔ ساتھ ہی ان کا ایک قول مثالاً نقل بھی کیا ہے۔ امام غزالیؒ نے تو اس شخص کو پرلے درجہ کا احمق بتایا ہے جو یہ گمان کرتا ہو کہ یزیدؒ نے قتل حسینؓ کا حکم دیا تھا یا اس سے رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ حتیٰ کہ امام صاحب نے ان کے نام پر "رحمۃ اللہ علیہ" کہنے کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن قرار دیا ہے۔ ان حضرات کے اقوال پیش کرنے کے بعد ہی حنبلی بزرگ شیخ عبدالمغیثؒ کی تصنیف فضل یزیدؒ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ بنی امیہ اور امیر یزیدؒ کے مخالفانہ پروپیگنڈے کی فضا میں یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ چنانچہ بیان ہوا تھا کہ:۔

"پانچویں صدی ہجری کا وہ زمانہ ہے جب بنی امیہ اور خاص کر امیر یزیدؒ کے مخالفانہ پروپیگنڈے نے شدت اختیار کر لی تھی۔ کذب و افترا سے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے تھے۔ بعض علمائے امت احقاق حق کی خاطر انکشاف حقیقت پر کمربستہ ہوئے منجملہ ان کے شیخ عبدالمغیث بن زہیر العربی تھے"

چنانچہ شیخ موصوف کی کتاب کے تعارف میں علامہ ابن کثیرؒ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے تھے:۔

ولہ مصنف فی فضل یزید بن معاویۃ اتی فیہ بالغرائب والعجائب۔	اور انہی (شیخ عبدالمغیث) کی تصنیف سے ایک کتاب (فضل یزید بن معاویہ) ہے جس میں عجیب و غریب حالات بیان کئے ہیں۔

+ + + + + + + +

ذکر محض اس واقعہ کا تھا کہ شیخ عبدالمغیثؒ نے جن کو ابن کثیرؒ نے بتایا ہے کہ وہ "حنبلی صالحین میں مرجع عوام تھے" اس فضا میں جس کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے فضل یزید پر کتاب تصنیف کی تھی لہذا مصنف اور کتاب کا ذکر کرتے ہوئے ابن کثیرؒ کی بیان کردہ یہ حکایت بھی ان ہی کے الفاظ میں مختصراً درج کر دی گئی تھی کہ جب اس کتاب کا چرچا ہوا تو خلیفہ الناصر بتبدیل ہیئت شیخ موصوف سے ملے

اور پوچھا کہ یزید پر لعن کیا جائے، شیخ نے کہا کہ لعن جائز نہیں کیونکہ لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے زمانہ کے خلیفہ پر بھی لعن کرنے لگ جائیں گے کہ ان سے بھی منکرات سرزد ہوئے ہیں۔ یہ حکایت بطور لطیفہ بیان ہوئی تھی۔ اس روایت کے خلاف جو روایت دوسری کتاب میں ہے بنظر اختصار ترک کی گئی تھی اور ابن کثیر رح کا یہ فقرہ بھی جو موقع و محل اور سیاق و سباق عبارت کے اعتبار سے غیر ضروری تھا حذف کیا گیا تھا۔ "ابن الجوزی نے شیخ کی کتاب کا رد لکھا تھا۔ اور وہ اچھا رد تھا"۔ ابن الجوزی نے اپنی کتاب کا نام رکھا تھا" الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید" یعنی "اس ضدی متعصب کا رد جو یزید کی مذمت کا مانع ہے" قاسمی صاحب کو یہی ضد ہے کہ "فضل یزید" کے ساتھ ساتھ "ذم یزید" کا تذکرہ کیوں ترک کیا گیا۔ بالفاظ دیگر وہ اس پر ناراض ہیں کہ یزیدؒ کو اچھا کہنے کے ساتھ اسے برائیوں نہ کہا گیا، مدح کی گئی تھی، اور مدح کی کتاب کا ذکر کیا گیا تھا تو لعنت بھی کی جاتی اور لعنتی کتاب کا تذکرہ بھی ساتھ ہی ہوتا۔ چونکہ اس "حماقت" کا ارتکاب نہیں کیا گیا اس کو وہ جرم قرار دیتے ہوئے "حوالہ جات اور تراجم میں تصرف" کرنے اور "ابن کثیر کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر ان پر بہتان باندھنے" کا الزام عائد کرتے ہیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ یہ "کارنامہ" بھی خود ان ہی کے "قلم" فریب رقم" نے انجام دیا ہے۔ ابن کثیرؒ نے تو ابن الجوزی کا ایسا کوئی قول نقل نہیں کیا تھا جس میں یزید پر لعن کا جواز ہو؛ قاسمی صاحب نے ابن کثیر پر بہتان باندھتے ہوئے اور "جواز لعن" کا فقرہ دوسری کتاب سے بے موقع نقل کرتے ہوئے یہ بھی فرما دیا ہے کہ شیخ عبدالمغیث اور ابن الجوزی دونوں حنبلی ہیں۔ یعنی ان کے زعم باطل میں حنبلیوں کے یہاں شخص معیّن پر لعن جائز ہے مگر یہ تو بہتان ہے شیخ الحنابلہ امام احمد بن حنبلؒ پر جن کا مذہب و مسلک اس بارے میں بالکل واضح ہے۔ وکلام احمد انما فیہ لعن الظالمین جملۃ لیس فیہ تصریح بجواز لعن یزید معیناً (کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ لابن رجب ۳۵۶ھ) امام صاحب نے تو اپنے رسالہ میں صاف صاف لکھا ہے کہ:-

"امام وقت اور خلیفہ قائم کی خواہ وہ فاسق و فاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیزگار اطاعت واجب ہے۔ وہ جب مسند خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں یا وہ بزور شمشیر خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیرالمومنین کہنے لگے ہوں۔ کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلفاء پر طعن کرے یا اس بارے میں منازعت کرے .... جس نے امام المسلمین کے ساتھ خروج کیا —— جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت ماننے لگے ہوں خواہ بہ اقرار بہ رضا و رغبت ہو یا بہ جبر و کراہ —— تو اس شخص نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے خلاف کیا اور اگر اس خروج کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا"۔

(المناقب لابن الجوزی بحوالہ حیات امام احمد بن حنبلؒ)

قاسمی صاحب کی اس کذب بیانی سے کہ حنابلہ کے یہاں لعن یزید کا جواز ہے بات کہاں سے کہاں جا پہونچی۔ یزید بن معاویہؓ کے خلیفہ و امیرالمومنین ہونے سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں ہو سکتی۔ خود علامہ ابن کثیرؒ جن پر قاسمی صاحب بہتان باندھ رہے ہیں، امیر موصوف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:-

ھو یزید بن معاویۃ	وہ یزید بن معاویہ .... امیرالمومنین
امیرالمومنین ..... بویع	(تھے) اپنے والد کی حیات میں خلافت
لہ بالخلافۃ فی حیاۃ	کی بیعت ان کے لئے لی گئی ..... پھر
ابیہ ..... ثم اکد ذلک	بعد وفات اپنے والد اس (بیعت)
بعد موت ابیہ۔	کی توکید کی گئی۔

(البدایہ ج۸ ص۲۲۹)

\+ + + + + + +

لہذا امیرالمومنین یزیدؒ کے خلاف جس کسی نے خروج کیا یا ان پر طعن کیا۔ امام احمد بن حنبلؒ کی مندرجہ بالا تصریحات کے اعتبار سے اس کے بارے میں قاسمی صاحب کیا کہتے ہیں۔——

راقم الحروف نے تو واضح الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ حضرت حسین رض کی

بہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا" اسی بات کو بتغیر الفاظ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے جن کو قاسمی صاحب اور ان کے دوسرے دیوبندی ہم خیال "امام الہند" کہنے میں تامل نہ کرتے ہوں گے۔ یوں لکھا ہے کہ:

"جب وہ حضرت حسینؓ کو فہ پہونچے تو یکایک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے، تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں ...... یہ حال دیکھ کر وہ معاملۂ خلافت سے دستبردار ہو گئے اور فیصلہ کر لیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں" (ص۳۲ مسئلہ خلافت)

بہرحال یہ تو جملہ معترضہ کے طور سے یہاں یوں زبان قلم پر آگیا ہے کہ حنبلیوں کا نام جواز لعن کے سلسلہ میں لیا گیا تھا۔ ذکر تھا شیخ عبدالمغیث بن زہیر بن علوی الحربی کی کتاب اور ان کی شخصیت کا۔ سوان کے نام کے ساتھ صاحب کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ "المحدث الزاہد" کے الفاظ لکھ کر بتلاتے ہیں کہ وہ صالح تھے متدین تھے، راست گفتار، امین، جمیل السیرت تھے، حمیدالاخلاق تھے، اتباع سنت و آثار میں سرگرم تھے اور دیانت وامانت میں معروف الیہ" ان صفات کے بزرگ نے خلیفہ یزیدؓ پر لعن وطعن سے منع کیا، کتاب لکھی، ابن الجوزی نے اس کا رد لکھا۔ ان کی کتاب کا نام ہی بتا دیتا ہے کہ کن خرافات کا مجموعہ ہو گی یعنی "ضدی، متعصب کا رد جو مذمت یزید کا مانع ہے" ابن الجوزی کی ذہنیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ شیخ موصوف نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ کے پیچھے نماز ادا فرمانے کے ثبوت میں جو تصنیف کی تھیں ابن الجوزی نے ان کا رد بھی لکھ مارا تھا، اور نام رکھا تھا "آفتۃ اصحاب الحدیث الرد علی عبدالمغیث" غرض ان دونوں بزرگواروں میں بحث مباحثہ برابر قائم رہا حتی کہ شیخ کی ۵۸۳ھ میں وفات ہو گئی "مات عبدالمغیث ھاجرا" (ص۳۵۶) اس زمانہ میں امیرالمومنین احمد الناصرالدین اللہ عباسیؒ خلیفہ تھے اور یہ ایسے خلیفہ تھے کہ خلفائے اسلام میں ان سے زیادہ ان کے برابر کسی کی بھی مدت خلافت نہیں رہی یعنی انچاس۴۹ برس۔ وہ خود بھی بلند پایہ عالم تھے اور علم کے بڑے قدردان۔ مدرسہ نظامیہ بغداد میں دارالکتب تعمیر کرایا۔ دس دس ہزار کتابیں اپنے صرف سے مہیا کیں (مراۃ الزمان ج ۸ ص۴۲۱) مختلف شیوخ و محدثین سے اجازہ حاصل کیا۔ فن حدیث میں ان کی کتاب روح العارفین ہے

کان لہ اشتغال بالحدیث (اعلام زرکلی ج ۱)

شیخ عبدالمغیث سے خلیفہ موصوف کی اچانک ملاقات

کا حال صاحب کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ نے یحییٰ بن الصیر فی الفقیہ کی روایت سے لکھا ہے وہ علامہ ابن کثیرؒ کی بیان کردہ روایت سے قطعًا مختلف ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں خلیفہ موصوف کی ملاقات شیخ عبدالمغیث سے اچانک امام احمد بن حنبلؒ کے مزار پر ہو گئی تھی۔ خلیفہ الناصرلدین اللہؒ کی ان سے یہ پہلی ملاقات تھی شیخ سے پوچھا کیا آپ ہی وہ عبدالمغیث ہیں جنھوں نے "مناقب یزیدؒ" پر کتاب لکھی ہے۔ شیخ نے جواب میں کہا کہ مناقب پر تو نہیں لکھی لیکن میرا مذہب ومسلک یہ ہے کہ وہ (یزید) خلیفۃ المسلمین ہے، اگر ان پر فسق کا الزام بھی تھوپا جائے تب بھی ان کی بیعت توڑ ڈالنے کا جواز نہیں ہوگا۔ یہ جواب سن کر خلیفہ موصوف بہت خوش ہوئے اور کہا "احسنت یا حنبلی" خلیفہ موصوف خود بھی مسلکاً حنبلی تھے اور ان کے والد ماجد امیرالمومنین المستضی باللہ عباسیؒ جنھوں نے امام احمد بن حنبلؒ کے مزار کی درستی کرا کے لوح نصب کرائی تھی، امام صاحب کے بڑے معتقد تھے غیرالخلیفہ کے لئے "امام" کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے، مگر امام صاحب کے لئے کیا گیا (ص۳۵۴)

ان تصریحات سے ابن کثیرؒ کی روایت پر جو روشنی پڑتی ہے اس سے بخوبی واضح ہے کہ قاسمی صاحب نے امیرالمومنین یزیدؒ اموی اور امیرالمومنین الناصرلدین اللہ عباسیؒ کے تبرائیوں کے لہجہ میں جو بہتان باندھا ہے کہ "یزید جن منکرات پر عمل کرتا تھا خلیفہ ناصر بھی ان ہی منکرات پر عمل کرتا تھا" وہ کس درجہ غلط اور سوقیانہ ہے۔ اور یہیں سے یہ بات بھی بیّن طور سے ثابت ہو جاتی ہے کہ قاسمی صاحب نے "لا اسوغ" کا ترجمہ کیا غلط کیا ہے۔ صحیح ترجمہ اس موقع پر وہی ہے جو راقم الحروف نے کیا ہے۔ ساغ وسوغ الامر۔ جاز فعلہ وجوزہ۔ (المنجد ص۳۷۵)

خیر یہ تو سات آٹھ صدی پہلے کی اور دوسرے اسلامی ملکوں کے علماء کی باتیں تھیں، اب قاسمی صاحب اور آج دیوبندی احباب یہ بھی سن لیں کہ انھیں کے موجودہ اتر پردیش میں الشیخ الفاضل نورالدین بن اسماعیل الحنفی الرامپوری متوفی ۱۲۶۸ھ کی اسی مبحث پر "خلیفۃ الرحمٰن" اور "الفاروق بین الحق والباطل" دو تالیفات ہیں۔ اپنی کتاب "خلیفۃ الرحمٰن" میں یہ کہتے ہوئے کہ "ان یزید کان شاعراً، عالماً دبیراً حسن الوجہ" لکھتے ہیں کہ انکی پھوپھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ رسول اللہ صلعم کے قرابتداروں کا احترام واجب تو "الصحابیۃ سبب الفریۃ نسباً وحساً جمعاً" پھر کہتے ہیں کہ ان کی خلافت کی بیعت صحابہ نے کی تھی، صحابہ کا اتباع واجب ہے تو ان کا استخلاف بھی اسی طرح واجب ہے

واذا عرفت ھذا فنسبۃ الفسق والکفر الی یزید بن معاویۃ حرام واعتقاد الکفر..	ان امور کے جان لینے کے بعد فسق اور کفر کی نسبت یزید بن معاویہ سے کرنا حرام ہے اور اس کا جائز رکھنا کفر ہے۔

جو بہتان شراب نوشی لگائے جاتے ہیں انکے بارے میں کہتے ہیں:—

فھذا کلہ بھتان عظیم لایجوز سمعہ	پس یہ سب کچھ بہتان عظیم ہے اس کا سننا بھی جائز نہیں۔

آخر میں کہتے ہیں:-

یزید بن معاویۃ کان خیراً من جمیع الناس فی زماننا لانہ رای اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تذکروا الا بالخیر۔	یزید بن معاویہ ہمارے زمانہ کے سب ہی لوگوں سے بہتر و برتر ہے کیونکہ انھوں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا (بلکہ ان کی صحبت سے مستفیض تھے) پس ان کا ذکر اچھائی کے ساتھ کرو۔

+ + + + + + +

+ + + + + + +

کردار ابن سعدؓ

معلوم نہیں اکابرین دیوبند میں سے کسی نے ان "الشیخ الفاضل" کی مصنفات کا رد لکھا تھا یا نہیں۔ خیر اس قصے کو چھوڑیئے اور یہ دیکھئے کہ عمر بن سعدؓ کے سلسلہ میں قاسمی صاحب نے کیسی شرمناک کذب بیانی کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:—

"جناب عباسی صاحب نے عمر بن سعد کے بارے میں تہذیب التہذیب کی حسب ذیل عبارت نقل کرکے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ "عمر بن سعد کا کردار ویسا ہی بیداغ ثابت ہوتا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جاسکتی ہے"۔

"کتاب خلافت معاویہ ویزیدؓ" کے تقریباً ۲۶ صفحات یعنی ص۱۹۹ تا ص۲۲۶ میں بدلائل و براہین قاطعہ اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ صوبہ عراق کے امیر عسکر عمر بن سعدؓ کے کردار کے بارے میں سبائی راویوں نے جو انبار جھوٹی روایتوں کا کتابوں میں اکٹھا کیا ہے پر کاہ کے برابر بھی ان کی اصلیت و حقیقت نہیں۔ حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ کا تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد عرض کیا تھا کہ:—

"ان حالات کے پیش نظر حضرت حسینؓ یا ان کے کسی عزیز کے خلاف امیر عسکر عمر بن سعدؓ کی موجودگی میں جابرانہ و متشددانہ فعل تو کجا کوئی سخت رویہ بھی نہیں برتا جا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں وضاعین کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ وحشیانہ مظالم اور ستمگرانہ کارروائیوں کی وضعی داستانوں کو کس طرز پر مرتب کریں اور کیا وجہ اور سبب ایک ایسے امیر عسکر کی موجودگی اور شمولیت کا بتائیں جس کے یہ حالات ہوں، جس کی یہ خاندانی اور آبائی وابستگی خاندان نبوت سے ہو، جس کے یہ تعلقات قرابت ہاشمی خاندان سے ہوں، جس کی کسی مخالفت خاندانی کا یا جس کے ذاتی کردار کی کمزوری کا کوئی ادنیٰ ثبوت بھی دستیاب نہ تھا— وضاعین نے چنانچہ یہ روایت وضع کر ڈالی کہ عبید اللہ عارضی گورنر کوفہ نے ملک رے کی حکومت کا فرمان عمر بن سعد کے لئے لکھدیا"

پھر اس لغو اور جھوٹی روایت کی اور اسی طرح کی دوسری اکاذیب کی قلعی کتب تاریخ و جغرافیہ کے حوالجات سے کھول دینے کے بعد لکھا گیا تھا کہ:—

"ولنڈیزی محقق دے خوئے نے صحیح کہا ہے کہ جب اس ... ادث کے بیانات نے افسانہ کی سی نوعیت اختیار کرلی ابن سعد ... بھی قاتل کہا جانے لگا، اسی غرض سے یہ چند امور پیش ... کئے گئے کہ ایک طرف تو یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ "قتل حسین" ... ابن سعد کو ایسا رنج و قلق ہوتا ہے کہ زار و قطار رونے ... لگتے ہیں، رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتے ہیں ... اتین اور پس ماندگان کو عزت و حرمت سے سوار کرا کے بھیجتے ... ہیں۔ دوسری طرف بھی راوی وہ بھیانک تصویر ان کے ... وحشیانہ مظالم کی کھینچتے ہیں جن کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ... ہے۔ مگر ان حقائق کو جب پیش منظر رکھا جائے جو بُعد ... مسافت (مکہ و کربلا) تعداد منازل و مراحل، روانگی سفر کی ... صحیح تاریخ، کربلا کے محل وقوع وغیرہ کے بارے میں مستند ... کتب، جغرافیہ، دبلدان وغیرہ کے حوالہ جات سے پیش ... کئے گئے ہیں تو یہ سب وضعی روایات، اختراعی داستانیں ... اور مبالغات ہباءً منثوراً ہو جاتے ہیں اور عمر بن سعد کا ... کردار ویسا ہی بیداغ ثابت ہوتا جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ ... تابعی کے حالات سے توقع کی جا سکتی ہے۔ طبقات ابن سعد ... میں بذیل "الطبقۃ الاولی من اھل المدینۃ من التابعین" ... تابعین کے زمرہ میں ان کا ذکر ہے اور شیخ الاسلام ابن حجر ... عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں مندرجہ ذیل عبارت میں ... ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کیسے کیسے لوگوں نے ان سے ... حدیث کی روایت کی ہے"

خط کشیدہ فقرات کے بیک نظر دیکھنے ہی سے بیّن طور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جناب قاسمی صاحب نے صحافی دیانت کو کس شرمناک طریقہ سے مجروح کیا ہے۔ تہذیب التہذیب کی عبارت عمر بن سعد کے کردار کو بیداغ ثابت کرنے کے لئے نقل نہیں ہوئی۔ جیسا کہ جناب قاسمی صاحب نے صریحاً کذب بیانی کی ہے بلکہ محض اس لئے نقل ہوئی ہے کہ وہ تابعی راوی حدیث ہیں اور کن کن حضرات نے ان سے روایت کی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ "عمر بن سعد کو "قتل حسین" سے جب متہم کیا جانے لگا۔ متاخرین میں سے بعض کو ان کی مروی احادیث لینے میں تامل ہوا" یہ کہہ کر متاخرین کے طرز عمل کی غلطی کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ اب آپ خود ہی غور فرمائیں کہ معترض کے اعتراض کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے؟

امیر یزید کی ثقاہت

جناب قاسمی صاحب نے تہذیب التہذیب کے ایک اور حوالہ کی غلطی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے بڑی تفصیل اور شد و مد کے ساتھ راقم الحروف کے "دھوکہ دینے کی سعی" کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ مگر انکو اور دوسرے معترضین کو اصل حال معلوم ہو جانے کے بعد بشرطیکہ اعتراض و نکتہ چینی خلوص نیت سے کئے گئے ہوں، اپنے وار کے خالی جانے پر ندامت کا احساس نہ بھی ہو تو افسوس تو ضرور ہونا چاہئے صفحہ ۵۴ پر جو عبارت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:-

> "تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ حدیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبہ الکوفی کا یہ قول نقل کیا ہے۔۔۔۔"

اصل مسودہ میں عبارت حسب ذیل تھی۔ مگر کاتب کی غلطی سے یہ عبارت جو ایک صفحہ کتاب پر آتی اسی طرح ترک ہو گئی جو اس کتاب میں صفحہ ۳۲۵ پر باوجود اس حاشیہ کے درج ہو جانے کے کہ "مہر یزید کا تفصیلی حال آئندہ صفحات پر ملاحظہ ہو" ترک ہو گئی تھی۔ سب کو معلوم ہے اور "عرض مؤلف" میں اس کا ذکر بھی ہے کہ رسالہ تذکرہ کراچی کے بارہ شماروں میں جو مضامین راقم الحروف کے شائع ہوئے تھے ان کے مطالعہ پر عام خواہش کا اظہار خطوں میں کیا گیا کہ ان کو جلد کتابی صورت میں لایا جائے مطبوعہ اوراق میں ترمیم و اضافے اس طرح کئے گئے کہ بعض عبارتیں حاشیہ پر لکھ دی گئیں، بعض سادہ ورق پر لکھ کر جابجا پن سے چسپاں کر دی گئیں۔ کاپی نویس کی کاپیاں دیکھنے کی زحمت بعض عزیزوں، دوستوں نے گوارہ کی۔ ترک عبارت کا حال بعد میں کھلا جب، تصحیح و طباعت کا موقع ہی نہ رہا تھا۔ وہ اصل عبارت یہ ہے:-

> "تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث

یحییٰ بن عبد الملک بن عتبہ الکوفی کا جن کو وہ "اہل الثقات" یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ قول اپنے ہی طرح کے ایک اور "ثقہ" راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ کوئی شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزید کا ذکر اس نے "امیر المومنین" کہکر کیا تھا۔ مگر ان "ثقہ" راویوں کی روایت کا جو سب کے سب مجہول الحال ہیں۔ اندازہ خلیفہ موصوف ہی کے عمل اور قول سے ہو جاتا ہے جو ان ہی ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری تالیف لسان المیزان میں نقل کیا ہے یعنی

وقال ابن شوذب سمعت	اور ابن شوذب نے بیان کیا
ابراهیم بن ابی عبلة یقول	کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبلہ سے
سمعت عمر بن عبد العزیز	یہ بات سنی ہے وہ کہتے تھے کہ میں
یترحم علی یزید بن	(خلیفہ) عمر بن عبد العزیز کو یزید
معاویة۔	بن معاویہ پر رحمۃ اللہ علیہ
(لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۴)	کہتے سنا ہے ۔

ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن شوذب الخراسانی متوفی ۱۵۶ھ جو عام طور سے ابن شوذب کہلاتے تھے، بڑے پائے کے ثقہ راوی ہیں۔ بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ ابن معین و نسائی و ابن حبان سب ہی نے ان کو ثقہ و صدوق بتایا ہے۔ برخلاف وضعی روایت کے راویوں یحییٰ بن عبد الملک و نوفل بن ابی عقرب کے جو مجہول الحال ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول علی شاتم الرسول (۵۶۹) میں ابراہیم بن میسرہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبد العزیز رہ کو کسی انسان کو مارتے پیٹتے نہیں دیکھا سوائے ایک شخص کے جس نے (حضرت) معاویہؓ کی بدگوئی کی تھی۔ اس کے خلیفہ موصوف نے کوڑے لگوائے تھے۔ بات کیا تھی، کذابین نے کیا سے کیا بنا دی۔ تہذیب التہذیب میں ان ہی ابن حجرؒ نے امیر موصوف کے فرزند عبد الرحمٰن کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث ابن حبان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان کو "فی الثقات" یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ ابن حجر یہ ہی لکھتے ہیں کہ عبد الرحمٰن نے اپنے والد امیر یزیدؒ سے روایت حدیث کی ہے۔ بیٹا تو ثقہ اور باپ جس سے روایت لے وہ غیر ثقہ — این چہ بوالعجبی است ۔

یہ تھی وہ اصل عبارت جو ترک ہو گئی اور معترضین کو ہاؤ ہو مچانے کا موقع ہاتھ آگیا۔ ہائیکورٹ کے مقدمہ کی تاریخ قریب آگئی ہے، کتاب پر جو پابندی قانوناً عائد ہے اس کا فیصلہ ہو جانے کے بعد خواہ کتاب کے نئے ایڈیشن کی نوبت آئے یا اور کوئی تصنیف شائع ہو۔ اس ترک عبارت کی غلطی کی تصحیح ہو کر اس سلسلہ میں جو مواد اب تک منظر عام پر نہ آسکا شائع ہوگا ۔

لائقِ مطالعہ کتابیں

کتابیں طلب کرنے والے چند باتوں کا لحاظ ضرور رکھیں

(۱) تحریر اتنی صاف ہو کہ آرڈر کی تفصیل اور آپ کا پتہ پڑھنے میں دشواری نہ ہو (۲) مجلد اور غیر مجلد کی بھی وضاحت کر دیجئے (۳) تقریباً بیس روپے سے زائد کتابیں منگانے کی صورت میں ریلوے پارسل میں کفایت رہتی ہے۔ اگر یہ کفایت مطلوب ہو تو اپنا اسٹیشن لکھئے۔ پارسل ریل سے اور بلٹی کی رسید ڈاکخانہ سے وی پی بھیجی جائے گی (۴) اگر آپ نئے نئے خریدار ہیں تو بیس روپے یا اس سے زائد کے آرڈر پر کچھ روپے پیشگی روانہ فرمائیے جنھیں وی پی میں کم کر دیا جائے گا (۵) ڈاکخانہ سے وی پی کی اطلاع ملتے ہی چھڑا لیجئے: دیر کرنے سے واپس ہو جاتی ہے۔

قرآن مترجم

قرآن بدو ترجمہ (۱) شاہ رفیع الدینؒ (۲) مولانا اشرف علیؒ۔ متوسط سائز میں مجلد ترجمے کا ھدیہ ساڑھے بارہ روپے۔ بہت بڑے سائز میں مجلد کا ہدیہ پچیس روپے (اس کی لکھائی بہت جلی ہے)

قرآن بیک ترجمہ مولانا اشرف علیؒ کے مجلد ترجمے کا ھدیہ ساڑھے دس روپے

قرآن کی تفسیریں

تفسیر ابن کثیر احادیث کی روشنی میں آیات کا مفہوم ظاہر کرنے والی وہ تفسیر جو دنیا بھر میں مشہور و مقبول ہے۔ ترجمہ سلیس لکھائی چھپائی پسندیدہ۔ پانچ جلدوں میں مکمل ہدیہ مجلد پچپن روپے۔ کوئی بھی جلد علیحدہ مل سکے گی۔

تفسیر موضح القرآن شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کی یہ تفسیر اردو تفاسیر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے کلاں سائز۔ ہدیہ مجلد اعلیٰ بیس روپے۔ غیر مجلد سولہ روپے۔

تفسیر بیان القرآن مولانا اشرف علیؒ کی یہ عظیم تفسیر اپنا جواب آپ ہے۔ دو قسموں میں مہیا کی جا سکتی ہے

● بہت بڑا سائز۔ بارہ حصوں میں مکمل۔ ہدیہ غیر مجلد ساٹھ روپے۔ دو جلدوں میں مجلد ستر روپے۔

● تجلی جیسا سائز تیس پاروں میں مکمل غیر مجلد ساٹھ روپے۔ پانچ جلدوں میں مجلد پینسٹھ روپے۔ دوسری قسم کا ہر پارہ الگ بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ فی پارہ دو روپے۔

تفسیر حقانی مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کی تفسیر نایاب ہو گئی تھی۔ اب ہر ماہ ایک پارہ چھپ رہا ہے اب تک ۲۸ پارے چھپ چکے ہیں۔ فی پارہ دو روپے (صرف پارہ ۱ تا ۳ چھ روپے جو تین حصوں پر مشتمل ہے)۔

تفہیم القرآن اوّل دوم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ بالغ النظر تفسیر جو غیر ضروری تفصیلات سے بچاتے ہوئے آپ کو براہِ راست مغز قرآن تک پہنچاتی ہے۔ دلنشین مستند اور ذہن میں اتر جانے والی۔ ابھی پہلی اور دوسری جلدیں فراہم کی جا سکی ہیں۔ جلد اوّل مجلد ساڑھے بارہ روپے۔ جلد دوم مجلد ۱۵ روپے

علومِ قرآنیہ

البیان فی علوم القرآن مشہور "تفسیر حقانی" کے مصنف مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کی عظیم الشان کتاب ہی ہے جس کی توصیف میں علامہ انور شاہ صاحبؒ جیسے علامہ نے یہ الفاظ لکھے کہ "اگرچہ اس کی نظیر ممکن ہے لیکن واقع نہیں"۔ خدا کی ذات و صفات تناسخ ملائکہ جزاء و سزا، قبر، جنت، دوزخ

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

نوٹ، ناسخ و منسوخ، استعارہ و کنایہ اور اختلافات قرأت کی بحثیں۔
صفحات ۶۳۵ کاغذ لکھائی چھپائی معیاری۔ قیمت چودہ ۱۴ روپے۔
مجلد بخیہ سولہ ۱۶ روپے

قصص القرآن | قرآن کے بیان فرمودہ قصص پر لاجواب کتاب، عظیم معلومات کا خزانہ مستند اور محققانہ تفصیلی

سے مالا مال۔ حصہ اوّل آٹھ روپے۔ حصہ دوم چار روپے۔ حصہ سوم ساڑھے پانچ روپے۔ حصہ چہارم آٹھ روپے۔ مکمل سیٹ منگانے پر قیمت پچیس ۲۵ روپے —— مجلد مطلوب ہوں تو ایک بخیہ جلد پر ڈیڑھ روپیہ

لغات القرآن | قرآنی لغات کی تشریح آسان زبان میں۔ جو لوگ قرآن کو بلا ترجمہ سمجھنے کی خواہش اور شوق رکھتے ہیں

ان کے لئے یہ کتاب بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔ مجلد چار روپے۔

عظیم لغات القرآن | چھ ضخیم جلدوں میں۔
حصہ اول
حصہ دوم
حصہ سوم
حصہ چہارم
حصہ پنجم
حصہ ششم

علم الحدیث

مسند امام اعظمؒ (اردو مع عربی) | امام الفقہ حضرت ابو حنیفہؒ کا مرتب کردہ ۵۲۳ احادیث کا مجموعہ
(مولانا عبد الرشید نعمانی کے بیش بہا، پُر مغز اور مبسوط مقدمے کیساتھ)
ہدیہ مجلد آٹھ روپے

مؤطا امام مالکؒ (مترجم عربی مع اردو) | احادیث و آثار کا وہ مجموعہ جو بخاری سے پہلے مرتب
ہوا۔ ہدیہ بارہ ۱۲ روپے۔ مجلد کریج تیرہ ۱۳ روپے (مجلد اعلیٰ چودہ ۱۴ روپے

مؤطا امام محمدؒ (اردو مع عربی) | مقدمہ مولانا عبد الرشید نعمانی۔ مجلد آٹھ روپے

کتاب الآثار (اردو مع عربی) | امام محمدؒ کے مرتب کردہ نو ۹ سو آثار کا مجموعہ جسے امام ابو حنیفہؒ
نے چالیس ہزار احادیث نبوی سے منتخب فرمایا (مقدمہ مولانا عبد الرشید نعمانی) ھدیہ مجلد آٹھ روپے۔

بخاری شریف (اردو مع عربی) | تین ضخیم جلدوں میں مکمل۔ مجلد پینتالیس ۴۵ روپے

بخاری شریف (صرف اردو ترجمہ) | تین جلدوں میں مکمل۔ مجلد ہدیہ چوبیس ۲۴ روپے
مجلد بخیہ ستائیس ۲۷ روپے

مشکوٰۃ شریف (اردو مع عربی) | مکمل تین جلدوں میں، مجلد ہدیہ چوبیس ۲۴ روپے۔

مشکوٰۃ شریف (صرف اردو) | دو جلدوں میں مکمل۔ مجلد سولہ ۱۶ روپے (مجلد بخیہ اٹھارہ روپے

ترمذی شریف (خالص اردو) | دو ۲ جلدوں میں مکمل مجلد کا ہدیہ سولہ ۱۶ روپے
(مجلد بخیہ اٹھارہ ۱۸ روپے)

ابن ماجہ (اردو) | صحاح ستہ کی کتاب ابن ماجہ کا مکمل اور سلیس ترجمہ۔ شائقین حدیث کے لئے نادر تحفہ۔
صفحات ۶۶۰ ہدیہ مجلد بارہ روپے۔

سنن دارمی (صرف اردو) | حدیث کی مشہور کتاب۔ ہدیہ مجلد آٹھ روپے

مشارق الانوار (مترجم) | بخاری و مسلم کی صرف قولی احادیث کا نفیس انتخاب۔ ترتیب فقہی
ابواب پر ہے جس سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ کونسا مسئلہ کس حدیث سے نکلا ہے۔ ترجمہ کیساتھ تشریح بھی) اور عربی متن بھی۔ ہدیہ چودہ ۱۴ روپے۔ مجلد پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ سولہ ۱۶ روپے)۔

بلوغ المرام | مشہور امام فن حافظ ابن حجرؒ کی یہ کتاب بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد اور دیگر کتب معتبرہ سے منتخب
کئے ہوئے دینی احکام کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ ترجمہ مع عربی متن
ہدیہ مجلد آٹھ روپے۔

صحیفہ ہمام بن منبہؒ | بخاری و مؤطا امام مالک سے بھی قدیم دور کی کتاب حدیث جو مشہور صحابی ابو ہریرہؓ
نے اپنے شاگرد ابن منبہ کے لئے مرتب کی۔ ہدیہ ساڑھے تین روپے
(مجلد ساڑھے چار روپے)

ترجمان السنۃ | احادیث کی بہترین تفہیم و تشریح پر مشتمل اردو زبان میں اپنی قسم کی واحد کتاب۔
اشتہار میں اس کی خوبیوں کا اجمالی تعارف بھی مشکل ہے۔ بس

لطائف علمیہ — محدث ابن جوزیؒ کی کتاب الاذکیاء کا ترجمہ۔ مجلد پانچ روپے / شہادت حق۔ ۵/ حق و باطل ۱/۶

دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جلد اوّل دس روپے (مجلّد بارہ روپے) جلد دوم نو روپے (مجلّد گیارہ روپے) جلد سوم ساڑھے دس روپے (مجلّد ...)

بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی ایمان افروز کتاب کا اُردو ترجمہ - بلند پایہ محدثین کے حالات اور خدمات و تالیفات کا پاکیزہ تذکرہ - مجلّد پانچ روپے

معارف الحدیث از مولانا منظور نعمانی در دو جلد دس روپے بارہ آنے

تجرید بخاری بخاری کی ۲۱۸۰ منتخب احادیث کا مجموعہ - مجلد آٹھ روپے -

انتخاب صحاح ستّہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی کا پسندیدہ انتخاب - ہدیہ مجلّد پانچ روپے -

تاریخ تدوین حدیث تدوین حدیث کب، کیونکر، کس انداز میں ہوئی؟ اس کا مدلل مفصل جواب - معلومات کثیرہ کا خزینہ - ہدیہ ڈیڑھ روپیہ -

علم الحدیث فلسفۂ علم الحدیث کی عمدہ تحقیق - سوا روپیہ

سوانح اور تذکرے

اصح السیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تاریخی واقعات پر مشتمل، بے حد نفیس، مفصل، مستند اور عجیب علمی و تحقیقی کتاب "سیرۃ النبی" کی ضخیم مجلدات کے سوا اُردو میں کوئی کتاب سیرۃ اس کے پلّے کی نہیں - مجلد دس روپے -

حیاتِ طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر اور جامع سیرت - صوری و معنوی خوبیوں سے مزیّن - قیمت سوا دو روپے -

حضرت صدیق اکبرؓ رسول اللہ صلعم کے بعد سب سے بڑے انسان حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مبسوط جامع اور ضخیم سوانح - از مولانا سعید احمد اکبر آبادی قیمت سات روپے - مجلّد آٹھ روپے (مجلّد اعلیٰ ساڑھے نو روپے)

الفاروق امیر المؤمنین خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح پر علامہ شبلیؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے - قیمت مجلّد چھ روپے -

ابوذر غفاریؓ رسول اللہؐ کے بلند مرتبہ صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کی مفصل سوانح مولانا مناظر احسن گیلانی کے قلم سے - قیمت مجلد دو روپے -

سیرت عمر ابن عبدالعزیزؒ اُس جلیل القدر ہستی کی سوانح اور حالات جس کی خلافت کو اکثر علماء نے پانچویں خلافتِ راشدہ سے تعبیر کیا ہے - مجلّد تین روپے -

حیات امام ابوحنیفہ یعنی سیرۃ النعمان علامہ شبلیؒ کے قلم سے فقیہ اکبر امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کے مفصل حالاتِ زندگی دلچسپ اور ایمان افروز - قیمت تین روپے (مجلّد چار روپے)

حیات امام احمد بن حنبلؒ مصر کے مایۂ ناز محقق ابوزہرہ کی معرکۃ الآراء کتاب "ابن حنبل" کا نفیس اُردو ترجمہ - امام احمدؒ پر یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے - دس روپے

الغزالیؒ امام غزالیؒ پر مولانا شبلی نعمانیؒ کی محققانہ تالیف جو آجکل کمیاب ہے (کاغذ رف) غیر مجلد دو روپے -

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ اُس عظیم مردِ مومن کے حالاتِ زندگی جس نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا جسے امتِ مسلمہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کرتی ہے مجلّد چار روپے

محمد بن عبدالوہابؒ از مولانا مسعود عالم ندویؒ - بارھویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی سیرت اور دعوت پر علمی و تحقیقی تصنیف - جس میں مشرق و مغرب کے تمام مآخذ پوری طرح کھنگال کر غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے - قیمت ڈھائی روپے

حیاتِ ولیؒ شاہ ولی اللہؒ اور ان کے آباؤ اجداد اولاد اور اساتذہ کا تذکرہ - قیمت مجلد چھ روپے -

سیرت اشرف حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ کی مفصل سیرت صفحات ۷۱۵ مجلد بارہ روپے -

تجلیاتِ عثمانی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی علمی زندگی کے مفصل حالات آپ کے علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، مناظرہ، تقریر، اُردو، فارسی، عربی ادب اور

علماء اور اسلام - ۱۴/ر حقیقت کی تلاش - ۸/ر اسلامی نظام معیشت - ۸/ر معاش کا مسئلہ اہم کیوں ہوا - ۷/ر

سیاسیات پر سیر حاصل تبصرہ۔ بڑے ۷۱۲ صفحات، جلد پر حسین رنگا رنگ گرد پوشش۔ قیمت مجلد ساڑھے دس روپے۔

تذکرہ — مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب جو ان کے اپنے اور آباؤ اجداد کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ معلومات سے لبریز۔ قیمت مجلد سات روپے۔

آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی — مولانا ابوالکلام آزاد کی داستانِ حیات جسے ان کے قریبی معتمد مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے املا کیا۔ قیمت چھ روپے

صحابیات — صحابی عورتوں کے ایمان افروز حالات۔ مجلد چھ روپے

ردِ شرک و بدعت

الوسیلہ — امام ابن تیمیہؒ کی معرکۃ الآراء کتاب، جسمیں واضح کیا گیا ہے کہ "وسیلہ" کا کیا مطلب ہے اور اس کی شرعی حدود کیا ہیں؟ عجیب ایمان افروز۔ قیمت مجلد نو روپے۔

تقویۃ الایمان (اُردو) — شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی وہ مشہور زمانہ کتاب جس نے اہل بدعت میں ہلچل ڈال دی۔ قیمت چار روپے۔ (مجلد پانچ روپے)۔

الشہاب الثاقب (اُردو) — بدعات کے رد میں ایک مفید کتاب قیمت ایک روپیہ بارہ آنے

کتاب التوحید — اور شرک و بدعت میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی نفیس کتاب۔ قیمت مجلد تین روپے

بدعت کیا ہے؟ — مولانا عامر عثمانی اور تین دیگر حضرات کے مضامین کا مجموعہ جو شرک و بدعت اور توحید و سنت کے فرق و امتیاز پر لاجواب مواد پیش کرتا ہے۔ مجلد تین روپے

ردِ عقائد بدعیہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس پر مفصل و مدلل بحث قیمت ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات — حضرت اسمٰعیل شہیدؒ پر اہل بدعت کے ہوائی الزامات کا کافی و شافی رد ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

فیصلہ کن مناظرہ — مجلد ڈیڑھ روپیہ۔

تصانیف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ

الوسیلہ — قرآن میں مومنین کو جس وسیلہ کا حکم دیا گیا ہے وہ کیا ہے؟ بے شمار معلوماتِ علمی و دینی کا خزینہ۔ قیمت مجلد نو روپے

تفسیر آیتِ کریمہ — بسم اللہ کے عجیب و غریب لطائف۔ برکات مفادات۔ دیکھنے کے قابل۔ ھدیہ تین روپے (مجلد چار روپے)۔

اصول تفسیر — شیخ الاسلام کے ایک قیمتی رسالہ کا اُردو ترجمہ۔ قیمت ایک روپیہ۔

مناسک حج — حج اور مقام حج کے بارے میں محققانہ مواد قیمت مجلد تین روپے

تصانیف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ اللہ البالغہ کامل — گو نا گوں علوم دینیہ میں شاہ صاحبؒ کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اُردو ترجمہ مع عربی۔ قیمت ہر دو حصہ مجلد مکمل پچیس روپے۔

ازالۃ الخفاء کامل — یہ وہی شہرہ آفاق کتاب ہے جس کا پورا نام "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" ہے۔ دو جلدوں میں کامل۔ اُردو ترجمہ سلیس۔ خلفائے راشدین کے بارے میں بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت مجلد مکمل بیس روپے۔

تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ تاریخ — حضرت شاہ صاحبؒ کی معروف کتاب **ھمعات** کا اُردو ترجمہ۔ پونے تین روپے

سیرتِ رسولؐ — سلیس اُردو ترجمہ۔ قیمت صرف دس آنے۔

(شاہ ولی اللہؒ کی مفصل سوانح بھی "حیاتِ ولی" کے نام سے طلب فرما سکتے ہیں۔ مجلد چھ روپے)

تصانیف مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ

بہشتی زیور — روزمرہ کے تمام دینی مسائل کا معتبر خزانہ

تاریخ دیوبند۔ مجلد دو روپے / مولانا تھانوی کی مختصر سوانح۔ مجلد دو روپے / رفیق سفر۔ چار آنے / آداب النبی ۸/

نادر اشیاء کی سیکڑوں تصاویر۔ صفحات ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ۔ تجلی سائز۔ کتابت، طباعت، کاغذ سب معیاری جلد پختہ۔ قیمت ستائیس روپے۔

مصباح اللغات مختلف کتب لغت کا نچوڑ۔ مجلد سوا روپے

القاموس الجدید اپنی قسم کی پہلی اُردو عربی لغت۔ اُردو سے عربی بنانے، عربی سیکھنے اور لکھنے والوں کے لئے تحفۂ نادرہ۔ چھوٹے ۶۷۴ صفحات قیمت مجلد سات روپے

کریم اللغات عربی و فارسی کے جو محاورات اور الفاظ اُردو میں رائج ہیں ان کی تشریح۔ یہ لغت اچھی اُردو لکھنے اور سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ دو روپے مجلد

ماہنامہ نئی راہ کے چند خاص نمبر

قرآن نمبر مولانا آزاد، علامہ رشید رضا، علامہ جوہر طنطاوی، علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے شہرہ آفاق حضرات کے مضامین پر مشتمل ۱۱۹ سورتوں کا منظوم ترجمہ بھی سیماب اکبرآبادی کے قلم سے شامل اشاعت ہے۔ رعایتی قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

اولیاء اللہ نمبر خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حالات اور اقوال کے علاوہ تصوف اور مشائخ چشت کے طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رعایتی قیمت بارہ آنے۔

حکمت نمبر قرآن اور کمیونزم، قرآن اور سائنس، قرآن اور جہاد، قرآن میں جماعت کی اہمیت، قرآن میں حقوق العباد اور قرآن میں آداب مجلسی جیسے اہم مضامین۔ ایک روپیہ

پیغمبر اسلام صلعم رسول اللہ صلعم کے بارے میں ۶۶ غیر مسلم مشاہیر و فاضلین کا اظہار عقیدت۔ ایک روپیہ

بشریت کا مقام بلند محمد اجمل خاں، مہر محمد خاں اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تین تحقیقی مضامین۔ قیمت سوا روپیہ۔

گلدستۂ نعت بڑے بڑے شاعروں کا منتخب نعتیہ کلام۔ چند مقالات بھی بطور ضمیمہ شامل ہیں۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

ادبیات

شاہنامۂ اسلام جدید حصہ اول از:۔ مولانا عامر عثمانی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا [عہد] مبارک، اور اسکے بعد پہلی خلافت راشدہ کا قیام، خلیفۂ اول کا انتخاب کیونکر عمل میں آیا۔ جنگی اصول، معرکہ آرائیاں۔ تاریخ کی صداقتیں زبانِ شعر میں ملاحظہ فرمائیے۔ قیمت مجلد تین روپے

دیوان غالب نفیس ایڈیشن جس میں غالب کی تحریر کا [illegible] ان کی تصویر اور بعض ایسے اشعار شامل جو دوسرے ایڈیشنوں میں نہیں پائے جاتے۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے

کلیات اقبال ڈاکٹر اقبال کے اُردو کلام کا انتخاب قیمت مجلد پانچ روپے

شعلۂ طور جگر مرادآبادی کا مجموعۂ کلام۔ مجلد پانچ روپے۔

آتش گل شہنشاہ تغزل جگر مرادآبادی کا نیا مجموعہ جس پر حکومت ہند نے انعام دیا۔ مجلد مع [illegible] قیمت پانچ روپے

فردوس ماہر القادری کی وجد انگیز نظموں کا دلپذیر مجموعہ قیمت ساڑھے تین روپے

اُردو کے چاند تارے اُردو کے تقریباً تمام باکمال شاعروں کا مصور تذکرہ اور نمونۂ کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے

نبضِ دوراں ہند و پاک کے مشہور شاعر جناب انور صابری کا کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

کمیونزم کے خد و خال

پتھر کے دیوتا دنیا کے چھ مشہور مصنف کمیونزم کو خیرباد کہنے کے متعلق اپنی کہانی بیان کرتے ہیں۔ صفحات ۲۴۴ ڈیڑھ روپیہ

ورکٹا ایک بے حد دلچسپ اور حیرت انگیز آپ بیتی جس سے روس کے جبری محنت کے [illegible] کا بھیانک منظر سامنے آتا ہے۔ ڈیڑھ روپیہ۔

رسول اللہ صلعم کے خطبات و ارشادات۔ مجلد ڈھائی روپے / تحقیق اسم اعظم۔ چھ آنے / علامات قیامت۔ دس آنے۔

سرخ چین سے فرار — یہ بھی ایک آپ بیتی ہے سبق آموز، عبرتناک اور سنسنی خیز۔ ڈیڑھ روپیہ۔

آزادی کی طرف — ایک بھگوڑے روسی افسر کی خود نوشت سوانح جس نے امریکہ میں پناہ لی۔ یہ بے حد دلچسپ لیکن عبرتناک کتاب روس کے حقیقی حالات سے متعارف کراتی ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد آپ کمیونزم کے حسین نعروں اور مصنوعی دعووں سے کبھی دھوکا نہیں کھائینگے۔ مجلد تین روپے

سوئٹ روس کی حقیقت — بہت ضروری قابلِ مطالعہ کتاب۔ دو حصوں میں مکمل ہے۔

کمیونزم اور کسان — کمیونزم کو ایشیائی نقطۂ نظر سے سمجھنے سمجھانے کی کامیاب کوشش جو بیشمار دستاویزی حوالوں سے مزین ہے۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے۔

سوئٹ نظام کی چھ کنجیاں — سچے تلے عقلی و نفسی دلائل پر مشتمل ایک سنجیدہ اور معیاری کتاب جو دلچسپ بھی ہے اور حقیقت افروز بھی صفحات ۳۲۴۔ ایک روپیہ

لینن — کمیونزم کے مشہور راہنما لینن کی سوانح حیات، ایک روسی کے قلم سے جو مکمل غیر جانبداری سے ترتیب دئیے گئے ہیں۔ صفحات ۲۷۲۔ قیمت ایک روپیہ۔

آزادی کا ادب — بعض منتخب مقالوں، افسانوں اور منظومات کا مجموعہ۔ جنھیں نیک تعمیری مقاصد کے تحت چھاپا گیا ہے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

ادب میں ترقی پسندی — ادب میں "ترقی پسندی" کے نام سے جو تحریک جاری کی گئی تھی اس کی پوست کندہ حقیقت فی الاصل وہ کمیونزم ہی کی ایک سازش ہے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ۔

اشتراکیت روس کی تجربہ گاہ میں — اشتراکیت کی عملی ناکامی پر ایک محققانہ نظر۔ قیمت مجلد تین روپے۔

نئی دنیا کی جھلکیاں — ۱۔ (ہمارے دور کا انقلاب) ۲۔ (موجودہ سماج میں طبقاتی نظام) ۳۔ (اقتصادی نظام) ۴۔ (اقتصادی سامراج) ان چاروں میں سے ہر ایک کی قیمت چار آنے ہے

مختلف علوم و فنون

حصنِ حصین (مترجم) — دعاؤں، مناجاتوں، وظیفوں اور جامع کلمات کا مشہور مجموعہ۔ مجلد آٹھ روپے

مقدمہ ابن خلدون — یہ شہرۂ آفاق کتاب اُردو ترجمہ ہو کر آ گئی ہے۔ مجلد پشتہ۔ پندرہ روپے (مجلد اعلیٰ سترہ روپے)

فتوح الغیب (اردو) — ایمان، تقویٰ، صبر، فقر، خیر و شر، جبر و قدر، سنت و بدعت اور شریعت و طریقت وغیرہا کے عنوانات پر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح کے مشہور و معروف مقالات کا مجموعہ۔ جس میں مولانا عبد الماجد دریا بادی کا مبسوط تعارفی مقالہ بھی شامل ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

حکایاتِ صحابہ رض — صحابی مردوں اور عورتوں وغیرہ کے سبق آموز واقعات جن کے مطالعہ سے روح تازہ اور سینہ کشادہ ہوتا ہے قسم اوّل مجلد تین روپے۔ (قسم دوم سوا دو روپے)

تحریک اخوان المسلمین — مصر کی مشہور اسلام پسند جماعت "اخوان المسلمین" جس کے کئی رہنماؤں کو پھانسیاں دیدی گئیں۔ کیا ہے؟ اس سوال کا معتبر اور مفصل جواب حاصل کرنے کے لئے مصر کے محمد شوقی کی یہ قابلِ اعتماد کتاب ملاحظہ فرمائیے جس کا سلیس اُردو ترجمہ سید رضوان علی نے کیا ہے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ — مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ کتاب جو فرنچ اور دیگر زبانوں میں بھی بے شمار چھپی۔ عجیب کتاب ہے متعلقہ نقشے اور بدر، خندق، اُحد اور دیگر تاریخی مقامات کے چونتیس ۳۴ فوٹو بھی منسلک ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ (مجلد دو روپے)

اُسوۂ حسنہ — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر ایک نفیس کتاب جسے پڑھکر باطل شکنی اور حق دوستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسمیں بعض ایسی مفید باتیں ملینگی جو عام طور پر کتبِ سیرت میں نہیں ملتیں۔ سوا دو روپے (مجلد سوا تین روپے)

نئے عہد کے دروازہ پر۔ ۶/ مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی۔ ایک روپیہ آٹھ آنے / سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ ۱۱/

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات
شاہانِ عالم، عرب حکمرانوں، قبائلی سرداروں اور والیوں کے نام دربار رسالت کی خط وکتابت اور معاہدات، ضروری تشریحات اور اصل مخطوطات کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ قیمت سوا دو روپے۔

محکمات
قرآن کی بعض آیات اور ان کی تفسیروں پر علامہ عبد اللہ العمادی کا عالمانہ تبصرہ و محاکمہ۔ دو روپے بارہ آنے

اُردو کا مقدمہ
اُردو کے بارے میں ادیبوں، شاعروں، مہاجر کارکنوں، سیاسی لیڈروں اور اہلِ علم و فضل کی شہادتوں پر مشتمل دلچسپ ڈرامہ جو پُر لطف ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو کے حق میں دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

حقیقت
جماعت اسلامی پر کئے گئے بعض اعتراضات پر مولانا عامر عثمانی کی مفصل تنقید۔ دس آنے

سنتِ رسولؐ
مترجمہ: ملک غلام علی۔ مقدمہ: مولانا مسعود عالم ندوی۔ سنت کے موضوع پر بے حد وقیع کتاب۔ مجلد سوا دو روپے۔

آئینہ حقیقت نما
اس قیمتی کتاب میں مشہور مؤرخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اُن تمام الزامات کی مدلل صفائی پیش کی ہے جو متعصب حضرات انجیرِ اسلام پر لگاتے رہے ہیں۔ طرزِ تحریر بیحد دلچسپ۔ استدلال محکم۔ نقد مضبوط۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب معیاری۔ مجلد ۵ روپے

جمہوریت اور مغربی تحریکیں
یورپ میں جمہوریت پر کیا بنی اور انسانیت کے بلند نصب العین تک پہنچنے میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آئیں؟ اس پر اونچے علمی انداز کا تبصرہ۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

تجلی کا خاص نمبر سنہ ۱۹۵۷
اب بھی مل سکتا ہے۔ ایمان و عمل کے مسئلہ پر تفصیلی محققانہ بحث۔ نذر و نیاز، فاتحہ و عُرس اور سماعِ موتٰی وغیرہ کا جائزہ۔ دراصل مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ایک کتاب پر تفصیلی تنقید اس نمبر کا خاص حصہ ہے جو انکی زندگی ہی میں لکھی گئی تھی (نوٹ) تنہا یہی نمبر منگانا ہو تو منی آرڈر سے ایک روپیہ بارہ آنے بھیج دیجئے۔ وی پی طلب کریں گے تو دو روپے دو آنے

خلفائے راشدین
از مولانا عبد الشکور صاحب ایڈیٹر النجم لکھنؤ۔ خلفائے راشدین کی سیرت پر بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

اشاعت اسلام
دنیا میں اتنی جلد اسلام کس طرح پھیلا؟ مخالفین اسلام اس سلسلہ میں کیا کہتے ہیں؟ اور اس کا جواب کیا ہے؟ یہ سب کچھ ٹھوس دلائل کے ساتھ اس میں ملیگا۔ کاغذ، طباعت، کتابت سب عمدہ۔ چھ روپے

تاریخ عالم
حضرت آدمؑ سے لیکر رسول اللہؐ تک کے تمام انبیاء کے حالات مع تاریخ پیدائش و وفات اور مفصل تاریخ اسلام و دیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ دنیا کے مشہور ممالک اور ریاستوں کی تاریخ۔ مجلد ساڑھے چار روپے۔

تفسیر فیض الرحمٰن
بسم اللہ، الحمد اور معوذتین کی تفسیر شاہ ولی اللہؒ اور دیگر اکابرین کی آراء کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ہدیہ دو روپے۔ از مولانا یعقوب الرحمٰن۔

تحفہ اثنا عشریہ (اُردو)
از حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ترجمہ: مولانا سعید حسن خاں یوسفی۔ پیدائش و تاریخ مذہب شیعہ۔ اُن کی مختلف شاخیں۔ اُن کے اسلاف علماء اور کتب کا بیان۔ الوہیت، نبوت، امامت اور معاد کے بارے میں اُن کے عقائد، اُن کے فقہی مسائل، فقہیہ صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور اہلِ بیت کے حق میں اُن کے اقوال افعال اور مطاعن، مکائدِ شیعہ کی تفصیل، اُن کے اوہام، تعصبات اور ہفوات کا بیان۔ مجلد مع حسین ڈسٹ کور بارہ روپے

ختم نبوت کامل ہر سہ حصہ
مصنفہ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جسمیں ایکسو زائد آیات قرآنی اور دو سو دس احادیث رسولؐ اور اجماعِ اُمت اور سیکڑوں اقوالِ صحابہ و تابعین و ائمہ دین سے مسئلہ ختم نبوت کے ہر پہلو کو واضح کیا گیا ہے اور شبہات کے شافی جوابات دیئے گئے ہیں۔ قیمت مع ڈسٹ کور چھ روپے۔

تلاشِ راہِ حق
ایک طالبِ حق کے جواب میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور میاں طفیل احمد کے خطوط۔ مجلد پونے

ماہنامہ
تجلی
ایڈیٹر۔ عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

اساسِ دین کی تعمیر

مولانا صدر الدین اصلاحی کی مشہور کتاب جو دین کے بنیادی اُمور پر ایمان افروز تفصیلات پیش کرتی ہے۔
قیمت مجلد ساڑھے تین روپے

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط

خلیفۂ اوّل کے سنتر خطوط کا یہ مترجم مجموعہ پہلی بار زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا ہے۔ بڑی عرق ریزی اور تلاش و تحقیق کے بعد جمع کیا ہوا۔ مجلد پانچ روپے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے سرکاری خطوط

اسلام ہی کے نہیں تمام دنیا کے بہترین سپہ سالار اور بے نظیر حکمران عمر فاروقؓ کے ۲۴۲ خطوط کا اردو خزینہ۔ قیمت مجلد بارہ روپے۔

اسلام کا نظامِ عدل

دنیائے اسلام کے مشہور مصنف استاذ سید قطب کی یہ اعلیٰ تصنیف۔ اسلام کے نظامِ عدل کو نہایت دلچسپ مربوط اور منقح شکل میں پیش کرتی ہے۔ ترجمہ سلیس و شگفتہ
قیمت مجلد چھ روپے۔

النبی الخاتمؐ

سیرتِ رسولؐ پر مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی وہ مشہور کتاب جس کے بارے میں اہلِ نظر کا فیصلہ ہے کہ سیرت کی لائبریری میں اس قسم کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ مجلد سوا تین روپے

حقیقتِ عبودیت

عبادت کسے کہتے ہیں عبودیت کیا ہے۔ اس کا سیر حاصل اور ایمان افروز جواب دنیائے اسلام کے شہرہ آفاق امام و مجتہد علامہ ابن تیمیہؒ کی زبان سے سنئے۔ ترجمہ عام فہم۔
قیمت ایک روپیہ ۳۵ نئے پیسے۔

خاصانِ خدا کی نماز

اللہ کے آخری پیغمبرؐ اور ان کے صحابہؓ اور دیگر بزرگانِ دین کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ اس کی تفصیل آپ کی نمازوں کو کامل بنانے میں انشاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔ قیمت بارہ آنے۔

خاصانِ خدا کا خوفِ آخرت

خدا اور آخرت ہی کے خوف پر ایمان کا مدار ہے۔ یہ کتاب آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے بعض ایسے اثر انگیز اور ایمان افروز حالات سے روشناس کرائے گی جو خوفِ آخرت پر مبنی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

حضرت فاطمہؓ زہرہ کی والدہ مومنین کی ماں رسول اللہؐ کی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایمان آفریں حالات جو بہت عام فہم اور آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔ بچے اور عورتیں بھی فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ۔

سیدہ فاطمہ زہراؓ

رسول اللہؐ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کے حالاتِ زندگی، سادہ سلیس اور عام فہم زبان میں۔ قیمت ۱۲ر

مسلمان شوہر و بیوی

زن و شوہر کے باہمی حقوق و فرائض اور تعلقات کی نوعیت اور عمدہ زندگی گذارنے کے طور طریق کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲ر

فتنۂ انکارِ حدیث کا منظر و پس منظر

اہلِ قرآن کی تردید اور حدیث کی تائید میں بے نظیر کتاب۔ مکمل تین جلد ساڑھے تیرہ روپے (تیسری کو چھوڑ کر صرف جلد اوّل و دوم بھی طلب فرما سکتے ہیں جن کی قیمت ساڑھے چھ روپے) تنہا جلد اول نہیں بھیجی جائے گی۔

مکاتیبِ زنداں

● ابو الاعلیٰ مودودی ● امین احسن اصلاحی ● میاں طفیل احمد۔ جیل سے لکھے ہوئے ان تینوں حضرات کے سبق آموز خطوط۔ قیمت دو روپے۔

تدبرِ قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی کی مشہور و معروف کتاب۔ فہمِ قرآن کی راہ دکھلانے والی۔
قیمت مجلد سوا تین روپے۔

قرآن کا قانون عروج و زوال:- از مولانا ابوالکلام آزاد۔ قیمت ڈھائی روپے — ایک انسان ایک نظام:- (از وحید الدین خاں) قیمت ۶ر۔

مکتبہ تجلی دیوبند (یو-پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ تجلی دیوبند

شمارہ نمبر ۱۱ و ۱۲

جلد نمبر ۱۱ و ۱۲

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت چھ روپے۔ فی پرچہ ۵۰ نئے پیسے

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۵ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر
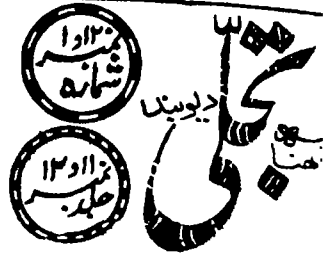
فہرست مضامین مطابق ماہ فروری و مارچ سنہ ۱۹۶۱ء

تحت رجسٹریشن ایکٹ

نام ——— تجلی (ماہنامہ)

مقام اشاعت ——— اسلامیہ بازار دیوبند

پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر ——— عامر عثمانی محلہ ابوالمعالی دیوبند

وطنیت ——— ہندوستانی

ملکیت ——— عامر عثمانی

تصدیق کنندہ ——— عامر عثمانی

شدید ضروری

اگر اس دائرہ میں سُرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا (وی پی چھ روپے باسٹھ ۶۲ نئے پیسے کا ہوگا) منی آرڈر بھیج کر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

پاکستانی حضرات ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر اور اپنا نام و مکمل پتہ ہمیں بھیجدیں سالہ جاری ہو جائیگا

ترسیل زر اور خط و کتابت پتہ

دفتر تجلی دیوبند۔ ضلع سہارنپور (یو۔پی)

مدیر عامر عثمانی فاضل دیوبند

پاکستان کا پتہ:۔ مکتبہ عثمانیہ ۲۴۰ مینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)۔

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "کوہ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔ اِس شمارہ کی قیمت ایک روپیہ

آغازِ سخن

ماہ فروری کے پہلے عشرے میں جبل پور اور اس کے مضافات میں ظلم و سفاکی کا جو ہولناک کھیل کھیلا گیا ہے اور پولیس ہی کے زیرِ سایہ فرقہ پرست بھیڑیوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر جو قیامت صغریٰ ٹوٹی ہے اس کی تفصیلات سے اخبار بیں طبقہ واقف ہو چکا ہے اور جو لوگ اخبار نہیں پڑھتے انھیں بھی دوسروں کی زبانی اطلاعات مل چکی ہیں۔ اس کے متعلق ہمارے پاس کہنے کیلئے کوئی نئی بات نہیں۔ کوئی ایسی اسکیم نہیں جو اُن مسلمانوں کے کام آسکے جو ظلم و بربریت کی آگ سے زندہ تو بچ نکلے ہیں، مگر بے سروسامانی اور بےکسی کے کانٹوں پر کرب و الم کے دن کاٹ رہے ہیں۔ نہ ہمارے پاس کوئی ایسا منصوبہ ہے جو اُن مسلمانوں کے کام آسکے جن تک ابھی فساد کے شعلے نہیں پہنچے، لیکن معلوم نہیں کب ان پر بھی کینہ و عداوت کے ترکش خالی کئے جانے لگیں۔ صرف دل کا درد اور حزن کا احساس ہے جو ہمیں مجبور کر رہا ہے کہ جبل پور کا ذکر کرکے چند آنسو بہالیں ——— وہ جبل پور جسے "شمشان بھومی" بنا دیا گیا — جہاں تھوڑے سے وقت میں وہ وہ مظالم توڑے گئے کہ انسانیت شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ اندازہ کہتا ہے کہ اِس ملک میں اقلیت آزاری کا سلسلہ کبھی نہیں رُکے گا۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۰ء تک تو عمل اور ردِّ عمل کی منطق بھی آڑ بن سکتی تھی، لیکن اس کے بعد جتنے فسادات پے در پے ہوئے ہیں ان میں تو صرف یک طرفہ عمل ہی کی منطق کارفرما رہی ہے۔ کانگریس کے کاغذی اصول اور دستور پر کچھ بھروسا تھا وہ بھی مسلسل آزمائش کے بعد ہاتھی کے دانت ثابت ہوئے۔ دوسرے درجے میں بعض ایسے رہنماؤں کی ذات مرجع امید تھی جنھیں تعصب اور فرقہ وارانہ ذہنیت سے بالاتر سمجھا گیا ہے اور جن کے ہاتھوں میں زمامِ اقتدار بھی ہے لیکن عملاً وہ بھی مسلمانوں کو تحفظ نہ دے سکے۔ وجہ کچھ بھی ہو۔ معلوم ایسا ہی ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر چاہے کچھ ہی گذر جائے ان کے قلوب میں انصاف کی تڑپ اور اقدام و عمل کی اُمنگ پیدا نہیں ہوتی۔ وزیر اعظم پنڈت نہرو عملی اعتبار سے ہندوستان کی سب سے بڑی شخصیت ہیں۔ انھیں نہ صرف یہ کہ تعصبات اور فرقہ وارانہ ذہنیت سے بلند سمجھا جاتا ہے بلکہ بعض اکثریتی جماعتیں تو ان پر مسلم نوازی کا بھی الزام لگاتی رہتی ہیں۔ لیکن ان سے بھی مسلمانوں کو سوائے خوشنما لفظوں اور لاحاصل دلاسوں کے اور کچھ نہ ملا۔ آسام میں فساد ہوگا تو وہ ہوا کے بازوؤں پر اُڑتے چلے جائیں گے۔ شاید اس لئے کہ وہاں خود اکثریت ستم رسیدہ تھی ہے لیکن مسلمانوں پر ہلاکت و بربادی کی بارش کرنے والے فسادات چاہے روز روز ہوتے رہیں وہ کبھی تشریف نہیں لے جائیں گے۔ ایک دو نہیں دسیوں فسادات دورِ آزادی میں ہوئے ہیں لیکن کیا مجال کہ وزیر اعظم پنڈت نہرو کہیں ایک بھی جگہ قدم رنجہ فرما سکے ہوں۔ بہت احسان کیا تو چند فقرے فرقہ پرستی کے خلاف کہہ دیئے۔ لیکن مظلوموں نے عدالتی تحقیقات اور حقیقی عدل کی مانگ کی تو آنکھیں پھیر لیں۔ اب تازہ ہی فساد کو دیکھئے۔ کوئی معمولی بات ہے کہ صرف ساگر میں سو سے زیادہ مکانات خاکِ سیاہ کر دیئے گئے۔ پورے کے پورے خاندان آگ میں بھون دیئے گئے۔ خود وزیر اعلیٰ مدھیہ پردیش

ڈاکٹر کاٹجو کے اعتراف کے مطابق جبل پور کو "شمشان بھومی" بنا دیا گیا — پھر لطف یہ ہے کہ پنڈت نہرو اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس فسادِ عظیم میں وہاں کے مقامی حکام کی کوتاہیاں بھی دخیل ہیں۔ مزید یہ کہ اس مرتبہ انگریزی پریس بھی فرقہ پرستی کے خلاف اظہار نفرت کرتے ہوئے انصاف کا مطالبہ کر رہا ہے، لیکن ان سطور کے لکھنے تک نہ تو پنڈت جی فساد زدہ علاقوں میں قدم رنجہ فرمانے کی تکلیف اٹھا سکے نہ ہی کوئی ایسی بات کہی ہے جس سے توقع کی جا سکے کہ قتل و غارت کے اس ہولناک ڈرامے کی انصاف دلانیوالی سطح پر تحقیقات کی جائے گی۔ بس اتنا ہی کہا ہے کہ جو کچھ ہوا اس پر مجھے دکھ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ :-

"ان فسادات سے معلوم ہوا کہ قوم کی ذہنی صحت اچھی نہیں ہے۔"

گویا گذشتہ تیرہ ۱۳ سالوں سے آئے دن جو مسلمانوں کے خون سے ہولی اور جان و مال سے پھاگ کھیلا جا رہا ہے اس سے تو یہ اندازہ کیا ہی نہ جا سکتا تھا کہ قوم کی ذہنی حالت بگڑی ہوئی ہے۔ اب جبل پور ہی کے حشر خیز فساد نے اچانک یہ اندازہ کرنے کا موقع دیا ہے کہ قوم کی ذہنی صحت خراب ہے۔ زہے نصیب اب بھی اندازہ ہوا تو بہت ہوا — لیکن اس کا حاصل؟ — ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارے عالی مرتبہ وزیر اعظم کے نزدیک جبلپور اور اس کے آس پاس کے مسلمانوں کی بربادی و ہلاکت کوئی انسانی مسئلہ نہیں، بلکہ وہ خالص سائنسی و فنی مسئلہ ہے۔ جس کے سلسلہ میں چارہ جوئی اور عدل گستری کے ٹھوس اقدامات کے عوض علم و فن کے فلکِ ہفتم سے یہ سربستہ نکتہ ہی عطا فرما دینا کافی ہو کہ قوم کی ذہنی صحت خراب ہے کوئی بتاؤ اس عطائے خسروی کو حالیہ آفات اور آئندہ خطرات میں گھرے ہوئے مسلمان کن کن زخموں کا مرہم بنائیں۔

وزیر اعظم کے بعد — اور دستوری اعتبار سے ان سے بھی پہلے عالی جناب صدر جمہوریۂ ہند کی ذات گرامی جو مظلوموں کے لئے تکیہ گاہ تھی، لیکن مسلمان نوجوان کے تحفظ کی نعمت ان کے سرچشمۂ فیض سے بھی حاصل نہ ہوئی ابھی جب کہ جبل پور کے حشر کو برپا ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہ ہوئے تھے جناب موصوف نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں بجٹ سیشن پر ایڈریس دیا ہے اس میں بہت کچھ ہے۔ حالاتِ عالم پر تبصرہ بھی ہے۔ کانگو، لاؤس اور قبرص کا بھی ذکرِ خیر ہے۔ کانگو میں لوممبا کو ان کے دو ۲ ساتھیوں سمیت مار ڈالا گیا اس کی اہمیت کے اظہار کے ساتھ ساتھ سخت تشویش بھی ظاہر فرمائی گئی ہے۔ لیکن کوئی لفظ جبل پور کے لئے نہیں ہے۔ جبل پور جہاں دو تین نہیں، بلکہ پچاسوں انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے — اور یہ سب مرنے والے محترم صدر کی رعایا ہی تھے بلکہ وہ دستور اگر کوئی قیمت رکھتا ہے جس کی نگہبانی محترم صدر فرما رہے ہیں تو یہ سب مقتول و مظلوم انکی اولاد کے درجے میں تھے۔ مگر ان کی لاشوں کو اپنے معزز صدر اور دیش پتا کے دو ۲ آنسوؤں سے بھی مشرف ہونے کی سعادت نصیب نہیں ہو سکی۔ اس کی تو کیا امید رکھیئے کہ صدرِ محترم بین الاقوامی بلندیوں سے اُتر کر کوئی عملی اقدام بھی کشتگانِ تغافل کی اشک شوئی کے لئے کر سکینگے

یہ تو اُن دو معزز ہستیوں کا ذکر ہوا جن کے ہاتھ میں پورے ملک کی باگ ڈور ہے۔ جن کے چشم و ابرو کے اشارے پر ایک ایک ظالم و سفاک کی روح فنا ہو سکتی ہے جو کرنے پر آئیں تو اُس ایڈمنسٹریشن کا مزاج درست کر سکتے ہیں جس کی کوتاہیاں فتنہ و شر کو طرح دینے کی ذمہ دار ہیں۔

اب بعض اُن ہستیوں کو دیکھئے جو ضابطے میں کسی عہدہ و منصب کی مالک نہ سہی، لیکن سیاسی و سماجی "نوں" سطحوں پر ان کا طوطی بولتا ہے۔ وہ اگر کوشش کریں تو کوئی بھی مسئلہ خاطر خواہ اہمیت حاصل کر سکتا ہے، لیکن ان کا بھی یہ حال ہے کہ اور سب معاملات میں تو بلا کی ترک تازیاں دکھائیں گے، لیکن مسلمانوں کے تحفظ اور حقوق کا معاملہ آئے تو منہ میں قفل اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر بیٹھ جائینگے

مثال کے طور پر آچاریہ ونوبا بھاوے کو دیکھئے۔ بڑے مہاتما بڑے دردمند۔ بڑے انسانیت دوست۔ لیکن ان کی مہاتمائیت آسام ہی کے فساد پر ماہیِ بے آب ہوتی ہے۔ ان کی ناک کے نیچے مسلمانوں پر ظلم و قہر کا کیسا ہی طوفان گذر جائے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ان کے مقدس کانوں پر جوں بھی رینگی ہے۔ ڈاکوؤں کی اصلاح کے لئے سرگشتہ و بے تاب۔ چھوت چھات کی لعنت ختم کرنے کے لئے مجسم سوز و گداز اور فحش پوسٹروں کے غم میں سراپا عمل و حرکت مگر مسلمانوں کی مظلومانہ چیخیں اور فریادیں ان کے کانوں سے ٹکرا کر مایوس لوٹ آتی ہیں۔ ان کی روحانیت ذرا ان کے پہلو میں چٹکی نہیں لیتی کہ خدمتِ عدل و انسانیت کا ایک میدان یہ بھی ہے!

دوسری طرف ذرا فرقہ پرستوں کے رنگ ڈھنگ دیکھئے۔ روزنامہ "دعوت" میں جبلپور کے ہنگامے پر ہندو مہا سبھائی رپورٹ نقل کی گئی ہے۔ اس رپورٹ پر جو نوٹ "دعوت" والوں نے دیا ہے وہ تو مستقل ایک مقالۂ عبرت کا طالب ہے۔ لیکن نوٹ سے اس وقت بحث نہیں۔ بتانا یہ ہے کہ ہندو مہا سبھا کے وفد نے اپنی رپورٹ میں وہی اُلٹی گنگا بہائی ہے جسکے فرقہ پرست سدا کے عادی ہیں۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ مسلمانوں ہی نے ہندوؤں پر چڑھائی کی۔ انھی کی فرقہ پرستی فساد کا واحد سبب ہے۔ انھی کا یہ جو حملہ ہے کہ باقاعدہ منصوبہ بناکر اسلحہ جمع کئے پھر اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ ڈرے سہمے ہندوؤں پر حملہ آور ہوگئے۔ حد یہ ہے کہ بقول ہندو سبھا:

"کیونکہ کئی بار ملک کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کو اقلیت میں ہونے کی وجہ سے مالی امداد دی جاتی رہی ہے اسی لالچ کے پیشِ نظر جبل پور میں مسلمانوں نے اپنے گھروں میں آگ لگائی۔"

فرمائیے چوری اور سینہ زوری کی اس سے بڑی مثال کہیں آپ کی نظروں سے گذری ہے؟ دن دہاڑے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور ڈنکے کی چوٹ سفید جھوٹ بولنے کا ایسا شاہکار کبھی دیکھنے میں آیا ہے؟

اس رپورٹ پر تبصرہ کرنے کی بجائے ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہندو مہاسبھا یا کسی اور فرقہ پرست جماعت سے ہمیں کوئی گلہ نہیں۔ فرقہ پرستی کی جبلت جو کچھ ہے وہ اسی کا مظاہرہ کرے گی۔ درندے خون آشامی کی جبلت نہیں چھوڑ سکتے۔ بچھو کاٹے گا اور ہر کاٹے گا۔ افسوس یہ ہے کہ کانگریسی حکومت اور اس کی پولیس مسلمانوں کو ان خونخوار درندوں سے دل کھول کر نمٹ لینے کا غیر جانبدارانہ موقع نہیں دیتی۔ اس کی ذمہ داری تھی کہ بھارت کے ہر شہری کا تحفظ کرے۔ اسے غنڈوں کی دستبرد سے بچائے لیکن آئے دن ہونے والے فسادات شاہدِ عدل ہیں کہ وہ اس ذمہ داری کو پورا نہیں کرسکی۔ ایسی صورت میں اسے کہہ دینا چاہئے تھا کہ مسلمانوں کی حفاظت ہمارے بس میں نہیں ہے وہ کرسکیں تو خود اپنی حفاظت کرلیں۔ یہ کہکر وہ ایک کونے میں جا بیٹھتی تب دیکھ لیا جاتا کہ تعداد میں کم اور وسائل میں بے بضاعت ہونے کے باوجود کیا مسلمان غنڈوں اور فرقہ پرستوں سے خود کو محفوظ رکھ سکتے ہیں؟ اور محفوظ نہ رکھ سکیں تو مردانہ وار جان پر کھیلنا بھی جانتے ہیں اور یہ حرفِ شکایت کبھی ان کی زبانوں پر نہیں آئے گا کہ امن و قانون کے ذمہ داروں نے ہماری مدد نہیں کی کونے میں بیٹھے تماشا دیکھتے رہے۔

لیکن تلخ تر شکوہ یہ ہے کہ بار بار ہونیوالے فسادوں میں مقامی حکام اور پولیس کا رویہ بھی مسلمانوں کے حق میں اکثر بلائے جان ہی ثابت ہوا ہے۔ وہی مرتے ہیں برباد بھی ہوتے ہیں اور پھر پولیس کے کانٹے دار جال کے حلقے بھی انھی کے تنِ مجروح پر تنگ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد کس سے فریاد کی جائے اور کہاں سے وہ طمانیت لائی جائے جو جمہوریت کے ہر شہری کا واجبی حق ہے۔

جہاں کہیں مقامی حکام اور پولیس والے فرض شناس

ہیں گے مسلمان بن آئی نہیں مارے جاسکتے۔ اسکی ایک قریبی مثال سہارنپور کا وہ ہنگامہ ہے جو رام لیلا کے جلوس کے موقع پر برپا ہوا تھا۔ ٹھیک وہی تکنک استعمال کی گئی تھی جو فرقہ پرستوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ جب جلوس جامع مسجد کے سامنے پہنچا تو شور مچادیا گیا کہ "بھگوان رام" کی سواری پر جامع مسجد سے ڈھیلے پھینکے گئے ہیں۔ حکام اس اوچھے ہتھیار پر فوراً ہی اپنی گرفت مضبوط نہ کرلیتے تو مسلمانوں پر قیامت توڑنے کے پورے سامان کرہی لئے گئے تھے۔ لیکن فرقہ پرستوں کو ناکامی ہوئی اور حکام کی فرض شناسی کے طفیل ایک یشپال گھ نامی شخص کو عدالت نے تین ماہ قید سخت کی سزا بھی دی۔

حاصل اس خامہ فرسائی کا یہ بتانا ہے کہ ہم بھارتی مسلمانوں کے لئے بہت نازک وقت آپہنچا ہے۔ ہر فساد پر یہ توقع باندھ کر دل کو تسلی دے لیتے تھے کہ شاید اب یہ سلسلہ ختم ہوجائے۔ مگر واقعات بتارہے ہیں کہ یہ سلسلہ لامتناہی ہے اور اس مقدس دستور کے خزانے سے مسلمانوں کو پورے سیاسی و سماجی حقوق تو در کنار جان و مال کا تحفظ بھی ملنا مشکل ہے جس کے زیر سایہ کبھی کسی کو مظلومیت کی موت نہیں مرنا چاہئے تھا۔

پھر کیا کیا جائے ؟

یہی ہے وہ سوال جو بھارت کی ملتِ مسلمہ کیلئے فوری طور پر سب سے اہم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو گاہے گاہے اس سوال کی اہمیت کا احساس ہوتا رہتا ہے اور اپنی صواب دید کی حد تک وہ جواب بھی دینے کی کوشش کرتی ہیں مگر جب طوفان گذر جاتا ہے تو اسے طاقِ نسیاں میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس بے بنیاد خوش فہمی سے ٹیک لگالی جاتی ہے کہ جو ہونا تھا ہوا اب آگے کو خیر سلا ہے۔ حالانکہ حالات گواہ ہیں یہ خوش فہمی کسی مرض کا مداوا ثابت نہیں ہوئی اور خطرات و آفات جوں کے توں موجود ہیں۔ ضروری ہے کہ تمام مسلم جماعتوں کے ارباب حل وعقد صرف اسی ایک مسئلہ پر سر جوڑ کر کچھ سوچیں اور دیگر تمام باہمی اختلافات کو ایک طرف رکھ کر اسی پہیلی کو بوجھیں کہ آئے دن کے فسادات کی آفت کا مداوا کیا ہو کیونکر ہو ؟

اسباب و علل کے دائروں میں فکر و غور کرنا اور قابلِ عمل اسکیم سامنے لانا ارباب حل و عقد ہی کا کام ہے۔ ہاں اخلاقی پہلو سے یہ بات ہماری سمجھ میں آتی ہے کہ جو برباد یا بھی ہم پر نازل ہو رہی ہیں ہمارے ہی اعمال کا ثمرہ ہیں قرآن کہتا ہے:۔

وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ	اور جو بھی مصیبت تمھیں پہنچتی
فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ	ہے وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کی
وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ۔	کمائی ہوئی ہوتی ہے اور اللہ
(الشوریٰ)	بہت سی خطاؤں کو تو معاف بھی کر دیتا ہے

ہم اپنے اعمال و کردار پر غور کریں اپنی کرتوتوں کو قرآن و سنّت کے آئینہ میں دیکھیں۔ اپنے اخلاق و افعال کا جائزہ لیں۔ اپنے ایمان کا وزن کریں۔ تباہیاں اور کامرانیاں اسباب و وسائل ہی کے جلو میں آتی ہیں، لیکن یہ اسباب و وسائل کس مبدء و مصدر سے نکلتے ہیں ؟ یہ ہے اصل میں توجہ کرنے کے قابل سوال۔ اگر قرآن و سنت کے فرمودات آج جھوٹے نہیں ہوگئے اور تاریخی نظائر کی کوئی قدر و قیمت باقی ہے تو کیا شک ہے اس صداقت میں کہ اپنے خالق و مالک کے احکامات سے روگردانی ہی ہماری بدحالیوں کی جڑ بنیاد ہے اور کامیابیوں کی منزلوں تک لے جانے والے اسباب و وسائل کا فقدان رحمتِ خداوندی ہی سے محرومی کا نتیجہ ہے۔ رحمتِ باری منعطف ہو تو اسباب و وسائل خود رو گھانس کی طرح اُگتے ہیں۔ نہ منعطف ہو تو سونا بھی مٹی بن جاتا ہے۔ دوسری قوموں کے حال پر مت جاؤ۔ ان کے لئے اس دنیا میں ڈھیل ہے لیکن ہمارے لئے ڈھیل کیوں ہو جب کہ آخرت کی نعمتوں میں ہمارا ہی حصّہ مقرر کیا گیا ہے۔

اِن معروضات کے بعد سب سے اہم اور قابلِ توجہ گذارش ہم تمام برادرانِ ملّت کی خدمت میں یہ کریں گے کہ فساد کے نتیجے میں جو ہزاروں مسلمان محتاج و مساکین کی سطح پر آگئے ہیں وہ بیش از بیش امداد کے مستحق ہیں۔ انھیں روٹی کپڑے، برتن اور ہر طرح کے ساز و سامان کی ضرورت ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ وزیرِ اعظم پنڈت نہرو نے اپنے فنڈ سے دس ہزار سے زائد رقم مصیبت زدگان کی امداد کے لئے بھیجی ہے اور صوبائی حکومت بھی تقریباً ایک لاکھ روپیہ خرچ کر رہی ہے۔ لیکن اوّل تو یہی نہیں معلوم کہ یہ رقمیں کن کن ہاتھوں سے گذر کر کہاں کہاں پہنچتی ہیں اور کب پہنچتی ہیں۔ دوسرے یہ ضرورت کے مقابلہ میں اتنی کم ہیں کہ صحیح طور پر تقسیم ہو جائیں تب بھی مسئلہ پورے طور پر حل نہیں ہوتا۔ ضرورت ہے کہ برادرانِ اسلام اس نازک وقت میں زیادہ سے زیادہ دریا دلی دکھائیں اور پیسہ، کپڑا، برتن وغیرہ جو کچھ جس سے بن آئے فوراً مہیا کرے۔

وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ۔	اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں مال و دولت میں سے جو ہم نے تمھیں عطا کیا ہے اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آدبوچے

مصیبت زدوں کی مدد جہاں اجرِ آخرت کے پہلو سے ہمارے فرائض میں شامل ہے وہیں اس کے دنیاوی پہلو بھی ہیں۔ ایک تو یہ ہماری غیرتِ ملّی کا امتحان ہے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ ہم میں سے جو لوگ آج امن چین کے سانس لے رہے ہیں انھی میں سے بعض پر کل وہی وقت آپڑے جو جبل پور اور اس کے مضافات کے مسلمانوں پر آج آپڑا ہے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ ہماری بھی دستگیری کا داعیہ دوسروں کے قلوب میں پیدا کر دے گا بشرطیکہ آج ہم نے تنگدلی نہ دکھائی۔ جس ملک میں ہم ہیں وہاں فساد کا کوئی وقت نہیں۔ کسی بھی وقت کہیں بھی یکایک فتنہ جاگ سکتا ہے۔ خاص طور پر یہ آنے والا ڈیڑھ سال تو بڑا ہی خطرناک ہے۔ جنرل الیکشن آ رہا ہے۔ ہولی بھی سر پر ہے۔ فرقہ پرست اخبارات کا یہ عالم ہے کہ مسلمانوں کے خلاف فرقہ پرستانہ جذبات مشتعل کرنے کے لئے نت نئی خبریں آتشیں عنوانات لگا لگا کر چھاپتے رہتے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ حال ہی میں خاص دارالسلطنت میں حسبِ معمول ایک جھوٹا افسانہ گھڑ کر کے فتنہ پردازی کی سعی کی گئی۔ کون جانے کب کہاں اہنسا کے پجاریوں کی مقدس درندگی شباب پر آجائے اور ہم میں سے کون کون ہلاکت و پامالی کی اُس منزل میں پہنچ جائے جس میں جبلپور وغیرہ کے مظلوم پہنچے ہوئے ہیں۔ الصمد حفظنا۔

فساد زدگان کی امداد کے لئے جمعیۃ العلماء نے کمیٹی بنائی ہے اور امدادی سامان پہنچنے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ کمیٹی کے جن اراکین کے ناموں کا اعلان روزنامہ الجمعیۃ میں ہوا ہے وہ یقیناً ایسے ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جائے۔

پتہ:- خزانچی صاحب امدادی کمیٹی۔ مرکزی دفتر جمعیۃ العلمائے ہند۔ لال کنواں۔ گلی قاسم جان۔ دہلی

یہ سطور کتابت ہو چکی تھیں کہ جماعت اسلامی کا شائع کردہ پتہ بھی سامنے آیا۔ وہ یہ ہے:- جناب انعام الرحمٰن صاحب متصل چوکی تلیا۔ بھوپال۔

منی آرڈر کوپن پر "برائے مظلوم فنڈ" لکھ دیا جائے۔ ۶۱
عامر عثمانی ۲۸ فروری

تجلی کی ڈاک

بعض حضرات اس طرح کے سوالات بھیجتے ہیں جن کا تعلق بعض مخصوص افراد سے ہوتا ہے اور ان کے جوابات کی افادیت عام لوگوں کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتی۔ ایسے سوالات شائع کرنے سے ہم معذور ہیں۔ ان کے جواب کے لئے جوابی لفافہ بھیجا جائے تو ڈاک سے جواب دے دیا جاتا ہے۔ (ع)

سوال ۱:۔ امام الدین رام نگری اور مدیر تجلی

مولانا ابو محمد امام الدین صاحب رام نگری کی کتاب "حضرت امام حسین شہیدؓ" دونوں حصے دیکھ چکا ہوں اور "دار العلوم" اور "ایشیا" میں ان کے مضامین بھی بالاستیعاب دیکھے ہیں۔ مولانا موصوف دلائل و براہین کے بجائے سب و شتم اور طنز و تضحیک سے کام لے رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ آپ اور ان کے درمیان یہ کشمکش آخر اس درجہ پر کیوں پہونچ گئی ہے مولانا رام نگری صاحب نے بھی اپنی کتاب کے دوسرے حصہ میں اپنے اختلاف کا ذکر فرمایا ہے، لیکن وہ میری ناقص سمجھ میں نہیں آسکا۔ میں آپ سے موقف کی وضاحت نہیں چاہتا، بلکہ آپ کے اور مولانا موصوف کے درمیان اختلاف کی نوعیت آخر اس قدر کیوں شدت اختیار کر گئی؟ حالانکہ آپ کے تعلقات تو ضرب المثل تھے

سوال ۲ (ایضاً) مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی

جنوری ۱۹۶۱ء میں ماہر القادری نے "فاران" کے اداریہ میں اصلاحی صاحب اور حکیم عبد الرحیم اشرف صاحب پر جو محاکمہ فرمایا ہے اور عبارات و مسالک میں جو تضاد ظاہر کیا ہے اور مولانا امین احسن اصلاحی پر جو گرفت کی ہے اور میثاق کے اداریہ نگار تین چار ماہ سے مسلسل جو مضمون لکھ رہے ہیں اس کے بارے میں ماہر القادری نے جو رائے ظاہر کی ہے اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ وضاحت سے بیان فرمائیے۔

آخر میں گذارش ہے کہ اجمال و اختصار سے کام نہ لیں، بلکہ اس معاملہ کو پوری طرح سے واضح فرما دیں تاکہ حقیقتِ حال بالکل ظاہر ہو جائے۔

اس کا جواب "تجلی کی ڈاک" کے ذریعہ چاہتا ہوں تاکہ مجھ جیسے ناواقفین حال کے لئے آپ کی وضاحت رہبر و رہنما کا کام دے سکے۔ والسلام

غلام رسول۔ مدرس مدرسہ خادم القرآن
میرے شاہ ضلع رحیم یار خاں
(مغربی پاکستان)

جواب ۱:۔

میرے مطالعہ سے امام الدین صاحب کی کتاب کے دونوں حصے نہیں گذرے صرف حصہ اوّل گذرا ہے وہ بھی پورا نہیں، کیونکہ چند ہی صفحات پڑھنے کے بعد جب محسوس ہو گیا کہ مصنف ذاتیات کے چکر میں ذہنی عدم توازن کا شکار ہیں اور فرطِ اشتعال میں

اُس منطقی شعور، اخلاقی حس اور ناقدانہ شائستگی سے منہ موڑ چکے ہیں جس کے بغیر اہم مسائل میں گفتگو جھک مارنے کے مترادف ہوتی ہے تو جی نہیں چاہا کہ مزید مطالعہ پر وقت ضائع کروں۔ ورق گردانی میں بھی متعدد جگہ یہی نظر آیا کہ موصوف کو اصل بحث سے زیادہ بعض ذوات و اشخاص کی کھال کھینچنے سے دلچسپی ہے۔

موصوف ایک زود رنج اور اشتعال پذیر مزاج کے بزرگ ہیں۔ وہ جب بھڑک جاتے ہیں تو مولٰنا امین اصلاحی کی طرح تسمہ لگا نہیں چھوڑتے۔ اُنسے وہی شخص زبان زوری کر سکتا ہے جو چھچھورے پن کی برداشت رکھتا ہو اور متین حدود و قیود کو کوئی اہمیت دینے پر تیار نہ ہو۔ عام حالات میں وہ ذی فہم بزرگ ہیں، باقاعدہ عالم نہ ہونے کے باوجود دینی علوم میں نگاہ رکھتے ہیں۔ انھیں بات کرنے اور سمجھنے کا سلیقہ بھی ہے۔ ان میں خلوص و دلریشی بھی ہے، لیکن قسمت کی اس کرشمہ کاری کو کیا کہیئے کہ ان کی یہ عام حالت بہت جلد ایک ایسی خاص حالت میں بدل جانیکی حیرتناک صلاحیت رکھتی ہے جس میں فہم و خرد کی ساری عقلمندیاں رکھائی ہوئی بلی کی طرح دبک کے رہ جاتی ہیں اور سینے سے لے کر کاسۂ سر تک جذبات ہی جذبات دندناتے پھرتے ہیں۔

قدرت کی یہ صنعت کاری کچھ نادر نہیں ہے۔ آپ مولانا امین احسن اصلاحی میں بھی اس کی جھلکیاں دیکھ سکتے ہیں۔ ممدوح عام حالات میں بڑے دیدہ ور بڑے نکتہ رس، بڑے طباع، بالغ نظر عالم، وسیع المطالع مصنف اور گرمجوش مناظر ہیں، لیکن جب ان کا آتش گیر مزاج گرمی پاکر لو دے اُٹھتا ہے تو ان کے تمام ذہنی اوصاف پر کثیف دھویں کی ایک چادر سی تن جاتی ہے اور انھیں بالکل ادراک نہیں ہوتا کہ میرا قلم کن رسوا کن پستیوں تک دسطے کھاتا چلا جا رہا ہے۔ بعض دفعہ تو واقعہ یہ ہے کہ ان کے بعض بے ساختہ الفاظ اور فقرے پڑھ کر دل و دماغ کو اچانک ایسا شاک لگتا ہے جیسے کوئی سنجیدہ معزز آدمی یکایک سر بازار تھرکتا اور مٹکتا نظر آجائے۔

بہرحال ذکر امام الدین صاحب کا تھا۔ میرے اور ان کے مابین کوئی کشمکش نہیں کشمکش دو طرفہ کھینچ تان کو کہتے ہیں۔ میرے بازو تو ان کے مقابلے میں شل پڑے ہیں میں نے کہیں ان کے پُرجوش مضامین کا ترکی بہ ترکی جواب نہیں دیا۔ پھر ذاتی کشمکش میں عداوت و کدورت بھی ضرور شامل ہوتی ہے۔ یہاں اُن سے تو کیا اپنے سخت سے سخت دشمن سے بھی عداوت و پرخاش رکھنے کی صلاحیت ہی سے مکمل محرومی ہے۔

بات ایک دفعہ یوں ہوئی تھی کہ تجلی میں ایک ایسے مضمون کو جگہ دی گئی جو مومن برادری سے متعلق تھا۔ جگہ دینے کی وجہ عاجز نے ادارتی نوٹ میں ظاہر کر دی تھی کہ چونکہ مومن بھائیوں نے اپنی سربلندی کے لئے قرآن و حدیث کو غلط طور پر استعمال کیا ہے اس لئے ان کی غلطی اس مضمون سے واضح ہو جائے گی۔

اس مضمون کے ردِّ عمل میں امام الدین صاحب کا مضمون آیا تھا جس کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا:۔

"ایک جلا ہے کے قلم سے"

مجھے یہ پیشانی پسند نہیں آئی اور اسے گھٹیا قسم کا تمسخر سمجھا۔ لیکن موصوف نے اپنے خط میں سنجیدگی کے ساتھ یقین دلایا کہ یہ تمسخر نہیں ہے بلکہ وہ سچ مچ جلا ہے ہیں۔

کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر واقعہ یہی تھا جب بھی عاجز کی اُس مودت و محبت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا جو ان کی ذات سے چلی آرہی تھی، لیکن اس کو کیا کیجئے کہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں فقہا نے جو کفوٗ کی قید واضح فرمائی ہے اس پر موصوف کو شدید غصہ ہے اور اس سلسلہ میں ان کے بعض خطوط ایسے ناروا جوش سے ملوث ہوئے ہیں کہ بندہ دم بخود رہ گیا ہے۔ عاجز میں اتنی طاقت کہاں کہ تمام فقہاء کو نسل پرستی اور کوتاہ نظری کا طعنہ دے سکے۔ میرے نزدیک کفوٗ کے باب میں بھی فقہاء

ی بحثیں اتنی ہی قیمتی ہیں جتنی کسی اور باب میں۔ لیکن موصوف کا خیال ہے کہ اکثر فقہاء اس باب میں جھک مارتے رہے ہیں۔

مجھے اتنا وقت نہیں کہ تجلی کے فائل اور مرحوم خطوں کے مقبرے کھود کر پوری داستان سپردِ قلم کروں۔ مختصر یہ ہے کہ مجھے چونکہ نسل و نسب کے جھگڑوں سے دلچسپی نہیں تھی اور تجلی کو اس نہج کے طویل مباحث کا بازیچہ بنانا پسند نہیں کرتا تھا اس لئے موصوف کے وہ تمام رشحاتِ قلم شائع نہیں کرسکا جن کی اشاعت پر انھیں اصرار تھا اس پر موصوف مشتعل ہوگئے اور نہ پوچھئے خطوں میں کیسی کیسی سنائیں۔ حیرت ہوتی تھی کہ ایک عمر رسیدہ اور متین بزرگ اچانک اتنی نیچی سطح پر بھی آسکتے ہیں۔ سخت کلامی اور ایسی فاش کہ تہذیب و مروّت پانی بھی نہ مانگیں۔ عاجز جواب میں بہت نرم سا مختصر خط لکھ دیتا تو اس پر انھیں اور بھی زیادہ تاؤ آجاتا۔ شاید وہ یہ محسوس کرکے جھلاتے کہ میری زوردار نگارش کو اس بدبخت نے کچھ اہمیت ہی نہیں دی۔ بس ان کا اشہبِ قلم اور بھی صبا رفتار ہوجاتا اور ایسی ایسی سناتے کہ دو دو بار پڑھ کر خود کو یقین دلانے کی کوشش کرتا کہ جو کچھ پڑھا ہے واقعی وہی لکھا ہوا بھی ہے۔ میرے پاس نہ تو اتنا وقت تھا کہ خطوں کی لڑائی لڑتا۔ نہ اتنی غیرت وحمیت تھی کہ جوابی صلواتیں سناتا بلکہ عجیب سی بات ہے کہ جو لوگ فرطِ غضب میں عاجز کو صلواتیں سنانے پر اُتر آتے ہیں ان پر بجائے غصے کے ترس سا آنے لگتا ہے اور ذاتی عداوت کا ادنیٰ ساجذبہ بھی پھر دل میں پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے ــــ اور اس پر خدا شاہد ہے کہ آج بھی جب کہ اپنی شان میں جگہ جگہ امام الدین صاحب کی تلخ و تند گل افشانیاں دیکھتا رہا ہوں اور دوسرے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھ میں اور ان میں سخت کشمکش ہے مجھے قطعاً احساس نہیں ہو رہا ہے کہ ان سے میرے قلب و ذہن کے دور افتادہ گوشوں میں بھی کوئی کدورت کوئی پرخاش کوئی میل ہے۔

یہ تھا اختلاف کا آغاز۔ اس کے بعد تجلی میں حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں ایک سوال شائع ہوتا ہے جس کے جواب میں بے لاگ طور پر عاجز اپنے خیالات کا اظہار کردیتا ہے۔ یہ خیالات موصوف کے خیالات کی ایکدم نقیض ثابت ہوئے۔ ان پر بھی انھوں نے خطوط میں خوب گرما گری کھلائی پھر محمود عباسی صاحب کی کتاب کا قضیہ اٹھ رہا۔ اس پر تائیدی تبصرہ دیکھ کر انھوں نے بالکل ہی فیصلہ کرلیا کہ مدیر تجلی پکا خارجی ناصبی اور زندیق وغیرہ ہوگیا ہے۔ جو غصہ میرے لئے ان کے اندر پیدا ہوچکا تھا وہ المضاعف ہوتا چلا گیا اور اسی کے آثار و ثمرات آپ ان کی گرما گرم تحریروں میں دیکھ رہے ہیں۔

یہ ضرور ہے کہ اس کہانی میں کہیں نہ کہیں عاجز کی بھی کسی غلطی، سہو یا جرم و قصور کا کچھ نہ کچھ شمول ضرور ہوگا فرشتہ کوئی نہیں۔ مگر یہ شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ امام الدین صاحب ذکاوتِ حس کے مریض ہیں ذراسی آنچ پاکر فلیتے کی طرح سلگ اُٹھتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے ڈائنامیٹ کی طرح پھٹ جاتے ہیں۔ اسے چھوڑیئے کہ کربلائی بحثوں میں عاجز کا موقف غلط ہے یا صحیح۔ مان لیجئے کہ متعلقہ شخصیات کے بارے میں میری آراء ناقص ہی ناقص ہیں۔ میں کج فکری و بے دانشی میں گرفتار ہوگیا ہوں، لیکن تو تو میں میں کا جو انداز موصوف اپنی تحریروں میں برت رہے ہیں کیا وہ سنجیدگی اور علم و وقار کے معیار پر پورا اُترتا ہے؟ کیا علمی و تاریخی مباحث میں ذاتی طنز و طعن اور تخفیف و تحقیر کا وہی اسلوب ایک شریف آدمی کو اختیار کرنا چاہئے جو موصوف اختیار کئے ہوئے ہیں؟

ان کا غصہ یوں اور بڑھا کہ میں نے ان کی کتاب پر تبصرہ نہیں کیا۔ اسے فروختگی کے لئے مکتبہ تجلی نے نہیں منگوایا۔ بلکہ انھوں نے میری بلا اجازت اس

کتاب کے آغاز میں ملنے کے پتوں میں مکتبہ تجلی کا نام بھی ڈال دیا تھا تو اس پر میرے دفتر سے خط گیا کہ یہ آپ نے غیر ذمہ دارانہ حرکت کی ہے۔ اس سے قبل کہ آئینی زبان میں توجیہہ طلب کی جائے آپ تعلقات کی زبان میں وجہ جواز ظاہر فرمائیں۔ جواب ملا کہ یہ میرے اذن و ایماء کے بغیر ہو گیا ہے اور میں مکتبہ تجلی کے پتے پر سادہ چٹیں چپکا دوں گا۔

یہ بحث کئے بغیر کہ پیش کردہ تاویل کس حد تک قرین قیاس ہے اور کیا ضمانت ہے کہ چٹ چپکانے کا التزام ایمانداری کے ساتھ کیا جائے گا اور ان کتابوں کا کیا ہوگا جو اب تک بغیر چٹ کے قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں میں نے بات ختم کر دی۔ اس کے بعد موصوف نے ماہنامہ "دار العلوم" دیوبند میں ــــ اُس دار العلوم میں جس کے اولیاء و ائمہ جماعت اسلامی کا زن بچہ کولھو میں پلوانے کی تگ و دو کرتے رہے ہیں، اور خود امام الدین صاحب نے متعدد کتابچے اور مضامین ان کی خیانتِ علمی، کج فکری اور کورانہ تعصب کے اثبات میں تصنیف فرمائے ہیں اپنا ایک مضمون شائع کرایا جس کے عنوان ہی میں مدیر تجلی کو "یزیدی" بنا دیا گیا اگرچہ یہ مضمون ماہنامہ دار العلوم کے سرپرست حضرت مہتمم صاحب دام ظلہ نے کافی کاٹ چھانٹ کے بعد پانیوں میں بھگو کر شائع کیا تھا، لیکن پھر بھی لب و لہجے، زبان اور اسلوب کے لحاظ سے یہ ایسا مستعلیق تھا کہ جس شریف آدمی کا جی چاہے آج بھی اسے پڑھ کر دیکھ لے چشمِ عبرت وا ہو جائے گی۔

مجھ سے قصور یہ ہوا کہ اسے پڑھنے کے بعد نظر انداز کر دیا۔ یہ قصور دانستہ نہیں بلکہ میری بے حسی کا ثمرہ تھا نہ جانے کیا چکر ہے کہ اگر کوئی مولانا مودودی پر تبرا کرے یا حضرت معاویہ رضؓ کی تخفیف پر اُتر آئے تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے، لیکن خود میری ذات پر ترکش خالی کیے تو ذرا سی گرمی بھی پیدا نہیں ہوتی۔ قلب و ضمیر کے یہاں سناٹا سا رہتا ہے اور کچھ ایسی آسودگی کا احساس ہوتا ہے جیسے توصیف و تحسین کے ہجوم میں یہ تذلیل و تنقیص بھی توازن قائم رکھنے کیلئے ضروری ہی ہو۔ یہ کمزوری ہے یا بے غیرتی اسے آپ سمجھیں، میری خاموشی امام الدین صاحب کے مقابلہ میں بہرحال اسی عیب کا ثمرہ ہے اس میں احساسِ برتری یا نخوت کو بالکل دخل نہیں۔

ابھی "ایشیا" میں پھر موصوف نے دل کا غبار نکالا ہے۔ آپ تو شاید اسے پڑھ ہی چکے ناظرین تجلّی کی ضیافت کے لئے کچھ اقتباسات حاضر ہیں۔

معاملہ وہی معاویہؓ و یزید کا ہے۔ محمود عباسی کی کتاب کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

"سب سے بڑی ہولی اور دیوالی ماہنامہ تجلّی دیوبند کے دفتر میں منائی گئی اور اس شاندار طریقے سے کہ روح خارجیت رقص کر کر گئی۔" (ایشیاء ۵ رجنوری ۱۹۶۱ء ص۶)

تُو لیے علمی متانت کے میزان میں اس کا کیا وزن ہوگا؟

موصوف کو اس کا بھی بہت غم ہے کہ تجلّی ہمہ اقسام کی واہیات حرکتیں کئے جا رہا ہے مگر کسی جماعت اسلامی والے کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ وہ اب تک اس چھوٹے سے گاؤں میں بھی منگایا جا رہا ہے جہاں جماعت کے دو چار ہمدرد بھی ہیں۔ فرماتے ہیں:-

"میں نے حضرت امام (؟) حسین شہید تنقید بر تجلّی و خلافت معاویہؓ و یزید کے مقدمے میں خوب مہندی کی چندی کر کے سمجھایا کہ آخر رسالہ تجلّی جماعت اسلامی کا کیسا حامی ہے اور اسکی حمایت کا آخر نہج کیا ہے، لیکن یہ موٹی سی بات اب تک جماعت اسلامی والوں کی موٹی سی سمجھ میں نہ آئی تجلّی کو جماعتی حلقے میں ہی اعتماد اور ہردلعزیزی حاصل ہے۔"

دیکھا آپ نے موصوف کو تجلّی کی دائم و قائم

ہردلعزیزی پر کتنی جھلاہٹ ہے۔ وہ عرش پر بیٹھ کر سارے ہی افرادِ جماعت کی عقلیں موٹی بتا رہے ہیں اور شاکی ہیں کہ میں نے تو خوب ہندی کی چندی کر کے اپنی کتاب میں تجلّی کا پول کھولا، مگر موٹی سمجھ والوں کی جماعت نے کان ہی نہیں دھرے اور مارے حماقت کے برابر تجلّی کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔

عاجز کو بحیثیت خورد کے موصوف کے اُس کرب اذیت سے بڑی ہمدردی ہے جس میں انھیں تجلّی کی سخت جان مقبولیت نے مبتلا کر رکھا ہے۔ جماعت اسلامی کے جملہ افراد کو چاہئے کہ اپنی موٹی عقلوں پر شرمندہ ہوں اور جماعت ہی کا ایک مردِ جہاندیدہ جو سبق دے رہا ہے اسے توجہ سے سُنیں اور تجلّی کو پاس نہ پھٹکنے دیں۔

آگے ہے:-

"بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ مولانا مودودی نے ترجمان القرآن میں امیر معاویہ کی خلافت کے نہج اور یزید کی ولی عہدی پر جو تبصرہ فرمایا تھا اس پر نومبر ۶۰ء کے تجلّی نے سعادتمندانہ اور شاگردانہ پیرائے میں خوب خوب جرح وقدح کی ہے اور میں نے خود ایسے لوگوں کی گفتگو سُنی ہے جو کہتے ہیں کہ مدیر تجلّی نے مولانا کی خوب خوب گرفت کی ہے۔"

ہائے افسوس۔ کتنے بے غیرت ہیں یہ جماعت اسلامی کے افراد کہ مدیر تجلّی مولانا مودودی پر جرح وقدح کی جراٴت ناروا کر گذرے اور وہ بجائے ناک مُنھ چڑھانے کے اسکی تحسین کریں۔ امام الدین صاحب نے تو صرف ایک گفتگو کا حوالہ دیا ہے۔ بندے کو تو ماہ نومبر میں متعدد بار اس سلسلہ کی گفتگوؤں سے واسطہ پیش آچکا ہے۔ دہلی کے اجتماع میں تقریباً تین ہزار آدمیوں نے مختلف اوقات میں عاجز سے ملاقات کی۔ چونکہ مکتبہ تجلّی کا اسٹال بھی وہاں گیا تھا اس لئے اس کے پاس ہی بیرونی ومقامی حضرات عاجز کو شرف ملاقات بخشتے رہے اور حیرت ہوگئی کہ ان میں دس فی صدی بھی ایسے نہیں نکلے جو تجلّی نہ پڑھتے ہوں۔ متعدد بار مذکورہ جرح وتنقدح کا تذکرہ آیا اور سبھی کی رائے یہی ظاہر ہوئی کہ یہ عامر عثمانی نے کوئی جرم نہیں کیا ہے، بلکہ اس طرح کا فعل صحت مند ذہن کی علامت ہے۔ مولانا مودودی پیغمبر نہیں ہیں کہ جو ان کی مدح وتوصیف کا خوگر ہو وہ دنیا کے ہر معاملہ میں ان سے اتفاق ہی کرتا رہے اور بھولے سے بھی اعتراض واختلاف کی جسارت نہ کرے۔ مجھے اس پر کوئی غرہ نہیں ہے کہ میری معروضات کو پڑھنے والوں کی غالب اکثریت نے سراہا ہے۔ یہ سراہنا دراصل اس لئے ہے کہ میں نے اپنی حقیر معروضات کو متانت کیساتھ پیش کیا ہے اور مولانا مودودی کے مقابلہ میں اپنی بے بضاعتی کو بھول نہیں گیا ہوں۔ اب اگر مولنا مودودی نے کبھی جواب دیا تو اُمید ہے کہ انشاء اللہ ان کا جواب ان کی اعلیٰ شان کے مطابق ہوگا اور اگر اس جواب نے میری معروضات کی کمزوریاں دلپذیر طور پر واضح کردیں تو اس سے مجھے بے حد خوشی ہوگی۔ بلکہ اگر آپ یقین کریں تو میں کہوں کہ میرا دل برابر یہ تمنا کئے جا رہا ہے کہ اے اللہ مولانا مودودی ایسا جاندار اور دلنشیں جواب دے جائیں کہ میرے جملہ اشکالات پر پانی پڑتا چلا جائے۔ اُن کی شان جتنی بڑھے گی اس عاجز کو اتنی ہی مسرت ہوگی۔ اپنی شان تو نہ پہلے تھی نہ آج ہے کہ اس کے گھٹنے کا سوال پیدا ہو۔

رنج کی بات یہ ہے کہ ایشیا کے مدیر جناب نصر اللہ خاں عزیز نے امام الدین صاحب کے فرمودات پر مختصر سا نوٹ دے کر بیچاروں کے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ حالانکہ اگر وہ موصوف کی کہن سالی اور بزرگی اور قدیم دوستی کا لحاظ کرتے تو تجلّی کے یزیدی مدیر کو تواضعاً ہی دو چار صلواتیں سُنا دینا کچھ بُرا نہ تھا۔ یا کم سے کم غیر جانبدار ہی رہتے۔ یہ کیا کہ چند سطری نوٹ کے ذریعہ موصوف کے رشحات کے ساتھ وہی فعل ناروا کر بیٹھے جو

اسٹم بم نے ہیروشیما کے ساتھ کیا تھا۔ مدیر ایشیا اپنے نوٹ میں لکھتے ہیں :۔

"حافظ صاحب (امام الدین رام نگری) کی خفگی بالکل بے جا ہے۔ بلکہ ہمیں شکایت ہے کہ دعوت میں کسی صاحب نے حافظ علی بہادر خانصاحب کی نہایت لغو کتاب پر موافقانہ رائے ظاہر کردی۔ حالانکہ وہ کتاب کسی اعتبار سے ایک سنجیدہ تصنیف کہلانے کی مستحق نہیں۔"

پاکستان میں بیٹھ کر مدیر ایشیا نہیں سمجھ سکتے کہ ان کے یہ زہر میں بجھے ہوئے فقرے رام نگری صاحب کے لئے خصوصًا اور اُن جاہل و نیم جاہل لوگوں کے لئے عمومًا جو حافظ علی بہادر کی مضحکہ خیز نگارشات کو "نعمتِ غیر مترقبہ" گمان کرتے ہیں کس قدر دلگداز ثابت ہوئے ہوں گے۔ بیچارے "دعوت" کے تبصرہ نگار نے تو کتاب کو یوں ہی سرسری سا پڑھ کر تبصرہ اُڑا دیا اور آج تک اس پر پچھتا رہا ہے، لیکن رام نگری صاحب تو اب کی اجتماعِ دہلی کے موقع پر زیادہ دنوں حافظ علی بہادر ہی کے یہاں فروکش ہوئے تھے (جیسا کہ اسی ایشیا والے قلم پارے میں انھوں نے واضح فرمایا ہے) ان کی نگاہ میں علی بہادر کی یہی کتاب جسے مدیر ایشیا لغو ٹھیرا رہے ہیں مایۂ نازِ تحقیق و تنقید کا شاہکار ہے۔ ہم اگر کہیں کہ رام نگری بزرگ حبِّ علی کی آڑ میں بغضِ معاویہ کا علم اٹھائے ہوئے ہیں تو یاوہ گو کہلائینگے لیکن اگر یہ مقولہ درست ہے کہ :۔

"مجھے میرے دوستوں سے پہچانو"

تو علی بہادر کی کتاب "معاویہؓ و یزید" پڑھ کر دیکھئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو خیر اس نام نہاد سنّی مصنف نے شوریدہ پشتی، لغو بیانی، بازاریت اور کینہ توزی کی حد ہی کردی ہے۔ مثلاً فرمایا جاتا ہے

"معاویہ کو کھانے کی بہت دُھن تھی اور اسکی توند بھی بڑی ہوگئی تھی، یہانتک کہ خطبہ کھڑے ہو کر نہیں دے سکتا تھا۔" (ص ۲۸۶)

اس کے علاوہ ایسی ایسی ہرزہ سرائیاں اس شخص نے کی ہیں کہ غالی شیعوں تک کے کان کاٹ کے رکھدیتی ہیں لیکن خدا رحم کرے اس نے بعض اور صحابیوں کو بھی فرعون جیسے القاب سے نواز دیا ہے اور حضرت عمرؓ تک کو (خاک بدہن گستاخ) حیلہ جو اور بہانہ ساز قرار دے ڈالا ہے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں اس شخص کا وہی انداز فکر ہے جو رفض و تشیع کے علمبرداروں کا ہو سکتا ہے۔ شاید یہی ہم فکری و ہم مشربی ہے جس نے رام نگری بزرگ کا جوڑ علی بہادر سے لگایا اور انھیں علی الاعلان یہ کہتے ہوئے ذرا حجاب نہیں آیا کہ انکا یارانہ اُس شخص سے ہے جس نے "معاویہؓ و یزید" جیسی ناپاک اور تعفن خیز کتاب لکھ کر فکری و تنقیدی شرافت کے مُنھ پر طمانچہ اُڑایا ہے۔

رام نگری بزرگ یا علی بہادر صاحب سے مجھے ذاتی پرخاش نہیں، لیکن علی الاعلان کہتا ہوں کہ جو قلم حضرت علی اور اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم کی عظمت کا قصر ابوسفیان و معاویہ رضی اللہ عنہما کی ہڈّیوں پر تعمیر کرنا چاہتا ہے اور نفسِ صحابیت کی حرمت کا پاس نہیں کرتا وہ اُس ناپاک خنجر کے مماثل ہے جس نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا ایسے قلم کے لئے مدیر تجلّی کی ساری نفرتیں وقف ہیں، اور اس کا بس چلے تو اُن انگلیوں کو کٹوا کے پھینکدے جن کی گرفت میں جنبش کرنے والا قلم ختمی مرتبت سرکارِ دو عالم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالتِ مقدسہ کے حصارِ زرّیں — صحابیت — کی دیوار میں نقب زنی کا بھیانک جرم کرنے میں نہیں شرماتا۔ ہزار ہزار رحمتیں ہوں عساکرِ اسلام کے اُن مجاہدینِ اوّل پر جن کا ایک سجدہ ہم اخلاف کے لاکھ سجدوں پر بھاری اور جنکی ایک نیکی ہماری پوری عمرِ زہد و تقویٰ سے بیش قیمت رہی ہے خدا کی قسم وہ ایک اعرابی جسے سرورِ کونین فداہ امی و ابی

کی زیارت کے بعد ایک نماز کی مہلت ملی ہو اور بحالتِ ایمان دنیا سے رخصت ہوگیا ہو ہمارے نزدیک جنید و شبلی اور ابوحنیفہ و ابنِ حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ مقدس، محترم اور مغفور ہے۔ ملی بہادر جیسے لوگ خوش ہوتے ہیں کہ وہ مغیرہ بن شعبہؓ، عمرو بن العاصؓ، سمرہ بن جندبؓ اور بعض اور اصحابِ رسول کی خطائیں شمار کر اکے اہلِ بیت کو ساتویں آسمان پر چڑھاتے ہیں، لیکن اپنا تو حال یہ ہے کہ اصحابِ رسول کی خطاؤں کے بجائے اُس آمنہ کے لالؐ کا چہرۂ انور نظروں میں سمایا ہوا ہے جس کے فیضانِ نظر کی رو میں معصیتوں کے پہاڑ بھی تنکوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور جسے بحالتِ ایمان ایک نظر دیکھ لینا ہی اتنی بڑی سعادت ہے کہ قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی اگر کوئی ہم سے یوں کہے کہ اس سعادت کا اخروی نفع تمھیں دیا جاتا ہے بشرطیکہ ایک ہزار فساق و فجار کے تمام گناہ بھی تم اپنے ذمے رکھ لو تو ہم ادنیٰ تامل کے بغیر یہ پیش کش قبول کرلیں گے کوئی ٹھکانا ہے سردارِ دو عالم کے دیدار کی قدر و قیمت کا۔

جسے خاک پا تری چھو گئی وہ بُرا بھی ہو تو بُرا نہیں

تماشے کی بات ہے کہ ابھی ۱۴ر جنوری ۱۹۶۱ء کو رام نگری بزرگ کا ایک مفصل مضمون پھر تجلی میں اشاعت کے لئے آیا ہے جس کا عنوان ہے:-

"دو شعروں کی وضاحت اور کچھ دوسری باتیں"

اگر ان کا طرزِ نگارش طعن و تشنیع سے خالی ہوتا تو ضرور سے تجلی میں جگہ دی جاتی، لیکن زندہ دلی کی داد دینی پڑتی ہے کہ وہ اس سخت جاڑے میں بھی کہن سالی کے باوصف ایسے گرمجوش اور آتش نوا ہیں کہ تجلی غریب اس کا تحمل نہیں کرسکتا۔ بطور ضیافت چند نمونے حاضر ہیں:-

"جماعت کے بعض مخالفین نے جو یہ شکایت کی ہے کہ جماعت اسلامی والے اپنے علم و فہم کے مقابلہ میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتے ان کی شکایت محض بے اصل نہیں ہے۔ بلاشبہ جماعت میں ایسے ترک بھی ہیں جو پیاز کھا کھا کر ٹولیوں کو منہ سنگھاتے پھرتے ہیں کہ دیکھ لو ہم مسلمان ہیں ....."

یہ ہے ان بزرگ کی بردباری کا حال۔ جس جماعت اسلامی کے خود رکن ہیں اسی کے اگر بعض افراد نے ان کے بعض شعروں پر اعتراض کردیا اور ان کے دئیے ہوئے جوابوں کو شافی نہیں سمجھا تو بھڑک اُٹھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں موصوف کا ایک شعر ہے:-

کتنی داتا سرکار ہے [illegible] کون کہے
یہ بات انھی کے بیچ کی ہے جو دیتے ہیں جو لیتے ہیں

اس شعر پر تجلی نے تو کوئی لے دے نہیں کی، لیکن انھوں نے کہیں سُن لیا ہے کہ تجلی نے ان کے اشعار پر واویلا کی ہے، اسی ذیل میں وہ اس کی توضیح فرماتے ہیں:-

"حضرت رسول اللہؐ کو اس معنی میں داتا نہیں کہا گیا ہے جس معنی میں اللہ تعالیٰ داتا ہے — میری مراد حضورِ اقدس کے روحانی فیوض و برکات سے ہے۔"

رسول اللہ کی بارگاہ کو "داتا سرکار" کہنا ٹھیک ہے یا نہیں اس بحث کو یہاں ہم نہیں چھیڑتے۔ غور طلب یہ ہے کہ رضاخانی حلقوں کے علم کلام میں اور موصوف کی منطق میں آخر کیا فرق ہے۔ حضورؐ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر وغیرہ کہنے کے لئے یہ حلقے ٹھیک یہی استدلال تو استعمال کرتے ہیں۔ اسی استدلال کے تحت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یہاں تک لکھا ہے کہ حضورؐ کو رازق اور رب بھی کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واقعی کیا مضائقہ ہوسکتا ہے اگر تاویل کا یہی اسلوب اختیار کرلیا جائے۔ جہلاء میں ایک عقیدہ بطور تمسخر رائج ہے کہ انگوٹھا موڑ کر قسم کھالو تو قسم نہیں ہوتی۔ یہ اسلوب بھی اسی نہج کا ہے۔ قبروں اور پائے مشائخ پر سجدے اڑانے والے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم وہ سجدہ تھوڑی کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو کیا جاتا ہے۔ ہم تو اولیاء اللہ کے شایانِ شان

تعظیم و نیازمندی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

اس اسلوب کے تحت تو گاندھی جینتی سے لیکر بھجن تک اور زنّار سے لے کر تلک تک کوئی بھی چیز شرک و فسق کے زمرے میں نہیں شمار کی جاسکتی۔

لیکن ہمیں امام الدین صاحب کے استدلال سے حیرت بالکل نہیں ہوئی کیونکہ معلوم ہوا ہے وہ میلاد میں قیام بھی فرماتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہو تو انھیں سات خون معاف ہیں!

نظر کی نامسلمانی سے فریاد

موصوف نے آگے چل کر وہی معاویہؓ و یزید کی بحث چھیڑی اور لفظ و بیان کے متعدد دریا اُبر دا فکر فرمایا:۔

"رہے ابن تیمیہ تو معلوم ہے کہ انھوں نے ایک شیعہ عالم کے رد میں منہاج السنۃ لکھی ہے اور جوش میں جا بجا حدِ اعتدال سے تجاوز کر گئے ہیں۔ امام غزالی نے حضرت حسینؓ اور یزید پر کوئی تفصیلی محققانہ بحث نہیں کی ہے انھوں نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ یزید پر لعنت کرنی جائز ہے یا نہیں؟ امام غزالی نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے کہ ان کے نزدیک یزید کے اعمال ایسے نہ تھے کہ اس کو اسلام سے خارج قرار دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ فتویٰ اس بحث میں بالکل بے کار چیز ہے۔ رہا قاضی ابوبکر تو یہ معتزلی اور ناصبی تھا"

اب اگر ہم یہ مصرعہ پڑھدیں:۔

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں

تو آپ مدیر تجلی کو بچھوڑا کہیں گے۔ چلئے اسے بالائے طاق رکھئے۔ سوال یہ ہے کہ موصوف عربی نہیں جانتے منہاج السنۃ کا ایک صفحہ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ پھر کیونکر وہ اس کے حق دار ہو سکتے ہیں کہ اس ابن تیمیہ پر انگلی اُٹھائیں جس کے علم و فضل، حفظ و اتفاق، فکر و نظر، تبحر و استحضار، زورِ بیان اور عبقری خصوصیات کے آگے بڑے بڑے جبال علم و خرد سر دُھنتے گئے ہیں۔ سنی ہمہ شیعوں اور موحّد نما بدعتیوں نے شوشہ چھوڑ دیا کہ ابن تیمیہ بہک گئے اور رام نگری بزرگ نے اس طرح دہرایا جیسے تحقیق و تنقید میں پسینہ پسینہ ہونے کے بعد یہ دعویٰ کر لائے ہوں۔

طنز و تعریض بالکل نہیں رہی۔ ہم دعوت دیتے ہیں موصوف کسی عربی داں سے منہاج السنۃ پڑھوا کر اس سے اُن مقامات کی نشاندہی فرمائیں جن کے بارے میں وہ کہہ رہے ہیں کہ ابن تیمیہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر گئے۔ تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں متانت سے وہ ابن تیمیہ کی بے اعتدالیوں کا گوشوارہ بنا کر بھیجیں تجلی میں شائع کر دیا جائے گا اور ہم بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھیں گے کہ ابن تیمیہ کی غلطیاں پکڑنے والے کتنے بڑے دماغ کے مالک ہیں۔

امام غزالی کے فتوے کا ذکر جن الفاظ میں کیا ہے وہ بھی دیدنی ہے۔ یہ فتویٰ تو ان دنوں متعلقہ مضامین کا جز بن چکا ہے کیا موصوف کو اس کے یہ الفاظ نظر نہیں آئے کہ یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ یزید نے قتل کا حکم دیا یا اس سے خوش ہوا وہ پرلے سرے کا احمق۔

ان ٹکڑوں کو موصوف دبا گئے ورنہ یہ کہنے کی گنجائش نہ ہوتی کہ یہ فتویٰ اس بحث میں بالکل بے کار ہے۔

اس موقف کو مان لیں ہماری ان کی بحث ختم ہمیں اصرار نہیں کہ یزید کے ان تمام فضائل کو تسلیم کیجئے جنھیں عباسی نے اپنی کتاب میں اُجاگر کیا ہے۔ بس یہ قبول کر لیجئے کہ یزید نہ قتلِ حسینؓ کا آرڈر دینے والا تھا نہ اس پر خوش ہوا۔ مگر وہ کیوں قبول کریں گے۔ یہ قبول کرلیں تو شیعیت کی پوری عمارت دھڑام سے زمین پر آ رہے۔ بڑا لطیفہ ہو رہا ہے کہ بعض سنی حضرات کو ان غیر معتدل عقائد کی بنا پر شیعیت کا طعنہ دیجئے تو ...

[اٹ]ھانے کو دوڑتے ہیں، لیکن راگ وہی الاپے جاتے ہیں
جو شیعت کے تال سُر سے ترتیب پایا ہے۔

قاضی ابو بکر معتزلی اور ناصبی تھا! ــــ کتنی بیباکی
ہے یہ گالی نما الزام لگایا ہے موصوف نے۔ عامر عثمانی
کو یزیدی اور خارجی کہتے رہیئے مدیر تجلی کو کوئی شکایت نہیں ہوگی
مگر امام غزالیؒ کے شاگرد قاضی ابو بکر ابن عربی کو مصنف
العواصم من القواصم کو معتزلی اور ناصبی کہا ہے
تو اس کا جواز بھی لانا ہوگا۔ تجلی کے صفحات حاضر ہیں۔
واضح کیا جائے کہ کن دلائل و شواہد کی بناء پر ایسا کہا
گیا ہے؟

تو یہ تھی بے ترتیب داستانِ کشمکش ــــ آپ نے تفصیل
طلب کی تھی ہم نے کمی بخل نہیں کیا۔ فرمائیے سیری ہوئی
یا نہیں؟

جواب ۲:۔

یہ تمام چیزیں ہماری نظر سے گذری ہیں اور ضرورت
ہو تو آپ کے سوال کا جواب ہم طویل سے طویل تر بھی دے
سکتے ہیں، لیکن بہتر یہی ہوگا کہ فی الحال ہم سے تفصیل کا اصرار
نہ کیا جائے۔ بس اتنا سن لیجئے کہ جناب ماہر القادری نے
جنوری ۱۹۶۱ء کے فاران میں جن حقائق کو پیش کیا ہے ان
میں سے شاید ہی چند حقیقتوں کو جھٹلانا ممکن ہو ورنہ بڑا
حصہ ان کا اٹل صداقتوں پر مبنی ہے اور کوئی شک نہیں
ہے کہ مولانا امین احسن کی آتش مزاجی نے اختلاف کو
جو گھٹیا رنگ دے دیا ہے اس سے ماہر جیسے درد مند
کو اسی طرح کی اذیت اور گھٹن ہونی چاہیئے جیسی ان کے
اداریہ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ مولانا اصلاحی کا مولنا
مودودی سے اختلاف بجا ہے یا بیجا یہ الگ مسئلہ ہے۔
فرض کر لیا جائے کہ اصلاحی صاحب ہی راہِ صواب پر
ہیں مگر جس نشتر زنی، طنز کاری اور طعن نوازی کو موصوف
نے معمول بنا لیا ہے وہ نہ تو اہلِ علم کے وقار کے مطابق
ہے نہ اہلِ حق کی اخلاص پیشگی کی آئینہ دار۔ نہ متین و ثقہ
اہلِ قلم کے شایانِ شان۔ اچھے خاصے مضمون میں وہ
اچانک ایسے تھوتھلے اور زہریلے فقرے ٹپکا جاتے ہیں کہ
دماغ بھک سے ہو جاتا ہے۔

پھر یہ بھی تماشا ہی ہے کہ شریک جماعت رہتے
ہوئے انھوں نے بار بار اسلام کو "تحریک" قرار دیا لیکن
اب وہ اور ان کے ہم مسلک اس طرح اس لفظ کی ایسی
عفونتیں کرید کرید کر سامنے لا رہے ہیں، جیسے اس لفظ
سے بڑھ کر دنیا میں کوئی آفت ملتِ اسلامیہ کے لئے نہ ہو
اور مولانا مودودی نے اسے اپنے خاص جادو کے پٹارے
سے نکال کر اسلام کے سر مڑھ دیا۔

ممدوح نے انبیاء علیہم السلام کا طریقِ دعوت اور
نصب العین پیش فرمایا تو وہ بھی پورا کا پورا مولانا مودودی
ہی کے گرد گھوم رہا ہے۔ تضاد کی کچھ مثالیں ماہر صاحب نے
پیش کیں اور تفحص کیا جائے تو بہت سی اور مثالیں مل جائیں گی۔
مختصر یہ ہے کہ عاجز زیرِ تذکرہ نزاع میں مولانا مودودی کے
طرزِ عمل کو اتنا ہی احسن و اولیٰ سمجھتا ہے جتنا اتنے بڑے
عالم اور مفکر سے متوقع ہو سکتا ہے اور اصلاحی صاحب کے
طریقِ جنگ کو اتنا ہی ناخوشگوار اور افسوسناک خیال کرتا
ہے جتنا اتنے سمجھدار اور ذی علم آدمی سے متوقع نہیں ہو[نا]
چاہیئے۔ مجھے اس پر اصرار نہیں ہے کہ اس اختلاف میں
نفس الامری طور پر مولانا مودودی ہی سرتاسر برحق ہیں
ہو سکتا ہے بعض امور میں مولانا اصلاحی برحق ہوں لیکن
اس پر اصرار ضرور ہے کہ جدل و مبارزت کا جو اسلوب
اصلاحی صاحب نے اختیار فرما رکھا ہے وہ قطعی طور پر ظاہر
کرتا ہے کہ وہ اپنی تمام تر عالمانہ اور حق پرستانہ ترک تازیوں
کے باوجود تزکیۂ نفس اور صفائے قلب کی اس نعمت سے
افسوسناک حد تک عاری ہیں جس سے عاری ہونا آدمی
غصّے اور تنازع کے دوران خوفِ خدا اور عدل و حلم سے
بے پروا کر دیتا ہے۔ زبان و قلم کے تیس مار خاں بہت
دیکھے ہیں ــــ مثلاً یہی نالائق خالی قال ہی قال کا پشتارہ
اٹھائے کرتب دکھلا رہا ہے قلب سیاہ کو تزکیہ و تقویٰ
روشنی چھو کر نہیں گذری ــــ لیکن اصل تیس مار خاں:

جس نے اپنے نفس پر قابو پالیا ہو۔ اگر ایمان و تقویٰ کی روح مولانا اصلاحی کے اندر سرایت کر گئی ہوتی تو یہ عبرتناک مناظر کبھی دیکھنے میں نہ آتے جو آب آرہے ہیں۔ جذبات کی شدت میں عموماً خوبصورت کیچلیاں اُتر جاتی ہیں اور اُس وقت نظر آتا ہے کہ اندر کا بدن کالا ہے یا گورا۔ ستھرا ہے یا داغی، معطر ہے یا متعفن۔

ماہر القادری نے جب بھی مولانا اصلاحی کا تذکرہ کیا ہے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا ہے اور قلم کو اعتدال کی حدود سے نکلنے نہیں دیا، لیکن مولانا اصلاحی جب بھی ماہر یا فاران کا تذکرہ کرتے ہیں تو ایسے کبر آمیز پیرائے میں جیسے برہمن کسی اچھوت کا یا سیدزادہ کسی باندی بچے کا کرتا ہے۔ میثاق کے فائل اُٹھا کر دیکھ لیجئے، جب ماہر و فاران کا ذکر آیا ہے اس حقارت سے آیا ہے جیسے طاقت کے نشے میں چُور پہلوان کسی مریض یا لشتیے کا مضحکہ اُڑا رہا ہو۔

یہ طریق عمل آخر کس اندرونی کیفیت کا پتا دیتا ہے؟ — جاہ و دولت کا غرور بہت بُری چیز ہے۔ لیکن علم و فہم اور زہد و تقویٰ کا گھمنڈ تو اس سے پچاس گنا زیادہ بُری چیز ہے۔ مولانا اصلاحی کی تحریروں کے بین السطور ہی سے نہیں، بلکہ کہیں کہیں تو عین متن سے یہ گھمنڈ صاف طور پر جھلکتا ہے۔ اللھم حفظنا۔

ابھی جنوری ۱۹۶۱ء کے میثاق میں ایک سوال شائع ہوا ہے جس میں مولانا اصلاحی سے پوچھا گیا ہے کہ ماہر صاحب نے دسمبر کے فاران میں جو آپ پر صاحب ارض القرآن کے حوالے سے الزام لگایا ہے — یعنی یہ کہ آپ نے مکہ معظمہ کے کسی اخباری نمائندے کو بیان دیا کہ مولانا مودودی حدیث و فقہ کے منکر ہیں — تو اس کی کیا حقیقت ہے؟

اس کے جواب میں مولانا اصلاحی رقمطراز ہیں:-

"مذکورہ مضمون میری نظر سے گذرا تھا، لیکن میں نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس ٹکسال میں یہ جھوٹ گھڑا گیا ہے اس میں میری نسبت آئے دن اسی طرح کے جھوٹ گھڑے جاتے ہیں اور ان کو گھڑنے اور پھیلانے کے لئے تنخواہ پانے والے ملازموں کی ایک پوری ٹیم موجود ہے"

ان ابتدائی فقروں سے اندازہ لگائیے کہ اپنی صفائی کی خاطر دوسروں کو فاسق و فاجر قرار دینے میں مولانا اصلاحی کس قدر بے تکلف ہیں۔ اگر انھیں احساس ہوتا کہ اس طرح کی جھلاہٹیں چھوٹے پن کی دلیل ہیں تو انگارے اگلنے کی بجائے وہ ٹھنڈے متین انداز میں بھی فرما سکتے تھے کہ یہ الزام غلط ہے۔ لیکن تاؤ میں انھیں اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ کس طرح کے الفاظ میری بھاری بھرکم شخصیت کے شایانِ شان ہیں اور کس نوع کی باتیں میری شان میں بٹہ لگاتی ہیں۔

یہ عجیب لطیفہ بھی اس نقل کردہ عبارت میں موجود ہے کہ جس شخص نے فاران کا مضمون نہ پڑھا ہو وہ اس عبارت سے یہی سمجھے گا کہ وہ مضمون بس اسی ایک الزام تک محدود ہے جس کی تردید مولانا اصلاحی فرما رہے ہیں۔ چونکہ یہ الزام ادچھا اور خانہ ساز تھا اس لئے مولانا نے اسے منہ لگانے کے قابل نہیں سمجھا۔

لیکن کیا حقیقت بھی یہی ہے؟ — دسمبر کا فاران دیکھئے۔ مدیر فاران نے زیر تذکرہ نزاع کی تنقیب و تنقیح میں اٹھائیس صفحات صرف کئے ہیں اور یہ الزام تو محض ضمناً ایک امرِ زائد کی حیثیت سے آگیا ہے ورنہ اصل اور اہم ترجز تو اس مضمون کا یہ ہے کہ مولانا اصلاحی اور حکیم اشرف صاحب فاش قسم کے تضادات کا شکار ہیں۔ مدیر فاران نے خود انھی حضرات کی عبارتوں سے تضاد کو واضح کیا ہے اور کوئی راہ سوائے تاویلاتِ باردہ اور نکاتِ بعد الوقوع کے ان سے عہدہ برآ ہونے کی نظر نہیں آتی۔ مولانا اصلاحی بیشک بہت بڑے ہیں، لیکن جب کسی بڑے کو اپنی بڑائی کا غرہ ہو جائے تو اس کی بڑائی سے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے۔

مولانا اصلاحی صاحب کے پاس اپنی تضاد بیانیوں اور حدودِ متانت سے متجاوز شعلہ بیانیوں کا کوئی جواب نہیں، لیکن وہ دنیا کو یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ معترضین محض کیچوے ہیں کلبلاتے رہیں میں تو ریہو اور دھیل کا شکاری ہوں انھیں منھ نہیں لگا سکتا۔ وہ شاید خلوت میں خود کو بھی یہی دلاسا دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوں گے کہ او ہٹو تم تو پہاڑ ہو موجیں ٹکرا ٹکرا کر آپ اپنا سر پھوڑیں گی۔

حالانکہ ان کی اس بحث سے متعلق تحریروں کا نہج و اسلوب ان کے قدردانوں تک کو اس شبہ میں مبتلا کئے جا رہا ہے کہ اس پہاڑ کے بطن میں آیا کچھ ٹھوس مواد بھی ہے یا محض خول ہی خول ہے۔

رہے جناب حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب تو ان کے بارے میں عاجز کی بنیادی رائے یہ ہے کہ وہ مخلص ہیں مگر ان کا اخلاص ان کے عقل و ادراک سے بڑھ گیا ہے جس کے نتیجے میں ان کے منطقی شعور میں کچھ ایسی گڑبڑ واقع ہو گئی ہے جیسے قرآن کی آیات کو الٹ پلٹ کے بے ترتیب لکھ دیا جائے اور تلاوت کرنے والا چکراتا پھرے کہ ایں چہ بوالعجبی است!

ہم المنیر برابر دیکھتے ہیں۔ اشرف صاحب میں خلوص اور سوز و گداز ہے مگر فکر میں جماؤ اور صلابت نہیں۔ ان کے ارادوں اور فیصلوں میں حدیثِ مضطرب کی سی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ وہ اسلام اور امت کے سچے بہی خواہ ہیں اور دانستہ کسی طرح کی حق دشمنی، ناانصافی اور شرارت کرنا ہرگز نہیں چاہتے۔ لیکن ان کی طولانی تحریروں سے ایسا اندازہ ہوتا ہے جیسے انکی معصومیت اور نیک نفسی ان کی قوتِ فیصلہ اور سوجھ بوجھ کے لئے حجاب بن کر رہ گئی ہو۔ روشنی آدمی کو راستہ دکھاتی ہے لیکن جب وہ بہت بڑھ جائے تو آنکھوں کو چکاچوند بھی کر دیتی ہے۔ خلوص، علم، عقل، قوتِ فیصلہ، عزم، نطق، یہ سب وہ بہترین اجزاء ہیں جن سے مل کر اعلیٰ انسانیت کا نسخہ تیار ہوتا ہے، لیکن حکیم اشرف صاحب سے زیادہ کون جانے گا کہ اجزاء کا تناسب نسخہ کی افادیت کے لئے بہت ضروری ہے۔ اجزا سب ہوں گے مگر اوزان بدل دیجئے تریاق زہر بن جائے گا۔ ہماری ناقص تشخیص یہی ہے کہ حکیم اشرف صاحب کی مختلف صفاتِ حسنہ اور خوشگوار صلاحیتوں میں تناسب و توازن کا معاملہ گڑبڑا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کہا جائے گا کہ یہ پدی نہ پدی کا شوربا مولانا اصلاحی اور حکیم اشرف جیسے ممتاز بڑوں کے بارے میں اس طرح اظہارِ رائے کر رہا ہے جیسے اپنے آپ کو زمانے بھر کا افلاطون سمجھتا ہو۔ کہے جاتیے، عاجز تو اپنے کو ان حضرات کی خاکِ پا سے زیادہ نہیں سمجھتا لیکن یہ ضرور ہے کہ معرکہ جب نقد و نظر کا آئے تو جماعت اسلامی کے اسی شہرۂ آفاق اصول کا پیرو ہے کہ اللہ اور رسول کے علاوہ کوئی تنقید سے بالاتر نہیں۔ آخر میں ایک بات عرض کر دوں۔ جس طرح کے نقائص ہیں بعض اور لوگوں میں گنواتا ہوں ضروری نہیں ہے کہ خود میں بھی ان سے خالی ہوں تلخ گوئی، شعلہ بیانی، بے اعتدالی، جھلاہٹ و خامکاری وغیرہ کے الزامات اگر کوئی مجھ پر عائد کرے تو وہ بجا بھی ہو سکتے ہیں، لیکن مجھ جیسے بے بضاعت اور معمولی آدمی کا ملزم ہونا کیا اونچے اور غیر معمولی آدمیوں کے قصوروں کا کفارہ بن سکتا ہے؟

اگر بن سکتا ہو تو الحمد للہ۔ سارے الزامات مجھی پر لوٹا دیجئے۔ مُردے پر جہاں نو من مٹی وہاں سو من سہی! پاک دامن اُن بزرگوں کو رہنا چاہئے جو طریقِ انبیاء کا عَلَم اٹھا کے چلے ہیں۔ البتہ اُن مضحکہ اُڑانے والوں کو پھانسی پر ضرور لٹکا دینا چاہئے جو تالیاں بجا رہے ہیں کہ لو صاحب مولانا اصلاحی اور حکیم اشرف جیسے اساطین نے سالہا سال تک پھیپھڑوں اور انگلیوں کے پورے زور کے ساتھ جو ڈنکا پیٹا تھا کہ جماعت اسلامی ہی آج کی دنیا میں صحیح ترین اسلامی دعوت کی علمبردار ہے تو اب وہی ڈنکا

جماعت اسلامی کو پیٹ رہا ہے اور یہ حضرات نئے سرے سے طریق انبیاء کی باریکیاں سمجھانے چلے ہیں۔ اب کیا ضمانت ہے کہ دس بیس سال پاپڑ بیلنے کے بعد جب اس تنقیح شدہ طریق انبیاء پر چلنے والی ایک جماعت تیار ہو جائیگی تو پھر کوئی اصلاحی خم ٹھونک کر نہیں کہے گا کہ یہ سب فراڈ تھا صحیح طریق انبیاء میں بتاتا ہوں۔

کام نہ کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ بھی ہے کہ اونچی اونچی باتیں کیجئے۔ اعلیٰ درجے کے سبق پڑھائیے۔ طائر گویائی کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیجئے، جو چھوٹے موٹے کام بُرے بھلے ہو رہے ہوں ان میں کیڑے ڈالئے، ملائکہ اور انبیاء کی سطح سے نیچے لقمہ نہ توڑیئے، جو دو چار تنکے جھونپڑے کا کام دے رہے ہوں انھیں سوختنی قرار دے کر محلوں کی بات کیجئے۔

ہم بھی بہت شوق سے منتظر ہیں کہ دیکھیں کب پاکستان کی مرحوم جماعت اسلامی کی ہڈیوں پر منقح اور مصفیٰ طریق انبیاء کی دعوت کا الحمراء تعمیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس انتظار کو راس لائے۔

سوال :۔ از رئیس احمد۔ پٹنہ۔

امام ابوحنیفہؒ کی شان میں غلو

احناف کی بعض کتابوں میں ہماری نظر سے گذرا ہے کہ فقہ کی مستند کتاب درمختار میں بہت بڑے محدث جناب ابن المبارک کے عربی اشعار نقل ہوئے ہیں جن میں امام شافعیؒ کا یہ قول بیان کیا گیا ہے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں بس اس شخص پر ریت کے ذرّوں کی برابر لعنتیں ہوں جو ابوحنیفہؒ کے قول کو رد کرے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ امام شافعیؒ تو خود مستقل امام ہیں اور اقوال ابوحنیفہ کے رد میں پیش پیش۔ پھر انھوں نے یہ قول کیسے کیا۔ براہِ کرم بتلایئے کہ یہ عربی اشعار واقعی درمختار میں ہیں یا نہیں اور ہیں تو انھیں کیا سمجھا جائے؟

جواب :۔ افسوس ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ امام اعظمؒ کے نادان اور کوتاہ فہم دوستوں نے بعض ایسی عامیانہ کتابیں تصنیف کر دی ہیں جنھیں پڑھ کر طبیعت کند ہوتی ہے۔ امام اعظمؒ کے تو مسلّمہ اوصاف ہی اتنے تھے کہ میانہ روی کے ساتھ ان کا بیان کر دینا ان کی جلالت شان کے اظہار میں کافی ہوتا لیکن یار لوگوں کو غلو کے بغیر مزا کب آتا ہے

بے شک درمختار میں امیر المومنین فی الحدیث ابن مبارکؒ کے اشعار موجود ہیں اور ان میں امام شافعیؒ کا قول بیان ہوا ہے۔ لیکن یہ ا[illegible] والا ٹکڑا خود ابن مبارک ہی کا ہے۔ بشرطیکہ ان [illegible] نسبت اُن کی طرف درست ہو۔ امام شافعیؒ کا قول تو صرف اتنا ہے کہ لوگ فقہ میں ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں۔ اس کی تصدیق حافظ ابن حجرؒ، امام نووی اور خطیب بغدادی وغیرہم بھی کرتے ہیں ۔ تو اس میں شک کی گنجائش نہیں نہ حیرت کی ضرورت۔ ابوحنیفہؒ اسلام کے وہ پہلے مقنن ہیں جن پر ملت اسلامیہ ہمیشہ تا دنیا فخر کر سکتی ہے۔ انھوں نے تفقہ کا دروازہ کھولا ہے، اجتہاد کی راہوں میں مشعلیں جلائی ہیں اور فقہ کی امامت کا تاجِ زرّیں ان کے سر پر خوب زیب دیتا ہے اسی لئے ہر بعد کا مجتہد و فقیہ چاہے ان سے بعض مسائل میں اختلاف ہی کرتا ہو مگر اس لحاظ سے ان کے عیال میں داخل ہے کہ انھی کی ہموار کردہ راہِ تفقہ پر چل کر اسے تعدد نظر کا سلیقہ ملا ہے۔

ہاں لعنت والی بات غلط اور بالیقین غلط ہے۔ ابن مبارک بڑے اونچے محدثین میں ہوئے ہیں امام اعظمؒ کے شاگرد بھی ہیں۔ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ایسی بات کہہ گذرے ہوں جو عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ اگر واقعی انھوں ہی نے کہی ہے تو ہم اس کی یہ تاویل کرینگے کہ وہ اُسی آفت کا شکار ہو گئے جو بعض اوقات شاعروں پر آپڑتی ہے۔ یعنی مافی الضمیر بیان کرنے کے لئے صحیح الفاظ نظم نہیں ہو پا رہے تو کھینچ تان کے قریب المفہوم الفاظ سے شعر پورا کر دیا اور مطمئن ہو گئے کہ سننے والا ہمارا مافی الضمیر سمجھ لے گا۔ حالانکہ اس طرح کی حالت میں عموماً یہ ہوتا ہے

نافی الضمیر تو شاعر کے پیٹ ہی میں رہجاتا ہے اور سننے والے غلط فہمی کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ ابن مبارک کا منشا یہ ہوگا کہ جو شخص تحقیر و تذلیل کے طور پر ابو حنیفہؒ کی تردید کرے اور ایسی نفسانیت کے ساتھ ان کا حریف بنے کہ اس سے ان کی جلالتِ شان پر حرف آتا ہو وہ بیشمار لعنتوں کا مستحق ہے۔ بحر چھوٹی تھی، پوری بات مصرعہ میں کھپ نہ سکی۔ کہہ گذرے کہ علیٰ من رد قول ابی حنیفۃ۔ حالانکہ کہنا یہ چاہئے تھا۔

علیٰ من حاد قدر ابی حنیفۃ

یعنی اس پر بے شمار لعنتیں جس نے ابوحنیفہؒ کی قدر گھٹانے کی سعی کی۔

لیکن سچ پوچھئے تو بات یوں بھی نہیں تھی۔ امام اعظم رح کا رد بطور تحقیر و تخفیف اگرچہ ہے فعلِ شنیع، لیکن ایسا بھی نہیں کہ اس کا مرتکب پرلے سرے کا ملعون قرار دیا جائے۔ جن علماء نے توسع برتا ہے ان کا دائرہ بھی اتنا وسیع نہیں ہوتا کہ لعن بالکل ہی کھلونا بن جائے۔

دراصل شاعری اور عقائد کے ڈانڈے ملا دینا کام ہی خطرناک ہے۔ اچھے اچھے ذمّہ داروں کو دیکھا ہے کہ شعر میں وہ کچھ کہہ جاتے ہیں جس کا کوئی جوڑ ان کے عام طرزِ فکر اور عقائد و آراء سے نہیں ملتا۔ ہمارے بعض قریبی اسلاف ہی کی مثالیں موجود ہیں کہ سنجیدہ علمی سطح پر تو ان کے عقائد کچھ اور تھے اور ان عقائد پر ان کا سختی سے اصرار بھی معلوم و معروف تھا مگر شعر کہنے بیٹھے تو بعض مضامین ان عقائد کی ضد ہی باندھ گئے اور حریفوں کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ لو صاحب تم ہمیں تو مجرم ٹھیراتے ہو تمہارے ہی معتمد بزرگ کیا فرما رہے ہیں۔

حاصل یہ کہ زیر بحث اشعار درمختار میں موجود تو ہیں، لیکن حواشی درمختار میں ہی ان کو رد بھی کر دیا گیا ہے اور کوئی مستند عالم ایسا نہیں ہے جو ابن مبارک کے اس قول کو ـــ بشرطیکہ یہ ان کا ہو بھی ـــ ہوئے مستانہ سے زیادہ وقت دینے کو تیار ہو۔ صحیح ترین بات یہ ہے کہ جن مجتہدین نے فکری دیانت کے ساتھ ابوحنیفہؒ کے قول کا رد کیا وہ نہ صرف لعنت جیسی لرزہ خیز تعزیر سے بالاتر ہیں بلکہ مستحق ثواب بھی ہیں چاہے ان کا رد نفس الامری اعتبار سے درست ہو یا غلط اور جو لوگ عناد و بغض کی رو میں بطور تقلیل و تحقیر امام صاحبؒ کے قول کا رد کرتے ہیں وہ خطا کار قابلِ نفریں ضرور ہیں لیکن لعنتوں کی مار انھیں بھی نہیں دی جا سکتی۔ جو دے گا وہ خدا کے یہاں محاسبہ کی ذمہ داری اٹھائے۔

اور یہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ درمختار اور اس جیسی اور بعض مشہور ترین کتابیں اگرچہ نہایت رفیع المرتبۃ ہیں لیکن ایسے اجزاء سے خالی نہیں جن سے اختلاف کیا جا سکتا ہے یا جنھیں رد کر دینا ضروری ہے۔ وہ واحد کتاب تو قرآن ہی ہے جس کا حرف حرف اٹل اور شوشہ شوشہ رُوحِ ایمان ہے۔

سوال ۱۴:۔ شمشاد علی۔ بستی

مشتبہ اُمور

میں ایک سال سے کچہری میں اسٹامپ وینڈر ہوں مقدمے کے کاغذات و ٹکٹ بیچتا ہوں۔ حکومت کے دفتر سے ٹکٹ کمیشن پر ملتا ہے ظاہر ہے کہ اتنے

قلیل کمیشن پر کام نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ار نی درخواست (جو عمر کے ٹکٹ کا ہوتا ہے) بٹہ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ کاغذات ہیں جو حکومت سے کبھی کبھی ملتے ہیں عموماً بازار (کچہری) سے بلیک سے خرید کر بیچنا پڑتا ہے ار دام مقرر نہیں لیکن ۱؍ ار اور ۲؍ ر کا بکتا ہے۔ ٹکٹ پر بٹہ کی کوئی شرح مقرر نہیں ہے۔ کچھ لوگ ۰ ر دیتے ہیں اور کچھ لوگ ار بظاہر یہ منافع ہوتا ہے، لیکن لفظ بٹہ میرے لئے اُلجھن کا باعث بنا ہوا ہے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ تم فلاں جماعت کے ہمدرد ہو اور سود لیتے ہو۔ تو کیا بٹہ حقیقتاً سود ہی ہے؟ اگر سود نہیں ہے تو کیا منافع سمجھا جا سکتا ہے؟ میرا ضمیر ان اُلجھنوں میں گرفتار ہے آپ اس سلسلے میں بتائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے تاکہ مذہب کی نافرمانی نہ ہو، کیونکہ دنیاوی نفع و نقصان تو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ آخرت کے عذاب اور پرسش سے اللہ بچائے۔

جوابؒ :-

اگر متعینہ قیمتوں سے کچھ زیادہ وصول کرنا ملکی قانون ممنوع قرار دیتا ہے تو قانون کی پابندی لازمی ہے۔ زائد رقم کا نام بٹہ رکھئے یا کچھ اور بہرصورت وہ غیر جائز نفع میں داخل ہے۔

لیکن اگر قانون صراحت کے ساتھ اسکی ممانعت نہیں کرتا، بلکہ اسٹامپ وینڈرز مختار ہیں کہ جو زائد قیمت مل سکے وصول کرلیں تب موقع بہ موقع زائد وصول کر لینا جائز ہوگا۔

بلیک ہر حال میں گناہ نہیں ہے۔ اگر سرکاری محکمہ بروقت اور کافی مقدار میں وہ کاغذات مہیا نہ کرے جن کی ضرورت اہلِ احتیاج کو پڑتی رہتی ہے اور اسکے نتیجے میں "بلیک" رائج ہو جائے تو وہ شخص شرعاً گنہگار نہ ہوگا جس نے کوئی کاغذ بلیک سے خریدا اور پھر نفع لے کر بیچدیا۔

سود کا دخل اِن معاملات میں کچھ نہیں یہ پہلی غیر جائز صورت میں بھی زائد حاصل کردہ نفع سود کی طرح ناپاک نہ ہوگا، بلکہ اُس نفع جیسا ہوگا جو بیع فاسد کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو۔ بیع فاسد مکروہ و ممنوع ضرور ہے مگر سود کی بدترین لعنت سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔

سوالؒ :- (ایضاً)

میاں بیوی کے معاملات

بیوی اگر زبان دراز ہو اور ہر وقت شوہر سے لڑتی جھگڑتی ہے اور شوہر عاجز آکر اس کو طلاق دیدے تو اللہ ایسے شوہر سے ناراض ہوگا؟ (شوہر کو یقین ہو چکا ہو کہ اس بیوی کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا اور اگر زبردستی نباہ کی کوشش کرے تو سیدھی راہ سے بھٹک جانیکا خطرہ ہے)

جوابؒ :-

طلاق شریعت نے رکھی ہی اس لئے ہے کہ جب نباہ عملاً محال ہو جائے تو زن و شوہر علیحدہ ہو جائیں۔ اگر نباہ کی تمام ممکن کوششیں کر چکنے کے بعد بھی آپ دیانتداری کے ساتھ یہ سمجھ رہے ہیں کہ گاڑی آگے نہیں چلے گی تو طلاق دے سکتے ہیں لیکن مہر ادا کرتے ہوئے۔ اور وہ مال بیوی ہی کے حوالے کیجئے جو وہ اپنے میکے سے لائی تھی۔ نیز جو زیور یا کپڑا یا اور کوئی چیز آپ اسے ہبہ کر چکے ہیں وہ بھی اسی کا حق ہے۔

مفتی اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا۔ اس کا صحیح فیصلہ اللہ ہی کرے گا کہ نباہ سے مایوس ہو جانے میں آپ کس حد تک حق بجانب ہیں۔

سوالؒ :- از احمد محمد سنھورانی۔ ٹرانسوال (جنوبی افریقہ)

تین مختلف سوال

یہ سرد ملک ہے۔ لوگ یہاں پر اونی کپڑوں کے سوٹ پہنتے ہیں۔ اونی کپڑے پانی میں دُھلنے سے خراب ہو جاتے ہیں اس لئے اسے "ڈرائی کلیننگ" میں بھیجتے ہیں۔ ڈرائی کلیننگ میں پٹرول یا بین زائن سے دُھلتے ہیں جس میں آدی

کپڑوں کے نچوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ ناپاک کپڑا تین مرتبہ دھونے اور نچوڑنے سے پاک ہوتا ہے۔ ڈرائی کلیننگ میں بہت سے کپڑے ایک ساتھ پٹرول یا بین زائن میں ڈالے جاتے ہیں، اپنا کپڑا پاک ہو مگر دوسروں کے ناپاک کپڑے اس میں شامل ہوجاتے ہیں۔ بین زائن میل کو جلا دیتا ہے اور کپڑا ایک دم صاف ہوجاتا ہے۔ تو کیا ڈرائی کلیننگ سے ناپاک کپڑا پاک ہوجاتا ہے؟ اور اس کپڑے سے نماز پڑھ سکتے ہیں

سوال ۵: کیا وضو کرتے وقت سلام کرنا اور سوال کا جواب دینا جائز ہے؟

سوال ۶: موجودہ زمانے میں عورتوں کو نماز با جماعت کے لئے مسجد میں جانا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر عورتیں جانا چاہیں تو کیا ان کے مردوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیں۔

جواب ۴:

ڈرائی کلیننگ کا طریقہ نو ایجاد ہے۔ فقہائے سابق میں معین طور پر تو اس کا حکم نہیں مل سکتا، لیکن فقہ کے اصول فروع میں عاجز کو جس حد تک غور و فکر کی استعداد اور توفیق نصیب ہوئی ہے اس کے اعتبار سے بات یہی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ایسا کپڑا پاک ہے۔ اصل چیز ازالۂ نجاست ہے۔ پانی محض ذریعہ ہے۔ اگر ذریعہ بدل جائے مگر مقصد حاصل ہوجائے تو کپڑا پاک ہوجانا چاہیئے۔ آگ بھی ازالۂ نجاست کا ایک ذریعہ سمجھی گئی ہے۔ اگر آگ کا کام پٹرول یا بین زائین انجام دیتی ہے تو نجاست بہرحال دور ہوئی۔ سائنٹفک تجزیہ سے یہ ثابت ہوجائے کہ ڈرائی کلین سے نجاست کے اجزاءِ ترکیبی کلیتاً ختم نہیں ہوجاتے، بلکہ کسی نہ کسی حیثیت میں موجود رہتے ہیں تب بھی یہ فیصلہ مشکل ہے کہ کپڑا جوں کا توں ناپاک ہے۔ ایک بڑے تالاب میں نجاستیں گرتی رہتی ہیں اور ان کے اجزاء ترکیبی یقیناً پانی ہی میں باقی رہتے ہیں، لیکن پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ کیا اس کی وجہ اس کے علاوہ بھی کچھ ہے کہ اصل چیز نجاست کے جوہری اجزا نہیں بلکہ وہ اثرات و خواص ہیں جو اِن اجزا کی قدرتی ترتیب سے ظہور میں آتے ہیں۔ اگر یہ اثرات و خواص کسی بھی طور پر زائل ہوگئے ہیں تو محض ان اجزاء کا موجود رہنا بقائے نجاست کو مستلزم نہیں ہے، یہی اصول ڈرائی کلین میں نافذ کر لیجئے۔

فقہاء کی یہ تصریحات تو کتب فقہ میں موجود ہیں ہی کہ انقلاب حقیقت سے پاکی حاصل ہوجاتی ہے۔ صابن میں استعمال ہونے والے تیل ــ خواہ وہ ناپاک ہی ہوں اور چربی فقہاء کے نزدیک انقلاب حقیقت ہی کی وجہ سے پاک ہوجاتے ہیں۔ نجس چیزوں کا استحالہ مسلّماتِ فقہ میں سے ہے۔ پھر ابتلائے عام۔ یا اصطلاحی لفظوں میں عموم بلویٰ بھی قابلِ لحاظ ہے۔ ملک سرد ہے تو اونی کپڑے حقیقی ضروریات میں داخل ہوئے۔ پانی کی دُھلائی انھیں برباد کر دیتی ہے تو ڈرائی کلین کو مجبوری ہی کے درجہ میں رکھنا پڑے گا۔ تاہم عاجز کی رائے ایک بے بضاعت کی رائے سے زیادہ نہیں۔ دیگر اہلِ علم سے بھی استصواب کر لیا جائے۔

جواب ۵: جائز ہے۔

جواب ۶: عورتوں کا مسجد میں نماز کے لئے جانا آج تو کیا جائز ہوتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت عائشہؓ نے بدلتے ہوئے حالات کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اگر آج رسول اللہؐ زندہ ہوتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیتے۔

ہوا و ہوس، جنسی انارکی، فسق و فجور اور گناہ و طغیان کے اس دَورِ نامسعود میں عورتوں کا مسجد میں جانا جس فتنۂ صریحہ اور فسادِ عظیمہ پر منتج ہوسکتا ہے اس کی تصریح تحصیل حاصل ہے۔ اندھا ہی ہوگا جو اس پہاڑ جیسی حقیقت کو نہ دیکھ سکے کہ عورت کا فتنہ آج کس منزل میں ہے اور زندگی کے کسی بھی شعبے میں مرد و زن کا اختلاط و قرب لازمی طور پر کن ہولناک عفونتوں کا پیغامبر ہوسکتا ہے۔ مَردوں کو نہ صرف حق حاصل ہے، بلکہ اگر وہ مسجدوں سے

عورتوں کو روکنے کا حق استعمال نہیں کریں گے تو اللہ کے یہاں سخت گرفت ہوگی۔ رسول اللہ صلعم کے زمانے میں عورتیں مسجد میں آتی تھیں۔ اس نکتہ پر بہت بحث ہو چکی اور کوئی معتبر عالم ایسا نہیں جو اس دلیل سے آج بھی عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا جائز قرار دیتا ہو۔

سوال نمبر: ـــ از محمد اشفاق حسین۔ حیدرآباد دکن

مسلمان مشرک

یہاں کے ایک مشہور و معروف عالم اور مرشد صاحب سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں (ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"دیکھو التحیات میں السلام علیک ایھا النبیؐ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا جاتا ہے۔ نیز اس بات پر بھی غور کرو کہ لفظ کے ساتھ معنی اور معنی کے ساتھ مصداق ذہن میں آجاتا ہے۔ پس صراط الذین انعمت علیھم کہتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کا ذہن میں آجانا جو اس کے فرد اعلیٰ اور بہترین مصداق ہیں، ایک طبعی بات ہے۔ او مدعیانِ توحید! تم یا رسول اللہ پکارنے کو اور حضرت کے اس کا علم رکھنے کو کفر اور شرک اور کیا کیا سمجھتے ہو سنو اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔ ضرور ہم نے تم کو شاہد، گواہ اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ شاہد دیکھتا ہے، لہٰذا حضرتؐ ہمارے تفصیلی حالات دیکھتے ہیں دیکھو سُنی سُنائی کی شہادت درست نہیں، جب اصل شاہد حاضر ہو تو فرع کی شہادت صحیح نہیں۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ۔ خود تم میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر وہ تمام چیزیں جو تم کو تکلیف دہ ہیں، دشوار گذرتی ہیں۔ جب تک حضرتؐ ہمارے حال سے واقف نہ ہوں، ہماری تکلیفات ان پر کیونکر شاق گذریں گی۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ حدیث روایت کرتے ہیں لَا يُشَاكُ اَحَدُكُمْ بِشَوْكَةٍ اِلَّا وَاجِدُ اَلَمَهَا۔ یعنی تمہارے پاؤں میں کانٹا نہیں چبھتا مگر اس کا درد میں محسوس کرتا ہوں ـــ بعض احادیث میں ہے اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَكُلُّ شَيْءٍ مِّنْ نُوْرِيْ یعنی میں اللہ کے نور (وجود سے) ہوں اور ہر شے میرے نور (وجود) سے ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللّٰهُ يُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ۔ اللہ دیتا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں ـــ ہم کو جو کچھ ملتا ہے قاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ سے ملتا ہے۔

ابن سنی کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" میں روایت بیان کرتے ہیں عبد اللہ بن عمرؓ کے پیر میں چونٹیاں لگ گئی تھیں۔ یعنی پیر سُن ہو گئے تھے اُن سے کسی نے آپ اپنے محبوب ترین شخص کو پکارو۔ انھوں نے یا محمدا پکارا اور کھڑے ہو کر چلنے لگے۔ یہی حال عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کا ہوا انھوں نے یا محمدؐ کا نعرہ مارا ایسے ہو گئے جیسے پیر سے بندھی رسی کھُل گئی ہو "کنز العمال" مسند عمر میں ایک بڑی حدیث ہے۔ اس میں ہے۔ فَقَالَ عُمَيْدٌ السلام علیک یا رسول ـــ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَاذَا لَقِيْتُ بَعْدَ كُمَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ آپ پر سلام یا ابا بکرؓ آپ پر سلام۔ میں نے آپ دونوں کے بعد کیا کیا مصیبت اُٹھائیں۔ حصن حصین میں حضرتؐ سے مروی ہے۔ آپ نے اس شخص کے متعلق جو راہ گم گشتہ ہو، فرمایا کہ پکارے اَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ ـــ اے بندگانِ خدا تم میری مدد کرو۔ ہم کو اللہ کا حبیب اُحبُّ النّاس ہے۔ پکارتے ہیں یا محمداہ۔ ہم راہ گم گشتہ ہیں۔ ہم پکارتے ہیں۔ اعینونی یا عباد اللہ یا غوث یا خواجہ یا نقشبند یا بدوی یا شاذلی ہماری مدد کرو۔

آگے چل کر لکھتے ہیں۔ مسلمانوں کا کونسا کام جو نیت صالح سے کیا جائے اور عبادت نہ ہو۔ ا

سورۂ فتح کی تفسیر میں ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ایک اور بات یاد رکھو" اگر ننانوے پہلو شرک و کفر کے ہوں اور ایک پہلو اسلام کا ہو تو ہرگز ایسا کہنے والے کو کافر یا مشرک نہیں کہہ سکتے۔

براہِ مہربانی جواب دیجئے کہ ان سب باتوں کی علم و عقل کی روشنی میں کیا حقیقت ہے؟

جواب :-

تجلی میں آئے دن اسی نوع کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے رہتے ہیں اور بدعت و سنت اور شرک و توحید کی بحثوں میں یہ نکتہ ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ جس خاص سوال کا ہم جواب دے رہے ہیں بات اسی تک محدود نہ رہے، بلکہ قارئین کو مستقلاً ایک ایسا زاویۂ نظر مہیا ہو جائے جس کے ذریعہ وہ اس جیسے دوسرے مسئلوں پر بھی آپ سے آپ صحت مندانہ غور و فکر کر سکیں۔

پیش کردہ سوالنامہ اسی نوع کا ہے کہ جس شخص نے التزام کے ساتھ کچھ دنوں تجلی کا مطالعہ کیا ہوگا وہ خود بخود محسوس کر لے گا کہ جواب کیا ہونا چاہیئے۔

پھر بھی حسب گنجائش ہم جواب پیش کئے دیتے ہیں۔

خدا فکر و نظر کی نامسلمانی اور ذہنی دق سے بچائے۔ اُس شخص کی بے دانشی اور غلط فکری کا کیا ٹھکانا ہے جو ایاک نعبد و ایاک نستعین جیسی آیت کی تفسیر میں بھی غیر اللہ کی نیاز مندیوں سے باز نہیں آتا۔ اسی کو کہتے ہیں منھ کو خون لگنا۔ یہ وہ پاکیزہ ترین آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے نہایت خصوصیت اور حصر کے ساتھ اپنی ذاتِ والا کو عبودیت و استعانت کا مرجع و ماویٰ ٹھیرایا ہے اور کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ آیت کو دہرانے والے کا ذہن غیر اللہ کی طرف منعطف ہو۔ لیکن جن مفسرین کے دل و دماغ میں شرک و بدعت کے جراثیم جڑ پکڑ چکے ہیں وہ اس کی تفسیر میں بھی توحید خالص پر مطمئن نہیں ہو سکتے بلکہ ضرور ایسے شوشے نکالتے ہیں جن سے ان جراثیم کو غذا ملتی رہے۔

علم دین کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ نماز میں السلام علیك ایھا النبی کے الفاظ شب معراج کی یادگار کے طور پر شامل ہوئے ہیں اور کوئی سلیم الطبع مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ان الفاظ کو دُہراتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے ہوتے ہیں اور خطاب کو سُنتے ہیں۔ ایسا باطل تصور صرف وہی لوگ کریں گے جنھیں توحید کی ہوا بھی نہیں لگی اور نماز کی حقیقت کا انھیں بالکل ادراک نہیں ہو سکا۔ الفاظ کے ساتھ معنی کا تصور بجا، لیکن اس کے کچھ حدود ہیں۔ جب یہ طے ہے کہ نماز بارگاہِ الٰہی میں حاضری، اظہارِ عجز اور حمد و مناجات کا نام ہے تو نمازی کے لئے کوئی بھی ایسا تصور جائز نہیں ہو سکتا جو بندگی اور حضورِ الٰہی میں خشوع و خضوع کی راہ روک لے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مجرد تصور آجانا جُرم نہیں۔ لیکن اس تصور کا اس حد تک پھیل جانا کہ عبادتِ الٰہی کا جذبۂ خالص گدلا ہو جائے بدترین جرم ہے حضور پُرنورؐ کی ذاتِ مقدسہ چونکہ مومنوں کے لئے ایسی ہی محبوب ہے کہ اس کے تصور میں اُن کی ذہنی رَو کہیں سے کہیں پہنچ سکتی ہے اسی لئے بعض اہل اللہ نے خصوصیت سے اس تصور پر تنبیہ کی۔

انا ارسلناك شاھدا" کی تفسیر میں جو نکتہ سنجی کی گئی ہے وہ کھلے طور پر دُور از کار ہے۔ ایک بھی معتبر و مستند مفسر کا نام نہیں لیا جا سکتا جس نے شاھدا کی تفسیر یہ کی ہو کہ حضورؐ ہمارے تمام تفصیلی حالات دیکھنے والے تھے۔ یہ تو چودھویں صدی کے بے مثال موحدین ہی کا کارنامہ ہے کہ عیسائیوں کی طرح محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کسی نہ کسی طرح مسندِ الوہیت پر بٹھا دیں اور اللہ کی طرح حاضر و ناظر قرار دے ڈالیں۔

یہ بات بارہا بدلائل واضح کی جا چکی ہے کہ رسول اللہؐ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر ماننا کھلا شرک ہے اور یہ تاویل عذرِ لنگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کہ اللہ کا علم ذاتی ہے اور حضورؐ کا عطائی، لہذا شرک لازم نہیں آیا۔

ائمہ احناف کے نزدیک اللہ کے سوا کسی کے لئے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والا کافر و مشرک ہے۔ احناف کی کتاب بحر الرائق کی کتاب النکاح میں تصریح ہے کہ جو شخص نکاح کے دو گواہ اللہ اور رسول کو قرار دے وہ کافر و مشرک ہے۔ اسی طرح شامی ردّ المحتار میں یہ عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر کی ہے کہ رسول اللہؐ حاضر و ناظر ہیں۔ ایک نہیں ہزار دلیلیں قرآن و حدیث میں موجود ہیں کہ یہ عقیدہ واہی ہے۔ بخاری کی ایک ہی حدیث آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھی کہ حشر کے دن جب رسول اللہؐ کو بعض لوگوں کے بارے میں خیال ہوگا کہ یہ اس قابل ہیں کہ انھیں ماءِ کوثر سے سیراب کیا جائے تو اللہ تعالےٰ فرمائیں گے۔ انك لا تدری ما احدثوا بعدك (تم نہیں جانتے ان لوگوں نے تمہارے بعد کیا حرکتیں کیں) امام اعظم ابو حنیفہؒ کی فقہ اکبر کی شرح میں مشہور حنفی عالم ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔

(علم ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمھم اللہ احیاناً وذکر الحنفیۃ تصریحاً بالتکفیر باعتقادان النبی یعلم الغیب لمعارضتہ قولہ تعالیٰ قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔

خوب سمجھ لو انبیاء غیبی امور سے واقف نہ تھے ہاں بس اتنا ہی جانتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ گاہے گاہے انھیں بتا دیا کرتا تھا اور احناف نے کھلے طور پر فتویٰ دیا ہے کہ جو شخص آپؐ کی غیب دانی کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تکذیب کرتا ہے کہ اے محمد! کہہ دیجئے کائنات میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

\+ \+ \+ \+

\+ \+ \+ \+

بخاری کی حدیث ہے:۔

واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم۔

خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہونے کے باوجود نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے،

\+ \+ \+ \+

اس کے ذیل میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں

والحاصل انہ یرید نفی علم الغیب عن نفسہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ

اس روایت کا حاصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ کے سوا کسی کا بھی حاضر و ناظر یا عالم الغیب ہونا ایسا نامعقول، دور از کار، لغو، مہمل اور کفر و شرک سے مملو عقیدہ ہے کہ جس نے یہ عقیدہ رکھا سمجھ لو اس کا قلب جذام میں اور اس کا دماغ تپ دق میں مبتلا ہے۔ فکری اعصاب کی ساخت ہی میں کوئی گڑبڑ واقع نہ ہو جائے تو قرآن و سنت پر ایمان رکھنے والا کوئی بھی انسان بحالتِ ہوش و حواس اس صریح البطلان عقیدے کے چکر میں نہیں پڑ سکتا۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم۔۔۔

اس آیت کے ذیل میں جو سطحی فقرہ مفسر صاحب نے داغ دیا وہ بھی اسی حقیقت کا غماز ہے کہ انکا مقصد قرآن کی تفسیر نہیں، بلکہ قرآن کو کھینچ تان کے اپنے باطل عقائد کے قدموں میں جھکانا ہے نعوذ باللہ من ذلک اسلامی نظام عدالت قائم ہو تو ایسے نکتہ سنجوں کو کوڑوں کی سزا ملنی چاہیئے جو آیاتِ الٰہیہ سے صریح تمسخر کرتے ہیں اور ایسے معانی نکالتے ہیں جن کے لئے سیاق و سباق میں کوئی گنجائش نہیں۔

ذرا قرآن اُٹھا کر دیکھئے۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ کس محل میں یہ آیت فرما رہے ہیں جس سے مفسر صاحب نے من مانا نکتہ نکالا ہے۔

اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا ھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ۞ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ نَّظَرَ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ ھَلْ یَرٰىکُمْ مِّنْ اَحَدٍ

کیا نہیں دیکھتے کہ وہ (منافق) آزمائے جاتے ہیں ہر برس میں ایک بار یا دو بار پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے رہتے ہیں کہ کسی مومن نے نہیں تاڑا تو نہیں پھر چل دیتے ہیں۔ اللہ نے

ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ
اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝
لَقَدْ جَاۤءَكُمْ رَسُوْلٌ
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ
مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا
فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

ان کے دل پھیر دیتے ہیں بایں وجہ کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔ آیا ہے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے تم پر گذرنے والی ہر تکلیف اس پر گراں گذرتی ہے۔ تمہاری خیر خواہی کا آرزومند ہے، ایمان والوں پر نہایت شفیق و مہربان ہے، پھر بھی اگر وہ منافقین منھ پھیرتے ہیں تو کہدو مجھے اللہ کافی ہے۔ اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

+ + + +

کیا ان آیات میں صریح طور پر ایسا مضمون موجود نہیں ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا منشاء صاف معلوم ہو جائے۔ کیا ان سے کسی درجہ میں بھی وہ فضول استدلال کیا جا سکتا ہے جو مفسّر صاحب نے کیا ہے۔ حضورؐ اپنے اصحاب، اپنے اعزّا، اپنے ہم عصر تمام انسانوں کے حق میں کس قدر شفیق تھے یہ محتاج بیان نہیں۔ دنیاوی تکالیف میں بھی لوگوں کی ہر ممکن ہمدردی فرماتے اور اُن تکالیف کا بھی آپ کو بہت خیال رہتا جو خدا کی نافرمانی اور کفر و شرک کی صورت میں انسانوں کو پہنچنے والی ہیں۔ اسی لئے طرح طرح کے مصائب برداشت کرتے مگر دعوتِ حق سے دستبردار نہ ہوتے۔

اب جو شخص ایسی واضح آیات سے یہ من گھڑت مطلب اخذ کرنے لگے کہ قیامت تک ہر امتی کے جملہ آلام و مصائب کی ایک ایک تفصیل حضورؐ کو معلوم ہوتی رہنی چاہئے ورنہ عزیز علیہ ما عنتم کے الفاظ قرآنی غلط ہو جائیں گے اس کے بارے میں سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ وہ قرآن کی بجائے اپنے عقائدِ باطلہ کی تفسیر کر رہا ہے۔

غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے جو فقرے نقل کئے گئے اگر انھیں حدیث ہی مان لیں تو ان کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبتک زندہ رہے اصحاب سے اس درجہ شفقت و محبت کا تعلق رکھتے تھے کہ ذرا سی بھی تکلیف کسی کو ہو اس کا احساس فرماتے تھے۔ یہ نظارہ تو آج بھی قدم قدم پر دیکھا جا سکتا ہے کہ اولاد کو ذرا سی تکلیف ہو والدین اس سے زیادہ اذیتِ قلبی محسوس کرتے ہیں۔ مسلمان اگر سچ مچ مسلمان ہوں تو ان کی بھی یہی صفت بیان ہوئی ہے کہ مشرق میں کسی مسلمان کے کانٹا چبھے تو مغرب کا مسلمان تڑپ اٹھے۔ لیکن تعلق کی شدت ظاہر کرنے والے اس طرح کے محاوراتی انداز ہائے بیان میں کوئی بھی عاقل علم غیب کا عنصر شامل نہیں کرتا۔ جو شخص مذکورہ فقروں کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں کسی مسلمان کے کانٹا چبھا حضورؐ کو فوراً پتا چلا اسے اپنی عقل کا علاج کرانا چاہئے۔ کاش ایسے خفتہ ذہن لوگ اتنا ہی سوچ سکتے کہ حضورؐ کو تو اپنی ہی زندگی میں یہ تک نہ معلوم ہو سکا تھا کہ قتلِ عثمانؓ کی خبر غلط ہے۔ اور بیعتِ رضوان فرمالی تھی۔ ایک نہیں پچاس واقعے احادیثِ صحیحہ میں ایسے موجود ہیں جن سے بلا ریب و شک ثابت ہو جاتا ہے کہ حضور کو علم غیب نہیں تھا نہیں تھا۔ اِلّا یہ کہ جن مغیبات کو اللہ نے چاہا آپ کو بتا دیا اور یہ عقیدہ تو نہایت بے بنیاد ہے کہ وصال فرمانے کے بعد بھی قیامت تک آپ کو ہر اُمتی کے آلام و مصائب کی پوری روداد معلوم ہوتی رہتی ہے۔ حیرت ہے ایسا عقیدہ رکھنے والے یہ نہیں سوچتے کہ اگر ایسا ہو تو رسول اللہ صلعم کے حق میں یہ کس قدر تکلیف دہ ہوگا صدیوں سے مسلمانوں کی اکثریت جس فسق و فجور، نافرمانی، بدعملی اور بے راہ روی میں مبتلا ہے وہ محتاج بیان نہیں اگر ہر مسلمان کے ہر عملِ بد کا علم حضورؐ کو برابر ہوتا رہتا ہے اور اس سے انھیں تکلیف پہنچتی رہتی ہے تب تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ نے اپنے سب سے محبوب اور مقدس ترین بندے کے حصّے میں سب سے زیادہ تکلیف لکھدی۔ آخر کیا ٹھکانا اور کیا شمار ہوگا حضورؐ کے قلب مبارک کو پہنچنے والے صدمات

اور کہہ بیٹھے کہ ذات باری تعالیٰ اگر مذکورہ من گھڑت عقیدہ درست مان لیا جائے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

انا من نور اللہ وکل شیئ من نوری۔

یہ حدیث نہیں گھڑا ہوا فقرہ ہے۔ مفسر صحیح حوالہ دیں تو ہم ثابت کر دیں گے کہ گھڑنت کا ثبوت کیا ہے اللہ تو فرمائے کہ:-

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ — اللہ نے بنایا انسان کو ٹھیکرے
كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَانَّ — جیسی کھنکھناتی مٹی سے اور بنایا
مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ — جنوں کو آگ کی لپٹ سے۔

اور رسول فرمائیں کہ نہیں ہر شئے میرے نور سے پیدا ہوئی اور میرا نور اللہ کے نور سے نکلا۔ یہ ممکن نہیں کُلُّ شَیْءٍ میں تو جن، جانور، سور، شراب، غلاظت جہنم، تمام اشیاء داخل ہیں۔ آخر اس طرح کی من گھڑت باتوں کو حدیث باور کر لینے والوں کی عقل کہاں گئی ہے کہ بالشت بھر آگے کی بھی نہیں سوچتے۔

اللہ یعطی وانا قاسم، بے شک حدیث ہے لیکن اہل ہنود کی طرح یہ سوچنا کہ بڑے ایشور نے مختلف محکمے مختلف دیوتاؤں کے سپرد کر دیئے اور خود فارغ ہو بیٹھا بڑا افسوسناک ہے۔ دین و دنیا کی جو بہترین تعلیم حضورؐ نے دی، علم و پاکیزگی کے جو تحفے تقسیم فرمائے، آیاتِ الٰہیہ سے جو نوازا یہ سب اللہ ہی کی دین تھی تقسیم آپ کے حصے میں آئی۔ اس سے یہ سمجھ لینا کہ جو کچھ ملتا ہے حضورؐ ہی کے ہاتھ سے ملتا ہے پرلے سرے کی غلط فہمی ہے۔

"عمل الیوم واللیلۃ" سے جو دو روایتیں نقل کی گئی ہیں اوّل تو ان کی صحت مشکوک ہے۔ جب تک معروف معتمد کتابِ حدیث کا حوالہ نہ ہو صحت کی کیا ضمانت ہے۔ دوسرے دیکھنا قرآن و حدیث کے بنیادی اصول و احکام کا ہے نہ کہ انفرادی اعمال و افعال کا۔ یوں تو ایک صحابی سرے سے مال جمع کرنے ہی کو حرام سمجھتے تھے تو کیا ان کا سمجھنا حجت ہو جائے گا۔ صحابہؓ کے کتنے ہی ایسے اقوال و اعمال ہیں جنھیں ائمہ و مجتہدین نے حجت نہیں مانا ہے۔

تیسرے ان دونوں روایتوں سے یہ ہرگز نہیں ظاہر ہوتا کہ ہر دو صحابیؓ نے رسول اللہؐ کو حاضر و ناظر جان کر پکارا تھا۔ نہ رسول اللہؐ کی شان کے یہ شایاں ہے کہ امتی کے پریشان ہو جائیں تو وہ عالمِ بالا میں بیٹھے بیٹھے اس کا بھی علاج فرمائیں۔ آثارِ صحابہ گواہ ہیں کہ بڑی بڑی مصیبتوں میں بھی صحابہؓ نے رسول اللہ کو نہیں پکارا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ محض پیر سُن ہو جانے پر تو زبانِ صحابی سے پکار سُنی جائے، حالانکہ اس میں حضورؐ کا استخفاف بھی پایا جاتا ہے، لیکن بڑی بڑی مصیبتیں پیش آئیں تو سوائے خدا کے صحابہؓ کسی کو نہ پکاریں۔

فقالَ عمید والی روایت بھی مفسر کی نافہمی کا ہدف ہوئی۔ شاعر محبوب کو خطاب کرتے ہیں تو کیا اسکا یہ مطلب ہوتا ہے کہ محبوب حاضر و ناظر ہے؟ جذباتی انداز میں اگر کسی نے رسول اللہؐ یا ابوبکرؓ کو غائبانہ صیغۂ خطاب سے یاد کر لیا تو اس کی حیثیت شاعرانہ اندازِ کلام سے زیادہ نہیں۔

آگے مفسر صاحب بالکل ہی کھُل گئے ہیں۔ پکارئیے صاحب آپ یا غوث یا خواجہ نقش بندی یا مددی جو چاہے پکاریئے۔ ہندو مت کی کوکھ سے جنم لینے والا تصوف آخر اور کیا تحفہ دے گا۔ ناموں کا فرق ہے۔

تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے

نیت صالح کی بات خوب رہی۔ کافر و مشرک کی نیت بھی صالح ہی ہوتی ہے وہ کب جان بوجھ کر جہنم میں جانا چاہتا ہے۔ وہ بھی آپ ہی کی طرح یہی سمجھتا ہے کہ میرے مخاطب دیوی دیوتا مقدس ہیں۔ طاقت والے ہیں۔ حاضر و ناظر ہیں۔ میری مدد کریں گے۔

"ننانوے پہلو کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا" یہ بیشک بزرگوں کا مقولہ ہے۔ لیکن نافہموں کے ہاتھ

پڑکر اس کی بھی مٹی پلید ہوئی۔ جو مطلب مفسر صاحب اس کا باور کرانا چاہتے ہیں اس کا تو مفاد یہ ہے قرآن کی ننانوے ۹۹ آیات کا انکار کر دو مگر ایک کو مان لو بس مومن رہے۔ معاذ اللہ۔ حالانکہ مفسر صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کی ایک بھی آیت کا منکر کافر ہے اور اللہ کے اوصاف خصوصی میں سے کسی ایک میں بھی غیر اللہ کو شریک کرنے والا مشرک ہے۔ قرآن بار بار کہتا ہے کہ غیر اللہ کو مت پکارو اور ہر نماز میں یہ اعتراف کراتا ہے کہ ایاك نعبد و ایاك نستعین مگر اس کے عقلمند بندے غوثوں اور خواجاؤں سے بھی ڈنکے کی چوٹ غائبانہ استعانت کرتے ہوئے اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم شرک نہیں کر رہے۔

گر ہمیں خود سری و خوش فہمی
کار ایماں تمام خواہد شد

سوال ۱۰ :— از ابو العرفان و عبد الجلیل۔ چامراجنگر۔

مباح دعوتیں

ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ کوئی شخص اگر نیا مکان بناتا ہے تو اس کی تکمیل کے بعد کھانے کی دعوت دیتا ہے جس میں امیر غریب سبھی قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ آیا خیر القرون یا ائمہ مجتہد کے زمانہ میں بھی اس کا رواج تھا؟ کتب حدیث و فقہ سے اس کا ثبوت دیجئے۔

سوال ۱۱ :— (ایضاً)

ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ اگر کسی کے بچہ کا ختنہ کیا جاتا ہے تو چند دنوں کے بعد لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے اس میں بھی سبھی قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ کیا خیر القرون یا عہد ائمہ مجتہدین میں اس کا رواج تھا؟ اس قسم کی دعوت میں شریک ہونا جائز ہے؟

جواب ۱۰ :—

یہ دیکھنے کی ضرورت کہ خیر القرون یا دور ائمہ میں کیا تعامل رہا ہے اُن افعال میں ہوتی ہے جنھیں عبادت کا درجہ دیا جائے دوسرے لفظوں میں جن کا جوڑ مذہبی عقائد سے لگایا جائے۔ مثلاً ایک شخص ہر جمعہ کو دوستوں کی دعوت کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جمعہ کے دن دعوت کرنا ثواب کا کام ہے، تب دیکھا جائے گا کہ اس کا یہ سمجھنا کہاں تک حق بجانب ہے اور اس کی کوئی بنیاد قرآن و سنت یا علماء کی تصریحات میں ملتی ہے یا نہیں۔

لیکن ثواب کا تصور نہ ہو تو مکان بنانے کی مسرت میں یا اور کسی خوشی کے موقع پر دوست احباب کی دعوت کر دینے کے جواز میں صرف اتنا ہی دیکھنا کافی ہے کہ دعوت کرنا بجائے خود جائز ہے یا نہیں۔ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر ثبوت و شہادت کے چکر میں پڑنا لاحاصل ہوگا۔

جواب ۱۱ :—

ختنہ کے سلسلے میں دعوتوں کو رواج دے لینا البتہ ذرا قبیح ہے۔ فی نفسہ تو اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن نتائج کے اعتبار سے خرابی پیدا ہوتی ہے۔ ختنہ ضروریاتِ دینیہ میں سے ہے۔ اس کے لئے دعوت بھی رواجاً ضروری بنا لی جائے تو کم استطاعت مسلمانوں کو وہی آفت پیش آجائے گی جو شادی بیاہ کی رسموں میں آئی ہوئی ہے۔ اہلِ استطاعت خرچیلی قسم کی رسمیں ایجاد کرتے ہیں پھر وہ اس طرح چل نکلتی ہیں کہ جو انھیں انجام دے وہ کنبے برادری میں نکّو بن جاتا ہے۔ مجبوراً غرباء بھی قرض اُدھار کر کے ان کا اہتمام کرتے اور مصیبت جھیلتے ہیں۔ لہٰذا مناسب نہیں ہے کہ ختنہ کی تقریب میں دعوت کا رواج ڈالا جائے۔

لیکن قباحت کا یہ پہلو ایسا نہیں کہ ایسی دعوت میں شرکت ہی ناجائز ہو۔

سوال ۱۲ :— از شوکت حیات۔ کھریانواں (گیا)

کفر و شرک

سرسوتی پوجا جو ہندؤں کا ایک مشہور تہوار ہے اور جو اس سیکولر اسٹیٹ کے تمام اسکولوں اور کالجوں میں ہر سال

خوب دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس کی دعوت یعنی "دعوت طعام سرسوتی پوجا" میں مسلمانوں کا شریک ہونا کہاں تک جائز اور اسلامی رواداری کے مطابق ہے براہِ کرم تجلی کی ڈاک کے ذریعہ اس کا شافی جواب، جواز یا عدم جواز کے عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ عنایت فرمائیں۔

آنجناب سے اس مسئلہ میں استفتاء کی ضرورت اسلئے پڑی کہ یہاں کچھ لوگوں کی یہ قطعی رائے ہے کہ کسی پوجا کے کھانے میں شریک ہونا کسی طرح جائز اور اسلام کی رواداری کے مطابق نہیں۔ مگر اس کے برعکس کچھ عام نہیں بلکہ خاص لوگ ہیں جو شریک طعام ہونے میں نہ صرف یہ کہ کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے، بلکہ بخوشی و رغبت شریک ہوتے ہیں اور اس میں کوئی کراہت محسوس نہیں کرتے۔

جواب[۱۲] :-

بت پرستی اور غیر اللہ کی عبادت سے جس قدر شدید نفرت اسلام نے دلائی ہے اس کے بعد یہ کہنا کہ بت پرستی کے تہواروں اور میلوں وغیرہ کی شرکت حرام ہے۔ بالکل ہی غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بت پرستی کے نام کی دعوتیں کسی عنوان بھی اس لائق نہیں ہیں کہ مسلمان انمیں شرکت کریں۔ حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ ' من کثر سواد قوم فھو منھم (جس نے کسی قوم کے مجمع و محفل کی رونق بڑھائی وہ انھی میں سے ہے) اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ کفر و شرک کے اُن میلوں میں بھی شرکت جائز نہیں ہے جن کا تعلق اُن کے خصوصی معتقدات سے ہو۔ چہ جائیکہ اِن خصوصی معتقدات کے تحت منعقد کی جانے والی دعوتوں میں شرکت۔

علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس پر متفق ہیں کہ غیر مسلمین کے خصوصی عقائد و رسوم کی تعریف و تحسین کرنا کفر ہے اور اس پر بھی متفق ہیں کہ بتوں کے چڑھاوے اور پوجا پاٹ کے سلسلہ کے کھانے حرام مطلق ہیں۔ ظاہر ہے کہ سرسوتی پوجا کی دعوت کھانا عملاً اُس عقیدہ و فکر کی تصویب و تحسین کرنا ہے جس کے تحت یہ تہوار منعقد کیا جاتا ہے۔

اپنے اس دعوے کی شہادت میں ہم معتبر کتابوں کے دسیوں حوالے پیش کر سکتے ہیں، لیکن اس کی ضرورت اس لئے محسوس نہیں ہوتی کہ جو مسلمان سرسوتی پوجا کی دعوتوں میں برضا و رغبت شرکت فرما رہے ہیں وہ دراصل لاعلمی یا غلط فہمی کے تحت ایسا نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ان کے عمل کی بنیاد ہے دین سے لاپروائی، مفاد پرستی، بے حسی اور خوفِ خدا سے بے نیازی۔ ان کے آگے ہزار فتادی رکھدیجئے مگر وہ انھیں درخورِ اعتنا نہیں سمجھیں گے۔ دلائل انھیں مفید ہوتے ہیں جو کم فہمی سے کسی بُرائی میں مبتلا ہوگئے ہوں۔ ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ اطلاع پانے پر پیچھے لوٹ آئیں گے، لیکن جو خود کو زمانے بھر کا فرزانہ سمجھتے ہوں اور اپنے خیال کے جواز کے لئے ہاتھوں ہاتھ منطقی نکتے تراش لینے کی مہارت رکھتے ہوں انھیں فتوی اور علمی دلائل کیا کام دیں گے۔

ہم جانتے ہیں کہ آج جو پڑھے لکھے مسلمان رسومِ کفر کی رونق بڑھا رہے ہیں وہ ذہنی طور پر مومن ہیں۔ ان کے دل و دماغ پر پچھلی روایات اور ماحول کی کچھ نہ کچھ گرفت ہے۔ وہ اپنے اعمال کے لئے کچھ نہ کچھ توجیہات ایسی نکال لیتے ہیں کہ کفر و شرک کی زد سے بال بال بچ جائیں۔ لیکن اس کا نتیجہ مسلمانوں کی نوخیز نسل کے لئے جسقدر ہلاکت انگیز ہے انھیں اس کا کوئی تصور نہیں۔ آج جن بچوں نے بدلے ہوئے غیر اسلامی ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں جب وہ شروع ہی سے دیکھیں گے کہ ان کے بڑے سرسوتی پوجا اور ہولی دیوالی میں بلا تکلف ہنستے کھیلتے شرکت کر رہے ہیں تو کونسا معجزہ انھیں اس پر آمادہ کر سکے گا کہ وہ بھی آگے چل کر ذہنی تاویلوں کا سہارا ڈھونڈیں۔ انھیں تو جس طرح کی تعلیم اسکولوں میں مل رہی ہے اور جیسا ماحول انھیں تربیت دے رہا ہے اس کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اسلام اور غیر اسلام کا

ساس تک ان کے پاس نہ پھٹک سکے گا۔ وہ دور بین نہیں دیکھ رہے ہیں کہ آج جو ہمارے والد صاحب سرسوتی پوجا کی دعوت اُڑا رہے ہیں تو وہ فی الحقیقت بت پرستی میں یقین نہیں رکھتے، بلکہ وقتی مصالح کے تحت پینگیں بڑھا رہی ہیں۔ وہ کیا سمجھیں کہ ان چیزوں میں کوئی قباحت ہے۔ وہ تو آگے چل کر پوری معصومیت کے ساتھ کافر و مشرک بنیں گے۔ ہم نہیں جانتے کہ سرسوتی پوجا کی دعوت اُڑانے والے مسلمانوں کے پاس جواز کے دلائل کیا ہیں۔

رواداری اسلام سے زیادہ کون سکھائے گا، لیکن خودکشی کو رواداری نہیں کہتے۔ اپنی کمزوریاں اور شرک نوازیاں کو رواداری کے خوبصورت پردوں میں چھپانا دین کے ساتھ ایسا مذاق ہے جس کی سزا اللہ کی طرف سے جتنی بھی عبرت ناک ہو کم ہے۔

سوال ۱۳؎ :۔ (نام نامعلوم) حیدرآباد دکن۔

جماعت اسلامی کے نقائص

خدا کا شکر ہے کہ جماعت اسلامی کے خلاف عرصہ دراز سے جو افتراء و بہتان اور فتوے بازی کی مہم چل رہی تھی وہ ٹھنڈی پڑ چکی۔ اس جماعت کے تعلق سے بہت سے حضرات جو طرح طرح کی غلط فہمیوں اور بدگمانیوں میں مبتلا تھے ان کے خیالات قدرے بدلے۔ لیکن ان دنوں بعض اہلِ درد اور مخلص حضرات کی طرف سے یہ خیالات ظاہر ہو رہے ہیں کہ اگرچہ جماعت اسلامی کے عقائد و نظریات خالص اسلامی ہیں اور اس کی بنیادی دعوت اور نصب العین سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس جماعت میں چند بڑے نقصے اور بگاڑ موجود ہیں وہ یہ کہ جماعت جس طریقے سے دنیا کو اسلام کی دعوت دی رہی ہے وہ انبیائی طریقۂ کار کے خلاف ہے۔ انبیاءِ کرام کفار اور فساق کو پہلے خدا کی ناراضگی اور آخرت کے عذاب سے خبردار کرتے اور صرف اس کی رضا اور آخرت کی کامیابی سامنے رکھ کر ان کے باطل فکر و عمل کی اصلاح کرتے تھے۔ لیکن جماعت اسلامی مادّی ترقی اور خوش حالی کو سامنے رکھ کر دنیا کو اسلام کی طرف چلاتی ہے کہ "اسلام کو اپناؤ اس میں دنیا کے مسائل کا حل موجود ہے حکومتِ الٰہیہ قائم کرو اس کے بغیر مادّی ترقی ناممکن ہے۔ خدا پرستی اختیار کرو ہندوستان دنیا کا رہنما بن سکتا ہے۔" اس کے لٹریچر اور تقاریر میں یہی طرزِ دعوت نمایاں نظر آتا ہے۔ کہیں کہیں خدا کی رضا اور فلاحِ آخرت کا بھی ذکر آتا ہے، لیکن یہ بہت کم۔ جس طرح سوشیلزم، کمیونزم وغیرہ متعدد مادی ازم اور نظریے ہیں۔ اس طرح جماعت اسلامی اسلام کو بھی دنیا کے سامنے بطور ایک ازم اور نظریے کے پیش کر رہی ہے۔ جماعت اسلامی محض ایک تحریک چلا رہی ہے۔ اس کو فکرِ آخرت بہت کم اور دنیا اور دنیاوی مسائل سے دلچسپی اور لگاؤ زیادہ ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جماعت اسلامی کا ملک میں حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا مطالبہ کرنا بھی خلافِ عقل ہے جو کچھ بھی ہوگا وہ اسباب و علل کے تحت ہوگا جس ملک کا برسرِ اقتدار طبقہ غیر مسلم ہو، اس ملک میں خدائی قانون کا نفاذ کیسے ممکن ہے؟ جماعت کو چاہئے کہ اپنے ذرائع و وسائل کو نام کے مسلمانوں کو حقیقی مسلمان اور غیر مسلم افراد کو اسلام کی دعوت پہنچانے میں صرف کرے اس وقت حکومت الٰہیہ کے قیام کا مطالبہ کرنا فضول ہے۔ جب بڑی حد تک معاشرہ اسلامی ہو جائے گا تو حکومتِ الٰہیہ خود بخود قائم ہو سکتی ہے اگر نہ بھی ہو تو اس وقت اس کے لئے جد و جہد کرنا مناسب اور سودمند ہو سکتا ہے۔ ان سب باتوں سے آپ کہاں تک متفق ہیں؟ آپ بھی مذکورہ خرابیاں جماعت اسلامی میں محسوس کرتے ہیں تو براہِ مہربانی ایک عمدہ تحریکِ اسلامی کو خراب ہونے سے بچائیے۔ اس پر تنقید کر کے مشوروں کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کیجئے ——— لیکن ایسا نہیں ہے۔ جن جن خرابیوں کا ذکر کیا

وہ جماعت میں موجود نہیں ہیں، بلکہ یہ بھی ایک غلط فہمی ہے تو براہ مہربانی اسے بھی دور کرنے کی کوشش کیجئے۔

جواب ۱۳:-

اونچی اونچی باتیں کرلینا اور دوسروں کے کام میں نی نکالنا بہت آسان ہے لیکن جو لوگ جماعت اسلامی کے طریق کار کو انبیائی طریق کار کے خلاف باور کراتے ہیں وہ خود بھی تو آگے بڑھ کر کوئی تیر ماریں اور زبانی جمع خرچ کے بجائے عمل سے ثابت کریں کہ انبیائی طریق کار یہ ہے۔

ہر زمانے کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ انسانوں کے سوچنے سمجھنے کے ڈھنگ، رد و قبول کے پیمانے اور اخذ و ترک کے معیار بدلتے رہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے جن جن زمانوں میں حق پرستی کی دعوت دی اُن زمانوں کا اپنا ایک مزاج تھا۔ آخری پیغمبرؐ کے دورِ سعادت کو لے لیجئے کہ وہی ہمارے لئے حجت، معیار اور مستدل ہے —— حضورؐ کا دور اپنے مزاج اپنے تقاضوں اور داعیوں کے اعتبار سے آج کے دور سے بالکل مختلف تھا۔ جن لوگوں میں آپؐ مبعوث ہوئے وہ نہ زیادہ پڑھے لکھے تھے نہ فلسفہ و منطق کی انھیں ہوا لگی تھی۔ فکر محدود۔ علم محدود۔ عرب سے باہر کی دنیا میں مادی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے دائرے میں جو تھوڑی بہت پیش رفت ہو رہی تھی اس سے بھی انھیں دور کا واسطہ نہ تھا۔ اپنی نیم وحشی زندگی میں مگن۔ توہمات اور ضعیف الاعتقادی کے اسیر۔ جس پتھر کو چاہا خدا بنا ڈالا جس در پہ چاہا سر ٹیک دیا۔ ان کا کفر و شرک تعقل کی راہ سے نہیں آیا تھا بے عقلی و بے خبری کی راہ سے آیا تھا۔ انھیں سائنس و فلسفہ نے خدائے وحدہٗ لاشریک سے دور نہیں کیا تھا جہالت و سفاہت کے ہاتھوں وہ برباد ہو رہے تھے۔ روحانیت کے منکر نہ تھے......

...... بلکہ روحانیت کی بڑھی ہوئی حس ہی نے غیر معبود ہستیوں اور اصنام پرستی پر مبالغہ آمیز حد تک اُکسائے ہوئے تھی۔ دین کے مابعد الطبیعی تصورات اور مافوق الفطرت حقائق کو قبول کرنے کے لئے جو اندرونی صلاحیت ضروری ہوتی ہے وہ ان کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھی اور کسی مادہ پرستانہ فلسفے کی مسلسل اثر اندازی نے ان کی اس صلاحیت کو چھوا تک بھی نہیں تھا۔

ایسے حالات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی رضا کے مطابق انھیں اَن دیکھے خدا کے عذاب سے ڈرایا، جہنم کی ہولناکی ان پر آشکارا کی، جنت کی عیش سامانیاں واضح فرمائیں اور یوم قیامت کے ذکر و بیان سے ان کے دل و دماغ کو متاثر کیا تو یہ سب کچھ نفسیات اور تقاضائے وقت کے عین مطابق تھا۔ جو مذہبی حس اب تک اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھی وہ رُخ بدل کر دینِ حق کی طرف مُڑ گئی اور پگھلا ہوا موم نئے سانچے میں ڈھل گیا۔

گویا پیغمبر کو جس زمین میں دین کا گلشن سرسبز کرنا تھا وہ زمین دین کی روحانی قدروں کے لئے پوری استعدادِ نمو اپنے اندر رکھتی تھی —— اِدھر بیج ڈالا اور اُدھر قوتِ نمو حرکت میں آئی۔

پھر دوسری طرف خود پیغمبر کی زبردست مؤثر شخصیت نظر میں رکھئے۔ عظیم کردار۔ خدا کی خصوصی مدد شاملِ حال۔ صورت دلکش سیرت دلکش بہترین اوصاف سے متصف۔ لاجواب صلاحیتوں سے مالا مال۔

جب فاعل میں اثر اندازی کی اور منفعل میں قبول اثر کی کامل استعداد موجود ہو، جب بیج اعلیٰ، زمین زرخیز اور باغبان کامل طور پر ہنرمند ہو تو باغ کیوں نہ قابلِ رشک ہوگا۔

اب ذرا اپنے دور کو دیکھئے۔ زمین و آسمان کا فرق۔ ہر طرف مادہ پرستانہ فکر و نظر کا دور دورہ، ہر سمت تعقل کیش تہذیب و تمدن کا غلبہ و تسلط، ہر گمراہی کی پشت پر علم و سائنس کی حوصلہ افزائی، ہر الحاد و ارتداد کے ہاتھوں میں کلام و منطق کی ڈھالیں، روحانی

تدروں کو قبول کرنے کی صلاحیت مادہ پرستانہ فکر و نظر کے مقتل میں نزع کی ہچکیاں لے رہی ہے۔ کفر و طغیان جہل و نادانی کی راہ سے نہیں علم و فرزانگی کی راہ سے آرہے ہیں۔

ان احوال میں جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ انبیاء کی طرح خوفِ خدا اور عذابِ آخرت کی تلقین ہی سے کام نکل جائے گا وہ خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ اول تو یہی سرے سے غلط ہے کہ انبیاء فقط خوفِ خدا اور عذابِ آخرت ہی کے ذکر و بیان تک محدود رہے۔ انھوں نے اپنے اپنے حالات کے مطابق اجتماعی و سیاسی دائرے میں تمام ہی وہ ممکن کوششیں کی ہیں جن سے حق کی سربلندی اور غلبہ و تسلط کی توقع ہوسکتی تھی۔ ہاں ایمان و اخلاق کے اصولوں کو ضرور پیشِ نظر رکھا ہے۔

لیکن اس سے قطع نظر کرلیں تو بھی احوال و ظروف کا فرق بہرحال نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ آج کے دور میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے قطعی طور پر ناگزیر ہے کہ مسائل کے اُن دائروں میں آگے بڑھا جائے جن میں دنیا کے غالب و مقبول ازم اسلام کو چیلنج کررہے ہیں۔ حریف اگر توپ اور بم چڑھا کر لاتا ہے تو ہمیں بھی اسی سطح کے آلات سے مقابلہ کرنا پڑیگا اب کوئی شخص کہنے لگے کہ حضورؐ نے تو صرف تلوار اٹھائی تھی، وہی سنت ہے۔ لہٰذا اٹم بم اور کوئی ہتھیار اُٹھاتے ہو وہ انبیائی طریق کار کے خلاف ہے تو خود سوچ لیجئے ایسا شخص کس حد تک باہوش سمجھا جاسکتا ہے۔

اعتراض کرنے والوں سے کوئی پوچھے کہ یہ جو سیکڑوں متکلمینِ اسلام گذرے ہیں انھوں نے یہ کیا ستم ڈھایا کہ رسول اللہؐ اور صحابہؓ کے طریقے سے تجاوز کرکے فلسفۂ و کلام کے میدان میں کود پڑے اور بجائے خوفِ خدا اور عذابِ آخرت کی بشارت دیتے رہنے کے دینی مسائل اور مذہبی عقاید پر فلسفہ و منطق کے رُخ سے طویل بحثیں شروع کردیں۔

ہم سمجھتے ہیں جماعت اسلامی اگر وقت کی زبان میں بات کررہی ہے اور اہلِ زمانہ کے اسلوبِ فکر کی رعایت رکھتے ہوئے یہ ثابت کرنے کے درپے ہے کہ اسلام محض نجاتِ اُخروی ہی کا ضامن نہیں، بلکہ مسائل دنیاوی کا بھی مکمل حل اپنے اندر رکھتا ہے تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں بلکہ تحسین کی مستحق ہے۔

خدا کے خوف اور عذابِ آخرت کے اندیشے پر کان دھرنے والوں کا زمانہ گیا۔ خود مسلمانوں ہی کو دیکھ لیجئے جو بفضلہٖ تعالیٰ خدا کے خوف اور عذابِ آخرت سے ڈرانے کو جزوِ ایمان کہتے ہیں کس حد تک ان کے اعمال و افعال پر اس ڈر کی گرفت ہے۔ محض رسمی و روایتی ڈر جس کی جڑیں ذہن و قلب میں دو انچ بھی گہری نہیں پہنچیں الا ماشاء اللہ۔

آج وہ بھی زمانہ نہیں ہے کہ چند کرامتیں دکھلا کر گروہ کے گروہ مسلمان کرلو۔ کرامتوں سے وہ لوگ مذہب بدلتے ہیں جن کے دماغ کو تعقل کا کیڑا نہیں لگا۔ مگر زمانے کی ہوا ایسی ہے کہ دیہات کے جہلاء تک اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہے ہیں۔

حاصل یہ کہ اسلام کی خدمت و اشاعت کے لئے جو طرز جماعت اسلامی نے اختیار کر رکھا ہے وہ ہماری نگاہ میں تو ایسا نہیں کہ طریق انبیاء سے کوئی جوہری اختلاف رکھتا ہو، لیکن جن مخلص حضرات کو اس پر اصرار ہے انھیں باتیں بنانے کی بجائے عمل کرکے دکھانا چاہیئے کہ طریقِ انبیاء کیا ہے اور اس کو اختیار کرکے کس طرح اسلام کی خدمت انجام دی جاسکتی ہے۔

جہاں تک حکومتِ الٰہیہ کا تعلق ہے وہ بے شک جماعت کا آئیڈیل ضرور ہے اور ہونا چاہئے۔ لیکن یہ کہنا مبالغہ آمیز ہے کہ وہ حکومتِ الٰہیہ کا مطالبہ کررہی ہے۔

اور یہ جو فرمایا گیا:۔

"جماعت کو چاہیئے کہ اپنے ذرائع و وسائل کو تمام کے مسلمانوں کو حقیقی مسلمان اور غیر مسلم افراد کو اسلام کی دعوت پہنچانے میں صرف کرے۔"

تو بتایا جائے کہ اس کے علاوہ اور وہ کر کیا رہی ہے۔ کیا وہ اپنی موجودہ سرگرمیاں چھوڑ کر پیری مریدی یا چلہ کشی یا دیہات گردی شروع کر دے تبھی مانا جائے گا کہ نام کے مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنایا جا رہا ہے۔ یا وہ روس و امریکہ کے صدروں اور جواہر لال نہرو وغیرہ کو خدا اور عذاب آخرت سے ڈرانے والے خطوط لکھنے کا مشغلہ اختیار کرے تبھی تسلیم کیا جائے گا کہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت پہنچائی جا رہی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں اپنی دانست میں وہ وہی فرائض انجام دے رہی ہے جن کی خواہش ظاہر کی گئی۔ اگر معترضین کے نزدیک اس کا طریق کار قابلِ اصلاح ہے تو خلوص کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آگے بڑھ کر اصلاح کی جد و جہد کریں خالی باتیں بنانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جماعت کے اکابر نے بد دماغ ہیں نہ چڑچڑے۔ وہ ہر وقت ہر مشورہ دینے والے کا مشورہ اور ہر مصلح کار کی اصلاح سننے کے لئے تیار ہیں۔ وہ دل سے چاہتے ہیں کہ ان سے اگر غلطیاں ہو رہی ہیں تو درد مند حضرات نہ صرف نشاندہی فرمائیں بلکہ رہنمائی و امامت کا فریضہ انجام دیں۔ اب اس کا تو کوئی علاج نہیں کہ دور سے بیٹھے بیٹھے مجمل اعتراضات اٹھاتے رہیئے اور ہاتھ پیر ہلانے کے نام سے جان چرائیے میرا روئے سخن سائل کی طرف نہیں بلکہ اُن اہلِ درد اور مخلص حضرات کی طرف ہے جن کا کہا سائل دہرا رہے ہیں۔

سوال[۱۴۱]:- از عبد الرشید۔ ضلع سیالکوٹ۔

علم غیب

قرآن مجید میں صاف لفظوں میں غیر اللہ کے لئے علم غیب کی نفی ہے۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ یہ جو قرآن مجید میں بار بار آتا ہے کہ الم تر یا الم تعلم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب کو کچھ علم پہلے تھا جس کی یاد دہانی باری تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ کیا تم کو علم نہیں۔ یا کیا تم نے نہیں دیکھا۔ اس بات کی بہت الجھن ہے۔ مہربانی فرما کر اگر تجلی میں جواب دیں تو بہتوں کا بھلا ہوگا۔ بہت ضروری ہے۔

نوٹ:- میں دیوبندی خیالات، خصوصاً آپ کے معتقدات کا سختی سے پابند ہوں، مگر بریلوی ماحول میں رہتا ہوں۔ اگر آپ نے جواب نہ دیا تو میرے لئے باعثِ ندامت ہوگا۔

جواب[۱۴۱]:-

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قرآن کو مع ترجمہ غور سے نہیں پڑھا۔ یا پڑھا ہے تو بریلوی حضرات کی وسوسہ اندازیاں برابر آپ کے دماغ کو غبار آلود کرتی رہتی ہیں اور بیٹھے بٹھائے آپ کی ذہنی رو بہک جاتی ہے۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو جو سوال آپ کیلئے مستقل الجھن بن گیا ہے وہ کبھی پیدا نہ ہوتا۔ خوب سمجھ لیجئے کہ علم غیب کسے کہتے ہیں۔ غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کا کیا مطلب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے نہ ہونے کے بارے میں اہلِ سنت اور اہلِ بدعت کے درمیان جو اختلاف ہے اس کی صحیح نوعیت کیا ہے؟ تجلی میں اگرچہ بارہا اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں، لیکن اس بار آپ کے علاوہ بھی متعدد سوالات اسی موضوع کے آئے ہوئے ہیں اس لئے کچھ گفتگو پھر کرتے ہیں۔

غیبی چیزیں وہ کہلاتی ہیں جو انسان کے حواس خمسہ کی زد سے باہر ہوں۔ جیسے جنت دوزخ، فرشتے عرش و کرسی۔ یا جیسے دور افتادہ لوگوں کے وہ حالات جن سے باخبر ہونے کا کوئی ذریعہ موجود نہ ہو یا جیسے دوسروں کے قلوب میں پیدا ہونے والے وسواس و عزائم یا جیسے ماضی بعید میں گذرے ہوئے وہ واقعات و حوادث جنھیں کسی مؤرخ یا داستان گو نے بیان نہیں کیا۔

اس طرح کی چیزوں کو مغیبات یعنی اشیائے غیب کہتے ہیں اور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی اطلاع سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہے نہ ہو سکتی ہے،

تک کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت و مصلحت کے تحت اپنے کسی بندے کو ان میں سے بعض کا علم نہ عطا فرمائے اللہ کے علم عطا فرمانے کے طریقے متعدد ہیں۔ کبھی وہ فرشتے کے ذریعہ علم سے بہرہ ور کرتے ہیں۔ کبھی خواب میں اطلاع دیتے ہیں کبھی القا فرماتے ہیں۔ ان تمام طریقوں سے حاصل شدہ علم اگرچہ اپنی ظاہری شکل میں علم غیب ہی کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس ظاہری اور جزئی علم غیب سے کسی کو انکار نہیں۔ یہ علم بفرقِ مراتب عام انسانوں کو بھی ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو بدرجۂ اولیٰ ثابت ہے۔

قرآن میں متعدد مقامات پر صراحت و تاکید کے ساتھ غیر اللہ کے لئے جو علم غیب کی نفی کی گئی ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ کسی کو جزئی طور پر بھی غیب کی کسی شے کا علم نہیں دیا گیا۔ اس کی وضاحت تو قرآن ہی میں کردی گئی ہے:-

مَاكَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران)	اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی مگر اللہ منتخب کر لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔

سورۂ جن میں ہے:-

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ	غیب کا جاننے والا پس نہیں خبر دیتا اپنے غیب کی کسی کو لیکن جو پسند کر لیا کسی رسول کو۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ قرآن میں متعدد مقامات پر جو غیر اللہ کے علم غیب کی صریح اور قطعی نفی کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جملہ امورِ غیب کا عالم اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ البتہ جسے وہ چاہے بعض امورِ غیب کی خبر کر دیتا ہے ازراہِ ضرورت و حکمت۔

فلہٰذا یہ تو کوئی مسلمان کہہ ہی نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی غیبی چیز کا علم نہیں تھا۔ البتہ اہلِ سنت وہی کہتے ہیں جو قرآن کہتا ہے کہ مطلق طور پر عالم الغیب اللہ کے سوا کوئی نہیں اور غیر اللہ میں جسے بھی کسی غیب کا علم ہوتا ہے وہ من جانب اللہ ہوتا ہے اور جزئی طور پر ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف اہلِ بدعت کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ ماکان و مایکون (جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا) کا علم تھا۔ تاویل وہ یہ کرتے ہیں کہ فی الحقیقت تو عالم الغیب خدا ہی ہے لیکن اس نے اپنی مرضی اور اختیار سے تمام ہی علم غیب رسول اللہ صلعم کو عطا کر دیا لہٰذا جن آیاتِ قرآنی میں غیر اللہ کے علم غیب کی نفی ہے وہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے عطائی کی نہیں۔ ذاتی علم غیب ہم بھی رسول کے لئے نہیں مانتے البتہ عطائی ضرور مانئے!

نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ سرا پا تحریف عقیدہ عقل، نقل، واقعات اور حقائق کی میزان میں جس قدر بے وزن بلکہ ہوائی ہے اسے اہلِ علم ہزاروں بار واضح کر چکے ہیں۔ یہاں تو ہم آپ کو صرف اتنی ہی توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اگر بعض روایات سے رسول اللہ صلعم کے لئے دس بیس ہزار لاکھ امورِ غیب کا بھی علم ثابت ہو جائے تو آپ کے قلب میں یہ وسوسہ نہ گذرنا چاہیئے کہ اہلِ بدعت کے عقیدے کی تائید ہو گئی، اور ان قرآنی آیات کا مطلب غبار آلود ہو گیا جن میں غیر اللہ کے علم غیب کی نفی گئی ہے۔ اہلِ بدعت کا جو عقیدہ ہے اس کی صحت تو اس پر موقوف ہے کہ ایک بھی امرِ غیب ایسا نہ ہو جس سے رسول اللہ صلعم بے خبر رہے ہوں۔ اگر قرآن و حدیث، تاریخ و سیرت اور مسلّم واقعات دکوائف سے بے ریب و شک یہ ثابت ہے کہ دسیوں بیسیوں امورِ غیب سے رسول اللہ صلعم کو واقفیت نہیں ہو سکی تو اہلِ بدعت کا عقیدہ فنا ہوا اور قرآن کی آیاتِ مبارکہ بے غبار رہیں۔ اہلِ سنت یہی کہتے ہیں کہ بے شمار امورِ غیب کا علم اللہ نے اپنے رسول صلعم کو عطا فرمایا، لیکن یہ صریح و قطعی طور پر غلط ہے کہ آپ کو جملہ امورِ غیب کا علم عطا فرمایا گیا۔

اب براہِ راست اپنے سوال کی طرف آئیے:-
الم تر اور الم تعلم کے الفاظ عربی زبان میں کس طرح کے مواقع پر آتے ہیں اور ان کے تحت علم غیب کے وسوسہ میں پڑنا کیسی جہالت وبے خبری ہے اس کی وضاحت تو ابھی ہم کریں گے۔ لیکن ایک لمحہ کیلئے فرض ہی کرلیں کہ ان الفاظ سے مخاطب کا بعض امورِ غیب سے باخبر ہونا مترشح ہوتا ہے تو آپ کے لئے حیرت اور الجھن کا کیا موقع ہے جب کہ ہم سب اس عقیدے پر متفق ہیں کہ اللہ اپنے منتخب بندوں کو بعض امورِ غیب کا علم عطا فرمادیتا ہے۔ جو دو آیات قرآنی ہم نے نقل کیں وہ خود ہی اس کی وضاحت کر رہی ہیں اور سیرت کے مسلّمہ واقعات بھی اس کے شاہد ہیں۔ پھر حیرت کیوں اور الجھن کیسی؟ ظاہر ہے کہ بریلوی اندازِ فکر ہی آپ کے ذہن کے کسی تاریک گوشے میں گرہ کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے اور خواہ مخواہ آپ وسواس کا شکار ہو رہے ہیں۔

لیجئے ہم آپ کو الم تر اور الم تعلم کا مطلب بھی بتاتے ہیں۔ یہ الفاظِ خطاب استدلال میں زور پیدا کرنے کے لئے ایسے مواقع پر استعمال ہوتے ہیں جب کلام کرنے والا کسی معروف ومعلوم اور صریح و قطعی امر کی طرف توجہ دلا رہا ہو۔ اس توجہ دہانی کا منشا ہوتا ہے سمجھانا، عبرت دلانا اور نصیحت پذیری پر مائل کرنا۔ پھر یہ الفاظ اگرچہ علم الصرف کے اعتبار سے فردِ واحد سے خطاب کا کام دیتے ہیں، لیکن عموماً انکا روئے سخن تنہا مخاطب کی طرف نہیں ہوتا بلکہ غیر معین افراد کی طرف ہوتا ہے۔

مثال کے لئے پارۂ عم اٹھائیے:-

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ — کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب
رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ — نے اصحابِ فیل کیساتھ کیا کیا؟

اس کے بعد استفہام ہی کے ذیل میں اللہ تعالےٰ مختصراً اصحابِ فیل کا واقعہ بھی بیان فرمادیتا ہے کہ تیرے رب نے ان کا داؤ بیکار کردیا اور ان پر پرندوں کے پرے بھیجے جنھوں نے پتھریلی کنکریاں مار مار کر انکا بھس بنا دیا۔

اصحابِ فیل کا واقعہ ایک ایسا معلوم ومع واقعہ تھا جو عرب کے بچے بچے کو معلوم تھا۔ سب ج تھے کہ یمن کا حاکم ابرہہ ہاتھیوں کی فوج لیکر بیت کو ڈھانے چلا تھا۔ اہلِ عرب میں یہ بل بوتا نہیں تھا کہ اس کے آڑے آتے۔ جس نے مزاحمت کی پیس گیا۔ پھر تو سب پریشان وہراساں ہم سادہ سے لئے ہے اور بدنہادوں کا فیل ساماں لشکر مکہ کے قریب گیا۔ اب اللہ کی قدرت دیکھئے کہ ننھے ننھے پرن ان شریروں کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا اور ا نے اپنی چونچوں اور پنجوں سے وہ کنکریاں برسا اصحابِ فیل چھلنی ہو کے رہ گئے۔ یہ گویا اللہ کی طر انسانی غرور کو تنبیہ کی گئی تھی کہ نادانو! کوہ پیکر پر مت اتراؤ۔ ہم چاہیں تو ننھے ننھے پرندے بھی تم کے ان پہاڑوں کو چٹکیوں میں مسل سکتے ہیں۔

تو یہ واقعہ تمام اہلِ عرب کو اتنے ہی یقینی طور معلوم تھا جیسے آنکھوں سے دیکھا ہو۔ اسی لئے اللہ الم تر کہہ کر اس کی یاد دہانی کرائی جس کا مقصو کو عبرت دلانا اور اپنی قوت وقدرت پر متوجہ کرنا اور ظاہر ہے کہ روئے سخن سبھی کی طرف تھا نہ کہ تنہا کی طرف۔ خود پیغمبر تو راہِ حق پر تھے ہی۔ ان کا تو شب و روز یہی کام تھا کہ کفار ومشرکین کو اطاعت کی دعوت دیں۔ اس کی قوت وقدرت کا احسا دلائیں۔ وہ شخص دیوانہ ہی ہوگا جو یوں سمجھے کہ الم کہہ کر بس حضورؐ ہی کو اصحابِ فیل کا واقعہ یاد دلانا

اور دیکھئے:-

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ — کیا تو نے نہیں دیکھا تیر
بِعَادٍ — عاد کے ساتھ کیا کیا؟

آگے ثمود اور فرعون کا ذکر بھی اسی الم تر کے ت فرمایا گیا ہے اور مختصراً بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں نے ز

بڑا فساد پھیلایا تھا جس کی پاداش میں اللہ نے ان پر عذاب کا کوڑا گھما دیا۔

عاد، ثمود اور فرعون کے بارے میں بھی اہلِ عرب متواتر روایات کے ذریعہ یہ آگاہی رکھتے تھے کہ یہ لوگ اور ان کی قومیں بڑے زور و قوت اور دبدبہ و حشمت کی مالک ہو گزری ہیں۔ انھوں نے بڑی عیاشیاں کی تھیں، بڑے مظالم ڈھائے تھے۔ پھر اچانک یہ ملیامیٹ ہو گئیں۔

اسی آگاہی کے پیشِ نظر اللہ نے ان کا بھی تذکرہ الم تر کے تحت کیا اور کھلی بات ہے کہ روئے سخن تمام سامعین کی طرف تھا نہ کہ رسول اللہ کی طرف یہ اور اس جیسے دوسرے واقعات اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مزیدار کہانیوں کی حیثیت میں نہیں سنائے، بلکہ تمام سرکشوں کو بطورِ وعظ و نصیحت سنائے ہیں۔

فرمائیے کس گوشے سے وہ الجھن ابھرتی ہے جس کا آپ نے شکوہ کیا؟ قرآن ہی میں ایک جگہ تو صرفی قواعد ہی سے اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ الم تر سے خطاب فی الاصل پیغمبر ہی سے نہیں ہے بلکہ سب سے ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَافِی الْاَرْضِ (حج)	کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے زمین کی تمام چیزوں کو تمھارے لئے مسخر کر دیا

ملاحظہ فرمائیے۔ روئے سخن سب کی طرف نہ ہوتا تو لَکُمْ کیوں کہتے۔ الم تر کی مناسبت سے لَکَ فرماتے یا لَھُمْ ارشاد ہوتا۔ لکم کہا تو از روئے صرف ہی ثابت ہو گیا کہ مخاطب سب ہیں فردِ واحد نہیں۔

جب یہ حقیقت واضح ہو گئی تو اس تجدد و بانہ وسوسے کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی کہ الم تر سے مراد رسول اللہ کی رویت ہے اور اس رویت کے بطن سے علم غیب کا شوشہ نکلتا ہے! الم تر قرآن میں بہت جگہ آیا ہے۔ مترجم قرآن دیکھ ڈالئے۔ کسی بھی مقام پر ابہام و اشتباہ کا سرا ہاتھ نہ آئے گا — اِلّا یہ کہ آپ کا ذہنی توازن ہی برباد ہو جائے۔

آئیے الم تر تعلم کو بھی دیکھیں۔ یہ قرآن میں صرف چار مرتبہ آیا ہے۔ لہٰذا چاروں پر نظر ڈالے لیتے ہیں

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البقرہ)	کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہی یقیناً ہر شے پر قادر ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہی کے لئے زمین آسمان کی سلطنت ہے۔

\+ \+ \+ \+

یہ دو مرتبہ ہوا۔ غور کر لیجئے یہاں آپ کی الجھن کے لئے کیا گنجائش ہے؟

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (مائدہ) فرمائیے کیا اس میں غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کے لئے کوئی الجھن پیدا کرنے والا نکتہ پوشیدہ ہے؟

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَافِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (حج)	کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ آسمان و زمین کی ہر شے سے باخبر ہے۔

بس یہ تھے چار مقامات جہاں الم تعلم کا اندازِ خطاب اختیار فرمایا گیا۔ ہے کوئی امکان اس بات کا کہ کوئی شخص صحیح الدماغی کی حالت میں ان سے ایسے مطالب اخذ کرنے لگے جن کے نتیجے میں غیر اللہ کے علم غیب کی نفی والی آیات یاد آ آ کر اسے حیرت اور الجھن میں مبتلا کریں۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ عقل و ہوش کی سلامتی کے عالم میں اس کا کوئی امکان نہیں ہے اور جو شخص اس وہم میں گرفتار ہوتا ہے اس پر قرآن کا یہ فرمودہ صادق آتا ہے:-

یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔	جو اس کھو دیئے ہیں اس کے شیطان نے لپٹ کر۔

آپ خدا کے لئے بریلویوں کے چکر میں نہ پڑیئے ورنہ سوجھ بوجھ ملیامیٹ ہو کے رہ جائے گی۔

سوال ۵۱: — از عثمان تبسم کراچی سابق مدیر مسلم بلیٹن — وطن — انقلاب

حضرت سعد بن عبادہؓ

"اسلام کا شورائی نظام" کے عنوان سے ایک سلسلۂ مضمون

مولانا سید جلال الدین صاحب انصری عمری کا رسالہ "میثاق" کے جنوری نمبر میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں صفحہ ۴۹ پر یہ بتایا گیا ہے کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جب اکابرِ اُمت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو صرف ایک صحابی حضرت سعد بن عبادہؓ کے سوا تمام کے تمام نے بیعت کر لی۔ مولانا کے الفاظ یہ ہیں:۔

"تاریخ میں صرف سعد بن عبادہؓ کا ایک ایسا نام ملتا ہے جنھوں نے اپنی وفات تک کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی حتیٰ[1] کہ عام مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز تک نہیں پڑھتے تھے۔ نظم جماعت کی پابندی پر طاقت کے ذریعہ انھیں مجبور کرنا خلافِ مصلحت تھا، اس لئے انھیں ان کے حال پر رہنے دیا گیا۔" (الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱)

یہ حضرت سعد بن عبادہؓ جیسے جلیل القدر صحابیِ رسول کے ساتھ بے حد زیادتی اور سخت ناانصافی ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ ان جاں نثار اور عاشقانِ رسول میں سے ہیں جو انصاروں کے ایک بااقتدار قبیلے کے سردار تھے اور جنھوں نے رسولِ کریمؐ اور مہاجرین کی زبردست اعانت کی تھی اور جن کی اسلامی خدمتیں تواریخ میں نمایاں ہیں۔ ایسے ایک مشہور صحابی کو اس قدر بدنما رنگ میں پیش کرنا نہ صرف بہت بڑی جسارت ہے، بلکہ تاریخ کا چہرہ مسخ کرنا ہے۔ یہی سعد بن عبادہ ہیں جو جنگِ بدر کے موقعہ پر انصار کی طرف سے پُرجوش تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"ہم اللہ اور اس کے رسول اور حفاظتِ اسلام کی خاطر دشمنوں سے آخری قطرۂ خون تک لڑینگے اور آپ حکم کریں گے تو سمندر میں کود پڑیں گے۔"

حقیقت یہ ہے کہ مولانا جلال الدین صاحب نے صحیح تاریخ کا مطالعہ نہیں فرمایا ورنہ ایک جلیل القدر صحابی پر ایسا اتہام لگانے کی جسارت نہ کرتے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں پیش پیش تھے۔

اس کے بعد وہ شام چلے گئے اور سفر ہی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ انتقال کا سال ۱۵ھ ہے۔

بیعت نہ کرنے اور ساری زندگی مسجدِ نبوی میں جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے! اسی سال تو ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ نماز باجماعت جیسا ایک اہم رکنِ دین ان سے ترک ہو جائے یہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی فضیلت پر ایک قسم کا حرف ہے۔ اس واقعہ (سقیفہ بنی ساعدہ) کی اصلی حقیقت "الاستیعاب" جلد ثانی صفحہ ۵۹۸ و ۵۹۹ پر ملاحظہ ہو۔

امید ہے کہ آپ اپنے رسالہ کے آئندہ نمبر میں اس غلط واقعہ کی تصحیح فرمادیں گے۔

جواب[15]:۔

بہتر تو یہ تھا کہ یہ مکتوب "میثاق" ہی کو بھیجا جاتا اور اسی میں چھپتا۔ تاہم معاملہ چونکہ ایک ذی مرتبہ صحابی کا ہے اس لئے تجلی اس کی اشاعت اور اس پر اظہارِ رائے میں بخل نہیں برت سکتا۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کے بیعت کرنے نہ کرنے کے معاملہ میں محض "الامامۃ والسیاسۃ" ہی کے مصنف کو دھوکا نہیں لگا ہے، بلکہ اس باب میں بہت سے اساطین و اکابر بھی نہ کرنے ہی کی رائے رکھتے ہیں۔ مثلاً ابن اثیر جزریؒ بھی اپنی اُسد الغابہ میں یہی کہتے ہیں کہ سعد بن عبادہؓ نے نہ ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کی نہ حضرت عمرؓ کی اور شام کی طرف رخصت ہو گئے۔ حافظ ابن حجرؒ جیسے بحرِ روایت کے شناور بھی اپنی الاصابہ میں اسی شہرت یافتہ بات کو صحیح تسلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت سعدؓ بیعت سے دامن کش رہے تھے۔ ابن عبدالبرؒ بھی اسی کے ہمنوا ہیں اور العقد الفرید میں تو کلبی سے یہاں تک مروی ہے کہ ایک شخص نے سعد بن عبادہؓ کو قتل ہی اس لئے کیا کہ وہ بیعت کا شدت سے انکار کرتے تھے۔

حاصل یہ کہ جو شخص بھی غیر معمولی فکر و تفحص اور بے حد

[15] عجیب بات ہے کہ مستفتی صاحب اپنی پیش فرمودہ تفصیل کیلئے "الاستیعاب" کا حوالہ مع صفحہ پیش کر رہے ہیں حالانکہ یہ ابن عبدالبرؒ کی کتاب ہے، اور اسمیں سعد بن عبادہؓ کے بیعت نہ کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ سنِ وفات بھی ۱۵ھ اختیار کیا گیا ہے اور ۱۴ھ اور ۱۱ھ کو مرجوح قرار دیا ہے۔ (الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۹۹ مطبوعہ دائرۃ المعارف۔ حیدرآباد دکن۔

نج کاوی کے بغیر پہلی خلافتِ راشدہ پر قلم اُٹھائیگا وہ آسانی سے یہ باور کر سکتا ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے بیعت نہیں کی تھی اور سید عمری صاحب اگر اسی کو امرِ واقعہ سمجھ بیٹھے ہیں تو اس میں نہ حیرت کی کوئی بات ہے نہ اسے اتہام تراشی کہا جا سکتا ہے۔ ابن تیمیہؒ جیسے محقق بھی بیعت نہ کرنے کا قول کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا امزاج صحابہؓ کے معاملہ میں کچھ اور ہی قسم کا ہے۔ ہم نہیں پسند کرتے کہ کسی بھی صحابیؓ پر اگر کوئی سخت الزام آ رہا ہو تو اسے آسانی سے قبول کر لیں۔ تحقیق و تفتیش میں کما حقہٗ سر کھپانے کے بعد اگر صفائی کی کوئی بنیاد ہاتھ نہ آئے تب تو مجبوری ہے لیکن بنیاد ہاتھ آجائے تو حتی الوسع اسے دانتوں میں پکڑنا چاہئے۔ یہ بات جسے غیر علمی محسوس ہو وہ اپنے طرزِ فکر کا مختار ہے۔ ہم بہر حال یہی کہیں گے کہ سعد بن عبادہؓ کوئی معمولی صحابی نہیں تھے — بعض مورخین تو انھیں بدریین میں شامل کرتے ہیں۔ بخاری بھی اسی کے مؤید ہیں۔ بدری نہ ہوں تب بھی ممتاز صحابہ میں ان کا شمار ہے۔ وہ باتیں جنھیں عمری صاحب نے "الامامۃ والسیاسۃ" کے اعتماد پر پورے وثوق سے بیان کر دیا ہے بڑی مکروہ ہیں۔ ان پر مکمل یقین کرنے سے قبل ضرورت تھی کہ موصوف قلم روک کر تاریخ و آثار کی اور کتابیں بھی دیکھتے اور دل کی تڑپ کے ساتھ اس کنج کاوی میں پڑتے کہ کہیں ایسا تو نہیں ایک صحابیِ جلیل کو خلافِ واقعہ طور پر مجرم قرار دے دیا گیا ہو۔ طبری کی تاریخ قدیم تر ماخذ میں سے ہے اسے تو دیکھ ہی لینا چاہئے تھا۔ دیکھتے تو ضرور مل جاتا کہ اس کی ایک روایت میں سعدؓ کے بیعت کرنے کا ذکر بالکل صریح و واضح ہے۔

تتابع القوم علی البیعۃ — قوم نے بیعتِ ابوبکرؓ میں ایک دوسرے کی پیروی کی اور سعدؓ نے بھی بیعت کی
وبایع سعد (ج ۳ ص ۴۵۹)

طبری ہی کی ایک اور روایت میں خود سعد بن عبادہؓ کی زبانی ان کی بیعت کا اعتراف موجود ہے (جلد ۲ صفحہ ۴۶) اور یہ بھی موجود ہے کہ اگر انھوں نے بیعت نہ کی ہوتی تو لوگ انھیں شام جانے کے لئے زندہ چھوڑنے والے نہ تھے۔ اس روایت کا انداز ایسا ہے جیسے انھوں نے با دلِ ناخواستہ بیدلی سے بیعت کی ہو چلئے یہی سہی۔ تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ آخر حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی تو روایتیں یہی تاثر دیتی ہیں کہ ابوبکرؓ سے ان کی بیعتیں اُس خوش دلی اور رضا و رغبت کی حامل نہ تھیں جس کا مظاہرہ باقی تمام قوم کی بیعت سے ہوا تھا۔ جذبوں اور ذہنی کیفیتوں کی گرفت نہیں کی جا سکتی۔ دیکھنا یہ ہے کہ عمل کیا کیا گیا۔ عمل علی و زبیر رضی اللہ عنہما کا بھی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی تھا کہ حکمِ شریعت بجالائے اور بیعت کر لی۔

لیکن اگر مسندِ امام احمد کی روایت پر وثوق کیا جائے — اور یقیناً کرنا چاہئے کیونکہ وزن اور مرتبے کے اعتبار سے یہ عام تاریخی روایتوں کے مقابلہ میں زیادہ قابلِ اعتنا ہے — تو اندازہ ہوتا ہے کہ سعدؓ کی بیعت بیدلی کے ساتھ بھی نہیں تھی بلکہ خوش دلی اور طمانیت ہی کے ساتھ تھی۔ ابن حجر ہیتمی نے اسی روایت کی بنیاد پر اپنی صواعقِ محرقہ میں بیعت نہ کرنے کے تخیل کو غلط قرار دیا ہے۔

داستان سرائی کا مطلب یہ کہ روایات اگر متعارض ہوں تو صحابیت کی جلالتِ شان اور صحابیوں کے بارے میں قرآن و سنت کی متفق علیہ توضیحات کا علم رکھنے والوں کو انھی روایات پر زیادہ اعتماد کرنا چاہئے جن سے صحابیت کا وقار زیادہ سے زیادہ برقرار رہ سکے۔ خلیفۂ برحق کی بیعت سے گریز معمولی جرم نہیں اس کی دنیاوی سزا قتل ہے اور اخروی سزا اللہ ہی کے علم میں ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر حجتِ شرعی کے بیعت سے فرار اور جماعت سے شذوذ و خروج بدترین جرم ہے۔ سعدؓ جیسے ممتاز صحابی کو اگر بعض روایتیں اس بدترین جرم سے پاکدامن ثابت کرنے کا موقع عطا کر رہی ہوں تو اندھی عقیدت کا نہیں بلکہ بصیرت و تفکر اور منطقی شعور اور دلائلِ نفسی ہی کا یہ تقاضا ہے کہ ان

روایتوں پر اعتماد کر لیا جائے اور اُن روایات کو مجروح و مردود قرار دیا جائے جن سے نہ صرف یہ کہ سعد جیسا معظم صحابی مجروح ہوتا ہے، بلکہ باقی تمام اصحابؓ پر بھی حرف آتا ہے کہ انھوں نے سعدؓ کو آزاد چھوڑ دیا اور وہ سزا نہیں دی جس کے وہ مستوجب تھے۔

ہم جانتے ہیں کہ بعد کی خلافتوں میں بعض لوگ بیعت نہ کرنے کے باوجود آزاد چھوڑ دیئے گئے ہیں اور ان سے تعرض ضروری نہیں سمجھا گیا، لیکن وہاں کئی اور زیادہ اہم مصالح موجود تھیں۔ تعرض کی صورت میں نسبتاً بڑے فتنے کا اندیشہ تھا۔ لیکن خلافتِ اوّل میں ایسی کوئی مصلحت مانع نظر نہیں آتی۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا خیر مقدم عوام و خواص نے جس خندہ جبینی، خوش دلی، رغبت اور گرمجوشی کے ساتھ کیا ہے اس کے بعد کوئی اندیشہ ہی نہ تھا کہ پوری قوم کے علی الرغم اگر ایک دو برگزیدہ اشخاص بیعت سے انکار پر جم جائیں تو ان کی گردن اُڑا دینے میں قانون کا ہاتھ کانپنے لگے۔

صحیح تر بات یہی ہے کہ سعدؓ نے بیعت کر لی تھی اور یہ فیصلہ بھی کہ وہ عام مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز تک نہیں پڑھتے تھے قابلِ نظر ہے۔ اس کو تاریخ ثابت نہیں کر سکی ہے بعض ضعیف و منقطع روایات ایسے بڑے الزام کے لئے کافی نہیں سمجھی جا سکتیں۔

لیکن جناب عثمان شبنم صاحب کے یہ الفاظ بھی کہ سعدؓ بیعت کرنے میں پیش پیش تھے صورتِ واقعہ کی محتاط ترجمانی نہیں کرتے۔ نہ یہ دعویٰ فیصلہ کن ہے کہ ان کا انتقال سال ۱۱ھ میں ہو گیا ہے۔ بعض روایات بتاتی ہیں کہ وہ ۱۴ھ یا ۱۵ھ میں راہیِ عدم ہوئے ہیں۔ صاحبِ اُسد الغابہ نے ۱۱ھ کے مقابلہ میں اسی کو ترجیح دی ہے اور اسی لئے بیعت نہ کرنے کے سلسلے میں ابوبکرؓ کے ساتھ عمرؓ کا بھی نام لیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[1]

سوال[۲۶] :۔ از محمد اسرائیل قاسمی۔ شاہ آباد (بہار)

علم الٰہی اور تقدیر

اونچی دوکان اور پھیکا پکوان کے ماتحت جس علمی وقار اور متانت کے ساتھ آپ نے معترض کا جواب دیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ حضرت شہیدؒ کے ارشادات اور معترض کے اعتراضات پر کتنے سلجھے ہوئے فاضلانہ انداز میں بحث کی گئی ہے۔ مگر زیرِ نظر مسئلہ جامع اور مانع ہے یا نہیں یہ ایک چیز توضیح طلب ہے۔ حضرت شہیدؒ کے اسلوبِ نگارش کو عوامی اور اصطلاحی طرزِ نگارش ثابت کرتے ہوئے قرآن پاک کی تین آیتوں سے آپ نے جو استدلال کیا ہے یہ استدلال تو بجائے خود اس مسئلے میں درست معلوم ہوتا ہے مگر اس سے ایک دوسری خلش پیدا ہو جاتی ہے، ممکن ہے اپنی بے مائگی اور کم علمی و کوتاہ نظری اس کا باعث ہو۔ مگر بہرحال خلش ہے۔ آلِ عمران کے چودھویں رکوع کی آیت اور اس کا ہم معنیٰ دوا اور مستدل آیتیں جن کے ظاہری مفہوم سے عدول و اعتراض کر کے تاویلاً یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ کا علم ذاتی ازلی اور ابدی ہے انسانی کردار اور اعمال اور حوادثِ روزگار تک اسکے احاطۂ علم میں ہے اور سب کچھ اسے پہلے ہی سے معلوم ہے

عقیدے کی حد تک تو یہ بات بالکل درست معلوم ہوتی ہے، لیکن یہاں سے ایک دوسری شق بھی پیدا ہو جاتی ہے یہ کہ دنیا کا ہر واقعہ علت ہوا کرتا ہے علم کیلئے اور معلوم و وقوع کو علم سے ذاتی تقدم بھی ہے جب کوئی واقعہ معرضِ وجود میں آتا ہے اس کے بعد اس کا علم ہوتا ہے گویا معلوم و وقوع بیج کا درجہ رکھتا ہے اور علم درخت کا۔ یہ تو انسانی علوم کا حال ہے، لیکن خدا کا علم اس کے برعکس ہے۔ یعنی اسکا علم علت بنتا ہے اور معلوم و وقوع معلول۔ جب اسے کسی بات کا علم ہوا تو اس علم کے نتیجہ میں وہ بات وقوع پذیر ہوئی یا یہ کہا جائے کہ اس نے ازل میں سارے وقائع زمان و مکان کی حدود کے ساتھ متعین کر دیئے تھے۔ یہ بات دنیا کے دوسرے حوادث کے سلسلے میں تو سمجھ میں آتی ہے انسان کی پیدائش، اس کی موت، وقوعِ قیامت، زمین و آسمان کا وجود، زلزلے، طوفان وغیرہ علت علم الٰہی کے

[1] اس جواب سے متعلق "تجلی کی ڈاک" کے خاتمے پر کچھ معروضات اور بھی ملاحظہ فرمائیے (ع)

معلول ہوں ان میں کوئی خلش نہیں، لیکن اگر خلش ہے تو انسانی کردار اور اعمال میں کہ جب اس نے نکوکار اور بدکار متعین کر دیئے ہیں تو پھر اس کی ذمہ دار تعیین الٰہی یا علم خداوندی ہے انسانوں کا کیا قصور؟ اس سے جبرِ مشیت ثابت ہے کہ جو وہ چاہتا ہے ہم سے کراتا ہے ہم کیوں قصوروار اور مجرم ہوں۔ اعتراض اگرچہ پرانا ہی مگر اس کا شافی جواب پرانا یا نیا اب تک نظر سے نہیں گذرا، ذہن میں ہمیشہ یہ خلش رہی، اگرچہ بہت سے لوگوں کے اس اعتراض کا جواب اپنے علم کے مطابق دیتا رہا۔ مگر خود اپنے ضمیر کو تشفی آج تک نہیں ہوئی اور پھر مستدل آیاتِ قرآنیہ میں انسانی اعمال و کردار ہی کے علم سے بحث کی گئی ہے۔ جہاد و صبر کا تعلق اعمال و کردار ہی سے تو ہے، نہ کہ حوادثِ روزگار سے۔

اللہ کا علم قدیم ذاتی، ازلی اور ابدی سب درست مگر انسانی اعمال پر بھی حوادثِ روزگار کی طرح اسے منطبق کر دیا جائے تو انسان مجبورِ محض ثابت ہوتا ہے اور خدا کے عدل و انصاف پر اپنی کم فہمی کے مطابق نشترِ جراحت چل جاتا ہے۔ لہٰذا اس اہم اعتراض سے بچنے کے لئے کیوں نہ انسانی اعمال و کردار کو مستثنیٰ کر دیا جائے کہ اس کا محل وقوع بھی علیحدہ ہے۔ آیاتِ قرآنیہ سے جو صاف و صریح مفہوم سمجھ میں آ رہا ہے اسے اپنی جگہ باقی رکھا جائے تاویل و اعراض کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب کہ اس سے بظاہر کوئی نقصان نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اگر انسان کو اپنے اعمال و کردار میں خود مختار مان لیا جائے تو اس میں کونسی خرابی لازم آتی ہے؟ جب کہ مستدل آیات صاف یہی مفہوم واضح کرتی ہیں، عقلی اعتراض بھی لازم نہیں آتا ذہنی خلش بھی باقی نہیں رہتی اور پھر متعدد بار آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اللہ نے اصطلاحی اسلوب اور ادب و انشاء کی زبان میں سیدھے سادے طریقے سے انسانوں کی سمجھ کے مطابق اپنے علم کا اظہار کیا ہے اسرار و حقائق کی تشریح نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ اسی حد میں اسے کیوں نہ منحصر سمجھا جائے اس سیدھی سادی بات سے فلسفیانہ غامض اور ناقابلِ فہم نکتہ پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

باقی رہی یہ بات کہ اللہ کا علم قدیم ازلی، ابدی، ذاتی وغیرہ ہے تو میرے ناقص خیال میں اس سے علم الٰہی کے ازلی اور ابدی ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ اور نہ اس پر کوئی حرف آتا ہے حوادثِ روزگار کے سلسلے میں خدا کا علم محیطِ کل ہے لیکن انسان چونکہ اپنے اعمال و کردار میں خود مختار ہے اس لئے وقوعِ عمل کے پہلے اس کی لاعلمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں جس آن و جس لمحہ میں انسان سے کوئی عمل سرزد ہوا اسی آن و لمحہ میں اسے اس کا علم ہوگیا یہ بات عقل بھی گوارہ کر لیتی ہے۔ آیاتِ قرآنیہ میں تاویل و اعراض کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ علم الٰہی کی بھی نفی نہیں ہوتی اور نہ میرے خیال میں قرآن کی دوسری آیات سے یہ آیتیں متصادم بھی نہیں ہوتیں نہ حضرت شہیدؒ کے اقوال میں تاویل کی کوئی ضرورت باقی رہتی ہے۔

ہاں حدیث کا وہ فرمان کہ بہت سے لوگ نیک عملی سے جنت کے بالکل قریب ہو جاتے ہیں، لیکن تقدیرِ الٰہی میں ان کا جہنمی ہونا ہوتا ہے تو کوئی ایسی بدعملی ان سے سرزد ہو جاتی ہے جس سے ان کے سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور اسی کے برعکس بہت سے لوگ بدعملی کی وجہ سے جہنم کے قریب پہنچ کر کوئی نیک عمل کر لیتے ہیں اور جنتی ہو جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ قرآن پاک کی آیات جب ناقابلِ فہم ہوتی ہیں، یا جن کے ظاہری مفہوم سے کوئی نقص یا ایراد ہوتا ہے تو اصول و قواعد کی رو سے حسبِ حال اس کی تاویل کر لی جاتی ہے۔ یہی اصول حدیث کے اندر کیوں نہ جاری کئے جائیں جب کہ آیاتِ قرآنی کے واضح اور صاف مفہوم سے متصادم ہو رہی ہے یا اگر کسی تاویل کی بھی گنجائش نہ ہو تو یہ بالکل اصولی بات ہے کہ نصِ قطعی پر

نصِ جلی کو ترجیح کسی صورت نہیں دی جاسکتی۔ جس طرح صدہا مسائل میں یہی اصول کارفرما ہیں اس ایک مسئلے میں بھی کیوں نہ اسے نافذ کر دیا جائے، جب کہ خود قرآن کی زبانی راسخین فی العلم کو اس کی اجازت بھی دی گئی ہے وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم جب کہ بعض ائمہ اصول وتفسیر نے اللہ پر راسخون فی العلم کو عطف مانا ہے۔

بہر حال یہ اپنے خیالات ہیں میں اپنی کم مائیگی کی شدت احساس کے ساتھ یہ عریضہ لکھ رہا ہوں شاید آپ اس پر غور فرمانے کی زحمت گوارہ کریں۔ مجھے خلش ہو رہی ہے کہ اس اہم مسئلے کو جس کا تعلق اہم عقیدے سے ہے اسرارِ الٰہیہ پر محمول کر کے تشفی بخش جواب سے گریز نہ کریں۔ مجھے بارہا حضرت مولانا طیب صاحب سے اس مسئلے کو رجوع کرنے کا خیال ہوا مگر یہی خلش مانع ہوتی رہی کہ شاید اطمنان بخش جواب سے وہ بھی محروم رکھیں۔ اب آپ سے رجوع کر رہا ہوں۔ بڑا احسان ہوگا اگر آپ نے یہ خلش دور کر دی۔ یہ صرف میرے ضمیر کی نہیں بلکہ مجھ جیسے ہزاروں دلوں کی آواز ہے۔

جواب:-

ایک زمانہ تھا جب ہمارے اسلاف اہلِ باطل کے فلسفہ و کلام کے رد میں واجب الوجود، صفاتِ باری، امکانِ کذب اور اسی نہج کے دیگر دقیق وغامض مسائل میں بحثیں کیا کرتے تھے - - - - - - - - - اسوقت یہ بحثیں ضروری تھیں، کیونکہ اہلِ باطل اسی راہ سے اسلام کا تختہ الٹنا چاہتے تھے۔ علماء پر فرض ہوا کہ حریف نے جس رُخ پر جن ہتھیاروں سے حملہ کیا ہے اسی رُخ پر اسی کے دفاعی ہتھیار لے کر پہنچیں اور ثابت کر دیں کہ [illegible] کا کوئی پہلو کمزور نہیں ہے اور اس کے ماننے والے افکار سے ہر میدان میں ڈٹ کر سامنا کر سکتے ہیں۔

لیکن اب جو زمانہ ہے اس میں اس طرح کی بحث بے وقت کی شہنائی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ بحث ونظر کا میدان دوسرا ہے، مسائل دوسرے، آلاتِ حرب دوسرے ہیں۔ طریقِ جنگ دوسرا۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ ہمارے بس جو [illegible] حوالہ آپ نے اپنے [illegible] کا اظہار فرمایا [illegible] ہمیں دعوت [illegible] دی ہے وہ علم باری کی نوعیت [illegible] یا جبر وقدر کی گتھی سلجھانے کے سلسلے میں نہیں پیدا کیا گیا تھا بلکہ اس مقام پر صرف اتنا ہی مولوی احمد رضا خاں نے حضرت تھانوی [illegible] مومن پر غیظ وغضب ساتھ جو خواہ مخواہ کا اعتراض جڑا ہے اس کو صاف کر دیا جائے۔ اب آپ جناب نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان پر اگر ہم تفصیلی گفتگو کرنے بیٹھیں تو بات بہت بڑھ جائے گی اور حاصل اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ بے وقت کی بحث وتمحیص میں صفحات سیاہ ہو جائیں۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ علم باری پر جس رُخ سے آپ نے اظہارِ خیال فرمایا ہے اس رُخ کی گفتگو کا پہلا ہی قدم مسئلہ تقدیر کے میدان میں جا پڑتا ہے اور مسئلہ تقدیر پر بحث کرنا جس قدر خطرناک ہے اس کا اندازہ ذیل کی حدیث سے لگا لیجئے:-

ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک دن	عن ابی ھریرۃ قال

علینا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ونحن
نتنازع فی القدر
فغضب حتی احمر وجھہ
کانما فقئ فی وجنتیہ
الرمان فقال ابھذا
امرتم ام بھذا ارسلت
الیکم انما ھلک من
کان من قبلکم حین
تنازعوا فی ھذا الامر
عزمت علیکم عزمت
علیکم ان لا تنازعوا فیہ
(ترمذی)

تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے تھے کہ رسول اللہ تشریف لے آئے اور اتنے غضبناک ہوئے کہ چہرہ سرخ ہو گیا جیسے آپ کے رخساروں پر انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ پھر فرمایا کہ کیا تمھیں یہی کام سونپا گیا ہے یا مجھے اللہ نے تمہارے پاس اسی بحث کے لئے بھیجا ہے تم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے جب وہ اس طرح کے جھگڑے میں پڑ گئے تمھیں خدا کی قسم تمھیں خدا کی قسم تقدیر کے بارے میں بحث مت کیا کرو۔

اس حدیث کے بعد بحث کی ہمت نہ ہونی چاہئے تھی لیکن ایمان بالقدر چونکہ اہم ترین اساسیاتِ دین سے ہے اس لئے دوستانہ افہام و تفہیم کی سطح پر بہر حال اس سے اعتناء برتنا ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ انسانوں کے افعال و اعمال کی پہلے سے تعیین بظاہر جبریت پر منتج ہوتی ہے اور اہل علم نے پہلے بھی اسے محسوس کیا ہے اور اس پر بحثیں ہوئی ہیں، لیکن سخت دشواری یہ ہے کہ اگر اعمال انسانی کو ارتکاب سے قبل علم باری سے خارج مان لیا جائے تو دوسری طرح کی الجھنیں سامنے آتی ہیں۔ غور میں بھی کر رہا ہوں آپ بھی کیجئے۔

بعض مسائل ایسے ہیں ـــ اور انھی میں سے یہ تقدیر کا مسئلہ بھی ہے کہ ان میں عقل کے پر جلتے ہیں۔ شاید ضرورت کے تحت اسلاف نے اس مسئلہ کے ایک ایک پہلو پر گفتگو کی ہے اور آج بھی علماء کی ایسی کتابیں نایاب نہیں ہیں جن میں انھوں نے اپنے امکان کی حد تک اس مسئلہ کی گتھیاں سلجھانے کی کوششیں کی ہیں، لیکن کہنا پڑتا ہے کہ عقل و منطق کی چھان بین کا دروازہ کسی سے بند نہیں ہو سکا۔ نہ ہو سکتا ہے۔ علم باری، تقدیر اور جبر و اختیار سب ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں۔ انسان کی محدود عقل ان میں سے ایک کڑی کا بھی احاطہ نہیں کر سکتی پھر اس کی تشفی ہو تو کیونکر ہو اور سوال در سوال کا سلسلہ رکے تو کیسے رکے۔ واحد اور یقیناً واحد راستہ یہی ہے کہ عقل کو بالائے طاق رکھ کر بس انھی سانچوں میں اعتقاد کو ڈھال لیا جائے جو اللہ اور رسول نے معین فرما دیئے ہیں۔

اب اندازہ فرمائیے کہ جن آیات و احادیث میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ تقادیر پہلے ہی لکھی جا چکیں کیا ان کا منشاء یہ ہو سکتا ہے کہ جملہ کائنات کے واقعات و حوادث تو قلم بند کر دیئے گئے، مگر اسی مخلوق ـــ انسان ـــ کی تقدیر قلمبند نہیں کی گئی جس کے لئے یہ ساری کائنات تخلیق کی گئی ہے؟ جس صورت کو آپ نے پسندیدہ قرار دیا ہے یعنی یہ کہ اللہ کو انسانوں کے اعمال کا علم اسی وقت ہو جب وہ ظہور میں آ رہے ہوں ظہور و ارتکاب سے قبل علم نہ ہو تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ لوحِ تقدیر میں کہیں انسان کا بھی مذکور ہوگا؟ یہ مضحکہ خیز حد تک عجیب بات کیا علم و فہم قبول کرتے ہیں؟

ویسے بھی آپ سوچئے طبعی تغیرات و حوادث کو چھوڑ کر دنیا کے تمام ہی ہنگامے اور واقعات و حوادث انسانوں ہی کے اعمال و افعال کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جب انسانوں کے فعل و عمل کا علم باریتعالیٰ کو پہلے سے نہ ہو تو ان کے ثمرات و نتائج کے طور پر ظہور میں آنے والے احوال و کوائف کے علم کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ پھر کیا چیز تقدیر میں لکھی گئی ہوگی؟ یوں کہئے پھر تو نوشتۂ تقدیر ماہ و انجم اور دیگر نوامیس فطرت ہی تک محدود ہوگا انسان اور عالمِ انسانی کے لئے اس میں کچھ بھی نہ ہوگا۔ یہی حقیقت ہوتی تو اُس تقدیر پر ایمان لانے کو اسلام نے بنیادی عقائد میں داخل کرنے کے کوئی معنی نہیں تھے جس میں خود انسان اور اس کی عملی دنیا کا مذکور نہیں ہے۔

یہ خیال بھی آپ کا درست نہیں معلوم ہوتا کہ علم الٰہی کے

نصِ جلی کو ترجیح کسی صورت نہیں دی جا سکتی۔ جس طرح صدہا مسائل میں یہی اصول کار فرما ہیں اس ایک مسئلے میں بھی کیوں نہ اسے نافذ کر دیا جائے، جب کہ خود قرآن کی زبانی راسخین فی العلم کو اس کی اجازت بھی دی گئی ہے وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم جب کہ بعض ائمہ اصول و تفسیر نے اللہ پر راسخون فی العلم کو عطف مانا ہے۔

بہر حال یہ اپنے خیالات ہیں میں اپنی کم مائیگی کی، شدتِ احساس کے ساتھ یہ سطریں لکھ رہا ہوں شاید آپ اس پر غور فرمانے کی زحمت گوارا کریں۔ مجھے قلق ہو رہی ہے کہ اس اہم مسئلے کو جس کا تعلق اہم عقیدے سے ہے اسرار الٰہیہ پر محمول کر کے تشفی بخش جواب سے گریز کریں۔ مجھے بارہا حضرت مولانا طیب صاحب سے اس مسئلے کو رجوع کرنے کا خیال ہوا مگر یہی خلش مانع ہوتی رہی کہ شاید اطمینان بخش جواب سے وہ بھی محروم رکھیں۔ آپ سے رجوع کر رہا ہوں۔ بڑا احسان ہوگا اگر آپ نے یہ خلش دور کر دی۔ یہ صرف میرے ضمیر کی نہیں بلکہ مجھ جیسے ہزاروں دلوں کی آواز ہے۔

جواب:-

ایک زمانہ تھا جب ہمارے اسلاف اہلِ باطل کے فلسفہ و کلام کے رد میں واجب الوجود، صفاتِ باری، امکانِ کذب اور اسی نہج کے دیگر دقیق و غامض مسائل میں بحثیں کیا کرتے تھے ---------- اس وقت یہ بحثیں ضروری تھیں، کیونکہ اہلِ باطل اسی راہ سے اسلام کا تختہ الٹنا چاہتے تھے۔ علماء پر فرض ہوا کہ حریف نے جس رُخ پر جن ہتھیاروں سے حملہ کیا ہے اسی رُخ پر اسی معیار کے دفاعی ہتھیار لے کر پہنچیں اور ثابت کر دیں کہ دینِ حق کا کوئی پہلو کمزور نہیں ہے اور اس کے ماننے والے باطل افکار سے ہر میدان میں ڈٹ کر سامنا کر سکتے ہیں۔

لیکن اب جو زمانہ ہے اس میں اس طرح کی بحثیں بے وقت کی شہنائی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ آج بحث و نظر کا میدان دوسرا ہے۔ مسائل دوسرے ہیں۔ آلاتِ حرب دوسرے ہیں۔ طریقِ جنگ دوسرا ہے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ ہمارے [illegible] حوالے سے آپ نے اپنے [illegible] کا اظہار فرماتے ہوئے ہمیں [illegible] ہے وہ جواب علمِ باری کی نوعیت متعین کرنے یا جبر و قدر کی گتھی سلجھانے کے سلسلے میں نہیں سپردِ قلم کیا گیا تھا بلکہ اس کا مقصود صرف اتنا تھا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حضرت شاہ [illegible] جیسے مردِ مومن پر غیظ و غضب کے ساتھ جو خواہ مخواہ کا اعتراض جڑا ہے اس کو صاف کر دیا جائے۔

اب آپ نے [illegible] جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان پر اگر ہم تفصیلی گفتگو کرنے بیٹھیں تو بات بہت بڑھ جائے گی اور حاصل اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ بے وقت کی بحث و تمحیص میں صفحات سیاہ ہو جائیں۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ علمِ باری پر جس رُخ سے آپ نے اظہارِ خیال فرمایا ہے اس رُخ کی گفتگو کا پہلا ہی قدم مسئلہ تقدیر کے میدان میں جا پڑتا ہے اور مسئلہ تقدیر پر بحث کرنا جس قدر خطرناک ہے اس کا اندازہ ذیل کی حدیث سے لگا لیجئے:-

عن ابی ھریرۃ قال	ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک دن

ج علینا رسول اللہ
اللہ علیہ وسلم ونحن
نازع فی القدر
ب حتی احمر وجھہ
کانما فقئ فی وجنتیہ
رمان فقال ابھذا
رتم ام بھذا ارسلت
یکم انما ھلک من
ان من قبلکم حین
ازعوا فی ھذا الامر
مت علیکم عزمت
یکم ان لا تنازعوا فیہ
(ترمذی)

تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے تھے کہ رسول اللہؐ تشریف لے آئے اور اتنے غضبناک ہوئے کہ چہرہ سُرخ ہوگیا جیسے آپ کے رخساروں پر انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ پھر فرمایا کیا تمھیں یہی کام سونپا گیا ہے یا مجھے اللہ نے تمہارے پاس اسی بحث کے لئے بھیجا ہے تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوگئے جب وہ اس طرح کے جھگڑے میں پڑ گئے تمھیں خدا کی قسم تمھیں خدا کی قسم تقدیر کے بارے میں بحث مت کیا کرو۔

اس حدیث کے بعد بحث کی ہمت نہ تو مجھے کرنی چاہئے آپ کو۔ لیکن ایمان بالقدر چونکہ اہم ترین اساسیاتِ دین میں سے ہے اس لئے دوستانہ افہام و تفہیم کی سطح پر بہر حال اس سے اعتنا برتنا ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ انسانوں کے جملہ افعال و اعمال کی پہلے سے تعیین بظاہر جبریت پر منتج ہوتی ہے اور اہلِ علم نے پہلے بھی اسے محسوس کیا ہے اور اس پر بحثیں ہوئی ہیں، لیکن سخت دشواری یہ ہے کہ اگر اعمالِ انسانی کو ارتکاب سے قبل علم باری سے خارج مان لیا جائے تو دوسری طرح کی الجھنیں سامنے آتی ہیں۔ غور میں بھی کر رہا ہوں آپ بھی کیجئے۔

بعض مسائل ایسے ہیں — اور انھی میں سے یہ تقدیر کا مسئلہ بھی ہے کہ ان میں عقل کے پر جلتے ہیں۔ شدید ضرورت کے تحت اسلاف نے اس مسئلہ کے ایک ایک پہلو پر گفتگو کی ہے اور آج بھی علماء کی ایسی کتابیں نایاب نہیں ہیں جن میں انھوں نے اپنے امکان کی حد تک اس مسئلہ کی گتھیاں سلجھانے کی کوششیں کی ہیں، لیکن کہنا پڑتا ہے کہ عقل و منطق کی چناں چنیں کا دروازہ کسی سے بند نہیں ہو سکا۔ نہ ہو سکتا ہے۔ علمِ باری، تقدیر اور جبر و اختیار سب ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں۔ انسان کی محدود عقل ان میں سے ایک کڑی کا بھی احاطہ نہیں کر سکتی پھر اس کی تشفی ہو تو کیونکر ہو اور سوال در سوال کا سلسلہ رُکے تو کیسے رُکے۔ واحد اور یقیناً واحد راستہ یہی ہے کہ عقل کو بالائے طاق رکھ کر بس اُنھی سانچوں میں اعتقاد کو ڈھال لیا جائے جو اللہ اور رسول نے معیّن فرما دیئے ہیں۔

اب اندازہ فرمائیے کہ جن آیات و احادیث میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ تقدیریں پہلے ہی لکھی جا چکیں کیا ان کا منشاء یہ ہو سکتا ہے کہ جملہ کائنات کے واقعات و حوادث تو قلم بند کر دیئے گئے، مگر اسی مخلوق — انسان — کی تقدیر قلمبند نہیں کی گئی جس کے لئے یہ ساری کائنات تخلیق کی گئی ہے؟ جس صورت کو آپ نے پسندیدہ قرار دیا ہے یعنی یہ کہ اللہ کو انسانوں کے اعمال کا علم اسی وقت ہو جب وہ ظہور میں آ رہے ہوں ظہور و ارتکاب سے قبل علم نہ ہو تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ لوحِ تقدیر میں کہیں انسان کا بھی مذکور ہوگا؟ یہ مضحکہ خیز حد تک عجیب بات کیا علم و فہم قبول کرتے ہیں؟

ویسے بھی آپ سوچئے طبعی تغیرات و حوادث کو چھوڑ کر دنیا کے تمام ہی ہنگامے اور واقعات و حوادث انسانوں ہی کے اعمال و افعال کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جب انسانوں کے فعل و عمل کا علم باریتعالیٰ کو پہلے سے نہ ہو تو ان کے ثمرات و نتائج کے طور پر ظہور میں آنے والے احوال و کوائف کے علم کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ پھر کیا چیز تقدیر میں لکھی گئی ہوگی؟ یوں کہیئے پھر تو نوشتۂ تقدیر ماہ و انجم اور دیگر نوامیسِ فطرت ہی تک محدود ہوگا انسان اور عالمِ انسانی کے لئے اس میں کچھ بھی نہ ہوگا۔ یہی حقیقت ہوتی تو اُس تقدیر پر ایمان لانے کو اسلام کے بنیادی عقائد میں داخل کرنے کے کوئی معنی نہیں تھے جس میں خود انسان اور اس کی عملی دنیا کا مذکور نہیں ہے۔

یہ خیال بھی آپ کا درست نہیں معلوم ہوتا کہ علم الٰہی کے

متعلق آپ کا پسند فرمودہ عقیدہ کسی آیتِ قرآنی سے متصادم نہیں۔ آئیے تفحص کر کے دیکھیں۔

سورۂ صٰفّٰت میں ہے:۔

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○	اللہ ہی نے تمھیں بھی پیدا کیا اور اسے بھی جو تم کرتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اگرچہ یہ قول ایسے موقع پر کیا ہے کہ عمل کی بجائے معمول ان کا مقصود بنتا ہے، لیکن بہرحال قرآن کے الفاظ تو تعملون ہی ہیں اور ان کا ترجمہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ جو کچھ تم عمل کرتے ہو اس کا بھی خالق اللہ ہی ہے۔

اس کے علاوہ اللہ کے لئے کئی جگہ خَالِقُ کُلِّ شَیْئٍ کے الفاظ قرآن میں موجود ہیں۔ کیا انسانی اعمال و افعال کو "شے" کے دائرے سے خارج سمجھنا چاہئے۔ اگر نہیں تو یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ اعمالِ انسانی سے وہ اسی وقت آگاہ ہوا جب وہ قوت سے فعل میں آ گئے۔ "خلق" کے لئے پہلے ارادہ ضروری ہے تبھی کوئی چیز خلق کی جا سکے گی۔ جب یہ یقین کر لیا جائے کہ اعمال کا علم ارتکاب ہی کے وقت ہوا تو واحد مطلب یہ ہوگا کہ ان کا خالق اللہ نہیں ہے بلکہ مکمل طور پر یہ مرتکبین ہی خالق ہیں۔ انھی کے ارادے سے اعمال ظہور میں آئے ہیں اور اللہ کا کوئی تعلق ان کی پیدائش سے نہیں ہے۔ ہوتا تو وہ پہلے ارادہ کرتا پھر یہ ظہور میں آتے۔ ظہور چاہے معاً ہی ہو مگر ارادہ و ظہور کی منطقی ترتیب میں بہرحال ارادے ہی کو اولیت اور تقدم حاصل ہے۔

سورۂ نساء میں فرمایا گیا ہے کہ جب رسول اللہؐ اور اصحابؓ کو فتوحات ہوتی تھیں تو منافقین کہا کرتے تھے کہ یہ تو اللہ کی طرف سے ہیں اور جب نقصان و ہزیمت سے واسطہ پڑتا تو رسول اللہؐ کو الزام دیتے کہ یہ آپ کی بے تدبیری کا ثمرہ ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ رسول اللہؐ سے فرماتے ہیں:۔

قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ	کہدے کہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے

آگے فرماتے ہیں:۔

مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ	تجھے اگر کوئی بھلائی پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچے تو تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

\+ + + +

اس آیت سے یہ تو صاف ہی معلوم ہو گیا کہ جن اعمال پر حَسَنَۃ کا اطلاق ہوتا ہو یا جن کے نتائج پر حسنۃ کا اطلاق ہو سکے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ تو اگر بات وہی ٹھیک ہو کہ انسان اپنے اعمال میں اس حد تک مختار ہے کہ ارتکاب سے قبل ان کا علم تک اللہ کو نہیں ہوتا تو کوئی بھی عمل یا اس کا منطقی و طبعی نتیجہ اللہ کی طرف سے کیسے مانا جائے گا۔ رہے وہ اعمال جن پر یا جن کے ثمرات پر سیّئۃ کا اطلاق ہو تو ان سے یہاں بحث نہیں حقیقت میں تو خَالِقُ کُلِّ شَیْئٍ ان کا بھی خالق ہے۔ جیسا کہ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ سے ظاہر ہے۔ لیکن بندوں کے معیارِ ادب و تعظیم کا لحاظ کرتے ہوئے سیّئات کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جا سکتی۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے:۔

الخیر بیدك والشرّ لیس الیك۔	(حضورؐ نے اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا) خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور شر تیری طرف منسوب نہیں ہے۔

\+ + + +

\+ + + +

یہ نہیں فرمایا کہ والشرّ لیس بیدك (شر تیرے ہاتھ میں نہیں ہے) ثابت ہوا کہ خالق حقیقی تو ہر عمل کا اللہ ہی ہے، لیکن شر کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جا سکتی، کیونکہ شر وہ ہے جس سے اللہ نے منع فرمایا۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنی تکوینی مصالح کے تحت خود کر رہا ہے وہ اس کی نسبت سے شر کیسے کہلا سکتا ہے۔ وہ تو محض ایک مخلوق ہے۔ اسی لئے کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ فرمایا گیا

سورۂ انعام میں فرمایا گیا ہے:۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ — اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو

اسی ایک فقرے سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کون کیا حرکتیں کرے گا۔ اگر کہا جائے کہ فقرے کا حاصل تو یہ ہے کہ جو لوگ ارتکابِ ظلم کر چکے ان کے ظالمانہ افعال پر اللہ مطلع ہے اور یہ اطلاع بعد ارتکابِ ظلم ہوتی ہے نہ کہ قبل۔ تو اگلی آیات اسکا ساتھ نہیں دیتیں۔ اسی فقرہ پر عطف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ "اور اسی (اللہ ہی) کے پاس ہیں اس غیب کی کنجیاں جسے کوئی نہیں جانتا ہے جو کچھ بحر و بر میں ہے اور نہیں جھڑتا کوئی پتا مگر اسے اس کی خبر ہے اور نہیں ہے کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں اور نہ کوئی ہری یا سوکھی چیز مگر وہ سب لوحِ محفوظ میں درج ہے۔"

تو معلوم ہوا کہ ظالمین کا حال بھی لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ جن افعال کی وجہ سے کچھ لوگ ظالم کہلاتے ہیں وہ افعال ہی پہلے سے اللہ کے علم میں نہ ہوں تو ان کا ظالم ہونا کیونکر لوحِ محفوظ میں درج ہو جائے گا۔

سورۂ تکویر میں ہے:۔

وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ — تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے جبتک کہ اللہ پروردگارِ عالم ہی نہ چاہئے۔

اس آیت سے بھی انسان کے لئے اس آزادیِ کامل اور اختیارِ مکمل کی نفی ہوتی ہے جسے آپ نے پسند فرمایا ہے۔

سورۂ حدید میں ہے:۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۙ لِّـكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰٮكُمْ — کوئی مصیبت نہیں پہنچتی زمین میں نہ تمہارے نفوس میں جسے اس کی آفرینش سے پہلے ہی ایک کتاب میں محفوظ نہ کر دیا گیا ہو یقیناً یہ اللہ کیلئے سہل ہے۔ تاکہ تم غم نہ کھایا کرو اس پر جو ہاتھ نہ آسکا، اور اکڑا نہ کرو اس پر جو تمہیں اللہ نے دیا۔

+ + + +

فی الارض سے بیشک آفاتِ کونی و طبعی مثلاً طوفان، زلزلہ، قحط وغیرہ مراد لے لیجئے لیکن فی انفسکم سے سوائے اس کے کیا مراد لی جاسکتی ہے کہ تمام افراد کی انفرادی مصیبتیں بھی لوحِ محفوظ میں درج ہیں اور ان کا خالق اللہ ہی ہے۔ زید کے چھرا بھونک دیا گیا۔ یہ شخصی و انفرادی مصیبت ہے۔ اگر اللہ کو پہلے سے علم نہ تھا کہ طلحہ سے چھرا بھونکنے کا عمل صادر ہوگا تو کیسے یہ مصیبت لوحِ محفوظ میں درج ہوتی۔ انسان اپنے فعل و عمل میں اس حد تک مختارِ کل ہو کہ ارتکاب سے قبل اللہ کو اس کے افعال کا علم ہی نہ ہو تو فعل و عمل کے نتیجے میں حاصل ہونے والا سود و زیاں بھی کامل طور پر انسان ہی کی طرف منسوب ہوگا اور اس کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے کہ راحتیں اور مصیبتیں پہلے سے کتب میں درج ہیں۔ نہ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا کا کوئی مطلب بنے گا۔ رشید نے زہریلی غذا کھالی، سخت بیمار پڑ گیا۔ یہ بیماری ظاہر ہے، فی انفسکم کے تحت آتی ہے۔ اس کے بارے میں اللہ کہہ رہا ہے کہ اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں۔ یہ ایک کتاب میں پہلے سے مندرج ہے۔ سوچئے کیا بات بنے گی اگر کہدیں کہ زہریلی غذا کھانے سے قبل اللہ کو علم ہی نہیں تھا کہ رشید سے یہ فعل صادر ہوگا۔

سورہ بقرہ میں ہے:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ — مہینہ رمضان کا جس میں نازل ہوا قرآن۔

حدیث میں آیا ہے کہ قرآن اور دیگر آسمانی کتب سب کی سب رمضان ہی میں نازل کی گئی ہیں۔ قرآن رمضان کی غالباً چوبیسویں کو پورا کا پورا لوحِ محفوظ سے آسمانِ اوّل پر اُتارا گیا ہے پھر تھوڑا تھوڑا حضورؐ تک جبرئیل ؑ کے ذریعہ پہنچایا گیا۔ اب غور کیجئے کہ قرآن کی بے شمار آیات تو حضورؐ اور صحابہؓ کے اعمال و افعال ہی سے متعلق ہیں اگر یہ اعمال و افعال وقوع پذیر ہونے سے قبل علمِ الٰہی میں نہ تھے تو پورے قرآن کا لوحِ محفوظ میں ہونا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا، حالانکہ حدیث وہ ہے

جو پیش کی گئی اور خود باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ۔

ہماری دنیا پر نزولِ قرآن کا ذکر دوسری آیات میں بھی ہے۔

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ	اس کتاب مبین کی قسم اسے ہم نے اُتارا ہے ایک برکت والی شب میں۔
(اور) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔	اسے ہم نے اُتارا شب قدر میں

اگر اس تحقیق کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ پیغمبر پر نزول قرآن کی ابتدا ماہِ رمضان کی شب قدر میں ہوئی تب بھی یہ دعویٰ بہت کمزور ہوگا کہ ان تینوں آیات میں نزولِ قرآن سے مراد آغازِ نزولِ قرآن ہے نہ کہ پورے قرآن کا نزول۔ آغاز میں تو اِقْرَاْ سے مالم یعلم تک صرف پانچ آیات اُتری ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے انھی پانچ آیات کو "قرآن" کہا، انھی کو کتاب مبین کا لقب دیا اور انھی کی قسم کھائی؟ ایسا کہنا نہ صرف علمی و عقلی سطح پر ناقابلِ التفات ہوگا، بلکہ تمام معتبر مفسرین و محدثین کی تصریحات کے بھی خلاف ہوگا۔ قابل قبول بات وہی ہے کہ پورا قرآن لوحِ محفوظ سے سماءِ دنیا پر اُتارا گیا اور پھر [illegible] پر نازل ہوا۔ اس صورت میں نتیجہ [illegible] سکتا ہے کہ اللہ کو جملہ اعمالِ انسانی کا پہلے سے علم ہے۔ علم نہ ہوتا تو بے شمار اعمالِ انسانی کا ذکر و بیان کرنے والا قرآن پہلے سے لوحِ محفوظ میں کیسے موجود ہوتا

قرآن میں متعدد جگہ اللہ کے لئے عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کے الفاظ آتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو کائنات کی کوئی بھی موجود شے اللہ کے لئے "غیب" کے درجے میں نہیں، بلکہ شہادۃ کے زمرے میں ہے۔ جس خدا کا حال یہ ہو:-

اَيْنَمَا تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔	جدھر بھی تم رُخ پھیروگے اسی طرف اللہ موجود ہے۔
(اور) وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ۔	اور اے محمدؐ جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں پوچھیں تو کہہ دو میں قریب ہوں
(اور) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ	اور جان لو کہ اللہ حائل ہو جاتا ہے آدمی اور اسکے قلب کے درمیان
(اور) نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ	ہم جانتے ہیں جو خیالات انسان کے جی میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ہم انسان سے اسکی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔
+ + + +	
(اور) وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ	اور ہم تم سے بھی زیادہ قریب ہیں اُس سے (جس قریب المرگ عزیز کے بالیں پر تم غمزدہ بیٹھے ہو) مگر تم نہیں دیکھتے۔
وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔	اور وہ اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔
(اور) وَهُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا	وہ اللہ ان کے ساتھ ہے جہاں بھی وہ ہوں۔

ان آیات کے بعد کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ کائنات کی کوئی بھی شے حتیٰ کہ انسانی قلوب میں گذرنے والے خیالات و وسواس بھی اللہ کے لئے "شہادۃ" کے درجے میں نہیں غیب کے درجہ میں ہیں۔ لاریب کہ سمندروں کی تہہ میں پڑے ہوئے ریگ کے ذرات اور زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے خزانے سب اللہ کے لئے حاضر و مشہود ہیں — جنت دوزخ عرش و کرسی انسان کے لئے مغیبات ہوں تو ہوں اللہ کے لئے سوائے مشہودات کے کچھ نہیں۔ پھر غیب کا اطلاق اللہ جل شانہٗ کی نسبت سے آخر کن چیزوں پر ہوگا۔ بہت غور کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو واقعات و حوادث ظہور میں آتے رہتے ہیں انھی پر ان کے ظہور و وقوع سے قبل غیب کا صحیح ترین اطلاق ہو سکتا ہے۔ پھر زیادہ گہرائی میں جائیے تو وہ حادثات و واقعات بھی اس اطلاق سے خارج معلوم ہوتے ہیں جن کا تعلق طبعیات سے ہے۔ مثلاً زلزلہ آتا ہے تو بعض طبعی عوامل کے تحت آتا ہے، جس طرح یہ ایک طبعی فارمولا ہے کہ پانی کو گرمی پہنچاؤ گے تو

وہ بھاپ بن جائے گا اور بھاپ ہمیشہ اُوپر کو اُڑے گی، اسی طرح زلزلے، طوفان، گہن، طلوع و غروب وغیرہ کے لئے بھی اللہ کے بنائے ہوئے طبعی قوانین کار فرما ہیں۔ اس پانی سے بھاپ کا نکلنا، جسے آنے والی کل میں گرم کیا جائیگا یا آنے والے قمری مہینے کی چودہ کو چاند کا روشن ترین ہو جانا یا آئندہ کل میں سورج کا شام کو غروب ہونا "غیب" کا مصداق نہیں ہے تو وہ حوادث و تغیرات "غیب" کا صحیح تر مصداق کیسے ہوں گے جو اللہ کے طے فرمودہ طبعی عوامل اور تکوینی ترتیب کے تحت ظہور میں آنیوالے ہیں۔

لہٰذا لے دے کے صرف اعمالِ انسانی اور انکے ثمرات و محاصل ہی "غیب" کا صحیح ترین مصداق بنتے ہیں اور وہ بھی اُسی وقت تک جب تک وقوع و فعلیت میں نہ آئیں۔ انسان کو آگ، پانی، چاند سورج، جمادات و نباتات کیطرح بے شعور و مجبور نہیں بنایا گیا کہ اس کے اعمال و کردار طلوع و غروب اور زلزال و طغیان کی طرح طبعی عوامل کے ہاتھوں مجبورِ محض ہوں۔ وہ باشعور و مختار بنایا گیا ہے۔ اس کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ کب کیا کر گذرے گا۔ اسی کے اعمال و اطوار ہیں جن پر غیب کا بھرپور انطباق ہوتا ہے اور اللہ کے عالم الغیب ہونے کی کامل تر ترجمانی اسی عقیدے میں نظر آتی ہے کہ وہ انسان کے تمام اگلے اعمال و اطوار کو پہلے ہی سے جانتا ہے۔

سورۂ یٰسین میں ہے:۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ۔

اور ہر چیز گن لی ہے ہمنے ایک کھُلی اصل میں (لوح محفوظ میں)

کیا یہ ممکن ہے کہ انسانوں کے اعمال و کردار اور ان کے ثمرات و محاصل كُلَّ شَيْءٍ سے خارج ہوں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہر چیز وقوع سے پہلے ہی لوح محفوظ میں مندرج ہے۔

مجاہدینِ بدر اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتے ہوئے سورۂ انفال میں کہا گیا ہے:۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے انھیں قتل کیا اور تو نے نہیں پھینکی (مٹھی بھر کنکریاں) جبکہ پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں۔

کیا اس سے نہیں ظاہر ہوتا کہ افعال کا خالق بھی اللہ ہی ہے اور ان کے محاصل کا بھی۔

سورۂ لقمان ملاحظہ فرمایئے:۔

إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کی خبر اور وہی اُتارتا ہے بارش اور جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے اور کوئی بھی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کریگا اور کسی متنفس کو معلوم نہیں کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ تحقیق اللہ ہی سب کچھ جاننے والا باخبر ہے۔

\+ + + +

اس آیت میں پانچ چیزیں اللہ نے بیان فرمائی ہیں جن کا علم خصوصیت سے اللہ ہی کو ہے کوئی فردِ بشر اس علم میں شریک نہیں ہے۔ ان پانچ میں ایک چیز وہ بھی ہے جس کے بارے میں ہماری گفتگو ہو رہی ہے، یعنی انسان کے وہ اعمال جو ابھی ارتکاب میں نہیں آئے آگے کو آئیں گے۔ اب آپ دیکھ لیجئے ان کے بارے میں بھی اللہ خبر دے رہا ہے کہ ہم ہی جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ کے علیم ہونے کا مطلب یہاں یہ ہے کہ جس وقت وہ اعمال کئے جائیں گے اسی وقت اللہ ان سے مطلع ہوگا تو یہ صریح البطلان ہے کیونکہ ارتکاب کے وقت تو تمام وہ لوگ بھی باخبر ہو جائیں گے جو اس وقت آنکھیں کھولے دیکھ رہے ہیں۔ یا کم سے کم یہ مرتکب تو جان ہی جائے گا۔ یہ کہنے کا کیا مفہوم ہوا کہ کوئی متنفس نہیں جانتا کل وہ کیا کرے گا۔ "کل" کا لفظ ہی اس بات پر گواہ ہے کہ قبل از ارتکاب علم کی بات ہو رہی ہے اور اسی علم کے بارے میں اللہ اپنے علیم ہونے کی خبر دے رہا ہے۔

اسی آیت کے بارے میں حضرت عائشہ رضؓ کی روایت بخاری میں آئی ہے :-

من اخبرك ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الخمس التی قال اللہ تعالیٰ ان اللہ عندہ علم الساعۃ فقد اعظم الفریۃ۔	جو شخص تجھے یہ بتلائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ باتوں کا علم رکھتے تھے جنھیں اللہ نے ان اللہ عندہ علم الساعہ والی آیت میں بیان فرمایا ہے تو سمجھ لے کہ اس نے بڑا بہتان باندھا۔

+ + + +

(حضورؐ کے علم غیب کلی کا عقیدہ رکھنے والے اس حدیث کو چشم عبرت سے ملاحظ فرمائیں)

اگر صحیح بات یہی ہوتی کہ ہم انسانوں کی طرح خود اللہ تعالیٰ کو بھی ہمارے افعال واعمال کا علم قبل از ارتکاب نہ ہوتا تو ضرور حضرت عائشہ رضؓ اس کی توجیہ فرماتیں کہ آیت میں وما تدری نفس ماذا تکسب غدا کیوں لایا گیا۔

قرآن کی متعدد آیات سے واضح ہے کہ ہر انسان کی موت کا وقت مقدر کر دیا گیا ہے۔ اس کا علم آپ کو بھی اور تمام ہی مسلمانوں کو ہے اس لئے آیات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ ہی کا خیال درست ہو تو ان تمام آیات کی توجیہ بہت مشکل ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ موت اس دار الاسباب میں اسباب وعلل کی ڈور سے بندھی ہے اور یہ اسباب وعلل خود انسانی افعال ہی کے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔ ایک شخص نمونیے میں مر گیا ظاہری وجہ یہی تو ہوئی کہ وہ گرم فضا سے اکدم سرد فضا میں یا سرد فضا سے یکلخت گرم فضا میں داخل ہو گیا۔ یا ایک شخص ہیضے کا شکار ہوا۔ ظاہری وجہ یہی تو ہوئی کہ اس نے کھانے پینے میں بے احتیاطی برتی۔

اسی طرح جو بھی مرض الموت انسان کو لاحق ہوتا ہے وہ بظاہر اس کے فعل وعمل ہی کے نتیجے میں لاحق ہوتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ اکثر اوقات تو عمل اور نتائج کا طبعی سلسلہ اطبا مشخص کر لیتے ہیں، لیکن بعض اوقات ان کا علم کوتاہ رہتا ہے۔ مثلاً کسی کا ہارٹ فیل ہو گیا تو ضروری نہیں ہے کہ اطبا پورے طور پر اُن اسباب کو مشخص کر سکیں جن کی تدریجی کارفرمائی کے نتیجے میں قلب اچانک جواب دے گیا ہے، لیکن حقیقت بہرحال یہی ہوتی ہے کہ اس ناگہانی آفت کی بنیاد خود انسان ہی کا کوئی قریب یا بعید فعل وعمل رکھتا ہے۔

چلئے زیادہ باریکی میں نہ جائیے۔ یہ تو بہرحال ظاہر ہے کہ بے شمار انسان حادثات کا شکار ہو کر مرتے ہیں۔ بے شمار قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ بے شمار خودکشی کر لیتے ہیں بے شمار نادانستگی میں ایسی غذا یا مشروب استعمال کر ڈالتے ہیں کہ جان چلی جاتی ہے۔ تو ان سب کی موت کا وقت اللہ کی تقدیر میں کیونکر معین ومقدر ہو سکتا ہے جب کہ اللہ کو انسانی افعال کا قبل از ارتکاب علم ہی نہ ہو۔ دس اصحت مند آدمی ہوائی جہاز میں بیٹھے جہاز کو حادثہ پیش آگیا اور سب جاں بحق ہو گئے۔ فرمایئے اگر اللہ کو پہلے سے علم ہی نہیں تھا کہ یہ لوگ جہاز میں بیٹھیں گے اور پائلٹ کی غلطی یا لاپروائی یا لاعلمی سے جہاز کو تباہ کن حادثہ پیش آجائے گا۔ تو کیونکر وہ تقدیر میں ان دسوں کا وقت معین لکھ دیتا۔ اسی طرح اللہ کو اگر پہلے سے خبر نہیں تھی کہ زید شاکر کو گولی مار دے گا تو کس بنیاد پر شاکر کی اجل مقدر کی جا سکتی۔ ہر ہر انسان کی موت کا وقت اگر معین ہو تو ضروری ہے کہ معین کرنے والے کو ہر ہر انسان کے افعال واعمال کا بھی قبل از ارتکاب ہی پتا ہو۔ آپ کا خیال صحیح تسلیم کر لینے پر تمام اُن آیتوں کا مطلب خبط ہو جاتا ہے جن میں وقت اجل کی تعیین کی گئی ہے۔

یہ بات آپ نے بجا کہی ـــــ اور تمام مستند علما بھی یہی کہتے آئے ہیں کہ اگر کوئی حدیث قرآن کے مفہوم صریح سے متصادم ہو تو اس کی ایسی تاویل کی جائے گی جس سے یہ تصادم دُور ہو جائے اور اگر عملاً یہ ممکن نہ ہو تو اس حدیث کو رد کر دیا جائے گا۔

لیکن جس مفہوم کو آپ صریح کہہ رہے ہیں وہ تو خو

آیاتِ قرآنیہ ہی سے متصادم معلوم ہوتا ہے اور علم باری کو محدود ترین کر دینے کا ناخوشگوار فعل انجام دے رہا ہے۔

دوسرے وہی ایک حدیث تو اس باب میں نہیں ہے جسے آپ نے بیان فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن کی کوئی تاویل ہو ہی نہیں سکتی اگر آپ کا خیال درست مان لیا جائے۔ چند بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

مسلم نے روایت کیا ہے:۔

عن عمران بن حصين، ان رجلين من مزينة قالا يا رسول الله ارأيت مايعمل الناس اليوم ويكدحون فيه اشئ قضي عليهم ومضي فيهم من قدر سبق اوفيما يستقبلون به مما اتاهم به نبيهم وثبتت الحجة عليهم فقال لا بل شئ قضي عليهم ومضي فيهم وتصديق ذلك في كتاب الله عزوجل ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقواها۔	عمران بن حصین سے روایت ہے، کہ قبیلہ مزینہ کے دو شخصوں نے کہا یا رسول اللہ بتلائیے کہ لوگ جو کچھ آج عمل کر رہے ہیں اور جن کاموں میں کوشاں ہیں کیا وہ سب پہلے سے مقدر ہو چکے ہیں کہ وہ ایسا ہی کریں گے یا ایسا نہیں ہے بلکہ جو کچھ انھیں مناسب معلوم ہوتا ہے ویسا ہی اپنے اختیار سے کئے جاتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ تقدیر میں درج ہوا ہو۔ اور کیا امر و نہی کا معاملہ تقدیر سے متعلق نہیں ہے، بلکہ نبی کی بعثت اور قیام حجت کے بعد کا ہے۔ پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں بلکہ یہ ایسی ہی چیز ہے

جو ان کی تقدیر میں درج کی جا چکی ہے اور وہ نوشتۂ تقدیر کے مطابق ہی عمل کر رہے ہیں اور اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں موجود ہے۔ ونفس وما سواها الآیۃ۔

ہم اس تفصیل میں نہیں جائیں گے کہ حدیث میں آئی ہوئی آیت کس طرح اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ جملہ اعمالِ انسانی پہلے ہی سے تقدیر میں مندرج ہیں۔

یہی بہت کافی ہے کہ حضورؐ نے اس کو اسی مضمون کا مصداق قرار دیا۔

بخاری کی روایت ہے جس میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا میں جوان آدمی ہوں، لیکن مجھ میں اتنی مالی سکت نہیں ہے کہ نکاح کر سکوں اس لئے اپنے نفس پر زنا کا خدشہ ہے۔ اجازت ہو تو اپنے آپ کو خصی کر لوں۔ حضورؐ یہ سنکر کچھ نہ بولے۔ ابوہریرہؓ نے پھر کہا حضورؐ پھر بھی خاموش رہے۔ انھوں نے پھر کہا جواب پھر کچھ نہ ملا۔ چوتھی بار کہنے پر جواب ملا:۔

یا ابا هريرة جف القلم بما انت لاق فاختص علیٰ ذلک۔	اے ابوہریرۃ قلم تو (لکھ کر) خشک ہو چکا اب تو چاہے خصی بن یا اس ارادے سے باز آ!

کیا صاف مطلب یہی نہیں ہے کہ جو کچھ مقدر ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا۔

ایسی حدیثیں بہت ہیں جن سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعمالِ انسانی کا علم باری تعالیٰ کو پہلے سے تھا۔ بخوف طوالت ہم مزید نقل نہیں کرتے پھر بھی ایک حدیث اور ذکر کریں گے جس میں ٹھیک وہی نکتہ موجود ہے جس نے آپ کو الجھن میں ڈالا ہے۔

مسلم میں ایک روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے ایک مناظرہ کا ذکر کیا ہے جو اللہ کے حضور ہوا تھا۔ اسمیں حضرت موسیٰؑ حضرت آدمؑ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ وہی آدم ہیں جسے اللہ نے خلعتِ وجود سے سرفراز کیا پھر ملائکہ کا مسجود بنایا اور جنت میں جگہ دی۔ مگر آپ خطا کر بیٹھے جس کی وجہ سے آپ کی ذریت زمین پر اتار دی گئی۔ حضرت آدمؑ جواب میں پوچھتے ہیں کہ اے موسیٰ بتا تو اللہ نے توریت کب لکھی؟ موسیٰؑ نے جواب دیا آپ کی پیدائش سے چالیس سال پہلے۔ آدمؑ بولے کیا آپ نے اس میں یہ لکھا ہوا نہیں پایا کہ وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ

(پس نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی پس بہک گیا) موسیٰؑ نے کہا ہاں پائی تو تھی! آدمؑ نے فرمایا تو کیا آپ مجھے ایسے فعل پر ملامت کر رہے ہیں جسے میری پیدائش سے پہلے ہی اللہ نے سپرد قلم فرما دیا ہے!

حضرت آدمؑ کے اس جواب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمؑ موسیٰؑ پر بازی لے گئے۔ تو اس سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ جملہ افعال و اعمال کا پہلے سے مقدر ہونا حق ہے اور اس تقدیر کے تحت انسان کو وہی کچھ کرنا ہے جو لکھا جا چکا۔ اب اس امر واقعہ کے تحت اعمال کی ذمہ داری علم باری کے سر جائے یا اور کوئی الجھن پیدا ہو اس کی وجہ سے احادیث اور آیات رد نہیں کی جائیں گی۔ تاویل کس کس حدیث کی کیجئے گا اور کیسے کیجئے گا جب کہ الفاظ صریح اور مدلول قطعی ہے۔

یہ بالکل بجا ہے کہ اس عقیدے پر بھی عقل کئی اعتراض کرتی ہے۔ نہ صرف آپ خلش میں مبتلا ہیں، بلکہ ہم بھی عقلی حیثیت سے غیر مطمئن ہی ہیں۔ ہم اور آپ کس شمار میں ہیں بڑے بڑے عقلاء و متکلمین نے علم باری اور جبر و قدر کی باہمی نسبتوں اور نزاکتوں پر جی کھول کر گفتگو کی مگر دو اور دو چار کی طرح دوٹوک فیصلہ نہیں لا سکے۔ لاتے کہاں سے۔ اس بحث کا کوئی پایاں کوئی تھا نہیں عقل و منطق جہاں تک بھی جائیں گی کیوں اور کیسے کے متعدد مراحل آگے ہی آگے دھند میں لپٹے نظر آئیں گے۔ کسی کے بس میں نہیں کہ علم الٰہی کی وسعتوں کو ناپ سکے یا ٹھیک ٹھیک وزن کر کے بتا سکے کہ انسان کتنا مختار ہے اور کتنا مجبور۔ ہر توجیہ اور ہر جانب پر عقل کی چون و چرا برابر نعرۂ جنگ بلند کرتی رہتی ہے اور ہر مرحلے پر نظر آتا ہے کہ ابھی منزل کافی دور ہے۔

جب یہ حال ہو تو کیوں نہ آدمی وہی عقیدے رکھے جو آیات و احادیث سے ابھر کر سامنے آ رہا ہے۔ عقل مطمئن نہیں ہوتی نہ ہو۔ وہ اس کے برعکس پر بھی تو مطمئن نہیں ہوتی۔ آیت کے حوالے سے آپ نے راسخین فی العلم کے حقِ تاویل کا جو حوالہ دیا ہے اس کے بارے میں بھی اطمینان رکھئے کہ امت کے اکثر مستند راسخین فی العلم یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کو ہر انسان کے جملہ افعال و اعمال کا پہلے ہی سے علم ہے اور لوحِ محفوظ میں تمام دوزخیوں اور جنتیوں کا اندراج کر دیا گیا ہے۔ اس عقیدہ پر جو اعتراض و اشتباہ آپ کو ہے وہ انھیں بھی پیش آیا تھا (جیسا کہ اس موضوع کی پرانی بحثوں میں دیکھا جا سکتا ہے) لیکن علم و خرد کی وادیوں میں خوب سرگردانی کے بعد انھیں یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ اسی پر صبر و قناعت میں خیریت ہے اور کسی رخ سے سوچنے میں اعتراضات و اشتباہات کا اس سے بھی بڑا جنگل سامنے آتا ہے۔

ہمیں رنج ہے کہ اتنے اوراق سیاہ کرنے کے بعد بھی ہم آپ کی خلش دور نہ کر سکے۔ لیکن یقین کیجئے دنیا میں کوئی نہیں ہے نہ پہلے ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا جو ان دقیق مسائل کو آئینہ کی طرح صاف کر کے دکھا دے جو غیبی اسرار و رموز کے رخ سے پردہ الٹ دے۔ عقیدۂ مجمل ہی واحد راہِ نجات ہے۔ اللہ ہمیں اور آپ کو راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سوال:۔ از مولانا ضیاء النبی عباسی فاضل دیوبند۔ مد...

جماعت اسلامی اور عامر عثمانی

کرم فرمائے بندہ مولانا عامر عثمانی زاد لطفہ،

پس از سلام مسنون۔ کُل ہند اجتماع دہلی کے موقع پر خیال تھا کہ آپ سے کچھ بالمشافہ گفتگو کر سکوں لیکن بجز چند منٹوں کی سرسری ملاقات کے اور کوئی نہ ہو سکی۔ جہاں تک کاغذی گفتگو کا تعلق ہے آپ جانتے ہیں کہ پورے شرح صدر کے ساتھ ممکن نہیں نہ مجھ کو وہ سلیقہ ہی ہے کہ اپنے پورے مافی الضمیر سمیٹ کر آپ کے سامنے رکھ سکوں، تاہم جیسے بن پڑے گا کچھ نہ کچھ ضرور آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ یہ بات تو بالکل بداہت کے درجہ کو پہنچی ہے

ہے کہ جماعت اسلامی کی دعوت اور اس کا مقصد آپ ہی کے گوشۂ دل کی آواز ہے جس کا اظہار آپ خود بھی بارہا اپنی تحریروں میں کر چکے ہیں۔ میں خود ایک مدت سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے دل و دماغ کی ساری صلاحیتیں اسی نیک مقصد کی راہ میں صرف ہو رہی ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات آپ اس دینی دعوتِ حق کی حمایت میں اپنے محترم اساتذۂ کرام کی ناراضگی اور ان کی دل شکنی تک کا خیال نہیں کرتے اور ان پر کڑی سے کڑی تنقید یں کر جاتے ہیں جس سے ان بزرگوں کے جذبات تک مجروح ہو جاتے ہیں اور ضمناً دارالعلوم کی پوزیشن بھی زد میں آجاتی ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ دارالعلوم سے آپ کا تعلق ایک عام فاضلِ دیوبند جیسا ہے بلکہ جہانتک میرا علم ہے میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کے بزرگوں نے ہی اس شجرِ طیبہ کو اپنے خونِ جگر سے سینچ سینچ کر سرسبز و شاداب کیا تھا اور اس سدا بہار چمن کو ہرا بھرا رکھنے کے لئے اپنے آخری سانس تک ساعی و کوشاں رہے۔

آپ کے تائے حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ اور آپ کے چچا حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے کون ناواقف ہے؟ انھی بزرگوں کے اخلاص و تقویٰ نے دارالعلوم کو دارالعلوم بنایا اور اس دور میں جو بھی اس چشمۂ فیض سے سیراب ہو کر نکلا وہ آسمانِ علم و ہدایت کا ایک روشن اور چمکتا ہوا ستارہ نکلا زہد و تقویٰ، اخلاص و للّٰہیت کا مجسمہ ہو کر نکلا۔ ایمان و احسان کی کسوٹی پر کھا ہوا اصلی،

سونا ہر طرف ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور دنیا نے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا۔

آپ کا تعلق دارالعلوم سے اس نقطۂ نظر سے جتنا گہرا ہو سکتا ہے ہم جیسوں کو کہاں نصیب! لیکن اس کے باوجود دارالعلوم کی طرف سے جہاں کہیں کوئی کتابچہ یا جماعت اسلامی کی دعوت کے خلاف کوئی فتویٰ وغیرہ نکلا تو آپ نے پورے طور پر اس کا رد تجلّی کے ذریعہ شائع کر دیا جس کے لئے تجلّی کے گذشتہ فائل خود گواہ ہیں، لیکن ان باتوں کے باوجود آج تک میں سمجھنے سے قاصر رہا ہوں اور بھی میرے جیسے نہ جانے کتنے لوگ ہوں گے جو یہ سمجھنا چاہتے ہوں گے کہ آخر آپ نظمِ جماعت سے علیحدہ کیوں ہیں اور انفرادی حیثیت سے دینی جماعتی کام کر رہے ہیں۔ اگرچہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بعض اوقات آپ کا تنہا کام پوری جماعت کی کوششوں سے مضاعف نظر آتا ہے، مثلاً گذشتہ دنوں حضرات علماء کی یلغار اپنی پوری قوت و شدت سے جاری تھی جوابات دیئے جا رہے تھے، لیکن پھر بھی فتاوے پر فتاوے نکلتے ہی آرہے تھے، اسی دوران میں آپ کا خاص نمبر شائع ہوا بلا مبالغہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تجلّی کے خاص نمبر نے وہی کام کیا جو عصائے موسیٰ نے ساحرانِ مصر کے ساتھ کیا۔ بات تو ذرا سخت ہو گئی۔ لیکن اسکے بعد سے تو پھر حضرات علماء نے کھل کر کوئی بات نہ کی اور نہ آئندہ ان شاء اللہ بے بنیاد الزامات کی جرأت کر سکتے ہیں۔ اس لئے دریافت طلب یہ امر ہے کہ آپ جیسے، صاحبِ بصیرت عالمِ دین سے یہ بات کسی طرح پوشیدہ

نہیں ہے کہ انفرادی زندگی کی اسلام میں کیا پوزیشن ہے؟ اور مسلمان ہونے کے بعد ایک مسلمان کے لئے اجتماعی زندگی گذارنا کس قدر ضروری ہو جاتا ہے۔ خدانخواستہ اس تحریر سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بس جماعت اسلامی کا دائرہ ہی اہل حق کا دائرہ ہے اس کے باہر حق نہیں ہے۔ اس بات کو اکابر جماعت بارہا اپنی تقریروں اور تحریروں میں واضح کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی قیادت میں جو جماعت بنتی ہے اس میں تو لازماً حق کا انحصار اس کے ہی دائرہ میں ہوتا ہے اور اس کے باہر کفر ہی کفر ہے' لیکن غیر نبی کی قیادت میں جو جماعت بنتی ہے ہو سکتا ہے کہ بیک وقت اہل حق کی کئی جماعتیں ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اگر موجودہ جماعت اسلامی ہند آپ کے نزدیک خواہ کسی وجہ سے بھی اس لائق نہیں ہے کہ آپ اس کے ساتھ مل کر کام کریں' یا اس کے موجودہ دستور کی نوعیت صحیح نہیں ہے تو پھر آپ کسی اور جماعت سے تعاون واشتراک کے ساتھ کام کر سکتے ہیں یا پھر اگر آپ کے معیار کے مطابق کوئی جماعت اس لائق نہیں ہے کہ اس کے ساتھ تعاون کیا جائے تو پھر ایک نئی جماعت کی تشکیل کیوں نہیں کرتے اور اس کے قیام سے کیا چیز مانع ہے۔ آپ جیسے علماء کا اس طرح انفرادی طور پر دینی خدمت کرنا سخت تعجب انگیز بات ہے۔ براہِ کرم آپ اس الجھن کو دُور فرمائیے۔

جواب :۔

مجھ ناچیز کا ذکر آپ نے جس توصیفی انداز میں کیا اور میری حقیر خدمات کو جس فراخ دلی سے سراہا ہے وہ آپ کی فیاضی و ذرّہ نوازی کے علاوہ کچھ نہیں۔ من آنم کہ من دانم۔ اللہ جل شانہٗ جب چاہتا ہے تو بھنگے بھی بہت کچھ کر گذرتے ہیں —— مگر پھر بھی وہ شیر نہیں بن جاتے بھنگے ہی رہتے ہیں۔ میں اپنے اساتذہ اکابر کے مقابلہ میں جتنا کمتر اور بے حیثیت پہلے تھا اتنا ہی آج بھی ہوں۔ تجلی کے مقابلہ میں بار در اصل علمائے کرام اور شیوخِ دیوبند کو نہیں ہوئی' بلکہ اُس شیطان کو ہوئی ہے جو ان کے اندر گھس کر رنگ برنگی بولیاں بول رہا تھا اِس شیطان کا مقابلہ اللہ کی دی ہوئی خصوصی توفیق اور طاقت ہی سے ممکن تھا۔ اس نے دی۔ تنکا طوفان کے آگے ڈٹ گیا۔

بہر حال مَیں جناب کی حوصلہ افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ شرکتِ جماعت میں متعدد موانع اور مصالح میرے سامنے تھے اور ہیں۔

نمبر ایک یہ کہ جو دفاع میں نے جماعت کی طرف سے کیا ہے اس کا یہ وزن اور یہ اثر کبھی محسوس نہ کیا جاتا اگر پڑھنے والوں کو معلوم ہوتا کہ میں جماعت کا رکن ہوں۔ قدرتی بات ہے کہ کسی نزاع میں اُس شخص کا محاکمہ زیادہ توجہ اور حسن ظن کا مستحق ہوتا ہے جو غیر جانبدار ہو۔ فریقین میں سے کسی کا ساجھی نہ ہو۔ اگر میں شامل جماعت ہوتا تو بحث ونزاع میں میری حیثیت فریق ہی کی ہوتی۔ خود ایک فریق اپنی صفائی میں کیسے بھی دلکش دلائل پیش کرے' لیکن قاری وسامع کا ذہن انھیں اس انداز میں قبول نہیں کرتا جس انداز میں کسی تیسرے شخص کے دلائل قبول کرتا ہے۔ گویا جماعت سے الگ رہتے ہوئے میرے دفاع کو ایک نفسیاتی وزن حاصل تھا اور اِس وزن نے جتنا نمایاں کام کر دکھایا وہ آپ کے سامنے ہے۔

نمبر دو یہ کہ جماعت اسلامی پر کئے جانے والے لغو لاطائل اعتراضات کا استیصال میں نے چاہے کتنی ہی گرم جوشی واستقامت سے کیا ہو' لیکن یہ حقیقت مجھ پر پوشیدہ نہ تھی کہ جماعت ابھی تک جن مراحل میں ہے' ان مراحل میں میرا اس میں شریک ہونا خود جماعت کے لئے بھی اور میرے لئے بھی اتنا مفید نہیں ہو سکتا جتنا باہر رہتے ہوئے ہو سکتا ہے۔ دین وملت کی جو چھوٹی موٹی خدمت میں آزادیٔ کامل کے ساتھ تجلی میں کر رہا ہوں وہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ میری گردن میں کسی خاص

جماعت کا قلادہ نہ پڑے۔ قلادہ پڑ گیا تو نہ یہ خدمت کسی قابلِ لحاظ درجہ میں ادا ہو سکے گی نہ جماعت ہی کو کوئی خاص فائدہ پہنچ سکے گا۔

نمبر تین یہ کہ جماعت میں شریک ہونے کے بعد اطاعت ایک فریضۂ شرعی بن جاتی ہے۔ اسے میرے حالات کی خامی کہیئے یا میرے مزاج کا نقص مجھے کچھ ایسا اندازہ تھا اور ہے کہ فریضۂ اطاعت سے عہدہ برآ ہونا میرے بس کا نہیں۔ اگر معاملہ خندق کھودنے اور بوجھ اُٹھانے کا ہو تو اطاعت بہت آسان ہے، لیکن ذہنی و فکری انقیاد کا مسئلہ کافی ٹیڑھا ہوتا ہے۔ میں اپنے خیالات کو صاف صاف پیش کرنے میں بہت مُنھ پھٹ ہوں اور جماعت کا سنجیدہ مزاج ایسی بے قید بے باکی سے بمشکل ہی نباہ کر سکتا ہے۔

یہ تینوں باتیں مصالح کے اندازکی ہوئیں۔ اب مانع بھی سن لیجئے۔ لوگ تحریروں اور سرسری ملاقاتوں سے میرے بارے میں اونچے تصورات قائم کر لیتے یہ دراصل ایک طرح کا مغالطہ ہے۔ اگر مغالطہ نہ ہوتا بلکہ یہ تصورات جوں کے توں درست ہوتے تب تو بے شک کہا جا سکتا کہ جماعت اسلامی جیسی مثالی جماعت کا رکن بننے کی اہلیت مجھ میں ہے لیکن میں اقراری مجرم کی حیثیت میں بلاتصنع اعتراف کرتا ہوں کہ کردار و عمل کے پہلو سے واقعتہً یہ اہلیت مجھ میں نہیں ہے۔ میں ایک دنیادار آدمی ہوں جسے زہد و تقویٰ کی ہوا بھی نہیں لگی۔ مجھ میں وہ حسنِ عمل، وہ ذوقِ عبودیت، وہ رکھ رکھاؤ، وہ رنگ و بو مفقود ہے جو جماعت اسلامی جیسی معیاری جماعت کے رکن میں ضرور ہونا چاہئے۔ میں جماعت سے الگ ہوں تو میرے عیوب میرے عیوب ہیں۔ جماعت کے دامن پر ان کے چھینٹے نہیں جاتے، لیکن شامل ہو جاؤں تو میری ہر خامی ہر عیب ہر بے توفیقی کا ادبار جماعت کے سر جائے گا اور میرے دامن کے دھبے دامنِ جماعت کے دھبے کہلائیں گے۔

یہ بے کم و کاست حقیقت تھی۔ ویسے جماعت کے اُس نظریاتی موقف سے مجھے تھوڑا سا اختلاف بھی ہے جو اس نے غیر دینی حکومتوں سے اشتراکِ عمل اور ان کی ملازمت وغیرہ کے بارے میں اپنا رکھا ہے میری رائے میں ــــ بشرطیکہ میری رائے کہلانے کی مستحق ہو ــــ یہ تخیل ضرورت پر مبنی ہے کہ حکومتِ الٰہیہ کے سوا تمام قسم کی حکومتیں طاغوت کے زمرے میں شامل ہیں اور ان کی ملازمت طاغوت کی چاکری کہلانے کی مستحق ہے۔ میرے چھوٹے سے دماغ میں یہ بات آج تک نہیں سما سکی ہے کہ بھارت جیسے ملک میں خدا پرستی کی کاغذی دعوت اور غلبۂ اسلام کی کتابی تحریک کس طرح اُس قلعۂ کفر و طغیان کے چند ستون بھی گرا سکتی ہے جس کی سنگین دیواریں لفظ و بیان اور دلیل و برہان کی زبان سننا نہیں جانتیں۔ کفر و فسق سے نفرت بجا۔ اسلام کی حقانیت مسلّم۔ غلبۂ اسلام کی امنگ مبارک۔ خلافتِ راشدہ قائم کرنے کا ارادہ مرحبا لیکن اسباب و وسائل کے بغیر ساتویں آسمان پر نہیں پہنچا جا سکتا۔ سیاست میں حصہ لینے اور لادینی نظام سے مقاطعہ کرنے کے بنیادی فکر کو جب تک کسی مثبت اور قابلِ عمل نظریہ میں تبدیل نہیں کیا جائے گا اقتدار کا چھوٹا سا تخت بھی اسلام کے زیرِ پا آنا محال ہے چہ جائیکہ خلافت و حکومت۔ یہ بجا ہے کہ جتنا اونچا آئیڈیل ہو اتنا ہی زیادہ صبر و انتظار ناگزیر ہے اور جلد بازی نادانی کی علامت ہے۔ لیکن صبر و انتظار کے لئے بھی ٹھوس بنیادیں چاہئیں۔ کوئی شخص گز گز بھر کی سیڑھیاں رسّیوں سے جوڑ رہا ہو تو توقع کی جا سکتی ہے کہ کبھی نہ کبھی ہزارویں منزل تک پہنچ ہی جائے گا لیکن جو شخص سیڑھی پر قدم رکھنے ہی کو گناہ قرار دے اس کے بارے میں کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ صرف وعظ و استدلال کے پروں سے اُڑنے لگے گا۔ جماعت اسلامی کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ سدھے ہوئے ذہنوں، تربیت پائے

ہوئے مزاجوں اور جاگتے ہوئے دلوں کی ایک مضبوط تنظیم کے بغیر آج کی ناپاک سیاست کے میدان میں کودپڑنا منفعت سے زیادہ خسارے کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے لیکن یہ بات بہرحال اسے صاف کر دینی چاہئے کہ لادینی سیاست سے بالکلیہ محترز رہنے کو وہ ایک اصول کی حیثیت سے اختیار نہیں کئے ہوئے ہے، بلکہ موجودہ دورِ انقطاع ایک عبوری دور ہے جس میں وہ اپنے نوک پلک درست کر رہی ہے۔ جب خاطر خواہ تیاری ہوجائے تو ضرور وہ سیاسی لائنوں پر بھی قدم زن ہوگی۔ اگر ابھی سے وہ اس نقطۂ نظر کو واضح نہیں کر دے گی تو غالب گمان ہے کہ جب سیاست کے ایوان میں قدم رکھنے کا وقت آئے گا تو یہاں بھی کئی مولانا اصلاحی اور حکیم اشرف ظہور میں آجائیں گے جو نئے سرے سے طریقِ انبیاء کی باریکیاں سمجھانے اُٹھ کھڑے ہوں گے، اور اُس وقت تک کے کئے دھرے کو لہو ولعب باور کرانے کی کوشش کریں گے۔

ابھی نومبر میں جماعت نے اپنے دستور میں کچھ ترمیمیں بھی کی ہیں لیکن ان سے عاجز کا وہ گوشۂ ذہن روشن نہ ہوسکا جو تاریک پڑا ہے۔ عقائد اور نصب العین پر کوئی کلام نہیں۔ دونوں ہی مارکوثر میں دُھلے ہوئے ہیں لیکن "طریقِ کار" کے ذیل میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اصولی و نظری اعتبار سے صحیح تر اور محمود ترین ہونے کے باوجود اس حد تک مجمل ہے کہ عمل کی کوئی تکنیک سامنے نہیں لاتا۔ اصول و عقائد غیر مرئی چیزیں ہیں۔ ان کی نمود کے لئے اعمال و اعمال کے قالب چاہئیں۔ اقامت دین اُن وسیع معنوں میں جن کی تصریح "نصب العین" کے ذیل میں کی گئی ہے عمل و حرکت کا ایک واضح منصوبہ چاہتی ہے۔ یہ کہنا کہ جماعت تبلیغ و تلقین اور اشاعت افکار کے ذریعہ ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کرے گی ایک جزدۂ جانفزا ضرور ہے مگر حصولِ مقصد کے لئے کوئی عقلی تصور اور منطقی شعور دینے سے معذور ہے اور ملک کی اجتماعی زندگی میں

مطلوبہ صالح انقلاب لانے کے لئے رائے عامہ کی تربیت کو صرف تبلیغ و تلقین اور اشاعت افکار تک محدود رکھنے کا مطلب یہ محسوس ہوتا ہے کہ جماعت کے نزدیک زبان و قلم کے وعظ ہی رائے عامہ کو مطلوب حد تک متاثر کرنے کا کافی ذریعہ ہیں اور سیاسی و ائمۂ شیطان کی پوری عملداری کے باوجود وہ خالی اشاعتِ افکار سے عوام کی ذہنیت کو اس حد تک صالحیت کے رنگ میں رنگ دیگی کہ منزلِ مقصود — الٰہی نظام — کی طرف مارچ کرنا ممکن ہوجائیگا نیز یہ بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ بعض اور اہلِ علم و دانش کی طرح اس امر کی قائل ہے کہ پہلے معاشرے کی تطہیر کر لو الٰہی نظام آپ سے آپ قائم ہوجائے گا — یا کم سے کم الٰہی نظام کا قیام سہل تر ہوجائے گا۔ گویا وہ سیاسی اثر و اقتدار کو ایک عظیم تر وسیلۂ تطہیر و تربیت ماننے کے عوض ایک ایسا آئیٹم خیال کرتی ہے جسے رائے عامہ کی تربیت اور عوامی ذہن کی تطہیر کے ہفت خواں طے کرنے کے بعد منہ لگانا چاہئے۔

لیکن مجھ بے بضاعت کی کوتاہ عقلی اس ترتیب کو کما حقہٗ مفید مطلب نہیں سمجھتی۔ سیاسی اثر و اقتدار سے بڑھ کر اُن زہریلی ہواؤں کا زور گھٹانے کا کوئی ذریعہ نہیں جن کے روز افزوں تھپیڑوں میں خدا پرستی کی کاغذی تبلیغ و تلقین مطلوبہ اثر پیدا نہیں کرسکتی۔ دنیا کردار و عمل کا اثر لیتی ہے اُس دفتر میں جہاں رشوت، کام چوری، فرائض سے غفلت اور دروغ و دغا عام ہو آپ چند ایسے افراد کو پہنچا دیجئے جو اُن معائب سے پاک رہتے ہوئے کردارِ صحیحہ کا عملی نمونہ پیش کریں۔ اس کا فائدہ و اثر اتنا ہوگا جتنا ہزار مواعظ اور ہزار اُپدیشوں کا بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک سرسری اور چھوٹی سی مثال ہے جسے پھیلا کر آپ اقتدار و سیاست کے تمام کلیدی اداروں تک لے جاسکتے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ یہ اشارے تشریح کے طالب ہیں لیکن فی الوقت زیادہ کہنا میرے لئے مشکل ہے۔ کبھی

ضرورت ہوئی تو ایک مستقل مضمون ہی کی صورت میں یہ موضوع زیرِ بحث آسکے گا۔

تاہم یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ عاجز کے عدم شمولیت میں اس طرح کے ٹھنڈے اختلافات کو بھی دخل ہے۔ نہیں یہ تو محض ایک دوستانہ اظہارِ خیال ہے ورنہ نہ شامل ہونے کے وجوہ تو حقیقت میں وہی ہیں جنکا اوپر ذکر ہوا۔

اب شاید کسی اور جماعت میں شریک ہونے یا نئی جماعت بنانے کے سوال کا جواب ضروری نہیں رہا۔

ہاں دار العلوم کے سلسلہ میں عاجز کے بزرگ اقربا کا تذکرہ آپ نے جس انداز میں کیا ہے اس پر چند الفاظ کہنے کو بے اختیار طبیعت چاہتی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ دار العلوم کی تاریخ اب وہ نہیں ہے جو آپ سمجھے بیٹھے ہیں بلکہ وہ ہے جسے "سوانح قاسمی" میں باور کرایا گیا ہے۔ تاریخ نویسی کا فن پُرانا ہوا اب تاریخ سازی کا دَور ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی رحمتیں ہوں کچھ تو کرشمے ان کی پرواز خیال نے دکھلائے کچھ حکمت اُن بزرگوں نے دکھلائی جن کے نزدیک دار العلوم کے قیام و ترقی کا کریڈٹ ایک خاص خاندان کو دینا دین وملت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ ابھی جولائی ۱۹۶۹ء میں خاکسار کراچی تھا۔ یہاں سید محی الدین صاحب سے جو کبھی دار العلوم کی مجلسِ شوریٰ کے ممبر بھی تھے جنکی نیک نفسی اور زہد و تقویٰ پر ان کے واقف کاروں میں کوئی اختلاف نہیں اور جن کے گہرے تعلقات مولانا مناظر احسن گیلانی رح سے بھی تھے ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک موقع پر انھوں نے واقعہ سُنایا کہ جب "سوانح قاسمی" چھپنے کی تیاریاں تھیں تو ہمیں اس کو پڑھنے کا بے حد اشتیاق لگا ہوا تھا۔ چھپ کر آگئی تو ذوق شوق سے پڑھا لیکن بڑی حیرت ہوئی یہ دیکھ کر کہ جن تاریخی اُمور کا ہمیں علم تھا ان کا تو اس میں دُور دُور پتا نہیں، مگر ایک نئی تاریخ ضرور موجود ہے۔ اضطراب ضبط نہ ہوا تو سفر کر کے گیلانی صاحبؒ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت یہ آپ نے کیا کیا لکھ دیا۔ گیلانی صاحبؒ کے چہرے پر کرب کی علامات ظاہر ہوئیں اور تاسف کے ساتھ فرمانے لگے۔ کیا بتاؤں بھائی کمال ہوگیا۔ جو کچھ میں نے لکھا تھا وہ تو کچھ اور ہی تھا۔ ہم نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہوا؟ انھوں نے فرمایا میرے تقریباً پانچ سو صفحات بدل دیئے گئے ہیں!

اس حقیقت کو اور بھی متعدد حضرات جانتے ہیں۔ ——— اور وہ ابھی زندہ ہیں کہ دار العلوم کی طرف سے چھاپی ہوئی دار العلوم کی مستند تاریخ "سوانح قاسمی" کس بے تکلفی کے ساتھ اصل مسودے میں تغیرات کر کے چھاپی گئی ہے، اور یہ تغیرات معمولی نہیں بلکہ وسیع تر اور بنیادی ہیں۔

تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دار العلوم کی تاسیس و ترقی کے سلسلہ میں عثمانی خاندان کا نام کبھی نہ لیجئے گا۔ یہ ایسا جرم ہے جس کی تعزیر میں، آپ کی سند بھی ضبط ہوسکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت سعد بن عبادہؓ (جواب ۱۵ سے متعلق کچھ اور تصریح)

سوال ۱۵ کے مکتوب نگار جناب شبنم صاحب نے جنوری کا میثاق دیکھ کر اپنا مکتوب ارسال فرمایا تھا اور جبھی ہم نے جواب سپردِ قلم کر دیا تھا۔ سوال و جواب کی کتابت کے بعد فروری ۱۹۷۰ء کا میثاق اشاعت پذیر ہوا، اس میں حضرت سعد بن عبادہؓ کے بارے میں عمری صاحب کے رشحات کا تھوڑا سا جزو اور آیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

> "بعض روایات سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ سعد بن عبادہؓ حضرت ابوبکرؓ کے دلائل سے مطمئن ہو چکے تھے۔ انھوں نے مہاجرین کے استحقاقِ خلافت کو تسلیم بھی کر لیا تھا"

اس کے لئے انھوں نے طبری کا حوالہ دیا ہے اس کا یہ مطلب ہوا کہ طبری کی اُس روایت پر ان کی نظر نہیں پڑی جس کو ہم نے نقل کیا ہے اور جس میں حضرت سعد کے صرف اطمینان

ہی کا نہیں، بیعت کرنے کا بھی ذکر موجود ہے۔

اگر ایسا تھا جب بھی یہ بات بہرحال قابلِ لحاظ تھی کہ مطمئن ہو جانے کا لازمی نتیجہ بیعت ہی ہونا چاہئے تھا۔ اطمینان کے کیا معنی اگر بیعت سے گریز رہا۔

مسند احمد کی روایت کو موصوف نے حاشیے میں مرسل قرار دیا ہے لیکن کوئی واضح ریمارک نہیں کیا۔ عاجز کہتا ہے کہ مرسل کا ناقابلِ قبول ہونا تو طے شدہ نہیں ہے۔ علماء کے مابین مراسیل کے بارے میں کافی اختلاف ہے۔ حافظ سیوطیؒ کی توضیح کے مطابق اس میں دس قول ملتے ہیں جس میں ایک یہ بھی ہے کہ یحتج بہ مطلقاً (اس سے حجت پکڑی جائے گی) جمہور محدثین، بہت سارے فقہا اور اکثر اصحاب اصولِ نظر اگرچہ مراسیل سے احتجاج کو درست نہیں سمجھتے لیکن بعض صورتوں میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور بعض ائمہؒ حدیث احتجاج کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ بلکہ امام نوویؒ، امام ابوداؤدؒ، ابن عبدالبرؒ، امام غزالیؒ اور ابن جریرؒ وغیرہ کی تصریحات تو احتجاج ہی کو راجح و اولیٰ باور کراتی ہیں۔

فیصلہ کوئی کچھ کرے۔ عقائد، فقہی احکام اور عبادات کے ابواب میں تو مراسیل سے صرفِ نظر کر لینا قرینِ حکمت ہو سکتا ہے، لیکن ایسے تاریخی واقعات میں جن کا تعلق کسی جلیل القدر صحابی کے مجرم ہونے نہ ہونے سے ہو ہرگز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مرسل روایت کو مردود متروک قرار دیا جائے جب کہ اس سے صحابیت کی آبرو کا بقاؤ اثبات ممکن ہو۔ عمری صاحب نے اگرچہ یہ نہیں لکھا کہ مسند احمد کی روایت مرسل ہونے کی وجہ سے مردود ہے، لیکن اس کے ارسال کا اظہار و اثبات واحد معنی یہی رکھتا ہے کہ وہ اسے ناقابلِ اعتبار قرار دے رہے ہیں۔ ہم اسے صحیح نہیں سمجھتے۔ صحابی کی فردِ عمل سے ایک گناہ کم ہوتا ہو تو ہم مرسل کو سر آنکھوں پر جگہ دینگے

ابن تیمیہؒ کی بھی ایک عبارت منہاج السنۃ سے انھوں نے نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہؒ بھی بیعت نہ کرنے ہی کے قائل ہیں، کوئی حرج نہیں۔ ابنِ تیمیہؒ بہت بڑے محقق تھے ان کی تحقیق یہی ہوگی۔ لیکن اُن دلائل کی موجودگی میں جنھیں ہم نے جواب ۱۵ میں ذکر کیا ضروری تو نہیں کہ ہم بھی ان کی تحقیق کے پابند ہو جائیں صحابی کا درجہ بہت اونچا ہے اس کے لحاظ میں اگر ابن تیمیہؒ سے بھی معافی چاہنی پڑے تو ہمیں شرمندگی نہیں ہوگی۔

عمری صاحب نے مزید گفتگو کئے بغیر سعد بن عبادہ کی بات ختم کردی ہے۔ تعجب ہے حضرت سعد کے بیعت نہ کرنے کا تذکرہ کرنے کے بعد انھوں نے ایسی کوئی تصریح پیش نہیں کی جس سے اسلام کے شورائی نظام میں اس گریز و فرار کا مقام متعین ہو جاتا۔

وہ خلافت علیؓ سے بھی سرسری ہی گذر رہے ہیں اور چند مفید مطلب اجزاء پر اکتفا کر کے آگے بڑھ گئے ہیں۔ یہ طریقہ محققانہ کم اور معتقدانہ زیادہ ہے۔ خیر ہم اُن سے گذارش کریں گے کہ اپنے مضمون کی کسی اگلی قسط میں یہ نکتہ بھی حل فرمادیں کہ اسلام کے اُس شورائی نظام میں جسکی وہ تصدیق و تثبیت فرما رہے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اُس انقلاب انگیز اور اہم ترین اقدام کا کیا مقام تھا جو انھوں نے مسند آرائے خلافت ہوتے ہی اختیار فرمایا تھا، یعنی تمام عثمانی گورنروں خصوصاً حضرت معاویہؓ کو بیک بینی و دو گوش معزول کر دینا۔

ہم اگلی قسط کا پُر شوق انتظار کریں گے۔

از ڈاکٹر عبدالحمید صاحب مدھوپور (ایم پی)

اہلِ بیت کا قرآنی مفہوم

قرآن کریم کے بعض دیگر الفاظ کی طرح لفظ "اہل بیت" کے مفہوم کو بھی ایسے غیر قرآنی سانچے میں ڈھال لیا گیا ہے کہ اسکی اصل حقیقت یکسر مسخ ہوکر رہ گئی ہے۔

قرآن میں یہ لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر جگہ بلا استثنار صراحتہً عورت اور صرف عورت کے لئے مستعمل ہوا ہے۔ پورے قرآن سے کسی ایک مقام کی بھی نشاندہی نہیں کی جا سکتی جہاں یہ لفظ سوائے عورت کے مرد کے لئے بھی بولا گیا ہو۔ مرد تو خیر دور کی بات ہے ایسی بھی کوئی ایک آیت بطور مثال کے پیش نہیں کی جا سکتی کہ گھر کے مالک کی اہلیہ کے سوا ان گھر کی کسی دوسری عورت مثلاً بیٹی، بہو، پوتی اور نواسی وغیرہم پر لفظ "اہل بیت" کا اطلاق ہوا ہو۔ آپ سورۂ ہود اٹھا کر دیکھئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو فرشتے "اہل بیت" کہہ کر خطاب کرتے ہیں اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ پھر سورۂ قصص میں حضرت موسیٰ کی بہن فرعونیوں کے نزدیک اپنی ماں کی نشاندہی کرتی ہے تو "اہل بیت" کہہ کر هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ ۔ اور حضرت یوسفؑ کے قصے میں بھی لفظ "بیت" کو عزیز مصر کی بیوی کی طرف منسوب کیا گیا ہے نہ کہ غیر کی طرف وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا حتیٰ کہ مطلقہ عورت باوجودیکہ نکاح سے نکل گئی مگر عدت پوری ہونے سے پہلے قرآن میں "بیوت" کی نسبت اسی کی طرف کی گئی ہے۔ وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ (الطلاق) غرضیکہ قرآن میں جہاں بھی لفظ "اہل بیت" آیا ہے اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے۔ اس سے بیویوں کے سوا خاندان کا کوئی دوسرا فرد ہرگز مراد نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی ماں کو اہل بیت کہا گیا تو اس میں آپ کی بہن کلثوم یا بھائی ہارونؑ یا گھر کا کوئی دوسرا فرد شامل نہیں۔ اسی طرح حضرت اسمٰعیلؑ و حضرت اسحٰقؑ کو آل ابراہیمؑ تو برملا کہا جاتا ہے لیکن انھیں اہل بیت ابراہیم کہکر نہیں پکارا جاتا۔ لیکن حیرت ہے کہ سورۂ احزاب میں جہاں لفظ "اہل بیت" آیا ہے۔ باوجودیکہ تمام تر خطابات صراحتہً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے ہوئے ہیں نیز ان آیتوں میں دو دو مرتبہ "بیت" کی نسبت انھیں بیویوں کی طرف کی گئی ہے تاہم وہاں اس ٹھوس لفظ کے مفہوم کو تو بلا کسی ظاہر اور معقول سبب کے کھینچ تان کر اس قدر پھیلا دیا گیا ہے کہ اس میں آپؐ کی بیٹی اور داماد بلکہ نواسے تک سمو دئیے گئے ہیں! یہی نہیں بلکہ لفظ "اہل بیت" کو حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ حسینؓ کے لئے حصر کے ساتھ اس کثرت سے استعمال کرنے کی مہم چلائی گئی کہ یہ لفظ انھیں چاروں حضرات کے لئے گویا پیٹنٹ (Patent) ہوکر رہ گیا۔ ! رہیں آپؐ کی ازواجؓ تو ان کے لئے یہ لقب تفسیری حاشیوں پر تو خیر جوں توں برائے نام باقی رہ گیا ہے لیکن عام مسلمانوں کی زبان پر سے مٹ چکا ہے

بلکہ رفتہ رفتہ حاشیۂ خیال سے بھی (شعوری یا غیر شعوری طور پر) محو ہونے لگا ہے! انا للہ .... کیونکہ نہ ہو جبکہ پنجوقتہ نمازوں کے بعد ہماری دعاؤں تک میں لفظ "ازواج" کو "اہل بیت" سے بلا جھجک علیحدہ کرکے پڑھنے کا رواج عام ہو گیا ہے! ۔

اگر آپ ذرا ٹھنڈے دل سے اس دور کا تجزیہ کریں کہ آخر اس قرآنی لفظ میں دیدہ و دانستہ اس قدر معنوی تصرف کرنے کی زحمت کیوں گوارہ کی گئی تو آپ بادنیٰ تامل اس نتیجے پر پہونچیں گے کہ چونکہ قرآن میں یہ لفظ آیۃ تطہیر کے ضمن میں آیا ہے اور آیۃ تطہیر کو محض خوش فہمی کی بنا پر اللہ کی طرف سے کوئی خصوصی انعام یا اعزازی تمغہ سمجھ لیا گیا ہے اس لئے اسے ازواج النبیؐ کے ساتھ مختص کرنے کی بجائے آپ کے خاندان کے چند ایسے مخصوص افراد پر بھی پیچھے سے چسپاں کر دیا گیا جنھیں اس اعزاز و اکرام کے لئے سب سے زیادہ اہل۔ اصلح اور حقدار سمجھا گیا! ۔

آیۃ تطہیر کی کنہ و حقیقت، اس کے نزول کی غرض و غایت اور اس کی مصلحت و حکمت تو ذرا آگے چل کر وضاحت کی جائے گی۔ یہاں صرف یہ دیکھئے کہ اس آیت کو غیر ازواج پر منطبق کرنے کے لئے کیسی کیسی عجیب و غریب روایتیں پیش کی گئی ہیں۔ جو بجائے خود ایک صاحب فضل کو چونکا دینے کے لئے کافی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ایک دن آپؐ نے حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ و حسینؓ کو ایک کالی کملی میں لپٹا لیا کہ جس کو آپ اوڑھے ہوئے تھے اور فرمایا اللّٰھم ھٰؤلاء اھل بیتی پھر دعا کی کہ یا اللہ ان کی ناپاکی دور کر دے اور انھیں پاک کر دے۔ اور پھر مذکورہ بالا روایت کو تقویت پہنچانے کے لئے ایک دوسری عجیب تر روایت پیش کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ "حضورؐ فجر کی نماز کو مسجد میں جاتے ہوئے فاطمہؓ کے گھر پر کھڑے ہوکر پکارتے "یا اھل البیت الصلوٰۃ والصلوٰۃ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیراً" وغیر ذلک۔ پہلی روایت کے متعلق سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ عام مومن مردوں اور عورتوں کو تو طیبین و طیبات کہتا ہے لیکن اس کا رسول خود اپنی اولاد کی ناپاکی دور کرنے کے لئے اللہ سے دعا کرے۔ یا للعجب! اگر عام مومنین و مومنات اللہ کے نزدیک پاک و طیب ہیں تو آلِ نبی یقیناً پاک ہونگے لہذا ان کی ناپاکی دور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خباثت کفار و مشرکین کا خاصہ ہے اور پاکی و طہارت مومنین کا طرۂ امتیاز۔ یہ دو متضاد صفات ایک جگہ ہرگز جمع نہیں ہو سکتیں۔ بعینہٖ اسی طرح مؤخر الذکر روایت کے متعلق بھی اولاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ نزول آیۃ تطہیر کے وقت آپ کی ... نو بیویاں موجود تھیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ ایک رات میں کسی ایک ہی بیوی کے گھر میں آرام فرماتے تھے۔ کیا یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے فجر کی نماز کے لئے بقیہ آٹھوں بیویوں کے دروازوں پر بھی کبھی کھڑے ہوکر "الصلوٰۃ یا اہل البیت، الصلوٰۃ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت و یطھرکم تطھیرا" پکارا ہو؟ اگر نہیں تو پھر حضرت فاطمہؓ کے دروازے پر کھڑے ہوکر اس انوکھے انداز میں پکارنے کے کیا معنی؟ دوئم یہ واقعہ ہے کہ آپ فجر کی نماز کے لئے حجرۂ شریف سے اس وقت نکلتے جبکہ مؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم پکار چکا ہوتا۔ بلکہ نمازی اقامت کی تیاریوں میں مصروف ہوتے۔ ایسے وقت میں آپ کا حضرت علیؓ اور فاطمہؓ وغیرہم کو نماز کے لئے جگانا کیا عجیب سا نہیں معلوم ہوتا؟ اور سوئم یہ کہ آپ کی ازواج مطہرات کے حجرے مسجد نبوی سے متصل تھے حتیٰ کہ حالت اعتکاف میں آپ سر مبارک مسجد سے باہر نکال دیتے اور حضرت عائشہؓ اپنے حجرے کے اندر سے آپؐ کا سر دھو دیتیں اور بالوں میں کنگھی کر دیتیں لہذا یہ کہنا کہ حضور مسجد کو جاتے ہوئے فاطمہؓ کے گھر کے قریب سے گذرتے تو "الصلوٰۃ یا اہل البیت" پکارتے" بالکل بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے! ۔

الغرض مذکورالصدر روایات کے بین السطور میں غور کرنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی داخلی تحریک کا اثر ہے کہ لفظ "اہل بیت" کی نحوی لچک کا سہارا لیکر اس لفظ کے قرآنی مفہوم کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا اور اس میں خاندان نبوی کی بعض من مانی چہیتی شخصیتوں کو داخل کر لینے کی گنجائش نکال لی گئی۔ یہی نہیں بلکہ یہ دعویٰ

گویا کہ بیویوں سے زیادہ بیٹی اور داماد اہل بیت میں شامل ہونے کے مستحق ہیں! لیکن افسوس کہ اس کے دوسرے پہلو پر غور نہیں کیا گیا کہ اس سے مسئلہ کی شکل کیسی بھیانک بن کر سامنے آتی ہے۔ مثلاً اگر اہل بیت میں بیویوں کے علاوہ بیٹی، داماد اور اسے بھی شامل ہیں بلکہ وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں تو حضرت عائشہؓ حفصہؓ بھی اپنے باپ کی بیٹیاں ہونے کی حیثیت سے علی الترتیب حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی بلاشک اہل بیت ٹھہریں گی حالانکہ قرآن انھیں حضورؐ کی اہل بیت کہتا ہے نہ کہ ابوبکرؓ عمرؓ کی۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ بیک وقت حضورؐ اور حضرت علیؓ دونوں کی اہل بیت ہو جائیں گی۔ اور خود حضورؐ بھی کہاں بچے۔ وہ بھی تو آخر ابوبکرؓ و عمرؓ کے داماد ہونے کی وجہ سے انھیں کی اہل بیت میں شامل ہو جائیں گے معاذ اللہ! دیکھا آپ نے، یہی ہے قرآن کی معجزانہ بلاغت کہ اس کے ایک لفظ کے معنی و مفہوم کو اس کی جگہ سے ہٹا دینے سے کس قدر گتھی ہی حقائق پر جا کر پڑتی ہے اور اس طرح جتنا آگے بڑھتے جاتے ہیں بجائے سلجھنے کے الجھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اور بالآخر حقیقت پیساں بن کر رہ جائے گی۔ سچ فرمایا لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ۔ رہے آل نبی تو وہ ہمارے سر آنکھوں پر ان کی فضیلت و منقبت مسلم۔ ان کی پاکیزگی و طہارت غیر مشتبہ ان سے اللہ راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ سب کچھ سہی لیکن انھیں خواہ مخواہ تکلف کرکے آپؐ کے اہل بیت میں داخل کر دینے سے کیا فائدہ! اور ایسا کرکے ان کی عظمت و بزرگی میں ہم نے کون سے چار چاند لگا دیے۔ سچ پوچھیے تو ہم نے ایسی حرکت کرکے ان بزرگوں کی عزت تو کیا کی البتہ ان کی صریح اہانت کے مرتکب ہوئے

اب آئیے ہم آیۂ تطہیر پر اس کے سیاق و سباق کی روشنی میں غور کریں اور دیکھیں کہ اس کے نزول کا پس منظر کیا ہے؟ اس کا مخاطب کن سے ہے؟ اور صحیح معنوں میں نبی کے **اہل بیت کون ہیں؟** —

بات درحقیقت یہ ہے کہ حضورؐ کی بیویاں پرائے گھر کی بیٹیاں تھیں۔ لیکن آپ کی زوجیت کا شرف حاصل ہونے کے بعد ان کی وہ پہلی سی حیثیت باقی نہیں رہی بلکہ وہ ایسے اعلیٰ منصب اور ارفع مقام پر پہنچ گئیں جہاں دنیا کی کوئی عورت نہ ان سے پہلے کبھی پہنچی تھی اور نہ قیامت تک پہنچ سکتی ہے۔ انھیں حضورؐ کے واسطہ سے اگر امہات المومنین کا درجہ حاصل ہو گیا تو ساتھ ہی ان پر بہت ساری اہم اور نازک ذمہ داریاں بھی عائد ہو گئیں۔ یعنی ایک طرف انھیں اہل بیت کی حیثیت سے اپنے گھروں کے وہ تمام فرائض انجام دینے تھے جن کی فطرتاً ہر عورت مکلف ہوتی ہے۔ تو دوسری طرف تکمیل دین، تعمیر ملت اور تشکیل معاشرت میں وہ اہم کردار بھی ادا کرنا تھا جس کے بغیر دین و ملت ناقص و نامکمل اور معاشرہ ناتمام رہ جاتا۔ غرض چند در چند مصالح و حکم کی بنا پر ضروری تھا کہ امہات المومنین کو نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں ان کی حیثیت اور خصوصی پوزیشن خوب ذہن نشین کرا دی جاتی بعدہ مسلمانوں کے ساتھ ان کے دینی تعلقات کے پیش نظر انھیں منافقین کی شرارت سے محفوظ رہنے کے لئے پیشگی ما تقدم تدبیر بتا دی جاتی جو مسلم معاشرے میں اس طرح گھلے ملے تھے کہ انھیں پہچاننا ان سیدھی سادی پردہ نشین عورتوں کا کام نہ تھا اور پھر انھیں اسلامی آداب و اخلاقی تعلیمات اور امور دینیہ کی تبلیغات سے خوب آراستہ کر دیا جاتا جس کے لئے ان کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے انھیں براہ راست خطاب کرکے متنبہ کیا گیا کہ تم نبیؐ کی بیویاں ہو۔ تمہاری حیثیت دنیا کی تمام عورتوں سے ورا الورا ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ — اے نبی کی بیویو یاد رکھو تم دنیا کی کسی اور عورت جیسی نہیں ہو۔

پھر انھیں مدینے کے منافقین کی کھلی شرارتوں کے پیش نظر بوقت ضرورت لوگوں سے کلام کرنے کا مناسب اور نہایت حکیمانہ انداز بتایا گیا۔

اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا — اگر تم خدا سے ڈرتی رہو تو دب کر بات نہ کرو کہ جس کے قلب میں روگ ہے طمع کرنے لگے اور

مَعْرُوْفًا ۔ معقول بات کہو۔

ازاں بعد پردے میں رہنے اور مروّجہ بناؤ سنگار سے یکلخت پرہیز کرنے کا حکم دیکر جاہلیت کی دیرینہ رسم کو مٹانے میں انھیں سب سے پہلے اسلامی معاشرت کا نمونہ بننے کی تلقین کی گئی جو تکمیل دین کا اہم تقاضا تھا۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی ۔ اور تم اپنے گھروں کے اندر ٹھیری رہو اور جاہلیۃ سابقہ کے طریقہ پر بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو۔

پھر دین کے بنیادی ارکان کی تعمیل میں ہمہ وقت سرگرم رہنے کا خصوصی طور پر حکم کیا گیا مبادا ایسا سمجھ بیٹھیں کہ نبیؐ کی ازواج ہونے کی حیثیت سے وہ ان فرائض دینیہ سے مستثنیٰ ہیں۔

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ اور تم صلوٰۃ قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں سرگرم رہو۔

ازاں بعد بطور حاصل کلام کے بتایا گیا کہ اے اہل بیت ان احکام خداوندی پر عمل درآمد کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دامن کسی طرح کی گندگی سے آلودہ نہ ہوگا۔ بخلاف اس کے تم خوب پاک و مطہر رہوگی۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۔ اے اہل بیت اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ گندی باتیں تم سے دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک رکھے جیسا پاک رکھنے کا حق ہے۔

اور اس سلسلۂ خطاب کا خاتمہ ازواج مطہراتؓ کو اس ترغیب کے ساتھ ہوتا ہے کہ چونکہ تمہارے ہی گھروں میں شب و روز کلام الٰہی کا نزول ہوتا رہتا ہے، اور یہی منبع چشمۂ ہدایت ہے اس لئے تم پر بدرجۂ اولیٰ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ تم خود بھی اللہ کی آیات و حکمت کو یاد کرو اور یہ سمجھ لو کہ ان احکامات میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں جن کی خبر اللہ ہی کو بہتر ہے۔

وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ۔ اور (اے اہل بیت!) تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت پڑھی جاتی ہیں ان کو تم یاد کرو بیشک اللہ باریک بین اور خبردار ہے۔

+ + + + + + +

الحاصل مذکورہ بالا سطور سے یہ بات خوب متحقق ہوگئی کہ پورے قرآن میں ہر جگہ "بیت" کو "عورت" کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور لفظ "اہل بیت" تخصیص کے ساتھ "عورت" ہی کے لئے مستعمل ہوا ہے۔ نیز یہ صاف ہوگیا کہ آیتہ تطہیر کی مدلول اور اس میں جو لفظ "اہل بیت" ہے اس کی مخاطب صراحۃً آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہرات ہیں نہ کہ غیر حتی کہ یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس لفظ کو آپ کی بیویوں کے علاوہ خاندان کے دوسرے افراد پر منطبق کرنا منشائے قرآنی کے صریح منافی بلکہ اس پر زیادتی کرنا اور دین کے حقیقی خدوخال کو بگاڑ دینے کے مرادف ہے!

بایں ہمہ یہ امر تشریح طلب ہے کہ اس لفظ کے لغوی معنی کی عمومیت کی کلی نفی کرے، اس کے مفہوم کو ایک محدود دائرے میں مقید و محصور کرتے میں اس لطیف و خبیر کی باریک بیں نگاہوں میں آخر کونسا راز مضمر اور کیا حکمت پوشیدہ تھی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ دراصل قانون قدرت کے ایک اہم گوشے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور از بسکہ قرآن پوری نوع انسانی کے لئے ایک مکمل نظام حیات پیش کرتا ہے اس لئے ہو نہیں سکتا کہ زندگی کا کوئی شعبہ اس کے دائرۂ رشد و ہدایت اور اثر و نفوذ سے باہر رہ جائے۔ چنانچہ اس حقیقت کے پیش نظر اس نے اس موقع پر ایسا بلیغ اسلوب و حکیمانہ انداز بیان اختیار کیا ہے کہ اس ایک چھوٹے سے لفظ کے اندر انسانی تمدن کی ایک دنیا سمٹ کر آگئی ہے! اس لفظ کو عورت کی طرف منسوب کرکے بتا دیا ہے کہ اس کا صحیح مقام کیا ہے۔ یعنی یہ کہ قدرت نے جہاں نظام تمدن میں مردوں کو چند در چند فرائض کا ذمہ دار ٹھیرایا ہے وہاں اس جنس لطیف کو بھی اس نظام میں کافی حصہ لینے اور اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق اہم کردار ادا کرنے کا حق بخشا ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ مردوں کی تمام تگ و دو کے لئے باہر کی وسیع و عریض دنیا منتخب کی ہے اور عورت کی

ساری مساعی کے لئے گھر کی چار دیواری کو اصلی میزان ٹھیرایا ہے۔ مردوں کو خارجی دنیا میں امور سیاسیات کی انجام دہی اور تلاشِ معاش جیسے مشقت طلب مشاغل کا مکلف بنایا۔ اور عورتوں کو گھر کی دنیا آباد کرنے، خانگی امور کے انتظام کی باگ ڈور سنبھالنے اور جہادِ زندگی میں مردوں کی سہیم و شریک بن کر ایک محدود دائرے کے اندر اپنا فطری جوہر دکھلانے کے لئے پیدا کیا۔ غرض "عورت" گھر کے لئے ہے اور "گھر" عورت کے واسطے "عورت" گھر کی زینت اور "گھر" سے عورت کی زیبائش ہے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا محال بلکہ ناممکن ہے۔ بنابریں حق یہ ہے کہ عورت اور صرف عورت ہی کی قامت پر "بیت" کا جامہ راست آتا ہے اور وہی بجا طور پر "اہل بیت" کہلانے کی مستحق ہے!"

تجلّی جن روایتوں پر صاحب مضمون نے درایت و منطق کے رخ سے نقد کیا ہے اگرچہ دوسری جس میں (والصلوٰۃ الصلوٰۃ ہے) ہمارے نزدیک قطعی قابل اعتماد نہیں ہے لیکن رد و تردید کا جو طریقہ انھوں نے اختیار فرمایا ہے اسے حدیث کے معاملہ میں ہم اصولاً غلط سمجھتے ہیں۔ حدیث اگر صریح طور پر کسی امرِ محال یا مسلّمات کے خلاف مضمون پر مشتمل ہو تب تو صرف عقل و درایت کے ذریعہ اس کا انکار کیا جا سکتا ہے لیکن اسکے علاوہ ہر صورت میں ضروری ہے کہ فنِ روایت کی کسوٹی پر اسے پرکھا جائے اور اس کے بعد کوئی فیصلہ دینے کی جرأت کی جائے خالی عقلی نکتہ چینی احادیث کے معاملہ میں انہدامِ دین پر منتج ہوتی ہے۔ کیونکہ عقل ایک بے تلے کا بدھنا ہے جس میں کوئی جائز نہیں۔ ہر شخص اپنی منطق عقل کو جس وادی میں چاہے دوڑا سکتی ہے۔ اور جن احادیث میں فی الحقیقت کوئی استحالہ نہیں یا سطحی طور پر کوئی استبعاد ہے۔ مگر علم و فن کی روشنی میں انکی توجیہ و تطبیق ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پورا علم روایت ہی خاک میں مل جائے اور دین کی وادی میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو۔

اب یہ دونوں روایتیں جن کا فاضل مضمون نگار نے تحقیر کے ساتھ ذکر کیا۔ آخر ان میں کیا استحالہ ہے۔ کونسی غیر ممکن بات ان میں کہی گئی ہے۔ دوسری روایت کو ہم نے جو ناقابل اعتبار کہا تو وہ اصولِ فن کی بنیاد پر کہا نہ کہ خالی اس درایت کی بنا پر جس کا مظاہرہ موصوف نے کیا ہے۔ ہاں اصولِ روایت کے اعتبار سے جب روایت میں وضع یا کمزوری واضح ہو جائے تب عقل و درایت بھی معاون کا کام دیتے ہیں اور انہیں قابلِ لحاظ قرار دیا جا سکتا ہے۔

پھر دوسری روایت میں تو ان کا منطقی نقد کچھ استحکام بھی رکھتا ہے۔ لیکن پہلی روایت میں یہ بے حد ضعیف ہے۔ وہ تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر عام مومنین و مومنات اللہ کے نزدیک پاک و طیب ہیں تو نبی یقیناً پاک ہوں گے۔ لہٰذا ان کی ناپاکی دور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر کیا معنیٰ کہ رسول اللہؐ خود اپنی اولاد کی ناپاکی دور کرنے کے لئے اللہ سے دعا مانگیں!

ہم کہتے ہیں اس تعجب کا کیا موقع تھا جبکہ اہل بیت کی طرف رجس (ناپاکی) کی علامت خود کلام الٰہی میں موجود ہے پیش فرمودہ منطق کی رو سے تو ازواج مطہرات میں بھی رجس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے رجس دور کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں۔ اہل بیت کا مصداق حقیقی و مجازی اعتبار سے جو افراد بھی ہوں اور ان کی تطہیر عن الرجس کا کچھ بھی مطلب نکلے اللہ بہرحال ارادۂ تطہیر کا اعلان فرما رہا ہے تو پیغمبرؐ کا دعا مانگنا بھی نہ صرف بجا بلکہ عقل و نفسیات کے عین مطابق ہوگا۔ اس پر اُس عقلی معارضے کی کیا گنجائش ہے جو فاضل مضمون نگار نے پیش فرمایا ہے۔

پہلی روایت اصولِ فن کے معیار پر کھوٹی نہیں ہے۔ اسے اکثر اہل علم نے قبول فرمایا ہے۔ اور گرچہ ہم روایت کے پہلو سے اتنا قوی نہیں سمجھتے کہ قبول کر لینا واجب ہی ہو۔ لیکن پھر بھی اسے چٹکیوں میں نہیں اڑایا جا سکتا۔

البتہ یہ پہلو اہل علم کے لئے قابل غور ہے کہ راویوں کے رد و قبول کے جو پیمانے اسلاف نے بنائے ہیں کیا وہ وحی الٰہی کی طرح مو بہ مو برحق ہیں یا اس اعتبار سے کہ وہ انسانوں ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں کسی نقص، کسی خامی اور کسی تسامح کا

اندیشہ کیا جا سکتا ہے۔ انسان کتنا ہی اونچا اڑے فرشتہ نہیں بن سکتا۔ محدثین پر اللہ کی رحمت ہو انھوں نے اگرچہ کاوش و تحقیق کا پورا حق ادا کر دیا اور ان کی نیتوں پر شک کرنا قلب کے پوری طرح سیاہ ہو جانے سے قبل ممکن نہیں ہے لیکن چوک، فرو گذاشت، سہو ... وہ بھی بہرحال بالاتر نہ تھے۔ جہاں قرائن و دلائل یہ گمان ... کہ ان سے چوک ہوئی ہے کیا وہاں بھی کامل انقیاد و تسلیم ہی ضروری ہے یا بحث و تفکر کا دروازہ کھولا جا سکتا ہے۔ اسلاف ... ہیں۔ بے شک ایسے ... ہو گئے ہیں جنھوں نے بخاری و مسلم تک ... کو ... گوارا نہیں اور جہاں جہاں انھیں اشکال پیدا ہوا ... بے محابا ... کر گئے۔ لیکن اب عملاً اس جرأت کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ معقول ہے۔ لوگ اٹھتے ہیں اور اصول فن کا لحاظ کئے بغیر اپنی عقل و دانش کے تیروں سے محدثین کا سینہ چھلنی کر دیتے ہیں۔ یہ جرح و نقد کا عمل دین کی دردمندی کے تحت نہیں بلکہ اہوا و خواہشات کی تحریک پر ہونے لگا ہے مقصود یہ ہے کہ خالی قرآن قرآن کی رٹ لگا کر اسلامی احکام و اخلاق سے جان چھڑالیں اور مغربی تصورات کے مطابق ایک ماڈرن اسلام ظہور میں آئے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ علم حدیث اور فن روایت پر ان کی گفتگو لحاظ و رعایت کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ مگر جس کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں وہ ... سے مختلف ہے۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں ... بیسیوں ایسے محدثین ... ہیں ... طور پر ... قرآن معتبر سمجھی جاتی ہیں لیکن ان میں بعض راوی ایسے نہیں ہیں جن کے معتبر ہونے پر آج بھی ... ہو۔ یہ سلیمان الاعمش۔ یہ سلمہ بن کہیل۔ یہ ہشام بن ... یہ عطیہ بن ... یہ ... منصور بن المعتمر۔ یہ ... ہیں۔ اسماء الرجال کی کتابیں گواہی دیتی ہیں ... کے لحاظ سے یہ لوگ ... تھے اور انھیں ان کے زمانے میں نکوکار اور صادق القول سمجھا جاتا تھا۔ یہ بھی گواہی دیتی ہیں کہ ان کی تعدیل غالب اور جرح مغلوب ہے۔ اور بخاری و مسلم جیسے اکابر نے ان پر اعتماد کر کے بے اصولی نہیں کی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ ان میں تشیع کے اثرات پائے جاتے تھے۔ کسی کا حال ان میں سے یہ تھا کہ اہل بیت کی عقیدت مفرطہ میں صحابہ تک کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو جاتا تھا۔ کسی کے تیور یہ تھے کہ ام المومنین بھی اس کی زبان ناکوں سے نہ بچ سکیں۔ اس کے باوجود نیک دل محدثین نے انھیں سر آنکھوں پر بٹھایا۔ انھیں صحاح کے راویوں میں شامل کیا اور ان کے زہد و ورع پر تکیہ کر لیا۔ حالانکہ جن روایات سے شیعی انداز فکر کو غذا ملتی ہو انھیں کسی شیعی ذہن کے راوی سے قبول کر لینا تو بیحد خطرناک ہے خواہ اس راوی کا علم و فضل اور کردار و اخلاق آسمان سے باتیں کر رہا ہو ۔۔۔ لیکن جو روایات اس نہج کی نہ ہوں انھیں تشیع زدہ راویوں سے قبول کر لینا نتائج بعیدہ کے اعتبار سے مضرت سے خالی نہیں۔ کسی راوی کو "ثقاہت" کا تمغہ دینا بہت بڑا اعزاز ہے۔ یہ اعزاز بخش دیا جائے تو پھر ان ... روایات میں بھی جو بعض اختلافی مسائل میں کسی ایک رخ کی پشت پناہی کرتی ہوں، ان کی "ثقاہت" سے جان چھڑانی مشکل ہے۔

اہل دانش پر یہ نکتہ مخفی نہیں کہ خاص خاص رجحانات و میلانات کیا کچھ فساد پھیلاتے ہیں اور کس طرح ایک نکوکار محتاط راست گو اور خوش اطوار انسان کسی داخلی میلانات و رجحانات یا خارجی محرک کے زیر اثر زود اعتقادیوں اور مغالطوں اور نادانستہ دروغ گوئیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثالیں بہت ہیں۔ یہاں صرف ایک پر اکتفا کریں گے۔

حافظ سیوطیؒ کچھ معمولی آدمی نہ تھے۔ حدیث و تاریخ میں ان کا بڑا شہرہ ہے۔ اور بجا ہے۔ بہت بڑے عالم و فاضل اور صالح و نکوکار تھے۔ یقیناً تھے۔ لیکن خاص مذاق و رجحانات کے زیر اثر رسول اللہؐ کا سایہ نہ ہونے کی روایت پر تکیہ کر بیٹھے۔ حالانکہ روایت و درایت دونوں پہلوؤں سے یہ صریح البطلان تھی۔ یہی نہیں۔ ان کے یہاں اور بھی دوراز کار روایتیں ملتی ہیں۔ تاریخ الخلفاء لکھی تو اس میں متعدد مقامات پر علم و تحقیق کے بجائے داخلی محرکات اور یک رخے میلانات کی کارفرمائی موجود ہے۔ حکومت عباسیوں کی تھی۔ بنی عباس کی خلافت کے سلسلہ میں ایک مستقل باب سپرد قلم فرمایا جس میں

ابومسلم خراسانی جیسے کذاب کی تصنیف کردہ روایات حدیث
کے نام سے جمع فرمادیں اور ابونعیم و دیلمی جیسے محدثین پر
بھروسہ کرلیا۔ جملہ علمائے معتبر ان روایات کے جعلی و وضعی
ہونے پر متفق ہیں۔ کیا کہئے گا کوئی جب دیکھے گا کہ مسلمانوں کا
اتنا بڑا معتمد عالم و امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
اس پیشین گوئی کو منسوب کررہا ہے کہ خلافت عباسیہ نزول
عیسیٰ کے زمانے تک رہ جائیگی اور بڑے شدومد کے ساتھ یقین
دلا رہا ہے کہ بنو عباس کے لئے نزول عیسیٰ یا ظہور مہدی
کے زمانے تک حکومت و اقتدار کا فیصلہ بارگاہ نبوت سے
ہو چکا ہے۔

حالانکہ حافظ سیوطی کی ان معتمد علیہ روایتوں کی سیاہی
بھی ابھی خشک نہ ہو پائی تھی کہ خلافت عباسیہ کی دھجیاں
اڑ گئیں اور موصوف کی رحلت کے پچیس تیس سال ہی بعد عباسیوں کا
نام لیوا اور پانی دیوا بھی کوئی نہ رہا۔ اب دو ہی فیصلے ممکن ہیں
یا تو نعوذ باللہ کہئے کہ رسول اللہ ہی کی پیشین گوئی غلط تھی یا پھر
فرمائیے کہ حافظ سیوطی نے روایات پر بھروسہ کرنے میں
دھوکا کھایا۔ دھوکا بڑے سے بڑا انسان کھا سکتا ہے۔ ضروری
نہیں کہ وہ دانستہ جھوٹ بولے اور علم و تقویٰ سے بے نیاز ہو
علم و فہم، زہد و ورع اور ممتاز کردار رکھتے ہوئے بھی آدمی معصومیت
کے ساتھ غلط بات نقل کرسکتا ہے۔ خارجی محرکات خاص قسم
کے میلانات و عواطف اور ماحول کے گوناگوں موثرات و عوامل
بعض مرتبہ فکر و نظر کی گاڑی کا کانٹا اس آہستگی سے بدلتے
ہیں کہ ڈرائیور تو یہی سمجھتا رہتا ہے گاڑی صراط مستقیم پر جارہی ہے
مگر وہ اور ہی کسی رخ پر چل دیتی ہے۔ ہم نے ایک بات سنی۔ اسکے
دو مطلب ہوسکتے تھے۔ ایک مطلب ہمارے مذاق و رجحان کے
موافق تھا ایک مخالف۔ ہم نے قدرتاً وہی مطلب لیا جو موافق تھا
پھر اصل بات کو ایسے الفاظ و انداز میں دوسروں سے بیان
کردیا جن سے صرف یہی مطلب متعین ہوجاتا تھا۔ اس سارے
عمل میں ہم نے نہ دروغ گوئی کی نیت کی، نہ دغا کا ارادہ کیا۔ لیکن
فی الحقیقت راہ مستقیم سے ہٹ گئے۔ کیا معلوم قائل کا مطلب
وہی رہا ہو جسے ہم نے طبعی رجحان و میلانات کے زیر اثر
نظر انداز کردیا ہے۔

رفض و تشیع ایک مہلک مرض ہے جو فکر و نظر کا انداز ہی
بدل دیتا ہے۔ اس کے جراثیم دماغ میں داخل ہوجائیں تو
معتقدات کی دنیا میں ہرا ہی ہرا نظر آئے گا۔ شیطان کو اللہ نے
عمر طویل عطا فرمائی۔ لیکن عبداللہ ابن سبا کے تصرفات روحانی
کو رفض و تشیع نے زندۂ جاوید کیا۔ کاش ہماری معتبر کتب حدیث
میں کسی ایسے شخص کو راویوں کی صف میں بار نہ ملتا جسے تشیع کی ہوا
لگ گئی ہو۔ مگر ملا اور رنگ لایا۔ رنگ یہ لایا کہ سنیت کے نام
سے پڑھے جانے والے سینوں میں بھی ایسے معتقدات کی وبا پھیل گئی
جو حقیقتاً تشیع کے خانہ زاد ہیں۔ مگر بے شمار سنی عوام و خواص
انھیں عقائد اہل سنت والجماعت کی تسبیح میں پروئے
ہوئے ہیں۔

مان لیا کہ دو معظم حضرات بھی مجازاً اہل بیت ہی ہیں جنھیں
بہ مصداق روایت اللہ کے رسول نے کملی میں لیکر "اہل بیت"
فرمایا تھا۔ لیکن یہ کیا جادو ہے کہ ننانوے فیصدی سنی بھی
"اہل بیت" بول اور سنکر "پنجتن" ہی مراد لیتے ہیں۔ اور
اچھے اچھے اہل علم سنیوں کی کتابوں میں انھی پنجتن کے لئے
اہل بیت کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔

یہ جادو نہیں ہماری۔ ہماری زود اعتباری، ڈھیل
سادگی اور بے محل فیاضی کا ثمر تلخ ہے۔ تشیع کے مریضوں کو
سر پر نہ چڑھایا جاتا تو نسل و نسب کی دھنوں پر رقص کرنے
کی وبا سنیوں میں کبھی نہ پھیلتی۔ اب پھیل گئی ہے تو آپ بھی رقص
کیجئے اور ہم بھی واہ واہ کے نعرے بلند کرتے رہیں۔

جی چاہتا تھا کہ حدیث "اہل بیت" کی روایتی حیثیت پر
بھی گفتگو کرتے چلیں۔ لیکن بات بڑھ جائے گی اس لئے مختصراً
لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ یہ حدیث مکمل طور پر قابل قبول ہو تب بھی
اس سے وہ مطلب برآمد نہیں ہوتے جو برآمد کئے جاتے ہیں۔ اللہ
کے رسول نے حضرت سلمان فارسی کو بھی اپنا "اہل بیت" کہا ہے
اس سے ثابت ہوا کہ یہ مرکب لفظ شدت تعلق کیلئے بھی استعمال
ہوتا ہے اور اللہ کے رسول نے اسے اسی لئے استعمال فرمایا۔
اس لئے نہیں فرمایا تھا کہ لفظ کو اس کے حقیقی مفہوم سے ہٹا کر

مستقل عنوان

مسجد سے میخانے تک

از ملا ابن العرب مکی

تاریخ نوشت :- ۱۵ فروری ۱۹۶۱ء

موڈرل اور سوشل ہائی جین کانفرنس کے بیچ پڑ لنج ڈاکٹر سوشیلا نائر نے انکشاف کیا ہے۔

"آجکل دہلی کے اندر ناچ گھر کے پردے میں
حرام کاری کا کاروبار بڑے زور پر ہو رہا ہے۔"

تو کیا آپ کو امید تھی کہ ناچ گھروں کے پرشے میں
رام کے بھجن گائے جائیں گے ؟ -

"آجکل" کا تکلف چھوڑ دیجیے۔ انسانی جبلتیں جو آج ہیں وہی ہزار برس پہلے تھیں۔ عاجز اپنے مقدس پراچین بھارتیہ کلچر کی سوگند کھا کے یقین دلاتا ہے کہ اب سے دو چار ہزار برس پہلے بھی اگر کہیں ناچ رنگ کو فروغ ہوا ہوگا تو اسی کاروبار کی ریل پیل رہی ہوگی جسے خواہ مخواہ حرام کاری قرار دیا جا رہا ہے۔ حرام و حلال دقیانوسی باتیں ہیں صنعتی اور مشینی بنیادوں پر جس سوشلسٹ سماج کا نگار خانہ تعمیر کیا جا رہا ہے۔ اسمیں یہ پرانے خیالات نہیں چلیں گے تعجب کی بات ہے ناچ گھروں کی تعمیر تو ثقافت و کلچر کے عنوان سے پرلے سرے کا کارِ ثواب ٹھیرے، مگر اس کے لازمی ثمرات کو حرام کاری کا رجعت پسندانہ نام دیا جائے۔ ناچ اس کے سوا آخر ہے کیا کہ جوان عورتیں چست سے چست اور دلکش سے دلکش لباس پہن کر اپنے تن بدن کے ایک ایک عضو کو تھرکائیں، ابھاریں، نمایاں کریں، جنسی میلانات کو کرید کرید کر باہر لانے میں ناچ رنگ کی برابری شاید ہی کوئی دوسری عبادت کر سکے۔ اور آجکل کے ترقی یافتہ ناچوں کا تو یہ عالم ہے کہ کسی فلمی متوالے کی لاش پر آپ ایک پری جمال رقاصہ کا ناچ کرا دیجیے۔ لاش فوراً اٹھ کھڑی ہوگی۔ اٹھ بھی کھڑی ہو تو کروٹیں ضرور بدلے گی !

خلاصہ یہ کہ حرام و حلال کا رانڈ رونا ختم۔ بدکاری نکوکاری کی اصطلاحیں بھسم۔ اب تو یوتھ فیسٹولوں۔ کلچرل پروگراموں اور ناچ رنگ کا دور ہے۔ ان کی کوکھ سے وہ عظیم روحانیت اور خوش اخلاقی جنم لے گی کہ آسمان [illegible] سے عبرت کے ٹپ ٹپ آنسو گرائے گا۔ یقین نہیں [illegible] وازدو جناب ال احمد سرور نے انھوں نے [illegible] کی [illegible] فتی بحث میں یہ سائنسی نکتۂ بلیغہ منکشف فرمایا ہے کہ کلچرل پروگراموں کے ذریعے ہم عورتوں مردوں کو خلا ملا کا موقع دیکر جنسی محرکات کو کم کرنے کا کارنامہ انجام دیتے ہیں ! یہ نکتہ اس قدر بلیغ تھا کہ عاجز کا کلیجہ گز بھر کا ہوگیا۔ بے اختیار زبان سے نکلا

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

اسی دن مولوی شہباز علی سے مڈبھیڑ ہوگئی تو میں نے انھیں للکارا کہ ہوشیار !

وہ کھویں چڑھا کے بولے ــــ "کیا بکتے ہو !"
میں نے کہا ــــ "بکتا نہیں ہوں مزا آگیا ہے"
فرمایا ــــ "دماغ مت چاٹو"

میں نے کہا ــــ "ضرور چاٹوں گا۔ آپ کہا کرتے ہیں کہ ہمارے مشرق میں مفکرین فلاسفہ کی پیدائش بند ہوگئی ہے۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ اپنے دیش میں آج بھی ایسا ایسا مفکر پڑا ہوا ہے جس کی تکر رسا کے آگے بقراط اور ارسطو تک

چھٹی کا دودھ یاد آسکتا ہے"۔

پھر ان کے اصرار پر میں نے سرور صاحب کا نام نامی لیا اور نکتۂ بلیغہ کی بشارت دی۔ فرمانے لگے

"نکتہ واقعی نادر ہے مگر افسوس ہے کہ کرایہ کا ہے"

میرے چھکے چھوٹ گئے "کیا مطلب"؟

جواب ملا "سب سے پہلے فرانس کے مفکرین اسے ڈھونڈ کے لائے تھے۔ اس کی بنیاد پر انھوں نے ننگوں کے کلب قائم کئے"۔

میرا دل ڈوب گیا۔ کتنی تلاش سے تو ایک نکتہ ہاتھ لگا تھا۔ وہی مولوی شہباز کے الزام انکشاف کی تہ میں بیٹھ گیا۔

خیر نکتہ کرایہ کا سہی مگر ہے گنجینۂ معانی۔ اسکی بنیاد پر اگر لڑکوں لڑکیوں کے آزادی کامل اور خلوت کدوں کا بھی انتظام کر دیا جائے تو جنسی محرکات بالکل ہی ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔ والله اعلم۔

۱۶ر فروری ۱۹۶۱ء:۔

یو۔ پی اسمبلی میں انکشاف ہوا ہے کہ ایک وزیر اعلیٰ نے اپنے لڑکوں کو نوے لاکھ روپے کی جائدادوں کا مالک بنا دیا۔

ایک اور وزیر صاحب کے بارے میں اطلاع دی گئی ہے کہ ایک زمانہ تھا جب یہ اپنے خلاف ۸۰ روپے کی ڈگری ادا نہ کر سکے تھے۔ لیکن آج تقریباً نوے لاکھ روپے کے مالک ہیں۔

یہ سال بھر پہلے کی باتیں ہیں۔ جب مولوی رفیق الزماں نے انھیں اخبار میں پڑھا تھا تو مارے خوشی کے پھولے نہیں سمائے تھے۔

"دیکھ رہے ہو ملاّ۔ جمہوریت اس کا نام ہے اگر بعض خود غرضوں نے بدعنوانیاں کیں تو بعض حق پرست عین اسمبلی میں انھیں ٹوک بھی رہے ہیں"۔

"جی ہاں۔۔۔ جی" میں نے بے سوچے سمجھے جواب دیا تھا۔ میں دراصل اپنی مصیبت میں گرفتار تھا۔ ایک مہینہ ہوا جب دو مرغیاں خریدی تھیں کہ ان کے انڈے بیچکر بکری خریدوں گا اور بکری کے بچے بیچ بیچ کر بھینس لوں گا مگر کل انھیں کوئی چرا لے گیا۔ پھر میرے کانگریسی دوست مسٹر نفیس الحسن نے کہلا بھیجا تھا کہ آج تمہاری دعوت ہے، دعوت میں مرغ پلاؤ ملا تھا۔ اور جب گلے گلے تک کھا پی کر ہاتھ دھو گئے تھے۔ تو موصوف نے اپنے منجھلے صاحبزادے کی ذہانت و فطانت کا ماجرا سناتے ہوئے کہا تھا۔

"بھئی قسم پروردگار کی ملاّ! یہ شبیہ الحسن تو بلا کا ہونہار ہے ابھی سے یہ حال ہے کہ بڑوں بڑوں کے کان کاٹتا ہے"

"ماشاء اللہ ماشاء اللہ" میں نے مجبوراً کہا تھا "اس کی آنکھیں کہتی ہیں کہ وہ نام پیدا کرے گا"۔

"تمہارے منہ میں گھی شکر۔ جانتے ہو آج اس نے کیا کمال کیا؟"۔

"ضرور کیا ہوگا ——— جی ہاں کیا کیا؟"

"ارے نہ پوچھو" وہ فخر سے سینہ تان کے بولے تھے "رات اس کی ماں کہہ رہی تھی کہ کل جمعہ ہے اور ہماری نتھیا ساس مہمان بن کے آ رہی ہیں گوشت کا کیا ہوگا۔ اس نے کہا آپ فکر نہ کریں امی جان۔ گوشت میں لاؤں گا۔ انھوں نے کہا تو باسی اٹھا لائے گا۔ باسی سے چاول برباد ہو جاتے ہیں اسنے کہا نہیں امی جان تازہ ہوگا۔ اکدم فریش۔ میں نے ڈانٹا کہ گدھے خواہ مخواہ کی باتیں کیوں کرتا ہے۔ جمعہ کو جانور کٹتے ہی کہاں ہیں جو تو تازہ گوشت لے آئیگا۔ کہنے لگا کہ ابا جان! آپ کا بیٹا آپ کا بیٹا ہے۔ آپ کے پانچ ووٹ چٹکی بجاتے پچاس بن سکتے ہیں تو جمعہ کے دن گوشت کیوں نہیں مل سکتا"

"یہ دونوں کا کیا قصہ تھا؟" میں نے قطع کلام کیا۔

"ارے تھا وہ بھی۔ پرانی بات ہوگئی"۔

"پھر بھی"؟

"چھوڑو۔۔۔۔ تو ہاں اس شریر کو دیکھو۔ دو مرغیاں اس صفائی سے لایا ہے کہ سالے مالک کے فرشتوں کو بھی ہوا نہیں لگی۔ اچھی خاصی زندہ مرغیاں تھیں۔ مگر کیا مجال ہے ذرا کڑکڑائی ہوں۔ گلے میں اس انداز سے کانٹا پھنسایا تھا

، نہ مریں نہ بول سکیں۔"

میری عاقبت روشن ہوگئی۔ وہ دادطلب نظروں سے مجھے تک رہے تھے۔ اب میں کیا کہتا کہ وہ "سالا مالک" ہی، ہوں جس کے فرشتے ہوا کو ترس رہے ہیں۔

"ہونہار بچے شریر ہی ہوتے ہیں" میں نے تھوک نگلتے ہوئے کہا تھا "گوشت بہرحال نہایت مزیدار تھا صاجزادے اس وقت کہاں گئے"؟

"اجی ان کی کیا پوچھتے ہو۔ محلے بھر کے لڑکوں کی کمیٹی بنا رکھی ہے۔ صدر جناب خود ہیں۔ وہ شاندار تقریریں کرتے ہیں کہ دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر سنئے تو معلوم ہوگا پردھان منتری بول رہے ہیں"۔

"بے شک۔ بے شک۔ مجھے یقین ہے وہ وزیر بنیں گے"

"لچھن تو ایسے ہی ہیں آگے اللہ کی مرضی"۔

اس داستان سے اندازہ کیجئے کہ میں ذہنی طور پر کس منزل میں ہوں گا۔ سوچ رہا تھا کہ کس طرح اس ادرزادہ وزیر کو مزا چکھاؤں جس نے میری ہی مرغیوں پر سارا فن وزارت آزما لیا تھا۔ ایسے عالم میں رفیق الزماں جمہوریت پر بور کرنے لگے تو "جی ہاں جی ہاں" کے سوا کیا کرتا مگر وہ بھی نچلی گھڑی سے نہیں تھے۔ ہاتھ نچا کے بولے۔

"اب کیوں سانپ سونگھ گیا۔ تم تو بہت جمہوریت کو برا بھلا کہتے تھے۔ اب بتاؤ یہ جمہوریت کا فیض نہیں تو کیا ہے کہ اگر اتفاق سے بعض وزیر لغزش کے مرتکب ہوگئے تو عین اسمبلی میں انھیں ٹوک دیا گیا۔ کون مائی کا لال ہے جو ٹوکنے والوں کی طرف انگلی بھی اٹھا سکے"۔

"خدا کے لئے مولانا! میرے حال پر رحم کیجئے۔ آپ وزیروں کی بات کرتے ہیں۔ یہاں سالم دو مرغیاں چوری ہوگئی ہیں"

لاحول ولا قوت۔ نہیں موضوع گفتگو کی بھی تمیز نہیں لے کے چلے مرغی....."

"تو وزیر میرے کس کام کے۔ آپ لا دیجئے ویسی ہی دو مرغیاں۔ مینار کا تھیں اصلی"۔

"اماں پھر لاحول ولا قوت۔ سنجیدگی تو نہیں چھو کے نہیں گئی"۔

"آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ وزیر لوگ عیش نہیں اڑائیں گے تو کیا پتنگ اڑائیں گے"۔

"استغفر اللہ۔ وزیروں نے عیش کا سوال نہیں۔ جسے اللہ دے وہ کیوں نہ عیش اڑائے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری اسمبلی میں بفضلہ تعالیٰ کلمۂ حق کہنے والے موجود ہیں۔ یہ جمہوریت ہی کا فیض ہے"۔

اور یہ بھی جمہوریت ہی کا فیض ہے کہ دونوں مرغیاں صاف گئیں ..... مولانا میں بہت غمزدہ ہوں۔ سیاسی گفتگو برداشت نہیں کر سکتا"۔

"ارے وا کیوں نہیں کر سکتے ....."

"یوں نہیں کر سکتا کہ آپ کی کھوپڑی میں بھس بھرا ہوا ہے....."

"ہائیں .... ق قیا کہا بھس بھرا ہوا .... مردود کہیں کے یہی تمہاری تمیز ہے؟۔"

"تمیز و میز میں نہیں جانتا۔ یہ کیا بیہودگی ہے کہ یہاں تو ایک کانگریسی پٹھا مرغیاں صاف کر گیا اور آپ ہیں کہ جمہوریت اور کلمۂ حق کے راگ گائے جا رہے ہیں۔ وزیر تو بنے ہی اسلئے ہیں کہ اپنی سات پشتوں کے رزق کا انتظام کر جائیں۔ کسی ممبر نے تکلفاً چونچ کھول دی ہے تو کیا تیر مار لیا ہے....."

"واہ تیر کیوں نہیں مارا"

"خیر خیر مارا ہوگا میں اپنی مرغیوں کے سوگ میں ہوں آپ پھر کبھی جمہوریت کے نکتے سمجھائیے گا"۔

وہ منھ ہی منھ میں بڑبڑاتے چلے .... خبیث غدار، پاکستانی ....

---

۱۷ فروری ۱۹۶۱ء:۔

صاف لکھا تیوری شریعت کے ایک زبردست مفتی نے جیسا کہ حق ہے لکھنے کا۔

"اے وہابیو! شرم آؤ، ڈوب کے مرجاؤ، بدبختو

اولیائے کاملین سے مدد مانگنے کو اپنا طریقہ بناؤ ـــــ ان کو مردہ بتانے والا خبیث خود مردہ ہے، فریب خوردہ ہے، عقل بردہ ہے اولیائے کاملین ہماری فریاد سنتے ہیں صدائے دلِ ناشاد سنتے ہیں اور ہماری مصیبتوں کو دور کرتے ہیں، رنج کو کافور کرتے ہیں۔ اے وہابیو! تم پر خدا کی مار شیطان کی پھٹکار تم ضرور ہوگے میدانِ حشر میں ذلیل و خوار اور یہ جو دیوبندی بنے ہیں تمہارے یار غار تو ان پر بھی لعنت ہزار بار۔ تم سب سے ہم اہل سنت والجماعت ہیں بیزار۔ ہوشیار اپنے انجام سے ہوشیار...."

اس کے جواب میں ایک وہابی نے بھی ـــــ کہ ماں کی طرف سے دیوبندی تھا اور باپ کی طرف سے وہابی ـــــ ایسا ہی لکھا جیسا کہ حق ہے لکھنے کا۔

"اے مردہ پرستو! اپنے شرک سے باز آجاؤ! کچھ تو خدا کا خوف کرو ـــــ قسم ہے تیلی چھتری والے کی تمہارے دماغوں کے پیچ ڈھیلے ہوگئے ہیں۔ تمہاری متیں ماری گئی ہیں۔ تمہیں ابلیس نے دبوچ لیا ہے۔ تم سے بڑھ کر بری قوم اس دنیا کے پردے پر پیدا نہیں ہوئی کیونکہ تم دکھاوا توحید کا کرتے ہو اور حرکتیں سب شرک کی ہیں۔ مردہ پرستی نے تمہاری سمجھ بوجھ کو مردہ کر دیا ہے اور قریب ہے وہ وقت جب پڑیں گے تمہارے سروں پر گرز آہنی آتشیں ـــــ"

اب عاجز ملا ابن العرب مکی اگرچہ ایسا نہیں لکھ سکتا جیسا کہ حق ہے لکھنے کا مگر ایسا ضرور لکھے گا جیسا لکھا تھا کنفیوشس نے اپنے منجھلے شاگرد کو کہ اے بیٹا!

جب کہ دو موذیوں میں ہو کھٹ پٹ
اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ

اور لکھا تھا اپنے دوسرے شاگرد کو کہ اے برخوردار! آنے والا ہے ایک زمانہ جب ایجاد ہوگا عجیب و غریب طریقۂ علاج کہ کہیں گے اس کو ہومیوپیتھی۔ اور ہومیوپیتھی ہے دیوتاؤں کا علم جس میں بڑھتی جاتی ہے اتنی ہی قوت جتنی کم ہوتی جاتی ہے دوا۔ جب بالکل ہی فنا ہو جائے دوا تو سمجھو باقی رہ گئی ہے قوت ہی قوت۔ یہی اصول جاری ہے صوفیائے مشائخ کے معاملہ میں کہ جب ہو جاتے ہیں وہ زیر زمین کلیجہ نار تو بڑھ جاتی ہیں ان کی قدرتیں۔ اور جب گل سڑ جاتی ہیں ان کی ہڈیاں تو بن جاتے ہیں وہ خدا کہ مدد کرتے ہیں ہر پکارنے والے کی مدد کرتا ہر حق!

تو عرض یہ کرنا تھا کہ پچھلے مہینے عاجز کو بریلی کے نواح میں قیام کرنے کا اتفاق پیش آیا۔ یہاں ایک بریلوی شاہ صاحب کا بہت شہرہ سنا۔ طرح طرح کی کرامتیں ان کی مشہور تھیں۔ مثلاً پار سال حج کے زمانے میں کئی آدمیوں نے انھیں مسجد نبوی کے مینار کی چوٹی پر بیٹھے دیکھا تھا حالانکہ وہ حج کو نہیں گئے تھے۔ میں نے حیرت سے پوچھا

"چوٹی پر تو سارے حاجیوں نے دیکھا ہوگا ـــــ دھوم مچ گئی ہوگی؟"۔

ان کے مرید غلام بخش نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کبوتر کے بھیس میں تھے۔ بس ان کے خاص مریدوں نے پہچانا"۔

یا مثلاً وہ گاہے ماہے مسلسل سات سات روز تک ایک ہی وضو سے نمازیں ادا فرما لیتے تھے۔ کیا مجال ہے کسی نماز میں ذرا بھی کسر رہ جائے۔

میں نے سوال کیا ـــــ "کیا سات دن سوتے بھی نہیں ہیں؟"

میاں قربان علی بولے ـــــ "ایک آنکھ سے سوتے ہیں دوسری آنکھ جاگتی ہے"۔

"اور پاخانہ پیشاب وغیرہ؟"

"یہی تو کمال ہے" مولوی نفیس احمد نے فخر سے کہا "کھانا حسب معمول کھاتے ہیں۔ مگر فضلات ابخارات بن کر

نہ سے خارج ہوجاتے ہیں۔ جیسے وہ جاڑوں میں بھاپ نکلتی ہے"۔

تو اس طرح کی گوناگوں کرامتیں ان کی مشہور تھیں۔ ہمارے میزبان میر قطب الدین ہیں بھی ان کے حضور رہے ہیں۔ وہ کئی سال سے ان کے مرید تھے۔ شاہ صاحب بڑی شان کے بزرگ نکلے، آنکھیں نرگسی، زلفیں ریشمی، بدن پلا ہوا۔ لباس گیروا۔ صافہ شاید دو تھانوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ عمر بمشکل تیس سال رہی ہوگی۔

ان کے قریب ہی مونڈھے پر ایک اور صاحب بیٹھے تھے جنھیں دیکھ کر میرے ذہن کے کسی گوشے میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ ضرور انھیں میں نے پہلے کہیں دیکھا ہے۔ مگر کہاں یہ یاد نہ آیا۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر میں ان کی آواز حافظہ کی گرہ کھول گئی۔ وہ یقیناً صوفی مسکین تھے۔ وہی جو ایک دفعہ جاڑوں میں عاجز کے مہمان بن کے آئے تھے اور لحاف بچھونا سمیٹ کے لے گئے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے خاص خادموں میں ہیں۔

میر صاحب نے شاہ صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور مؤدب بیٹھ گئے۔ میں سلام سے آگے ہمت نہ کر سکا۔

"یہ میرے مہمان ہیں" میر صاحب نے نیازمندانہ عرض کیا "مدت سے کسی صاحب کمال کی تلاش میں ہیں۔ آپ کا شہرہ سن کر تشریف لائے ہیں"۔

یہ قول بلیغ سیاسی فراست کا شاہکار تھا۔ انھوں نے شاہ صاحب کو تو گویا یہ بتایا تھا کہ آپ کی شہرت کا آوازہ دور دور تک پہنچ چکا ہے۔ اور اہل دل سفر کر کر کے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن میں کسی دوسرے وقت شکایت کرتا کہ آپ نے جھوٹ کیوں بولا تو وہ مزے سے کہہ سکتے تھے کہ جھوٹ کہاں بولا۔ تم میرے گھر سے شاہ صاحب کی خدمت میں تو ان کا شہرہ ہی سن کر گئے تھے۔

"ماشاء اللہ الحمد للہ" یہ شاہ صاحب کی آواز تھی۔ صوفی مسکین جلدی سے بول پڑے "حضرت جی نے تو کل صبح ہی فرمایا تھا کہ ایک سعید روح بردرج سے گذر کر اعلیٰ علیین کی طرف صعود کر رہی ہے"۔

"کیوں نہیں" میر صاحب بولے "حضرت سے کیا مخفی ہے"

تو کیا آپ اسی وقت بیعت کریں گے؟" شاہ صاحب نے مجھ سے سوال کیا۔ میر صاحب گھبرائے۔ جلدی سے فرمایا۔

"وہ۔ وہ بات یہ ہے۔ یہ ذرا شکی مزاج ہیں۔ کوئی کرامت دیکھ لیں گے، جبھی بیعت کریں گے"

شاہ صاحب کے چہرے پر جلال کے آثار ابھرے، مگر فوراً ہی ذومعنی انداز میں مسکرائے "کیا تم نے انھیں سابقہ کرامات کا حال نہیں سنایا؟" انھوں نے میر صاحب سے پوچھا۔

"جی سنایا تھا...... مگر...... یہ خود ہی دیکھنے کے قائل ہیں"

"اچھا اچھا کوئی بات نہیں —— صوفی جی ذرا ایک کٹورے میں پانی لانا"

"صوفی جی دھات کے کٹورے میں پانی لے آئے تو شاہ صاحب نے ہم دونوں سے کہا۔ اسے ایک ایک گھونٹ پی جائیے"۔

ہم نے تعمیل کی۔

"کہئے سادہ پانی ہے نا؟" شاہ صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں بالکل سادہ" میر صاحب نے جواب دیا۔

"اچھا اسے اب یہاں رکھ دیجئے۔ انھوں نے پاس رکھے ہوئے اسٹول کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کٹورہ رکھ دیا۔ اب انھوں نے آنکھیں بند کر لیں اور ہونٹ متحرک نظر آئے۔ ظاہر ہے وہ کچھ پڑھ رہے تھے۔ دو ایک بار اس طرح کے الفاظ بھی سننے میں آئے۔ میکائیل... عزازیل... اسرافیل . . . چھم چھو چھوا چھو.... غوث الاعظم۔ پیران پیر دستگیرا . . .

پھر انھوں نے آنکھیں کھولیں۔ سیدھے ہاتھ کی انگلیوں پر تین مرتبہ چھو چھو کر کے پھونک ماری اور انھیں کٹورے کے پانی میں ڈبو کر ملا دیا۔ فدوی کو خیال ہو رہا تھا اب شاید کٹورے سے جن برآمد ہوگا یا دھواں نکلے گا۔ جس کے مرغولے آہستہ آہستہ حور کی شکل اختیار کر لیں گے۔ ایسی کرامت ایک دفعہ سونٹ میموریل سرکس کے مشہور کھیل "کالا جادو" میں ایک جادوگر نے دکھلائی تھی۔ لیکن خیال درست ثابت نہیں ہوا۔ انھوں نے

ایسی گمبھیر آواز میں جو کسی کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی فرمایا۔

"اب پیجئے آپ لوگ اسے آدھا آدھا"

ہم نے پیا۔ پانی اچھا خاصا میٹھا ہو گیا تھا۔ میر صاحب حیرت و مسرت سے کھل اٹھے۔ میں نے بھی ایسا ہی منہ بنایا جیسے حیرت و مسرت سے ہارٹ فیل کر جاؤں گا۔ شاہ صاحب بڑی شان استغنا سے مسکرائے۔ صوفی مسکین "یا علی" کا نعرہ مار کے بے اختیار ان کے پیروں میں سجدہ ریز ہو گئے۔

"صوفی جی" شاہ صاحب نے صوفی مسکین کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے کہا ——— "برخوردار کو آداب بیعت سمجھا دو۔"

"وہ تو میں سمجھا دوں گا"۔ میر صاحب بولے۔

"جی نہیں" شاہ صاحب نے کہا "اب کچھ تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ آپ یہیں تشریف رکھیں صوفی جی سمجھا دیں گے"۔

صوفی مسکین مجھے لئے ایک اور کمرے میں آئے۔ وہ یا تو مجھے پہچانے نہیں تھے یا پھر انھیں یقین تھا کہ میں نے انھیں نہیں پہچانا ہے۔

"کیا بات ہے حضرت جی کی"۔ وہ لہرائے "ہم بھی برسوں پیر روشن ضمیر کی تلاش میں مارے مارے پھرے ہیں۔ اب کہیں جا کے ٹھکانے لگی"۔

"کیوں نہیں۔ بہت پہونچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ——— خیر آپ آداب بیعت سمجھائیں"۔

"جی ہاں۔ دراصل حضرت جی نے حرم شریف کے مدرسے "معراج العلوم" کی سرپرستی اپنے ذمہ لے رکھی ہے" یہ کہتے ہوئے انھوں نے طاق پر سے ایک رسید بک اٹھائی۔ "بیعت کرنے والے کو پہلے اس میں چندہ دینا پڑتا ہے"۔

"کتنا؟"۔

"جتنی بساط ہو۔ پچاس کم سے کم ہے"

"چلئے اور؟"

"دس روپے پیران پیر کی نیاز کے ——— پانچ روپے سوا پانچ آنے جمعراتی کے"

"اور؟"۔

"بس اور کچھ نہیں۔ محض بارہ روپے سوا دو آنے چشتی درگاہ کا چندہ ہے۔ وہاں حضرت جی قل کی برجی بنوا رہے ہیں"

"اور؟"

وہ چونک پڑے گھور کر مجھے دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں شک تھا۔

"اور اور کہے جاتے ہو نکالو تو پہلے"۔

"ایک مد اور باقی ہے۔ وہ میں بتاتا ہوں"۔ یہ کہکر میں چند ثانئے ان کے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت کے مزے لیتا رہا۔ پھر عرض کیا۔

"ملا ابن العرب مکی کا بستر بھی تو بنوانا ہے۔ تراسی روپے اس کے لئے!"

"اُغ.... او.... آپ.... آپ...." وہ بوکھلا گئے معلوم ہوا کہ مجھے پہچانے نہیں تھے۔

"سمجھے مجھے کون ہوں"؟

"آ.... آپ یہاں؟"

"ہاں صوفی مسکین۔ تمہاری تلاش میں امریکہ اور روس تک ہو آیا۔ مگر بعد میں عقل آئی کہ بستر صاف کر جانے والے صوفی بریلی ہی کے آس پاس مل سکتے ہیں"۔

"میں... میں دراصل ان دنوں بہت پریشان تھا ملا صاحب" وہ گھگیائے "آپ کے سر کی قسم دو دو وقت کے فاقے جا رہے تھے"۔

"کوئی حرج نہیں۔ اب پھر دسو وقت کے فاقے جا رہے ہیں۔ نکالئے بستر کے پیسے"

"ک.... کتنے ہوتے ہیں"۔

"نقد تراسی روپے۔ ۲۴ کا لحاف تھا۔ بارہ کی توشک چھ کی چادر۔ پانچ کے دو تکیے اور ۳۶ روپے کا کمبل"۔

"م مگر وہ تو سب سکنڈ ہینڈ تھے۔ ساڑھے بیالیس ہم آپ کو پانچ چار دن میں دیدیں گے"۔

"کیسے دیدیں گے۔ بندہ پروگرام کے تحت کل خودکشی کر رہا ہے۔ نہیں صوفی مسکین ہم ابھی لیں گے پورے بیاسی

ایک پائی کم نہیں ــ"

" یہ تو ناانصافی ہے ..... آپ کے پاس ثبوت تو کچھ ہے نہیں۔ بستر کوئی اور لے گیا ہوگا۔"

" بہت اچھے ..... واقعی ثبوت کچھ نہیں ... مگر ... ر ... ر ..."

اتنا کہتے کہتے میں نے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے کنڈی چڑھا دی۔ " یہ یہ کیا .... کرتے ہیں ... ملا صاحب" وہ پریشان ہو کے چیخے۔

" کچھ نہیں تمہیں صرف یہ بتاؤں گا کہ ثبوت کس چڑیا کا نام ہے۔"

یہ کہتے کہتے میں نے چاقو جیب سے نکال لیا۔ سوا بالشت لمبا رامپوری چاقو۔ جس کے کھلنے کی کڑکڑاہٹ بند کمرے کی خاموش فضا میں ملک الموت کے قدموں کی چاپ بن کر لرزی۔ دراصل بریلی لائن پر فدوی کبھی غیر مسلح سفر نہیں کرتا۔

" جانتے ہو صوفی مسکین ذبح کے وقت بکری پر کیسا عالم گذرتا ہے؟"

ان کی چیخ نکلی۔ لیکن آواز پھیل نہیں سکی۔ میں نے ان کا منھ دبا لیا۔

" اگر اب آواز نکلی صوفی مسکین تو تمہاری روح بھیک مانگتی پھریگی۔ یہ چاقو چھ انچ اتر سکتا ہے۔"

" اغ ... ارررر ... یار کیا مذاخ ہے۔ ت تم تو ... برا مان گئے۔"

برا تو ہم اس وقت بھی نہیں مانے تھے صوفی مسکین صاحب جب تم بستر سمیٹ کے لیگئے تھے۔"

" بند کر دیار چاقو .... حول ولا قوت ..... اماں روپے تو ہم دے ہی رہے تھے۔ مذاخ کو بھی نہیں سمجھتے۔"

" میں بھی مذاق ہی کر رہا ہوں ... لاؤ دو ..."

" دیتے ہیں ... یہ ... یہ چھرا تو بند کرو۔"

" یہ بہت پیاسا ہے صوفی مسکین .... جلدی نکالو اسی اور تین ورنہ یہ میرے قابو سے باہر ہو جائے گا۔"

انھوں نے زردئی کی بنڈی کے بٹن کھولے۔ پھر اندر ہاتھ دیکر تے جانے کیا ٹٹولتے رہے۔ پھر نوٹوں کی ایک گڈی ان کی انگلیوں میں نظر آئی۔ دو سو تو ضرور رہے ہوں گے کانپتے ہاتھوں سے دس دس کے آٹھ نوٹ میری طرف بڑھائے پھر ملتجیانہ لہجے میں بولے

" بس یار تین جانے دو ..."

شرم نہیں آتی اتنے بہت سے تو دام رکھے ہیں ... لاؤ ایک دس کا اور دیدو۔"

مگر وہ اتنے تنی نہیں نکلے۔ اب کیپرا اندر یا خدا جانے کسی اور جیب سے چھوٹے نوٹ نکالے، یہ بھی بیس سے تو اوپر ہی رہے ہوں گے۔ کچھ نئے کچھ پرانے۔ چھانٹ کے بہت سڑے سڑے بوسیدہ تین میری طرف بڑھائے۔

اب ہم گلے ملے۔ وہ بڑی پر شوق حسرت کیساتھ فرمانے لگے۔

" قسم قرآن کی ملا صاحب تم اپنے ساتھ آجاؤ تو مزا آجائے ــــــ نیاز دیا کرو تم کیا دو گے بیعت تو ہو جاؤ"

" ضرور ہو جاؤں گا۔ پہلے میں تمہارے شاہ صاحب کے شعبدے کا جواب لاؤں گا۔"

" حول ولا قوۃ شعبدہ کہتے ہو ــ"

" نہیں معجزہ کہوں ..... بکواس بند چلو چلیں۔"

شاہ صاحب اور میر صاحب ہمارے منتظر تھے۔ شاہ صاحب کی نرگسی آنکھوں میں امید اور شوق کی جھلکیاں تھیں لیکن انھیں مایوسی سی ہوئی جب میں نے کہا " آداب میں نے سمجھ لئے ہیں۔ پھر کسی وقت حاضر ہوں گا۔"

میر صاحب نے شفقت سے کہا

" عزیزم کار خیر میں دیر کیسی " پھر میرے کان کے پاس منھ لاکر دبی آواز میں کہنے لگے " کیا پیسے کچھ کم ہیں؟"

" جی کچھ کیا ــــ کم ہی کم ہیں۔ یعنی کہ بٹوہ گھر رہ گیا ہے۔"

" فکر مت کرو۔ میرے پاس ہیں۔ کتنا نوٹ لینے گا؟"

" دس ہزار" میں جھلا گیا۔ مگر لہجہ سرگوشی ہی کا تھا

"آپ فی الحال چلے چلئے۔ بیعت کے لئے ویسے بھی منگل کا دن بہت برا مانا گیا ہے"

اور یہ شکل میں انھیں واپس لے ہی آیا۔

"اب کہو کیا بات ہے" راستے میں انھوں نے پوچھا وہ میرے طور طریق سے سمجھ گئے تھے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

"بات کچھ بھی نہیں —— سوچ رہا ہوں آپ جیسا سنجیدہ آدمی بھی شاہ صاحب کے چکر میں آگیا تو قیامت آنے ہی والی ہے"۔

"کیا مطلب؟"۔

"بزرگی کیا شعبدہ بازی کا نام ہے؟"

"زبان کو لگام دو —— کرامت کا شعبدہ سے کیا تعلق؟"

"ایسی کرامت میں بھی دکھا سکتا ہوں"۔

"سچ؟" ان کے چہرے پر سچ مچ حیرت تھی۔

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے —— آپ گھر چلئے میں ابھی آیا"

وہ فوراً تیار نہ ہوئے مگر میرے اصرار پر مان ہی گئے۔ ان سے جدا ہو کر میں بازار پہنچا اور پھر سامان کرامت سے لیس ہو کر حاضر خدمت ہو گیا۔

"اب دیکھئے میرے ہاتھ خالی ہیں نا؟" میں نے انکے بالمقابل تشریف رکھتے ہوئے ہاتھ پھیلا دیئے۔ انھوں نے بغور انھیں دیکھا۔ وہ واقعی خالی تھے۔ اب گلاس میں پانی منگوایا۔

"اسے چکھ لیجئے سادہ ہے نا!"

"اماں ہاں یہ تو اپنے گھڑے کا ہے"۔

شاہ صاحب ہی کی طرح اسے سامنے رکھ کر میں نے آنکھ بند کیں اور وظیفہ پڑھا۔

"عزرائیل۔ اسرافیل۔ میکائیل.... چھو چھو..... کالی چڑیا پیلی بھس کی گولی کھائے..... یا پیران پیر دستگیر"

وہ پھاڑ سا منہ کھولے مجھے تک رہے تھے۔ یہ میں نے کنکھیوں سے دیکھا۔ "چھوڑو میاں کیا مسخرہ پن ہے"۔

"نہیں میر صاحب میں سنجیدہ ہوں۔ قسم ہے شاہ جنات کی پانی میٹھا ہو کر رہے گا"

اس کے بعد میں نے دو انگلیاں گلاس میں ہلا دیں اور وظیفہ پورا ہو گیا۔ میر صاحب گھونٹ بھر کے دم بخود رہ گئے پھر بولے۔

"واقعی یہ تو پانی میٹھا ہو گیا! اماں یہ کیا ترکیب ہے؟"

"وظیفہ —— پیران پیر کی مدد"

"نہیں، تمہیں ہماری قسم سچ سچ بتاؤ"

"معمولی شعبدہ —— یہ دیکھو"

میں نے سکرین کی پڑیا جیب سے نکال کر آگے رکھدی

"یہ زیادہ مہنگی نہیں ملتی انگلیوں پر خفیف سی مل لیجئے۔ شاہ صاحب بنجائیں گے"۔

کچھ دیر پریشان سے رہے۔ پھر کہنے لگے۔

"مگر پھر بھی جی نہیں مانتا کہ.... کہ.... اچھا ایک دفعہ تو بہت ہی حیرتناک چیز دیکھنے میں آئی تھی"۔

"کیا؟"

رات کے وقت ہم وہیں شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ بستی سے دو بہت بڑے سیٹھ آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے ابھی بیعت نہیں کی تھی۔ اتنے میں بجلی فیل ہو گئی۔ گھپ اندھیرا چھا گیا۔ شاہ صاحب کو بہت غصہ آیا۔ فوراً نوکر کو آواز دی اس نے لاکر موم بتی جلائی۔ شاہ صاحب نے بیحد غصے میں اس سے پوچھا کہ بجلی کیوں فیل ہوئی۔ اس نے ایک دوسرے نوکر کو الزام دیتے ہوئے کہا کہ دیوار میں کیل ٹھوکتے ہوئے اس سے ہتھوڑی بجلی کے تار پر لگ گئی جس سے تار ٹوٹ گیا۔ دوسرے نوکر کو بلایا گیا تو اس نے ایک تیسرے نوکر کو الزام دیا کہ اس نے کہا تھا کہ ابھی کیل ٹھوکو سرکار نے حکم دیا ہے۔ تیسرا نوکر بلایا گیا اور شاہ صاحب نے اس سے پوچھا کہ مردود، ہم نے کب حکم دیا تھا وہ گھگیا کے کہنے لگا کہ جی میں نے اس سے مذاق کیا تھا۔ اسپر شاہ صاحب بے حد غضبناک ہو گئے اور ایسا جلال آیا کہ تینوں ملازموں کو ٹانگ میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے کھڑے ہونے کا حکم دیا اور بہت سخت سست کہنے کے بعد فرمایا

کر عیشو یاد رکھو اگر آئندہ ایسی حرکتیں کیں تو جلا کے بھسم کر دونگا یہ فرماتے ہوئے انھوں نے ایک کی طرف انگلی کا اشارہ کیا تو اس کے قدموں سے آگ کا شعلہ نکلا جو اس کے پیٹ تک پہنچا پھر بجھ گیا۔ اسی طرح دوسرے اور تیسرے کی طرف بھی انگلی کا اشارہ ہوتے ہی شعلہ نکلا۔ میں نے دوان میں بیٹھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ شاہ صاحب نے گرج کر فرمایا جاؤ اس بار صرف نمونہ دکھا دیا ہے۔ آئندہ خیانت کی تو جلا کے ڈھیر کر دوں گا۔ بیچارے ملازم ہاتھ پیر جوڑتے رہے تب کہیں جان بچی۔ پھر بجلی ٹھیک ہو کر روشن ہوگئی تو فرش پر سفید سفید سے تین نشان بھی تھے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ آگ واقعی پیدا ہوئی تھی"۔

یہ کہانی سنا کر میر صاحب میری طرف ایسی نظروں سے دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں ——— کیا اسے بھی شعبدہ کہو گے؟ کیا یہ زندہ کرامت نہیں ہے؟۔

"آپ بھی عجیب ہیں میر صاحب ——— مگر آپ کی خطا نہیں بریلی اور اس کے گرد و نواح میں تو اچھے خاصے علم و عقل والے بھی خوش عقیدگی کے معاملہ میں نابالغ ہی نظر آتے ہیں ——— ارے کیا آپ نے یہ کھیل تماشا کسی سادھو یا مداری کے پاس نہیں دیکھا؟"

"کھیل تماشا؟" وہ خفا ہو کر بڑبڑائے۔

"اور کیا ——— کہئے تو دکھا دوں یہ بھی ——— آپ کو یاد ہوگا تو کرنے موم بتی جلائے ضرور کسی ایسی جگہ رکھی ہو گی جہاں سے پورے کمرے میں روشنی برائے نام ہی پھیلے۔ اور وہ تینوں ملازم بالکل ہی غیر روشن حصے میں کھڑے کئے گئے ہوں گے؟"۔

"ہاں ——— تھا تو کچھ ایسا ہی مگر پھر؟"

"پھر کیا: بالکل سادہ سا ڈرامہ۔ سکھائے پڑھائے ملازمین نے پوٹاشیم سافیٹ پر ایک دو بوندیں سلفیورک ایسڈ کی ٹپکا دیں۔ لطف ہو گئی کرامت۔ جی چاہے تو تجربہ کر لیجئے گا۔ شعلہ اٹھنے کے بعد نشان بھی زمین پر مل جائینگے"۔

میر صاحب نے آنکھیں پھڑپھڑائیں۔ اس سے زیادہ کیا ہو

کیا سکتے تھے۔

لیکن یہ نہ سمجھئے کہ میری شک اندوزی نے انھیں شاہ صاحب سے پھیر دیا۔ نہیں عقیدت کی دنیا نرالی ہوتی ہے وقتی طور پر وہ ضرور مشکوک ہوئے تھے۔ لیکن رات گذرتے پہ پھیر وہی حسن ارادت، وہی نیازمندی۔ "پھر بھی" انھوں نے کہا "آدمی پہنچے ہوئے ہیں"۔

"تو بندہ کب کہتا ہے کہ پہنچے ہوئے نہیں ہیں ——— پہنچا ہوا تو صوفی مسکین بھی ہے وہ میرا بسر صاف کر گیا تھا"۔

اگلے دن رخصت کے وقت میرے آخری کلمات یہ تھے۔

"کہا سنا معاف کیجئے گا میر صاحب۔ اپنے شاہ صاحب کو بھی سلام عرض کیجئے گا۔ وہ ابھی تو محض کرامتیں دکھلاتے ہیں لیکن لکھ لیجئے مرنے کے بعد خدائی کریں گے ——— خدا حافظ!"

(ملا آزندہ صحبت باقی)

شمس نوید عثمانی

رمضان ——— ایک عظیم لمحۂ فکریہ!

"محمد اور قرآن" کے الفاظ میں جب تک کسی کے لئے ایک والہانہ جذب وکشش اور ایک جاں نوازانہ تڑپ موجود ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ وہ شخص گیارہ ماہ کے طویل وجاں گسل انتظار کے بعد آسمان پر ہلال رمضان کو چمکتا ہوا دیکھے اور بچے کی طرح مسکرا نہ دے! — سال کے یہ بقیہ گیارہ مہینے اپنے دن رات کی آغوش میں چاند اور سورج کو لئے ہوتے ہیں تو اس ایک مہینہ کے سینہ میں چاند اور سورج کے ساتھ ساتھ وہ تیسری روشنی سمائی ہوئی ہے جس کا ابدی سرچشمہ "قرآن" ہے ——— تاریکیوں کے مہیب طوفان میں ایک الوہی نور کا اٹل مینار جس کی روشنی میں بینا اور نابینا دونوں کو زندگی کے ان دیکھے حقائق نظر آتے ہیں ——— موت اور موت کے اس پار کی دنیائیں نظر آتی ہیں ——— قبر کی گہرائیاں نظر آتی ہیں ——— حشر ونشر کے عظیم مناظر نظر آتے ہیں ——— آخرت کا چہرہ نظر آتا ہے ——— خدا نظر آتا ہے!۔

کتنا گہرا ——— کس قدر انمٹ ——— کس قدر بے پناہ تعلق ہے اس قرآن اور رمضان میں! - یہی وہ مہینہ ہے جس نے آج سے تیرہ صدیوں کے اس پار جزیرہ نمائے عرب کے ایک آخری پیغمبر سے غار حرا کی خلوتوں میں اس جلیل القدر فرشتے کو ملاقات کرتے ہوئے دیکھا جس کا مقدس نام جبرئیل علیہ السلام ہے۔ یہی وہ مہینہ ہے جب عرش الٰہی کی نامعلوم بلندیوں سے کرۂ گیتی کی طرف ایک لازوال سیل نور کی شکل میں خدا کی آخری کتاب اتر رہی تھی ——— جب خدا کا برگزیدہ ترین فرشتہ ایک امی انسان سے کہہ رہا تھا "پڑھ! ——— پڑھ اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے انسان کو تخلیق کیا ....."

تاریخ کا یہ عظیم الشان واقعہ ہم سے تیرہ سو سال کے فاصلوں میں چھپ گیا ——— ہمارے اور اس کے درمیان زمانہ کی ایک ناپیدا کنار خلیج حائل ہوگئی ——— محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئے ——— وہ برگزیدہ فرشتہ زمین کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر افلاک کی بلندیوں پر پرواز کر گیا ——— مگر وہ الفاظ اپنے حسین معانی کے ساتھ ہمارے ہاتھوں میں محفوظ ہیں جو اس سارے تاریخی واقعہ کا نچوڑ ہیں ——— اور آج ہم اس مہینہ کے درمیان سے گذر رہے ہیں۔ جہاں سے یہ تاریخی واقعہ اپنے بے پناہ حسن وجمال کے جلو میں گذرا تھا! — قرآن کے صفحات میں خدا کی آواز گونج رہی ہے "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ" ——— یہ رمضان المبارک ٹھیک وہی مہینہ ہے جس کے سینہ میں قرآن کی روشنی اتاری گئی تھی! ———

دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں کا قافلہ کیوں خوف وہراس اور مایوسی کی تاریکی میں بھٹک رہا ہے؟ - یہ لوگ کیوں چیخ رہے ہیں کہ ہماری منزل گم ہوگئی؟ کیا قرآن کی لازوال روشنی اس کے لئے کافی نہیں کہ جنت اور جہنم کے درمیان انسانی زندگی کو خالق حیات وکائنات کی سمت میں کشاں کشاں لے جائے؟ ——— آج جبکہ رمضان المبارک کا ہاتھ غفلت کی نیندوں اور لذتوں کے نشے کو چاک کرتا ہوا قرآنی الفاظ سے گونجتی ہوئی مسجدوں کو وحی کی پکار پر کھینچے لئے جا رہا ہے۔ یہ بھٹکے ہوئے قافلے اس کے ساتھ کیوں نہیں ہو لیتے! - یہ لوگ قرآن کے الفاظ کو اس پاگل کی طرح کیوں سن رہے ہیں جس کے کان تو سنتے ہیں مگر دماغ سن ہوجاتا ہے! - ہاں یہی وہ پیغام ہے جو روزے اور فاقے کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے یہی وہ کتاب ہے جو مغرب کی نماز کے وقت احساس نعمت اور نعمت کے درمیان خالق نعمت کی حسین یاد دلاتی ہے۔ یہی وہ روح ہے جو روزے کی عبادت میں جان ڈال کر اس عبادت کو

قیمت کو حیات و کائنات کے تمام ترخزانوں سے اونچا اٹھاتی ہوئی عرش کی ان پراسرار بلندیوں تک لیجاتی ہے جہاں خدا پکار پکار کر انسان سے کہہ رہا ہے کہ "روزہ بندگی کی وہ ادائے حسین ہے جس کا انعام میں خود ہوں!"۔ کس قدر خوش نصیب ہیں وہ انسان جن کو زندگی نے اس عظیم ترین انعام کو پالینے کا موقعہ دیا ہے اور کون جانے کہ یہ موقعہ کہیں زندگی کا آخری موقعہ تو نہیں! ایک ابدی تباہی سے خود کو بچا لینے کا آخری موقعہ!

خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند!

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ

متوفی ۳۱۰ھ

حبیب الرحمٰن خیر آبادی۔

آپ کے نام سے اہل علم کا طبقہ ناآشنا نہیں۔ آپ قرآن پاک کی مشہور تفسیر "تفسیر ابن جریر طبری" کے مصنف ہیں اور یہ تفسیر اسلام میں پہلی تفسیر ہے جس میں آپ نے اپنی دماغی کوشش اور ذہنی کاوش سے بھی کام لیا ہے اور ہر موقعہ پر آپ کی شخصیت نظر آتی ہے — یہ تفسیر ام التفاسیر بولی جاتی ہے زمانہ مابعد میں جتنی تفسیریں لکھی گئی ہیں سب کی سب ماخوذ ہیں۔ ہر زمانہ میں اہل علم اسی کو سب سے بہتر تفسیر تسلیم کرتے چلے آتے ہیں، گویا تشریح قرآن کے لحاظ سے وہی پہلی تفسیر ہے اور وہی آخری تفسیر ہے آج تک کوئی تفسیر اس کے رتبہ کی نہیں لکھی جاسکی جیسا کہ آگے ہم مفصل ذکر کریں گے۔

نام ونسب اور ولادت

نام نامی محمد۔ ابوجعفر کنیت ۲۲۴ھ یا بقول بعض ۲۲۵ھ میں ملک طبرستان کے مشہور شہر آمل میں پیدا ہوئے اسی لئے آپ کی نسبت آملی بھی ہے آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب۔

ابن ندیم نے یہ نسب یوں ذکر کیا ہے محمد بن جریر بن یزید بن خالد بن غالب۔

یعنی کثیر کے بجائے یزید کا باپ خالد کو بتایا ہے

طلب علم کیلئے سفر

جس وقت آپ کی عمر بیس برس کی ہوئی تو آپ اپنے والد کی اجازت سے گھر سے باہر نکلے اور حصول علم کے لئے حجاز، بصرہ، کوفہ، مصر، شام اور بغداد و عراق کا سفر کیا۔

آپ بڑے صاحب جاہ و ثروت خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ جہاں بھی ہوتے آپ کے والد محترم اخراجات بھیجا کرتے اور جب خرچ پہونچنے میں دیر ہوجاتی اور صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکتا تو آپ اپنے کرتہ کی دونوں آستینوں کو پھاڑ کر فروخت کردیتے اور وہ اتنی قیمت کا ہوتا کہ کئی روز اس سے گذارا ہوجاتا۔

ابوعباس بکری کا بیان ہے کہ مصر میں ایک دفعہ اثنار سفر میں محمد بن اسحاق بن خزیمہ (متوفی ۳۱۱ھ) محمد نصر مروزی اور محمد بن ہارون امردیانی (متوفی ۲۹۴ھ) کا ساتھ ہوا۔ اور اتفاق سے سارا خرچ ختم ہوگیا اور نان شبینہ کو محتاج ہوگئے۔ مشورہ ہوا کہ قرعہ اندازی ہو جس کے نام قرعہ نکلے وہ بھیک مانگ کر لائے اور ساتھیوں کو کھلائے — خیر قرعہ ڈالا گیا تو محمد بن اسحق بن خزیمہ کے نام نکلا۔ انہوں نے فرمایا ذرا ٹھیرو وضو کرلوں اور استخارہ کی نماز پڑھ لوں غرض وہ نماز میں مشغول ہوگئے اتنے میں ایک شخص نے آکر دستک دی دروازہ کھولا گیا تو اس شخص نے ان حضرات میں سے ایک ایک کا نام لیکر پکارا اور ہر ایک کو پچاس پچاس اشرفیوں کی ایک ایک تھیلی دی۔ جب محمد بن اسحق کا نام پکارا تو ساتھیوں نے کہا وہ نماز پڑھ رہے ہیں وہ شخص ان کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کرتا رہا جب وہ نماز سے فارغ ہوگئے تو ایک تھیلی ان کے بھی حوالہ کی — اور کہا کہ مصر کے گورنر نے خواب میں دیکھا کہ محمد کی حالت بھوک سے بیتاب ہورہی ہے چنانچہ خواب سے بیدار ہوتے ہی یہ تھیلیاں بھیجی ہیں اور قسم دے کر یہ کہا ہے کہ جب ختم ہوجائیں تو ضرور مجھے خبر کریں۔ میں پھر بھیجوں گا

اسی طرح بغداد میں بھی حادثہ پیش آیا کہ تمام سرمایہ آپ کا چوری گیا اور کپڑے بیچنے کی نوبت آئی ساتھیوں نے کہا وزیر

ابوالحسن عبید اللہ بن یحییٰ بن خاقان کے بچہ کو ٹیوشن پڑھا دیا کیجئے۔ آپ وزیر ابوالحسن کے پاس گئے اس نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور دس اشرفی ماہوار ٹیوشن مقرر ہوگیا اور ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ لیکر پہلے اپنی ضروریات بہم پہونچائیں پھر اس کے بیٹے کو جس کا نام ابویحییٰ تھا پڑھانے لگے۔ جب پڑھانے کیلئے بیٹھے تو خدام و غلام آپ کو اپنے آقازادہ کے استاذ بننے پر مبارکباد دینے آئے اور ہر ایک نے خوشی میں ایک ایک کٹورہ اشرفیاں آپ کی خدمت میں پیش کیں مگر آپ نے یہ کہکر کہ میں نے تنخواہ اپنی مقرر کرلی ہے اس سے زیادہ کا مجھے حق نہیں، واپس کردیا۔ آپ کی اس بے نیازی نے وزیر کی نگاہوں میں آپ کو باوقعت بنا دیا۔

شیوخ

آپ نے بڑے جلیل القدر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور آپ کے اساتذہ دوچار نہیں بلکہ بکثرت ہیں ہم ذیل میں ان کے نام درج کرتے ہیں۔

سلیمان بن عبدالرحمٰن بن الطلحی، عباس بن الولید۔ انس بن عبدالاعلیٰ احمد بن یوسف التغلبی، عبدالحمید بن بکار۔ یہ حضرات قرآن، تفسیر قرآن اور قراءت میں آپ کے استاذ ہیں۔

فقہ میں ابومقاتل، داؤد ظاہری، ربیع بن سلیمان، حسن بن محمد زعفرانی، ابن عبدالاعلیٰ، اور محمد بن عبدالرحمٰن وغیرہ استاذ ہیں۔

فن حدیث میں حسب ذیل حضرات آپ کے استاذ ہیں۔

محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب الاموی، اسحاق بن ابی اسرائیل مروزی، اسمٰعیل بن محمد الفزاری، اسمٰعیل بن موسیٰ الفزاری، ابوکریب محمد بن علاء الہمدانی الکوفی، ابوسعید عبدالرحمٰن بن حصین بن سعید الاشج الکندی الکوفی، احمد بن منیع البغوی، ابوموسیٰ محمد بن المثنیٰ الزمن البصری، ابوبکر محمد بن بشار البصری، عمرو بن علی الفلاس البصری یونس بن عبدالاعلیٰ البصری الصدفی، محمد بن حمید الرازی، بشر بن معاذ العقدی، عبید اللہ بن عبدالکریم ابوزرعہ رازی، ہناد السری ابوجریج، عبید اللہ بن اسمٰعیل الہباری، عمران بن موسیٰ، عباد بن یعقوب، یعقوب بن ابراہیم الدورقی، عبدالاعلیٰ بن واصل، سلیمان بن عبدالجبار، حسن بن قزعہ، بشر بن دحیہ، قاضی زبیر بن بکار، فضل بن سہل، محمد بن ابی میسرہ المکی، علی بن سہل المدائنی، ابراہیم بن جوز جانی، سلیمان ابن عمر بن خالد بن الاقطع۔ ابواسحٰق سعدانی جوزجانی الرقی وغیرہ وغیرہ۔

علمی پایہ

آپ اپنے وقت کے زبردست مفسر، محدث اور فقیہ تھے، مورخین نے لکھا ہے کہ آپ مختلف علوم و فنون کے ایسے جامع اور متبحر عالم تھے کہ بعد کے لوگوں میں بھی ایسی جامعیت بہت کم علماء کو نصیب ہوئی۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔

"ایسا جامع اور متبحر عالم کوئی نہ تھا۔"

فقیہ ابوالعباس بن سریج جو صرف ایک واسطہ سے آپ کے شاگرد ہیں بیان کرتے ہیں۔

"ابن جریر طبری فقیہ العالم یعنی دنیا کے فقیہ ہیں"

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں آپ کی منقبت یوں تحریر فرماتے ہیں

"اگر میں چاہوں تو آپ کے حالات بیس ورق میں لکھ سکتا، آپ نحو و تاریخ کے بڑے ماہر تھے اور قرآن و حدیث تو آپ کا فن تھا فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، منطق و فلسفہ میں بھی بڑی مہارت تھی، کتاب اللہ کے حافظ، تمام قراءتوں اور ان کے اختلافات سے واقف، قرآن کے معانی و اسرار کے زبردست عالم طرق حدیث کے ماہر، صحیح و سقیم اور ناسخ و منسوخ کے بہترین نقاد و مبصر، مسائل میں صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین وغیرہ کی رایوں سے پوری پوری طرح آگاہ۔

غرض آپ جامع العلوم تھے اسی بنا پر ابواسحٰق شیرازی نے آپ کو ائمہ مجتہدین میں سے شمار کیا ہے اور دوسرے علماء نے بھی اکثر آپ کو ائمہ مجتہدین کا ہم پلہ تسلیم کیا ہے۔ آپ کا ہر قول "قول فیصل" سمجھا جاتا ہے آپ کا فضل و کمال اور جلالت شان اس سے ظاہر ہے کہ علوم دین اور خصوصاً تفسیر قرآن میں آپ کی طرف رجوع ازبس ضروری ہے۔

قاضی ابن کامل تحریر فرماتے ہیں

چار شخصوں کی موت سے بہت زیادہ صدمہ ہوا میری تمنا تھی کہ وہ ہمیشہ زندہ رہیں

ایک امام ابوجعفرؒ دوسرے علامہ بربریؒ، تیسرے ابوعبداللہ بن ابی خیثمہ، چوتھے معمریؒ۔ یہ چاروں حضرات

نہایت قوی الحافظہ اور ذکی و فطین تھے"

علاوہ ازیں فن شعر، لغت اور زبان عرب کے بھی بڑے ماہر تھے۔ اشعار فی البدیہہ کہا کرتے تھے نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اذا اعسرت لم یعلم رفیقی	جب میں تنگدست ہو جاتا ہوں، تو میرے دوست کو خبر نہیں ہوتی۔
واستغنی فیستغنی صدیقی	اور جسوقت خوشحال ہو جاتا ہوں تو میرا دوست بھی بے پرواہ ہو جاتا ہے۔
حیائی حافظ لی ماء وجہی	میری حیا میری عزت وآبرو کی حفاظت کیا کرتی ہے۔
ورفقی فی مطالبتی رفیقی	اور میری مرضی میری خواہش میں میری رفیق ہوتی ہے۔
ولو انی سمحت ببذل وجہی	اگر مجھے اپنی شرم و حیا کا خیال نہ ہو۔
لکنت الی الغنی سہل الطریق	تو بڑی آسانی کے ساتھ دولت حاصل کرسکتا ہوں۔

حسب ذیل اشعار بھی آپ ہی کیطرف منسوب کر کے نقل کئے گئے ہیں۔

خلقان لا ارضی طریقہما	دو عادتیں ایسی ہیں جنھیں میں بہت ناپسند کرتا ہوں۔
بطر الغنی ومذلة الفقر	دولت کا غرور ـــــ اور محتاجی کی ذلت۔
فاذا غنیت فلا تکن بطرا	جب تم دولت مند ہو جاؤ تو غرور نہ کرو۔
واذا افتقرت فته علی الدھر	اور جسوقت محتاج ہو جاؤ تو زمانہ والوں پر غرور کا اظہار نہ کرو۔

غرض خدائے تعالیٰ نے ہر علم میں آپ کو حظ وافر عطا فرمایا اور ہر چیز میں آپ کی نظر بڑی وسیع تھی۔

ذکاوت اور ذہانت اور قوت حافظہ

آپ بڑے قوی الحافظہ تھے، احادیث کی اسناد صرف یاد ہی نہیں رکھتے بلکہ رُواۃ کے حالات کی بھی پوری خبر رکھتے تھے۔ اور حدیث کے صحت وسقم کو خوب پہچانتے تھے۔

علامہ ابن ندیم لکھتے ہیں

"ابوجعفر طبری کا حافظہ بڑا قوی تھا"

قدرت نے آپ کو ذہانت وذکاوت سے بھی حظ وافر عطا فرمایا تھا۔

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابن المزوق کے غلام نے آکر بیان کیا کہ میرے آقا نے ایک باندی خریدی اور میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ میں اس سے بڑی محبت کرتا۔ لیکن وہ مجھ سے نفرت کرتی حتی کہ مجھے دق کر دیا تو میں نے قسم کھائی کہ "جو تو مجھسے کہے وہ میں تجھ سے نہ کہوں تو تجھے تین طلاق" میرے قسم کھاتے ہی اس نے فوراً کہا تجھ کو تین مغلظہ طلاق ہیں" اب میں بڑے پس وپیش میں پڑ گیا۔ بغداد کے تمام فقہاء نے یہ کہا کہ تم پر جواب دینا لازم ہے ورنہ عورت پر طلاق پڑ جائیگی اور قسم کا کفارہ مزید دینا ہوگا۔ میں اسی پس وپیش میں رہا کہ ایک شخص نے امام طبری کا مجھے پتہ دیا۔ میں آپ کی خدمت میں آیا اور صورت حال بیان کی آپ نے فرمایا جاکہہ کر" آئندہ قسم نہ کھانا کہ تجھ کو تین مغلظ طلاق ہیں" چنانچہ اس سے اس کا جواب بھی ہوگیا جس سے قسم اتر گئی اور طلاق بھی واقع ہوئی ـــــ

ایک دوسرا جواب بھی آپ نے بیان فرمایا کہ اگر وہ انتِ طالقٌ لام کے زبر کیساتھ کہتا تو حانث نہ ہوتا اور طلاق بھی نہ پڑتی۔

تصنیفات و تالیفات

آپ نے تفسیر، حدیث، تاریخ، سیر، رجال، مسانید، فقہ مختلف فنون میں بہت ساری کتابیں تصنیف کی ہیں

علی بن سمسانی جو خطیب بغدادی کے استاد ہیں بیان کرتے ہیں کہ ابن جریر چالیس برس تک روزانہ چالیس ورق لکھتے تھے"

ابو بکر باقلانی کے تذکرہ میں ہے

"آپ کا روزانہ کا یہ معمول تھا کہ شب میں بیس رکعت یا چالیس رکعت نفل پڑھتے تھے اور کبھی اس معمول میں کوئی فرق نہ ہوتا تھا اور جب نمازوں سے فارغ ہوتے تو اپنی زبانی یاد داشت سے

پینتیس ورق تصنیف فرماتے"
قاضی القضاۃ عبدالجبار (صاحب تنزیہ القرآن عن المطاعن) کے حالات میں ہے کہ

"ابن جریر طبری نے کل چار لاکھ ورق تصنیف کئے"

ابو محمد فرغانی تکملۂ تاریخ میں لکھتے ہیں۔

"امام طبری کے شاگردوں نے زمانۂ بلوغ سے
وفات کے دن تک کے تصنیفی مجموعے کو دنوں پہ
تقسیم کرکے حساب لگایا تو یومیہ چودہ ورق یعنی
اٹھائیس صفحات ہوتے ہیں"

اور ظاہر ہے کہ پہلے یہ معلوم ہوچکا ہے کہ زمانۂ بلوغ کے بعد بہت دنوں تک پڑھتے رہے اور غالبًا پڑھ لینے کے بعد ہی لکھنا شروع کیا ہوگا اس لحاظ سے روزانہ کے نہ جانے کتنے اوراق پڑجائیں گے۔ الحمد علی ذلک۔

اب آپ ان کی تصنیفات ملاحظ فرمائیں۔

(۱) تفسیر جامع البیان:- یہ وہی تفسیر ہے جو تفسیر ابن جریر کے نام سے مشہور و معروف ہے جس کا مختصر تعارف شروع میں ہم کرا چکے ہیں۔ یہ ام التفاسیر کہی جاتی ہے زمانۂ مابعد کے لوگوں نے جتنی تفسیریں لکھی ہیں سب اسی سے ماخوذ ہیں یہ وہ عظیم الشان تفسیر ہے جس کو ہر زمانہ میں اہل علم پسند کرتے چلے آتے ہیں اور اسلام میں مکمل تفسیروں میں یہ پہلی تفسیر ہے۔ اور یہ ایسی جامع تفسیر ہے کہ آج تک اس جیسی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ غرض تفسیر میں اس کا مقام سب سے اونچا ہے، ابن ندیم اپنی فہرست میں اس تفسیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لم یعمل احسن منہا	اس سے اچھی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔

خطیب بغدادی نے لکھا ہے

لم یصنف احد مثلہ	اس جیسی تفسیر کسی نے نہیں لکھی۔

صاحب مفتاح العادۃ ان دقیع الفاظ میں اس کی تعریف بیان کرتے ہیں۔

اجل التفاسیر و اعظمہا	یہ تفسیر تمام تفسیروں میں بلند مرتبہ کی ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں۔

"ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ تفسیر جریر جیسی
کوئی تفسیر تصنیف نہیں کی گئی"

ابو حامد اسفرائنی بیان کرتے ہیں

"تفسیر ابن جریر کو حاصل کرنے کیلئے کوئی چین جانیکی
مشقت اٹھائے تو بھی کوئی بڑی بات نہیں وہ اس سے
بھی کہیں زیادہ توجہ کی مستحق ہے"

علامہ سیوطی کا بیان ہے

"ابن جریر مختلف اقوال معانی لکھتے ہیں اور پھر انمیں
ہر ایک کے صحت و سقم سے بھی بحث کرتے ہیں اور
دلیل سے راجح و مرجوح قرار دیتے ہیں ان وجوہ
کی بنا پر یہ تفسیر متقدمین کی تمام تفسیروں پر فوقیت
رکھتی ہے۔"

اس تفسیر کو امام ابن جریر طبری نے اس طور پر لکھا ہے کہ خود بولتے جاتے تھے اور ابو بکر ابن بابویہ لکھتے جاتے تھے۔ چنانچہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

"ابن خزیمہ محدث نے ابن بابویہ سے دریافت کیا کہ
مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے تفسیر ابن جریر املاء کی ہے؟
بولے جی ہاں! —— میں نے ہی لکھی ہے! ——
پھر ابن خزیمہ نے پوچھا ابن جریر بولتے گئے اور تم
لکھتے گئے؟ —— انہوں نے کہا ہاں اسیطرح لکھی
ہے۔ پھر بڑی حیرت کے ساتھ پوچھا کہ پوری اسیطرح
لکھ ڈالی، ابن بابویہ نے کہا ہاں پوری، پھر انہوں نے
پوچھا کتنے برس میں لکھی"۔ بولے "۲۸۳ھ سے ۲۹۰ھ
تک یعنی سات برس میں۔ پھر ابن خزیمہ نے وہ تفسیر
ان سے بطور عاریت لی اور مطالعہ کرنے لگے۔ چنانچہ
کئی برس کے بعد واپس کی اور فرمایا میں نے شروع
سے آخر تک تمام پڑھ ڈالی۔ پھر بولے میری نظر
میں روئے زمین پر ابن جریر سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے"

علامہ ابن جریر کو اس تفسیر کے لکھنے میں غیبی مدد بھی حاصل ہوتی رہی چنانچہ وہ خود بیان فرماتے ہیں۔

"دو تین سال پہلے میں نے استخارہ کیا تھا اور خدائے
تعالیٰ سے مدد طلب کی تھی کہ اے اللہ تو تفسیر لکھنے
میں میری مدد فرما لہذا میرا یقین ہے کہ خدائے تعالیٰ
کی پوری اعانت اور مدد اس میں شامل رہی ہے"

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ ابن جریر نے جو کچھ اپنی تفسیر میں لکھا ہے یہ تفسیر کا صرف دسواں حصہ لکھا ہے چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ تفسیر لکھنے سے پہلے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ میں تفسیر لکھوں تو تم لوگ اس سے خوش ہوگے؟ شاگردوں نے التماس کیا کہ تفسیر کتنی بڑی ہوگی؟ آپ نے فرمایا تیس ہزار اوراق میں۔ شاگردوں نے کہا کہ پھر تو اس کے پڑھتے پڑھتے عمریں ختم ہو جائے گی اس کم ہمتی پر آپ نے انا للہ پڑھی اور جسقدر تفسیر کرنے والے تھے اس کا دسواں حصہ ہی کیا اللہ اکبر اگر وہ اپنے ارادے کے مطابق ساری تفسیر کر ڈالتے تو نہ معلوم کتنی ضخیم کتاب ہوتی اور اس کے رکھنے کیلئے کتنی الماریاں درکار ہوتیں۔

(۲) تاریخ الامم والملوک:- جو تاریخ طبری کے نام سے مشہور ہے، مطبوعہ کتابوں میں تاریخ الرسل والملوک نام چھپا ہوا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے آفرینش عالم سے لیکر ۳۰۲ھ تک کی تاریخ لکھی ہے۔

کاتب چلپی نے نسخہ دیکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ موجودہ نسخہ اصل نسخہ کا مختصر ہے"۔

ابو محمد عبداللہ رہمدانی نے اس کا تکملہ لکھا ہے اور ۵۲۱ھ تک اس کو پہونچایا ہے۔

ابن ندیم لکھتے ہیں

"ہمارے زمانہ تک بہت سے لوگوں نے اس کا
تکملہ لکھا ہے لیکن وہ قابل اعتماد نہیں کیونکہ وہ لوگ
نہ اہل علم ہیں نہ ہی حکومت سے ان میں کوئی تعلق
رہا کہ ان کو حکومت کے احوال کی خبر ہو"

یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور بہت سی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

کاتب چلپی نے لکھا ہے کہ اس کا ترکی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

ابو محمد بلغمی نے ۳۰۲ھ میں اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ اور قدوۃ العلماء عالم شریعت وطریقت امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی دامت برکاتہم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے اور طبع بھی ہو چکا ہے مگر افسوس کہ صرف پہلی ہی جلد کا ہے۔

مغالطہ اور اس کا ازالہ

چونکہ تاریخ طبری کے نام سے کئی کتابیں ہیں اس لئے بسا اوقات لوگوں کو مغالطہ ہو جاتا ہے اور تاریخ طبری کے نام سے بھی ابوجعفر محمد بن جریر طبری کی تصنیف کردہ کتاب کیطرف ذہن جاتا ہے۔ بلکہ بعض لکھنے والے حضرات بھی بڑی صریح غلطی کر بیٹھتے ہیں کہ دوسری تاریخ طبری سے نقل کر کے کوئی چیز لکھتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ علامہ طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

واضح رہے کہ تاریخ طبری کے نام سے شیعوں کی ایک کتاب ہے جس کا نام "ایضاح المسترشد" ہے جو محمد بن جریر بن رستم طبری رافضی کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں اس نے واقعات اور روایات اپنے عقائد کے مطابق درج کئے ہیں۔

دوسری ایک اور کتاب بھی تاریخ طبری کے نام سے مشہور ہے جس کا اصل نام "السلافۃ بمنشا والخلافۃ" ہے گیارہویں صدی ہجری یعنی ۱۰۱۹ھ کی تالیف ہے جس کو عبدالقادر ابن محمد الحسینی الطبری (متوفی ۱۰۳۱ھ) نے تصنیف کی ہے جو کہ معظمہ کے مفتی تھے۔

(۳) تاریخ الرجال من الصحابہ والتابعین:- یہ کتاب تاریخ طبری کے ضمیمہ کے طور پر چھپ گئی ہے اور اس کا نام "الذیل المذیل من تاریخ الرسل والملوک" رکھا گیا ہے۔

(۴) کتاب احکام شرائع الاسلام:- اس کتاب میں آپ نے اپنے اجتہادی مسائل تحریر فرمائے ہیں جو بیاسی بابوں میں منقسم ہے

(۵) کتاب الخفیف:- یہ کتاب فقہ میں ہے اس کے لکھنے کا سبب یہ ہوا کہ عباس ابن الحسین (وزیر بغداد) نے فقہ حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اس کے لئے آپ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی اس کتاب کے لکھنے پر اس نے آپ کو ایک ہزار اشرفیاں بطور انعام پیش کیں مگر آپ نے قبول نہ کیا اس نے دوبارہ درخواست کی اور کہا

نے لیے خیرات کر دیجئے گا تو آپ نے فرمایا

انتم اولی باموالکم واعرف بمن تصدقون علیه :- تم اپنے مالوں کے زیادہ مستحق ہو تم ہی خیرات کرو مجھے وکیل بننے کی ضرورت نہیں۔

(۶) کتاب المبسوط :- ابن ندیم نے غالباً اسی کا نام کتاب البسیط لکھا ہے یہ کتاب بھی فقہ میں ہے مگر افسوس کہ پوری نہ ہو سکی عرف حسب ذیل ابواب ہیں۔

کتاب الطہارت ، کتاب الصلوۃ ، کتاب الزکوۃ ، کتاب الوصایا کتاب ادب القاضی ، کتاب الشروط الکبیر ، کتاب المحاضر والسجلات

علامہ سبکی کا بیان ہے کہ صرف کتاب الطہارۃ ڈیڑھ ہزار اوراق کی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر مسئلہ صحابہ و تابعین کا اختلاف مع سند کے ذکر کیا ہے اور اس کے ادلّہ سے بھی بحث کی ہے پھر آخر میں اپنا مذہب مختار اور اس کے وجوہ ترجیح بیان فرماتے ہیں اس سبب سے کتاب باوجود مکمل نہ ہونے کے اچھی خاصی ضخیم ہو گئی۔

(۷) کتاب اللطیف :- یہ کتاب بھی فقہ میں ہے فقہا جس طرح فقہ میں مبسوط لکھتے ہیں اسی طرح کی آپ نے بھی یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے۔

(۸) کتاب المسترشد :- یہ بھی فقہ میں ہے۔ واضح رہے کہ اسی نام کے مشابہ "ایضاح المسترشد" بھی ایک کتاب ہے جو ناریخ میں ہے اور محمد بن جریر بن رستم رافضی کی لکھی ہوئی ہے لہذا دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔

(۹) کتاب الآثار :- اس میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام احادیث سند کے ساتھ جمع کی ہیں اور بڑی عجیب و غریب کتاب ہے۔ اس میں آپ نے اور سندوں پر بھی بحث کی ہے مطالب و نکات بھی ہیں اور حل لغات بھی۔ حتی کہ عقلی طور پر جو اعتراضات مدعیان عقل یا بے دین لوگ کیا کرتے ہیں ان کے تفصیلی جوابات بھی درج ہیں۔

اسی طرح عشرہ مبشرہ، اہل بیت اور موالی اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مسانید بھی لکھے ہیں۔ غرض یہ کتاب آپ کی تصنیفات میں عجیب ہی ہے یعنی ایک ہی وقت میں حدیث بھی ہے۔ شرح حدیث بھی۔ مسند بھی ہے سنن و اطراف بھی، فقہ بھی ہے اصول فقہ بھی اور فقہ کسی ایک کی نہیں بلکہ بہت سی فقہوں کا مجموعہ ہے اسی طرح لغات بھی ہیں اور معارف و نکات بھی غرض اس قسم کی جامع کتاب دیکھنے میں تو کیا سننے میں بھی نہ آئی ہوگی چنانچہ صاحب کشف الظنون ان وقیع الفاظ میں اس کی توصیف فرماتے ہیں۔

وھو کتاب تفرد فی بابه بلا مشارک :- یہ ایسی کتاب ہے جو اپنی آپ نظیر ہے۔

(۱۰) آداب النفوس :- یہ بھی بالکل انوکھی کتاب ہے اس میں ہر عضو انسان کے جو شرعی اعمال ہیں خواہ واجب ہوں یا حرام، سنت ہوں یا بدعت، مستحب ہوں یا مکروہ سب ہی کا ذکر ہے اور یہی نہیں بلکہ ان کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں وہ بھی نقل فرمائی ہیں، ساتھ ہی صوفیاء کرام اور عباد و زہاد کے کلام مع ان کے واقعات درج کئے ہیں پھر اپنی رائے میں جو صحیح ہوا اس کو ترجیح بھی دی ہے۔

(۱۱) آداب المناسک :- اس کتاب میں حج کے سلسلہ کے جتنے مسائل ہیں ان سب کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور گھر سے نکلنے کے وقت سے حج ختم ہونے تک جتنے آداب و مسائل کی ضرورت ہوتی ہے ان سب کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔

(۱۲) شرح السنۃ :- اس کتاب میں بھی اپنے مذہب کا مفصل بیان مع وجوہ ترجیح ذکر کیا ہے اس میں تمام صحابہ اور تابعین اور فقہاء امصار کے آراء کا مفصل ذکر ملتا ہے۔

(۱۳) المسند المخرج :- افسوس کہ یہ کتاب بھی پوری نہ ہو سکی۔ اس میں آپ نے یہ التزام کیا تھا کہ ہر ایک صحابی سے جتنی بھی روایتیں ہیں، خواہ ضعیف ہوں یا صحیح سب یکجا جمع کر دی جائیں۔

(۱۴) کتاب الفضائل :- اس میں خلفاء اربعہ کے فضائل و مناقب ترتیب وار بیان کئے گئے ہیں یعنی سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے مناقب ہیں۔

اس میں آپ نے غدیر خم کی حدیث کو صحیح ثابت کیا ہے اور بڑی تفصیل کیساتھ بحث کی ہے۔

(۱۰) کتاب الشذور:۔ اس کتاب کا پتہ نہیں کہ کس فن میں ہے نہ ہی کتاب کے خصوصیات وغیرہ معلوم ہوسکے۔

(۱۶) کتاب الاشتقاق:۔ اس کتاب کے بارے میں بھی کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کس فن میں ہے

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی کتابیں مختلف موضوع پر آپنے تصنیف فرمائی ہیں۔

اخلاق وعادات

آپ کے اخلاق بڑے پاکیزہ تھے، بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے طبیعت بڑی قانع پائی تھی والد کی حیات میں جو کچھ ان کے پاس سے آجاتا تھا اسی پر قناعت کرتے تھے اور والد کے انتقال کے بعد متروکہ جائداد کی تھوڑی بہت جو آمدنی آجاتی تھی اسی پر گذارہ کرتے۔

آپ کے اندر صفت استغنار اور بے نیازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی چنانچہ اس سلسلہ کے بہت سے واقعات آپ کے مشہور ہیں۔ کتاب الخفیف جسوقت آپ نے تصنیف فرمائی تو آپ کو ایک ہزار اشرفیاں پیش کیگئیں۔ لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔

ایک بار خلیفہ مکتفی بالعد کو ضرورت پیش آئی کہ ایسا وقف نامہ مرتب کیا جائے جس سے کسی بھی گروہ کو اختلاف نہو۔ چنانچہ آپ کو بلایا گیا اور آپ نے برجستہ وقف نامہ لکھوا۔ جسوقت آپ واپس ہونے لگے تو خلیفہ نے بہت بڑا انعام پیش کرنا چاہا لیکن آپ نے بڑی شان استغناء کے ساتھ فرمایا "مجھے اس کی ضرورت نہیں"، بعض درباریوں نے کہا کہ قبول فرمالیجئے بادشاہ کا انعام قبول نہ کرنا مناسب نہیں۔ لیکن آپ برابر یہی کہتے رہے کہ مجھے ضرورت نہیں۔

یہ دیکھکر خلیفہ نے درباریوں کو اشارہ کیا کہ کوئی فرمائش ہی کریں چنانچہ پھر آپ سے کہا گیا۔۔ یا تو انعام قبول کیجئے یا کوئی فرمایش کیجئے آپ نے فرمایا ہاں میری ایک فرمائش ہے وہ یہ کہ کوتوال کو حکم دیا جائے کہ جمعہ کے دن مانگنے والوں کو مقصورہ میں نہ آنے دے۔

اسی طرح کسی قسم کا عہدہ قبول کرنے سے بھی بہت دور بھاگتے چنانچہ جب خاقانی کو وزارت ملی تو اس نے قضاء کا عہدہ پیش کیا آپ نے انکار کر دیا پھر مظالم کا عہدہ پیش کیا اسے بھی قبول نہ کیا۔

آپ حاسدین اور بے دین لوگوں کے اتہام اور ایذا رسانی پر صبر کرتے۔ آپ علم و بیان میں کبھی حق راہ نہ چھوڑتے اور اسمیں کسی کی ملامت کا خیال نہ کرتے

اہل حکومت سے بھی کبھی مرعوب نہ ہوتے چنانچہ ابوسعید عثمان بن احمد دینوری فرماتے ہیں کہ میں ایک بار ابن جریر طبری کی مجلس میں حاضر تھا ایک شخص قرارت کر رہا تھا اتنے میں وزیر فضل بن جعفر بن الفرات آگئے۔ وزیر کو دیکھکر پڑھنے والا خاموش ہو گیا تو آپ نے پوچھا "کیوں خاموش ہو گئے" اس نے وزیر کی طرف اشارہ کیا اس پر آپ نے فرمایا جب تمہاری باری پڑھنے کی ہو تو وہ جلد قرات کی پرواہ نہ کرو۔

طبیعت بہت غیور واقع ہوئی تھی اگر دوستوں کے یہاں سے ہدیہ میں کوئی چیز آتی تو سنت کے خیال سے قبول فرما لیتے اور اس سے کہیں زیادہ چیز بھیجکر مکافات فرما دیتے اور بعض دفعہ تو اتنا زیادہ بھیجتے کہ اس کی مکافات دوستوں کی طاقت سے باہر ہوتی۔

زہد وورع اور دینی حمیت

آپ بڑے زاہد و پرہیزگار تھے دنیا کی آلائشوں سے سخت نفرت تھی اسی لئے کبھی اس کی طرف التفات نہ کرتے۔ آپ ہر کام میں آخرت کو پیش نظر رکھتے تھے۔

ابو علی طوماری بیان فرماتے ہیں کہ ابو بکر بن مجاہد کے تراویح پڑھنے جاتے وقت آگے آگے قندیل لیکر چلا کرتا تھا۔ رمضان مبارک کی اخیر راتوں میں ایک مرتبہ ابو بکر نماز کیلئے گھر سے نکلے اور مسجد میں داخل ہونے کے بجائے آگے بڑھ گئے اور ابن جریر کی مسجد کے دروازے کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ وہاں ابن جریر کو دیکھا کہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں اور اس وقت سورہ الرحمٰن پڑھ رہے تھے۔ سورہ الرحمٰن اول تو خود عروس القرآن ہے پھر علامہ ابن جریر کا خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا

سو نے پر سہاگہ کا کام کر رہا تھا۔ ابوعلی فرماتے ہیں کہ ابو بکر بڑے انہماک کیساتھ سنتے رہے میں نے ان سے کہا جلد چلئے وہاں لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ تو مجھے انہوں نے ڈانٹ کر کہا کہ چپ رہو۔ دیکھو یہ شخص کتنا بہترین قاری ہے۔

محمد بن علی بن محمد بن سہل کا بیان ہے کہ ایک بار ابن جریر اور ابن صالح الاعلم کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ اثنار گفتگو میں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر آگیا۔ ابن جریر نے ابن صالح سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص حضرات شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کو رشد و ہدایت کا امام نہ مانے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ابن صالح بولے ایسا شخص بدعتی ہے۔ ابن جریر نے کہا وہ بدعتی ہے بدعتی ہے اس کی گردن اڑا دی جائے اس کی گردن اڑا دی جائے۔

عقیدہ رفض کی تحقیق

آپ کے اوپر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ رافضی اور بے دین تھے اس اتہام کی وجہ یہ ہوئی کہ ابوداؤد نے حدیث خم کی حدیث میں کلام کیا ہے تو اس پر آپ نے "کتاب الفضائل" لکھی اور اس پر غدیر خم کی حدیث کو صحیح ثابت کیا۔

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس بحث کو جس کو ابن جریر نے حدیث خم کے متعلق لکھی ہے دیکھی اور بہت متعجب ہوا آپ نے اس حدیث کو کیونکر اتنے کثیر طرق سے بیان فرمایا اور انھیں محفوظ کیا۔

مگر محض اس حدیث خم کو صحیح ثابت کرنے سے آپ پر شیعہ و رافضی ہونے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ آپ نے ایک محدث کی حیثیت سے (جن طریقوں سے وہ حدیث پہونچی) انھیں نقل کر دیا۔ رہی محدث کا فریضہ ہے تو آپ نے اس حدیث غدیر خم کے متعلق محض اپنا محدثانہ فرض انجام دیا پس یہ ان کے رافضی ہونے کی دلیل کسی طرح نہیں بن سکتا۔

تجارب الامم میں ابن مسکویہ نے علی بن عیسی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جو لوگ آپ پر رافضی یا بد دین ہونیکا الزام لگاتے ہیں ان سے اگر رفض و الحاد کے معنی پوچھے جائیں تو نہیں بتا سکتے چہ جائیکہ آپ پر اس الزام کو ثابت کریں۔

اسی کتاب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جسوقت آپ نے "اختلاف العلماء" تصنیف کی تو چونکہ اس میں آپ نے حضرت امام احمد بن حنبل کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہ کیا اور اس کی وجہ جیساکہ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے یہ ہے کہ آپ سے جب اس کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے ان کے محدث ہونے کا اقرار کیا لیکن ان کے فقیہ ہونے کا انکار کیا لہذا یہ چیز حنابلہ کو بڑی ناگوار ہوئی اور آپ کے زمانہ میں حنابلہ کا بہت زور تھا لہذا انہوں نے آپ پر زیادتی کی اور غیظ و غضب میں آکر آپ پر رافضی اور بد دین ہونے کا الزام لگایا۔

ایک دوسری وجہ یہ بھی بیان کیجاتی ہے کہ ایک روز حنابلہ نے جامع مسجد میں آپ سے یہ سوال کیا کہ عسی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً جو فرمایا گیا ہے تو کیا اللہ تعالے کیساتھ عرش پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیٹھیں گے آپ نے اس پر یہ شعر پڑھا ؎

سبحان من لیس لہ انیس ۔ پاک ہے وہ ذات جس کا کوئی اور ساتھی نہیں۔
ولا لہ فی عرشہ جلیس ۔ اور نہ عرش پر کوئی اس کا جلیس ہمنشیں ہے

حنابلہ نے امام احمد بن حنبل کے اختلاف کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے اختلاف کا اعتبار نہیں اتنا کہنا تھا کہ حنابلہ بگڑ گئے اور آپ سے اختلاف شروع کر دیا اور آپ پر رفض اور بے دینی وغیرہ کا الزام لگایا۔

بہر حال اگر ابن جریر نے امام احمد بن حنبل کو ائمہ ثلثہ کے درجہ میں نہیں رکھا تو اگر محض اتنی سی بات پر وہ متہم ہو سکتے ہیں تو پھر ابن جریر کی کیا تخصیص ہے محمد بن عبدالرحمن السمرقندی السخاوی نے بھی اپنی کتاب "عمدۃ الطالب لمعرفۃ المذاہب" میں کچھ اس قسم کی باتیں لکھی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی امام احمد بن حنبل ائمہ ثلاثہ کے درجہ میں نہ تھے بلکہ انہوں نے تو داؤد ظاہری اور اہل تشیع کے درجہ میں لاگردانا ہے۔

علامہ غزالی نے "وجیز" میں اور علامہ نسفی نے "وافی" میں امام احمد کا تذکرہ نہیں کیا۔ اسی طرح ابن قتیبہ نے بھی "معارف" میں آپ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اور علامہ

طحاوی نے "اختلاف الفقہاء" میں، علامہ دبوسی نے تاسیس النظر
میں، علامہ ابو محمد عبداللہ بن ابراہیم الاصیلی المالکی نے بھی کتاب
الدلائل لامہات المسائل" میں کہیں امام احمد کا تذکرہ نہیں کیا ہے
تو نعوذ باللہ یہ سب حضرات بھی رافضی، شیعہ اور بددین ٹھہرے
آپ کے رفض کی ایک تیسری وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ
وضو کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ وضو میں پیر کا دھونا واجب
نہیں۔ چونکہ یہ عقیدہ اہل تشیع کا ہے اس لئے آپ کو بھی
شیعوں میں شمار کر لیا گیا۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ سرے سے یہ بات ہی بے بنیاد
ہے۔ آپ کی کسی تصنیف سے بھی اس کا پتہ نہیں چلتا۔ آپ نے
یہ بات اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع دونوں سے قطع نظر
ہو کر ایک بار فرمائی کہ منہ اور ہاتھ کا صرف دھونا واجب
ہے اور پیروں کا دھونے کے ساتھ ساتھ ملنا اور رگڑنا
بھی واجب ہے۔

اگر بالفرض مان لیا جائے تو کسی جزئی مسلک میں اگر
کوئی کسی کا مسلک اختیار کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ
اپنے گروہ سے نکل گیا۔ یہ بہت سے علماء شوافع اور مالکیہ
جزئی مسائل میں حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں تو کیا وہ حنفی
ہو گئے؟

علامہ جصاص الرازی نے "احکام القرآن" میں آیت
"لا تدرکہ الابصار" کی تفسیر بعینہٖ معتزلہ کے عقائد کے
مطابق کی ہے تو کیا وہ اہل سنت والجماعت کے گروہ سے خارج
ہو گئے۔ ہرگز نہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ جزئی اختلاف کسی محقق
کا اس کی تحقیق میں اس کی گمراہی، بددینی اور رفض تک
نہیں پہنچاتا۔

وفات آپ نے ستاسی سال کی عمر میں ۳۱۰ھ میں شوال
کے مہینہ میں سنیچر کے دن شام کو وفات پائی۔

ابوبکر دینوری بیان کرتے ہیں کہ انتقال کے دن ظہر کے
وقت آپ نے وضو کے لئے پانی مانگا۔ آپ سے کہا گیا کہ حضور!
ظہر کو اخیر وقت میں پڑھئے اور عصر کو اول وقت پڑھ لیجئے گا۔
یعنی جمع صوری فرما لیجئے۔ اور یہ باتفاق تمام علماء جائز ہے۔ مگر
آپ نے مؤخر نہ کیا اور ظہر و عصر دونوں نمازوں کو اپنے اپنے
وقت میں تازہ وضو کر کے پڑھا اور نہایت خشوع و خضوع کے
ساتھ ادا کیا۔ پھر آپ کی حالت متغیر ہو گئی۔ اس وقت آپ کے
پاس بہت سے اصحاب علم بیٹھے ہوئے تھے۔ وفات کے
قبل آپ سے کہا گیا" آپ ہمارے اور خدا کے درمیان حجت ہیں
آپ ہم لوگوں کو کچھ وصیت فرما دیجئے جو ہمارے آخرت کے
لئے کام آئے" آپ نے فرمایا میں تم لوگوں کو اسی کی وصیت
کرتا ہوں جو میں نے اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے۔ اسی پر تم لوگ
عمل کرو۔

یہ کہہ کر کثرت سے کلمۂ شہادت پڑھنے لگے اور اللہ کا
ذکر کرتے گئے پھر اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا اور اپنے ہاتھ سے اپنی
دونوں آنکھیں بند کر لیں اور دونوں ہاتھوں کو سیدھے پھیلا دیئے
اور روح جسم عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی وفات کی کسی کو خبر نہ دی گئی لیکن اس کے
باوجود بیشمار آدمی آپ کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ اور
۲۶ شوال بروز یکشنبہ صبح کے وقت بصد اندوہ و غم اُس
عالم جلیل کو سپرد خاک کیا گیا۔

خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ یکشنبہ کو وفات پائی اور
دوشنبہ کے روز صبح کو مدفون ہوئے۔

آپ کی قبر مصر قرافہ صغری میں بتائی جاتی ہے، چنانچہ
ابن خلکان خود ذکر کرتے ہیں:۔

"میں نے مصر قرافہ صغری میں سفح مقطم کے
پاس ایک کتبہ دیکھا جس پر یہ لکھا ہوا تھا:۔
ھذا قبر ابن جریر الطبری" یہ ابن جریر
طبری کی قبر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آنکھوں کی صحت کا ضامن

ڈرابکوف سرمہ

- ایک تولہ پانچ روپے
- چھ ماشہ تین روپے
- ڈاک خرچ ڈیڑھ روپیہ
- تین شیشی یکجا منگانے پر ڈاک خرچ معاف
- مزید تفصیلات ٹائٹل کے کسی صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے۔

جسے صرف مریض ہی آنکھوں والے نہیں، بلکہ صحت مند آنکھوں والے بھی استعمال فرماتے ہیں۔ کیونکہ یہ بینائی کو گھٹنے نہیں دیتا۔ اپنے یہاں کے ایجنٹ سے خریدیئے۔ اس میں ڈاک خرچ کی بچت ہوگی۔ نہ ملے تو براہ راست نیچے لکھے ہوئے پتے سے طلب کیجئے

دارالفیض رحمانی دیوبند

حدیث غزوۂ قسطنطنیہ پر استفسار

از: مظہر عزیز سہیل بی۔اے گورکھپور

تمہید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد بخاری شریف میں ہے شاید وہ ایک طویل حدیث ہے جسے امام بخاریؒ نے راویوں کے اختلاف اور جدا گانہ ابواب کی تقسیم کے سبب سے چھ جگہ بیان کیا ہے۔ جلد اول کتاب الجہاد کے (۱) باب الدعا بالجہاد میں (۲) باب غزوۃ المرأۃ فی البحر میں (۳) باب من یصرع فی سبیل اللہ میں (۴) باب رکوب البحر میں (۵) باب ما قیل فی قتال الروم میں (۶) جلد دوم کتاب الاستیذان کے باب من زار قوماً فقال عندھم میں۔

ہم ان چھوں روایتوں کو جمع کرکے ایک مربوط اور مسلسل عبارت میں ان کا ترجمہ لکھتے ہیں:۔ (شک راوی کو ہم نے قصداً حذف کر دیا ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا تشریف لے جاتے تھے تو حضرت امّ حرام بنت ملحان زوجۂ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما کے یہاں اکثر جاتے تھے۔ حضرت امّ حرام کی عادت تھی کہ وہ آپؐ کی خدمت میں کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز ضرور پیش کیا کرتی تھیں۔ ام حرام نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک بار حضورؐ دوپہر میں میرے گھر تشریف لائے تو میں نے حضورؐ کے سامنے کھانے کی کوئی چیز پیش کی اور قریب ہی بیٹھ کر آپؐ کے سر مبارک میں جوئیں تلاش کرنے لگی۔ اس کے بعد حضورؐ نے قریب ہی کسی چیز سے ذرا ٹیک لگالی اور سو گئے یکایک تھوڑی دیر کے بعد آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا بات ہوئی جس پر آپ کو ہنسی آگئی۔ آپؐ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ خواب میں میرے سامنے لائے گئے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کو نکلے تھے اور اس سمندر کی پشت پر اس طرح شان اور اطمینان سے بیٹھے چلے جا رہے تھے کہ جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر ہوں۔ مجھے ان کو دیکھ کر تعجب اور خوشی سی ہوئی۔ میری امت کی جو پہلی فوج بحری جہاد کرے گی اُن لوگوں نے تو (اپنے اوپر جنّت) واجب ہی کرلی۔ یہ سُنکر میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیجئے کہ وہ مجھے بھی ان مجاہد غازیوں میں شامل کر دے۔ حضورؐ نے میرے لئے دعا فرمائی کہ بار الٰہا! ان کو بھی اس جماعت میں داخل کر دیجئے! پھر فرمایا ہاں تم ان میں شامل ہوگی۔ پھر آپؐ نے اسی طرح ذرا ٹیک لگالی اور کچھ دیر کے لئے آپؐ پھر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے تو پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اب حضور کو کس بات پر ہنسی آئی؟ آپؐ نے پھر پہلے کی طرح فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ پھر مجھے خواب میں دکھائے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے نکلے۔ تو میری امت کی جو پہلی فوج قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گی انھیں بخش دیا گیا۔ تو

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے حق میں دعا کر دیجئے کہ ان مجاہد غازیوں میں مجھے بھی شریک و شامل فرمائیے۔ تو آپؐ نے فرمایا تم بس پہلی جماعت میں ہو، دوسری میں نہیں۔ تو عبادہ بن صامتؓ نے اُن سے (ام حرامؓ سے) نکاح کر لیا اور وہ حضرت معاویہؓ کے ہمراہ جب بحری غزوہ میں گئے تو اُن کو ساتھ لے گئے ام حرام بھی (حضرت معاویہؓ کی بیوی فاختہ) بنت قرظہ کے ساتھ غزوہ میں گئیں، جب غزوہ سے لوٹیں تو فوج شام میں ٹھیری وہاں سے روانگی کے وقت سواری کے جانور پر سوار ہونے لگیں یکایک جانور بدکا ام حرام گر پڑیں جس سے ان کی گردن ٹوٹ گئی اور اسی صدمہ میں وہ انتقال کر گئیں۔" (انتہی)

اس حدیث کے متعلق اِدھر کچھ عرصہ سے اکثر علمی بحثیں رسائل تجلی وغیرہ میں بھی اور بعض تصانیف مثل "شہید کربلا اور یزید" وغیرہ میں بھی نظر سے گذرتی رہیں، مگر وہ بحثیں بہت ناکافی اور ان کی بعض رائیں محض انفرادی تھیں جن سے میرے ذہن کے اکثر شبہات کی تشفی نہیں ہوسکی۔ خود اس حدیث میں تو کوئی ایسی بات نہیں تھی جو سمجھ میں نہ آسکے مگر اُلجھن جو اس میں پیدا ہو جاتی ہے وہ بعض شارحینِ حدیث کی نکتہ آفرینیوں سے یا بعض اکابر کی نمایۂ حال کی تحریروں سے پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی تشریحیں بالکل "شاید پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا" کی مصداق معلوم ہوتی ہیں مثلاً ابن التین اور ابن المنیر نے جو نکتے اس میں نکالے ہیں میری رائے ناقص میں وہ اب بھی اہلِ حق اور اربابِ بصیرت کی زیادہ سے زیادہ غائر نظر اور تحقیق کے مستحق ہیں۔ میرے خیال میں تو جس طرح لعن یزید اور تکفیرِ یزید کے مبارک کام میں اہلِ سنت والجماعت میں سے شاید سب سے قدیم اور سب سے جوشیلے وکیل سعد الدین تفتازانی ہیں اسی طرح شہر قیصر پر پہلے حملہ آور لشکر کی مغفوریت میں شبہے نکالنے میں شاید سب سے قدیم اور سب سے زیادہ پُر جوش وکیل یہ "ابن التین اور ابن المنیر" ہیں اور جس طرح تفتازانی کے

بارے میں ملا علی قاری حنفی نے شرح فقہ اکبر میں فیہ رائحۃ من الرفض کا ریمارک کیا ہے۔ بعض قرائن سے ــــ جو تفصیلاً آگے آ رہے ہیں ــــ میری بھی رائے ان دونوں ابن التین اور ابن المنیر کے بارے میں یہی ہے کہ، فیہما رائحۃ من الرفض جس طرح خود امام بخاری نے بعض روافض کی روایت ان کے ظاہری دین دار ہونے پر اعتماد کر کے لے لی ہے اسی طرح بخاری کے شارحین عسقلانی قسطلانی۔ عینی نے بھی کیا تعجب ہے کہ بعض رائحۂ رفض دونوں کے اقوال والوں کے اقوال ان کی دین داری کی خبر سنکر قبول کر لئے ہوں!

بخاری شریف کے مشہور شارح علامہ ابن حجر عسقلانی نے اُوپر کی چھ حدیثوں میں سے حدیث ۵ کی شرح میں ان دونوں بزرگوں کا ایک قول نقل کیا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"مہلب کہتے ہیں کہ اس حدیث میں سیدنا معاویہؓ کی بھی منقبت ہے کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بحری جہاد کیا اور ان کے بیٹے (یزید) کی بھی اس میں منقبت ہے کیونکہ اُسی نے سب سے پہلے مدینۂ قیصر پر جہاد کیا۔ مہلب کے اس قول پر ابن التینؒ اور ابن المنیر نے اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حکم مغفورٌ لھم کے عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ کوئی خاص دلیل بھی اُسے اس حکم سے خارج نہیں کر سکتی، کیونکہ اہلِ علم کا اس میں مطلق اختلاف نہیں کہ حضورؐ کا یہ قول مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ مجاہدین مغفرت کے اہل بھی رہے ہوں۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض ان مجاہدین میں سے کوئی شخص اس جہاد کے بعد دین سے پھر گیا ہو تو سب علماء

متفق ہیں کہ وہ اس حکم عام میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا منشاء یہ ہے کہ ان مجاہدین میں سے صرف انھیں کو بخشا جائے گا جن میں مغفرت کی شرط بھی پائی جائے۔۔ (آگے چل کر)۔۔۔ لیکن ابن التین کا یہ کہنا کہ "یزید تو اس غزوہ میں گیا ہی نہیں تھا" مردود اور غلط ہے ہاں یہ البتہ کہا جا سکتا ہے کہ یزید دست بدست جنگ کرنے والوں میں نہیں تھا، کیونکہ وہ تو امیر لشکر تھا۔ (فتح الباری ملخصاً)

دیکھئے ابن التین نے اس میں تین شبہے ڈالنے چاہے ہیں (۱) اس حکم عام میں اگر یزید کو داخل مان بھی لیا جائے تو بھی اُسے نفع نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اس کے بعد اگر بالفرض اس نے کفر وارتداد کا ارتکاب کیا ہو تب تو تمام علماء اس کے اس بشارت سے خارج ہونے پر متفق ہیں۔ حضورؐ نے اکثر اعمال کے فضائل میں "غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر" وغیرہ کے وعدے اور بشارات فرمائی ہیں ان میں اہل علم ہمیشہ وفات علی الایمان کی شرط ملحوظ رکھتے ہیں گویا حضورؐ نے ایک ارشاد تبشیری کو جس طرح بالعموم عام قانون کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی [illegible] ہرگز نہیں ہو سکتا اگر اس جہاد کے [illegible] تب بھی ان کو بخش دیا جائے گا (۲) دوسرا شبہہ یہ اٹھایا کہ یزید تو مدینہ قیصر پر حملہ آور فوج میں تنہا بھی نہیں [illegible] کوئی دوسرا تھا پھر بھلا اسے حضورؐ کی بشارت کا نفع کیونکر مل سکتا ہے؟ (۳) تیسرا نکتہ اور شبہہ یہ کھڑا کیا کہ اچھا مان لیجئے اُس فوج کا سپہ سالار یزید ہی تھا تو حضورؐ کی بشارت تو اُن لوگوں کے لئے تھی کہ جو تلوار لے کر قلعہ تک جائیں اور قلعہ کی دیوار [illegible] نہیں تو یزید نہیں تھا [illegible] زبانی جمع خرچ کرکے مجاہدین کو بڑھاتا اور لڑاتا رہا اس لئے مغفرت کی بشارت کا نفع بھلا اسے کیونکر مل سکتا ہے؟ نہ معلوم ابن التین پہلے غزوہ میں ام حرام کو بھی داخل بشارت کیونکر مان لیں گے کیونکہ تلوار لے کر تو وہ بھی نہیں میدان میں اتری تھیں۔

حالانکہ غریب ابن التین کو شاید خبر نہیں کہ ارتداد کے بعد بھی ایک قاعدۂ خداوندی کی رُو سے مغفرت ہو سکتی ہے جیسا آگے آ رہا ہے۔ دوسرے اس ذہانت کی تو ذرا داد دیجئے کہ اگر جہاد کے بعد بالفرض کوئی مرتد ہو گیا ہو تو علماء اُسے خارج کرنے پر متفق ہیں! میں کہتا ہوں بہت اچھا، ہیں متفق تو۔ آگے فرمائیے۔ یعنی یزید کو جہنم میں بھیجنے کے لئے پہلے یہ بھی تو ثابت کیجئے کہ اس نے کفر وارتداد کا فلاں کام کیا تھا اور اس کام کے کفر وارتداد ہونے پر تمام علماء جن میں "رائحۂ رفض" نہیں ہے متفق بھی ہیں۔ کسی مدعی کے بیان میں اگر آپ یہ دیکھیں کہ وہ اثباتِ مدعا کے لئے کبھی ایک دلیل بہت زور شور سے بیان کرتا ہے پھر کچھ سوچکر دوسری دلیل پیش کرتا ہے کہ پہلے قول کو زور پہنچائے۔ پھر تیسری بات اس کی تائید میں لا رہا ہے تو اس سے جہاں ہر بات آپ کو معلوم ہوگی کہ وہ خود بھی اپنی کسی ایک دلیل کو ثبوت میں کافی نہیں سمجھ رہا ہے وہاں یہ بھی روز روشن کی طرح آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ اس مدعی کی نیت، ذہن اور کوشش سب [illegible] فاسد ہے۔ اگر راقم الحروف کے مذکورۂ بالا قرائن ابن التین کے خلاف علم و دیانت کے نزدیک بھی صحیح اور باوزن ہوں تو میں کہتا ہوں کہ آخر کیا جوہری فرق ہے ابن التین صاحب کے اس طرزِ استدلال اور اثباتِ مدعا کی کوشش میں اور فرقۂ سبائیہ کے طرزِ استدلال اور کوششوں میں کہ من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ سے خلافتِ علی بلا فصل کا اثبات ہو رہا ہے اور [illegible] خلافتِ علی بلا فصل کا اثبات [illegible] معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ دونوں طرزِ استدلال ایک ہی قسم کی ذہنیت اور ذہانت کی پیداوار ہیں؟

بہرحال اس حدیث کی شرح میں مذکورہ بالا طرزِ استدلال کے شبہات اگر صرف ابن التین (انجیر کے بیٹے) کے (بلکہ بالفرض خود کسی جناب التین صاحب کے بھی

ابو التین صاحب کے بھی) ہوتے تو بھی میں ان کی طرف ادنیٰ التفات بھی نہ کرتا اور علماء سے اس کا مطلب پوچھنے کی زحمت نہ اُٹھاتا بلکہ جو مطلب میں نے سمجھ لیا تھا اُسی کو صحیح جانتا مگر چونکہ اس سلسلہ میں اکثر کتب کی مراجعت سے یہ انکشاف ہوا کہ عسقلانی، قسطلانی اور عینی نے شرح حدیث میں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شرح تراجم ابواب بخاری میں اور مولانا تھانویؒ نے فتوے میں انھیں ابن التین کا قول کُلاً یا جزءاً تسلیم کیا اور دُہرا دیا ہے تو سمجھ میں یہ آیا کہ غالباً اس استدلال اور اس قول کے اصلی بادی اور بانی ابن التین صاحب ہی ہیں۔ رہا ان اکابر علماء کا ان کے قول کو تسلیم کر لینا تو غالباً بلکہ اغلباً محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبے اور محبتِ حسینؓ کے ہجوم میں ان حضرات کو اس قول کی طرف پوری طرح التفات نہیں ہو سکا۔ ابن التین صاحب کا قول جو میرے خیال میں بہت زہریلا ہے ان حضرات کے لئے دامِ ہم رنگِ زمیں ثابت ہوا کہ بات کچھ لگتی ہوئی دیکھی تو تفصیلاً اس کی گہرائی میں غور سے جھانکنے کی انھوں نے ضرورت نہیں سمجھی اور اُسے دُہرانے لگے۔ یعنی تین ہی صورتیں سمجھ میں آتی ہیں

(الف) یا تو ابن التین کے اعتراضات اور شبہات واقعی مضبوط ہی بنیادوں پر قائم ہیں اور میں اپنی علمی بے مائگی کے باعث اُس بنیاد کو سمجھ نہیں سکا ہوں۔

(ب) یا یہ اکابر جن کی خاکِ پا بننا بھی میرے لئے باعثِ فخر ہے ـــ حبِ رسولؐ اور عقیدتِ حسینؓ میں (یا کم سے کم بغضِ یزید میں) صحیح مطلب سمجھ میں آنے کے باوجود اس کے اظہار میں مصلحت نہیں دیکھتے۔ ورنہ مطلب وہ بھی وہی سمجھتے ہیں جو میں یا کوئی اور سمجھ سکتا ہے۔

(ج) یا پھر انھوں نے سرسری نظر میں ابن التین کے قول کو حبِ حسینؓ۔ حبِ رسولؐ اور بغض یزید کا متضمن پایا تو بغیر مزید غور کئے اسے تسلیم کر لیا۔ اگر اول الذکر صورت ہے اور میں اپنی کم علمی کے پیش نظر اسی صورت کو متعین و متیقن سمجھتا ہوں تو اپنے ذیل کے چند طالب علمانہ اشکالات کو عصرِ حاضر کے دس اکابر علماءِ حقانی کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ مجھے ان حضرات کے علم و عمل، دیانت و تقویٰ پر پورا اعتماد ہے اور ان سے بہ ادب درخواست کرتا ہوں کہ استفتاء ہذا کا جواب ادلۂ کتاب و سنت و فقہائے امت کے اقوال سے عطا فرمایا جائے تاکہ میرے اور نہ معلوم کتنے اور کم فہموں کے لئے تشفی بخش ثابت ہو اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ان علماءِ عشرہ میں سے دو تہائی حضرات کے جوابات جو بھی نقطۂ نظر بتائیں مجھے اس پر جمائے رکھے آمین۔

استفتاء

(۱) کیا فرماتے ہیں علماءِ دین حسب ذیل استفسارات و شبہات کے باب میں:

کیا مغفورٌ لھم سے مغفرت اوّل مراد ہے جس کا دوسرا عنوان دخولِ جنت بغیر عذاب ہے یا مغفرت بعد سزا ئے کیا تر مراد ہے؟ اگر مغفرت بعد سزا مراد ہو تو نہ تو اس میں یزید اور دیگر لشکریان کے لئے کوئی خصوصیت کوئی مدح، کوئی مژدہ و بشارت ہے اور نہ ابن التین وغیرہ کو اس پر گھبرانے اور تاویلات پیدا کرنے اور مشتبہ بنانے کی کوئی ضرورت ہے کیونکہ وہ تو ابن التین کے لئے، میرے لئے اور تمام گناہ گاروں کے لئے عام ہے ہی مگر بظاہر میرے نزدیک ابن التین کی یہ کلامی کوششیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ تمام لشکریوں کے لئے خصوصاً یزید کے لئے کسی قسم کی بھی مغفرت کے قائل نہیں۔

(۲) حضورؐ کا ارشاد مغفورٌ لھم کا طرزِ بیان، پوری حدیث کے دیگر قرائن کو بھی پیش نظر رکھتے ہوئے کیا جہادِ قسطنطنیہ کی ترغیب اور فضائل کا محض عام ذکر ہے (اگر کوئی فرد یا لشکر پہلے غزوۂ قسطنطنیہ میں جائے گا مغفورٌ لھم کے ثواب میں بشرط وجود شرائط عامہ ثواب شریک ہو سکے گا) یا یہ خاص حالات کے مخصوص افراد کے لئے ایک خاص بشارت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ا

اس انعام کا ملنا تو اٹل ہے یہ انعام تو انھیں مل ہی کر رہیگا کیونکہ ان مخصوص لوگوں کی ایمان کی سلامتی اور وفات علی الایمان تو تیقن و متعین ہے - اس میں کوئی شرط و تعلیق نہیں ؟

(۳) اگر یہ اوجبوا اور مغفور لھم ذکرِ فضائلِ جہاد مجاہدین ہے اور ترغیبِ عمل نہیں بلکہ مخصوص تبشیر جیش ہے تو کیا مخصوص تبشیر میں بھی شرط و تعلیق ہوا کرتی ہے ؟ اگر ہو سکتی ہے تو اس کی کوئی نظیر ؟

(۴) اگر ایک بشارت مغفور لھم میں شرط و تعلیق علماً نے مانی ہے تو کیا اُسی وقت کی اور اُسی حیثیت کی دوسری بشارت اوجبوا میں بھی شرط و تعلیق مانی ہے ؟ اگر نہیں تو کیوں ؟ اس سے تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اور اگر ہے تو پھر ابن التین کو یا ہم کو اس ارشاد میں اور کن کن قوانین کو ملا کر اوجبوا کا انعام تقسیم کرنے کا ضابطہ بنانا چاہئے اور کن کن افراد کو کس کس قانون کی روشنی سے اُس بشارت کا نفع ملنے سے خارج کر دینا چاہئے ؟

(۵) جس قاعدہ کی طرف ابن التین اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ حکم مشروط ہے اس شرط سے الخ وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے مگر جہاں تک میری ناقص نظر اور ناقص فہم کی رسائی ہے - اس کا طرزِ بیان ہی جُدا گانہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ دو جملوں (شرط و جزا) میں ہوا کرتا ہے - مثلاً من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر وغیرہ - یہاں دو جملے ہیں مضمون بھی شرط و جزا کا ہے اس لئے شرط بھی صحیح اور تعلیق بھی تسلیم مگر اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم - تو جملہ مفردہ اسمیہ خبریہ ہے اس کے اندر بھی شرط و تعلیق ماننا میرے نزدیک ایسا ہی جیسے ایک آدمی زید کو دورہ پڑھنے کے زمانے میں زید عالم کہدے تو دوسرا کہے کہ واہ زید بھلا اس عموم میں کیونکر داخل ہو سکتا ہے کیونکہ تمام علماء بلا اختلاف جانتے اور مانتے ہیں کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، کیسے معلوم کہ زید زندہ بھی رہے گا اور یہ کہ عالم ہونا مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ شخص عمر طبعی خدا کے یہاں سے لے کر آیا ہو پھر اس کو مدرسہ بھی جامعۂ ازہر مصر کی طرح ملا ہو - یہاں تک کہ اگر بالفرض اسے ابن التین جیسے استاذ نہ ملیں تو اس کے عالم ہونے کا کوئی امکان نہ ہو اس لئے معلوم ہوا کہ کہنے والے کا منشاء عالم کہنے سے صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص و مشروط ہے کہ وہ بوڑھا ہو کر مرے، مصر جا چکا ہو اور ابن التین جیسا استاد بھی اُسے ملا ہو -

(۶) کیا حضور کی اور تمام بشارتیں عشرہ مبشرہ کو، اہلبیتِ قرآنی یعنی امہات المومنین کو - اہلبیتِ حدیثی یعنی آلِ عبا کو، اصحابِ بدر کو بلکہ جملہ اصحاب رسول کو کہ (مغفرۃً واجراً عظیماً کا وعدہ سبھی سے ہے) بھی اسی تاوکِ شرط و تعلیق کا ہدف ہیں ؟

(۷) حسب جمع الفوائد جلد دوم مناقب حسینؓ میں معجم کبیر طبرانی کی ایک حدیث ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ مروی ہے کہ حضرت جبریلؑ اور حضورؐ دو معصوموں نے شہادت دی کہ قاتلین حسینؓ مسلمان ہوں گے - چنانچہ اس پر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تعجب بھی ہوا گویا ان کو قاتلینِ حسینؓ کا مسلمان ہونا یا مسلمان رہجانا باور ہی نہ ہوتا تھا - مگر جب حضورؐ نے ان کو مسلمان کہدیا اور قتلِ حسینؓ ہی کے جرم کیساتھ ان کا مسلمان ہونا بیان فرمایا تو کیا ابن التین (یا تفتازانی یا کسی غوث و قطب) کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ اُسے شریعت محمدیہ کی رُو سے کافر یا مرتد کہیں ؟

(ب) اگر بالفرض یزید نے یا ابن زیاد نے سیدنا حسینؓ کو قصداً بھی اس خیال سے قتل کیا کہ وہ تفریق بین المسلمین کے مرتکب ہو رہے تھے جیسا ابن عمرؓ کا قول اتقیا اللہ ولا تفرقا بین المسلمین - ابن علی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے باب میں مذکور اور حدیث فاقتلوہ کائناً من کان مشہور ہے تو کیا شریعتِ محمدیہ کی رُو سے وہ لوگ گنہگار ہوئے ؟ کیا ایسا

کوئی قاتلِ مسلم یا آمرِ بقتلِ مسلم ایسی صورت میں بھی مستحقِ لعنت ہے جیسا امام غزالیؒ لکھتے ہیں:۔

(یہ سوال بظاہر ابن التین سے غیر متعلق ہے لیکن ان کے قول کو کچھ دور چلنے کے بعد مستلزم ضرور ہے اس لئے لکھدیا)۔

(۸) حضورؐ نے ام حرامؓ کے یہاں قیلولہ میں جو دو خواب دیکھے اور پھر جو بشارتیں اوجبوا اور مغفورٌ لھم کی دیں تو کیا ان ارشادات میں اخبار عن الغیب کشفِ مستقبل نہیں تھا؟ دونوں خواب خود تو وحی تھے مگر کیا اس کے ان ارشادات میں بھی وحی کا کوئی دخل نہ تھا؟ کیا ایسے قرائن وحی سے قطع و یقین کا خیال مستنبط ہوتا ہے یا ظن و تخمین اور تعلیق و تانین ہی کا پہلو نکلتا ہے؟ اگر ان قرائن کے باوجود بھی اس ارشاد میں محض ترغیب جہاد اور حکم مشروط نکلتا ہے تو ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر حضورؐ نے یا کسی پیغمبر نے خواب کی وحی سے بھی اعمال کے فضائل اور ثواب تعلیم کئے ہیں تو خواب و خیال کا اعتبار کیا؟ سائل کے نزدیک اس میں ترغیب جہاد ہرگز نہیں ہے، بلکہ خواب کی وحی، مسرت اور ضحک کے قوی وجد و حال کے قرائن سے اس میں تامہ اور مغفرت اوّلی مراد ہے۔

(۹) اگر ابن التین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مغفورٌ لھم کے احترام اور تقدیس میں ایک دوسرے ارشاد نبوی اور عام قانون کو پیش نظر رکھنا اپنے علم و دیانت کا تقاضا سمجھا تو میں بھی حضورؐ کے اُس ارشاد کے احترام اور تقدیس ہی کی خاطر ایک دوسرے ارشاد نبوی اور عام انعامِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھنا اور مسلمانوں تک پہنچانا اپنے علم و دیانت کا تقاضا خیال کرتا ہوں، علماءِ کرام فیصلہ کریں سلم و سلامتی والے اسلام اور امن و امان والے ایمان کے مزاج کے مطابق اور حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤفیت اور رحیمیت اور حق تعالیٰ کی غفاریت اور رحمانیت کی روح کے موافق ابن التین کے علم و دیانت کا تقاضا ہے یا راقم الحروف کے علم و دیانت کا۔ وہ ارشاد نبوی یہ ہے:۔ (دیکھئے مشکوٰۃ باب وقوف بعرفہ عن عباس ابن مرداس صہ ۲۲۹) "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے روز دن ڈھلے اپنی امت کی مغفرت (تامہ) کی دعا فرمائی تو دربارِ الٰہی سے جواب ملا کہ اچھا میں نے ان سب کو بخش دیا بجز مظالم اور حقوق العباد کے، کیونکہ یہ حق تو میں ظالم سے مظلوم کو دلوا کر رہونگا تو حضورؐ نے عرض کیا اے میرے پروردگار! آپ اگر چاہیں تو مظلوم اور صاحب حق کو جنت کا کوئی محل دیکر راضی اور ظالم کو بری فرما کر) معاف فرما سکتے ہیں۔ تو اس دعا کا جواب وہاں میدانِ عرفات میں تو آپؐ کو نہیں ملا مگر جب آپؐ نے مزدلفہ پہنچکر صبح کو پھر وہی دعا مانگی تو آپؐ کی دعا منظور کر لی گئی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حضورؐ پر ضحک یا تبسم کا وجد طاری ہو گیا تو آپ سے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان! یہ گھڑی تو ایسی مبارک اور اہم ہے کہ آپ (بجز شغل دعا و ابتہال و گریہ اور ذکر کے) کبھی اس وقت ہنسا نہیں کرتے تھے۔ آخر کیا بات تھی جس نے آپکو ہنسا دیا خدا کرے آپ ہمیشہ ہنستے خوش ہوتے رہیں۔ حضورؐ نے فرمایا سنو! اللہ کے اُس دشمن ابلیس کو جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا (مغفرتِ امت کی) قبول فرما لی اور میری اُمت کی مغفرت (تامہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی) فرما دی تو مٹی لے کر سر پر ڈالنے اور بڑی ہائے واویلا مچانے لگا ہے۔ بس اس کی یہ بدحواسی دیکھ کر مجھے بھی ہنسی آ گئی" (انتہیٰ)

اب ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اُسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ مغفورٌ لھم نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کر دیا۔ ابن التین تو ایک یزید ہی کی مغفرت پر سرگرداں ہو رہے ہیں اور حضورؐ کی شانِ رحمۃ للعالمین ساری ہی اُمت کی مغفرت تامہ کے لئے بار بار دعا فرما رہی ہے جن میں نہ معلوم کتنے یزید ہونگے

ابن التین اللہ میاں کو تقسیم مغفرت کے متعلق ایک ضابطہ بنا کر مشورہ دے رہے ہیں کہ حضور اسے مشروط کر دیجئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو حریص علیکم کا تاج سر پر رکھے ہیں وہ حق تعالیٰ کے سامنے حقوق العباد (جس میں قتل مسلم بھی داخل ہے) کی معافی کے لئے ترحم خسروانہ کی اپیل کر رہے ہیں اور امت کو ولا تخش من ذی العرش اقلالاً کے عقیدے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

(۱۰) جب مغفور لھم حضور کا ارشاد ہے اور مقام تبشیر میں ہے تنزل کے طور پر اس کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اس فوج کے لوگ گناہوں سے پاک اور پارسا تو نہ ہوں گے کہ مغفرتِ اوّل سے کامیاب ہوں اور بے حساب جنت میں چلے جائیں بلکہ ہوں گے ان میں سے اکثر مرتکبین کبائر۔ کوئی قاتلِ مسلم ہوگا کوئی آمر بقتلِ مسلم ہوگا کوئی مستبشر بہ قتل ہوگا کوئی مدمن خمر ہوگا کوئی چیتوں اور کتوں سے شکار کا مشغلہ کرتا ہوگا کوئی شعر گوئی میں تضییع اوقات کرتا ہوگا۔ ایسے لوگوں کے لئے بھی جب حضور نے مغفور لھم فرمادیا تو کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ جہادِ مدینہ قیصر کا ثواب اس قدر بے نہایت ہے اور یہ فعل ایسا پسندیدۂ حق ہے کہ اس فوج کے تمام افراد کے تمام گناہ صغائر بھی کبائر بھی، حقوق اللہ بھی حقوق العباد بھی سب بخش دیئے جائیں گے، بلکہ اگر بالفرض ان مجاہدین میں سے کسی کو (معاذاللہ) ایک تقدیر ازلی کے بموجب کفر و ارتداد کا بھی ابتلا پیش آ جائیگا تب بھی اُس غزوہ کے جملہ شرکاء کے لئے (بلا استثناء مرد و عورت، امیر و مامور، سپاہی و سپہ سالار) حق تعالیٰ کی دوسری تقدیر یہ بھی ہو چکی ہے کہ اس ابتلاء کے بعد بھی اسے پھر توبۂ صادقہ کی توفیق یقیناً ہو جائیگی اس طرح وہ مستحق مغفرت بن جائے گا اور حضور کا فرمان سچا اور پورا ثابت ہو کر رہے گا۔ گویا حضور نے مغفور لھم فرما کر اُسی دوسری تقدیر خداوندی کی طرف اشارہ فرمایا تھا جو ابن التین کے گلے کے نیچے نہیں اُتر رہی ہے۔

ایک نظریہ ہے کہ ہر مسلمان کو اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر ابن التین مکذبین بالقدر میں سے نہیں ہے تو ان کو آنکھ کھول کر وہ ارشاد نبوی دیکھنا چاہئے جسے بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ (دیکھو مشکوٰۃ باب القدر عن سہل بن سعد)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ زندگی بھر دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔ اسی طرح بندہ جنتیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کے آخری اعمال کا اعتبار ہوتا ہے۔"

یہ تو بھی تقدیر کی تھیوری اور نظریہ اب اس کی ایک مثال بھی عہدِ سعادت ہی کی سن لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ سے کچھ وحی قرآنی لکھوائی۔ آیت فتبارک اللہ احسن الخالقین پر پہنچ کر ایک تقدیر الٰہی کی بموجب ان کو ارتداد کا ابتلا پیش آ گیا مگر چونکہ ان کو جنتی ہونا تھا اس لئے دوسری تقدیر الٰہی سے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سعی سے انکے عہد میں دوبارہ اسلام لائے اور فاتح مصر بنے رضی اللہ عنہ حالانکہ لسانِ نبوت نے (جہانتک مجھے علم ہے) ان کے بارہ میں مغفور لھم کی بشارت دی بھی نہیں تھی۔ اگر یزید سپہ سالار غزوۂ قسطنطنیہ کے لئے بھی جس سے شاید کفر و ارتداد ہوا بھی نہیں تھا حق تعالیٰ نے حضور کے ارشاد مغفور لھم کی لاج رکھنے کے لئے دوسری تقدیر توبۂ صادقہ قبل الموت، وفات علی الایمان کی فرما دی ہو تو ابن التین کو اس تقدیر الٰہی سے انکار کیوں ہے؟　　بینوا و توجروا

راقم الحروف کو عصرِ حاضر کے جن دس اکابر علماء کے علم و دیانت اور تقویٰ و امانت پر اعتماد ہے اور جن سے اپنے شبہات کے جوابات کے لئے میں درخواست کر رہا ہوں

ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:۔
(۱) مولانا الحافظ الشاہ عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنؤ
(۲) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی۔ مئو۔ اعظم گڑھ
(۳) مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی (ڈھاکہ)
(۴) مولانا محمد تقی صاحب امینی۔ مدرسہ معینیہ۔ اجمیر۔
(۵) مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔
(۶) مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور (۷) سید ابوالحسن علی ندوی۔ شیخ الحدیث والتفسیر ندوہ۔ لکھنؤ (۸) مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر رسالہ ترجمان القرآن۔ لاہور (۹) مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ۔ مدیر رسالہ الفرقان۔ لکھنؤ (۱۰) مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی۔ کراچی۔

ان حضرات کی خدمت میں رسالہ تجلی بھی پہنچے گا اور جوابِ استفتاء کے لئے لفافہ بھی۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ استفتاء ایک خارزار ہے لوگ اس کے قریب آنے سے گریز کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہماری مقابل صف میں بڑے بڑے اکابر نظر آتے ہیں مگر ہمیں دراصل دو باتوں نے استفتاء کے لئے آمادہ کیا، ایک یہ کہ ابن تیمیہ، امام غزالی اور بہت کچھ مولانا تھانوی بھی ہماری صف میں ہیں دوسرے یہ کہ یزید کو خیر چھوڑیئے کہ بعض صوفیہ پر تو حبِ رسولؐ و حبِ حسینؓ کا یہ غلبہ تھا کہ انھوں نے مدت العمر یزید کا نام زبان سے لینا پسند نہیں کیا، یہ بحث تو خالص علمی ہے جس نے حدیث کے بعض شراح کی انفرادی رایوں سے رفتہ رفتہ ایک کلامی رنگ اختیار کر لیا ہے۔ حضرات صوفیہ و علماء کی محبتِ رسولؐ اور محبتِ حسینؓ ہمارے سر آنکھوں پر۔ ہمارے سینہ و دل میں۔ مگر جب ہزاروں کے عقائد کے بننے بگڑنے کا سوال ہو تو حدیث کی شرح اور زیادہ صاف ہونی چاہئے۔ بات نکھرتی ہے شبہات کے مختلف گوشوں پر غائر نظر ڈالنے سے۔ اس لئے میرے نزدیک بزرگوں کا ادب تو تسلیم ہے مگر انصاف کو بالائے طاق کیا گیا ہے بزرگوں کی بات ہم محض اس لئے نہیں مانیں گے فلاں بزرگ نے یہ کہا اور یہ لکھا ہے اس طرح مان لینے میں زبان تو ضرور بند ہو جائے گی لیکن دل میں شبہات کا ناسور پیدا ہو کر رہے گا۔ ہمارے نزدیک علماء کے سامنے شبہات کو بے تامل پیش کر دینا لاکھ درجہ بہتر ہے اس سے دل میں معاذ اللہ حدیث میں شبہ رہ جائے بشارتِ رسول سے اعتقاد اٹھ جائے۔ بزرگوں کی غلبۂ حال کی تحریروں کو ٹھوس محکم عقیدہ سے ممتاز نہ کیا جائے اور علماء و صوفیہ کے بارے میں ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا جائے۔

میں نے اس استفتاء میں ابن التین کے خلاف کچھ فیصلہ خود کر دیا ہے اور کچھ سخت الفاظ ضرور لکھے ہیں جو ایک مستفتی کو مناسب نہ تھے، مگر لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ میرے شبہات کی اہمیت ظاہر ہو۔ دوسرے مجھے انکی باتوں میں کچھ دیانت نہیں نظر آئی۔ اب علماء سے پوچھ رہا ہوں اگر وہ ٹھوس محکم بنیادوں پر (نہ کہ محض خوش عقیدگی اور قدامت پرستی کی بنیاد پر) ابن تین کی شرح حدیث بالا میں دیانت بتا دیں گے تو میں اپنے قول سے رجوع بھی کر لوں گا اور پھر ابن التین کی روح کو فاتحہ سے خوش بھی کر دوں گا۔ والسلام

تجلی فاضل مستفتی کے مطالبے پر ان کا استفتاء ہم نے چھاپ تو دیا ہے لیکن توقع بہت کم ہے کہ مفتیانِ منتخبہ میں سے چند بھی اس کے جواب کی زحمت اٹھائیں گے۔ تاہم یہ فائدہ اس اشاعت کا ضرور ہے کہ جس حدیث کا تذکرہ متعلقہ بحث میں بار بار آتا رہا ہے اس کے تمام گوشے خواص و عوام کے سامنے آجائیں گے وہ دیکھ سکیں گے کہ یزید کی بخشش کا یقین خواہ مخواہ بغضِ حسینؓ میں نہیں کر لیا گیا ہے، بلکہ اس کے لئے مضبوط علمی بنیادیں موجود ہیں۔

فاضلِ مستفتی نے دورانِ تحریر میں بعض بڑی بڑی

اساطین مثلاً عسقلانی، قسطلانی، عینی، شاہ ولی اللہ اور مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا نام لیا ہے۔ علمی مذاق نہ رکھنے والوں کو اس سے یہ بدگمانی ہو سکتی ہے کہ وہ اِن مایۂ ناز بزرگوں کا تخطیہ کر رہے ہیں جو بہت بڑی جسارت ہے لیکن علمی مذاق کے سرمایہ داروں کو اس سے وحشت نہیں ہوگی، کیونکہ قطع نظر اس کے کہ مستفتی کی حیثیت میں مسئلہ کے تمام قابلِ لحاظ گوشوں کو واشگاف کر دینا ضروری ہی تھا، علوم و فنون کی تاریخ میں بھی کوئی عجوبہ نہیں ہے کہ بعض بڑے بڑے علم و فضل والوں سے فکر و نظر کی غلطیاں ہو گئیں۔ پھر جہاں بیشمار لوگوں نے انکے علم و فضل پر بھروسہ کرتے ہوئے بلا نقد ان غلطیوں کو بطور دلیل و حجت نقل کر دیا اور بہت لوگ انکو درست بجا تسلیم کرتے چلے گئے وہیں بعض اولوالعزموں نے حق و انصاف کو ہر مرعوبیت سے بالاتر سمجھتے ہوئے ان غلطیوں پر تنقید کا نشتر بھی چلایا اور غلط کو صحیح ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کی ایک مثال وہ مشہور قصہ ہے جس میں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل پر پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ اس قصے کے چکر میں اور تو اور امام رازی جیسے خردمند اور ژرف نگاہ علامہ بھی پھنس گئے۔ بعض بڑے بڑے فقہاء محدثین اور مفسرین بھی یہی کہانی سناتے آئے ہیں۔ مثلاً علامہ ابوالسعودؒ۔ علامہ خازنؒ۔ قاضی بیضاویؒ صاحب غرائب القرآنؒ۔ صاحب روح البیانؒ۔ علامہ عینیؒ۔ ملا جیونؒ۔ قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی۔ صاحب غایۃ التحقیقؒ اور نہ جانے کون کون! لیکن حافظ ابن کثیرؒ۔ علامہ سیوطیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اسے نہیں مانتے وہ کہتے ہیں صرف دو نمازیں فرض ہوئی تھیں پچاس کی روایت غلط ہے۔

عقل کہتی ہے یقیناً غلط ہوگی۔ امام رازیؒ جیسا طباع اور ذکی انسان بھی یہ تصور کرنے کی فرصت نہ پا سکا کہ جس قوم پر دن میں پچاس نمازیں فرض ہوں اس کا حلیہ کیا بنے گا۔ اللہ بندوں سے تمسخر نہیں کر سکتا یہ تمسخر نہ ہوتا تو کیا ہوتا کہ دن میں پچاس نمازیں پڑھو ورنہ نافرمان کہلاؤ۔ حالانکہ معاملہ اُس قوم یہود سے تھا جو سرے سے ایمان ہی لانے میں متساہل تھی اور اللہ کے پیغمبر کو تنگ کر کے رکھ دیا تھا۔ ایسی قوم پر اَلدم پچاس نماز یومیہ عائد کر دینا ایک ایسا عجیب طریق کار ہے جو علیم و حکیم رب العالمین کی صفاتِ معروفہ سے جوڑ نہیں کھاتا۔

اس مثال سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ بعض مرتبہ بڑے بڑے ائمۂ رجال دھوکا کھا جاتے ہیں اور ان کا دھوکا اخلاف کے لئے ایک مستقل مغالطہ بن جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ علمی نقد و نظر میں بعض اسلاف کے خیالات کی تردید کر جانا تخطیہ اور گستاخی میں داخل نہیں ہے۔ اب علامہ صاوی جیسے مفسر نے وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً (سورۂ یونس رکوع ۹) کی تفسیر میں لکھ دیا کہ اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا تو کیا اُس شخص کو گستاخ اور بے ادب کہیں گے جو عرض کرے کہ جناب عالی! بیت المقدس تو ان داؤد و سلیمان علیہما السلام نے بنایا تھا جو حضرتِ موسیٰؑ کے بہت بعد تشریف لائے ہیں۔ پھر یہ زمان موسیٰؑ میں بیت المقدس کہاں سے آ گیا؟

غلطی ہر شخص سے ہو سکتی ہے اور بعض غلطیاں بعد والی لگاوٹوں سے عظمت اپنا قبول عام حاصل کر لیتی ہیں اور افسانے حقیقت بن جاتے ہیں اور حقائق دُور کھڑے حسرت سے تکا کرتے ہیں۔ ایسی ہی ٹریجڈی ہمارے خیال میں حسینؓ و یزید کی بحث میں کارفرما ہوئی ہے۔ ورنہ کیا معنے تھے کہ بڑے بڑے محدثین ابن التین اور ابن المنیر جیسے لوگوں کی صریح الغلط تاویل کو نقل تو شوق سے کر دیتے ہیں مگر اس کا پوسٹ مارٹم کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرماتے۔ چلئے مان لیا کہ مجاہدین قسطنطنیہ میں سے کوئی مرتد بھی ہو سکتا تھا اور ارتداد کے بعد مغفرت کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن محض امکانِ ارتداد سے کیا یزید کے مرتد ہو جانے کا بھی حکم لگایا جا سکتا ہے؟ کیا ہر مفروضے کو واقعہ تسلیم کر لینا چاہئے؟ کمال ہے کہ محض نظری اعتبار سے ایک بات فرض کر رہے ہیں، لیکن مخاطبین کے دعوے [illegible]

کھرے کھوٹے

تبصرے کیلئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں

اسلام کا نظام عدل

تصنیف استاذ سید قطب — ترجمہ: محمد نجات اللہ صدیقی —

● بڑے سائز کے ۴۰۴ صفحات۔ قیمت مجلد چھ روپے۔
● شائع کردہ: مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند۔ دہلی ۶۔

●

استاذ سید قطب مصر کے ایک مقبول و معروف مصنف ہیں جن کی تحریروں میں زبان و ادب کی رعنائی، نقد و نظر کی گیرائی اور علم و تفقہ کی گہرائی پائی جاتی ہے۔ فاضل مترجم نے آغاز کتاب میں جو تعارف ان کا دیا ہے اس سے ان کی شخصیت کے ظاہری خد و خال ہی واضح نہیں ہوتے بلکہ ان کی سرشت کے بھی بعض اہم پہلو سامنے آجاتے ہیں۔

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں شرح و بسط اور تحقیق و تفحص کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ فرد اور معاشرے کے لئے اسلام نے کس طرح کا لاجواب نظام عدل دنیا کو دیا، اور یہ نظام صرف زبانوں اور کتابوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اسلام کے چاہنے والوں نے اسے عمل کے پیمانوں میں ڈھال کر دکھایا اور تاریخ کے صفحات اسلامی نظام عدل کی نقش کاریوں سے مالا مال ہیں۔

مصنف کا انداز بیان نہایت دل کش، طرز استدلال بڑا مؤثر، مطالعہ کافی وسیع اور لب و لہجہ پوری طرح دلنشیں ہے ان کی متانت بوجھل نہیں، وہ اپنے خاص اسلوب سے علمی ثقاہت کو ایک طرح کا نکھار دیتے چلے گئے ہیں جس سے پڑھنے والے کے ذہن کو نشاط و انبساط حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعض مطالب سے ہمیں اختلاف بھی ہے لیکن عدم گنجائش کے باعث اس وقت ان پر تفصیلی گفتگو نہیں کرسکتے۔ کتاب بہرحال بلند پایہ ہے۔

حقیقت عبودیت

● شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے رسالے "العبودیۃ" کا سلیس، بامحاورہ ترجمہ ● مترجم مولانا صدر الدین اصلاحی ● ناشر: مکتبہ تعلیمات رام پور۔ یوپی۔ ● صفحات ۱۳۲۔ قیمت ایک روپیہ ۲۵ نئے پیسے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ بھی عملی و نظری دونوں اعتبار سے بڑے فتنوں کا زمانہ تھا، خاص طور پر تصوف کے اٹھائے ہوئے فتنے ان دنوں بڑی مکروہ شکلیں اختیار کر گئے تھے۔ اللہ رحمت کرے امام موصوف پر انہوں نے ایک ایسے شیر مرد کی طرح جو مبدأ فیض سے حیرت انگیز صلاحتیں لیکر جنگاہ حیات میں اترا ہو، تمام فتنوں کا مقابلہ کیا اور اس تعجب خیز پامردی و بسالت کے ساتھ ہر ہر محاذ پر داد شجاعت دی کہ باطل افکار کے پرے کے پرے چھٹ گئے۔

اسلام ز فرق تا بقدم عبادت ہی عبادت ہے۔ دن کی اوّل ساعت سے لیکر رات کے آخری لمحہ تک مسلمان کا ہر سانس عبادت کے زمرے میں آتا ہے اگر وہ جاندار شعور اور زندہ ضمیر کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو اپنے دائرۂ حیات کا محور بنائے ہوئے ہے، بال بچوں کے منہ میں لقمہ ڈالنا بھی عبادت ہے، خانہ داری کا نظم و انصرام بھی عبادت ہے بشرطیکہ اسلام کے دیئے ہوئے پیمانۂ اعتدال کو مضبوط ہاتھوں سے پکڑا جائے اور طاعت و بندگی کے توانا احساس کو کسی آن مضمحل نہ ہونے دیا جائے۔

ابن تیمیہؒ سے سوال کیا گیا تھا کہ آیۃ قرآنی یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ۔ کا کیا مطلب ہے؟ عبادت کا کیا مفہوم ہے!

اس کے اصول و فروع کیا ہیں؟ آیا دین پورے کا پورا اس لفظِ عبادت میں داخل ہے یا نہیں؟ وغیرہ۔

انہوں نے اس کے جواب میں ایک جامع، سیر حاصل اور ایمان افروز تقریر فرمائی ہے۔ تمام متعلقہ گوشوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں اجاگر کیا ہے اور ان کے دیگر ارشادات کی طرح یہ جوابی ارشاد بھی عقل و نقل کے بہترین شواہد سے مزین ہے حبِ رسول، حبِ اولیاءؒ، زہد و ریاضت، ذکر و شغل، ایمان و شرک، وحدۃ الوجود، فنا و بقا وغیرہ کے مباحث کو بھی انہوں نے شامل جواب فرمالیا ہے۔

مولانا صدر الدین کے ترجمے کے کیا کہنے، افادیت کے پیش نظر انہوں نے منطقی ترجمے کی بجائے ترجمانی کا انداز اختیار کیا ہے اور اس طرح ترجمے کے خد و خال طبع زاد تصنیف کے سے ہو گئے ہیں۔

یہ کتاب دین سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو پڑھنی چاہئے اہمیت کے باعث مکتبہ تجلی نے بھی منگائی ہے۔ طباعت و کتابت کاش اس سے بہتر ہوتی۔

* * *

تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی اس عنوان کے تحت تفسیر قرآن کا کارِ خیر انجام دے رہے ہیں، ان کی بالغ نظری، وسعت مطالعہ، علم و فضل اور دیدہ ریزی کے کیا کہنے۔ تفسیر کا سلسلہ تو ماہ بماہ چل رہا ہے، فی الوقت بسم اللہ اور سورۂ فاتحہ کی تفسیر پیش نظر ہے، اسے لمبی تقطیع کے ۳۵ صفحات پر حسن اہتمام کے ساتھ چھاپا گیا ہے۔

ناشر ہے: مکتبہ میثاق۔ رحمان پورہ۔ لاہور

ہدیہ ہے بارہ آنے اور ٹائٹل تین رنگوں میں سادگی و پرکاری کا دلکش مرقع ہے۔ مولانا کے استاذ حضرت حمید الدین فراہیؒ اپنے زمانے کے عالم گذرے ہیں، کوئی شک نہیں کہ مولانا اصلاحی کی خداداد صلاحیتوں نے استاذ کے علم و فضل سے خوب خوب استفادہ کیا اور بفضلہ تعالیٰ آج وہ ہند و پاک کے چند ممتاز عالموں میں شمار ہوتے ہیں۔

قرآن ایک بحر ناپیدا کنار ہے، کیا الفاظ، کیا مطالب، وسعت ہی وسعت، گہرائی ہی گہرائی، بلا مبالغہ لاکھوں صفحات اس کی تفسیر و تشریح میں لکھے جا چکے ہیں لیکن آج بھی اتنا ہی اور لکھنے کی گنجائش موجود ہے، جب تک قیامت برپا نہ ہو ہر زمانے میں اللہ کی اس مقدس کتاب کے مفسرین پیدا ہوتے رہیں گے، اور تفسیر و تشریح کی یہ خدمت تحصیل حاصل بھی نہیں کہلائے گی کیونکہ ہر زمانہ کا مزاج، افتاد اور پیمانۂ فکر و نظر جدا جدا ہوتا ہے، قرآن حشر تک کے لئے ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ہر زمانے میں زبان و بیان کے پیمانے بدل کر اس کے معارف و معانی کی نشر و اشاعت کی جاتی رہے اور کسی کو یہ شک کرنے کی گنجائش نہ ملے کہ اللہ کی یہ کتاب اپنے پیغام و دعوت کے اعتبار سے نعوذ باللہ پیچھے رہ گئی ہے۔

مفسر مولانا اصلاحی جیسا جلیل القدر عالم ہو تو یہ کہنا نہ اندازِ ضرورت ہی ہوگا کہ تفسیر گوناگوں خوبیوں کی حامل ہے۔ بات کو خوب کھول کر بیان کرنا ممدوح کا دائمی معمول ہے اور جذباتی اعتدال کے عالم میں لکھی ہوئی ان کی ہر تحریر دماغ میں اتر جانے کی قوی صلاحیت رکھتی ہے۔ پیش نظر تفسیر اسی خصوصیت کی امین ہے، انہوں نے بڑے خوشگوار اسلوب میں ہر لفظ اور ہر آیت کے گوناگوں پہلوؤں پر ایمان افروز روشنی ڈالی ہے، عاجز نے اسے از اول تا آخر پڑھا اور پوری طرح لطف اندوز ہوا۔

سورۂ فاتحہ کے استدلالی پہلو کے تحت یوم الحساب کی ناگزیر ضرورت پر انہوں نے عدل اور رحمت کے تعلق سے بڑی اچھی گفتگو کی ہے کاش یہاں وہ نقل و روایت کی لائن سے ہٹ کر خالص عقلی استدلال سے بھی ثابت فرما دیتے کہ یوم الحساب کا برپا ہونا کس قدر ضروری ہے اور اس پر ایمان نہ رکھنے کے نتیجے میں کس قدر فتنہ و فساد، تہذیب و معاشرت اور معیشت و تمدن کے تمام گوشوں میں برپا ہونا لازمی ہے اور برپا ہو رہا ہے، آج کوئی بھی تفسیر ہو اس میں ہر قدم پر اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اہل زمانہ کے سوچنے سمجھنے کا ڈھنگ کیا بن گیا ہے، خصوصاً مولانا اصلاحی جیسے لوگوں کو تو اور بھی زیادہ عقلی پہلوؤں پر زور دینا چاہئے کیونکہ ان کی تحریریں بہت وہ لوگ بھی پڑھتے ہیں جو تعلیم و تربیت کے لحاظ سے خالصۃً فکر جدید اور تہذیب حاضر کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔

مولانا اصلاحی کی سلیس و شگفتہ زبان، کہنہ مشق کے سانچے

میں ڈھل چکی ہے۔ اس میں نمایاں داغ دھبے کہاں ملیں گے لیکن ایک دو جگہ ہم اس نازک مزاج شخص کی طرح انگلی رکھیں گے جو کسی بیش قیمت قالین میں دو چار کھردرے ریشے دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے کہ کاش یہ معمولی سا نقص بھی اس میں نہ ہوتا۔

صفحہ ۱۷ پر ہے:

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں کہ ...."

"نقل" کا لفظ یہاں غلط تو نہیں ہے مگر ایسا ضرور ہے جیسے انگشتری کا نگینہ کچھ ڈھیلا پڑ جائے۔

صفحہ ۲۵ پر ہے:

"خدا کے احسانات کے احساس سے دل کا ریشہ ریشہ لبریز ہو جاتا ہے۔"

فصاحت و بلاغت اگر کوئی چیز ہے تو "ریشہ ریشہ" کا جوڑ بدن کے ساتھ ہے دل کے ساتھ نہیں۔ نیز "لبریز" بھی یہاں اکھڑا ہوا ہے یہ لفظ اپنی وضع کے اعتبار سے ظرف و مظروف کا تصور دیتا ہے ریشے ظرفیت کا احساس نہیں دلاتے۔ فصیح بات یہاں یوں ہوتی:

"خدا کے احسانات کے احساس سے دل کا گوشہ گوشہ معمور ہو جاتا ہے۔"

صفحہ ۲۹ پر ہے:

"لیکن شاید ہی کسی دعا کے متعلق اس تفصیل سے بتایا گیا ہو کہ اس کے ایک ایک لفظ کا خود اس کی ذات پر کیا اثر پڑتا ہے جس سے یہ دعا کی جاتی ہے"

ناچیز کا خیال ہے کہ "اللہ پر اثر پڑنا" مرصع اسلوب بیان نہیں ہے، ذات باری کے لئے "انفعال" کے مصادر کا استعمال بڑی دیدہ وری اور احتیاط کے ساتھ ہونا چاہئے۔

صفحہ ۳۳ پر ہے:

"پانچویں آیت میں اصل دعا ہے اور اس دعا ہی سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ انسان اللہ کی سیدھی راہ معلوم کرنے کے لئے نبوت و رسالت کے سلسلہ اور اس کی نازل کردہ ہدایت و شریعت کا محتاج ہے۔ نیز اسی پیٹ میں یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی ہے کہ خدائی شریعت پانے کے بعد کسی قوم پر کیسی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور اس کی قدر کرنیوالوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرتا ہے۔"

"پیٹ" کا استعمال یہاں یقیناً غلط ہوا ہے۔ کسی چیز کا پیٹ میں آنا احترام و توصیف کے محل میں نہیں بولا جاتا نہ اس سے کسی خوشگوار واقعہ کا اظہار ہوتا ہے بلکہ اسے ناپسندیدگی کے محل میں بولتے ہیں "قضیہ سلیم و باقر کا تھا بیچارہ نعیم بھی پیٹ میں آگیا"۔ جب اس انداز سے گفتگو کریں تو خوش گواری کا پہلو ہرگز نہیں نکلے گا، کسی آیت کے ذیل میں بعض عمدہ نکات نکل آئیں تو اس کی تعبیر پیٹ میں آنے سے قطعاً غلط ہے۔

آگے ہے:

"غرض اس سورہ کے اندر دین کے تمام بنیادی عناصر جمع ہیں اگر ان کی تفصیل کر دی جائے تو دین کا پورا نظام کھڑا ہو جائے"۔

"کھڑا ہو جانا" اس جگہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

یہ ممدوح کی انشاء کے چند موہوم سے شکن ہم نے اس لئے نمایاں کئے کہ ان جیسے معیاری انشاپرداز کی نگارشات عالیہ کو ہمارا مذاق سخن ہر شکن سے دور اور ہر غبار سے مصفیٰ ذہن و ترشی دیکھنا چاہتا ہے، ان کے دیگر قدرشناس بھی یہی چاہتے ہوں۔

* * *

تقویۃ الایمان

حضرت اسماعیل شہیدؒ کی یہ شہرۂ آفاق کتاب ویسے تو کسی تبصرہ کی محتاج نہیں بارہا شائع ہو چکی ہے اور پوری طرح متعارف ہے لیکن پیش نظر ایڈیشن کراچی میں خاص اہتمام سے چھاپا گیا ہے۔ تذکیر الاخوان بھی ہمرشتہ ہے اور مولانا خرم علی کی نصیحۃ المسلمین بھی۔ ان کے علاوہ نقل خط حضرت اسماعیل شہیدؒ، سوال و جواب، فتاویٰ متعلقہ تقویۃ الایمان و تذکیر الاخوان، عقائد نادر شیخ عبد الحق محدث، فتاویٰ در مسئلہ علم غیب، حارق الاشرار، سعادت دارین، رسالہ گناہ کبیر منظوم بھی شامل ہیں۔

شرک و بدعت کے رد اور توحید و سنت کے اثبات میں

کا جواب نہیں۔ قرآن و حدیث کے موتیوں کا ایک بیش قیمت ہار جسے عقل سلیم رکھنے والوں نے تو گلے کی زینت بنایا لیکن ضعیف العقیدہ مبتدعین اور کج فکر حضرات کی گردن میں یہ کانٹوں کا طوق بن گیا۔

کتابت و طباعت معیاری۔ کاغذ سفید۔ صفحات ۵۲۰

قیمت مجلد آٹھ روپے۔

شائع کردہ: کارخانۂ تجارت کتب۔ نور محمد۔ آرام باغ۔ کراچی۔

* * *

مسئلۂ وحدۃ الوجود کی تحقیق

از جناب صفوۃ الرحمٰن صاحب "مدیر الحق"

تصوف کے نام سے اٹھائے گئے فتنوں میں وحدۃ الوجود کا فتنہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی نوعیت اگر خالص نظری ہوتی تب تو اسے توہمات کے زمرے میں شامل کر کے ناقابل التفات قرار دیا جاسکتا تھا لیکن جو خرابیاں اس سے عمل کی دنیا میں ظہور پذیر ہوئیں ان کے اعتبار سے یہ ضرور اس لائق ہے کہ جب بھی مناسب موقع ہو اس کی بھرپور تردید کر دی جائے، عمل سے قطع نظر کر لیں تب بھی اس کی نظری فتنہ انگیزی دماغ کے کسی بھی خانے کو مسموم کئے بغیر نہیں چھوڑتی۔ خدا ہی خدا ہے اور کوئی چیز موجود نہیں۔ تم خدا، میں خدا، یہ خدا وہ خدا۔ اس لغویت کو عقیدہ بنالیا جائے تو زندگی اور اس کی تمام قدریں دیوانے کے خواب سے بھی زیادہ مہمل بن جاتی ہیں۔

ایک مشہور عارف وحدۃ الوجود کی سرشاری میں فرماتے ہیں:

از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است
در حیرتم کہ دشمنی کفر و دیں چرا است

اب کوئی بتائے کہ اس قرآن کا کیا بنے گا جو سپے در سپے کفر سے عناد و نفرت کی تعلیم دیتا ہے اور ان تمام مساعی جمیلہ کو کیا کہیں گے جو تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور معظم اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کفر و شرک کی بیخ کنی میں اختیار فرمائیں۔

نیز کہتے ہیں:- مسلماں گر بدانستے کہ بت چیست
یقیں کردے کہ دیں در بت پرستی است

اگر کافر زبت آگاہ گشتے
یکے از سالکانِ راہ گشتے

(اگر مسلمان سمجھ لیتا کہ بت کیا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا کہ دین بت پرستی میں ہے اور اگر کافر آگاہ ہو جاتا کہ بت کیا ہے۔ تو سالکان راہ میں شمار ہوتا)

اب بتائیے کہ اللہ کے رسولوں کے اس عمل کا کیا مقام متعین ہوگا کہ انہوں نے بت توڑے اور تڑوائے۔ ہم جانتے ہیں کہ حضرت عارف کا محور فکر سوائے خدا پرستی کے کوئی نہیں۔ لیکن وحدۃ الوجود کے عقیدۂ مہمل کا پیدا کردہ یہ انداز گفتگو کیا ناپختہ فہم ذہنوں کو چیستانی تصورات میں مبتلا نہ کر دے گا؟ کوئی بت پرست اس رباعی سے اپنی بت پرستی پر حجت پکڑنے لگے تو قرآن و حدیث کا سارا دفتر بھی اس کا توڑ کرنے کے لئے ناکافی ہے۔

کفر و دیں ہر دو حجاب روئے اوست
تا نہ برداری نہ بیدی روئے اوست

فرمایئے جب دین بھی روئے الٰہی کا حجاب ٹھیرا اور دید الٰہی دین سے دست بردار ہو کر میسر آسکتا ہے تو شریعت بیچاری کس خندق میں جا کے پڑی۔ وائے ایں موشگافی!

ایک اور مشہور شیخ طریقت اسی وحدۃ الوجود کے طلسم خانے سے ارشاد فرماتے ہیں کہ کافر و مومن اور متقی و بدکار انسان وحیوان

ایں ہمہ ذات پاک یزداں ست

سب کے سب ذات باری کے سوا کچھ نہیں۔ یہ قصہ بھی منظوم فرمایا کہ ایک مرتبہ اللہ ہی کے حکم سے حضرت موسیٰ نے شیطان سے اسرار کی تعلیم حاصل کی تھی، نیز فرمایا گیا کہ اللہ خود ہی گناہ کرتا ہے اور خود ہی باب توبہ وا کرتا ہے حد ہے کہ

ہست خود فعل و فاعل و مفعول

گویا اردو میں کہا جا رہا ہے کہ زانی بھی خدا اور مزنیہ بھی خدا سود کھانے والا اور شراب پینے والا بھی خدا اور سود و شراب بھی خدا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک الف الف مرۃ۔

یہ محض چند نمونے ہیں، آپ سمجھیں گے اردو تشریح میں ہم نے گند اچھالی ہے۔ مگر یہ بات نہیں۔ ابن تیمیہؒ کی

الردّ الاقوم علی فصوص الحکم اور الفرقان بین الحق والباطل ۔ وغیرہ دیکھئے ان میں آپ کو وہ اسرار نہانی ملیں گے کہ طبیعت صاف ہو جائے گی بشرطیکہ اخلاق وآداب کی حس ماری نہ گئی ہو۔ مثلاً ایک وحدۃ الوجودی محقق سے سوال کیا گیا کہ سرکار والا! اگر وجود ایک ہی ہے تو بیوی حلال کس لئے اور والدہ حرام کیوں؟ محقق صاحب فرماتے ہیں اور شرم سے پانی پانی ہوئے بغیر۔ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک سب یکساں ہیں! تم لوگ حقیقت سے بے خبر ہونے کے باعث کہتے ہو کہ ماں حرام ہے، ہم بھی تمہاری بے خبری کا لحاظ رکھتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ ماں تم پر حرام ہے!

گویا ہم پر جائز ۔ خدا کی ہزار بار پناہ ۔ ایسے وحدۃ الوجودیوں کے بارے میں کیا اطمینان کیا جا سکتا ہے کہ ان کی ماں بہنیں ان کی صوفیانہ دست برد سے محفوظ رہ گئی ہوں گی ۔ توبہ ۔ لاکھ بار توبہ ۔

اہل تصوف آج بھی شیخ محی الدین ابن عربی کو رئیس الطائفہ کہتے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ ان کی "فصوص الحکم" میں بہت سی باتیں ان کی خدا پرستی و نکو کاری پر دال ہیں لیکن کشف اور جذب کے سہارے وحدۃ الوجودی منطق کا جو شوشہ وہ چھوڑ گئے ہیں اس کے کاٹے کا کوئی علاج نہیں ۔ اکدم برباد کن فلسفہ۔ ذہن کو مریض اور عقائد کو سرگشتہ کرنے والا۔ ہم سمجھتے ہیں اس گروہ کا خیال ٹھیک ہی ہے جو کہتا ہے کہ "فصوص الحکم" میں یار لوگوں نے اتنے الحاقات کئے ہیں کہ اس کا اکثر و بیشتر حصہ جعلی اور بے اصل ہے ۔ لیکن ان لوگوں کو کیا کہئے جو آج بھی فصوص الحکم کو گنجینۂ معارف قرار دیتے ہوئے اس کے ہر ہر لفظ کی تصویب و تائید کرتے ہیں۔

بجائے تبصرے کے ہم نے اپنا ہی راگ شروع کر دیا وجہ یہ ہے کہ وحدۃ الوجودی منطق سے ہمیں ہمیشہ وحشت رہی ہے، اور اس کے بارے میں وہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ

"اس قسم کی جو کوئی بات کہے اس کو قتل کرنا اللہ کے دین کے تعلق سے ان میں جیسی آدمیوں کو زندہ رکھنے سے بہتر ہے۔" (احیاء العلوم بحوالۂ کتاب ہذا)

وحدۃ الوجود کا چکر اگرچہ اب برائے نام ہی ہے لیکن کہیں کہیں اب بھی جاہل مشائخ اور دنیا پرست مرشدین اس کا ستر ہ چھوڑتے رہتے ہیں، اسی آفت کے پیش نظر ماہنامہ "الحق" کے فاضل مدیر جناب صفوۃ الرحمٰن صاحب نے ۷۹ صفحات کا یہ کتابچہ تصنیف فرمایا ہے، موصوف اپنی توضیح کے مطابق اپنے شیخ سے وحدۃ الوجود کے اسرار و نکات بھی سیکھے ہوئے ہیں اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس موضوع پر گفتگو کے حق دار نہیں، انہوں نے وحدۃ الوجود کے دلائل نقل کر کے ان پر نقد کیا ہے اور وضاحت حق کی بڑی اچھی سعی فرمائی ہے۔

دوسرے باب میں وحدۃ الوجود کا ماخذ بتایا ہے۔ یہ باب کافی مفید اور معلومات میں اضافہ کرنے والا ہے، اس سے خوب خوب پتہ چلتا ہے کہ اس لاطائل نظریہ کی جڑیں کہاں کہاں ہیں اور غیر اسلامی مکاتب فکر نے ہی اسے پال پوس کر جوان کیا ہے، سب سے آخر میں انہوں نے بعض قائلین وحدۃ کے وہ اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے چند ہم نے ذکر کئے اور پھر اہل تحقیق مثلاً حضرت رفاعیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، امام غزالیؒ وغیرہ کی آرا پیش فرمائی ہیں ۔ جزاهم اللہ خیر الجزاء ۔

کتابت معمولی۔ طباعت غنیمت ۔ کاغذ سفید۔ قیمت ایک روپیہ۔

* * *

دیہاتی معالج

حصہ اول: صفحات ۳۱۲ قیمت تین روپے
حصہ دوم: صفحات ۲۳۲ قیمت ڈھائی روپے

لکھائی چھپائی آفسیٹ کی نہایت شاندار، کاغذ عمدہ سفید۔
شائع کردہ: ہمدرد پبلیکیشن ۔ دہلی۔

دہلی کا نامور طبی ادارہ "ہمدرد" جس دلسوزی و استقلال کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں، پیش نظر کتاب اس کے کارناموں میں سے ایک بڑا کارنامہ ہے بلکہ اسے شاہکار کہا جائے تو بیجا نہیں، ہمارے وسیع و عریض ملک میں یہ مسئلہ زبردست اہمیت رکھتا ہے کہ دیہاتوں میں بسنے والے اپنے امراض و حادثات میں کیونکر بروقت طبی امداد حاصل کریں۔ آبادی کے اعتبار سے ملک میں معالجین کا تناسب کم، شہر اور دیہاتوں کے فاصلے طویل، راستے خام، سفر کے ذرائع محدود، جہالت وافر، پیسہ کم، معالجین میں

اخلاص معدوم۔ ان سب چیزوں کی موجودگی میں سخت دشوار ہے کہ دیہات کے رہنے والے علاج ودوا کی سہولتوں سے بہرہ ور ہوسکیں۔

ہمدرد نے اسی دشواری کو حل کرنے کی خاطر اس کتاب کو پیش کیا ہے، یہ کتاب صرف دیہاتیوں ہی کو نہیں بلکہ شہریوں کو بھی بتاتی ہے کہ تمہارے اردگرد بے شمار ایسی اشیاء بکھری ہوئی ہیں جو تمہارے بے شمار مرضوں اور حادثوں میں تریاق کا کام دے سکتی ہیں اور تمہیں بات بات پر ڈاکٹر کے پاس بھاگنے اور سرمایہ و وقت کھپانے سے بچاسکتی ہیں لیکن تم ان کی قدر وقیمت سے واقف نہیں ہو، پہلے حصہ میں دو باب ہیں، باب اول میں خوراک، نیند، ورزش، آب وہوا لباس، غسل، جنسی معاملات، حمل اور حاملہ اور حفظان صحت کے اصول پر ماہرانہ گفتگو کی گئی ہے، اسی سے زیادہ تصویریں بھی برائے تفہیم شامل ہیں۔ باب دوم میں ان دواؤں اور جڑی بوٹیوں کا تذکرہ ہے جن کی تعداد ۱۶۶ ہے اور جو نوے فیصد بیماریوں میں بطور دوا کام آسکتی ہیں، اس باب میں بھی ستر سے زیادہ تصاویر دی گئی ہیں تاکہ جڑی بوٹیوں کو بہ آسانی پہچانا جاسکے۔

حصہ دوئم بیماریوں کے علاوہ اتفاقی حادثات کے مداوون پر مشتمل ہے۔ ۲۰۳ بیماریوں کے احوال اور علاج۔ ۹۳ اتفاقی حادثات کا تذکرہ اور معالجہ۔ ۷۰ سے زیادہ تصویریں اور آخر میں ایک اہم باب جس میں بعض دواؤں اور غذاؤں کے تیار کرنے کا طریقہ مندرج ہے۔

دواؤں اور جڑی بوٹیوں کے وہ تمام نام دیئے گئے ہیں جو ہندوستان کی مختلف زبانوں اور علاقوں میں مستعمل ہیں مثلاً:-

اجوائن:- اسے سنسکرت میں یوآنی۔ بنگالی میں یانی یا گجراتی میں اجما، مرہٹی میں اونوا، کرناٹکی میں اوڈ، انڈو، تیلگی میں واموء، اور تامل میں امن کہتے ہیں۔

اس ایک ہی نمونے سے واضح ہوجاتا ہے کہ کتاب کی تالیف کس وسیع افادیت کا لحاظ رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔

ہماری نگاہ میں یہ بے مثل کتاب دیہاتیوں کے علاوہ شہریوں کے لئے بھی نہایت مفید ہے خصوصاً حصہ اول تو سب کے لئے برابر کی اہمیت رکھتا ہے۔ قیمت بھی ضخامت اور نفیس لباس و ہیئت کے اعتبار سے زیادہ نہیں ہے۔ ہم ادارہ ہمدرد کو اس بیش بہا خدمت کے لئے مبارک باد پیش کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اکیلا ہمدرد اتنے بڑے ملک کی طبی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتا لیکن اگر حکومت اس کی خدمات سے کماحقہ فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کتاب کو ملک گیر پیمانے پر استعمال کرنا ناممکن نہیں ہے۔

* * *

منہاج العابدین

تصنیف: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ
ترجمہ: مولانا عابد الرحمٰن صاحب صدیقی کاندھلوی

امام غزالیؒ کی عظمت ورفعت کا کیا ٹھکانا، وہ اپنی شخصیت میں مستقل دور ہیں۔ ان کی بعض کتابیں تو اسلامی لٹریچر میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ خوشی کی بات ہے کہ ان کی آخری تصنیف "منہاج العابدین" کو اردو میں منتقل کردیا گیا ہے۔ اس میں امام نے اہل ایمان کو یہ سمجھانے کی سعی کی ہے کہ کیونکر وہ اپنی بندگی کو اللہ ہی کے لئے خالص کرکے نفس اور شیطان کی دسیسہ کاریوں سے بچ سکتے ہیں۔ انہوں نے تفصیل وتحقیق سے بتایا ہے کہ گناہ کی جڑیں کہاں کہاں ہیں، حق پرستی کی راہ میں کون کون سی داخلی وخارجی رکاوٹیں پیش آتی ہیں، زہد وتقویٰ کی حقیقت کیا ہے، نفس کی کن کن رذائل سے انسان کو کس کس طرح بچنا چاہیئے اور پوری زندگی اطاعت رب میں گذارنے کے لئے فکر وعمل کی وادیوں مومن کس رفتار اور کس انداز اور کس حزم واحتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کے قدم بڑھائے۔

یہ کتاب عوام وخواص کے لئے یکساں مفید ہے لیکن یہ کہنے کے لئے ہمیں معاف کیا جائے کہ ترجمہ عمدہ نہیں ہے۔ معافی اسلئے چاہی کہ کتاب کے شروع میں مولانا شمس الحق افغانی کی تقریظ میں ترجمہ کو شگفتہ ودلنشیں کہا گیا ہے اور یہاں تک ہے کہ تمام وہ خوبیاں جو ایک ترجمہ کے لئے ضروری ہیں وہ سب اس ترجمے میں جمع ہیں نیز فاران کراچی نے بھی اپنے تبصرہ میں ترجمہ کو عام فہم بتایا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اول تو امام غزالیؒ کا فلسفیانہ انداز کلام ہی خاصا دقیق ہے، وہ انسان کے اندر کام کرنے والے گوناگوں میلانات ودواعیات کا تجزیہ اور ان کے اثرات ومحاصل کا بیان اور نفسیاتی لطائف وغوامض کا تو پرپیچ ایسے پیچدار انداز میں کرتے ہیں کہ فلسفہ اور تصوف کے مختلف پیرایے ایک دوسرے میں خلط ملط نظر آتے ہیں

دوسرے فاضل مترجم نے ایضاح مطالب اور ترجمانیٔ تفہیم پر اتنی توجہ نہیں دی کہ مصنف کا مدعا ابھر کر سامنے آجائے.

مثلاً صفحہ ۱۷ پر ہے :

"یہ بہت کٹھن طریقہ، بہت مشکل راستہ، زیادہ گھاٹیوں والا، بکثرت مشقتوں والا، مسافت کے اعتبار سے بہت بعید، آفتوں کی حیثیت سے بہت بلند زیادہ دشواریوں اور رکاوٹوں والا، یقینی مہلکات اور مصائب والا، بے انتہا دشمنوں والا اور ختم کردینے والا، بلند جماعت وپیروؤں والا ہے"

اس سے قطع نظر کہ "جماعت وپیروؤں" کوئی انشا نہیں اس آخری فقرہ کا مطلب آخر عام آدمی کیا سمجھ سکتا ہے .

یا مثلاً صفحہ ۱۸ پر ہے :-

"غرضکہ جب بندے کے دل پر ہر ایک چیز کی ابتدا ر آئے تو میں یقینی طور پر قسم قسم کا انعام پانے والا اپنے لئے پاتا ہوں، جیسا کہ حیات قدرت عقل اور گویائی اور ساری محترم ولذت کی چیزیں بایں طور کہ وہ فہم مجھ سے ضرر رساں اور آفت کی چیزیں دور کرتا ہے اور ساتھ ساتھ ان نعمتوں کا مجھے اپنے شکر اور خدمت کا بھی مطالبہ کرتا ہے"۔

یہ عبارت اب سے سو سال پہلے کی اردو کا پتہ دیتی ہے، عطف واضافت کی کھلی غلطیاں اور لفظی ترتیب کا صریح نقص اس میں موجود ہے، ہوسکتا ہے اس میں کوئی لفظ سقم کتابت کی بھی نذر ہوگیا ہو لیکن یہ تو ساری عبارت ہی عصری انشاء کی سطح سے دور ہے .

آگے صفحہ ۱۹ پر ہے :-

"سو جس وقت بندہ کا علم ومعرفت فرائض شرعیہ کے ساتھ تیار ہو جاتا ہے"۔

یہ کیا عبارت ہوئی ؟

صفحہ ۲۰ پر ہے :-

"دنیا، مخلوق، شیطان اور نفس بہذا ان عوائق کو دفع کرنے اور ان سے علیحدگی اختیار کرنے کی سخت ضرورت ہے"۔

"عوائق کو دفع کرنا" عوام کے پلے کیسے پڑے گا، اس کی جگہ ہزار عام فہم جملے ہو سکتے تھے .

صفحہ ۲۱ پر ہے :-

"ثانیاً ہر ایک شے سے اصوں کا طاری ہو جانا کہ جن سے وہ خوف کرتا یا کسی چیز کی امید رکھتا ہے"۔

"اصوں کا طاری ہو جانا" ایسے محل میں عامی تو عامی خواص کے بھی مشکل ہی سے سمجھ میں آئے گا .

صفحہ ۱۶۲ پر ہے :-

"قضاء وقدر کا سد باب رضا سے ہوسکتا ہے"

"سدّ باب" کا یہ کیا موقع تھا !

"اسلئے اللہ تعالیٰ پر رضاء واجب اور ضروری ہے"

اردو میں اللہ پر تکیہ اور بھروسا بولتے ہیں، اللہ پر رضا نہیں، اس ترجمے سے تو ایسا مفہوم نکلتا ہے کہ وجوب وضرورت اللہ پر ثابت کئے جارہے ہیں .

اسی طرح کی مثالیں پوری کتاب میں عام ہیں، کئی جگہ مترجم نے استفادہ حاصل کرنا بھی لکھا ہے، ضرورت تھی کہ ترجمے پر کوئی ایسا شخص نظر ثانی کرتا جسے اردو کے موجودہ معیارِ انشاء اور نہج واسلوب پر کچھ عبور ہوتا .

ویسے اس نکتہ چینی کا یہ مطلب نہیں کہ کتاب کی افادیت ختم ہوگئی، نہیں ترجمہ اب بھی ایسا ضرور ہے کہ عوام اس سے کافی استفادہ کرسکتے ہیں اور خواص تو بہرحال پورا ہی نفع اٹھائیں گے۔ امام ممدوح نے اپنی تعلیمات کو دلچسپ اور سبق آموز حکایات اور احادیث سے بھی مزین فرمایا ہے، بعض ابواب تو نادر ولاجواب ہیں، ہوسکتا ہے امام کی اختیار فرمودہ بعض احادیث کی صحت پر اہل علم کو کلام ہو، حدیث کے باب میں امام صاحب ہمیشہ ہی فیاض وکشادہ قلب رہے ہیں لیکن یہ پہلو ان پاکیزہ تعلیمات وتفہیمات کی قدر وقیمت ختم نہیں کرسکتا جنہیں ممدوح نے پیش فرمایا ہے .

کتاب کی طباعت وکتابت پسندیدہ ہے، کاغذ سفید، مجلد کی قیمت چھ روپے۔ چھاپنے والے ہیں :-

محمد سعید اینڈ سنز، تاجران کتب۔ قرآن محل

— کراچی —

رکعات التراویح

مؤتیل

بردّ انوار المصابیح ۔

کچھ دن گذرے تعداد تراویح کی بحث میں مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کی کتاب "رکعات التراویح" چھپی تھی، اس پر اپریل ۵۸ء کے تجلی میں تبصرہ ہوا۔ پھر اس کتاب کا رد اہل حدیث حضرات کی طرف سے "انوار مصابیح" کے نام سے شائع ہوا تھا، اس پر اگست ۵۹ء کے تجلی میں تبصرہ کیا گیا۔ اب "رکعات التراویح" کا نیا ایڈیشن چھاپا گیا ہے اور اس کے مفصل حواشی میں مولانا عبدالباری قاسمی استاد مدرسہ مفتاح العلوم (مئو) نے "انوار مصابیح" کا تعاقب کیا ہے۔ تعاقب کیا ہے ایک آہنی قسم کا تحقیقی نقد ہے جو تراویح کے بارے میں اہل حدیث کے مسلک اور "رکعات تراویح" پر انکے اعتراضات کا ابلجوستہ پیش کرتا ہے۔ بے شک یہ کہنا غلط نہیں کہ اس طرح کے فقہی مسائل پر لمبی چوڑی بحثیں کرنا ملت اسلامیہ کی موجودہ ضروریات سے جوڑ نہیں کھاتا لیکن بعض خاص حالات ایسی بحثوں کا نہ صرف جواز بلکہ وجوب بھی پیش کرتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب کا پیش لفظ ہی پڑھکر قارئین پر منکشف ہو جاتا ہے کہ یہ بحث مولانا اعظمی نے خوامخواہ نہیں چھیڑی بلکہ مجبور ہوکر چھیڑی، مجبوری اس سے بڑھکر کیا ہوگی کہ اہل حدیث حضرات وقتاً فوقتاً اپنے مسلک کی تبلیغ میں کھلا جارحانہ انداز اختیار کر لیتے ہیں اور اس جارحیت کی زد سب سے زیادہ فقہ حنفی پر پڑتی ہے۔ اپنا مسلک سب کو عزیز ہے اور کیوں نہ ہو، ہر مسلک والا اپنے فکر وعقیدے کی بنیاد قرآن وسنت کو خیال کرتا ہے اور قرآن وسنت کی محبت عین ایمان ہے پھر کیوں نہ ھَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ کے نعروں پر وہ مشتعل ہو اور چیلنج قسم کی باتوں کیلئے کیسے بہرا بن جائے ہمیں ہرگز خوش فہمی نہیں کہ فقہ حنفی کے تمام اصول وفروع تنقید سے بالاتر ہیں۔ ہم تقلید کی اس شدت کے بھی قائل نہیں جس کا سبق درس نظامی کی بعض کتابوں میں اور فتاوی کی بعض مجلدات میں دیا گیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ہم شدت کے ساتھ اس کے بھی قائل ہیں کہ قانون شریعت ـــ فقہ ـــ کے میدان میں امام ابوحنیفہؒ کا کوئی ہم رکاب نہیں، وہ سب سے آگے ہیں، ان کے فکر ونظر اجتہاد اور قانون سازی کا ایسا جوہر اپنے اندر رکھتے ہیں جس میں اختلاف تو کجا امام مالک وشافعی اور امام بخاری وامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی ان کے حریف وسہیم نہیں ـــ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔ پھر امام ابوحنیفہ سے آگے بڑھے تو ایسے ایسے عالی دماغ اور عالم وفاضل حضرات فقہ حنفی کے اسٹیج پر نظر آتے ہیں کہ علم ودانش بے اختیار مرحبا پکار اٹھتے ہیں، بے شک کوتاہ نظروں، متعصبوں اور حزم واحتیاط سے عاری حنفیوں کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا مگر یہ بہت کم ہوئے ہیں، اتنے کم کہ فقہ حنفی کے گلزار میں کچھ کانٹے اور جھاڑیاں انکے دم سے بڑھ گئی ہوں تو بڑھ گئی ہوں مگر قیمتی گل بوٹے برباد نہیں ہوئے۔

زیر تبصرہ کتاب پر تفصیلی محاکمہ تو مشکل ہے اس کے لئے دفتر چاہیے، مجمل تبصرہ یہ ہے کہ بحث ونظر کے جلووں کی امین یہ کتاب اپنے مطالب، اپنے اسلوب اور اپنے میٹریل کے لحاظ سے خاصے نفع کی چیز ہے اور ان حنفی عوام کے لئے بے حد مفید ہے جو رکعات تراویح، فاتحہ خلف الامام اور اسی نہج کے فقہی امور میں اہل حدیث کی مستدل روایات کو دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں کہ فقہ حنفی تو صریح اقوال پیغمبرؐ کے خلاف ہے، انھیں اندازہ ہوگا کہ ظاہر فریبی اور دوراندیشی میں کیا فرق ہے، حدیث وقرآن سے کوئی حکم وعقیدہ مستنبط کرنے کے لئے بعض حالات میں علم وتحقیق کے کتنے ہفت خوان طے کرنے پڑتے ہیں، اکثر مسائل میں متعدد حدیثیں ہیں جن کے متعدد پہلوؤں کی تطبیق عوام کے بس کا روگ نہیں، کسی بھی حدیث کے ظاہری مفہوم کو جوں کا توں قبول کرنے سے پہلے کتنی ضروری ہوتی ہے یہ بات کہ اس موضوع کی دیگر احادیث پر نظر رکھی جائے، اور غور کیا جائے کہ یہ قبول کردہ مفہوم کسی دوسری صحیح حدیث کے خلاف تو نہیں پڑتا۔ فقہ حنفی جسے "قیاس" کا طعنہ دیا جاتا ہے اس کے علاوہ اور ہے کیا کہ تمام متعلقہ مرویات کا جائزہ، ہر عقلی ونقلی پہلو کی چھان بین، جملہ گوشوں کی رعایت اور دین کی اسپرٹ ملحوظ رکھتے ہوئے اولیٰ تر فیصلہ، اسی کا نام فقہ حنفی ہے جسے طعنہ ہائے قیاس کی مار دی جاتی ہے، جس کے لئے اس تاثر کو عام کیا جاتا ہے کہ حنفی اندھے بہرے مقلد ہیں اور قرآن وحدیث کی پروا نہیں کرتے عناد کی لے یہانتک بڑھتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو راوی ضعیف تک کہدیا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

اس کتاب کے مطالعہ سے عوام کو اس سوال کا جواب بھی مل جائیگا

کہ تقلید کو کیوں ضروری قرار دیا گیا اور تقلید کے بغیر کس طرح اکثر لوگ مسلم بین علماء کے چکر میں انتشار و بے یقینی کا شکار ہو سکتے ہیں، کیا لایعنی منطق ہے کہ ہر شخص براہ راست قرآن و حدیث سے اپنے عقیدۂ عمل کا گوشوارہ بنائے، گویا ہر شخص ماں کے پیٹ سے قرآن و حدیث کے فہم کا ملکہ اور اجتہاد و استنباط کی صلاحتیں لیکر پیدا ہوا ہے گویا ہر شخص آپ سے آپ یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایک ہی مسئلہ کے لئے جو متعدد حدیثیں ایک دوسرے سے ٹکراتی نظر آرہی ہیں ان میں تطبیق کیونکر ہو اور کیا اصول ہیں جنہیں اجتہاد و استخراج کے سلسلہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

حاصل یہ کہ زیر تبصرہ کتاب ہر حنفی کے مطالعہ میں آنی چاہئیے یہ علم و تحقیق کا خزینہ ہونے کے باوجود اپنی نکھری ہوئی انشار رچے ہوئے اسلوب اور منجھی ہوئی زبان کے سبب عام فہم بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ مولانا عبد الباری قاسمی کو ہم نہیں جانتے نہ پہلے ان کی کوئی تحریر نظر سے گذری ہے لیکن انوار مصابیح کا درد انہوں نے جس ذہانت ژرف نگاہی، تبحر علمی اور تیکھے انداز گفتگو کے ساتھ کیا ہے، اس کے بعد بلا تکلف ان کے آگے زانوئے تلمذ طے کرتے ہیں اور بر ملا کہتے ہیں کہ انہوں نے حنفیوں کی لاج رکھ لی، کاش وہ اس طرح کی زبان ایک جگہ بھی استعمال نہ کرتے۔

"کہئیے املوی صاحب اب تو آپ کی آنکھیں کھل گئی ہونگی
اور آپ کف افسوس ملتے ہوں گے کہ کاش میں بھی
شیخ الکل صاحب کی طرح کسی حنفی سے پڑھے ہوتا۔" (ص ۲۲)

ہم جانتے ہیں کہ جن لوگوں کو وہ خطاب کر رہے ہیں انہوں نے اس سے سخت اور بعض مقامات پر پست زبان استعمال کی ہے، جواب میں "جیسے کو تیسے" والا رنگ آنا غیر فطری نہیں، ترکی بہ ترکی جنگ اسی کو کہتے ہیں لیکن کتنا اونچا نظر آئے گا وہ شخص جو وار تو بھرپور کرے مگر گالی کے بدلے گالی نہ دے۔ اس کے لئے لوہے کا جگر چاہئیے جو ہمیں تو میسر نہیں مگر اونچے اہل علم کو ضرور میسر ہونا چاہئے

کتاب کے صفحات ہیں ۲۳۲ چار صفحات "تصحیح اغلاط" کے اس کے علاوہ ہیں جو آخر میں جڑے ہیں۔ قیمت ڈھائی روپے، شائع کردہ مجلس علمی مفتاح العلوم - مئو - اعظم گڑھ۔

~~~~~~

علیؓ و حسینؓ

یاد ش بخیر کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کا قصہ پرانا ہوا، پاکستان میں اس کے مصنف مقدمہ جیت گئے ہیں اور عدالت نے اس کی ضبطی کو اس حد تک غلط قرار دیا ہے کہ مقدمہ کا خرچ بھی حکومت کے ذمہ ڈالا ہندوستان میں مقدمہ چل رہا ہے، فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔

یہ کتاب "علی و حسینؓ" مذکورہ کتاب ہی کے رد میں لکھی گئی تھی اور کئی مہینے ہوئے ہمارے پاس برائے تبصرہ آئی تھی، مصنف ہیں قاضی اطہر مبارکپوری، سوءِ اتفاق سے یہ گم ہو گئی یا کوئی صاحب لے گئے، اب بعض خطوط کی تحریک پر اسے ہم نے ایک جگہ سے بمشکل حاصل کیا ہے اور فرض تبصرہ ادا کر رہے ہیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ خلافت معاویہؓ و یزید کے رد میں اب تک جتنی کتابیں سامنے آئی ہیں ان میں یہ بہتر اور جاندار ہے، طرز تحریر بھی بہت برا نہیں اور تبرّا استدلال کے مقابلہ میں کم ہے، محمود احمد عباسی پر دجل و تلبیس اور عیاری و مکاری کے جو الزامات اس میں عائد کئے گئے ہیں ان کی جوابدہی تو وہی کریں یا نہ کریں۔ سنا تو ہے کہ وہ اصل کتاب کے ساتھ کئی سو صفحات کا اضافہ اسی جوابدہی کے سلسلے میں کر رہے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ ہمارا کام تو تبصرہ کر دینا ہے اور وہ حاضر ہے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ بعض اور بوالفضولوں کی طرح قاضی صاحب ابن تیمیہؒ کو منہ چڑانے نہیں بیٹھے بلکہ ان کی عظمت و مرتبت کا لحاظ کیا ہے اور اسی لئے ان کی تحریر وزن دار ہو گئی ہے لیکن بعض مقامات پر ہمیں شکایت ہے کہ انہوں نے ابن تیمیہ کے منہ میں اپنی زبان ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ص ۴۸، ۸۹ پر ابن تیمیہ کی ایک عبارت نقل کی جس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت علیؓ سے بہت سے اہل شوکت نے بیعت کر لی اسلئے وہ امام ہو گئے —— صار اماما — لیکن قاضی صاحب اس پر ریمارک دیتے ہیں

"اس تصریح میں امام ابن تیمیہؒ نے اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق حضرت علیؓ کی خلافت و امامت کو ہر طرح کامل و اکمل تسلیم کیا ہے جس میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں۔"

کہاں ابن تیمیہ کے ہلکے پھلکے الفاظ صار اماما اور کہاں یہ قاضی صا
~~~~~~

کی ترجمانی دونوں کے وزن، اسپرٹ اور ٹمپریچر میں بہت بڑا فرق ہے، شاہ ولی اللہؒ اگر اہل سنت والجماعۃ میں سے تھے تو ازالۃ الخفاء میں ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ انہوں نے خلفاء ثلاثہ اور حضرت علیؓ کی خلافت میں فرق کیا ہے، رُشد کے پہلو سے نہیں مگر خصوصیات کے پہلو سے، تو کمال کا مدار تو خصوصیات ہی پر ہوا کرتا ہے، اگر خلافت علیؓ ہر پہلو سے کامل واکمل ہوتی تو فرق کیسا؟

ابن تیمیہ نے اس عبارت کے شروع میں یہ بھی کہا ہے کہ علیؓ کی بیعت سے صحابہ اور تابعین میں اتنے لوگ رکے کہ اللہ کے علاوہ ان کا کوئی شمار نہیں کرسکتا، اس کے باوجود وہ خلافت علیؓ کو منعقد مانتے ہیں اور ٹھیک مانتے ہیں مگر جس اسکول کی ترجمانی قاضی صاحب کر رہے ہیں اس کا تو یہ حال ہے کہ جب خلافت یزید کے انعقاد کی گفتگو ہو تو وہ یہ شوشہ چھوڑنے میں بھی شرم محسوس نہیں کرتے کہ جب حسینؓ ہی نے بیعت نہیں کی تو خلافت یزید مسلم کیسے ہوگئی، گویا حضرت علی کی خلافت تو بے شمار صحابہ کے بیعت نہ کرنے پر بھی مسلم مگر یزید کی خلافت تنہا حسینؓ کے بیعت نہ کرنے پر ہی ناقابل تسلیم ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجا تا بکجا

ایک لطیفہ اور ہے ابن تیمیہ نے تو یزید کی خلافت وامامت کو بھی مسلمات میں داخل کیا ہے، اسی منہاج السنۃ میں وہ فرماتے ہیں کہ یزید بلا ریب خلیفہ وامام تھا، اس کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ حکمراں نہیں تھے۔ ثابت ہوا کہ خلیفہ وامام کہنے سے ان کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ خلیفۂ راشد کامل بھی تھا، اس کی انہوں نے وضاحت بھی کی ہے۔ لیکن جب وہ حضرت علیؓ کے لئے صاراً اماماً کہتے ہیں تو قاضی صاحب آپ سے آپ یہ مطلب نکال لیتے ہیں کہ ہر نقص سے مبرّا اور ہر اعتبار سے کامل واکمل امام مراد ہے، حالانکہ خلیفہ وامام کا جو مفہوم ابن تیمیہ خود بیان کر گئے ہیں اس سے آنکھیں بند کرلینی تھیں تو یزید کو بھی کامل واکمل خلیفہ ہی ماننا چاہئے تھا کیونکہ اس کی خلافت وامامت کا اثبات بھی ابن تیمیہ نے شد ومد سے کیا ہے۔

دوسری مثال صفحہ ۱۲۹ پر۔ قاضی صاحب ابن تیمیہ کا فرمودہ نقل کرتے ہیں:-

"اور شہادت حسینؓ کے نتیجہ میں فتنے برپا ہوئے جس طرح کہ شہادت عثمانؓ کے نتیجے میں فتنے برپا ہوئے تھے"

اس کا قاضی صاحب نے یہ مطلب نکالا ہے کہ ابن تیمیہ شہادت حسین کو شہادت عثمانؓ کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ (صفحہ ۱۲۹)

ابن تیمیہ کے تو نہیں ہاں قاضی صاحب کے اپنے ذہن میں شہادت حسینؓ کی مبالغہ آمیز اہمیت بیٹھی ہوئی ہے اسی کو وہ ابن تیمیہ کے دماغ میں ڈالے دے رہے ہیں، ورنہ ابن تیمیہ نے تو دوران بحث میں کھل کر یہ بات کہی ہے کہ انبیاء سابق اور عمرؓ وعثمانؓ کی شہادتیں اپنے نقصان اور اہمیت کے اعتبار سے شہادت حسینؓ پر بمراتب فوقیت رکھتی ہیں، ویسے بھی ایک منصف مزاج شخص دیکھ سکتا ہے کہ ابن تیمیہ نے اوپر کے فقرے میں کیا کہا ہے۔ اگر ان کی تشبیہ کا یہ مطلب ہے کہ دونوں شہادتیں ہم پلہ ہیں تو پھر تو ازل سے قیامت تک جن لوگوں کا قتل بھی فتنوں کا باعث بنے ان کا قتل شہادت عثمان وحسین کے ہم پلہ قرار دیا جائے گا، شہادت حسینؓ کے بعد قریبی ہی زمانے میں متعدد حکمراں پے درپے قتل ہوئے اور فتنوں کی فصل بہار لہرائی تو ان سب حکمرانوں کا قتل شہادت عثمانؓ وحسینؓ کے ہم پلہ ٹھیرا۔ تشبیہ وتمثیل کو اگر ایسے ہی من مانے پیمانوں میں ڈھالا جائے گا تو خلفاء راشدین کی اور یزید کی خلافت کو بھی ہم پلہ ماننے کا الزام ابن تیمیہ کے ذمے جڑ دینا چاہئے، کیونکہ انہوں نے خلافت یزید کے وجود سے انکار کو خلفاء راشدین کی خلافت کے انکار جیسا بتایا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ قاضی صاحب نے بعض مقامات پر ابن تیمیہؒ کی ترجمانی صحیح طور پر نہیں کی۔

صفحہ ۸۷ پر ہے:-

"حضرت علیؓ کو اس کا وہم وگمان نہیں تھا کہ معاویہ اور اہل شام میری بیعت سے الگ ہیں ...."

پھر بھی اگر کوئی یہ کہدے کہ سیاسی بالغ نظری اور سوجھ بوجھ میں حضرت علیؓ کامل واکمل نہیں تھے تو اسے گستاخ کہدیا جائے گا، اس دور کے حالات گواہ ہیں کہ اہل شام کی بیعت کی طرف سے مطمئن ہوجانا ایسی خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں کہلا سکتا جسے سیاست کی زبان میں عدم تدبر کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ اگر اہل شام کے خیالات

اور میلانات کا بروقت ادراک نہیں کرسکے تو اس میں قصور کس کا ہے معاویہؓ کا یا طلحہؓ و زبیرؓ کا؟ تاریخ شاہد ہے کہ انھیں اہل نظر نے ادراک کرایا تھا اور توجہ دلائی تھی مگر انہوں نے پرواہ نہیں کی اور اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (قرآن) کا کوئی منظر سامنے نہیں آیا جبکہ انہوں نے مشیروں کے علی الرغم عزل معاویہؓ کا فیصلہ کرتے ہوئے نیا گورنر شام کی طرف روانہ کیا۔

پھر آگے ہے:-

"کیا معلوم تھا کہ مدینہ جانے کے بعد صورت حال کچھ اور ہی ہو جائے گی۔"

ادب کے ساتھ گذارش ہے کہ "خلافت معاویہ ویزید" کا گردن زدنی مصنف بھی یہ نہیں کہتا کہ حضرت علیؓ خدانخواستہ جان بوجھ کر غلطیاں کرتے تھے اور ان کی نیت خراب تھی۔ وہ صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حضرت علی نے حق سمجھ کر جو اقدامات کئے وہ نفس الامری حقائق کے پیمانے میں فٹ نہیں بیٹھتے تھے اور اسی کا نام سیاسی غلطی ہے۔ قاضی صاحب خود تسلیم کئے جا رہے ہیں کہ حال اور ماضی قریب کے بارے میں حضرت علیؓ کے اندازے اور فہم و بصیرت چوک گئے۔ عوام کا مزاج ان کی تشخیص میں نہیں آیا اور جو کچھ پیش آتا گیا اس کا انھیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ زلزلوں اور آندھیوں کی بات ہوتی تو کہہ سکتے تھے کہ کوئی انسان قبل از وقت ان کا اندازہ کیسے کرسکتا ہے لیکن بات ان احوال و واقعات کی ہے جو موجودہ ماحول و فضا کا منطقی نتیجہ تھے اور سیاسی بصیرت انھی نتائج اور منطقی مقدمات کو سمجھ لینے کا نام ہے۔

قتل عمار بن یاسرؓ کے بارے میں روایت آئی ہے جس کی صحت پر اکثر اہل علم اصرار کرتے ہیں۔ چلئے مان لیا وہ صحیح ہے لیکن یہ کیا بات ہے کہ اس کی جو توجیہ ابن تیمیہ نے کی ہے اس کا تو قاضی صاحب نے ذکر نہیں کیا مگر یہ برملا کہہ گئے کہ معاویہؓ باغی تھے (صفحہ ۱۱۱) ہم برا نہیں مانتے، معاویہ کو دلائل کے سہارے جو شخص "باغی" کے لفظ سے یاد کرتا ہے وہ اپنا ذمہ دار آپ ہے۔ لیکن یہ کیا نازک مزاجی ہے کہ دلائل ہی کی بنا پر اگر کوئی حضرت حسینؓ کو "باغی" کہہ گذرے تو قاضی صاحب کے ہم مسلکوں پر آسمان ٹوٹ پڑتا ہے اور ایسا شور مچاتے ہیں جیسے قائل دنیا کے سب سے بڑے کفر کا مرتکب ہو گیا ہو۔

صفحہ ۱۱۸ پر ہے:-

"ہم چند آیات و احادیث مثال کے طور پر یہاں درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ حضرت حسینؓ کا خروج یزید کے خلاف ارشادات نبوی اور احکام شریعت کی رو سے نہ صرف جائز بلکہ واجب تھا اور حضرت حسین اور ان کی جماعت نے یہ اقدام کرکے پوری امت کی طرف سے فرض کی ادائگی کی اور اگر حضرت حسینؓ اور ان کے ہم نوا (؟) ایسا نہ کرتے تو امت شاید اس سے بھی شدید اور عام فتنے میں مبتلا ہو جاتی اور بجائے ایک نہ بنتی۔ حضرت حسینؓ اور ان کے ہم نوا "امت داعیہ الی الخیر" اور "خیر امت" تھے جن کے بارے میں امام ابن تیمیہ نے فرمایا ہے وَهُمْ اَعْظَمُ قَدْرًا عِنْدَ اللّٰهِ وَاَحْسَنُ نِيَّةً مِنْ غَيْرِهِمْ۔ اور اگر اسی ایک نقطہ (؟) کو درمیان سے نکال دیا جائے تو شہادت حسینؓ بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ مؤلف (محمود احمد عباسی) نے اپنی پوری کتاب میں اسی نقطہ پر سیاہی پھیرنے کی کوشش کی ہے"۔

کورا جھوٹ۔ "خلافت معاویہ ویزید" اٹھا کر دیکھ لیجئے، مؤلف نے ہرگز حضرت حسینؓ کی نیت کو متہم نہیں کیا ہے بلکہ وہی بات کہی ہے جو ابن تیمیہ کہہ رہے ہیں۔ نیز ابن تیمیہ کی عبارت قاضی صاحب نے اپنے اس دعوے کے حق میں نقل کی جس کے بالکل برعکس دعویٰ ابن تیمیہ صراحت کے ساتھ کر گئے ہیں۔ ابن تیمیہ نے فرمایا:

"اور حسینؓ کے خروج اور قتل سے ایسے فساد نے جنم لیا کہ اگر حسینؓ اپنے شہر میں بیٹھے رہتے تو یہ فساد جنم نہ لیتا، کیا شک ہے کہ آپ نے حصول خیر اور دفع شر کا جو ارادہ فرمایا تھا اس کا ادنیٰ حصہ بھی حاصل نہ ہوا بلکہ خروج و قتل کے نتیجے میں شر اور بڑھ گیا اور خیر میں کمی آگئی"۔ (منہاج السنہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۱)

(اصل عربی عبارت تجلی ستمبر و اکتوبر ۶۰ء میں دیکھ لی جائے)

کیا یہ وہی حرکت نہیں جس کا الزام قاضی صاحب بے دربے

محمود احمد عباسی کو دیتے گئے ہیں، ابن تیمیہ صرف حسن نیت کے اعتبار سے حضرت حسینؓ کی تکریم کر رہے ہیں مگر قاضی صاحب اسے اپنے طبع زاد دعوے کی دلیل بنا رہے ہیں حالانکہ ابن تیمیہ کا فیصلہ اس دعوے کے بالکل برعکس ہے۔

رہا خروج حسین کا واجب ہونا تو قلم جس کے ہاتھ میں ہے وہ اسے افرض الفرائض بھی لکھدے تو کون ہاتھ پکڑ سکتا ہے مگر واہ رے حب حسینؓ کہ بے شمار صحابۂ کرام واجب کے تارک قرار پاجائیں مگر عظمت حسین پر حرف نہ آئے، صحابہ اس واجب کے تارک ہی نہ تھے بلکہ بعض جلیل ترین صحابہ تو اس "واجب" کو فتنہ اور منکر قرار دیتے تھے، انہوں نے اس پر نکیر و تہدید بھی کی، اسکا مطلب یہ ہے کہ قاضی صاحب کے نزدیک جلیل القدر صحابہ کفر کی حدوں کو چھو رہے تھے کیونکہ امر واجب کو مذموم و مبغوض قرار دینا اور اس سے روکنے کی جرأت کرنا تو جرأت علی الکفر ہے، واجب دین کی اصلاح ہے اور واجبات دین کو قابل نکیر سمجھنے والا جملہ فقہاء کے نزدیک مشکل ہی سے مسلمان کہلا سکتا ہے۔

رہی وہ حدیثیں اور آیتیں جنھیں قاضی صاحب نے اپنے دعوے کی دلیل کے طور پر نقل کیا ہے تو ان کے نقد کی گنجائش تبصرے میں کہاں، مجملاً اتنا کہا جاسکتا ہے کہ وہ نہ صرف بے محل ہیں بلکہ خالصۃً شیعی انداز فکر کی ترجمانی کرتی ہیں، ان کا مصداق و محمل اگر خروج حسین ہی مان لیا جائے تو ٹھیک وہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے جو شیعیت برآمد کرتی ہے، یعنی تنہا حسینؓ ہی قرآن و حدیث کے سب سے بڑے رازداں، دین کے سب سے بڑے دلدادہ و شیدا اور باقی سب صحابہؓ کم فہم و بے حمیت، بزدل و متساہل۔ اکیلے حسینؓ نے ان آیات و احادیث کا ٹھیک مطلب سمجھا جنھیں نقل کیا گیا ہے باقی جملہ صحابہؓ نے یا تو سمجھا ہی نہیں یا سمجھا تو گول کر گئے۔ الٹا حضرت حسینؓ کو گمراہ کرنے لگے کہ حدیث رسولؐ کے خلاف کیوں کرتے ہو۔

کاش قاضی صاحب ان احادیث کا بھی لحاظ کرتے جن میں خلافت قائمہ کے خلاف خروج کو لائق قتل جرم قرار دیا گیا ہے، چاہے وہ خلافت کسی فاسق و فاجر ہی کی کیوں نہ ہو، پھر ان حدیثوں کی بنیاد پر اہل السنت والجماعت کا جو عقیدہ قرار پایا ہے اسکے لئے امام نووی کی شرح مسلم (جلد ۲ صفحہ ۱۲۵) اور حافظ ابن حجر کی فتح الباری (جلد ۱۳ صفحہ ۵، صفحہ ۳۱، صفحہ ۱۰۹) دیکھئے، ملا علی قاری کی شرح مشکوٰۃ میں مل جاتا کہ خروج حرام ہے چاہے خلیفہ فاسق و ظالم ہو۔ مسامرہ، شرح مقاصد، شامی، شرح مواقف، اور حجۃ اللہ البالغہ میں یہی عقیدہ متفق علیہ نظر آتا جسے وہ عظمت حسین کی خاطر بے محل آیات و احادیث نقل فرماکر ڈائنامیٹ کر رہے ہیں، پیغمبر کے صریح احکام کو قرآن و حدیث ہی سے منسوخ کرنے کی یہ کوشش بڑی المناک ہے۔

دیدنی ہے کہ قاضی صاحب ابن خلدون کا فرمودہ نقل کرتے ہیں۔

> "اس تفصیل سے تم کو حسین کے اندازے کی غلطی معلوم ہوگئی، مگر یہ غلطی دنیاوی امر میں ہوئی اور یہ دنیاوی و سیاسی غلطی ان کے لئے نقصان دہ نہیں ہوسکتی"۔ (صفحہ ۱۲۵)

محمود عباسی کی کتاب اٹھاکر از اول تا آخر پڑھ جائیے۔ انہوں نے تو صرف یہی ثابت کیا ہے کہ خروج حسین دنیاوی و سیاسی اعتبار سے غلط تھا، یہ کہیں نہیں کہا ہے کہ گناہ تھا جس کی پاداش میں انھیں دوزخ ملے گا۔

صفحہ ۱۴۵ پر ہے:-

> "اور جن صحابۂ کرامؓ نے دیکھا کہ ابھی یزید کی بیعت تام نہیں ہوئی اور وہ عامۃ المسلمین کی طرف سے خلیفہ تسلیم نہیں کیا گیا ہے وہ اس کے خلاف اٹھے انہوں نے کسی خلیفہ کے خلاف خروج نہیں کیا بلکہ عین اس وقت جبکہ ایک شخص خلافت پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا انہوں نے بھی بہتر صورت پیدا کرنے کی کوشش کی"۔

کیا معصومیت ہے، گویا یزید کے خلاف اٹھنے والے حسین کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ تھے، یوں ہوتا تو رونا ہی کیا تھا، قاضی ڈھونڈ کے چند نام ان صحابیوں کے لیں جنھوں نے خروج سیدنا حضرت حسینؓ کا ساتھ دیا ہو، اگر دس بیس نام مل جائیں تب بے شک اس طرح کی عبارت زیب دے سکتی ہے لیکن نہ ملیں تو یہ بوالفضول کے سوا کیا ہے، پھر لطف یہ ہے کہ معاویہ تو اس وقت بھی باغی،

اور خلیفہ کے خلاف خروج کرنے والے ٹھیریں جب بے شمار صحابہ ان کے ساتھ تھے حالانکہ انہوں نے بھی علی کی بیعت نہیں کی تھی لیکن حسین صرف اس لئے باغی نہ ٹھیریں کہ انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی چاہے کوئی صحابی ان کا ساتھ نہ دے۔ کیا بات ہوئی کیا یہی انصاف ہے؟۔ جتنے بھی دلائل قاضی صاحب نے اپنی کتاب میں حضرت حسین کو باغی قرار نہ دینے کے حق میں جمع فرمائے ہیں وہ سب حضرت معاویہؓ کے حق میں بدرجۂ اولیٰ کام آتے ہیں، مگر معاویہ پھر بھی باغی اور خطاکار لیکن حسین یکسر امام معصوم۔

صفحہ ۱۵۰ پر ہے:۔

"پھر ان کے (صحابہ کے) اختلاف کا نتیجہ یہ نکلا کہ باہمت اور باعزیمت صحابہ تو اس کے (یزید کے) خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ...."

ابن خلدون کی تقریر کا سہارا لیکر قاضی صاحب بار بار مغالطہ دے رہے ہیں، اسے چھوڑ دیجئے کہ حب حسین کے غلبہ میں ابن عباس، ابن عمر اور جابر بن عبد اللہ جیسے صحابیوں اور جمہور مسلمین کو بے ہمت اور بے عزیمت کہنا قاضی صاحب کو کچھ برا محسوس نہیں ہوتا، دیکھنا یہ ہے کہ آخر وہ حسین کا ساتھ دینے والے کون کون صحابہ تھے جن کے اٹھ کھڑے ہونے کو بار بار اس طرح بیان کیا جا رہا ہے جیسے صحابہ کا ایک معتدبہ گروہ حسین کے ساتھ علم بغاوت اٹھا کر چل کھڑا ہو اتھا، ابن خلدون — عبد اللہ ابن زبیر کے علاوہ کسی صحابی کا نام نہیں لے سکے ہیں۔ پھر ابن زبیر بھی حسین کے ساتھ تو نہیں گئے تھے، آخر کیا دھاندلی ہے کہ خواہ مخواہ خلاف واقعہ تاثر دیا جاتا ہے اور اکابر صحابہ کو ہمت و عزیمت سے خالی کہنے میں باک محسوس نہیں کیا جاتا۔

بڑے بڑے صحابہؓ نے حضرت حسین کو خروج سے روکنے کی کوشش کی تھی، اسی کی تفصیل محمود عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں دی۔ قاضی صاحب کہتے ہیں کہ ان کا گھر دندا میں نے گرا دیا کیونکہ:

"صحابہ نے اگرچہ مصلحۃً یزید کے فسق و فجور کے باوجود اس کے خلاف خروج نہیں کیا لیکن انکے نزدیک یزید کے افعال مستحسن اور صحیح نہ تھے بلکہ وہ ان کو اسی طرح غلط اور ناجائز سمجھتے تھے جس طرح حضرت حسین سمجھتے تھے"۔

چلئے صاحب مان لیا کہ منقبت یزید میں عباسی صاحب نے غلطی کی مگر اس عبارت سے کیا صاف طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت حسینؓ قاضی صاحب کے لئے بھی چاہے غیر شعوری طور پر ہی — "امام معصوم" سے کم نہیں ہیں، وہ مان رہے ہیں کہ یزید کے جس فسق و فجور کی بنیاد پر حضرت حسین خروج کر رہے تھے اس کا پورا پورا علم تمام صحابہ کو بھی تھا، مگر اس علم کے باوجود، ابن عباس ابن عمر، ابن جعفر، جابر بن عبد اللہ، ابو واقد اللیثی اور ابو سعید خدری جیسے صحابہ فیصلہ دیتے ہیں کہ یہ خروج غلط ہے اور حسین کو سمجھانے بجھانے کی سعی کرتے ہیں، اب سوائے اس کے کیا سمجھا جائے کہ قاضی صاحب کے نزدیک یہ صحابہ اجتہاد میں خامکار، عزیمت میں کھوٹے، فہم حدیث میں کوتاہ اور حب دین میں اتنے پس ماندہ تھے انھیں شعور نہ ہوا کہ خروج تو اس وقت "نہ صرف جائز بلکہ واجب" ہے

خوشی ہے ہر شخص کی وہ اگر اکابر صحابہ کے ناموس کی لاشوں پر عظمت حسین کا قصر بنانا پسند کرے تو شوق سے کرے۔ ہم مگر اس کی داد دینے سے معذور ہیں۔

قاضی صاحب نے صفحہ ۲۳۳ سے صفحہ ۲۴۲ تک بخاری کی اس حدیث پر بھی بحث کی ہے جس سے یزید کی مغفرت کا ثبوت ملتا ہے، شاعرانہ عقیدت رکھنے والے عاشقان حسین کے لئے آفت بنی ہے وہی فضول کی اگر مگر جس کا جائزہ ہم جون ۱۹۶۲ء کے تجلی میں مہتمم صاحب کی کتاب پر گفتگو کرتے ہوئے لے چکے ہیں۔ حاصل ان کی ساری بحث کا وہی ہے جو خلفاء ثلاثہ کی مغفوریت کو کالعدم قرار دینے کی بحث میں شیعہ حضرات کا ہوتا ہے وہ بھی اسی طرح چنیں چناں کر کے یہ دور کی کوڑی لاتے ہیں کہ ابوبکر و عمر وغیرہ بشارت سے سرفراز ہوں مگر بعد میں انہوں نے ایسے افعال کئے کہ بشارت تو کھا گئی۔ قاضی صاحب نے یزید کو حدیث بشارت سے الگ کرنے کے لئے شد و مد سے ایک اور حدیث پیش کی ہے جس کے نقل کرنے میں یا تو ان سے ورنہ کاتب صاحب سے خوفناک غلطی ہوئی۔ اور عجیب کی بات ہے انہوں نے اس دوسری حدیث کو بھی مشکوک چھوڑا۔ سنئے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان میں بخاری و مسلم سے

روایت نقل ہوئی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زور دیکر فرمایا ہے :

ما من عبد قال لا الہ الا اللہ ثم مات علی ذلک الا دخل الجنۃ — ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی بندہ لا الہ الا اللہ کہے اور اسی پر مرے پھر جنت میں داخل نہ ہو۔

کتنی واضح حدیث۔ اہلیت ہونے نہ ہونے کی کوئی بحث ہی اس میں نہیں اٹھتی جب کہ ثم مات علی ذلک کے الفاظ موجود ہیں لیکن قاضی صاحب نے دوسرے مقام سے اس کا ملخص لے لیا مجمل سا ہے من قال لا الہ الا اللہ فقد دخل الجنۃ اسکی نقل میں تو ان سے یا کاتب سے چوک ہوئی کہ ٹھیک کفر یہ کلمہ لکھا من قال لا الہ دخل الجنۃ (جس نے لا الہ کہا جنت میں داخل ہوا، صفحہ ۲۲۳) ترجمانی میں یہ شوشہ چھوڑا کہ جس طرح دخول جنت کے لئے کلمہ کافی نہیں بلکہ اس کی اہلیت کی مزید چیزیں درکار ہیں اسی طرح مغفرت یزید کے لئے حدیث مغفرت کافی نہیں — بلکہ اہلیت مشروط ہے، یہ اہلیت بھی عجیب معمہ ان حضرات نے بنادی ہے، نہ یہ کہتے بن پڑتی ہے یزید کافر تھا نہ اہل سنت کے اس بنیادی عقیدے کو جھٹلائے بن پڑتی ہے کہ ہر صاحب ایمان کی مغفرت ہوگی چاہے کتنا ہی بڑا گناہگار ہو، مگر یزید کی مغفرت کی بشارت اللہ کا رسول دیتا ہے تو لاحاصل طور پر اہلیت کی بحث اٹھا دیتے ہیں، حالانکہ سب جانتے ہیں اور قاضی صاحب بھی مانتے ہیں کہ یزید مسلمان ہی مرا ہے۔ خیر دوسری زیادتی دیکھئے، اللہ کے رسول نے تو مذکورہ حدیث میں خود ہی اہلیت کی تصریح ثم مات علی ذلک سے کر دی ہے مگر جس حدیث سے یزید کی مغفرت ثابت ہے، اس میں تو حضورؐ نے کوئی تصریح ایسی نہیں کی پھر کسی کو کیا حق ہے کہ من مانے شرائط کا اضافہ کرے۔

علاوہ ازیں غزوۂ قسطنطنیہ میں سب ہی حملہ آور مسلمان ہی تھے، اُن سب میں مغفرت کی اہلیت پہلے ہی سے موجود تھی۔ اگر بشارت کا مطلب یہی ہوتا کہ جس میں اہلیت ہوگی وہی مغفور ہوگا، پھر تو یوں کہئے معاذ اللہ۔ بشارت محض فضول ہوئی، یہ تو تحصیل حاصل ہے کہ جو مغفرت کے اہل ہیں انہی کو بشارت دیجا رہی ہے ضد نہ کیجئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کا مجاہدین قسطنطنیہ کے لئے مغفور لھم فرمانا اس حقیقت غامضہ کا انکشاف ہے کہ جہاد قسطنطنیہ میں شرکت ہی اہلیت مغفرت کا سب سے بڑا ثبوت ہے، اب جسے بغض یزید کی رو میں یہ صاف سی بات بھی نظر نہ آئے وہ شوق سے مزید ثبوت ڈھونڈتا پھرے۔

فرماتے ہیں :

"ہر لا الہ الا اللہ کہنے والے کو جنتی ہونے کا قطعی حکم لگانا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے بعد اس میں اہلیت و صلاحیت کا ہونا ضروری ہے"۔

پھر وہی اہلیت و صلاحیت!— یہ گول مول بات ہے حالانکہ مغفرت کا معاملہ اللہ اور رسولؐ نے گول مول نہیں رہنے دیا۔ اگر یہ مطلب ہو کہ صرف زبان سے کہدینا کافی نہیں دل میں بھی اس کا یقین ہونا چاہئے تو صفائی سے لکھنا چاہئے تھا۔ لیکن صفائی سے لکھتے تو یزید کے ناقابل مغفرت ہونے کا تاثر کیسے دیا جاتا۔ کس میں ہمت ہے جو یہ ثابت کرسکے کہ یزید دل سے لا الہ الا اللہ کا قائل نہ تھا، اسی لئے اہلیت و صلاحیت کے گول مول الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ حالانکہ یزید کی تمام مشہورہ سیاہ کاریاں درست مان لی جائیں تب بھی اہلیت مغفرت کا استیصال نہیں ہو جاتا، یہی حدیث جو ہم نے مشکوٰۃ سے نقل کی اسی میں تصریح ہے کہ حضرت ابو ذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کیا حضور وہ چوری اور زنا کرے پھر بھی؟ حضورؐ نے جواب دیا۔ ہاں پھر بھی۔ ابو ذرؓ نے تین بار پوچھا اور حضورؐ نے تینوں بار یہی جواب دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہاں چاہے ابو ذر کو ناگوار ہو پھر بھی!

بخاری ہی میں "باب زیادۃ الایمان ونقصانہ" کے ذیل میں دوسری روایت بھی آئی ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اسکے دل میں جَو برابر بھی ایمان تھا اسے ضرور آگ سے نکالا جائے گا۔

آیت قرآنی بھی یہی بتاتی ہے کہ سوائے شرک و کفر کے کوئی چیز مغفرت کی اہلیت زائل نہیں کرتی۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ط

قاضی صاحب بھی ان بنیادی محکمات کو مانتے ہیں مگر یہ ماننے کو تیار نہیں کہ یزید مغفور ہوا، حالانکہ ابن التین اور ابن المنیر

جیسے ہزار دماغ بھی یزید کو جنت سے نہیں نکال سکتے جب تک یا تو اس کا کفر تسلیم نہ کریں یا حدیث بخاری کو نہ جھٹلائیں، حالانکہ اگر قاضی صاحب بردباری کے ساتھ صرف اتنا مان لیتے کہ مغفرتِ یزید پر ہمیں اطمینان ہے تو وہ ہزار کیڑے بھی عباسی صاحب کی کتاب میں ڈالتے ہمیں غم نہ ہوتا، ہمیں دعویٰ نہیں ہے کہ عباسی صاحب کی کتاب حرف بہ حرف مستند ہے اور یزید اتنا ہی اونچا تھا جتنا انہوں نے ثابت کرنے کی سعی کی ہے، ہم تو چاہتے ہیں کہ جس شخص کے مغفور ہونے کا تیقن نہ سہی ــ گمان غالب بہرحال موجود ہے، اسے ذلیل و رسوا کئے بغیر مدحتِ حسینؓ کا راستہ نکالو، رسول اللہؐ کے نواسے ہمارے سر آنکھوں پر، ان سے بغض، عداوت یا ہلکا سا کینہ بھی بے ایمانی کی دلیل ہے لیکن بشارتِ رسولؐ بھی تو آخر کوئی چیز ہے؟ ـــ اور اگر کوئی کہتا ہے کہ حدیث بشارت سے گمان غالب بھی حاصل نہیں ہوتا تو اسے ایمان بالرسالت کا تکلف ختم کر دینا چاہئے۔

یہ تو تبصرے کے ناگوار پہلو ہوئے لیکن مجموعی طور پر کتاب لائق التفات ہے، اس میں بے شمار اعتراضات عباسی صاحب پر کئے گئے ہیں جن میں سے بعض اعتراض برائے اعتراض ہیں، بعض بے جان ہیں، بعض قوی ہیں۔ تبصرے میں سب کے نمونے دینے کہاں ممکن ہیں۔ یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ مسئلہ متنازعہ میں قاضی صاحب کا اپنا اندازِ فکر خاصا مائل بہ اعتدال ہے گو شاعرانہ جزئیات سے خالی نہیں۔

کتاب کے صفحات ہیں ۳۳۶۔ قیمت ساڑھے تین روپے ملنے کے دو پتوں میں سے ایک یہ ہے:

ایجنسی تاج کمپنی ۲۰۱ مسجد اسٹریٹ۔ بمبئی ۳۔

× × × ×

ترجمان فارسی مؤلفہ:۔ ابوالکیف نثار احمد خاں ناظم میواتی۔ صفحات ۱۱۲ قیمت ایک روپیہ
● ناشر:۔ ناظم پبلکیشنز۔ سورج پورہ۔ شاہ آباد۔

اچھی اردو سیکھنے کے لئے فارسی جسقدر اہم ہے محتاجِ بیان نہیں۔ یہ کتاب فارسی کی ابتدائی تعلیم پر مشتمل ہے۔ اس نوع کی متعدد کتابیں اب تک نظر سے گذر چکی ہیں۔ یہ فیصلہ تو کوئی ماہر تعلیم ہی کر سکتا ہے کہ ایک ہی نوع کی متعدد کتابوں میں کونسی سب سے بہتر ہے، ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ زیر تبصرہ کتاب بھی اپنی ترتیب اور تفہیم کے اعتبار سے بہت اچھی ہے۔ بچے یا کم تعلیم یافتہ بڑے اسے ڈھنگ سے پڑھ لیں تو فارسی کی خاصی قابلیت پیدا ہو سکتی ہے۔

کاش مؤلف اس پر کسی ادیب سے نظر ثانی کرا لیتے۔ بعض جگہ نمایاں غلطیاں رہ گئی ہیں۔ مثلاً ایک ہی صفحہ (۸۹) میں کئی فقرے قابل ترمیم تھے

"راج نے پرسوں اینٹ جوڑا تھا"

اول تو اینٹ مؤنث ہے، دوسرے اینٹ جوڑنا محاورہ نہیں ہے۔

"میں نے بوتل چور کر دی تھی"

بوتل توڑ دی تھی ہونا چاہئے تھا یا پھر "چور چور کر دی تھی"

"اس نے تمہیں ڈھونڈا لیکن تم نہیں پائے گئے"۔

"تم نہ مل سکے" کی بجائے "تم نہیں پائے گئے" ناقص قسم کے ترجمے کی زبان ہے۔

"آج کی دعوت کے لئے ایک خصی ذبح کیا تھا"

بچہ "خصی" کیا جانے، وہ خواہ مخواہ خصی کا مطلب پوچھے گا اور استاد آزمائش میں پڑ جائے گا۔

"آپ کے آنے کے پہلے ہم لوگ پڑھائے جاتے تھے"

یہ مادری زبان نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ اگلے ایڈیشن میں اس طرح کی خامیاں دور ہونی چاہئیں۔ ویسے کتاب بہت اچھی ہے۔

× × ×

تحفۂ کربلا از جناب محمد احمد الہ آبادی ● صفحات ۳۱۶ لکھائی چھپائی متوسط۔ قیمت ساڑھے تین روپے (جو قدرے زیادہ ہے) ● ناشر:۔ مولوی محمد احمد۔ شاہ گنج۔ الہ آباد۔

نام ہی سے ظاہر ہے کہ موضوع کیا ہے۔ محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی اشاعت سے پہلے کربلا اور اسکے متعلقات پر اردو میں کم و بیش ایک ہی نوعیت کی کتابیں لکھی جاتی رہی ہیں، طرز تحریر، ترتیب اور مواد کی کیت میں تو فرق ضرور رہا ہوگا لیکن متعلقہ شخصیات کے بارے میں فکر و نظر کا زاویہ

بفرق مراتب ایک ہی رہا، وہی لگے بندھے نتائج جن کا استنتاج واقعات کے بطن سے نہیں کیا جاتا رہا بلکہ چند نتائج اور عقائد کو بنیادی مسلمات کا درجہ دیکر واقعات کو ان ہی کے محور پر گھمایا گیا۔ لگی بندھی محبتیں اور نفرتیں۔ لگے بندھے عقائد۔ "خلافت معاویہ ویزید" بجائے خود چاہے کیسی ہی ہو مگر اس نے یہ ثمرہ ضرور دیا ہے کہ تاریخ کے اس ہنگامہ خیز باب پر جذبات سے بالاتر ہوکر سوچنے اور برہان وشہادت کے رخ سے نقد و نظر کرنے کا عام رجحان پیدا ہوگیا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ رفض وتشیع کے حاملین نے بڑی فنکاری کے ساتھ جن تصورات اور عقائد کی لپیٹ میں بہتیرے سینوں کو بھی لے لیا تھا ان کی برف کو مذکورہ کتاب نے کچھ پگھلایا ضرور ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ بال اکھیڑنے سے مردے ہلکے نہیں ہوتے، ایک دو کتابیں صدیوں کے جاگزیں اثرات کا ازالہ نہیں کرسکتیں لیکن اہل علم و دانش کو تو اپنا فرض ادا ہی کرنا چاہیے چاہے کامیابی ہو یا ناکامی۔

تحفۂ کربلا نہ تو محمود عباسی صاحب کے افکار و دعاوی سے موبموہم آہنگ ہے نہ مروجہ تصورات کا ساتھ دیتی ہے اس میں انہوں نے اور ہی انداز کی بحث کی ہے جو تاریخ اور اس کی متنازعہ شخصیتوں کے معاملے میں عدل و انصاف کی ایک جذبات سے بالاتر علمی ومنطقی کوشش کہنی چاہیے، ان کی ترتیب مقدمات شائستہ ہے اور استدلال جاندار، انہوں نے مواد بھی کافی جمع کیا ہے اور ان کا تبصرہ ومحاکمہ بھی ذہانت اور تیکھے پن کا حامل ہے، صفحات کی تنگ دامانی لمبے تبصرے کی اجازت نہیں دے رہی۔ حاصل تبصرہ یہ ہے کہ کتاب عوام و خواص دونوں کے مطالعہ کے قابل ہے۔

یہ بات ہمیں پسند نہیں آئی کہ کتاب کے ابتدائی حصے میں مصنف، عبد اللہ بن سبا یہودی کو ہر دس منٹ بعد کوستے کاٹتے ہیں۔ اول تو ہمارے خیال میں ابن سبا کی شخصیت کو پوز کرنے میں مؤرخین نے انلارجنگ کے فن سے کام لیا ہے، نیت ان کی بری نہیں تھی وہ چاہتے تھے کہ اہل ایمان کی جن برائیوں، لغزشوں اور بے اعتدالیوں کا جواز نہ مل سکے انھیں بالواسطہ ابن سبا کے ذمے ڈالدیں۔ مؤرخوں سے بھی زیادہ تاریخ کے مسلمان ناقدوں نے ابن سبا سے فائدہ اٹھایا جہاں ضرورت سمجھی ترپ کے پتے کی طرح آگے بڑھادیا، نیت ان کی بھی بری نہیں تھی، جو روافض ان کے افضل ترین خلفا اور امہات المؤمنین اور بعض اور اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تبرا کرتے ہوں انکا جوڑ جتنا زیادہ ابن سبا یہودی سے ملتا جائے گا اتنی ہی جذبات کو تسکین ہوتی جائے گی، لیکن فی الواقع یہ ابن سبا تمام مسائل کی کنجی نہیں۔

دوسرے مان لیا ابن سبا ہی ابلیس کی گانٹھ تھا جیسا محمد احمد باور کرا رہے ہیں تب بھی بات بات پر کوسنا کاٹنا بہت بھونڈا لگتا ہے حالانکہ جس پائے کی ان کی کتاب ہے اس میں یہ بھونڈا پن نہیں کھپتا۔

یہ دعویٰ بھی ہمیں تسلیم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کی دیرینہ رنجشیں جڑ بنیاد سے ختم ہوگئی تھیں اور محض عبد اللہ بن سبا ہی تھا جس نے از راہ شرارت یہ پروپیگنڈا کیا کہ نہیں وہ ختم نہیں ہوئی تھیں باقی تھیں، اس دعوے کے دلائل وزنی نہیں ہیں۔

صفحہ ۵ کے حاشیہ میں حدیث کے ٹکڑے وعمر حیطہ کا ترجمہ چھوٹ گیا ہے اگلے ایڈیشن میں تلافی کی جائے۔

کربلا اور اس سے متعلق افراد سے دلچسپی رکھنے والوں کو ہم اس کتاب کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔

مشاہیر اسلام لکھنؤ سے ایک پندرہ روزہ جریدہ "برادری" نکلتا ہے جو صالح فکر و نظر کا سرمایہ دار ہے۔ یہ اسی کا خاص نمبر ہے جو چھوٹے کتابی سائز کے ۱۳۸ صفحات پر شائع ہوا ہے، بڑے اچھے مضامین پر مشتمل ہے، کوئی مضمون بھرتی کا نہیں معلوم ہوتا، حصہ نظم بھی جاندار ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

"برادری" کا سالانہ چندہ تین روپے ہے۔ پتہ: پندرہ روزہ "برادری" سعادت گنج۔ لکھنؤ۔

علمی و عملی دونوں اعتبار سے بڑے اونچے لوگوں میں تھے۔ کرنل ناصر کی آمریت نے انھیں پھانسی کے تختے پر لٹکا کر ایک ایسے جلیل القدر مرد مسلماں کو دنیائے اسلام سے چھین لیا جس کی جدائی پر آج بھی سینہ پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ وہ خدا داد اور اکتسابی دونوں طرح کی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ اکثر علوم و فنون پر ان کی گہری نظر تھی اور "قانون" تو ان کا خاص موضوع تھا۔ اپنی اس خصوصیت کو انھوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے نہایت سرگرمی، شد و مد اور ذہانت و بلاغت کے ساتھ استعمال کیا۔ تقابلی محاکمے کے ذریعے مغربی قوانین پر اسلامی قوانین کی برتری ثابت کی۔ دنیا بھر کے آئینوں پر اسلامی آئین کی فوقیت نمایاں کرنے میں ان کے فکر و استدلال نے بڑا کام کیا۔

زیر تبصرہ کتاب اسی موضوع پر ہے۔ انشا رروان اور چہ وقار۔ استدلال وزنی اور تیکھا، مطالب پاکیزہ اور ایمان افروز۔ آخر میں "حصہ دوم" کے تحت بعض علماء و مفکرین کے ایسے رشحات فکر منسلک کئے گئے ہیں جو اپنے مفاد مدعا اور مطالب کے لحاظ سے اصل کتاب کی علمی توضیحات کو تقویت دینے والے ہیں، ہر مضمون کے ساتھ صاحب مضمون کا مختصر تعارف بھی دیا گیا ہے۔ اعتراف کرنا چاہئے کہ یہ کتاب دینی لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ ہے جس سے ہر صاحب ذوق مسلمان کو استفادہ کرنا چاہئے۔

٭ ٭ ٭

ماہنامہ فروغ اسلام

● مدیر مسئول:۔ زاہد انصاری
●:۔ سالانہ قیمت چھ روپے —— فی پرچہ ۸؍ ● پتہ:۔ دفتر ماہنامہ فروغ اسلام۔ سعید منزل انارکلی لاہور ——

اس نومولود جریدے کے ابھی چار پانچ ہی پرچے سامنے آئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحت مند رجحان رکھنے والے علمی و دینی پرچوں میں یہ انشاء اللہ اچھا مقام حاصل کرے گا بشرطیکہ اس کے فاضل مدیر نے اہل حضرات کا تعاون حاصل کرنے کی مساعی میں سستی نہ پیدا ہونے دی۔ نظم و نثر دونوں اعتبار سے اس کا ہر شمارہ وقیع ہے۔ دین پسند حلقوں کو اس کی حوصلہ کرنی چاہیے۔ پہلے شمارے میں اس کے حلقۂ ادارت میں معروف صاحب علم و قلم جناب وارث کامل کا نام نامی نظر آیا تھا جس سے اس کے مستقبل کے بارے میں کافی خوش گمانی پیدا ہوئی تھی مگر اللہ نے انھیں دفعۃً اپنے یہاں بلالیا۔ بعد کے شمارے بھی غیر معیاری نہیں ہیں لیکن معیار کو کچھ اور بلند کرنے کی کوشش برابر جاری رہنی چاہئیں۔ ہم اس کی بقاء اور ترقی کے لئے دعا کرتے ہیں۔

٭ ٭ ٭

ماہنامہ فکر نو

● نگراں:۔ حافظ سید محمد اسحاق صاحب۔
● مدیر:۔ محمد ولی راز صاحب

● سالانہ قیمت چار روپے ● فی پرچہ ۴۰؍ ● زیر اہتمام ہسپاکستان ریفیوجیز ہیبلی ٹیشن فنانس کارپوریشن (ادارہ فلاح عامہ) کاٹن ایکسچینج بلڈنگ، میکلوڈ روڈ۔ کراچی

اس ماہنامے کے ابھی دو پرچے شائع ہوئے ہیں خصوصیت یہ ہے کہ ادب و ثقافت کے علاوہ صنعت و حرفت کو بھی اس کا موضوع خاص بنایا گیا ہے۔ اس کے مدیر جناب محمد ولی صاحب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے فرزند ارجمند ہیں۔ علم و ادب کی وراثت انھیں ملنی چاہئے تھی۔ ان کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشق تحریر جاری رہی تو جلد ایک ممتاز مقام حاصل کرلیں گے۔ "فکر نو" کی ترتیب اور مضامین کا انتخاب ان کے حسن مذاق اور سلیقے پر دال ہے۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ فکر نو اپنی ادبی و فنی افادیت کے اعتبار سے اہل ذوق کے بیش از بیش التفات کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ترقی اور عمر طویل عطا فرمائے۔

٭ ٭ ٭

الایقاف فی سبب الاختلاف

از مولانا محمد حیات اللہ سندھی —— ترجمہ:۔ مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی —— شائع کردہ:۔ المکتبۃ السلفیۃ۔ شیش محل روڈ، لاہور ——

یہ ایک مختصر سا عربی رسالہ ہے جو مدت گذری "تقلید اور عمل بالحدیث" کے موضوع پر سپرد قلم ہوا تھا، پھر مولانا بٹالوی رح نے اسے اپنے ترجمہ و حواشی کے ساتھ اپنے ماہنامے "اشاعۃ السنۃ" میں شائع کیا تھا، شروع میں مصنف و مترجم کے مختصر حالات ہیں۔ پھر سفید کاغذ پر سلیقے اور خوبصورتی سے متن مع حواشی ہے۔

المکتبۃ السلفیۃ اہل حدیث حضرات کا مکتبہ ہے جو کافی دنوں تک رحیق جیسا متین و وقیع علمی ماہنامہ شائع کرتا رہا۔ یہ ماہنامہ تو شومی قسمت سے نذر اجل ہو چکا ہے لیکن معیاری لٹریچر کی اشاعت اب بھی اس مکتبہ سے وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہے

ہم مقلد ہیں، یہ اہلیت ہی نہیں رکھتے کہ راست اجتہاد کی بنیادوں پر اپنے فقہی مسلک کا قصر تعمیر کریں لیکن اس انداز کی کتابیں ہمیں بہت پسند آتی ہیں جن میں تقلید جامد کی قباحتوں اور عمل بالحدیث کی برکتوں کو پر وقار علمی و استدلالی انداز میں واضح کیا گیا ہو۔ یہ ایقاف بھی ہماری نگاہ میں ایسا ہی پسندیدہ رسالہ ہے۔ اس میں جو اسپرٹ نظر آتی ہے وہی اگر اہل حدیث کی دائمی اسپرٹ ہو تو ان کے اور اعتدال پسند مقلدین کے مابین نزاع کی کوئی وجہ نہیں، لیکن رنج یہ ہے کہ عام طور پر یہ اسپرٹ نظر نہیں آتی۔ نہ تقلید ہی میں اعتدال باقی رہا ہے تالی دونوں طرف سے بج رہی ہے۔

"الایقاف" کے بعض مطالب سے اختلاف ممکن ہے لیکن اس کا اسلوب بہرحال محمود و مستحسن ہے جس کی ہم اخلاف کو تقلید کرنی چاہیئے۔

⁂

اسلامی نظم و نسق | تالیف:- قاضی بدر الدین ابن جُماعہ | ترجمہ:- ابو یوسف حکیم سید عبد الباقی شُطّاری۔ ● ناشر:- اسلامک پبلشنگ ایجنسی سلطان شاہی حیدرآباد دکن ۲ ● صفحات ۲۸۰ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے (جو بازار کے معیار سے زیادہ ہے)

اب سے تقریباً ساڑھے چھ سو برس قبل ابن جُماعہ مصر و شام کے قاضی القضاۃ ہوئے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ کے ہم عصروں میں سے تھے۔ ذہبی اور تذکرہ نگاروں نے اگرچہ ان کے امتیازات و اوصاف میں تفصیل اختیار نہیں کی لیکن زیر تبصرہ کتاب کے مقدمہ نگار جناب ابو النصر محمد خالدی نے پرانے مآخذ سے بڑی کاوش کے ساتھ ان کے اوصاف و احوال کا سراغ لگایا ہے جس سے ان کی بھاری بھرکم شخصیت کے خد و خال خاصے روشن ہو جاتے ہیں۔ یہ ۵۴ صفحات کا مقدمہ اس کتاب کی جان ہے۔

نفس کتاب اسلامی نظم و نسق کی تفصیلات پر مشتمل ہے، امامت و خلافت کی حقیقت۔ خلیفہ کے حقوق و فرائض۔ وزراء و امراء کا تقرر۔ لشکروں کی ترتیب۔ دفاتر کا قیام۔ جہاد۔ مال غنیمت صلح۔ بغاوت۔ معاہدے وغیرہا کے اصول و فروع بیان کئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آج جبکہ ہم غیر اسلامی حکومتوں کے زیر سایہ زندگی گذار رہے ہیں ان تفصیلات سے آگاہی کا عملاً کوئی نفع نہیں لیکن علمی طور پر بہرحال ہمیں ان چیزوں سے واقف ہی ہونا چاہیئے۔ علمی حیثیت سے کتاب بلند پایہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جذباتی زاویۂ نگاہ سے اس کا مطالعہ ذہن کے تاریک گوشوں میں بجلی کی سی لہر پیدا کر دے اور زبان پر بے اختیار یہ شعر آ جائے

تذکرہ دہلیِ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

فاضل مقدمہ نگار کی انشاء میں کہیں کہیں داغ نظر آتے ہیں —

"تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ پانچ سال سے تجاوز نہیں ہوئے تھے" صفحہ ۷

"تجاوز" اگر کتابت کی غلطی نہیں ہے تو "متجاوز" ہونا چاہیئے تھا

"شاعری محض تفریح کا ایک بے ضرر مشغلہ تھا اس لئے ان کے کلام میں صوری یا معنوی خوبی تلاش کرنا بالکل بے محل ہے"۔ صفحہ ۲۵

کیا بات ہوئی؟ — "بے ضرر" کا یہاں کوئی محل نہیں۔ نہ معذرت ہی معقول ہے۔

"رسمی اعزاز کے علاوہ بصورت نقد و جنس بھی "انعاموں و اکراموں" کی ایسی بہتات ہوئی"۔ صفحہ ۲۷

"انعاموں و اکراموں" ایک صاحب علم انشاء پرداز کے شایانِ شان نہیں۔

"بالکل معذور ہوگئے تو سرکاری خدمت سے
سبک بار ہونا چاہا" صفحہ ۲۸

محاورہ "سبکدوش" ہے، سبک بار نہیں۔

صفحہ ۳۲ پر:- "درہم" کی توضیح بریکیٹ میں "اشرفی" سے کی گئی ہے یہ تسامح ہے۔ درہم تو ہر زمانے میں کم قیمت رہا ہے۔ "دینار" البتہ اشرفی کا ہمسر ہے۔

٭ ٭ ٭

وسیلۂ نجات مرتبہ:- ابو صالح محمد عبد الجلیل خطیب
ملنے کے متعدد پتوں میں سے ایک پتہ:- تاج بک ڈپو۔ بڑی مٹ مسجد۔ مدراس ۳۔ صفحات ۱۹۲ قیمت دو روپے۔

طرح طرح کے رسوم و رواج دین کے زمرے میں شامل کر لئے گئے ہیں اور مسلمانوں کے معاشرے میں ہر طرف بدعت و شرک کی گرم بازاری نظر آرہی ہے۔ اسی قبیح صورت حال کی اصلاح کے لئے فاضل مرتب نے شرک و بدعت کے موضوع پر مختلف علماء دین کے مقالات اور فتاوی جمع فرمائے ہیں، کتاب ہر آئینہ نافع ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکے نفع کو عام کرے۔

٭ ٭ ٭

ہلالِ یثرب ●- جناب احمدؔ سہارنپوری کے نعتیہ کلام کا مجموعہ۔ صفحات ۹۶۔
قیمت ڈیڑھ روپیہ (جو تقریباً پچاس فیصد زیادہ ہے) ●- ناشر:- محمد یوسف خاں و صابر علی خاں تاجران کتب۔ بازار نخاسہ۔ سہارنپور۔

اوسط درجے کے علمی و ادبی حلقوں میں جناب احمدؔ سہارنپوری چاہے کوئی شہرہ نہ رکھتے ہوں لیکن تیسرے درجے کے قوالی پسند حلقوں میں ان کی بڑی شہرت و مقبولیت ہے وہ چلتے ہوئے فقرے اور متصوفین کی محفلوں میں دھوم مچا دینے والے مصرعے منظوم کرنے میں "ید طولیٰ" رکھتے ہیں، ان کی نعتیہ غزلوں اور گیتوں کو گانے والے اور والیاں نہایت شوق سے گاتے ہیں۔

پیش نظر مجموعہ کچھ اسی ٹائپ کا ہے۔ اس کے عیب و صواب کا جائزہ تجلی کے صفحات میں بیکار ہے۔ صرف اتنا کہیں گے کہ احمد صاحب اپنے رنگ کے استاذ ہیں اور کہتے کہتے منجھ گئے ہیں۔ زبان و اسلوب کی خامیاں بہت ہیں، مگر راگ رنگ کی دنیا زبان و اسلوب کی باریکیوں سے بحث نہیں کرتی، اور جو حلقے ان کے مجموعۂ کلام کو شوق سے خرید سکتے ہیں وہ اس سے بالاتر ہیں کہ انھیں علمی و ادبی جائزے کی روشنی دکھائی جائے۔

پھر بھی دو مشورے ضرور پیش کریں گے۔ ایک یہ کہ جاہل و نیم جاہل لوگوں کو وجد میں لانے کی خاطر تمام ہی حدوں کو نہیں گذرنا چاہئے۔ مثلاً اس طرح کے خیالات۔

"محشر میں نواسوں سے مجھکو بخشش کی بھیک دلا دینا"

کھلا شرک ہیں۔

دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غزل کے وہ الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں جو جنسیت کے رنگ و بو میں رچے ہوئے ہیں۔ مثلاً: دلدار - نازنین - گلفام - گلعذار - دولہا وغیرہ - احمد صاحب نے تو حد کی ہے کہ رسولِ خدا کو چوندری تک اڑھا گئے ہیں۔

"خود بنائی حق نے اپنے دلربا کی چوندری"

پانچ بندوں کی نظم "چوندری" پر ہے۔ "چندری" زنانہ لباس ہے، پھر جس میں جھالر، بیل، گل بوٹے، اور تار وغیرہ ہوں لے تو کسی طرح کھینچ تان کر کسی مردانہ لباس کا ہم معنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا رسولِ خدا کے لئے اس کا اثبات بہت بری بات ہے چاہے وہ استعارے ہی کے طور پر ہو۔

ہاشمی زلفوں پہ جب واللیل کی چھائی گھٹا
حق نے پیشانی پہ جب والشمس کا غازہ ملا
دیدۂ حق بیں میں جب مازاغ کا سرمہ لگا
اور بھی روشن ہوا روئے محمد مصطفیٰ

اس طرح کے شعروں سے عوام کالانعام کا کلیجہ تو ضرور گز بھر کا ہو جاتا ہے لیکن فی الحقیقت یہ بہت برے ذہنی رخ کے غماز ہیں، اللہ کو بے شک محمد مصطفیٰ محبوب ہیں لیکن اس محبت کو زلفِ سیاہ کی خوشبو، جبین و عارض کی پھبن، سرمئی آنکھوں کی مستی اور

اسباب زوال امت

عالم اسلامی کے مشہور ادیب و مفکر امیر شکیب ارسلان کی یہ کتاب

اردو لباس میں پہلے بھی جلوہ گر ہو چکی ہے۔ اب مکتبۂ انسانی برادری (سعادت گنج۔ لکھنؤ) نے بھی اسے چھاپا ہے، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مصنف نے اس کتاب میں زوال امت کے ہر ہر سبب و علت کو مشخص کر کے رکھ دیا ہے لیکن مجموعی طور پر یہ تمام اسباب کا ایک مجمل تصور ضرور دیتی ہے، اور اس لائن پر غور و فکر کرنے کے لئے بڑی اچھی محرک ہے۔

صفحات ۱۸۴ قیمت غیر مجلد ایک روپیہ۔ مجلد ڈیڑھ روپیہ ہمارے خیال میں یہ قیمتیں ۲۵ فیصد زیادہ ہیں۔

* * *

پیارے رسول کی پیاری دعائیں

مرتبہ: مولانا محمد حنیف عطاء اللہ صاحب بھوجیانی۔ ناشر:۔ المکتبۃ السلفیہ۔ شیش محل روڈ لاہور۔ صفحات ۸۸ قیمت ۱۲/، لکھائی چھپائی، کاغذ سب معیاری۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی دعاؤں کے مجموعے پہلے بھی شائع ہوتے رہے ہیں ویسا ہی ایک یہ بھی ہے لیکن موقع کی دعا شامل ترتیب کر لینے کی سعی اس میں نسبتاً کامیاب ظاہر ہوتی ہے۔ حاشیے پر ماخذ کا حوالہ کتاب کی وقعت میں اضافہ کر رہا ہے۔ اہل ایمان کے لئے یہ مجموعہ خاصے کی چیز ہے۔

* * *

الحسنات خاص نمبر ۱۹۶۱ء

رامپور کا پندرہ روزہ "الحسنات" ایک معروف اسلامی جریدہ ہے

جو اسلام پسند گھرانوں میں کافی مقبول ہے، بچوں، لڑکیوں اور کم استعداد والوں کے لئے اس میں بڑے اچھے اصلاحی و تعمیری مضامین آتے رہتے ہیں، بعض چیزیں تو اہل علم کے لئے بھی باعث کشش ہوتی ہیں۔

یہ خاص نمبر در اصل انتخاب نمبر ہے جس میں الحسنات کے پچھلے تیرہ برسوں کے عمدہ مضامین کو یکجا کیا گیا ہے۔ صفحات ۲۱۶ قیمت صرف ایک روپیہ جو بہت کم ہے بلکہ معنوی منفعت کے مقابلے میں تو مفت برابر ہے۔ ٹائٹل نہایت دلکش سہ رنگا۔ ادارۂ الحسنات کو اتنا دیدہ زیب اور پر کشش نمبر اتنی کم قیمت میں پیش کرنے پر ہم دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور ہماری سفارش ہے کہ قدرداں حضرات اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

اسباق النحو

مصنف: مولانا حمید الدین فراہیؒ۔
صفحات ۵۵ قیمت ایک روپیہ (جو کچھ زیادہ ہی) شائع کردہ:۔ دائرہ حمیدیہ۔ مدرسۃ الاصلاح۔ سرائے میر اعظم گڑھ

یہ حصہ اول ہے جو صرف "اسم" کے بیان میں ہے۔ مولانا فراہیؒ عربی زبان و ادب کے شہسواروں میں گنے جاتے ہیں، ان کی ترتیب دی ہوئی درسی کتاب عمدہ ہی ہونی چاہئے اور ہے۔ عربی سیکھنے والوں کے لئے اس سے استفادہ ان شاء اللہ ضروری ہے۔

* * *

فاتحہ کا طریقہ

مؤلف: قاضی سید اسماعیل صاحب
شائع کردہ: قاضی بک ڈپو۔ بنگنور ضلع چیتور۔ صفحات ۶۴ قیمت صرف ۶/

اس کتاب پر تجلی میں پہلے بھی تبصرہ ہو چکا ہے۔ یہ نیا ایڈیشن ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع کیا گیا ہے بعض جدید مضامین پہلے سے زیادہ ہیں۔ "فاتحہ" کی رسم چونکہ فی زمانہ بہت رائج ہے، اس لئے جس کتاب کا مطالعہ عوام کے لئے نافع ہوگا اس میں بدعی طریقوں کی نشاندہی اور تردید کی گئی ہے۔

ریاض المصلی

مرتبہ جناب عبد القدوس صاحب۔
ناشر: انجمن مصنفین بھوپال۔

صفحات ۱۴۲ سائز چھوٹا خوبصورت۔ لکھائی چھپائی کاغذ معیاری قیمت دو روپے۔

اس کتاب میں فاضل مرتب نے نماز اور اس کے متعلقات کی مرویات جمع کی ہیں۔ ترجمہ بلا متن پر اکتفا کیا ہے لیکن حوالے ہر شتہ ہیں، ترتیب وہی فقہی انداز کی ہے۔ آغاز میں نماز کی اہمیت و فضیلت ظاہر کرنے والی روایات دی گئی ہیں، اور خاتمے پر چالیس مختصر روایات کا ترجمہ بھی منسلک ہے۔ کتاب ہر آئینہ

سے کے چیلنج کو قبول کرتے رہنے کی ہمت اور کس بل سوائے حنفی انداز فکر کے اور کسی میں بھی نہیں۔ اس انداز فکر کو استعمال کرنے میں اگر بعض علمار احناف سے چوک ہوئی ہے تو ہوا کرے۔ اخلاف کی کج فکری اسلاف کے ذمے نہیں مڑھی جاسکتی۔ دیکھنا ان اصول اور کلیات کا ہے جو خود امام اعظم نے دنیا کو دیئے ہیں۔ بحث ان فکری خطوط کی ہے جنہیں دستور شریعت کی لوح پر کھینچنے والے خود امام اعظم اور ان کے معاون اصحاب تھے۔

محدثین اور اہل حدیث پر اللہ کی رحمت ہو انہوں نے بارہا اس نکتہ کو نظر انداز فرما دیا ہے کہ تعمیری ساز و سامان جمع کرنا اور چیز ہے اور اس سے ایک پائدار و دلکش عمارت تعمیر کرنا اور چیز دونوں کے لئے مختلف صلاحیتوں کے لوگ درکار ہیں اور کم ایسے ہوتے ہیں جن میں دونوں صلاحیتیں بہترین تناسب کے ساتھ جمع ہو گئی ہوں۔

بات لمبی ہو گئی۔ تبصرہ کا لب لباب یہ ہے کہ الاتباع ایک دلچسپ عربی کتاب ہے جو اہل حدیث کے مسلک و موقف کو تقویت دیتی ہے۔ اس کے مصنف قاضی صدر الدین لباس کے اعتبار سے حنفی ہیں مگر طبعی میلان شافعیت کی طرف ہے اور احقاق اہل حدیث کے موقف کا فرما گئے ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت کرے۔

* * *

نصیحۃ المسلمین | مؤلفہ :- مولانا خرم علی بلہوری

یہ وہی رسالہ ہے جسے بارہا حضرت اسماعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان کے ساتھ چھاپا جاتا رہا ہے۔ مولانا خرم علی حضرت شہیدؒ مجاہد ساتھیوں میں تھے۔ حق کے فدائی، قرآن و سنت کے شیدائی۔ شرک و بدعت سے متنفر۔ توحید و سنت کے داعی۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

اس رسالہ میں نہایت عمدگی سے شرک و بدعت کا رد کیا گیا ہے اور زبان اتنی سلیس و شستہ ہے کہ تصور ہی نہیں آتا کہ یہ ڈیڑھ سو سال پہلے کے کسی عالم کی تحریر فرمودہ ہے۔ اللہ تعالے مصنف کو آخرت کے مقامات بلند پر سرفراز کرے اور ناشرین کو جزائے خیر دے۔ صفحات ۷۶، قیمت صرف چار آنے

ملنے کا پتہ: جمعیۃ اہل حدیث۔ مصری شاہ۔ لاہور۔ (ا۔ع۔)

باب الصحت

صحت کیلئے مفید غذائیں

بیگم عظیم زبیری

ہندوپاک سے آنے والے خطوط شاہد ہیں کہ دونوں ممالک میں ایسے مردوں اور عورتوں کی اکثریت ہے جو آئے دن بیمار رہتے ہیں، مریضوں کے حالات پڑھ کر دل کو دکھ ہوتا ہے۔ ہماری جانب سے ان کے دکھ درد دور کرنے اور ان کو صحیح اور درست راستہ دکھانے کی ہر ممکن کوشش کیجاتی ہے، یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ صحت کی عمدگی اور بیماری سے چھٹکارا بہت حد تک اس خوراک پر منحصر ہے جو ہم کھاتے ہیں، جب کوئی شخص غیر متوازن غذا پر عرصہ تک زندگی بسر کرتا ہے توجسم کی قوت مدافعت کم ہو جاتی ہے، اس کا جسم بیماریوں سے لڑنے کے قابل نہیں رہتا، اور بڑی آسانی سے معمولی سے معمولی مرض کا شکار بن جاتا ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ قیمتی غذا ہی طاقت بخش ہوتی ہے، غریب مزدور جو بے چھنے آٹے کی تازہ روٹی ابلے ساگ پات ساتھ کھاتا ہے وہ کہیں بہتر غذا کھاتا ہے بہ نسبت اس امیر کے جو مرغن مصالحہ دار چٹپٹی غذائیں کھاتا ہے۔

اس مضمون میں آپ کو یہ بتا دوں کہ کونسی غذائیں خون پیدا کرتی ہیں، کونسی غذائیں ہڈیوں اور اعصاب کو مضبوط بناتی ہیں، کونسی غذائیں دماغی قوت اور جسمانی طاقت حاصل کرنے کے لئے کھانی چاہئیں اور کونسی غذائیں قبض رفع کرتی ہیں۔

(۱) قبض کشا اشیاء:-

شیریں پختہ پھل، پتوں والی سبزیاں، بھوسی ملا ہوا موٹا آٹا، دودھ، کشمش۔ موبز منقی۔ خوبانی۔ کھجور۔ انجیر۔ یہ سب چیزیں معدہ و آنتوں کو صاف کرتی ہیں، ان میں فولاد، کثیر مقدار میں وٹامنز سالٹ اور دیگر معدنیات ہوتے ہیں، ان کے استعمال سے دائمی قبض سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور طاقتور خون پیدا ہوتا ہے ایسی اشیاء زیادہ استعمال کرنی چاہئیں۔

(۲) نشاستہ دار غذائیں:-

دالیں، چاول، آلو، جو، گندم، کیلا۔ ان کے استعمال سے انرجی پیدا ہوتی ہے اور حرارت غریزی قائم ہوتی ہے، دالیں چھلکے اور چاول بغیر پالش کا استعمال کرنا چاہیئے

(۳) اعصاب اور ہڈیوں کو طاقتور بنانیوالی [illegible]

دودھ، انڈا، مچھلی، پرندوں کا گوشت، بکرے [illegible] مٹر، شہد، یہ چیزیں مقوی اعصاب، مقوی دماغ اور انرجی پیدا کرنیوالی ہیں۔ دنیا میں کامیابی کا راز انرجی پر ہے۔

(۴) چربی پیدا کرنے والی چیزیں:-

مکھن، بالائی، گھی۔ جانوروں کی چربی۔ زیتوں کا تیل۔

(۵) کثیر مقدار میں وٹامنز پیدا کرنے والی اشیاء

گاجر۔ ٹماٹر۔ چقندر، آلو۔ آم۔ سنگترہ۔ کیلا۔ دودھ مکھن۔

(۶) مضر صحت غذائیں:- لال مرچ۔ ہر قسم کے اچار چٹنیاں، ہر قسم کی ترشی، مصالحہ، پوری کچوری، تلی ہوئی اشیاء، بیگن۔ سگرٹ حقہ، تیز قسم کی چائے، کافی، افیون، برف کا سرد پانی۔ بیڑی۔

میں نے ان غذاؤں کا ذکر کیا ہے جو صحت کو برقرار رکھنے [illegible] آپ ان میں سے اپنی جسمانی و مالی حالت کے پیش نظر انتخاب کر کے اپنا پروگرام مرتب کر لیجئے، کوئی الجھن ہو تو مجھ سے جوابی خط لکھکر معلوم کریئے۔

ضروری نوٹ:-

موسم سرما ختم ہوتا جا رہا ہے، جسمانی کمزوریوں کو دور کرنے اور پوشیدہ بیماریوں کے علاج کے لئے یہ مناسب موسم ہے جو زمانہ باقی ہے اس سے فائدہ اٹھائیے، ضائع نہ کیجئے، صحیح رہنمائی کیلئے "محافظ شباب" ہم سے مفت منگا کر پڑھئے، مردانہ، زنانہ اور بچوں کے امراض کے متعلق مفت مشورہ حاصل کیجئے، لیکن جواب کیلئے ٹکٹ یا پتہ لکھا لفافہ یا کارڈ رکھنا نہ بھولئے۔ پتہ یہ کافی ہے:

بیگم حکیم محمد زبیری۔ امروہہ
ضلع مراد آباد۔ یوپی

صحیح بخاری شریف مع مکمل متن و بہترین اردو ترجمہ
مکتبہ فیض القرآن دیوبند کا دوسرا شاندار کارنامہ
اس مکتبہ فیض القرآن دیوبند اپنے پہلے پروگرام کے تحت قرآن مجید کی شہرۂ آفاق تفسیر "تفسیر ابن کثیر" اردو کا ایک ایک
پابندی وقت کے ساتھ ماہ بماہ شائع کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مکتبہ کا دوسرا پروگرام صحیح بخاری شریف
کی اشاعت ہے۔ اس کے تیس پارے ماہ بماہ ایک ایک پارہ کی شکل میں شائع ہوتے رہیں گے۔
دو عالم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کا وہ گرانقدر مجموعہ جو امام عالی مقام امیر المومنین فی الحدیث
ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری نے چھ لاکھ احادیث نبوی میں سے منتخب فرما کر سولہ سال میں مرتب فرمایا ہے۔
قرآن مجید کے بعد دنیا کی وہ مستند ترین اور لاثانی کتاب جس میں قطعی سچی احادیث کا وہ جلیل القدر عظیم الشان
خزانہ پوشیدہ ہے جو اسلام کی روح رواں ہے۔
تراجم کی خامیوں کے پیش نظر ترجمہ اردو بھی زیادہ دقت نظر صحت فکر کا محتاج تھا اور حواشی و تشریح کا ایک
ذخیرہ بھی ضروری تھا۔ مکتبہ نے مستند علماء کی خدمات حاصل کر کے اکابر علماء امت کی نگرانی میں اس اہم خدمت
کو انجام دیا ہے، سفید کاغذ۔ تقریباً ڈیڑھ سو صفحات ۲۰×۳۰ سائز کتابت و طباعت معیاری۔
روپے فی پارہ محصولڈاک ایک روپیہ فی پارہ، یہ رعایت صرف ممبران کے لئے مخصوص ہے۔ عام ہدیہ تین روپے فی پارہ
ممبری اس سلسلہ کی دائمی شرکت کیلئے صرف ایک روپیہ کا منی آرڈر ارسال فرما کر ممبر بن جائیے
ممبران کی خدمت میں ہر ماہ صحیح بخاری شریف اردو کا ایک پارہ ذریعہ وی پی
روپے ارسال کیا جاتا رہے گا۔ لیکن اگر آپ پانچ دوست مل کر ہر پارے کے ہر ماہ پانچ نسخے یکجا
منگائیں گے تو رعایتی وی پی مع ڈاک خرچ تیرہ روپے (۱۳) کی ارسال ہوگی۔ اس شکل سے یہ مایۂ ناز علمی خزانہ
معمولی رقم میں رفتہ رفتہ ہر شخص کے پاس پہنچ جائے گا۔
دیگر تفصیلات کیلئے لکھیے
مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور یو۔پی
آج ہی ممبر بنئے اور ممبر بنائیے

. No. A-972. Tajalli Monthly Deoband (U.P.

خط و کتابت کے لئے یہ پتہ دیا گیا ہے :۔ سکریٹری اسلامی بیت المال ۳۳ کوچہ باقیات ۔ ویلور (شمالی ارکاٹ)

شاہراہِ ترقی

مصنفہ :۔ قاری عبد العزیز ترکی ۔
ملنے کا پتہ :۔ منتظمہ کمیٹی سنبھل ضلع مراد آباد

صفحات ۲۰۸ ۔ قیمت مجلد ڈھائی روپے ۔ لکھائی چھپائی گرد پڑ ۔

یہ کتاب اپنی انشاء، اپنے اسلوبِ گفتار، اپنے تنوع اور گوناگوں مضامین و مطالب کے باعث ایسی تابناک بن گئی ہے کہ ہماری آنکھیں خیرہ اور نبضیں ساقط ہیں ۔ وہی شعر بار بار زبان پر آ رہا ہے کہ :۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

اس میں قومی معیشت کی ترقی کیلئے ایک اسکیم پیش کی گئی ہے جس کی اچھائی بُرائی کا جائزہ ہم جیسے مولوی مُلّا لوگ نہیں معاشی ماہرین ہی لے سکتے ہیں ۔ پھر مصنف نے خوب خوب اشعار، مقفیٰ و مسجع عبارتیں، کہانیاں اور تاریخی واقعات دئیے ہیں جن سے نصیحت اور عبرت آموزی مقصود ہے ۔ وہ دردمند آدمی ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ نام ہی کے "ترکی" نہیں کام کے بھی ترکی ہیں جس کا اندازہ قاری کو پہلے ہی صفحے سے ہونا شروع ہو جاتا ہے :۔ مرحبا ثم مرحبا ۔ اُمید تو نہیں کہ قوم انکی گرانمایہ تصنیف سے کوئی فائدہ اُٹھا سکے گی مگر یہ تصنیف یا مصنف

جلوہ ہائے لب و لعل کی کشش سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ بارگاہ رب العزت میں بہت بڑی گستاخی ہے کہ ان کی محبت کا جوڑ صنفی محبت کے تار و پود سے ملا دیا جائے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۔۔۔

آخر میں "سوز و سلام" کا باب "انیس و دبیر" کے مرثئے یاد دلا دیتا ہے۔ وہی شیعی انداز ماتم وہی نزنانہ بین و شیون۔

۔۔۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

* * *

الاتباع

ناشر:۔ المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ۔ لاہور
صفحات: ۱۳ قیمت ۱۲ر

یہ ایک عربی رسالہ ہے جس میں ایک حنفی کا رد دوسرے حنفی نے کیا ہے۔ صورت یہ ہے کہ معروف اہل حدیث عالم جناب محمد عطاء اللہ حنیف کو یہ رسالہ مخطوطے کی شکل میں اپنے ایک بزرگ سے حاصل ہوا۔ پھر انہوں نے اس پر کافی محنت کر کے لائق طباعت بنایا۔ تعجب یہ ہے کہ اگرچہ "کلمۃ الناشر" کے تحت مولانا حنیف صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ کتب تاریخ وتراجم کی چھان بین کرنے کے باوجود مجھے ان دونوں حنفی فقیہوں کے حالات و کوائف سے آگاہی حاصل نہ ہو سکی لیکن پھر بھی وہ ان بزرگوار کو جنہوں نے رد کیا ہے آٹھویں صدی ہجری کے محققین علماء میں شمار کر رہے ہیں۔ شاید ان کی نگاہ میں ردِ حنفیت کا یہ کارنامہ ہی کسی شخص کے محقق ہونے کو کافی ہے جو اس رسالے میں انجام دیا گیا ہے۔

یہ شکوہ تو فضول ہی ہو گا کہ محقق موصوف اور بعض اور علماء کی طرح مولانا حنیف صاحب نے بھی محدثین اور ائمہ مجتہدین کے لئے رضی اللہ عنہم کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جب مولانا ابو الکلام آزاد جیسا روشن دماغ عالم حضرت حسینؓ کو امام حسین علیہ السلام لکھ سکتا ہے تو کسی کو کیا کہئے۔ مگر لکیر کے فقیر کی طرح بات ہم وہی کہیں گے کہ علیہ السلام آخری پیغمبر کو چھوڑ کر باقی تمام انبیاء کے لئے صلے اللہ علیہ وسلم صرف خاتم النبیین کے لئے اور ... رضی اللہ عنہ صرف صحابی کے لئے مخصوص رہنا چاہئے۔ بحث معنی سے نہیں ہے۔ معنی کے اعتبار سے تو صلے اللہ علیہ وسلم بھی ہر نبی اور صحابی اور ولی کے لئے کہا جا سکتا ہے لیکن سوال معنیٰ کا نہیں الفاظ کا ہے۔ رضی اللہ عنہ کا تاج زر نگار کچھ صحابۂ رسول ہی کے فرق مقدس کو زیب دیتا ہے۔ آگے آپ کی مرضی۔

ماننا چاہئے کہ تقلید ابو حنیفہ کی مدح کرنے والے فقیہہ شیخ محمد بن محمود نے اپنی مدح میں خاصے غلو اور شدت سے کام لیا ہے، خصوصاً وہ حصہ بہت ناخوشگوار ہے جس سے امام بخاری اور امام شافعی جیسے حضرات کی تحقیر مترشح ہوتی ہے۔ لیکن جس انداز میں محقق مصداق الدین حنفی نے جوابات دئے ہیں وہ اپنی متانت و ثقاہت کے باوجود یہ یقین دلاتا ہے کہ موصوف ذہنی طور پر حنفی نہیں ہیں بلکہ محض تکلفاً خود کو حنفی کہتے اور کہلواتے رہے ہیں۔ جوابات کے خاتمے پر جو قدرے مفصل تقریر انہوں نے فرمائی ہے وہ تو کھلے طور پر غیر مقلدانہ طرز فکر کی آئینہ دار ہے۔ اپنے اپنے زاویۂ نظر کی اشاعت اور موقف و مسلک کی تبلیغ کوئی بری بات نہیں، لیکن یہ یقیناً بری بات ہے کہ یہ کار خیر بھیس بدل کر کیا جائے۔ جوابی تقریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل مجیب امام ابو حنیفہ کے علم و تفقہ اور ذہانت صالحہ کے ان امتیازات تک کو لائق اعتبار نہیں سمجھتے جنہیں تاریخ علم و دانش کا نقش دوام کہنا چاہئے۔ وہ ابن محمود صاحب کے غیر معتدل فقروں کا بجا طور پر رد کرتے ہوئے یہ کمال دکھاتے ہیں کہ کسی بھی امام و محدث اور فقیہ و مجتہد کے مقابلہ میں امام ابو حنیفہ کی فکری پیش رفتوں اور کارناموں کا تصور تک پاس نہیں پھٹکتا۔ یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ دوسروں کے مقابلہ میں اس بے مثال مقنن اور یگانہ مجتہد کو کچھ بھی امتیاز حاصل تھا۔ ایسا ذہن رکھنے والا شخص سب کچھ ہو سکتا ہے مگر حنفی نہیں ہو سکتا۔ ابو حنیفہ کی فقہ کے شیوع و قبول میں چاہے کچھ بھی اسباب کار فرما رہے ہوں لیکن آئین سازی کی پیچیدگیوں اور اصول و فروع کے باہمی تعلق کی لطافتوں کا شعور رکھنے والا کوئی بھی منصف مزاج انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو شریعت تمام عالم کے لئے بھیجی گئی ہے اس کی بنیاد پر قانون سازی کا کام اسی درس تعمق، اسی باریک بیں بصیرت، اسی خوشگوار توازن اور اسی توسع پسند اجتہاد سے سب سے بہتر ہو سکتا تھا جس کا ثبوت امام ابو حنیفہ کے فکری کارناموں میں ملتا ہے۔

احناف خالیہ سے دوسرے اثر بھی متصف ہیں اور فکر و نظر کے چراغ انہوں نے بھی خوب خوب جلائے ہیں مگر ترقی پذیر زمانے